

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# آسان ترجمہ قرآن

تشریحات کے ساتھ



از

مفتی محمد رفیع عثمانی

مکتبہ المدینہ دارالعلوم کراچی

(Quranic Studies Publishers)

Karachi - Pakistan.

تَوْحِیْحُ الْقُرْآنِ

# اسان ترجمہ قرآن

تشریحات کے ساتھ

از

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ مجاز القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

Karachi, Pakistan.



# جملہ حقوق طبع و کتبہ محفوظ ہیں

ISBN 978-969-9306-02-0

عرض ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ اشرف القرآن کراچی نے "اسان مجھے قرآن" کی صحیح و طبعات میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کسی بھی کتابت، طبعات اور جلد سازی میں سہرا غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔



مکتبہ اشرف القرآن کراچی  
(Quranic Studies Publishers)

maktabamaarifulquran.com  
Compound Jamia Darul-uloom Karachi.  
Korangi Industrial Area, Post Code-75180,  
Karachi - Pakistan.

باہتمام : خیر الشافعی قاسمی

طبع جدید : ربیع الاول - ۱۴۳۲ھ مطابق فروری - 2011

مطبع : احمد برادرز پرہنگ پریس

ناشر : مکتبہ اشرف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

فون : (92-21) 35031565, 35123130

ای میل : info@quranicpublishers.com

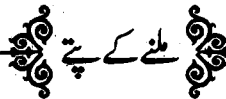
mm.q@live.com

ویب سائٹ : www.maktabamaarifulquran.com

ONLINE  
SHARIAH

www.SHARIAH.com

ہر قسم کی دینی کتب کی آن لائن خریداری کے لیے  
درج بالا ویب سائٹ پر سہولت موجود ہے۔



● Azhar Academy Ltd.,  
54-68, Little Ilford Lane,  
Manor Park-London E-12, 5QA, U.K.  
Ph : +44-20-8911-9797

● Darul Uloom Al-Madania,  
182, Sobieski Street Buffalo,  
NY, 14212-U.S.A

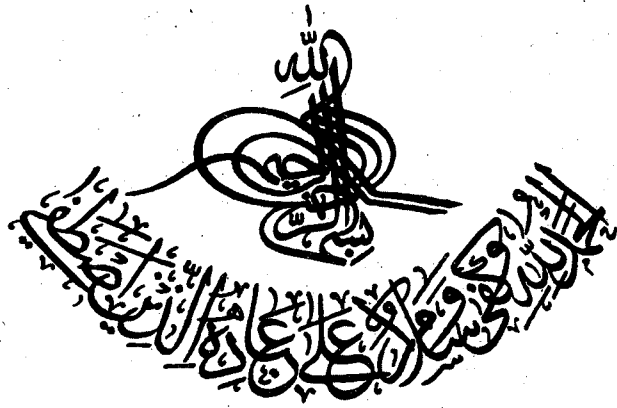
● ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی۔

● دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔

● بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔

● ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، اتارکلی، لاہور۔

● بیت العلوم، ۲۰، ناچھ روڈ، لاہور۔



نَحْمَدُكَ وَنُتَعِيزُ بِكَ تَغْفِرُ لِمَنْ يَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ

وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ اَنْفُسَانَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا

مِنْ تَحِيْدِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى اَوْلِيَّائِكَ

وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

وَنَشْهَدُ اَنْ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلَكَ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْكَ وَعَلَى اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا  
ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى آله واصحابه اجمعين،  
وعلى من تبعهم باحسان إلى يوم الدين-

## پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناکارہ بندے کو اپنے  
کلام مجید کے اس ترجمے اور تشریح کی توفیق عطا فرمائی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

آج سے چند سال پہلے تک میرا خیال یہ تھا کہ اُردو میں مستند علمائے کرام کے اتنے ترجمے موجود ہیں کہ  
ان کے بعد کسی نئے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب کچھ حضرات مجھ سے قرآن کریم کا ترجمہ کرنے  
کی فرمائش کرتے تو اس خدمت کو عظیم سعادت سمجھنے کے باوجود اوّل تو اپنی نااہلی کا احساس اڑے آتا، اور  
دوسرے کسی نئے ترجمے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن پھر مختلف اطراف سے احباب نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اُردو کے جو مستند ترجمے اس وقت موجود  
ہیں، وہ عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہو گئے ہیں، اور ایسے آسان ترجمے کی واقعی ضرورت ہے جو معمولی پڑھے  
لکھے افراد کی سمجھ میں بھی آسکے۔ یہ مطالبہ اتنی کثرت سے ہوا کہ موجودہ ترجموں کا باقاعدہ جائزہ لینے کے بعد مجھے  
بھی اس مطالبے میں وزن نظر آنے لگا، اور جب میرا انگریزی ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہوا تو یہ مطالبہ اور زیادہ زور  
پکڑ گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے ترجمہ شروع کیا، لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال تھا کہ عام مسلمانوں کو  
قرآن کریم کا مطلب سمجھنے کے لئے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحات کی بھی ضرورت ہوگی، اس خیال کے پیش نظر  
میں نے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحی حواشی بھی لکھنے کا اہتمام کیا۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو بذات خود ایک عظیم معجزہ ہے، اس لئے اُس کا ٹھیک ٹھیک

ترجمہ جو قرآن کریم کی بلاغت اور اس کے بے مثال اُسلوب اور تاثیر کو کسی دوسری زبان میں منتقل کر دے، بالکل ناممکن ہے۔ لیکن اپنی بساط کی حد تک بندہ نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کا مطلب آسان، باحاورہ اور رواں انداز میں واضح ہو جائے۔ یہ ترجمہ بالکل لفظی ترجمہ بھی نہیں ہے، اور اتنا آزاد بھی نہیں ہے جو قرآن کریم کے الفاظ سے دُور چلا جائے۔ وضاحت کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حتی الوسع قرآن کریم کے الفاظ سے بھی قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جہاں قرآن کریم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ تفسیروں کا احتمال ہے، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ترجمے کے الفاظ میں بھی وہ احتمالات باقی رہیں۔ اور جہاں ایسا ممکن نہ ہو سکا، وہاں سلف کے مطابق جو تفسیر زیادہ رائج معلوم ہوئی، اُس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

تشریحی حواشی میں صرف اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو جہاں مطلب سمجھنے میں کچھ دشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تشریح سے مدد لے سکے، لمبے تفسیری مباحث اور علمی تحقیقات کو نہیں چھیڑا گیا، کیونکہ اس کے لئے بفضلہ تعالیٰ مفصل تفسیریں موجود ہیں۔ البتہ ان مختصر حواشی میں چھنی چھنائی بات عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

اس خدمت کا بہت سا حصہ بلکہ شاید زیادہ حصہ میرے مختلف سفروں کے درمیان انجام پایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کمپیوٹر میں تمام ضروری کتابوں کا ذخیرہ میرے ساتھ تھا، اس لئے ضروری کتابوں کی مراجعت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

قرآن کریم کی یہ ناچیز خدمت اس احساس کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ اس بے مثال کلام کی خدمت کے لئے جس علم اور تقویٰ کی ضرورت ہے، میں اُس سے تہی دامن ہوں۔ لیکن جس مالکِ کریم کا یہ کلام ہے، وہ جس ذرّہ بے مقدار سے جو کام لینا چاہے، لے لیتا ہے۔ لہذا اگر اس خدمت میں کوئی بات اچھی اور دُرست ہے تو وہ صرف اُسی کی توفیق سے ہے، اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری نااہلی کی وجہ سے ہے۔ اُسی مالکِ کریم کی بارگاہ میں یہ التجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اُسے مسلمانوں کے لئے مفید بنادے، اور اس ناکارہ کے لئے آخرت کا ذخیرہ، وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌ۔

بندہ  
محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ





## فهرست

صفحه	سوره
۱۱	مقدمه
۳۵	سورة الفاتحه
۳۹	سورة البقرة
۱۷۹	سورة آل عمران
۲۴۳	سورة النساء
۳۱۹	سورة المائدة
۳۷۹	سورة الانعام
۴۴۱	سورة الاعراف
۵۱۷	سورة الانفال
۵۵۵	سورة التوبة
۶۲۹	سورة يونس
۶۶۵	سورة هود
۷۰۵	سورة يوسف
۷۵۱	سورة الرعد
۷۷۷	سورة ابراهيم
۷۹۷	سورة الحجر
۸۱۵	سورة النحل



۸۵۳	..... سورة بنی اسرائیل
۸۸۹	..... سورة الکہف
۹۲۹	..... سورة مریم
۹۵۱	..... سورة طہ
۹۸۳	..... سورة الانبیاء
۱۰۱۱	..... سورة الحج
۱۰۳۹	..... سورة المؤمنون
۱۰۶۱	..... سورة النور
۱۰۹۳	..... سورة الفرقان
۱۱۱۳	..... سورة الشعراء
۱۱۳۳	..... سورة النمل
۱۱۶۷	..... سورة القصص
۱۱۹۹	..... سورة العنکبوت
۱۲۳۳	..... سورة الروم
۱۲۵۳	..... سورة لقمان
۱۲۶۷	..... سورة السجدة
۱۲۷۷	..... سورة الاحزاب
۱۳۱۳	..... سورة سبا
۱۳۳۳	..... سورة فاطر
۱۳۴۹	..... سورة یس
۱۳۶۷	..... سورة الصافات

شماره	عنوان
۱۳۸۹	سورة ص
۱۴۰۹	سورة الزمر
۱۴۳۱	سورة المؤمن
۱۴۵۳	سورة حم السجدة
۱۴۶۹	سورة الشورى
۱۴۸۵	سورة الزخرف
۱۵۰۷	سورة الدخان
۱۵۱۷	سورة الجاثية
۱۵۲۹	سورة الاحقاف
۱۵۳۵	سورة محمد
۱۵۵۹	سورة الفتح
۱۵۷۷	سورة الحجرات
۱۵۸۹	سورة ق
۱۶۰۱	سورة الذاريات
۱۶۱۳	سورة الطور
۱۶۲۵	سورة النجم
۱۶۳۷	سورة القمر
۱۶۴۷	سورة الرحمن
۱۶۵۹	سورة الواقعة
۱۶۷۱	سورة الحديد
۱۶۸۷	سورة المجادلة



سوره	شماره
سورة الحشر	١٦٩٩
سورة الممتحنة	١٧١١
سورة الصف	١٧٢٣
سورة الجمعة	١٧٣١
سورة التغابن	١٧٣٥
سورة الطلاق	١٧٥٣
سورة التحريم	١٧٦٣
سورة الملك	١٧٧١
سورة القلم	١٧٧٩
سورة الحاقة	١٧٨٩
سورة المعارج	١٧٩٧
سورة نوح	١٨٠٥
سورة الجن	١٨١٣
سورة المزمل	١٨٢٣
سورة المدثر	١٨٣١
سورة القيامة	١٨٣١
سورة الدهر	١٨٣٩
سورة المرسلات	١٨٥٧
سورة النبا	١٨٦٥
سورة النازعات	١٨٧٣
سورة عبس	١٨٨١



۱۸۸۷	.....	سورة التکویر
۱۸۹۳	.....	سورة الانفطار
۱۸۹۷	.....	سورة المطففين
۱۹۰۳	.....	سورة الانشقاق
۱۹۰۹	.....	سورة البروج
۱۹۱۵	.....	سورة الطارق
۱۹۱۷	.....	سورة الاعلى
۱۹۱۹	.....	سورة الغاشية
۱۹۲۲	.....	سورة الفجر
۱۹۲۶	.....	سورة البلد
۱۹۳۰	.....	سورة الشمس
۱۹۳۳	.....	سورة الليل
۱۹۳۶	.....	سورة الضحی
۱۹۳۸	.....	سورة الم نشرح
۱۹۴۰	.....	سورة التین
۱۹۴۲	.....	سورة العلق
۱۹۴۵	.....	سورة القدر
۱۹۴۶	.....	سورة البینة
۱۹۴۸	.....	سورة الزلزال
۱۹۵۰	.....	سورة العادیات
۱۹۵۲	.....	سورة القارعة

صفحه	سورة كاتام
١٩٥٣	سورة العنكاثر
١٩٥٣	سورة العصر
١٩٥٥	سورة الهنزة
١٩٥٤	سورة الفيل
١٩٥٩	سورة قریش
١٩٦١	سورة الماعون
١٩٦٣	سورة الكوثر
١٩٦٣	سورة الكافرون
١٩٦٦	سورة النصر
١٩٦٨	سورة الذهب
١٩٤٠	سورة الاخلاص
١٩٤٢	سورة الفلق
١٩٤٣	سورة الناس

# مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

## وحی اور اُس کی حقیقت

قرآن کریم چونکہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے نازل کیا گیا ہے، اس لئے سب سے پہلے وحی کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

### وحی کی ضرورت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے، اور اس کے ذمے کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، لہذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لئے دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے اور اس میں پیدا کی ہوئی اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لے لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو مد نظر رکھے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو ”علم“ کی ضرورت ہے، اس لئے کہ جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کوئی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لئے استعمال نہیں کر سکتا، نیز جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کونسے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے؟ اس وقت تک اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مذکورہ بالا باتوں کا علم حاصل ہوتا رہے، ایک انسان کے حواس، یعنی آنکھ، کان، منہ اور ہاتھ پاؤں، دوسرے عقل اور تیسرے وحی۔ چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں، بہت سی عقل

کے ذریعے، اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں اُن کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے۔ علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں، اُن کا علم نری عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہو سکتیں، مثلاً آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے، بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں، وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دے دیتے ہیں، وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے، یہ بھی ایک حد پر جا کر رُک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی، اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا؟ یہ نہ حواس کے ذریعے ممکن ہے، نہ عقل کے ذریعے، اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو دینے کے لئے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام ”وحی“ ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر، اسے اپنا پیغمبر قرار دے دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے، اسی کلام کو ”وحی“ کہا جاتا ہے۔

یہ بات ایک اور مثال سے شاید زیادہ واضح ہوگی، فرض کیجئے کہ میرے ہاتھ میں ایک پستول ہے، اُسے آنکھ سے دیکھ کر میں اس کا سائز اور اس کی صورت معلوم کر سکتا ہوں، میں ہاتھ سے چھو کر یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ کسی ٹھوس چیز سے بنی ہوئی ہے، اُس کا ٹریگر دبا کر میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس سے ایک گولی پوری قوت سے نکل کر دوڑ گئی ہے، اس کی آواز سن کر مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے ایک دھماکا پیدا ہوتا ہے، اور اُس کی نالی کو سونگھ کر یہ پتہ لگا سکتا ہوں کہ اس میں سے بارود کی بو آرہی ہے، یہ ساری اطلاعات مجھے میرے ظاہری حواس یعنی آنکھ، ہاتھ، کان اور ناک نے فراہم کی ہیں۔ لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اسے کس نے بنایا؟ تو میرے یہ ظاہری حواس اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے، اس موقع پر میں عقل سے سوچتا ہوں تو عقل مجھے یہ بتاتی ہے کہ یہ پستول جس انداز سے بنا ہوا ہے، وہ خود بخود وجود میں نہیں آ سکتا، یقیناً کسی کاریگر نے اُسے بنایا ہے، وہ کاریگر نہ میری آنکھوں سے نظر آ رہا ہے، اور نہ میرے کان اس کی آواز سن رہے ہیں، مگر اپنی عقل کے ذریعے مجھے یہ علم

حاصل ہو گیا کہ اسے کسی کارِ غیرِ انسان نے بنایا ہے۔

اب ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ہتھیار کا کونسا استعمال جائز اور کونسا ناجائز ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی میری عقل ایک حد تک میری مدد کر سکتی ہے، میں عقل سے سوچ سکتا ہوں کہ اس ہتھیار کے ذریعے کسی بے گناہ کو قتل کرنا بہت بُرا کام ہے، جس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کو بے گناہ کہا جائے اور کس کو مجرم؟ اور کونسا جرم ایسا ہے جس کی سزا میں اس پستول کو استعمال کر کے کسی کو قتل کیا جاسکتا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن پر اگر میں صرف عقل کی بنیاد پر غور کروں تو عقل مجھے الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ مثلاً اگر ایک قاتل میرے سامنے ہے، جس نے کسی بے گناہ کی جان لی، اس کے بارے میں، میں عقل سے سوچتا ہوں تو کبھی عقل یہ کہتی ہے کہ اس قاتل نے ایک جیتے جاگتے انسان کو موت کی نیند سلا دیا، اس کی بیوی کو بیوگی کا زخم لگایا، بچوں کو بلاوجہ یتیم بنا کر انہیں باپ کی شفقت سے محروم کیا، اس لئے یہ مجرم اس لائق ہے کہ اُسے بھی موت کے گھاٹ اتار کر دوسروں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا جائے۔ لیکن دوسری طرف وہی عقل ایک دوسری دلیل دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ جس مقتول کو مرنا تھا وہ تو مر گیا، قاتل کو قتل کرنے سے نہ وہ واپس آسکتا ہے، نہ اس کی بیوی بچوں کو اُن کا محبوب واپس مل سکتا ہے، اس کے بجائے اگر اس قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا تو اُس کے وہ بیوی بچے مصائب کا شکار ہوں گے جن کا کوئی جرم نہیں ہے۔

یہ دونوں دلیلیں عقل ہی کے سہارے وجود میں آئی ہیں، اس لئے نری عقل کے بھروسے پر کوئی ایسا فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے جس پر سب کی عقل مطمئن ہو جائے۔

یہ وہ موقع ہے جہاں نہ میرے حواس کوئی فیصلہ کن جواب دینے کے قابل ہیں، نہ میری عقل۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی درکار ہوتی ہے جو وہ اپنے پیغمبروں پر وحی نازل کر کے انسانیت کو فراہم کرتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق

اُن سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعے حل نہیں ہو سکتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحی الہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اُس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں، بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی عقائد کا علم عطا کرنا بھی عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے، اور ان کے ادراک کے لئے نری عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔



جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو، اس سے توحی کے مسئلے پر بات کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لئے وحی کی عقلی ضرورت، اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادر مطلق نے پیدا کی ہے، وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمت بالغہ سے چلا رہا ہے، اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اُسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمے کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصد زندگی کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے، اور اُسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے، اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعے اُس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لئے بھیجا گیا ہے؟ اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوند قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے جس کی حکمت بالغہ سے کائنات کا یہ سارا انتظام چل رہا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو، وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، پس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی و رسالت ہے۔

اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ”وحی“ محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں، بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔ یہ وحی اللہ تعالیٰ نے اُن ہزاروں پیغمبروں پر نازل فرمائی جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ حضور اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس مقدس سلسلے کی تکمیل ہو گئی۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے طریقے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی، صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی

ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آ جاتا ہے (صحیح بخاری ج: ۱ ص: ۲۰)۔

اس حدیث میں آپ نے ”وحی“ کی آواز کو گھنٹیوں کی آواز سے جو تشبیہ دی ہے، شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے اور بچ میں ٹوٹی نہیں، دوسرے گھنٹی جب مسلسل بجتی ہے تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اور کلامِ الہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی، بلکہ ہر جہت سے آواز سنائی دیتی ہے، اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدے کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں سے قریب کرنے کے لئے آپ نے اُسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔

(فیض الباری ج: ۱ ص: ۱۹۰ و ۲۰)

جب اس طریقے سے آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے، ایسی سردی میں بھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ کی مبارک پیشانی پسینے سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رکنے لگتا، چہرہ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے، اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔

(الاقان ج: ۱ ص: ۳۶)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ آپ جس جانور پر اُس وقت سوار ہوتے، وہ آپ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا۔ اور ایک مرتبہ آپ نے اپنا سر اقدس حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا، کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہو گئی، اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔

(زاد المعاد ج: ۱ ص: ۱۸ و ۱۹)

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرہ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی جھنجھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

(تبویب مسند احمد، کتاب السیرۃ النبویہ ج: ۲ ص: ۲۱۲)

وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبریل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت وحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف

لایا کرتے تھے، البتہ بعض اوقات کسی دوسری صورت میں بھی تشریف لائے ہیں۔ بہر کیف! جب حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزول وحی کی یہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب سے آسان ہوتی تھی۔ (الاققان ج: ۱ ص: ۴۶)

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کئے بغیر اپنی اصل صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔ (فتح الباری ج: ۱ ص: ۱۸۱۹)

چوتھی صورت براہ راست اور بلا واسطہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہم کلامی کی ہے، یہ شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار، یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ (اققان ج: ۱ ص: ۴۶)

وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء فرمادیتے تھے، اسے اصطلاح میں ”نفث فی الدّوع“ کہتے ہیں۔ (ایضاً)

## تاریخ نزول قرآن

اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا تدریجی نزول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا، اس کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ کی عمر چالیس سال تھی، اس نزول کی ابتدا بھی صحیح قول کے مطابق لیلة القدر میں ہوئی ہے، لیکن یہ رات رمضان کی کوئی تاریخ تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترھویں، بعض سے اُنیسویں اور بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج: ۱۰ ص: ۷۰)

## سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں اُتریں وہ سورہ علق کی ابتدائی آیات ہیں، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ اس کا واقعہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتدا تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ کو تنہائی میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا،

اور اس دوران آپ غارِ حراء میں کئی کئی راتیں گزارتے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن اسی غار میں آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ ”اِقْرَأْ“ (یعنی پڑھو) حضور نے فرمایا کہ: ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں“ اس کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بیان کیا کہ میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اس زور سے بھیجا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہوگئی، پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا، اور دوبارہ کہا کہ ”اِقْرَأْ“، میں نے جواب دیا کہ: ”میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں“ فرشتے نے مجھے پھر پکڑا اور دوبارہ اس زور سے بھیجا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہوگئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا کہ ”اِقْرَأْ“، میں نے جواب دیا کہ: ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں“ اس پر اُس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا اور بھیج کر چھوڑ دیا، پھر کہا:-

”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝“ (العلق: ۱-۵)

”پڑھو اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے“ الخ۔

یہ آپ پر نازل ہونے والی پہلی آیات تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اسی زمانے کو ”فترتِ وحی“ کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں آیا تھا، آپ کو آسمان و زمین کے درمیان دکھائی دیا، اور اس نے سورہ مدثر کی ابتدائی آیات آپ کو سنائیں، اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

## مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورۃ کے ساتھ ”مکی“ اور کسی کے ساتھ ”مدنی“ لکھا ہوتا ہے، اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ مفسرین کی اصطلاح میں ”مکی آیت“ کا مطلب وہ آیت ہے جو آپ کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی، اور ”مدنی آیت“ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی۔ بعض لوگ ”مکی“ کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہر مکہ میں نازل ہوئی، اور ”مدنی“ کا یہ کہ وہ شہر مدینہ میں اُتری، لیکن یہ مطلب درست نہیں، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں، اس لئے انہیں ”مکی“ کہا جاتا ہے، چنانچہ جو آیات منی، عرفات یا سفرِ معراج کے دوران نازل ہوئیں وہ بھی ”مکی“ کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ جو آیتیں سفرِ ہجرت کے دوران مدینہ کے راستے میں نازل ہوئیں، ان کو بھی ”مکی“ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہر مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں، مگر وہ ”مدنی“ ہیں، چنانچہ ہجرت کے بعد آپ کو بہت سے سفر پیش آئے جن میں آپ مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دُور بھی تشریف لے گئے، ان تمام مقامات پر نازل ہونے

والی آیتیں ”مدنی“ ہی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ اُن آیتوں کو بھی ”مدنی“ کہا جاتا ہے جو فتح مکہ یا غزوہ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہر مکہ یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں، چنانچہ آیت قرآنی: ”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا“ (۵۸:۴) ”مدنی“ ہے، حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

(البرہان ج: ۱ ص: ۱۸۸، ومنہا العرفان ج: ۱ ص: ۱۸۸)

پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکی یا پوری کی پوری مدنی ہیں، مثلاً سورہ مدثر پوری مکی ہے، اور سورہ آل عمران پوری مدنی، لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری سورت مکی ہے، لیکن اس میں ایک یا چند آیات مدنی بھی آگئی ہیں، اور بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوا ہے، مثلاً سورہ اعراف مکی ہے، لیکن اس میں: ”وَسُئِلَهُمْ عَنِ الْقُرْآنِ الْحَرَامِ كَانَتْ حَاضِرَةً الْبَيْتِ“ سے لے کر ”وَإِذَا خَذَلْنَا مِنْكُمْ فِئَةً أَدَمَ“ الخ تک کی آیات مدنی ہیں (۱۶۳:۷)۔ اسی طرح سورہ حج مدنی ہے، لیکن اس میں چار آیتیں یعنی: ”وَمَا أَمْرُكُمْ مِنْكُمْ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى“ سے لے کر ”عَذَابٌ يَذُوقُونَ“ تک مکی ہیں (۵۵-۵۲:۲۲)۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جس سورت کی ابتدائی آیات ہجرت سے پہلے نازل ہو گئیں اُسے مکی قرار دے دیا گیا، اگرچہ بعد میں اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔ (منہا العرفان ج: ۱ ص: ۱۹۲)

## قرآن کریم کا تدریجی نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم دفعہً اور ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تیس سال میں اُتارا گیا ہے، بعض اوقات جبریل علیہ السلام ایک چھوٹی سی آیت بلکہ آیت کا کوئی ایک جز لے کر بھی تشریف لے آتے، اور بعض مرتبہ کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں، قرآن کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقلاً نازل ہوا وہ ”عَنْزِ أُولَى الصَّغَرِ“ (النساء: ۹۵) ہے جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے، دوسری طرف پوری

سورہ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ (ابن کثیر ج: ۲ ص: ۱۲۲)

سارے قرآن کریم کو ایک دفعہ نازل کرنے کے بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ یہ سوال خود مشرکین عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، باری تعالیٰ نے اس سوال کا جواب خود ان الفاظ میں دیا ہے:-

”وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَلَّا لِيُتَذَكَّرَ بِهِ فَمَا أَدَّكَ وَرَأَيْتَهُ

تَزَيَّلًا ۝ وَلَا يَأْتِيَنَّكَ يَسْئَلُ إِلَّا جَمْعُكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝“ (الفرقان)

”اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ: ”ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نازل نہیں کر دیا

گیا؟“ (اے پیغمبر!) ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دل مضبوط رکھیں، اور ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔ اور جب کبھی یہ لوگ تمہارے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں، ہم تمہیں (اُس کا) ٹھیک ٹھیک جواب اور زیادہ وضاحت کے ساتھ عطا کر دیتے ہیں۔“

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان فرمائی ہیں، یہاں ان کا خلاصہ سمجھ لینا کافی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، اس لئے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لئے اُن پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کر دی گئی۔

۲- اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہو جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً لازم ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعت محمدیؐ میں ملحوظ رہی ہے۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز نئی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، جبریل علیہ السلام کا بار بار قرآن کریم لے کر آنا ان اذیتوں کے مقابلے کو آسان بنا دیتا تھا، اور آپ کی تقویت قلب کا سبب بنتا تھا۔

۴- قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے، اس لئے ان آیتوں کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کئے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی، اور قرآن کریم کی غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی۔ (تفسیر کبیر ج: ۶ ص: ۳۳۶)

## شان نزول

قرآن کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ اُن کے نزول کا سبب نہیں بنا۔ دوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعے کی وجہ سے یا کسی سوال کے جواب میں ہوا، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہئے، یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں ”سبب نزول“ یا ”شان نزول“ کہلاتا ہے، مثلاً سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ ہے:-

”وَلَا تَتَّبِعُوا النِّسْرَ كَلَّتِ لَهَا يَوْمَئِذٍ يُؤْمِنُ ۖ وَلَا مُمْؤِمَةٌ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ مُّشْرِكُوهُمْ لَا يَعْلَمُونَ“

”اور مشرک ٹولوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یقیناً ایک



مومن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آرہی ہو۔“  
یہ آیت ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، زمانہ جاہلیت میں حضرت مرثد بن ابی مرثد غنویؓ کے  
عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے، اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں  
رہ گئی، ایک مرتبہ حضرت مرثدؓ کسی کام سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت  
مرثدؓ نے صاف انکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کر سکتا ہوں، مدینہ طیبہ تشریف لا کر حضرت مرثدؓ نے  
آپ سے نکاح کی اجازت چاہی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے مشرک  
عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی۔ (اسباب النزول للواحدی ص: ۳۸)

یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کا ”شان نزول“ یا ”سبب نزول“ ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر میں ”شان نزول“  
نہایت اہمیت کا حامل ہے، بہت سی آیتوں کا مفہوم اس وقت تک صحیح طور سے سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک اُن کا  
شان نزول معلوم نہ ہو۔

## تاریخ حفاظت قرآن

### عہد رسالت میں حفاظت قرآن

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات  
کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں، اس لئے عہد رسالت میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اُسے کتابی  
شکل میں لکھ کر محفوظ کر لیا جائے، چنانچہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور  
حافظے پر دیا گیا، شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ اُس کے الفاظ کو اُسی وقت دُہرانے لگتے تھے،  
تا کہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں، اس پر سورۃ قیامہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کریم کو  
یاد رکھنے کے لئے آپ کو عین نزول وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دُہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ  
میں ایسا حافظہ پیدا فرمادے گا کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے بعد آپ اُسے بھول نہیں سکیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ  
ادھر آپ پر آیات قرآنی نازل ہوتیں اور ادھر وہ آپ کو یاد ہو جاتیں، اس طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا  
سینہ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا امکان نہیں تھا، پھر  
آپ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے، اور

جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دومرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دور کیا۔

(صحیح بخاری مع فتح الباری ج: ۹ ص: ۳۶)

پھر آپ صحابہ کرام کو قرآن کریم کے معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابہ کرام کو قرآن کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملے میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم دیں گے۔ سینکڑوں صحابہ نے اپنے آپ کو ہر غم ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر دی تھی، وہ قرآن کریم کو نہ صرف یاد کرتے، بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دہراتے رہتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپ اُسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرما دیتے، تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے۔ اور مسجد نبوی میں قرآن سیکھنے سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکید فرمانا پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو، تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔ (منہل العرفان ج: ۱ ص: ۲۳۴)

چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابہ کرام کی ایک ایسی بڑی جماعت تیار ہو گئی جسے قرآن کریم از بر حفظ تھا، اس جماعت میں خلفائے راشدینؓ کے علاوہ حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔<sup>(۱)</sup>

غرض ابتدائے اسلام میں زیادہ زور حفظ قرآن پر دیا گیا، اور اس وقت کے حالات میں یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور قابل اعتماد تھا، اس لئے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع کرنے کے لئے پریس وغیرہ کے ذرائع موجود نہ تھے، اس لئے اگر صرف لکھنے پر اعتماد کیا جاتا تو نہ قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو سکتی، اور نہ اُس کی قابل اعتماد حفاظت، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو حافظے کی ایسی قوت عطا فرمادی تھی کہ ایک ایک شخص ہزاروں اشعار کا حافظ ہوتا تھا، اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں، اُن کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے، اس لئے قرآن کریم کی حفاظت میں اسی قوت حافظہ سے کام لیا گیا، اور اسی کے ذریعے قرآن کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔

## کتابتِ وحی

قرآنِ کریم کو حفظ کرانے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کو لکھوانے کا بھی خاص اہتمام فرمایا، حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی، اور آپ کے جسم اطہر پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، پھر جب آپ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا (کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا، آپ لکھواتے رہتے، اور میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے، اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا، بہر حال! جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے: ”پڑھو!“ میں پڑھ کر سناتا، اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرمادیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔ (مجمع الزوائد ج: ۱ ص: ۱۵۶ بحوالہ طبرانی)

حضرت زید بن ثابتؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہؓ کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، جن میں خلفائے راشدینؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت خالد بن الولیدؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ، حضرت ابان بن سعیدؓ وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری ج: ۹ ص: ۱۸، اور زاد المعاد ج: ۱ ص: ۳۰)۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآنِ کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کا تب وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔ (فتح الباری ج: ۹ ص: ۱۸) اُس زمانے میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑوں کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ (ایضاً ج: ۹ ص: ۱۱)

اس طرح عہد رسالت میں قرآنِ کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ مرتب کتاب کی شکل میں نہیں تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرامؓ بھی اپنی یادداشت کے لئے آیاتِ قرآنی اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے ابتدائی عہد سے جاری تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہی اُن کی بہن اور بہنوئی کے ایک صحیفے میں آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ (سیرت ابن ہشام)

## حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جمع قرآن

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے، اُن کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، یا وہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابیؓ کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات، اور بعض صحابہؓ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

اس بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یک جا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انہوں نے یہ کارنامہ جن محرکات کے تحت اور جس طرح انجام دیا، اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بلوایا، میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ: ”عمر نے ابھی آکر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی، اور اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں“ میں نے عمر سے کہا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، وہ ہم کیسے کریں؟

عمر نے جواب دیا کہ: ”خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے“ اس کے بعد عمر مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہو گیا، اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمر کی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ: ”تم نو جوان اور سمجھ دار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انہیں جمع کرو۔“

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ: ”خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا، میں نے اُن سے کہا کہ: آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ: ”خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔“ اس کے بعد حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا، اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم کو جمع کیا۔“ (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن)

## جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کا طریق کار

اس موقع پر جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے طریق کار کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے، وہ خود حافظ قرآن تھے، لہذا وہ اپنی یادداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے، اُن کے علاوہ بھی سینکڑوں حفاظ اُس وقت موجود تھے، اُن کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآن کریم لکھا جاسکتا تھا۔

نیز قرآن کریم کے جو نسخے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھے گئے تھے، حضرت زیدؓ ان سے بھی قرآن کریم نقل فرما سکتے تھے، لیکن انہوں نے احتیاط کے پیش نظر صرف کسی ایک طریقے پر بس نہیں کیا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں درج نہیں کی جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں، وہ مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں، حضرت زیدؓ نے انہیں یکجا فرمایا تا کہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، چنانچہ یہ اعلان عام کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کریم کی جتنی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئے، اور جب کوئی شخص اُن کے پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے:-

۱- سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے۔

۲- پھر حضرت عمرؓ بھی حافظ قرآن تھے، اور روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اُن کو بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ لگا دیا تھا، اور جب کوئی شخص کوئی آیت لے کر آتا تھا تو حضرت زیدؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے۔ (فتح الباری ج: ۹ ص: ۱۱ بحوالہ ابن ابی داؤد)

۳- کوئی لکھی ہوئی آیت اُس وقت تک قبول نہیں کی جاتی تھی جب تک دو قابل اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دے دی ہو کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔ (اقتان ج: ۱ ص: ۶۰)

۴- اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا اُن مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ (البرہان فی علوم القرآن للورکشی ج: ۱ ص: ۲۳۸)

## حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دُور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقے کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا اُن تاجروں سے قرآن کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی، اور مختلف صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب قراءتوں کے مطابق اسے پڑھنے کی اجازت تھی، اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا جس کے مطابق خود انہوں نے حضور سے پڑھا تھا، اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دُور دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم کی مختلف قراءتیں ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتاری ہوئی ہیں، اُس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، لیکن جب یہ اختلاف دُور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات اُن میں پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآن کریم کی مختلف قراءتیں ہیں، تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دُوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے، ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دُوسرے سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے ایک نسخے کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری اُمت کے لئے حجت بن سکے، کیونکہ دُوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور ان میں تمام قراءتوں کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیے کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں تمام معتبر قراءتیں جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کوئی قراءت صحیح اور کوئی غلط ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

اس غرض کے لئے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکرؓ کے تیار کرائے ہوئے) جو صحیفے موجود ہیں، وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم اُن کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہؓ کی ایک جماعت بنائی جو حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں سے نقل کر کے کئی ایسے مصاحف تیار کرے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں۔ ان چار صحابہؓ میں سے حضرت زیدؓ انصاری تھے اور باقی تینوں حضرات قریشی، اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ: ”جب تمہارا اور زیدؓ کا قرآن کے کسی حصے میں اختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کونسا لفظ کس طرح لکھا جائے؟) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لئے کہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔“

بنیادی طور پر تو یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دُوسرے صحابہؓ کو بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ لگا دیا گیا، ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے:-

(۱) یہ پوری تفصیل اور اس سلسلے کی تمام روایات ”فتح الباری“ ج: ۹ ص: ۱۵۱۳ سے مأخوذ ہیں۔



۱- حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا، اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔

(مستدرک ج: ۲ ص: ۲۲۹)

۲- قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سجا سکیں، اسی لئے اُن پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زیر، زبر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جاسکے، مثلاً ”سسرھا“ لکھا تاکہ اسے ”نُنْشُرْهَا“ اور ”نُنْشِرْهَا“ دونوں طرح پڑھا جاسکے، کیونکہ یہ دونوں قراءتیں درست ہیں۔ (مناب العرفان ج: ۱ ص: ۲۵۳ و ۲۵۴)

۳- اب تک قرآن کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق سے تیار کیا گیا ہو، صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پانچ مصاحف تیار کرائے تھے، لیکن ابو حاتم بحتائی کا ارشاد ہے کہ کل سات نسخے تیار کئے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔ (فتح الباری ج: ۹ ص: ۱۷۰)

## احزاب یا منزلیں

صحابہؓ اور تابعینؓ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کر لیتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے ”حزب“ یا ”منزل“ کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قرآن کو کل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا تھا۔ (البرہان ج: ۱ ص: ۲۵۰)

## اجزاء یا پارے

آج کل قرآن کریم تین اجزاء پر منقسم ہے، جنہیں تین پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لئے آسانی کے خیال سے قرآن کریم تین مساوی حصوں پر منقسم کر دیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے۔ یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تین پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تین مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانے کی ہے۔ لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی، البتہ علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کے تین پارے مشہور چلے آتے

ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں اُن کا رواج ہے (البرہان ج: ۱ ص: ۲۵۰ و مناہل العرفان ج: ۱ ص: ۴۰۲) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہد صحابہ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے، واللہ اعلم۔

## رُکوع

برصغیر کے نسخوں میں ایک علامت جو آج تک رائج چلی آتی ہے، رُکوع کی علامت ہے، اور اس کی تعیین قرآن کریم کے مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا، وہاں رُکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ”ع“) بنادی گئی۔ احقر کو جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ رُکوع کی ابتدا کس نے اور کس دور میں کی؟ البتہ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے، اور اس کو ”رُکوع“ اسی لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رُکوع کیا جائے۔

## رُموزِ اَوْقاف

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لئے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اشارے لکھ دیئے گئے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اشارات کو ”رُموزِ اَوْقاف“ کہتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی دباں انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کر سکے، اور غلط جگہ سانس توڑنے سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ ان میں سے اکثر رُموز سب سے پہلے علامہ ابو عبد اللہ محمد بن طیفور سجاولی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع فرمائے (النشر فی القراءات العشر ج: ۱ ص: ۲۲۵) ان رُموز کی تفصیل یہ ہے:-

ط یہ ”وقف مطلق“ کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے، اس لئے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج یہ ”وقف جائز“ کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔  
ز یہ ”وقف مجوز“ کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کرنا درست تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص یہ ”وقف مَرخص“ کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی، لیکن جملہ چونکہ طویل ہو گیا ہے، اس لئے سانس لینے کے لئے دوسرے مقامات کے بجائے یہاں وقف کرنا چاہئے۔  
(المنع الفکرية ص: ۶۳)

م یہ ”وقف لازم“ کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت

کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے، لہذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے، بعض حضرات اسے وقف واجب بھی کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد فقہی واجب نہیں جس کے ترک سے گناہ ہو، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام اوقاف میں اس جگہ وقف کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے۔  
(النشر ج: ۱ ص: ۲۳۱)

لا یہ ”لا تحفف“ کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ”یہاں نہ ٹھہرو“، لیکن اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ یہاں وقف کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد والے لفظ سے ابتدا کرنا بھی جائز ہے، لہذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، اگلے لفظ سے ابتدا کرنا مستحسن نہیں۔

(النشر ج: ۱ ص: ۲۳۳)

ان رموز کے بارے میں تو یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ علامہ سجاد ندویؒ کے وضع کئے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض رموز قرآن کریم کے نسخوں میں موجود ہیں، مثلاً:-

مع یہ ”معانقہ“ کا مخفف ہے، یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہیں، ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا، اور دوسری تفسیر کے مطابق دوسری جگہ، لہذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جاسکتا ہے، لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دوسری جگہ وقف کرنا درست نہیں۔ مثلاً: ”ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْلَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْبٍ أَخْرَجَ شَطْطًا“ اس میں اگر ”التَّوْلَةِ“ پر وقف کر لیا تو ”الْإِنجِيلِ“ پر وقف درست نہیں، اور اگر ”الْإِنجِيلِ“ پر وقف کرنا ہے تو ”التَّوْلَةِ“ پر وقف درست نہیں، ہاں دونوں جگہ وقف نہ کریں تو درست ہے، اس کا ایک نام ”مقابلہ“ بھی ہے، اور اس کی سب سے پہلے نشان دہی امام ابو الفضل رازیؒ نے فرمائی ہے۔  
(النشر ج: ۱ ص: ۲۳۷، والاتقان ج: ۱ ص: ۸۸)

سکتہ یہ ”سکتہ“ کی علامت ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ رکنا چاہئے، لیکن سانس نہ ٹوٹے پائے، یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملا کر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

وقفہ اس جگہ ”سکتہ“ سے قدرے زیادہ دیر تک رکنا چاہئے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

ق یہ ”قیل علیہ الوقف“ کا مخفف ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔

قف یہ لفظ ”قف“ ہے جس کے معنی ہیں ”ٹھہر جاؤ“ اور یہ اس جگہ لایا جاتا ہے، جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہو سکتا ہو کہ یہاں وقف درست نہیں۔

صلے یہ ”الوصل اولی“ کا مخفف ہے، جس کے معنی ہیں کہ ”ملا کر پڑھنا بہتر ہے“۔

صل یہ ”قد یوصل“ کا مخفف ہے، یعنی یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں، اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ اُن مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں کسی روایت کی رو سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرتے ہوئے اس جگہ وقف فرمایا تھا۔

## علم تفسیر

اب کچھ ضروری معلومات علم تفسیر کے سلسلے میں پیش خدمت ہیں۔ عربی زبان میں ”تفسیر“ کے لفظی معنی ہیں ”کھولنا“ اور اصطلاح میں علم تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآن کریم کے معانی بیان کئے جائیں، اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے (البرہان) قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:-

”وَإِنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“ (۲۴:۱۶)

”اور ہم نے قرآن آپ پر اتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرمادیں جو اُن کی طرف اتاری گئی ہیں۔“

نیز قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

”لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ (۱۶۳:۳)

”بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جبکہ اُن کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرے، اور انہیں پاک صاف کرے، اور انہیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دے۔“

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی نہیں سکھاتے تھے، بلکہ اس کی پوری تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو ایک ایک سورت پڑھنے میں بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف فرما تھے، اُس وقت تک کسی آیت کی تفسیر معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، صحابہ کرامؓ کو جہاں کوئی دُشواری پیش آتی وہ آپ سے رُجوع کرتے اور انہیں تسلی بخش جواب مل جاتا، لیکن آپ کے بعد اس بات کی ضرورت تھی کہ تفسیر قرآن کو ایک مستقل علم کی صورت میں محفوظ کیا جاتا،

تاکہ امت کے لئے قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح معنی بھی محفوظ ہو جائیں، اور ملحد و گمراہ لوگوں کے لئے اس کی معنوی تحریف کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے اس امت نے یہ کارنامہ اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ آج ہم یہ بات بلا خوف و تردید کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی اس آخری کتاب کے صرف الفاظ ہی محفوظ نہیں ہیں، بلکہ اس کی وہ صحیح تفسیر و تشریح بھی محفوظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔

## تفسیر قرآن کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں، بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسر قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے نحو و صرف اور بلاغت و ادب کے علاوہ علم حدیث، اصول فقہ و تفسیر اور عقائد و کلام کا وسیع و عمیق علم رکھتا ہو، کیونکہ جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو، انسان قرآن کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصے سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد بدرکھنے والے لوگ، جنھیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے، جو دین کے معاملے میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم و فنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اُسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کر سکتا ہے، جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل نہ کی ہو، اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم و تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح کوئی انگریزی داں انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ

کر کے انجینئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی بھی باخبر انسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کر سکتا، اس لئے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آ سکتا، بلکہ اس کے لئے ماہر اساتذہ کے زیر تربیت رہ کر ان سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے۔ جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن و حدیث کے معاملے میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کافی کیسے ہو سکتا ہے؟ زندگی کے ہر شعبے میں ہر شخص اس اصول کو جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم و فن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں، جنہیں پورا کئے بغیر اس علم و فن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی، تو آخر قرآن و سنت اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے کسی علم و فن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے معاملے میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کر دے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ:-

”وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ“ (۱۷:۵۴)

”اور بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔“

اور جب قرآن کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم و فن کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے، جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت و موعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، مثلاً دنیا کی ناپائیداری، جنت و دوزخ کے حالات، خوف خدا اور فکرِ آخرت پیدا کرنے والی باتیں، اور زندگی کے دوسرے سیدھے سادے حقائق، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص عربی زبان سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ ”لِلذِّكْرِ“ (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کر رہا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام و قوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کا کما حقہ سمجھنا اور ان سے احکام و مسائل مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، اور عربی سمجھنے کے لئے انہیں کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے امام ابو عبد الرحمن سلمیٰؒ سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہؓ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان

بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کر لیں، وہ فرماتے تھے کہ:-

”فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيعًا“ (الاتقان ج: ۲ ص: ۱۷۶)

”ہم نے قرآن اور علم و عمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔“

چنانچہ موطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف سورہ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے، اور مسند احمد میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: ”ہم میں سے جو شخص سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ لیتا، ہماری نگاہوں میں اُس کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا تھا۔“ (الاتقان ج: ۲ ص: ۱۷۶ نوع: ۷۷)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہؓ جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعر و ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہو جایا کرتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ آٹھ سال صرف ایک سورت پڑھنے میں خرچ ہو جائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی، بلکہ اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ اب ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کو عربی زبان کی مہارت اور نزول وحی کا براہِ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود ”عالم قرآن“ بننے کے لئے باقاعدہ حضور سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزول قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شد بد پیدا کر کے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم و دین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ:-

”مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَغِيرَ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعِدَهُ فِي النَّارِ“

”جو شخص قرآن کے معاملے میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔“

اور:-

”مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ“

”جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح

بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔“ (ابوداؤد و نسائی، الاتقان ج: ۲ ص: ۱۷۹)



# سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ

## تعارف

سورہ فاتحہ نہ صرف قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں سب سے پہلی سورت ہے، بلکہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو مکمل طور پر نازل ہوئی، اس سے پہلے کوئی سورت پوری نہیں نازل ہوئی تھی، بلکہ بعض سورتوں کی کچھ آیتیں آئی تھیں۔ اس سورت کو قرآن کریم کے شروع میں رکھنے کا منشا بظاہر یہ ہے کہ جو شخص قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہو، اسے سب سے پہلے اپنے خالق و مالک کی صفات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور ایک حق کے طلب گار کی طرح اسی سے ہدایت مانگنی چاہئے۔ چنانچہ اس میں بندوں کو وہ دُعا سکھائی گئی ہے جو ایک طالب حق کو اللہ سے مانگنی چاہئے، یعنی سیدھے راستے کی دُعا۔ اس طرح اس سورت میں صراطِ مستقیم یا سیدھے راستے کی جو دُعا مانگی گئی ہے، پورا قرآن اس کی تشریح ہے کہ وہ سیدھا راستہ کیا ہے؟

آیتھا ۷ سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ لَمِیْلِكِ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝  
اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ  
اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۝ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ ۝

ع

سورہ فاتحہ کی ہے اور اس میں سات آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۱﴾ جو سب پر مہربان، بہت مہربان  
ہے ﴿۲﴾ جو روز جزا کا مالک ہے ﴿۳﴾ (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے  
مدد مانگتے ہیں ﴿۴﴾ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما ﴿۵﴾ اُن لوگوں کے راستے کی جن  
پر تو نے انعام کیا ہے ﴿۶﴾ نہ کہ اُن لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے، اور نہ اُن کے  
راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں ﴿۷﴾

(۱) عربی کے قاعدے سے ”رحمن“ کے معنی ہیں وہ ذات جس کی رحمت بہت وسیع (Extensive) ہو، یعنی  
اس رحمت کا فائدہ سب کو پہنچتا ہو، اور ”رحیم“ کے معنی ہیں وہ ذات جس کی رحمت بہت زیادہ (Intensive) ہو،  
یعنی جس پر ہو مکمل طور پر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دُنیا میں سب کو پہنچتی ہے، جس سے مؤمن کافر سب فیض یاب  
ہو کر رزق پاتے ہیں، اور دُنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور آخرت میں اگرچہ کافروں پر رحمت نہیں  
ہوگی، لیکن جس کسی پر (یعنی مومنوں پر) ہوگی، مکمل ہوگی کہ نعمتوں کے ساتھ کسی تکلیف کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا۔  
”رحمن“ اور ”رحیم“ کے معنی میں جو یہ فرق ہے، اس کو ظاہر کرنے کے لئے ”رحمن“ کا ترجمہ ”سب پر مہربان“ اور ”رحیم“  
کا ترجمہ ”بہت مہربان“ کیا گیا ہے۔

(۲) اگر آپ کسی عمارت کی تعریف کریں تو درحقیقت وہ اس کے بنانے والے کی تعریف ہوتی ہے، لہذا اس کائنات میں جس کسی چیز کی تعریف کی جائے وہ بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ وہ چیز اسی کی بنائی ہوئی ہے۔ ”تمام جہانوں کا پروردگار“ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ انسانوں کا جہان ہو یا جانوروں کا، جمادات کا جہان ہو یا نباتات کا، آسمانوں کا جہان ہو یا ستاروں، سیاروں اور فرشتوں کا، سب کی تخلیق اور پرورش اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، اور ان جہانوں میں جو کوئی چیز قابلِ تعریف ہے، وہ اللہ کی تخلیق اور شانِ ربوبیت کی وجہ سے ہے۔

(۳) ”روزِ جزا“ کا مطلب ہے وہ دن جب تمام بندوں کو اُن کے دُنیا میں کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یوں تو روزِ جزا سے پہلے بھی کائنات کی ہر چیز کا اصلی مالک اللہ تعالیٰ ہے، لیکن یہاں خاص طور پر روزِ جزا کے مالک ہونے کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہی انسانوں کو بہت سی چیزوں کا مالک بنایا ہوا ہے، یہ ملکیت اگرچہ ناقص اور عارضی ہے، تاہم ظاہری صورت کے لحاظ سے ملکیت ہی ہے۔ لیکن قیامت کے دن جب جزا و سزا کا مرحلہ آئے گا تو یہ ناقص اور عارضی ملکیتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اُس وقت ظاہری ملکیت بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں ہوگی۔

(۴) یہاں سے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی قسم کی عبادت کے لائق نہیں، نیز ہر کام میں حقیقی مدد اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہئے، کیونکہ صحیح معنی میں کارساز اُس کے سوا کوئی نہیں۔ دُنیا کے بہت سے کاموں میں بعض اوقات کسی انسان سے جو مدد مانگی جاتی ہے، وہ اُسے کارساز سمجھ کر نہیں، بلکہ ایک ظاہری سبب سمجھ کر مانگی جاتی ہے۔

# سُورَةُ الْبَقَرَةِ

## تعارف

یہ قرآن کریم کی سب سے لمبی سورت ہے، اس کی آیات ۶۷ تا ۲۸۶ میں اُس گائے کا واقعہ مذکور ہے جسے ذبح کرنے کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام سورۃ بقرہ ہے، کیونکہ بقرہ عربی میں گائے کو کہتے ہیں۔ سورت کا آغاز اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے بیان سے ہوا ہے، اسی ضمن میں انسانوں کی تین قسمیں، یعنی مؤمن، کافر اور منافق بیان کی گئی ہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے، تاکہ انسان کو اپنی پیدائش کا مقصد معلوم ہو۔ اس کے بعد آیات کے ایک طویل سلسلے میں بنیادی طور پر خطاب یہودیوں سے ہے جو بڑی تعداد میں مدینہ منورہ کے آس پاس آباد تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں نازل فرمائیں، اور جس طرح انہوں نے ناشکری اور نافرمانی سے کام لیا اس کا مفصل بیان ہے۔ پہلے پارے کے تقریباً آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اس لئے کہ انہیں نہ صرف یہودی اور عیسائی بلکہ عرب کے بت پرست بھی اپنا پیشوا مانتے تھے۔ ان سب کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ خالص توحید کے قائل تھے اور انہوں نے کبھی کسی قسم کے شرک کو گوارا نہیں کیا۔ اسی ضمن میں بیت اللہ کی تعمیر اور اسے قبلہ بنانے کا موضوع زیر بحث آیا ہے۔ دوسرے پارے کے شروع میں اس کے مفصل احکام بیان کرنے کے بعد اس سورت میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سے احکام بیان فرمائے گئے ہیں جن میں عبادات سے لے کر معاشرت، خاندانی امور اور حکمرانی سے متعلق بہت سے مسائل داخل ہیں۔

﴿آيَاتُهَا ۲۸۶﴾ ۲ سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲۰﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الْم ۱ ذَلِكِ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۚ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۚ

معاذقا

سورہ بقرہ مدنی ہے اور اس میں ۲۸۶ آیتیں اور ۴۰ رکوع ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الْم ۱ ﴿۱﴾ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے ان ڈر رکھنے والوں کے لئے ﴿۲﴾ ﴿۳﴾

(۱) مختلف سورتوں کے شروع میں یہ حروف اسی طرح الگ الگ نازل ہوئے تھے، ان کو ”حروف مقطعات“ کہتے ہیں، اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک راز ہے جس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں، اور عقیدے یا عمل کا کوئی مسئلہ ان کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔

(۲) یعنی اس کتاب کی ہر بات کسی شک و شبہ کے بغیر درست ہے۔ انسان کی لکھی ہوئی کسی کتاب کو سو فیصد شک سے بالاتر نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ انسان کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کا علم محدود ہوتا ہے، اور اکثر اس کی کتاب اس کے ذاتی گمان پر مبنی ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی ہے، جس کا علم لاحدود بھی ہے اور سو فیصد یقینی بھی، اس لئے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، کسی کو شک ہو تو یہ اس کی ناتجہی کی وجہ سے ہوگا، کتاب کی کوئی بات شبہ والی نہیں۔

(۳) اگرچہ قرآن کریم نے صحیح راستہ ہر ایک کو دکھایا ہے، خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر، اس لئے اس معنی کے لحاظ سے اس کی ہدایت سب کے لئے ہے، لیکن نتیجے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس ہدایت کا فائدہ انہی کو پہنچتا ہے جو اس کی بات مان کر اس کے تمام احکام اور تعلیمات پر عمل کریں۔ اس لئے یہ فرمایا گیا کہ ”یہ ہدایت ہے ڈر رکھنے والوں کے لئے جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں الخ“ ڈر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھے کہ اسے ایک دن اللہ کے حضور اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہے، لہذا مجھے کوئی کام ایسا نہ کرنا چاہئے جو اس کی ناراضی کا باعث ہو۔ اسی خوف اور دھیان کا نام تقویٰ ہے۔

”بے دیکھی چیزوں“ کے لئے قرآن کریم نے ”غیب“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾

جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اُس میں سے (اللہ کی خوشنودی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾

آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتیں، نہ ہاتھ سے چھو کر یا ناک سے سونگھ کر انہیں محسوس کیا جاسکتا ہے، بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی یا تو قرآن کریم میں اُن کا ذکر ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے وہ باتیں معلوم کر کے ہمیں بتائی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، جنت و دوزخ کے حالات، فرشتے وغیرہ۔ یہاں اللہ کے نیک بندوں کی یہ تعریف کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر یقین کر کے اُن چیزوں کو دل سے مانتے ہیں جو انہوں نے آنکھوں سے نہیں دیکھیں۔ یہ دُنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے اگر یہ چیزیں آنکھوں سے نظر آجاتیں اور پھر کوئی شخص اُن پر ایمان لاتا تو کوئی امتحان نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو انسان کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا ہے، لیکن اُن کے وجود کے بیشمار دلائل مہیا فرمادیئے ہیں کہ جب کوئی شخص ذرا انصاف سے غور کرے گا تو ان باتوں پر ایمان لے آئے گا، اور امتحان میں کامیاب ہوگا۔ قرآن کریم نے بھی وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو ان شاء اللہ آگے آتے رہیں گے، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ قرآن کریم کو حق طبعی کے جذبے سے غیر جانبدار ہو کر پڑھا جائے، اور یہ خیال دل میں رکھا جائے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں لاپرواہی برتی جائے۔ یہ انسان کی ہمیشہ کی زندگی کی بہتری اور تباہی کا معاملہ ہے۔ لہذا یہ ڈر دل میں ہونا چاہئے کہ کہیں میری نفسانی خواہشات قرآن کریم کے دلائل ٹھیک ٹھیک سمجھنے میں رکاوٹ نہ بن جائیں، اس لئے مجھے اس کی دی ہوئی ہدایت کو تلاش حق کے جذبے سے پڑھنا چاہئے، اور پہلے سے دل میں جنے ہوئے خیالات سے ذہن کو خالی کر کے پڑھنا چاہئے، تاکہ مجھے واقعی ہدایت نصیب ہو۔ ”یہ ہدایت ہے ڈر رکھنے والوں کے لئے“ کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔

(۴) جو لوگ قرآن کریم کی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یہاں ان کی اہم صفات بیان فرمائی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ ”غیب“ یا اُن دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جس کی تفصیل پیچھے گزری۔ اس میں تمام ایمانیات داخل ہو گئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا، یا جو کچھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اُس سب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسری چیز نماز قائم کرنا بیان کی گئی ہے جو بدنی عبادتوں میں سب سے اہم ہے، اور تیسری چیز اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، جس میں زکوٰۃ و صدقات آجاتے ہیں جو مالی عبادت ہیں۔



وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ  
يُوقِنُونَ ﴿٢﴾ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٣﴾

اور جو اُس (وحی) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی، اور آخرت پر وہ مکمل یقین رکھتے ہیں ﴿۲﴾ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی طرف سے صحیح راستے پر ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں ﴿۳﴾

(۵) یعنی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو وحی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی وہ بھی بالکل سچی ہے، اور جو آپ سے پہلے انبیائے کرام (علیہم السلام) مثلاً حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام وغیرہ پر نازل کی گئی تھی وہ بھی بالکل سچی تھی، اگرچہ بعد میں لوگوں نے اسے ٹھیک ٹھیک محفوظ نہ رکھا، بلکہ اس میں تحریف کر دی۔

اس آیت میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی موجود ہے کہ وحی کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوگا جس پر وحی آئے یا اُسے پیغمبر بنایا جائے، کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی اور آپ سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کا ذکر فرمایا ہے، آپ کے بعد کسی وحی کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر آپ کے بعد بھی کوئی نیا پیغمبر آنے والا ہوتا یا اُس کی وحی پر ایمان لانا ضروری ہوتا تو اُس کو بھی یہاں بیان فرمایا جاتا، جیسا کہ پچھلے پیغمبروں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ آپ حضرات کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں، آپ کو ان پر بھی ایمان رکھنا ہوگا۔ (دیکھئے قرآن کریم، سورہ آل عمران، آیت: ۸۱)۔

(۶) ”آخرت“ سے مراد وہ زندگی ہے جو مرنے کے بعد حاصل ہوگی، اور جو ہمیشہ کے لئے ہوگی، اور اس میں ہر بندے کو دنیا میں کئے ہوئے اعمال کا حساب دینا ہوگا، اور اسی کی بنیاد پر یہ فیصلہ ہوگا کہ وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں۔ اگرچہ یہ ”آخرت“ بھی اُن ”اُن دیکھی چیزوں“ (غیب) میں شامل ہے جس پر ایمان لانے کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا تھا۔ لیکن آخر میں اسے علیحدہ کر کے خصوصی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ”آخرت“ کا عقیدہ ہی درحقیقت انسان کی سوچ اور اس کی عملی زندگی کو صحیح راستے پر رکھتا ہے۔ جو انسان یہ یقین رکھتا ہو کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے، وہ کسی گناہ یا جرم کے ارتکاب پر کبھی ڈھٹائی کے ساتھ آمادہ نہیں ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾  
 خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ  
 عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اپنالیا ہے، اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے آپ ان کو ڈرائیں، یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۶﴾ اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہر لگا دی ہے، اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور اُن کے لئے زبردست عذاب ہے ﴿۷﴾

(۷) یہاں اُن کافروں کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ چاہے کتنے واضح اور روشن دلائل اُن کے سامنے آجائیں، وہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ”یہ وہ لوگ ہیں جو کفر پر اڑ گئے ہیں“ ترجمے میں ”کفر اپنالیا ہے“ کے الفاظ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۸) ”ڈرانا“، انذار کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو بکثرت ”ڈرانے“ سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کو کفر اور بد اعمالیوں کے بُرے انجام سے ڈراتے ہیں۔ لہذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ چاہے اُن کو دعوت دیں، یا نہ دیں، اُن کے سامنے دلائل پیش کریں یا نہ کریں، چونکہ انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ کوئی بات ماننی نہیں ہے، اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(۹) اس آیت میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی بڑی خطرناک چیز ہے، اگر کوئی شخص ناواقفیت یا غفلت وغیرہ کی وجہ سے کسی غلطی کا ارتکاب کرے تو اس کی اصلاح کی اُمید ہو سکتی ہے، لیکن جو شخص غلطی پر اڑ جائے اور یہ تہیہ کر لے کہ کسی بھی حالت میں بات نہیں ماننی، تو اُس کی ضد کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کے بعد اس سے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے محفوظ رکھے۔ لہذا اس پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر مہر لگا دی تو وہ معذور ہو گئے، اس لئے کہ یہ مہر لگانا خود انہی کی ضد اور یہ تہیہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ حق بات نہیں ماننی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَيَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝۸  
يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۹  
قُلُوْهُمْ مَّرَضٌ ۚ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْدِبُوْنَ ۝۱۰  
وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱

کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں ﴿۸﴾ وہ اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو (واقعی) ایمان لا چکے ہیں، دھوکا دیتے ہیں۔ اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) وہ اپنے سوا کسی اور کو دھوکا نہیں دے رہے، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے ﴿۹﴾ ان کے دلوں میں روگ ہے، چنانچہ اللہ نے ان کے روگ میں اور اضافہ کر دیا ہے، اور ان کے لئے دردناک سزائیں ہیں، کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ﴿۱۰﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ﴿۱۱﴾

(۱۰) سورت کے شروع میں پہلے مؤمنوں کے اوصاف اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا، پھر اُن لوگوں کا ذکر ہوا جو کھلے کافر ہیں۔ اب یہاں سے ایک تیسرے گروہ کا بیان ہو رہا ہے جسے ”منافق“ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ ظاہر میں تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، مگر دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

(۱۱) یعنی بظاہر تو وہ اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں، کیونکہ اس دھوکے کا انجام خود اُن کے حق میں بُرا ہوگا، وہ سمجھ رہے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے وہ کفر کے دُنیوی انجام سے بچ گئے، حالانکہ آخرت میں اُن کو جو عذاب ہوگا، وہ دُنیا کے عذاب سے زیادہ سنگین ہے۔

(۱۲) یہ وہی بات ہے جو پیچھے آیت نمبر ۷ میں کہی گئی تھی۔ یعنی شروع میں انہوں نے اپنے اختیار سے اس گمراہی کو اپنایا اور اُس پر اڑ گئے، یہ اُن کے دل کی بیماری تھی۔ پھر اُن کی ضد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی بیماری کو اور بڑھا دیا کہ اب انہیں واقعی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوگی۔

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ  
النَّاسُ قَالُوا أَنْتُمْ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا  
يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذَا قُلُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمِنَّا ۖ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ  
قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ ۖ إِنَّا مَنَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ﴿١٤﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي  
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾

یاد رکھو! یہی لوگ فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے ﴿۱۲﴾ اور  
جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ  
کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ خوب اچھی  
طرح سن لو کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے ﴿۱۳﴾ اور جب یہ اُن لوگوں  
سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب یہ اپنے شیطانوں  
﴿۱۴﴾ کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کر رہے  
تھے ﴿۱۴﴾ اللہ ان سے مذاق (کا معاملہ) کرتا ہے اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی  
میں بھٹکتے رہیں ﴿۱۵﴾

(۱۳) ”اپنے شیطانوں“ سے مراد وہ سرذار ہیں جو ان منافقین کی سازشوں میں اُن کے سربراہ اور رہنما کی  
حیثیت رکھتے تھے۔

(۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی رستی دراز کر رکھی ہے کہ ان کے دو غلے پن کی فوری سزا دُنیا میں انہیں نہیں مل رہی  
جس سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہماری تدبیر کارگر ہوگئی، چنانچہ وہ اپنی اس گمراہی میں اور پختہ ہوتے جا رہے ہیں۔  
آخرت میں انہیں ایک دم پکڑ لیا جائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ عمل اُن کے ”مذاق“ کا نتیجہ تھا، اُسے یہاں ”اللہ  
اُن سے مذاق کرتا ہے“ کے عنوان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۖ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۖ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ ۖ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمُّ بَكْمٌ عُمٰى فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ ۖ وَرَعْدٌ ۖ وَبَرْقٌ ۖ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِيٓ آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، لہذا نہ اُن کی تجارت میں نفع ہوا، اور نہ انہیں صحیح راستہ نصیب ہوا ﴿۱۶﴾ اُن کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے ایک آگ روشن کی، ﴿۱۷﴾ پھر جب اس (آگ نے) اس کے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے اُن کا نور سلب کر لیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ سمجھائی نہیں دیتا ﴿۱۷﴾ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، چنانچہ اب وہ واپس نہیں آئیں گے ﴿۱۸﴾

یا پھر (ان منافقوں کی مثال ایسی ہے) جیسے آسمان سے برسی ایک بارش ہو، جس میں اندھیریاں بھی ہوں، اور گرج بھی اور چمک بھی۔ وہ کڑکوں کی آواز پر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیتے ہیں۔

(۱۵) یہاں سے اُن منافقوں کی مثال دی جا رہی ہے جو اسلام کے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود نفاق کی گمراہی میں پھنسے رہے۔ اسلام کے واضح دلائل کو آگ کی روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح اس روشنی سے ماحول کی چیزیں صاف نظر آنے لگتی ہیں، اسی طرح اسلام کے دلائل سے حقیقت اُن پر واضح ہو گئی، لیکن پھر ضد اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ روشنی ان سے سلب کر لی اور وہ دیکھنے کی قوت سے محروم ہو گئے۔

(۱۶) منافقوں کی پہلی مثال تو اُن منافقین سے متعلق تھی جو اسلام کے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود خوب سوچ سمجھ کر کفر اور نفاق کا راستہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ اب منافقین کے اس گروہ کی مثال دی جا رہی ہے جو اسلام لانے کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا۔ جب اسلام کی حقانیت کے دلائل سامنے آتے تو اس کے دل

وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَافِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۗ وَكُتِبَ اللَّهُ لَازِهِبَ بِسْمِعِهِمْ سَرًّٰى وَأَبْصَارِهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾

اور اللہ نے کافروں کو گھیرے میں<sup>(۱۹)</sup> لے رکھا ہے ﴿۱۹﴾ ایسا لگتا ہے کہ بجلی اُن کی آنکھوں کو اُچک لے جائے گی۔ جب بھی بجلی اُن کے لئے روشنی کر دیتی ہے، وہ اُس (روشنی) میں چل پڑتے ہیں، اور جب وہ اُن پر اندھیرا کر دیتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کے سننے اور دیکھنے کی طاقتیں چھین لیتا، بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۰﴾ اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور اُن لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ تم متقی بن جاؤ ﴿۲۱﴾

میں اسلام کی طرف جھکاؤ پیدا ہوتا اور وہ اسلام کی طرف بڑھنے لگتے، لیکن جب اسلامی احکام کی ذمہ داریاں اور حلال و حرام کی باتیں سامنے آتیں تو وہ اپنی خود غرضی کی وجہ سے رُک جاتے۔ یہاں اسلام کو ایک برستی ہوئی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اس میں کفر و شرک کی خرابیوں کا جو بیان ہے، اُسے اندھیروں سے، اور اس میں کفر و شرک پر عذاب کی جو دھمکیاں دی گئی ہیں، انہیں گرج سے تشبیہ دی گئی ہے، نیز قرآن کریم میں حق کے جو دلائل اور حق کو تھامنے والوں کے لئے جنت کے جو وعدے کئے گئے ہیں، انہیں بجلی کی روشنی سے۔ جب یہ روشنی ان کے سامنے چمکتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں مگر کچھ دیر میں ان کی خواہشات کی ظلمت ان پر چھا جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

(۷۱) یعنی جب قرآن کریم کفر اور فسق پر عذاب کی وعیدیں سناتا ہے تو یہ اپنے کان بند کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عذاب سے محفوظ ہو گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام کافروں کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور وہ اس سے بچ کر نہیں جاسکتے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً  
فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾  
إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۖ وَادْعُوا  
شُهَدَاءَكُمْ مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا  
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾

(وہ پروردگار) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا، اور آسمان کو چھت، اور آسمان سے پانی  
برسایا، پھر اس کے ذریعے تمہارے رزق کے طور پر پھل نکالے، لہذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ،  
جبکہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو ﴿۲۲﴾ اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک  
میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا ہے، تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا  
لاؤ، اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو ﴿۲۳﴾ پھر بھی اگر تم یہ کام نہ کر سکو، اور  
یقیناً کبھی نہیں کر سکو گے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، وہ کافروں  
کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۲۴﴾

(۱۸) ان دو آیتوں میں اسلام کے بنیادی عقیدے تو حید کی دعوت دی گئی ہے، اور مختصر انداز میں اس کی دلیل بھی  
بیان کر دی گئی ہے، اہل عرب یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کو پیدا کرنا، زمین و آسمان کی تخلیق اور آسمان سے  
بارش برسانا، اور اس سے پیداوار اگانا، یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں، اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ  
تعالیٰ نے بہت سے کام بتوں کے سپرد کر رکھے ہیں، اور وہ بت اپنے اپنے کاموں میں براہ راست فیصلہ کرنے  
کی صلاحیت رکھتے ہیں، لہذا وہ ان بتوں کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا  
کہ جب ہر چیز پیدا کرنے والے ہم ہیں، اور ہمیں کائنات چلانے کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، تو  
عبادت کسی اور کی کرنا کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔

(۱۹) پچھلی آیات میں تو حید کا بیان تھا، اب اسلام کے دوسرے اہم عقیدے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرَى مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ  
وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَنْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے  
ایسے باغات (تیار) ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جب کبھی ان کو ان (باغات) میں سے  
کوئی پھل رزق کے طور پر دیا جائے گا، تو وہ کہیں گے ”یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی دیا گیا تھا“ اور  
انہیں وہ رزق ایسا ہی دیا جائے گا جو دیکھنے میں ملتا جلتا ہوگا، اور ان کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں  
ہوں گی، اور وہ ان (باغات) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۵﴾

رسالت کا بیان ہے، اور عرب کے جو لوگ قرآن پر ایمان لانے کے بجائے یہ الزام لگاتے تھے کہ آنحضرت صلی  
اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں اور انہوں نے اپنی طرف سے یہ کلام بنالیا ہے، انہیں زبردست چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر ایسا  
کلام کوئی انسان بنا سکتا ہے تو تم بڑے فصیح و بلیغ ہو، تم سب مل کر قرآن جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ،  
ساتھ ہی قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ تم سب مل کر بھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ اہل عرب جو اپنی  
زبان و ادب پر ناز کرتے تھے، ان سب کو اس چیلنج کے بعد سانپ سوگھ گیا، اور کوئی شخص یہ چیلنج قبول کرنے کے  
لئے آگے نہ بڑھا، بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں نے اس خدائی کلام کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، اور اس طرح  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کریم کی سچائی روزِ روشن کی طرح ثابت اور واضح ہو گئی۔

(۲۰) یہ اسلام کے تیسرے عقیدے یعنی ”آخرت پر ایمان“ کا بیان ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مرنے کے  
بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جس میں ہر انسان کو اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اگر ایمان کے ساتھ  
نیک عمل کئے ہوں گے تو وہ جنت نصیب ہوگی جس کی ایک جھلک اس آیت میں دکھائی گئی ہے۔

(۲۱) اس کا مطلب ایک تو یہ ہو سکتا ہے کہ جنت ہی میں انہیں وقفوں وقفوں سے ایسے پھل دیئے جائیں گے جو  
دیکھنے میں بالکل ملتے جلتے ہوں گے مگر لذت اور ذائقے میں ہر پھل نیا ہوگا، اور دوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ جنت  
کے پھل دیکھنے میں دُنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے، اس لئے انہیں دیکھ کر جنتی یہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو  
ہمیں پہلے یعنی دُنیا میں ملے تھے، لیکن جنت میں ان کی لذت اور خصوصیات دُنیا کے پھلوں سے کہیں زیادہ ہوں گی۔



إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَىٰ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ  
 آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنََّّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا  
 أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۖ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ  
 إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾

بیشک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ (کسی بات کو واضح کرنے کے لئے) کوئی بھی مثال دے،  
 چاہے وہ مچھر (جیسی معمولی چیز) کی ہو، یا کسی ایسی چیز کی جو مچھر سے بھی زیادہ (معمولی) ہو، اب  
 جو لوگ مؤمن ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال ایک حق بات ہے جو ان کے پروردگار کی طرف  
 سے آئی ہے۔ البتہ جو لوگ کافر ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ بھلا اس (حقیر) مثال سے اللہ کا کیا مطلب  
 ہے؟ (اس طرح) اللہ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے، اور بہت سوں کو  
 ہدایت دیتا ہے۔ (مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں ﴿۲۶﴾

(۲۲) بعض کافروں نے قرآن کریم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اس میں کچھ مثالیں مکھی، مچھر، مکڑی وغیرہ کی دی  
 گئی ہیں، اگر یہ واقعی خدا کا کلام ہوتا تو اس میں ایسی حقیر چیزوں کا ذکر نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بڑا بے  
 حکا اعتراض تھا، کیونکہ مثال ہمیشہ مضمون کی مناسبت سے دی جاتی ہے، اگر کسی حقیر و ذلیل چیز کی مثال دینی  
 ہو تو ایسی ہی کسی چیز سے دی جائے گی جو حقیر و ذلیل ہو۔ یہ کسی کلام کا عیب تو کیا ہوتا؟ اس کی فصاحت و  
 بلاغت کی دلیل ہے، مگر یہ بات انہی کی سمجھ میں آتی ہے جو طالب حق ہوں اور حق پر ایمان لا چکے ہوں، لیکن  
 جنہوں نے کفر کی قسم کھا رکھی ہے، انہیں تو ہر بات پر ہر حالت میں اعتراض کرنا ہے، اس لئے وہ ایسی بے تکلی  
 باتیں کہتے ہیں۔

(۲۳) یعنی قرآن کریم کی یہی آیتیں جو طالب حق کو ہدایت بخشتی ہیں، ایسے لوگوں کے لئے مزید گمراہی کا سبب  
 بن جاتی ہیں جنہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ کر یہ طے کر لیا ہے کہ حق بات ماننی نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر نئی  
 آیت کا انکار کرتے ہیں، اور ہر آیت کا انکار ایک مستقل گمراہی ہے۔

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۲۵﴾

وہ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پختہ کرنے کے بعد بھی توڑ دیتے ہیں، اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، ایسے ہی لوگ بڑا نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۲۵﴾

(۲۴) عہد سے مراد اکثر مفسرین نے وہ عہد الست لیا ہے جس کا ذکر سورہ اعراف (۱۷۲:۷) میں آنے والا ہے، وہیں ان شاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی، یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے سے بہت پہلے آنے والی تمام روحوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا تھا کہ ”کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟“ سب نے اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے کا اقرار کر کے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے۔ پھر اس آیت میں عہد کو پختہ کرنے سے مراد بظاہر یہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے رسول آتے رہے جو اس عہد کو یاد دلا کر اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک ہونے پر دلائل قائم کرتے رہے۔

اس عہد کی ایک اور تشریح بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ اس سے مراد وہ عملی اور خاموش عہد (Tacit Covenant) ہے جو ہر انسان پیدا ہوتے ہی اپنے خالق و مالک سے کرتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہر شخص جو کسی ملک میں پیدا ہوتا ہے وہ اس ملک کا شہری ہونے کے ناتے یہ خاموش عہد کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کا پابند ہوگا۔ خواہ زبان سے اس نے کچھ نہ کہا ہو، لیکن اس کا کسی ملک میں پیدا ہونا ہی اس عہد کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح اس کائنات میں جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے وہ خود بخود اس عہد کا پابند ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ اس عہد کے لئے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اگلی آیت میں باری تعالیٰ نے فوراً یہ ارشاد فرمایا کہ ”تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا طرز عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُسی نے تمہیں زندگی بخشی“، یعنی اگر ذرا غور کرو تو تنہا یہ بات کہ کسی نے تمہیں پیدا کیا ہے، تمہاری طرف سے یہ عہد و پیمان ہے کہ تمہارے لئے اس کی نعمتوں کا اعتراف اور اُس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنا لازمی ہوگا۔ ورنہ یہ کوئی عقل اور کونسا انصاف ہے کہ پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے، اور فرمانبرداری اس کے بجائے کسی اور کی کی جائے، پھر اس خاموش عہد کو مزید پختہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ذریعے متواتر تمہیں اس عہد کی یاد دہانی کرتا رہا ہے، اور ان پیغمبروں نے وہ مضبوط دلائل تمہارے سامنے پیش کئے ہیں جن سے یہ عہد مزید پختہ ہو گیا ہے کہ انسان کو ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی ہے۔

(۲۵) اس سے مراد رشتہ داروں کے وہ حقوق پامال کرنا ہے جنہیں صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اُسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾

تم اللہ کے ساتھ کفر کا طرز عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُسی نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا، اور پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ﴿۲۸﴾ وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ ان کو سات آسمانوں کی شکل میں ٹھیک ٹھیک بنادیا، اور وہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے ﴿۲۹﴾

کافروں کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ سے کیا ہوا عہد توڑتے ہیں، دوسرے یہ کہ وہ رشتہ داروں کے حقوق پامال کرتے ہیں، اور تیسرے یہ کہ زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہے، یعنی نہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو رکھنا چاہئے، اور نہ اس کی وہ عبادت کرتے ہیں جو ان پر فرض ہے۔ دوسری اور تیسری چیز کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف رشتوں کے جو حقوق مقرر فرمائے ہیں، ان کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی سے ہی ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے، اگر ان رشتوں کو کاٹ کر باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے حقوق پامال کرنا شروع کر دیں تو وہ خاندانی نظام تباہ ہو جاتا ہے جس پر ایک صحت مند تمدن کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ لہذا اس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد کی صورت میں نکلتا ہے، اسی لئے قرآن کریم نے رشتوں کو کاٹنے اور زمین میں فساد مچانے کو سورہ محمد میں بھی ایک ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے: ”فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتَقَطُّوْا اَرْحَامَكُمْ“ (۲۳:۴۷)۔

(۲۶) انسان کو توجہ دلائی جا رہی ہے کہ وہ کائنات کی جتنی چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے سب اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی ہیں، ان میں سے ہر چیز اس کی توحید کی گواہی دے رہی ہے، اس کے باوجود اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کرنا کتنی بڑی ناشکری ہے۔ اسی آیت سے فقہاء نے یہ اصول بھی مستنبط کیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اصل میں حلال ہے اور جب تک کسی چیز کی حرمت پر کوئی دلیل نہ ہو اس وقت تک اس کو حلال ہی سمجھا جائے گا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ  
 قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٢٩﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، وہ کہنے لگے: ”کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو اس میں فساد مچائے، اور خون خرابہ کرے، حالانکہ ہم آپ کی تسبیح اور حمد و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں؟“ اللہ نے کہا: ”میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ ﴿۳۰﴾ اور آدم کو (اللہ نے) سارے کے سارے نام سکھا دیے، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور (اُن سے) کہا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتلاؤ ﴿۳۱﴾

(۲۷) آیت: ۲۱ اور ۲۲ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت واجب ہونے کی نہایت مختصر اور سادہ، مگر مضبوط دلیل یہ دی گئی تھی کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ آیت: ۲۸ میں کافروں کے کفر پر تعجب کا اظہار بھی اسی بنا پر کیا گیا تھا۔ اب انسان کی پیدائش کا پورا واقعہ بیان کر کے اس دلیل کو مزید پختہ کیا جا رہا ہے۔ آیت میں خلیفہ سے مراد انسان ہے، اور اس کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر خود بھی عمل کرے اور اپنی طاقت کے مطابق دوسروں سے بھی کروانے کی کوشش کرے۔

(۲۸) فرشتوں کے اس سوال کا منشاء خدا نخواستہ کوئی اعتراض کرنا نہیں تھا بلکہ وہ حیرت کر رہے تھے کہ ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے جو نیکی کے ساتھ بدی کی صلاحیت بھی رکھتی ہوگی جس کے نتیجے میں زمین پر فساد پھیلنے کا امکان ہوگا۔ مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انسان سے پہلے زمین پر جنات پیدا کئے گئے تھے اور انہوں نے آپس میں لڑکر ایک دوسرے کو ختم کر ڈالا تھا۔ فرشتوں نے سوچا کہ شاید انسان کا انجام بھی ایسا ہی ہو۔ (۲۹) ناموں سے مراد کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام، ان کی خاصیتیں اور انسان کو پیش آنے والی

قَالُوا سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٠﴾  
 قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَاءِهِمْ ۚ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَاءِهِمْ قَالَ أَلَمْ  
 أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ الْغَيْبِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا  
 كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣١﴾

وہ بول اُٹھے: آپ ہی کی ذات پاک ہے، جو کچھ علم آپ نے ہمیں دیا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔<sup>(۳۰)</sup> حقیقت میں علم و حکمت کے مالک تو صرف آپ ہیں ﴿۳۲﴾ اللہ نے کہا: ”آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتا دو“ چنانچہ جب اس نے ان کے نام ان کو بتا دیے تو اللہ نے (فرشتوں سے) کہا: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہوں؟ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو مجھے اس سب کا علم ہے“ ﴿۳۳﴾

مختلف کیفیات کا علم ہے، مثلاً بھوک، پیاس، صحت اور بیماری وغیرہ۔ اگرچہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے وقت فرشتے بھی موجود تھے، لیکن چونکہ ان کی فطرت میں ان چیزوں کی پوری سمجھ نہیں تھی اس لئے جب ان کا امتحان لیا گیا تو وہ جواب نہیں دے سکے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر انہیں باور کرایا کہ جو کام اس نئی مخلوق سے لینا مقصود ہے وہ فرشتے انجام نہیں دے سکتے۔

(۳۰) بظاہر ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے، اور فرشتے اس تعلیم میں شریک نہیں تھے۔ اس صورت میں ان سے ان ناموں کے بارے میں پوچھنا یہ جتانے کے لئے تھا کہ تم میں وہ صلاحیت نہیں رکھی گئی جو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے مقصود ہے۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السلام کو سکھاتے وقت فرشتے موجود تو تھے لیکن چونکہ ان میں ان باتوں کو سمجھنے یا یاد رکھنے کی صلاحیت نہیں تھی اس لئے وہ امتحان کے وقت جواب نہ دے سکے۔ اس صورت میں ان کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمیں وہی علم حاصل ہو سکتا ہے جو آپ ہمیں دینا چاہیں اور اس کی صلاحیت ہمارے اندر پیدا کر دیں۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ۖ  
وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۱﴾ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا  
رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ: آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا، اور متکبرانہ رویہ اختیار کیا اور کافروں میں شامل ہو گیا ﴿۳۴﴾ اور ہم نے کہا: ”آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس بھی مت جانا، ورنہ تم ظالموں میں شمار ہو گے“ ﴿۳۵﴾

(۳۱) فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کی عظمت کا عملی مظاہرہ اور ان کا امتحان لینے کے لئے انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ سجدہ عبادت کا نہیں تعظیم کا سجدہ تھا جو بعض پچھلی شریعتوں میں جائز تھا، بعد میں تعظیم کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تاکہ شرک کا کوئی شاخہ بھی پیدا نہ ہو۔ یہ سجدہ کروانا اس بات کا بھی مظاہرہ تھا کہ فرشتوں کو اس بات کی تلقین کی جا رہی ہے کہ کائنات میں جو چیزیں ان کے اختیار میں دی گئی ہیں وہ انسان کے لئے مسخر کر دی جائیں، تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ ان کو صحیح استعمال کرتا ہے یا غلط۔

(۳۲) اگرچہ براہ راست سجدے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا، مگر اس میں تمام جاندار مخلوقات بھی شامل تھیں، لہذا ابلیس جو جنات میں سے تھا اس پر بھی اس حکم کی تعمیل لازم تھی۔ لیکن جیسا کہ خود قرآن کریم نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے، اس لئے میں اس سے افضل ہوں، میں اسے کیوں سجدہ کروں؟ (قرآن کریم، سورہ اعراف ۷: ۱۲)۔ اس واقعے سے دو سبق ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے آپ کو بذاتِ خود دوسروں سے بڑا سمجھنا اور اپنی بڑائی بگھارنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور دوسرا سبق یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واضح حکم آجائے تو بندے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کو ول و جان سے بجا لائے، چاہے اس کی حکمت اور فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

(۳۳) یہ کونسا درخت تھا؟ قرآن کریم نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی، نہ اس کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اتنا

فَازَلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ  
عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ  
فَتَابَ عَلَيْهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگمگادیا، اور جس (عیش) میں وہ تھے اس سے  
انہیں نکال کر رہا اور ہم نے (آدم، ان کی بیوی اور ابلیس سے) کہا: ”اب تم سب یہاں سے  
اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، اور تمہارے لئے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور  
کسی قدر فائدہ اٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے“ ﴿۳۶﴾ پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے)  
کچھ الفاظ سیکھ لئے (جن کے ذریعے انہوں نے توبہ مانگی) چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ ﴿۳۷﴾  
بیشک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۷﴾

جان لینا کافی ہے کہ جنت کے درختوں میں ایک درخت ایسا تھا جس کا پھل کھانے سے انہیں روک دیا گیا تھا۔  
بعض روایات میں ہے کہ یہ گندم کا درخت تھا، بعض میں انور کا ذکر ہے، مگر کوئی روایت ایسی نہیں جس پر پورا  
بھروسہ کیا جاسکے۔

(۳۴) یعنی شیطان نے انہیں بہکا کر اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر دیا۔ اور بہانہ یہ بنایا کہ یوں تو یہ  
درخت بڑا مفید ہے، کیونکہ اس کو کھانے سے ابدی زندگی حاصل ہو جاتی ہے، لیکن شروع میں آپ کو اس لئے منع  
کیا گیا تھا کہ آپ کی جسمانی کیفیت اس کو برداشت نہ کر سکتی تھی، اب چونکہ آپ جنت کے ماحول کے عادی  
ہو گئے ہیں، اور آپ کے قوی مضبوط ہو چکے ہیں، اس لئے اب وہ ممانعت باقی نہیں رہی۔ اس واقعے کی مزید  
تفصیل کے لئے دیکھئے: سورۃ اعراف (۲۳: ۱۹-۲۳) اور سورۃ طہ (۱۲۰: ۲۰)۔

(۳۵) مطلب یہ ہے کہ اس واقعے کے نتیجے میں آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کو جنت سے اور شیطان کو آسمانوں  
سے نیچے زمین پر اُترنے کا حکم دے دیا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ انسان اور شیطان کے درمیان رہتی دنیا  
تک دشمنی قائم رہے گی، اور زمین کا یہ قیام ایک معین مدت تک ہوگا جس میں کچھ دُنیوی فائدے اٹھانے کے بعد  
سب کو بالآخر اللہ تعالیٰ کے پاس دوبارہ پیش ہونا ہوگا۔

(۳۶) جب آدم علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پریشان ہو گئے، لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ  
سے کن الفاظ میں معافی مانگیں، اس لئے زبان سے کچھ نکل نہیں رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دلوں کے حال سے بھی

خوب واقف ہیں اور رحیم و کریم بھی ہیں، ان کی اس کیفیت کے پیش نظر خود ہی ان کو توبہ کے الفاظ سکھائے جو سورہ اعراف میں مذکور ہیں: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَتَهْتَكُوا مَنَاسِكَ اللَّهِ الَّتِي كُتِبَ عَلَيْكُمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُعْلَمُونَ** (یعنی: ”اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔“ اس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجنے سے پہلے انسان کو یہ تعلیم دے دی کہ جب کبھی نفسانی خواہشات یا شیطان کے بہکاوے میں آکر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو اسے فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے، اور اگرچہ توبہ کے لئے کوئی خاص الفاظ لازمی نہیں ہیں، بلکہ ہر وہ جملہ جس میں اپنے کئے پر ندامت اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ شامل ہو، اس کے ذریعے توبہ ممکن ہے، لیکن چونکہ یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے ہیں، اس لئے ان الفاظ میں توبہ کرنے سے قبولیت کی زیادہ اُمید ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ جیسا کہ پیچھے آیت ۳۰ سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجنے کے لئے پیدا فرمایا تھا، لیکن زمین پر بھیجنے سے پہلے انہیں جنت میں رکھنے اور اس کے بعد کے واقعات کا تکنیکی مقصد بظاہر یہ تھا کہ ایک طرف حضرت آدم علیہ السلام جنت کی نعمتوں کا خود تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ان کی اصل منزل کیا ہے، اور زمین پر پہنچنے کے بعد اس منزل کے حصول میں کس قسم کی زکاوٹیں پیش آسکتی ہیں، اور ان سے نجات پانے کا کیا طریقہ ہوگا؟ چونکہ فرشتوں کے مقابلے میں انسان کا امتیاز ہی یہ تھا کہ اس میں اچھائی اور بُرائی دونوں کی صلاحیت رکھی گئی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ اسے زمین پر بھیجنے سے پہلے ایسے تجربے سے گزارا جائے۔ پیغمبر چونکہ معصوم ہوتے ہیں اور ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد نہیں ہو سکتا، اس لئے آدم علیہ السلام کی یہ غلطی درحقیقت اجتہادی غلطی (Bonafide Mistake) تھی، یعنی سبج کی یہ غلطی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو شیطان کے بہکانے سے ایک خاص وقت تک محدود سمجھ لیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا ہرگز ان سے تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم چونکہ یہ تصور بھی ایک پیغمبر کے شایانِ شان نہ تھا اس لئے اسے بعض آیات میں گناہ یا حکمِ عدولی سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر توبہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ساتھ ہی زیرِ نظر آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، اور اس طرح اس عیسائی عقیدے کی تردید فرمادی گئی ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا یہ گناہ ہمیشہ کے لئے انسان کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اور اس مشکل کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ کو اپنا بیٹا دُنیا میں بھیج کر اسے قربان کرنا پڑا تاکہ وہ ساری دُنیا کے لئے کفارہ بن سکے۔ قرآن کریم نے دو ٹوک الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی اس لئے نہ وہ گناہ باقی رہا تھا، نہ اس کے اولادِ آدم کی طرف منتقل ہونے کا کوئی سوال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل میں ایک شخص کے گناہ کا بوجھ دوسرے کے سر پر نہیں ڈالا جاتا۔



قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنِ تَّبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾ يٰۤاِسْرٰٓءٰٓءِلُ اٰذْكُرْ وَاِنْعَمْتِ النَّبِيَّ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَاتْرَهَبُوْنَ ﴿۴۰﴾

ہم نے کہا: ”اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہیں پہنچے، تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ ﴿۳۸﴾ اور جو لوگ کفر کا ارتکاب کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“ ﴿۳۹﴾

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو، تاکہ میں بھی تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں، اور تم (کسی اور سے نہیں، بلکہ) صرف مجھی سے ڈرو ﴿۴۰﴾

(۳۷) ”اسرائیل“ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ تمام تر یہودی اور اکثر عیسائی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد نہ صرف ان کو اسلام کی دعوت دی تھی، بلکہ ان سے امن کا معاہدہ بھی فرمایا تھا۔ لہذا اس مدنی سورت میں زیر نظر آیت سے آیت ۱۲۳ تک مسلسل بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے جس میں انہیں اسلام کی دعوت بھی دی گئی ہے اور ان کو نصیحت کرنے کے ساتھ ان کی بدعنوانیوں پر متنبہ بھی کیا گیا ہے۔ شروع میں ان کو یاد دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسے کیسے انعامات فرمائے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہو کر اس عہد کو پورا کرتے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا کہ وہ تورات پر ٹھیک ٹھیک عمل کریں گے اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہر نبی پر ایمان لائیں گے۔ لیکن انہوں نے تورات پر عمل کرنے کے بجائے اس کی من مانی تاویلیں شروع کر دیں اور اس کے احکام کو بدل ڈالا۔ چونکہ اس طرز عمل کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حق کو قبول کرنے کی صورت میں انہیں اپنے ہم مذہب لوگوں کا ڈر تھا کہ وہ کہیں ان سے بدظن نہ ہو جائیں، اس لئے ان دو آیتوں کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ مخلوق سے ڈرنے کے بجائے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے، اور اللہ کے سوا کسی کا خوف دل میں نہیں رکھنا چاہئے۔

وَأْمُرُوا بِمَا أُنزِلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرِيهِ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَإِيَّاي فَاتَّقُونِ ﴿٣٨﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿٤٠﴾

اور جو کلام میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، جبکہ وہ اُس کتاب (یعنی تورات) کی تصدیق بھی کر رہا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ اور میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، اور (کسی اور کے بجائے) صرف میرا خوف دل میں رکھو ﴿۳۸﴾ اور حق کو باطل کے ساتھ گڈنڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ جبکہ (اصل حقیقت) تم اچھی طرح جانتے ہو ﴿۳۹﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رُکوع کرنے والوں کے ساتھ رُکوع کرو ﴿۴۰﴾

(۳۸) بنی اسرائیل کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم وہی دعوت لے کر آیا ہے جو تورات اور انجیل کی دعوت تھی اور جن آسمانی کتابوں پر وہ ایمان رکھتے ہیں، قرآن کریم انہیں جھٹلانے کے بجائے دو طرح سے ان کی تصدیق کرتا ہے: ایک اس لحاظ سے کہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ کتابیں اللہ ہی کی نازل کی ہوئی تھیں، (یہ اور بات ہے کہ بعد کے لوگوں نے ان میں کافی رد و بدل کر ڈالا جس کی حقیقت قرآن نے واضح فرمائی) اور دوسرے قرآن اس حیثیت سے ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے کہ ان کتابوں میں آخری نبی کی تشریف آوری کی جو پیشینگوئیاں کی گئی تھیں قرآن کریم نے انہیں سچا کر دکھایا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل عرب کے بت پرستوں سے پہلے اس پر ایمان لاتے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جس تیز رفتاری سے بت پرست اسلام لارہے ہیں اس رفتار سے یہودی ایمان نہیں لارہے، اور اس طرح گویا بنی اسرائیل قرآن کی تکذیب کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ: ”تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ“۔ بعض یہودیوں کا طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ رشوت لے کر تورات کی تشریح عام لوگوں کی خواہشات کے مطابق کر دیا کرتے تھے، اور بعض اوقات اس کے احکام کو چھپا لیتے تھے۔ ان کے اس طرز عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو،... اور حق کو باطل کے ساتھ گڈنڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ“۔

(۳۹) رُکوع کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ یہودیوں کی نماز میں رُکوع نہیں ہوتا تھا۔

اتَّامُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۳﴾ وَاسْتَعِذُّوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۖ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۳۴﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ وَإِلَيْهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۳۵﴾ لِيَبَيِّنَ إِسْرَاءَ يٰۤاٰدِ كُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۶﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۷﴾ وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۖ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۳۸﴾

کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟ ﴿۳۴﴾

اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ نماز بھاری ضرور معلوم ہوتی ہے، مگر ان لوگوں کو نہیں جو خشوع (یعنی دھیان اور عاجزی) سے پڑھتے ہیں ﴿۳۵﴾ جو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، اور ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۳۶﴾ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۳۷﴾ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، نہ کسی سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ کسی سے کسی کا فدیہ لیا جائے گا، اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی ﴿۳۸﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔

اور اس ساری صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا بڑا امتحان تھا ﴿۳۹﴾

(۴۰) فرعون مصر کا بادشاہ تھا جہاں بنی اسرائیل بڑی تعداد میں آباد تھے، اور فرعون کی غلامی میں دن گزار

وَإِذْ قَرَّبْنَا بِلْمِ الْبَحْرَيْنِ جَنِينَكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٠﴾ وَإِذْ  
وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَنْزِلَ إِلَيْكَ لَقَدْ تَخَذْتُمُ الْعَجَلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ  
عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ أَنْتَبَأَ مُوسَىٰ الْكِتَابَ  
وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑ ڈالا تھا، چنانچہ تم سب کو بچا لیا تھا اور فرعون کے  
لوگوں کو (سمندر میں) غرق کر ڈالا تھا، اور تم یہ سارا نظارہ دیکھ رہے تھے ﴿۵۰﴾ اور (وہ وقت  
یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا تھا، پھر تم نے ان کے پیچھے (اپنی جانوں  
پر) ظلم کر کے پھڑے کو معبود بنالیا ﴿۵۱﴾ پھر اس سب کے بعد بھی ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم  
شکر ادا کرو ﴿۵۲﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور حق و باطل میں تمیز کا معیار  
(بخشا) تاکہ تم راہ راست پر آؤ ﴿۵۳﴾

رہے تھے۔ فرعون کے سامنے کسی نجوی نے یہ پیشینگوئی کر دی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو  
اس کی بادشاہی کا خاتمہ کر دے گا۔ یہ سن کر اس نے یہ حکم دے دیا کہ اسرائیلیوں میں جو کوئی بچہ پیدا ہوا سے قتل  
کر دیا جائے، البتہ لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے تاکہ ان سے خدمت لی جاسکے۔ اس طرح بہت سے نوزائیدہ بچے  
قتل کئے گئے، اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی سال پیدا ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ اس کا مفصل  
واقعہ سورۃ طہ اور سورۃ القصص میں خود قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے۔

(۳۱) اس کا واقعہ بھی مذکورہ بالا دو سورتوں میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

(۳۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ کوہ طور پر آکر چالیس دن اعتکاف  
کریں تو انہیں تورات عطا کی جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ ان کی  
غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سامری جادوگر نے ایک گائے کا کچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل کو اسے اپنا معبود  
قرار دینے اور اس کی عبادت کرنے پر آمادہ کر لیا، اور اس طرح وہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام  
کو اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا کر واپس تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو توبہ کی تلقین فرمائی۔ اس توبہ کا ایک حصہ یہ تھا کہ

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمُوا لَكُمْ ظَلَمْتُكُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعَجَلَ  
فَتَوَبُّوا إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۖ فَتَابَ  
عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى  
اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ  
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”اے میری قوم! حقیقت میں تم نے پھڑے کو معبود بنا کر خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، لہذا اب اپنے خالق سے توبہ کرو، اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ تمہارے خالق کے نزدیک یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔“ اس طرح اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہی ہے جو اتنا معاف کرنے والا، اتنا رحم کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ اور جب تم نے کہا تھا: ”اے موسیٰ! ہم اُس وقت تک ہرگز تمہارا یقین نہیں کریں گے جب تک اللہ کو ہم خود کھلی آنکھوں نہ دیکھ لیں“ نتیجہ یہ ہوا کہ کڑکے نے تمہیں اس طرح آ پکڑا کہ تم دیکھتے رہ گئے ﴿۵۵﴾ پھر ہم نے تمہیں تمہارے مرنے کے بعد دوسری زندگی دی تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ﴿۵۶﴾<sup>(۳۳)</sup>

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس شرک میں ملوث نہیں ہوئے تھے وہ ملوث ہونے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ ان کی ایک بڑی تعداد قتل کی گئی، اور اس طرح ان کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ واقعات ان شاء اللہ تفصیل سے سورہ اعراف اور سورہ طہ میں آئیں گے۔

(۴۳) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہر طور سے تورات لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل نے ان سے کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ واقعی اللہ نے ہمیں اس کتاب پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے؟ شروع میں ان پر حجت تمام کرنے کے لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے براہ راست خطاب فرما کر تورات پر عمل کا حکم دیا، مگر وہ کہنے لگے کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے ہمیں یقین نہ آئے گا۔ اُن کے اس گستاخانہ طرزِ عمل پر ایک بجلی کے کڑکے نے انہیں آگھیرا اور وہ بعض روایات کے مطابق مر گئے، اور بعض کے مطابق بے ہوش ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی دی۔ اس واقعے کی تفصیل بھی ان شاء اللہ سورہ اعراف میں آئے گی۔

وَضَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوٰی ط کُلُّوْا مِنْ طِیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ط وَمَا ظَلَمُوْا وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا اَدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَمَکُوْا مِنْهَا حٰیثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاِذْ خَلُوْا الْبَابَ سَجْدًا وَّقُوْلُوْا حَظًّا نَّغْفِرْ لَکُمْ خَطِیْئَتُمْ ط وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾

اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا، اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا (اور کہا کہ: ) ”جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں بخشا ہے (شوق سے) کھاؤ۔“ اور (یہ نافرمانیاں کر کے) انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ہی ظلم کرتے رہے ﴿۵۷﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ: ”اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ، اور (بستی کے) دروازے میں جھکے سروں کے ساتھ داخل ہونا، اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ!) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں، (اس طرح) ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے، اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے۔“ ﴿۵۸﴾

(۴۴) جیسا کہ سورہ مائدہ میں آئے گا، بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کر دیا گیا تھا، لیکن اس سزایابی کے دوران بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا یہاں اُن کا ذکر ہو رہا ہے۔ صحرائے سینا میں چونکہ کوئی چھت ان کے سروں پر نہیں تھی اس لئے ان کو دُھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ ایک بادل ان پر مسلسل سایہ کئے رہتا تھا۔ اسی صحرائے سینا میں جہاں کوئی غذا دستیاب نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے غیب سے من و سلویٰ کی شکل میں انہیں بہترین خوراک مہیا فرمائی۔ بعض روایات کے مطابق من سے مراد ترنجبین ہے جو اس علاقے میں افراط سے پیدا کر دی گئی تھی، اور سلویٰ سے مراد بیڑیں ہیں جو بنی اسرائیل کی قیام گاہوں کے آس پاس کثرت سے منڈلاتی رہتیں، اور کوئی انہیں پکڑنا چاہتا تو وہ بالکل مزاحمت نہیں کرتی تھیں۔ بنی اسرائیل نے ان تمام نعمتوں کی بُری طرح ناقداری کی اور اس طرح خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا أَرْجُزًا  
 مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾ وَإِذَا اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ  
 بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَضِيبًا ۚ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ  
 مَّشْرِبَهُمْ ۖ كَلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾

مگر ہوا یہ کہ جو بات اُن سے کہی گئی تھی، ظالموں نے اُسے بدل کر ایک اور بات بنالی۔ نتیجہ یہ کہ جو  
 نافرمانیاں وہ کرتے آرہے تھے ہم نے اُن کی سزا میں ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل  
 کیا ﴿۵۹﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا: ”اپنی  
 لاٹھی پتھر پر مارو“ چنانچہ اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ﴿۶۰﴾ ہر ایک قبیلے نے اپنے پانی لینے کی  
 جگہ معلوم کر لی۔ (ہم نے کہا:) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو، اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرنا ﴿۶۰﴾

(۴۵) اسی صحرا میں رہتے ہوئے جب مدت گزر گئی اور بنی اسرائیل من و سلویٰ سے بھی اکتا گئے تو انہوں نے یہ  
 مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں۔ ان کا  
 یہ مطالبہ آگے آیت ۶۱ میں آرہا ہے۔ اس موقع پر ان کی یہ خواہش بھی پوری کی گئی اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ اب  
 تمہیں صحرا کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے۔ سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ، لیکن اپنے گناہوں  
 پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے  
 مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔ لیکن ان ظالموں نے پھر ضد کا مظاہرہ کیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر تو  
 کیا جھکاتے، سینے تان تان کر داخل ہوئے، اور معافی مانگنے کے لئے انہیں جو الفاظ کہنے کی تلقین کی گئی تھی ان کا  
 مذاق بنا کر ان سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سوا کچھ نہ تھا۔ جو  
 لفظ انہیں معافی مانگنے کے لئے سکھایا گیا تھا وہ تھا: ”حِطَّة“ (یا اللہ! ہمارے گناہ بخش دے) انہوں نے اسے بدل  
 کر جس لفظ کے نعرے لگائے وہ تھا: ”حِنطۃ“ یعنی گندم!

(۴۶) یہ واقعہ بھی اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل میدانِ تیہ (صحرائے سینا) میں محصور تھے، وہاں پانی کا کوئی

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِئُ الْاَرْضُ مِنْ بَاقِلِهَا وَقَتْآئِبِهَا وَفُومَهَا وَعَدَسَهَا وَصَلِحَهَا ۚ قَالَ اَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِى هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِى هُوَ خَيْرٌ ۚ اِهْبِطُوا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مِمَّا سَاَلْتُمْ ۚ وَضَرْبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلٰلَةُ وَالْمُسْكَنَةُ ۚ وَبَاءَ وَبَغَضِبِ مِنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِیْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَاَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

اور (وہ وقت بھی) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، لہذا ہماری خاطر اپنے پروردگار سے مانگئے کہ وہ ہمارے لئے کچھ وہ چیزیں پیدا کرے جو زمین اُگایا کرتی ہے، یعنی زمین کی ترکاریاں، اس کی لکڑیاں، اس کا گندم، اس کی دالیں اور اس کی پیاز۔ موسیٰ نے کہا: ”جو (غذا) بہتر تھی کیا تم اُس کو ایسی چیزوں سے بدلنا چاہتے ہو جو گھٹیا درجے کی ہیں؟ (خیر!) ایک شہر میں جا اُترو، تو وہاں تمہیں وہ چیزیں مل جائیں گی جو تم نے مانگی ہیں۔“ اور ان (یہودیوں) پر زلت اور بیکسی کا ٹھپہ لگا دیا گیا، اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی، اور وہ بے حد زیادتیاں کرتے تھے ﴿۶۱﴾

چشمہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک معجزے کے طور پر پتھر سے بارہ چشمے پیدا فرمادیئے۔ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، ہر بیٹے کی اولاد ایک مستقل قبیلہ بن گئی، اور اس طرح بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں تقسیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قبیلے کے لئے الگ چشمہ جاری فرمادیا تاکہ کوئی الجھن پیش نہ آئے۔

(۴۷) یہ وہی واقعہ ہے جو اوپر حاشیہ نمبر ۴۵ میں بیان کیا گیا ہے۔



إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيَّانَ مِنْ آمَنَ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط

حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا صابی، اللہ اور آخرت کے دن پر  
ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں  
گے، اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ ﴿۲۸﴾  
اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے (تورات پر عمل کرنے کا) عہد لیا تھا، اور کوہ طور کو تمہارے  
اوپر اٹھا کھڑا کیا تھا

(۲۸) بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی نافرمانیوں کے تذکرے کے بیچ میں یہ آیت کریمہ بنی  
اسرائیل کے ایک باطل گھمنڈ کی تردید کے لئے آئی ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف اُنہی کی نسل اللہ کے منتخب  
اور لاڈ لے بندوں پر مشتمل ہے۔ ان کے خاندان سے باہر کا کوئی آدمی اللہ کے انعامات کا مستحق نہیں ہے۔  
(آج بھی یہودیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اسی لئے یہودی مذہب ایک نسل پرست مذہب ہے، اور اس نسل کے  
باہر کا کوئی شخص یہودی مذہب اختیار کرنا بھی چاہے تو یا اختیار کر ہی نہیں سکتا یا اُن حقوق کا مستحق نہیں ہو سکتا جو  
ایک نسلی یہودی کو حاصل ہیں)۔ اس آیت نے واضح فرمایا کہ حق کسی ایک نسل میں محدود نہیں ہے۔ اصل اہمیت  
ایمان اور نیک عمل کو حاصل ہے، جو شخص بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لانے اور عمل صالح کی بنیادی شرطیں پوری  
کر دے گا، خواہ وہ پہلے کسی بھی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہو، اللہ کے نزدیک اجر کا مستحق ہوگا۔ یہودیوں اور  
نصرانیوں کے علاوہ عرب میں کچھ ستارہ پرست لوگ رہتے تھے جنہیں ”صابی“ کہا جاتا تھا، اس لئے ان کا بھی  
ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اللہ پر ایمان لانے میں اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا بھی داخل  
ہے، لہذا نجات پانے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پیچھے آیت  
۴۰-۴۱ میں اسی لئے تمام بنی اسرائیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید  
دیکھئے قرآن کریم کی آیات ۵: ۶۵ تا ۶۸، ۷: ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ  
ذَلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ  
الَّذِينَ اتَّخَذُوا أَمْثَلُكُمْ فِي النَّبِيِّ فَقُلْنَا لَهُمْ كُفُّوا أَعْيُنَكُمْ عَنِ هَٰؤُلَاءِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا  
نَكَالًا لِّلْبَاقِينَ يَذِّبُهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

(کہ) جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اس کو مضبوطی سے تھامو، اور اس میں جو کچھ (لکھا) ہے اُس کو یاد رکھو، تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو ﴿۶۳﴾ اس سب کے باوجود تم دوبارہ (راہِ راست سے) پھر گئے۔ چنانچہ اگر اللہ کا فضل اور رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاتے ﴿۶۴﴾

اور تم اپنے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو جو سنیچر (سبت) کے معاملے میں حد سے گزر گئے تھے، چنانچہ ہم نے اُن سے کہا تھا کہ تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ ﴿۶۵﴾ پھر ہم نے اس واقعے کو اُس زمانے کے اور اُس کے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت، اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کا سامان بنا دیا ﴿۶۶﴾

(۴۹) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے تو بنی اسرائیل نے دیکھا کہ اس کے بعض احکام بہت سخت ہیں، اس لئے اس سے بچنے کے بہانے تلاش کرنے شروع کر دیئے۔ پہلے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود کہے کہ تورات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مطالبہ اگرچہ نامعقول تھا مگر اُن پر حجت تمام کرنے کے لئے اُن میں سے ستر آدمی منتخب کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر بھیجے گئے (جیسا کہ قرآن کریم نے سورہ اعراف ۷: ۱۵۵ میں بیان فرمایا ہے) جن کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست تورات پر عمل کا حکم دیا۔ مگر جب یہ واپس لوٹے تو انہوں نے اپنی قوم کے سامنے تصدیق تو کی کہ اللہ تعالیٰ نے تورات پر عمل کا حکم دیا ہے، لیکن ایک بات اپنی طرف سے بڑھادی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جتنا تم سے ہو سکے

اُتنا عمل کر لینا، لیکن جو نہ ہو سکے وہ ہم معاف کر دیں گے، چنانچہ تورات کے جس حکم میں بھی انہیں کچھ مشکل نظر آتی وہ یہ بہانہ تراش لیتے کہ یہ حکم بھی اُسی چھوٹ میں داخل ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کوہ طور ان کے سروں پر بلند کر دیا کہ تورات کے تمام احکام کو تسلیم کرو، جب انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں پہاڑ اُن پر گرانہ دیا جائے، تب ان لوگوں نے تورات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ کوہ طور کو ان کے سروں پر بلند کرنے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا ہو، جیسا کہ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے متعدد تابعین سے نقل کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کچھ بھی بعید نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور ایسی صورت پیدا فرمادی گئی ہو کہ ان لوگوں کو ایسا محسوس ہوا ہو کہ پہاڑ اُن پر آگرے گا، مثلاً کوئی زلزلہ آگیا ہو جس سے انہیں ایسا لگا کہ پہاڑ گرنے والا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف (آیت ۱۷۱) میں اس واقعے کے بارے میں الفاظ یہ ہیں:

وَإِذْ نُنَاقِشُ الْجِبَلِ فَوَقَّعْهُمْ كَأَنَّهُ خِلَابٌ وَيَقُونَ أَآئَةً وَاقِعَهُمْ ۖ

اس میں لفظ ”ننقی“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی لغت میں زور زور سے ہلانے کے آتے ہیں۔ (دیکھئے: قاموس اور مفردات القرآن) لہذا آیت کا یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ: ”جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر زور سے اس طرح ہلایا کہ ان کو یہ گمان ہوا کہ وہ ان پر گر پڑے گا“ یہاں یہ بات واضح رہے کہ کسی شخص کو ایمان قبول کرنے پر تو زبردستی مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن جب ایک شخص ایمان لے آئے تو اسے نافرمانی پر سزا بھی دی جاسکتی ہے اور ڈرا دھمکا کر حکم ماننے پر آمادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ ایمان پہلے ہی لاپچھے تھے اس لئے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرا کر فرمانبرداری پر آمادہ کیا گیا۔

(۵۰) سنچر کو عربی اور عبرانی زبان میں ”سبت“ کہتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے اسے ایک مقدس دن قرار دیا گیا تھا جس میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں۔ جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہے وہ غالباً حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں (کسی سمندر کے کنارے رہتے تھے اور مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ سنچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ان کے لئے ناجائز تھا، مگر شروع میں انہوں نے کچھ حیلے کر کے اس حکم کی خلاف ورزی کرنی چاہی، اور پھر کھلم کھلا مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ کچھ نیک لوگوں نے انہیں سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ان پر عذاب آیا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر بنادیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل سورہ اعراف (۷: ۱۶۳-۱۶۶) میں آنے والی ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُؤًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۖ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِصٌ وَلَا يَكْرُ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۖ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ لَوُحَاهَا تَسْرُّ النُّظُرِينَ ۖ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۖ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۖ ﴿٧٠﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارا مذاق بناتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں (ایسے) نادانوں میں شامل ہوں (جو مذاق میں جھوٹ بولیں) ﴿٦٧﴾ انہوں نے کہا کہ آپ ہماری خاطر اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اس نے کہا: ”اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ بہت بوڑھی ہو نہ بالکل بچی، (بلکہ) ان دونوں کے بیچ بیچ میں ہو۔ بس اب جو حکم تمہیں دیا گیا ہے اس پر عمل کرلو“ ﴿٦٨﴾ کہنے لگے: آپ ہماری خاطر اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: ”اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے تیز زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کا دل خوش کر دے“ ﴿٦٩﴾ انہوں نے (پھر) کہا کہ آپ ہماری خاطر اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اس گائے نے تو ہمیں شبیہ میں ڈال دیا ہے۔ اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور اس کا پتہ لگالیں گے ﴿٧٠﴾

(۵۱) جیسا کہ نیچے آیت ۷۲ میں آرہا ہے، یہ حکم ایک مقتول کا قاتل دریافت کرنے کے لئے دیا گیا تھا اس لئے بنی اسرائیل نے اس کو مذاق سمجھا کہ گائے ذبح کرنے سے قاتل کیسے معلوم ہوگا؟

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولَ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيبَةَ فِيهَا قَالُوا لَنْ جِئْتِ بِالْحَقِّ قَدْ بَحَوْهَا وَمَا كَاذُوا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾ وَإِذْ جَعَلْنَا نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجُ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٤٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهَا بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُخَيِّلُ اللَّهُ النَّفْسَ الَّتِي لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾

موسیٰ نے کہا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو کام میں جت کر زمین نہ گاہتی ہو، اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، پوری طرح صحیح سالم ہو جس میں کوئی داغ نہ ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں! اب آپ ٹھیک ٹھیک پتہ لے کر آئے۔ اس کے بعد انہوں نے اُسے ذبح کیا، جبکہ لگتا نہیں تھا کہ وہ کرپائیں گے ﴿۴۱﴾ اور (یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اور اُس کے بعد اُس کا الزام ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے، اور اللہ کو وہ راز نکال باہر کرنا تھا جو تم چھپائے ہوئے تھے ﴿۴۲﴾ چنانچہ ہم نے کہا کہ اس (مقتول) کو اس (گائے) کے ایک حصے سے مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور تمہیں (اپنی قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو ﴿۴۳﴾

(۵۲) مطلب یہ ہے کہ شروع میں جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا تو کسی خاص قسم کی گائے نہیں بتائی گئی تھی، چنانچہ وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو حکم پورا ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے خواہ مخواہ کھود کر یہ شروع کر دی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بھی نئی شرطیں عائد فرمائیں، اور ایسی گائے تلاش کرنا مشکل ہو گیا جو ان شرطوں کو پورا کرتی ہو۔ یہاں تک کہ ایک مرحلے پر ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید وہ ایسی گائے تلاش کر کے ذبح کرنے کے قابل نہ ہوں۔ اس واقعے میں سبق یہ یاد کیا ہے کہ بلاوجہ غیر ضروری کھوج میں پڑنا ٹھیک نہیں۔ جو بات جتنی سادہ ہو اس پر اتنی ہی سادگی سے عمل کر لینا چاہئے۔

(۵۳) اس واقعے کی تفصیل تاریخی روایات میں یہ آئی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے ایک بھائی کو اس کی میراث حاصل کرنے کی خاطر قتل کیا اور اس کی لاش سڑک پر ڈال دی، پھر خود ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر پہنچ گیا کہ قاتل کو پکڑ کر سزا دی جائے۔ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں گائے ذبح کرنے کو کہا جس کا واقعہ اوپر گذرا۔ جب گائے ذبح ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ گائے کا

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ  
الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ  
وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۲﴾

اس سب کے بعد تمہارے دل پھر سخت ہو گئے، یہاں تک کہ وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر! بلکہ سختی میں کچھ  
ان سے بھی زیادہ۔ (کیونکہ) پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ بہتی  
ہیں، اور انہی میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے،  
اور انہی میں وہ (پتھر) بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے لڑھک جاتے ہیں۔ اور (اس کے برخلاف)  
جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے ﴿۷۲﴾

کوئی عضو اٹھا کر مقتول کی لاش پر مارو تو وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس طرح  
قاتل کا پول کھل گیا، اور وہ پکڑا گیا۔ قاتل کی دریافت کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ  
قاتل کو کوئی بہانہ بنانے کا ہر راستہ بند ہو گیا، اور دوسرا فائدہ یہ کہ مردوں کو زندہ کرنے کی خدائی طاقت کا عملی  
مظاہرہ کر کے ان لوگوں کی زبانیں بند کر دی گئیں جو دوسری زندگی کو ناممکن سمجھتے تھے۔ غالباً اس واقعے کے بعد  
ہی بنی اسرائیل میں یہ طریقہ جاری ہوا کہ جب کوئی شخص مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل رہا ہو تو ایک  
گائے ذبح کر کے اس پر اپنے ہاتھ دھوئیں اور قسم کھائیں کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا، جس کا ذکر بائبل کی کتاب  
استثناء ۱۲-۸۱ میں آیا ہے۔

(۵۴) یعنی بعض مرتبہ تو پتھروں سے چشمے نکل آتے ہیں، جیسا کہ بنی اسرائیل خود دیکھ چکے تھے کہ کس طرح ایک  
سنگ لاخ چٹان سے پانی کے چشمے بہہ پڑے تھے، (دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۶۰) اور بعض اوقات بھاری مقدار میں تو  
پانی نہیں نکلتا، مگر پتھر شق ہو کر تھوڑا بہت پانی نکال دیتا ہے، اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے لڑھک بھی پڑتے ہیں،  
مگر ان کے دل ایسے سخت ہیں کہ ذرا نہیں پیسجتے۔ کسی زمانے میں یہ بات کچھ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ پتھر  
جیسی بے جان چیز میں خوف کا کیا تصور ہو سکتا ہے؟ لیکن قرآن کریم نے کئی جگہوں پر یہ حقیقت واضح فرمائی ہے  
کہ جن چیزوں کو ہم بظاہر بے جان یا بے شعور سمجھتے ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ شعور موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے سورہ بنی  
اسرائیل (۴۱: ۲۴) اور سورہ احزاب (۷۲: ۳۳) لہذا اگر اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ کچھ پتھر اللہ کے خوف سے

اَقْتَضَعُونَ اَنْ يُّؤْمِنُوا بِالْكِتَابِ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللّٰهِ ثُمَّ  
يُحَرِّفُوْنَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَاِذَا الْقَوَّالُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا  
اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَا بِعَضُوْهُمْ اِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوْا اٰتٰ حَدِيْثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰیكُمْ  
لِيُحَاكِمَكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥٦﴾

(مسلمانو!) کیا اب بھی تمہیں یہ لالچ ہے کہ یہ لوگ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟  
حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اللہ کا کلام سنتے تھے، پھر اس کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد بھی  
جانتے بوجھتے اس میں تحریف کر ڈالتے تھے ﴿۵۵﴾ اور جب یہ لوگ ان (مسلمانوں) سے ملتے  
ہیں جو پہلے ایمان لا چکے ہیں تو (زبان سے) کہہ دیتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں، اور  
جب یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں جاتے ہیں تو (آپس میں ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ:  
”کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ یہ (مسلمان)  
تمہارے پروردگار کے پاس جا کر انہیں تمہارے خلاف دلیل کے طور پر پیش کریں؟ کیا تمہیں اتنی  
بھی عقل نہیں؟“ ﴿۵۶﴾

لڑھک جاتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ آج تو سائنس بھی رفتہ رفتہ اس نتیجے پر پہنچ رہی ہے کہ  
جمادات میں بھی نمودار شعور کی کچھ نہ کچھ صلاحیت موجود ہے۔

(۵۵) تورات میں آخر زمانے میں آنے والے نبی کی جو پیشنگونیاں موجود تھیں وہ تمام تر نبی کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم پر صادق آتی تھیں، بعض منافق یہودی جو مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے یہ  
پیشنگونیاں مسلمانوں کو سنا دیتے تھے، اس پر دوسرے یہودی تنہائی میں ان کو ملامت کرتے تھے کہ مسلمان ان  
پیشنگونیوں کو جان لیں گے تو قیامت میں ہمارے خلاف استعمال کریں گے اور ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہ  
ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی بے وقوفی کی بات تھی، کیونکہ اگر مسلمانوں سے یہ پیشنگونیاں چھپا بھی لی جائیں تو اللہ  
سے تو نہیں چھپ سکتیں۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٤٤﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا  
يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٤٥﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ  
الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ تَسْنَأَ قَلِيلًا ۖ  
فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٤٦﴾ وَقَالُوا لَنْ تَسْنَأَ  
النَّارُ إِلَّا آيَاءَ مَا مَعَدُّودًا ۖ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلَفَ اللَّهُ  
عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

کیا یہ لوگ (جو ایسی باتیں کرتے ہیں) یہ نہیں جانتے کہ اللہ کو ان ساری باتوں کا خوب علم ہے جو وہ  
چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں؟ ﴿۷۷﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ ان پڑھ ہیں جو کتاب  
(تورات) کا علم تو رکھتے نہیں، البتہ کچھ آرزوئیں پکائے بیٹھے ہیں، اور ان کا کام بس یہ ہے کہ وہم و  
گمان باندھتے رہتے ہیں ﴿۷۸﴾ لہذا بتا ہی ہے ان لوگوں کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں،  
پھر (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے ذریعے تھوڑی سی آمدنی  
کمالیں۔ <sup>(۵۶)</sup> پس بتا ہی ہے ان لوگوں پر اس تحریر کی وجہ سے بھی جو ان کے ہاتھوں نے لکھی، اور بتا ہی  
ہے ان پر اس آمدنی کی وجہ سے بھی جو وہ کماتے ہیں ﴿۷۹﴾

اور یہودیوں نے کہا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے علاوہ آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔ آپ ان  
سے کہئے کہ کیا تم نے اللہ کی طرف سے کوئی عہد لے رکھا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی  
نہیں کر سکتا، یا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں کچھ پتہ نہیں؟ ﴿۸۰﴾

(۵۶) یہاں قرآن کریم نے ترتیب یہ رکھی ہے کہ پہلے ان یہودی علماء کا ذکر فرمایا ہے جو تورات میں جان بوجھ  
کر رد و بدل کرتے تھے، پھر ان ان پڑھ یہودیوں کا جنہیں تورات کا علم تو تھا نہیں، مگر انہیں مذکورہ بالا علماء  
نے ان جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا کر رکھا تھا کہ سارے یہودی اللہ کے لاڈ لے ہیں، اور وہ بہر صورت جنت میں



بَلْ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَاطِئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا  
 خَالِدُونَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا  
 خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآءَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ  
 وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ  
 حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۖ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ  
 مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ  
 أَنفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٤﴾

(آگ تمہیں) کیوں نہیں (چھوئے گی)؟ جو لوگ بھی بدی کماتے ہیں اور ان کی بدی انہیں گھیر لیتی  
 ہے تو ایسے لوگ ہی دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۸۱﴾ اور جو لوگ ایمان  
 لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، تو وہ جنت کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۸۲﴾  
 اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ: ”تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت  
 نہیں کرو گے، اور والدین سے اچھا سلوک کرو گے، اور رشتہ داروں سے بھی اور یتیموں اور مسکینوں  
 سے بھی۔ اور لوگوں نے بھلی بات کہنا، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔“ (مگر) پھر تم میں سے تھوڑے  
 سے لوگوں کے سوا باقی سب (اس عہد سے) منہ موڑ کر پھر گئے ﴿۸۳﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے تم  
 سے پکا عہد لیا تھا کہ: ”تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے، اور اپنے آدمیوں کو اپنے گھروں سے  
 نہیں نکالو گے“ پھر تم نے اقرار کیا تھا، اور تم خود اس کے گواہ ہو ﴿۸۴﴾

جائیں گے۔ ان کا سارا علم اسی قسم کے گمانوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ ان کے اس گمان کی بنیادی وجہ علماء کی تحریکات  
 تھیں اس لئے آیت ۸۶ میں ان کی تباہی کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔  
 (۵۷) بدی کے گھیرے میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کریں جس کے بعد کوئی نیک عمل  
 آخرت میں کارآمد نہ ہو، اور وہ گناہ کفر اور شرک ہے۔

هُمْ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِّن دِيَارِهِمْ<sup>۱</sup> تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ<sup>۲</sup> وَإِن يَأْتِئْكُمْ أُسْرَى تَقْدُوهُمْ وَهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ<sup>۳</sup> أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ<sup>۴</sup> فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا<sup>۵</sup> وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ<sup>۶</sup> وَمَا لِلَّهِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ<sup>۷</sup> ﴿۸۵﴾

اس کے بعد (آج) تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنے ہی آدمیوں کو قتل کرتے ہو، اور اپنے ہی میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے ہو، اور ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کا ارتکاب کر کے (ان کے دشمنوں کی) مدد کرتے ہو، اور اگر وہ (دشمنوں کے) قیدی بن کر تمہارے پاس آجاتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ ان کو (گھر سے) نکالنا ہی تمہارے لئے حرام تھا۔<sup>(۵۸)</sup> تو کیا تم کتاب (تورات) کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ اب بتاؤ کہ جو شخص ایسا کرے اُس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیوی زندگی میں اُس کی رسوائی ہو؟ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے ﴿۸۵﴾

(۵۸) اس کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ دوسری طرف بت پرستوں کے بھی دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج۔ قریظہ کی دوستی اوس قبیلے سے تھی، اور بنو نضیر کی خزرج سے۔ جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے، اور بنو نضیر خزرج کا۔ نتیجہ یہ کہ یہودیوں کے دونوں قبیلے بالواسطہ ایک دوسرے کے مد مقابل آجاتے اور ان لڑائیوں میں جہاں اوس اور خزرج کے آدمی مارے جاتے وہاں قریظہ اور نضیر کے یہودی بھی قتل ہوتے، یا اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوتے۔ اس طرح اگرچہ بنو قریظہ اور بنو نضیر دونوں قبیلے یہودی تھے، مگر وہ ایک دوسرے کے دشمنوں کی امداد کر کے آپس میں ایک دوسرے کے قتل اور خانماں بربادی میں حصہ دار ہوتے تھے۔ ہاں اگر کوئی یہودی دشمن کے ہاتھوں قید ہو جاتا تو وہ سب مل کر اس کا فدیہ ادا کرتے اور اسے چھڑا لیتے جس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ہمیں تورات نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی یہودی دشمن کی قید میں چلا جائے تو اسے چھڑائیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جس تورات نے یہ حکم دیا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اسْتَرَوْا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٨٧﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْبِطَ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ ۖ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ ۖ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٨﴾ وَقَالُوا اقْلُوبْنَا عُلْفٌ ۖ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٩﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دُنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، لہذا نہ اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ اُن کی مدد کی جائیگی ﴿۸۶﴾ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔ ﴿۸۷﴾ پھر یہ آخر کیا معاملہ ہے کہ جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس کوئی ایسی بات لے کر آیا جو تمہاری نفسانی خواہشات کو پسند نہیں تھی تو تم اکڑ گئے؟ چنانچہ بعض (انبیاء) کو تم نے جھٹلایا، اور بعض کو قتل کرتے رہے ﴿۸۷﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”ہمارے دل غلاف میں ہیں۔“ نہیں! بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس لئے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں ﴿۸۸﴾

ہے اسی نے یہ حکم بھی تو دیا تھا کہ نہ ایک دوسرے کو قتل کرنا، نہ ایک دوسرے کو گھر سے نکالنا۔ ان احکام کو تو تم نے چھوڑ دیا اور صرف فدیہ کے حکم پر عمل کر لیا۔

(۵۹) ”روح القدس“ کے لفظی معنی ہیں: مقدس روح، اور قرآن کریم میں یہ لقب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لئے استعمال کیا گیا ہے، (دیکھئے: سورہ نحل ۱۶: ۱۰۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ تائید حاصل تھی کہ وہ ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کے لئے ان کے ساتھ رہتے تھے۔

(۶۰) ان کے اس جملے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی شیخی بگھارتے تھے کہ ہمارے دلوں پر ایک حفاظتی غلاف ہے جس کی وجہ سے کوئی غلط بات ہمارے دلوں میں گھر نہیں کر سکتی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے آپ سے مایوس کرنے کے لئے طنزاً یہ کہتے تھے کہ آپ تو بس یہ سمجھ لو کہ ہمارے دلوں پر غلاف

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۖ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ  
يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۖ فَلَعْنَةُ اللَّهِ  
عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (۸۹) بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغْيًا  
أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءَءٌ بِغَضَبٍ عَلَىٰ  
غَضَبٍ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (۹۰)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی (یعنی قرآن) جو اس (تورات) کی  
تصدیق بھی کرتی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے، (تو ان کا طرزِ عمل دیکھو!) باوجودیکہ یہ خود  
شروع میں کافروں (یعنی بت پرستوں) کے خلاف (اس کتاب کے حوالے سے) اللہ سے فتح کی  
دُعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جسے انہوں نے پہچان بھی لیا، تو اس  
کا انکار کر بیٹھے۔ پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر! ﴿۸۹﴾

بُری ہے وہ قیمت جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے، کہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی  
کتاب کا صرف اس جلن کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ اپنے فضل کا کوئی حصہ (یعنی وحی) اپنے  
بندوں میں سے جس پر چاہ رہا ہے (کیوں) اتار رہا ہے؟ چنانچہ یہ (اپنی اس جلن کی وجہ سے)  
غضب بالائے غضب لے کر لوٹے ہیں۔ اور کافر لوگ ذلت آمیز سزا کے مستحق ہیں۔ ﴿۹۰﴾

چڑھا ہوا ہے، اور ہمیں اسلام کی دعوت دینے کی فکر میں نہ پڑو۔

(۶۱) جب یہودیوں کی بت پرستوں سے جنگ ہوتی یا بحث و مباحثہ ہوتا تو وہ یہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ یا  
اللہ! آپ نے تورات میں جس آخری نبی کی خبر دی ہے اسے جلدی بھیج دیجئے تاکہ ہم ان کے ساتھ مل کر بت  
پرستوں پر فتح حاصل کریں۔ مگر جب وہ نبی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے تو وہ اس حسد  
میں مبتلا ہو گئے کہ انہیں بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں کیوں بھیجا گیا؟ چنانچہ یہ جان لینے کے باوجود کہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ ساری علامتیں صادق آتی ہیں جو تورات میں نبی آخر الزمان کی بیان کی گئی ہیں  
انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

(۶۲) یعنی ایک غضب کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی وجہ سے تھے، دوسرا غضب ان پر حسد اور ضد کی وجہ سے ہوا۔

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ امْكُتُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالَ الْكَاذِبُونَ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا  
وَرَأَوْا ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۖ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ  
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۙ ۙ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ  
بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۙ ۙ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ خُذُوا  
مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۖ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ  
بِكُفْرِهِمْ ۖ قُلْ بِئْسَ مَا يُمِرُّكُمْ بِهِ إِيَّاكُمْ أَنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۙ ۙ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام اُتارا ہے اس پر ایمان لے آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو  
(صرف) اُسی کلام پر ایمان رکھیں گے جو ہم پر نازل کیا گیا، (یعنی تورات) اور وہ اس کے سوا (دوسری  
آسمانی کتابوں) کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ بھی حق ہیں، (اور) جو کتاب ان کے پاس ہے وہ اُس  
کی تصدیق بھی کرتی ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم ان سے کہو کہ اگر تم واقعی (تورات پر) ایمان رکھتے تھے تو  
اللہ کے نبیوں کو پہلے زمانے میں کیوں قتل کرتے رہے؟ ﴿۹۱﴾ اور خود موسیٰ تمہارے پاس روشن  
نشانیوں لے کر آئے، پھر تم نے ان کے پیٹھ پیچھے یہ ستم ڈھایا کہ گائے کے پچھڑے کو معبود بنا لیا ﴿۹۲﴾  
اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اُوپر طور کو بلند کر دیا (اور یہ کہا کہ) ”جو کچھ  
ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے تھامو“ اور ﴿۹۳﴾ (جو کچھ کہا جائے اسے ہوش سے) سنو۔“ کہنے  
لگے: ”ہم نے (پہلے بھی) سن لیا تھا، مگر عمل نہیں کیا تھا (اب بھی ایسا ہی کریں گے)“ اور (در اصل)  
اُن کے کفر کی نحوست سے اُن کے دلوں میں پچھڑا بسا ہوا تھا۔ آپ (اُن سے) کہئے کہ اگر تم مؤمن  
ہو تو کتنی بُری ہیں وہ باتیں جو تمہارا ایمان تمہیں تلقین کر رہا ہے! ﴿۹۳﴾

(۶۳) اس واقعے کی تفصیل اسی سورت میں پیچھے آیت نمبر ۶۳ کے حاشیہ میں گزر چکی ہے، اور پچھڑے کا واقعہ  
آیت ۵۱ کے تحت۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الدِّينَ فَإِنَّ اللَّهَ فَاسِتٌ لِلْغَافِلِينَ ۝ وَلَنْ يُتَّبَعَ أَسْبَابُ مَا قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْبَاطِلِ ۝ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَلَتَجِدَنَّ أَجْرَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ ۝ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوْمَئِذٍ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِزَرْجٍ مِنَ الْعَذَابِ ۝ أَنْ يُعَمَّرَ ۝ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

معافہ ۲

ج ۱۱

آپ (اُن سے) کہئے کہ: ”اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہے (جیسا کہ تمہارا کہنا ہے) تو موت کی تمنا تو کر کے دکھاؤ، اگر واقعی سچے ہو“ ﴿۹۴﴾ اور (ہم بتائے دیتے ہیں کہ) انہوں نے اپنے جو کروت آگے بھیج رکھے ہیں، ان کی وجہ سے یہ کبھی ایسی تمنا نہیں کریں گے۔ اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۹۵﴾ (بلکہ) یقیناً تم ان لوگوں کو پاؤ گے کہ انہیں زندہ رہنے کی حرص دوسرے تمام انسانوں سے زیادہ ہے، یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ۔ ان میں کا ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ ایک ہزار سال عمر پائے، حالانکہ کسی کا بڑی عمر پالینا اسے عذاب سے دور نہیں کر سکتا۔ اور یہ جو عمل بھی کرتے ہیں اللہ اسے اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۹۶﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ اگر کوئی شخص جبریل کا دشمن ہے تو (ہوا کرے) انہوں نے تو یہ کلام اللہ کی اجازت سے تمہارے دل پر اتارا ہے جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کر رہا ہے، اور ایمان والوں کے لئے مجسم ہدایت اور خوشخبری ہے ﴿۹۷﴾

(۶۳) یہ بھی قرآن کریم کی طرف سے ایک چیلنج تھا جسے قبول کر لینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ وہ باسانی کم از کم زبان سے علی الاعلان موت کی تمنا کر کے دکھا سکتے تھے، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ خدائی چیلنج ہے، اس لئے ایسی تمنا کا اظہار انہیں فوراً قبر میں پہنچا دے گا، اس لئے کسی نے ایسی جرأت نہیں کی۔

(۶۵) بعض یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ کے پاس جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ  
 عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا  
 الْفَاسِقُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَكَلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا ابْتَدَأَ فَتَنَّا مِنْهُمْ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا  
 يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾ وَلَسَاجِدًا لَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۖ بَدَأَ فَفَنَّا مِنَ  
 الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۚ كَتَبَ اللَّهُ وَرَأَىٰ ظُهُورَهُمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾

اگر کوئی شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا، اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو (وہ  
 سن رکھے کہ) اللہ کافروں کا دشمن ہے ﴿۹۸﴾ اور بیشک ہم نے آپ پر ایسی آیتیں اتاری ہیں  
 جو حق کو آشکار کرنے والی ہیں، اور ان کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو نافرمان ہیں ﴿۹۹﴾  
 یہ آخر کیا معاملہ ہے کہ ان لوگوں نے جب کوئی عہد کیا، ان کے ایک گروہ نے اسے ہمیشہ توڑ پھینکا؟  
 بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان لاتے ہی نہیں ﴿۱۰۰﴾ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف  
 سے ایک رسول آئے جو اُس (تورات) کی تصدیق کر رہے تھے جو ان کے پاس ہے، تو اہل کتاب  
 میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات و انجیل) کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا وہ  
 کچھ جانتے ہی نہ تھے (کہ اس میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ہدایات دی  
 گئی تھیں) ﴿۱۰۱﴾

وہ چونکہ ہمارے لئے بڑے سخت احکام لایا کرتے تھے اس لئے ہم انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اور فرشتہ وحی  
 لا رہا ہوتا تو ہم کچھ غور کر سکتے تھے۔ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی ہے، اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ  
 جبریل علیہ السلام تو محض پیغام پہنچانے والے ہیں، جو کچھ لاتے ہیں اللہ کے حکم سے لاتے ہیں۔ لہذا ان سے  
 دشمنی کی کوئی معقول وجہ ہے اور نہ اس کی وجہ سے اللہ کے کلام کو رد کرنے کے کوئی معنی ہیں۔

وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمٍ ۖ وَمَا كَفَرُ سُلَيْمٌ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ  
كَفَرُوا وَيَعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ۖ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ  
وَمَارُوتَ ۖ وَمَا يَعْلَمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ  
فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّينَ بِهِ مِنْ  
أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۖ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ  
مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾

اور یہ (بنی اسرائیل) اُن (منتروں) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان (علیہ السلام) کی سلطنت کے  
زمانے میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ اور سلیمان (علیہ السلام) نے کوئی کفر نہیں کیا تھا، البتہ شیاطین  
لوگوں کو جادو کی تعلیم دے کر کفر کا ارتکاب کرتے تھے۔ نیز (یہ بنی اسرائیل) اُس چیز کے پیچھے لگ  
گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت نامی دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی۔ یہ دو فرشتے کسی کو اس وقت  
تک کوئی تعلیم نہیں دیتے تھے جب تک اس سے یہ نہ کہہ دیں کہ: ”ہم محض آزمائش کے لئے (بھیجے  
گئے) ہیں، لہذا تم (جادو کے پیچھے لگ کر) کفر اختیار نہ کرنا۔“ پھر بھی یہ لوگ اُن سے وہ چیزیں سیکھتے  
تھے جس کے ذریعے مرد اور اس کی بیوی میں جدائی پیدا کر دیں۔ (ویسے یہ واضح رہے کہ) وہ اس کے  
ذریعے کسی کو اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ (مگر) وہ ایسی باتیں سیکھتے تھے جو  
اُن کے لئے نقصان دہ تھیں، اور فائدہ مند نہ تھیں۔ اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو شخص ان چیزوں  
کا خریدار بنے گا، آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چیز بہت بُری تھی جس  
کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔ کاش کہ ان کو (اس بات کا حقیقی) علم ہوتا۔ ﴿۱۰۲﴾

(۶۶) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی ایک اور بد عملی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ جادو ٹونے



کے پیچھے لگنا شرعاً ناجائز تھا، بالخصوص اگر جادو میں شرکیہ کلمات منتر کے طور پر پڑھے جائیں تو ایسا جادو کفر کے مرادف ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں کچھ شیاطین نے، جن میں انسان اور جنات دونوں شامل ہو سکتے ہیں، بعض یہودیوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا سارا راز جادو میں مضمر ہے، اور اگر تم جادو سیکھ لو گے تو تمہیں بھی حیرت انگیز اقتدار نصیب ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ جادو سیکھنے اور اُس پر عمل کرنے میں لگ گئے، حالانکہ جادو پر عمل کرنا نہ صرف ناجائز تھا، بلکہ اس کی بعض قسمیں کفر تک پہنچتی تھیں۔ دوسرا غضب یہودیوں نے یہ کیا کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر قرار دے کر ان کے بارے میں یہ مشہور کر دیا کہ انہوں نے آخری عمر میں بتوں کو پوجنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے بارے میں یہ جھوٹی داستانیں انہوں نے اپنی مقدس کتابوں میں شامل کر دیں جو آج تک بائبل میں درج چلی آتی ہیں۔ چنانچہ بائبل کی کتاب سلاطین اول ۱۱-۲۱ میں ان کے معاذ اللہ مرتد ہونے کا بیان آج بھی موجود ہے۔ قرآن کریم نے اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس ناپاک بہتان کی تردید فرمائی ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کریم پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں سے مأخوذ ہے، وہ کتنا غلط الزام ہے۔ یہاں قرآن کریم صریح الفاظ میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی تردید کر رہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ یہ خود معلوم کر سکتے کہ یہودیوں کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اس بات کا علم آپ کو وحی کے سوا کسی اور راستے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا یہ آیت بذات خود آپ کے صاحبِ وحی رسول ہونے کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ بتلایا کہ یہودیوں کی کتابوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر کیا بہتان لگایا گیا ہے، بلکہ اس قدر جم کر اس کی تردید فرمائی ہے۔

(۶۷) بابل عراق کا مشہور شہر تھا۔ ایک زمانے میں وہاں جادو کا بڑا چرچا ہو گیا تھا، اور یہودی بھی اس ناجائز کام میں بُری طرح ملوث ہو گئے تھے۔ انبیائے کرام اور دوسرے نیک لوگ انہیں جادو سے منع کرتے تو وہ بات نہ مانتے تھے۔ اس سے بھی خطرناک بات یہ تھی کہ لوگوں نے جادو گروں کے شعبدوں کو معجزے سمجھ کر انہیں اپنا دینی مقتدا بنا لیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو فرشتے جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا دنیا میں انسانی شکل میں بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت سے آگاہ کریں، اور یہ بتائیں کہ خدائی معجزات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ معجزہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس میں کسی ظاہری سبب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جادو کے ذریعے جو کوئی شعبدہ دکھایا جاتا ہے وہ اسی عالم اسباب کا ایک حصہ ہے۔ یہ بات واضح کرنے کے لئے ان فرشتوں کو جادو کے مختلف طریقے بھی بتانے پڑتے تھے تاکہ یہ دکھایا جاسکے کہ کس طرح وہ سبب اور مسبب کے رشتے سے منسلک ہیں، لیکن جب وہ ان طریقوں کی تشریح کرتے تو ساتھ ساتھ لوگوں کو متنبہ بھی کر دیتے تھے کہ

یاد رکھو! یہ طریقے ہم اس لئے نہیں بتا رہے ہیں کہ تم ان پر عمل شروع کر دو، بلکہ اس لئے بتا رہے ہیں کہ تم پر جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو، اور تم جادو سے پرہیز کرو۔ اس لحاظ سے ہمارا وجود تمہارے لئے ایک امتحان ہے کہ ہماری باتوں کو سمجھ کر تم جادو سے پرہیز کرتے ہو یا ہم سے جادو کے طریقے سیکھ کر ان پر عمل شروع کر دیتے ہو۔ یہ کام انبیاء کے بجائے فرشتوں سے بظاہر اس بنا پر لیا گیا کہ جادو کے فارمولے بتانا، خواہ وہ صحیح مقصد سے کیوں نہ ہو، انبیائے کرام کو زیب نہیں دیتا تھا۔ اس کے برعکس فرشتے چونکہ غیر مکلف ہوتے ہیں، اس لئے ان سے بہت سے تکوینی کام لئے جاسکتے ہیں۔ بہر حال! نافرمان لوگوں نے ان فرشتوں کی طرف سے کبھی ہوئی باتوں کو تو نظر انداز کر دیا، اور ان کے بتائے ہوئے فارمولوں کو جادو کرنے میں استعمال کیا اور وہ بھی ایسے گھناؤنے مقاصد کے لئے جو دیسے بھی حرام تھے، مثلاً میاں بیوی میں پھوٹ ڈال کر نوبت طلاق تک پہنچا دینا۔

(۶۸) یہاں سے جملہ مقررہ کے طور پر ایک اور اصولی غلطی پر متنبہ کیا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ جادو پر ایمان رکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ جادو میں بذات خود ایسی تاثیر موجود ہے جس سے مطلوبہ نتیجہ خود بخود اللہ کے حکم کے بغیر بھی برآمد ہو جاتا ہے، گویا اللہ چاہے یا نہ چاہے، وہ نتیجہ پیدا ہو کر رہے گا۔ یہ عقیدہ بذات خود کفر تھا۔ اس لئے یہ واضح کر دیا گیا کہ دُنیا کے دوسرے اسباب کی طرح جادو بھی محض ایک سبب ہے اور دُنیا میں کوئی سبب بھی اپنا مثبت یا نتیجہ اس وقت تک ظاہر نہیں کر سکتا جب تک اللہ کی مشیت اس کے ساتھ متعلق نہ ہو۔ کائنات کی کسی چیز میں بذات خود نہ کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت ہے نہ نقصان پہنچانے کی۔ لہذا اگر کوئی ظالم کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو وہ اللہ کی قدرت اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ چونکہ یہ دُنیا ایک امتحان کی جگہ ہے اس لئے یہاں اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کوئی گناہ کرنا چاہتا ہے یا کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ تکوینی مصلحت کے مطابق سمجھتا ہے تو اپنی مشیت سے وہ کام کرا دیتا ہے۔ اسی کے نتیجے میں ظالم کو گناہ اور مظلوم کو ثواب ملتا ہے، ورنہ اگر اللہ اسے اس کام کی قدرت ہی نہ دے تو امتحان کیسے ہو؟ لہذا جتنے گناہ کے کام دُنیا میں ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی رضامندی ان کو حاصل نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضامندی میں فرق یہی ہے کہ مشیت اچھے بُرے ہر کام سے متعلق ہو سکتی ہے، مگر رضامندی صرف جائز اور ثواب کے کاموں سے مخصوص ہے۔

(۶۹) اس آیت کے شروع میں تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جو مشرکانہ جادو کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، لیکن آیت کے آخری حصے میں فرمایا ہے کہ ”کاش وہ علم رکھتے“ جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں ہے۔ بظاہر دونوں باتیں متضاد لگتی ہیں، لیکن درحقیقت اس اندازِ بیان سے یہ عظیم

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَآتَقُوا السُّبُوتَ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْكَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٢٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ رَبِّكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٢﴾

اور (اس کے برعکس) اگر وہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس سے ملنے والا ثواب یقیناً کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔ کاش کہ اُن کو (اس بات کا بھی حقیقی) علم ہوتا ﴿۱۲۰﴾ ایمان والو! (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر) ”رَاعِنَا“ نہ کہا کرو، اور ”انْظُرْنَا“ کہہ دیا کرو۔ اور سنا کرو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۲۱﴾ کافروں، خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی تم پر نازل ہو، حالانکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص فرما لیتا ہے۔ اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۱۲۲﴾

سبق دیا گیا ہے کہ زرا علم جس پر عمل نہ ہو حقیقت میں علم کہلانے کا مستحق نہیں، بلکہ وہ کالعدم ہے۔ لہذا اگر وہ یہ بات جانتے تو ہیں مگر ان کا عمل اس کے برخلاف ہے تو وہ علم کس کام کا؟ کاش کہ وہ حقیقی علم رکھتے تو اس پر ان کا عمل بھی ہوتا۔

(۷۰) مدینہ میں رہنے والے بعض یہودیوں کی ایک شرارت یہ تھی کہ وہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ سے کہتے تھے رَاعِنَا۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ”ہماری رعایت فرمائیے“ اس لحاظ سے یہ لفظ ٹھیک تھا اور اس میں گستاخی کے کوئی معنی نہیں تھے۔ لیکن عبرانی زبان میں جو یہودیوں کی مذہبی زبان تھی، اس سے ملتا جلتا ایک لفظ بدو عا اور گالی کے طور پر استعمال ہوتا تھا، نیز اگر اسی لفظ میں عین کو ذرا کھینچ کر بولا جائے تو وہ رَاعِنَا بن جاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں ”ہمارے چرواہے!“ غرض یہودیوں کی اصل نیت اس لفظ کو خراب معنی

مَا نُنَسِّخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا ۚ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۶﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۰۷﴾

ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی جیسی (آیت) لے آتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے؟ ﴿۱۰۶﴾ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ وہ ذات ہے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت تنہا اُسی کی ہے، اور اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا رکھوالا ہے نہ مددگار؟ ﴿۱۰۷﴾

میں استعمال کرنے کی تھی، لیکن چونکہ عربی میں بظاہر اس کا مطلب ٹھیک تھا، اس لئے بعض مخلص مسلمانوں نے بھی یہ لفظ بولنا شروع کر دیا۔ یہودی اس بات سے بڑے خوش ہوتے اور اندر اندر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس لئے اس آیت نے مسلمانوں کو اس شرارت پر متنبہ بھی کر دیا، آئندہ اس لفظ کے استعمال پر پابندی بھی لگا دی اور یہ سبق بھی دے دیا کہ ایسے الفاظ کا استعمال مناسب نہیں ہے جن میں کسی غلط مفہوم کا احتمال ہو، یا ان سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو۔ نیز اگلی آیت میں اس سارے عناد کی اصل وجہ بھی بتادی کہ درحقیقت ان کو یہ حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کی نعمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں عطا فرمادی ہے۔ رَاٰعِنَا کے بجائے اَنْظُرْنَا کا لفظ سکھا دیا کیونکہ اس کے معنی ہیں ”ہم پر (شفقت کی) نظر فرمائیے“ اس میں کسی اور معنی کا احتمال نہیں۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ مختلف زمانوں کے حالات کی مناسبت سے شریعت کے فروعی احکام میں تبدیلی فرماتے رہے ہیں۔ اگرچہ دین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ ہر دور میں ایک رہے ہیں، لیکن جو عملی احکام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تبدیل کر دیئے گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان میں مزید تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں نبوت عطا ہوئی تو آپ کی دعوت کو مختلف مراحل سے گذرنا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل درپیش تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے احکام میں تدریج اختیار فرمائی۔ کسی وقت ایک حکم دیا گیا، بعد میں اس کی جگہ دوسرا حکم آگیا، جیسا کہ قبلے کے تعین میں احکام بدلے گئے جن کی کچھ تفصیل آگے آیت ۱۱۵ میں آرہی ہے۔ فروعی احکام میں ان حکیمانہ تبدیلیوں کو اصطلاح میں ”نسخ“ کہتے ہیں۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَنْ يَتَّبِدَّالِ  
 الْكُفْرِ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ (۱۰۸) وَكَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ  
 يَرُدُّونَكُمْ مِن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ  
 لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
 قَدِيرٌ ۝ (۱۰۹) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ  
 تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (۱۱۰)

(۷۲) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اُسی قسم کے سوال کرو جیسے پہلے موسیٰ سے کئے جا چکے ہیں؟ اور جو شخص ایمان کے بدلے کفر اختیار کرے وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیا ﴿۱۰۸﴾ (مسلمانو!) بہت سے اہل کتاب اپنے دلوں کے حسد کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پلٹا کر پھر کافر بنادیں، باوجودیکہ حق اُن پر واضح ہو چکا ہے۔ چنانچہ تم معاف کرو اور درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود اپنا فیصلہ بھیج دے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۰۹﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور (یاد رکھو کہ) جو بھلائی کا عمل بھی تم خود اپنے فائدے کے لئے آگے بھیج دو گے اُس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ بیشک جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے ﴿۱۱۰﴾

یہودیوں نے بالخصوص اور دوسرے کافروں نے بالعموم اس پر یہ اعتراض اٹھایا کہ اگر یہ سارے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان میں یہ تبدیلیاں کیوں ہو رہی ہیں؟ یہ آیت کریمہ اس سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق بدلتے ہوئے حالات میں یہ تبدیلیاں کرتے ہیں، اور جو حکم بھی منسوخ کیا جاتا ہے اس کی جگہ ایسا حکم لایا جاتا ہے جو بدلے ہوئے حالات میں زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا ہے، یا کم از کم اتنا ہی بہتر ہوتا ہے جتنا بہتر پہلا حکم تھا۔

(۷۲) یہ خطاب یہودیوں کو بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بجائے طرح طرح کے مطالبے پیش کرتے تھے، اور ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا ۚ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱۱﴾ بَلَىٰ ۚ مَن أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ قَالَ اللَّهُ يُحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

اور یہ (یعنی یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ: ”جنت میں سوائے یہودیوں یا عیسائیوں کے کوئی بھی ہرگز داخل نہیں ہوگا۔“ یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل لے کر آؤ ﴿۱۱۱﴾ کیوں نہیں؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو شخص بھی اپنا رخ اللہ کے آگے جھکا دے، اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو، اُسے اپنا اجر اپنے پروردگار کے پاس ملے گا۔ اور ایسے لوگوں کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۱۲﴾ اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، حالانکہ یہ سب (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح وہ (مشرکین) جن کے پاس کوئی (آسمانی) علم ہی سرے سے نہیں ہے، انہوں نے بھی ان (اہل کتاب) کی جیسی باتیں کہنی شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ اللہ ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں ﴿۱۱۳﴾

پر ایمان لانے کے باوجود یہودی ان سے نامعقول اور غیر ضروری سوالات اور مطالبے کرتے رہے ہیں، تم ایسا نہ کرنا۔

(۷۳) یعنی یہودی کہتے ہیں کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ صرف عیسائی۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا  
أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي  
الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٣﴾

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگا دے کہ ان میں اللہ کا نام  
لیا جائے، اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان  
(مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور انہی کو  
آخرت میں زبردست عذاب ہوگا ﴿۱۱۳﴾

(۷۴) اُوپر یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب تینوں گروہوں کا ذکر آیا ہے۔ یہ تینوں گروہ کسی نہ کسی زمانے  
میں اور کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً عیسائیوں نے  
شاہ طیطوس کے زمانے میں بیت المقدس پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کیا۔ ابرہہ نے جو عیسائی ہونے کا  
مدعی تھا بیت اللہ پر حملہ کر کے اُسے ویران کرنے کی کوشش کی۔ مشرکین مکہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے  
سے روکتے رہے، اور یہودیوں نے بیت اللہ کے تقدس سے انکار کر کے عملاً لوگوں کو اس کی طرف رُخ کرنے  
سے روکا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایک طرف ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ تنہا وہی جنت کا حق دار  
ہے، اور دوسری طرف ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں رُکاوت ڈالنے یا عبادت گاہوں کو ویران  
کرنے کے درپے رہے ہیں۔ اسی آیت کا اگلا جملہ ذمّہ معنی ہے۔ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ حق تو یہ تھا کہ  
یہ لوگ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا خوف لے کر داخل ہوتے، نہ یہ کہ متکبرانہ انداز میں انہیں ویران کریں، یا  
لوگوں کو وہاں اللہ کی عبادت سے روکیں۔ لیکن ساتھ ہی اس میں یہ لطیف اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ عنقریب وہ  
وقت آنے والا ہے جب یہ متکبر لوگ جو اللہ کی مسجدوں سے لوگوں کو روک رہے ہیں، حق پرستوں کے سامنے  
ایسے مغلوب ہوں گے کہ انہیں خود ان جگہوں پر ڈر ڈر کر داخل ہونا پڑے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر کفار مکہ  
کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔

وَاللَّهُ الشَّرِيقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُوا فَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ  
عَلَيْهِمْ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۖ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ  
كُلُّ لَّهُ قُنُوتٌ ۝

اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں۔ لہذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے، وہیں اللہ کا رخ ہے۔<sup>(۷۵)</sup>  
بیشک اللہ بہت وسعت والا، بڑا علم رکھنے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا  
ہوا ہے، (حالانکہ) اس کی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین میں  
جو کچھ ہے اُسی کا ہے۔ سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں ﴿۱۱۶﴾

(۷۵) اوپر جن تین گروہوں کا ذکر ہوا ہے ان کے درمیان ایک اختلاف قبلہ کا بھی تھا۔ اہل کتاب بیت المقدس  
کی طرف رخ کرتے تھے اور مشرکین بیت اللہ کو قبلہ سمجھتے تھے۔ مسلمان بھی اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے  
تھے، اور یہ بات یہودیوں کو ناگوار تھی۔ ایک مختصر عرصے کے لئے مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا  
حکم دیا گیا تو یہودیوں نے خوشی کا اظہار کیا کہ دیکھو! مسلمان ہماری بات ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ پھر دوبارہ  
بیت اللہ کو مستقل قبلہ بنا دیا گیا جس کی تفصیل ان شاء اللہ اگلے پارے کے شروع میں آنے والی ہے۔ یہ آیت  
بظاہر اُس موقع پر نازل ہوئی ہے جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ بتلانا یہ  
مقصود ہے کہ کوئی بھی سمت اپنی ذات میں کسی تقدس کی حامل نہیں۔ مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اسی کی  
تابع فرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے، چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ  
کرنے کا حکم دیدے، بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ ہو  
جہاں قبلہ کی صحیح سمت پتہ نہ چل رہی ہو تو وہاں وہ اپنے اندازے سے جس سمت کو قبلہ سمجھ کر نماز پڑھے گا اس کی  
نماز ہو جائے گی، یہاں تک کہ اگر بعد میں پتہ چلے کہ جس رخ پر نماز پڑھی ہے وہ صحیح رخ نہیں تھا تب بھی نماز  
دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس شخص نے اپنی طاقت کے مطابق اللہ کے حکم کی تعمیل کر لی۔ دراصل کسی  
بھی جگہ یا کسی بھی سمت میں اگر کوئی تقدس آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ لہذا اگر اللہ تعالیٰ قبلہ



بَدِيعُ السَّلَوتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿١١٧﴾  
 قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِلُنَا آيَةً ۖ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ  
 مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۖ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿١١٨﴾  
 إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿١١٩﴾

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں بس اتنا کہتا ہے کہ: ”ہوجا“ چنانچہ وہ ہوجاتی ہے ﴿۱۱۷﴾ اور جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ ہم سے (براہ راست) کیوں بات نہیں کرتا؟ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں وہ بھی اسی طرح کی باتیں کہتے تھے جیسی یہ کہتے ہیں۔ ان سب کے دل ایک جیسے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ یقین کرنا چاہیں ان کے لئے ہم نشانیاں پہلے ہی واضح کر چکے ہیں ﴿۱۱۸﴾ (اے پیغمبر!) بے شک ہم نے تمہیں کو حق دے کر اس طرح بھیجا ہے کہ تم (جنت کی) خوشخبری دو اور (جہنم سے) ڈراؤ۔ اور جو لوگ (اپنی مرضی سے) جہنم (کا راستہ) اختیار کر چکے ہیں ان کے بارے میں آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی ﴿۱۱۹﴾

کے تعین میں اپنے احکام بدل رہا ہے تو اس میں کسی فریق کی ہارجیت کا سوال نہیں۔ یہ تبدیلی یہی دکھانے کے لئے آ رہی ہے کہ کوئی سمت اپنی ذات میں مقصود نہیں۔ مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی ہے۔ اگر آئندہ اللہ تعالیٰ دوبارہ بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدے تو یہ بات نہ قابل تعجب ہونی چاہئے نہ قابل اعتراض۔  
 (۷۶) عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہی ہیں۔ بعض یہودی بھی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہ آیت ان سب کی تردید کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد کی ضرورت اسے ہو سکتی ہے جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو، اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا مالک ہے، اور اسے کسی کام میں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ پھر وہ اولاد کا محتاج کیوں ہو؟ اسی دلیل کو اگر منطقی پیرائے

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَهُمْ ۖ قُلْ إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ  
 الْهُدَىٰ ۖ وَلَئِنَّ آتِيتَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ مِنَ  
 اللَّهِ مِنْ وَّالٍ ۚ لَا نَصِيرَ ۚ ﴿١٢٠﴾ الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَتَّىٰ تَتَلَوْتُمُوهُ ۚ أُولَٰئِكَ  
 يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۚ ﴿١٢١﴾

اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہر گز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی  
 نہیں کرو گے۔ کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اور تمہارے پاس (وحی کے ذریعے)  
 جو علم آ گیا ہے، اگر کہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر لی تو تمہیں اللہ  
 سے بچانے کے لئے نہ کوئی حمایتی ملے گا نہ کوئی مددگار ﴿۱۲۰﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی،  
 جبکہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہوں جیسا اس کی تلاوت کا حق ہے، تو وہ لوگ ہی  
 (درحقیقت) اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ﴿۱۲۱﴾ اور جو اس کا انکار کرتے ہوں، تو ایسے لوگ ہی نقصان  
 اٹھانے والے ہیں ﴿۱۲۱﴾

میں بیان کیا جائے تو وہ اس طرح ہوگی کہ اولاد اپنے باپ کا جزء ہوتی ہے، اور ہر گل اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے۔  
 اللہ تعالیٰ چونکہ ہر احتیاج سے پاک ہے اس لئے اس کی ذات بسیط ہے جسے کسی جزء کی حاجت نہیں۔ لہذا اس کی  
 طرف اولاد منسوب کرنا اسے محتاج قرار دینے کے مرادف ہے۔

(۷۷) اگرچہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ناقابل تصور تھی کہ آپ کفار کی خواہشات کے  
 پیچھے چلیں، لیکن اس آیت نے فرض محال کے طور پر یہ بات کہہ کر اصول یہ بتلادیا کہ اللہ کے نزدیک شخصیات کی  
 اہمیت ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری  
 مخلوقات میں سب سے افضل اسی بنا پر ہیں کہ اللہ کے سب سے زیادہ فرماں بردار ہیں۔

(۷۸) بنی اسرائیل میں جہاں سرکش لوگ بڑی تعداد میں تھے وہاں بہت سے لوگ ایسے مخلص بھی تھے جنہوں  
 نے تورات اور انجیل کو صرف پڑھا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے حق کی ہر بات کو قبول  
 کرنے کے لئے اپنے سینوں کو کشادہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو

يٰۤاِبْنِيۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ نَسِیْتُمْ عَلٰی  
 الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاَتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا  
 عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنصَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَاِذَا بَلَیۤ اِبْرٰهٖمُ رَبُّهُۥ بِكَلِمٰتٍ  
 قَاتِلٰتٍ ۖ قَالَ اِنِّیۤ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیۡ ۖ قَالَ لَا یَبْتَئٰلُ  
 عَهْدِیَ الظَّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۸﴾

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں  
 نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۱۲۶﴾ اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی  
 کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اُس کو کوئی سفارش فائدہ  
 دے گی، اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی۔ ﴿۱۲۷﴾ ﴿۱۲۸﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں سے آزمایا، اور انہوں نے وہ  
 ساری باتیں پوری کیں۔ اللہ نے (اُن سے) کہا: ”میں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا  
 ہوں۔“ ابراہیم نے پوچھا: ”اور میری اولاد میں سے؟“ اللہ نے فرمایا: ”میرا (یہ) عہد ظالموں کو  
 شامل نہیں ہے۔“ ﴿۱۲۸﴾

انہوں نے کسی عناد کے بغیر اسے قبول کیا۔ اس آیت میں ان حضرات کی تعریف کی گئی ہے اور سبق یہ دیا گیا ہے  
 کہ کسی آسمانی کتاب کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کے تمام احکام کو دل سے مان کر ان کی تعمیل کی جائے۔  
 درحقیقت تورات پر ایمان رکھنے والے وہی ہیں جو اس کے احکام کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر  
 ایمان لاتے ہیں۔

(۷۹) بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور ان کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا جو ذکر اوپر سے چلا  
 آرہا ہے، اس کا آغاز آیت ۷۸ اور ۷۹ میں تقریباً انہی الفاظ سے کیا گیا تھا۔ اب سارے واقعات تفصیل سے  
 یاد دلانے کے بعد پھر وہی بات ناصحانہ انداز میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ ان سب باتوں کو یاد دلانے کا اصل مقصد  
 تمہاری خیر خواہی ہے، اور تمہیں ان واقعات سے اس نتیجہ تک پہنچ جانا چاہئے۔

(۸۰) یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کچھ حالات و واقعات شروع ہو رہے ہیں، اور کچھیلی آیتوں سے ان واقعات کا دوطرح گہرا تعلق ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ یہودی، عیسائی اور عرب کے بت پرست، یعنی تینوں وہ گروہ جن کا ذکر اوپر آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے تھے، مگر ہر گروہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ اُسی کے مذہب کے حامی تھے۔ لہذا ضروری تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں صحیح صورت حال واضح کی جائے۔ قرآن کریم نے یہاں یہ بتلایا ہے کہ اُن کا تینوں گروہوں کے باطل عقائد سے کوئی تعلق نہیں تھا، ان کی ساری زندگی تو حید کی تبلیغ میں خرچ ہوئی، اور انہیں اس راستے میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا جن میں وہ پورے اُترے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام)۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوت کا سلسلہ انہی کی اولاد یعنی بنی اسرائیل میں چلا آ رہا تھا جس کی بنا پر وہ یہ سمجھتے تھے کہ دُنیا بھر کی پیشوائی کا حق صرف انہی کو حاصل ہے۔ کسی اور نسل میں کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو اُن کے لئے واجب الاتباع ہو۔ قرآن کریم نے یہاں یہ غلط فہمی دُور کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا ہے کہ دینی پیشوائی کا منصب کسی خاندان کی لازمی میراث نہیں ہے، اور یہ بات خود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صریح لفظوں میں کہہ دی گئی تھی۔ انہیں جب اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے آزمایا اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہمیشہ تیار رہے، انہیں تو حید کے عقیدے کی پاداش میں آگ میں ڈالا گیا، انہیں وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، انہیں اپنی بیوی اور نوزائیدہ بچے کو مکہ کی خشک وادی میں تنہا چھوڑنے کا حکم ملا اور وہ بلاتامل یہ ساری قربانیاں دیتے چلے گئے، تب اللہ تعالیٰ نے انہیں دُنیا بھر کی پیشوائی کا منصب دینے کا اعلان فرمایا۔ اُسی موقع پر جب انہوں نے اپنی اولاد کے بارے میں پوچھا تو صاف طور پر بتلادیا گیا کہ ان میں جو لوگ ظالم ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کریں گے وہ اس منصب کے حق دار نہیں ہوں گے۔ بنی اسرائیل کو صدیوں آزمانے کے بعد ثابت یہ ہوا ہے کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ قیامت تک پوری انسانیت کی دینی پیشوائی ان کو دی جائے۔ اس لئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بھیجے جا رہے ہیں جن کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ وہ اہل مکہ میں سے بھیجے جائیں۔ اب چونکہ دینی پیشوائی منتقل کی جا رہی ہے، اس لئے اب قبلہ بھی اس بیت اللہ کو بنایا جانے والا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ اس مناسبت سے آگے تعمیر کعبہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں سے آیت نمبر ۱۵۲ تک جو سلسلہ کلام آ رہا ہے اس کو اس پس منظر میں سمجھنا چاہئے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۚ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ  
وَعَهْدُنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهَّرَ ابْنَتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْعُكُفِيِّينَ وَالرُّكَّعِ  
السُّجُودِ ۝ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ  
الشَّجَرِ الْمُنْتَبِتِ ۖ وَوَعَدْنَاهُ مِنْهُم بِإِلَهِهِ ۚ وَالْيَوْمَ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ  
أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ایسی جگہ بنایا جس کی طرف وہ لوٹ لوٹ کر  
جائیں اور جو سراپا امن ہو۔ اور تم مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ اور ہم نے ابراہیم اور  
اسماعیل کو یہ تاکید کی کہ: ”تم دونوں میرے گھر کو ان لوگوں کے لئے پاب کرو جو (یہاں) طواف  
کریں اور اعتکاف میں بیٹھیں اور رکوع اور سجدہ بجالائیں“ ﴿۱۲۵﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب  
ابراہیم نے کہا تھا کہ: ”اے میرے پروردگار! اس کو ایک پُر امن شہر بنا دیجئے، اور اس کے باشندوں  
میں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں انہیں قسم قسم کے پھلوں سے رزق عطا فرمائیے۔“ اللہ  
نے کہا: ”اور جو کفر اختیار کرے گا اس کو بھی میں کچھ عرصے کے لئے لطف اٹھانے کا موقع دوں گا،  
(مگر) پھر اُسے دوزخ کے عذاب کی طرف کھینچ لے جاؤں گا۔ اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔“ ﴿۱۲۶﴾

(۸۱) اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی یہ حرمت رکھی ہے کہ نہ صرف مسجدِ حرام میں بلکہ اُس کے ارد گرد کے وسیع علاقے  
میں جسے حرم کہا جاتا ہے، نہ کسی انسان کو قتل کیا جاسکتا ہے، نہ شدید دفاعی ضرورت کے بغیر جنگ کرنا جائز ہے، نہ  
کسی جانور کا شکار حلال ہے، نہ کوئی خورد و پودا اکھاڑنے کی اجازت ہے، نہ کسی جانور کو قید رکھا جاسکتا ہے۔ اس  
طرح یہ صرف انسانوں کے لئے ہی نہیں، حیوانات اور نباتات کے لئے بھی امن کی جگہ ہے۔

(۸۲) مقامِ ابراہیم اُس پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔ یہ پتھر  
آج بھی موجود ہے، اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو بیت اللہ کا طواف کرے، سات چکر لگانے کے بعد اس  
پتھر کے سامنے کھڑا ہو کر بیت اللہ کا رخ کرے اور دو رکعتیں پڑھے۔ ان رکعتوں کا اسی جگہ پڑھنا افضل ہے۔

وَاذْكُرْ فِىْ اٰبْرٰهٖمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلَ ۚ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَاٰرَآءُنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَاسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

اور اُس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے، اور اسماعیل بھی (ان کے ساتھ شریک تھے، اور دونوں یہ کہتے جاتے تھے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما لے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرماں بردار بنا لے، اور ہماری نسل سے بھی ایسی اُمت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو۔ اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھا دے، اور ہماری توبہ قبول فرما لے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، معاف کر دینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے ﴿۱۲۸﴾ اور ہمارے پروردگار! ان میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے۔ بیشک تیری، اور صرف تیری، ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل“ ﴿۱۲۹﴾

(۸۳) بیت اللہ جسے کعبہ بھی کہتے ہیں درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے تعمیر چلا آتا ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں وہ حوادث روزگار سے منہدم ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسے از سر نو انہی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا حکم ہوا تھا جو پہلے سے موجود تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتادی تھیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ اس کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے۔

(۸۴) دل سے نکلی ہوئی اس دعا کی تاثیر کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کی جاسکتی، چنانچہ

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا  
وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمُ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ  
لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۱﴾

اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے انحراف کرے؟ سوائے اُس شخص کے جو خود اپنے آپ کو  
حماقت میں مبتلا کر چکا ہو! حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے دُنیا میں انہیں (اپنے لئے) چن لیا تھا، اور  
آخرت میں اُن کا شمار صالحین میں ہوگا ﴿۱۳۰﴾ جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا کہ:  
”سر تسلیم خم کر دو!“ تو وہ (فوراً) بولے: ”میں نے رَبِّ الْعَالَمِينَ کے (ہر حکم کے) آگے سر جھکا  
دیا“ ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ صرف اس کا مفہوم ہی ادا کر سکتا ہے۔ یہاں اس دُعا کو نقل کرنے کا مقصد ایک تو یہ دکھانا ہے کہ انبیائے  
کرام اپنے بڑے سے بڑے کارنامے پر بھی مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور اور زیادہ عجز و نیاز کا  
مظاہرہ فرماتے ہیں، اور اپنے کارنامے کا تذکرہ کرنے کے بجائے اپنی اُن کوتاہیوں پر توبہ مانگتے ہیں جو اس کام  
کی ادائیگی میں ان سے سرزد ہونے کا امکان ہو۔ دوسرے اُن کا ہر کام صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے،  
لہذا وہ اُس پر مخلوق سے تعریف کرانے کی فکر کے بجائے اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی دُعا مانگتے ہیں۔ تیسرے  
یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں  
شامل تھی، اور اس طرح خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تجویز دی تھی کہ آپ بنی اسماعیل میں سے مبعوث  
ہوں، نہ کہ بنی اسرائیل میں سے۔ اس دُعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم کی تشریف آوری کے بنیادی مقاصد بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ ان مقاصد کو قرآن کریم نے کئی مقامات پر  
بیان فرمایا ہے، اور ان کی تشریح ان شاء اللہ آگے اسی سورت کی آیت ۱۵۱ میں آئے گی۔

(۸۵) یہاں سر تسلیم خم کرنے کے لئے قرآن کریم نے ”اسلام“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے لفظی معنی سر  
جھکانے اور کسی کے مکمل تابع فرمان ہو جانے کے ہیں۔ ہمارے دین کا نام بھی اسلام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس

وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ ۖ لِيَبْنِيَ لِلَّهِ أَصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۱﴾ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًُا وَاحِدًا ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۲﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ عَنْهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۳﴾

اور اسی بات کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوب نے بھی (اپنے بیٹوں کو) کہ: ”اے میرے بیٹو! اللہ نے یہ دین تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، لہذا تمہیں موت بھی آئے تو اس حالت میں آئے کہ تم مسلم ہو“ ﴿۱۳۲﴾ کیا اُس وقت تم خود موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تھا، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ اُن سب نے کہا تھا کہ ہم اُسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے۔ اور ہم صرف اُسی کے فرماں بردار ہیں ﴿۱۳۳﴾ وہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی۔ جو کچھ انہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے، اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے ﴿۱۳۴﴾

کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے ہر قول و فعل میں اللہ تعالیٰ ہی کا تابع رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ شروع ہی سے مؤمن تھے اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ کا مقصد ان کو ایمان لانے کی تلقین کرنا نہیں تھا، اسی لئے یہاں اس لفظ کا ترجمہ اسلام لانے سے نہیں کیا گیا۔ البتہ اگلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو وصیت اپنی اولاد کے لئے مذکور ہے وہاں اسلام کے مفہوم میں دونوں باتیں داخل ہیں، دین برحق پر ایمان رکھنا بھی اور اس کے بعد اللہ کے ہر حکم کی تابعداری بھی۔ اس لئے وہاں لفظ ”مسلم“ ہی استعمال کیا گیا ہے۔

(۸۶) بعض یہودیوں نے کہا تھا کہ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ یہودیت کے دین پر رہیں۔ یہ آیت اس کا جواب ہے۔ اس آیت کو سورہ آل عمران کی آیت ۶۵ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔



وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا ۖ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۵﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عٰبِدُونَ ﴿۱۳۸﴾

اور یہ (یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ”تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ، راہِ راست پر آ جاؤ گے۔“ کہہ دو کہ: ”نہیں، بلکہ (ہم تو) ابراہیم کے دین کی پیروی کریں گے جو ٹھیک ٹھیک سیدھی راہ پر تھے، اور وہ اُن لوگوں میں سے نہ تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔“ ﴿۱۳۵﴾ (مسلمانو!) کہہ دو کہ: ”ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اُس کلام پر بھی جو ہم پر اتارا گیا اور اُس پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا، اور اُس پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور اُس پر بھی جو دوسرے پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے عطا ہوا۔ ہم ان پیغمبروں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، اور ہم اُسی (ایک خدا) کے تابع فرمان ہیں۔“ ﴿۱۳۶﴾ اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہِ راست پر آ جائیں گے۔ اور اگر یہ منہ موڑ لیں تو درحقیقت وہ دشمنی میں پڑ گئے ہیں۔ اب اللہ تمہاری حمایت میں عنقریب ان سے نمٹ لے گا، اور وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۱۳۷﴾ (اے مسلمانو! کہہ دو کہ: ) ”ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے، اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔“ ﴿۱۳۸﴾

(۸۷) اس میں عیسائیوں کی رسمِ پتسمہ (Baptism) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے اصطلاح (رنگ)

قُلْ أَتَحَاجُّونَنِي فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَا أَعْيَانُ وَلَكُمْ أَعْيَانُكُمْ ۚ  
وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٢٩﴾ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ  
وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۖ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمْرًا ۖ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ  
كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَ اللَّهِ مِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٣٠﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ  
خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣١﴾

کہہ دو کہ: ”کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ (یہ) اور (بات ہے کہ) ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ہم نے تو اپنی بندگی اُسی کے لئے خالص کر لی ہے“ ﴿۱۳۹﴾ بھلا کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولادیں یہودی یا نصرانی تھیں؟ (مسلمانو! ان سے) کہو: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اُس کے پاس اللہ کی طرف سے پہنچی ہو؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے ﴿۱۴۰﴾ (بہر حال!) وہ ایک اُمت تھی جو گزر گئی۔ جو کچھ انہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے، اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے؟ ﴿۱۴۱﴾

چڑھانا) بھی کہا جاتا ہے۔ کسی شخص کو عیسائی بناتے وقت وہ اسے غسل دیتے ہیں جو بعض اوقات رنگا ہوا پانی ہوتا ہے۔ اُن کے خیال میں اس طرح اُس پر عیسائی مذہب کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ یہ ہتسمہ پیدا ہونے والے بچوں کو بھی دیا جاتا ہے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گنہگار پیدا ہوتا ہے، اور جب تک وہ ہتسمہ نہ لے گنہگار رہتا ہے اور یسوع مسیح کے کفارے کا حق دار نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اس بے سرو پا خیال کی کوئی حقیقت نہیں۔ رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو تو حید خالص کا رنگ ہے۔

(۸۸) یعنی یہ حقیقت دراصل ان کو بھی معلوم ہے کہ یہ تمام انبیائے کرام تو حید خالص کا درس دیتے رہے ہیں،

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ  
 الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۳۲﴾ وَكَذَلِكَ  
 جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ  
 شَهِيدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ  
 يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ وَمَا كَانَ  
 لِلَّهِ لِيُضِلَّ عِبَادَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۳۳﴾

اب یہ بے وقوف لوگ کہیں گے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس نے ان (مسلمانوں) کو اُس قبلے سے رخ  
 پھیرنے پر آمادہ کر دیا جس کی طرف وہ منہ کرتے چلے آ رہے تھے؟ آپ کہہ دیجئے کہ مشرق اور  
 مغرب سب اللہ ہی کی ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دیتا ہے ﴿۱۳۲﴾ اور  
 (مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور  
 رسول تم پر گواہ بنے۔ ﴿۹۰﴾ اور جس قبلے پر تم پہلے کار بند تھے، اُسے ہم نے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف  
 یہ دیکھنے کے لئے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کا حکم مانتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے؟ ﴿۹۱﴾ اور اس  
 میں شک نہیں کہ یہ بات تھی بڑی مشکل، لیکن اُن لوگوں کے لئے (ذرا بھی مشکل نہ ہوئی) جن کو اللہ  
 نے ہدایت دے دی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے۔ ﴿۹۲﴾ درحقیقت اللہ  
 لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۳۳﴾

اور ان بے بنیاد عقیدوں سے انبیائے کرام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود ان کی کتابوں میں یہ حقیقت واضح طور پر لکھی  
 ہوئی موجود ہے، اور اُن میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں بھی موجود ہیں جو ان کے پاس اللہ تعالیٰ  
 کی طرف سے آئی ہوئی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں، مگر یہ ظالم اُن کو چھپائے بیٹھے ہیں۔

(۸۹) یہاں سے قبلے کی تبدیلی اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا تفصیلی بیان شروع ہو رہا ہے۔ واقعات کا

پس منظر یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کو بیت المقدس کا رخ کرنے کا حکم دیا گیا جس پر آپ تقریباً سترہ مہینے تک عمل فرماتے رہے۔ اس کے بعد دوبارہ بیت اللہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا۔ تبدیلی کا یہ حکم آگے آیت نمبر ۱۲۴ میں آرہا ہے۔ یہ آیت پیشینگوئی کر رہی ہے کہ یہودی اور عیسائی اس تبدیلی پر بڑے اعتراضات کریں گے، حالانکہ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے ہر شخص کے لئے کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ قبلے کی کوئی خاص سمت مقرر کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ قبلے کی سمت میں تشریف فرما ہے۔ وہ تو ہر سمت اور ہر جگہ موجود ہے اور مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، یہ ساری جہتیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ البتہ چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرتے وقت تمام مؤمنوں کے لئے کوئی ایک سمت مقرر کر دی جائے، اس لئے یہ سمت اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کے تحت مقرر فرماتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ سمت بذات خود مقدس یا مقصود ہے۔ جو کچھ تقدس کسی قبلے یا اس کی سمت میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے جس سمت کو چاہے قبلہ قرار دے سکتا ہے۔ ایک مؤمن کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ آیت کے آخر میں سیدھی راہ کا جو ذکر ہے اس سے مراد اسی حقیقت کا ادراک ہے۔

(۹۰) یعنی جس طرح ہم نے اس آخری زمانے میں تمام دوسری جہتوں کو چھوڑ کر کعبے کی سمت کو قبلہ بننے کا شرف عطا فرمایا، اور تمہیں اسے دل و جان سے قبول کرنے کی ہدایت دی، اسی طرح ہم نے تم کو دوسری اُمتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ معتدل اور متوازن اُمت بنایا ہے۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ اس اُمت کی شریعت میں ایسے مناسب احکام رکھے گئے ہیں جو قیام قیامت تک انسانیت کی صحیح رہنمائی کر سکیں۔ معتدل اُمت کی یہ خصوصیت بھی اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اس اُمت کو قیامت کے دن انبیائے کرام کے گواہ کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ جب پچھلے انبیاء کی اُمتوں میں سے کافر لوگ صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا تھا تو اُمت محمدیہ کے لوگ انبیائے کرام کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے رسالت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی اپنی اُمتوں کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور اگرچہ ہم خود اس موقع پر موجود نہیں تھے لیکن ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے باخبر ہو کر ہم کو یہ بات بتلا دی تھی اور ہمیں اُن کی بات پر اپنے ذاتی مشاہدے سے زیادہ اعتماد ہے۔

دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی اس بات کی تصدیق فرمائیں گے۔ نیز بعض مفسرین نے اُمت محمدیہ کے گواہ ہونے کے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ شہادت سے مراد حق کی دعوت و تبلیغ ہے، اور یہ اُمت پوری انسانیت کو اسی طرح حق کا پیغام پہنچائے گی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنچایا تھا۔ باتیں دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں۔

(۹۱) مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ عرصے کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا جو حکم ہم نے دیا تھا اس کا مقصد یہ امتحان لینا تھا کہ کون قبلے کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور کون ہے جو کسی ایک قبلے کو بذات خود ہمیشہ کے لئے مقدس مان کر اللہ کے بجائے اُسی کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔ قبلے کی تبدیلی سے یہی واضح کرنا مقصود تھا کہ عبادت بیت اللہ کی نہیں، اللہ کی کرنی ہے، ورنہ اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اگلے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ جو لوگ صدیوں سے بیت اللہ کو قبلہ مانتے چلے آ رہے تھے، اُن کے لئے اچانک بیت المقدس کی طرف رُخ موڑ دینا کوئی آسان بات نہ تھی کیونکہ صدیوں سے دلوں پر حکمرانی کرنے والے اعتقادات کو یکایک بدل لینا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن جن لوگوں کو اللہ نے یہ سمجھ عطا فرمائی کہ کسی بھی چیز میں کوئی ذاتی تقدس نہیں، اور اصل تقدس اللہ تعالیٰ کے حکم کو حاصل ہے ان کو نئے قبلے کی طرف رُخ کرنے میں ذرا بھی دقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم پہلے بھی اللہ کے بندے اور اس کے تابع فرمان تھے اور آج بھی اسی کے حکم پر ایسا کر رہے ہیں۔

(۹۲) اس سلسلہ کلام میں اس جملے کا ایک مطلب تو حضرت حسن بصریؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ نئے قبلے کو اختیار کر لینا مشکل تھا لیکن جن لوگوں نے اپنی قوتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بے چون و چرا مان لیا اللہ تعالیٰ ان کے اس ایمانی جذبے کو ضائع نہیں کرے گا، بلکہ انہیں اس کا عظیم اجر ملے گا۔ (تفسیر کبیر) دوسرے یہ جملہ ایک سوال کا جواب بھی ہے جو بعض صحابہ کے دل میں پیدا ہوا تھا، اور وہ یہ کہ جو مسلمان اُس وقت انتقال فرما گئے تھے جب قبلہ بیت المقدس تھا تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اُن کی وہ نمازیں جو انہوں نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھی تھیں، قبلے کی تبدیلی کے بعد ضائع اور کالعدم ہو جائیں؟ آیت نے جواب دے دیا کہ نہیں، چونکہ انہوں نے اپنے ایمانی جذبے کے تحت وہ نمازیں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل میں پڑھی تھیں اس لئے وہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۴﴾

(اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم تمہارا رخ ضرور اُس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو تمہیں پسند ہے۔ لو اب اپنا رخ مسجدِ حرام کی سمت کر لو۔ اور (آئندہ) جہاں کہیں تم ہوا اپنے چہروں کا رخ (نماز پڑھتے ہوئے) اُسی کی طرف رکھا کرو۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہی بات حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔ اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اُس سے غافل نہیں ہے۔ ﴿۱۴۴﴾

(۹۳) جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندازہ تھا کہ یہ حکم عارضی ہے، اور چونکہ بیت اللہ بیت المقدس کے مقابلے میں زیادہ قدیم بھی تھا اور اُس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اس لئے آپ کی طبعی خواہش بھی یہی تھی کہ اُسی کو قبلہ بنایا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں کبھی کبھی آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتے تھے۔ اس آیت میں آپ کی اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

(۹۴) یعنی اہل کتاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبلے کی تبدیلی کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بالکل برحق ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں کعبہ تعمیر کیا تھا، بلکہ بعض مؤرخین نے خود تورات کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد (بشمول حضرت اسحاق علیہ السلام) کا قبلہ کعبہ ہی تھا۔ (اس کی تحقیق کے لئے دیکھئے مولانا حمید الدین فراہی کا رسالہ ”ذبح کون ہے؟“ ص ۳۵ تا ۳۸)۔

وَلِئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۖ وَلِئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۖ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۵﴾ الَّذِينَ اتَّبَعْتَهُمْ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴۶﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ﴿۱۴۷﴾

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لے آؤ تب بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔ اور نہ تم ان کے قبلے پر عمل کرنے والے ہو، نہ یہ ایک دوسرے کے قبلے پر عمل کرنے والے ہیں۔ اور جو علم تمہارے پاس آچکا ہے اس کے بعد اگر کہیں تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کر لی تو اس صورت میں یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا ﴿۱۴۵﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور یقیناً جانو کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے حق کو جان بوجھ کر چھپا رکھا ہے۔ ﴿۱۴۶﴾ اور حق وہی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، لہذا شک کرنے والوں میں ہرگز شامل نہ ہو جانا۔ ﴿۱۴۷﴾

(۹۵) یہودی بیت المقدس کو اپنا قبلہ مانتے تھے، اور عیسائی بیت اللحم کو جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

(۹۶) اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ کبے کے قبلہ ہونے کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جیسا کہ اوپر گذرا، اور یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی خبر پچھلے انبیائے کرام کے صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ لیکن ضد کی بنا پر ان حقائق کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔

وَالْكَافِرِينَ هُمْ أُولَئِكَ فَأَشِيقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۳۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لِلْحَيِّ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَمَا لِلَّهِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾

اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ لہذا تم نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم جہاں بھی ہو گے، اللہ تم سب کو (اپنے پاس) لے آئے گا۔ یقیناً (۹۷) اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۳۸﴾ اور تم جہاں سے بھی (سفر کے لئے) نکلو، اپنا منہ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف کرو۔ اور یقیناً یہی بات حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔ اور (۹۸) جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے۔ ﴿۱۳۹﴾

(۹۷) جو لوگ قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض کر رہے تھے اُن پر حجت تمام کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے اپنے قبلہ الگ الگ بنا رکھے ہیں، اور تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس دُنیا میں اُن کو کسی ایک قبلہ پر جمع کر سکو۔ لہذا اب ان لوگوں سے قبلہ کی بحث میں پڑنے کے بجائے تمہیں اپنے کام میں لگ جانا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نامہ اعمال میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اضافہ کرو، اور اس کام میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخری انجام یہ ہوگا کہ تمام مذہبوں والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلائے گا اور اُس وقت ان سب کی ترقی تمام ہو جائے گی۔ وہاں سب کا قبلہ ایک ہی ہو جائے گا، کیونکہ سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

(۹۸) اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم ان آیتوں میں تین مرتبہ دہرایا ہے۔ اس سے ایک تو حکم کی اہمیت اور تاکید جتلائی مقصود ہے۔ دوسرے یہ بھی بتانا ہے کہ قبلہ کا رخ کرنا صرف اس حالت میں نہیں ہے جب کوئی شخص بیت اللہ کے سامنے موجود ہو، بلکہ جب مکہ مکرمہ سے نکلا ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے، اور کہیں دُور چلا جائے تب بھی یہ فریضہ ختم نہیں ہوتا۔ البتہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ”سمت“ کا لفظ استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ کعبے کا رخ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان کعبے کی سو فی صد سیدھ میں ہو۔ بلکہ اگر سمت وہی ہے تو کعبے کی طرف رخ کرنے کا حکم پورا ہو جائے گا۔ اور انسان اس معاملے میں اتنا ہی مکلف ہے کہ وہ اپنے بہترین ذرائع استعمال کر کے سمت صحیح متعین کر لے۔ ایسا کر لینے کے بعد اس کی نماز ہو جائے گی۔



وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلَا تَمْنَعِيْكُمْ عَلَيْهِمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾  
 كَمَا أَمَرْنَا فِيْكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ فَادْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ وَأَشْكُرْهُ وَآلِيْ وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

اور جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنے چہرے اُسی کی طرف رکھو، تاکہ لوگوں کو تمہارے خلاف حجت بازی کا موقع نہ ملے<sup>(۹۹)</sup>۔ البتہ اُن میں جو لوگ ظلم کے خوگر ہیں، (وہ کبھی خاموش نہ ہوں گے) سو اُن کا کچھ خوف نہ رکھو، ہاں میرا خوف رکھو۔ اور تاکہ میں تم پر اپنا انعام مکمل کر دوں، اور تاکہ تم ہدایت حاصل کر لو ﴿۱۵۰﴾ (یہ انعام ایسا ہی ہے) جیسے ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے، اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے ﴿۱۵۱﴾ لہذا مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور میرا شکر ادا کرو، اور میری ناشکری نہ کرو ﴿۱۵۲﴾

(۹۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بیت المقدس قبلہ تھا، یہودی یہ حجت کرتے تھے کہ دیکھو ہمارا دین برحق ہے، اسی لئے یہ لوگ ہمارے قبلے کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، اور مشرکین مکہ یہ بحث کرتے تھے کہ مسلمان اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تبع کہتے ہیں مگر انہوں نے ابراہیمی قبلے کو چھوڑ کر اُن سے سنگین اعراف کر لیا ہے۔ اب جبکہ قبلے کی تبدیلی میں جو مصلحت تھی وہ حاصل ہو گئی اور اس کے بعد مسلمان ہمیشہ کے لئے کعبہ کو قبلہ قرار دے کر اس پر عمل پیرا ہوں گے تو ان دونوں کی جتیں ختم ہو جائیں گی۔ البتہ وہ کٹ حجت لوگ جنہوں نے

اعتراض کرتے رہنے کی قسم ہی کھا رکھی ہے، ان کی زبانیں کوئی نہیں روک سکتا، لیکن مسلمانوں کو ان سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔

(۱۰۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی تعمیر کے وقت دو دعائیں کی تھیں: ایک یہ کہ ہماری نسل سے ایسی اُمت پیدا فرمائیے جو آپ کی مکمل فرماں بردار ہو۔ اور دوسری یہ کہ ان میں ایک رسول بھیجے (دیکھئے پیچھے آیات ۱۲۸-۱۲۹) اللہ تعالیٰ نے پہلی دعا اس طرح قبول فرمائی کہ اُمت محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام) کو ”معتدل اُمت“ قرار دے کر پیدا فرمایا (دیکھئے آیت ۱۲۳) اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے تم پر یہ انعام فرمایا کہ تمہیں معتدل اُمت بنا کر آئندہ ہمیشہ کے لئے انسانیت کی رہنمائی تمہیں عطا کر دی، جس کی ایک اہم علامت یہ بھی ہے کہ ہمیشہ کے لئے کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا ہے، اسی طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری دعا قبول کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے درمیان بھیج دیا ہے جو انہی خصوصیات اور فرائض منصبی کے حامل ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے مانگے تھے۔ ان میں سے پہلا فریضہ تلاوت آیات ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیات کو تلاوت کرنا بذاتِ خود ایک مقصد اور ایک نیکی ہے، خواہ وہ تلاوت بغیر سمجھ کی جائے، کیونکہ قرآن کے معنی کی تعلیم آگے ایک مستقل فریضے کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ دوسرا مقصد قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بغیر قرآن کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا ممکن نہیں، اور یہ کہ صرف ترجمہ پڑھ لینے سے قرآن کریم کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ اہل عرب عربی زبان سے خوب واقف تھے، انہیں ترجمہ سکھانے کے لئے کسی اُستاد کی ضرورت نہیں تھی۔ تیسرے آپ کا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ”حکمت“ کی تعلیم دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمت، دانائی اور عقلمندی وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ اس سے نہ صرف آپ کی احادیث کا حجت ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ کا کوئی حکم کسی کو اپنی عقل کے لحاظ سے حکمت کے خلاف محسوس ہو تو اعتبار اُس کی عقل کا نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی حکمت کا ہے۔ چوتھا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو پاکیزہ بنائیں۔ اس سے مراد آپ کی عملی تربیت ہے جس کے ذریعے آپ نے صحابہ کرام کے اخلاق اور باطنی صفات کو گندے جذبات سے پاک کر کے انہیں اعلیٰ درجے کی خصوصیات سے آراستہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و سنت کا صرف کتابی علم بھی انسان کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہے جب تک اس نے اس علم کو اپنی زندگی میں نافذ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۚ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔<sup>(۱۰۱)</sup> بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۳﴾ اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوں ان کو مردہ نہ کہو۔ دراصل وہ زندہ ہیں، مگر تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا ﴿۱۵۴﴾ اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں اُن کو خوشخبری سنا دو ﴿۱۵۵﴾

کرنے کی عملی تربیت نہ لی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اپنی صحبت سے سرفراز فرما کر ان کی تربیت فرمائی، پھر صحابہ نے تابعین کی، اور تابعین نے تبع تابعین کی اسی طرح تربیت کی اور یہ سلسلہ صدیوں سے اسی طرح چلا آتا ہے۔ باطنی اخلاق کی اسی تربیت کا علم ”علم احسان“ یا تزکیہ کہلاتا ہے اور تصوف بھی درحقیقت اسی علم کا نام تھا، اگرچہ بعض نااہلوں نے اس میں غلط خیالات کی ملاوٹ کر کے بعض مرتبہ اسے خراب بھی کر دیا، لیکن اس کی اصل یہی تزکیہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے یہاں فرمایا ہے، اور ہر دور میں تصوف کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے والے ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

(۱۰۱) اس سورت کی آیت نمبر ۴۰ سے بنی اسرائیل سے متعلق جو سلسلہ کلام شروع ہوا تھا، وہ پورا ہو گیا، اور آخر میں مسلمانوں کو ہدایت کردی گئی کہ وہ فضول بحثوں میں الجھنے کے بجائے اپنے دین پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ اب مختلف اسلامی عقائد اور احکام کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس بیان کا آغاز صبر کی تاکید سے ہوا ہے، کیونکہ یہ دور وہ ہے جس میں مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ میں دشمنوں کی طرف

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٥٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ”ہم سب اللہ ہی کے ہیں، اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“ ﴿۱۵۶﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایتیں ہیں، اور رحمت ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں ﴿۱۵۷﴾

سے طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آرہی تھیں، اسی زمانے میں جنگوں کا سلسلہ بھی جاری تھا، اور بہت سی سختیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں۔ جنگوں میں اپنے عزیز رشتہ دار اور دوست شہید بھی ہو رہے تھے یا ہونے والے تھے۔ لہذا اب مسلمانوں کو تلقین کی جارہی ہے کہ دین حق کے راستے میں یہ آزمائشیں تو پیش آنی ہیں۔ ایک مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہ کر صبر کا مظاہرہ کرے۔ واضح رہے کہ صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کسی تکلیف یا صدمے پر روئے نہیں۔ صدمے کی بات پر رنج کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اس لئے شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جو رونا بے اختیار آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں۔ البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ صدمے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر انسان عقلی طور پر راضی رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر آپریشن کرے تو انسان کو تکلیف تو ہوتی ہے اور بعض اوقات اس تکلیف کی وجہ سے انسان بیساختہ چلا بھی اٹھتا ہے، لیکن اسے ڈاکٹر سے شکایت نہیں ہوتی، کیونکہ اسے یقین ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کی ہمدردی میں اور اس کی مصلحت کی خاطر کر رہا ہے۔

(۱۰۲) اس فقرے میں پہلے تو اس حقیقت کا اظہار ہے کہ چونکہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اس لئے اسے ہمارے بارے میں ہر فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، اور چونکہ ہم اس کے ہیں، اور کوئی بھی اپنی چیز کا برا نہیں چاہتا، اس لئے ہمارے بارے میں اس کا ہر فیصلہ خود ہماری مصلحت میں ہوگا، چاہے فی الحال ہمیں وہ مصلحت سمجھ میں نہ آرہی ہو۔ دوسری طرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ایک دن ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس اسی جگہ جانا ہے جہاں ہمارا کوئی عزیز یا دوست گیا ہے، لہذا یہ جدائی عارضی ہے ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، اور جب ہم اس کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو ہمیں اس صدمے یا تکلیف پر ان شاء اللہ ثواب بھی ملنا ہے۔ جب یہ اعتقاد دل میں ہو تو اسی کا نام صبر ہے، خواہ اس کے ساتھ ساتھ بے اختیار آنسو بھی نکل رہے ہوں۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْبُرُوءَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ  
 أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ  
 يَكْفُرُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيْتِ وَالْهَدْيِ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ  
 أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّاهُ  
 فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۖ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٦٠﴾

بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہذا جو شخص بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے۔ اور جو شخص خوشی سے کوئی بھلائی کا کام کرے تو اللہ یقیناً قدر دان (اور) جاننے والا ہے ﴿۱۵۸﴾

بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی روشن دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، باوجودیکہ ہم انہیں کتاب میں کھول کھول کر لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی ہو اور اپنی اصلاح کر لی ہو اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) کھول کھول کر بیان کر دیا ہو تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں۔ اور میں توبہ قبول کرنے کا خوگر ہوں، بڑا رحمت والا ہے ﴿۱۶۰﴾

(۱۰۳) صفا اور مروہ مکہ مکرمہ میں دو پہاڑیاں ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ کو اپنے دودھ پیتے صابزادے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ چھوڑ کر گئے تو حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں۔ حج اور عمرے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دیا ہے۔ اگرچہ سعی واجب ہے مگر یہاں ”کوئی گناہ نہیں“ کے الفاظ اس لئے استعمال فرمائے گئے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں یہاں دو بت رکھ دیئے گئے تھے جو اگرچہ بعد میں ہٹا لئے گئے، مگر بعض صحابہ کو یہ شک ہوا کہ شاید ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا جاہلیت کی نشانی ہونے کی وجہ سے گناہ ہو۔ آیت نے یہ شک دور کر دیا۔

(۱۰۴) اشارہ ان یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف ہے جو پچھلی آسمانی کتابوں میں مذکور ان بشارتوں کو چھپاتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۖ خُلِدُوا فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿١٢٢﴾  
 ۱۹۱ وَاللَّهُمَّ إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۖ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ وَاختِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ  
 النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ  
 فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ  
 لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢٣﴾

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے ﴿۱۶۱﴾ وہ ہمیشہ اسی پھٹکار میں رہیں گے۔ نہ ان پر سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا، اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿۱۶۲﴾ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۶۳﴾

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات دن کے لگاتار آنے جانے میں، اُن کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدے کا سامان لے کر سمندر میں تیرتی ہیں، اُس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا اور اس کے ذریعے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشی اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع دار بن کر کام میں لگے ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۱۶۴﴾<sup>(۱۰۵)</sup>

(۱۰۵) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ کائنات کے ان حقائق کی طرف توجہ دلائی ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلے پڑے ہیں، اور اگر اُن پر معقولیت کے ساتھ غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں اس طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)۔ اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور کاش کہ یہ ظالم جب (دنیا میں) کوئی تکلیف دیکھتے ہیں اُسی وقت یہ سمجھ لیا کریں کہ تمام تر طاقت اللہ ہی کو حاصل ہے، اور یہ کہ اللہ کا عذاب (آخرت میں) اُس وقت بڑا سخت ہوگا ﴿۱۶۵﴾

پر دلالت کرتے ہیں۔ چونکہ روزمرہ ان کو دیکھتے دیکھتے ہماری نگاہیں ان کی عادی ہو گئی ہیں، اس لئے ان میں کوئی حیرت کی بات ہمیں محسوس نہیں ہوتی، ورنہ ان میں سے ایک ایک چیز ایسے محیر العقول نظام کا حصہ ہے جس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سوا کائنات کی کسی طاقت کے بس میں نہیں ہے۔ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات جس طرح کام کر رہی ہیں، چاند اور سورج جس طرح ایک لگے بندھے نظامِ الاوقات کے تحت دن رات سفر میں ہیں، سمندر جس طرح نہ صرف پانی کا ذخیرہ کئے ہوئے ہے بلکہ کشتیوں کے ذریعے خشکی کے مختلف حصوں کو جوڑے ہوئے ہے، اور ان کی ضرورت کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا ہے، بادل اور ہوائیں جس انداز میں انسانوں کی زندگی کا سامان مہیا کر رہے ہیں، ان سب چیزوں کے بارے میں بدترین حماقت کے بغیر یہ سمجھنا ممکن نہیں ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود کسی خالق کے بغیر ہو رہا ہے۔ مشرکینِ عرب بھی یہ مانتے تھے کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان تمام کاموں میں کئی دیوتا اُس کے مددگار ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جس ذات کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ یہ سارا نظامِ کائنات اس نے بلا شرکتِ غیرے پیدا کر دیا ہے، آخر اسے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے کسی شریک یا مددگار کی کیا ضرورت ہے؟ لہذا جو شخص بھی اپنی عقل کو کام میں لائے گا، اسے کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل نظر آئے گی۔

اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا رَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ  
الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا  
مِنَّا كَذَلِكَ يَرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالُهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ  
النَّارِ ﴿١٦٧﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ  
الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يُمِرُّكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنَّ  
تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

جب وہ (پیشوا) جن کے پیچھے یہ لوگ چلتے رہے ہیں، اپنے پیروکاروں سے مکمل بے تعلقی کا اعلان  
کریں گے، اور یہ سب لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں گے، اور ان کے تمام باہمی  
رشتے کٹ کر رہ جائیں گے ﴿۱۶۶﴾ اور جنہوں نے ان (پیشواؤں) کی پیروی کی تھی وہ کہیں گے کہ  
کاش ہمیں ایک مرتبہ پھر (دنیا میں) لوٹنے کا موقع دے دیا جائے، تو ہم بھی ان (پیشواؤں) سے اسی  
طرح بے تعلقی کا اعلان کریں جیسے انہوں نے ہم سے بے تعلقی کا اعلان کیا ہے۔ اس طرح اللہ انہیں  
دکھا دے گا کہ ان کے اعمال (آج) اُن کے لئے حسرت ہی حسرت بن چکے ہیں، اور اب وہ کسی  
صورت دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں ﴿۱۶۷﴾

اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو  
کہ وہ تمہارے لئے ایک کھلا دشمن ہے ﴿۱۶۸﴾ وہ تو تم کو یہی حکم دے گا کہ تم بدی اور بے حیائی کے  
کام کرو اور اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جن کا تمہیں علم نہیں ہے ﴿۱۶۹﴾

(۱۰۶) مشرکین عرب کی ایک گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے کسی آسمانی تعلیم کے بغیر مختلف چیزوں کے بارے میں  
حلال و حرام کے فیصلے خود گھڑ رکھے تھے۔ مثلاً مردار جانور کو کھانا ان کے نزدیک جائز تھا، مگر بہت سے حلال  
جانوروں کو انہوں نے اپنے اُپر حرام کر رکھا تھا، جس کی تفصیل ان شاء اللہ سورہ انعام میں آئے گی۔ یہ آیات  
ان کی اسی گمراہی کی تردید میں نازل ہوئی ہیں۔



وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٤٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ  
الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمُّ بُكْمٌ عُمْىٰ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٤١﴾  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اكْلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ  
تَعْبُدُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخُزْيِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ  
اللَّهِ ۚ فَسِنْ أَصْطَرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهٗ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ اس کلام کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ بھلا کیا اس صورت میں بھی (ان کو یہی چاہئے) جب ان کے باپ دادے (دین کی) ذرا بھی سمجھ نہ رکھتے ہوں، اور انہوں نے کوئی (آسانی) ہدایت بھی حاصل نہ کی ہو؟ ﴿۱۴۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر کو اپنا لیا ہے ان (کو حق کی دعوت دینے) کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص اُن (جانوروں) کو زور زور سے بلائے جو ہانک پکار کے سوا کچھ نہیں سنتے۔ یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، لہذا کچھ نہیں سمجھتے ﴿۱۴۱﴾

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں، ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر واقعی تم صرف اسی کی بندگی کرتے ہو ﴿۱۴۲﴾ اُس نے تو تمہارے لئے بس مردار جانور، خون، اور سو حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ ﴿۱۴۳﴾ ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے، تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ﴿۱۴۳﴾

(۱۰۷) اس آیت میں تمام حرام چیزوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ جن جانوروں کو تم نے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ شَتًّا قَلِيلًا ۖ  
 أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا  
 يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٤٣﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ  
 وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٤٤﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ  
 جَمْعًا بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٤٥﴾

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کر لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھر رہے۔ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام بھی نہیں کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۴۳﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی، اور مغفرت کے بدلے عذاب کی خریداری کر لی ہے۔ چنانچہ (اندازہ کرو کہ) یہ دوزخ کی آگ سہنے کے لئے کتنے تیار ہیں! ﴿۱۴۵﴾ یہ سب کچھ اس لئے ہو گا کہ اللہ نے حق پر مشتمل کتاب اتاری ہے، اور جن لوگوں نے ایسی کتاب کے بارے میں مخالفت کا رویہ اختیار کیا ہے وہ خدا ضدی میں بہت دور نکل گئے ہیں ﴿۱۴۶﴾

حرام سمجھ رکھا ہے وہ تو اللہ نے حرام نہیں کئے، تم خواہ مخواہ ان کی حرمت اللہ کے ذمے لگا رہے ہو، البتہ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو تم حرام نہیں سمجھتے، مگر اللہ نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔ حرام چیزیں وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو، حرام تو وہ ہیں جنہیں تم نے حلال سمجھا ہوا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوْتُوا وُجُوْهُكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ  
 بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيِّنَ ۚ وَآتٰى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ  
 ذَوٰى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۚ وَالسَّآءِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ  
 وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتٰى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوَفُّونَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰدِقِيْنَ  
 فِي الْبَآسَاءِ وَالضَّرَآءِ وَحِيْنَ الْبَآسِ ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ  
 هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی بس یہی تو نہیں ہے کہ اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کر لو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر،  
 آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لائیں، اور اللہ کی محبت  
 میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سانکوں کو دیں، اور غلاموں کو آزاد کرانے  
 میں خرچ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جب کوئی عہد کر لیں تو اپنے عہد کو پورا  
 کرنے کے عادی ہوں، اور تنگی اور تکلیف میں، نیز جنگ کے وقت، صبر و استقلال کے خوگر ہوں۔  
 ایسے لوگ ہیں جو سچے (کہلانے کے مستحق) ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں ﴿۱۷۷﴾

(۱۰۸) روئے سخن ان اہل کتاب کی طرف ہے جنہوں نے قبلہ کے مسئلے پر بحث و مباحثہ اس انداز سے  
 شروع کر رکھا تھا جیسے دین میں اس سے زیادہ اہم کوئی اور مسئلہ نہیں ہے۔ مسلمانوں نے کہا جا رہا ہے کہ قبلہ  
 کے مسئلے کی جتنی وضاحت ضروری تھی وہ ہو چکی ہے۔ اب آپ کو دین کے دوسرے اہم مسائل کی طرف توجہ  
 دینی چاہئے، اور اہل کتاب سے بھی یہ کہنا چاہئے کہ قبلہ کے مسئلے پر بحث سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اپنا  
 ایمان درست کرو، اور وہ صفات پیدا کرو جو ایمان کو مطلوب ہیں۔ اس سلسلے میں آگے قرآن کریم نے نیکی  
 کے مختلف شعبے بیان فرمائے ہیں، اور اسلامی قانون کے مختلف احکام کی وضاحت کی ہے جو ایک ایک کر کے  
 آگے آرہے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ  
 بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۖ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعًا بِالْمَعْرُوفِ  
 وَأَدَاءً إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۖ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۖ فَمَنِ اعْتَدَىٰ  
 بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٤٨﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ  
 تَتَّقُونَ ﴿١٤٩﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ  
 لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٥٠﴾

اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص  
 (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے  
 عورت (ہی کو قتل کیا جائے) <sup>(۱۴۹)</sup>، پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے  
 کچھ معافی دے دی جائے تو معروف طریقے کے مطابق (خون بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق  
 ہے، اور اسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے  
 ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک  
 عذاب کا مستحق ہے <sup>(۱۴۸)</sup> ﴿۱۴۸﴾ اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی (کا سامان  
 ہے) اُمید ہے کہ تم (اس کی خلاف ورزی سے) بچو گے۔ ﴿۱۴۹﴾

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے پیچھے مال چھوڑ کر جانے والا ہو تو جب اس کی موت کا  
 وقت قریب آجائے، وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت  
 کرے۔ <sup>(۱۴۹)</sup> یہ متقی لوگوں کے ذمے ایک لازمی حق ہے ﴿۱۵۰﴾

(۱۴۹) قصاص کا مطلب ہے برابر کا بدلہ لینا۔ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل

کر دیا جائے اور قاتل کا جرم ثابت ہو جائے تو مقتول کے وارث کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص کا مطالبہ کرے۔ جاہلیت کے زمانے میں اگرچہ قصاص تو لیا جاتا تھا، لیکن اس میں نا انصافی یہ تھی کہ انہوں نے مختلف انسانوں کے جو درجے اپنے خیال میں مقرر کر رکھے تھے، ان کے لحاظ سے اگر نچلے درجے کے کسی شخص نے اُونچے درجے کے کسی آدمی کو قتل کر دیا تو ورثاء کا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ قاتل کے بجائے اس کے قبیلے کے کسی دوسرے آدمی کو قتل کیا جائے جو رتبے میں مقتول کے برابر ہو۔ چنانچہ اگر ایک غلام نے کسی آزاد آدمی کو قتل کر دیا ہو تو مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ ہم قاتل غلام کے بجائے کسی آزاد آدمی کو قتل کریں گے، اسی طرح اگر قاتل عورت ہو اور مقتول مرد، تو کہا جاتا تھا کہ قاتل عورت کے بجائے قبیلے کا کوئی مرد قتل کیا جائے۔ اس کے برعکس اگر قاتل مقتول سے اوپر کے درجے کا ہو، مثلاً قاتل مرد ہو اور مقتول عورت، تو قاتل کا قبیلہ کہتا تھا کہ ہماری کسی عورت کو قتل کر دو، قاتل مرد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس آیت نے جاہلیت کی اس ظالمانہ رسم کو ختم فرمادیا اور اعلان کیا کہ جان ہر ایک کی برابر ہے، اور قصاص ہر صورت میں قاتل ہی سے لیا جائے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد۔

(۱۱۰) بنی اسرائیل کے قانون میں قصاص تو تھا، لیکن ویت یا خوں بہا کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اس آیت نے مقتول کے ورثاء کو یہ حق دیا کہ اگر وہ چاہیں تو مقتول کا قصاص معاف کر کے خوں بہا کے طور پر کچھ رقم کا مطالبہ کریں۔ ایسی صورت میں ان کو چاہئے کہ رقم کی مقدار معقولیت کی حد میں رکھیں، اور قاتل کو چاہئے کہ خوش اسلوبی سے اس کی ادائیگی کرے۔

(۱۱۱) مطلب یہ ہے کہ اگر خوں بہا لے کر وارثوں نے قصاص معاف کر دیا ہو تو اب ان کے لئے قاتل کی جان لینا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ زیادتی ہوگی جس کی بنا پر وہ دنیا اور آخرت دونوں میں سزا کے مستحق ہوں گے۔

(۱۱۲) یہ آیت اُس دور میں نازل ہوئی تھی جب مرنے والے کے ترکے میں وارثوں کے حصے متعین نہیں ہوئے تھے، چنانچہ سارا ترکہ مرنے والے کے لڑکوں کو مل جاتا تھا۔ اس آیت نے یہ فرض قرار دیا کہ ہر انسان مرنے سے پہلے اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر کے جائے، اور یہ واضح کرے کہ ان میں سے کس کو کتنا حصہ دیا جائے گا۔ بعد میں سورہ نساء کی آیات نمبر ۱۱ تا ۱۴ میں تمام وارثوں کی تفصیل اور ان کے حصے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیئے۔ اس کے بعد جس وصیت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ فرض تو نہیں رہی، البتہ اگر کسی شخص کے ذمے کوئی حق ہو تو اس کی وصیت کرنا اب بھی فرض ہے۔ نیز جو لوگ شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں، ان کے لئے اپنے ترکے کے ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنا اب بھی جائز ہے۔

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَأَنَّىٰ آثُمُهُ عَلَىٰ الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ  
 عَلَيْهِمُ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوَسَّ جَنَفًا أَوْ أَثِمًا فَلَا أَصْلَ لَیْسَ لَهُمْ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ  
 اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸۲﴾ يٰۤأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى  
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ  
 مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ

پھر جو شخص اس وصیت کو سننے کے بعد اس میں کوئی تبدیلی کرے گا، تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو  
 اس میں تبدیلی کریں گے۔<sup>(۱۸۱)</sup> یقین رکھو کہ اللہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے ﴿۱۸۱﴾ ہاں اگر کسی شخص  
 کو یہ اندیشہ ہو کہ کوئی وصیت کرنے والا بے جا طرف داری یا گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اور وہ  
 متعلقہ آدمیوں کے درمیان صلح کر دے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں<sup>(۱۸۲)</sup>۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا  
 مہربان ہے۔ ﴿۱۸۲﴾

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے  
 تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو ﴿۱۸۳﴾ گنتی کے چند دن روزے رکھنے ہیں۔ پھر بھی اگر تم  
 میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔

(۱۸۱) یعنی جن لوگوں نے مرنے والے کی زبان سے کوئی وصیت سنی ہو ان کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اس  
 میں کوئی کمی بیشی کریں۔ اس کے بجائے ان کے لئے وصیت پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۱۸۲) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی وصیت کرنے والا نا انصافی سے کام لے اور کوئی اسے سمجھا بجا کر اپنی وصیت  
 میں مرنے سے پہلے پہلے تبدیلی کرنے پر آمادہ کر دے تو یہ جائز ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّءَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۖ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۚ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

(۱۱۵) اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کر دیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے ﴿۱۸۴﴾ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت، اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دکھاتی اور حق و باطل کے درمیان دو ٹوک فیصلہ کر دیتی ہیں، لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔ اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے لئے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا، تاکہ (تم روزوں کی) گنتی پوری کر لو، اور اللہ نے تمہیں جو راہ دکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو، اور تاکہ تم شکر گزار بنو ﴿۱۸۵﴾

(۱۱۵) شروع میں جب روزے فرض کئے گئے تو یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ بعد میں آیت نمبر ۱۸۵ نازل ہوئی جو آگے آرہی ہے، اس آیت نے اس سہولت کو واپس لے لیا، اور یہ حتمی حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے ضرور رکھے۔ تاہم فدیہ کی سہولت ان لوگوں کے لئے اب بھی باقی رکھی گئی ہے جو نہایت بوڑھے ہوں اور ان میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو، اور آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی امید بھی نہ ہو۔ (۱۱۶) اس آیت میں ایک لطیف اشارہ ان تکبیرات کی طرف بھی ہے جو رمضان کے فوراً بعد عید کی نماز میں کہی جاتی ہیں۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۚ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِلَعَلِّهِمْ يَشْهَدُونَ ﴿۱۸۶﴾ أَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةُ الصَّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَهُمْ أَنْفُسُكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْآنَ بَاشِرُوهُمْ وَأَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ

اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ (۱۸۶) لہذا وہ بھی میری بات دل سے قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔ ﴿۱۸۶﴾ تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں، اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی، چنانچہ اب تم ان سے صحبت کر لیا کرو، اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو، (۱۸۶)

(۱۸۷) رمضان کے ذکر کے عین درمیان اس آیت کو لانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ پیچھے رمضان کی گنتی پوری کرنے کا جو ذکر آیا تھا، اس سے کسی کو خیال ہو سکتا تھا کہ رمضان گزرنے کے بعد شاید اللہ تعالیٰ سے وہ قرب باقی نہ رہے جو اس مبارک مہینے میں حاصل ہوا تھا۔ اس آیت نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ ہر آن اپنے بندوں سے قریب ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔

(۱۸۸) شروع شروع میں حکم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص روزہ افطار کرنے کے بعد ذرا سا بھی سو جائے تو اس کے لئے رات کے وقت بھی نہ کھانا جائز ہوتا تھا، نہ جماع کرنا۔ بعض حضرات سے اس حکم کی خلاف ورزی سرزد ہوئی اور انہوں نے رات کے وقت اپنی بیویوں سے جماع کر لیا۔ یہ آیت اس خلاف ورزی کی طرف اشارہ کر رہی ہے، اور ساتھ ہی جن حضرات سے یہ غلطی ہوئی تھی ان کی معافی کا اعلان کر کے آئندہ کے لئے یہ پابندی اٹھا رہی ہے۔

(۱۸۹) اس کا مطلب اکثر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ بیوی سے جماع کرنے میں وہ اولاد حاصل کرنے کی نیت رکھنی چاہئے جو اللہ نے تقدیر میں لکھ دی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جماع کے



وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتُوا الصَّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوا هُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ ۚ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ الْآيَاتِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَاجِّ ۖ

اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔ اس کے بعد رات آنے تک روزے پورے کرو۔ اور ان (اپنی بیویوں) سے اس حالت میں مباشرت نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھے ہو۔ یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں، لہذا ان (کی خلاف ورزی) کے قریب بھی مت جانا۔ اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں ﴿۱۸۷﴾

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو ﴿۱۸۸﴾ لوگ آپ سے نئے مہینوں کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ انہیں بتا دیجئے کہ یہ لوگوں کے (مختلف معاملات کے) اور حج کے اوقات متعین کرنے کے لئے ہیں۔

دوران وہی لذت طلب کرنی چاہئے جو اللہ نے جائز قرار دی ہے، ناجائز طریقوں مثلاً غیر فطری طریقوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا  
 الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
 الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾

اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے داخل ہو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ ﴿۱۸۹﴾ اور ان لوگوں سے اللہ کے راستے میں جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی نہ کرو۔ یقین جانو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۱۹۰﴾

(۱۲۰) بعض اہل عرب کا یہ معمول تھا کہ اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد انہیں کسی ضرورت سے گھر واپس جانا پڑتا تو وہ گھر کے عام دروازے سے داخل ہونے کو ناجائز سمجھتے تھے، اور ایسی صورت میں گھر کے پچھلے حصے سے داخل ہوتے تھے، خواہ اس کے لئے انہیں گھر میں نقب ہی کیوں نہ لگانی پڑے۔ یہ آیت اس فضول رسم کو بے بنیاد قرار دے رہی ہے۔

(۱۲۱) یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب مکہ کے مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ اگلے سال آکر عمرہ کریں گے۔ جب اگلے سال عمرے کا ارادہ کیا گیا تو کچھ صحابہ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مشرکین مکہ عہد شکنی کر کے ہم سے لڑائی شروع نہ کر دیں۔ اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں کو یہ مشکل پیش آئے گی کہ حدودِ حرم میں، اور خاص طور پر ذیقعدہ کے مہینے میں لڑائی کیسے کریں جبکہ اس مہینے میں جنگ ناجائز ہے۔ ان آیات نے وضاحت فرمائی کہ اپنی طرف سے تو جنگ نہ کی جائے، البتہ اگر کفار معاہدہ توڑ کر خود جنگ شروع کر دیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے جنگ جائز ہے، اور اگر وہ حدودِ حرم اور محترم مہینے کی حرمت کا لحاظ کئے بغیر حملہ آور ہو جائیں تو مسلمانوں کے لئے بھی ان کی زیادتی کا بدلہ دینا درست ہے۔

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ  
 مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَتَّلُوا فِيهِ ۖ فَإِن  
 قُتِلُوا فَإِقْتُلُوهُمْ ۖ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ۝ (۱۹۱) فَإِن اٰنْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ  
 رَّحِيْمٌ ۝ (۱۹۲) وَتَقْتُلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَإِن اٰنْتَهَوْا فَلَا  
 عُدُوْاۤنَ اِلَّا عَلٰی الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۱۹۳)

اور تم ان لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور انہیں اس جگہ سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تمہیں  
 نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین بُرائی ہے۔ (۱۲۲) اور تم ان سے مسجدِ حرام کے پاس اُس وقت تک  
 لڑائی نہ کرو جب تک وہ خود اس میں تم سے لڑائی شروع نہ کریں۔ ہاں اگر وہ تم سے اس میں لڑائی  
 شروع کر دیں تو تم ان کو قتل کر سکتے ہو۔ ایسے کافروں کی سزا یہی ہے ﴿۱۹۱﴾ پھر اگر وہ باز آجائیں تو  
 بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۹۲﴾ اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ  
 رہے، اور دین اللہ کا ہو جائے۔ ﴿۱۲۳﴾ پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدد سوائے ظالموں کے کسی  
 پر نہیں ہونا چاہئے ﴿۱۹۳﴾

(۱۲۲) لفظ ”فتنہ“ قرآن کریم میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے ایک معنی ظلم اور تشدد کے بھی  
 ہیں، اور شاید یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل سے روکنے کے لئے بدترین  
 تشدد روا رکھا ہوا تھا۔ لہذا بظاہر یہاں مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کسی کو قتل کرنا اپنی ذات میں کوئی اچھی بات نہیں ہے،  
 لیکن فتنہ اس کے مقابلے میں زیادہ سخت بُرائی ہے، اور جہاں فتنے کا سد باب قتل کے بغیر ممکن نہ ہو وہاں قتل کے سوا  
 چارہ نہیں ہے۔

(۱۲۳) یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ شرعاً جہاد کا اصل مقصد کسی کو اسلام پر مجبور کرنا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عام  
 حالات میں کوئی شخص کفر پر اصرار کرے تب بھی جزیہ کے ذریعے اسلامی حکومت کے قوانین کی اطاعت کر کے

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ ۖ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ  
فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ  
الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۴﴾ وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ

ملع وَأَحْسِنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾

حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے، اور حرمتوں پر بھی بدلے کے احکام جاری ہوتے ہیں۔<sup>(۱۹۴)</sup> چنانچہ اگر کوئی شخص تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی ویسی ہی زیادتی اس پر کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس کا خوف دل میں رکھتے ہیں ﴿۱۹۴﴾ اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو،<sup>(۱۹۵)</sup> اور نیکی اختیار کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ﴿۱۹۵﴾

اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے۔ لیکن جزیرہ عرب کا حکم مختلف ہے۔ یہ وہ ملک ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست بھیجا گیا، اور جہاں کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور آپ کی تعلیمات براہ راست سنیں۔ ایسے لوگ اگر ایمان نہ لائیں تو پچھلے انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں انہیں عذاب عام کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عذاب عام تو موقوف فرما دیا گیا، لیکن یہ حکم دیا گیا کہ جزیرہ عرب میں کوئی کافر مستقل شہری کی حیثیت میں نہیں رہ سکتا۔ یہاں اس کے لئے تین ہی راستے ہیں، یا اسلام لائے، یا جزیرہ عرب سے باہر چلا جائے، یا جنگ میں قتل ہو جائے۔

(۱۹۴) یعنی اگر کوئی شخص مہینے کی حرمت پا مال کر کے تم سے لڑائی کرے تو تم بھی اس سے بدلہ لے سکتے ہو۔  
(۱۹۵) اشارہ یہ ہے کہ اگر تم نے جہاد میں خرچ کرنے سے بخل سے کام لیا اور اس کی وجہ سے جہاد کے مقاصد حاصل نہ ہو سکے تو یہ اپنے پاؤں پر خود کھانڈی مارنے کے مرادف ہوگا، کیونکہ اس کے نتیجے میں دشمن مضبوط ہو کر تمہاری ہلاکت کا سبب بنے گا۔

وَاتَّبِعُوا الْحَبَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۖ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ

اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا پورا ادا کرو، ہاں اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو، (اللہ کے حضور پیش کر دو)۔ اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزوں یا صدقے یا قربانی کا فدیہ دے۔ (۱۲۶)

(۱۲۶) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے تو جب تک حج یا عمرے کے اعمال پورے نہ ہو جائیں، احرام کھولنا جائز نہیں۔ البتہ کسی کو ایسی مجبوری پیش آسکتی ہے کہ احرام باندھنے کے بعد مکہ مکرمہ تک پہنچنا ممکن ہی نہ رہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صورت پیش آئی کہ آپ اور آپ کے صحابہ عمرے کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے، لیکن جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، اور ان میں ایسی صورت حال کا یہ حل بتایا گیا کہ ایسی صورت میں قربانی کر کے احرام کھولا جاسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں یہ قربانی حد و حرم میں ہونی چاہئے، جیسا کہ اگلے جملے میں فرمایا گیا ہے: ”اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے“۔ نیز اس کے بعد جس حج یا عمرے کا احرام باندھا تھا اس کی قضا بھی ضروری ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمرے کی قضا اگلے سال فرمائی۔

(۱۲۷) احرام کی حالت میں سر منڈانا جائز نہیں ہوتا، لیکن اگر کسی شخص کو بیماری یا کسی تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا پڑ جائے تو اس کو یہ فدیہ دینا ہوگا جو یہاں مذکور ہے۔ احادیث کی روشنی میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تین روزے رکھے جائیں یا چھ مسکینوں کو صدقۃ الفطر کے برابر صدقہ کیا جائے یا ایک بکری قربان کی جائے۔

فَإِذَا آمَنْتُمْ فَسَبِّحُوا بِحَمْدِ اللَّهِ فِي الْحَبِّ وَالْحَبِّ إِلَى الْحَبِّ فَمَا اسْتَسِيرَ مِنَ الْهَدْيِ فَسَبِّحُوا  
يَجِدُ قَصِيَامَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَبِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۖ تِلْكَ عَشْرَةٌ  
كَامِلَةٌ ۚ ذَلِكَ لِمَنِ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ  
عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۚ

پھر جب تم امن حاصل کر لو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اٹھائے، وہ جو قربانی میسر ہو (اللہ کے حضور پیش کرے)۔ ہاں اگر کسی کے پاس اس کی طاقت نہ ہو تو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے، اور سات (روزے) اُس وقت جب تم (گھروں کو) لوٹ جاؤ۔ اس طرح یہ کل دس روزے ہوں گے۔<sup>(۱۲۸)</sup> یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔<sup>(۱۲۹)</sup> اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۹۶﴾

(۱۲۸) اوپر اس صورت میں قربانی کا حکم بیان ہوا تھا جب کسی شخص کو دشمن نے روک دیا ہو، اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ قربانی امن کے عام حالات میں بھی واجب ہو سکتی ہے جب کوئی شخص حج کے ساتھ عمرہ بھی جمع کرے، یعنی قرآن یا تمتع کا احرام باندھے۔ (اگر صرف حج کا احرام باندھا ہو، جسے افراد کہتے ہیں، تو قربانی واجب نہیں ہے) البتہ اگر کوئی شخص قرآن یا تمتع کے باوجود قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ قربانی کے بدلے دس روزے رکھ سکتا ہے جن میں سے تین روزے عرفہ کے دن (یعنی ۹ ذوالحجہ) تک پورے ہو جانے چاہئیں، اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھنے ہوں گے۔

(۱۲۹) یعنی تمتع یا قرآن کے ذریعے حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنا صرف ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو باہر سے حج کے لئے آئیں، جو لوگ حدودِ حرم، یا حنفی مسلک کے مطابق حدودِ میقات میں رہتے ہوں، وہ صرف افراد کر سکتے ہیں، تمتع یا قرآن نہیں کر سکتے۔

الْحَجَّ أَشْهَرُ مَعْلُومَةٍ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ ۚ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۖ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ الشَّقَاۗءُ وَالتَّقْوَىٰ ۚ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ۙ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا ۖ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَإِذَا آفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ

وقال النبي  
صلى الله عليه وسلم

حج کے چند متعین مہینے ہیں۔ چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اوپر حج لازم کر لے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا۔ اور تم جو کوئی نیک کام کرو گے، اللہ اسے جان لے گا۔ اور (حج کے سفر میں) زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو، کیونکہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ (۱۳۰) اور اے عقل والو! میری نافرمانی سے ڈرتے رہو ﴿۱۹۷﴾ تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم (حج کے دوران تجارت یا مزدوری کے ذریعے) اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔ (۱۳۱) پھر جب تم عرفات سے روانہ ہو تو مشعرِ حرام کے پاس (جو مزدلفہ میں واقع ہے) اللہ کا ذکر کرو،

(۱۳۰) بعض لوگ حج کو روانہ ہوتے وقت اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان ساتھ نہیں رکھتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے حج کریں گے، لیکن جب راستے میں کھانے کی ضرورت پڑتی تو بسا اوقات وہ لوگوں سے مانگنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس آیت کریمہ نے یہ بتلایا کہ توکل کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ اسباب کو اختیار کرنا شریعت کا تقاضا ہے، اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، یعنی وہ زادِ راہ جس کے ذریعے انسان دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رہے۔

(۱۳۱) بعض حضرات حج کے سفر میں کوئی تجارت کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ یہ آیت ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، اور اس نے بتا دیا کہ سفرِ حج میں روزی کمانے کا کوئی مشغلہ اختیار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے حج کے ضروری کام متاثر نہ ہوں۔

وَادْكُرُوهُ كَمَا هَدَيْكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الصَّالِينَ ۝ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۚ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝

اور اس کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے، جبکہ اس سے پہلے تم بالکل ناواقف تھے ﴿۱۹۸﴾ اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ سے مغفرت مانگو۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۹۹﴾ پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو۔ اب بعض لوگ تو وہ ہیں جو (دُعا میں بس) یہ کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا فرما“ اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ﴿۲۰۰﴾

(۱۳۲) حج کے دوران عرفات سے آکر مزدلفہ میں رات گزاری جاتی ہے، اور اگلی صبح طلوع آفتاب سے پہلے پہلے وقوف کیا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور دُعا مانگی جاتی ہیں۔ جاہلیت میں بھی اہل عرب اللہ کا ذکر تو کرتے تھے، مگر اس کے ساتھ اپنے دیوتاؤں کا ذکر بھی شامل کر لیتے تھے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ مومن کا ذکر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہونا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔

(۱۳۳) جاہلیت میں اہل عرب نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا تھا کہ اور تمام انسان تو ۹ روز والحجہ کو عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے، مگر قریش اور بعض دوسرے قبائل جو حرم کے قریب رہتے تھے اور ”حمس“ کہلاتے تھے، عرفات جانے کے بجائے مزدلفہ میں رہتے تھے، اور وہیں وقوف کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم حرم کے مجاور ہیں اور عرفات چونکہ حد و حرم سے باہر ہے اس لئے ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ عام لوگوں کو نوئیں تاریخ کا دن عرفات میں گزارنے کے بعد رات کو مزدلفہ کے لئے روانہ ہونا پڑتا تھا، مگر قریش وغیرہ شروع ہی سے مزدلفہ میں ہوتے تھے، اور ان کو عرفات سے آنا نہیں پڑتا تھا۔ اس آیت نے یہ رسم ختم کر دی، اور قریش کے لوگوں کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں، اور انہی کے ساتھ روانہ ہو کر مزدلفہ آئیں۔ (۱۳۴) جاہلیت میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ حج کے بنیادی ارکان سے فارغ ہو کر جب منیٰ میں جمع ہوتے تو



وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۱﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۲۲﴾ وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لَسِنِ اتَّقَى ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۳﴾

اور انہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے“ ﴿۲۰۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اعمال کی کمائی کا حصہ (ثواب کی صورت میں) ملے گا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۲۰۲﴾ اور اللہ کو گنتی کے (ان چند) دنوں میں (جب تم منیٰ میں مقیم ہو) یاد کرتے رہو۔ پھر جو شخص دو ہی دن میں جلدی چلا جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور جو شخص (ایک دن) بعد میں جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ <sup>(۱۳۵)</sup> یہ (تفصیل) اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور تم سب تقویٰ اختیار کرو، اور یقین رکھو کہ تم سب کو اسی کی طرف لے جا کر جمع کیا جائے گا ﴿۲۰۳﴾

بعض لوگ ایک پورا دن اپنے آباء و اجداد کی تعریفیں کرنے اور ان کے کارنامے بیان کرنے میں گزارا کرتے تھے۔ یہ اشارہ اس رسم کی طرف ہے۔ اور بعض لوگ دعائیں تو مانگتے، مگر چونکہ وہ آخرت کے قائل نہیں تھے اس لئے ان کی دعا صرف دنیا کی بہتری تک محدود ہوتی تھی۔ اگلے جملے میں بتایا گیا ہے کہ ایک مؤمن کو دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہئے۔

(۱۳۵) منیٰ میں تین دن گزارنا سنت ہے، اور اس دوران حجرات پر کنکریاں مارنا واجب ہے۔ البتہ ۱۲ تاریخ کے بعد منیٰ سے چلا جانا جائز ہے، ۱۳ تاریخ تک رکنا ضروری نہیں۔ اور اگر کوئی رکنا چاہے تو ۱۳ تاریخ کو بھی رمی کر کے واپس جاسکتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُ قَوْلَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ ۖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٢﴾ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ﴿٢٥﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۖ وَلَبِئْسَ الْيَهَادُ ﴿٢٦﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٧﴾

اور لوگوں میں ایک وہ شخص بھی ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں اس کی باتیں تمہیں بڑی اچھی لگتی ہیں، اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اُس پر وہ اللہ کو گواہ بھی بناتا ہے، حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ کڑ ہے ﴿۲۰۴﴾ اور جب اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے، اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ﴿۲۰۵﴾ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا خوف کر، تو نخوت اس کو گناہ پر اور آمادہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو تو جہنم ہی راس آئے گی، اور یقین کرو وہ بہت بُرا بچھونا ہے ﴿۲۰۶﴾ اور (دوسری طرف) لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنی جان کا سودا کر لیتا ہے، اور اللہ (ایسے) بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۰۷﴾

(۱۳۶) بعض روایات میں ہے کہ اُغس بن شریق نامی ایک شخص مدینہ منورہ آیا تھا، اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بڑی چکنی چڑی باتیں کیں اور اللہ کو گواہ بنا کر اپنے ایمان لانے کا اظہار کیا، لیکن جب واپس گیا تو راستے میں مسلمانوں کی کھیتیاں جلا دیں اور ان کے مویٹیوں کو ذبح کر ڈالا۔ یہ آیات اس پس منظر میں نازل ہوئی تھیں، البتہ یہ ہر قسم کے منافقوں پر پوری اُترتی ہیں۔

(۱۳۷) یہ اُن صحابہ کرام کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی جانیں اسلام کے مقاصد کے لئے کھپا رکھی تھیں۔ ایسے کئی صحابہ کے واقعات مفسرین نے ذکر کئے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ  
 عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ فَإِنْ زِلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ  
 حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْبَلَايَةِ وَقُضِيَ  
 الْأَمْرُ ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾ سَلَّ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمَا آتَيْنَاهُمْ مِّنْ آيَةٍ  
 بَيِّنَةٍ ۖ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یقین  
 جانو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۲۰۸﴾ پھر جو روشن دلائل تمہارے پاس آچکے ہیں، اگر تم اُن کے بعد  
 بھی (راہِ راست سے) پھسل گئے تو یاد رکھو کہ اللہ اقتدار میں بھی کامل ہے، حکمت میں بھی  
 کامل۔ ﴿۲۰۹﴾ (کفار ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ  
 خود بادل کے سائبانوں میں ان کے سامنے آ موجود ہو، اور فرشتے بھی (اس کے ساتھ ہوں) اور  
 سارا معاملہ ابھی چکا دیا جائے؟ حالانکہ آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف تو لوٹ کر رہیں  
 گے ﴿۲۱۰﴾ بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے ان کو کتنی ساری کھلی نشانیاں دی تھیں! اور جس شخص کے  
 پاس اللہ کی نعمت آچکی ہو، پھر وہ اس کو بدل ڈالے، تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ کا عذاب بڑا  
 سخت ہے ﴿۲۱۱﴾

(۱۳۸) ان دو صفتوں کو ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ اس کا اقتدار کامل ہے اس لئے وہ کسی وقت بھی  
 تمہاری بد عملی کی سزا دے سکتا ہے، لیکن چونکہ اس کی حکمت بھی کامل ہے، اس لئے وہی اپنی حکمت سے یہ طے کرتا  
 ہے کہ کس کو کب اور کتنی سزا دینی ہے۔ لہذا اگر ایسے کافر فوری طور سے عذاب میں پکڑے نہیں جا رہے تو اس سے  
 یہ سمجھ بیٹھنا حماقت ہے کہ وہ سزا سے ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔

(۱۳۹) مختلف کفار، اور خاص طور پر یہود و مدینہ، اس قسم کے مطالبات کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہمیں نظر  
 آ کر ہمیں ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ یہ آیت اس قسم کے مطالبات کا جواب دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ یہ

رُّبِّينَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ  
 اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۱۱ كَانَ  
 النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ  
 مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِىْ مَا اَخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۗ

جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، ان کے لئے دُنیوی زندگی بڑی دلکش بنا دی گئی ہے، اور وہ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے وہ قیامت کے دن ان سے کہیں بلند ہوں گے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ﴿۲۱۲﴾ (شروع میں) سارے انسان ایک ہی دین کے پیرو تھے۔ پھر (جب ان میں اختلاف ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے جو (حق والوں کو) خوشخبری سناتے، اور (باطل والوں کو) ڈراتے تھے، اور ان کے ساتھ حق پر مشتمل کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں ان کا اختلاف تھا۔

دُنیا اس آزمائش کے لئے بنائی گئی ہے کہ انسان اپنی عقل استعمال کرے اور کائنات میں پھیلے ہوئے واضح دلائل کی روشنی میں اللہ کی توحید اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اسی لئے اس آزمائش میں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ براہ راست نظر آجائیں تو آزمائش کیا ہوگی؟ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب غیب کی چیزیں انسان کو آنکھوں سے نظر آجائیں تو پھر ایمان معتبر نہیں ہوتا اور ایسا اُسی وقت ہوگا جب یہ کائنات ختم کر کے سزا اور جزا کا مرحلہ آجائے گا۔ معاملہ چکانے سے یہاں یہی مراد ہے۔

(۱۴۰) یہ فقرہ دراصل کفار کے اس باطل دعوے کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ ہمیں خوب رزق دے رہا ہے اس لئے یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ہمارے عقائد اور اعمال سے ناراض نہیں ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ دُنیا میں رزق کی فراوانی کسی کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔ دُنیوی رزق کے لئے اللہ کے نزدیک الگ معیار مقرر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ  
 فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۖ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۱۳﴾  
 مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكَ ۖ مَسَّتْهُمْ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَآءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ  
 الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ ۖ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۱۴﴾  
 يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ وَالْأَقْرَبِينَ  
 وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۱۵﴾

اور (افسوس کی بات یہ ہے کہ) کسی اور نے نہیں بلکہ خود انہوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی تھی، روشن دلائل آجانے کے بعد بھی، صرف باہمی ضد کی وجہ سے اسی (کتاب) میں اختلاف نکال لیا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انہیں اپنے حکم سے حق کی ان باتوں میں راہِ راست تک پہنچایا جن میں انہوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ جسے چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے ﴿۲۱۳﴾ (مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں، اور انہیں ہلا ڈالا گیا، یہاں تک کہ رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اُٹھے کہ ”اللہ کی مدد کب آئے گی؟“، یاد رکھو! اللہ کی مدد نزدیک ہے۔ ﴿۲۱۴﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لئے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہونا چاہئے۔ اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۲۱۵﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كَرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ  
 ۲۶ ۚ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ ۲۷ يَسْأَلُونَكَ  
 عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَ  
 كُفْرٍ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ  
 أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۖ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِن  
 اسْتَطَاعُوا ۖ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ  
 أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۚ ۲۸

تم پر (دشمنوں سے) جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اور وہ تم پر گراں ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو بُرا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ اور (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ﴿۲۱۶﴾ لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اس کے خلاف کفر کی روش اختیار کرنا، مسجد حرام پر بندش لگانا اور اس کے باسیوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین چیز ہے۔ اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دین چھوڑ دے، اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دُنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ﴿۲۱۷﴾

(۱۳۱) سورہ توبہ (۳۶:۹) میں چار مہینوں کو ”اَشْهُرُ حَرَم“ کہا گیا ہے، یعنی حرمت والے مہینے۔ آنحضرت صلی اللہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۖ

(اس کے برخلاف) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، تو وہ بیشک اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۱۸﴾ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ (۱۳۲)

علیہ وسلم نے ان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ چار مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ ان مہینوں میں جنگ منع ہے، البتہ اگر کوئی دشمن حملہ کر دے تو اپنا دفاع کیا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک سفر کے دوران چند صحابہ کی کچھ مشرکین سے جھڑپ ہو گئی، اور مشرکین میں سے ایک آدمی عمرو بن اُمیہ ضمری مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانیہ کی ۲۹ تاریخ کی شام کو واقع ہوا، لیکن اس شخص کے قتل ہوتے ہی رجب کا چاند نظر آ گیا۔ اس پر مشرکین نے مسلمانوں کے خلاف ایک طوفان مچا دیا کہ یہ لوگ حرمت والے مہینوں کا بھی پاس نہیں کر رہے ہیں۔ یہ آیت اس پروپیگنڈے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو عمرو بن اُمیہ کا قتل غلط فہمی میں ہوا، جان بوجھ کر حرمت والے مہینے میں قتل نہیں کیا گیا، لیکن جو لوگ اس واقعے پر طوفان کھڑا کئے ہوئے ہیں، انہوں نے اس سے کہیں بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو نہ صرف مسجد حرام سے روکتے ہیں، بلکہ جو لوگ حقیقتہً مسجد حرام میں عبادت کے اہل ہیں ان کے لئے زندگی اجیرن بنا کر انہیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۱۳۲) چونکہ اہل عرب صدیوں سے شراب کے عادی تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کے اعلان میں تدریج سے کام لیا۔ پہلے سورہ نحل (۱۶: ۶۷) میں ایک لطیف اشارہ دیا کہ نشہ لانے والی شراب اچھی چیز نہیں ہے۔ پھر سورہ بقرہ کی اس آیت میں قدرے وضاحت سے فرمایا کہ شراب پینے کے نتیجے میں انسان سے بہت سی ایسی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو گناہ ہیں، اور اگرچہ اس میں کچھ فائدے بھی ہیں، مگر گناہ کے امکانات

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٨﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلِ إِصْلَاحُهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِنْ تُخَاطَبُوا عَنْهُمُ فَآخُوا إِلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ يُعَلِّمُ الْمُنْفَسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢١٩﴾

اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لئے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ ”جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔“ اللہ اسی طرح اپنے احکام تمہارے لئے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لو ﴿۲۱۹﴾ دُنیا کے بارے میں بھی اور آخرت کے بارے میں بھی۔ اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کی بھلائی چاہنا نیک کام ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو (کچھ حرج نہیں کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون معاملات بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۲۲۰﴾

زیادہ ہیں۔ پھر سورہ نساء (۴: ۴۳) میں یہ حکم آیا کہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ بالآخر سورہ مائدہ (۵: ۹۰-۹۱) میں شراب کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے مکمل پرہیز کرنے کا صاف صاف حکم دے دیا گیا۔

(۱۴۳) بعض صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے صدقے کا ثواب سن کر اپنی ساری پونجی صدقہ کر دی یہاں تک کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ نہ چھوڑا، اور گھر والے بھوکے رہ گئے۔ اس آیت نے بتلایا کہ صدقہ وہی درست ہے جو اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضرورت پوری کرنے کے بعد کیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس پر زور دیا ہے کہ صدقہ اتنا ہونا چاہئے کہ گھر والے محتاج نہ ہو جائیں۔

(۱۴۴) جب قرآن کریم نے یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید سنائی (دیکھئے سورہ نساء ۴: ۱۰۳) تو بعض صحابہ جن کی سرپرستی میں کچھ یتیم تھے، اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا الگ پکواتے، اور انہیں الگ ہی کھلاتے،



وَلَا تَتَّبِعُوا الْبَشَرَ حَتَّىٰ يَوْمٍ ۖ وَلَا مَؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَا  
 أَعْبَتُكُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا الْبَشَرَ حَتَّىٰ يَوْمٍ ۖ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ  
 وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۖ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ  
 بِإِذْنِهِ ۚ وَيُبَيِّنُ الْآيَاتِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ  
 قُلْ هُوَ أَذَىٰ ۚ فَاعْتَرِزُوا لِلنِّسَاءِ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۚ

اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یقیناً ایک مؤمن  
 باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آ رہی ہو۔ اور اپنی عورتوں  
 کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور یقیناً ایک مؤمن غلام کسی  
 بھی مشرک مرد سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک مرد تمہیں پسند آ رہا ہو۔ یہ سب دوزخ کی طرف بلاتے  
 ہیں، جبکہ اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اپنے احکام لوگوں کے سامنے  
 صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۲﴾

اور لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے، لہذا حیض کی  
 حالت میں عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، ان سے تربت (یعنی  
 جماع) نہ کرو۔

یہاں تک کہ اگر ان کا کچھ کھانا بیچ جاتا تو سڑ جاتا تھا۔ اس میں تکلیف بھی تھی اور نقصان بھی۔ اس آیت نے واضح  
 کر دیا کہ اصل مقصد یہ ہے کہ یتیموں کی مصلحت کا پورا خیال رکھا جائے، برہمنوں کو مشکل میں ڈالنا مقصد نہیں  
 ہے۔ لہذا ان کا کھانا ساتھ پکانے اور ساتھ کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ معقولیت اور انصاف کے  
 ساتھ ان کے مال سے ان کے کھانے کا خرچ وصول کیا جائے۔ پھر اگر غیر ارادی طور پر کچھ کمی بیشی ہو بھی جائے تو  
 معاف ہے۔ ہاں جان بوجھ کر ان کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ رہی یہ بات کہ کون انصاف اور اصلاح سے کام لے  
 رہا ہے اور کس کی نیت خراب ہے، اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ  
 الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۲۱﴾ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنْتُمْ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا  
 لِنَفْسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَعْلَمُوا أَنَّكُم مُّْلَقُونَ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۲﴾

ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس اسی طریقے سے جاؤ جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ بیشک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف کثرت سے رجوع کریں، اور ان سے محبت کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں ﴿۲۲۱﴾ تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں؛ لہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ، اور اپنے لئے (اچھے عمل) آگے بھیجو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ تم اس سے جا کر ملنے والے ہو۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنادو ﴿۲۲۲﴾

(۱۴۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف کنایہ استعمال کر کے میاں بیوی کے خصوصی ملاپ کے بارے میں چند حقائق بیان فرمائے ہیں۔ پہلی بات تو یہ واضح فرمائی ہے کہ میاں بیوی کا یہ ملاپ صرف لذت حاصل کرنے کے مقصد سے نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسے انسانی نسل کی بدھوتی کا ذریعہ سمجھنا چاہئے۔ جس طرح ایک کاشتکار اپنی کھیتی میں بیج ڈالتا ہے تو اس کا اصل مقصد پیداوار کا حصول ہوتا ہے، اسی طرح یہ عمل بھی دراصل انسانی نسل باقی رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اس عمل کا اصل مقصد یہ ہے تو یہ عمل نسوانی جسم کے اسی حصے میں ہونا چاہئے جو اس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پیچھے کا جو حصہ اس کام کے لئے نہیں بنایا گیا، اس کو فطرت کے خلاف جنسی لذت کے لئے استعمال کرنا حرام ہے۔ تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ نسوانی جسم کا جو اگلا حصہ اس غرض کے لئے بنایا گیا ہے، اس تک پہنچنے کے لئے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ اس حصے میں مباشرت کرنے کے لئے بس ایک ہی طریقہ جائز ہے، یعنی سامنے کی طرف سے۔ اگر مباشرت آگے ہی کے حصے میں ہو، لیکن اس تک پہنچنے کے لئے راستہ پیچھے کا اختیار کیا جائے تو وہ کہتے تھے کہ اولاد بھیگی پیدا ہوتی ہے۔ اس آیت نے یہ غلط فہمی دور کر دی۔

وَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ عُرْضَةً لِأَيَّانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ  
النَّاسِ ۖ وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۳﴾ لَا يُؤْخِذْكُمْ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْسَانِكُمْ وَلَكِنْ  
يُؤْخِذْكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۖ وَاللَّهُ عَفُوٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں میں اس غرض سے استعمال نہ کرو کہ اس کے ذریعے نیکی اور تقویٰ کے کاموں اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے سے بچ سکو۔<sup>(۱۴۶)</sup> اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ﴿۲۲۳﴾ اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری گرفت نہیں کرے گا، البتہ جو قسمیں تم نے اپنے دلوں کے ارادے سے کھائی ہوں گی ان پر گرفت کرے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے۔ ﴿۲۲۴﴾

(۱۴۶) بعض مرتبہ انسان کسی وقتی جذبے سے مغلوب ہو کر کوئی قسم کھا لیتا ہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، حالانکہ وہ نیک کام ہوتا ہے، مثلاً ایک مرتبہ حضرت مسطح<sup>ؓ</sup> سے ایک غلطی ہو گئی تھی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ قسم کھائی تھی کہ آئندہ وہ ان کی مالی مدد نہیں کریں گے، یا جیسے روح المعانی میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اپنے بہنوئی کے بارے میں قسم کھائی تھی کہ وہ ان سے بات نہیں کریں گے، اور نہ ان کی بیوی سے ان کی صلح کرائیں گے۔ یہ آیت ایسی قسم کھانے سے منع کر رہی ہے، کیونکہ اس طرح اللہ کا نام ایک غلط مقصد میں استعمال ہوتا ہے۔ اور صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی نامناسب قسم کھالے تو اسے توڑ دینا چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔

(۱۴۷) لغو قسم سے مراد ایک تو وہ قسم ہے جو قسم کھانے کے ارادے سے نہیں، بلکہ تکیہ کلام کے طور سے زبان پر آجائے، خاص طور پر عربوں میں اس کا بہت رواج تھا کہ بات بات میں وہ ”واللہ“ کہہ دیتے تھے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان ماضی کے کسی واقعے پر قسم کے ارادے ہی سے قسم کھاتا ہے، لیکن اس کے اپنے خیال کے مطابق وہ قسم صحیح ہوتی ہے، جھوٹ بولنے کا ارادہ نہیں ہوتا، لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو بات قسم کھا کر کہی تھی، وہ حقیقت میں صحیح نہیں تھی۔ ان دونوں طرح کی قسموں کو لغو کہا جاتا ہے۔ اس آیت نے بتایا کہ اس پر گناہ نہیں ہوتا۔ البتہ انسان کو چاہئے کہ وہ قسم کھانے میں احتیاط سے کام لے، اور ایسی قسم سے بھی پرہیز کرے۔

لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَاءِهِمْ تَرْبُصُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ۖ فَإِنْ قَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ  
 غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۳۱ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ۝۳۲ وَالطَّلَاقُ  
 يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۖ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ  
 فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ

جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں (یعنی ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں) ان کے  
 لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ چنانچہ اگر وہ (قسم توڑ کر) رُجوع کر لیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا،  
 بڑا مہربان ہے ﴿۲۲۶﴾ اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو (بھی) اللہ سننے جاننے والا  
 ہے ﴿۲۲۷﴾ اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین مرتبہ حیض آنے تک اپنے آپ کو انتظار  
 میں رکھیں۔ اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہوں تو ان کے لئے حلال نہیں ہے کہ  
 اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ (حمل یا حیض) پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔

(۱۴۸) عربوں میں یہ ظالمانہ طریقہ رائج تھا کہ وہ یہ قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائیں گے۔ نتیجہ  
 یہ کہ بیوی غیر معین مدت تک لٹکی رہتی تھی۔ نہ اسے بیوی جیسے حقوق ملتے تھے، اور نہ وہ کہیں اور شادی کر سکتی تھی۔  
 ایسی قسم کو ”ایلاء“ کہا جاتا ہے۔ اس آیت نے یہ قانون بنادیا کہ جو شخص ایلاء کرے، وہ یا تو چار مہینے کے اندر اندر  
 اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دے اور اپنی بیوی سے معمول کے ازدواجی تعلقات بحال کر لے، ورنہ چار مہینے تک اگر  
 اس نے قسم نہ توڑی تو بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ آیت میں جو کہا گیا ہے کہ ”اور اگر انہوں نے طلاق  
 ہی کی ٹھان لی ہو“، اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ چار مہینے قسم توڑے بغیر گزار دیں تو نکاح خود بخود ختم ہو جائے گا۔  
 (۱۴۹) یہ مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان ہے، یعنی طلاق کے بعد انہیں تین مرتبہ آیام ماہواری پورے ہونے تک  
 عدت گزارنی ہوگی جس کے بعد وہ کہیں اور نکاح کر سکیں گی۔ لیکن سورہ احزاب (۳۳:۴۹) میں واضح کر دیا گیا  
 ہے کہ عدت گزارنا اسی وقت واجب ہے جب میاں بیوی کے درمیان خلوت ہو چکی ہو۔ اگر اس سے پہلے ہی  
 طلاق ہوگئی تو عدت واجب نہیں۔ نیز سورہ طلاق (۶۵:۴) میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض ہمیشہ کے لئے  
 بند ہو گیا ہو یا ابھی آنا شروع نہ ہوا ہو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت بچے کی  
 پیدائش پر ختم ہو جائے گی۔

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝  
 الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَمَا سَاكُنَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسَرَّيْنِ بِإِحْسَانٍ ۖ وَلَا يَحِلُّ لَكُمُ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ

اور اس مدت میں اگر ان کے شوہر حالات بہتر بنانا چاہیں تو ان کو حق ہے کہ وہ ان عورتوں کو (اپنی زوجیت میں) واپس لے لیں۔ اور ان عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) اُن پر حاصل ہیں۔ ہاں مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے ﴿۲۲۸﴾ طلاق (زیادہ سے زیادہ) دوبار ہونی چاہئے۔ اس کے بعد (شوہر کے لئے) دو ہی راستے ہیں) یا تو قاعدے کے مطابق (بیوی کو) روک رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کر لے) یا خوش اُسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گذر جانے دے)۔ اور (اے شوہر!) تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم نے ان (بیویوں) کو جو کچھ دیا ہو وہ (طلاق کے بدلے) ان سے واپس لو، الا یہ کہ دونوں کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ (نکاح باقی رہنے کی صورت میں) اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔<sup>(۱۵۱)</sup>

(۱۵۰) جاہلیت کے دور میں عورت کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ شوہر اور بیوی کے حقوق ایک دوسرے کے برابر ہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ زندگی کے سفر میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو امیر اور نگران بنایا ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے سورۃ نساء (۳: ۳۴) میں واضح فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے اس کو ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔ (۱۵۱) اس آیت نے ایک ہدایت تو یہ دی ہے کہ اگر طلاق دینی ہی پڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دینی چاہئیں، کیونکہ اس طرح میاں بیوی کے درمیان تعلقات بحال ہونے کا امکان رہتا ہے۔ چنانچہ عدت کے دوران شوہر کو طلاق سے رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، اور عدت کے بعد دونوں کی باہمی رضامندی سے نیا نکاح نئے مہر کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے، تین طلاقیں کے بعد دونوں راستے بند

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ<sup>۱</sup> فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ<sup>۲</sup> تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا<sup>۳</sup> وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ<sup>۲۲۹</sup>  
 فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَيْثُ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ<sup>۴</sup> فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ<sup>۵</sup> وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ<sup>۲۳۰</sup>

چنانچہ اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت مالی معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں؛ لہذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ بڑے ظالم لوگ ہیں ﴿۲۲۹﴾ پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق دیدے تو وہ (مطلقہ عورت) اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے۔ ہاں اگر وہ (دوسرا شوہر بھی) اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس (نیا نکاح کر کے) دوبارہ واپس آجائیں، بشرطیکہ انہیں یہ غالب گمان ہو کہ اب وہ اللہ کی حدود قائم رکھیں گے۔ اور یہ سب اللہ کی حدود ہیں جو وہ ان لوگوں کے لئے واضح کر رہا ہے جو سمجھ رکھتے ہوں ﴿۲۳۰﴾

ہو جاتے ہیں اور تعلقات کی بحالی کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔ دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ شوہر طلاق سے رجوع کا فیصلہ کرے یا علیحدگی کا، دونوں صورتوں میں معاملات خوش اسلوبی سے طے کرنے چاہئیں۔ عام حالات میں شوہر کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ طلاق کے بدلے مہر واپس کرنے یا معاف کرنے کا مطالبہ کرے۔ ہاں اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو اور شوہر کی کسی زیادتی کے بغیر ہو، مثلاً بیوی شوہر کو پسند نہ کرتی ہو اور اس بنا پر دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ خوشگواہی کے ساتھ نکاح کے حقوق ادا نہ کر سکیں گے، تو اس صورت میں یہ جائز قرار دے دیا گیا ہے کہ عورت مالی معاوضے کے طور پر مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس کر دے یا اگر اس وقت تک وصول نہ کیا ہو تو معاف کر دے۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۖ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ ۚ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۖ

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کے قریب پہنچ جائیں، تو یا تو ان کو بھلائی کے ساتھ (اپنی زوجیت میں) روک رکھو، یا انہیں بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو۔ اور انہیں ستانے کی خاطر اس لئے روک کر نہ رکھو کہ ان پر ظلم کر سکو۔<sup>(۱۵۴)</sup> اور جو شخص ایسا کرے گا وہ خود اپنی جان پر ظلم کرے گا۔ اور اللہ کی آیتوں کو مذاق مت بناؤ اور اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اُسے، اور تم پر جو کتاب اور حکمت کی باتیں تمہیں نصیحت کرنے کے لئے نازل کی ہیں انہیں یاد رکھو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿۲۳۱﴾ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے ہوں۔<sup>(۱۵۳)</sup>

(۱۵۲) جاہلیت میں ایک ظالمانہ طریقہ یہ تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے اور جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی تو رجوع کر لیتے، تاکہ وہ دوسرا نکاح نہ کر سکے، پھر اس کے حقوق ادا کرنے کے بجائے کچھ عرصے کے بعد پھر طلاق دیتے، اور عدت گزرنے سے پہلے پھر رجوع کر لیتے، اور اس طرح وہ غریب بیچ میں لگی رہتی، نہ کسی اور سے نکاح کر سکتی، اور نہ شوہر سے اپنے حقوق حاصل کر سکتی۔ یہ آیت اس ظالمانہ طریقے کو حرام قرار دے رہی ہے۔  
(۱۵۳) بعض مرتبہ طلاق اور اس کی عدت گزرنے کے بعد میاں بیوی کو سبق مل جاتا اور وہ از سر نو نئی زندگی شروع

ذٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ ذٰلِكُمْ اَرْكَى لَكُمْ وَ  
 اَظْهَرُ ۖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳۲﴾ وَالْوَالِدَتُ يُرْضَعْنَ اَوْلَادَهُنَّ  
 حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۖ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ مِمَّا رَزَقَتْهُنَّ  
 وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ بِالنَّكَاحِ ۖ

ان باتوں کی نصیحت تم میں سے ان لوگوں کو کی جارہی ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے  
 ہوں۔ یہی تمہارے لئے زیادہ ستر اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۳۳۲﴾  
 اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ مدت ان کے لئے ہے جو دودھ پلانے  
 کی مدت پوری کرنا چاہیں۔ اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان  
 ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے۔<sup>(۱۵۴)</sup>

کرنے کے لئے آپس میں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے تھے، چونکہ طلاقیں تین نہیں ہوئی ہوتی تھیں، اس لئے شرعاً  
 نکاح جائز بھی تھا اور عورت بھی اس پر راضی ہوتی تھی، لیکن عورت کے میکے والے خود ساختہ غیرت کی بنا پر اسے  
 اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنے سے روکتے تھے۔ یہ آیت اس غلط رسم کو ناجائز قرار دے رہی ہے۔

(۱۵۴) طلاق کے احکام کے درمیان بچے کو دودھ پلانے کا ذکر اس مناسبت سے آیا ہے کہ بعض اوقات یہ مسئلہ  
 ماں باپ کے درمیان جھگڑے کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن جو احکام یہاں بیان کئے گئے ہیں، وہ طلاق کی صورت  
 کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، بلکہ تمام حالات کے لئے ہیں۔ پہلی بات تو اس میں یہ واضح کی گئی ہے کہ دودھ زیادہ  
 سے زیادہ دو سال تک پلایا جاسکتا ہے، اس کے بعد ماں کا دودھ چھڑانا ہوگا۔ دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر  
 ماں باپ بچے کی مصلحت سمجھیں تو پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں، دو سال پورے کرنا شرعاً واجب نہیں ہے۔ تیسری  
 بات یہ کہ دودھ پلانے والی ماں کا خرچ اس کے شوہر یعنی بچے کے باپ پر واجب ہے۔ اگر نکاح قائم ہو تب تو یہ  
 خرچ نکاح کی وجہ سے واجب ہے، اور اگر طلاق ہوگئی ہو تو عدت کے دوران دودھ پلانا مطلقہ ماں پر واجب ہے،  
 اور اس دوران اس کا نفقہ طلاق دینے والے شوہر پر ہے۔ عدت کے بعد نفقہ تو ختم ہو جائے گا، لیکن مطلقہ ماں  
 عدت کے بعد دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے۔



لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارُّ وَالِدَهُ بَوْلًا حَافًا وَلَا مَوْلُودًا لَهُ يُولَدُ ۚ  
وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ۚ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ  
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۚ وَإِنْ أَرَادْتُمْ أَنْ تُسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۳﴾

(ہاں) کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ نہ تو ماں کو اپنے بچے کی وجہ سے ستایا جائے، اور نہ باپ کو اپنے بچے کی وجہ سے۔ اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔ (۱۵۶) پھر اگر وہ دونوں (یعنی والدین) آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے (دو سال گزرنے سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں بھی ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر تم یہ چاہو کہ اپنے بچوں کو کسی انا سے دودھ پلواؤ تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، جبکہ تم نے جو اجرت ٹھہرائی تھی وہ (دودھ پلانے والی انا کو) بھلے طریقے سے دے دو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سارے کاموں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۳﴾

(۱۵۵) یعنی ماں اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے دودھ نہ پلائے، تو اسے مجبور نہ کیا جائے، دوسری طرف اگر بچہ ماں کے سوا کسی اور کا دودھ نہ لیتا ہو تو ماں کے لئے انکار جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ انکار باپ کو بلا وجہ ستانے کے مرادف ہے۔

(۱۵۶) یعنی اگر کسی بچے کا باپ زندہ نہ ہو تو دودھ پلانے کے سلسلے میں جو ذمہ داری باپ کی ہے، وہ بچے کے وارثوں پر عائد ہوگی۔ یعنی جو لوگ بچے کے مرنے کی صورت میں اس کے ترکے کے حق دار ہوں گے، انہی پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ اس بچے کو دودھ پلانے اور اس کا خرچ برداشت کرنے کی ذمہ داری اٹھائیں۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ  
 أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي  
 أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۳۳﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا  
 عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۖ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ  
 سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۖ وَلَا  
 تَعْزِمُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي  
 أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) میعاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۲۳۴﴾ اور (عدت کے دوران) اگر تم ان عورتوں کو اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا (ان سے نکاح کا ارادہ) دل میں چھپائے رکھو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ان (سے نکاح) کا خیال تو دل میں لاؤ گے، لیکن ان سے نکاح کا دو طرفہ وعدہ مت کرنا، الایہ کہ مناسب طریقے سے کوئی بات کہہ دو۔ اور نکاح کا عقد پکا کرنے کا اس وقت تک ارادہ بھی مت کرنا جب تک عدت کی مقررہ مدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔ اور یاد رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے؛ لہذا اس سے ڈرتے رہو؛ اور یاد رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۲۳۵﴾

(۱۵۷) جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کو صاف لفظوں میں نکاح کا پیغام دینا اور یہ بات پکی کر لینا جائز نہیں

لَا جَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَبْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَ  
 مَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِمِ قَدْرُهَا وَعَلَى الْمُبْتَدِ قَدْرُهَا ۚ مَتَاعًا بِالْبَعْرِ وَفَ حَقًّا عَلَى  
 الْمُحْسِنِينَ ۝ وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَبْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً  
 فَرِضْهُنَّ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بَيْنَهُمَا عَقْدُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ  
 تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ۚ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ایسے وقت طلاق دو جبکہ ابھی تم نے ان کو چھوا بھی نہ  
 ہو، اور نہ ان کے لئے کوئی مہر مقرر کیا ہو۔ اور (ایسی صورت میں) ان کو کوئی تحفہ دو، خوشحال شخص اپنی  
 حیثیت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق بھلے طریقے سے یہ تحفہ دے۔ یہ نیک  
 آدمیوں پر ایک لازمی حق ہے ﴿۲۳۶﴾ اور اگر تم نے انہیں چھونے سے پہلے ہی اس حالت میں  
 طلاق دی ہو جبکہ ان کے لئے (نکاح کے وقت) کوئی مہر مقرر کر لیا تھا تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا تھا اس  
 کا آدھا دینا (واجب ہے) الا یہ کہ وہ عورتیں رعایت کر دیں (اور آدھے مہر کا بھی مطالبہ نہ کریں) یا  
 وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، رعایت کرے (اور پورا مہر دیدے) اور اگر تم  
 رعایت کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں فراخ دلی کا برتاؤ کرنا مت بھولو۔ جو عمل  
 بھی تم کرتے ہو، اللہ یقیناً اسے دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۷﴾

ہے کہ عدت کے بعد تم مجھ سے نکاح کرو گی۔ البتہ اس آیت نے کوئی مناسب اشارہ دینے کی اجازت دی ہے  
 جس سے وہ عورت سمجھ جائے کہ اس شخص کا ارادہ عدت کے بعد پیغام دینے کا ہے۔ مثلاً کوئی اتنا کہلوا دے کہ میں  
 بھی کسی مناسب رشتے کی تلاش میں ہوں۔

(۱۵۸) یہ وہ صورت ہے جس میں دومر دو عورت نے نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا تھا، اور پھر دونوں کے  
 درمیان خلوت کی نوبت آنے سے پہلے ہی طلاق ہو گئی؛ اس صورت میں شوہر پر مہر تو واجب نہیں ہوتا، لیکن کم از کم  
 ایک جوڑا کپڑا دینا واجب ہے، اور کچھ مزید تحفہ دیدے تو زیادہ بہتر ہے۔ (اس تحفے کو اصطلاح میں متعہ کہا جاتا  
 ہے) اور اگر نکاح کے وقت مہر کی مقدار طے کر لی گئی تھی، پھر خلوت سے پہلے ہی طلاق ہو گئی تو اس صورت  
 میں آدھا مہر واجب ہوگا۔

حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَنِتِينَ ﴿۳۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ  
فَرَجَلًا أَوْ تَرَكَبْنَا فَاذْأَمْنُكُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا  
تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ  
مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي  
أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾ وَلِلَّهِ طَائِفَتٌ مِّنَ النَّاسِ  
عَلَى السَّعْيِ ﴿۴۱﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۴۲﴾

تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا۔<sup>(۱۵۹)</sup> اور اللہ کے سامنے باادب  
فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو ﴿۲۳۸﴾ اور اگر تمہیں (دُشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے  
کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو) پھر جب تم امن کی حالت میں آ جاؤ تو اللہ کا  
ذکر اس طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے ﴿۲۳۹﴾ اور تم  
میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ  
وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو  
(شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا۔<sup>(۱۶۱)</sup> ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے  
مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب  
حکمت بھی ﴿۲۴۰﴾ اور مطلقہ عورتوں کو قاعدے کے مطابق فائدہ پہنچانا متقیوں پر ان کا حق  
ہے ﴿۲۴۱﴾ اللہ اپنے احکام اسی طرح وضاحت سے تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ  
داری سے کام لو۔ ﴿۲۴۲﴾

(۱۵۹) آیت نمبر ۱۵۳ سے اسلامی عقائد اور احکام کا جو بیان شروع ہوا تھا (دیکھئے اس آیت پر ہمارا حاشیہ) وہ  
اب ختم ہو رہا ہے۔ آیت نمبر ۱۵۳ میں یہ بیان نماز کی تاکید سے شروع ہوا تھا، اب آخر میں دوبارہ نماز کی یہ اہمیت

بیان کی جارہی ہے کہ جنگ کے شدید حالات میں بھی امکان کی آخری حد تک اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ”بیچ کی نماز“ سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور سے اس وقت لوگ اپنا کاروبار سمیٹنے میں مشغول ہوتے ہیں، اور اس مشغولیت میں بے پروائی ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ (۱۶۰) جنگ کی حالت میں جب باقاعدہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اس بات کی اجازت ہے کہ انسان کھڑے کھڑے اشارے سے نماز پڑھ لے۔ البتہ چلتے ہوئے پڑھنا جائز نہیں۔ اگر کھڑا ہونے کا بھی موقع نہ ہو تو نماز قضا کرنا بھی جائز ہے۔

(۱۶۱) آخر میں طلاق کے جو مسائل چل رہے تھے ان کا ایک مکملہ ضمنی طور پر بیان ہوا ہے جو مطلقہ عورتوں کے حقوق سے متعلق ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال ہوتی تھی، لیکن اسلام نے پیچھے آیت نمبر ۲۳۴ میں عدت کی مدت گھٹا کر چار مہینے دس دن مقرر کر دی۔ جس وقت زیر نظر آیت نازل ہوئی ہے اُس وقت تک میراث کے احکام نہیں آئے تھے، اور جیسا کہ اوپر آیت نمبر ۱۸۰ میں گذرا، لوگوں پر یہ واجب تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کیا کریں کہ ان کے ترکے سے کس کو کتنا دیا جائے۔ لہذا اس آیت میں اسی اصول کے تحت یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگرچہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے لیکن اس کے شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے حق میں یہ وصیت کر جایا کرے کہ اسے سال بھر تک اس کے ترکے سے نفقہ بھی دیا جائے اور اس کے گھر میں رہائش بھی فراہم کی جائے۔ البتہ اگر وہ خود اپنا یہ حق چھوڑ دے اور چار مہینے دس دن کے بعد شوہر کے گھر سے چلی جائے تو کچھ حرج نہیں۔ ہاں چار مہینے دس دن سے پہلے اس کے لئے بھی شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگلے جملے میں جو کہا گیا ہے کہ ”ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا“ اس میں قاعدے سے مراد یہی ہے کہ وہ عدت پوری کرنے کے بعد نکلیں، پہلے نہیں۔ لیکن یہ سارا حکم میراث کے احکام آنے سے پہلے پہلے تھا۔ جب سورہ نساء میں میراث کے احکام آ گئے، اور بیوی کا حصہ ترکے میں مقرر کر دیا گیا تو سال بھر کے نفقے اور رہائش کا یہ حق ختم ہو گیا۔

(۱۶۲) مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا لفظ بڑا عام ہے۔ اس میں عدت کے دوران کا نفقہ بھی داخل ہے، اور اگر ابھی مہر نہ دیا گیا ہو تو وہ بھی داخل ہے، نیز اوپر آیت نمبر ۲۳۶ میں جس تحفے کا ذکر ہے وہ بھی اس میں شامل ہے۔ یہ تحفہ اس صورت میں تو واجب ہے جب کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو، اور خلوت سے پہلے طلاق ہوگئی ہو، لیکن جب مہر مقرر ہوا ہو تو اس صورت میں بھی مستحب ہے کہ مطلقہ عورت کو مہر کے علاوہ یہ تحفہ بھی دیا جائے۔ ان تمام احکام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اول تو طلاق کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے اور اس کا اقدام اسی وقت کرنا چاہئے جب کوئی اور صورت باقی نہ رہی ہو، دوسرے جب یہ اقدام کیا جائے تو نکاح کے تعلق کا اختتام بھی شرافت، فراخ دلی اور احترام سے خوشگوار ماحول میں ہونا چاہئے، دشمنی کے ماحول میں نہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ  
مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا  
يَشْكُرُونَ ﴿۳۳﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَبِّحُهُ عَلَيْهِمُ ﴿۳۴﴾

کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا جو موت سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئے  
تھے، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ چنانچہ اللہ نے ان سے کہا: ”مر جاؤ“ پھر انہیں زندہ کیا۔  
حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ﴿۲۴۳﴾  
اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۲۴۴﴾

(۱۶۳) یہاں سے آیت نمبر ۲۶۰ تک دو مضمون ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ بنیادی مقصد جہاد کی ترغیب دینا  
ہے، لیکن بعض منافقین اور کمزور طبیعت کے لوگ جہاد میں جانے سے اس لئے کتراتے تھے کہ انہیں موت کا  
خوف تھا۔ اس لئے دوسرا مضمون ساتھ ساتھ بیان ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موت اور زندگی اللہ تعالیٰ کے  
ہاتھ میں ہے، وہ چاہے تو جنگ کے بغیر بھی موت دیدے، اور چاہے تو شدید جنگ کے درمیان بھی انسانوں کی  
حفاظت کر لے، بلکہ اس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی انسانوں کو زندہ کر دے۔ اس قدرت کا  
عمومی مظاہرہ تو آخرت میں ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی چند ایسے نمونے دنیا کو دکھادیئے ہیں جن میں  
بعض لوگوں کو مرنے کے بعد بھی زندہ کیا گیا۔ اس کی ایک مثال اس آیت ۲۴۳ میں دی گئی ہے۔ ایک اشارہ  
آیت نمبر ۲۵۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے کئی مردوں کو زندہ  
کیا۔ تیسرا حوالہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مکالمے (آیت نمبر ۲۵۸) میں اللہ تعالیٰ کے موت اور  
زندگی دینے سے متعلق ہے۔ چوتھا واقعہ آیت نمبر ۲۵۹ میں حضرت عزیر علیہ السلام کا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اس  
سے اگلی آیت (نمبر ۲۶۰) میں پانچواں واقعہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ  
سے عرض کیا تھا کہ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں۔

زیر نظر آیت (۲۴۳) میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کی تفصیل قرآن کریم نے بیان نہیں فرمائی۔ صرف اتنا بتایا  
ہے کہ کسی زمانے میں کوئی قوم جو ہزاروں کی تعداد میں تھی، موت سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل کھڑی

ہوئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی، اور پھر زندہ کر کے یہ دکھا دیا کہ اگر موت سے بچنے کے لئے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی تدبیر اختیار کرے تو ضروری نہیں کہ موت سے بچ ہی جائے، اللہ تعالیٰ اسے پھر بھی موت کے گھاٹ اُتار سکتا ہے۔ یہ لوگ کون تھے؟ کس زمانے میں تھے؟ وہ موت کا خوف کیا تھا جس کی بنا پر یہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ یہ تفصیل قرآن کریم نے بیان نہیں فرمائی، کیونکہ قرآن کریم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس میں جو واقعات بیان ہوتے ہیں، وہ کوئی سبق دینے کے لئے ہوتے ہیں، لہذا اکثر ان کا صرف اتنا حصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے وہ سبق مل جائے۔ اور اس واقعے سے مذکورہ بالا سبق لینے کے لئے اتنی بات کافی ہے جو یہاں بیان ہوئی ہے۔ البتہ جس انداز سے قرآن کریم نے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قصہ اس وقت لوگوں میں مشہور و معروف تھا۔ آیت کے شروع میں یہ الفاظ کہ: ”کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا؟“ اس قصے کی شہرت پر دلالت کر رہے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض تابعین سے کئی روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بنو اسرائیل کے لوگوں کا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود یا تو کسی دشمن کے مقابلے سے کتر کر اپنا گھربار چھوڑ گئے تھے یا طاعون کی وبا سے گھبرا کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ جب یہ اس جگہ پہنچے جسے وہ پناہ گاہ سمجھتے تھے تو اللہ کے حکم سے موت نے وہیں ان کو آلیا۔ بعد میں جب وہ بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو گئے تو حضرت حزقیل علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان ہڈیوں سے خطاب کریں، اور ان کے خطاب کے بعد وہ ہڈیاں پھر سے انسانی شکل میں زندہ ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کا یہ قصہ موجودہ بائبل میں بھی مذکور ہے۔ (دیکھئے: حزقی ایل ۷: ۳ تا ۱۵) اس لئے کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے ذریعے مشہور ہو گیا ہو۔

واقعے کی یہ تفصیلات مستند ہوں یا نہ ہوں، لیکن اتنی بات قرآن کریم کے صاف اور صریح الفاظ سے واضح ہے کہ ان لوگوں کو حقیقی طور پر موت کے بعد زندہ کیا گیا تھا۔ ہمارے زمانے کے بعض مصنفین نے مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از قیاس سمجھتے ہوئے اس آیت میں یہ تاویل کی ہے کہ یہاں موت سے مراد سیاسی اور اخلاقی موت ہے، اور دوبارہ زندہ ہونے سے مراد سیاسی غلبہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تاویل قرآن کریم کے صریح الفاظ سے میل نہیں کھاتی، اور عربیت اور قرآن کریم کے اسلوب سے بھی بہت بعید ہے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہے تو اس قسم کے واقعات میں تعجب کی کیا بات ہے جس کی بنا پر یہ دُوراز کار تاویلیں کی جائیں؟ بالخصوص یہاں سے آیت ۲۶۰ تک جو سلسلہ کلام چل رہا ہے، اور جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی ہے، اس کی روشنی میں یہاں موت اور زندگی سے حقیقی معنی مراد ہونا ہی قرین قیاس ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۖ وَاللَّهُ  
يَقْبِضُ وَيَبْصِطُ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۶۳﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْبَلَاءِ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ  
بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِلنَّبِيِّ لَئِنْ أَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ  
عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا نَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ  
تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۱۶۴﴾

کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے پر قرض دے، تاکہ وہ اسے اس کے مفاد میں اتنا بڑھائے چڑھائے  
کہ وہ بدرجہا زیادہ ہو جائے؟ اور اللہ ہی تنگی پیدا کرتا ہے، اور وہی وسعت دیتا ہے، اور اسی کی طرف  
تم سب کو لوٹایا جائے گا۔ ﴿۲۴۵﴾

کیا تمہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے گروہ کے اس واقعے کا علم نہیں ہوا جب انہوں نے اپنے  
ایک نبی سے کہا تھا کہ ہمارا ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ (اس کے جھنڈے تلے) ہم اللہ کے  
راستے میں جنگ کر سکیں۔ نبی نے کہا: ”کیا تم لوگوں سے یہ بات کچھ بعید ہے کہ جب تم پر جنگ  
فرض کی جائے تو تم نہ لڑو؟“ انہوں نے کہا: ”بھلا ہمیں کیا ہو جائے گا جو ہم اللہ کے راستے میں جنگ  
نہ کریں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بچوں کے پاس سے نکال باہر کیا گیا ہے۔“ پھر (ہوا  
یہی کہ) جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب پیٹھ پھیر گئے۔  
اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۲۴۶﴾

(۱۶۳) اللہ کو قرض دینے سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ اس میں غریبوں کی امداد بھی داخل  
ہے، اور جہاد کے مقاصد میں خرچ کرنا بھی۔ اسے قرض مجازاً کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا بدلہ ثواب کی صورت میں  
دیا جائے گا۔ اور ”اچھے طریقے“ کا مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دیا



جائے، دکھا دیا دنیا میں بدلہ لینا مقصود نہ ہو، اور اگر جہاد کے لئے یا کسی غریب کی مدد کے طور پر قرض ہی دیا جائے تو اس پر کسی سود کا مطالبہ نہ ہو۔ کفار اپنی جنگی ضروریات کے لئے سود پر قرض لیتے تھے۔ مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اول تو وہ قرض کے بجائے چندہ دیں، اور اگر قرض ہی دیں تو اصل سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں، کیونکہ اگر چہ دنیا میں تو انہیں سود نہیں ملے گا، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کا ثواب اصل سے بدرجہا زیادہ عطا فرمائیں گے۔ جہاں تک اس خطرے کا تعلق ہے کہ اس طرح خرچ کرنے سے مال میں کمی ہو جائے گی، اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ تنگی اور وسعت اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ جو شخص اللہ کے دین کی خاطر اپنا مال خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو تنگی پیش آنے نہیں دیں گے، بشرطیکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔

(۱۶۵) یہاں نبی سے مراد حضرت سمویل علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ساڑھے تین سو سال بعد پیغمبر بنائے گئے تھے۔ سورہ مائدہ (۲۴:۵) میں مذکور ہے کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان عمالقہ سے جہاد کرنے کی دعوت دی تھی جو بنی اسرائیل کے وطن فلسطین پر قابض ہو گئے تھے، مگر بنی اسرائیل نے انکار کر دیا جس کی سزائیں انہیں صحرائے سینا میں محصور کر دیا گیا، اور اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی، بعد میں حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں فلسطین کا ایک بڑا علاقہ فتح ہوا۔ حضرت یوشع علیہ السلام آخر عمر تک ان کی نگرانی کرتے رہے، اور ان کے معاملات کے تصفیے کے لئے قاضی مقرر کئے۔ تقریباً تین سو سال تک نظام اسی طرح چلتا رہا کہ بنی اسرائیل کا کوئی بادشاہ یا حکمران نہیں تھا، بلکہ قبیلوں کے سردار اور حضرت یوشع علیہ السلام کے مقرر کئے ہوئے نظام کے تحت قاضی ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے اس دور کو قاضیوں کا زمانہ کہا جاتا تھا۔ بائبل کی کتاب قضاۃ میں اسی زمانے کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ چونکہ اس دور میں پوری قوم کا کوئی متفقہ حکمران نہیں تھا، اس لئے آس پاس کی قومیں ان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں۔ آخر میں فلسطین کی بت پرست قوم نے ان پر حملہ کر کے انہیں سخت شکست دی اور وہ تبرک صندوق بھی اٹھا کر لے گئے جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی کچھ یادگاریں، تورات کا نسخہ اور آسمانی غذا ”من“ کا مرتبان محفوظ تھا، اور جسے بنی اسرائیل تبرک کے لئے جنگوں کے موقع پر آگے رکھا کرتے تھے۔ حالات کے اس پس منظر میں ایک قاضی حضرت سمویل علیہ السلام کو نبوت کا منصب عطا ہوا۔ ان کے دور میں بھی فلسطینیوں کا ظلم و ستم جاری رہا تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کر دیا جائے۔ اس کے نتیجے میں طالوت کو بادشاہ بنایا گیا جس کا واقعہ یہاں مذکور ہے۔ بائبل میں دو کتابیں حضرت سمویل علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، ان میں سے پہلی کتاب میں بنی اسرائیل کی طرف سے بادشاہ مقرر کرنے کی فرمائش بھی ذکر کی گئی ہے، مگر بادشاہ کا نام طالوت کے بجائے ساؤل مذکور ہے۔ نیز بعض تفصیلات میں فرق بھی ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۖ قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ  
 الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ  
 اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن  
 يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ  
 التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ  
 الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُم إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۵﴾

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ: ”اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔“ کہنے لگے: ”بھلا اس کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آگیا؟ ہم اس کے مقابلے میں بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اس کو تو مالی وسعت بھی حاصل نہیں۔“ نبی نے کہا: ”اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے، اور انہیں علم اور جسم میں (تم سے) زیادہ وسعت عطا کی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔“ ﴿۲۴﴾ اور ان سے ان کے نبی نے یہ بھی کہا کہ: ”طالوت کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (واپس) آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینت کا سامان ہے، اور موسیٰ اور ہارون نے جو اشیاء چھوڑی تھیں ان میں سے کچھ باقی ماندہ چیزیں ہیں۔ اسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے“ اگر تم مؤمن ہو تو تمہارے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔ ﴿۲۵﴾

(۱۶۶) جب بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ ماننے سے انکار کیا اور ان کے بادشاہ مقرر ہونے پر کوئی نشانی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سمویل علیہ السلام سے یہ کہلوا یا کہ ان کے منجانب اللہ ہونے کی نشانی یہ ہوگی کہ اشدودی قوم کے لوگ جو تبرک صندوق اٹھا کر لے گئے تھے، ان کے زمانے میں اللہ کے فرشتے وہ صندوق تمہارے پاس اٹھا کر لے آئیں گے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اشدودیوں نے وہ

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۖ

چنانچہ جب طالوت لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے (لشکر والوں سے) کہا کہ: ”اللہ ایک دریا کے ذریعے تمہارا امتحان لینے والا ہے۔ جو شخص اس دریا سے پانی پیے گا وہ میرا آدمی نہیں ہوگا، اور جو اسے نہیں چکھے گا وہ میرا آدمی ہوگا، الا یہ کہ کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو کچھ حرج نہیں)۔“<sup>(۱۶۷)</sup> پھر (ہوا یہ کہ) ان میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا باقی سب نے اس دریا سے (خوب) پانی پیا۔ چنانچہ جب وہ (یعنی طالوت) اور اس کے ساتھ ایمان رکھنے والے دریا کے پار اُترے، تو یہ لوگ (جنہوں نے طالوت کا حکم نہیں مانا تھا) کہنے لگے کہ: ”آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی ہم میں بالکل طاقت نہیں ہے۔“

صندوق ایک مندر میں لے جا کر رکھا، مگر اس کے بعد وہ طرح طرح کی مصیبتوں سے دوچار ہونا شروع ہو گئے، کبھی ان کے بت اندھے پڑے ہوئے ملتے، کبھی گلیوں کی وبا پھیل جاتی، کبھی چوہوں کی کثرت پریشان کرتی۔ آخر کار ان کے نجومیوں نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ یہ ساری آفتیں اس صندوق کی وجہ سے ہیں، چنانچہ انہوں نے وہ صندوق بیل گاڑیوں پر رکھ کر انہیں شہر سے باہر کی طرف ہنکا دیا۔ بابل میں فرشتوں کے صندوق لانے کا ذکر نہیں ہے، مگر قرآن کریم نے صاف کہا ہے کہ اسے فرشتے لے کر آئیں گے۔ اگر بابل کی یہ روایت درست مانی جائے کہ ان لوگوں نے خود صندوق کو باہر نکال دیا تھا تو یہ ممکن ہے کہ بیل گاڑیوں نے اسے شہر سے باہر چھوڑ دیا ہو، اور وہاں سے اسے فرشتے اُٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لے آئے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیل گاڑیوں پر ہنکانے کا قصہ ہی غلط ہو اور فرشتے اسے براہ راست اُٹھا لائے ہوں۔ واللہ اعلم۔

(۱۶۷) یہ دریا ئے اردن تھا، اور یہ امتحان بظاہر یہ دیکھنے کے لئے لیا گیا تھا کہ لشکر کے کتنے لوگ ہیں جو اپنے

قَالَ الَّذِينَ يُطُؤْنَ أَنَّهُمْ مُلْكُوا اللَّهَ ۖ كَمْ مِّنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِتْنَةٌ كَثِيرَةٌ  
 بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا  
 أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝  
 فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمُلُوكَ وَالْحِكْمَةَ وَ  
 عَالَمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۖ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ  
 وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ  
 وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

(مگر) جن لوگوں کا ایمان تھا کہ وہ اللہ سے جاملنے والے ہیں انہوں نے کہا کہ: ”نجانے کتنی چھوٹی  
 جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اور اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو  
 صبر سے کام لیتے ہیں“ ﴿۲۳۹﴾ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے آمنے سامنے  
 ہوئے تو انہوں نے کہا: ”اے ہمارے پروردگار! صبر و استقلال کی صفت ہم پر انڈیل دے، ہمیں  
 ثابت قدمی بخش دے، اور ہمیں اس کافروں کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا فرمادے“ ﴿۲۵۰﴾  
 چنانچہ انہوں نے اللہ کے حکم سے ان (جالوت کے ساتھیوں) کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو  
 قتل کیا، <sup>(۱۶۸)</sup> اور اللہ نے اس کو سلطنت اور دانائی عطا کی، اور جو علم چاہا اس کو عطا فرمایا۔ اگر اللہ لوگوں کا ایک  
 دوسرے کے ذریعے دفاع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے، لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل  
 فرمانے والا ہے ﴿۲۵۱﴾ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں،  
 اور آپ بیشک ان پیغمبروں میں سے ہیں جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ <sup>(۱۶۹)</sup> ﴿۲۵۲﴾

امیر کی اطاعت کا ایسا جذبہ رکھتے ہیں کہ اس پر اپنی خواہشات کو بھی قربان کر دیں، کیونکہ اس طرح کی جنگ میں

ایسی مضبوط اطاعت کے بغیر کام نہیں چلتا۔

(۱۶۸) جالوت دشمن کی فوج کا بڑا قوی ہیکل پہلوان تھا، سموئیل (علیہ السلام) کے نام پر جو پہلی کتاب بائبل میں ہے اس میں مذکور ہے کہ وہ کئی روز تک بنی اسرائیل کو چیلنج دیتا رہا کہ کوئی اس کے مقابلے کے لئے آئے، مگر کسی کو اس سے دو بدو لڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ داؤد علیہ السلام اس وقت نو عمر نو جوان تھے، ان کے تین بھائی جنگ میں شریک تھے، مگر وہ چونکہ سب سے چھوٹے تھے، اس لئے اپنے بوڑھے والد کی خدمت کے لئے ان کے پاس رہ گئے تھے۔ جب جنگ شروع ہوئے کئی دن گزر گئے تو ان کے والد نے انہیں اپنے تین بھائیوں کی خیر خبر لینے کے لئے میدان جنگ بھیجا، یہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ جالوت مسلسل چیلنج دے رہا ہے، اور کوئی اس سے لڑنے کے لئے آگے نہیں بڑھ رہا، تو انہیں غیرت آئی اور انہوں نے طالوت سے اجازت مانگی کہ وہ جالوت کے مقابلے کے لئے جانا چاہتے ہیں؛ ان کی نو عمری کے پیش نظر شروع میں طالوت اور دوسرے لوگوں کو بھی تر دہوا، لیکن ان کے اصرار پر انہیں اجازت مل گئی۔ انہوں نے جالوت کے سامنے جا کر اللہ کا نام لیا اور ایک پتھر اس کی پیشانی پر مارا جو اس کے سر میں گھس گیا، اور وہ زمین پر گر پڑا۔ یہ اس کے پاس گئے اور خود اسی کی تلوار لے کر اس کا سر قلم کر دیا۔ (۱- سموئیل، باب ۱۷) یہاں تک بائبل اور قرآن کریم کے بیان میں کوئی تعارض نہیں ہے، لیکن اس کے بعد بائبل میں یہ کہا گیا ہے کہ طالوت (یا ساؤل) کو حضرت داؤد علیہ السلام کی مقبولیت سے حسد ہو گیا تھا، چنانچہ بائبل میں ان کے خلاف بہت سی ناقابل یقین باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ بظاہر یہ داستانیں ان بنی اسرائیل کی کارروائی ہے جو شروع سے طالوت کے مخالف تھے۔ قرآن کریم نے جن الفاظ میں طالوت کی تعریف کی ہے ان میں حسد جیسی بیماری کی گنجائش نہیں ہے۔ بہر حال حضرت داؤد علیہ السلام کے اس کارنامے نے انہیں ایسی مقبولیت عطا کی کہ بعد میں وہ بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی بنے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے بھی سرفراز فرمایا، اور ان کے ذریعے پہلی بار ایسا ہوا کہ نبوت اور بادشاہت ایک ہی ذات میں جمع ہوئیں۔

(۱۶۹) یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ان آیات کا جاری ہونا آپ کے رسول ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ آپ کے پاس ان واقعات کو جاننے کا وحی کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور ”ٹھیک ٹھیک“ کے الفاظ سے شاید اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اہل کتاب نے ان واقعات کو بیان کرنے میں کہیں مبالغے سے کام لیا ہے، اور کہیں من گھڑت قصے مشہور کر دیئے ہیں۔ قرآن کریم ان میں سے صرف صحیح باتیں بیان کرتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَصَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ  
 دَرَجَاتٍ ۚ وَاتَّيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ  
 مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَاِنْهُمْ  
 مِنْ اٰمِنٍ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا ۚ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۲۵۳﴾

یہ پیغمبر جو ہم نے (مخلوق کی اصلاح کے لئے) بھیجے ہیں، ان کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا، اور ان میں سے بعض کو اس نے بدرجہا بلندی عطا کی۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی مدد فرمائی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے لوگ اپنے پاس روشن دلائل آجانے کے بعد آپس میں نہ لڑتے، لیکن انہوں نے خود اختلاف کیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جو ایمان لائے، اور کچھ وہ جنہوں نے کفر اپنایا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ ﴿۲۵۳﴾

(۱۷۰) مطلب یہ ہے کہ تھوڑی بہت فضیلت تو مختلف انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر دی گئی ہے، لیکن بعض انبیائے کرام کو دوسروں پر بدرجہا زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔

(۱۷۱) یہی مضمون پیچھے آیت نمبر ۸۷ میں آچکا ہے۔ تشریح کے لئے اس آیت کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔  
 (۱۷۲) قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ تھا کہ وہ تمام انسانوں کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور کر دیتا، اور اس صورت میں سب کا دین ایک ہی ہو جاتا، اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا، لیکن اس سے وہ سارا نظام تپٹ ہو جاتا جس کے لئے یہ دنیا بنائی گئی ہے اور انسان کو اس میں بھیجا گیا ہے۔ انسان کو یہاں بھیجنے کا مقصد اس کا یہ امتحان لینا ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں سے ہدایت کا راستہ معلوم کرنے کے بعد کون ہے جو اس ہدایت پر اپنی مرضی سے چلتا ہے، اور کون ہے جو اس کو نظر انداز کر کے اپنی من گھڑت خواہشات کو اپنا رہنما بناتا ہے۔ اس لئے اللہ نے زبردستی لوگوں کو ایمان پر مجبور نہیں کیا۔ چنانچہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا مِثْرَ قُنُكُم مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَنِي يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۖ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝۵۱ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَهُوَ يُبْصِرُ ۚ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝۵۲

اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے وہ دن آنے سے پہلے پہلے (اللہ کے راستے میں) خرچ کر لو جس دن نہ کوئی سودا ہوگا، نہ کوئی دوستی (کام آئے گی)، اور نہ کوئی سفارش ہو سکے گی۔<sup>(۱۷۳)</sup> اور ظالم وہ لوگ ہیں جو کفر اختیار کئے ہوئے ہیں ﴿۲۵۴﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے؛ جس کو نہ کبھی اُدگھ لگتی ہے، نہ نیند۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے (وہ بھی) اور زمین میں جو کچھ ہے (وہ بھی)، سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ سارے بندوں کے تمام آگے پیچھے کے حالات کو خوب جانتا ہے، اور وہ لوگ اُس کے علم کی کوئی بات اپنے علم کے دائرے میں نہیں لاسکتے، سوائے اُس بات کے جسے وہ خود چاہے۔ اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے؛ اور ان دونوں کی نگہبانی سے اسے ذرا بھی بوجھ نہیں ہوتا، اور وہ بڑا عالی مقام، صاحبِ عظمت ہے۔ ﴿۲۵۵﴾

آگے آیت نمبر ۲۵۶ میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ حق کے دلائل واضح کر دیئے گئے ہیں، اس کے بعد جو کوئی حق کو اختیار کرے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ایسا کرے گا، اور جو شخص اسے نظر انداز کر کے شیطان کے سکھائے ہوئے راستے پر چلے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔  
(۱۷۳) اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔

لَا اِكْرَاهُ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمَرْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵۱ اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵۲ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَرَ اِبْرٰهِيْمَ فِى رَیْبَةٍ اَنْ اَنۡتَهُ اللّٰهُ الْمَلِكُ ۚ اِذۡ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ الَّذِىْ يُحٰى وَيُیۡمِتُ ۙ قَالَ اَنَا اَحٰى وَاُمِیْتُ ۙ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاَنْتَ بِهَا مِّنَ الْمُبۡعَرِبِ ۙ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝۲۵۳

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا۔ اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۵۱﴾ اللہ ایمان والوں کا رکھوالا ہے؛ وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کے رکھوالے وہ شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ وہ سب آگ کے باسی ہیں؛ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۵۲﴾

کیا تم نے اس شخص (کے حال) پر غور کیا جس کو اللہ نے سلطنت کیا دے دی تھی کہ وہ اپنے پروردگار (کے وجود ہی) کے بارے میں ابراہیم سے بحث کرنے لگا؟ جب ابراہیم نے کہا کہ: ”میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی“ تو وہ کہنے لگا کہ: ”میں بھی زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں۔“ ﴿۲۵۳﴾ ابراہیم نے کہا: ”اچھا! اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تم ذرا اسے مغرب سے تو نکال کر لاؤ۔“ اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿۲۵۸﴾

(۱۷۴) یہ بابل کا بادشاہ نمرود تھا جو خدائی کا بھی دعوے دار تھا۔ اس نے جو دعویٰ کیا کہ میں زندگی اور موت دیتا



أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْبَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَتَىٰ يُحْيِي هَٰذَا اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ

یا (تم نے) اس جیسے شخص (کے واقعے) پر (غور کیا) جس کا ایک بستی پر ایسے وقت گذر ہوا جب وہ چھتوں کے بل گری پڑی تھی؟<sup>(۴۵)</sup> اس نے کہا کہ ”اللہ اس بستی کو اس کے مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟“ پھر اللہ نے اس شخص کو سو سال تک کے لئے موت دی، اور اس کے بعد زندہ کر دیا۔ (اور پھر) پوچھا کہ تم کتنے عرصے تک (اس حالت میں) رہے ہو؟ اس نے کہا: ”ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ!“ اللہ نے کہا: ”نہیں! بلکہ تم سو سال اسی طرح رہے ہو۔ اب اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ ذرا نہیں سڑیں۔

ہوں اس کا مطلب یہ تھا کہ میں بادشاہ ہونے کی وجہ سے جس کو چاہوں موت کے گھاٹ اتار دوں اور جس کو چاہوں موت کا مستحق ہونے کے باوجود معاف کر کے آزاد کر دوں، اور اس طرح اسے زندگی دے دوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ جواب قطعی طور پر غیر متعلق تھا، اس لئے کہ گفتگو زندگی اور موت کے اسباب سے نہیں ان کی تخلیق سے ہو رہی تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ یا تو موت اور حیات کی تخلیق کا مطلب ہی نہیں سمجھتا یا کٹ جتنی پر اتر آیا ہے، اس لئے انہوں نے ایک ایسی بات فرمائی جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مگر لا جواب ہو کر حق کو قبول کرنے کے بجائے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے قید کیا، پھر آگ میں ڈالنے کا حکم دیا جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ انبیاء (۲۱: ۶۸ تا ۷۱) سورۃ عنکبوت (۲۹: ۲۴) اور سورۃ صافات (۳۷: ۹۷) میں فرمایا ہے۔

(۱۷۵) آیت نمبر ۲۵۹ اور ۲۶۰ میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسے واقعے ذکر فرمائے ہیں جن میں اس نے اپنے دو خاص بندوں کو اس دُنیا ہی میں مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرایا۔ پہلے واقعے میں ایک ایسی بستی کا ذکر ہے جو مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی، اس کے تمام باشندے مر کھ چکے تھے، اور مکانات چھتوں سمیت گر کر مٹی میں مل گئے تھے۔ ایک صاحب کا وہاں سے گذر ہوا تو انہوں نے دل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ اس ساری بستی کو کس طرح زندہ کرے گا۔ بظاہر اس سوچ کا منشا خد انخواستہ کوئی شک کرنا نہیں تھا، بلکہ حیرت کا اظہار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی

وَانْظُرْ إِلَىٰ جِصَّارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ  
نَكْسُوهُمَا لَحْصًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۖ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَإِذْ  
قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ  
لِّيُظَهِّرَ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ  
جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمَنَّ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور (دوسری طرف) اپنے گدھے کو دیکھو (کہ گل سر کر اس کا کیا حال ہو گیا ہے) اور یہ ہم نے  
اس لئے کیا تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنادیں۔ اور (اب اپنے  
گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھاتے ہیں، پھر ان کو گوشت کا لباس پہناتے  
ہیں!“ چنانچہ جب حقیقت کھل کر اس کے سامنے آگئی تو وہ بول اٹھا کہ ”مجھے یقین ہے اللہ ہر چیز  
پر قدرت رکھتا ہے“ ﴿۲۵۹﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ  
مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے کہا: ”کیا تمہیں یقین نہیں؟“ کہنے لگے: ”یقین کیوں نہ  
ہوتا؟ مگر (یہ خواہش اس لئے کی ہے) تاکہ میرے دل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔“ اللہ نے  
کہا: ”اچھا! تو چار پرندے لو، اور انہیں اپنے سے مانوس کر لو، پھر (ان کو ذبح کر کے) ان کا ایک  
ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ، وہ چاروں تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔“ اور  
جان رکھو کہ اللہ پوری طرح صاحب اقتدار بھی ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت والا بھی۔“ ﴿۲۶۰﴾

قدرت کا مشاہدہ اس طرح کرایا جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ یہ صاحب کون تھے؟ اور یہ بستی کونسی تھی؟ یہ بات  
قرآن کریم نے نہیں بتائی، اور کوئی مستند روایت بھی ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے یقینی طور پر ان باتوں کا تعین کیا  
جاسکے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بستی بیت المقدس تھی، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب بخت نصر نے اس

پر حملہ کر کے اسے تباہ کر ڈالا تھا، اور یہ صاحب حضرت عزیر یا حضرت ارمیا علیہما السلام تھے۔ لیکن نہ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے، نہ اس کھوج میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم کا مقصد اس کے بغیر بھی واضح ہے۔ البتہ یہ بات تقریباً یقینی معلوم ہوتی ہے کہ یہ صاحب کوئی نبی تھے، کیونکہ اول تو اس آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوئے، نیز اس طرح کے واقعات انبیائے کرام ہی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ دیکھئے نیچے حاشیہ ۱۷۷۔

(۱۷۶) اس سوال و جواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہ بات صاف کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فرمائش خدا نخواستہ کسی شک کی وجہ سے نہیں تھی، انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر پورا یقین تھا۔ لیکن آنکھوں سے دیکھنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف مزید اطمینان حاصل ہوتا ہے، بلکہ اس کے بعد انسان دوسروں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، دلائل سے اس کا علم حاصل کرنے کے علاوہ آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں۔

(۱۷۷) یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہر وقت مردے کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرا سکتی ہے، مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کو یہ مشاہدہ نہ کرایا جائے۔ اور بات دراصل یہ ہے کہ یہ دُنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے یہاں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے، اور انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ان حقائق پر آنکھوں سے دیکھے بغیر دلائل کی بنیاد پر ایمان لائے۔ البتہ انبیائے کرام کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ جب غیب کے حقائق پر غیر متزلزل ایمان لا کر یہ ثابت کر چکے ہوتے ہیں کہ ان کا ایمان نہ کسی شک کی گنجائش رکھتا ہے اور نہ وہ آنکھ کے کسی مشاہدے پر موقوف ہے تو ان کے ایمان بالغیب کا امتحان اسی دُنیا میں پورا ہو جاتا ہے۔ پھر انہیں حکمتِ خداوندی کے تحت بعض غیبی حقائق آنکھوں سے بھی دکھا دیئے جاتے ہیں، تاکہ ان کے علم و اطمینان کا معیار عام لوگوں سے زیادہ ہو، اور وہ ڈنکے کی چوٹ یہ کہہ سکیں کہ وہ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اس کی حقانیت انہوں نے آنکھوں سے بھی دیکھ رکھی ہے۔

بعض وہ لوگ جو خلافِ عادت باتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں، انہوں نے اس آیت میں بھی ایسی کھینچ تان کی ہے جس سے یہ نہ ماننا پڑے کہ وہ پرندے واقعہً مرکر زندہ ہو گئے تھے۔ لیکن قرآن کریم کا پورا سیاق اور جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کا اُسلوب ایسی تاویلات کی تردید کرتا ہے۔ جو شخص عربی زبان کے محاورات اور اُسالیب سے واقف ہو وہ ان آیات کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں نکالے گا جو ترجمے میں بیان کیا گیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ  
 فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶۱﴾  
 الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا  
 أَذًى ۖ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ  
 مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۶۳﴾

جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات  
 بالیں اُگائے (اور) ہر بال میں سودا نے ہوں۔ اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی  
 گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ اللہ بہت وسعت والا (اور) بڑے علم والا ہے ﴿۲۶۱﴾ جو لوگ اپنے مال  
 اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ کوئی  
 تکلیف پہنچاتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنا ثواب پائیں گے؛ نہ ان کو کوئی خوف لاحق  
 ہوگا اور نہ کوئی غم پہنچے گا ﴿۲۶۲﴾ بھلی بات کہہ دینا اور درگزر کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے  
 بعد کوئی تکلیف پہنچائی جائے۔ اور اللہ بڑا بے نیاز، بہت بردبار ہے ﴿۲۶۳﴾

(۱۷۸) یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے سات سو گنا ثواب ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کا ثواب چاہیں  
 اور بڑھا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ ”اللہ کے راستے میں خرچ“ کا قرآن کریم نے بار بار ذکر کیا ہے، اور اس سے  
 مراد ہر وہ خرچ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس میں زکوٰۃ، صدقات، خیرات  
 سب داخل ہیں۔

(۱۷۹) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سائل کسی سے مانگے اور وہ کسی وجہ سے دے نہ سکتا ہو تو اس سے نرم الفاظ میں  
 معذرت کر لینا اور اگر وہ مانگنے پر ناروا اصرار کرے تو اس کی غلطی سے درگزر کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان  
 دے تو دے، مگر بعد میں احسان جتلائے یا اسے ذلیل کر کے تکلیف پہنچائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ  
رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَسْئَلُهُ كَشَلٍ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ  
ثُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ  
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۳۷﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ  
مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْيِئَتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ  
أَكْثَهَا ضَعْفَيْنِ ۖ فَإِن لَّمْ يُصِيبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۸﴾

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح ضائع مت کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چکنی چٹان پر مٹی جمی ہو، پھر اس پر زور کی بارش پڑے اور اس (مٹی کو بہا کر چٹان) کو (دوبارہ) چکنی بنا چھوڑے۔<sup>(۱۸۰)</sup> ایسے لوگوں نے جو کمائی کی ہوتی ہے وہ ذرا بھی ان کے ہاتھ نہیں لگتی۔ اور اللہ (ایسے) کافروں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۲۳۷﴾ اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے اور اپنے آپ میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ کسی ٹیلے پر واقع ہو؛ اس پر زور کی بارش برے تو وہ دگنا پھل لے کر آئے۔ اور اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی برے تو ہلکی پھوار بھی اس کے لئے کافی ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے ہو اللہ اسے خوب اچھی طرح دیکھتا ہے ﴿۲۳۸﴾

(۱۸۰) چٹان پر اگر مٹی جمی ہو تو یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ اس پر کوئی چیز کاشت کر لی جائے، لیکن اگر بارش مٹی کو بہا لے جائے تو چٹان کے چکنے پتھر کاشت کے قابل نہیں رہتے۔ اسی طرح صدقہ خیرات سے آخرت کے ثواب کی اُمید ہوتی ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ ریاکاری یا احسان جتانے کی خرابی لگ جائے تو وہ صدقے کو بہا لے جاتی ہے اور ثواب کی کوئی اُمید نہیں رہتی۔

أَيُّودُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ ۖ وَأَعْنَابٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ  
 لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ ۚ فَأَصَابَهَا  
 إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ  
 تَعْتَكِفُونَ ۖ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِمَّا أَخْرَجْنَا  
 لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۚ وَلَا تَيَسَّبُوا الْخَيْبَ ۚ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخِيذِهِ إِلَّا أَنْ  
 تُغْضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَبِيدٌ ۖ

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا بھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں  
 بہتی ہوں (اور) اس کو اس باغ میں اور بھی ہر طرح کے پھل حاصل ہوں، اور بڑھاپے نے اسے  
 آ پکڑا ہو، اور اس کے بچے ابھی کمزور ہوں؛ اتنے میں ایک آگ سے بھرا گولا آ کر اس کو اپنی زد میں  
 لے لے اور پورا باغ جل کر رہ جائے؟ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا  
 ہے تاکہ تم غور کرو ﴿۲۶۶﴾ اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہو اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے  
 زمین سے نکالی ہو اس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا کرو؛ اور یہ نیت نہ  
 رکھو کہ بس ایسی خراب قسم کی چیزیں (اللہ کے نام پر) دیا کرو گے جو (اگر کوئی دوسرا تمہیں دے تو  
 نفرت کے مارے) تم اسے آنکھیں میچے بغیر نہ لے سکو۔ اور یاد رکھو کہ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ ہر قسم کی  
 تعریف اسی کی طرف لوٹتی ہے ﴿۲۶۷﴾

(۱۸۱) صدقات کو برباد کرنے کی یہ دوسری مثال ہے۔ جس طرح ایک آگ سے بھرا گولا ہرے بھرے باغ کو  
 یکایک تباہ کر ڈالتا ہے، اسی طرح ریاکاری یا صدقہ دے کر احسان جتلاتا یا کسی اور طرح غریب آدمی کو ستانا  
 صدقے کے عظیم ثواب کو برباد کر ڈالتا ہے۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۚ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ  
وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ  
الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَا أَنْفَقْتُمْ  
مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾  
إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ  
وَيُكَفِّرُ عَنْكُم مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ  
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے؛ اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور  
فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۲۶۸﴾ وہ جس کو چاہتا ہے  
دانائی عطا کر دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا ہوگئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔ اور نصیحت وہی  
لوگ حاصل کرتے ہیں جو سمجھ کے مالک ہیں ﴿۲۶۹﴾ اور تم جو کوئی خرچ کرو یا کوئی منت مانو اللہ  
اسے جانتا ہے۔ اور ظالموں کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے ﴿۲۷۰﴾ اگر تم صدقات  
ظاہر کر کے دوتب بھی اچھا ہے؛ اور اگر ان کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور  
اللہ تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا؛ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر  
ہے ﴿۲۷۱﴾ (اے پیغمبر!) ان (کافروں) کو راہِ راست پر لے آنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے،  
لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر لے آتا ہے۔ (۱۸۲)

(۱۸۲) بعض انصاری صحابہ کے کچھ غریب رشتہ دار تھے مگر چونکہ وہ کافر تھے اس لئے وہ ان کی امداد نہیں کرتے  
تھے، اور اس انتظار میں تھے کہ وہ اسلام لے آئیں تو ان کی امداد کریں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خود  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ہدایت فرمائی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) اس طرح

وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نَفْسِكُمْ ۖ وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۖ وَمَا  
تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷﴾ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصُوا  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ  
التَّعْطَفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسَيِّئِهِمْ ۚ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۖ وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ  
لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً  
فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۹﴾

اور جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو وہ خود تمہارے فائدے کے لئے ہوتا ہے جبکہ تم اللہ کی خوشنودی  
طلب کرنے کے سوا کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے۔ اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا  
دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۷﴾ (مالی امداد کے بطور خاص) مستحق وہ فقراء ہیں  
جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اس طرح مقید کر رکھا ہے کہ وہ (معاش کی تلاش کے لئے)  
زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ چونکہ وہ اتنے پاک دامن ہیں کہ کسی سے سوال نہیں کرتے، اس لئے  
ناواقف آدمی انہیں مال دار سمجھتا ہے۔ تم ان کے چہرے کی علامتوں سے ان (کی اندرونی حالت)  
کو پہچان سکتے ہو (مگر) وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور تم جو مال بھی خرچ کرتے  
ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿۲۸﴾ جو لوگ اپنے مال دن رات خاموشی سے بھی اور علانیہ بھی  
خرچ کرتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنا ثواب پائیں گے، اور نہ انہیں کوئی خوف لاحق ہوگا،  
نہ کوئی غم پہنچے گا ﴿۲۹﴾

مسلمانوں کو بتایا گیا کہ آپ پر ان کے اسلام لانے کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اگر آپ ان غریب  
کافروں پر بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کچھ خرچ کریں گے تو اس کا بھی پورا پورا ثواب ملے گا۔  
(۱۸۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔



الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۚ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ۚ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ: ”بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔“ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لہذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ (سودی معاملات سے) باز آ گیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ اسی کا ہے۔ اور اس (کی باطنی کیفیت) کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جس شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۷۵﴾

یہ وہ صحابہ تھے جنہوں نے اپنی زندگی علم دین حاصل کرنے کے لئے وقف کر دی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد نبوی سے متصل ایک چبوترے پر آپڑے تھے، طلب علم کی وجہ سے وہ کوئی معاشی مشغلہ اختیار نہیں کر سکتے تھے، مگر مفلسی کی سختیاں ہنسی خوشی برداشت کرتے تھے، کسی سے مانگنے کا سوال نہیں تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ ایسے لوگ امداد کے زیادہ مستحق ہیں جو ایک نیک مقصد سے پوری اُمت کے فائدے کے لئے مقید ہو کر رہ گئے ہیں اور سختیاں جھیلنے کے باوجود اپنی ضرورت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔

آیت نمبر ۲۶۱ سے ۲۷۴ تک صدقات کی فضیلت اور اس کے احکام بیان ہوئے تھے۔ آگے آیت نمبر ۲۸۰ تک اس کی ضد یعنی سود کا بیان ہے۔ صدقات انسان کے جذبہ سخاوت کی نشانی ہیں، اور سود بخل اور مال کی محبت کی علامت ہے۔

(۱۸۴) سود یا ربا ہر اُس زیادہ رقم کو کہا جاتا ہے جو کسی قرض پر طے کر کے وصول کی جائے۔ مشرکین کا کہنا تھا کہ

جس طرح ہم کوئی سامان فروخت کر کے نفع کماتے ہیں اور اس کو شریعت نے حلال قرار دیا ہے، اسی طرح اگر قرض دے کر کوئی نفع کمائیں تو کیا حرج ہے؟ ان کے اس اعتراض کا جواب تو یہ تھا کہ سامان تجارت کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اسے بیچ کر نفع کمایا جائے، لیکن نقدی اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی کہ اسے سامان تجارت بنا کر اس سے نفع کمایا جائے۔ وہ تو ایک تبادلے کا ذریعہ ہے تاکہ اس کے ذریعے اشیائے ضرورت خریدی اور بیچی جاسکیں۔ نقدی کا نقدی سے تبادلہ کر کے اسے بذات خود نفع کمانے کا ذریعہ بنالیا جائے تو اس سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ (اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو ربا کے موضوع پر میرا وہ فیصلہ ملاحظہ فرمائیے جو میں نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں لکھا تھا اور اس کا اردو ترجمہ بھی ”سود پر تاریخی فیصلہ“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں بیع اور سود کے درمیان فرق کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے ایک حکمانہ جواب دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دے دیا ہے تو ایک بندے کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حکم کی حکمت اور اس کا فلسفہ پوچھتا پھرے اور گویا عملاً یہ کہہ کہ جب تک مجھے اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آجائے گا میں اس حکم پر عمل نہیں کروں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کی سمجھ میں بھی آجائے۔ لہذا اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے تو پہلے اس کے ہر حکم پر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اپنے مزید اطمینان کے لئے حکمت اور فلسفہ سمجھنے کی کوشش کرے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کو موقوف رکھنا ایک مؤمن کا طرز عمل نہیں۔

(۱۸۵) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے لوگوں سے سود وصول کیا ہے، چونکہ اس وقت تک سود کے حرام ہونے کا اعلان نہیں ہوا تھا اس لئے وہ پچھلے معاملات معاف ہیں، اور ان کے ذریعے جو رقمیں وصول کی گئی ہیں وہ واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ حرمت کے اعلان کے وقت جو سود کسی پر واجب الادا ہو وہ لینا جائز نہیں ہوگا بلکہ اسے چھوڑنا ہوگا، جیسا کہ آگے آیت نمبر ۷۸-۷۹ میں حکم دیا گیا ہے۔

(۱۸۶) یعنی جن لوگوں نے حرمت سود کو تسلیم نہ کیا اور وہی اعتراض کرتے رہے کہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں، وہ کافر ہونے کی وجہ سے ابدی عذاب کے مستحق ہوں گے۔ سود کے موضوع پر مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ان آیات کے تحت معارف القرآن اور مسئلہ سود از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور میراندہ کورہ بالا فیصلہ۔

يَحَقُّ لِلَّهِ الرِّبَا وَبِزِي الصَّدَقَاتِ ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٩﴾ إِنَّ  
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ  
 عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٨٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا  
 اللَّهَ وَذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٨١﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا  
 بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا  
 تُظْلَمُونَ ﴿٢٨٢﴾ وَإِنْ كَانَ دُؤُوسٌ غَيْرُ غَيْرٍ فَتَظْرَعُوا إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۖ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ  
 لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٣﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَلَّىٰ كُلُّ  
 نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۚ

۳۸  
۷

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکرانہ نگار ہو ﴿۲۷۹﴾ (ہاں) وہ لوگ جو ایمان لائیں، نیک عمل کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ اپنے رب کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے؛ نہ انہیں کوئی خوف لاحق ہوگا، نہ کوئی غم پہنچے گا ﴿۲۸۰﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو ﴿۲۸۱﴾ پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ اور اگر تم (سود سے) توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے ﴿۲۸۲﴾ اور اگر کوئی تنگ دست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔ اور صدقہ ہی کر دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں زیادہ بہتر ہے، بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو ﴿۲۸۳﴾ اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہے پورا پورا دیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۸۴﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُبَ  
بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ  
وَلْيُسَلِّلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخُسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ  
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلِّ وَلِيُّهُ  
بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنَا رَجُلَيْنِ  
فَرَجُلٌ وَامْرَأَتْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ  
إِحْدَاهُمَا الْآخَرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْمُوا أَنْ  
تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلٍ ۚ

اے ایمان والو! جب تم کسی معین میعاد کے لئے ادھار کا کوئی معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تم میں  
سے جو شخص لکھنا جانتا ہو انصاف کے ساتھ تحریر لکھے، اور جو شخص لکھنا جانتا ہو، لکھنے سے انکار نہ  
کرے۔ جب اللہ نے اسے یہ علم دیا ہے تو اسے لکھنا چاہئے۔ اور تحریر وہ شخص لکھوائے جس کے  
ذمے حق واجب ہو رہا ہو، اور اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس (حق)  
میں کوئی کمی نہ کرے۔ <sup>(۱۸۷)</sup> ہاں اگر وہ شخص جس کے ذمے حق واجب ہو رہا ہے نا سمجھ یا کمزور ہو یا (کسی  
اور وجہ سے) تحریر نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کا سرپرست انصاف کے ساتھ لکھوائے۔ اور اپنے میں سے دو  
مردوں کو گواہ بنا لو، ہاں اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے ہو جائیں  
جنہیں تم پسند کرتے ہو، تاکہ اگر ان دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد  
دلا دے۔ اور جب گواہوں کو (گواہی دینے کے لئے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور جو معاملہ  
اپنی میعاد سے وابستہ ہو، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اسے لکھنے سے اکتاؤ نہیں۔

(۱۸۷) یہ قرآن کریم کی سب سے طویل آیت ہے، اور اس میں سود کی حرمت بیان کرنے کے بعد ادھار خرید و

ذِكْمًا أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ  
تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا  
وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ  
فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ  
عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ  
الَّذِي أَوْثِنَ أَمَانَتَهُ وَيُؤْتِقِ اللَّهُ رَابِعَهُ ۖ وَلَا تَكْتُبُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُبْهَا  
فَإِنَّهُ أَثِمٌ قَلْبُهُ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۳﴾

۲۸۲

یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف اور گواہی کو درست رکھنے کا بہتر ذریعہ ہے، اور اس بات کی  
قریبی ضمانت ہے کہ تم آئندہ شک میں نہیں پڑو گے۔ ہاں اگر تمہارے درمیان کوئی نقد لین دین کا  
سودا ہو تو اس کو نہ لکھنے میں تمہارے لئے کچھ حرج نہیں ہے۔ اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالیا کرو۔  
اور نہ لکھنے والے کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے، نہ گواہ کو۔ اور اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے نافرمانی  
ہوگی۔ اور اللہ کا خوف دل میں رکھو۔ اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۲۸۲﴾  
اور اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ادائیگی کی ضمانت کے طور پر) رہن قبضے میں رکھ  
لئے جائیں۔ ہاں اگر تم ایک دوسرے پر بھروسہ کرو تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے وہ اپنی امانت ٹھیک ٹھیک  
ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اور جو گواہی کو چھپائے وہ  
گنہگار دل کا حامل ہے۔ اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ ﴿۲۸۳﴾

فروخت کے سلسلے میں اہم ہدایات دی گئی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام معاملات صفائی کے ساتھ ہوں۔ اگر  
کوئی ادھار کسی کے ذمے واجب ہو رہا ہو تو اسے ایسی تحریر لکھنی یا لکھوانی چاہئے جو معاملے کی نوعیت کو واضح  
کردے۔ اس تحریر میں پوری بات لاگ لپیٹ کے بغیر لکھنی چاہئے اور کسی کا حق مارنے کے لئے تحریر میں کتر  
بیونت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ  
يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ ۚ فَيَغْفِرْ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ  
قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اَمِنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اَمِنَ بِاللّٰهِ  
وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سُبْحٰنَا  
وَءَاْظِنَا ۚ غُفْرٰنَكَ رَبَّنَا ۚ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور جو باتیں تمہارے دلوں میں  
ہیں، خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔ ﴿۲۸۴﴾ پھر جس کو چاہے گا معاف  
کر دے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۸۴﴾ یہ  
رسول (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے رب کی  
طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان بھی۔ یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں  
پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں  
کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان لائیں، کسی پر نہ لائیں) اور وہ یہ کہتے ہیں کہ:  
”ہم نے (اللہ اور رسول کے احکام کو توجہ سے) سن لیا ہے، اور ہم خوشی سے (ان کی) تعمیل کرتے  
ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی مغفرت کے طلب گار ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف ہمیں  
لوٹ کر جانا ہے۔“ ﴿۲۸۵﴾

(۱۸۸) آگے آیت نمبر ۲۸۶ کے پہلے جملے نے واضح کر دیا کہ انسان کے اختیار کے بغیر جو خیالات اس کے دل  
میں آجاتے ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ لہذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر جو غلط عقیدے  
دل میں رکھے، یا کسی گناہ کا سوچ سمجھ کر بالکل پکارا ارادہ کر لے تو اس کا حساب ہوگا۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا  
تُؤَاخِذْنَا إِنْ نُسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۙ  
وَاعْفِرْ لَنَا ۙ وَارْحَمْنَا ۙ أَنْتَ مَوْلَانَا ۙ فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾

اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا۔ اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے، اور نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔  
(مسلمانو! اللہ سے یہ دعا کیا کرو کہ: ”اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ فرمائیے۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالئے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالئے جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیے، ہمیں بخش دیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے۔ آپ ہی ہمارے حامی و ناصر ہیں، اس لئے کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں نصرت عطا فرمائیے۔“ ﴿۲۸۶﴾

الحمد للہ آج بتاریخ ۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۳ جولائی ۲۰۰۵ء کراچی میں سورہ بقرہ کے ترجمہ اور حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں اور باقی سورتوں کے ترجمہ اور تفسیر کو بھی آسان فرمادیں۔ آمین ثم آمین۔





# سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ

## تعارف

عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور ”آل عمران“ کا مطلب ہے ”عمران کا خاندان“۔ اس سورت کی آیات ۳۳ تا ۳۷ میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام ”سورہ آل عمران“ ہے۔

اس سورت کے بیشتر حصے اُس دور میں نازل ہوئے ہیں جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تھے، مگر یہاں بھی کفار کے ہاتھوں انہیں بہت سی مشکلات درپیش تھیں۔ سب سے پہلے غزوہ بدر پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر معمولی فتح عطا فرمائی، اور کفار قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے اگلے سال انہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا، اور غزوہ احد پیش آیا، جس میں مسلمانوں کو عارضی پسپائی بھی اختیار کرنی پڑی۔ ان دونوں غزوات کا ذکر اس سورت میں آیا ہے، اور ان سے متعلق مسائل پر قیمتی ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں۔

مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے، سورہ بقرہ میں ان کے عقائد و اعمال کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے، اور ضمناً عیسائیوں کا بھی تذکرہ آیا تھا۔ سورہ آل عمران میں اصل روئے سخن عیسائیوں کی طرف ہے، اور ضمناً یہودیوں کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ عرب کے علاقے نجران میں عیسائی بڑی تعداد میں آباد تھے، اُن کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔ سورہ آل عمران کا ابتدائی تقریباً آدھا حصہ انہی کے دلائل کے جواب اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح حیثیت بتانے میں صرف ہوا ہے۔ نیز اس سورت میں زکوٰۃ، سود اور جہاد سے متعلق احکام بھی عطا فرمائے گئے ہیں، اور سورت کے آخر میں دعوت دی گئی ہے کہ اس کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں پر انسان کو غور کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا چاہئے، اور ہر حاجت کے لئے اُسی کو پکارنا چاہئے۔

آیاتها ۲۰۰ سُورَةُ آلِ عَمْرٍاء مَدَنِيَّةٌ ۸۹ رُكُوعَاتُهَا ۲۰

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

اَلَمْ ۱ اِلٰهَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَاءِ ۝

سورہ آل عمران مدنی ہے اور اس میں ۲۰۰ آیتیں اور ۲۰ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اَلَمْ ﴿۱﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے؛ ﴿۲﴾ اس نے تم پر وہ کتاب نازل کی ہے جو حق پر مشتمل ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور اسی نے تورات اور انجیل اتاریں ﴿۳﴾ جو اس سے پہلے لوگوں کے لئے مجسم ہدایت بن کر آئی تھیں، اور اسی نے حق و باطل کو پرکھنے کا معیار نازل کیا۔ ﴿۱﴾ بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ زبردست اقتدار کا مالک اور بُرائی کا بدلہ دینے والا ہے ﴿۲﴾ یقین رکھو کہ اللہ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، نہ زمین میں نہ آسمان میں ﴿۵﴾

(۱) یہاں قرآن کریم نے لفظ ”فرقان“ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو صحیح اور غلط کے درمیان فرق واضح کرنے والی ہو۔ قرآن کریم کا ایک نام ”فرقان“ بھی ہے، اس لئے کہ وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے یہاں ”فرقان“ سے قرآن ہی مراد لیا ہے۔ دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو انبیائے کرام کے ہاتھ پر ظاہر کئے گئے اور جنہوں نے ان کی نبوت کا ثبوت فراہم کیا۔ نیز اس لفظ سے وہ تمام دلائل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ ① هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ  
الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۚ

وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زبردست اقتدار کا بھی مالک ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت کا بھی ﴿۶﴾ (اے رسول!) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے، اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔<sup>(۳)</sup>

(۲) اگر انسان اپنی پیدائش کے مختلف مراحل پر غور کرے کہ وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح پرورش پاتا ہے، اور کس طرح اس کی صورت دوسرے اربوں انسانوں سے بالکل الگ بنتی ہے کہ کبھی دو آدمی سو فیصد ایک جیسے نہیں ہوتے تو اسے یہ تسلیم کرنے میں دیر نہ لگے کہ یہ سب کچھ خدائے واحد کی قدرت اور حکمت کے تحت ہو رہا ہے۔ اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور حکمت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اس کے ساتھ اس سے ایک اور پہلو کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ شہر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا، اور اس نے اپنے عقائد کے بارے میں آپ سے گفتگو کی تھی۔ سورہ آل عمران کی کئی آیات اسی پس منظر میں نازل ہوئی ہیں۔ اس وفد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے پر یہ دلیل بھی دی تھی کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ یہ آیت اس دلیل کی تردید بھی کر رہی ہے۔ اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص کی تخلیق اور صورت گری اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے۔ اگرچہ اس نے معمول کا طریقہ یہ بنایا ہے کہ ہر بچہ کسی باپ کے ذریعے پیدا ہوتا ہے، لیکن وہ اس طریقے کا نہ پابند ہے نہ محتاج۔ لہٰذا وہ جب چاہے جس کو چاہے بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے، اور اس سے کسی کا خدا یا خدا کا بیٹا ہونا لازم نہیں آتا۔

(۳) اس آیت کو سمجھنے کے لئے پہلے اس حقیقت کا احساس ضروری ہے کہ اس کائنات کی بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی وحدانیت تو ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر انسان اپنی عقل سے معلوم کر سکتا ہے، لیکن اس کی ذات اور صفات کی تفصیلات انسان کی محدود عقل سے باور نہیں۔ قرآن کریم نے جہاں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر فرمایا ہے، ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمت

بالغذاہر کی گئی ہے، لیکن کوئی شخص ان صفات کی حقیقت اور کنہ کی فلسفیانہ کھوج میں پڑ جائے تو حیرانی یا گمراہی کے سوال سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، کیونکہ وہ اپنی محدود عقل سے اللہ تعالیٰ کی ان لامحدود صفات کا احاطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو اس کے ادراک سے باہر ہیں۔ مثلاً قرآن کریم نے کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک عرش ہے، اور یہ کہ وہ اس عرش پر مستوی ہوا۔ اب یہ بات کہ وہ عرش کیسا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب انسان کی عقل اور سمجھ سے بالاتر ہے، اور انسان کی زندگی کا کوئی عملی مسئلہ اس پر موقوف بھی نہیں۔ ایسی آیات جن میں اس قسم کے حقائق بیان کئے گئے ہیں مثلاً بہات کہلاتی ہیں۔ اسی طرح مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف الگ الگ نازل کئے گئے ہیں، (مثلاً اسی سورت کے شروع میں الف، لام، میم) اور جنہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے وہ بھی مثلاً بہات میں داخل ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کریم نے اس آیت میں یہ ہدایت دی ہے کہ ان کی کھود کرید میں پڑنے کے بجائے ان پر اجمالی طور سے ایمان رکھ کر ان کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس قرآن کریم کی دوسری آیتیں ایسی ہیں جن کا مطلب واضح ہے، اور درحقیقت وہی آیات ہیں جو انسان کے لئے عملی ہدایات فراہم کرتی ہیں، انہی آیات کو ”محکم“ آیتیں کہا گیا ہے۔ ایک مومن کو انہی پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

مثلاً بہات کے بارے میں صحیح طریقہ عمل بتلانا یوں بھی ضروری تھا، لیکن اس سورت میں اس وضاحت کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ نجران کے عیسائیوں کا جو وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اور جس کا ذکر اوپر کے حاشیہ میں گزرا ہے، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے پر ایک دلیل یہ بھی پیش کی تھی کہ خود قرآن نے انہیں ”کلمۃ اللہ“ (اللہ کا کلمہ) اور ”روح من اللہ“ فرمایا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی صفت کلام اور اللہ کی روح تھے۔ اس آیت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن کریم ہی نے جگہ جگہ صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہو سکتی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خدا قرار دینا شرک اور کفر ہے۔ ان واضح آیتوں کو چھوڑ کر ”کلمۃ اللہ“ کے لفظ کو پکڑ بیٹھنا اور اس کی بنیاد پر ایسی تاویلیں کرنا جو قرآن کریم کی محکم آیات کے بالکل برخلاف ہیں، دل کے ٹیڑھ کی علامت ہے۔ حقیقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”کلمۃ اللہ“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ باپ کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے تھے (جیسا کہ قرآن کریم نے اسی سورت کی آیت ۵۹ میں بیان فرمایا ہے۔ اور انہیں ”روح من اللہ“ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی روح براہ راست اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی تھی۔ اب یہ بات انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ ”کن“ سے پیدا کرنے کی کیفیت کیا تھی؟ اور براہ راست ان کی روح کس طرح پیدا کی گئی؟ یہ امور مثلاً بہات میں سے ہیں، اس لئے ان کی کھود کرید بھی منع ہے، (کیونکہ یہ باتیں انسان کی سمجھ میں آتی نہیں سکتیں) اور ان کی من مانی تاویل کر کے ان سے خدا کے بیٹے کا تصور برآمد کرنا بھی کج فہمی ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ  
 وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ  
 آمَنَّا بِهِ ۚ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تَزِرْ  
 قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝  
 ۶ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ ۚ  
 إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ  
 وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝

اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا  
 کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا  
 کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے  
 ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے)۔ سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے۔“ اور نصیحت وہی لوگ  
 حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں ﴿۷﴾ (ایسے لوگ یہ دُعا کرتے ہیں کہ: ”اے ہمارے  
 رب! تو نے ہمیں جو ہدایت عطا فرمائی ہے اس کے بعد ہمارے دلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ ہونے دے،  
 اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بیشک تیری، اور صرف تیری ذات وہ ہے جو بے انتہا  
 بخشش کی خوگر ہے ﴿۸﴾ ہمارے پروردگار! تو تمام انسانوں کو ایک ایسے دن جمع کرنے والا ہے  
 جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔“ بیشک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ﴿۹﴾ حقیقت  
 یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اللہ کے مقابلے میں نہ ان کی دولت ان کے کچھ کام آئے گی،  
 نہ ان کی اولاد، اور وہی ہیں جو آگ کا ایندھن بن کر رہیں گے ﴿۱۰﴾

كَذَّابٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَآخَذَهُمُ اللّٰهُ  
بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْيٌ مَّا كَانُوا  
وَلَا يَحْشُرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ ۖ وَيُنْفِثُ الْوَيْهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ  
فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ ۙ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاٰى الْعَيْنُ ۖ وَاللّٰهُ  
يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَّشَاءُ ۖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

ان کا حال فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں کے معاملے جیسا ہے۔ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، چنانچہ اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لے لیا، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۱﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان سے کہہ دو کہ تم مغلوب ہو گے ﴿۱۲﴾ اور تمہیں جمع کر کے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، اور وہ بہت بُرا بچھونا ہے ﴿۱۲﴾

تمہارے لئے ان دو گروہوں (کے واقعے) میں بڑی نشانی ہے جو ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑ رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ تھا جو اپنے آپ کو کھلی آنکھوں ان سے کئی گنا زیادہ دیکھ رہا تھا۔ ﴿۱۳﴾ اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے۔ بیشک اس واقعے میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے ﴿۱۳﴾

(۴) اس سے دُنیا میں کافروں کے مغلوب ہونے کی پیش گوئی بھی مراد ہو سکتی ہے، اور آخرت میں مغلوب ہونے کی بھی۔

(۵) پیچھے یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ کفار مسلمانوں سے مغلوب ہوں گے۔ اب اس کی ایک مثال دینے کی غرض سے جنگ بدر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں کافروں کا لشکر ایک ہزار مسلح لوگوں پر مشتمل تھا، اور مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ کافر کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور کافروں کو شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

زَيْنَ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ  
 الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۚ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ  
 الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْبَابِ ۝۱۳ قُلْ أَوْفَيْتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ  
 اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ  
 وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝۱۴ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا  
 فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۵ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَنِيتِينَ  
 وَالسُّفْقِينَ ۖ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝۱۶

لوگوں کے لئے ان چیزوں کی محبت خوشنما بنا دی گئی ہے جو ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوتی  
 ہیں، یعنی عورتیں، بچے، سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر، نشان لگائے ہوئے گھوڑے، چوپائے  
 اور کھیتیاں۔ یہ سب دُنیوی زندگی کا سامان ہے (لیکن) ابدی انجام کا حسن تو صرف اللہ کے پاس  
 ہے۔ ﴿۱۳﴾ کہہ دو! کیا میں تمہیں وہ چیزیں بتاؤں جو ان سب سے کہیں بہتر ہیں؟ جو لوگ تقویٰ  
 اختیار کرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں،  
 جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور پاکیزہ بیویاں ہیں، اور اللہ کی طرف سے خوشنودی ہے۔ اور تمام  
 بندوں کو اللہ اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۱۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے  
 پروردگار! ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے، اور ہمیں دوزخ  
 کے عذاب سے بچا لیجئے۔“ ﴿۱۵﴾ یہ لوگ بڑے صبر کرنے والے ہیں، سچائی کے خوگر ہیں، عبادت  
 گزار ہیں، (اللہ کی خوشنودی کے لئے) خرچ کرنے والے ہیں، اور سحری کے اوقات میں  
 استغفار کرتے رہتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾



شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَالْبَلَاغَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
 الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۸۱ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا بِهِ  
 الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ  
 سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۸۲ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۚ وَقُلْ  
 لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَإِنْ  
 تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝۸۳ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ  
 وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۖ

اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے، اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی، کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے انصاف کے ساتھ (کائنات کا) انتظام سنبھالا ہوا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۸﴾ بیشک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے الگ راستہ لاعلمی میں نہیں بلکہ علم آجانے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختیار کیا، اور جو شخص بھی اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹﴾ پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ: ”میں نے تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا ہے، اور جنہوں نے میری اتباع کی ہے انہوں نے بھی۔“ اور اہل کتاب سے اور (عرب کے) اُن پڑھ (مشرکین) سے کہہ دو کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے، اور اگر انہوں نے منہ موڑا تو تمہاری ذمہ داری صرف پیغام پہنچانے کی حد تک ہے، اور اللہ تمام بندوں کو خود دیکھ رہا ہے ﴿۲۰﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں، اور انصاف کی تلقین کرنے والے لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں،

فَبَسِّرْهُمْ بَعْدَآبِ اٰلِیْمٍ ۝۲۱ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْآٰخِرَةِ  
وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصْرِیْنَ ۝۲۲ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُدْعَوْنَ  
اِلٰی كِتٰبِ اللّٰهِ لِحُكْمٍ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝۲۳ ذٰلِكَ  
بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۚ وَغَرَّهمْ فِی دِیْنِهِمْ مَا  
كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝۲۴ فَكِیْفَ اِذَا جَعَلْنٰهُمْ لَیَوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْهِ ۚ وَوُفِّیْتَ كُلُّ نَفْسٍ  
مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝۲۵ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ  
وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَآءُ وَتُزِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۚ بَیْدِكَ الْخَیْرُ ۝

ان کو دردناک عذاب کی ”خوشخبری“ سنا دو۔ ﴿۲۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو چکے ہیں، اور ان کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہیں ہوں گے ﴿۲۲﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا کہ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، اس کے باوجود ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ کر انحراف کر جاتا ہے ﴿۲۳﴾ یہ سب اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہوا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا آگ ہرگز نہیں چھوے گی۔ اور انہوں نے جو جھوٹی باتیں تراش رکھی ہیں انہوں نے ان کے دین کے معاملے میں ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے ﴿۲۴﴾ بھلا اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم انہیں ایک ایسے دن (کا سامنا کرنے) کے لئے جمع کر لائیں گے جس کے آنے میں ذرا بھی شک نہیں ہے، اور ہر شخص نے جو کچھ کمائی کی ہوگی وہ اس کو پوری پوری دے دی جائے گی، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۵﴾ کہو کہ: ”اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رُسوا کر دیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۶﴾ تَوَلَّجَ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّجَ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ  
وَتَخْرُجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ  
حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ  
يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُ ۗ وَيُحَذِّرُكُمْ  
اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾

یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۶﴾ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور تو ہی بے جان چیز میں سے جاندار کو برآمد کر لیتا ہے اور جاندار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ﴿۲۷﴾ مومن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، الا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو۔ اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے۔ اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۸﴾

(۶) جب غزوہٴ احزاب کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ روم اور ایران کی سلطنتیں مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گی تو کفار نے بڑا مذاق اڑایا کہ ان لوگوں کو اپنے دفاع کے لئے خندق کھودنی پڑ رہی ہے اور ان پر فائقے گذر رہے ہیں، مگر دعوے یہ ہیں کہ یہ روم اور ایران فتح کر لیں گے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو یہ دُعا تلقین فرما کر ایک لطیف پیرائے میں ان کا جواب دے دیا گیا۔ (۷) سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے تو گرمیوں کے دن کا کچھ حصہ رات بن جاتا ہے، اور گرمیوں میں دن بڑا ہوتا ہے تو سردیوں کی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۸) مثلاً بے جان انڈے سے جاندار چوزہ نکل آتا ہے اور جاندار پرندے سے بے جان انڈا۔

(۹) ”یار و مددگار“ عربی لفظ ”ولی“ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ”ولی“ بنانے کو ”موالات“ بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایسی دوستی اور قلبی محبت کا تعلق ہے جس کے نتیجے میں دو آدمیوں کا مقصد زندگی اور ان کا نفع و نقصان ایک ہو جائے۔

قُلْ إِنْ تَخْشَوْنَ مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْذَرُوهُ يُعْلَمَهُ اللَّهُ ۖ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ  
وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ  
مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَتَذَكَّرُ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۖ

معافہ ۳

(اے رسول!) لوگوں کو بتادو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اسے جان لے گا۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب جانتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۹﴾ وہ دن یاد رکھو جس دن کسی بھی شخص نے نیکی کا جو کام کیا ہوگا اسے اپنے سامنے موجود پائے گا، اور بُرائی کا جو کام کیا ہوگا اس کو بھی (اپنے سامنے دیکھ کر) یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کی بدی کے درمیان بہت دُور کا فاصلہ ہوتا!

اس قسم کا تعلق مسلمان کا صرف مسلمان ہی سے ہو سکتا ہے، اور کسی غیر مسلم سے ایسا تعلق رکھنا سخت گناہ ہے، اور اس آیت میں اسے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ یہی حکم سورہ نساء (۴: ۱۳۹ و ۱۴۲)، سورہ مائدہ (۵: ۵۱ و ۵۷ و ۸۱)، سورہ توبہ (۹: ۲۳)، سورہ مجادلہ (۵۸: ۲۲) اور سورہ ممتحنہ (۱۰: ۶۰) میں بھی دیا گیا ہے۔ البتہ جو غیر مسلم جنگ کی حالت میں نہ ہوں ان کے ساتھ حسن سلوک، رواداری اور خیر خواہی کا معاملہ نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے، جیسا کہ خود قرآن کریم نے سورہ ممتحنہ (۸: ۶۰) میں واضح فرمادیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پوری حیات طیبہ میں یہ رہی ہے کہ آپ نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرمایا۔ اسی طرح ان کے ساتھ سیاسی اور اقتصادی تعاون کے وہ معاہدے اور تجارتی معاملات بھی کئے جاسکتے ہیں جن کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں دوستی کے معاہدے کہا جاتا ہے، بشرطیکہ یہ معاہدے یا معاملات اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف نہ ہوں، اور ان میں کسی خلاف شرع عمل کا ارتکاب لازم نہ آئے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد صحابہ کرام نے ایسے معاہدات اور معاملات کئے ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ موالات کی ممانعت کرنے کے بعد قرآن کریم نے جو فرمایا ہے کہ: ”إِلَّا يَهْدِي اللَّهُ فَرْجَكَ“ (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار کے ظلم و تشدد سے بچاؤ کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑے جس سے بظاہر موالات معلوم ہوتی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

وَيَحْذَرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ ۖ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ ۙ  
فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قُلْ  
أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ  
أَصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّتَهُ  
بَعْضَهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي  
نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۚ

اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے، اور اللہ بندوں پر بہت شفقت رکھتا ہے ﴿۳۰﴾ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۱﴾ کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۲﴾ اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان، اور عمران کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۳۳﴾ یہ ایسی نسل تھی جس کے افراد (نیکی اور اخلاص میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ اور اللہ (ہر ایک کی بات) سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۳۴﴾ (چنانچہ اللہ کے دُعا سننے کا وہ واقعہ یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا تھا کہ: ”یا رب! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لئے وقف رکھوں گی۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔

(۱۰) آیت کا یہ ترجمہ حضرت قتادہؓ کی تفسیر پر مبنی ہے (دیکھئے روح المعانی ۳: ۶۷: ۱۷) واضح رہے کہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا بھی نام ہے، اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا بھی، یہاں دونوں مراد ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ آگے حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ آ رہا ہے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہاں حضرت مریم علیہا السلام ہی کے والد مراد ہیں۔

إِنَّكَ أَنْتَ السَّيِّعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ  
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتُ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَيِّئَةٌ مَّرِيْمٌ وَإِنِّي  
أَعْيَضُهُ بَيْنَ يَدَيْكَ وَذُرِّيَّتَهُمَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ  
وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ  
وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَرِيمُ إِنِّي لَكِ هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ  
اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

بیشک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ﴿۳۵﴾ پھر جب ان سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ (حسرت سے) کہنے لگیں: ”یا رب! یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہو گئی ہے“۔ حالانکہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے۔ ”اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطانِ مردود سے حفاظت کے لئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔“ ﴿۳۶﴾ چنانچہ اس کے رب نے اس (مریم) کو بطریق احسن قبول کیا اور اسے بہترین طریقے سے پروان چڑھایا۔ اور زکریا اس کے سر پرست بنے۔ جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے، ان کے پاس کوئی رزق پاتے۔ انہوں نے پوچھا: ”مریم! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟“ وہ بولیں: ”اللہ کے پاس سے! اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔“ ﴿۳۷﴾

(۱۱) حضرت عمران بیت المقدس کے امام تھے، ان کی اہلیہ کا نام حنہ تھا۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے کوئی اولاد ہوگی تو وہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گی۔ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو حضرت عمران کا انتقال ہو گیا، حضرت حنہ کے بہنوئی زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے خالو ہوئے۔ حضرت مریم کی سرپرستی کا مسئلہ پیدا ہوا تو قرعہ اندازی کے ذریعے اس کا فیصلہ کیا گیا اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا جس کا ذکر آگے اسی سورت کی آیت نمبر ۴۴ میں آرہا ہے۔

هٰذَا لَكَ دَعَاؤُكَ يَا رَبُّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً  
 إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْغُرَابِ  
 أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بَصَدِيقٍ مُصْدِقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا  
 مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۹﴾

اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہنے لگے: ”یا رب! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔ بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔“ ﴿۳۸﴾ چنانچہ (ایک دن) جب زکریا عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، فرشتوں نے انہیں آواز دی کہ: ”اللہ آپ کو یحییٰ کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے جو اس شان سے پیدا ہوں گے کہ اللہ کے ایک کلمے کی تصدیق کریں گے،“ ﴿۳۹﴾ لوگوں کے پیشوا ہوں گے، اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے مکمل طور پر روکے ہوئے ہوں گے،“ اور نبی ہوں گے اور ان کا شمار راست بازوں میں ہوگا۔“ ﴿۳۹﴾

(۱۲) حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے موسم کے پھل آیا کرتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا تو انہیں توجہ ہوئی کہ جو خدا ان کو بے موسم کے پھل دیتا ہے وہ مجھے اس بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ دعا مانگی۔

(۱۳) ”اللہ کے کلمے“ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ اس سورت کے شروع میں اُپر واضح کیا گیا ہے انہیں ”کلمۃ اللہ“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کے بغیر اللہ کے کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان سے پہلے پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی تصدیق فرمائی۔

(۱۴) حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ خاص صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات پر پورا قابو رکھنے والے ہوں گے۔ یہ صفت اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہے، لیکن ان کا خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس درجہ مشغول رہتے تھے کہ ان کو نکاح کرنے کی طرف رغبت نہیں ہوئی۔ اگرچہ عام حالات میں نکاح سنت ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے نفس پر اتنا قابو یافتہ ہو جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے تو اس کے لئے کنوارا رہنا بلا کراہت جائز ہے۔

قَالَ رَبِّ اَتَى يَكُونُ لِيْ عِلْمٌ وَقَدْ بَلَغْنِي الْكِبَرَ وَاُمْرَاَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَلِكَ اَللّٰهُ  
يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝۱۰ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِيْ اٰيَةً ۖ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةً  
اَيَّامٍ اِلَّا رَمَزًا ۖ وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا وَّاَسْبِحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاُبْحَارِ ۝۱۱ وَاِذْ قَالَتِ  
الْمَلٰٓئِكَةُ لِيْزِيْمُ اِنَّ اِلٰهَكَ اصْطَفٰكَ وَطَهَّرَكَ وَاَصْطَفٰكَ عَلٰى نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۲

زکریا نے کہا: ”یا رَب! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟“ (۱۵) اللہ نے کہا: ”اسی طرح! اللہ جہ چاہتا ہے کرتا ہے۔“ ﴿۴۰﴾ انہوں نے کہا: ”پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔“ اللہ نے کہا: ”تمہاری نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا کوئی بات نہیں کر سکو گے۔“ (۱۶) اور اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرتے رہو، اور ڈھلے دن کے وقت بھی اور صبح سویرے بھی اللہ کی تسبیح کیا کرو۔“ ﴿۴۱﴾ اور (اب اس وقت کا تذکرہ سنو) جب فرشتوں نے کہا تھا کہ: ”اے مریم! بیشک اللہ نے تمہیں چن لیا ہے، تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا جہان کی ساری عورتوں میں تمہیں منتخب کر کے فضیلت بخشی ہے ﴿۴۲﴾

(۱۵) دُعا حضرت زکریا علیہ السلام نے خود مانگی تھی، اس لئے یہ سوال خدا خواستہ کسی بے یقینی کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ ایک غیر معمولی نعمت کی خبر سن کر تعجب کا اظہار تھا جو درحقیقت شکر کا ایک انداز ہے۔ نیز سوال کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا بچہ اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہو جائے گا یا ہماری جوانی لوٹا دی جائے گی؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ”اسی طرح!“ یعنی لڑکا اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہوگا۔

(۱۶) حضرت زکریا علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسی نشانی معلوم ہو جائے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے، تاکہ وہ اسی وقت سے شکر ادا کرنے میں لگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی بتلائی کہ جب حمل قرار پائے گا تو تم پر ایسی حالت طاری ہو جائے گی کہ تم اللہ کے ذکر اور تسبیح کے سوا کسی سے کوئی بات نہیں کر سکو گے، اور بات کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اشاروں سے کرنی ہوگی۔



يُرِيْمُ اَقْنَتِي لِرَبِّكَ وَاسْجُدْنِي وَامْرَاكَعِي مَعَ الرَّكْعَيْنِ ۝۳۳ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ  
 نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۚ  
 وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۳۴ اِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لِيُرِيْمُ اِنَّ اللّٰهَ يَبْشُرُكَ  
 بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۚ اَسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنْ  
 الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۳۵ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۶

اے مریم! تم اپنے رب کی عبادت میں لگی رہو، اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع  
 بھی کیا کرو۔ ﴿۳۳﴾ (اے پیغمبر!) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تمہیں دے  
 رہے ہیں۔ تم اُس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ یہ طے کرنے کے لئے اپنے قلم ڈال رہے  
 تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا، اور نہ اس وقت تم ان کے پاس تھے جب وہ (اس  
 مسئلے میں) ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے ﴿۳۴﴾ (وہ وقت بھی یاد کرو) جب فرشتوں  
 نے مریم سے کہا تھا کہ: ”اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ایک کلمے کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا  
 ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، جو دنیا اور آخرت دونوں میں صاحبِ وجاہت ہوگا، اور (اللہ  
 کے) مقرب بندوں میں سے ہوگا ﴿۳۵﴾ اور وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے بات کرے گا اور  
 بڑی عمر میں بھی، اور راست باز لوگوں میں سے ہوگا۔“ ﴿۳۶﴾

(۱۷) جیسا کہ اوپر آیت نمبر ۳ میں ذکر کیا گیا، حضرت مریم علیہا السلام کے والد کی وفات کے بعد ان کی  
 کفالت کے بارے میں اختلاف رائے پیدا ہوا تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا گیا۔ اس زمانے میں  
 قرعہ قلموں کے ذریعے ڈالا جاتا تھا اس لئے یہاں قلم ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ اوپر حاشیہ نمبر ۱۳ میں گزر چکی ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی واضح کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزے  
 کے طور پر اس وقت بات کرنے کی قدرت عطا فرمائی تھی جب وہ دودھ پیتے بچے تھے۔ اس کا ذکر سورہ مریم  
 (آیت نمبر ۲۹ تا ۳۳) میں آیا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَتَىٰ يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكَ اَللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۷﴾ وَيُعَلِّمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ اِنِّيْ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَابْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَانْبِئْكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۚ فَيُؤْيِتُكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۳۹﴾

مریم نے کہا: ”پروردگار! مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو جائے گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں؟“ اللہ نے فرمایا: ”اللہ اسی طرح جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ ”ہو جا“ بس وہ ہو جاتا ہے ﴿۳۷﴾ اور وہی (اللہ) اس کو (یعنی عیسیٰ ابن مریم کو) کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دے گا ﴿۳۸﴾ اور اسے بنی اسرائیل کے پاس رسول بنا کر بھیجے گا (جو لوگوں سے یہ کہے گا) کہ: ”میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں، (اور وہ نشانی یہ ہے) کہ میں تمہارے سامنے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں، اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں، اور تم لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں کھاتے یا ذخیرہ کر کے رکھتے ہو میں وہ سب بتا دیتا ہوں۔“ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو ان تمام باتوں میں تمہارے لئے (کافی) نشانی ہے ﴿۳۹﴾

(۲۰) یہ سب معجزے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی نبوت کے ثبوت کے طور پر عطا فرمائے تھے، اور آپ نے ان کا عملی مظاہرہ فرمایا۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَلَا حِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ  
وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝ (۵۰) إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ  
فَاعْبُدُوهُ ۖ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ (۵۱) فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ  
أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ۖ آمَنَّا بِاللَّهِ ۚ  
وَأَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ (۵۲) رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا  
مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ (۵۳)

اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لئے بھیجا گیا ہوں) تاکہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لئے حلال کر دوں۔<sup>(۲۱)</sup> اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ﴿۵۰﴾ بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یہی سیدھا راستہ ہے (کہ صرف اسی کی عبادت کرو) ﴿۵۱﴾ پھر جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ وہ کفر پر آمادہ ہیں، تو انہوں نے (اپنے پیروں سے) کہا: ”کون کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہوں؟“ حواریوں نے کہا: ”ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لا چکے ہیں، اور آپ گواہ رہئے کہ ہم فرماں بردار ہیں ﴿۵۲﴾ اے ہمارے رب! آپ نے جو کچھ نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے رسول کی اتباع کی ہے، لہذا ہمیں ان لوگوں میں لکھ لیجئے جو (حق کی) گواہی دینے والے ہیں۔“ ﴿۵۳﴾

(۲۱) بنی اسرائیل کے لئے موسوی شریعت میں بعض چیزیں حرام کی گئی تھیں، مثلاً اونٹ کا گوشت اور چربی، بعض پرندے اور مچھلیوں کی بعض اقسام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں انہیں جائز قرار دے دیا گیا۔  
(۲۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کو حواری کہا جاتا ہے۔

﴿۵۴﴾ وَمَكْرُؤًا مَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ مُّكْرِمٌ ۚ اِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قُوَّةً وَرَأْفَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاَجْعَلْ لِّلَّذِينَ اتَّبَعُوكَ قُوَّةً ۚ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ثُمَّ اِلٰى مَرْجِعِكُمْ فَاَحْكُم بَيْنَكُمْ فَيَمَّا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۵۵﴾

اور ان کافروں نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ (اس کی تدبیر اس وقت سامنے آئی) جب اللہ نے کہا تھا کہ: ”اے عیسیٰ! میں تمہیں صحیح نسلم واپس لے لوں گا،“ اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا، اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان (کی ایذا) سے تمہیں پاک کر دوں گا۔ اور جن لوگوں نے تمہاری اتباع کی ہے، ان کو قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے تمہارا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۵۵﴾

(۲۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالفین نے انہیں سولی پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور جو لوگ آپ کو گرفتار کرنے آئے تھے ان میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا، اور مخالفین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دھوکے میں اسے سولی پر چڑھا دیا۔ آیت کا جو ترجمہ یہاں کیا گیا ہے وہ عربی لفظ ”قوۃ“ کے لغوی معنی پر مبنی ہے، اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں یہی معنی مراد لئے ہیں۔ اس لفظ کی ایک اور تشریح بھی ممکن ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن ص: ۷۴ ج: ۲۔

(۲۴) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے (خواہ انہیں صحیح طور پر مانتے ہوں جیسے مسلمان، یا غلو کے ساتھ مانتے ہوں جیسے عیسائی) ان کے مخالفین پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے، البتہ صدیوں کی تاریخ میں اگر کچھ مختصر عرصے کے لئے جزوی طور پر کہیں ان کے مخالفین کا غلبہ ہو گیا ہو تو وہ اس کے منافی نہیں ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَعَذَابُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَشَدُّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ  
 نَاصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا  
 يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾ ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ  
 مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾  
 الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ  
 مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَ نَاوَأَبْنَاءَ كُمْ وَنِسَاءَ نَاوَأَبْنَاءَ كُمْ وَانْفُسَنَا  
 وَانْفُسَكُمْ ۖ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

چنانچہ جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کو تو میں دُنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں  
 گا، اور ان کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے ﴿۵۶﴾ البتہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور  
 انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو اللہ ان کا پورا پورا ثواب دے گا، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں  
 کرتا ﴿۵۷﴾ (اے پیغمبر!) یہ وہ آیتیں اور حکمت بھرا ذکر ہے جو ہم تمہیں پڑھ کر سنا رہے  
 ہیں ﴿۵۸﴾ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے؛ اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر ان سے  
 کہا: ”ہو جاؤ“ بس وہ ہو گئے ﴿۵۹﴾ حق وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، لہذا شک  
 کرنے والوں میں شامل نہ ہو جانا ﴿۶۰﴾ تمہارے پاس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا)  
 جو صحیح علم آگیا ہے اس کے بعد بھی جو لوگ اس معاملے میں تم سے بحث کریں تو ان سے کہہ دو کہ:  
 ”آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، اور ہم  
 اپنے لوگوں کو اور تم اپنے لوگوں کو، پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے گڑ گڑائیں، اور جو جھوٹے  
 ہوں ان پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔“ ﴿۶۱﴾

(۲۵) اس عمل کو مباہلہ کہا جاتا ہے۔ جب بحث کا کوئی فریق دلائل کو تسلیم کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی پر تل

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمِمَّنْ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ  
 الْحَكِيمُ ﴿٦١﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٢﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ  
 تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا  
 وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا  
 بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٣﴾

یقین جانو کہ واقعات کا سچا بیان یہی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور یقیناً اللہ ہی ہے جو  
 اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۶۲﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو اللہ مفسدوں کو  
 اچھی طرح جانتا ہے ﴿۶۳﴾ (مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! ایک ایسی  
 بات کی طرف آ جاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور  
 اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔“ پھر بھی  
 اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: ”گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔“ ﴿۶۴﴾

جائے تو آخری راستہ یہ ہے کہ اسے مباہلہ کی دعوت دی جائے جس میں دونوں فریق اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کریں  
 کہ ہم میں سے جو جھوٹا یا باطل پر ہو وہ ہلاک ہو جائے۔ جیسا کہ اس سورت کے شروع میں بیان ہوا ہے، شہر نجران  
 کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا، اس نے آپ سے حضرت عیسیٰ علیہ  
 السلام کی خدائی پر بحث کی جس کا اطمینان بخش جواب قرآن کریم کی طرف سے پچھلی آیتوں میں دے دیا گیا۔  
 جب وہ کھلے دلائل کے باوجود اپنی گمراہی پر اصرار کرتے رہے تو اس آیت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا  
 کہ وہ انہیں مباہلے کی دعوت دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعوت دی اور خود اس کے لئے تیار  
 ہو کر اپنے اہل بیت کو بھی جمع فرمایا، لیکن عیسائیوں کا وفد مباہلے سے فرار اختیار کر گیا۔

يَا هَلْ الْكِتَابَ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَآأَنْتُمْ هَآؤُلَآءِ حَآجُّتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی تھیں؛ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟ ﴿۶۵﴾ دیکھو! یہ تم ہی تو ہو جنہوں نے اُن معاملات میں اپنی سی بحث کر لی ہے جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا۔ اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں سرے سے کوئی علم ہی نہیں ہے؟ اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ﴿۶۶﴾ ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، بلکہ وہ تو سیدھے سیدھے مسلمان تھے، اور شرک کرنے والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے ﴿۶۷﴾

(۲۶) یہودی کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔ اوّل تو قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ دونوں مذہب تورات اور انجیل کے نزول کے بعد وجود میں آئے، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت پہلے گذر چکے تھے، لہذا یہ انتہائی احمقانہ بات ہے کہ انہیں یہودی یا عیسائی کہا جائے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے فرمایا کہ جب تمہارے وہ دلائل جو کسی نہ کسی صحیح حقیقت پر مبنی تھے، تمہارے دعوؤں کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بے بنیاد اور جاہلانہ بات کیسے تمہارے دعوے کو ثابت کر سکتی ہے؟ مثلاً تمہیں یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اور اس کی بنیاد پر تم نے ان کی خدائی کی دلیل پیش کر کے بحث کی، مگر کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا کسی کی خدائی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے، مگر ان کو تم بھی خدا یا خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ جب تمہاری وہ دلیلیں بھی کام نہ آسکیں جو اس صحیح واقعے پر مبنی تھیں تو یہ سراسر جاہلانہ بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی یا یہودی تھے، کیسے تمہارے لئے کارآمد ہو سکتی ہے؟

إِنَّ أَوَّلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ  
وَالْمُؤْمِنِينَ ۝۱۸ وَدَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا  
يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۱۹ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ  
وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۝۲۰ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْسِبُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ  
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۲۱ وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى  
الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاکْفُرُوا الْآخِرَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝۲۲

ابراہیم کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی  
(آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ ہیں جو (ان پر) ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ مومنوں کا  
کار ساز ہے ﴿۲۸﴾ (مسلمانو!) اہل کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو گمراہ کر دے،  
حالانکہ وہ اپنے سوا کسی اور کو گمراہ نہیں کر رہے، اگرچہ انہیں اس کا احساس نہیں ہے ﴿۲۹﴾ اے اہل  
کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود (ان کے من جانب اللہ ہونے کے) گواہ  
ہو؟ ﴿۳۰﴾ اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں گڈمڈ کرتے ہو اور کیوں جان بوجھ کر حق  
بات کو چھپاتے ہو؟ ﴿۳۱﴾ اہل کتاب کے ایک گروہ نے (ایک دوسرے سے) کہا ہے کہ: ”جو  
کلام مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے، اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آؤ، اور دن کے آخری  
حصے میں اس سے انکار کر دینا، شاید اس طرح مسلمان (بھی اپنے دین سے) پھر جائیں۔“ ﴿۳۲﴾

(۲۷) یہاں آیتوں سے مراد تورات اور انجیل کی وہ آیتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف  
آوری کی خبر دی گئی تھی، اور مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تم تورات اور انجیل کے من جانب اللہ ہونے کی گواہی  
دیتے ہو، اور دوسری طرف ان پیشینگوئیوں کے مصداق یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے  
ہو جو بالواسطہ ان آیتوں کا انکار ہے۔

(۲۸) بعض یہودیوں نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ اسکیم بنائی تھی کہ ان میں سے کچھ



وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا بِنُتْبِ دِينِكُمْ ۖ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ ۚ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ  
مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۖ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ ۚ يُؤْتِيهِ  
مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۳۱ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ ذُو  
الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝۳۲ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنُوا بِقِطَارِ يُودِّدَ إِلَيْكُمْ  
وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنُوا بِدِينَارِ يُؤْدِّدَ إِلَيْكُمْ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآبًا ۖ

مگر دل سے اُن لوگوں کے سوا کسی کی نہ ماننا جو تمہارے دین کے متبع ہیں۔ “آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہدایت تو وہی ہدایت ہے جو اللہ کی دی ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں تم اس ضد میں کر رہے ہو کہ کسی کو اُس جیسی چیز (یعنی نبوت اور آسمانی کتاب) کیوں مل گئی جیسی کبھی تمہیں دی گئی تھی یا یہ (مسلمان) تمہارے رب کے آگے تم پر غالب کیوں آ گئے!“ آپ کہہ دیجئے کہ فضیلت تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۷۳﴾ وہ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے خاص طور پر منتخب کر لیتا ہے، اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے ﴿۷۴﴾ اہل کتاب میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس دولت کا ایک ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھو تو وہ تمہیں واپس کر دیں گے، اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار کی امانت بھی ان کے پاس رکھو تو وہ تمہیں واپس نہیں دیں گے، الا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔

لوگ صبح کے وقت اسلام لانے کا اعلان کر دیں، اور پھر شام کو یہ کہہ کر اسلام سے پھر جائیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے جا کر دیکھ لیا، آپ وہ پیغمبر نہیں ہیں جن کی خبر تورات میں دی گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح کچھ مسلمان یہ سوچ کر اسلام سے برگشتہ ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ جو تورات کے عالم ہیں جب اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں تو ان کی بات میں ضرور وزن ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اَلَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاٰمِرِيْنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ  
 الْكِذْبُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاَتٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ  
 السّٰقِيْنَ ﴿٥٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاٰيٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا  
 خَلٰقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا  
 يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٥٧﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَّكَايِلُوْنَ اَلْسِنَتَهُم بِالْكِتٰبِ  
 لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ  
 مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكِذْبُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٨﴾

ان کا یہ طرز عمل اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ: ”اُمیوں (یعنی غیر یہودی عربوں) کے  
 ساتھ معاملہ کرنے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔“ اور (اس طرح) وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ  
 باندھتے ہیں ﴿۵۵﴾ بھلا پکڑ کیوں نہیں ہوگی؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور  
 گناہ سے بچے گا تو اللہ ایسے پر ہیز گاروں سے محبت کرتا ہے ﴿۵۶﴾ (اس کے برخلاف) جو لوگ  
 اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے  
 ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور قیامت کے دن نہ اللہ ان سے بات کرے گا، نہ انہیں  
 (رعایت کی نظر سے) دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا، انتہائی  
 دردناک! ﴿۵۷﴾ اور انہی میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے ہیں جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے  
 وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں تاکہ تم (ان کی مروڑ کر بنائی ہوئی) اس عبارت کو کتاب کا حصہ سمجھو،  
 حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتی۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عبارت) اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ  
 اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اور (اس طرح) وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں ﴿۵۸﴾

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا ۚ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۚ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝

یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے، اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ، کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو، اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے ﴿۷۹﴾ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا قرار دے دو۔ جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اس کے بعد وہ تمہیں کفر اختیار کرنے کا حکم دے گا؟ ﴿۸۰﴾ اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ: ”اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔“ اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا کہ: ”کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو؟“ انہوں نے کہا تھا: ”ہم اقرار کرتے ہیں۔“ اللہ نے کہا: ”تو پھر (ایک دوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں ﴿۸۱﴾“

(۲۹) یہ عیسائیوں کی تردید ہو رہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مان کر گویا یہ دعویٰ کرتے تھے کہ

فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۸۲﴾ أَفَعَيَّرْتُمُوهُمْ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۚ  
 أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾ قُلْ أَمَّا  
 بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ  
 وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ  
 مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ  
 مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۸۵﴾

اس کے بعد بھی جو لوگ (ہدایت سے) منہ موڑیں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔ ﴿۸۲﴾  
 اب کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں  
 جتنی مخلوقات ہیں ان سب نے اللہ ہی کے آگے گردن جھکا رکھی ہے، (کچھ نے) خوشی سے اور  
 (کچھ نے) ناچار ہو کر، اور اسی کی طرف وہ سب لوٹ کر جائیں گے ﴿۸۳﴾ کہہ دو کہ: ”ہم  
 ایمان لائے اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر اُتاری گئی اُس پر، اور اُس (ہدایت) پر جو ابراہیم،  
 اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور (ان کی) اولاد پر ان کے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی، اور ان  
 باتوں پر جو موسیٰ، عیسیٰ اور (دوسرے) پیغمبروں کو عطا کی گئیں۔ ہم ان (پیغمبروں) میں سے کسی کے  
 درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی (ایک اللہ) کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں۔“ ﴿۸۴﴾  
 کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا،  
 اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۸۵﴾

خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی ان کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہی حال ان بعض یہودی فرقوں کا تھا جو  
 حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔

(۳۰) مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات میں حکم اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے۔ اہل ایمان اللہ کے ہر حکم کو دل و جان سے

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَ  
جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٧﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ وَّهُمْ أَنَّ  
عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٨﴾ خُلِدُوا فِيهَا لَا يَخَفُونَ  
الْعَذَابَ وَلَا هُمْ يَنْتَظِرُونَ ﴿٨٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۖ فَإِنَّ  
اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا لَنْ  
تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩١﴾

اللہ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا؟ حالانکہ وہ گواہی  
دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے ہیں، اور ان کے پاس (اس کے) روشن دلائل بھی آچکے تھے۔ اللہ  
ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿۸۶﴾ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور  
تمام انسانوں کی پھٹکار ہے ﴿۸۷﴾ اسی (پھٹکار) میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کے لئے عذاب  
ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائیگی ﴿۸۸﴾ البتہ جو لوگ اس سب کے بعد بھی توبہ  
کر کے اپنی اصلاح کر لیں، تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۸۹﴾ (اس کے  
برخلاف) جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، ان کی  
توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی، <sup>(۳۱)</sup> ایسے لوگ راستے سے بالکل ہی بھٹک چکے ہیں ﴿۹۰﴾

بخوشی قبول کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے بھی نہ ہوں ان کو بھی چارونا چار اللہ کے ان فیصلوں کے آگے  
سر جھکانا پڑتا ہے جو وہ اس کائنات کے انتظام کے لئے کرتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ اگر کسی کو بیمار کرنے کا فیصلہ فرمالے  
تو کوئی اسے پسند کرے یا ناپسند، ہر حال میں وہ فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے، اور کوئی مؤمن ہو یا کافر، اسے فیصلے کے  
آگے سر جھکائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

(۳۱) یعنی جب تک وہ کفر سے توبہ کر کے ایمان نہیں لائیں گے، دوسرے گناہوں سے ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّءُ الْأَرْضِ  
ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَى بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَالَهُمْ مِنْ نُصْرِينَ ﴿٩١﴾ لَنْ  
تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٩٢﴾  
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِلْبَنِيِّ إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ  
قَبْلُ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ ۚ

جن لوگوں نے کفر اپنایا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان میں سے کسی سے پوری  
زمین بھر کر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے اس کی پیشکش ہی  
کیوں نہ کرے۔ ان کو تو دردناک عذاب ہو کر رہے گا، اور ان کو کسی قسم کے مددگار میسر نہیں  
آئیں گے ﴿۹۱﴾

تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کے لئے)  
خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو، اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿۹۲﴾ تورات  
کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں (جو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں) بنی اسرائیل  
کے لئے (بھی) حلال تھیں، سوائے اُس چیز کے جو اسرائیل (یعنی یعقوب علیہ السلام) نے اپنے  
اوپر حرام کر لی تھی۔

(۳۲) پیچھے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۷ میں یہ حکم گزرا ہے کہ صرف خراب اور رذی قسم کی چیزیں صدقے میں نہ  
دیا کرو، بلکہ اچھی چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔ اب اس آیت میں مزید آگے بڑھ کر یہ کہا جا رہا  
ہے کہ صرف یہی نہیں کہ اچھی چیزیں اللہ کی خوشنودی کے لئے دو، بلکہ جن چیزوں سے تمہیں زیادہ محبت ہے، ان  
کو اس راہ میں نکالو تا کہ صحیح معنی میں اللہ کے لئے قربانی کا مظاہرہ ہو سکے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ  
نے اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ چیزیں صدقہ کرنی شروع کر دیں جس کے بہت سے واقعات حدیث اور تفسیر کی  
کتابوں میں مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد دوم ص: ۱۰۷-۱۰۸۔

قُلْ قَاتُوا ابْنِ التَّوْرَةِ فَاتْلُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمِنْ اِفْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ  
الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاَتَّبِعُوْا مِلَّةَ  
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُسْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

وقف جبریل  
علیہ السلام

(اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو۔“ ﴿۹۳﴾ پھر ان باتوں کے (واضح ہونے کے) بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں، تو ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں ﴿۹۴﴾ آپ کہئے کہ اللہ نے سچ کہا ہے، لہذا تم ابراہیم کے دین کا اتباع کرو جو پوری طرح سیدھے راستے پر تھے، اور ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کی خدائی میں کسی کو شریک مانتے ہیں ﴿۹۵﴾

(۳۳) بعض یہودیوں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں، حالانکہ آپ اُونٹ کا گوشت کھاتے ہیں، جو تورات کی رو سے حرام ہے۔ ان آیات میں اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اُونٹ کا گوشت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں حرام نہیں تھا، بلکہ تورات نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کے لئے بھی وہ سب چیزیں حلال تھیں جو آج مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ البتہ ہوا یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُونٹ کا گوشت اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، جس کی وجہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بتائی ہے کہ ان کو عرق النساء کی بیماری تھی، اور انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر مجھے اس بیماری سے شفا ہوگئی تو میں اپنے کھانے کی سب سے پسندیدہ چیز چھوڑ دوں گا۔ انہیں اُونٹ کا گوشت سب سے زیادہ پسند تھا، اس لئے شفا حاصل ہونے پر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ (روح المعانی بحوالہ مستدرک حاکم بسند صحیح) اب قرآن کریم نے یہاں صریح الفاظ میں یہ بات نہیں بتائی کہ آیا اس کے بعد یہ گوشت بنی اسرائیل پر بھی حرام کر دیا گیا تھا یا نہیں، لیکن سورہ نساء (۱۶۰:۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر بہت سی اچھی چیزیں بھی حرام کر دی گئی تھیں۔ اور اسی سورت کی آیت نمبر ۵۰ میں گذر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ: ”اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لئے بھیجا گیا ہوں) تاکہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لئے حلال کر دوں۔“ نیز یہاں ”تورات نازل ہونے سے پہلے“ کے الفاظ بھی یہ بتا رہے ہیں کہ اُونٹ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾ فِيهِ  
 آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَبِاللَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ  
 الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ ۚ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٦٢﴾

حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ  
 میں واقع ہے (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے ہدایت کا  
 سامان ہے۔ ﴿۹۶﴾ اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوتا ہے  
 امن پا جاتا ہے۔ اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ  
 کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔ اور اگر کوئی انکار کرے تو اللہ دنیا جہان کے تمام لوگوں سے  
 بے نیاز ہے۔ ﴿۹۷﴾

کا گوشت شاید تورات نازل ہونے کے بعد ان پر حرام کر دیا گیا تھا۔ اب جو چیخ ان کو دیا گیا ہے کہ ”اگر تم سچے ہو تو  
 تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ تورات میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ اُونٹ کا  
 گوشت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلا آتا ہے۔ اس کے برعکس یہ حکم صرف بنی اسرائیل کو دیا گیا  
 تھا، چنانچہ اب بھی بائبل کی کتاب احبار میں جو یہودیوں اور عیسائیوں کی نظر میں تورات کا ایک حصہ ہے، اُونٹ کی  
 حرمت بنی اسرائیل ہی کے لئے بیان ہوئی ہے: ”تم بنی اسرائیل سے کہو کہ... تم ان جانوروں کو نہ کھانا، یعنی اُونٹ  
 کو... سو وہ تمہارے لئے ناپاک ہے۔“ (احبار ۱۱: ۴-۳) خلاصہ یہ کہ اُونٹ کا گوشت اصلاً حلال ہے، مگر حضرت  
 یعقوب علیہ السلام کے لئے ان کی نذر کی وجہ سے اور بنی اسرائیل کے لئے ان کی نافرمانیوں کی بنا پر حرام کیا گیا  
 تھا۔ اب اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا اصل حکم لوٹ آیا ہے۔

(۳۴) یہ یہودیوں کے ایک اور اعتراض کا جواب ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بنی اسرائیل کے تمام انبیائے کرام بیت  
 المقدس کو اپنا قبلہ قرار دیتے آئے ہیں، مسلمانوں نے اسے چھوڑ کر مکہ کے کعبہ کو کیوں قبلہ بنالیا۔ آیت نے  
 جواب یہ دیا ہے کہ کعبہ تو بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے وجود میں آچکا تھا، اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی  
 نشانی ہے۔ لہذا اسے پھر سے قبلہ اور مقدس عبادت گاہ بنانا ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔



قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَن أَمَرَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۖ وَاللَّهُ بِعَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ۖ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۖ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۰﴾

کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب کا گواہ ہے“ ﴿۹۸﴾ کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! اللہ کے راستے میں ٹیڑھ پیدا کرنے کی کوشش کر کے ایک مومن کے لئے اس میں کیوں رُکاوٹ ڈالتے ہو جبکہ تم خود حقیقت حال کے گواہ ہو؟ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔“ ﴿۹۹﴾

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لو گے تو وہ تمہارا ایمان لانے کے بعد تم کو دوبارہ کافر بنا کر چھوڑیں گے ﴿۱۰۰﴾ اور تم کیسے کفر اپناؤ گے جبکہ اللہ کی آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں اور اس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے؟ اور (اللہ کی سنت یہ ہے کہ) جو شخص اللہ کا سہارا مضبوطی سے تھام لے، وہ سیدھے راستے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ ﴿۱۰۱﴾

(۳۵) یہاں سے آیت نمبر ۱۰۸ تک کی آیات ایک خاص واقعے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ مدینہ منورہ میں دو قبیلے اوس اور خزرج کے نام سے آباد تھے۔ اسلام سے پہلے ان کے درمیان سخت دشمنی تھی، اور دونوں میں وقفہ وقفہ جنگیں ہوتی رہتی تھیں جو بعض اوقات سالہا سال جاری رہتی تھیں۔ جب ان قبیلوں کے لوگ مسلمان ہو گئے تو اسلام کی برکت سے ان کی یہ دشمنی ختم ہو گئی اور اسلام کے دامن میں آکر وہ شیر و شکر ہو کر رہنے لگے۔ بعض یہودیوں کو ان کا یہ اتحاد ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ایک مرتبہ دونوں قبیلوں کے لوگ ایک مجلس میں جمع تھے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾  
وَاغْتَصِبُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ  
أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ  
مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

اے ایمان والو! دل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے، اور خبردار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو ﴿۱۰۲﴾ اور اللہ کی رستی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے؛ اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہِ راست پر آ جاؤ ﴿۱۰۳﴾

ایک یہودی شام بن قیس نے ان کے پیار محبت کا یہ منظر دیکھا تو اس سے نہ رہا گیا، اور اس نے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ ایک شخص سے کہا کہ اس مجلس میں وہ اشعار سنا دو جو زمانہ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے شاعروں نے ایک لمبی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے۔ اس شخص نے وہ اشعار سنانے شروع کر دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان اشعار سے پرانی باتیں تازہ ہو گئیں، شروع میں دونوں قبیلوں کے لوگوں میں زبانی تکرار ہوئی، پھر بات بڑھ گئی اور آپس میں نئے سرے سے جنگ کی تاریخ اور وقت مقرر ہونے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ یہ سب شیطانی حرکت تھی۔ بالآخر آپ کے سمجھانے سے یہ فتنہ ختم ہوا۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہودیوں سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ اول تو تم کو خود ایمان لانا چاہئے، اور اگر خود اس سعادت سے محروم ہو تو کم از کم ان لوگوں کے راستے میں رکاوٹ تو نہ ڈالو جو ایمان لچکے ہیں۔ اس کے بعد بڑے مؤثر انداز میں مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے، اور آخر میں باہمی جھگڑوں سے بچنے کا علاج یہ بتایا ہے کہ اپنے آپ کو دین کی تبلیغ و دعوت میں مصروف کر لو تو اس سے اشاعتِ اسلام کے علاوہ کچھ جتنی بھی پیدا ہوگی۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْعُرْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ آيَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۶﴾

اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جس کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں، اور برائی سے روکیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۰۳﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آچکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے۔ ایسے لوگوں کو سخت سزا ہوگی ﴿۱۰۴﴾

اُس دن جب کچھ چہرے چمکتے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے! چنانچہ جن لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے اُن سے کہا جائے گا کہ: ”کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا؟“ ﴿۱۰۵﴾ لو پھر اب مزہ چکھو اس عذاب کا، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔“ ﴿۱۰۶﴾ دوسری طرف جن لوگوں کے چہرے چمکتے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں جگہ پائیں گے۔ وہ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۰۷﴾

(۳۶) اگر یہ یہودیوں کا ذکر ہے تو ایمان سے مراد ان کا تورات پر ایمان لانا ہے، اور اگر منافقین مراد ہیں تو ایمان کا مقصد ان کا زبانی اعلان ہے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو کسی بھی وقت اسلام سے مرتد ہو گئے تھے۔ پیچھے چونکہ مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خبردار اسلام کو چھوڑ نہ بیٹھنا، اس لئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ واقعہ مرتد ہو جائیں گے، ان کا آخرت میں کیا حال ہوگا۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوَهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ۝۸۸ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝۸۹ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْعُرْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ النَّكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۖ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّاهُمْ ۖ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ۝۹۰ لَن يَغْفِرُوكُمْ إِلَّا آدَمٰی ۖ وَإِن يُّقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصِرُونَ ۝۹۱ ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ أَيْنَ مَا شِئْتُمُوهَا إِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُ وَبَغَضٍ مِّنَ اللَّهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ۖ

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنارہے ہیں، اور اللہ دنیا جہان کے لوگوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا ﴿۱۰۸﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے ﴿۱۰۹﴾ (مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو مؤمن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے ﴿۱۱۰﴾ وہ تھوڑا بہت ستانے کے سوا تمہیں کوئی بڑا نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے بھی تو تمہیں پیٹھ دکھا جائیں گے، پھر انہیں کوئی مدد بھی نہیں پہنچے گی ﴿۱۱۱﴾ وہ جہاں کہیں پائے جائیں، ان پر ذلت کا ٹھپہ لگا دیا گیا ہے، الا یہ کہ اللہ کی طرف سے کوئی سبب پیدا ہو جائے یا انسانوں کی طرف سے کوئی ذریعہ نکل آئے جو ان کو سہارا دیدے؛ انجام کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں، اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاۡءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۱۱۲ لَيْسُوْا سَوَآءٌ ۚ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَابِلَةٌ يَّتَتَّبِعُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ اِنَّاۤ اَلَيْلٍ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝۱۱۳ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ ۝۱۱۴ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۵ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوْهُ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۱۱۶ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱۷

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ (نیز) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور ساری حدیں پھلانگ جایا کرتے تھے ﴿۱۱۲﴾ (لیکن) سارے اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ اہل کتاب ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو (راہ راست پر) قائم ہیں، جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور جو (اللہ کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ (۳۷) یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اچھائی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں کی طرف لپکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا شمار صالحین میں ہے ﴿۱۱۴﴾ وہ جو بھلائی بھی کریں گے، اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی، اور اللہ پر ہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۵﴾ (اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اللہ کے مقابلے میں نہ ان کے مال ان کے کچھ کام آئیں گے، نہ اولاد۔ وہ دوزخی لوگ ہیں؛ اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۱۶﴾

(۳۷) اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، مثلاً یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۖ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٤﴾  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٥﴾

جو کچھ یہ لوگ دُنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سخت سردی والی تیز ہوا ہو جو ان لوگوں کی کھیتی کو جا لگے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہو، اور وہ اس کھیتی کو برباد کر دے۔<sup>(۳۸)</sup> ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ ﴿۱۱۷﴾  
اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو راز دار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔<sup>(۳۹)</sup> ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتادی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔ ﴿۱۱۸﴾

(۳۸) کافر لوگ جو کچھ خیرات وغیرہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا صلہ انہیں دُنیا ہی میں دے دیتے ہیں، ان کے کفر کی وجہ سے اس کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ لہذا ان کے خیراتی اعمال کی مثال ایک کھیتی کی سی ہے، اور ان کے کفر کی مثال اس تیز آندھی کی ہے جس میں پالا بھی ہو اور وہ اچھی خاصی کھیتی کو برباد کر ڈالے۔

(۳۹) مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے جو قبیلے آباد تھے، زمانہ دراز سے یہودیوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات چلے آتے تھے۔ جب اوس اور خزرج کے لوگ مسلمان ہو گئے تو وہ ان یہودیوں کے ساتھ اپنی دوستی نبھاتے رہے، مگر یہودیوں کا حال یہ تھا کہ ظاہر میں تو وہ بھی دوستانہ انداز میں ملتے تھے اور ان میں سے کچھ لوگ

هَآأَنْتُمْ أَوْلَىٰ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۚ وَإِذَا الْقُتُوبُ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۖ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِنَّ تَسْسُكَكُمْ حَسَنَةً تَسُوهُمْ ۖ وَإِنْ تُصَبِّحُوا سِيئَةً يُفَرِّحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصَبِّحُوا وَتَكْفُرُوا لَا يَصْرُكُم كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۖ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

۱۱۹

دیکھو! تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو، مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، اور تم تو تمام (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (قرآن پر) ایمان لے آئے، اور جب تنہائی میں جاتے ہیں تو تمہارے خلاف غصے کے مارے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ ”اپنے غصے میں خود مر رہو۔ اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خوب جانتا ہے۔“ ﴿۱۱۹﴾ اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت کے) احاطے میں ہے ﴿۱۲۰﴾

یہ بھی ظاہر کرتے تھے کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے ہیں، لیکن ان کے دل میں مسلمانوں کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مسلمان ان کی دوستی پر بھروسہ کرتے ہوئے سادہ لوحی میں انہیں مسلمانوں کی کوئی راز کی بات بھی بتا دیتے تھے۔ اس آیت کریمہ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ ان پر بھروسہ نہ کریں اور انہیں رازدار بنانے سے مکمل پرہیز کریں۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۖ وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلَيْهِمُ ۚ إِذْ هَبْتَ طَائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۖ وَاللَّهُ وَلِيُهُمَا ۖ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ۝

(اے پیغمبر! جنگ اُحد کا وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو جنگ کے ٹھکانوں پر جمار ہے تھے، — اور اللہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے — ﴿۱۲۱﴾ جب تمہی میں کے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں، حالانکہ اللہ ان کا حامی و ناصر تھا، اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۲۲﴾

اللہ نے تو (جنگ) بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ لہذا (صرف) اللہ کا خوف دل میں رکھو، تاکہ تم شکر گزار بن سکو۔ ﴿۱۲۳﴾

(۴۰) جنگ اُحد میں تین ہزار کفار مکہ کا ایک لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقابلے کے لئے اُحد پہاڑ کے دامن میں تشریف لے گئے تھے جہاں یہ جنگ لڑی گئی۔ آنے والی آیات میں اس کے متعدد واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۴۱) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقابلے کے لئے مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار آدمی تھے، لیکن منافقین کا سردار عبد اللہ بن ابی راسے میں یہ کہہ کر اپنے تین سو آدمیوں سمیت واپس چلا گیا کہ ہماری رائے یہ تھی کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کیا جائے۔ ہماری رائے کے خلاف آپ باہر نکل آئے ہیں، اس لئے ہم جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ اس موقع پر سچے مسلمانوں کے دو قبیلے ہو حارثہ اور بنو سلمہ کے دل بھی ڈمگ گئے، اور ان کے دل میں بھی خیال آیا کہ تین ہزار کے مقابلے میں صرف سات سو افراد بہت تھوڑے ہیں، اور ایسے میں جنگ لڑنے کے بجائے الگ ہو جانا چاہئے، لیکن پھر اللہ نے مدد فرمائی، اور وہ جنگ میں شامل ہوئے۔ اس آیت میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔

(۴۲) جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی، اور ان کے پاس ستر اونٹ، دو گھوڑے اور صرف آٹھ تلواریں تھیں۔



اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُبَدِّلَكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلٰٓئِنۡ ۖ بَلٰٓءٌ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاۤتُوْكُمْ مِّنۡ فَوْرٍۭ اِهْمۡ هٰذَا يُبَدِّلُكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمٰٓئِنۡ ۝۱۲۵ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰٓى لَّكُمْ ۚ وَلِتَطْمَٔنۡ قُلُوْبُكُمْ بِهِ ۖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱۲۶ لِيَقْطَعَ طَرَقًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْۤا خَآٓئِرًا ۝۱۲۷

جب (بدر کی جنگ میں) تم مؤمنوں سے کہہ رہے تھے کہ: ”کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کو بھیج دے؟“ ﴿۱۲۴﴾ ہاں! بلکہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ لوگ اپنے اسی ریلے میں اچانک تم تک پہنچ جائیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دے گا جنہوں نے اپنی پہچان نمایاں کی ہوئی ہوگی۔“ ﴿۱۲۵﴾ اللہ نے یہ انتظام صرف اس لئے کیا تھا تا کہ تمہیں خوشخبری ملے، اور اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان نصیب ہو، ورنہ فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے، تمام تر حکمت کا بھی مالک ﴿۱۲۶﴾ (اور جنگ بدر میں یہ مدد اللہ نے اُس لئے کی) تاکہ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ان کا ایک حصہ کاٹ کر رکھ دے، یا ان کو ایسی ذلت آمیز شکست دے کہ وہ نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔ ﴿۱۲۷﴾

(۴۳) یہ سارا حوالہ جنگ بدر کا ہے۔ اس جنگ میں شروع میں تو تین ہزار فرشتوں کی بشارت دی گئی تھی، لیکن بعد میں صحابہ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ گرز بن جابر اپنا لشکر لے کر کفار مکہ کے ساتھ شامل ہونے کے لئے آرہا ہے۔ کفار کی تعداد پہلے ہی مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی، اب اس لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ اس موقع پر یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر گرز کا لشکر اچانک آگیا تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیجے جائیں گے۔ لیکن پھر گرز کا لشکر نہیں آیا، اس لئے پانچ ہزار فرشتے بھیجنے کی نوبت نہیں آئی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٨﴾  
 لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ  
 ۞ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا  
 مُّضَاعَفَةً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ  
 لِلْكَافِرِينَ ۚ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣١﴾ وَسَارِعُوا إِلَى  
 مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٢﴾

(اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں ﴿۱۲۸﴾ (\*) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۲۹﴾ اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو ﴿۱۳۰﴾ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۱﴾ اور اللہ اور رسول کی بات مانو، تاکہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے ﴿۱۳۲﴾ اور اپنے رب کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ جس کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں تمام آسمان اور زمین سما جائیں۔ وہ اُن پر ہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۳﴾

(\*) جنگِ احد کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے کہ ایسی قوم کیسے فلاح پائے گی جس کا نبی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہو اور وہ اس سے جنگ کرے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳۴) امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ جنگِ احد کے موقع پر مکہ کے مشرکین نے سود پر قرضے لے کر جنگ کی تیاری کی تھی، اس لئے کسی مسلمان کے دل میں بھی یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مسلمان بھی جنگ کی تیاری میں یہی طریقہ اختیار کریں۔ اس آیت نے انہیں خبردار کر دیا کہ سود پر قرض لینا حرام ہے۔ یہاں سود کو کئی گنا بڑھا کر کھانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کم شرح پر سود کی اجازت ہے، بلکہ اس وقت چونکہ

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظُمِينَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ  
 وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ  
 ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَنْ يَغْفِرَ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَلَمْ يُصِرُّوا  
 عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۴﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ وَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ مِمَّن رَّبِّهِمْ وَجَسَّ  
 تَجَرَّى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلِدَ فِيهَا ۖ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿۱۳۵﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ  
 قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳۶﴾  
 هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۷﴾

جو خوشحالی میں بھی اور بدحالی میں بھی (اللہ کے لئے) مال خرچ کرتے ہیں، اور جو غصے کو پی جانے  
 اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔ اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۳۳﴾ اور یہ  
 وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر  
 گذرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں  
 — اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ — اور یہ اپنے کئے پر جانتے بوجھتے اصرار  
 نہیں کرتے ﴿۱۳۴﴾ یہ ہیں وہ لوگ جن کا صلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے، اور وہ  
 باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہوں گے، جن میں انہیں دائمی زندگی حاصل ہوگی۔ کتنا بہترین  
 بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کو ملنا ہے! ﴿۱۳۵﴾

تم سے پہلے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں۔ اب تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جنہوں نے  
 (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا ان کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۱۳۶﴾ یہ تمام لوگوں کے لئے واضح اعلان ہے اور  
 پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت! ﴿۱۳۷﴾

سودی قرضوں میں بکثرت یہی ہوتا تھا کہ سود اصل سے کئی گنا بڑھ جاتا تھا اس لئے ایک واقعے کے طور پر یہ  
 بات بیان کی گئی ہے، ورنہ سورہ بقرہ (آیت ۲۷۷ اور ۲۷۸) میں صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ اصل قرض  
 پر جتنی بھی زیادتی ہو وہ سود میں داخل اور حرام ہے۔

## وَلَا تَهْنُؤُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

(مسلمانو!) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو۔ اگر تم واقعی مؤمن رہو تو تم ہی سر بلند ہو گے۔ ﴿۱۳۹﴾

(۲۵) جنگ احد کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ شروع میں مسلمان کا فر حملہ آوروں پر غالب آ گئے، اور کفار کا لشکر پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے پچاس تیر انداز صحابہ کا ایک دستہ میدان جنگ کے ایک عقبی ٹیلے پر متعین فرمایا تھا، تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ جب دشمن پسپا ہوا اور میدان جنگ خالی ہو گیا تو صحابہ نے اس کا چھوڑا ہوا ساز و سامان مالی غنیمت کے طور پر اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ تیر اندازوں کے اس دستے نے جب یہ دیکھا کہ دشمن بھاگ چکا ہے تو انہوں نے سمجھا کہ اب ہماری ذمہ داری پوری ہو چکی ہے اور ہمیں بھی مالی غنیمت جمع کرنے میں حصہ لینا چاہئے۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے ٹیلہ چھوڑنے کی مخالفت کی، اور اپنے ساتھیوں کو یاد دلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر حال میں یہاں جمے رہنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر ان میں سے اکثر نے وہاں ٹھہرنے کو بے مقصد سمجھ کر ٹیلہ چھوڑ دیا۔ دشمن نے جب دور سے دیکھا کہ ٹیلہ خالی ہو گیا ہے اور مسلمان مالی غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں تو انہوں نے موقع پا کر ٹیلے پر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے اپنی بساط کے مطابق ڈٹ کر مقابلہ کیا، مگر وہ سب شہید ہو گئے، اور دشمن اس ٹیلے سے اتر کر ان بے خبر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گیا جو مالی غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے۔ یہ حملہ اس قدر غیر متوقع اور ناگہانی تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ اسی دوران کسی نے یہ افواہ اڑادی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس افواہ سے بہت سے مسلمانوں کے حوصلے جواب دے گئے۔ ان میں سے بعض میدان چھوڑ گئے، بعض جنگ سے کنارہ کش ہو کر ایک طرف کھڑے رہ گئے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کی ایک جماعت آپ کے ارد گرد ڈٹ کر مقابلہ کرتی رہی، کفار کا زغہ اتنا سخت تھا کہ اس کشمکش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دانت شہید ہو گیا، اور چہرہ مبارک لہو لہان ہو گیا۔ بعد میں جب صحابہ کو پتہ چلا کہ آپ کی شہادت کی خبر غلط تھی اور ان کے حواس بجا ہوئے تو ان میں سے بیشتر میدان میں لوٹ آئے، اور پھر کفار کو بھاگنا پڑا، لیکن اس درمیانی عرصے میں ستر صحابہ کرام شہید ہو چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس واقعے سے تمام مسلمانوں کو شدید صدمہ ہوا۔ قرآن کریم ان آیتوں میں انہیں تسلی بھی دے رہا ہے کہ یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جن سے مایوس اور دل شکستہ نہ ہونا چاہئے، اور اس طرف بھی متوجہ کر رہا ہے کہ یہ شکست کچھ غلطیوں کا نتیجہ تھی جن سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔

إِنْ يَسْأَلُكُمْ قَوْمٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۖ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا  
 بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا  
 يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝۱۴۱ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ ۝۱۴۲ أَمْ  
 حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ  
 الصّٰدِقِينَ ۝۱۴۳ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَآيْتُمُوهُ  
 وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۱۴۴

۱۴۴  
۵

اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے۔ یہ تو آتے جاتے دن  
 ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو  
 جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۴۰﴾ اور  
 مقصد یہ (بھی) تھا کہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے اور کافروں کو ملیا میٹ  
 کر ڈالے ﴿۱۴۱﴾ بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ  
 نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت  
 قدم رہنے والے ہیں ﴿۱۴۲﴾ اور تم تو خود موت کا سامنا کرنے سے پہلے (شہادت کی) موت کی  
 تمنا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اب تم نے کھلی آنکھوں اسے دیکھ لیا ہے ﴿۱۴۳﴾

(۴۶) جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں کفار مکہ کے ستر سردار مارے گئے تھے اور ستر قید کئے گئے تھے۔

(۴۷) جو لوگ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ شہدائے بدر کی فضیلت سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش  
 ہمیں بھی شہادت کا رتبہ نصیب ہو۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَأَبْرَأُ مِنَ مَاتَ أَوْ قُتِلَ  
 انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَصُرَ اللَّهُ شَيْئًا ۚ وَ  
 سَيَجْزِي اللَّهُ الشَّكْرِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ كَتَبَ  
 مُوَجَّلًا ۚ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ  
 مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشَّكْرِينَ ۝ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيِّ قُتِلَ ۖ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ ۚ  
 فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۚ وَاللَّهُ  
 يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں؛ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ بھلا  
 اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اُلٹے  
 پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شکر گزار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب  
 دے گا ﴿۱۴۴﴾ اور یہ کسی بھی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ اسے اللہ کے حکم کے بغیر موت  
 آجائے، جس کا ایک معین وقت پر آنا لکھا ہوا ہے۔ اور جو شخص دُنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے اس کا  
 حصہ دے دیں گے، اور جو آخرت کا ثواب چاہے گا ہم اسے اس کا حصہ عطا کر دیں گے، اور جو لوگ  
 شکر گزار ہیں ان کو ہم جلد ہی ان کا اجر عطا کریں گے ﴿۱۴۵﴾

اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی! نتیجتاً انہیں اللہ کے  
 راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں  
 نے اپنے آپ کو جھکایا۔ اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۴۶﴾

(۴۸) اس سے اشارہ مالِ غنیمت کی طرف ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف مالِ غنیمت حاصل



وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِأِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَزَّعْتُمْ  
 فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرْسَلَكُمْ مَاتُحِبُّونَ ۖ مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا  
 مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ  
 ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾ إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَكُونُ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ  
 يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ فَأَتَابَكُمْ عُنَايَةً لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا  
 أَصَابَكُمْ ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٢﴾

اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے،  
 یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے  
 تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا <sup>(۴۹)</sup> — تم میں سے کچھ لوگ وہ  
 تھے جو دنیا چاہتے تھے، اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے — پھر اللہ نے ان سے تمہارا رخ پھیر  
 دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ اب وہ تمہیں معاف کر چکا ہے، اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا  
 ہے ﴿۱۵۲﴾ (وہ وقت یاد کرو) جب تم منہ اٹھائے چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے،  
 اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے، چنانچہ اللہ نے تمہیں (رسول کو) غم (دینے) کے  
 بدلے (شکست کا) غم دیا، تاکہ آئندہ تم زیادہ صدمہ نہ کیا کرو، نہ اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے  
 جاتی رہے، اور نہ کسی اور مصیبت پر جو تمہیں پہنچ جائے۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح  
 باخبر ہے ﴿۱۵۳﴾

(۴۹) ”پسندیدہ چیز“ سے یہاں مراد مال غنیمت ہے جسے دیکھ کر عقبی ٹیلے کے اکثر حضرات اپنے امیر کے حکم کے  
 خلاف ٹیلہ چھوڑ گئے تھے۔

(۵۰) یعنی اس قسم کے واقعات سے تمہارے اندر پختگی آئے گی، اور آئندہ جب کوئی تکلیف پیش آئے گی اس پر  
 زیادہ پریشان اور مغموں رہنے کے بجائے تم صبر اور استقامت سے کام لو گے۔



ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَاتَلْنَا هَهُنَا ۖ قُلْ لَّو كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانیت نازل کی، ایک اُونگھ جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی! اور ایک گروہ وہ تھا جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے بارے میں ناحق ایسے گمان کر رہے تھے جو جہالت کے خیالات تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ”کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟“ کہہ دو کہ: ”اختیار تو تمام تر اللہ کا ہے۔“ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔<sup>(۵۱)</sup> کہتے ہیں کہ: ”اگر ہمیں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔“ کہہ دو کہ: ”اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن کا قتل ہونا مقدر میں لکھا جا چکا تھا وہ خود باہر نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ جاتے۔

(۵۱) جنگِ اُحد میں جو غیر متوقع شکست ہوئی، اس پر صحابہِ صدے سے مغلوب ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے جانے کے بعد بہت سے صحابہ پر اُونگھ مسلط فرمادی جس سے غم غلط ہو گیا۔

(۵۲) یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ جو کہہ رہے تھے کہ ”کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟“ اس کا ظاہری مطلب تو یہ تھا کہ اللہ کی تقدیر کے آگے کسی کا اختیار نہیں چلتا، اور یہ بات صحیح تھی، لیکن ان کا اصل مقصد وہ تھا جو آگے قرآن کریم نے دہرایا ہے، یعنی یہ کہ اگر ہماری بات مانی جاتی اور باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر دفاع کیا جاتا تو اتنے سارے آدمیوں کے قتل کی نوبت نہ آتی۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُخَصَّ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ  
 الصُّدُورِ ﴿۱۵۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ  
 الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۵۵﴾  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا الْإِحْوَانُ هُمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي  
 الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ  
 حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۵۶﴾

اور یہ سب اس لئے ہوا تا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے، اور جو کچھ تمہارے  
 دلوں میں ہے اس کا میل کچیل دُور کر دے۔ اللہ دلوں کے بھید کو خوب جانتا ہے ﴿۱۵۴﴾ تم میں  
 سے جن لوگوں نے اُس دن پیٹھ پھیری جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے، درحقیقت ان  
 کے بعض اعمال کے نتیجے میں شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور یقین رکھو کہ اللہ نے  
 انہیں معاف کر دیا ہے۔ یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۱۵۵﴾

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، اور جب ان کے بھائی  
 کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں یا جنگ میں شامل ہوتے ہیں تو یہ اُن کے بارے میں کہتے ہیں کہ:  
 ”اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے، اور نہ مارے جاتے۔“ (ان کی اس بات کا) نتیجہ تو  
 (صرف) یہ ہے کہ اللہ ایسی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت کا سبب بنا دیتا ہے، (ورنہ) زندگی اور  
 موت تو اللہ دیتا ہے۔ اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے ﴿۱۵۶﴾

(۱۵۳) اشارہ اس طرف ہے کہ اس طرح کے مصائب سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور باطنی بیماریاں دُور  
 ہوتی ہیں۔

(۱۵۴) یعنی جنگ سے پہلے ان سے کچھ ایسے قصور ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر شیطان کو حوصلہ ہوا اور اس نے انہیں  
 بہکا کر مزید غلطی میں مبتلا کر دیا۔

وَلِئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَغَفْرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٤﴾ وَلِئِنْ مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿٥٥﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٦﴾ إِنَّ يَصْرُكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمِن ذَا الَّذِي يَصْرُكُمْ مِّن بَعْدِهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ

اور اگر تم اللہ کے راستے میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ، تب بھی اللہ کی طرف سے ملنے والی مغفرت اور رحمت اُن چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں ﴿۱۵۷﴾ اور اگر تم مر جاؤ یا قتل ہو جاؤ تو اللہ ہی کے پاس تو لے جا کر اکٹھے کئے جاؤ گے! ﴿۱۵۸﴾ ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر!) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ لہذا ان کو معاف کر دو، ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو، اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۵۹﴾ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہیں تنہا چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور مؤمنوں کو چاہئے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ﴿۱۶۰﴾ اور کسی نبی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے،<sup>(۵۵)</sup>

(۵۵) شاید اس بات کو یہاں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لئے اتنی جلدی کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ جو مال بھی حاصل ہوتا، خواہ وہ کسی نے جمع کیا ہو، بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اسے شرعی قاعدے سے انصاف کے ساتھ تقسیم فرماتے، اور ہر شخص کو اس کا حصہ مل جاتا، کیونکہ کوئی نبی مال غنیمت میں خیانت نہیں کر سکتا۔

وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِأَعْلَىٰ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٣١﴾ أَفَمِنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَسِبَ بَاءً يَسْخَطُ مِنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٣٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ بِبَصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٤﴾ أَوَلَمْ آصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا ۚ قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنفُسِكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٥﴾

اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کر کے لی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۶۱﴾ بھلا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف سے ناراضی لے کر لوٹا ہو، اور جس کا ٹھکانا جہنم ہو؟ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے! ﴿۱۶۲﴾ اللہ کے نزدیک ان لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھتا ہے ﴿۱۶۳﴾

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ﴿۱۶۴﴾ جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دُگنی تم (دُشمن کو) پہنچا چکے تھے تو کیا تم ایسے موقع پر یہ کہتے ہو کہ ”یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟“ کہہ دو کہ ”یہ خود تمہاری طرف سے آئی ہے۔“ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۶۵﴾

(۵۶) اشارہ جنگ بدر کی طرف ہے جس میں کفار قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور ستر گرفتار ہوئے تھے،

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّتِ الْجُوعِ فَيَا ذُنَ اللّٰهَ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ  
الَّذِينَ نَافَقُوا ۖ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوَادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ  
نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعُنْكُمُ ۖ هُمْ لِلْكَفَرِ يَوْمَئِذٍ اقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيْمَانِ يَقُولُونَ  
بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۖ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝

اور تمہیں جو مصیبت اُس دن پہنچی جب دونوں لشکر ٹکرائے تھے، وہ اللہ کے حکم سے پہنچی، تاکہ وہ  
مؤمنوں کو بھی پرکھ کر دیکھ لے ﴿۱۶۶﴾ اور منافقین کو بھی دیکھ لے۔ اور ان (منافقوں) سے کہا گیا تھا  
کہ ”آؤ اللہ کے راستے میں جنگ کرو یا دفاع کرو“ تو انہوں نے کہا تھا کہ: ”اگر ہم دیکھتے کہ (جنگ  
کی طرح) جنگ ہوگی تو ہم ضرور آپ کے پیچھے چلتے۔“ اُس دن (جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے) وہ  
ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں  
نہیں ہوتی۔ ﴿۱۶۷﴾ اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے ﴿۱۶۷﴾

جبکہ جنگ اُحد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ستر ضرورتھی مگر کوئی مسلمان گرفتار نہیں ہوا تھا۔ اس لحاظ  
سے بدر میں مسلمانوں نے کفار کو جو نقصان پہنچایا تھا وہ اس نقصان سے دگنا تھا جو کافروں نے اُحد میں مسلمانوں  
کو پہنچایا۔

(۵۷) ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور اس میں شریک ہوتے، لیکن یہاں تو  
مسلمانوں کا دشمن سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ دشمن کی تعداد تین گنے سے بھی زیادہ ہے، لہذا یہ جنگ نہیں، خودکشی  
ہے، اس میں ہم شامل نہیں ہو سکتے۔

(۵۸) یعنی زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ اگر برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور شامل ہوتے، لیکن یہ صرف ایک بہانہ  
ہے، درحقیقت ان کے دل میں یہ ہے کہ برابر کی جنگ میں بھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دینا۔

الَّذِينَ قَالُوا إِلَّا خَوَانِهِمْ وَقَعْدُوا أَلَا طَاعُونَا مَا قَتَلُوا قُلْ فَادْرَأُوهُ عَنِ  
 أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٧٨﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ  
 اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿٧٩﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ  
 فَضْلِهِ ۚ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ  
 لَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٨٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلٍ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ  
 أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمْ  
 مِنَ الْقَرْمِ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٨٢﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے (شہید) بھائیوں کے بارے میں بیٹھے بیٹھے یہ باتیں بناتے ہیں کہ اگر وہ  
 ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کہ: ”اگر تم سچے ہو تو خود اپنے آپ ہی سے موت کو ٹال  
 دینا“ ﴿۱۶۸﴾ اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا،  
 بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے ﴿۱۶۹﴾ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو  
 کچھ دیا ہے، وہ اس پر مگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل  
 نہیں ہوئے، اُن کے بارے میں اس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے  
 تو) نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۷۰﴾ وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی  
 مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مؤمنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿۱۷۱﴾ وہ لوگ جنہوں نے زخم  
 کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں  
 کے لئے زبردست اجر ہے ﴿۱۷۲﴾

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَعَلُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فزادهم إيماناً ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٤٣﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ دِيَارِهِمْ فَأَتَىٰ خِثْيَاءَ الْأُتَىٰ ۚ ﴿١٤٤﴾ وَإِذْ يُوحِي بِلَيْلِ الْفِتْنَةِ إِلَىٰ رَسُولِهِ ۖ وَأَهُلُ الْأَرْحَامِ فَقَالُوا اتَّبِعُوا آلَ أَبِي سَفْوَانَ ۚ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٤٥﴾ إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۖ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ ۚ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤٦﴾

وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ”یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لئے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا۔ تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اُٹھے کہ: ”ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“ ﴿۱۴۳﴾ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی، اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے ﴿۱۴۴﴾ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہذا اگر تم مؤمن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو ﴿۱۴۵﴾

(۵۹) جب کفار مکہ اُحد کی جنگ سے واپس چلے گئے تو راستے میں انہیں پچھتاوا ہوا کہ ہم جنگ میں غالب آجانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس آ گئے، اگر ہم کچھ اور زور لگاتے تو تمام مسلمانوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ اس خیال کی وجہ سے انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید ان کے ارادے سے باخبر ہو کر یا اُحد کے نقصان کی تلافی کے لئے جنگ اُحد کے اگلے دن سویرے صحابہ میں یہ اعلان فرمایا کہ ہم دشمن کے تعاقب میں جائیں گے، اور جو لوگ جنگ اُحد میں شریک تھے صرف وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ صحابہ کرام اگرچہ اُحد کے واقعات سے زخم خوردہ تھے، اور تھکے ہوئے بھی تھے، مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر لبیک کہا جس کی تعریف اس آیت میں کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر حمراء الأسد کے مقام پر پہنچے تو وہاں قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص معبد آپ سے ملا جو کافر ہونے کے باوجود آپ سے ہمدردی رکھتا تھا، اس نے مسلمانوں کے حوصلے کا خود مشاہدہ کیا اور جب وہاں سے نکلا تو اس کی ملاقات کفار مکہ کے سردار ابوسفیان سے ہو گئی، اس نے ابوسفیان کو مسلمانوں کے

وَلَا يَحْزَنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنُيْضِرُّوَاللَّهَ شَيْئًا ۚ يُرِيدُ اللَّهُ  
 أَنِّيَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوْا  
 الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنُيْضِرُّوَاللَّهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّنَا نَسْتَمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لَّا نَفْسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نَسْتَمْلِي لَهُمْ لِيُزَادُوا إِرْشَاءً  
 وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٤٨﴾

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھا رہے ہیں، وہ تمہیں صدمے  
 میں نہ ڈالیں۔ یقین رکھو وہ اللہ کا ذرا بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا  
 کوئی حصہ نہ رکھے، اور ان کے لئے زبردست عذاب (تیار) ہے ﴿۱۷۶﴾ جن لوگوں نے ایمان  
 کے بدلے کفر کو مول لے لیا ہے وہ اللہ کو ہرگز ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور ان کے لئے ایک  
 دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے ﴿۱۷۷﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم  
 انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو انہیں  
 صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور آگے بڑھ جائیں، اور (آخر کار) ان کے  
 لئے ایسا عذاب ہوگا جو انہیں ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۱۷۸﴾

لشکر اور اس کے حوصلوں کے بارے میں بتایا اور مشورہ دیا کہ وہ لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس  
 چلا جائے۔ اس سے کفار پر رعب طاری ہوا اور وہ واپس تو چلے گئے لیکن عبدالقیس کے ایک قافلے سے جو مدینہ  
 منورہ جا رہا تھا یہ کہہ گئے کہ جب راستے میں ان کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو ان سے یہ کہیں  
 کہ ابوسفیان بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔  
 مقصد یہ تھا کہ اس خبر سے مسلمانوں پر رعب پڑے۔ چنانچہ یہ لوگ جب حمراء الاسد پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے ملے تو یہی بات کہی، لیکن صحابہ کرام نے اس سے مرعوب ہونے کے بجائے وہ جملہ کہا جو اس آیت میں  
 تعریف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔



مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ فَأَمُونُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تُمْئِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٤٩﴾

اللہ ایسا نہیں کر سکتا کہ مومنوں کو اُس حالت پر چھوڑے رکھے جس پر تم لوگ اس وقت ہو، جب تک وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے۔ اور (دوسری طرف) وہ ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ تم کو (براہ راست) غیب کی باتیں بتا دے۔ ہاں! وہ (جتنا بتانا مناسب سمجھتا ہے اس کے لئے) اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔<sup>(۶۰)</sup> لہذا تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اور اگر ایمان رکھو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو زبردست ثواب کے مستحق ہو گے۔ ﴿۱۴۹﴾

(۶۰) آیت ۱۴۶ سے ۱۴۸ تک اس شے کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں تو انہیں دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی کیوں حاصل ہے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آخرت میں تو کوئی حصہ ملنا نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں ڈھیل دیئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے یہ مزید گناہوں میں ملوث ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے جب یہ اکٹھے عذاب میں دھر لئے جائیں گے۔ آیت ۱۴۹ میں اس کے مقابل اس شے کا جواب ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، اس کے باوجود ان پر مصیبتیں کیوں آرہی ہیں؟ اس کا ایک جواب اس آیت میں یہ دیا گیا ہے کہ یہ آزمائشیں مسلمانوں پر اس لئے آرہی ہیں تاکہ مسلمانوں پر واضح ہو جائے کہ ایمان کے دعوے میں کون کھرا ہے اور کون کھوٹا؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس وضاحت کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا، اور مشکلات ہی کے وقت یہ پتہ چلتا ہے کہ کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون پھسل جاتا ہے؟ اس پر یہ سوال ہو سکتا تھا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشکل میں ڈالے بغیر کیوں نہیں بتا دیتا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں ہر ایک شخص کو نہیں بتاتا، بلکہ جتنی باتیں چاہتا ہے اپنے پیغمبر کو بتا دیتا ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان منافقین کی بد عملی آنکھوں سے دیکھ کر ان کے بارے میں رائے قائم کریں، اس لئے یہ آزمائشیں پیش آرہی ہیں۔ آزمائشوں کی مزید حکمت آگے آیات ۱۸۵ اور ۱۸۶ میں بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنشَأَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۗ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ (۱۸۰) لَقَدْ سَبَّحَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۚ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ (۱۸۱)

اور جو لوگ اس (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے۔ اس کے برعکس یہ ان کے حق میں بہت بری بات ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہوگا، قیامت کے دن وہ ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ اور سارے آسمان اور زمین کی میراث صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۸۰﴾

اللہ نے اُن لوگوں کی بات سن لی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ”اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں“۔ ”ہم اُن کی یہ بات بھی (ان کے اعمال نامے میں) لکھے لیتے ہیں، اور انہوں نے انبیاء کو جو ناحق قتل کیا ہے، اس کو بھی، اور (پھر) کہیں گے کہ: ”وہ بکئی آگ کا مزہ چکھو“ ﴿۱۸۱﴾

(۶۱) وہ بخل جسے حرام قرار دیا گیا ہے یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کا حکم دیں، انسان وہاں خرچ نہ کرے، مثلاً زکوٰۃ نہ دے۔ ایسی صورت میں جو مال انسان بچا کر رکھے گا، قیامت کے دن وہ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ حدیث میں اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ ایسا مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں منتقل کر کے اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا جو اس کی باچھیں پکڑ کر کہے گا کہ: ”میں ہوں تیرا مال! میں ہوں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ!“۔

(۶۲) جب زکوٰۃ وغیرہ کے احکام آئے تو بعض یہودیوں نے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے اس قسم کے گستاخانہ جملے کہے تھے۔ ظاہر ہے کہ عقیدہ تو ان کا بھی یہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ فقیر ہے، لیکن انہوں نے زکوٰۃ کے حکم کا مذاق اس طرح اڑایا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ جملے کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ اس پر عذاب کی وعید سنائی۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعٰبِدِیْنَ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا  
اِنَّ اللّٰهَ عٰهَدَ اِلَیْنَا اَلَا نُوْمِنُ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِنَا بِقُرْبٰنٍ تَاْكُلُهٗ النَّاٰرُ  
قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَاِلٰی ذٰلِکُمۡ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ  
كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۳﴾

یہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کا نتیجہ ہے جو تم نے آگے بھیج رکھا تھا، ورنہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ﴿۱۸۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ”اللہ نے ہم سے یہ وعدہ لیا ہے کہ کسی پیغمبر پر اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے آگ کھا جائے۔“ تم کہو کہ: ”مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے پیغمبر کھلی نشانیاں بھی لے کر آئے اور وہ چیز بھی جس کے بارے میں تم نے (مجھ سے) کہا ہے۔ پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم واقعی سچے ہو؟“ ﴿۱۸۳﴾

(۶۳) پچھلے انبیائے کرام کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کوئی جانور قربان کرتا تو اس کو کھانا حلال نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ جانور ذبح کر کے کسی میدان میں یا ٹیلے پر رکھ دیتا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ قربانی قبول فرماتے تو آسمان سے ایک آگ آ کر اس قربانی کو کھا لیتی تھی۔ اس کو سختی قربانی کہا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ طریقہ ختم کر دیا گیا اور قربانی کا گوشت انسانوں کے لئے حلال کر دیا گیا۔ یہودیوں نے کہا تھا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قربانی لے کر نہیں آئے اس لئے ہم ان پر ایمان نہیں لاتے۔ چونکہ یہ محض وقت گزاری کا ایک بہانہ تھا اور حقیقت میں ایمان لانا پیش نظر نہیں تھا اس لئے انہیں یاد دلایا گیا کہ ماضی میں ایسے نشانات تمہارے سامنے آئے تب بھی تم ایمان لانے کے بجائے انبیائے کرام کو قتل کرتے رہے ہو۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوكَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ  
 الْمُنِيرِ ﴿۱۸۳﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۚ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ فَمَن  
 زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ  
 الْغُرُورِ ﴿۱۸۴﴾ لَتَبْلُوكُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۖ وَلَتَسْعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
 مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۖ وَإِنْ تَصَدِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ  
 مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۸۵﴾ وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ  
 لِلنَّاسِ وَلَا تَكْفُرُونَهُ ۚ

(اے پیغمبر!) اگر پھر بھی یہ لوگ تمہیں جھٹلائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے بھی بہت سے اُن  
 رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے جو کھلی کھلی نشانیاں بھی لائے تھے، لکھے ہوئے صحیفے بھی اور ایسی کتاب بھی  
 جو (حق کو) روشن کھوینے والی تھی ﴿۱۸۳﴾ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو  
 (تمہارے اعمال کے) پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے۔ پھر جس کسی کو دوزخ  
 سے دُور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ صحیح معنی میں کامیاب ہو گیا، اور یہ دُنیوی زندگی تو  
 (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ﴿۱۸۴﴾ (مسلمانو!) تمہیں اپنے  
 مال و دولت اور جانوں کے معاملے میں (اور) آزمایا جائے گا، اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں  
 سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ سے کام لیا تو یقیناً یہی کام بڑی  
 ہمت کے ہیں (جو تمہیں اختیار کرنے ہیں) ﴿۱۸۵﴾ اور (ان لوگوں کو وہ وقت نہ بھولنا چاہئے)  
 جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ: ”تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور کھول کھول  
 کر بیان کرو گے، اور اس کو چھپاؤ گے نہیں“

فَبَذَلُوهُ وَرَأَىٰ ظُهُورَهُمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُجِبُونَ أَنَّ يُحْمَدُوا بِهِ لَا يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْاِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قَلِيلًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

پھر انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی۔ اس طرح کتنی بری ہے وہ چیز جو یہ مول لے رہے ہیں! ﴿۱۸۷﴾ یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کئے پر بڑے خوش ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف ان کاموں پر بھی کی جائے جو انہوں نے کئے ہی نہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے لئے دردناک سزا (تیار) ہے ﴿۱۸۸﴾ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت صرف اللہ کی ہے، اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے ﴿۱۸۹﴾ بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں اُن عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں ﴿۱۹۰﴾ جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں، (اور انہیں دیکھ کر بول اُٹھتے ہیں کہ) ”اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آپ (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں۔ پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے ﴿۱۹۱﴾“

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخُلِ الثَّارَ فَقَدْ آخُزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا  
 إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا  
 ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۖ رَبَّنَا وَاتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى  
 رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْوَعْدَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ  
 رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرُوا أَنِّي بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۖ  
 فَأَلْزَمْنَا بَاطِنًا فُتِنًا لِّقَوْمٍ أَشْرَكُوا مَعَ مَا عِبَدُوا مِن دُونِ اللَّهِ فَتَقَلَّبُوا  
 أَدْبَارًا فَسَبَّحُوا بِحَمْدِ اللَّهِ فِي الْبُكُورِ وَالْآخِرِ وَالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ وَالْأَوَّلِ  
 وَالْآخِرِ وَالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ وَالْأَوَّلِ ۖ وَالْآخِرِ وَالْأَوَّلِ ۖ وَالْآخِرِ وَالْأَوَّلِ ۖ

اے ہمارے رب! آپ جس کسی کو دوزخ میں داخل کر دیں، اسے آپ نے یقیناً رسوا ہی کر دیا۔ اور  
 ظالموں کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہ ہوں گے ﴿۱۹۲﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی  
 کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا کہ ”اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ“ چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔ لہذا  
 اے ہمارے پروردگار! ہماری خاطر ہمارے گناہ بخش دیجئے، ہماری برائیوں کو ہم سے مٹا دیجئے، اور  
 ہمیں نیک لوگوں میں شامل کر کے اپنے پاس بلائیے ﴿۱۹۳﴾ اور اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ  
 کچھ بھی عطا فرمائیے جس کا وعدہ آپ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہم سے کیا ہے، اور ہمیں  
 قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے۔ یقیناً آپ وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کیا کرتے۔“ ﴿۱۹۴﴾  
 چنانچہ ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی (اور کہا) کہ: ”میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں  
 کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ لہذا جن لوگوں نے ہجرت کی،  
 اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا، اور میرے راستے میں تکلیفیں دی گئیں، اور جنہوں نے (دین  
 کی خاطر) لڑائی لڑی اور قتل ہوئے، میں ان سب کی برائیوں کا ضرور کفارہ کر دوں گا، اور انہیں ضرور  
 بالضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی؛

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغْرَثُكَ تَقَلُّبُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ  
الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا نَزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْآبَرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَإِنَّ مِنْ  
أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ  
لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ إِنَّ  
اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے انعام ہوگا، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہترین انعام ہے ﴿۱۹۵﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان کا شہروں میں (خوشحالی کے ساتھ) چلنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے ﴿۱۹۶﴾ یہ تو تھوڑا سا مزہ ہے (جو یہ اڑا رہے ہیں) پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بدترین بچھونا ہے ﴿۱۹۷﴾ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہوئے عمل کرتے ہیں، اُن کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اللہ کی طرف سے میزبانی کے طور پر وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے ﴿۱۹۸﴾ اور بیشک اہل کتاب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ کے آگے عاجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اُس کتاب پر بھی جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اُس پر بھی جو اُن پر نازل کی گئی تھی، اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر بیچ نہیں ڈالتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہیں۔ بیشک اللہ حساب جلد چکانے والا ہے۔ ﴿۱۹۹﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ  
تُفْلِحُونَ ۝

اے ایمان والو! صبر اختیار کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ، اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے جبرے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿۲۰۰﴾

(۶۴) قرآنی اصطلاح میں ”صبر“ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس کی ایک قسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استقامت کا مظاہرہ ہے، دوسری قسم گناہوں سے بچنے کے لئے اپنی خواہشات کو دبانا ہے، اور تیسری قسم تکلیفوں کو برداشت کرنا ہے۔ یہاں ان تینوں قسموں کے صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سرحدوں کی حفاظت میں جغرافی سرحدوں کی حفاظت بھی داخل ہے، اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

سورۃ آل عمران کا ترجمہ اور تشریحات بفضلہ تعالیٰ بروز بدھ مورخہ ۱۸/ رجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۴/ اگست ۲۰۰۵ء کو مکمل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ باقی حصے کو بھی اپنی رضا کے مطابق باسانی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الشَّار

## تعارف

یہ سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی، اور اس کا اکثر حصہ جنگ بدر کے بعد نازل ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مدینہ منورہ کی نوزائیدہ مسلمان ریاست مختلف مسائل سے دوچار تھی۔ زندگی کا ایک نیا ڈھانچہ ابھر رہا تھا جس کے لئے مسلمانوں کو اپنی عبادت کے طریقوں اور اخلاق و معاشرت سے متعلق تفصیلی ہدایات کی ضرورت تھی، دشمن طاقتیں اسلام کی پیش قدمی کا راستہ روکنے کے لئے سرتوڑ کوششیں کر رہی تھیں، اور مسلمانوں کو اپنی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے نئے مسائل کا سامنا تھا۔ سورہ نساء نے ان تمام معاملات میں تفصیلی ہدایات فراہم کی ہیں۔ چونکہ ایک مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے، اس لئے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل احکام سے شروع ہوئی ہے۔ چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی احکام عطا فرمائے ہیں، اور اسی لئے اس کا نام سورہ نساء ہے۔ جنگ اُحد کے بعد بہت سی خواتین بیوہ اور بہت سے بچے یتیم ہو گئے تھے، اس لئے سورت نے شروع ہی میں یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام فرمایا ہے، اور آیت نمبر ۱۴ تک میراث کے احکام تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ طرح طرح کے ظلم ہوتے تھے، ان مظالم کی ایک ایک کر کے نشاندہی کی گئی ہے، اور معاشرے سے ان کا خاتمہ کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ نکاح و طلاق کے مفصل احکام بیان کئے گئے ہیں، اور میاں بیوی کے حقوق متعین فرمائے گئے ہیں۔ یہ مضمون آیت نمبر ۳۵ تک چلا ہے جس کے بعد انسان کی باطنی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کو عرب کے صحراؤں میں سفر کے دوران پانی کی قلت پیش آتی تھی، لہذا آیت ۴۳ میں یتیم کا طریقہ اور آیت ۱۰۱ میں سفر میں نماز قصر کرنے کی

سہولت عطا فرمائی گئی ہے۔ نیز جہاد کے دوران نماز خوف کا طریقہ آیت ۱۰۲ اور ۱۰۳ میں بتایا گیا ہے۔ مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا، آیات ۴۴ تا ۵۷ اور ۱۵۳ تا ۱۵۷ میں ان کی بد اعمالیوں کو واضح فرمایا گیا ہے، اور انہیں راہ راست پر آنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیات ۱۷۱ تا ۱۷۵ میں ان کے ساتھ عیسائیوں کو بھی خطاب میں شامل کر لیا گیا ہے، اور انہیں تثلیث کے عقیدے کے بجائے خالص توحید اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آیات ۵۸ و ۵۹ میں سیاست اور حکمرانی سے متعلق ہدایات آئی ہیں۔ منافقین کی بد اعمالیاں آیات ۶۰ تا ۷۰ اور پھر آیات ۷۳ تا ۱۵۲ میں واضح کی گئی ہیں۔ آیات ۷۱ تا ۹۶ نے جہاد کے احکام بیان کر کے منافقین کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اسی سیاق میں آیات ۹۲ و ۹۳ میں قتل کی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں۔ جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے اور کفار کے ہاتھوں مظالم جھیل رہے تھے، ان کی ہجرت کے مسائل آیات ۹۷ تا ۱۰۰ میں زیر بحث آئے ہیں۔ اسی دوران بہت سے تنازعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فیصلے کے لئے لائے گئے۔ آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵ میں ان کے فیصلے کا طریقہ آپ کو بتایا گیا ہے، اور مسلمانوں کو آپ کا فیصلہ دل و جان سے قبول کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶ میں توحید کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ خاندانی نظام اور میراث کے بارے میں صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد سوالات پوچھے تھے، آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹ اور پھر ۱۷۶ میں ان سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ پوری سورت احکام اور تعلیمات سے بھری ہوئی ہے، اور شروع میں تقویٰ کا جو حکم دیا گیا تھا، کہا جاسکتا ہے کہ پوری سورت اس کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔

آیتھا ۱۷۶ سُورَةُ النَّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ رُكُوعَاتُهَا ۲۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا  
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ  
وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ مَرْقُبًا ۝<sup>(۱)</sup> وَاتَّقُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا  
الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۚ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝<sup>(۲)</sup>

سورۃ نساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھتر آیات اور چوبیس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی  
پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دُنیا میں) پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو  
جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو،<sup>(۱)</sup> اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی سے)  
ڈرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے ﴿۱﴾ اور یتیموں کو ان کے مال دے دو، اور اچھے مال  
کو خراب مال سے تبدیل نہ کرو، اور اُن (یتیموں) کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔<sup>(۲)</sup> بیشک  
یہ بڑا گناہ ہے ﴿۲﴾

(۱) جب دُنیا میں لوگ ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو بکثرت یہ کہتے ہیں کہ ”خدا کے  
واسطے مجھے میرا حق دے دو“ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے حقوق کے لئے اللہ کا واسطہ دیتے ہو تو  
دوسروں کا حق ادا کرنے میں بھی اللہ سے ڈرو، اور لوگوں کے حقوق پورے پورے ادا کرو۔

(۲) کسی مرنے والے کے بچے جب یتیم ہو جاتے ہیں تو ان کے باپ کی میراث میں ان کا بھی حصہ ہوتا ہے، مگر  
ان کی کم عمری کی وجہ سے وہ مال ان کے سپرد نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کے سرپرست، مثلاً چچا، بھائی وغیرہ اسے بچوں



وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً ۖ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ  
هِنًا مَّرِيًّا ۝ وَلَا تَتُوتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيًّا  
وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں! اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں  
تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھا لو ﴿۴﴾ اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو  
اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے؛ ہاں اُن کو ان میں سے کھلاؤ اور پہناؤ، اور ان سے  
مناسب انداز میں بات کر لو۔ ﴿۵﴾

کونکاح میں رکھ لیتا تھا۔ اس آیت نے اس کی زیادہ سے زیادہ حد چار تک مقرر فرمادی، اور وہ بھی اس شرط کے  
ساتھ کہ انسان تمام بیویوں کے درمیان برابری کا سلوک کرے۔ اور اگر بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ایک ہی بیوی پر  
اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کو منع فرما دیا گیا ہے۔

(۵) یتیموں کے سرپرستوں کی ذمہ داریاں بیان کی جا رہی ہیں کہ ایک طرف تو انہیں یتیموں کے مال کو امانت سمجھ  
کر انتہائی احتیاط سے کام لینا ہے، دوسری طرف یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ یتیموں کا پیسہ ایسے وقت ان کے حوالے  
کیا جائے جب ان میں روپے پیسے کی ٹھیک ٹھیک دیکھ بھال کی سمجھ اور اسے صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا سلیقہ  
آچکا ہو۔ جب تک وہ ناسمجھ ہیں، ان کا مال ان کی تحویل میں نہیں دینا چاہئے، اور اگر وہ خود مطالبہ کریں کہ ان کا  
مال ان کے حوالے کر دیا جائے تو انہیں مناسب انداز میں سمجھا دینا چاہئے۔ اگلی آیت میں اسی اصول کی مزید  
وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً ان یتیم بچوں کو آزماتے رہنا چاہئے کہ آیا وہ اتنے سمجھ دار ہو گئے  
ہیں کہ انہیں اپنے مال کے صحیح استعمال کا سلیقہ آ گیا ہے۔ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ صرف بالغ ہو جانا بھی کافی  
نہیں، بلوغ کے بعد بھی اگر وہ سمجھ دار نہ ہو پائے ہوں تو مال ان کے حوالے نہ کیا جائے، بلکہ جب یہ محسوس  
ہو جائے کہ ان میں سمجھ آ گئی ہے تب مال ان کے حوالے کیا جائے۔

وَابْتَكَوْا لَيْسَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝۶ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝۷

اور یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائیں، تو اگر تم یہ محسوس کرو کہ ان میں سمجھ داری آچکی ہے تو ان کے مال انہی کے حوالے کر دو۔ اور یہ مال فضول خرچی کر کے اور یہ سوچ کر جلدی جلدی نہ کھا بیٹھو کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں۔ اور (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو خود مال دار ہو وہ تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) بالکل پاک رکھے، ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔ پھر جب تم ان کے مال انہیں دو تو ان پر گواہ بنا لو۔ اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے ﴿۶﴾

مردوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ ﴿۷﴾

(۶) یتیموں کے سرپرست کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے بہت سی خدمات انجام دینی پڑتی ہیں۔ عام حالات میں جب سرپرست خود کھاتا پیتا شخص ہو، اس کے لئے ان خدمات کا کوئی معاوضہ لینا درست نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک باپ اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ خود تنگدست ہے اور یتیم کی ملکیت میں اچھا خاصا مال ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا ضروری خرچ بھی یتیم کے مال سے لے لے۔ مگر پوری احتیاط سے اتنا ہی لے جتنا عرف اور رواج کے مطابق ضروری ہے، اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

(۷) جاہلیت کے زمانے میں عورتوں کو میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسَّةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝<sup>(۸)</sup> وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضَعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝<sup>(۹)</sup> إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝<sup>(۱۰)</sup>

اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) یتیم اور مسکین لوگ آجائیں، تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرو۔<sup>(۸)</sup> ﴿۸﴾ اور وہ لوگ (یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے) ڈریں جو اگر اپنے پیچھے کمزور بچے چھوڑ کر جائیں تو ان کی طرف سے فکر مند رہیں گے۔<sup>(۹)</sup> لہذا وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی سیدھی بات کہا کریں ﴿۹﴾ یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا ﴿۱۰﴾

سامنے بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور وہ بیوی اور نابالغ بچے چھوڑ کر گیا، اور اس کے سارے ترکے پر اس کے بھائیوں نے قبضہ کر لیا، بیوی کو تو عورت ہونے کی وجہ سے میراث سے محروم رکھا گیا، اور بچوں کو نابالغ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ دیا گیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں واضح کر دیا گیا کہ عورتوں کو میراث سے محروم نہیں رکھا جاسکتا، اللہ تعالیٰ نے آگے آیت نمبر ۱۱ سے شروع ہونے والے رکوع میں تمام رشتہ دار مردوں اور عورتوں کے حصے بھی مقرر فرمادیئے۔

(۸) جب میراث تقسیم ہو رہی ہو تو بعض ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جو شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں، قرآن کریم نے یہ ہدایت دی ہے کہ ان کو بھی کچھ دے دینا بہتر ہے۔ مگر ایک تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس ہدایت پر عمل کرنا مستحب یعنی پسندیدہ ہے، واجب نہیں ہے۔ دوسرے اس پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بالغ و رثاء ایسے لوگوں کو اپنے حصے میں سے دیں۔ نابالغ و رثاء کے حصے میں سے کسی اور کو دینا جائز نہیں ہے۔

(۹) یعنی جس طرح تمہیں اپنے بچوں کی فکر ہوتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا، اسی طرح دوسروں کے بچوں کی بھی فکر کرو، اور یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے ڈرو۔



يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ  
اِثْنَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثُ مَا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلَا يُؤْتِيهِ  
الْكُلَّ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا الشُّدُسَ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَ  
وَرِثَةُ آبَاؤُهُ فَلِلْوَالِدَيْنِ الثُّلُثُ ۚ

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اور اگر  
(صرف) عورتیں ہی ہوں، دو یا دو سے زیادہ، تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو، انہیں اس کا  
دو تہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک عورت ہو تو اسے (ترکے کا) آدھا حصہ ملے گا۔ اور مرنے  
والے کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا، بشرطیکہ مرنے والے کی کوئی اولاد ہو،  
اور اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں تہائی حصے کی  
حق دار ہے۔

(۱۰) آیات ۱۱ و ۱۲ میں مختلف رشتہ داروں کے لئے میراث کے حصے بیان فرمائے گئے ہیں۔ جن رشتہ داروں  
کے حصے ان آیات میں مقرر فرمادیئے گئے ہیں ان کو ”ذوی الفروض“ کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
نے وضاحت فرمائی ہے کہ ان حصوں کی تقسیم کے بعد جو مال بچ جائے، وہ مرنے والے کے ان قریب ترین مذکر  
افراد میں تقسیم ہوگا جن کے حصے ان آیتوں میں متعین نہیں کئے گئے، جن کو ”عصبات“ کہا جاتا ہے۔ مثلاً بیٹے،  
اور اگر چہ بیٹیاں براہ راست عصبات میں شامل نہیں ہیں، لیکن بیٹیوں کے ساتھ مل کر بیٹیاں بھی عصبات میں  
شامل ہو جاتی ہیں، اس صورت میں یہ قاعدہ اس آیت نے مقرر فرمایا ہے کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ  
ملے گا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور بہن بھائی ہوں تو بھائی کو بہن سے  
دو گنا حصہ دیا جائے گا۔

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِإِمَّةِ السُّدُسِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ  
 أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۖ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ إِنْ  
 اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَكُمْ نِصْفُ مَّا تَرَكَ آزُوجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ  
 وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا  
 أَوْ دَيْنٍ ۖ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ

ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا، (اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد<sup>(۱۱)</sup> تمہیں اس بات کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ بیٹوں میں سے کون فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے؟ یہ تو اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصے ہیں؛ یقین<sup>(۱۲)</sup> رکھو کہ اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱۱﴾ اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ کر جائیں، اس کا آدھا حصہ تمہارا ہے، بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو انہوں نے کی ہو، اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد تمہیں ان کے ترکے کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی اُن (بیویوں) کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔

(۱۱) یہ قاعدہ ان آیات میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ میراث کی تقسیم ہمیشہ میت کے قرضوں کی ادائیگی اور اس کی وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی، یعنی اگر مرنے والے کے ذمے کچھ قرض ہو تو اس کے ترکے سے سب سے پہلے اس کے قرضے ادا کئے جائیں گے۔ اس کے بعد اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو کہ فلاں شخص کو جو وارث نہیں ہے، میرے ترکے سے اتنا دیا جائے تو ایک تہائی ترکے کی حد تک اس پر عمل کیا جائے گا، اس کے بعد میراث وارثوں میں تقسیم ہوگی۔

(۱۲) یہ تنبیہ اس بنا پر فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص یہ سوچ سکتا تھا کہ فلاں وارث کو زیادہ حصہ ملتا تو اچھا ہوتا، یا فلاں کو

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّنُنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ تَوْصُونَ بِهَا  
 أَوْ ذَيْنَ ۖ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ  
 وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ  
 مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ ذَيْنَ ۚ غَيْرَ مَضَآءٍ ۚ وَصِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ  
 عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٣﴾

اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو، اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم ہونی ہے، ایسا ہو کہ نہ اس کے والدین زندہ ہوں نہ اولاد، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چھٹے حصے کا حق دار ہے۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، (مگر) جو وصیت کی گئی ہو اس پر عمل کرنے کے بعد اور مرنے والے کے ذمے جو قرض ہو اس کی ادائیگی کے بعد، بشرطیکہ (وصیت یا قرض کے اقرار کرنے سے) اس نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ یہ سب کچھ اللہ کا حکم ہے، اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا، بردبار ہے ﴿۱۲﴾

کم ملنا مناسب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ تمہیں مصلحت کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کا جو حصہ مقرر فرمادیا ہے، وہی مناسب ہے۔

(۱۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ قرض کی ادائیگی اور وصیت پر عمل کرنا میراث کی تقسیم پر مقدم ہے، لیکن مرنے والے کو کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہئے جس کا مقصد اپنے جائز ورثاء کو نقصان پہنچانا ہو، مثلاً کوئی شخص اپنے وارثوں کو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی خاطر اپنے کسی دوست کے لئے وصیت کر دے، یا اس کے حق میں قرضے کا جھوٹا اقرار کر لے، اور مقصد یہ ہو کہ اس کا پورا ترکہ یا اس کا کافی حصہ اس کے پاس چلا جائے اور ورثاء کو نہ ملے یا بہت کم ملے تو ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے، اور اسی لئے شریعت نے یہ قاعدہ مقرر فرمادیا ہے کہ کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں ہو سکتی، نیز غیر وارث کے حق میں بھی ایک تہائی سے زیادہ وصیت نہیں کی جاسکتی۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۱۳ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
يُتَعَذَّبْ حُدُودَ مَا يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۱۴ وَالَّذِي يَأْتِيَنَّ  
الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاُسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةٌ مِنْكُمْ قَانُ شُهُودًا  
فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَقَّعُنَّ الْمَوْتَ أَوْ يُجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝۱۵

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ اس کو ایسے  
باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ ان (باغات) میں  
رہیں گے، اور یہ زبردست کامیابی ہے ﴿۱۳﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے  
گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ  
ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا ﴿۱۴﴾ تمہاری عورتوں میں سے  
جو بدکاری کا ارتکاب کریں، ان پر اپنے میں سے چار گواہ بنا لو۔ چنانچہ اگر وہ (ان کی بدکاری کی)  
گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روک کر رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا کر لے جائے، یا  
اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کر دے۔ ﴿۱۵﴾

(۱۴) عورت بدکاری کا ارتکاب کرے تو شروع میں حکم یہ دیا گیا تھا کہ اسے عمر بھر گھر میں مقید رکھا جائے، لیکن  
ساتھ ہی یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ بعد میں ان کے لئے کوئی اور سزا مقرر کی جائے گی۔ ”یا اللہ ان کے لئے کوئی  
اور راستہ پیدا کر دے“ کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ سورہ نور میں مرد اور عورت دونوں کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے  
مقرر کر دی گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راستہ پیدا کر دیا  
ہے، اور وہ یہ کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا۔

وَالَّذِينَ يَأْتِيهِمْ مِنْكُمْ فَادُّوهُمْ ۚ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿١٧﴾ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٨﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ اللَّهَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا

اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کا ارتکاب کریں، ان کو اذیت دو۔<sup>(۱۷)</sup> پھر اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو۔ بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۷﴾ اللہ نے توبہ قبول کرنے کی جو ذمہ داری لی ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نادانی سے کوئی برائی کر ڈالتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی ﴿۱۷﴾ توبہ کی قبولیت ان کے لئے نہیں جو برے کام کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آکھڑا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی ہے، اور نہ ان کے لئے ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے تو ہم نے دُکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۸﴾

اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو،

(۱۷) یہ مردوں کے خلاف فطرت ہم جنسی کے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی کوئی متعین سزا مقرر کرنے کے بجائے صرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ایسے مردوں کو اذیت دی جائے جس کے مختلف طریقے فقہائے کرام نے تجویز کئے ہیں، مگر ان میں سے کوئی لازمی نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اس کو حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

وَلَا تَعْصُوهُنَّ لِيَتْدَهُوَابِعْضُ مَا اتَّيَسُّوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ  
وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ  
اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝۱۹ وَإِنْ أَرَادْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ ۖ وَاتَّيَمَّمْتُمْ  
أَحَدَهُنَّ قِطَاعًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ اتَّأَخُّذُهُنَّ بِهِ تَبَاهٌ وَإِشْمَامٌ ۝۲۰

اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ لے اڑو، الا یہ کہ وہ  
کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو، اور اگر تم انہیں پسند  
نہ کرتے ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی  
ہو ﴿۱۹﴾ اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اور ان میں سے ایک  
کو ڈھیر سا رامہر دے چکے ہو، تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے  
(مہر) واپس لو گے؟ ﴿۲۰﴾<sup>(۱۴)</sup>

(۱۶) زمانہ جاہلیت میں یہ ظالمانہ رسم چلی آتی تھی کہ جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جاتا تو اس کے ورثاء  
اس عورت کو بھی میراث کا حصہ سمجھ کر اس کے اس معنی میں مالک بن بیٹھتے تھے کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر نہ  
دوسری شادی کر سکتی تھی، اور نہ زندگی کے دوسرے اہم فیصلے کرنے کا حق رکھتی تھی۔ اس آیت نے اس ظالمانہ رسم کو  
ختم فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک ظالمانہ رواج یہ تھا کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا، لیکن ساتھ ہی یہ  
بھی چاہتا کہ جوہر ان کو دے چکا ہے وہ اسے واپس مل جائے تو وہ اپنی بیوی کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع  
کر دیتا تھا، مثلاً وہ اس کو گھر میں اس طرح مقید رکھتا تھا کہ وہ اپنی جائز ضروریات کے لئے بھی گھر سے باہر نہیں  
جاسکتی تھی۔ اس طرح ستانے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ بیچاری مجبور ہو کر شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے  
اسے خود یہ پیشکش کرے کہ تم اپنا مہر واپس لے لو، اور مجھے طلاق دے کر میری جان چھوڑ دو۔ آیت کے دوسرے  
حصے میں اس رواج کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

(۱۷) اوپر آیت نمبر ۱۹ میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ عورتوں کو گلو خلاصی کے لئے اپنا مہر واپس کرنے پر مجبور کرنا صرف

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُم إِلَىٰ بَعْضٍ وَآخَذَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنْكِحُوا أُمَّهَاتِكُمْ أَبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۚ وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ ۖ وَعَشْرُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ

اور آخر تم کیسے (وہ مہر) واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو چکے تھے، اور انہوں نے تم سے بڑا بھاری عہد لیا تھا؟ ﴿۲۱﴾

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا (کسی وقت) نکاح کر چکے ہوں، تم انہیں نکاح میں نہ لاؤ۔ البتہ پہلے جو کچھ ہو چکا وہ ہو چکا۔ یہ بڑی بے حیائی ہے، گھناؤنا عمل ہے، اور بے راہ روی کی بات ہے ﴿۲۲﴾ تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپیاں، تمہاری خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے،

اس صورت میں جائز ہے جب انہوں نے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کیا ہو۔ اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم ان سے مہر واپس کرنے کا مطالبہ کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے ان پر بہتان باندھنے کے مرادف ہوگا کہ انہوں نے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ ان کو مہر کی واپسی پر مجبور کرنا اس صورت کے سوا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔

(۱۸) جاہلیت میں لوگ اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ اس آیت نے اس بے شرمی کو ممنوع قرار دیا، البتہ جن لوگوں نے اسلام سے پہلے ایسا نکاح کیا تھا ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ پچھلا گناہ معاف ہے، کیونکہ اسلام لانے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ اس آیت کے نزول کے بعد نکاح کا یہ تعلق ختم کر لیا جائے۔

وَأَخَوَاتِكُمْ مِّنَ الرِّضَاعَةِ وَأُمَّهُتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَابُكُمْ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمُوهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ذُحْلًا بِلِأَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۖ وَأَنْ تَجْعُوا ابْنَيْنِ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝۳۷ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ

اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہارے زیر پرورش تمہاری سوتیلی بیٹیاں<sup>(۱۹)</sup> جو تمہاری ان بیویوں (کے پیٹ) سے ہوں جن کے ساتھ تم نے خلوت کی ہو۔ ہاں اگر تم نے ان کے ساتھ خلوت نہ کی ہو (اور انہیں طلاق دے دی ہو یا ان کا انتقال ہو گیا ہو) تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی گناہ نہیں ہے، نیز تمہارے صلیبی بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں، اور یہ بات بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرو، البتہ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ ہو چکا۔ بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۳﴾ نیز وہ عورتیں (تم پر حرام ہیں) جو دوسرے شوہروں کے نکاح میں ہوں، البتہ جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں آجائیں (وہ مستثنیٰ ہیں)۔<sup>(۲۰)</sup>

(۱۹) سوتیلی بیٹیاں چونکہ عام طور پر انسان کے زیر پرورش ہوتی ہیں اس لئے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ورنہ اگر کوئی سوتیلی بیٹی زیر پرورش نہ بھی ہو تو وہ بھی حرام ہے۔

(۲۰) جو کنیزیں جہاد کے دوران گرفتار کر کے دارالاسلام لائی جاتی تھیں، اور ان کے شوہر دارالحرب میں رہ جاتے تھے، ان کا نکاح ان شوہروں سے ختم ہو جاتا تھا۔ لہذا جب وہ دارالاسلام میں آنے کے بعد ایک حیض کی مدت پوری کر لیتیں، اور ان کو پچھلے شوہر سے حمل نہ ہوتا تو ان کا نکاح دارالاسلام کے کسی مسلمان سے جائز تھا۔ مگر یہ حکم انہی باندیوں کا ہے جو شرعی طور پر باندی بنائی گئی ہوں۔ آج کل ایسی کنیزوں یا باندیوں کا کہیں وجود نہیں ہے۔



كُتِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۚ وَاحِلٌ لَّكُمْ مَا وَرَاءَ ذُلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ  
غَيْرُ مُسْفِحِينَ ۖ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَلَا جُنَاحَ  
عَلَيْكُمْ فِي بَاطِلَاتِ رَضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۲۳  
مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَبِنِ مَا مَلَكَتْ  
أَيْسَانُكُمْ مِنْ فِتْيَتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيْسَانِكُمْ ۖ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۚ

اللہ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں۔ ان عورتوں کو چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (بطور مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو، بشرطیکہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کا رشتہ قائم کر کے عفت حاصل کرو، صرف شہوت نکالنا مقصود نہ ہو۔ چنانچہ جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اٹھایا ہو، ان کو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو۔ البتہ مہر مقرر کرنے کے بعد بھی جس (کمی بیشی) پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر بات کا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے ﴿۲۴﴾

اور تم میں سے جو لوگ اس بات کی طاقت نہ رکھتے ہوں کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکیں، تو وہ ان مسلمان کنبڑوں میں سے کسی سے نکاح کر سکتے ہیں جو تمہاری ملکیت میں ہوں، اور اللہ کو تمہارے ایمان کی پوری حالت خوب معلوم ہے۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ ﴿۲۵﴾

(۲۱) مقصد یہ ہے کہ نکاح ایک دیر پا تعلق کا نام ہے جس کا مقصد صرف جنسی خواہش پوری کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک مضبوط خاندانی نظام کا قیام ہے جس میں مرد اور عورت ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کے پابند ہوتے ہیں، اور اس رشتے کو عفت و عصمت کے تحفظ اور بقائے نسل انسانی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ صرف شہوت نکالنے کے لئے ایک عارضی تعلق پیدا کر لینا، خواہ وہ پیسے خرچ کر کے ہی کیوں نہ ہو، ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۲۲) چونکہ آزاد عورتوں کا مہر عام طور پر زیادہ ہوتا تھا، اور باندیوں کا مہر کم، اس لئے ایک طرف تو حکم یہ دیا گیا

فَإِنْ كُنْتُمْ بِإِذْنِ أَهْلِيهَا وَآتَوْهِنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَفِّحَاتٍ وَلَا مُتَخَدَّاتٍ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أُوْحِصْنَ فَإِنَّهُنَّ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۲۵

لہذا ان کنیزوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو، اور ان کو قاعدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، بشرطیکہ ان سے نکاح کا رشتہ قائم کر کے انہیں پاک دامن بنایا جائے؛ نہ وہ صرف شہوت پوری کرنے کے لئے کوئی (ناجائز) کام کریں، اور نہ خفیہ طور پر ناجائز آشنائیاں پیدا کریں۔ پھر جب وہ نکاح کی حفاظت میں آجائیں، اور اس کے بعد کسی بڑی بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا واجب ہوگی جو (غیر شادی شدہ) آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے۔<sup>(۲۳)</sup> یہ سب (یعنی کنیزوں سے نکاح کرنا) تم میں سے ان لوگوں کے لئے ہے جن کو (نکاح نہ کرنے کی صورت میں) گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر تم صبر ہی کئے رہو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۵﴾

ہے کہ باندیوں سے نکاح اسی وقت کیا جائے جب آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، دوسری طرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کسی باندی سے نکاح کی نوبت آجائے تو پھر محض اس کے باندی ہونے کی وجہ سے اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، کیونکہ فضیلت کا اصل دار و مدار تقویٰ پر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کی ایمانی حالت زیادہ مضبوط ہے، ورنہ اولادِ آدم ہونے کے لحاظ سے سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

(۲۳) آزاد عورتیں اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے ہیں، جس کا ذکر سورہ نور کی دوسری آیت میں آیا ہے۔ زیر نظر آیت میں باندیوں کے لئے اس کی آدھی سزا یعنی پچاس کوڑے مقرر فرمائی گئی ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَبِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۖ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے (احکام کی) وضاحت کر دے، اور جو (نیک) لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں، تم کو ان کے طور طریقوں پر لے آئے، اور تم پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمائے، اور اللہ ہر بات کا جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی ﴿۲۶﴾ اللہ تو چاہتا ہے کہ تمہاری طرف توجہ کرے، اور جو لوگ نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہ راست سے ہٹ کر بہت دُور جا پڑو ﴿۲۷﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے، اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔ ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو (تو وہ جائز ہے)، اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ ﴿۲۹﴾ یقیناً جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے ﴿۲۹﴾

(۲۴) یعنی انسان فطری طور پر جنسی خواہش کا مقابلہ کرنے میں کمزور واقع ہوا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ خواہش جائز طریقے سے پورا کرنے سے نہیں روکا، بلکہ نکاح کو اس کے لئے آسان بنادیا ہے۔

(۲۵) اس کا سادہ مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح دوسرے کا مال ناحق طریقے سے کھانا حرام ہے، کسی کی جان لینا اس سے زیادہ حرام ہے۔ دوسرے کی جان لینے کو ”اپنے آپ کو قتل کرنے“ سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝<sup>(۳۰)</sup> اِنْ تَجَنَّبُوا كِبَاءَ رِمَاسَتَهُونَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ۝<sup>(۳۱)</sup> وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فُضِّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ ۖ وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۖ اِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝<sup>(۳۲)</sup>

اور جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے ﴿۳۰﴾ اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے، اور تم کو ایک باعزت جگہ داخل کریں گے ﴿۳۱﴾ اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے، ان کی تمنا نہ کرو، مرد جو کچھ کمائی کریں گے ان کو اس میں سے حصہ ملے گا، اور عورتیں جو کچھ کمائی کریں گی ان کو اس میں سے حصہ ملے گا۔ ﴿۳۲﴾ اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿۳۲﴾

ہو گیا کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا بالآخر اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے، کیونکہ اس کے بدلے میں خود قاتل قتل ہو سکتا ہے، اور اگر یہاں قتل نہ بھی ہو تو آخرت میں اس کی جو سزا ملتی ہے وہ موت سے بھی بدتر ہوگی۔ اسی طرح اس تعبیر سے خودکشی کی ممانعت بھی واضح ہو گئی۔ دوسرے کسی کا مال ناحق کھانے کے ساتھ یہ جملہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ ممکن ہے کہ جب ناحق مال کھانے کا رواج معاشرے میں عام ہو جائے تو اس کا نتیجہ اجتماعی خودکشی کی صورت میں نکلتا ہے۔

(۲۶) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان گناہ کبیرہ سے پرہیز رکھے تو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرماتے رہتے ہیں۔ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیک عمل، مثلاً وضو، نماز، صدقات وغیرہ سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۷) بعض خواتین نے اس تمنا کا اظہار کیا تھا کہ اگر وہ مرد ہوتیں تو وہ بھی جہاد وغیرہ میں حصہ لے کر مزید ثواب

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ  
 أَيْمَانُكُمْ فَأَوْهَهُمْ نَصِيبُهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝۳۳ ۚ  
 قَوْمُؤْن عَلَى النَّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِأَنفُقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ  
 فَالصَّالِحَاتُ قَنِتَتْ حِفْظًا لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ  
 فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْبُصَا جَمْعٍ وَاضْرِبُوهُنَّ ۚ

اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔  
 اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد باندھا ہو ان کو ان کا حصہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے ﴿۳۳﴾  
 مرد عورتوں کے نکراں ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ  
 مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ چنانچہ نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں، مرد کی غیر موجودگی  
 میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہیں  
 سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ، اور (اگر اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا  
 چھوڑ دو، (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو۔

حاصل کرتیں۔ اس آیت کریمہ نے یہ اصول واضح فرمادیا کہ جو باتیں انسان کے اختیار سے باہر ہیں ان میں اللہ  
 نے کسی شخص کو کسی اعتبار سے فوقیت دے رکھی ہے اور کسی کو کسی اور حیثیت سے۔ مثلاً کوئی مرد ہے کوئی عورت، کوئی  
 زیادہ طاقت ور ہے کوئی کم، کسی کا حسن دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ یہ چیزیں چونکہ انسان کے اختیار میں  
 نہیں ہیں، اس لئے ان کی تمنا کرنے سے فضول حسرت ہونے کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہذا ان چیزوں میں  
 اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے۔ البتہ جو اچھائیاں انسان کے اختیار میں ہیں انہیں حاصل کرنے کی کوشش  
 کرتے رہنا چاہئے، اور ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو شخص جیسا عمل کرتا ہے ویسا ہی نتیجہ ظاہر ہوتا  
 ہے۔ اس میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۲۸) جب کوئی شخص اسلام لائے اور مسلمانوں میں اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو وہ جس شخص کے ہاتھ پر مسلمان

فَإِنْ أَطَعْتُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ﴿۳۴﴾  
وَأِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِمْ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۚ  
إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا  
خَبِيرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَ  
بِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ

پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کارروائی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ  
سب کے اوپر، سب سے بڑا ہے ﴿۳۴﴾ اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے  
کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لئے) ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور  
ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں  
کے درمیان اتفاق پیدا فرمادے گا۔ بیشک اللہ کو ہر بات کا علم اور ہر بات کی خبر ہے۔ ﴿۳۵﴾  
اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو،  
نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دُور والے پڑوسی،

ہوا ہے بعض اوقات اس کے ساتھ یہ عہد کر لیتا تھا کہ وہ دونوں آپس میں بھائی بن گئے ہیں، لہذا وہ ایک دوسرے  
کے وارث بھی ہوں گے، اور اگر ان میں سے کسی پر کوئی تاوان آپڑا تو دوسرا اس کی ادائیگی میں اس کی مدد کرے  
گا۔ اس رشتے کو ”موالاة“ کہا جاتا تھا۔ یہاں اسی معاہدے کا ذکر ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک  
اس آیت کی بنا پر یہی ہے کہ یہ رشتہ اب بھی کسی نو مسلم سے قائم ہو سکتا ہے، اور اگر دوسرے مسلمان رشتہ دار موجود  
نہ ہوں تو میراث میں بھی ان کا حصہ ہوگا۔

(۲۹) قرآن و سنت نے پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔  
پھر پڑوسیوں کے تین درجے اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلے درجے کو ”جار ذی القربى“ (قریب والا  
پڑوسی) اور دوسرے کو ”الجار الجنب“ کہا گیا ہے جس کا ترجمہ اوپر ”دُور والے پڑوسی“ سے کیا گیا ہے۔ پہلے سے

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝۳۱ ۚ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝۳۲ ۚ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝۳۳

ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے) ہوئے شخص<sup>(۳۰)</sup> اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ رکھو)۔ بیشک اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۲﴾ ایسے لوگ جو خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی تلقین کرتے ہیں، اور اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۳۷﴾ اور وہ لوگ جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ روزِ آخرت پر۔ اور شیطان جس کا ساتھی بن جائے تو وہ بدترین ساتھی ہوتا ہے ﴿۳۸﴾

مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر اپنے گھر سے بالکل ملا ہوا ہو، اور دوسرے سے مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر اتنا ملا ہوا نہ ہو۔ بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ پہلے سے مراد وہ پڑوسی ہے جو رشتہ دار بھی ہو، اور دوسرے سے مراد وہ جو صرف پڑوسی ہو۔ نیز بعض مفسرین نے پہلے کا مطلب مسلمان پڑوسی اور دوسرے کا مطلب غیر مسلم پڑوسی بتایا ہے، قرآن کریم کے الفاظ میں ان سب معانی کی گنجائش ہے۔ خلاصہ یہ کہ پڑوسی چاہے رشتہ دار ہو یا اجنبی، مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس کا گھر بالکل ملا ہوا ہو یا ایک دو گھر چھوڑ کر ہو، ان سب کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

(۳۰) یہ پڑوسی کی تیسری قسم ہے جس کو قرآن کریم نے ”صاحب بالجنب“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لئے ساتھی بن گیا ہو، مثلاً سفر کے دوران ساتھ بیٹھایا کھڑا ہو، یا کسی مجلس

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿۳۹﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يُظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضَعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يَدْعُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ ۖ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿۴۲﴾

وَقَدْ قَالَ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بھلا ان کا کیا بگڑ جاتا اگر یہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آتے، اور اللہ نے ان کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے کچھ (نیک کاموں میں) خرچ کر دیتے؟ اور اللہ کو ان کا حال خوب معلوم ہے ﴿۳۹﴾ اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا، اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے کئی گنا کر دیتا ہے، اور خود اپنے پاس سے عظیم ثواب دیتا ہے ﴿۴۰﴾ پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لے کر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے؟ ﴿۴۱﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے اور رسول کے ساتھ نافرمانی کا رویہ اختیار کیا ہے، اُس دن وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں زمین (میں دھنسا کر اُس) کے برابر کر دیا جائے، اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔ ﴿۴۲﴾

یا کسی لائن میں لگے ہوئے اپنے پاس ہو۔ وہ بھی ایک طرح کا پڑوسی ہے، اور اس کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے ہر راہ گیر اور مسافر کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہ اپنا ساتھی یا پڑوسی نہ ہو۔

(۳۱) تمام انبیائے کرام قیامت کے روز اپنی اپنی اُمتوں کے اچھے برے اعمال پر گواہی دیں گے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے لوگوں پر گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْبًا إِلَّا غَيْرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَايِبِ أَوْ لَمْ تُنْمَسُوا فَتَيْسُوا أَصْعِدًا طَيِّبًا فَاْمَسَحُوا بِرُءُوسِهِمْ وَأَيْدِيهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿٣٢﴾  
 الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَقْضُوا السَّبِيلَ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٣٥﴾

اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو، اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک غسل نہ کرلو (نماز جائز نہیں) الا یہ کہ تم مسافر ہو (اور پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو)۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو، اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا (اس مٹی سے) مسح کرلو۔ بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے ﴿۳۳﴾

جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) گمراہی مول لے رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بھٹک جاؤ ﴿۳۴﴾ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور رکھوالا بننے کے لئے بھی اللہ کافی ہے، اور مددگار بننے کے لئے بھی اللہ کافی ہے ﴿۳۵﴾

(۳۲) یہ اس وقت کی بات ہے جب شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا۔ لیکن اسی آیت کے ذریعے یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ وہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے، کیونکہ اس کو پینے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے، لہذا کسی وقت اس کو بالکل حرام بھی کیا جاسکتا ہے۔

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا  
وَأَسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لِيَّائِيَا لَسْتُمْ لَهُمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا  
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمَعُ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۚ وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ  
بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٣٦﴾

یہودیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو (تورات) کے الفاظ کو ان کے موقع محل سے ہٹا ڈالتے ہیں، اور اپنی  
زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں، ”سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا“ اور  
”اسمع غیر مُسمِع“ اور ”رَاعِنَا“ حالانکہ اگر وہ یہ کہتے کہ ”سمعنا واطعنا“ اور ”اسمع  
وانظرنا“ تو ان کے لئے بہتر اور راست بازی کا راستہ ہوتا، لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے  
ان پر پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس لئے تھوڑے سے لوگوں کے سوا وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۳۶﴾

(۳۳) اس آیت میں بعض یہودیوں کی دو شرارتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک شرارت یہ ہے کہ وہ تورات کے الفاظ  
کو اپنے موقع محل سے ہٹا کر اس میں لفظی یا معنوی تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی بعض اوقات اس کے الفاظ  
ہی کو کسی اور لفظ سے بدل دیتے ہیں اور بعض اوقات اس لفظ کو غلط معنی پہنا کر اس کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔ اور  
دوسری شرارت یہ ہے کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں تو ایسے مبہم اور منافقانہ الفاظ  
استعمال کرتے ہیں جن کا ظاہری مفہوم بُرا نہیں ہوتا لیکن وہ اندرونی طور پر ان الفاظ سے وہ بُرے معنی مراد لیتے  
ہیں جو ان الفاظ میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کی تین مثالیں اس آیت میں ذکر کی ہیں۔ ایک  
یہ کہ وہ کہتے ہیں: ”سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا“ جس کے معنی یہ ہیں کہ ”ہم نے آپ کی بات سن لی، اور نافرمانی کی“ وہ ان  
الفاظ کا مطلب یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم نے آپ کی بات سن لی ہے اور آپ کے مخالفین کی نافرمانی کی ہے، لیکن  
اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے آپ کی بات سن کر اسی بات کی نافرمانی کی ہے۔ دوسرے وہ کہتے تھے  
”اسمع غیر مُسمِع“ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ”آپ ہماری بات سنیں، خدا کرے آپ کو کوئی بات سنائی نہ  
جائے“ ظاہری طور پر وہ یہ دعا دیتے تھے کہ آپ کو کوئی ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کی طبیعت کے خلاف ہو،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ائْتُوا بِآيَاتِنَا مَصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَن نَّطْبِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ (۳۴) إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝ (۳۵)

اے اہل کتاب! جو (قرآن) ہم نے اب نازل کیا ہے، جو تمہارے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے، اس پر ایمان لے آؤ، قبل اس کے کہ ہم کچھ چہروں کو مٹا کر انہیں گدی جیسا بنادیں، یا ان پر ایسی پھٹکار ڈال دیں جیسی پھٹکار ہم نے سبت والوں پر ڈالی تھی۔ اور اللہ کا حکم ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ ﴿۳۴﴾

بیشک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ ایسا بہتان باندھتا ہے جو بڑا زبردست گناہ ہے۔ ﴿۳۵﴾

لیکن اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کرے آپ کو ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کو خوش کرے۔ تیسرے وہ ایک لفظ ”زَاعَنَّا“ استعمال کرتے تھے جس کے معنی عربی زبان میں تو یہ ہیں کہ ”ہمارا خیال رکھے“ لیکن عبرانی زبان میں یہ ایک گالی کا لفظ تھا جو وہ اندرونی طور پر مراد لیتے تھے۔

(۳۴) ”سبت“ سنچر کے دن کو کہتے ہیں۔ تورات میں بنی اسرائیل کو اس دن روزگار کا کوئی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن ایک بستی کے لوگوں نے اس حکم کی نافرمانی کی جس کے نتیجے میں ان پر عذاب آیا اور ان کو مسخ کر دیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۱۶۳)۔

(۳۵) یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے توبہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کر سکتا ہے، لیکن شرک کی معافی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مشرک اپنے شرک سے سچی توبہ کر کے موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کر کے توحید پر ایمان لے آئے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ  
عَ فِتْيِلًا ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَى بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ۝ أَلَمْ  
تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجُبَّتِ وَالطَّاغُوتِ  
وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا أَهْلُ آلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ بتاتے ہیں؟ حالانکہ پاکیزگی تو اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور (اس عطا میں) ان پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوتا۔ ﴿۳۶﴾ دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے کیسے جھوٹے بہتان باندھتے ہیں، اور کھلا گناہ ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے۔ ﴿۵۰﴾ جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) بتوں اور شیطان کی تصدیق کر رہے ہیں اور کافروں (یعنی بت پرستوں) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مؤمنوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔ ﴿۵۱﴾

(۳۶) یعنی پاکیزگی اور تقدس اللہ تعالیٰ انہی کو عطا فرماتا ہے جو اپنے اختیاری اعمال سے ایسا چاہتے ہیں، جن کو پاکیزگی اور تقدس نہیں ملتا، وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اختیاری اعمال کے ذریعے خود نا اہل بن جاتے ہیں، لہذا اگر اللہ انہیں تقدس عطا نہیں فرماتا تو اس میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے خود اپنے اختیار سے اپنے آپ کو نا اہل بنا دیا ہے۔

(۳۷) یہ مدینہ منورہ میں آباد بعض یہودیوں کا تذکرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ اور مسلمان آپس میں امن کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے خلاف کسی بیرونی دشمن کی مدد بھی نہیں کریں گے، لیکن انہوں نے اس معاہدے کی بار بار خلاف ورزی کی، اور مسلمانوں کے دشمن کفار مکہ کی حمایت اور درپردہ مدد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کا ایک بڑا سردار کعب بن اشرف تھا۔ جنگ اُحد کے بعد وہ ایک اور یہودی سردار حیی بن اخطب کے ساتھ مکہ مکرمہ کے کافروں کے پاس گیا، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف تعاون کی پیشکش کی۔ کفار مکہ کے سردار ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم واقعی اپنی پیشکش میں سچے ہو تو ہمارے دو بتوں کے سامنے سجدہ کرو، چنانچہ کعب بن اشرف نے ابوسفیان کا یہ مطالبہ بھی مان لیا، پھر ابوسفیان نے کعب سے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥١﴾ أَمْرُهُمْ نَصِيبٌ  
 مِنَ الْمُلْكِ فَإِذَا أَلَا يُوْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمْرٌ يُحْشَدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ  
 اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٣﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پھٹکار ڈال رکھی ہے، اور جس پر اللہ پھٹکار ڈال دے، اس کے لئے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے ﴿۵۲﴾ تو کیا ان کو (کائنات کی) بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہوا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ ﴿۵۳﴾ (۳۸) یا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل (کیوں) عطا فرمایا ہے؟ سو ہم نے تو ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انہیں بڑی سلطنت دی تھی۔ ﴿۵۴﴾ (۳۹)

پوچھا کہ ہمارا مذہب اچھا ہے یا مسلمانوں کا؟ تو اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ تمہارا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ بہتر ہے، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مکہ کے یہ لوگ بت پرست ہیں اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہذا ان کے مذہب کو بہتر قرار دینے کا مطلب بت پرستی کی تصدیق کرنا تھا۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۸) یہودیوں کی مسلمانوں سے دشمنی اور عناد کا سبب قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انہیں یہ توقع تھی کہ جس طرح پچھلے بہت سے انبیائے کرام بنی اسرائیل میں سے آئے ہیں، نبی آخر الزماں بھی انہی کے خاندان سے ہوں گے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث فرمائے گئے تو یہ لوگ حسد میں مبتلا ہو گئے، حالانکہ نبوت اور خلافت و حکومت تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے، وہ جب جس کو مناسب سمجھتا ہے اپنے اس فضل سے سرفراز فرماتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر اعتراض کرے تو گویا وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ کائنات کی بادشاہی اس کے پاس ہے اور اسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند سے انبیاء کو منتخب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں بادشاہی واقعی ان کو مل گئی ہوتی تو یہ اتنے بخیل ہیں کہ کسی کو ذرہ برابر بھی کچھ نہ دیتے۔

(۳۹) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت جس کو مناسب سمجھتا ہے نبوت اور خلافت و حکومت کے اعزاز سے سرفراز فرماتا ہے، چنانچہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت و حکمت عطا فرمائی اور ان کی اولاد میں یہ سلسلہ

فِيهِمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۖ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝۵۵ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْإِيتِنَاسِ وَفُضِّلُوا نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۵۶ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا آزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا شَاظِرٌ مُّغْلَبٌ ۝۵۷

چنانچہ ان میں سے کچھ ان پر ایمان لائے اور کچھ نے ان سے منہ موڑ لیا۔ اور جہنم ایک بھڑکتی آگ کی شکل میں (ان کافروں کی خبر لینے کے لئے) کافی ہے۔ ﴿۵۵﴾

بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہے ہم انہیں آگ میں داخل کریں گے۔ جب بھی ان کی کھالیں جل جل کر پک جائیں گی، تو ہم انہیں ان کے بدلے دوسری کھالیں دے دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ بیشک اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی ﴿۵۶﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور ہم انہیں گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے۔ ﴿۵۷﴾

جاری رکھا۔ چنانچہ ان میں سے بعض (مثلاً حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام) نبی ہونے کے ساتھ حکمران بھی بنے۔ اب تک ان کے ایک صاحبزادے (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں نبوت و حکومت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ اب اگر ان کے دوسرے صاحبزادے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بخش دیا گیا ہے تو اس میں اعتراض یا حسد کی کیا بات ہے؟ (۴۰) اشارہ اس طرف ہے کہ جنت میں روشنی ہوگی مگر دھوپ کی تپش نہیں ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

ع ۵

(مسلمانو!) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ ﴿۵۸﴾  
اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں، اُن کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے ﴿۵۹﴾

(۴۱) ”صاحب اختیار“ سے مراد اکثر مفسرین کے مطابق مسلمان حکمران ہیں۔ جائز امور میں ان کے احکام کی اطاعت بھی مسلمانوں کا فرض ہے۔ البتہ یہ اطاعت اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ کسی ایسی بات کا حکم نہ دیں جو شرعاً ناجائز ہو۔ اس بات کو قرآن کریم نے دو طرح واضح فرمایا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ اصحاب اختیار کی اطاعت کا ذکر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد فرمایا ہے جس میں یہ اشارہ ہو گیا کہ حکمرانوں کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ دوسرے اگلے جملے میں مزید صراحت کے ساتھ بتا دیا گیا کہ اگر کسی معاملے میں یہ اختلاف پیدا ہو جائے کہ آیا حکمرانوں کا دیا ہوا حکم صحیح اور قابل طاعت ہے یا نہیں تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھو، اگر وہ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ  
يُرِيدُونَ أَنْ يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ط وَيُرِيدُ  
الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اُس کلام پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور اُس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، (لیکن) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلے کے لئے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا کر دے ﴿۶۰﴾

قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت واجب نہیں ہے اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ایسا حکم واپس لے لیں، اور اگر وہ حکم قرآن و سنت کے کسی صریح یا اجماعی طور پر مسلم حکم کے خلاف نہیں ہے تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس پر عمل کریں۔

(۴۲) یہاں سے ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اصل میں دل سے تو یہودی تھے، مگر مسلمانوں کو دکھانے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جس معاملے میں ان کو توقع ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فائدے کا فیصلہ کریں گے، ان کا مقدمہ تو آپ کے پاس لے جاتے، لیکن جس مسئلے میں ان کو خیال ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کے خلاف ہوگا، وہ مقدمہ آپ کے بجائے کسی یہودی سردار کے پاس لے جاتے جسے اس آیت میں ”طاغوت“ کہا گیا ہے۔ منافقین کی طرف سے ایسے کئی واقعات پیش آئے تھے جو متعدد روایات میں منقول ہیں۔ ”طاغوت“ کے لفظی معنی ہیں ”نہایت سرکش“، لیکن یہ لفظ شیطان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور ہر باطل کے لئے بھی۔ یہاں اس سے مراد وہ حاکم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے بے نیاز ہو کر یا ان کے خلاف فیصلہ کرے۔ آیت نے واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر کسی اور قانون کو ترجیح دے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔



وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ  
عَنْكَ صُدُودًا ۖ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ  
جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللَّهِ إِنَّ أَمْرَنَا إِلَّا أَحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ  
اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۖ  
وَمَا أَمْرُ سُلَٰمٍ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ  
جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۖ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے اُتارا ہے اور رسول کی طرف، تو تم  
ان منافقوں کو دیکھو گے کہ وہ تم سے پوری طرح منہ موڑ بیٹھتے ہیں ﴿۶۱﴾ پھر اُس وقت ان کا کیا  
حال بنتا ہے جب خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے؟ اُس وقت  
یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھلائی کرنے اور ملاپ  
کر دینے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ﴿۶۲﴾ یہ وہ ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کی ساری باتیں خوب جانتا ہے۔  
لہذا تم انہیں نظر انداز کر دو، انہیں نصیحت کرو، اور ان سے خود ان کے بارے میں ایسی بات کہتے رہو  
جو دل میں اُتر جانے والی ہو۔ ﴿۶۳﴾

اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لئے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت  
کی جائے۔ اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اُس وقت تمہارے پاس آ کر اللہ  
سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے  
والا، بڑا مہربان پاتے۔ ﴿۶۴﴾

(۴۳) یعنی جب ان کا یہ معاملہ تمام لوگوں پر کھل جاتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بجائے یا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ  
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٥﴾ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ  
أَوْ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ  
بِهِ لَكَانَ خَيْرٌ لَّاهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٥٦﴾

نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ  
اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں  
کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر تسلیم خم کر دیں ﴿۵۵﴾ اور اگر ہم ان کے لئے یہ  
فرض قرار دے دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے سے  
لوگوں کے سوا کوئی اس پر عمل نہ کرتا۔ اور جس بات کی انہیں نصیحت کی جا رہی ہے اگر یہ لوگ اس پر عمل  
کر لیتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، اور ان میں خوب ثابت قدمی پیدا کر دیتا ﴿۵۶﴾

اس کے خلاف کسی اور کو اپنا فیصلہ بنا رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں انہیں ملامت یا کسی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے  
تو یہ جھوٹی تاویل کرتے ہیں کہ ہم اس شخص کے پاس عدالتی فیصلہ کرائے نہیں گئے تھے، بلکہ مصالحت کا کوئی راستہ  
نکالنا چاہتے تھے جس سے جھگڑے کے بجائے میل ملاپ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

(۴۴) مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو تو بڑے سخت قسم کے احکام دیئے گئے تھے جن میں توبہ کے طور پر ایک  
دوسرے کو قتل کرنا بھی شامل تھا جس کا ذکر سورہ بقرہ (آیت ۵۴) میں آیا ہے۔ اب اگر کوئی ایسا سخت حکم دیا جاتا تو  
ان میں سے کوئی بھی عمل نہ کرتا۔ اب تو اس سے بہت آسان حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے  
احکام کو دل و جان سے تسلیم کر لو، لہذا عافیت کا راستہ یہی ہے کہ وہ آپ کے صحیح معنی میں فرماں بردار بن جائیں۔  
بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے یہ شیخی بھی بگھاری تھی کہ ہم تو ایسی فرماں بردار قوم ہیں کہ جب  
ہمارے آباء و اجداد کو یہ حکم ہوا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں تو انہوں نے اس جیسے سخت حکم پر عمل کرنے سے بھی  
دریغ نہیں کیا۔ یہ آیت ان کی اس بات کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے۔

وَإِذَا لَاتِيَهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَلَهَدِيَهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَافِقًا ﴿٦٩﴾ ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا ﴿٧٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخْذُوا حِذْرَكُمْ ۖ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ تَنْفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَإِنْ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيَبْغِضَنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَاهِدًا ﴿٧٢﴾

اور اُس صورت میں ہم انہیں خود اپنے پاس سے یقیناً اجرِ عظیم عطا کرتے ﴿۶۷﴾ اور انہیں ضرور بالضرور سیدھے راستے تک پہنچادیتے ﴿۶۸﴾ اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں! ﴿۶۹﴾ یہ فضیلت اللہ کی طرف سے ملتی ہے، اور (لوگوں کے حالات سے) پوری طرح باخبر ہونے کے لئے اللہ کافی ہے۔ ﴿۷۰﴾

اے ایمان والو! (دشمن سے مقابلے کے وقت) اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو، پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں (جہاد کے لئے) نکلو، یا سب لوگ اکٹھے ہو کر نکل جاؤ ﴿۷۱﴾ اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ضرور ہوگا جو (جہاد میں جانے سے) سستی دکھائے گا، پھر اگر (جہاد کے دوران) تم پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر بڑا انعام کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ موجود نہیں تھا ﴿۷۲﴾

(۴۵) یعنی وہ کسی کو یہ فضیلت معاذ اللہ بے خبری کے ساتھ نہیں دیتا بلکہ ہر شخص کے عملی حالات سے باخبر ہو کر دیتا ہے۔

وَلَمَّا أَصَابَكُمْ فُضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لِيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يُّلَيِّتُنِي  
 كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۴۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ  
 الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ  
 نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۴۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ  
 الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ  
 الظَّالِمُ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿۴۵﴾

اور اگر اللہ کی طرف سے کوئی فضل (یعنی فتح اور مال غنیمت) تمہارے ہاتھ آئے تو وہ کہے گا — گویا  
 تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستی تو تھی ہی نہیں — کہ ”کاش میں بھی ان لوگوں کے ساتھ  
 ہوتا تو بہت کچھ میرے بھی ہاتھ لگ جاتا!“ ﴿۴۳﴾ لہذا اللہ کے راستے میں وہ لوگ لڑیں جو دنیوی  
 زندگی کو آخرت کے بدلے بچ دیں۔ اور جو اللہ کے راستے میں لڑے گا، پھر چاہے قتل ہو جائے یا  
 غالب آجائے، (ہر صورت میں) ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔ ﴿۴۴﴾

اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں  
 اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دُعا کر رہے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال  
 لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجئے،  
 اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجئے“ ﴿۴۵﴾

(۴۶) مطلب یہ ہے کہ یوں تو وہ زبان سے مسلمانوں سے دوستی کا دم بھرتے ہیں، لیکن جنگ میں شرکت سے  
 متعلق ان کے خیالات تمام تر خود غرضی پر مبنی ہوتے ہیں۔ خود تو جنگ میں شریک ہوتے نہیں، اور جب مسلمانوں  
 کو جنگ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ان کو افسوس نہیں ہوتا بلکہ وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہم اس تکلیف سے بچ گئے،  
 اور اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے، اور مال غنیمت حاصل ہوتا ہے تو یہ خوش ہونے کے بجائے حسرت کرتے ہیں کہ  
 ہم اس مال غنیمت سے محروم رہ گئے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ  
الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٦٦﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى  
الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ  
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً  
وَقَالُوا أَرَبَبَّنَا لِمَ كُتِبَ عَلَيْنَا الْقِتَالُ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاءُ  
الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۖ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى ۚ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٦٧﴾

جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ  
طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں۔ لہذا (اے مسلمانو!) تم شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ (یاد رکھو  
کہ) شیطان کی چالیں درحقیقت کمزور ہیں ﴿۶۶﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے  
(مکی زندگی میں) کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور نماز قائم کئے جاؤ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر  
جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے ایک جماعت (دشمن) لوگوں سے ایسی ڈرنے لگی جیسے  
اللہ سے ڈرا جاتا ہے، یا اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگی، اور ایسے لوگ کہنے لگے کہ ”اے ہمارے  
پروردگار! آپ نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی، تھوڑی مدت تک ہمیں مہلت کیوں نہیں دی؟“  
کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے، اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کے لئے آخرت کہیں زیادہ  
بہتر ہے، اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا ﴿۶۷﴾

(۴۷) مکہ مکرمہ میں جب مسلمان کفار کے سخت ظلم و ستم کا سامنا کر رہے تھے، اس وقت بہت سے حضرات کے  
دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ ان کافروں سے انتقام لینے کے لئے جنگ کریں، لیکن اُس وقت اللہ تعالیٰ کی  
طرف سے جہاد کا حکم نہیں آیا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی مصلحت اس میں تھی کہ وہ صبر و ضبط کی  
بھٹی سے گذر کر اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہوں، اور پھر جہاد کریں تو وہ محض ذاتی انتقام کے جذبے سے نہ ہو بلکہ اللہ

أَيُّنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ  
حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ  
عِنْدِكَ ۖ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ  
حَدِيثًا ۝ (۸) مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۚ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۚ

تم جہاں بھی ہو گے (ایک نہ ایک دن) موت تمہیں جا پکڑے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ رہ رہے ہو۔ اور اگر ان (منافقوں) کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر ان کو کوئی برا واقعہ پیش آ جاتا ہے تو (اے پیغمبر!) وہ (تم سے) کہتے ہیں کہ یہ برا واقعہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ کہہ دو کہ ہر واقعہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے نزدیک تک نہیں آتے؟ ﴿۸﴾

تمہیں جو کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور جو کوئی بُرائی پہنچتی ہے، وہ تو تمہارے اپنے سبب سے ہوتی ہے۔

کی رضا کی خاطر ہو۔ لہذا اس وقت جب کچھ مسلمان جہاد کی تمنا کرتے تو ان سے یہی کہا جاتا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور جہاد کے بجائے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام پر عمل کرتے رہو۔ بعد میں جب یہ حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو جہاد فرض ہوا۔ اُس وقت چونکہ ان کی پرانی تمنا پوری ہو گئی تھی، اس لئے انہیں خوش ہونا چاہئے تھا، لیکن ان میں سے بعض حضرات کے دل میں یہ خیال آیا کہ تقریباً تیرہ سال کی صبر آزما تکلیفوں کے بعد اب ذرا سکون اور عافیت کی زندگی میسر آئی ہے، اس لئے جہاد کا حکم کچھ مزید مؤخر ہو جاتا تو اچھا تھا۔ ان کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ کے حکم پر کوئی اعتراض نہیں تھا، بلکہ بشریت کا ایک تقاضا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ صحابہ کا مقام اس بات سے بلند ہونا چاہئے کہ وہ کسی وقت دنیاوی راحت و آرام کو اتنی اہمیت دیں کہ اس کی خاطر آخرت کے فوائد کو کچھ عرصے کے لئے ہی سہی مؤخر کرنے کی آرزو کرنے لگیں۔

## وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۴۹﴾

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں لوگوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ (اس بات کی) گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۴۹﴾<sup>(۴۸)</sup>

(۴۸) ان آیتوں میں دو حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے حکم ہی سے ہوتا ہے۔ کسی کو کوئی فائدہ پہنچے تو وہ بھی اللہ کے حکم سے پہنچتا ہے، اور نقصان پہنچے تو وہ بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کا حکم اللہ تعالیٰ کب اور کس بنا پر دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں آیت ۷۹ نے یہ بتایا ہے کہ جہاں تک کسی کو فائدہ پہنچنے کا تعلق ہے اس کا حقیقی سبب صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے، کیونکہ کسی بھی مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کوئی اجارہ نہیں آتا کہ وہ اسے ضرور فائدہ پہنچائے، اور اگر اس فائدے کا کوئی ظاہری سبب اس شخص کا کوئی عمل نظر آتا بھی ہو تو اس عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی فضل ہے، اور اس شخص کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر انسان کو کوئی نقصان پہنچے تو اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ یہ حکم اسی وقت فرماتے ہیں جب اس شخص نے اپنے اختیاری عمل سے کوئی غلطی کی ہو۔ اب منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ جب انہیں کوئی فائدہ پہنچتا تو اس کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے، لیکن کوئی نقصان ہو جاتا تو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگا دیتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو نقصان کی ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد کر رہے ہیں، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نقصان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا ہے، تو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اس کائنات میں تمام کام اللہ ہی کے حکم سے ہوتے ہیں، کسی اور کے حکم سے نہیں، اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی غلطی اس کا سبب بنی ہے تو یہ بات بھی غلط ہے، ہر انسان کو خود اس کے اپنے کسی عمل کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، لہذا نہ تو کائنات میں واقع ہونے والے کسی تکوینی واقعے کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، اور نہ آپ فرائض رسالت میں کسی کوتاہی کے مرتکب ہو سکتے ہیں جس کا خمیازہ آپ کی امت کو بھگتنا پڑے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيفًا ۖ ۝  
وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَدُوا مِنْ عِنْدِكَ بَِيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي  
تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَفَىٰ  
بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝<sup>(۸۱)</sup> أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۖ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا  
فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝<sup>(۸۲)</sup>

جو رسول کی اطاعت کرے، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جو (اطاعت سے) منہ پھیر لے تو  
(اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا (کہ تمہیں ان کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا  
جائے) ﴿۸۰﴾ اور یہ (منافق لوگ سامنے تو) اطاعت کا نام لیتے ہیں، مگر یہ تمہارے پاس سے  
باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کے وقت تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے،  
اور یہ رات کے وقت جو مشورے کرتے ہیں، اللہ وہ سب لکھ رہا ہے۔ لہذا تم ان کی پروا مت کرو،  
اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور اللہ تمہاری حمایت کے لئے بالکل کافی ہے ﴿۸۱﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں  
غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت  
اختلافات پاتے۔ ﴿۸۲﴾<sup>(۳۹)</sup>

(۳۹) یوں تو انسان کی کوئی کاوش کمزوریوں سے پاک نہیں ہوتی، لہذا انسان کی کتابوں میں تضاد اور اختلافات  
پائے جاتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنی کسی کتاب کے بارے میں یہ جھوٹا دعویٰ کرے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تو  
اس میں یقیناً تضادات اور اختلافات ہوں گے۔ جن لوگوں نے پچھلے انبیائے کرام کی کتابوں میں تحریقات کی  
ہیں، ان کی وجہ سے ان کتابوں میں جو تضادات پیدا ہوئے ہیں، وہ اس بات کی واضح دلیل ہیں۔ ان کی تفصیل  
دیکھنی ہو تو حضرت مولانا رحمت اللہ کیہ انویٰ کی کتاب ”اظہار الحق“ کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کا اردو ترجمہ ”بائبل  
سے قرآن تک“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔



وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ الْإِنْفُسَ وَحَرَضَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِيَكُمْ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كُفْلٌ مِنْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقَيِّتًا ﴿٨٥﴾

اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلا نا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحاب اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔ اور (مسلمانو!) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے ﴿۸۳﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہاں مومنوں کو ترغیب دیتے رہو۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور توڑ دے۔ اور اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس کی سزا بڑی سخت ﴿۸۴﴾ جو شخص کوئی اچھی سفارش کرتا ہے، اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے، اور جو کوئی بری سفارش کرتا ہے اسے اس برائی میں سے حصہ ملتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔ ﴿۸۵﴾

(۵۰) بعض لوگ مدینہ منورہ میں بلا تحقیق افواہیں پھیلا دیا کرتے تھے جس سے معاشرے میں بڑا نقصان ہوتا تھا۔ یہ آیت ایسی بے تحقیق افواہوں پر یقین کر لینے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی ممانعت کر رہی ہے۔  
(۵۱) پچھلی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں، اس

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَوِيًّا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ لِيَجْمَعَ كُفْرَكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا مَرِيبَ فِيهِ ۚ وَمَنْ يُضِلَّهُ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾ فَمَالَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَسَبُوا ۚ

اور جب تمہیں کوئی شخص سلام کرے تو تم اسے اس سے بھی بہتر طریقے پر سلام کرو، یا (کم از کم) انہی الفاظ میں اس کا جواب دے دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا حساب رکھنے والا ہے ﴿۸۶﴾ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ تمہیں ضرور بالضرور قیامت کے دن اکٹھا کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ بات کا سچا ہو؟ ﴿۸۷﴾ پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟، حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بنا پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔

کے بعد یہ آیت لا کر اشارہ کر دیا گیا کہ آپ کی ترغیب کے نتیجے میں جو لوگ جہاد کریں گے، ان کے ثواب میں آپ بھی شریک ہوں گے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اچھی سفارش کے نتیجے میں کوئی نیک کام کرے تو جو ثواب کام کرنے والے کو ملتا ہے، اس میں سفارش کرنے والے کو بھی حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر بری سفارش کے نتیجے میں کوئی غلط کام ہو جائے تو جتنا گناہ غلط کام کرنے والے کو ملے گا، بری سفارش کرنے والا بھی اس کے گناہ میں شریک ہوگا۔

(۵۲) سلام بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک سفارش ہے، اس لئے سفارش کا حکم بیان کرنے کے ساتھ سلام کا حکم بھی بیان فرما دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پسندیدہ بات تو یہ ہے کہ جن الفاظ میں کسی شخص نے سلام کیا ہے اس سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دیا جائے، مثلاً اگر اس نے صرف ”السلام علیکم“ کہا ہے تو جواب میں ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ“ کہا جائے، اور اگر اس نے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہا ہے تو جواب میں ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہا جائے، لیکن اگر بعینہ اسی کے الفاظ میں جواب دے دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ کسی مسلمان کے سلام کا بالکل جواب نہ دینا گناہ ہے۔

(۵۳) ان آیتوں میں چار قسم کے منافقین کا تذکرہ ہے، اور ان میں سے ہر قسم کا حکم الگ بیان کیا گیا ہے۔ اس

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ سَبِيلًا ﴿٨٨﴾  
وَدُّوا لَوْ تُكْفَرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّى  
يُهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُواهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۖ  
وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے شخص کو ہدایت پر لاؤ جسے اللہ (اس کی خواہش کے مطابق) گمراہی میں مبتلا کر چکا؟ اور جسے اللہ گمراہی میں مبتلا کر دے، اس کے لئے تم ہرگز کبھی کوئی بھلائی کا راستہ نہیں پاسکتے ﴿۸۸﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے کفر کو اپنا لیا ہے، اسی طرح تم بھی کافر بن کر سب برابر ہو جاؤ۔ لہذا (اے مسلمانو!) تم ان میں سے کسی کو اس وقت تک دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کے راستے میں ہجرت نہ کر لے۔ چنانچہ اگر وہ (ہجرت سے) اعراض کریں تو ان کو پکڑو، اور جہاں بھی انہیں پاؤ، انہیں قتل کر دو، اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ، نہ مددگار۔ ﴿۸۹﴾

آیت (نمبر ۸۸) میں منافقین کی پہلی قسم کا ذکر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ تھے جو مدینہ منورہ آئے اور ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے، اور مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تجارت کے بہانے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت لی، اور واپس چلے گئے۔ ان کے بارے میں بعض مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ یہ سچے مسلمان تھے، اور بعض انہیں منافق سمجھتے تھے۔ لیکن جب وہ مکہ مکرمہ جا کر واپس نہ لوٹے تو ان کا کفر ظاہر ہو گیا، کیونکہ اس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا ایمان کا لازمی حصہ تھا، اور جو شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے، اسے مسلمان قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ لہذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اب جبکہ ان کا نفاق ظاہر ہو چکا ہے، تو ان کے بارے میں کسی اختلاف رائے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ  
صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ  
فَلَقَتَلُوكُمْ ۚ فَإِنْ اعْتَذَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوَالِ بَيْنَكُمْ السَّلَامُ ۚ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ  
لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۙ سَتَجِدُونَ أَخْرَيْنَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا  
قَوْمَهُمْ ۚ كُلُّ شَرَادٍ إِلَىٰ الْفِتْنَةِ أُرْسُوا فِيهَا ۚ

ہاں وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جن کے اور تمہارے درمیان کوئی (صلح  
کا) معاہدہ ہے، یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس طرح آئیں کہ ان کے دل تمہارے خلاف جنگ  
کرنے سے بھی بیزار ہوں، اور اپنی قوم کے خلاف جنگ کرنے سے بھی<sup>(۵۴)</sup> — اور اگر اللہ چاہتا تو  
انہیں تم پر مسلط کر دیتا، تو وہ تم سے ضرور جنگ کرتے — چنانچہ اگر وہ تم سے کنارہ کشی کرتے ہوئے  
تم سے جنگ نہ کریں، اور تم کو امن کی پیشکش کر دیں تو اللہ نے تم کو ان کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی  
حق نہیں دیا ﴿۹۰﴾ (منافقین میں) کچھ دوسرے لوگ تمہیں ایسے ملیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ تم  
سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ (مگر) جب کبھی ان کو فتنے کی طرف واپس بلایا جائے، وہ  
اس میں اوندھے منہ جا گرتے ہیں۔<sup>(۵۵)</sup>

(۵۴) پچھلی آیت میں ایسے منافقین سے جنگ کرنے اور انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا جن کا کفر ظاہر ہو چکا ہو،  
البتہ اس حکم سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ کئے گئے ہیں، ایک وہ لوگ جو کسی ایسی غیر مسلم قوم کے ساتھ جا ملے ہوں جن  
سے مسلمانوں نے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا ہو، اور دوسرے وہ لوگ جو جنگ سے بالکل بیزار ہوں، نہ  
مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہوں، نہ اپنی قوم سے، اور چونکہ ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مسلمانوں سے نہیں لڑیں  
گے تو خود ان کی قوم ان سے لڑے گی، اس لئے وہ مسلمانوں کے پاس آ جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی  
مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ یہاں تک منافقین کی تین قسمیں ہو گئیں۔  
(۵۵) اوپر کی آیت میں تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر تھا جو واقعۃً جنگ سے بیزار تھے، اور مسلمانوں سے لڑنا نہیں



فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فِدْيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِمْ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۹۱﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۲﴾

اور اگر مقتول کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جو تمہاری دشمن ہے، مگر وہ خود مسلمان ہو، تو بس ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا فرض ہے، (خون بہا دینا واجب نہیں)۔ اور اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جو (مسلمان نہیں، مگر) ان کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہے، تو بھی یہ فرض ہے کہ خون بہا اس کے وارثوں تک پہنچایا جائے، اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے۔ ہاں اگر کسی کے پاس غلام نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ دو مہینے تک مسلسل روزے رکھے۔ یہ توبہ کا طریقہ ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے، اور اللہ علیم و حکیم ہے ﴿۹۲﴾ اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا، اور اللہ نے اس کے لئے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۹۳﴾

(۵۷) اس سے مراد وہ مسلمان ہے جو دار الحرب میں رہتا ہو۔ اگر اسے غلطی سے قتل کر دیا جائے تو صرف کفارہ واجب ہے، دیت واجب نہیں ہے۔

(۵۸) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا غیر مسلم غلطی سے قتل ہو جائے جو مسلم ریاست کا شہری بن کر امن سے رہتا ہو (جسے اصطلاح میں ”ذمی“ کہتے ہیں) تو اس میں بھی دیت اور کفارہ اسی طرح واجب ہیں جیسے کسی مسلمان کو قتل کرنے پر واجب ہوتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ  
إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ  
كَثِيرَةٌ ۚ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَنَفِئَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا  
تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٣﴾

اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو، اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ ”تم مومن نہیں ہو“ کیونکہ اللہ کے پاس مالِ غنیمت کے بڑے ذخیرے ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔ لہذا تحقیق سے کام لو۔ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۹۳﴾

(۵۹) اللہ کے راستے میں سفر کرنے سے مراد جہاد کے لئے سفر کرنا ہے۔ ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا کہ ایک جہاد کے دوران کچھ غیر مسلموں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے لئے صحابہ کرام کو سلام کیا۔ وہ صحابہ یہ سمجھے کہ ان لوگوں نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کیا ہے، اور حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوئے، چنانچہ انہوں نے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ اصول بیان کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اسلام لائے اور اسلام کے تمام ضروری عقائد کا اقرار کر لے تو ہم اسے مسلمان ہی سمجھیں گے، اور اس کے دل کا حال اللہ پر چھوڑیں گے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کھلے کھلے کفریہ عقائد رکھتا ہو، تو صرف ”السلام علیکم“ کہہ دینے کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

(۶۰) یعنی شروع میں تم بھی غیر مسلم ہی تھے، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تم مسلمان ہوئے، مگر تمہارے زبانی اقرار کے سوا تمہارے سچا مسلمان ہونے کی کوئی اور دلیل نہیں تھی، تمہارے ظاہری اقرار ہی کی بنا پر تمہیں مسلمان مانا گیا۔

لَا يَسْتَوِي الْقُعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَامِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ  
 اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى  
 الْقُعْدِينَ دَرَجَةً ۖ وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۖ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى  
 الْقُعْدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۱۵ دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا  
 رَحِيمًا ۝۱۶ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۝۱۷

جن مسلمانوں کو کوئی معذوری لاحق نہ ہو اور وہ (جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں) بیٹھ رہیں وہ  
 اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ اپنے مال و  
 جان سے جہاد کرتے ہیں ان کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے  
 سب سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑی فضیلت دے کر  
 بڑا ثواب بخشا ہے ﴿۹۵﴾ یعنی خاص اپنے پاس سے بڑے درجے اور مغفرت اور رحمت! اور اللہ  
 بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۶﴾ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور اسی حالت میں  
 فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو بولے ”تم کس حالت میں تھے؟“

(۶۱) یہ اس حالت کا ذکر ہے جب جہاد ہر شخص کے ذمے فرض عین نہ ہو۔ ایسے میں جو لوگ جہاد میں جانے کے  
 بجائے گھر میں بیٹھ گئے، اگرچہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ان کے ایمان اور دوسرے نیک کاموں کی وجہ سے اللہ  
 تعالیٰ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے، لیکن جو لوگ جہاد میں گئے ہیں ان کا درجہ گھر بیٹھنے والوں سے بہت  
 زیادہ ہے۔ البتہ جہاں جہاد فرض عین ہو جائے، یعنی جب مسلمانوں کا امیر تمام مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیدے یا  
 جب کوئی دشمن مسلمانوں پر چڑھ آئے، تو پھر گھر بیٹھنا حرام ہے۔

(۶۲) ”اپنی جان پر ظلم کرنا“ قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب کسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے،  
 کیونکہ گناہ کر کے انسان اپنی جان ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس آیت میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں سے  
 مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قدرت کے باوجود مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ جب



قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۖ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً  
فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ  
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ  
عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۖ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ  
وِرَسُولِهِ ثُمَّ يَدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾

وہ کہنے لگے کہ ”ہم تو زمین میں بے بس بنادیئے گئے تھے۔“ فرشتوں نے کہا ”کیا اللہ کی زمین  
کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟“ لہذا ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ نہایت بڑا  
انجام ہے ﴿۹۷﴾ البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں) جو (ہجرت کی)  
کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ (نکلنے کا) کوئی راستہ پاتے ہیں ﴿۹۸﴾ چنانچہ پوری اُمید ہے کہ اللہ ان  
کو معاف فرمادے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے ﴿۹۹﴾ اور جو شخص اللہ کے راستے  
میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور بڑی گنجائش پائے گا۔ اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور  
اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لئے نکلے، پھر اسے موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب  
اللہ کے پاس طے ہو چکا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۰۰﴾

مسلمانوں کے لئے ہجرت کا حکم آ گیا تھا تو مکہ میں رہنے والے ہر مسلمان پر شرعاً فرض تھا کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف  
ہجرت کرے، بلکہ اس کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا تھا، اور اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرتا تو  
اسے مسلمان قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ اس آیت میں ایسے ہی بعض لوگوں کا ذکر ہے کہ جب فرشتے ان کے پاس ان کی  
روح قبض کرنے آئے تو ان کے ساتھ کیا مکالمہ ہوا۔ چونکہ یہ لوگ ہجرت کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے  
مسلمان نہیں رہے تھے، اس لئے ان کے بارے میں دوزخی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ البتہ جو لوگ کسی مجبوری کی  
بنا پر ہجرت سے قاصر رہے تھے، ساتھ ہی ان کا استثناء بھی کر دیا گیا ہے کہ معذوری کی وجہ سے وہ قابلِ معافی ہیں۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّكُمْ خِفْتُمْ أَنْ يَقْتُلَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا أَلَكُمُ عَدُوًّا مُبِينًا ۖ وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقْبِتْ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَافِقَةً مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۖ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَافِقَةً أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَاهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ

اور جب تم زمین میں سفر کرو اور تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے، تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کر لو۔<sup>(۳۳)</sup> یقیناً کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں ﴿۱۰۱﴾ اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انہیں نماز پڑھاؤ تو (دشمن سے مقابلے کے وقت اس کا طریقہ یہ ہے کہ) مسلمانوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے، اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لے۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو آگے آجائے، اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے، اور وہ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے۔

(۶۳) اللہ تعالیٰ نے سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء کی نماز آدھی کر دی ہے۔ اسے ”قصر“ کہا جاتا ہے۔ عام سفروں میں قصر ہر حالت میں واجب ہے، چاہے دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو، لیکن یہاں ایک خاص قسم کے قصر کا ذکر مقصود ہے جو دشمن کے مقابلے کے وقت ہی ہو سکتا ہے، اس میں یہ چھوٹ بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک ہی امام کے پیچھے باری باری ایک ایک رکعت پڑھے، اور دوسری رکعت بعد میں تنہا پوری کرے جس کا طریقہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ خاص قسم کا قصر، جسے ”صلاة الخوف“ کہتے ہیں، دشمن کے مقابلے کی حالت ہی میں ہو سکتا ہے، اس لئے یہاں قصر کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ”اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے“ (ابن جریر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر ”صلاة الخوف“ پڑھی ہے۔ اس کا مفصل طریقہ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَيُغْفَرْنَ عَنْكُمْ وَيُعْلَمُونَ عَلَيْكُمْ مَبِيلُهُمْ  
 وَاحِدَةً ۖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَن  
 تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾  
 فَإِذَا أَقَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيًّا وَفَعُّودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ  
 فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهْنُوا فِي  
 ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۚ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ  
 مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

ع ۱۵  
۱۲

کافر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک دم تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو، ہاں اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو۔ بیشک اللہ نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۰۲﴾ پھر جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کو (ہر حالت میں) یاد کرتے رہو، کھڑے بھی بیٹھے بھی، اور لیٹے ہوئے بھی۔ پھر جب تمہیں (دُشمن کی طرف سے) اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز قاعدے کے مطابق پڑھو۔ بیشک نماز مسلمانوں کے ذمے ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے ﴿۱۰۳﴾ اور تم ان لوگوں (یعنی کافر دُشمن) کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ، اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی اسی طرح تکلیف پہنچی ہے جیسے تمہیں پہنچی ہے، اور تم اللہ سے اُس بات کے اُمیدوار ہو جس کے وہ اُمیدوار نہیں۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۱۰۴﴾

(۶۴) یعنی سفر یا خوف کی حالت میں نماز میں تو قصر ہو سکتا ہے، لیکن اللہ کا ذکر ہر حالت میں جاری رہنا چاہئے، کیونکہ اس کا نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے، نہ کوئی خاص ہیئت۔ وہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں ہو سکتا ہے۔  
 (۶۵) جنگ کے اختتام پر لوگ تھکے ہوئے ہوتے ہیں، اور اس وقت دُشمن کا تعاقب بھاری معلوم ہوتا ہے، لیکن

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيهَا أَلْمَسَكَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَكُنْ  
 لِلْخَافِينَ خَصِيماً ۝۱۵ۖ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۶ وَلَا  
 تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا  
 أَثِيمًا ۝۱۷ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ  
 مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝۱۸

بیشک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لئے اُتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھا دیا ہے، اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو ۝۱۵ۖ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ۝۱۶ۖ اور کسی تنازعے میں ان لوگوں کی وکالت نہ کرنا جو خود اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں۔ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے گنہگار کو پسند نہیں کرتا ۝۱۷ۖ یہ لوگوں سے تو شر ماتے ہیں، اور اللہ سے نہیں شر ماتے، حالانکہ وہ اس وقت بھی ان کے پاس ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں۔ اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ نے اس سب کا احاطہ کر رکھا ہے ۝۱۸ۖ

اگر جنگی مصلحت ہو اور امیر حکم دے تو تعاقب واجب ہے۔ ایسے میں یہ سوچنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ جس طرح ہم تھکے ہوئے ہیں، دشمن بھی تو تھکا ہوا ہے، اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور ثواب کی جو امید ہے وہ دشمن کو حاصل نہیں ہے۔

(۶۶) یہ آیتیں اگرچہ عام ہدایتوں پر مشتمل ہیں، مگر ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی ہیں۔ خاندان بنو امیر ق کے ایک شخص بشر نے جو ظاہری طور پر مسلمان تھا، ایک صحابی حضرت رفاعہؓ کے گھر میں نقب لگا کر کچھ غلہ اور کچھ ہتھیار چرائے، اور لے جاتے وقت ہوشیاری یہ کی کہ غلے کی بوری کا منہ اس طرح کھولا کہ تھوڑا تھوڑا غلہ راستے میں گرتا جائے، یہاں تک کہ ایک یہودی کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر بوری کا منہ بند کر دیا، اور بعد میں چوری کئے ہوئے ہتھیار اسی یہودی کے پاس رکھوا دیئے۔ جب چوری کی تفتیش شروع ہوئی تو ایک طرف غلے کے

هَآأْتُمْ هَآؤَلَا ءَجَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيَوةِ الدُّنْيَا ۖ فَمَنْ يُجَادِلِ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ  
الْقِيَمَةِ أَمْ مَنْ لِّىْكَوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۙ ۝۹ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ لَبَّيْكُمْ  
يَسْتَغْفِرُ اللّٰهُ بِحَدِّ اللّٰهِ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ ۝۱۰ وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ  
عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ ۝۱۱

ارے تمہاری بساط یہی تو ہے کہ تم نے دُنوی زندگی میں لوگوں سے جھگڑ کر ان (خیانت کرنے والوں) کی حمایت کر لی! بھلا اس کے بعد قیامت کے دن اللہ سے جھگڑ کر کون ان کی حمایت کرے گا، یا کون ان کا وکیل بنے گا؟ ﴿۱۰۹﴾ اور جو شخص کوئی برا کام کر گذرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے معافی مانگ لے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان پائے گا ﴿۱۱۰﴾ اور جو شخص کوئی گناہ کمائے، تو وہ اس کمائی سے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور اللہ پورا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے ﴿۱۱۱﴾

نشانات یہودی کے گھریک پائے گئے تھے، اور دوسری طرف ہتھیار اسی کے پاس سے برآمد ہوئے، اس لئے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال یہ ہونے لگا کہ یہ چوری اسی یہودی نے کی ہے، یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ ہتھیار تو میرے پاس بشر نامی شخص نے رکھوائے تھے، مگر چونکہ وہ اس پر کوئی گواہ پیش نہ کر سکا تھا، اس لئے آپ کا رُحمان اس طرف ہونے لگا کہ وہ جان بچانے کے لئے بشر کا نام لے رہا ہے، دوسری طرف بشر کے خاندان بنو ابیرق کے لوگ بھی بشری وکالت کرتے ہوئے اس بات پر زور لگا رہے تھے کہ سزا بشر کے بجائے یہودی کو دی جائے۔ ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ یہ آیات کریمہ نازل ہو گئیں اور ان کے ذریعے بشری دھوکا بازی کا پردہ چاک کر دیا گیا، اور یہودی کو بے گناہ قرار دے کر بری کر دیا گیا۔ بشر کو جب راز فاش ہونے کا پتہ لگا تو وہ فرار ہو کر کفار مکہ سے جا ملا اور وہاں کفر کی حالت میں بُری طرح اس کی موت واقع ہوئی۔ ان آیات کے ذریعے ایک طرف تو معاملے کی اصل حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھول دی گئی، اس کے علاوہ مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے اہم اصول بتا دیئے گئے ہیں۔ پہلا اصول یہ کہ تمام فیصلے کتاب اللہ کے احکام

وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا يَمْزُجْ بِهَا بِرًا فَقَدْ ضَلَّ بَهْتَانًا وَإِثْمًا  
 ۱۲ ع مُبِينًا ۱۱۷ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ ۖ  
 ۱۳ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصْرِؤُنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ  
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَيْكَ مَالٌ مِمَّا تَكُنْ تَعْلَمُ ۖ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۱۱۸

اور اگر کوئی شخص کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہو، پھر اس کا الزام کسی بے گناہ کے ذمے لگا دے، تو وہ بڑا  
 بھاری بہتان اور کھلا گناہ اپنے اوپر لا دیتا ہے۔ ﴿۱۱۲﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر اللہ کا فضل اور رحمت  
 تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تم کو سیدھی راہ سے بھٹکانے کا ارادہ  
 کر ہی لیا تھا۔ اور (درحقیقت) یہ اپنے سوا کسی کو نہیں بھٹکا رہے ہیں، اور یہ تم کو ذرا بھی نقصان نہیں  
 پہنچائیں گے۔ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو ان باتوں کا علم دیا ہے جو تم نہیں  
 جانتے تھے، اور تم پر اللہ کا فضل ہمیشہ بہت زیادہ رہا ہے ﴿۱۱۳﴾

کے تابع ہونے چاہئیں، دوسرا اصول یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے ایسے امور کھولتے  
 رہتے ہیں جو صراحۃً قرآن میں مذکور نہیں ہیں، فیصلے ان کی روشنی میں ہونے چاہئیں۔ آیت کے الفاظ ”اس  
 طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں سمجھا دیا ہے“ اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اور ان سے قرآن کریم  
 کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حجت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ تیسرا اصول یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ  
 جس کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ کسی مقدمے میں غلطی پر ہے اس کی وکالت کرنا جائز نہیں ہے۔  
 بنو امیرق جو بشر کی وکالت کر رہے تھے ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اول تو یہ وکالت جائز نہیں ہے، دوسرے اس کا فائدہ  
 ملزم کو زیادہ سے زیادہ دنیا میں پہنچ سکتا ہے، آخرت میں تمہاری وکالت اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

(۶۷) اس سے بشر اور اس کے حمایتی مراد ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ یہودی کو بے گناہ سزا دیوادیں۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ  
 النَّاسِ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٣﴾  
 وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ  
 الْمُؤْمِنِينَ نُؤَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٤﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ  
 أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۖ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ  
 ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٥﴾

لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتا، الا یہ کہ کوئی شخص صدقے کا یا کسی نیکی کا یا لوگوں  
 کے درمیان اصلاح کا حکم دے۔ اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کرے گا، ہم اس  
 کو زبردست ثواب عطا کریں گے ﴿۱۱۳﴾ اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی  
 رسول کی مخالفت کرے، اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ  
 کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا  
 ہے۔ ﴿۱۱۴﴾ بیشک اللہ اس بات کو نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس  
 سے کمتر ہر گناہ کی جس کے لئے چاہتا ہے بخشش کر دیتا ہے۔ ﴿۱۱۵﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک  
 ٹھہراتا ہے، وہ راہِ راست سے بھٹک کر بہت دُور جا گرتا ہے ﴿۱۱۶﴾

(۶۸) اس آیت سے علمائے کرام، بالخصوص امام شافعیؒ نے اجماع کی حیثیت پر استدلال کیا ہے، یعنی جس مسئلے پر  
 پوری امت مسلمہ متفق رہی ہو وہ یقینی طور پر برحق ہوتا ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔  
 (۶۹) یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے توبہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کر سکتا ہے،  
 لیکن شرک کی معافی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مشرک اپنے شرک سے سچی توبہ کر کے موت سے پہلے پہلے اسلام  
 قبول کرے اور توحید پر ایمان لے آئے۔ یہی مضمون پیچھے آیت نمبر ۴۸ میں بھی گذر چکا ہے۔

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنثَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝ لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَا تَخْذَنْ مِنْ عِبَادِكْ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۝ وَلَا ضَلَالَتَهُمْ وَلَا مَئِيَّةَهُمْ وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلْيَبْتِغَنَّ أَذَانُ الْأَنْعَامِ وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلْيَغْيِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۝ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُبِينًا ۝

اللہ کو چھوڑ کر جن سے یہ دعائیں مانگ رہے ہیں وہ صرف چند زنانیاں ہیں، اور جس کو یہ پکار رہے ہیں وہ اُس سرکش شیطان کے سوا کوئی نہیں ﴿۱۱۷﴾ جس پر اللہ نے پھٹکار ڈال رکھی ہے، اور اس نے (اللہ سے) یہ کہہ رکھا ہے کہ ”میں تیرے بندوں سے ایک طے شدہ حصہ لے کر رہوں گا، ﴿۱۱۸﴾ اور میں انہیں راہِ راست سے بھٹکا کر رہوں گا، اور انہیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے۔“ ﴿۱۱۹﴾ اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا۔ ﴿۱۱۹﴾

(۷۰) کفار مکہ جن من گھڑت دیویوں کو پوجتے تھے ان سب کو مونث سمجھتے تھے، لات، منات، عزریٰ سب کو مونث سمجھا جاتا تھا، نیز فرشتوں کو بھی وہ خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ آیت میں اشارہ یہ ہے کہ ایک طرف تو کفار مکہ عورتوں کو کمتر مخلوق سمجھتے ہیں، اور دوسری طرف جن کو اپنا خدا بنا رکھا ہے وہ ان کے خیال کے مطابق سب مونث ہیں۔ (۷۱) یعنی بہت سے بندوں کو گمراہ کر کے انہیں اپنا بنالوں گا، اور بہت سوں سے اپنی مرضی کے کام کرواؤں گا۔ (۷۲) کفار عرب بعض چوپایوں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے، اور ایسے جانور سے کوئی فائدہ اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس باطل رسم کی طرف اشارہ ہے کہ اس پر شیطان عمل کر رہا ہے۔ اور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی سے مراد خود یہی عمل بھی ہو سکتا ہے کہ جانور کے کان خواہ خواہ چیر دیئے جائیں، اس کے علاوہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان کاموں کو بھی ”تخلیق میں تبدیلی“ قرار دے کر منع فرمایا ہے جو عورتیں اپنے حسن میں اضافہ کرنے کی غرض سے کیا کرتی تھیں، مثلاً جسم کے کسی حصے کو سونوں وغیرہ سے گود کر نشانات بنوانا، چہرے کے قدرتی رُویں کو (جو عیب کی حد تک بڑھا ہوا نہ ہو) صاف کرنا اور دانتوں کے درمیان مصنوعی فاصلہ کروانا۔ (تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت ”معارف القرآن“ کی طرف رجوع فرمائیے)۔



يَعِدُّهُمْ وَيُيَبِّئُهُمْ ۖ وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُرْوَماً ۝ (۱۲۰) أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ  
 جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصاً ۝ (۱۲۱) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
 سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۖ  
 وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝ (۱۲۲) لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ ۚ مَنْ  
 يَّعْمَلْ سُوءًا أَوْ يُجْزِبْهُ ۚ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (۱۲۳) وَمَنْ  
 يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَ  
 لَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝ (۱۲۴) وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَ  
 اتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝ (۱۲۵)

وہ تو ان سے وعدے کرتا اور انہیں آرزووں میں مبتلا کرتا ہے، جبکہ (حقیقت یہ ہے کہ) شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ﴿۱۲۰﴾ ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ان کو اس سے بچنے کے لئے کوئی راہ فراہم نہیں ملے گی ﴿۱۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟ ﴿۱۲۲﴾ نہ تمہاری تمنائیں (جنت میں جانے کے لئے) کافی ہیں، نہ اہل کتاب کی آرزوئیں۔ جو بھی بُرا عمل کرے گا، اس کی سزا پائے گا، اور اللہ کے سوا اسے اپنا کوئی یار و مددگار نہیں ملے گا ﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص نیک کام کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مومن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور کھجور کی گٹھلی کے شکاف برابر بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۲۴﴾ اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنے چہرے (سمیت سارے وجود) کو اللہ کے آگے جھکا دیا ہو، جبکہ وہ نیکی کا خوگر بھی ہو، اور جس نے سیدھے سچے ابراہیم کے دین کی پیروی کی ہو۔ اور (یہ معلوم ہی ہے کہ) اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنا لیا تھا ﴿۱۲۵﴾

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ۝  
 وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۚ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۚ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ  
 فِي يَتَّىٰ النِّسَاءِ الَّتِي لَا تَنْتَوْنَهُنَّ مَآ كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ  
 وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۚ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا  
 مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ۝

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ نے ہر چیز کو (اپنی قدرت کے) احاطے  
 میں لیا ہوا ہے ﴿۱۲۶﴾ اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے  
 ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی جو  
 آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں) جن  
 کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے، اور ان سے نکاح کرنا بھی چاہتے ہو، نیز کمزور بچوں کے بارے  
 میں بھی (حکم بتاتی ہیں) اور یہ تاکید کرتی ہیں کہ تم یتیموں کی خاطر انصاف قائم کرو۔ اور تم جو بھلائی  
 کا کام کرو گے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہے ﴿۱۲۷﴾

(۱۲۷) اسلام سے پہلے عورتوں کو معاشرے میں ایک کمتر مخلوق سمجھا جاتا تھا، اور ان کے معاشرتی اور معاشی حقوق  
 نہ ہونے کے برابر تھے۔ جب اسلام نے عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی اور عورتوں کو بھی میراث میں  
 حصہ دار قرار دیا تو یہ بات عربوں کے معاشرے میں اتنی اچھلی تھی کہ بعض لوگ یہ سمجھتے رہے کہ عورتوں کو جو حقوق  
 دیئے گئے ہیں وہ شاید عارضی نوعیت کے ہیں، اور کسی وقت منسوخ ہو جائیں گے۔ جب ان کی منسوخی کا حکم نہیں  
 آیا تو ایسے حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ واضح کر دیا  
 گیا کہ یہ احکام عارضی نہیں، ہمیشہ کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے، اور قرآن کریم کی جو آیات پہلے  
 نازل ہوئی ہیں ان میں بہت سے ایسے احکام آچکے ہیں۔ اس کے ساتھ مرد و عورت کے باہمی تعلقات کے  
 بارے میں کچھ مزید احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱۲۸) یہ اس ہدایت کی طرف اشارہ ہے جو سورہ نساء کی آیت نمبر ۳ میں گزری ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث

وَإِنْ أَمْرًا فَخَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۲۸﴾

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو تو ان میاں بیوی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس کے اتفاق سے کسی قسم کی صلح کر لیں۔<sup>(۴۱)</sup> اور صلح کر لینا بہتر ہے۔ اور انسانوں کے دل میں (کچھ نہ کچھ) لالچ کا مادہ تو رکھ ہی دیا گیا ہے۔<sup>(۴۲)</sup> اور اگر احسان اور تقویٰ سے کام لو تو جو کچھ تم کرو گے اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۲۸﴾

میں حضرت عائشہؓ نے اس ہدایت کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ بعض اوقات ایک یتیم لڑکی اپنے چچا کے بیٹے کی سرپرستی میں ہوتی تھی، وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی اچھا خاصا ہوتا تھا۔ اس صورت میں اس کا چچا زاد یہ چاہتا تھا کہ اس کے بالغ ہونے پر وہ خود اس سے نکاح کر لے، تاکہ اس کا مال اسی کے تصرف میں رہے، لیکن نکاح میں وہ اس کو اتنا مہر نہیں دیتا تھا جتنا اس جھسی لڑکی کو دینا چاہئے۔ دوسری طرف اگر لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس کے مال کی لالچ میں اس سے نکاح تو کر لیتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ اس کا مہر کم رکھتا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ایک محبوب بیوی جیسا سلوک بھی نہیں کرتا تھا۔

(۷۶) بعض اوقات کسی شوہر کا اپنی بیوی سے دل نہیں ملتا، اور وہ اس سے بے رنجی اختیار کر کے اسے طلاق دینا چاہتا ہے۔ اس صورت میں اگر بیوی طلاق پر راضی نہ ہو تو وہ اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو کر شوہر سے صلح کر سکتی ہے، یعنی یہ کہہ سکتی ہے کہ میں اپنے فلاں حق کا مطالبہ نہیں کروں گی، مگر مجھے اپنے نکاح میں رہنے دو۔ ایسی صورت میں شوہر کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائے، اور طلاق پر اصرار نہ کرے، کیونکہ مصالحت کا رویہ ہی بہتر ہے۔ نیز اگلے جملے میں احسان کی نصیحت فرما کر شوہر کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دل نہ ملنے کے باوجود بیوی سے نباہ کرنے کی کوشش کرے، اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے حقوق ادا کرتا رہے تو اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کا ذریعہ ہوگا۔

(۷۷) مطلب بظاہر یہ ہے کہ ہر انسان کی طبیعت میں دُنیوی فائدوں کا کچھ نہ کچھ لالچ ہوتا ہے، اس لئے

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَبِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۲۹﴾  
وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۳۰﴾

اور عورتوں کے درمیان مکمل برابری رکھنا تو تمہارے بس میں نہیں، چاہے تم ایسا چاہتے بھی ہو، البتہ (۷۸) کسی ایک طرف پورے پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا بنا کر چھوڑ دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہوئی چیز۔ اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ سے کام لو گے تو یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۲۹﴾ اور اگر دونوں جدا ہوئی جائیں تو اللہ اپنی (قدرت اور رحمت کی) وسعت سے دونوں کو (ایک دوسرے کی حاجت سے) بے نیاز کر دے گا۔ اللہ بڑی وسعتوں والا، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿۱۳۰﴾

اگر عورت اپنے کچھ دنیوی مفادات چھوڑ رہی ہے تو شوہر کو یہ سوچنا چاہئے کہ اسے طلاق کی صورت میں کوئی سخت تکلیف پیش آنے کا اندیشہ ہے، اسی لئے وہ اپنے یہ مفادات چھوڑنے پر آمادہ ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں صلح کر لینا بہتر ہے۔ دوسری طرف بیوی کو یہ سوچنا چاہئے کہ شوہر نے کچھ دنیوی فائدوں کے لئے نکاح کیا تھا جو اس کو میری زوجیت میں حاصل نہیں ہو رہے ہیں، لہذا وہ میری جگہ کسی اور سے نکاح کر کے وہ فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر میں اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو کر اسے کچھ دوسرے فوائد مہیا کر دوں تو وہ اس ارادے سے باز آ سکتا ہے۔

(۷۸) یعنی یہ بات انسان کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ قلبی محبت اور لگاؤ میں بیویوں کے درمیان پوری پوری برابری کرے، کیونکہ دل کا جھکاؤ انسان کے بس میں نہیں ہوتا، لہذا اگر ایک بیوی سے دلی محبت دوسری کے مقابلے میں زیادہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ نہیں ہے۔ البتہ عملی سلوک میں برابری کرنا ضروری ہے، یعنی جتنی راتیں ایک کے پاس گزارے اتنی ہی دوسری کے پاس گزارے، جتنا خرچ ایک کو دے، اتنا ہی دوسری کو دے۔ نیز ظاہری توجہ میں بھی ایسا نہ کرے جس سے کسی بیوی کی دل شکنی ہو، اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ بیچ میں لٹکی ہوئی ہے۔

(۷۹) مصالحت کی تمام کوششوں کے باوجود ایک مرحلہ ایسا آ سکتا ہے کہ اس کے بعد نکاح کا رشتہ میاں بیوی پر

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ اتَّقُوْا اللّٰهَ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝۳۱ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۝۳۲ اِنْ يَّشَآءِ ذٰهَبَكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِآخَرِيْنَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝۳۳

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی اور تمہیں بھی یہی تاکید کی ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اگر تم کفر اپناؤ گے تو (اللہ کا کیا نقصان ہے؟ کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ ہر ایک سے بے نیاز اور بذاتِ خود لائقِ تعریف ہے۔ ﴿۱۳۱﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور کام بنانے کے لئے اللہ ہی کافی ہے ﴿۱۳۲﴾ اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تم سب کو (دُنیا سے) لے جائے اور دوسروں کو (تمہاری جگہ یہاں) لے آئے۔ اللہ اس بات کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۱۳۳﴾

تھو پے رکھنا دونوں کی زندگی کو اجیرن بنا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں طلاق اور علیحدگی کا راستہ اختیار کرنا بھی جائز ہے، اور یہ آیت اطمینان دلا رہی ہے کہ جب خوش اُسلوبی سے جدائی عمل میں آجائے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لئے ایسے راستے پیدا کر دیتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

(۸۰) یہ جملہ کہ ”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے“ ان آیتوں میں تین بار دہرایا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ اس کا مقصد میاں بیوی کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ اللہ کی رحمت کے خزانے بڑے وسیع ہیں وہ دونوں کے لئے کوئی مناسب ذریعہ پیدا کر سکتا ہے، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی بیان کرنا مقصود ہے کہ کسی کے کفر سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے، کیونکہ ساری کائنات اس کے تابع فرمان ہے، اسے کسی کی حاجت نہیں ہے، اور تیسری جگہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کارسازی کا بیان ہے کہ اگر تم تقویٰ اور اطاعت کا راستہ اختیار کرو تو وہ تمہارے سارے کام بنادے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ  
عَ سَبْعًا بِصِيرًا ﴿١٣١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ  
عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوَالِدَ الدِّينِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ  
بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهَا  
تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾

جو شخص (صرف) دُنیا کا ثواب چاہتا ہو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ کے پاس دُنیا اور آخرت  
دونوں کا ثواب موجود ہے۔ اللہ ایسا ہے کہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ ﴿۱۳۴﴾ اے  
ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمہارے  
اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔ وہ شخص (جس کے خلاف گواہی  
دینے کا حکم دیا جا رہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ  
خیر خواہ ہے، لہذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمہیں انصاف کرنے سے روکتی ہو۔ اور اگر تم  
توڑ مروڑ کرو گے (یعنی غلط گواہی دو گے) یا (سچی گواہی دینے سے) پہلو بچاؤ گے تو (یاد رکھنا کہ)  
اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۳۵﴾

(۸۱) اس آیت میں یہ عمومی ہدایت دی گئی ہے کہ ایک مسلمان کو صرف دُنوی فائدوں ہی کی فکر میں نہیں پڑا رہنا  
چاہئے، بلکہ اللہ سے دُنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہئے۔ اور پچھلی آیتوں سے اس کا تعلق بظاہر یہ ہے کہ  
میاں بیوی کو مصالحت یا علیحدگی کا فیصلہ کرتے وقت صرف دُنیا کے فائدوں پر نظر نہیں رکھنی چاہئے، بلکہ آخرت کی  
بھلائی بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔ لہذا اگر مرد یا عورت اپنے کچھ دُنوی مفادات کی قربانی دے کر دوسرے کے  
ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو آخرت میں بڑے ثواب کی امید ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝۱۳۶ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَرَادُوا كُفْرًا أَلَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝۱۳۷ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۳۸

اے ایمان والو! اللہ پر ایمان رکھو، اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری تھی۔ اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یوم آخرت کا انکار کرے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے ﴿۱۳۶﴾ جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، اللہ ان کو بخشے والا نہیں ہے، اور نہ انہیں راستے پر لانے والا ہے ﴿۱۳۷﴾ منافقوں کو یہ خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے ایک دکھ دینے والا عذاب تیار ہے ﴿۱۳۸﴾

(۸۲) اس سے مراد وہ منافق بھی ہو سکتے ہیں جن کا ذکر چل رہا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے پاس آ کر مسلمان ہونے کا اعلان کرتے تھے، مگر تنہائی میں کفر اختیار کر لیتے تھے، پھر کبھی مسلمانوں کا سامنا ہوتا تو دوبارہ ایمان لانے کا مظاہرہ کرتے، مگر پھر اپنے لوگوں کو اپنے کفر کا یقین دلاتے، اور اپنے عمل سے کفر ہی میں بڑھتے چلے جاتے۔ نیز بعض روایات میں کچھ ایسے لوگوں کا بھی ذکر آیا ہے جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوئے، پھر توبہ کر کے مسلمان ہوئے، مگر بالآخر دوبارہ مرتد ہو کر کفر ہی کی حالت میں مرے۔ آیت کے الفاظ میں دونوں قسم کے لوگوں کی گنجائش ہے۔ اور ان کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نہ ان کو بخشے گا، نہ راستے پر لائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے اختیار سے کفر اور اس کے نتیجے میں دوزخ کی راہ کو چن لیا تو اللہ ان کو زبردستی ایمان اور جنت کے راستے پر نہیں لائے گا، کیونکہ دنیا دار الامتحان ہے، اور ہر شخص کا انجام اس کے اپنے اختیار سے چنے ہوئے راستے کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ نہ کسی کو زبردستی مسلمان بناتا ہے، نہ کافر۔

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ أَيْبَتُغُونَ عَنْهُمْ  
 الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۖ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ  
 اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ  
 إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۖ ۱۳۰  
 يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ  
 لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْكُمْ وَنَسْتَعْلَمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ

وہ منافق جو مسلمانوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کر  
 رہے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کی ہے ﴿۱۳۰﴾ اور اس نے کتاب میں تم پر یہ حکم  
 نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے  
 تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں،  
 ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ یقین رکھو کہ اللہ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے  
 والا ہے ﴿۱۳۰﴾ (اے مسلمانو!) یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے (انجام کے) انتظار میں بیٹھے رہتے  
 ہیں۔ چنانچہ اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملے تو (تم سے) کہتے ہیں کہ ”کیا ہم تمہارے ساتھ نہ  
 تھے؟“ اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ”کیا ہم نے تم پر قابو نہیں پایا  
 تھا؟ اور کیا (اس کے باوجود) ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟“ (۸۳)

(۸۳) یعنی ان لوگوں کو اصل غرض دُنیوی مفادات سے ہے۔ اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور مال غنیمت ہاتھ آئے تو یہ  
 ان کے ساتھی ہونے کا دعویٰ کر کے ان سے مال ہونے کی فکر میں رہتے ہیں، اور اگر کبھی کافروں کا داؤ چل  
 جائے تو ان پر یہ احسان جتلاتے ہیں کہ اگر ہماری مدد تمہارے ساتھ نہ ہوتی تو مسلمان تم پر غالب آ جاتے۔  
 لہذا ہمیں ہماری ان خدمات کا مالی صلہ دو۔



فَاللَّهُ يُحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۚ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ ۖ قَامُوا كَسَالَى ۚ يُرْآءُونَ النَّاسَ وَلَا يُذْكَرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ مُدْبِدِينَ بَيْنَ ذَلِكَ ۚ لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ سَبِيلًا ۚ

بس اب تو اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھے گا ﴿۱۴۱﴾ یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکا بازی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ اور جب یہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے سامنے دکھاوا کرتے ہیں، اور اللہ کو تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں ﴿۱۴۲﴾ یہ کفر و ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہیں۔ نہ پورے طور پر ان (مسلمانوں) کی طرف ہیں، نہ ان (کافروں) کی طرف۔ اور جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے، تمہیں اس کے لئے ہدایت پر آنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں مل سکتا ﴿۱۴۳﴾

(۸۴) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جو سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ کو دھوکا دے دیا، تو درحقیقت یہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، کیونکہ اللہ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا، اور اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکے میں پڑا رہنے دیتا ہے جو انہوں نے خود اپنے آپ کو اپنے اختیار سے دے رکھا ہے۔ اور اس جملے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”اللہ ان کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے“ اس ترجمے کی بنیاد پر اس کا ایک مطلب بعض مفسرین (مثلاً حضرت حسن بصریؒ) نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کو اس دھوکے کی سزا آخرت میں اللہ تعالیٰ اس طرح دے گا کہ شروع میں ان کو بھی مسلمانوں کے ساتھ کچھ دُور تک لے جایا جائے گا، اور مسلمانوں کو جو نور عطا ہوگا، اسی کی روشنی میں کچھ دُور تک یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ چلیں گے، اور یہ سمجھنے لگیں گے کہ ان کا انجام بھی مسلمانوں کے ساتھ ہوگا، مگر آگے جا کر ان سے روشنی چھین لی جائے گی، اور یہ بھٹکتے رہ جائیں گے، اور بالآخر دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، جیسا کہ سورہ حدید (۵۷: ۱۲-۱۴) میں اس کا بیان آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ  
 أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۖ ﴿١٣٣﴾ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ  
 الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَهُمْ صَرِيحًا ۖ ﴿١٣٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَ  
 اعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ  
 الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ ﴿١٣٥﴾ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۖ وَكَانَ  
 اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ۖ ﴿١٣٦﴾ لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۖ  
 وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۖ ﴿١٣٧﴾

اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے پاس  
 اپنے خلاف (یعنی اپنے مستحق عذاب ہونے کی) ایک کھلی کھلی وجہ پیدا کر دو؟ ﴿۱۳۳﴾ یقین جانو  
 کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، اور ان کے لئے تم کوئی مددگار نہیں  
 پاؤ گے ﴿۱۳۴﴾ البتہ جو لوگ توبہ کر لیں گے، اپنی اصلاح کر لیں گے، اللہ کا سہارا مضبوطی سے تھام  
 لیں گے اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لئے بنالیں گے تو ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ شامل  
 ہو جائیں گے، اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عظیم عطا کرے گا ﴿۱۳۵﴾ اگر تم شکر گزار بنو اور (صحیح معنی  
 میں) ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر آخر کیا کرے گا؟ اللہ بڑا قدر دان ہے، (اور) سب  
 کے حالات کا پوری طرح علم رکھتا ہے ﴿۱۳۶﴾ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کی برائی علانیہ  
 زبان پر لائی جائے، الا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو، اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے ﴿۱۳۷﴾

(۸۵) یعنی کسی کی برائی بیان کرنا عام حالات میں جائز نہیں، البتہ اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ اس ظلم کا تذکرہ لوگوں  
 سے کر سکتا ہے، اس تذکرے میں ظالم کی جو برائی ہوگی وہ معاف ہے۔

إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تَخْشَوْهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ۝۱۴۹ إِنْ  
الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ  
يَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۖ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ  
سَبِيلًا ۝۱۵۰ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝۱۵۱  
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ  
يُؤْتِيهِمْ أَجْرُهُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۵۲

۲۱

اگر تم کوئی نیک کام علانیہ کرو یا خفیہ طور پر کرو، یا کسی برائی کو معاف کر دو، تو (بہتر ہے، کیونکہ) اللہ بہت معاف کرنے والا ہے (اگرچہ سزا دینے پر) پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۱۴۹﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے اور کہتے ہیں کہ کچھ (رسولوں) پر تو ہم ایمان لاتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں، اور (اس طرح) وہ چاہتے ہیں کہ (کفر اور ایمان کے درمیان) ایک بیچ کی راہ نکال لیں ﴿۱۵۰﴾ ایسے لوگ صحیح معنی میں کافر ہیں، اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۵۱﴾ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں، اور ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہ کریں، تو اللہ ایسے لوگوں کو ان کے اجر عطا کرے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۵۲﴾

(۸۶) اشارہ یہ کیا جا رہا ہے کہ اگرچہ مظلوم کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کی حد تک اس کی برائی کرے، لیکن اگر کوئی شخص مظلوم ہونے کے باوجود خفیہ اور علانیہ ہر حالت میں زبان سے ہمیشہ اچھی بات ہی نکالے، اور اپنا حق معاف کر دے تو یہ اس کے لئے بڑے ثواب کا کام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ سزا پر قدرت رکھنے کے باوجود کثرت سے لوگوں کو معاف کر دیتا ہے۔

يَسْأَلُ أَهْلَ الْكِتَابِ أَنْ تُنِزَّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابٌ مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ  
 مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا  
 الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ وَإِنَّا مُوسَىٰ سُلْطَانًا  
 مُّبِينًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِبَيِّنَاتٍ فِيهِمْ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا  
 لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ  
 وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۝

(اے پیغمبر!) اہل کتاب تم سے (جو) مطالبہ کر رہے ہیں کہ تم ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل  
 کرواؤ، تو (یہ کوئی نئی بات نہیں، کیونکہ) یہ لوگ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں۔  
 چنانچہ انہوں نے (موسیٰ سے) کہا تھا کہ ہمیں اللہ کھلی آنکھوں دکھاؤ، چنانچہ ان کی سرکشی کی وجہ سے  
 ان کو بجلی کے کڑکے نے آپکڑا تھا، پھر ان کے پاس جو کھلی کھلی نشانیاں آئیں، ان کے بعد بھی انہوں  
 نے پھٹے کو معبود بنا لیا تھا۔ اس پر بھی ہم نے انہیں معاف کر دیا، اور ہم نے موسیٰ کو واضح اقتدار عطا  
 کیا ﴿۱۵۳﴾ اور ہم نے کوہ طور کو ان پر بلند کر کے ان سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ  
 (شہر کے) دروازے میں جھکے ہوئے سروں کے ساتھ داخل ہونا، اور ان سے کہا تھا کہ تم سینچر کے دن  
 کے بارے میں حد سے نہ گذرنا، اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا تھا ﴿۱۵۴﴾ پھر ان کے ساتھ  
 جو کچھ ہوا، وہ اس لئے کہ انہوں نے اپنا عہد توڑا، اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق قتل کیا، اور یہ  
 کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے <sup>(۸۷)</sup>

(۸۷) ان واقعات کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیات ۵۱ تا ۶۶ اور ان کے حواشی میں گزر چکی ہے۔

(۸۸) اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل بالکل محفوظ ہیں کہ اُن میں اپنے مذہب کے سوا کسی اور مذہب کی بات  
 داخل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں جملہ معترضہ کے طور پر ارشاد فرمایا کہ دل محفوظ نہیں ہیں، بلکہ

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (۸۵) وَبُكَفِرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ (۸۶) وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ

— حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اس لئے وہ تھوڑی سی باتوں کے سوا کسی بات پر ایمان نہیں لاتے ﴿۱۵۵﴾ اور اس لئے کہ انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا، اور مریم پر بڑے بھاری بہتان کی بات کہی، ﴿۱۵۶﴾ اور یہ کہا کہ: ”ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا تھا“ حالانکہ نہ انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا تھا، نہ انہیں سولی دے پائے تھے، بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا تھا۔<sup>(۸۹)</sup>

ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے کوئی صحیح بات اُن کے دلوں میں نہیں اُترتی۔

(۸۹) تھوڑی باتوں سے مراد یہ ہے کہ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر تو ایمان لاتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔

(۹۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس معجزے کو تسلیم کرنے کے بجائے حضرت مریم علیہا السلام جیسی پاک نفس اور عفت مآب خاتون پر گھناؤنا الزام لگایا تھا۔

(۹۱) قرآن کریم نے یہ حقیقت بڑے پر زور الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ کوئی قتل کر سکا، اور نہ انہیں سولی دے سکا، بلکہ اُن کو اشتباہ ہو گیا، یعنی انہوں نے کسی اور شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر اُسے سولی پر چڑھا دیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُوپر اُٹھالیا۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح کرنے پر اکتفا فرمایا ہے، اور اس واقعے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کا محاصرہ کیا گیا تو آپ کے مقدس ساتھیوں میں سے ایک نے یہ قربانی دی کہ خود باہر نکلے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنا دی، دشمنوں نے اُن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر لٹکا دیا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُوپر اُٹھالیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق جو شخص

وَأَنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۖ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۵۸﴾ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿۱۵۹﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، وہ اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں، <sup>(۹۲)</sup> انہیں گمان کے پیچھے چلنے کے سوا اس بات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے، اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کر پائے ﴿۱۵۷﴾ بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا تھا، اور اللہ بڑا صاحب اقتدار، بڑا حکمت والا ہے ﴿۱۵۸﴾ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے ضرور بالضرور عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہ لائے، اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے خلاف گواہ بنیں گے ﴿۱۵۹﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جاسوسی کر کے انہیں گرفتار کرنے کے لئے اندر داخل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں تبدیل کر دیا، اور جب وہ باہر نکلا تو اُسی کو گرفتار کر کے سولی دے دی گئی، واللہ سبحانہ اعلم۔

(۹۲) یعنی بظاہر تو وہ یقینی طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی تھی، لیکن چونکہ اُن کے پاس اس کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے، اس لئے ایسا ہے جیسے وہ درحقیقت شک میں ہیں۔

(۹۳) یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر ہی نہیں مانتے، اور عیسائی خدا کا بیٹا ماننے کے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کو سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سارے اہل کتاب، چاہے یہودی ہوں، یا عیسائی، اپنے مرنے سے ذرا پہلے جب عالم برزخ کے مناظر دیکھیں گے تو اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اُن کے تمام غلط خیالات خود بخود ختم ہو جائیں گے، اور وہ اُن کی اصل حقیقت پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ اس آیت کی ایک تفسیر ہے جسے بہت سے مستند مفسرین نے ترجیح دی ہے، اور حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانویؒ نے ”بیان القرآن“ میں اُسی کو اختیار کیا ہے۔ البتہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے، اُس کی رُو سے آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا: ”اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو عیسیٰ

فَظَلَمَ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ  
 سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ وَأَخَذَهُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالِ النَّاسِ  
 بِالْبَاطِلِ ۖ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۶۰ لِّكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ  
 مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ  
 وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ  
 أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۱۶۱

۶۲  
ع

غرض یہودیوں کی سنگین زیادتی کی وجہ سے ہم نے اُن پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے اُن  
 کے لئے حلال کی گئی تھیں<sup>(۹۳)</sup>، اور اس لئے کہ وہ بکثرت لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے ﴿۱۶۰﴾  
 اور سود لیا کرتے تھے، حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا، اور لوگوں کے مال ناحق طریقے سے  
 کھاتے تھے۔ اور ان میں سے جو لوگ کافر ہیں، اُن کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر  
 رکھا ہے ﴿۱۶۱﴾ البتہ ان (بنی اسرائیل) میں سے جو لوگ علم میں پکے ہیں، اور مؤمن ہیں، وہ اس  
 (کلام) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو (اے پیغمبر!) تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل  
 کیا گیا تھا، اور قابلِ تعریف ہیں وہ لوگ جو نماز قائم کرنے والے ہیں، زکوٰۃ دینے والے ہیں اور اللہ  
 اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اجرِ عظیم عطا کریں گے ﴿۱۶۲﴾

کی موت سے پہلے اُن پر ضرور بالضرور ایمان نہ لائے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ  
 السلام کو اس وقت تو آسمان پر اُٹھالیا ہے، لیکن، جیسا کہ صحیح احادیث میں مروی ہے، آخر زمانے میں وہ دوبارہ اس  
 دُنیا میں آئیں گے، اور اُس وقت تمام اہل کتاب پر اُن کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی، اور وہ سب اُن پر  
 ایمان لے آئیں گے۔

(۹۳) اس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۃ انعام (۶: ۱۴۶) میں آئے گی۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَاللُّهُمِّنْ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَى  
 إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَ  
 هَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَاتَّبَعُوا أَوْدَ رَبُّورًا ۖ ﴿۳۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ  
 وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۖ ﴿۳۴﴾ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَ  
 مُنْذِرِينَ لئَلَّيْكَوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا  
 حَكِيمًا ۖ ﴿۳۵﴾ لَكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۚ وَاللَّهُ لَشَهِيدٌ  
 بِشَهَادَتِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۖ ﴿۳۶﴾

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے نوح اور ان کے بعد دوسرے  
 نبیوں کے پاس بھیجی تھی، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کے پاس،  
 اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کے پاس بھی وحی بھیجی تھی، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی  
 تھی ﴿۱۶۳﴾ اور بہت سے رسول ہیں جن کے واقعات ہم نے پہلے تمہیں سنائے ہیں، اور بہت  
 سے رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان کے واقعات تمہیں نہیں سنائے۔ اور موسیٰ سے تو اللہ براہ راست  
 ہم کلام ہوا ﴿۱۶۴﴾ یہ سب رسول وہ تھے جو (ثواب کی) خوشخبری سنانے اور (دوزخ سے) ڈرانے  
 والے بنا کر بھیجے گئے تھے، تاکہ ان رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی  
 عذر باقی نہ رہے، اور اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۶۵﴾ (یہ کافر لوگ مانیں یا نہ  
 مانیں) لیکن اللہ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے، اس کے بارے میں وہ خود گواہی دیتا ہے کہ اس نے  
 اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور (یوں تو) اللہ کی گواہی ہی بالکل  
 کافی ہے۔ ﴿۱۶۶﴾



إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ إِنَّ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا  
 طَرِيقَ جَهَنَّمَ خُلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ  
 قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۝ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ  
 مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يَا هَلْ أَكْتَبَ لَا  
 تَعْلَمُونَ فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۝ إِنَّا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ  
 رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ ۖ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ ۖ

یقین جانو کہ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے وہ بھٹک کر گمراہی  
 میں بہت دور نکل گئے ہیں ﴿۱۶۷﴾ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، (اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے  
 روک کر ان پر) ظلم کیا ہے، اللہ ان کو بخشے والا نہیں ہے، اور نہ ان کو کوئی اور راستہ دکھانے والا  
 ہے ﴿۱۶۸﴾ سوائے دوزخ کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بات اللہ کے  
 لئے بہت معمولی بات ہے ﴿۱۶۹﴾ اے لوگو! یہ رسول تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے  
 حق لے کر آ گئے ہیں۔ اب (ان پر) ایمان لے آؤ، کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ اور اگر (اب  
 بھی) تم نے کفر کی راہ اپنائی تو (خوب سمجھ لو کہ) تمام آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے،  
 اور اللہ علم اور حکمت دونوں کا مالک ہے ﴿۱۷۰﴾ اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو، اور  
 اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو محض اللہ کے رسول تھے، اور اللہ کا  
 ایک کلمہ تھا جو اس نے مریم تک پہنچایا، اور ایک روح تھی جو اسی کی طرف سے (پیدا ہوئی) تھی،<sup>(۹۵)</sup>

(۹۵) یہودیوں کے بعد ان آیات میں عیسائیوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔ یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانی

فَامْنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهُ  
 وَاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهُ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ ۚ لَّهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى  
 بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۝ لَنْ يُّسْتَنْكَفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ  
 الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَنْ يُّسْتَنْكَفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرْهُمْ اِلٰی يَوْمٍ جَمِيعًا ۝  
 فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ

لہذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ مت کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ اس بات سے باز آ جاؤ،  
 کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے بالکل پاک ہے کہ اس کا  
 کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور سب کی دیکھ بھال کے لئے اللہ کافی  
 ہے ﴿۱۷۱﴾ مسیح کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھ سکتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، اور نہ مقرب فرشتے  
 (اس میں کوئی عار سمجھتے ہیں)۔ اور جو شخص اپنے پروردگار کی بندگی میں عار سمجھے، اور تکبر کا مظاہرہ  
 کرے، تو (وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ) اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا ﴿۱۷۲﴾ پھر جو لوگ  
 ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہوں گے، ان کو ان کا پورا پورا ثواب دے گا، اور  
 اپنے فضل سے اس سے زیادہ بھی دے گا۔

دُشمن بن گئے تھے، اور دوسری طرف عیسائی آپ کی تعظیم میں حد سے گذر گئے، اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ  
 السلام کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور یہ عقیدہ اپنا لیا کہ خدا تین ہیں، باپ بیٹا اور روح القدس۔ اس آیت میں  
 دونوں کو حد سے گذر نے سے منع کیا گیا ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ معتدل بات بتائی گئی  
 ہے جو حقیقت کے عین مطابق ہے، یعنی وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اور اللہ نے ان کو اپنے کلمہ  
 ”کن“ سے باپ کے واسطے کے بغیر پیدا کیا تھا، اور ان کی روح براہ راست حضرت مریم علیہا السلام کے بطن  
 میں بھیج دی تھی۔

وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ  
 مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۴۳﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ  
 أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿۱۴۴﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ  
 فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ ۖ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۵﴾  
 يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَامَةِ ۗ إِنْ أَمْرُو أَهْلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ  
 أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۗ فَإِنْ كَانَتَا  
 اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّلْحُن مِمَّا تَرَكَ ۗ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ  
 مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۴۶﴾

رہے وہ لوگ جنہوں نے (بندگی کو) عار سمجھا ہوگا اور تکبر کا مظاہرہ کیا ہوگا، تو ان کو دردناک عذاب  
 دے گا، اور ان کو اللہ کے سوا اپنا کوئی رکھوالا اور مددگار نہیں ملے گا ﴿۱۴۳﴾ اے لوگو! تمہارے پاس  
 تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل آچکی ہے، اور ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی روشنی بھیج  
 دی ہے جو راستے کی پوری وضاحت کرنے والی ہے ﴿۱۴۴﴾ چنانچہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے  
 ہیں اور انہوں نے اسی کا سہارا تھام لیا ہے، اللہ ان کو اپنے فضل اور رحمت میں داخل کرے گا، اور  
 انہیں اپنے پاس آنے کے لئے سیدھے راستے تک پہنچائے گا ﴿۱۴۵﴾

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلامہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلامہ کے بارے میں حکم  
 بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حال میں مرجائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس  
 کے ترکے میں سے آدھے کی حق دار ہوگی۔ اور اگر اس بہن کی اولاد نہ ہو (اور وہ مرجائے، اور اس کا  
 بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث ہوگا۔ اور اگر بہنیں دو ہوں تو بھائی کے ترکے سے وہ دو بھائی کی

حق دار ہوں گی۔ اور اگر (مرنے والے کے) بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی، تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمہارے سامنے وضاحت کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۱۷۶﴾

(۹۶) ”کلامہ“ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے انتقال کے وقت نہ اس کا باپ یا دادا زندہ ہو، نہ کوئی بیٹا یا پوتا۔

الحمد للہ، سورۃ نساء کا ترجمہ اور اس کے حواشی کی تکمیل آج بروز جمعہ ۶ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۹ دسمبر ۲۰۰۵ء کو بحرین میں عشاء کے وقت (۶:۵۵ پر) ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندہ کے گناہوں کو معاف فرما کر اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔  
آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْمَائِدَةِ

## تعارف

یہ سورت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بالکل آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ علامہ ابو حیانؒ فرماتے ہیں کہ اس کے کچھ حصے صلح حدیبیہ، کچھ فتح مکہ اور کچھ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اسلام کی دعوت جزیرہ عرب کے طول و عرض میں اچھی طرح پھیل چکی تھی، دشمنان اسلام بڑی حد تک شکست کھا چکے تھے، اور مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی اسلامی ریاست مستحکم ہو چکی تھی۔ لہذا اس سورت میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل سے متعلق بہت سی ہدایات دی گئی ہیں۔ سورت کا آغاز اس بنیادی حکم سے ہوا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے عہد و پیمان پورے کرنے چاہئیں۔ اس بنیادی حکم میں اجمالی طور پر شریعت کے تمام احکام آگئے ہیں چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہوں یا بندوں کے حقوق سے متعلق۔ اس ضمن میں یہ اصول بڑی تاکید کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی ہر معاملہ انصاف کے ساتھ ہونا چاہئے۔ یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ دشمنان اسلام کو اب اسلام کی پیش قدمی روکنے سے مایوسی ہو چکی ہے اور اللہ نے اپنا دین مکمل فرما دیا ہے۔ اسی سورت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس قسم کی غذائیں حلال ہیں اور کس قسم کی حرام؟ اسی سلسلے میں شکار کے احکام بھی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اہل کتاب کے ذبیحے اور ان کی عورتوں سے نکاح کے احکام کا بیان آیا

ہے، چوری اور ڈاکے کی شرعی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، شراب اور جوئے کو صریح الفاظ میں حرام قرار دیا گیا ہے، وضو اور تیمم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے کس طرح اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو توڑا؟ اس کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

”مائدہ“ عربی میں دسترخوان کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۱۱۴ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے متبعین نے یہ دُعا کرنے کی فرمائش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسمانی غذاؤں کے ساتھ ایک دسترخوان نازل فرمائے۔ اس واقعے کی مناسبت سے اس سورت کا نام ”مائدہ“ یعنی دسترخوان رکھا گیا ہے۔

آیاتھا ۱۲۰ ۵ سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲ رُكُوعَاتُهَا ۱۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوفُوا بِالْعُقُودِ ۖ أُحْضَتْ لَكُمْ بِهَيْبَةِ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى  
عَلَيْكُمْ غَيْرُ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ①

یہ مدنی سورت ہے اور اس میں ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لئے وہ چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں جو مویشیوں  
میں داخل (یا ان کے مشابہ) ہوں، سوائے اُن کے جن کے بارے میں تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا،  
بشرطیکہ جب تم احرام کی حالت میں ہو اس وقت شکار کو حلال نہ سمجھو۔ اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس  
کا حکم دیتا ہے۔ ﴿۱﴾

(۱) چوپایہ تو ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو چار ہاتھ پاؤں پر چلتا ہو، لیکن ان میں سے صرف وہ جانور حلال ہیں جو  
مویشیوں میں شمار ہوتے ہیں، یعنی گائے، اونٹ، اور بھیڑ بکری، یا پھر ان مویشیوں کے مشابہ ہوں، جیسے ہرن،  
نیل گائے وغیرہ۔

(۲) ان حرام چیزوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر آگے آیت نمبر ۳ میں آ رہا ہے۔

(۳) یعنی مویشیوں کے مشابہ جانور، مثلاً ہرن وغیرہ اگرچہ حلال ہیں، اور ان کا شکار بھی حلال ہے، لیکن جب حج  
یا عمرے کے لئے کسی نے احرام باندھ لیا ہو تو ان جانوروں کا شکار حرام ہو جاتا ہے۔

(۴) اس جملے نے ان تمام سوالات اور اعتراضات کی جڑ کاٹ دی ہے جو لوگ محض اپنی محدود عقل کے سہارے  
شرعی احکام پر عائد کرتے ہیں، مثلاً یہ سوال کہ جانور بھی تو آخر جان رکھتے ہیں، ان کو ذبح کر کے کھانا کیوں جائز  
کیا گیا جبکہ یہ ایک جاندار کو تکلیف پہنچانا ہے، یا مثلاً یہ سوال کہ فلاں جانور کو کیوں حلال کیا گیا اور فلاں جانور کو  
کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟ آیت کے اس حصے نے اس کا مختصر اور جامع جواب یہ دے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری  
کائنات کا خالق ہے، وہی اپنی حکمت سے جس بات کا ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دے دیتا ہے۔ اس کا ہر حکم یقیناً



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْنُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا  
الْقُلُوبَ وَلَا آفَئِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا  
حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ تَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ  
الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا م وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ  
وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اے ایمان والو! نہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو، نہ حرمت والے مہینے کی، نہ ان جانوروں کی جو  
قربانی کے لئے حرم لے جائے جائیں، نہ ان پٹوں کی جو ان کے گلے میں پڑے ہوں، اور نہ ان  
لوگوں کی جو اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی خاطر بیت حرام کا ارادہ لے کر جا رہے  
ہوں۔ اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انہوں نے  
تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (ان پر) زیادتی کرنے لگو۔<sup>(۵)</sup> اور  
نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے  
ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۲﴾

حکمت پر مبنی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ اس کے ہر حکم کی حکمت بندوں کی سمجھ میں بھی آئے، لہذا بندوں کا کام یہ  
ہے کہ اس کے ہر حکم کو چون و چرا کے بغیر تسلیم کر کے اس پر عمل کریں۔

(۵) صلح حدیبیہ کے واقعے میں مکہ مکرمہ کے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو  
حرم میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روکا تھا، مسلمانوں کو طبعی طور پر اس واقعے پر سخت غم و غصہ تھا، اور یہ  
احتمال تھا کہ اس غم اور غصے کی وجہ سے کوئی مسلمان اپنے دشمن سے کوئی ایسی زیادتی کر بیٹھے جو شریعت کے  
خلاف ہو، اس آیت نے متنبہ کر دیا کہ اسلام میں ہر چیز کی حدود مقرر ہیں، اور دشمن کے ساتھ بھی کوئی زیادتی  
کرنا جائز نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ  
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا  
ذَكَّيْتُمْ ۚ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فُسْقٌ ۚ

تم پر مردار جانور اور خون اور سوز کا گوشت اور وہ جانور حرام کر دیا گیا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو، اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو، اور جسے کسی درندے نے کھالیا ہو، (الایہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کر چکے ہو، اور وہ (جانور بھی حرام ہے) جسے بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ بات بھی (تمہارے لئے حرام ہے) کہ تم جوے کے تیروں سے (گوشت وغیرہ) تقسیم کرو۔<sup>(۶)</sup> یہ ساری باتیں سخت گناہ کی ہیں۔

(۶) جاہلیت کے زمانے میں ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک مشترک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم کرتے تھے اور قرعہ اندازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مختلف تیروں پر حصوں کے نام لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر جس شخص کے نام جو حصہ نکل آیا، اسے گوشت میں سے اتنا حصہ دے دیا جاتا تھا، اور کسی کے نام پر کوئی ایسا تیر نکل آیا جس پر کوئی حصہ مقرر نہیں ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ اسی طرح ایک اور طریقہ یہ تھا کہ جب کسی اہم معاملے کا فیصلہ کرنا ہوتا تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے، اور اس فال میں جو بات نکل آئے اس کی پیروی لازم سمجھتے تھے۔ ان تمام طریقوں کو آیت کریمہ نے ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ پہلی صورت میں یہ جوا ہے، اور دوسری صورت میں یا علم غیب کا دعویٰ ہے، یا کسی معقول وجہ کے بغیر کسی بات کو لازم سمجھنے کی خرابی ہے۔ بعض حضرات نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: ”اور یہ بات بھی (تمہارے لئے حرام ہے) کہ تم تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرو“ یہ دوسرے طریقے کی طرف اشارہ ہے، اور آیت کے الفاظ میں اس ترجمے کی بھی گنجائش ہے۔

اَلْيَوْمَ يَيسُ الدِّينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۖ اَلْيَوْمَ  
اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَنْتُمْ عَلَيَكُمْ نِعَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا ۖ فَمَنِ  
اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِآثِمٍ ۖ فَاِنَّ اِلَهَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا ۝۶ يَسْأَلُكَ  
مَا ذَا اُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ اُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ ۚ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ  
تُعَلِّمُوْنَهُمْ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۚ فَكُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اَسْمَ اللّٰهِ  
عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۷

آج کافر لوگ تمہارے دین (کے مغلوب ہونے) سے نا اُمید ہو گئے ہیں، لہذا ان سے مت ڈرو،  
اور میرا ڈر دل میں رکھو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی،  
اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا۔<sup>(۷)</sup> (لہذا اس دین کے احکام کی  
پوری پابندی کرو) ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہو جائے (اور اس مجبوری میں ان  
حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے)، بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کیا ہو، تو بیشک اللہ بہت  
معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳﴾ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کونسی چیزیں حلال  
ہیں؟ کہہ دو کہ ”تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ اور جن شکاری جانوروں کو تم نے  
اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سکھا سکھا کر (شکار کے لئے) سدھالیا ہو، وہ جس جانور کو  
(شکار کر کے) تمہارے لئے روک رکھیں، اس میں سے تم کھا سکتے ہو، اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو اور  
اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۴﴾

(۷) صحیح احادیث میں آیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

(۸) شکاری جانوروں مثلاً شکاری کتوں اور باز وغیرہ کے ذریعے حلال جانوروں کا شکار کر کے انہیں کھانا جن  
شرائط کے ساتھ جائز ہے ان کا بیان ہو رہا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور کو سدھالیا گیا ہو جس کی علامت

الْيَوْمَ أَجَلَ لَكُمْ الصَّلَاةُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَائِلٌ ۖ وَطَعَامُكُمْ حَلَائِلٌ ۚ لَهُمْ ۚ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۚ

آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی، ان کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے، اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے (۹) نیز مومنوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، جبکہ تم نے ان کو نکاح کی حفاظت میں لانے کے لئے ان کے مہر دے دیئے ہوں، نہ تو (بغیر نکاح کے) صرف ہوس نکالنا مقصود ہو، اور نہ خفیہ آشنائی پیدا کرنا۔

یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جس جانور کا شکار کرے اسے خود نہ کھائے، بلکہ اپنے مالک کے لئے روک رکھے، دوسری شرط یہ ہے کہ شکار کرنے والا شکاری کتے کو کسی جانور پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے، یعنی بسم اللہ پڑھے۔ (۹) کھانے سے یہاں مراد ذبیحہ ہے، اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی چونکہ جانور کے ذبح میں انہی شرائط کی رعایت رکھتے تھے جو اسلامی شریعت میں مقرر ہیں، اور وہ دوسرے غیر مسلموں سے اس معاملے میں ممتاز تھے کہ فی الجملہ آسمانی کتابوں کو مانتے تھے، اس لئے ان کے ذبح کئے ہوئے جانور مسلمانوں کے لئے جائز قرار دیئے گئے تھے، بشرطیکہ وہ جانور کو صحیح شرعی طریقے سے ذبح کریں، اور اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیں۔ آج کل کے یہودیوں اور عیسائیوں میں ایک بڑی تعداد تو ان لوگوں کی ہے جو درحقیقت دہریے ہیں، خدا ہی کے قائل نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذبیحہ بالکل حلال نہیں ہے، اور ان میں سے بعض اگرچہ عیسائی یا یہودی ہیں، مگر اپنے مذہب کے احکام کو چھوڑے ہوئے ہیں، اور ذبح کرنے میں شرعی شرائط کا لحاظ نہیں کرتے، اس لئے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ اس مسئلے کی پوری تحقیق میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ”معارف القرآن“ اور ”جواہر الفقہ“ میں موجود ہے۔ نیز میرا بھی عربی رسالہ ”احکام الذبائح“ اسی موضوع پر ہے، اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰) اہل کتاب کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح بھی حلال ہے، لیکن یہاں بھی دو اہم نکتے یاد رکھنے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حکم ان یہودی یا عیسائی خواتین کا ہے جو واقعی یہودی یا عیسائی

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ۖ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝ يٰٓأَيُّهَا  
 الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَ  
 امْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ  
 كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَسْتُمْ مِنَ النِّسَاءِ فَلَمْ  
 تَجِدُوا مَاءً فَتَيَسَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۚ

اور جو شخص ایمان سے انکار کرے، اس کا سارا کیا دھرا غارت ہو جائے گا، اور آخرت میں اس کا شمار  
 خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا۔ ﴿۵﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے چہرے، اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو، اور اپنے  
 سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں تک (دھولیا کرو)۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو  
 تو سارے جسم کو (غسل کے ذریعے) خوب اچھی طرح پاک کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم  
 میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے جسمانی ملاپ کیا ہو، اور تمہیں پانی نہ  
 ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو، اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا اس (مٹی) سے مسح کرلو۔

ہوں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، مغربی ممالک میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ مردم شماری کے حساب سے تو انہیں  
 عیسائی یا یہودی گنا گیا ہے، لیکن نہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں، نہ کسی پیغمبر یا کسی آسمانی کتاب پر۔ ایسے لوگ اہل  
 کتاب میں شامل نہیں ہیں، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، اور نہ ایسی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ  
 اگر کوئی عورت واقعی یہودی یا عیسائی ہو، لیکن اس بات کا قوی خطرہ ہو کہ وہ اپنے شوہر یا بچوں پر اثر ڈال کر انہیں  
 اسلام سے دُور کر دے گی تو ایسی عورت سے نکاح کرنا گناہ ہوگا، یہ اور بات ہے کہ اگر کسی نے نکاح کر لیا تو نکاح  
 منعقد ہو جائے گا، اور اولاد کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ آج کل چونکہ مسلمان عوام میں اپنے دین کی ضروری معلومات  
 اور ان پر عمل کی بڑی کمی ہے، اس لئے اس معاملے میں بہت احتیاط لازم ہے۔

(۱۱) ”قضائے حاجت کی جگہ سے آنا“ درحقیقت اس چھوٹی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے جس میں انسان پر نماز

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ  
 عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ① وَادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِثْلَ الْبَلَاءِ  
 الَّذِي بَاءَكُمْ بِهٖ ۚ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ اِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ  
 الصُّدُورِ ② يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا  
 يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ اَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اِعْدِلُوا ۚ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا  
 اللَّهَ ۚ اِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ③

اللہ تم پر کوئی تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا، لیکن یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف کرے، اور یہ کہ تم پر اپنی  
 نعمت تمام کر دے، تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ﴿۶﴾  
 اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اُسے اور اُس عہد کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے کہا تھا  
 کہ: ”ہم نے (اللہ کے احکام کو) اچھی طرح سن لیا ہے، اور اطاعت قبول کر لی ہے“ اور اللہ سے  
 ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سینوں کے بھید سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۷﴾ اے ایمان والو! ایسے بن  
 جاؤ کہ اللہ (کے احکام کی پابندی) کے لئے ہر وقت تیار ہو، (اور) انصاف کی گواہی دینے والے  
 ہو۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم نا انصافی کرو۔ انصاف سے کام لو، یہی  
 طریقہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے تمام کاموں سے پوری  
 طرح باخبر ہے۔ ﴿۸﴾

وغیرہ پڑھنے کے لئے صرف وضو واجب ہوتا ہے، اور ”عورتوں سے ملاپ“ اس بڑی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے  
 جس کو ”جنابت“ کہتے ہیں اور جس میں غسل واجب ہوتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ جب پانی میسر نہ ہو یا بیماری  
 وغیرہ کی وجہ سے اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو ناپاکی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، دونوں صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے،  
 اور دونوں صورتوں میں اس کا طریقہ ایک ہی ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ①  
 الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ②  
 أَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ لَا يَسْطُوْنَ إِلَيْكُمْ أَيْدِيهِمْ فَكَفَّ  
 أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ③ وَاتَّقُوا اللَّهَ ④ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑤

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ (آخرت میں) ان کو مغفرت اور زبردست ثواب حاصل ہوگا ﴿۹﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، وہ دوزخ کے باسی ہیں ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا اس کو یاد کرو۔ جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں، تو اللہ نے تمہیں نقصان پہنچانے سے ان کے ہاتھ روک دیئے، اور (اس نعمت کا شکریہ ہے کہ) اللہ کا رعب دل میں رکھتے ہوئے عمل کرو، اور مومنوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۱﴾

(۱۲) یہ ان مختلف واقعات کی طرف اشارہ ہے جن میں کفار نے مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے منصوبے بنائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو خاک میں ملا دیا۔ ایسے واقعات بہت سے ہیں۔ ان میں سے کچھ واقعات مفسرین نے اس آیت کے تحت بھی ذکر کئے ہیں۔ مثلاً صحیح مسلم میں روایت ہے کہ مشرکین سے ایک جنگ کے دوران عسکان کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز تمام صحابہ کو جماعت سے پڑھائی مشرکین کو پتہ چلا تو ان کو حسرت ہوئی کہ جماعت کے دوران مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں ختم کر دینے کا یہ بہترین موقع تھا۔ پھر انہوں نے منصوبہ بنایا کہ جب یہ حضرات عصر کی نماز پڑھیں گے تو ان پر ایک دم حملہ کر دیں گے۔ لیکن عصر کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے صلاۃ الخوف پڑھی جس میں مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو کر نماز پڑھتے ہیں،

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآءَ ۖ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ  
 اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۚ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي  
 وَعَزَّرْتُمْ ثَوْرَهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّا كُفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ  
 لَّا دُخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ  
 ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٣﴾

اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ نگران مقرر کئے تھے،  
 اور اللہ نے کہا تھا کہ ”میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، میرے  
 پیغمبروں پر ایمان لائے، عزت سے ان کا ساتھ دیا اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو یقیناً (۱۳)  
 جانو کہ میں تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دوں گا، اور تمہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں  
 بہتی ہوں گی۔ پھر اس کے بعد بھی تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے گا تو درحقیقت وہ سیدھی راہ  
 سے بھٹک جائے گا“ ﴿۱۳﴾

اور ایک حصہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ (اس نماز کا طریقہ پیچھے سورہ نساء ۴: ۱۰۲ میں گزر چکا  
 ہے) چنانچہ مشرکین کا منصوبہ دھرا رہ گیا۔ (روح المعانی) مزید واقعات کے لئے دیکھئے معارف القرآن۔  
 (۱۳) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ چنانچہ جب ان سے یہ عہد لیا گیا تو ہر قبیلے کے سردار کو اپنے قبیلے کا نگران  
 بنایا گیا تاکہ وہ عہد کی پابندی کی نگرانی کرے۔

(۱۴) اچھے قرض یا قرض حسن کا اصل مطلب تو وہ قرض ہے جو کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے  
 دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غریب کی مدد کی جائے یا کسی اور نیک کام میں پیسے  
 خرچ کئے جائیں۔



فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۚ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَافِيَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾ وَ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَى أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ فَاعْرِضْ يَا بَنِي إِسْرَءِيلَ أَلَعَدَاوَةٌ وَالْبَغْضَاءُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾

پھر یہ ان کی عہد شکنی ہی تو تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دُور کیا، اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔ وہ باتوں کو اپنے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور جس بات کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ بھلا چکے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو چھوڑ کر تمہیں آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ لہذا (فی الحال) انہیں معاف کر دو اور درگزر سے کام لو۔ بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۳﴾ اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے (بھی) ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، اس کا ایک بڑا حصہ وہ (بھی) بھلا بیٹھے۔ چنانچہ ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لئے دشمنی اور بغض پیدا کر دیا۔ ﴿۱۴﴾ اللہ انہیں عنقریب بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں ﴿۱۳﴾

(۱۵) یعنی اس قسم کی شرارتیں تو ان کی پرانی عادت ہے، لیکن آپ کو فی الحال سارے بنی اسرائیل کو کوئی اجتماعی سزا دینے کا حکم نہیں ہے۔ جب وقت آئے گا، اللہ تعالیٰ خود سزا دے گا۔

(۱۶) عیسائی مذہب کے ماننے والے مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور ان کے مذہبی اختلافات نے دشمنی اور خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ اس خانہ جنگی کی طرف اشارہ ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۖ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيَهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَفِي الْأَرْضِ جَبِيعًا ۖ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ) پیغمبر آگئے ہیں جو کتاب (یعنی تورات اور انجیل) کی بہت سی باتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو تم چھپایا کرتے ہو، اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتے ہیں۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آئی ہے، اور ایک ایسی کتاب جو حق کو واضح کر دینے والی ہے ﴿۱۵﴾ جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، اور انہیں اپنے حکم سے اندھیریوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے ﴿۱۶﴾ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، وہ یقیناً کافر ہو گئے ہیں۔ (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں کو اور زمین میں جتنے لوگ ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں کچھ کرنے کی ذرا بھی طاقت رکھتا ہو؟ تمام آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چیز چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۷﴾

(۱۷) مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے یوں تو اپنی آسمانی کتابوں کی بہت سی باتوں کو چھپا رکھا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان باتوں کو ظاہر فرمایا جن کی وضاحت دینی اعتبار سے ضروری تھی۔ بہت

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۖ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلَ خَلْقٍ ۖ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۖ  
وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۸﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ  
قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُلِ أَنَّ تَقُولُوا مَآ جَاءَنَا مِن  
بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۚ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۹﴾

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں“ (ان سے) کہو کہ ”پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟“ (۱۸) نہیں! بلکہ تم انہی انسانوں کی طرح انسان ہو جو اس نے پیدا کئے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تہا ملکیت اللہ ہی کی ہے، اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے“ ﴿۱۸﴾ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر ایسے وقت دین کی وضاحت کرنے آئے ہیں جب پیغمبروں کی آمد رُک جاتی تھی، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی (جنت کی) خوشخبری دینے والا آیا، نہ کوئی (جہنم سے) ڈرانے والا۔ لو اب تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔ اور اللہ ہر بات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۹﴾

سی باتیں ایسی بھی تھیں جو انہوں نے چھپائی ہوئی تھیں، مگر ان کے پوشیدہ رہنے سے کوئی عملی یا اعتقادی نقصان نہیں تھا، اور اگر ان کو ظاہر کیا جاتا تو یہود و نصاریٰ کی رسوائی کے سوا کوئی خاص فائدہ نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتوں سے درگزر فرمایا ہے، اور ان کی حقیقت واضح کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

(۱۸) یہ بات یہود و نصاریٰ بھی مانتے تھے کہ وہ مختلف مواقع پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنے ہیں، اور ان میں سے بہت سے لوگ اس بات کے بھی قائل تھے کہ آخرت میں بھی کچھ عرصے کے لئے وہ دوزخ میں جائیں گے۔ لہذا بتانا یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسان ایک جیسے پیدا فرمائے ہیں، ان میں سے کسی خاص نسل کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم ہے، اور اس کے قوانین سے لازمی طور پر مستثنیٰ ہے، بالکل غلط

وَاذْقَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقُومُوا ذُكُرًا نِعْمَةً اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلْ فِيْكُمْ اَنْبِيَاءَ  
وَجَعَلَ لَكُمْ مِّلُوْكًَا ۖ وَاتَّخَذَ اِلَٰهُكُمْ مَّا لَمْ يُبَيِّنْ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ يَقُومُوا اَدْخُلُوا الْاَرْضَ  
الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَتَرْتُّوْا عَلٰى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۱۱

اور اُس وقت کا دھیان کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ”اے میری قوم! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے کہ اس نے تم میں نبی پیدا کئے، تمہیں حکمران بنایا، اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو تم سے پہلے دنیا جہان کے کسی فرد کو عطا نہیں کیا تھا ﴿۲۰﴾ اے میری قوم! اُس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے، اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نا مراد جاؤ گے“ ﴿۲۱﴾

دعویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین سب کے لئے برابر ہیں۔ اس نے کوئی خاص نسل اپنی رحمت کے لئے مخصوص نہیں کی ہے۔ البتہ وہ اپنی حکمت کے تحت جس کو چاہتا ہے بخش بھی دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے اپنے قانون عدل کے تحت سزا بھی دیتا ہے۔

(۱۹) مقدس سرزمین سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو انبیائے کرام کو مبعوث کرنے کے لئے منتخب فرمایا تھا اس لئے اس کو مقدس فرمایا گیا ہے۔ جس واقعے کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے وہ مختصر یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن شام اور بالخصوص فلسطین کا علاقہ تھا۔ فرعون نے مصر میں ان کو غلام بننا رکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب وہ فلسطین میں جا کر آباد ہوں۔ اس وقت فلسطین پر ایک کافر قوم کا قبضہ تھا جو عمالقہ کہلاتے تھے۔ لہذا اس حکم کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل فلسطین جا کر عمالقہ سے جہاد کریں۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ بھی کر لیا گیا تھا کہ جہاد کے نتیجے میں تمہیں فتح ہوگی، کیونکہ یہ سرزمین تمہارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ جب فلسطین کے قریب پہنچے تو بنی اسرائیل کو پتہ چلا کہ عمالقہ تو بڑے طاقتور لوگ ہیں۔ دراصل یہ لوگ قوم عاد کی نسل سے تھے، اور بڑے زبردست ڈیل ڈول کے مالک تھے۔ بنی اسرائیل ان کے ڈیل ڈول سے ڈر گئے، اور یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے اور اس نے فتح کا وعدہ کر رکھا ہے۔

قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبّٰرِيْنَ ؕ وَاِنَّا لَنَنْذِرُكُمۡ لِخُلُوعِهَا حَتّٰى يَخْرُجُوۡا مِنْهَا ؕ  
 فَاِنْ يَخْرُجُوۡا مِنْهَا فَاِنَّا دَاخِلُوۡنَ ۙ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلَيْنِ مِنَ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ  
 اللّٰهُ عَلَيَّهِمَا اِذْ خُلُوۡا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمُوۡهُ فَانۡظُرُوۡا لَكُمْ غُلُبُوۡنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ  
 فَتَوَكَّلُوۡا اِنَّ كُنۡتُمْ مُّؤْمِنِيۡنَ ۙ ﴿٢٣﴾ قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّا لَنَدُخُلُهَا اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِيْهَا  
 فَاَذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُمَا قَاعِدُوۡنَ ۙ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لَا اَمۡلِكُ اِلَّا  
 نَفْسِيۡ وَاَخِيۡ فَاَفَرِّقْ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ الْقَوۡمِ الْفٰسِقِيۡنَ ۙ ﴿٢٥﴾

وہ بولے، ”اے موسیٰ! اُس (ملک) میں تو بڑے طاقت ور لوگ رہتے ہیں، اور جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو بیشک ہم اس میں داخل ہو جائیں گے۔“ ﴿۲۲﴾ جو لوگ (خدا کا) خوف رکھتے تھے، ان میں سے دو مرد جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا تھا، بول اُٹھے کہ ”تم اُن پر چڑھائی کر کے (شہر کے) دروازے میں گھس تو جاؤ۔ جب گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اور اپنا بھروسہ صرف اللہ پر رکھو، اگر تم واقعی صاحبِ ایمان ہو۔“ ﴿۲۳﴾ وہ کہنے لگے ”اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ اس (ملک) میں موجود ہیں، ہم ہرگز ہرگز اس میں قدم نہیں رکھیں گے۔ (اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ، اور ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں“ ﴿۲۴﴾ موسیٰ نے کہا ”اے میرے پروردگار! سوائے میری اپنی جان کے اور میرے بھائی کے کوئی میرے قابو میں نہیں ہے۔ اب آپ ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان الگ الگ فیصلہ کر دیجئے۔“ ﴿۲۵﴾

(۲۰) یہ دو صاحبانِ حضرت یوشع اور حضرت کالب علیہما السلام تھے جو ہر مرحلے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفادار رہے تھے، اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ پر بھروسہ کر کے آگے بڑھو تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تم ہی غالب رہو گے۔

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيَهُونَ فِي الْأَرْضِ ۖ فَلَا تَأْكُلْ  
 عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ وَاسْأَلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنِ آدَمَ بِالْحَقِّ ۖ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا  
 فَتُقْبِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ ۖ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا  
 يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾

اللہ نے کہا ”اچھا! تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے، یہ (اس دوران) زمین  
 میں بھٹکتے پھریں گے۔“ تو (اے موسیٰ!) اب تم بھی ان نافرمان لوگوں پر ترس مت  
 کھانا“ ﴿۲۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ۔  
 جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہو گئی، اور دوسرے  
 کی قبول نہ ہوئی۔“ اس (دوسرے نے پہلے سے) کہا کہ ”میں تجھے قتل کر ڈالوں گا“ پہلے نے کہا کہ  
 ”اللہ تو ان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں“ ﴿۲۷﴾

(۲۱) بنی اسرائیل کی اس نافرمانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ چالیس سال تک فلسطین میں ان کا  
 داخلہ بند کر دیا۔ یہ لوگ صحرائے سینا کے ایک مختصر علاقے میں بھٹکتے رہے۔ نہ آگے بڑھنے کا راستہ ملتا تھا، نہ پیچھے  
 مصر واپس جانے کا۔ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع اور حضرت کالب علیہم السلام بھی ان لوگوں کے  
 ساتھ تھے، اور انہی کی برکت اور دُعاؤں سے اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں ان پر نازل ہوئیں جن کا ذکر پیچھے سورہ  
 بقرہ (آیات ۵۷ تا ۶۰) میں گزر چکا ہے۔ بادل کے سائے نے انہیں دُھوپ سے بچایا۔ کھانے کے لئے من  
 وسلویٰ نازل ہوا، پینے کے لئے پتھر سے بارہ چشمے پھوٹے۔ بنی اسرائیل کے لئے خانہ بدوشی کی یہ زندگی ایک سزا  
 تھی، لیکن ان بزرگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو قلبی راحت کا سامان بنا دیا۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ  
 علیہما السلام کی یکے بعد دیگرے اسی صحرا میں وفات ہوئی۔ بعد میں حضرت یوشع علیہ السلام پیغمبر بنے، اور شام کا  
 کچھ علاقہ ان کی سرکردگی میں اور کچھ حضرت سموئیل علیہ السلام کے زمانے میں طالوت کی سرکردگی میں فتح ہوا

جس کا واقعہ سورہ بقرہ (آیات ۲۴۶ تا ۲۵۱) میں گزر چکا ہے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ سرزمین بنی اسرائیل کے حق میں لکھنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔

(۲۲) پیچھے بنی اسرائیل کی اس نافرمانی کا ذکر تھا کہ جہاد کا حکم آجانے کے باوجود وہ اس سے جان چراتے رہے، اب بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک بامقصد جہاد میں کسی کی جان لے لینا تو نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، لیکن ناحق کسی کو قتل کرنا بڑا زبردست گناہ ہے۔ بنی اسرائیل نے جہاد سے تو جان چرائی، لیکن بہت سے بے گناہوں کو قتل کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔ اس سلسلے میں وہ واقعہ بیان کیا جا رہا ہے جو اس دنیا میں سب سے پہلے قتل کی واردات پر مشتمل ہے۔ اس واقعے میں قرآن کریم نے تو صرف اتنا بتایا ہے کہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے کچھ قربانی پیش کی تھی، ایک کی قربانی قبول ہوئی، دوسرے کی نہ ہوئی، اس پر دوسرے کو غصہ آگیا، اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ لیکن اس قربانی کا کیا پس منظر تھا؟ قرآن کریم نے اس کی تفصیل نہیں بتائی۔ البتہ مفسرین نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور کچھ دوسرے صحابہ کرام کے حوالے سے اس کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام قابیل تھا اور ایک کا ہابیل۔ اس وقت چونکہ دنیا کی آبادی صرف حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی، اس لئے ان کی اہلیہ کے ہر حمل میں دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ان دونوں کے درمیان تو نکاح حرام تھا، لیکن ایک حمل میں پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی سے ہو سکتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بڑی خوبصورت تھی، لیکن جڑواں بہن ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ قابیل کا نکاح جائز نہ تھا۔ اس کے باوجود اس کا اصرار تھا کہ اسی سے نکاح کرے۔ ہابیل کے لئے وہ لڑکی حرام نہ تھی، اس لئے وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا۔ جب دونوں کا یہ اختلاف بڑھا تو فیصلہ اس طرح قرار پایا کہ دونوں کچھ قربانی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں۔ جس کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اس کا دعویٰ برحق سمجھا جائے گا۔ چنانچہ دونوں نے قربانی پیش کی۔ روایات میں ہے کہ ہابیل نے ایک ذبیہ قربان کیا، اور قابیل نے کچھ زرعی پیداوار پیش کی۔ اس وقت قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آ کر قربانی کو کھالیتی تھی۔ ہابیل کی قربانی کو آگ نے کھالیا، اور اس طرح اس کی قربانی واضح طور پر قبول ہو گئی، اور قابیل کی قربانی وہیں پڑی رہ گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس پر بجائے اس کے کہ قابیل حق کو قبول کر لیتا، حسد میں مبتلا ہو کر اپنے بھائی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

لَیْسَ بِسَطِّ اِلٰی یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَا اَنَا بِاَسِطٍ یَّدِیْ اِلَیْکَ لَا قَتْلَکَ ۚ اِنِّیْ  
 اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْا بِاِثْمِیْ وَاِثْمَکَ فَتَکُوْنَ مِنْ  
 اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِکَ جَزَاُ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَتْهُ  
 فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیْہُ کَیْفَ  
 یُّوَارِیْ سَوْعَۃَ اَخِیْهِ ۝

اگر تم نے مجھے قتل کرنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا تب بھی میں تمہیں قتل کرنے کو اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔  
 میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں ﴿۲۸﴾ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ انجامِ کار تم اپنے اور میرے  
 دونوں کے گناہ میں پکڑے جاؤ، اور دوزخیوں میں شامل ہو۔ اور یہی ظالموں کی سزا ہے ﴿۲۹﴾  
 آخر کار اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا، چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر  
 ڈالا، اور نامرادوں میں شامل ہو گیا ﴿۳۰﴾ پھر اللہ نے ایک کو ابھجہ جازمین کھودنے لگا تا کہ اسے  
 دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔<sup>(۲۲)</sup>

(۲۳) اگرچہ اپنے دفاع کا اگر کوئی اور راستہ نہ ہو تو حملہ آور کو قتل کرنا جائز ہے، لیکن ہاتھیل نے احتیاط پر عمل کرتے  
 ہوئے اپنا یہ حق استعمال کرنے سے گریز کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے بچاؤ کا اور ہر طریقہ اختیار کروں  
 گا، مگر تمہیں قتل کرنے کا اقدام نہیں کروں گا۔ ساتھ ہی اسے یہ جتلا دیا کہ اگر تم نے قتل کا ارتکاب کیا تو مظلوم  
 ہونے کی بنا پر میرے گناہوں کی تو معافی کی امید ہے، مگر تم پر نہ صرف اپنے گناہوں کا بوجھ ہوگا، بلکہ میرے قتل  
 کرنے کی وجہ سے کچھ میرے گناہ بھی تم پر لد جائیں تو بعید نہیں، کیونکہ آخرت میں مظلوم کا حق ظالم سے دلوانے کا  
 ایک طریقہ احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں، اور اگر نیکیاں کافی نہ ہوں تو  
 مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں۔  
 (ماخوذ از تفسیر کبیر امام رازی)

(۲۴) یہ چونکہ کسی کے مرنے کا پہلا واقعہ تھا جو قاتیل نے دیکھا اس لئے اسے مردوں کو دفن کرنے کا طریقہ معلوم  
 نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ابھجہ جازمین کھود کر کسی مردہ کو دفن کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر قاتیل کو نہ صرف  
 دفن کرنے کا طریقہ معلوم ہوا بلکہ پشیمانی بھی ہوئی۔



قَالَ يُؤْيِلَتِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغَرَابِ فَأُورِي سَوْعَةً أَخِي ۚ  
 فَأَصْبَحَ مِنَ النَّبِيِّينَ ۖ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَن  
 قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَمَنْ  
 أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ  
 كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ۝

وَقَفَّ النَّبِيُّ  
 مَعَانِقَةً ۝

(یہ دیکھ کر) وہ بولا ”ہائے افسوس! کیا میں اس کو بھیا بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔“ اس طرح بعد میں وہ بڑا شرمندہ ہوا ﴿۳۱﴾ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لئے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں ہی کرتے رہے ہیں ﴿۳۲﴾

(۲۵) مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے خلاف قتل کا یہ جرم پوری انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ کیونکہ کوئی شخص قتل ناحق کا ارتکاب اسی وقت کرتا ہے جب اس کے دل سے انسان کی حرمت کا احساس مٹ جائے۔ ایسی صورت میں اگر اس کے مفاد یا سرشت کا تقاضا ہوگا تو وہ کسی اور کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرے گا، اور اس طرح پوری انسانیت اس کی مجرمانہ ذہنیت کی زد میں رہے گی۔ نیز جب اس ذہنیت کا چلن عام ہو جائے تو تمام انسان غیر محفوظ ہو جاتے ہیں۔ لہذا قتل ناحق کا ارتکاب چاہے کسی کے خلاف کیا گیا ہو، تمام انسانوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ جرم ہم سب کے خلاف کیا گیا ہے۔

اِنَّ سَاجِرًاۙ وَالَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًاۙ اَنْ يُّقَتَّلُوْاۙ اَوْ يُصَلَّبُوْاۙ اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِّنَ الْاَرْضِ ۚ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۳۳ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِّنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۴ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِى سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا انہیں زمین سے دُور کر دیا جائے۔ <sup>(۲۷)</sup> یہ تو دنیا میں ان کی رُسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے زبردست عذاب ہے ﴿۳۳﴾ ہاں وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو تمہارے اُن کو قابو میں لانے سے پہلے ہی توبہ کر لیں۔ <sup>(۲۸)</sup> ایسی صورت میں یہ جان رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۳۴﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو، <sup>(۲۹)</sup> اور اس کے راستے میں جہاد کرو۔ <sup>(۳۰)</sup> اُمید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔ ﴿۳۵﴾

(۲۶) پیچھے جہاں انسانی جان کی حرمت کا ذکر تھا وہاں یہ اشارہ بھی دیا گیا تھا کہ جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں ان کی جان کو یہ حرمت حاصل نہیں ہے۔ اب ان کی مفصل سزایمان کی جارہی ہے۔ مفسرین اور فقہاء کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے مراد وہ ڈاکو ہیں جو اسلحے کے زور پر لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ان کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے قوانین کی بے حرمتی کرتے ہیں، اور ان کا لوگوں سے لڑنا گویا اللہ اور اس کے رسول سے لڑنا ہے۔ ان لوگوں کے

لئے اس آیت میں چار سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ ان سزاؤں کی تشریح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی ہے کہ اگر ان لوگوں نے کسی کو قتل کیا ہو، مگر مال لوٹنے کی نوبت نہ آئی ہو تو انہیں قتل کیا جائے گا، مگر یہ قتل کرنا حد شرعی کے طور پر ہوگا، قصاص کے طور پر نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مقتل کے وارث معاف بھی کرنا چاہیں تو ان کی معافی نہیں ہوگی۔ اور اگر ڈاکوؤں نے کسی کو قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو انہیں سولی پر لٹکا کر ہلاک کیا جائے گا، اور اگر مال لوٹا ہو اور کسی کو قتل نہ کیا ہو تو ان کا دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اور اگر انہوں نے لوگوں کو صرف ڈرایا دھمکایا ہو، نہ مال لوٹنے کی نوبت آئی ہو، نہ کسی کو قتل کرنے کی تو چوتھی سزا دی جائے گی جس کی تشریح اگلے حاشیے میں آرہی ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم نے ان جرائم کی سزائیں اصولی طور پر بیان فرمائی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں تفصیل بیان فرمائی ہے کہ ان سخت سزاؤں پر عمل درآمد کے لئے کیا شرائط ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں یہ ساری تفصیل آئی ہے۔ یہ شرائط اتنی کڑی ہیں کہ کسی مقدمے میں ان کا پورا ہونا آسان نہیں، کیونکہ مقصد ہی یہ ہے کہ یہ سزائیں کم سے کم جاری ہوں، مگر جب جاری ہوں تو دوسرے مجرموں کے لئے سامان عبرت بن جائیں۔

(۲۷) یہ قرآنی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”زمین سے دُور کرنے“ کی تشریح یہ کی ہے کہ انہیں قید خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ یہ تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے۔ دوسرے فقہاء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ انہیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔

(۲۸) مطلب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کر لیں اور اپنے آپ کو حکام کے حوالے کر دیں تو ان کی مذکورہ سزائیں معاف ہو جائیں گی۔ البتہ چونکہ بندوں کے حقوق صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے، اس لئے اگر انہوں نے مال لوٹا ہے تو وہ مالک کو لوٹانا ہوگا، اور اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اس کے وارثوں کو حق ملے گا کہ وہ ان کو قصاص کے طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کریں۔ ہاں اگر وہ بھی معاف کر دیں یا قصاص کے بدلے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو ان کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

(۲۹) ”وسیلہ“ سے یہاں مراد ہر وہ نیک عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بن سکے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے نیک اعمال کو وسیلہ بناؤ۔

(۳۰) ”جہاد“ کے لفظی معنی کوشش اور محنت کرنے کے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں اس کے معنی عام طور سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے دشمنوں سے لڑنے کے آتے ہیں، لیکن بعض مرتبہ دین پر عمل کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کو بھی ”جہاد“ کہا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُونَ بِهِ  
 مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ أَنْ  
 يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ وَمَاهُمْ إِلَّا بِخُرَجَيْنَ مِنْهَا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ  
 وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَانِكَ لَا مِنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ  
 حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ  
 غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُعَذِّبُ  
 مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۰﴾

یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اگر زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب ان کے پاس ہوں،  
 اور اتنی ہی اور بھی ہوں، تاکہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب فدیہ میں پیش  
 کر دیں، تب بھی ان کی یہ پیشکش قبول نہیں کی جائے گی، اور ان کو دردناک عذاب ہوگا ﴿۳۶﴾ وہ  
 چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں، حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں ہیں، اور ان کو ایسا عذاب ہوگا  
 جو قائم رہے گا ﴿۳۷﴾ اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو،  
 تاکہ ان کو اپنے کئے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرت اک سزا ہو۔ اور اللہ صاحب اقتدار بھی  
 ہے، صاحب حکمت بھی ﴿۳۸﴾ پھر جو شخص اپنی ظالمانہ کارروائی سے توبہ کر لے، اور معاملات  
 درست کر لے، تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان  
 ہے ﴿۳۹﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی حکمرانی صرف اللہ کے پاس ہے؟ وہ جس کو  
 چاہے عذاب دے، اور جس کو چاہے بخش دے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۴۰﴾

(۳۱) ڈاکے کی سزا میں بھی اوپر توبہ کا ذکر آیا تھا، مگر وہاں توبہ کا اثر یہ تھا کہ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لینے سے حد

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا  
 آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۖ سَعَّوْنَ لِلْكَذِبِ مَعَ  
 سَعَّوْنَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ ۚ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يَحْرِفُونَ كَلِمًا مِّنْ بَعْدِ مَا وَضَعَهَا ۚ

اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں، وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کریں، یعنی ایک تو وہ لوگ  
 ہیں جنہوں نے زبان سے تو کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے،  
 اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کھلے بندوں) یہودیت کا دین اختیار کر لیا ہے۔ یہ لوگ جھوٹی  
 باتیں کان لگا لگا کر سننے والے ہیں، (اور تمہاری باتیں) ان لوگوں کی خاطر سنتے ہیں جو تمہارے  
 پاس نہیں آئے، جو (اللہ کی کتاب کے) الفاظ کا موقع محل طے ہو جانے کے بعد بھی ان میں تحریف  
 کرتے ہیں۔

کی سزا معاف ہو جاتی تھی۔ یہاں اس قسم کے الفاظ نہیں ہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے  
 مطابق چور کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی، چاہے وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے۔ یہاں صرف یہ بیان فرمایا  
 گیا ہے کہ اس توبہ کا اثر آخرت میں جاری ہوگا کہ اس کا گناہ معاف کر دیا جائے گا۔ اس کے لئے بھی آیت میں  
 دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ دل سے شرمندہ ہو کر توبہ کرے، اور دوسرے یہ کہ اپنے معاملات درست  
 کر لے۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جن جن کا سامان چرایا تھا، ان کو وہ سامان واپس کرے، والا یہ کہ وہ  
 معاف کر دیں۔

(۳۲) یہاں سے آیت نمبر ۵۰ تک کی آیتیں کچھ خاص واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں جن میں کچھ  
 یہودیوں نے اپنے کچھ جھگڑے اس اُمید پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لانے کا ارادہ کیا تھا کہ آپ  
 ان کا فیصلہ ان کی خواہش کے مطابق کریں گے۔ ان میں سے ایک واقعہ تو یہ تھا کہ خیبر کے دو شادی شدہ یہودی  
 مرد و عورت نے زنا کر لیا تھا جس کی سزا خود تورات میں یہ مقرر تھی کہ ایسے مرد و عورت کو سنگسار کر کے ہلاک کیا



یَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۖ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ  
فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ  
قُلُوبَهُمْ ۖ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۱﴾ سَعُونَ  
لِلْكَذِبِ أَكْثُونَ لِلْصِّحَةِ ۖ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَإِنْ  
تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَصْرِفُوا عَنْ شَيْءٍ ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ  
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۳۲﴾

کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اس کو قبول کر لینا، اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو بچ کر رہنا۔ اور  
جس شخص کو اللہ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لے تو اسے اللہ سے بچانے کے لئے تمہارا کوئی زور ہرگز  
نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ (ان کی نافرمانی کی وجہ سے) اللہ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے  
کا ارادہ نہیں کیا۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور انہی کے لئے آخرت میں زبردست عذاب  
ہے ﴿۳۱﴾ یہ کان لگا لگا کر جھوٹی باتیں سننے والے، جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ چنانچہ اگر  
یہ تمہارے پاس آئیں تو چاہے ان کے درمیان فیصلہ کر دو، اور چاہے ان سے منہ موڑ لو۔ اگر تم ان  
سے منہ موڑ لو گے تو یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف سے فیصلہ  
کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۳۲﴾

(۳۵) چونکہ یہ دنیا آزمائش ہی کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو زبردستی راہ راست پر لا کر  
اس کے دل کو پاک نہیں کرتا جو ضد پر اڑا ہوا ہو۔ یہ پاکیزگی انہی کو عطا ہوتی ہے جو حق کی طلب رکھتے ہوں، اور  
خلوص کے ساتھ اسے قبول کریں۔

(۳۶) یہاں حرام سے مراد وہ رشوت ہے جس کی خاطر یہودی پیشوا تورات کے احکام میں تبدیلیاں کر دیتے تھے۔  
(۳۷) جو یہودی فیصلہ کرانے آئے تھے ان سے جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا، مگر وہ باقاعدہ اسلامی حکومت کے شہری  
نہیں تھے۔ اس لئے آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ان کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو انکار فرمادیں۔ ورنہ جو غیر مسلم

وَكَيْفَ يُحْكِمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۖ  
 وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا  
 النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا مِنَ الَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا  
 مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِي وَلَا تَشْتَرُوا  
 بِإِيمَانِكُمْ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝

اور یہ کیسے تم سے فیصلہ لینا چاہتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا فیصلہ درج ہے؟ پھر اس کے بعد (فیصلے سے) منہ بھی پھیر لیتے ہیں۔<sup>(۳۸)</sup> دراصل یہ ایمان والے نہیں ہیں ﴿۳۳﴾ بیشک ہم نے تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا۔ تمام نبی جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے، اسی کے مطابق یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اور تمام اللہ والے اور علماء بھی (اسی پر عمل کرتے رہے) کیونکہ ان کو اللہ کی کتاب کا محافظ بنایا گیا تھا، اور وہ اس کے گواہ تھے۔ لہذا (اے یہودیو!) تم لوگوں سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، اور تھوڑی سی قیمت لینے کی خاطر میری آیتوں کا سودا نہ کیا کرو۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ کافر ہیں ﴿۳۴﴾

اسلامی حکومت کے باقاعدہ شہری بن جائیں، ملک کے عام قوانین میں ان کا فیصلہ بھی اسلامی شریعت کے مطابق ہی کرنا ضروری ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ البتہ ان کے خاص مذہبی قوانین جو نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ سے متعلق ہیں، ان میں انہی کے مذہب کے مطابق فیصلہ انہی کے ججوں کے ذریعے کروایا جاتا ہے۔

(۳۸) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تورات کے احکام سے منہ موڑ لیتے ہیں، اور یہ بھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلے کی خود درخواست کرنے کے باوجود جب آپ فیصلہ سناتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔



وَكُتِبَ عَلَيْهِمُ فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۖ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۖ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٩﴾

اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے۔ ہاں جو شخص اس (بدلے) کو معاف کر دے تو یہ اس کے لئے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ ظالم ہیں۔ ﴿۵۹﴾

(۳۹) دوسرا واقعہ ان آیات کے پس منظر میں یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، ایک بنو قریظہ اور دوسرے بنو نضیر۔ بنو نضیر کے لوگ مال دار تھے، اور بنو قریظہ کے لوگ مالی اعتبار سے ان کے مقابلے میں کمزور تھے۔ اگرچہ دونوں یہودی تھے، مگر بنو نضیر نے ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان سے یہ ظالمانہ اصول طے کر لیا تھا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو قاتل سے جان کے بدلے جان کے اصول پر قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ خوں بہا کے طور پر ستر و سق کھجوریں دے گا (وقت ایک پیمانہ تھا جو تقریباً پانچ من دس سیر کا ہوتا تھا)، اور اگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو نہ صرف یہ کہ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، بلکہ اس سے خوں بہا بھی لیا جائے گا، اور وہ بھی ڈگنا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ قریظہ کے کسی شخص نے بنو نضیر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ بنو نضیر نے جب اپنی سابق قرارداد کے مطابق قصاص اور خوں بہا دونوں کا مطالبہ کیا تو قریظہ کے لوگوں نے اسے انصاف کے خلاف قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا جائے، کیونکہ اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ آپ کا دین انصاف کا دین ہے۔ جب قریظہ کے لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو بنو نضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر رسمی طور پر آپ کا عندیہ معلوم کریں، اور اگر آپ کا عندیہ بنو نضیر کے حق میں ہو تو فیصلہ ان سے کرائیں، ورنہ ان سے فیصلہ نہ لیں۔ اس پس منظر میں یہ آیت بتا رہی ہے کہ تورات نے تو واضح طور پر فیصلہ دیا ہوا ہے کہ جان کے بدلے جان لینی ہے، اور اس لحاظ سے بنو نضیر کا مطالبہ سراسر ظالمانہ اور تورات کے خلاف ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ۚ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝۳۶ وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۳۷ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّئًا عَلَيْهِ فَاحِكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ

اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا، اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا، اور جو اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والی اور متقیوں کے لئے سراپا ہدایت و نصیحت بن کر آئی تھی ﴿۳۶﴾ اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ نے اس میں جو کچھ نازل کیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ فاسق ہیں ﴿۳۷﴾ اور (اے رسول محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم پر بھی حق پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے۔ لہذا ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور جو حق بات تمہارے پاس آگئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔ تم میں سے ہر ایک (امت) کے لئے ہم نے ایک (الگ) شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے۔<sup>(۳۰)</sup> اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن (الگ) شریعتیں اس لئے دیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔ لہذا انیکوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

(۳۰) یہودی اور عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے سے جو انکار کرتے تھے اس کی ایک

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۖ وَإِنْ أَحْكَمُ  
بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ  
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ

اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں وہ باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف  
کیا کرتے تھے ﴿۳۸﴾ اور (ہم حکم دیتے ہیں) کہ تم ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق  
فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، اور ان کی اس بات سے بچ کر  
رہو کہ وہ تمہیں فتنے میں ڈال کر کسی ایسے حکم سے ہٹا دیں جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہو۔

وجہ یہ تھی کہ اسلام میں عبادت کے طریقے اور بعض دوسرے احکام حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی  
شریعت سے مختلف تھے، اور ان لوگوں کو ان نئے احکام پر عمل کرنا بھاری معلوم ہوتا تھا۔ اس آیت نے واضح فرمایا  
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت مختلف پیغمبروں کو الگ الگ شریعتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ  
تو ہے ہی کہ ہر زمانے کے تقاضے الگ ہوتے ہیں، لیکن ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے یہ واضح کرنا مقصود  
ہے کہ عبادت کا کوئی ایک طریقہ یا کوئی ایک قانون اپنی ذات میں کوئی تقدس نہیں رکھتا، اس میں جو کچھ تقدس پیدا  
ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا جس زمانے میں اللہ تعالیٰ جو حکم دے دیں وہی اس زمانے میں  
تقدس کا حامل ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ ایک طریقے کے عادی ہو جاتے ہیں، وہ اسی کو ذاتی طور پر مقدس  
سمجھ بیٹھتے ہیں، اور جب کوئی نیا پیغمبر نئی شریعت لے کر آتا ہے تو ان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ پرانے طریقے کو ذاتی  
طور پر مقدس سمجھ کر نئے طریقے کا انکار کر بیٹھتے ہیں یا اللہ کے حکم کو اصل تقدس کا حامل سمجھ کر نئے حکم کو دل و جان  
سے تسلیم کرتے ہیں۔ آگے جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ”لیکن (تمہیں الگ شریعتیں اس لئے دیں) تاکہ جو کچھ اس  
نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے“ اس کا یہی مطلب ہے۔

(۴۱) یہ حکم اس صورت میں ہے جب غیر مسلم لوگ اسلامی حکومت کے باقاعدہ شہری بن جائیں جن کو فقہی  
اصطلاح میں ”ذمی“ کہا جاتا ہے، یا اس صورت میں جب وہ اپنی رضامندی سے اپنا فیصلہ مسلمان قاضی سے  
کروانا چاہیں۔ ایسی صورت میں مسلمان قاضی عام ملکی قوانین میں فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق کرے گا۔  
البتہ ان کے خالص مذہبی معاملات مثلاً عبادات، نکاح، طلاق اور وراثت میں انہیں اپنے مذہب کے مطابق  
فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ مگر یہ فیصلہ انہی کے افراد کریں گے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعَلِمَ أَنْبَايُيدُ اللَّهِ أَنْ يُصِيبَهُمْ بَعْضُ ذُنُوبِهِمْ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿۴۹﴾ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا عِندَ الْقَوْمِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۱﴾

اس پر اگر وہ منہ موڑیں تو جان رکھو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اور ان لوگوں میں سے بہت سے فاسق ہیں ﴿۴۹﴾ بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں ان کے لئے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ ﴿۵۰﴾

اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یار و مددگار نہ بناؤ۔ یہ خود ہی ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۵۱﴾

(۴۲) ”بعض گناہ“ اس لئے فرمایا کہ تمام گناہوں کی سزا تو آخرت میں ملنی ہے۔ البتہ اللہ اور رسول کے فیصلے سے منہ موڑنے کی سزا ان کو دنیا میں بھی ملنے والی ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ان کی عہد شکنی اور سازشوں کے نتیجے میں ان کو جلا وطنی اور قتل کی سزائیں دنیا ہی میں مل گئیں۔

(۴۳) اس آیت کی تشریح اور غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ آل عمران (۲۸:۳) کا حاشیہ۔

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ  
تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۖ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْقَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصِيبُوا عَلَى  
مَا آسَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ لَبِئْسَ مَا لَنَا ۚ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ  
أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۖ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۖ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا  
خُسْرَيْنِ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي  
اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۚ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ۚ

چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ لپک لپک کر ان میں  
گھستے ہیں، کہتے ہیں: ”ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت کا چکر آ پڑے گا“ (لیکن) کچھ بعید نہیں  
کہ اللہ (مسلمانوں کو) فتح عطا فرمائے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کر دے، اور اُس وقت یہ  
لوگ اُس بات پر پچھتائیں جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھی ﴿۵۲﴾

اور (اس وقت) ایمان والے (ایک دوسرے سے) کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے  
بڑے زور و شور سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہو گئے،  
اور وہ نامراد ہو کر رہے ﴿۵۳﴾ اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو  
اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو  
مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے،

(۴۴) یہ منافقین کا ذکر ہے جو یہود و نصاریٰ سے ہر وقت گھلے ملے رہتے اور ان کی سازشوں میں شریک رہتے  
تھے، اور جب اُن پر اعتراض ہوتا تو وہ جواب دیتے کہ اگر ہم ان سے تعلقات نہ رکھیں گے تو ان کی طرف سے  
ہمیں تنگ کیا جائے گا اور ہم کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے دل میں یہ نیت ہوتی تھی کہ کسی وقت  
مسلمان ان کے ہاتھوں مغلوب ہو جائیں گے تو ہمیں بالآخر انہی سے واسطہ پڑے گا۔

(۴۵) ”کوئی اور بات ظاہر کرنے“ سے مراد غالباً یہ ہے کہ ان کے پول و جی کے ذریعے کھول دیئے جائیں اور  
ان کی رسوائی ہو۔

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۖ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ  
 مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٦﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
 الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ مُرْكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ  
 وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا  
 تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ  
 وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾ وَإِذَا نَادَيْتُم إِلَى الصَّلَاةِ  
 اتَّخَذُوا هَاهُنَا ذَلِيلًا ۖ لَّيْسَ لَهُمْ قَوْمٌ يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾

اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ  
 اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم  
 والا ہے ﴿۵۴﴾ (مسلمانو!) تمہارے یار و مددگار تو اللہ، اس کے رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو  
 اس طرح نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں کہ وہ (دل سے) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہوتے  
 ہیں ﴿۵۵﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو (وہ اللہ کی  
 جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ ﴿۵۶﴾

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے  
 تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے اور کافروں کو یار و مددگار نہ بناؤ، اور اگر تم واقعی  
 صاحب ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ﴿۵۷﴾ اور جب تم نماز کے لئے (لوگوں کو) پکارتے  
 ہو تو وہ اس (پکار) کو مذاق اور کھیل کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ سب (حرکتیں) اس وجہ سے ہیں کہ  
 ان لوگوں کو عقل نہیں ہے۔ ﴿۵۸﴾

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَتَّقُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا  
 أُنْزِلَ مِن قَبْلُ ۚ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿۵۸﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَلِكَ  
 مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَ  
 الْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولَٰئِكَ سُرِّمَ كَانًا وَأَصْلُ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۵۹﴾ وَ  
 إِذَا جَاءَوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا  
 كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿۶۰﴾ وَتَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ  
 السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۱﴾

تم (ان سے) کہو کہ: ”اے اہل کتاب! تمہیں اس کے سوا ہماری کوئی بات بُری لگتی ہے کہ ہم اللہ پر  
 اور جو کلام ہم پر اتارا گیا اُس پر اور جو پہلے اتارا گیا تھا اُس پر ایمان لے آئے ہیں، جبکہ تم میں سے  
 اکثر لوگ نافرمان ہیں؟“ ﴿۵۹﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”کیا میں تمہیں بتاؤں کہ (جس  
 بات کو تم برا سمجھ رہے ہو) اس سے زیادہ برے انجام والے کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے  
 پھٹکار ڈالی، جن پر اپنا غضب نازل کیا، جن میں سے لوگوں کو بندر اور سور بنایا، اور جنہوں نے  
 شیطان کی پرستش کی! وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا بھی بدترین ہے اور وہ سیدھے راستے سے بھی بہت  
 بھٹکے ہوئے ہیں۔“ ﴿۶۰﴾

اور جب یہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ”ہم ایمان لے آئے ہیں“ حالانکہ یہ کفر لے کر ہی  
 آئے تھے، اور اسی کفر کو لے کر باہر نکلے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ کیا کچھ چھپاتے رہے  
 ہیں ﴿۶۱﴾ اور ان میں سے بہت سوں کو تم دیکھو گے کہ وہ گناہ، ظلم اور حرام خوری میں لپک لپک کر  
 آگے بڑھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو حرکتیں یہ کرتے ہیں وہ نہایت بُری ہیں ﴿۶۲﴾

لَوْلَا يَهْتَمُّ الرِّبِّيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ دُيْدُ اللَّهِ مَعْلُوكٌ ۖ عَلَتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعَنُوا بِمَا قَالُوا ۚ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ۖ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلُّبَا أَوْقَدُوا نَارَ اللَّهِ حَرْبٍ أَطْفَاهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

ان کے مشائخ اور علماء ان کو گناہ کی باتیں کہنے اور حرام کھانے سے آخر کیوں منع نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ طرز عمل نہایت برا ہے۔ ﴿۶۳﴾ اور یہودی کہتے ہیں کہ ”اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں“ ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں، اور جو بات انہوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) جو جی تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کر کے رہے گی، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لئے عداوت اور بغض پیدا کر دیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بجھا دیتا ہے، اور یہ زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، جبکہ اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۶۴﴾

(۶۶) جب مدینہ منورہ کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کے طور پر کچھ عرصے کے لئے معاشی تنگی میں مبتلا کر دیا۔ اس موقع پر بجائے اس کے کہ وہ ہوش میں آتے، ان کے بعض سرداروں نے یہ گستاخانہ جملہ کہا۔ ”ہاتھ کا بندھا ہونا“ عربی میں بخل اور کنجوسی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا ان کا مطلب یہ تھا کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بخل کا معاملہ کیا ہے۔ حالانکہ بخل کی صفت تو خود ان کی مشہور و معروف تھی، اس لئے فرمایا گیا کہ ”ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں“۔

(۶۷) یہ یہودیوں کی ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل کر کرتے رہتے



وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلُهُمْ جَنَّاتِ  
 النَّعِيمِ ۝۱۵ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ  
 لَأَكْلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۖ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ  
 مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝۱۶ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَ  
 إِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۖ وَاللَّهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا  
 يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝۱۷

اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی برائیاں معاف  
 کر دیتے، اور انہیں ضرور آرام و راحت کے باغات میں داخل کرتے ﴿۶۵﴾ اور اگر وہ تورات  
 اور انجیل اور جو کتاب (اب) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی ٹھیک  
 ٹھیک پابندی کرتے تو وہ اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے ہر طرف سے (اللہ کا رزق) کھاتے۔  
 (اگرچہ) ان میں ایک جماعت راہِ راست پر چلنے والی بھی ہے، مگر ان میں سے بہت سے لوگ  
 ایسے ہی ہیں کہ ان کے اعمال خراب ہیں ﴿۶۶﴾ اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے  
 تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے  
 اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ کافر  
 لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۶۷﴾

تھے۔ اگرچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا، لیکن درپردہ وہ اس کوشش  
 میں لگے رہتے تھے کہ مسلمانوں پر کوئی حملہ ہو اور وہ اس میں شکست کھائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر موقع پر ان کی سازش  
 کو ناکام بنا دیتے تھے۔

قُلْ يَا هَلْ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقَيِّمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ  
إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُعْيَانًا وَّ  
كُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (۶۸) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا  
وَالصَّبِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ  
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (۶۹) لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَآمَرْنَا  
إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كَلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ ۖ فَرِيقًا كَذَّبُوا  
فَرِيقًا يَفْتُلُونَ ۝ (۷۰)

کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل پر اور جو (کتاب) تمہارے  
پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (اب) بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی نہیں کرو گے،  
تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہوگی جس پر تم کھڑے ہو سکو۔“ اور (اے رسول!) جو جی اپنے پروردگار  
کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ  
کر کے رہے گی، لہذا تم ان کافر لوگوں پر افسوس مت کرنا ﴿۶۸﴾ حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی،  
خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا صابی یا نصرانی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے  
اور نیک عمل کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ ﴿۶۹﴾

ہم نے بنو اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ان کے پاس رسول بھیجے تھے۔ جب کوئی رسول ان کے پاس  
کوئی ایسی بات لے کر آتا جس کو ان کا دل نہیں چاہتا تھا تو کچھ (رسولوں) کو انہوں نے جھٹلایا اور کچھ  
کو قتل کرتے رہے ﴿۷۰﴾

وَحَسِبُوا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةً فَعَمُوا وَصَمُوا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُوا  
 كَثِيْرًا مِنْهُمْ ۝ وَاللّٰهُ بِصِيْرٍ بِاَعْمَلُوْنَ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ  
 الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۝ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَبْنٰى اِسْرَآءِيْلَ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ  
 رَبَّكُمْ ۝ اِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وُجِدَ النَّارُ ۝ وَمَا  
 لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۝ وَمِمَّنْ جَعَلَ  
 اِلٰهًا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۝ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا  
 مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑ نہیں ہوگی، اس لئے اندھے بہرے بن گئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو  
 ان میں سے بہت سے پھر اندھے بہرے بن گئے، اور اللہ ان کے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۷۱﴾  
 وہ لوگ یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ ”اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے“ حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا  
 تھا کہ ”اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یقین  
 جانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، اللہ نے اس کے لئے جنت حرام کر دی ہے، اور  
 اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور جو لوگ (یہ) ظلم کرتے ہیں، ان کو کسی قسم کے یار و مددگار میسر نہیں آئیں  
 گے“ ﴿۷۲﴾ وہ لوگ (بھی) یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ: ”اللہ تین میں کا تیسرا  
 ہے“ ﴿۷۳﴾ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ اپنی اس بات سے باز نہ آئے تو ان  
 میں سے جن لوگوں نے (ایسے) کفر کا ارتکاب کیا ہے، ان کو دردناک عذاب پکڑ کر رہے گا ﴿۷۴﴾

(۴۹) یہ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی طرف اشارہ ہے۔ اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تین اقسام  
 (Persons) کا مجموعہ ہے، ایک باپ (یعنی اللہ)، ایک بیٹا (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام) اور ایک روح

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ<sup>٥٦</sup> وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ<sup>٥٧</sup> مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ<sup>٥٨</sup> كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ<sup>٥٩</sup> أَنْظِرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَنِّي يُؤْفِكُونَ<sup>٦٠</sup> قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ<sup>٦١</sup> قُلْ يَا هَذِهِ الْكُتُبُ لَا تَعْلَمُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ<sup>٦٢</sup>

کیا پھر بھی یہ لوگ معافی کے لئے اللہ کی طرف رجوع نہیں کریں گے، اور اس سے مغفرت نہیں مانگیں گے؟ حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے! ﴿۷۴﴾ مسیح ابن مریم تو ایک رسول تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اور ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ یہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔<sup>(۵۶)</sup> دیکھو! ہم ان کے سامنے کس طرح کھول کھول کر نشانیاں واضح کر رہے ہیں! پھر یہ بھی دیکھو کہ ان کو اوندھے منہ کہاں لے جایا جا رہا ہے! ﴿۷۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”کیا تم اللہ کے سوا ایسی مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کوئی نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتی ہے، اور نہ فائدہ پہنچانے کی، جبکہ اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے؟“ ﴿۷۶﴾ (اور ان سے یہ بھی کہو کہ:) ”اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو،<sup>(۵۷)</sup> اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے“ ﴿۷۷﴾

القدس۔ اور بعض فرقے اس بات کے بھی قائل تھے کہ تیسری حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تینوں مل کر ایک ہیں۔ یہ تینوں مل کر ایک کس طرح ہیں؟ اس معے کا کوئی معقول جواب کسی کے پاس نہیں ہے، اس لئے ان کے متکلمین (Theologians) نے اس عقیدے کی مختلف تعبیریں اختیار کی ہیں۔

بعض نے تو یہ کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف خدا تھے، انسان نہیں تھے۔ آیت نمبر ۷۲ میں ان کے عقیدے کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ خدا جن تین اقاہیم کا مجموعہ ہے، ان میں سے ایک باپ یعنی اللہ ہے، اور دوسرا بیٹا ہے جو اللہ ہی کی ایک صفت تھی جو انسانی وجود میں حلول کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں آگئی تھی، لہذا وہ انسان بھی تھے، اور اپنی اصل کے اعتبار سے خدا بھی تھے۔ آیت نمبر ۷۳ میں اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ عیسائیوں کے ان عقائد کی تفصیل اور ان کی تردید کے لئے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب ”عیسائیت کیا ہے؟“۔

(۵۰) ”صدیقہ“ صدیق کا مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ”بہت سچا“ یا ”راست باز“۔ اصطلاح میں صدیق عام طور سے ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی پیغمبر کا افضل ترین متبع ہوتا ہے، اور نبوت کے بعد یہ سب سے اُونچا مرتبہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام دونوں کے بارے میں یہاں قرآن کریم نے یہ حقیقت بتلائی ہے کہ وہ کھانا کھاتے تھے، کیونکہ تنہا یہ حقیقت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ خدا نہیں تھے۔ ایک معمولی سمجھ کا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خدا تو وہی ذات ہو سکتی ہے جو ہر قسم کی بشری حاجتوں سے بے نیاز ہو۔ اگر خدا بھی کھانا کھانے کا محتاج ہو تو وہ خدا کیا ہوا؟

(۵۱) قرآن کریم نے یہاں مجہول کا صیغہ استعمال کیا ہے، اس لئے ترجمہ یہ نہیں کیا گیا کہ ”وہ اوندھے منہ کہاں جا رہے ہیں؟“ بلکہ ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ: ”انہیں اوندھے منہ کہاں لیجا یا جا رہا ہے؟“ اور بظاہر مجہول کا یہ صیغہ استعمال کرنے سے اشارہ اس طرف مقصود ہے کہ ان کی نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات ہیں جو انہیں اُلٹالے جا رہے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۵۲) حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، لیکن کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی ذاتی صلاحیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اگر وہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت سے پہنچا سکتے ہیں۔

(۵۳) ”غلو“ کا مطلب ہے کسی کام میں اس کی معقول حدود سے آگے بڑھ جانا۔ عیسائیوں کا غلو یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ انہیں خدا قرار دے دیا، اور یہودیوں کا غلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محبت کا جو اظہار کیا تھا اس کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے کہ دنیا کے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر بس وہی اللہ کے چہیتے ہیں، اور اس وجہ سے وہ جو چاہیں کریں، اللہ تعالیٰ ان سے ناراض نہیں ہوگا، نیز ان میں سے بعض نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے لیا تھا۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط  
 ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٥٤﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ط لَيْسَ  
 مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٥٥﴾ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ط لَيْسَ مَا  
 قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿٥٦﴾ وَلَوْ  
 كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا هُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا  
 مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٥٧﴾

بنو اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت بھیجی گئی تھی۔ (۵۴) یہ  
 سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی تھی، اور وہ حد سے گزر جایا کرتے تھے ﴿۵۸﴾ وہ جس  
 بدی کا ارتکاب کرتے تھے، اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا طرزِ عمل  
 نہایت بُرا تھا ﴿۵۹﴾ تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے (بت پرست) کافروں کو اپنا  
 دوست بنایا ہوا ہے۔ (۵۵) یقیناً جو کچھ انہوں نے اپنے حق میں اپنے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت بُرا ہے،  
 کیونکہ (ان کی وجہ سے) اللہ ان سے ناراض ہو گیا ہے، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ﴿۶۰﴾ اگر  
 یہ لوگ اللہ پر اور نبی پر اور جو کلام ان پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان رکھتے تو ان (بت پرستوں) کو  
 دوست نہ بناتے، لیکن (بات یہ ہے کہ) ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جو نافرمان ہیں ﴿۶۱﴾

(۵۴) یعنی اس لعنت کا ذکر زبور میں بھی تھا جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اور انجیل میں بھی تھا جو  
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُتری تھی۔

(۵۵) یہ ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو مدینہ منورہ میں آباد تھے، اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ  
 وسلم سے معاہدہ بھی کیا ہوا تھا، اس کے باوجود انہوں نے درپردہ مشرکین مکہ سے دوستیاں گانٹھی ہوئی تھیں، اور  
 ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ بلکہ ان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے  
 ان سے یہ تک کہہ دیتے تھے کہ ان کا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے اچھا ہے۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ  
 أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ  
 قِسِيَسِينَ وَرُءُفًا ۖ وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۱﴾

تم یہ بات ضرور محسوس کر لو گے کہ مسلمانوں سے سب سے سخت دشمنی رکھنے والے ایک تو یہودی ہیں، اور  
 دوسرے وہ لوگ ہیں جو (کھل کر) شرک کرتے ہیں۔ اور تم یہ بات بھی ضرور محسوس کر لو گے کہ  
 (غیر مسلموں میں) مسلمانوں سے دوستی میں قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نصرانی کہا  
 ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہیں،  
 نیز یہ وجہ بھی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ﴿۸۲﴾

(۵۶) مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں میں چونکہ بہت سے لوگ دنیا کی محبت سے خالی ہیں، اس لئے ان میں قبول حق  
 کا مادہ بھی زیادہ ہے، اور کم از کم انہیں مسلمانوں سے اتنی سخت دشمنی نہیں ہے، کیونکہ دنیا کی محبت وہ چیز ہے جو  
 انسان کو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔ اس کے برعکس یہودیوں اور مشرکین مکہ پر دنیا پرستی غالب ہے، اس  
 لئے وہ سچے طالب حق کا طرز عمل اختیار نہیں کر پاتے۔ عیسائیوں کے نسبۃ نرم دل ہونے کی دوسری وجہ قرآن  
 کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے، کیونکہ انسان کی انا بھی اکثر حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن  
 جاتی ہے۔ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے محبت میں قریب تر فرمایا گیا ہے اسی کا ایک اثر یہ تھا کہ جب مشرکین مکہ  
 نے مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو بہت سے مسلمانوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پناہ  
 لی، اور نہ صرف نجاشی، بلکہ اس کی رعایا نے بھی ان کے ساتھ بڑے اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا۔ بلکہ جب مشرکین  
 مکہ نے اپنا ایک وفد نجاشی کے پاس بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ جن مسلمانوں نے اس کے ملک میں پناہ لی  
 ہے انہیں اپنے ملک سے نکال کر واپس مکہ مکرمہ بھیج دے، تاکہ مشرکین ان کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا سکیں تو نجاشی نے  
 مسلمانوں کو بلا کر ان سے ان کا موقف سنا اور مشرکین مکہ کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا، اور جو تحفے انہوں نے  
 بھیجے تھے وہ بھی واپس کر دیئے۔ لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے قریب تر کہا گیا

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٢﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٣﴾

اور جب یہ لوگ وہ کلام سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا ہے تو چونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہوتا ہے، اس لئے تم ان کی آنکھوں کو دیکھو گے کہ وہ آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں، (اور) وہ کہہ رہے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، لہذا گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا نام بھی لکھ لیجئے ﴿۸۳﴾ اور ہم اللہ پر اور جو حق ہمارے پاس آ گیا ہے اس پر آخر کیوں ایمان نہ لائیں، اور پھر یہ توقع بھی رکھیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں میں شمار کرے گا؟“ ﴿۸۴﴾

ہے، یہ ان عیسائیوں کی اکثریت کے اعتبار سے کہا گیا ہے جو اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دنیا کی محبت سے دور ہوں، اور ان میں تکبر نہ پایا جاتا ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر زمانے کے عیسائیوں کا یہی حال ہے، چنانچہ تاریخ میں ایسی بھی بہت مثالیں ہیں جن میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ بدترین معاملہ کیا۔

(۵۷) جب مسلمانوں کو حبشہ سے نکالنے کا مطالبہ لے کر مشرکین مکہ کا وفد نجاشی کے پاس آیا تھا تو اس نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا کر ان کا موقف سنا تھا۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ نے اس کے دربار میں بڑی مؤثر تقریر کی تھی جس سے نجاشی کے دل میں مسلمانوں کی عظمت اور محبت بڑھ گئی، اور اسے اندازہ ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی آخری نبی ہیں جن کی پیشینگوئی تورات اور انجیل میں کی گئی تھی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو نجاشی نے اپنے علماء اور راہبوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے ورہ یس کی تلاوت فرمائی جسے سن کر ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور انہوں نے کہا کہ یہ کلام اس کلام کے بہت مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، چنانچہ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے، اور



فَأَتَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

چنانچہ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ ان کو وہ باغات دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی نیکی کرنے والوں کا صلہ ہے ﴿۸۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، وہ دوزخ والے لوگ ہیں ﴿۸۶﴾

اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو، اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یقین جانو کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۸۷﴾ اور اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور جس اللہ پر تم ایمان رکھتے ہو اس سے ڈرتے رہو ﴿۸۸﴾

جب یہ واپس حبشہ گئے تو نجاشی نے بھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ ان آیات میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۸) جس طرح حرام چیزوں کو حلال سمجھنا گناہ ہے، اسی طرح جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں ان کو حرام سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے۔ مشرکین مکہ اور یہودیوں نے ایسی بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا، جس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۃ انعام میں آئے گی۔

لَا يُؤْخَذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ ۚ أَيْبَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤْخَذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْبَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْبَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۖ وَاحْفَظُوا أَيْبَانَكُمْ ۖ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾

اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا، لیکن جو قسمیں تم نے پختگی کے ساتھ کھائی ہوں، ان پر تمہاری پکڑ کرے گا۔ چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو، یا ان کو پکڑے دو، یا ایک غلام کو آزاد کرو۔ ہاں اگر کسی کے پاس (ان چیزوں میں سے) کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم نے کوئی قسم کھالی ہو (اور اسے توڑ دیا ہو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے واضح کرتا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۸۹﴾

(۵۹) ”لغو“ قسموں سے مراد ایک تو وہ قسمیں ہیں جو قسم کھانے کے ارادے کے بغیر محض محاورے اور تکیہ کلام کے طور پر کھالی جاتی ہیں، اور دوسرے وہ قسمیں بھی لغو کی تعریف میں داخل ہیں جو ماضی کے کسی واقعے پر سچ سمجھ کر کھائی گئی ہوں، مگر بعد میں معلوم ہو کہ جس بات کو سچ سمجھا تھا وہ سچ نہیں تھی۔ اس قسم کی قسموں پر نہ کوئی گناہ ہوتا ہے، اور نہ کوئی کفارہ واجب ہوتا ہے، البتہ بلا ضرورت قسم کھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے ایک مسلمان کو اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔

(۶۰) اس سے مراد وہ قسم ہے جس میں آئندہ زمانے میں کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کا عہد کیا گیا ہو۔ ایسی قسم کو توڑنا عام حالات میں بڑا گناہ ہے، اور اگر کوئی شخص ایسی قسم توڑ دے تو اس کا کفارہ بھی واجب ہے جس کی تفصیل آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ایک تیسری قسم کی قسم وہ ہے جس میں ماضی کے کسی واقعے پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا گیا ہو، اور مخاطب کو یقین دلانے کے لئے قسم کھالی گئی ہو۔ ایسی قسم سخت گناہ ہے، مگر دنیا میں اس کا کوئی کفارہ سوائے توبہ اور استغفار کے کچھ نہیں ہوتا۔

(۶۱) مطلب یہ ہے کہ قسم کھالینا کوئی مذاق نہیں ہے، اس لئے اول تو قسمیں کم سے کم کھانی چاہئیں، اور اگر کوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا الْخَمْرُ وَالْبَيْسُ وَالْإِثْمَابُ وَالْأَزْوَاجُ جُسُومٌ مِّنْ  
عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ⑩ إِنَّا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ  
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْبَيْسِ وَيُصَدِّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ  
فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ⑪ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ  
تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا إِنَّا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَدُ الْبَيْتُ ⑫

اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں،  
لہذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو ﴿۹۰﴾ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے  
کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے  
روک دے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آ جاؤ گے؟ ﴿۹۱﴾ اور اللہ کی اطاعت کرو،  
اور رسول کی اطاعت کرو، اور (نافرمانی سے) بچتے رہو۔ اور اگر تم (اس حکم سے) منہ موڑو گے تو  
جان رکھو کہ ہمارے رسول پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صاف صاف طریقے سے (اللہ کے حکم کی)  
تبلیغ کر دیں ﴿۹۲﴾

قسم کھالی ہو تو حتی الامکان اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے کوئی ناجائز کام کرنے کی قسم کھالی ہو تو  
اس پر واجب ہے کہ قسم کو توڑے اور کفارہ ادا کرے۔ اسی طرح اگر کسی جائز کام کی قسم کھائی، مگر بعد میں اندازہ ہوا  
کہ وہ کام مصلحت کے خلاف ہے، تب بھی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی ہے  
کہ ایسی قسم کو توڑ دینا چاہئے، اور کفارہ ادا کرنا چاہئے۔

(۶۲) بتوں کے تھان سے مراد وہ قربان گاہ ہے جو بتوں کے سامنے بنادی جاتی تھی، اور لوگ بتوں کے نام پر  
وہاں جانور وغیرہ قربان کیا کرتے تھے۔ اور جوئے کے تیروں کی تشریح اسی سورت کے شروع میں آیت نمبر ۳  
کے تحت حاشیہ نمبر ۶ میں گذر چکی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا  
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ  
 الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَبْلُوَكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالَهُ  
 أَيْدِيكُمْ وَرِمَا حُكْمٌ لِّيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ  
 فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۴﴾

جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی پر کاربند رہے ہیں، انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا ہے، اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ آئندہ ان گناہوں سے بچتے رہیں، اور ایمان رکھیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر (جن چیزوں سے آئندہ روکا جائے ان سے) بچا کریں، اور ایمان پر قائم رہیں، اور اس کے بعد بھی تقویٰ اور احسان کو اپنائیں۔ اللہ احسان پر عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۹۳﴾ اے ایمان والو! اللہ تمہیں شکار کے کچھ جانوروں کے ذریعے ضرور آزمائے گا جو تمہارے ہاتھوں اور تمہارے نیزوں کی زد میں آجائیں گے، تاکہ وہ یہ جان لے کہ کون ہے جو اسے دیکھے بغیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد بھی حد سے تجاوز کرے گا، وہ دردناک سزا کا مستحق ہوگا ﴿۹۴﴾

(۹۳) جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو بعض صحابہ کرام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو شراب حرمت کا حکم آنے سے پہلے پی گئی ہے، کہیں وہ ہمارے لئے گناہ کا سبب نہ بنے۔ اس آیت نے یہ غلط فہمی دور کر دی، اور یہ بتا دیا کہ چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے صاف الفاظ میں منع نہیں کیا تھا، اس لئے اس وقت جہنوں نے شراب پی تھی اس پر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔

(۹۴) احسان کے لغوی معنی ہیں ”اچھائی کرنا“۔ اس طرح یہ لفظ ہر نیکی کو شامل ہے، لیکن ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ انسان اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے وہ اس کو دیکھ رہا ہے، یا کم از کم اس تصور کے ساتھ کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کا دھیان رکھے۔

(۹۵) جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، جب کوئی شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے تو اس کے لئے خشکی کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۖ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَدِّيًا  
فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بِلِغَةِ الْكُفَّةِ ۖ أَوْ  
كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكُمْ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ  
عَمَّا سَلَفَ ۗ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾

اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل نہ کرو۔ اور اگر تم میں سے کوئی اسے  
جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کا بدلہ دینا واجب ہوگا (جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ) جو جانور اس نے قتل  
کیا ہے، اس جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور کو جس کا فیصلہ تم میں سے دو دیانت دار تجربہ  
کار آدمی کریں گے، کعبہ پہنچا کر قربان کیا جائے، یا (اس کی قیمت کا) کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلا کر ادا  
کیا جائے، یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں<sup>(۹۴)</sup>، تاکہ وہ شخص اپنے کئے کا بدلہ چکھے۔ پہلے جو کچھ  
ہو چکا اللہ نے اسے معاف کر دیا، اور جو شخص دوبارہ ایسا کرے گا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ  
اقتدار اور انتقام کا مالک ہے ﴿۹۵﴾

جانوروں کا شکار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ عرب کے صحراؤں میں کسی شکار کا مل جانا مسافروں کے لئے ایک نعمت  
تھی۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ احرام باندھنے والوں کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ کچھ جانوروں کو ان کے  
انتاقریب بھیج دے گا کہ وہ ان کے نیزوں کی زد میں ہوں گے۔ اس طرح ان کا امتحان لیا جائے گا کہ کیا وہ اللہ  
تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس نعمت سے پرہیز کرتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے ایمان کا اصل امتحان  
اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا دل کسی ناجائز کام کے لئے مچل رہا ہو، اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس  
ناجائز کام سے باز آجائے۔

(۶۶) اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں شکار کرنے کا گناہ کر لے تو اس کا کفارہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے،  
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جانور کا شکار کیا ہے، اگر وہ جانور حلال ہو تو اسی علاقے کے دو تجربہ کار، دین دار  
آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگائی جائے، پھر چوپایوں یعنی گائے، بیل، بکری وغیرہ میں سے اس قیمت کے  
کسی جانور کی قربانی حرم میں کر دی جائے، یا اس کی قیمت فقراء میں تقسیم کر دی جائے۔ اور اگر کسی ایسے جانور کا

أَحَلَّ لَكُمْ صَيْدَ الْبَحْرِ وَطَعَامَهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلْغِيَّانَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ  
 الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ  
 الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيًّا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا  
 أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾  
 اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، تاکہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے  
 لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے، لیکن جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا  
 ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا ﴿۹۶﴾ اللہ نے  
 کعبہ کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے لوگوں کے لئے قیام امن کا ذریعہ بنا دیا ہے، نیز حرمت والے  
 مہینے، نذرانے کے جانوروں اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے پٹوں کو بھی (امن کا ذریعہ بنایا  
 ہے)، یہ سب اس لئے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ اسے خوب جانتا  
 ہے، اور اللہ ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۹۷﴾ یہ بات بھی جان رکھو کہ اللہ عذاب دینے  
 میں سخت ہے، اور یہ بھی کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۸﴾

شکار کیا تھا جو حلال نہیں ہے، مثلاً بھیریا، تو اس کی قیمت ایک بکری سے زیادہ نہیں سمجھی جائے گی۔ اور اگر کسی شخص  
 کو مالی اعتبار سے قربانی دینے یا قیمت فقراء میں تقسیم کرنے کی گنجائش نہ ہو تو وہ روزے رکھے۔ روزوں کا حساب  
 اس طرح ہوگا کہ اُس جانور کی جو قیمت بنی تھی، اس میں سے پونے دو سیر گندم کی قیمت کے برابر ایک روزہ سمجھا  
 جائے گا۔ آیت کی یہ تشریح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ ان کے نزدیک ”اُس  
 جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور“ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے شکار کئے ہوئے جانور کی قیمت لگائی  
 جائے، پھر اس قیمت کا کوئی چوپایہ حرم میں ذبح کیا جائے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔

(۹۷) کعبہ شریف اور حرمت والے مہینے کا باعث امن ہونا تو ظاہر ہے کہ اس میں جنگ کرنا حرام ہے۔ اس کے

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَا  
يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي  
الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ إِن كَانَ  
تُبَدَّلُ لَكُمْ تَسْوِكُمْ ۚ وَإِن تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدَّلُ لَكُمْ ۚ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا  
وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿١٠٢﴾

رسول پر سوائے تبلیغ کرنے کے کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے۔ اور جو کچھ تم کھلے بندوں کرتے ہو اور جو  
کچھ چھپاتے ہو، اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے ﴿۹۹﴾ (اے رسول! لوگوں سے) کہہ دو کہ ناپاک  
اور پاکیزہ چیزیں برابر نہیں ہوتیں، چاہے تمہیں ناپاک چیزوں کی کثرت اچھی لگتی ہو۔ لہذا اے عقل  
والو! اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو ﴿۱۰۰﴾

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں  
ناگوار ہوں، اور اگر تم ان کے بارے میں ایسے وقت سوالات کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو  
وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ (البتہ) اللہ نے پچھلی باتیں معاف کر دی ہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے  
والا، بڑا بردبار ہے ﴿۱۰۱﴾ تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کئے تھے، پھر ان (کے جو  
جوابات دیئے گئے ان) سے منکر ہو گئے۔ ﴿۱۰۲﴾

علاوہ جو جانور نذرانے کے طور پر حرم لے جائے جاتے تھے، ان کے گلے میں پنے ڈال دیئے جاتے تھے تاکہ ہر  
دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ جانور حرم جا رہے ہیں۔ چنانچہ کافر، مشرک، ڈاکو بھی ان کو چھیڑتے نہیں تھے۔  
کعبے کے قیام امن کا باعث ہونے کے ایک معنی کچھ مفسرین نے یہ بھی بیان فرمائے ہیں کہ جب تک کعبہ شریف  
قائم رہے گا، قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت اس وقت آئے گی جب اسے اٹھا لیا جائے گا۔

(۶۸) اس آیت نے بتا دیا ہے کہ دُنیا میں بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی ناپاک یا حرام چیز کا رواج اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ وقت کا فیشن قرار پا جاتا ہے، اور فیشن پرست لوگ اسے اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ صرف کسی چیز کے عام رواج کی وجہ سے اسے اختیار نہ کریں، بلکہ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہدایت کی روشنی میں وہ جائز یا پاک ہے یا نہیں۔

(۶۹) آیت کا مطلب یہ ہے کہ اوّل تو جن باتوں کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو، ان کی کھوج میں پڑنا فضول ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات کوئی حکم مجمل طریقے سے آتا ہے۔ اگر اس حکم پر اسی اجمال کے ساتھ عمل کر لیا جائے تو کافی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں مزید تفصیل کرنی ہوتی تو وہ خود قرآن کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے کر دیتا۔ اب اس میں بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر نزول قرآن کے زمانے میں اس کا کوئی سخت جواب آجائے تو خود تمہارے لئے مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے شان نزول میں ایک واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حج کا حکم آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا تو ایک صحابی نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا حج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، یا ہر سال کرنا فرض ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ وجہ یہ تھی کہ حکم کے بارے میں اصل یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود یہ صراحت نہ کی جائے کہ اس پر بار بار عمل کرنا ہوگا (جیسے نماز روزے اور زکوٰۃ میں یہ صراحت موجود ہے) اس وقت تک اس پر صرف ایک بار عمل کرنے سے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے، اس لئے اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آپ نے صحابی سے فرمایا کہ اگر میں تمہارے جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے تو واقعی پوری اُمت پر وہ ہر سال فرض ہو جاتا۔

(۷۰) اس سے غالباً یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو شریعت کے احکام میں اسی قسم کی بال کی کھال نکالتے تھے، اور جب ان کے اس عمل کے نتیجے میں ان پر پابندیاں بڑھتی تھیں تو انہیں پورا کرنے سے عاجز ہو جاتے، اور بعض اوقات ان کی تعمیل سے صاف انکار بھی کر بیٹھتے تھے۔



مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۚ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَثُرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (۱۰۳) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۖ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝ (۱۰۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصُرُّكُمْ مَنِ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۖ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (۱۰۵)

اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی،<sup>(۱)</sup> لیکن جن لوگوں نے کفر اپنایا ہوا ہے وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگوں کو صحیح سمجھ نہیں ہے ﴿۱۰۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام نازل کیا ہے، اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ: ”ہم نے جس (دین پر) اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، ہمارے لئے وہی کافی ہے۔“ بھلا اگر ان کے باپ دادے ایسے ہوں کہ نہ ان کے پاس کوئی علم ہو، اور نہ کوئی ہدایت تو کیا پھر بھی (یہ انہی کے پیچھے چلتے رہیں گے؟) ﴿۱۰۴﴾ اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر ہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔<sup>(۲)</sup> اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو ﴿۱۰۵﴾

(۱) یہ مختلف قسم کے نام ہیں جو زمانہ جاہلیت کے مشرکین نے رکھے ہوئے تھے۔ بحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جس کے کان چیر کر اس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیا جاتا تھا۔ سائبہ وہ جانور تھا جو بتوں کے نام کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔ وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جو لگا تار مادہ بچے جنے، بچ میں کوئی نہ نہ ہو۔ ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور حامی وہ نر اونٹ ہوتا تھا جو ایک خاص تعداد میں جفتی کر چکا ہو۔ اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

(۲) کفار کی جو گمراہیاں پیچھے بیان ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے مسلمانوں کو صدمہ ہوتا تھا کہ اپنی ان گمراہیوں کے خلاف واضح دلائل آ جانے کے بعد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بار بار سمجھانے کے باوجود یہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ حِينَ الْوَصِيَّةِ  
 اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرِينَ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ  
 فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْسِبُوهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمِينَ بِاللَّهِ إِنْ  
 أَرْتَبْتُمْ لَا نُشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَلَا تَكُتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لِّلَّذِينَ  
 الْأَشْيَيْنِ ۖ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرُونَ يَقُولُ مَقَامُهُمَا مِنَ  
 الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأُولٰٓئِينَ فَيُقْسِمِينَ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا  
 وَمَا عُدْنَا نِنَّا إِذَا لِّلَّذِينَ الظَّالِمِينَ ۝

اے ایمان والو! جب تم میں سے کوئی مرنے کے قریب ہو تو وصیت کرتے وقت آپس کے معاملات  
 طے کرنے کے لئے گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے دو دیانت دار آدمی ہوں (جو تمہاری  
 وصیت کے گواہ بنیں) یا اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو، اور وہیں تمہیں موت کی مصیبت پیش آجائے  
 تو غیروں (یعنی غیر مسلموں) میں سے دو شخص ہو جائیں۔ پھر اگر تمہیں کوئی شک پڑ جائے تو ان دو  
 گواہوں کو نماز کے بعد روک سکتے ہو، اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس گواہی کے بدلے کوئی مالی  
 فائدہ لینا نہیں چاہتے، چاہے معاملہ ہمارے کسی رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو، اور اللہ نے ہم پر جس  
 گواہی کی ذمہ داری ڈالی ہے، اس کو ہم نہیں چھپائیں گے، ورنہ ہم گنہگاروں میں شمار ہوں  
 گے ﴿۱۰۶﴾ پھر بعد میں اگر یہ پتہ چلے کہ انہوں نے (جھوٹ بول کر) اپنے اوپر گناہ کا بوجھ اٹھالیا  
 ہے تو ان لوگوں میں سے دو آدمی ان کی جگہ (گواہی کے لئے) کھڑے ہو جائیں جن کے خلاف  
 ان پہلے دو آدمیوں نے گناہ اپنے سر لیا تھا، اور وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان پہلے دو  
 آدمیوں کی گواہی کے مقابلے میں زیادہ سچی ہے، اور ہم نے (اس گواہی میں) کوئی زیادتی نہیں کی  
 ہے، ورنہ ہم ظالموں میں شمار ہوں گے ﴿۱۰۷﴾

لوگ اپنی گمراہیوں پر جھے ہوئے ہیں۔ اس آیت نے ان حضرات کو تسلی دی ہے کہ تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد

تمہیں ان کی گمراہیوں پر زیادہ صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور اب زیادہ فکر خود اپنی اصلاح کی کرنی چاہئے۔ لیکن جس مبلغ انداز میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اس میں ایک تو ان لوگوں کے لئے ہدایت کا بڑا سامان ہے جو ہر وقت دوسروں پر تنقید کرنے اور ان کے عیب تلاش کرنے میں تو بڑے شوق سے مشغول رہتے ہیں، مگر خود اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کی زحمت نہیں اٹھاتے۔ ان کو دوسروں کا تو چھوٹے سے چھوٹا عیب آسانی سے نظر آجاتا ہے، مگر خود اپنی بڑی سے بڑی برائی کا احساس نہیں ہوتا۔ ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اگر بالفرض تمہاری تنقید صحیح بھی ہو، اور دوسرے لوگ گمراہ بھی ہوں تب بھی تمہیں تو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اس لئے اپنی فکر کرو، اور دوسروں پر تنقید کی فکر میں نہ پڑو۔ اس کے علاوہ جب معاشرے میں بد عملی کا چلن عام ہو جائے، تو اس وقت اصلاح کی طرف لوٹنے کا بھی بہترین نسخہ یہی ہے کہ ہر شخص دوسروں کے طرز عمل کو دیکھنے کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے۔ جب افراد میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہوگی تو چراغ سے چراغ جلے گا، اور رفتہ رفتہ معاشرہ بھی اصلاح کی طرف لوٹے گا۔

(۷۳) یہ آیات ایک خاص واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جس کا نام بدیل تھا، تجارت کی غرض سے اپنے دو عیسائی ساتھیوں تمیم اور عدی کے ساتھ شام گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ بیمار ہو گیا، اور اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ بچ نہیں سکے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے دو ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا سارا سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ ساتھ ہی اس نے یہ ہوشیاری کی کہ سارے سامان کی ایک فہرست بنا کر خفیہ طور سے اسی سامان کے اندر چھپا دی۔ عیسائی ساتھیوں کو فہرست کا پتہ نہ چل سکا۔ انہوں نے سامان وارثوں کو پہنچایا، مگر اس میں ایک چاندی کا پیالہ تھا جس پر سونے کا طبع چڑھا ہوا تھا، اور جس کی قیمت ایک ہزار درہم بتائی گئی ہے، وہ نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ جب وارثوں کو بدیل کی بنائی ہوئی فہرست سامان میں سے ہاتھ لگی تو ان کو اس پیالے کا پتہ چلا، اور انہوں نے تمیم اور عدی سے مطالبہ کیا، انہوں نے صاف قسم کھائی کہ ہم نے سامان میں سے کوئی چیز نہ لی ہے، نہ چھپائی ہے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد بدیل کے وارثوں کو پتہ چلا کہ وہ پیالہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک سنار کو فروخت کیا ہے۔ اس پر تمیم اور عدی نے اپنا موقف بدلا اور کہا کہ دراصل یہ پیالہ ہم نے بدیل سے خرید لیا تھا، اور چونکہ خریداری کا کوئی گواہ ہمارے پاس نہیں تھا اس لئے ہم نے پہلے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اب چونکہ وہ خریداری کے مدعی تھے، اور مدعی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ گواہ پیش کرے، اور یہ پیش نہ کر سکے تو قاعدے کے مطابق وارثوں میں سے بدیل کے قریب ترین دو عزیزوں نے قسم کھائی کہ پیالہ بدیل کی ملکیت تھا، اور یہ عیسائی جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فیصلہ کر دیا اور عیسائیوں کو پیالے کی قیمت دینی پڑی۔ یہ فیصلہ اسی آیت کریمہ کی روشنی میں ہوا جس میں اس قسم کی صورت حال کے لئے ایک عام حکم بھی بتا دیا گیا۔

(۷۴) یہ ترجمہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اختیار کردہ تفسیر پر مبنی ہے جس کی رو سے ”الاولیان“ سے مراد پہلے دو

ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَّاتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وُجُوْهِهَا اَوْ يَخَافُوْا اَنْ تُرَدَّ اَيَّانُ بَعْدَ  
 اَيَّانِهِمْ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمِعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۱۰۸ يَوْمَ يَجْمَعُ  
 اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۱۰۹

اس طریقے میں اس بات کی زیادہ اُمید ہے کہ لوگ (شروع ہی میں) ٹھیک ٹھیک گواہی دیں یا اس بات سے ڈریں کہ (جھوٹی گواہی کی صورت میں) ان کی قسموں کے بعد لوٹا کر دوسری قسمیں لی جائیں گی (جو ہماری تردید کر دیں گی)۔ اور اللہ سے ڈرو، اور (جو کچھ اس کی طرف سے کہا گیا ہے اسے قبول کرنے کی نیت سے) سنو۔ اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۱۰۸﴾ وہ دن یاد کرو جب اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا، اور کہے گا کہ ”تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟“ وہ کہیں گے کہ ”ہمیں کچھ علم نہیں، پوشیدہ باتوں کا تمام تر علم تو آپ ہی کے پاس ہے“ ﴿۱۰۹﴾

گواہ ہیں جنہوں نے خیانت کی تھی۔ وهذا التفسیر اولی حسب قراءة ”استحق“ علی البناء للفاعل كما هو قراءة حفص، بالنظر الی إعراب الآية. أما التفسیر الذی جعل ”الأولیان“ صفة للورثة، فوجهه فی الإعراب خفی جداً، لأنه لا يظهر فیها فاعل ”استحق“ إلا بتكلف، وراجع روح المعانی والبحر المحیط والتفسیر الكبير. نعم يظهر ذلك التفسیر فی قراءة ”استحق“ علی البناء للمفعول. (۷۵) قرآن کریم کا یہ خاص طریقہ ہے کہ جب وہ اپنے احکام بیان فرماتا ہے تو اس کے ساتھ آخرت کا کوئی ذکر یا پچھلی اُمتوں کی فرماں برداری یا نافرمانی کا بھی ذکر فرماتا ہے، تاکہ ان احکام پر عمل کرنے کے لئے آخرت کی فکر پیدا ہو، چنانچہ وصیت کے مذکورہ بالا احکام کے بعد اب آخرت کے کچھ مناظر بیان فرمائے گئے ہیں، اور چونکہ کچھ پہلے عیسائیوں کے غلط عقائد کا تذکرہ تھا، اس لئے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آخرت میں جو مکالمہ ہوگا اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور شروع کی اس آیت میں تمام پیغمبروں سے اس سوال کا ذکر ہے کہ ان کی اُمتوں نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا؟ اس کے جواب میں انہوں نے اپنی لاعلمی کا جو اظہار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دُنیا میں تو لوگوں کے ظاہری بیانات پر ہی فیصلہ کرنے کے مجاز تھے، لہذا جس کسی نے ایمان کا دعویٰ کیا ہم نے اسے معتبر سمجھ لیا، لیکن یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے؟

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ادْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِأِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِأِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِأِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ السُّوْفَىٰ بِأِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيَ إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱﴾

(یہ واقعہ اس دن ہوگا) جب اللہ کہے گا: ”اے عیسیٰ ابن مریم! میرا انعام یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا تھا، جب میں نے روح القدس کے ذریعے تمہاری مدد کی تھی۔ تم لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرتے تھے، اور بڑی عمر میں بھی۔ اور جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دی تھی، اور جب تم میرے حکم سے گارالے کر اس سے پرندے کی جیسی شکل بناتے تھے، پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے (سچ مچ کا) پرندہ بن جاتا تھا، اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے، اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو (زندہ) نکال کھڑا کرتے تھے، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو اُس وقت تم سے دُور رکھا جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، اور ان میں سے جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔“ ﴿۱۱﴾

آج جبکہ فیصلہ دلوں کے حال کے مطابق ہونے والا ہے، ہم یقین کے ساتھ کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ دلوں کا پوشیدہ حال تو صرف آپ ہی جانتے ہیں۔ البتہ جب لوگوں کے ظاہری ردِ عمل ہی کے بارے میں انبیائے کرام سے گواہی لی جائے گی تو وہ ان کے ظاہری اعمال کی گواہی دیں گے، جس کا ذکر سورہ نساء (۴: ۴۱) اور سورہ نحل (۸۹: ۱۶) وغیرہ میں آیا ہے۔

﴿۷۶﴾ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ بقرہ (۸۷: ۲)۔

وَإِذْ أُوحِيَثُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ ائْمِنُوا بِرَسُولِي ۖ قَالُوا اامْنُوا وَاشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتُنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾

جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ: ”تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ“ تو انہوں نے کہا: ”ہم ایمان لے آئے، اور آپ گواہ رہئے کہ ہم فرماں بردار ہیں۔“ ﴿۱۱۱﴾ (اور ان کے اس واقعے کا بھی ذکر سنو) جب حواریوں نے کہا تھا کہ: ”اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا) ایک خوان اُتارے؟“ عیسیٰ نے کہا: ”اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔“ ﴿۱۱۲﴾ انہوں نے کہا: ”ہم چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھانا کھائیں، اور اس کے ذریعے ہمارے دل پوری طرح مطمئن ہو جائیں، اور ہمیں (پہلے سے زیادہ یقین کے ساتھ) یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں شامل ہو جائیں۔“ ﴿۱۱۳﴾ (چنانچہ) عیسیٰ ابن مریم نے درخواست کی کہ: ”یا اللہ! ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار دیجئے جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے ایک خوشی کا موقع بن جائے، اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو۔ اور ہمیں یہ نعمت عطا فرماہی دیجئے، اور آپ سب سے بہتر عطا فرمانے والے ہیں۔“ ﴿۱۱۴﴾

(۷۷) یعنی ایک مومن کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معجزات کی فرمائش کرے، کیونکہ ایسی فرمائشیں تو عام طور پر کافر لوگ کرتے رہے ہیں۔ البتہ جب انہوں نے یہ وضاحت کی کہ خدا خواستہ اس فرمائش کا منشاء ایمان کا فقدان نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھ کر مکمل اطمینان کا حصول اور ادائے شکر ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمادی۔

قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١١٥﴾ وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ۖ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَّ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۖ إِن كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۖ تَعَلَّمَ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَكُنْتُ بِمَشْهُودٍ ۖ إِنَّا كُنَّا نَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾

اللہ نے کہا کہ: ”میں بیشک تم پر وہ خوان اُتار دوں گا، لیکن اس کے بعد تم میں سے جو شخص بھی کفر کرے گا اس کو میں ایسی سزا دوں گا جو دنیا جہان کے کسی بھی شخص کو نہیں دوں گا۔“ ﴿۱۱۵﴾ اور (اُس وقت کا بھی ذکر سنو) جب اللہ کہے گا کہ: ”اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بناؤ؟“ وہ کہیں گے: ”ہم تو آپ کی ذات کو (شرک سے) پاک سمجھتے ہیں۔ میری مجال نہیں تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو یقیناً معلوم ہو جاتا۔ آپ وہ باتیں جانتے ہیں جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں، اور میں آپ کی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا۔ یقیناً آپ کو تمام چھپی ہوئی باتوں کا پورا پورا علم ہے ﴿۱۱۶﴾

(۷۸) قرآن کریم نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ پھر وہ خوان آسمان سے اُتر آیا نہیں۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں حضرت عمار بن یاسر کا یہ قول مروی ہے کہ خوان اُتر اُتھا، پھر جن لوگوں نے نافرمانی کی وہ دنیا ہی میں عذاب کے شکار ہوئے۔ (جامع ترمذی، کتاب التفسیر حدیث نمبر ۳۰۶۱) واللہ اعلم۔

(۷۹) عیسائیوں کے بعض فرقے تو حضرت مریم علیہا السلام کو تثلیث کا ایک حصہ قرار دے کر انہیں معبود مانتے تھے، اور دوسرے بعض فرقے اگرچہ انہیں تثلیث کا حصہ تو قرار نہیں دیتے تھے، لیکن جس طرح ان کی تصویر کلیساؤں میں آویزاں کر کے اس کی پرستش کی جاتی تھی وہ بھی ایک طرح سے ان کو خدائی میں شریک قرار دینے کے مرادف تھی۔ اس لئے یہ سوال کیا گیا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا  
مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ ۖ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
شَهِيدٌ ۝۱۷۰ إِنَّ تَعَذُّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ ۝۱۷۱ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ  
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ ۝۱۷۲ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۷۳

میں نے ان لوگوں سے اُس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، اور وہ یہ کہ: ”اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔“ اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں ﴿۱۱۷﴾ اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں ہی، اور اگر آپ انہیں معاف فرمادیں تو یقیناً آپ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل“ ﴿۱۱۸﴾ اللہ کہے گا کہ: ”یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچا نائدہ پہنچائے گا۔ ان کے لئے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور یہ اُس سے خوش ہیں، یہی بڑی زبردست کامیابی ہے“ ﴿۱۱۹﴾ تمام آسمانوں اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے اس سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۲۰﴾

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۳ محرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۲ فروری ۲۰۰۶ء کو بروز منگل بوقت نمازِ عشاء سورہ مائدہ کا ترجمہ اور حواشی مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْأَنْعَامِ

## تعارف

یہ سورت چونکہ مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اپنے ابتدائی دور میں تھی، اس لئے اس میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے، اور ان عقائد پر جو اعتراضات کفار کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں پر کفار مکہ کی طرف سے طرح طرح کے ظلم توڑے جارہے تھے، اس لئے ان کو تسلی بھی دی گئی ہے۔ کفار مکہ اپنے مشرکانہ عقائد کے نتیجے میں جن بے ہودہ رسموں اور بے بنیاد خیالات میں مبتلا تھے، ان کی تردید فرمائی گئی ہے۔ عربی زبان میں ”انعام“ چوپایوں کو کہتے ہیں۔ عرب کے مشرکین موسیٰوں کے بارے میں بہت سے غلط عقیدے رکھتے تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے، (دیکھئے آیات: ۱۳۶ تا ۱۴۶) اس لئے اس کا نام سورۃ الانعام رکھا گیا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند آیتوں کو چھوڑ کر یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی تھی، لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ”روح المعانی“ میں ان روایتوں پر تنقید کی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

﴿آیاتها ۱۶۵﴾ سُورَةُ الْاِنْعَامِ مَكِّيَّةٌ ۵۵ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲۰﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۚ ثُمَّ  
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِیْرٰیْهُمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱ ۙ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا  
وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَکُمْ ۚ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ ۙ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ  
یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَهْرَکُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ ۝۳

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور اندھیریاں اور روشنی بنائی۔ پھر  
بھی جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ دوسروں کو (خدا کی) اپنے پروردگار کے برابر قرار دے رہے  
ہیں ﴿۱﴾ وہی ذات ہے جس نے تم کو گیلی مٹی سے پیدا کیا، پھر (تمہاری زندگی کی) ایک میعاد  
مقرر کر دی۔ اور (دوبارہ زندہ ہونے کی) ایک متعین میعاد اسی کے پاس ہے۔ ﴿۲﴾ پھر بھی تم شک  
میں پڑے ہوئے ہو ﴿۳﴾ اور وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے، اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے چھپے  
ہوئے بھیہد بھی جانتا ہے، اور کھلے ہوئے حالات بھی، اور جو کچھ کمائی تم کر رہے ہو، اس سے بھی  
واقف ہے ﴿۳﴾

(۱) یعنی ایک میعاد تو ہر انسان کی انفرادی زندگی کی ہے کہ وہ کب تک جئے گا، شروع میں تو اس کا علم کسی کو نہیں  
ہوتا، مگر جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو ہر ایک کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی عمر کتنی تھی۔ لیکن مرنے کے بعد جو دوسری  
زندگی آنے والی ہے، وہ کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوا  
 بِآلِ حَقٍّ لَبَّاءَ هُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑥ أَلَمْ يَرَوْا  
 كَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا  
 السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا ۖ وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ  
 بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ⑦ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ  
 فَلَسَوْهُ بِأَيِّدِيهِمْ لَقَالُوا إِنَّا نَزَّلْنَاهُ إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ⑧

اور (ان کافروں کا حال یہ ہے کہ) ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جب بھی کوئی  
 نشانی آتی ہے، تو یہ لوگ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں ﴿۴﴾ چنانچہ جب حق ان کے پاس آ گیا تو ان  
 لوگوں نے اسے جھٹلا دیا۔ نتیجہ یہ کہ جس بات کا یہ مذاق اڑاتے رہے ہیں، جلد ہی ان کو اس کی خبریں  
 پہنچ جائیں گی۔ ﴿۵﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں!  
 ان کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا۔ ہم نے ان پر آسمان سے خوب بارشیں  
 بھیجیں، اور ہم نے دریاؤں کو مقرر کر دیا کہ وہ ان کے نیچے بہتے رہیں۔ لیکن پھر ان کے گناہوں کی  
 وجہ سے ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، اور ان کے بعد دوسری نسلیں پیدا کیں ﴿۶﴾ اور (ان کافروں کا  
 حال یہ ہے کہ) اگر ہم تم پر کوئی ایسی کتاب نازل کر دیتے جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہوتی، پھر یہ اسے اپنے  
 ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے، تو جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ پھر بھی یہی کہتے کہ یہ کھلے ہوئے  
 جادو کے سوا کچھ نہیں ﴿۷﴾

(۲) کفار سے کہا گیا تھا کہ اگر انہوں نے ہٹ دھرمی کا رویہ جاری رکھا تو دنیا میں بھی ان کا انجام برا ہوگا، اور  
 آخرت میں بھی ان کو عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کفار ان باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ آیت ان کو متنبہ کر رہی  
 ہے کہ جس بات کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں، عنقریب وہ ایک حقیقت بن کر ان کے سامنے آ جائے گی۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكَاتُفَضَّىٰ ۖ إِلَّا مَرْثَمٌ لَا يُنْظَرُونَ ۝<sup>۸</sup>  
 وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكَاتُفَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ۝<sup>۹</sup> وَلَقَدْ  
 اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالذِّينِ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ  
 يَسْتَهْزِءُونَ ۝<sup>۱۰</sup>

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اس (پیغمبر) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟“ حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو سارا کام ہی تمام ہو جاتا، پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی ﴿۸﴾ اور اگر ہم فرشتے ہی کو پیغمبر بناتے، تب بھی اسے کسی مرد ہی (کی شکل میں) بناتے، اور ان کو پھر ہم اسی شے میں ڈال دیتے جس میں اب مبتلا ہیں ﴿۹﴾ اور (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے جن لوگوں نے مذاق اڑایا تھا، ان کو اسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ﴿۱۰﴾

(۳) یہ دُنیا چونکہ انسان کے امتحان کے لئے بنائی گئی ہے، اس لئے انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اللہ تعالیٰ پر اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی غیبی حقیقت آنکھوں سے دکھادی جاتی ہے تو اس کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص موت کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لائے تو اس کا ایمان قابل قبول نہیں۔ کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر کوئی فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتا ہے تو وہ اس طرح آئے کہ ہم اسے دیکھ سکیں۔ قرآن کریم نے اس کا پہلا جواب تو یہ دیا ہے کہ اگر فرشتے کو انہوں نے آنکھ سے دیکھ لیا تو پھر مذکورہ بالا اُصول کے مطابق ان کا ایمان معتبر نہیں ہوگا، اور پھر انہیں اتنی مہلت نہیں ملے گی کہ یہ ایمان لاسکیں۔ دوسرا جواب اگلے جملے میں ہے۔

(۴) یعنی اگر کسی فرشتے ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے، یا پیغمبر کی تصدیق کے لئے لوگوں کے سامنے بھیجتے تب بھی اس کو انسانی شکل ہی میں بھیجنا پڑتا، کیونکہ کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی فرشتے کو دیکھ سکے۔ اس صورت میں پھر یہ کافر لوگ وہی اعتراض دہراتے کہ یہ تو ہم جیسا ہی آدمی ہے۔ اس کو ہم پیغمبر کیسے مان لیں؟

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ ۖ كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ لِيَجْمَعَ كُمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الْبَيْلِ وَالنَّهَارِ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

(ان کافروں سے) کہو کہ: ”ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟“ ﴿۱۱﴾ (ان سے) پوچھو کہ: ”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟“ (پھر اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی) کہہ دو کہ: ”اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ (اس لئے توبہ کر لو تو پچھلے سارے گناہ معاف کر دے گا، ورنہ) وہ تم سب کو ضرور بالضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، (لیکن) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لئے گھائے کا سودا کر رکھا ہے، وہ (اس حقیقت پر) ایمان نہیں لاتے ﴿۱۲﴾ اور رات اور دن میں جتنی مخلوقات آرام پاتی ہیں، سب اسی کے قبضے میں ہیں، اور وہ ہر بات کو سنتا، ہر چیز کو جانتا ہے۔“ ﴿۱۳﴾

(۵) مشرکین عرب شام کے تجارتی سفر کے دوران شمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں سے گذرا کرتے تھے جہاں ان قوموں کی تباہی کے آثار انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔ قرآن کریم انہیں دعوت دے رہا ہے کہ وہ ان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

(۶) غالباً اشارہ اس طرف ہے کہ رات اور دن کے اوقات میں جب لوگ سوتے ہیں تو دوبارہ بیدار بھی ہو جاتے ہیں، حالانکہ نیند بھی ایک چھوٹی موت ہے جس میں انسان دنیا سے بے خبر اور بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہوتا ہے، اس لئے جب وہ چاہتا ہے اسے بیداری کی دنیا میں واپس لے آتا ہے۔ اسی طرح جب بڑی موت آئے گی تب بھی انسان اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوگا، اور وہ جب چاہے گا، اسے دوبارہ زندگی دے کر قیامت کے یوم حساب کی طرف لے جائے گا۔

قُلْ أَغَيَّرَ اللَّهُ اتَّخَذُوا لِيَا فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعَمُ وَلَا يُطْعَمُ ۖ قُلْ  
إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْرِكِينَ ۝۳۴ قُلْ إِنِّي  
أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝۳۵ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ  
رَاحَهُ ۖ وَذَلِكَ الْقُورُ الْمُبِينُ ۝۳۶ وَإِنْ يَسْسُكُ اللَّهُ بَصْرَ فُلَاكَاشَفَ لَهُ إِلَّا  
هُوَ ۖ وَإِنْ يَسْسُكُ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۳۷ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ  
عِبَادِهِ ۖ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝۳۸ قُلْ أَمَىٰ شَيْءٌ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلْ اللَّهُ ۖ  
شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَدَعَ

کہہ دو کہ: ”کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رکھوں یا بناؤں؟ (اُس اللہ کو چھوڑ کر) جو آسمانوں اور زمین کا  
پیدا کرنے والا ہے، اور جو سب کو کھلاتا ہے، کسی سے کھاتا نہیں؟“ کہہ دو کہ: ”مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ  
فرماں برداری میں سب لوگوں سے پہل کرنے والا میں بنوں“ اور تم مشرکوں میں ہرگز شامل نہ  
ہونا ﴿۱۴﴾ کہہ دو کہ: ”اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک زبردست دن کے  
عذاب کا خوف ہے۔“ ﴿۱۵﴾ جس کسی شخص سے اس دن وہ عذاب ہٹا دیا گیا، اس پر اللہ نے بڑا رحم  
کیا، اور یہی واضح کامیابی ہے ﴿۱۶﴾ اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو خود اس کے سوا اسے  
دور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہی ہے ﴿۱۷﴾  
اور وہ اپنے بندوں کے اوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے، اور وہ حکیم بھی ہے، پوری طرح باخبر بھی ﴿۱۸﴾ کہو:  
”کوئی چیز ایسی ہے جو (کبھی بات کی) گواہی دینے کے لئے سب سے اعلیٰ درجے کی ہو؟“ کہو:  
”اللہ! (اور وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اور مجھ پر یہ قرآن وحی کے طور پر اس لئے  
نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی ڈراؤں، اور ان سب کو بھی جنہیں یہ قرآن پہنچے۔“

إِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ إِلَهَةً أُخْرَى ۖ قُلْ لَا أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَهُ  
وَاحِدٌ وَإِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ اتَّيَهُمُ الْكِتَابُ يَعْرِفُونَهُ كَمَا  
يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ  
مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ  
نَحْشُرُهُمْ جَبَبًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آيِنُ شُرَكَائِكُمْ ۚ الَّذِينَ كُنْتُمْ  
تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فَتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾

کیا سچ مچ تم یہ گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟“ کہہ دو کہ: ”میں تو ایسی گواہی  
نہیں دوں گا۔“ کہہ دو کہ: ”وہ تو صرف ایک خدا ہے، اور جن جن چیزوں کو تم اس کی خدائی میں  
شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سب سے بیزار ہوں۔“ ﴿۱۹﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ  
ان کو (یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو) اس طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے  
ہیں۔ (پھر بھی) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لئے گھائے کا سودا کر رکھا ہے، وہ ایمان نہیں  
لاتے ﴿۲۰﴾ اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا اللہ کی  
آیتوں کو جھٹلائے؟ یقین رکھو کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاسکتے ﴿۲۱﴾ اُس دن (کو یاد رکھو) جب ہم  
ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا ہوگا ان سے پوچھیں گے کہ: ”کہاں ہیں  
تمہارے وہ معبود جن کے بارے میں تم یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ خدائی میں اللہ کے شریک  
ہیں؟“ ﴿۲۲﴾ اُس وقت اُن کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے: ”اللہ کی  
قسم جو ہمارا پروردگار ہے، ہم تو مشرک نہیں تھے۔“ ﴿۲۳﴾

(۷) شروع میں تو وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں جھوٹ بول جائیں گے، لیکن پھر قرآن کریم ہی نے سورۃ یس (۶۵: ۳۶) اور سورۃ حم السجدہ (۲۱: ۳۱) میں بیان فرمایا ہے کہ خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے،



أَنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۳۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ  
يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ  
يَسْرُوا كُلَّ آيَةٍ إِلَّا يَوْمُوا بِهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ  
كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ ۚ  
إِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۹﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ دُوقِفُوا عَلَى النَّارِ  
فَقَالُوا أَلَيْسَ تَنَاثُرَ دُونَنَا ۖ لَكِذِّبَ بَالٍ لِّتَنَاوُنَا ۚ وَكَانَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۰﴾

دیکھو! یہ اپنے معاملے میں کس طرح جھوٹ بول جائیں گے، اور جو (معبود) انہوں نے جھوٹ  
موٹ تراش رکھے تھے، اُن کا انہیں کوئی سراغ نہیں مل سکے گا! ﴿۲۴﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ  
ایسے ہیں جو تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں، مگر (چونکہ یہ سننا طلب حق کے بجائے ضد پر اڑے  
رہنے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے) ہم نے ان کے دلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو  
سمجھتے نہیں ہیں، اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے۔ اور اگر وہ ایک ایک کر کے ساری  
نشانیوں کو دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ جب تمہارے پاس جھگڑا  
کرنے کے لئے آتے ہیں تو یہ کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) پچھلے لوگوں کی داستانوں کے  
سوا کچھ نہیں ﴿۲۵﴾ اور یہ دوسروں کو بھی اس (قرآن) سے روکتے ہیں، اور خود بھی اس سے دور  
رہتے ہیں۔ اور (اس طرح) وہ اپنی جانوں کے سوا کسی اور کو ہلاکت میں نہیں ڈال رہے، لیکن ان کو  
احساس نہیں ہے ﴿۲۶﴾ اور (بڑا ہولناک نظارہ ہوگا) اگر تم وہ وقت دیکھو جب ان کو دوزخ پر کھڑا  
کیا جائے گا، اور یہ کہیں گے: ”اے کاش! ہمیں واپس (دنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ اس بار ہم  
اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں، اور ہمارا شمار مومنوں میں ہو جائے!“ ﴿۲۷﴾

اور ان کا سارا جھوٹ کھل جائے گا۔ اس موقع کے لئے سورہ نساء (۴: ۴۲) میں پیچھے گزرا ہے کہ وہ کوئی بات  
چھپا نہیں سکیں گے، اور آگے اسی سورت کی آیت نمبر ۱۳۰ میں آرہا ہے کہ وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ  
وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ  
بِبَعُوثِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرَى إِذْ وَقَفُوا عَلَى رَبِّهِمْ ۖ قَالَ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ ۖ  
قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۖ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾ قَدْ خَسِرَ  
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا  
يَحْسِرَتْنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا ۖ وَهُمْ يَحْصِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۖ أَلَا  
سَاءَ مَا يَزُرُّهُمْ ﴿٣١﴾

حالانکہ (ان کی یہ آرزو بھی سچی نہ ہوگی) بلکہ دراصل وہ چیز (یعنی آخرت) ان کے سامنے کھل کر آچکی  
ہوگی جسے وہ پہلے چھپایا کرتے تھے، (اس لئے مجبوراً یہ دعویٰ کریں گے) ورنہ اگر ان کو واقعی واپس  
بھیجا جائے تو یہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے، اور یقیناً جانو یہ پکے جھوٹے  
ہیں ﴿۲۸﴾ یہ تو یوں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی دنیوی زندگی ہے، اور ہم مر کر دوبارہ زندہ نہیں  
کئے جائیں گے ﴿۲۹﴾ اور اگر تم وہ وقت دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں  
گے! وہ کہے گا: ”کیا یہ (دوسری زندگی) حق نہیں ہے؟“ وہ کہیں گے: ”بیشک ہمارے رب کی قسم!“  
اللہ کہے گا: ”تو پھر چکھو عذاب کا مزہ، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔“ ﴿۳۰﴾ حقیقت یہ ہے کہ بڑے  
خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے جا ملنے کو جھٹلایا ہے! یہاں تک کہ جب قیامت  
اچانک ان کے سامنے آکھڑی ہوگی تو وہ کہیں گے: ”ہائے افسوس! کہ ہم نے اس (قیامت) کے  
بارے میں بڑی کوتاہی کی۔“ اور وہ (اس وقت) اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے  
ہوں گے۔ (لہذا) خبردار رہو کہ بہت برا بوجھ ہے جو یہ لوگ اٹھا رہے ہیں ﴿۳۱﴾

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۚ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَدِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۚ وَلَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبْرُ وَا عَلَى مَا كُذِّبُوا أَوْ أُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبِيِّائِ الْمُرْسَلِينَ ۚ

اور دُنیوی زندگی تو ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں<sup>(۸)</sup>، اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے لئے آخرت والا گھر کہیں زیادہ بہتر ہے۔ تو کیا اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں آتی؟ ﴿۳۲﴾ (اے رسول!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے، کیونکہ دراصل یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿۳۳﴾<sup>(۹)</sup> اور حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے۔ پھر جس طرح انہیں جھٹلایا گیا اور تکلیفیں دی گئیں، اس سب پر انہوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچ گئی۔ اور کوئی نہیں ہے جو اللہ کی باتوں کو بدل سکے۔ اور (پچھلے) رسولوں کے کچھ واقعات آپ تک پہنچ ہی چکے ہیں ﴿۳۴﴾

(۸) یہ بات کافروں کے اس بیان کے جواب میں کہی گئی ہے جو آیت نمبر ۲۹ میں اُپر گزرا ہے کہ: ”جو کچھ ہے بس یہی دُنیوی زندگی ہے“ جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں چند روز کی دُنیوی زندگی، جسے تم سب کچھ سمجھ رہے ہو، کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پروا کئے بغیر دُنیا میں زندگی گزارتے ہیں تو جس عیش و آرام کو وہ اپنا مقصد زندگی بناتے ہیں، آخرت میں جا کر ان کو پتہ لگ جائے گا کہ اس کی حیثیت کھیل تماشے کی سی تھی۔ ہاں! جو لوگ دُنیا کو آخرت کی کھیتی بنا کر زندگی گزارتے ہیں، ان کے لئے دُنیوی زندگی بھی بڑی نعمت ہے۔

(۹) یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صرف اپنی ذات کے جھٹلانے سے اتنا زیادہ رنج نہ ہوتا، لیکن زیادہ رنج کی

وَإِنْ كَانَ كِبَرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ  
سُلْبًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ  
مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ (۳۵) إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۖ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ هُمْ  
إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ (۳۶) وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ  
أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (۳۷)

اور اگر ان لوگوں کا منہ موڑے رہنا تمہیں بہت بھاری معلوم ہو رہا ہے تو اگر تم زمین کے اندر (جانے  
کے لئے) کوئی سرنگ یا آسمان میں (چڑھنے کے لئے) کوئی سیڑھی ڈھونڈ سکتے ہو، تو ان کے پاس  
(ان کا منہ مانگایہ) معجزہ لے آؤ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ لہذا تم نادانوں  
میں ہرگز شامل نہ ہونا۔ ﴿۳۵﴾ بات تو وہی لوگ مان سکتے ہیں جو (حق کے طالب بن کر) سنیں۔  
جہاں تک ان مُردوں کا تعلق ہے، ان کو تو اللہ ہی قبروں سے اُٹھائے گا، پھر یہ اسی کی طرف لوٹائے  
جائیں گے ﴿۳۶﴾ یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی ہیں تو) ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی  
نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی؟ تم (ان سے) کہو کہ اللہ بیشک اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی نازل  
کردے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس کا انجام) نہیں جانتے۔ ﴿۳۷﴾

وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ آیت کے یہ معنی الفاظ قرآن کے بھی زیادہ مطابق ہیں،  
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج سے بھی زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔  
(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، جن میں سب سے بڑا معجزہ  
خود قرآن کریم تھا، کیونکہ آپ کے امی ہونے کے باوجود یہ فصیح و بلیغ کلام آپ پر نازل ہوا جس کے آگے بڑے  
بڑے ادیبوں اور شاعروں نے گھٹنے ٹیک دیئے، اور کسی نے وہ چیلنج قبول نہ کیا جو سورہ بقرہ (۲: ۲۳) وغیرہ میں  
دیا گیا تھا۔ اسی کی طرف سورہ عنکبوت (۵۱: ۲۹) میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تنہا یہی معجزہ ایک حق کے طلب گار  
کے لئے کافی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن کفار مکہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے ہر روز نئے نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے

تھے۔ اس سلسلے میں جس قسم کے بیہودہ مطالبات وہ کرتے تھے، ان کی ایک فہرست قرآن کریم نے سورہ بنی اسرائیل (۸۹: ۱۷-۹۳) میں بھی بیان فرمائی ہے۔ اس پر کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خیال ہوتا تھا کہ اگر ان کے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو شاید یہ لوگ ایمان لا کر جہنم سے بچ جائیں۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشفقانہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ درحقیقت ان کے یہ مطالبات محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہیں، اور جیسا کہ پیچھے آیت نمبر ۲۵ میں کہا گیا ہے، یہ اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں گے تب بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ صرف بیکار ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کے خلاف ہے جس کی طرف اشارہ آگے آیت نمبر ۷۳ میں آ رہا ہے۔ ہاں اگر آپ خود ان کے مطالبات پورے کرنے کے لئے ان کے کہنے کے مطابق زمین کے اندر جانے کے لئے کوئی سرنگ بنا سکیں یا آسمان پر چڑھنے کے لئے کوئی سیڑھی ایجاد کر سکیں تو یہ بھی کر دیکھیں۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ فکر چھوڑ دیجئے کہ ان کے منہ مانگے معجزات انہیں دکھائے جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دین کا پابند بنا دیتا، لیکن درحقیقت انسان کو دنیا میں بھیجے کا بنیادی مقصد امتحان ہے، اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں، اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لائے۔ انبیائے کرام لوگوں کی فرمائش پر نت نئے کرشمے دکھانے کے لئے نہیں، ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لئے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دل میں حق کی طلب ہو۔ اور جو لوگ اپنی ضد پر اڑے رہنے کی قسم کھا چکے ہوں، ان کے لئے نہ کوئی بڑی سے بڑی دلیل کار آ، ہو سکتی ہے، نہ کوئی بڑے سے بڑا معجزہ۔

(۱۱) اس آیت میں فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی ایک اور وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ پچھلی قوموں کو جب کبھی ان کا مانگا ہوا معجزہ دکھایا گیا ہے تو ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی گئی ہے کہ اگر اس کے باوجود وہ ایمان نہ لائے تو انہیں اس دنیا ہی میں ہلاک کر دیا جائے گا، چنانچہ کئی قومیں اسی طرح ہلاک ہوئیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کفار مکہ میں سے اکثر لوگ ہٹ دھرم ہیں، اور وہ فرمائشی معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق وہ ہلاک ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ابھی یہ منظور نہیں ہے کہ انہیں عذاب عام کے ذریعے ہلاک کیا جائے۔ لہذا جو لوگ فرمائشی معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ اس کے انجام سے ناواقف ہیں۔ ہاں جن لوگوں کو ایمان لانا ہے، وہ مطلوبہ معجزات کے بغیر دوسرے دلائل اور معجزات دیکھ کر خود ایمان لے آئیں گے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَيْرٍ يَبْتَغِي بَنَاجِيَهُ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ ۖ مَا فَرَّطْنَا  
 فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمُّوْ  
 بُكُمْ فِي الظُّلُمَاتِ ۖ مَنْ يَشَاءِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ ۖ وَمَنْ يَشَاءِ يُجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٣٩﴾  
 قُلْ أَسْرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرِ اللَّهِ تَدْعُونَ ؕ إِنْ  
 كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٠﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ  
 عَمَّا تَشْكُرُونَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ أَمَرْنَا آلَ إِمَامٍ مِنْ قَبْلِكَ فَآخَذُوا مِنْهُم بِالْبَاسِ ۖ  
 الضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٢﴾

اور زمین میں جتنے جانور چلتے ہیں، اور جتنے پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں، وہ سب مخلوقات کی  
 تم جیسی ہی اصناف ہیں۔ ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پھر ان  
 سب کو جمع کر کے ان کے پروردگار کی طرف لے جایا جائے گا۔ ﴿۳۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری  
 آیتوں کو جھٹلایا ہے وہ اندھیروں میں بھٹکتے بھٹکتے بہرے اور گونگے ہو چکے ہیں۔ ﴿۳۹﴾ اللہ جسے چاہتا ہے،  
 (اس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے) گمراہی میں ڈال دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ پر  
 لگا دیتا ہے ﴿۳۹﴾ (ان کافروں) سے کہو: ”اگر تم سچے ہو تو ذرا یہ بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب  
 آجائے، یا تم پر قیامت ٹوٹ پڑے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ بلکہ اُسی کو پکارو گے، پھر  
 جس پریشانی کے لئے تم نے اُسے پکارا ہے، اگر وہ چاہے گا تو اُسے دُور کر دے گا، اور جن  
 (دیوتاؤں) کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو (اُس وقت) ان کو بھول جاؤ گے۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کے پاس پیغمبر بھیجے، پھر ہم نے (ان کی نافرمانی  
 کی بنا پر) انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں گرفتار کیا، تاکہ وہ عجز و نیاز کا شیوہ اپنائیں۔ ﴿۴۱﴾

(۱۲) اس آیت نے یہ بتایا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ

تمام جانوروں کو بھی قیامت کے بعد حشر کے دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ”تم جیسی ہی اصناف ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہیں دوسری زندگی دی جائے گی، اسی طرح ان کو بھی دوسری زندگی ملے گی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جانوروں نے دُنیا میں ایک دوسرے پر جو ظلم کئے ہوں گے، میدانِ حشر میں مظلوم جانور کو حق دیا جائے گا کہ وہ ظالم سے بدلہ لے۔ اس کے بعد چونکہ وہ حقوق اللہ کے مکلف نہیں ہیں، اس لئے ان پر دوبارہ منوت طاری کر دی جائے گی۔ یہاں اس حقیقت کو بیان فرمانے کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ کفارِ عرب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سارے کے سارے انسان جو مر کر مٹی ہو چکے ہوں گے ان کو دوبارہ کیسے جمع کیا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ صرف انسانوں ہی کو نہیں، جانوروں کو بھی زندہ کیا جائے گا، حالانکہ جانوروں کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ دُنیا کی ابتدا سے انتہا تک کے بے شمار انسانوں اور جانوروں کے گلے سڑے اجزاء کا کیسے پتہ لگایا جائے گا؟ تو اس کا جواب اگلے جملے میں یہ دیا گیا ہے کہ لوحِ محفوظ میں ہر بات درج ہے، اور یہ ایسا ریکارڈ ہے جس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے، لہذا نہ انسانوں کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل ہے، نہ جانوروں کا۔

(۱۳) یعنی اپنے اختیار سے گمراہی کو اپنا کر انہوں نے حق سننے اور کہنے کی صلاحیت ہی ختم کر لی ہے۔ یاد رہے کہ یہ ترجمہ ”فی الظلمت“ کو ”صمّ وبکم“ سے حال قرار دینے پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے رائج قرار دیا ہے۔

(۱۴) عرب کے مشرکین یہ مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، لیکن ساتھ ہی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کی خدائی میں دوسرے بہت سے دیوتا اس طرح شریک ہیں کہ خدائی کے بہت سے اختیارات ان کو حاصل ہیں۔ اب ہوتا یہ تھا کہ وہ ان دیوتاؤں کو خوش رکھنے کی نیت سے ان کی پرستش کرتے رہتے تھے، مگر جب کوئی ناگہانی آفت آپڑتی تھی، مثلاً سمندر میں سفر کرتے ہوئے پہاڑ جیسی موجوں میں گھر جاتے تھے تو اپنے گھڑے ہوئے دیوتاؤں کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ یہاں ان کی اس عادت کے حوالے سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ جب دُنیا کی ان مصیبتوں میں تم اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو تو اگر کوئی بڑا عذاب آجائے، یا قیامت ہی آکھڑی ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو گے۔

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۶﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِآأُوتُوهُمْ أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿۳۷﴾ فَقَطَّعَ دَائِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۸﴾

پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تھی، اس وقت وہ عاجزی کا رویہ اختیار کرتے؟ بلکہ ان کے دل تو اور سخت ہو گئے، اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، شیطان نے انہیں یہ بھجایا کہ وہی بڑے شاندار کام ہیں ﴿۳۶﴾ پھر انہیں جو نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اسے بھلا بیٹھے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے، <sup>(۱۵)</sup> یہاں تک کہ جو نعمتیں انہیں دی گئی تھیں، جب وہ ان پر اترانے لگے تو ہم نے اچانک ان کو آپکڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل مایوس ہو کر رہ گئے ﴿۳۷﴾ اس طرح جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی، اور تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۳۸﴾

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے پچھلی اُمتوں کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا ہے کہ انہیں متنبہ کرنے کے لئے انہیں کچھ سختیوں میں بھی مبتلا فرمایا، تاکہ وہ لوگ جن کے دل سختی کی حالت میں نرم پڑتے ہیں، سوچنے سمجھنے کی طرف مائل ہو سکیں، پھر ان کو خوب خوشحالی عطا فرمائی تاکہ جو لوگ خوشحالی میں حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، وہ کچھ سبق لے سکیں۔ جب دونوں حالتوں میں لوگ گمراہی پر قائم رہے، تب ان پر عذاب نازل کیا گیا۔ یہی بات قرآن کریم نے سورہ اعراف (۷: ۹۴-۹۵) میں بھی بیان فرمائی ہے۔



قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ مِّنْ إِلَهِ غَيْرِ  
 اللَّهُ يَأْتِيَكُمْ بِهِ ۖ أَنْظِرْ كَيْفَ نَصَرَفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْذِقُونَ ﴿٣٧﴾ قُلْ  
 أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَعْتَهُ أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ  
 الظَّالِمُونَ ﴿٣٨﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ فَمَنْ آمَنَ وَ  
 أَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٩﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَسْتَهْمُ  
 الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٤٠﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہو: ”ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تمہاری سننے کی طاقت اور تمہاری آنکھیں تم سے  
 چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے، تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں لا کر  
 دیدے؟“ دیکھو، ہم کیسے کیسے مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر بھی یہ لوگ منہ  
 پھیر لیتے ہیں ﴿۳۶﴾ کہو: ”ذرا یہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تمہارے پاس اچانک آئے یا اعلان  
 کر کے، دونوں صورتوں میں کیا ظالموں کے سوا کسی اور کو ہلاک کیا جائے گا؟“ ﴿۳۷﴾ ہم  
 پیغمبروں کو اسی لئے تو بھیجتے ہیں کہ وہ (نیکوں پر) خوشخبری سنائیں، (اور نافرمانی پر اللہ کے عذاب  
 سے) ڈرائیں۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کر لی، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ  
 وہ غمگین ہوں گے ﴿۳۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کو عذاب پہنچ کر رہے گا،  
 کیونکہ وہ نافرمانی کے عادی تھے ﴿۳۹﴾

(۱۶) کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ کے جس عذاب سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں، تو  
 وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر عذاب آیا تو مومن کافر بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اس  
 کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہلاک تو وہ ہوں گے جنہوں نے شرک اور ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۚ إِن أَنْتُمْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۗ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ۝ وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

(اے پیغمبر!) ان سے کہو: ”میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب کا (پوزا) علم رکھتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔“ (۱۷) میں تو صرف اُس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔“ کہو کہ: ”کیا ایک اندھا اور دوسرا بینائی رکھنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر کیا تم غور نہیں کرتے؟“ ﴿۵۰﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اس وحی کے ذریعے اُن لوگوں کو خبردار کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ ان کو ان کے پروردگار کے پاس ایسی حالت میں جمع کر کے لایا جائے گا کہ اس کے سوا نہ ان کا کوئی یار و مددگار ہوگا، نہ کوئی سفارشی، (۱۸) تاکہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کر لیں ﴿۵۱﴾

(۱۷) یہ ان مطالبات کا جواب ہے جو کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے کہ اگر تم پیغمبر ہو تو دولت کے خزانے تمہارے پاس ہونے چاہئیں، لہذا فلاں فلاں معجزات دکھاؤ۔ جواب میں فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدائی کے اختیارات مجھے حاصل ہو گئے ہیں، یا مجھے مکمل علم غیب حاصل ہے یا میں فرشتہ ہوں۔ پیغمبر ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اور میں اسی کا اتباع کرتا ہوں۔

(۱۸) یہ درحقیقت مشرکین کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو اپنا مستقل سفارشی سمجھتے تھے۔ لہذا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفاعت کی تردید نہیں ہوتی جو آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مومنوں کے لئے کریں گے۔ کیونکہ دوسری آیتوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت ممکن ہے (مثلاً دیکھئے: سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۵)۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا  
عَلَيْكَ مِنْ حَسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَمَا مِنْ حَسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ فَتَطْرُدَهُمْ  
فَتَكُونَنَّ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ  
اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا ۚ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾

اور اُن لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنا جو صبح و شام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پکارتے رہتے ہیں۔ ان کے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور تمہارے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے جس کی وجہ سے تم انہیں نکال باہر کرو، اور ظالموں میں شامل ہو جاؤ ﴿۵۲﴾ اسی طرح ہم نے کچھ لوگوں کو کچھ دوسروں کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ (ان کے بارے میں) یہ کہیں کہ: ”کیا یہ ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کرنے کے لئے چنا ہے؟“ ﴿۵۳﴾ (جو کافر یہ بات کہہ رہے ہیں اُن کے خیال میں) اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو دوسروں سے زیادہ نہیں جانتا؟ ﴿۵۳﴾

(۱۹) قریش مکہ کے کچھ سرداروں نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد غریب اور کم حیثیت قسم کے لوگ بکثرت رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی مجلس میں بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں تو ہم آپ کی بات سننے کے لئے آسکتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲۰) مطلب یہ ہے کہ غریب مسلمان اس حیثیت سے ان امیر کافروں کے لئے ایک آزمائش کا سبب بن گئے ہیں کہ آیا یہ لوگ اصل اہمیت حق بات کو دیتے ہیں یا صرف اس وجہ سے حق کا انکار کر دیتے ہیں کہ اس کے ماننے والے غریب لوگ ہیں۔

(۲۱) یہ کافروں کا فقرہ ہے جو وہ غریب مسلمانوں کے بارے میں طنزیہ انداز میں کہتے تھے۔ یعنی (معاذ اللہ) ساری دُنیا میں سے یہی کم حیثیت لوگ اللہ تعالیٰ کو ملے تھے جن پر وہ احسان کر کے انہیں جنت کا مستحق قرار دے؟

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى  
 نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ  
 ۖ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ لَيْسَتِ بَيْنَهُمْ سَبِيلٌ ۖ الْمُجْرِمِينَ ۝  
 قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قُلْ لَا أَتَّبِعُ  
 أَهْوَاءَكُمْ ۖ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ  
 رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ ۖ مَا عِندِي مِمَّا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۖ

اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو: ”سلامتی ہو  
 تم پر! تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کا یہ معاملہ کرنا لازم کر لیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی  
 نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ بہت بخشنے  
 والا، بڑا مہربان ہے ﴿۵۴﴾ اور ہم اسی طرح نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، (تاکہ  
 سیدھا راستہ بھی واضح ہو جائے) اور تاکہ مجرموں کا راستہ بھی کھل کر سامنے آجائے ﴿۵۵﴾ (اے  
 پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”تم اللہ کے سوا جن (جھوٹے خداؤں) کو پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت  
 کرنے سے منع کیا گیا ہے۔“ کہو کہ: ”میں تمہاری خواہشات کے پیچھے نہیں چل سکتا۔ اگر میں ایسا  
 کروں گا تو گمراہ ہوں گا، اور میرا شمار ہدایت یافتہ لوگوں میں نہیں ہوگا“ ﴿۵۶﴾ کہو کہ: ”مجھے اپنے  
 پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل مل چکی ہے جس پر میں قائم ہوں، اور تم نے اسے جھٹلادیا  
 ہے۔ جس چیز کے جلدی آنے کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ میرے پاس موجود نہیں ہے۔“ (۲۲)

(۲۲) یہ آیات کفار کے اس مطالبے کے جواب میں نازل ہوئی ہیں کہ جس عذاب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ ہم پر فوراً کیوں نازل نہیں ہوتا؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عذاب نازل کرنے اور اس  
 کا صحیح وقت اور مناسب طریقہ طے کرنے کا مکمل اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، جس کا فیصلہ وہ اپنی حکمت سے کرتا ہے۔

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقْضُ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَصِلِينَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا  
تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿۵۸﴾ وَ  
عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۖ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ وَمَا  
تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمٍ إِلَّا تَرْضَى وَلَا رَاطٍ وَلَا يَأْسٍ  
إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم  
بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم  
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ

ع  
۳۴

حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔ وہ حق بات بیان کر دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿۵۷﴾ کہو کہ: ”جس چیز کی تم جلدی مچا رہے ہو، اگر وہ میرے پاس ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔“ ﴿۵۸﴾ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے وہ اس سے واقف ہے۔ کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو، اور زمین کی اندھیروں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو ﴿۵۹﴾ اور وہی ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمہاری روح (ایک حد تک) قبض کر لیتا ہے، اور دن بھر میں تم نے جو کچھ کیا ہوتا ہے، اسے خوب جانتا ہے، پھر اس (نئے دن) میں تمہیں نئی زندگی دیتا ہے، تاکہ (تمہاری عمر کی) مقررہ مدت پوری ہو جائے۔ پھر اسی کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے ﴿۶۰﴾ وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے، اور تمہارے لئے نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے،

(۲۳)

(۲۳) نگہبان فرشتوں سے مراد وہ فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں، اور وہ بھی جو ہر انسان کی جسمانی حفاظت پر مقرر ہیں، اور جن کا ذکر سورہ رعد (۱۱: ۱۳) میں آیا ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ ۖ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۖ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسْبَيْنِ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لَّيِّنٌ أُنَجِّنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُّشْرِكُونَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا بَآئِمًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتَ تِجَارِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُزَيِّقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۚ أُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْأَيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو پورا پورا وصول کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے ﴿۶۱﴾ پھر ان سب کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جو ان کا مولائے برحق ہے۔ یاد رکھو! حکم اسی کا چلتا ہے، اور وہ سب سے زیادہ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿۶۲﴾ کہو: ”خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے اُس وقت کون تمہیں نجات دیتا ہے جب تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، (اور یہ کہتے ہو کہ) اگر اُس نے ہمیں اس مصیبت سے بچالیا تو ہم ضرور بالضرور شکر گزار بندوں میں شامل ہو جائیں گے؟“ ﴿۶۳﴾ کہو: ”اللہ ہی تمہیں اس مصیبت سے بھی بچاتا ہے، اور ہر دوسری تکلیف سے بھی، پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔“ ﴿۶۴﴾ کہو کہ: ”وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (نکال دے) یا تمہیں مختلف ٹولیوں میں بانٹ کر ایک دوسرے سے بھڑا دے، اور ایک دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو! ہم کس طرح مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں واضح کر رہے ہیں، تاکہ یہ کچھ سمجھ سے کام لے لیں ﴿۶۵﴾

وَكَذَّبَ بِتَقْوَمِكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۖ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۖ لِكُلِّ نَبٍ مُّسْتَقَرٌّ  
 وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ ۚ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا عُرِضَ عَنْهُمْ حَتَّى  
 يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۖ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ  
 الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۖ ۛ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذِكْرُنَا  
 لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۖ ۞ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَعَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

اور (اے پیغمبر!) تمہاری قوم نے اس (قرآن) کو جھٹلایا ہے، حالانکہ وہ بالکل حق ہے۔ تم کہہ دو کہ:  
 ”مجھ کو تمہاری ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔“ ﴿۶۶﴾ ہر واقعے کا ایک وقت مقرر ہے، اور جلد ہی  
 تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔“ ﴿۶۷﴾ اور جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا  
 کہنے میں لگے ہوئے ہیں تو اُن سے اُس وقت تک کے لئے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات  
 میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں  
 کے ساتھ نہ بیٹھو۔ ﴿۶۸﴾ ان کے کھاتے میں جو اعمال ہیں ان کی کوئی ذمہ داری پر ہیزگاروں پر  
 عائد نہیں ہوتی۔ البتہ نصیحت کر دینا اُن کا کام ہے، شاید وہ بھی (ایسی باتوں سے) پرہیز کرنے  
 لگیں ﴿۶۹﴾ اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے، اور جن کو دُنیوی  
 زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے،

(۲۴) یعنی یہ میری ذمہ داری نہیں ہے کہ تمہارا ہر مطالبہ پورا کروں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت  
 مقرر ہے، جس میں تم لوگوں کو عذاب دینا بھی داخل ہے، اور جب وہ وقت آئے گا، تو تمہیں خود پتہ لگ جائے گا۔  
 (۲۵) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس دین کو انہیں اپنانا چاہئے تھا، (یعنی اسلام) اُس کو قبول کرنے کے  
 بجائے وہ اُس کا مذاق بناتے ہیں۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ جو دین انہوں نے اختیار کر رکھا ہے، وہ کھیل  
 تماشے جیسی بے بنیاد رسوں پر مشتمل ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ان لوگوں کو چھوڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا

وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ۚ  
وَأَنْ تَعْدِلَ كُلُّ عَدْلٍ ۚ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۚ لَهُمْ  
ۛ شَرَابٌ مِنْ حَيِّمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ قُلْ أَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا  
لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُذِرُ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهَ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ  
الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانٌ ۚ لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَىٰ انْتَبِهْ ۚ قُلْ إِنَّ  
هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۚ وَأَمْرٌ نَأْتِيهِمْ لَرَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اور اس (قرآن) کے ذریعے (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب اس طرح گرفتار ہو جائے کہ اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے اللہ کو چھوڑ کر نہ کوئی اُس کا یار و مددگار بن سکے نہ سفارشی، اور اگر وہ (اپنی رہائی کے لئے) ہر طرح کا فدیہ بھی پیش کرنا چاہے تو اُس سے وہ قبول نہ کیا جائے۔ (چنانچہ) یہی (دین کو کھیل تماشا بنانے والے) وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے کی بدولت گرفتار ہو گئے ہیں۔ چونکہ انہوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اس لئے اُن کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب اور ایک دُکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ ﴿۷۰﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو: ”کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پکاریں جو ہمیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں، نہ نقصان، اور جب اللہ ہمیں ہدایت دے چکا ہے تو کیا اس کے بعد بھی ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں؟ (اور) اُس شخص کی طرح (ہو جائیں) جسے شیطان بہکا کر صحرا میں لے گئے ہوں، اور وہ حیرانی کے عالم میں بھٹکتا پھرتا ہو، اُس کے کچھ ساتھی ہوں جو اُسے ٹھیک راستے کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ جاؤ؟“ کہو کہ: ”اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی صحیح معنی میں ہدایت ہے، اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رَبِّ الْعَالَمِينَ کے آگے جھک جائیں۔“ ﴿۷۱﴾

مطلب وہی ہے کہ اُن کی اس قسم کی گفتگو میں اُن کے ساتھ مت بیٹھو جس میں وہ اللہ کی آیات کو استہزاء کا نشانہ بناتے ہوں۔



وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۖ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ ۚ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٤٧﴾

اور یہ (حکم دیا گیا ہے) کہ: ”نماز قائم کرو، اور اُس (کی نافرمانی) سے ڈرتے رہو۔ اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔“ ﴿۴۶﴾ اور وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اور جس دن وہ (روزِ قیامت سے) کہے گا کہ: ”تو ہو جا“ تو وہ ہو جائے گا۔ اُس کا قول برحق ہے۔ اور جس دن صور پھونکا جائے گا، اُس دن بادشاہی اُسی کی ہوگی۔<sup>(۲۷)</sup> وہ غائب و حاضر ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور وہی بڑی حکمت والا، پوری طرح باخبر ہے ﴿۴۷﴾

(۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک برحق مقصد سے پیدا کیا ہے، اور وہ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ یہاں اچھے کام کریں، انہیں انعام سے نوازا جائے، اور جو لوگ بدکار اور ظالم ہوں، انہیں سزا دی جائے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دُنیوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو جس میں جزا اور سزا کا یہ مقصد پورا ہو۔ اور آگے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس مقصد کے لئے قیامت میں لوگوں کو دوبارہ زندگی دینا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ جب وہ چاہے گا تو قیامت کو وجود میں آنے کا حکم دے گا، اور وہ وجود میں آجائے گی۔ اور چونکہ وہ غائب و حاضر ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، اس لئے لوگوں کو مرنے کے بعد اکٹھا کرنا بھی اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ البتہ چونکہ وہ حکمت والا ہے، اس لئے وہ اسی وقت قیامت قائم فرمائے گا جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا۔

(۲۷) اگرچہ دُنیا میں بھی حقیقی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، لیکن یہاں ظاہری طور پر بہت سے حکمران مختلف ملکوں پر حکومت کرتے ہیں، لیکن صور پھونکے جانے کے بعد یہ ظاہری حکومتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اور ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ إِذْ رَأَىٰ أَن تَخَذَٰ صُنَامًا إِلَٰهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِي إِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَا الْكُوْكُبَا قَالَ هَٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْاُولٰٓئِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کہ: ”کیا آپ بتوں کو خدا بنائے بیٹھے ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔“ ﴿۴۴﴾ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظارہ کراتے تھے، اور مقصد یہ تھا کہ وہ مکمل یقین رکھنے والوں میں شامل ہوں ﴿۴۵﴾ چنانچہ جب اُن پر رات چھائی تو انہوں نے ایک ستارا دیکھا۔ کہنے لگے: ”یہ میرا رب ہے۔“ پھر جب وہ ڈوب گیا تو انہوں نے کہا: ”میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ ﴿۴۶﴾

(۲۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے جس علاقے نینوا میں پیدا ہوئے تھے، وہاں کے لوگ بتوں اور ستاروں کو خدا مان کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا باپ آزر بھی نہ صرف اسی عقیدے کا تھا، بلکہ خود بت تراشا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع ہی سے توحید پر ایمان رکھتے تھے، اور شرک سے بیزار تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی قوم کو غور و فکر کی دعوت دینے کے لئے یہ لطیف طریقہ اختیار فرمایا کہ چاند ستاروں اور سورج کو دیکھ کر پہلے اپنی قوم کی زبان میں بات کی۔ مقصد یہ تھا کہ یہ ستارہ تمہارے خیال میں میرا پروردگار ہے۔ آؤ دیکھتے ہیں کہ یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ چنانچہ جب ستارہ بھی ڈوبا اور چاند بھی، اور آخر میں سورج بھی، تو ہر موقع پر انہوں نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ یہ تو ناپائیدار اور تغیر پذیر چیزیں ہیں۔ جو چیز خود ناپائیدار ہو اور اُس پر تغیرات طاری ہوتے رہتے ہوں، اُس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ پوری کائنات کی پرورش کر رہی ہے، کیسی غیر معقول بات ہے۔ لہذا انہوں نے چاند ستاروں یا سورج کو جو یہ کہا تھا کہ یہ میرا رب ہے، وہ اپنے عقیدے کے مطابق نہیں، بلکہ اپنی قوم کے عقیدے کی لغویت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا تھا۔

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ  
 مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ  
 فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوْمُ رَبِّيَ يَوْمَئِذٍ مِمَّا تَشْكُرُونَ ﴿۴۸﴾ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي  
 فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۴۹﴾ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ط

پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ: ”یہ میرا رب ہے۔“ لیکن جب وہ بھی دُوب گیا تو  
 کہنے لگے: ”اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دے تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔“ ﴿۴۷﴾  
 پھر جب انہوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا: ”یہ میرا رب ہے۔ یہ زیادہ بڑا ہے۔“ پھر جب وہ  
 غروب ہوا تو انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! جن جن چیزوں کو تم اللہ کی خدائی میں شریک قرار دیتے  
 ہو، میں اُن سب سے بیزار ہوں ﴿۴۸﴾ میں نے تو پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رخ اُس ذات کی  
 طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں  
 ہوں۔“ ﴿۴۹﴾ اور (پھر یہ ہوا کہ) اُن کی قوم نے اُن سے حجت شروع کر دی۔<sup>(۲۹)</sup>

(۲۹) سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حجت کرتے ہوئے ان کی قوم نے دو  
 باتیں کہیں۔ ایک یہ کہ ہم برسوں سے اپنے باپ دادوں کو ان بتوں اور ستاروں کی پوجا کرتے دیکھ رہے ہیں۔  
 ان سب کو گمراہ سمجھنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جواب پہلے جملے میں یہ دیا  
 ہے کہ ان باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آئی تھی، اور مذکورہ بالا عقلی دلائل کے علاوہ  
 میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آئی ہے۔ لہذا اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے بعد میں شرک کو کیسے  
 درست تسلیم کر سکتا ہوں؟ دوسری بات ان کی قوم نے یہ کہی ہوگی کہ اگر تم نے ہمارے بتوں اور ستاروں کی خدائی  
 سے انکار کیا تو وہ تمہیں تباہ کر ڈالیں گے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں ان بے بنیاد دیوتاؤں سے  
 نہیں ڈرتا، بلکہ ڈرنا تمہیں چاہئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے بنیاد دیوتاؤں کو اس کی خدائی میں شریک مان رہے  
 ہو۔ نقصان اگر پہنچا سکتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، کوئی اور نہیں۔ اور جو لوگ اس کی توحید پر ایمان لاتے ہیں،  
 انہیں اللہ تعالیٰ نے امن اور چین عطا فرمایا ہے۔

قَالَ اتَّخَذُوْنِي فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۖ وَلَا اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ  
 رَبِّيْ شَيْئًا ۖ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۖ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰ وَكَيْفَ اَخَافُ مَا  
 اَشْرَكْتُكُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنْتُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۖ  
 فَاَمَّا الْفَرِيقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاٰمَنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْسُوْا  
 اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاٰمَنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۲ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اَتَيْنَهَا  
 اِبْرٰهِيْمَ عَلَى قَوْمِهٖ ۖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مِّنْ نَّشَآءَ ۖ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳

ابراہیم نے (اُن سے) کہا: ”کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو جبکہ اُس نے مجھے ہدایت دے دی ہے؟ اور جن چیزوں کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، میں اُن سے نہیں ڈرتا (کہ وہ مجھے کوئی نقصان پہنچا دیں گی) (الایہ کہ میرا پروردگار (مجھے) کچھ (نقصان پہنچانا) چاہے) (تو وہ ہر حال میں پہنچے گا) میرے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم پھر بھی کوئی نصیحت نہیں مانتے؟ ﴿۸۰﴾ اور جن چیزوں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، میں اُن سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ تم اُن چیزوں کو اللہ کا شریک ماننے سے نہیں ڈرتے جن کے بارے میں اُس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے؟ اب اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو بتاؤ کہ ہم دو فریقوں میں سے کون بے خوف رہنے کا زیادہ مستحق ہے؟ ﴿۸۱﴾ (حقیقت تو یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا، امن اور چین تو بس انہی کا حق ہے، اور وہی ہیں جو صحیح راستے پر پہنچ چکے ہیں۔“ ﴿۸۲﴾ یہ ہماری وہ کامیاب دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارے رب کی حکمت بھی بڑی ہے، علم بھی کامل ہے ﴿۸۳﴾

(۳۰) ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں لفظ ”ظلم“ کی تشریح شرک سے فرمائی ہے، کیونکہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ  
 دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَأَيُّوبَ ۚ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي  
 الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٣﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۚ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ وَ  
 إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ وَلُوطًا ۚ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٥﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ  
 وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَأَخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٨٦﴾ ذَٰلِكَ  
 هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحِطَّ عَلَيْهِمْ مَا  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اتَّيَّهَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا۔ (ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی، اور نوح کو ہم نے پہلے ہی ہدایت دی تھی، اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی۔ اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں ﴿۸۳﴾ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی ہدایت عطا فرمائی)۔ یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے ﴿۸۴﴾ نیز اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دُنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی ﴿۸۵﴾ اور ان کے باپ دادوں، ان کی اولادوں اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بہت سے لوگوں کو۔ ہم نے ان سب کو منتخب کر کے راہِ راست تک پہنچا دیا تھا ﴿۸۶﴾ یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرنے لگتے تو ان کے سارے (نیک) اعمال اکارت ہو جاتے ﴿۸۷﴾ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔<sup>(۳۱)</sup>

(۳۱) مشرکین عرب نبوت و رسالت ہی کے منکر تھے۔ اُن کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی

فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ۝ أُولَٰئِكَ  
الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فِيمُهَدًى هُمْ أَقْتَدَا ۖ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنَّهُ  
۞ إِلَّا ذِكْرًا لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ  
عَلَىٰ بَشَرٍ مِّثْلُ شَيْءٍ ۖ

اب اگر یہ (عرب کے) لوگ اس (نبوت) کا انکار کریں تو (کچھ پروانہ کرو، کیونکہ) اس کے ماننے  
کے لئے ہم نے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں۔ ﴿۸۹﴾ یہ لوگ (جن کا ذکر اوپر  
ہوا) وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت کی تھی، لہذا (اے پیغمبر!)  
تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔ (مخالفین سے) کہہ دو کہ میں تم سے اس (دعوت) پر کوئی اجرت  
نہیں مانگتا۔ یہ تو دنیا جہان کے سب لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہے، اور بس ﴿۹۰﴾ اور ان  
(کافر) لوگوں نے جب یہ کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا تو انہوں نے اللہ کی صحیح  
قدر نہیں پہچانی۔ ﴿۹۱﴾

اولاد میں جو پیغمبر گزرے ہیں اُن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو عرب کے بت پرست بھی  
مانتے تھے۔ اُن سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ پیغمبر ہو سکتے ہیں، اور ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے  
تو یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ نبوت کوئی چیز نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول بنا کر بھیجنے  
میں آخر کوئی اشکال کی بات ہے جبکہ آپ کی نبوت کے دلائل روز روشن کی طرح واضح ہو چکے ہیں۔  
(۳۲) اس سے صحابہ کرام کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۳) یہاں سے بعض یہودیوں کی تردید مقصود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے ایک  
مرتبہ اُن کے ایک سردار مالک بن صیف نے غصے میں آ کر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ  
نازل نہیں کیا۔

قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ  
 قُرْآنًا طَيْسَ تُبَدِّلُونَهَا وَيُخْفُونَ كَثِيرًا ۖ وَعَلَيْكُمْ مَالٌ تَعْلَمُونَ أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۖ  
 قُلِ اللَّهُ لَا تُمَدِّدُهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۝۱۱ وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ  
 مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِينَ  
 يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝۱۲

(ان سے) کہو کہ: ”وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے، جو لوگوں کے لئے روشنی  
 اور ہدایت تھی، اور جس کو تم نے متفرق کاغذوں کی شکل میں رکھا ہوا ہے،“ جن (میں سے کچھ) کو تم  
 ظاہر کرتے ہو، اور بہت سے حصے چھپا لیتے ہو، اور (جس کے ذریعے) تم کو ان باتوں کی تعلیم دی گئی  
 تھی جو نہ تم جانتے تھے، نہ تمہارے باپ دادا؟“ (اے پیغمبر! تم خود ہی اس سوال کے جواب میں)  
 اتنا کہہ دو کہ: ”وہ کتاب اللہ نے نازل کی تھی۔“ پھر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ یہ اپنی بے ہودہ  
 گفتگو میں مشغول رہ کر دل لگی کرتے رہیں ﴿۹۱﴾ اور (اسی طرح) یہ بڑی برکت والی کتاب ہے جو  
 ہم نے اُتاری ہے، پچھلی آسمانی ہدایات کی تصدیق کرنے والی ہے، تاکہ تم اس کے ذریعے بستیوں  
 کے مرکز (یعنی مکہ) اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو خبردار کرو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے  
 ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور وہ اپنی نماز کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں ﴿۹۲﴾

(۳۴) یعنی پوری کتاب کو ظاہر کرنے کے بجائے تم نے اسے حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ جو حصے تمہارے  
 مطلب کے مطابق ہوتے ہیں ان کو تو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتے ہو، مگر جو حصے تمہارے مفادات کے  
 خلاف ہوتے ہیں، انہیں چھپا لیتے ہو۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے، حالانکہ اُس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو، اور اسی طرح وہ جو یہ کہے کہ میں بھی ویسا ہی کلام نازل کر دوں گا جیسا اللہ نے نازل کیا ہے؟ اور اگر تم وہ وقت دیکھو (تو بڑا ہولناک منظر نظر آئے) جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے، اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے، (کہہ رہے ہوں گے کہ) ”اپنی جانیں نکالو، آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا، اس لئے کہ تم جھوٹی باتیں اللہ کے ذمے لگاتے تھے، اور اس لئے کہ تم اُس کی نشانیوں کے خلاف تکبر کا رویہ اختیار کرتے تھے ﴿۹۳﴾ (پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ: ) ”تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آگئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں بخشا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہمیں تو تمہارے وہ سفارشی کہیں نظر نہیں آ رہے جن کے بارے میں تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملات طے کرنے میں (ہمارے ساتھ) شریک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمہارے سارے تعلقات ٹوٹ چکے ہیں، اور جن (دیوتاؤں) کے بارے میں تمہیں بڑا زعم تھا، وہ سب تم سے گم ہو کر رہ گئے ہیں۔“ ﴿۹۴﴾



إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۖ ذَلِكُمْ اللَّهُ فَإِنِ تَوَفَّكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَلِكُمْ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾

بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ جاندار چیزوں کو بے جان چیزوں سے نکال لاتا ہے، اور وہی بے جان چیزوں کو جاندار چیزوں سے نکالنے والا ہے۔<sup>(۳۵)</sup> لوگو! وہ ہے اللہ! پھر کوئی تمہیں بہکا کر کس اوندھی طرف لئے جا رہا ہے؟<sup>(۳۶)</sup> ﴿۹۵﴾ وہی ہے جس کے حکم سے صبح کو پو پھٹتی ہے، اور اُسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے، اور سورج اور چاند کو ایک حساب کا پابند! یہ سب کچھ اُس ذات کی منصوبہ بندی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، علم بھی کامل ﴿۹۶﴾ اور اُسی نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں، تاکہ تم اُن کے ذریعے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستے معلوم کر سکو۔ ہم نے ساری نشانیاں ایک ایک کر کے کھول دی ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو علم سے کام لیں ﴿۹۷﴾

(۳۵) بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال یہ ہے کہ انڈے سے مرغی نکل آتی ہے، اور جاندار سے بے جان کے نکلنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا۔

(۳۶) اس ترجمے میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ بظاہر قرآن کریم میں ”لوگو!“ کا لفظ نظر نہیں آ رہا، لیکن درحقیقت یہ ”ذَلِكُمْ“ میں جمع مخاطب کی ضمیر کا ترجمہ ہے۔ عربی کے قاعدے سے یہ جمع کی ضمیر مشار الیه کی جمع نہیں ہوتی، بلکہ مخاطب کی جمع ہوتی ہے۔ دوسرے ”کوئی تمہیں بہکا کر کس اوندھی طرف لئے جا رہا ہے“ اس ترجمے میں ”تَوَفَّكُونَ“ کے صیغہ مجہول کی رعایت کی گئی ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کی خواہشات ہیں جو انہیں گمراہ کر رہی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۖ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ  
لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٣٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ  
شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا  
قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ

وہی ہے جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر ہر شخص کا ایک مستقر ہے، اور ایک امانت رکھنے کی جگہ۔ ہم نے ساری نشانیاں ایک ایک کر کے کھول دی ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ سے کام لیں ﴿۹۸﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اُس کے ذریعے ہر قسم کی کوئلیں اُگائیں۔ ان (کوئلیوں) سے ہم نے سبزیاں پیدا کیں جن سے ہم تہہ برتہہ دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھوں سے پھلوں کے وہ گچھے نکلتے ہیں جو (پھل کے بوجھ سے) جھکے جاتے ہیں، اور ہم نے انگوروں کے باغ اُگائے، اور زیتون اور انار! جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔<sup>(۳۸)</sup>

(۳۷) مستقر اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی شخص باقاعدہ اپنا ٹھکانا بنا لے۔ اس کے برعکس امانت رکھنے کی جگہ پر قیام عارضی قسم کا ہوتا ہے، اس لئے وہاں رہائش کا باقاعدہ انتظام نہیں کیا جاتا۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس آیت کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ مستقر سے مراد دنیا ہے جہاں انسان باقاعدہ اپنی رہائش کا ٹھکانا بنا لیتا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ سے مراد قبر ہے جس میں انسان کو مرنے کے بعد عارضی طور سے رکھا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے اسے آخرت میں جنت یا جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ان لفظوں کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ مستقر سے مراد ماں کا پیٹ ہے جس میں بچہ مہینوں ٹھہرا رہتا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ سے مراد باپ کی صلب ہے جس میں نطفہ عارضی طور سے رہتا ہے، پھر ماں کے رحم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے برعکس مستقر باپ کی صلب کو قرار دیا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ ماں کے رحم کو، کیونکہ بچہ وہاں عارضی طور پر رہتا ہے (روح المعانی)۔

(۳۸) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بعض پھل دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں، اور بعض

اَنْظُرُوا اِلَى شَرِّهٖ اِذَا اَشْرَوْيْنٰهُ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ۝۹۹ وَ  
 جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقْنٰهُمْ وَخَرَقُوْا اِلَٰهَ بَنِيْنَ وَبَنَتْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحٰنَہٗ وَ  
 تَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝۱۰۰

۱۲  
 ع  
 ۱۸

جب یہ درخت پھل دیتے ہیں تو ان کے پھلوں اور اُن کے پکنے کی کیفیت کو غور سے دیکھو۔ لوگو! ان سب چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں ﴿۹۹﴾ اور لوگوں نے جنّات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک قرار دے لیا، — حالانکہ اللہ نے ہی اُن کو پیدا کیا ہے — اور سمجھ بوجھ کے بغیر اُس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں، حالانکہ اللہ کے بارے میں جو باتیں یہ بناتے ہیں، وہ اُن سب سے پاک اور بالا و برتر ہے ﴿۱۰۰﴾

صورت اور ذائقے میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتے ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ جو پھل دیکھنے میں ملتے جلتے نظر آتے ہیں، ان کی خصوصیات ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔

(۳۹) جنّات سے مراد شیطان ہیں، اور یہ اُن لوگوں کے باطل عقیدے کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ تمام مفید مخلوقات تو اللہ نے پیدا کی ہیں، مگر درندے، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی جانور، بلکہ تمام بُری چیزیں شیطان نے پیدا کی ہیں، اور وہی اُن کا خالق ہے۔ ان لوگوں نے بظاہر ان بُری چیزوں کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے پرہیز کیا، لیکن اتنا نہ سمجھ سکے کہ شیطان خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور وہ سب سے بُری مخلوق ہے۔ اگر بُری چیزیں شیطان کی پیدا کی ہوئی ہیں تو خود اُس بُری مخلوق کو کس نے پیدا کیا؟ اس کے علاوہ جو چیزیں ہمیں بُری نظر آتی ہیں، اُن کی تخلیق میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں، اور اُن کی تخلیق کو بُرا فعل نہیں کہا جاسکتا، بقول اقبال مرحوم:

نہیں ہے چیز فکمی کوئی زمانے میں

کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

(۴۰) عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا تھا، اور عرب کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَتَىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ ۚ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۚ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَمن أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمن عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾

وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا کہاں ہو سکتا ہے، جبکہ اُس کی کوئی بیوی نہیں؟ اُسی نے ہر چیز پیدا کی ہے، اور وہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے ﴿۱۰۱﴾ لوگو! وہ ہے اللہ جو تمہارا پالنے والا ہے! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ لہذا اُس کی عبادت کرو۔ وہ ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہے ﴿۱۰۲﴾ نگاہیں اُس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اُس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔ ﴿۱۰۳﴾ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ:) ”تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرت کے سامان پہنچ چکے ہیں۔ اب جو شخص آنکھیں کھول کر دیکھے گا، وہ اپنا ہی بھلا کرے گا، اور جو شخص اندھا بن جائے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور مجھے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔“ ﴿۱۰۴﴾

(۴۱) یعنی اُس کی ذات اتنی لطیف ہے کہ کوئی نگاہ اس کو نہیں پاسکتی، اور وہ اتنا باخبر ہے کہ ہر نگاہ کو پالیتا ہے، اور اس کے تمام حالات سے خوب واقف ہے۔ اس جملے کی یہ تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مفسرین سے نقل کی ہے، اور سیاق و سباق کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ لطافت بھی عام بول چال میں جسم ہی کی صفت ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، لیکن لطافت کا اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جو جسمیت کے ہر شائبہ سے ماورا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو لطیف اسی معنی میں کہا گیا ہے۔

(۴۲) یعنی مجھ پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو زبردستی مسلمان کر کے کفر کے نقصان سے بچاؤں۔ میرا کام سمجھا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

وَكَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِيُقُولُوا اَدْرَا سَأَلْتُمْ لِبَنِيْنِهٖ لِقَوْمٍ يُعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اَتَتَّبِعُ مَا اَوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ؕ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

اسی طرح ہم آیتیں مختلف طریقوں سے بار بار واضح کرتے ہیں، (تا کہ تم انہیں لوگوں تک پہنچا دو) اور بالآخر یہ لوگ تو یوں کہیں کہ: ”تم نے کسی سے سیکھا ہے۔“ اور جو لوگ علم سے کام لیتے ہیں، اُن کے لئے ہم حق کو آشکار کر دیں ﴿۱۰۵﴾ (اے پیغمبر!) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے جو وحی بھیجی گئی ہے، تم اسی کی پیروی کرو، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور جو لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اُن سے بے پروا ہو جاؤ ﴿۱۰۶﴾ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ ہم نے نہ تمہیں ان کی حفاظت پر مقرر کیا ہے، اور نہ تم ان کے کاموں کے ذمہ دار ہو۔ ﴿۱۰۷﴾

(۴۳) ہٹ دھرم قسم کے کافروں کو بھی یہ کہتے ہوئے تو شرم آتی تھی کہ یہ کلام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ لیا ہے، کیونکہ وہ آپ کے اسلوب سے اچھی طرح واقف تھے، اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ امی ہیں، اور کسی کتاب سے خود پڑھ کر یہ کلام نہیں بنا سکتے، لہذا وہ قرآن کریم کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام کسی سے سیکھا ہے، اور اسے اللہ کا کلام قرار دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن کس سے سیکھا ہے؟ وہ بھی نہیں بتا سکتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک لوہار کا نام لیتے تھے جس کی تردید سورہ نحل میں آنے والی ہے۔

(۴۴) پیچھے آیت نمبر ۳۵ میں بھی یہ مضمون آچکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دین کا پابند بنا دیتا، لیکن درحقیقت انسان کو دنیا میں بھیجنے کا بنیادی مقصد امتحان ہے، اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں، اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لائے۔ انبیائے کرام ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لئے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دل میں حق کی طلب ہو۔

(۴۵) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے طرز عمل پر مغموم رہتے تھے، اس لئے آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ كَذَلِكَ زَيَّلْنَا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۖ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰۸﴾

(مسلمانو!) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں، تم اُن کو بُرا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو بُرا کہنے لگیں۔<sup>(۴۶)</sup> (اس دُنیا میں تو) ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے عمل کو اُس کی نظر میں خوشنما بنا رکھا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹنا ہے۔ اُس وقت وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے ﴿۱۰۸﴾

(۴۶) اگرچہ جن دیوتاؤں کو کافر و شرک لوگ خدا مانتے ہیں، ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کے سامنے اُن کے لئے نازیبا الفاظ استعمال نہ کیا کریں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافر لوگ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کا سبب تم بنو گے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں خود گستاخی کرنا حرام ہے، اسی طرح اس کا سبب بننا بھی ناجائز ہے۔ اس آیت سے فقہائے کرام نے یہ اصول نکالا ہے کہ اگر کوئی کام بذاتِ خود تو جائز یا مستحب ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ اس کے نتیجے میں کوئی دوسرا شخص گناہ کا ارتکاب کرے گا تو ایسی صورت میں وہ جائز یا مستحب کام چھوڑ دینا چاہئے۔ تاہم اس اصول کے تحت کوئی ایسا کام چھوڑنا جائز نہیں ہے جو فرض یا واجب ہو۔ مزید تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت تفسیر ”معارف القرآن“ کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اہل عرب اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے، اور اصل میں تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کو جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن ضد میں آکر ان سے ایسی حرکت سرزد ہو جانا کچھ بعید نہیں تھا، چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہی تھی کہ اگر آپ ہمارے بتوں کو بُرا کہو گے تو ہم آپ کے رُتب کو بُرا کہیں گے۔

(۴۷) یہ درحقیقت ایک ممکن سوال کا جواب ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں تو اُن کو دُنیا ہی میں سزا کیوں نہیں دے دی جاتی۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ دُنیا میں تو ان لوگوں کی ضد کی وجہ سے ہم نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ رکھا ہے کہ یہ اپنے طرزِ عمل کو بہت اچھا سمجھ رہے ہیں۔ لیکن آخر کار ان سب کو

وَأَقْسُوا بِاللهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَعِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةُ الْيَوْمِ مِنْ بَہَا قُلْ إِنَّمَا الْإِلَٰهُ  
عِنْدَ اللهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۚ أَنَّهُمَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ۱۰۹ ۚ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ  
وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ ۱۱۰ ۚ  
وَلَوْ أَنَّنَا نَرُنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْبُوتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ  
قُبُلًا مَّا كَانُوا إِلَيْهِمْ يُؤْمِنُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللهُ

اور ان لوگوں نے بڑی زوردار قسمیں کھائی ہیں کہ اگر ان کے پاس واقعی کوئی نشانی (یعنی ان کا  
مطلوب معجزہ) آگئی تو یہ یقیناً ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (ان سے) کہو کہ: ”ساری  
نشانیوں اللہ کے قبضے میں ہیں۔“ اور (مسلمانو!) تمہیں کیا پتہ کہ اگر وہ (معجزے) آج بھی گئے، تب  
بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰۹﴾ جس طرح یہ لوگ پہلی بار (قرآن جیسے معجزے پر) ایمان نہیں  
لائے، ہم بھی (ان کی ضد کی پاداش میں) ان کے دلوں اور نگاہوں کا رخ پھیر دیتے ہیں، اور  
ان کو اس حالت میں چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿۱۱۰﴾ اور اگر بالفرض ہم  
ان کے پاس فرشتے بھیج دیتے، اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے، اور (ان کی مانگی ہوئی)  
ہر چیز ہم کھلی آنکھوں ان کے سامنے لا کر رکھ دیتے، تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے،  
الّا یہ کہ اللہ ہی چاہتا (کہ انہیں زبردستی ایمان پر مجبور کر دے تو بات دوسری تھی، مگر ایسا ایمان نہ  
مطلوب ہے نہ معتبر۔)

ہمارے پاس لوٹنا ہے۔ اُس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ جو کچھ وہ کر رہے تھے، اس کی حقیقت کیا تھی۔

(۴۸) تشریح کے لئے اسی سورت کی آیت نمبر ۳۵ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۴۹) یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ فرمائش کیا کرتے تھے۔ سورہ فرقان (آیت نمبر ۲۱) میں ان کا یہ مطالبہ مذکور ہے

کہ ہمارے اُوپر فرشتے کیوں نازل نہیں کئے گئے؟ اور سورہ دخان (آیت نمبر ۳۶) میں یہ مطالبہ کہ ہمارے باپ

دادوں کو زندہ کر کے ہمارے سامنے لاؤ۔

وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۖ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرَوْهُ وَهُوَ مُتَوَكِّفٌ ۖ فَوَاطَاهُمْ مُقْتِرُونَ ﴿۱۱۳﴾ أَفَغَيْرَ اللَّهِ ابْتَغَىٰ حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۖ

لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ ﴿۱۱۱﴾ اور (جس طرح یہ لوگ ہمارے نبی سے دشمنی کر رہے ہیں) اسی طرح ہم نے ہر (پچھلے) نبی کے لئے کوئی نہ کوئی دشمن پیدا کیا تھا، یعنی انسانوں اور جنات میں سے شیطان قسم کے لوگ، جو دھوکا دینے کی خاطر ایک دوسرے کو بڑی چکنی چپڑی باتیں سکھاتے رہتے تھے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ ﴿۱۱۲﴾ لہذا ان کو اپنی افترا پر دازیوں میں پڑا رہنے دو ﴿۱۱۲﴾ اور (وہ انبیاء کے دشمن چکنی چپڑی باتیں اس لئے بناتے تھے) تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دل ان باتوں کی طرف خوب مائل ہو جائیں، اور وہ ان میں مگن رہیں، اور ساری وہ حرکتیں کریں جو وہ کرنے والے تھے ﴿۱۱۳﴾

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ: ”کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو فیصل بناؤں، حالانکہ اُسی نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کر کے بھیجی ہے جس میں سارے (متنازعہ) معاملات کی تفصیل موجود ہے؟“

(۵۰) یعنی حقیقت تو یہ ہے کہ تمام معجزات دیکھ کر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ پھر بھی جو مطالبات کر رہے ہیں، وہ محض جہالت پر مبنی ہیں۔

(۵۱) یہاں پھر وہی بات فرمائی جا رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو شیطاں کو یہ قدرت نہ دیتا، اور لوگوں کو زبردستی ایمان پر مجبور کر دیتا، لیکن چونکہ مقصد امتحان ہے، اس لئے زبردستی کا ایمان معتبر نہیں۔



وَالَّذِينَ اتَّيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُتَارِكِينَ ﴿١١٣﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٤﴾ وَإِنْ تُطِيعُوا أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٥﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٦﴾ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٧﴾

اور جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ یقین سے جانتے ہیں کہ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر نازل ہوئی ہے۔ لہذا تم شک کرنے والوں میں ہرگز شامل نہ ہونا ﴿۱۱۳﴾ اور تمہارے رب کا کلام سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۱۱۴﴾ اور اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر ڈالیں گے۔ وہ تو وہم و گمان کے سوا کسی چیز کے پیچھے نہیں چلتے، اور اُن کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ خیالی اندازے لگاتے رہیں ﴿۱۱۵﴾ یقین رکھو کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اپنے راستے سے بھٹک رہا ہے، اور وہی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو صحیح راستے پر ہیں ﴿۱۱۶﴾

چنانچہ ہر اُس (حلال) جانور میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اگر تم واقعی اُس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ ﴿۱۱۷﴾

(۵۲) پیچھے اُن لوگوں کا ذکر تھا جو محض خیالی اندازوں پر اپنے دین کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ اُن کی اس گمراہی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، اُس کو یہ حرام کہتے تھے، اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَحَرَّمًا عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرُّرْتُمْ إِلَيْهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا لِّيُضِلُّونَ بِأَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾

اور تمہارے لئے کوئی رُکاوٹ ہے جس کی بنا پر تم اُس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو؟ حالانکہ اُس نے وہ چیزیں تمہیں تفصیل سے بتادی ہیں جو اُس نے تمہارے لئے (عام حالات میں) حرام قرار دی ہیں، البتہ جن کو کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہو جاؤ، (تو ان حرام چیزوں کی بھی بقدر ضرورت اجازت ہو جاتی ہے) اور بہت سے لوگ کسی علم کی بنیاد پر نہیں، (بلکہ صرف) اپنی خواہشات کی بنیاد پر دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ تمہارا رب حد سے گذرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۹﴾

حرام کہا ہے، اُسے یہ حلال سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کچھ کافروں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کرے، یعنی وہ اپنی طبعی موت مر جائے، اُس کو تو تم مردار قرار دے کر حرام سمجھتے ہو، اور جس جانور کو تم خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہو، اُس کو حلال قرار دیتے ہو۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حلال و حرام کا فیصلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اُس نے واضح فرمادیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام لے کر اُسے ذبح کیا جائے وہ حلال ہوتا ہے، اور جو ذبح کئے بغیر مر جائے یا جسے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بعد اپنے من گھڑت خیالات کی بنا پر حلال و حرام کا فیصلہ کرنا ایسے شخص کا کام نہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتا ہو۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کفار کی مذکورہ اعتراض کے جواب میں یہ مصلحت بھی بتائی جاسکتی تھی کہ جس جانور کو باقاعدہ ذبح کیا جاتا ہے اُس کا خون اچھی طرح بہہ جاتا ہے، اس کے برخلاف جو جانور خود مر جاتا ہے، اُس کا خون جسم ہی میں رہ جاتا ہے جس سے پورا گوشت خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت بیان فرمانے کے بجائے یہ کہنے پر اکتفا فرمایا کہ جو چیزیں حرام ہیں وہ اللہ نے خود بیان فرمادی ہیں، لہذا اُس کے احکام کے مقابلے میں خیالی گھوڑے دوڑانا مؤمن کا کام نہیں۔ اس طرح یہ واضح فرمادیا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں یقیناً مصلحتیں ہوتی ہیں، لیکن مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی اطاعت کو ان مصلحتوں کے سمجھنے پر موقوف رکھے۔ اُس کا فریضہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آجائے تو بے چون و چرا اُس کی تعمیل کرے، چاہے اس کی مصلحت اس کی سمجھ میں آرہی ہو یا نہ آرہی ہو۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۖ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا  
كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۱۰﴾ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ يَدُكُمُ اللَّهُ عَلَيْهَا وَإِنَّهُ لَفَاسِقٌ ۖ وَ  
إِنَّ الشَّيْطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَٰهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ  
لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱

اور تم ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہ چھوڑ دو۔<sup>(۵۳)</sup> یہ یقینی بات ہے کہ جو لوگ گناہ کما تے ہیں، انہیں  
اُن تمام جرائم کی جلد ہی سزا ملے گی جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے ﴿۱۲۰﴾  
اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اُس میں سے مت کھاؤ، اور ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔  
(مسلمانو!) شیاطین اپنے دوستوں کو ورغلا تے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔ اور اگر تم نے  
اُن کی بات مان لی تو تم یقیناً مشرک ہو جاؤ گے۔ ﴿۱۲۱﴾

(۵۳) ظاہری گناہوں میں وہ گناہ داخل ہیں جو انسان اپنے ظاہری اعضاء سے کرے، مثلاً جھوٹ، غیبت،  
دھوکا، رشوت، شراب نوشی، زنا وغیرہ۔ اور باطنی گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے،  
مثلاً حسد، ریاکاری، تکبر، بغض، دوسروں کی بدخواہی وغیرہ۔ پہلی قسم کے گناہوں کا بیان فقہ کی کتابوں میں  
ہوتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت فقہاء سے حاصل کی جاتی ہے، اور دوسری قسم کے گناہوں کا بیان تصوف اور  
احسان کی کتابوں میں ہوتا ہے، اور اُن کی تعلیم و تربیت کے لئے مشائخ سے رجوع کیا جاتا ہے۔ تصوف کی  
اصل حقیقت یہی ہے کہ باطن کے ان گناہوں سے بچنے کے لئے کسی رہنما سے رجوع کیا جائے۔ افسوس ہے  
کہ تصوف کی اس حقیقت کو بھلا کر بہت سے لوگوں نے بدعات و خرافات کا نام تصوف رکھ لیا ہے۔ اس  
حقیقت کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بہت سی کتابوں میں  
خوب واضح فرمایا ہے۔ آسان طریقے سے اس کو سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع  
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”دل کی دنیا“۔

أَوْ مَنْ كَانَ مِثْلًا فَاحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا يَبْشُرُ بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي  
الظُّلُمِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ۖ كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٢﴾ وَ  
كَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مُجْرِمِينَ لِيُنْذِرُوا فِيهَا ۖ وَمَا يَتُكْرَهُونَ إِلَّا  
بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿١٢٣﴾

ذرا بتاؤ کہ جو شخص مردہ ہو، پھر ہم نے اُسے زندگی دی ہو، اور اُس کو ایک روشنی مہیا کر دی ہو جس کے  
سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو، کیا وہ اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ  
وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہو جن سے کبھی نکل نہ پائے؟ اسی طرح کافروں کو یہ بھادیا گیا ہے کہ  
جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں، وہ بڑا خوشنما کام ہے ﴿۱۲۲﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے مجرموں کے سرغنوں کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اُس (بستی)  
میں (مسلمانوں کے خلاف) سازشیں کیا کریں۔ اور وہ جو سازشیں کرتے ہیں، (درحقیقت) وہ  
کسی اور کے نہیں، بلکہ خود اُن کے اپنے خلاف پڑتی ہیں، جبکہ اُن کو اس کا احساس نہیں ہوتا ﴿۱۲۳﴾

(۵۴) یہاں روشنی سے مراد اسلام کی روشنی ہے۔ اور ”لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو“ فرما کر اشارہ اس طرف  
کر دیا گیا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ انسان مذہبی عبادات کو لے کر دُنیا سے ایک طرف ہو کر بیٹھ جائے،  
اور لوگوں سے میل جول چھوڑ دے، بلکہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کے درمیان رہے، اُن سے  
ضروری معاملات کرے، اُن کے حقوق ادا کرے، لیکن جہاں بھی جائے، اسلام کی روشنی ساتھ لے کر جائے،  
یعنی یہ سارے معاملات اسلامی احکام کے تحت انجام دے۔

(۵۵) یہ مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کافر لوگ اُن کے خلاف جو سازشیں کر رہے ہیں، اُن سے گھبرائیں  
نہیں۔ اس قسم کی سازشیں ہر دور میں انبیائے کرام اور اُن کے ماننے والوں کے خلاف ہوتی رہی ہیں، لیکن  
بالآخر انجام اہل ایمان ہی کا بہتر ہوتا ہے، اور دشمنوں کی سازشیں آخر کار خود انہی کو نقصان پہنچاتی ہیں، کبھی تو اسی  
دُنیا میں ان کا یہ نقصان ظاہر ہو جاتا ہے، اور کبھی دُنیا میں ظاہر نہیں ہوتا، لیکن آخرت میں ان کو پتہ چل جائے گا کہ  
انہوں نے خود اپنے حق میں کانٹے بوئے تھے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ آيَةٌ قَالُوا الْكُفْرُ مِنْ حَتَّى نُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلْنَا فَأَوْفَىٰ مِرْصَلِ اللَّهِ ۖ اللَّهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرُمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَ  
عَذَابٌ شَدِيدٌ لِّمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿١٢٣﴾ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ  
لِلْإِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَثِيرًا يَصْعَدُ فِي  
السَّمَاءِ ۖ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٤﴾

اور جب ان (اہل مکہ) کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ: ”ہم اُس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اُس جیسی چیز خود ہمیں نہ دے دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی تھی۔“ (حالانکہ) اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔ جن لوگوں نے (اس قسم کی) مجرمانہ باتیں کی ہیں اُن کو اپنی مکاریوں کے بدلے میں اللہ کے پاس جا کر ذلت اور سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔ ﴿۱۲۴﴾

غرض جس شخص کو اللہ ہدایت تک پہنچانے کا ارادہ کر لے، اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جس کو (اُس کی ضد کی وجہ سے) گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے، اُس کے سینے کو تنگ اور اتنا زیادہ تنگ کر دیتا ہے کہ (اُسے ایمان لانا ایسا مشکل معلوم ہوتا ہے) جیسے اُسے زبردستی آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔ اسی طرح اللہ (کفر کی) گندگی اُن لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۱۲۵﴾

(۵۶) یعنی جب تک خود ہم پر ویسی وحی نازل نہیں ہوگی جیسی انبیائے کرام پر نازل ہوتی رہی ہے، اور ویسے معجزات ہمیں نہیں دیئے جائیں گے جیسے اُن کو دیئے گئے تھے، اُس وقت تک ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم میں سے ہر شخص کو پوری پیغمبری ملنی چاہئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ پیغمبری کس کو عطا کی جائے۔

وَهَذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۖ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَبَعًا يَسْعُرُ الْجِنَّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ۚ وَقَالَ أَوْلِيُوهُمْ مِّنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمِعْ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَ لَنَا

اور یہ (اسلام) تمہارے پروردگار کا (بتایا ہوا) سیدھا سیدھا راستہ ہے۔ جو لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں، اُن کے لئے ہم نے (اس راستے کی) نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں ﴿۱۲۶﴾ اُن کے پروردگار کے پاس سکھ چین کا گھرايسے ہی لوگوں کے لئے ہے، اور جو عمل وہ کرتے رہے ہیں، اُن کی وجہ سے وہ خود اُن کا رکھوالا ہے ﴿۱۲۷﴾

اور (اُس دن کا دھیان رکھو) جس دن اللہ ان سب کو گھیر کر اکٹھا کرے گا، اور (شیاطین جنات سے کہے گا کہ:)"اے جنات کے گروہ! تم نے انسانوں کو بہت بڑھ چڑھ کر گمراہ کیا۔" اور انسانوں میں سے جو اُن کے دوست ہوں گے، وہ کہیں گے:"اے ہمارے پروردگار! ہم ایک دوسرے سے خوب مزے لیتے رہے ہیں، اور اب اپنی اُس میعاد کو پہنچ گئے ہیں جو آپ نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔"

(۵۷) انسان تو شیطانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ ان کے بہکائے میں آکر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی، اور وہ گناہ کئے جن سے ظاہری طور پر لذت حاصل ہوتی تھی۔ اور شیطان انسانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ انہیں گمراہ کر کے خوش ہوئے کہ یہ لوگ خوب اچھی طرح ہمارے قابو میں آگئے ہیں۔ دراصل وہ یہ کہہ کر اپنی غلطی کا اعتراف کر رہے ہوں گے، اور غالباً آگے معافی بھی مانگنا چاہتے ہوں گے، لیکن یا تو اس سے آگے کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوگا، یا چونکہ معافی کا وقت گزر چکا ہوگا، اس لئے اللہ تعالیٰ اُن کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی یہ فرمائیں گے کہ اب معافی تلافی کا وقت گزر چکا، اب تو تمہیں جہنم کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾  
 وَكَذَلِكَ نُؤَيِّنُ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٢٩﴾ يَبْعَثُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ  
 أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا ۖ  
 قَالُوا شَهِدْنَا عَلَى أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا  
 كَافِرِينَ ﴿١٣٠﴾ ذَلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَفْلُونَ ﴿١٣١﴾

اللہ کہے گا: ”(اب) آگ تم سب کا ٹھکانا ہے، جس میں تم ہمیشہ رہو گے، (الایہ کہ اللہ کچھ اور  
 چاہے۔<sup>(۵۸)</sup> یقین رکھو کہ تمہارے پروردگار کی حکمت بھی کامل ہے، علم بھی کامل۔ ﴿۱۲۸﴾ اور اسی طرح  
 ہم ظالموں کو ان کے کمائے ہوئے اعمال کی وجہ سے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔ ﴿۱۲۹﴾<sup>(۵۹)</sup>  
 اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس خود تم میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو  
 تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتے تھے، اور تم کو اسی دن کا سامنا کرنے سے خبردار کرتے تھے جو  
 آج تمہارے سامنے ہے؟“ وہ کہیں گے: ”(آج) ہم نے خود اپنے خلاف گواہی دے دی ہے  
 (کہ واقعی ہمارے پاس پیغمبر آئے تھے، اور ہم نے انہیں جھٹلایا تھا)“ اور (درحقیقت) ان کو  
 دُنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، اور (اب) انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دے  
 دی کہ وہ کافر تھے ﴿۱۳۰﴾ یہ (پیغمبر بھیجے گا) سارا سلسلہ اس لئے تھا کہ تمہارے پروردگار کو یہ  
 گوارا نہیں تھا کہ وہ بستیوں کو کسی زیادتی کی وجہ سے اس حالت میں ہلاک کر دے کہ اُس کے  
 لوگ بے خبر ہوں ﴿۱۳۱﴾

(۵۸) اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر استثناء کے اس جملے سے دو حقیقتوں کی طرف  
 اشارہ مقصود ہے۔ ایک یہ کہ کافروں کے عذاب و ثواب کا فیصلہ کسی سفارش یا اثر و رسوخ کی وجہ سے تبدیل نہیں  
 ہو سکتا، بلکہ اس کا تمام تر فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بنیاد پر ہوگا، اور یہ مشیت اس کی حکمت اور علم کے مطابق

ہوگی جس کا ذکر اگلے جملے میں ہے۔ دوسری حقیقت جو اس استثناء سے ظاہر فرمائی گئی ہے یہ ہے کہ کافروں کو ہمیشہ جہنم میں رکھنا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی کوئی مجبوری نہیں ہے، لہذا اگر بالفرض اُس کی مشیت یہ ہو جائے کہ کسی کو باہر نکال لیا جائے تو یہ عقلی اعتبار سے ناممکن نہیں ہے، کیونکہ اُس کی اس مشیت کے خلاف کوئی اُسے مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کی مشیت اُس کے علم اور حکمت کے مطابق یہی ہو کہ کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں۔

(۵۹) یعنی جس طرح ان کافروں پر اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے شیاطین کو مسلط کر دیا گیا جو انہیں بہکاتے رہے، اسی طرح ہم ظالموں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اُن پر دوسرے ظالموں کو مسلط کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی ملک کے لوگ بد اعمالیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو اُن پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی ظالم کے ظلم میں اُس کی مدد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ خود اسی ظالم کو مدد کرنے والے پر مسلط کر دیتا ہے (ابن کثیر)۔

اس آیت کا ایک اور ترجمہ بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ: ”اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنادیں گے۔“ اُس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شیاطین بھی ظالم تھے، اذرا ان کے پیچھے چلنے والے بھی۔ چنانچہ آخرت میں بھی ہم ان کو ایک دوسرے کا ساتھی بنادیں گے۔ بہت سے مفسرین نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

(۶۰) انسانوں میں تو پیغمبروں کا تشریف لانا واضح ہے۔ اس آیت کی وجہ سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ جنات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبر آتے رہے ہیں۔ اور دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ باقاعدہ پیغمبر تو جنات میں نہیں آئے، لیکن انسانوں میں جو پیغمبر بھیجے گئے، وہی جنات کو بھی تبلیغ کرتے تھے، اور جو جنات مسلمان ہو جاتے وہ پھر انبیائے کرام کے نمائندے بن کر دوسرے جنات کو تبلیغ کرتے تھے، جیسا کہ سورہ جن میں تفصیل سے مذکور ہے۔ آیت کی رُو سے دونوں احتمال ممکن ہیں، کیونکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں اور جنات دونوں کو تبلیغ کا حق ادا کر دیا گیا تھا، اور وہ دونوں طرح ممکن ہے۔

(۶۱) پیچھے آیت نمبر ۲۳ میں گدرا ہے کہ وہ شروع میں جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے، لیکن جب خود اُن کے ہاتھ پاؤں اُن کے خلاف گواہی دے دیں گے تو وہ بھی سچ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ تفصیل کے لئے آیت ۲۳ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۶۲) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن بستی والوں کی کسی زیادتی کی وجہ سے اُن کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کو اُس وقت تک گوارا نہیں تھا جب تک انہیں انبیائے کرام کے ذریعے متوجہ نہ کر دیا جائے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود یہ زیادتی نہیں کر سکتا تھا کہ پہلے سے متوجہ کئے بغیر لوگوں کو ہلاک کر دے۔



وَلِكُلِّ دَرَجَتٍ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَمَا رَّبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۶۳﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ  
ذُو الرَّحْمَةِ ۖ إِنَّ يَسْأَلُكَ هَبْكَمُ وَيَسْتَخْلِفُ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاءُ ۚ كَمَا أَنشَأَكُم مِّنْ  
ذُرِّيَّةٍ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿۶۴﴾ إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۶۵﴾ قُلْ  
لَيَقُومَنَّ عَمَلُكُمُ عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۚ

اور ہر قسم کے لوگوں کو مختلف درجات اُن اعمال کے حساب سے ملتے ہیں جو انہوں نے کئے ہوتے  
ہیں۔ اور جو اعمال بھی وہ کرتے ہیں، تمہارا پروردگار اُن سے غافل نہیں ہے ﴿۱۳۲﴾ اور تمہارا  
پروردگار ایسا بے نیاز ہے جو رحمت والا بھی ہے۔ ﴿۱۳۳﴾ اگر وہ چاہے تو تم سب کو (دُنیا سے) اٹھالے، اور  
تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ لے آئے، جیسے اُس نے تم کو کچھ اور لوگوں کی نسل سے پیدا کیا  
تھا۔ ﴿۱۳۴﴾ یقین رکھو کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے اُس کو آنا ہی آتا ہے، اور تم (اللہ کو)  
عاجز نہیں کر سکتے ﴿۱۳۵﴾ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو کہ: ”اے میری قوم! تم اپنی جگہ (اپنے  
طریقے کے مطابق) عمل کرو، میں (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کر رہا ہوں۔

(۶۳) یعنی اُس نے رسولوں کو بھیجنے کا جو سلسلہ جاری فرمایا اُس کی وجہ معاذ اللہ یہ نہیں تھی کہ وہ تمہاری عبادت کا  
محتاج ہے، وہ تو مخلوق کی عبادت سے بے نیاز ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ رحمت والا بھی ہے، اس لئے اُس نے  
پیغمبر بھیجے ہیں جو بندوں کو اُس صحیح راہ عمل کی طرف متوجہ کرتے رہیں جس میں اُن کی دُنیا اور آخرت دونوں کے  
لئے بہتری کا سامان ہو۔

(۶۴) جس طرح آج کے تمام لوگ اُن لوگوں کی نسل سے ہیں جن کا اب کوئی پتہ نشان باقی نہیں رہا، اسی طرح  
اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ آج کے تمام لوگوں کو ایک ہی مرتبہ میں ختم کر کے دوسری قوم پیدا کر دے، لیکن وہ  
اپنی رحمت کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہا۔

(۶۵) اس سے مراد آخرت اور جنت اور جہنم ہے۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ<sup>۱۳۵</sup> مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ<sup>ط</sup> إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ<sup>۱۳۶</sup> وَجَعَلُوا  
لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا  
لِشُرَكَائِنَا<sup>۱۳۷</sup> فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ<sup>ط</sup> فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ<sup>۱۳۸</sup> وَمَا كَانَ لِلَّهِ<sup>ط</sup> فَهُوَ يَصِلُ إِلَى  
شُرَكَائِهِمْ<sup>ط</sup> سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ<sup>۱۳۹</sup>

پھر جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس دُنیا کا انجام کس کے حق میں نکلتا ہے۔ یہ حقیقت (اپنی  
جگہ) ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔ ﴿۱۳۵﴾

اور اللہ نے جو کھیتیاں اور چوپائے پیدا کئے ہیں، ان لوگوں نے اُن میں سے اللہ کا بس ایک حصہ  
مقرر کیا ہے۔<sup>(۲۱)</sup> چنانچہ بزعم خودیوں کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے، اور یہ ہمارے اُن معبودوں کا ہے  
جن کو ہم خدائی میں اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ پھر جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو (کبھی)  
اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے گھرے ہوئے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے۔  
ایسی بُری بُری باتیں ہیں جو انہوں نے طے کر رکھی ہیں! ﴿۱۳۶﴾

(۶۶) یہاں سے آیت نمبر ۱۴۴ تک عرب کے مشرکین کی کچھ بے بنیاد رسموں کا بیان ہے۔ ان لوگوں نے کسی  
معقول اور علمی بنیاد کے بغیر مختلف کاموں کو من گھڑت اسباب کی بنیاد پر حلال یا حرام قرار دے رکھا تھا۔ مثلاً خود  
اپنی اولاد کو انتہائی سنگ دلی سے قتل کر دیتے تھے۔ اگر لڑکی پیدا ہوئی ہو تو اسے اپنے لئے بڑی شرم کی بات سمجھ کر  
اسے زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے، بعض لوگ اس وجہ سے بھی لڑکیوں کو دفن کر دیتے تھے کہ اُن کا عقیدہ یہ تھا  
کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے انسانوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ لڑکیاں رکھیں۔ لڑکوں کو بعض اس  
وجہ سے قتل کر ڈالتے تھے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو یہ نذرمان لیتے تھے کہ ہمارا  
جو دوسواں لڑکا ہوگا، اسے اللہ یا بتوں کے نام پر ذبح کر دیں گے۔ اس کے علاوہ اپنے مویشیوں اور کھیتوں کی

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاءُ وَهُمْ لَيَّدُوْهُمْ  
وَلَيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾  
وَقَالُوْا هٰذِهِ اَنْعَامٌ وَّحَرْتُ جُحْرٌ ۚ لَا يَطْعُمُهَآ اِلَّا مَنۢ شِئَآءُ بَزْعِهِمْ

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کو اُن کے شریکوں نے یہ سُجھا رکھا ہے کہ اپنی اولاد کو قتل کرنا بڑا اچھا کام ہے، تاکہ وہ ان (مشرکین) کو بالکل تباہ کر ڈالیں، اور اُن کے لئے اُن کے دین کے معاملے میں مغالطے پیدا کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔<sup>(۱۳۷)</sup> لہذا ان کو اپنی افترا پر دازیوں میں پڑا رہنے دو ﴿۱۳۷﴾ اور یوں کہتے ہیں کہ: ”ان چوپایوں اور کھیتوں پر پابندی لگی ہوئی ہے۔“ ان کا زعم یہ ہے کہ: ”ان کو سوائے اُن لوگوں کے کوئی نہیں کھا سکتا جنہیں ہم کھانا چاہیں۔“<sup>(۱۳۸)</sup>

پیداوار کے بارے میں بھی عجیب و غریب عقیدے گھڑ رکھے تھے۔ اُن میں سے ایک کا بیان اس آیت میں ہے، اور وہ یہ کہ اپنے کھیتوں کی پیداوار اور مویشیوں کے دودھ یا گوشت میں سے کچھ حصہ تو اللہ کے نام کا رکھتے تھے (جو مہمانوں اور غریبوں میں تقسیم کے لئے ہوتا تھا) اور ایک حصہ اپنے بتوں کے نام کا نکالتے تھے جو بت خانوں پر چڑھایا جاتا تھا، اور اُس سے بت خانوں کے نگران فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اول تو یہ بات ہی بے ہودہ تھی کہ اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک کر کے اُن کے نام پر پیداوار کا کچھ حصہ رکھا جائے۔ اوپر سے ستم ظریفی یہ تھی کہ جو حصہ اللہ کے نام کا رکھا تھا، اگر اُس میں سے کچھ بتوں والے حصے میں چلا جاتا تو کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، البتہ اگر بتوں کے حصے میں سے کوئی چیز اللہ کے نام کے حصے میں چلی جاتی تو اُسے فوراً واپس کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔  
(۱۳۷) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے اسی سورت میں پیچھے آیت نمبر ۱۱۲ کا حاشیہ۔

(۱۳۸) یہ ایک اور رسم کا بیان ہے جس کی رو سے وہ اپنے من گھڑت دیوتاؤں کو اپنے گمان کے مطابق خوش کرنے کے لئے کسی خاص کھیتی یا مویشی پر پابندی لگا دیتے تھے کہ ان کی پیداوار سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ البتہ جس شخص کو چاہتے، اس پابندی سے مستثنیٰ کر دیتے تھے۔

وَالنَّعَامُ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءٌ عَلَيْهِ ۖ  
 سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ  
 لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۖ سَيَجْزِيهِمْ  
 وَصَفَهُمْ ۖ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ  
 وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۖ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۴۰﴾

اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن کی پشت حرام قرار دی گئی ہے، اور کچھ چوپائے وہ ہیں جن کے  
 بارے میں اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ جو افترا پر دازی یہ لوگ کر  
 رہے ہیں، اللہ انہیں عنقریب اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ﴿۱۳۸﴾

نیز وہ کہتے ہیں کہ: ”ان خاص چوپایوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے  
 مخصوص ہیں، اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہیں۔“ اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہو تو اُس سے فائدہ  
 اٹھانے میں سب (مرد و عورت) شریک ہو جاتے ہیں۔ جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں، اللہ  
 انہیں عنقریب اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یقیناً وہ حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک ﴿۱۳۹﴾  
 حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو کسی علمی وجہ کے بغیر محض  
 حماقت سے قتل کیا ہے، اور اللہ نے جو رزق ان کو دیا تھا اُسے اللہ پر بہتان باندھ کر حرام کر لیا ہے۔ وہ  
 بری طرح گمراہ ہو گئے ہیں، اور کبھی ہدایت پر آئے ہی نہیں۔ ﴿۱۴۰﴾

(۶۹) یہ ایک اور رسم تھی کہ کسی سواری کے جانور کو کسی بت کے نام وقف کر دیتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ اس پر  
 سواری کرنا حرام ہے۔

(۷۰) بعض جانوروں کے بارے میں انہوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ ان پر اللہ کا نام نہیں لیا جاسکتا، نہ ذبح کرتے  
 وقت، نہ سواری کے وقت، اور نہ اُن کا گوشت کھاتے وقت۔ چنانچہ اُن پر سوار ہو کر حج کرنے کو بھی ناجائز سمجھتے تھے۔

(۷۱) یعنی بچہ اگر زندہ پیدا ہو جائے تو صرف مردوں کے لئے حلال ہوگا، عورتوں کے لئے حرام، لیکن مردہ پیدا ہو  
 تو مردوں عورتوں دونوں کے لئے حلال۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوسَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوسَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا  
أُكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرَّمَانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۖ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ  
وَاتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٣١﴾ وَمِنْ  
الْأَنْعَامِ حُمُولَةٌ وَفَرَسَاتٌ ۖ كُلُوا مِنْ مَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطَاةَ الشَّيْطَانِ ۖ  
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٣٢﴾

اللہ وہ ہے جس نے باغات پیدا کئے جن میں سے کچھ (نیل دار ہیں جو) سہاروں سے اُپر چڑھائے  
جاتے ہیں، اور کچھ سہاروں کے بغیر بلند ہوتے ہیں، اور نخلستان اور کھیتیاں، جن کے ذائقے الگ  
الگ ہیں، اور زیتون اور انار، جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے مختلف  
بھی۔ جب یہ درخت پھل دیں تو ان کے پھلوں کو کھانے میں استعمال کرو، اور جب ان کی کٹائی کا  
دن آئے تو اللہ کا حق ادا کرو، اور فضول خرچی نہ کرو۔ یاد رکھو، وہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں  
کرتا ﴿۱۳۱﴾ اور چوپایوں میں سے اللہ نے وہ جانور بھی پیدا کئے ہیں جو بوجھ اٹھاتے ہیں، اور وہ  
بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اللہ نے جو رزق تمہیں دیا ہے، اس میں سے کھاؤ، اور  
شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو، وہ تمہارے لئے ایک کھلا دشمن ہے ﴿۱۳۲﴾

(۷۲) تشریح کے لئے دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۹۹ کا حاشیہ۔

(۷۳) اس سے مراد عشر ہے جو زرعی پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔ مکی زندگی میں اس کی کوئی خاص شرح مقرر نہیں  
تھی، بلکہ جب کٹائی کا وقت آتا تو کھیتی کے مالک پر فرض تھا کہ جو فقراء اس وقت موجود ہوں، اُن کو اپنی صوابدید  
کے مطابق کچھ دے دیا کرے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اس کے مفصل احکام آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم نے اس کی یہ تفصیل بیان فرمائی کہ بارانی زمینوں پر پیداوار کا دسواں حصہ اور نہری زمینوں پر بیسواں حصہ  
غریبوں کا حق ہے۔ آیت نے بتایا ہے کہ یہ حق کٹائی ہی کے وقت ادا کر دینا چاہئے۔

(۷۴) ”زمین سے لگے ہوئے“ ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہوتا ہے، جیسے بھیڑ بکریاں، اور

ثَلَاثِينَ أَرْوَاحًا ۚ مِنَ الصَّانِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْرُوثَيْنِ ۖ قُلْ لِّلَّذِينَ حَرَّمَ آمَ  
الْأُنثَيْنِ ۖ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيْنِ ۖ نَسُوْنِي بِعِلْمٍ إِن كُنْتُمْ  
صَادِقِينَ ۝۱۳۳ وَمَنِ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۖ قُلْ لِّلَّذِينَ حَرَّمَ آمَ  
الْأُنثَيْنِ ۖ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيْنِ ۖ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ  
وَضَعَكُمُ اللَّهُ فِي هَٰذَا ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ  
عِلْمٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝۱۳۴

(موشیوں کے) کل آٹھ جوڑے اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ دو صنفیں (نر اور مادہ) بھیڑوں کی  
نسل سے اور دو بکروں کی نسل سے۔ ذرا ان سے پوچھو کہ: ”کیا دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا  
ہے، یا دونوں مادہ کو؟ یا ہر اُس بچے کو جو دونوں نسلوں کی مادہ کے پیٹ میں موجود ہو؟ اگر تم سچے ہو تو  
کسی علمی بنیاد پر مجھے جواب دو!“ ﴿۱۳۳﴾ اور اسی طرح اونٹوں کی بھی دو صنفیں (نر اور مادہ اللہ  
نے) پیدا کی ہیں، اور گائے کی بھی دو صنفیں۔ ان سے کہو کہ: ”کیا دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا  
ہے، یا دونوں مادہ کو؟ یا ہر اُس بچے کو جو دونوں نسلوں کی مادہ کے پیٹ میں موجود ہو؟ کیا تم اُس  
وقت خود حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا؟ (اگر نہیں، اور یقیناً نہیں) تو پھر اُس شخص  
سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر اس لئے جھوٹ باندھے تاکہ کسی علمی بنیاد کے بغیر لوگوں کو گمراہ  
کر سکے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔“ ﴿۱۳۴﴾

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کی کھال زمین پر بچھانے کے کام آتی ہے۔  
(۷۵) مطلب یہ ہے کہ تم لوگ کبھی نر جانور کو حرام قرار دے دیتے ہو، کبھی مادہ جانور کو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ  
جوڑے پیدا کرتے وقت نہ نر کو حرام کیا تھا نہ مادہ کو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی جانور حرام ہوتا ہے  
تو ہمیشہ نر ہی حرام ہونا چاہئے، اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت آتی ہے تو ہمیشہ مادہ ہی حرام ہونی چاہئے، اور اگر  
کسی مادہ کے پیٹ میں ہونے کی وجہ سے حرمت آتی ہے تو پھر بچہ نہ ہو یا مادہ ہر صورت میں حرام ہونا چاہئے۔ لہذا تم  
نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ رکھے ہیں نہ، ان کی کوئی علمی یا عقلی بنیاد ہے، اور نہ اللہ کا کوئی حکم ایسا آیا ہے۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً  
أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رَجُسٌ أَوْ فَسَقًا هَلْ لِعِذْرِ اللَّهِ فِيهِ ۚ فَمَنْ  
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ  
ذِي ظُفْرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَصَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوْ  
الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۚ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۴۶﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اُس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو، <sup>(۱۴۵)</sup> الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا جو ایسا گناہ کا جانور ہو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ ہاں جو شخص (ان چیزوں میں سے کسی کے کھانے پر) انتہائی مجبور ہو جائے، جبکہ وہ نہ لذت حاصل کرنے کی غرض سے ایسا کر رہا ہو، اور نہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھے، تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۴۵﴾

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا، اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان کی چربیوں، ہم نے حرام کی تھیں، البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا آنتوں پر لگی ہو، یا جو کسی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ مستثنیٰ تھی۔ یہ ہم نے اُن کو اُن کی سرکشی کی سزا دی تھی۔ اور پورا یقین رکھو کہ ہم سچے ہیں ﴿۱۴۶﴾

(۱۴۶) مطلب یہ ہے کہ جن جانوروں کو بت پرستوں نے حرام قرار دے رکھا ہے، اُن میں سے کسی جانور کے بارے میں مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ممانعت کا حکم ان چار چیزوں کے سوا نہیں آیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے جانوروں میں بھی کوئی جانور حرام نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے درندوں وغیرہ کے حرام ہونے کی وضاحت فرمادی ہے۔

(۱۴۷) یعنی اگر آدمی بھوک سے بے تاب ہو اور کھانے کے لئے کوئی حلال چیز میسر نہ ہو، تو جان بچانے کے لئے ان حرام چیزوں میں سے کسی چیز کا کھانا بقدر ضرورت جائز ہو جاتا ہے۔ ان چیزوں کی حرمت کا یہ حکم پیچھے سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۳ اور سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں بھی گذرا ہے، اور آگے سورہ نحل کی آیت نمبر ۱۱۵ میں بھی آئے گا۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ  
الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳۷﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا  
حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۖ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۚ قُلْ هَلْ  
عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۚ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿۱۳۸﴾

پھر بھی اگر یہ (کافر) تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دو کہ: ”تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے، اور  
اُس کے عذاب کو مجرموں سے ٹلایا نہیں جاسکتا۔“ ﴿۱۳۷﴾ جن لوگوں نے شرک اپنایا ہوا ہے، وہ  
یہ کہیں گے کہ: ”اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی بھی چیز کو حرام  
قرار دیتے۔“ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح (رسولوں کو) جھٹلایا تھا، یہاں تک کہ  
انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ تم ان سے کہو کہ: ”کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جو ہمارے  
سامنے نکال کر پیش کر سکو؟ تم تو جس چیز کے پیچھے چل رہے ہو وہاں گمان کے سوا کچھ نہیں، اور تمہارا کام  
اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہی اندازے لگاتے رہو ﴿۱۳۸﴾

(۷۸) جھٹلانے والوں سے یہاں براہ راست تو یہودی مراد ہیں، کیونکہ وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ مذکورہ  
چیزیں اُن پر اُن کی سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ ضمناً اس میں مشرکین عرب بھی داخل ہیں جو قرآن کریم کی  
ہر بات کا انکار کرتے تھے جس میں یہ بات بھی شامل تھی۔ دونوں فریقوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر ان کے قرآن  
کو جھٹلانے کے باوجود اُن پر کوئی فوری عذاب نہیں آ رہا ہے، بلکہ دنیا میں انہیں خوشحالی بھی میسر ہے، تو اس کی وجہ  
یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے عمل سے خوش ہے۔ اس کے بجائے حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی  
رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ اپنے باغیوں کو بھی رزق دیتا ہے، اور خوشحالی سے نوازتا ہے۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ  
ان مجرموں کو ایک نہ ایک دن عذاب ضرور ہوگا جسے کوئی ٹلا نہیں سکتا۔

(۷۹) یہ پھر وہی بے ہودہ دلیل ہے جس کا جواب بار بار دیا جا چکا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر اللہ کو شرک ناگوار ہے تو وہ  
ہمیں شرک پر قدرت ہی کیوں دیتا ہے؟ جواب بار بار دیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو اپنی قدرت کے  
ذریعے زبردستی ایمان پر مجبور کر دے تو پھر امتحان ہی کیا ہوا؟ دنیا تو اسی امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ کون شخص



قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۹﴾ قُلْ هَلَمْ شُهَدَاءُكُمْ  
الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ وَلَا  
تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِالْإِيمَانِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ  
بِرَبِّهِمْ يَكْفُرُونَ ﴿۱۴۰﴾ قُلْ تَعَالَوْا تَلْ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ  
شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَمْلَاقٍ ط

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”ایسی دلیل تو اللہ ہی کی ہے جو (دلوں تک) پہنچنے والی ہو۔ چنانچہ اگر  
وہ چاہتا تو تم سب کو (زبردستی) ہدایت پر لے آتا۔“ ﴿۱۳۹﴾ ان سے کہو کہ: ”اپنے وہ گواہ ذرا  
سامنے تولو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔“ پھر اگر یہ خود گواہی دے بھی  
دیں تو تم اُن کے ساتھ گواہی میں شریک نہ ہونا، اور اُن لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جنہوں  
نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو دوسروں کو (خدائی میں) اپنے  
پروردگار کے برابر مانتے ہیں ﴿۱۴۰﴾ (ان سے) کہو کہ: ”آؤ، میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ  
تمہارے پروردگار نے (درحقیقت) تم پر کونسی باتیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اُس کے ساتھ کسی کو  
شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔

اپنی سمجھ اور اپنے اختیار سے وہ صحیح راستہ اختیار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں بھی رکھ دیا ہے، اور  
جس کی طرف رہنمائی کے لئے اتنے سارے پیغمبر بھیجے ہیں۔

(۸۰) یعنی تم تو فرضی دلائل پیش کر رہے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیج کر اپنی حجت پوری کر دی ہے، اور  
ان کے بیان کئے ہوئے دلائل دلوں میں اترنے والے ہیں۔ اُن کی تصدیق اس حقیقت نے بھی کر دی ہے کہ  
جن لوگوں نے انہیں جھٹلایا، وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے شکار ہوئے۔ لہذا یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا  
تو سب کو زبردستی ہدایت پر لے آتا، لیکن اس سے تمہاری یہ ذمہ داری ختم نہیں ہوتی کہ تم اپنے اختیار سے پیغمبروں  
کے ناقابل انکار دلائل کو قبول کر کے ایمان لاؤ۔

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا أَمْوَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْغُ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَيْلِ وَالْبِزَّانِ بِالْقِسْطِ ۚ لَا تُكَلِّفُوا نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۗ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۲﴾

ہم تمہیں بھی رزق دیں گے، اور اُن کو بھی۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی، اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اُسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو۔ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تمہیں کچھ سمجھ آئے ﴿۱۵۱﴾ اور یتیم جب تک بچتگی کی عمر کو نہ پہنچ جائے، اُس وقت تک اُس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے حق میں) بہترین ہو، اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، (البتہ) اللہ کسی بھی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔ اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو، چاہے معاملہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کا ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو ﴿۱۵۲﴾

(۸۱) یعنی بے حیائی کے کام جس طرح کھلم کھلا کرنا منع ہے، اسی طرح چوری چھپے بھی منع ہے۔  
(۸۲) خرید و فروخت کے وقت ناپ تول کا پورا لحاظ رکھنا واجب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمادیا کہ اس معاملے میں طاقت سے زیادہ مین میخ نکالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ انسان کو پوری پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ناپ تول ٹھیک ہو، لیکن کوشش کے باوجود تھوڑا بہت فرق رہ جائے تو وہ معاف ہے۔  
(۸۳) اللہ کے عہد میں وہ عہد بھی داخل ہے جس میں براہ راست اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ کیا گیا ہو، اور وہ عہد بھی جو کسی انسان سے کیا گیا ہو، مگر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یا اُس کو گواہ بنا کر کیا گیا ہو۔

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ أَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّحُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٤﴾ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٥٥﴾ لَا أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابَ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۖ وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ﴿١٥٦﴾ أَوْ تَقُولُوا الْوَاقِعُ أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ لَكِنَّا هَدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ

اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ: ”یہ میرا سیدھا سیدھا راستہ ہے، لہذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔“ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو ﴿۱۵۳﴾۔

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ نیک لوگوں پر اللہ کی نعمت پوری ہو، اور ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی جائے، اور وہ (لوگوں کے لئے) رہنمائی اور رحمت کا سبب بنے، تاکہ وہ (آخرت میں) اپنے پروردگار سے جا ملنے پر ایمان لے آئیں ﴿۱۵۴﴾ اور (اسی طرح) یہ برکت والی کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے۔ لہذا اس کی پیروی کرو، اور تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم پر رحمت ہو ﴿۱۵۵﴾ (یہ کتاب ہم نے اس لئے نازل کی کہ) کبھی تم یہ کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر نازل کی گئی تھی، اور جو کچھ وہ پڑھتے پڑھاتے تھے، ہم تو اُس سے بالکل بے خبر تھے ﴿۱۵۶﴾ یا یہ کہو کہ اگر ہم لوگوں پر کتاب نازل ہو جاتی تو ہم ان (یہودیوں اور عیسائیوں) سے یقیناً زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ لو! پھر تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل اور ہدایت و رحمت کا سامان آ گیا ہے!

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ  
عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ﴿١٥٧﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ  
الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ۖ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ  
لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلْ  
انْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ  
مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۖ

اب اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور اُن سے منہ موڑ لے؟ جو لوگ  
ہماری آیتوں سے منہ موڑ رہے ہیں، اُن کو ہم بہت بُرے عذاب دیں گے، کیونکہ وہ برابر منہ موڑے  
ہی رہے ﴿۱۵۷﴾

یہ (ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں،  
یا تمہارا پروردگار خود آئے، یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آجائیں؟ (حالانکہ) جس دن  
تمہارے پروردگار کی کوئی نشانی آگئی، اُس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا  
جو پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی نیک عمل کی کمائی نہ کی ہو۔ (۸۴) (لہذا ان  
لوگوں سے) کہہ دو کہ: ”اچھا، انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔“ ﴿۱۵۸﴾ (اے پیغمبر!)  
یقین جانو کہ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا ہے، اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، اُن  
سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۸۴) اس سے مراد قیامت کی آخری نشانی ہے، جس کے بعد ایمان قبول نہیں ہوگا، کیونکہ معتبر ایمان وہی ہے  
جو دلائل کی بنیاد پر ایمان بالغیب ہو، کسی چیز کو آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ایمان لانے سے امتحان کا وہ مقصد پورا  
نہیں ہوتا جس کے لئے یہ دنیا پیدا کی گئی ہے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ إِنِّي هَدَىٰ رَبِّيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ دِينًا قَبِيلاً مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ إِن صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ

اُن کا معاملہ تو اللہ کے حوالے ہے۔ پھر وہ انہیں جتلائے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں ﴿۱۵۹﴾ جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا، اُس کے لئے اُس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے، اور جو شخص کوئی بدی لے کر آئے گا، تو اُس کو صرف اُسی ایک بدی کی سزا دی جائے گی، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۶۰﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے مجھے ایک سیدھے راستے پر لگا دیا ہے جو کبھی سے پاک دین ہے، ابراہیم کا دین! جنہوں نے پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رخ صرف اللہ کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے ﴿۱۶۱﴾ کہہ دو کہ: ”بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۱۶۲﴾ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں اُس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں۔“ ﴿۱۶۳﴾ کہہ دو کہ ”کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے؟ اور جو کوئی شخص کوئی کمائی کرتا ہے، اُس کا نفع نقصان کسی اور پر نہیں، خود اُسی پر پڑتا ہے،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ  
تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ  
فِي دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۚ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تمہارے پروردگار ہی کی طرف تم سب کو  
لوٹنا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں وہ ساری باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے ﴿۱۶۴﴾  
اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو  
دوسروں سے درجات میں بلندی عطا کی، تاکہ اُس نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں، اُن میں تمہیں  
آزمائے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہارا رب جلد سزا دینے والا ہے، اور یہ (بھی) حقیقت ہے کہ وہ بہت  
بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۶۵﴾

(۸۵) کفار کبھی کبھی مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب کو اپنالو، اگر کوئی عذاب ہو تو تمہارے حصے کا  
عذاب بھی ہم اپنے سر لے لیں گے، جیسا کہ سورہ عنکبوت (۱۲:۲۹) میں قرآن کریم نے اُن کی یہ بات نقل فرمائی  
ہے۔ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی۔ اور اس میں یہ عظیم سبق ہے کہ ہر شخص کو اپنے انجام کی خود فکر کرنی  
چاہئے، کوئی دوسرا شخص اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہی مضمون سورہ بنی اسرائیل (۱۵:۱۷) سورہ فاطر  
(۱۸:۳۵) سورہ زمر (۷:۳۹) اور سورہ نجم (۳۸:۵۳) میں بھی آیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ سورہ  
نجم میں آئے گی۔

الحمد للہ تعالیٰ، سورہ انعام کا ترجمہ اور حواشی آج مؤرخہ ۲۶ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۷ مارچ  
۲۰۰۶ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول  
فرمائیں، اسے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا  
فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الْأَعْرَافِ

## تعارف

یہ سورت بھی مکی ہے۔ اس کا بنیادی موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔ اس کے ساتھ توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں۔ اور متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر تشریف لے جانے کا واقعہ سب سے زیادہ مفصل طریقے پر اسی سورت میں آیا ہے۔ ”اعراف“ کے لفظی معنی بلندیوں کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ اُس جگہ کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے، اور جن لوگوں کے اچھے اور بُرے اعمال برابر ہوں گے، اُن کو کچھ عرصے کے لئے یہاں رکھا جائے گا، پھر اُن کے ایمان کی وجہ سے آخر کار وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ چونکہ اسی سورت میں اعراف اور اس میں رکھے جانے والوں کا بیان تفصیل سے آیا ہے، اس لئے اس کا نام سورۃ اعراف رکھا گیا ہے۔



﴿ آیاتھا ۲۰۶ ﴾ ﴿ سُورَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲۲ ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

التَّصَّ ① كُتِبَ أَنْزَلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صُدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لَتُنذِرَ بِهِ وَ  
ذِكْرًا لِلْمُؤْمِنِينَ ② اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ  
أُولِيَاءَ ③ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ④ وَكُم مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَ هَابًا مُّسَابِقًا  
أَوْهُمْ قَائِلُونَ ⑤

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں دو سو چھ آیات اور چوبیس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

التَّصَّ ① ﴿۱﴾ (اے پیغمبر!) یہ کتاب ہے جو تم پر اس لئے اُتاری گئی ہے کہ تم اُس کے ذریعے لوگوں کو  
ہوشیار کرو، لہذا اس کی وجہ سے تمہارے دل میں کوئی پریشانی نہ ہونی چاہئے، اور مومنوں کے لئے  
یہ ایک نصیحت کا پیغام ہے ﴿۲﴾ (لوگو!) جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی  
ہے، اس کے پیچھے چلو، اور اپنے پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے (من گھڑت) سرپرستوں کے پیچھے نہ  
چلو۔ (مگر) تم لوگ نصیحت کم ہی مانتے ہو ﴿۳﴾ کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک  
کیا۔ چنانچہ اُن کے پاس ہمارا عذاب راتوں رات آگیا، یا ایسے وقت آیا جب وہ دوپہر کو آرام  
کر رہے تھے ﴿۴﴾

(۱) سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے کہ یہ علیحدہ علیحدہ حروف جو بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں،  
ان کو ”حروف مقطعات“ کہتے ہیں، اور ان کے ٹھیک ٹھیک معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ اور ان  
کے معنی سمجھنے پر دین کی کوئی بات موقوف بھی نہیں ہے۔

(۲) یعنی آپ کو یہ پریشانی نہیں ہونی چاہئے کہ اس کے مضامین کو آپ لوگوں سے کیسے منوائیں گے، اور اگر لوگ

فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بِأُسْنَاهُ إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ⑤  
 فَلَنَسْتَكِنَّ الَّذِينَ أُورْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْتَكِنَّ الْمُرْسَلِينَ ⑥ فَلَنَقْصُصَ عَلَيْهِمْ عِلْمَهُمْ  
 وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ⑦ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ⑧ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ  
 الْمُفْلِحُونَ ⑨ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا  
 بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ⑩ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ⑪  
 ⑫ قَلِيلًا مِمَّا تَشْكُرُونَ ⑬

پھر جب اُن پر ہمارا عذاب آپہنچا تو اُن کے پاس کہنے کو اور تو کچھ تھا نہیں، بس بول اُٹھے کہ واقعی ہم ہی ظالم تھے ﴿۵﴾ اب ہم اُن لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے، اور ہم خود پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے (کہ انہوں نے کیا پیغام پہنچایا، اور انہیں کیا جواب ملا؟) ﴿۶﴾ پھر ہم اُن کے سامنے سارے واقعات خود اپنے علم کی بنیاد پر بیان کر دیں گے، (کیونکہ) ہم (ان واقعات کے وقت) کہیں غائب تو نہیں تھے ﴿۷﴾ اور اُس دن (اعمال کا) وزن ہونا اٹل حقیقت ہے۔ چنانچہ جن کی ترازو کے پلے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پانے والے ہوں گے ﴿۸﴾ اور جن کی ترازو کے پلے ہلکے ہوں گے، وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ زیادتیاں کر کر کے خود اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا ہے ﴿۹﴾ اور کھلی بات ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور اُس میں تمہارے لئے روزی کے اسباب پیدا کئے۔ (پھر بھی) تم لوگ شکر کم ہی ادا کرتے ہو ﴿۱۰﴾

نہ مانے تو کیا ہوگا؟ کیونکہ آپ کا فریضہ لوگوں کو ہوشیار اور خبردار کرنا ہے، اُن کے ماننے نہ ماننے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلٰۤیْسَ ۚ لَمْ یَّكُنْ مِنَ السَّٰجِدِیْنَ ۝۱۱ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۚ  
 قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ۝۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا  
 فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَّكِبَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصَّٰغِرِیْنَ ۝۱۳ قَالَ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی  
 یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝۱۴ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۱۵

اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ: ”آدم کو سجدہ کرو۔“ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ ﴿۱۱﴾ اللہ نے کہا: ”جب میں نے تجھے حکم دے دیا تھا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟“ وہ بولا: ”میں اُس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اُس کو مٹی سے پیدا کیا“ ﴿۱۲﴾ اللہ نے کہا: ”اچھا تو یہاں سے نیچے اتر، کیونکہ تجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے۔ اب نکل جا، یقیناً تو ذیلیوں میں سے ہے“ ﴿۱۳﴾ اُس نے کہا: ”مجھے اُس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے جس دن لوگوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا“ ﴿۱۴﴾ اللہ نے فرمایا: ”تجھے مہلت دے دی گئی“ ﴿۱۵﴾

(۳) اس واقعے کی کچھ تفصیلات سورہ بقرہ (۲: ۳۴ تا ۳۹) میں گزری ہیں۔ ان آیتوں پر جو حواشی ہم نے لکھے ہیں، اُن میں واقعے سے متعلق کئی سوالات کا جواب آگیا ہے۔ انہیں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

(۴) شیطان نے درخواست تو یہ کی تھی کہ اُس وقت تک اُسے زندگی دی جائے جس دن حشر ہوگا، اور دوسرے مردے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ یہاں اس درخواست کے جواب میں مہلت دینے کا تو ذکر ہے، لیکن یہ مہلت کب تک دی گئی ہے، اس آیت میں یہ بات واضح طور پر بیان نہیں فرمائی گئی۔ سورہ حجر (۱۵: ۳۸) اور سورہ ص (۳۸: ۸۱) میں بھی یہ واقعہ آیا ہے، وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ”ایک معین وقت“ تک مہلت دی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اُس کی درخواست کے مطابق روز حشر تک مہلت دینے کا وعدہ نہیں کیا گیا، بلکہ یہ فرمایا گیا

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝۱۱ ثُمَّ لَا تَجِدُ فِيهِمْ أُيُودِيَهُمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۝ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝۱۲ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْذُورًا ۝ وَمَا مَذْذُورًا ۝ لَنْ تَبْعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ۝۱۳ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝۱۴

کہنے لگا: ”اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لئے میں (بھی) قسم کھاتا ہوں کہ ان (انسانوں) کی گھات لگا کر تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ رہوں گا ﴿۱۶﴾ پھر میں ان پر (چاروں طرف سے) حملہ کروں گا، ان کے سامنے سے بھی، اور ان کے پیچھے سے بھی، اور ان کی دائیں طرف سے بھی، اور ان کی بائیں طرف سے بھی۔ اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا“ ﴿۱۷﴾ اللہ نے کہا: ”نکل جا یہاں سے، ذلیل اور مردود ہو کر۔ اُن میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا، (وہ بھی تیرا ساتھی ہوگا) اور میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا ﴿۱۸﴾ اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، اور جہاں سے جو چیز چاہو، کھاؤ۔ البتہ اس (خاص) درخت کے قریب بھی مت پھٹکنا، ورنہ تم زیادتی کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے“ ﴿۱۹﴾

ہے کہ ایک معین وقت ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اُس وقت تک مہلت دی گئی ہے۔ دوسرے دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان قیامت کا پہلا صورت پھونکنے جانے تک زندہ رہے گا، اور اُس کے بعد جس طرح دوسری مخلوقات کو موت آئے گی، اُسے بھی موت آئے گی۔ پھر جب سب کو زندہ کیا جائے گا تو اُسے بھی زندہ کیا جائے گا۔ (۵) شیطان نے اپنی بد عملی کی ذمہ داری خود قبول کرنے کے بجائے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ڈالنے کی کوشش کی، حالانکہ تقدیر کی وجہ سے کسی کا اختیار سلب نہیں ہوتا، تقدیر کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے اختیار سے فلاں کام کرے گا۔ نیز اُس کے کہنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایک ایسا حکم ہی کیوں دیا جو اُس کے لئے قابل قبول نہیں تھا، اس لئے بالواسطہ اُس کی گمراہی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وجہ سے ہوئی۔

فَوَسَّسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِهِمَا وَقَالَ  
مَا نَهَيْكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا  
مِنَ الْخَالِدِينَ ۝ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ۝ فَدَلَّهُمَا بِعُرْوَةٍ  
فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَاوَاتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفُ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَاقِ الْجَنَّةِ

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اُن دونوں کے دل میں دوسوہ ڈالا، تاکہ اُن کی شرم کی جگہیں جو اُن سے  
چھپائی گئی تھیں، ایک دوسرے کے سامنے کھول دے۔ کہنے لگا کہ: ”تمہارے پروردگار نے تمہیں  
اس درخت سے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس وجہ سے روکا تھا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا  
تمہیں ہمیشہ کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔“ ﴿۲۰﴾ اور اُن کے سامنے وہ قسمیں کھا گیا کہ یقین جانو  
میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں ﴿۲۱﴾ اس طرح اُس نے دونوں کو دھوکا دے کر نیچے اتار ہی  
لیا۔ چنانچہ جب دونوں نے اُس درخت کا مزہ چکھا تو اُن دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے پر  
کھل گئیں، اور وہ جنت کے کچھ پتے جوڑ جوڑ کر اپنے بدن پر چپکانے لگے۔ ﴿۲۲﴾

(۲) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس درخت کی خاصیت یہ تھی کہ اُس کا پھل کھانے سے جنت کا لباس اُتر جاتا تھا،  
اور یہ بات ابلیس کو معلوم تھی۔ چنانچہ جب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے اُسے کھایا تو جنت کا جو لباس انہیں  
عطا ہوا تھا، وہ اُن کے جسم سے اُتر گیا۔

(۷) مطلب یہ تھا کہ چونکہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس میں سے کھا لیتا ہے، وہ یا تو فرشتہ بن جاتا  
ہے، یا اُسے ہمیشہ کی زندگی عطا ہو جاتی ہے، اس لئے اسے کھانے کے لئے مخصوص قوت کی ضرورت ہے۔ شروع  
میں آپ دونوں کو یہ قوت حاصل نہیں تھی، اس لئے منع کیا گیا تھا۔ اب آپ کو جنت میں رہتے ہوئے ایک زمانہ  
گزر گیا ہے، اور آپ میں وہ قوت پیدا ہو گئی ہے، اس لئے اب کھا لینے میں کچھ حرج نہیں۔

(۸) نیچے اتارنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اطاعت کے جس بلند مقام پر تھے، اُس سے نیچے اتار لیا، اور یہ  
مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنت سے دُنیا میں اتار لیا۔

(۹) اس سے معلوم ہوا کہ عریانی سے حفاظت انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی لئے جو نبی دونوں کا لباس اُترا  
انہوں نے ہر ممکن طریقے سے اپنا ستر چھپانے کی کوشش کی۔

وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا  
 عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٧﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ  
 مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٨﴾ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَ  
 ۞ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٩﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۞ ﴿٣٠﴾

اور اُن کے پروردگار نے انہیں آواز دی کہ: ”کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا، اور تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟“ ﴿۲۷﴾ دونوں بول اٹھے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔“ ﴿۲۸﴾ اللہ نے (آدم، ان کی بیوی اور ابلیس سے) فرمایا: ”اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، اور تمہارے لئے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے“ ﴿۲۹﴾ فرمایا کہ: ”اسی (زمین) میں تم جیو گے، اور اسی میں تمہیں موت آئے گی، اور اُسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالا جائے گا۔“ ﴿۳۰﴾

(۱۰) یہ استغفار کے وہی الفاظ ہیں جن کے بارے میں سورہ بقرہ (۲: ۳۷) میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی یہ الفاظ سکھائے تھے، کیونکہ اُس وقت تک انہیں توبہ کا طریقہ بھی معلوم نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کرنے کے لئے یہ الفاظ نہایت مناسب ہیں، اور ان کے ذریعے توبہ قبول ہونے کی زیادہ امید ہے، کیونکہ یہ خود اللہ تعالیٰ ہی کے سکھائے ہوئے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اگر ایک طرف شیطان کو مہلت دے کر اُسے انسان کو بہکانے کی صلاحیت دی جو انسان کے لئے زہر جیسی تھی، تو دوسری طرف انسان کو توبہ اور استغفار کا تریاق بھی عطا فرمادیا کہ اگر شیطان کے بہکائے میں آکر وہ کبھی کوئی گناہ کر گزرے تو اُسے فوراً توبہ کرنی چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہو، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ اس طرح شیطان کا چڑھایا ہوا زہر اتر جائے گا۔

يٰۤاِبْنِ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنٰ عَلٰيْكَمۡ لِبَاسًا يُّرِىۡ سَوَاتِكُمۡ وِرَیْشًا ۚ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی  
ذٰلِكَ خَیْرٌ ۚ ذٰلِكَ مِّنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّہُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے جسم کے اُن حصوں کو چھپا سکے جن کا کھولنا بُرا ہے، اور جو خوشنمائی کا ذریعہ بھی ہے۔<sup>(۱۱)</sup> اور تقویٰ کا جو لباس ہے، وہ سب سے بہتر ہے۔<sup>(۱۲)</sup> یہ سب اللہ کی نشانیوں کا حصہ ہے، جن کا مقصد یہ ہے کہ لوگ سبق حاصل کریں۔<sup>(۱۳)</sup> ﴿۲۶﴾

(۱۱) آیات ۲۶ تا ۳۲ اہل عرب کی ایک عجیب و غریب رسم کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے قریب رہنے والے کچھ قبیلے مثلاً قریش، ”حمس“ کہلاتے تھے۔ عرب کے دوسرے تمام قبیلے حرم کی پاسبانی کی وجہ سے ان لوگوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ عربوں کے عقیدے کے مطابق کپڑے پہن کر طواف کرنا صرف انہی کا حق تھا۔ دوسرے لوگ کہتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں، اُن کے ساتھ ہم بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہ لوگ جب طواف کے لئے آتے تو ”حمس“ کے کسی آدمی سے کپڑے مانگتے، اگر اس کے کپڑے مل جاتے تو انہیں پہن کر طواف کر لیتے، لیکن اگر کسی کو ”حمس“ میں سے کسی کے کپڑے نہ ملتے تو وہ بالکل عریاں ہو کر طواف کرتے تھے۔ یہ آیتیں اس بے ہودہ رسم کی تردید کے لئے نازل ہوئی ہیں، اور ان میں انسان کے لئے لباس کی اہمیت بھی بیان فرمائی گئی ہے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ لباس کا اصل مقصد جسم کا پردہ ہے، اور ساتھ ہی لباس انسان کے لئے زینت اور خوشنمائی کا بھی ذریعہ ہے۔ ایک اچھے لباس کی صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ یہ دونوں مقصد پورے کرے۔ اور جس لباس سے پردے کا مقصد حاصل نہ ہو وہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

(۱۲) لباس کا ذکر آیا تو یہ حقیقت بھی واضح فرمادی گئی کہ جس طرح لباس انسان کے ظاہری جسم کی پردہ داری کرتا ہے، اسی طرح تقویٰ انسان کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے، اور اُس کے ظاہر اور باطن دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس لحاظ سے تقویٰ کا لباس بہترین لباس ہے۔ لہذا ظاہری لباس پہننے کے ساتھ ساتھ انسان کو یہ فکر بھی رکھنی چاہئے کہ وہ تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہو۔

(۱۳) یعنی لباس کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

يَبْنِيَّ آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوَاتِهِمَا ۖ إِنَّهُ يَرَكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مَن حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٧﴾ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۚ قُلْ إِنَّا لِلَّهِ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۚ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۚ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿٢٩﴾

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! شیطان کو ایسا موقع ہرگز ہرگز نہ دینا کہ وہ تمہیں اسی طرح فتنے میں ڈال دے جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، جبکہ اُن کا لباس اُن کے جسم سے اُتر والیا تھا، تاکہ اُن کو ایک دوسرے کی شرم کی جگہیں دکھا دے۔ وہ اور اُس کا جتھہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیطانوں کو ہم نے انہی کا دوست بنادیا ہے جو ایمان نہیں لاتے ﴿۲۷﴾ اور جب یہ (کافر) لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقے پر عمل کرتے پایا ہے، اور اللہ نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔ تم (ان سے) کہو کہ: ”اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا۔ کیا تم وہ باتیں اللہ کے نام لگاتے ہو جن کا تمہیں ذرا علم نہیں؟“ ﴿۲۸﴾ کہو کہ: ”میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور (یہ حکم دیا ہے کہ: ) ”جب کہیں سجدہ کرو، اپنا رخ ٹھیک ٹھیک رکھو، اور اس یقین کے ساتھ اُس کو پکارو کہ اطاعت خالص اُسی کا حق ہے۔ جس طرح اُس نے تمہیں ابتدا میں پیدا کیا تھا، اُسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔“ ﴿۲۹﴾

(۱۴) اس سے اسی رسم کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ عریاں ہو کر طواف کرتے ہیں۔ چونکہ یہ رسم برسوں سے چلی آتی تھی، اس لئے ان کی دلیل یہ تھی کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہوگا۔

(۱۵) شاید مذکورہ بالا سیاق و سباق میں انصاف کا ذکر اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ ”خمس“ کے لوگوں نے اپنی جو



فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۚ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنََّّهُمْ مُّهْتَدُونَ ۝ يٰبَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ

(تم میں سے) ایک گروہ کو تو اللہ نے ہدایت تک پہنچا دیا ہے، اور ایک گروہ وہ ہے جس پر گمراہی مسلط ہو گئی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے بجائے شیطانوں کو دوست بنالیا ہے، اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں ﴿۳۰﴾ اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ، اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۱﴾ کہو کہ: ”آخر کون ہے جس نے زینت کے اُس سامان کو حرام قرار دیا ہو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے، اور (اسی طرح) پاکیزہ رزق کی چیزوں کو؟“ کہو کہ: ”جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُن کو یہ نعمتیں جو دنیوی زندگی میں ملی ہوئی ہیں، قیامت کے دن خالص انہی کے لئے ہوں گی۔“ ﴿۳۲﴾

امتیازی خصوصیات طے کر رکھی تھیں، ان میں سے بعض انصاف کے تقاضوں کے بھی خلاف تھیں۔ مثلاً یہ بات کہ صرف وہی کپڑے پہن کر طواف کر سکتے ہیں، دوسرے لوگ نہیں، حالانکہ اگر دوسرے لوگ گناہ کر سکتے تھے تو یہ لوگ بھی گناہوں سے پاک تو نہیں تھے۔

(۱۶) جس طرح ان عرب قبائل نے طواف کے وقت کپڑے پہننے کو حرام سمجھا ہوا تھا، اسی طرح جاہلیت کے لوگوں نے بہت سی غذاؤں کو بلاوجہ حرام قرار دیا ہوا تھا جس کا مفصل تذکرہ سورہ انعام میں گزرا ہے۔ نیز ”حمس“ کے قبائل نے گوشت کی بعض قسموں کو اپنی امتیازی حیثیت ظاہر کرنے کے لئے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی حکم نہیں آیا تھا۔

(۱۷) یہ دراصل کفار مکہ کی ایک بات کا جواب ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا موجودہ طریقہ پسند

كَذَلِكَ نَقُصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَخْرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾

اسی طرح ہم تمام آیتیں اُن لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم سے کام لیں ﴿۳۲﴾ کہہ دو کہ: ”میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا چھپی ہوئی۔ نیز ہر قسم کے گناہ کو اور ناحق کسی سے زیادتی کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک مانو جس کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، نیز اس بات کو کہ تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جن کی حقیقت کا تمہیں ذرا بھی علم نہیں ہے۔ ﴿۳۳﴾ اور ہر قوم کے لئے ایک میعاد مقرر ہے۔ چنانچہ جب ان کی مقررہ میعاد آجاتی ہے تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے ﴿۳۴﴾

نہیں ہے تو وہ ہمیں رزق کیوں دے رہا ہے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس دُنیا میں تو اللہ تعالیٰ کے رزق کا دسترخوان ہر شخص کے لئے بچھا ہوا ہے، چاہے وہ مؤمن ہو یا کافر۔ لیکن آخرت میں یہ نعمتیں صرف مؤمنوں کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اگر دُنیا میں کسی کو خوشحالی میسر ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل ہے، اور اسے آخرت میں بھی خوشحالی ضرور میسر آئے گی۔

(۱۸) یوں تو کسی بھی شخص کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا ہر اعتبار سے ایک ناجائز اور غیر اخلاقی فعل ہے، لیکن اگر یہ جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جائے تو اس کی سنگینی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرتے وقت انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے، اور جب تک انسان کو یقینی علم حاصل نہ ہو، ایسی نسبت کا اقدام ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ عرب کے بت پرستوں نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھی تھیں جن کی بنیاد کسی علم پر نہیں تھی، بلکہ اپنے بے بنیاد اندازوں پر تھی، جن کی حقیقت کا خود انہیں بھی علم حاصل نہیں تھا۔

يَبْنِيْ اٰدَمَ اَمَّا يٰٓاَتِيْنٰكُمْ رُّسُلٌ مِّنْكُمْ يَاقُصُوْنَ عَلَيْكُمْ اِلٰتِيْ ۚ فَمِنْ اَتَقٰى وَ  
اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰتِنَا  
وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ  
اَفْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰتِيْهِ ۖ اُولٰٓئِكَ يَنْالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ  
حَتّٰى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُّسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۚ قَالُوْا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ  
اللّٰهِ ۖ قَالُوْا ضُلُوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا الْكَافِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

(اور اللہ نے انسان کو پیدا کرتے وقت ہی یہ تنبیہ کر دی تھی کہ: ”اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے کچھ پیغمبر آئیں جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے اور اپنی اصلاح کر لیں گے، اُن پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ﴿۳۵﴾ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور تکبر کے ساتھ اُن سے منہ موڑا ہے، وہ لوگ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ ﴿۳۶﴾ اب بتاؤ کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ ایسے لوگوں کے مقدر میں (رزق کا) جتنا حصہ لکھا ہوا ہے، وہ اُنہیں (دُنیا کی زندگی میں) پہنچتا رہے گا، یہاں تک کہ جب اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی روح قبض کرنے کے لئے آ پہنچیں گے تو وہ کہیں گے کہ: ”کہاں ہیں وہ (تمہارے معبود) جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے؟“ یہ جواب دیں گے کہ: ”وہ سب ہم سے گم ہو چکے ہیں۔“ اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ﴿۳۷﴾

(۱۹) یہاں یہ واضح کر دیا گیا کہ دُنیا میں رزق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر میں تفریق نہیں فرمائی ہے، بلکہ ہر ایک کے لئے رزق کا ایک حصہ مقرر فرما دیا ہے جو اسے ہر حال میں پہنچتا رہے گا، چاہے وہ کتنا بڑا کافر کیوں نہ ہو۔ لہذا اگر کسی کو دُنیا میں رزق کی فراوانی حاصل ہے، تو اُسے یہ نہ سمجھ بیٹھنا چاہئے کہ اُس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، جیسا کہ یہ کفار مکہ سمجھ رہے ہیں۔ ان کو اصل حقیقت کا پتہ اُس وقت چلے گا جب موت کا منظر ان کے سامنے آجائے گا۔

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا دَارَ كُوفُ فِيهَا جَمِيعًا ۖ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولِهِمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَصْلُ نُوْنَانَا فَنَادَاهُمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٌ وَلَكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ أُولَهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ يَّعْزُذُ وَقُوَّةً الْعَذَابِ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾

اللہ فرمائے گا کہ: ”جاؤ، جنات اور انسانوں کے اُن گروہوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔“ (اس طرح) جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہوگا، وہ اپنے جیسوں پر لعنت بھیجے گا، یہاں تک کہ جب ایک کے بعد ایک، سب اُس میں اکٹھے ہو جائیں گے تو اُن میں سے جو لوگ بعد میں آئے تھے، وہ اپنے سے پہلے آنے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! انہوں نے ہمیں غلط راستے پر ڈالا تھا، اس لئے ان کو آگ کا دُگنا عذاب دینا۔“ اللہ فرمائے گا کہ: ”سبھی کا عذاب دُگنا ہے، لیکن تمہیں (ابھی) پتہ نہیں ہے۔“ ﴿۳۸﴾ اور پہلے آنے والے بعد میں آنے والوں سے کہیں گے: ”تو پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت تو حاصل نہ ہوئی۔ لہذا جو کمائی تم خود کرتے رہے ہو اُس کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔“ ﴿۳۹﴾

(۲۰) یعنی جو لوگ سرداروں کے ماتحت تھے، وہ اپنے اُن سرداروں پر لعنت بھیجیں گے جنہوں نے انہیں گمراہ کیا تھا، اور سردار اپنے ماتحتوں پر لعنت بھیجیں گے کہ انہوں نے اُن کی حد سے زیادہ تعظیم کر کے انہیں گمراہی میں اور پختہ کر دیا۔

(۲۱) مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا عذاب پہلے سے زیادہ ہوتا جائے گا۔ لہذا اگر سرداروں کو اس وقت دُگنا عذاب دے دیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود تم اتنے شدید عذاب سے محفوظ رہو گے، بلکہ ایک وقت آئے گا کہ خود تمہارا عذاب بھی بڑھ کر ان کے موجودہ عذاب کے برابر ہو جائے گا، چاہے اُن کا عذاب اُس وقت اور بڑھ جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَبَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝<sup>(۲۰)</sup> لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝<sup>(۲۱)</sup> وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝<sup>(۲۲)</sup>

(لوگو!) یقین رکھو کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور تکبر کے ساتھ اُن سے منہ موڑا ہے، اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اُونٹ ایک سوئی کے نا کے میں داخل نہیں ہو جاتا، اور اسی طرح ہم مجرموں کو اُن کے کئے کا بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۲۰﴾ اُن کے لئے تو دوزخ ہی کا بچھونا ہے، اور اوپر سے اُسی کا اوڑھنا۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے کئے کا بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں — (یاد رہے کہ) ہم کسی بھی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتے <sup>(۲۲)</sup> — تو ایسے لوگ جنت کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے ﴿۲۲﴾

(۲۲) یہ ایک عربی زبان کا محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک اُونٹ سوئی کے نا کے میں کبھی داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح یہ لوگ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔

(۲۳) نیک عمل کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر یہ وضاحت فرمادی کہ نیک عمل کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہو، کیونکہ ہم نے کوئی حکم انسانوں کو ایسا نہیں دیا جو ان کی استطاعت میں نہ ہو۔ نیز شاید اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی طاقت کی حد تک نیک عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہو، اور پھر بھی اس سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُس پر گرفت نہیں فرماتے۔



الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَفِرُونَ ﴿٢٥﴾  
وَبَيْنَهُمَا حَبَابٌ ۖ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسَيِّئِهِمْ ۖ وَنَادَوْا  
أَصْحَبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلِّمُوا عَلَيْهِمْ ۖ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٢٦﴾ وَإِذَا  
صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ ۖ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ  
الظَّالِمِينَ ﴿٢٧﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسَيِّئِهِمْ ۖ

جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے، اور اُس میں ٹیڑھ نکالنا چاہتے تھے، اور جو آخرت کا بالکل انکار کیا کرتے تھے۔“ ﴿۲۵﴾ اور ان دونوں گروہوں (یعنی جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک آڑ ہوگی، اور اعراف پر (یعنی اُس آڑ کی بلندیوں پر) کچھ لوگ ہوں گے جو ہر گروہ کے لوگوں کو اُن کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔ اور وہ جنت والوں کو آواز دے کر کہیں گے: ”سلام ہو تم پر!“ وہ (اعراف والے) خود تو اُس میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، البتہ اشتیاق کے ساتھ اُمید لگائے ہوئے ہوں گے ﴿۲۶﴾ اور جب اُن کی نگاہوں کو دوزخ والوں کی سمت موڑا جائے گا تو وہ کہیں گے: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ساتھ نہ رکھنا۔“ ﴿۲۷﴾ اور اعراف والے اُن لوگوں کو آواز دیں گے جن کو وہ اُن کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔

(۲۵) یوں تو اعراف والے جنت اور جہنم دونوں کا خود نظارہ کر رہے ہوں گے، اس لئے انہیں جنتیوں اور دوزخیوں کو پہچاننے کے لئے کسی علامت کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن یہاں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ لوگ جنت اور دوزخ والوں کو دنیا میں بھی ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے، اور چونکہ یہ لوگ صاحب ایمان تھے، اس لئے انہیں دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے اتنی حس عطا فرمادی تھی کہ یہ متقی پرہیزگار لوگوں کے چہروں سے پہچان لیتے تھے کہ یہ نیک لوگ ہیں، اور کافروں کے چہروں سے پہچان لیتے تھے کہ یہ کافر ہیں (تفسیر کبیر امام رازی)۔

قَالُوا مَا آغَىٰ عَنْكُمُ جَعْلُهُ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۸﴾ أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۖ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۳۹﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۖ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مَهْمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۴۰﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِيَّيَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ فَالْيَوْمَ نَنسُو الْفَوَاقِئَ يَوْمَهُمْ هَٰذَا ۖ وَ مَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۴۱﴾

کہیں گے کہ: ”نہ تمہاری جمع پونجی تمہارے کچھ کام آئی، اور نہ وہ جنہیں تم بڑا سمجھے بیٹھے تھے۔“ ﴿۳۸﴾ (پھر جنتیوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے کہ: ) ”کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسمیں کھائی تھیں کہ اللہ ان کو اپنی رحمت کا کوئی حصہ نہیں دے گا؟ (اُن سے تو کہہ دیا گیا ہے کہ: ) جنت میں داخل ہو جاؤ، نہ تم کو کسی چیز کا ڈر ہوگا، اور نہ تمہیں کبھی کوئی غم پیش آئے گا۔“ ﴿۳۹﴾ اور دوزخ والے جنت والوں سے کہیں گے کہ: ”ہم پر تھوڑا سا پانی ہی ڈال دو، یا اللہ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں، ان کا کوئی حصہ (ہم تک بھی پہنچا دو)“ وہ جواب دیں گے کہ: ”اللہ نے یہ دونوں چیزیں اُن کافروں پر حرام کر دی ہیں ﴿۴۰﴾ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا، اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔“ چنانچہ آج ہم بھی اُن کو اسی طرح بھلا دیں گے جیسے وہ اس بات کو بھلائے بیٹھے تھے کہ انہیں اس دن کا سامنا کرنا ہے، اور جیسے وہ ہماری آیتوں کا کھلم کھلا انکار کیا کرتے تھے ﴿۴۱﴾

(۲۶) اس سے اشارہ ان دیوتاؤں کی طرف ہے جن کو انہوں نے خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک مانا ہوا تھا، نیز اُن سرداروں اور پیشواؤں کی طرف جنہیں بڑا مان کر انہوں نے بے سوچے سمجھے ان کی پیروی کی، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے۔



وَلَقَدْ جِئْنَهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۚ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفْعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٥٢﴾ إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۚ

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس میں ہم نے اپنے علم کی بنیاد پر ہر چیز کی تفصیل بتادی ہے، اور جو لوگ ایمان لائیں اُن کے لئے وہ ہدایت اور رحمت ہے ﴿۵۲﴾ (اب) یہ (کافر) اُس آخری انجام کے سوا کس بات کے منتظر ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہے؟ (حالانکہ) جس دن وہ آخری انجام آگیا جو اس کتاب نے بتایا ہے، اُس دن یہ لوگ جو اُس انجام کو پہلے بھلا چکے تھے، یہ کہیں گے کہ: ”ہمارے پروردگار کے پیغمبر واقعی سچی خبر لائے تھے۔ اب کیا ہمیں کچھ سفارشی میسر آسکتے ہیں جو ہماری سفارش کریں، یا کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمیں دوبارہ وہیں (دُنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ ہم جو (برے) کام پہلے کرتے رہے ہیں، اُن کے برخلاف دوسرے (نیک) عمل کریں؟“ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جانوں کے لئے سخت گھائے کا سودا کر چکے ہیں، اور جو (دیوتا) انہوں نے گھر رکھے ہیں، انہیں (اُس دن) اُن کا کہیں سراغ نہیں ملے گا ﴿۵۳﴾ یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے،

(۲۷) اس آخری انجام سے مراد قیامت ہے۔ یعنی کیا یہ لوگ ایمان لانے کے لئے قیامت کا انتظار کر رہے ہیں، حالانکہ اُس وقت ایمان قبول ہی نہیں ہوگا، اور جب وہ آجائے گی تو ان کو حسرت کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

(۲۸) یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب دنوں کا حساب موجودہ سورج کے طلوع و غروب سے نہیں ہوتا تھا۔ اُس وقت کے دن کا شمار بظاہر کسی اور معیار پر کیا گیا ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور یوں تو اللہ تعالیٰ

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ يُعْشَىٰ اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ  
وَالْجُومُ مَسْجَرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۚ إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۚ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ  
الْعَالَمِينَ ﴿٥٣﴾ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٤﴾

پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا۔ (۲۹) وہ دن کورات کی چادر اڑھا دیتا ہے، جو تیز رفتاری سے چلتی ہوئی  
اُس کو آدبو جتی ہے۔ اور اُس نے سورج اور چاند تارے پیدا کئے ہیں جو سب اُس کے حکم کے آگے  
رام ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اُسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام  
جہانوں کا پروردگار ہے! ﴿۵۴﴾ تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو۔ یقیناً وہ  
حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۵۵﴾ (۳۰)

کو یہ بھی قدرت تھی کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے پوری کائنات وجود میں لے آتا، لیکن اس عمل کے ذریعے انسان  
کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔  
(۲۹) ”استواء“ عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں: ”سیدھا ہونا“، ”قائم ہونا“، ”قابو پانا“ اور بعض اوقات اس  
کے معنی بیٹھنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور مکان سے پاک ہے، اس لئے اس کے یہ معنی سمجھنا صحیح  
نہیں ہے کہ جس طرح کوئی انسان تخت پر بیٹھتا ہے، اس طرح (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی عرش پر بیٹھے ہیں۔  
”استواء“ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور جمہور اہل سنت کے نزدیک اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا  
کوئی نہیں جانتا۔ اور اسے مشابہات میں شمار کیا گیا ہے جن کی کھود کرید میں پڑنے کو سورہ آل عمران کے شروع  
میں خود قرآن کریم نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کا کوئی بھی ترجمہ کرنا مغالطہ پیدا کر سکتا ہے۔ اسی بنا پر ہم نے  
یہاں اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ نہ اس پر کوئی عملی مسئلہ موقوف ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان  
کے مطابق استواء فرمایا جس کی حقیقت ہماری محدود عقل کے ادراک سے باہر ہے۔

(۳۰) اس حد سے گزرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بہت اونچی آواز سے دُعا مانگی جائے، اور یہ بھی کہ کوئی  
نا جائز یا ناممکن چیز طلب کی جائے، جو دُعا کے بجائے (معاذ اللہ) مذاق بن جائے، مثلاً یہ دُعا کہ میں ابھی آسمان  
پر چڑھ جاؤں۔ کفار بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی دُعا میں مانگنے کا مطالبہ کرتے تھے۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا لِّبَشَرٍ ابْلِغِ يَدَيَّ بَاحِثَةٍ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۖ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

اور زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو، اور اُس کی عبادت اس طرح کرو کہ دل میں خوف بھی ہو اور اُمید بھی۔<sup>(۳۲)</sup> یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں سے قریب ہے ﴿۵۶﴾ اور وہی (اللہ) ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) کے آگے آگے ہوائیں بھیجتا ہے جو (بارش کی) خوشخبری دیتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ بوجھل بادلوں کو اٹھالیتی ہیں، تو ہم انہیں کسی مردہ زمین کی طرف ہنکالے جاتے ہیں، پھر وہاں پانی برساتے ہیں، اور اُس کے ذریعے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو بھی زندہ کر کے نکالیں گے۔ شاید (ان باتوں پر غور کر کے) تم سبق حاصل کر لو۔ ﴿۵۷﴾<sup>(۳۳)</sup>

(۳۱) زمین پر اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو بھیجا تو شروع میں نافرمانی کا کوئی تصور نہیں تھا، اور اس طرح زمین کی اصلاح ہو چکی تھی۔ جن جن لوگوں نے بعد میں نافرمانی کے بیج بوئے انہوں نے زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد مچایا۔

(۳۲) یہاں دعاء کا صیغہ اکثر مفسرین کے نزدیک عبادت کے لئے آیا ہے، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ عبادت سے کیا ہے۔ اور سچی عبادت کی شان اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ عبادت کرنے والے کے دل میں اپنی عبادت پر ناز ہونے کے بجائے یہ خوف ہونا چاہئے کہ نہ جانے میں عبادت کا حق ادا کر سکا یا نہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی مستحق ہے یا نہیں۔ دوسری طرف اسے اپنی عبادت کی کوتاہیوں سے مایوسی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید بھی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اسے قبول فرما ہی لے گا۔ یعنی اپنی کوتاہی کا خوف اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بنیاد پر اُمید، دونوں چیزوں کا امتزاج ہے جو کسی عبادت میں سچائی پیدا کرتا ہے۔

(۳۳) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ایک مردہ زمین میں جان ڈال دیتا ہے، اسی طرح وہ مردہ انسانوں میں بھی جان

وَالْبُكَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبِثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۖ  
 ۱۳ كَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ  
 فَقَالَ يَتَّقُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ عِندُهُ ۚ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ  
 يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۵۹﴾

اور جوزمین اچھی ہوتی ہے اُس کی پیداوار تو اپنے رب کے حکم سے نکل آتی ہے، اور جوزمین خراب  
 ہوگئی ہو، اُس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ہم اپنی نشانیوں کے مختلف رخ  
 دکھاتے رہتے ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو قدر دانی کریں ﴿۵۸﴾  
 ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی  
 عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ یقین جانو مجھے سخت اندیشہ ہے کہ تم پر ایک  
 زبردست دن کا عذاب نہ آکھڑا ہو۔“ ﴿۵۹﴾

ڈالنے پر قادر ہے۔ مردہ زمین کے زندہ ہونے کے واقعات تم روزمرہ دیکھتے ہو، اور یہ بھی مانتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ  
 کی قدرت سے ہوتا ہے۔ اس سے تمہیں سبق لینا چاہئے کہ انسانوں کو دوبارہ زندگی دینے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت  
 سے باہر سمجھنا کتنی بڑی بے وقوفی ہے۔

(۳۴) اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح اچھی زمین کی پیداوار بھی خوب ہوتی ہے، اسی طرح  
 جن لوگوں کے دل میں طلب کی پاکیزگی ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں، اور جس  
 طرح ایک خراب زمین پر بارش پڑنے کے باوجود اُس سے کوئی فائدہ مند پیداوار حاصل نہیں ہوتی، اسی طرح  
 جن لوگوں کے دل ضد اور عناد سے خراب ہو چکے ہیں، اُن کو اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

(۳۵) اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے  
 درمیان ایک ہزار سال سے کچھ زیادہ کا فاصلہ ہے، لیکن محقق علماء نے ان روایات کو مستند نہیں سمجھا۔ حقیقی فاصلے کا

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُكَ فِي صَلٍّ مُبِينٍ ⑩ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ  
وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ⑪ أَبْلَغُكُمْ رَسُولًا مِّن رَّبِّ وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ  
مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ⑫ أَوْ عَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَى رَأْسِ  
مِّنْكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑬

اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا: ”ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو“ ﴿۶۰﴾  
نوح نے جواب دیا: ”اے میری قوم! مجھے کوئی گمراہی نہیں لگی، مگر میں رب العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر  
ہوں“ ﴿۶۱﴾ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف  
سے ایسی باتوں کا علم ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں ہے ﴿۶۲﴾ بھلا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ  
تمہارے رب کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعے تم تک پہنچی ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تاکہ وہ  
تمہیں خبردار کرے، اور تم بد عملی سے بچ کر رہو، اور تاکہ تم پر (اللہ کی) رحمت ہو؟“ ﴿۶۳﴾

یقینی علم حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات قرآن کریم سے واضح ہوتی ہے کہ اس طویل عرصے  
کے دوران بت پرستی کا رواج بہت بڑھ گیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی بہت سے بت بنا رکھے  
تھے، جن کے نام سورۃ نوح میں مذکور ہیں۔ سورۃ عنکبوت (۱۳: ۲۹) میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے  
ساڑھے نو سو سال تک اس قوم کو حق کی تبلیغ فرمائی، اور سمجھانے کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا۔ کچھ نیک بخت ساتھی جو  
زیادہ تر غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے، اُن پر ایمان لائے، لیکن قوم کی اکثریت نے کفر ہی کا راستہ اختیار کئے  
رکھا۔ حضرت نوح علیہ السلام اُن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے، لیکن جب وہ نہ مانے، تو انہوں نے  
بد عادی، اور پھر انہیں ایک شدید طوفان میں غرق کر دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے اور ان کی قوم پر  
آنے والے طوفان کی سب سے زیادہ تفصیل سورۃ ہود (۱۱: ۴۵ تا ۴۹) اور سورۃ نوح (سورت نمبر ۷) میں  
آئے گی۔ اس کے علاوہ سورۃ مؤمنون (۲۳: ۲۳)، سورۃ شعراء (۲۶: ۱۰۵) اور سورۃ قمر (۹۵: ۴) میں بھی ان  
کا واقعہ اختصار سے بیان ہوا ہے۔ دوسرے مقامات پر ان کا صرف حوالہ دیا گیا ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلِّ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عِيبِينَ ﴿١٣﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۖ قَالَ يَبْنَؤُمْ وَأَعْبُدُوا لِلَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُكَ فِي سَفَاهَةٍ ۖ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٥﴾ قَالَ يَبْنَؤُمْ لَيْسَ بِسَفَاهَةٍ ۖ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

پھر بھی انہوں نے نوح کو جھٹلایا، چنانچہ ہم نے اُن کو اور کشتی میں اُن کے ساتھیوں کو نجات دی، اور اُن سب لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا۔ یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔ ﴿۶۲﴾ اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرو گے؟“ ﴿۶۵﴾ اُن کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اپنا رکھا تھا، کہنے لگے: ”ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم بے وقوفی میں مبتلا ہو، اور بیشک ہمارا گمان یہ ہے کہ تم ایک جھوٹے آدمی ہو“ ﴿۶۶﴾ ہود نے کہا: ”اے میری قوم! مجھے کوئی بے وقوفی لاحق نہیں ہوئی، بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں“ ﴿۶۷﴾

(۳۶) کشتی اور طوفان کا پورا واقعہ ان شاء اللہ سورہ ہود میں آنے والا ہے۔

(۳۷) قوم عاد عربوں کی ابتدائی نسل کی ایک قوم تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم از کم دو ہزار سال پہلے یمن کے علاقے حضرموت کے آس پاس آباد تھی۔ یہ لوگ اپنی جسمانی طاقت اور پتھروں کو تراشنے کے ہنر میں مشہور تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی، اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، اور انہوں نے اپنی قوم کو بڑی دردمندی سے سمجھانے کی کوشش

أَبْلَغُكُمْ رَسُولًا مِّنْ رَبِّي وَإِنَّا لَكُم نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوْ عَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۖ وَادْكُرُوا إِيَّادُ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصُطَةً ۚ فَادْكُرُوا الْآءَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾

میں اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر تم اطمینان کر سکتے ہو ﴿۶۸﴾ بھلا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے رب کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعے تم تک پہنچی ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے؟ اور وہ وقت یاد کرو جب اُس نے نوح (علیہ السلام) کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنایا، اور جسم کی ڈیل ڈول میں تمہیں (دوسروں سے) بڑھا چڑھا کر رکھا۔ لہذا اللہ کی نعمتوں پر دھیان دو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو ﴿۶۹﴾

کی، اور انہیں توحید کی تعلیم دے کر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بننے کی تعلیم دی، مگر کچھ نیک طبع لوگوں کے سوا باقی لوگوں نے اُن کا کہنا نہیں مانا۔ پہلے اُن کو قحط میں مبتلا کیا گیا، اور حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ ہے، اگر اب بھی تم اپنی بد اعمالیوں سے باز آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کی بارشیں برسا دے گا۔ (۵۲:۱۱) لیکن اس قوم پر کچھ اثر نہیں ہوا، اور وہ اپنے کفر و شرک میں بڑھتی چلی گئی۔ آخر کار اُن پر ایک تیز و تند آندھی کا عذاب بھیجا گیا جو آٹھ دن تک متواتر جاری رہا، یہاں تک کہ یہ ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ اس قوم کا واقعہ موجودہ سورت کے علاوہ سورہ ہود (۱۱: ۵۰ تا ۸۹)، سورہ مؤمنون (۳۳: ۳۲)، سورہ شعراء (۲۶: ۱۲۴)، سورہ حم السجدہ (۴۱: ۱۵)، سورہ احقاف (۲۶: ۲۱)، سورہ قمر (۵۳: ۱۸)، سورہ الحاقہ (۶۹: ۶۷) اور سورہ فجر (۸۹: ۶) میں آیا ہے۔ ان کے مختلف واقعات کی تفصیل ان شاء اللہ ان سورتوں میں آئے گی۔

(۳۸) یہ لوگ اپنے قد و قامت میں اتنے لمبے چوڑے تھے کہ سورہ فجر (۸۹: ۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان جیسی قوم کسی بھی ملک میں پیدا نہیں کی گئی۔

قَالُوا أَجِئْنَا لِنُعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتِنَا بِتِلْكَ الْبَرَاهِينِ ۖ  
 كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۷۰ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۚ  
 أَتَجَادِلُونَنی فِیْ اَسْمَاءِ سَبَّیْتُمُوَهَا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ  
 فَاَنْتَظِرُوْا اِلَیَّ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَنَظِّرِیْنَ ۝۷۱ فَاَنْجِیْهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا  
 ۝۷۲ قَطَعْنَا دَاۤیْرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝۷۳ وَاِلٰی شُعُوْدٍ اٰخٰهُمْ صٰلِحًا ۝۷۴

انہوں نے کہا: ”کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم تمہارا اللہ کی عبادت کریں، اور جن (بتوں) کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، انہیں چھوڑ بیٹھیں؟ اچھا اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہمارے سامنے وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دے رہے ہو!“ ﴿۷۰﴾ ہود نے کہا: ”اب تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور قہر کا آنا طے ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے (مختلف بتوں کے) اُن ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لئے ہیں، جن کی تائید میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی؟ بس تو اب تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں“ ﴿۷۱﴾ چنانچہ ہم نے اُن کو (یعنی ہود علیہ السلام کو) اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ذریعے نجات دی، اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ ڈالی جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اور مومن نہیں ہوئے تھے ﴿۷۲﴾ اور شمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔“ ﴿۷۳﴾

(۳۹) شمود بھی قوم عاد ہی کی نسل سے پیدا ہوئی تھی، اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی جو عذاب سے بچ گئے تھے، یہ ان کی اولاد تھی، اور شمود اُن کے دادا کا نام تھا۔ اسی لئے ان کو عادِ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قوم عرب اور شام کے درمیان اُس علاقے میں آباد تھی جس کو اُس وقت ”حجر“ کہا جاتا تھا، اور آج کل اُسے ”مدائن صالح“ کہتے ہیں، اور آج بھی ان کے گھروں اور محلات کے کھنڈر موجود ہیں، اور پہاڑوں سے تراش ہوئی عمارتوں کے آثار جن کا ذکر آیت ۷۴ میں ہے، آج بھی وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ عرب کے



مشرکین جب تجارتی سفر پر شام جاتے تو یہ کھنڈر ایک نشانِ عبرت کے طور پر ان کے راستے میں پڑتے تھے، اور قرآن کریم نے کئی مقامات پر انہیں اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس قوم میں بھی رفتہ رفتہ بت پرستی کی بیماری پیدا ہو گئی تھی، اور اس کے نتیجے میں بہت سی عملی خرابیاں پھیل گئی تھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اسی قوم کے ایک فرد تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کو راہِ راست دکھانے کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ لیکن یہاں بھی وہی صورت پیش آئی کہ قوم کی اکثریت نے ان کی بات نہیں مانی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جوانی سے بڑھاپے تک مسلسل اُن کو تبلیغ جاری رکھی۔ آخر کار ان لوگوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ہمارے سامنے کے پہاڑ سے کوئی اُونٹنی نکال کر دکھادیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دُعا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اُونٹنی بھی نکال کر دکھادی۔ اس پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے، مگر بڑے بڑے سردار اپنے عہد سے پھر گئے، اور نہ صرف یہ کہ اپنی ضد پر اڑے رہے، بلکہ جو دوسرے لوگ ایمان لانے کا ارادہ کر رہے تھے انہیں بھی روک دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آجائے گا، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اس اُونٹنی کو تم آزاد چھوڑے رکھو، اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور اُونٹنی کو چونکہ پورے کنوئیں کا پانی درکار ہوتا تھا اس لئے اس کی باری مقرر کر دی کہ ایک دن اُونٹنی کنوئیں کا پانی پیئے گی اور دوسرے دن آبادی کے لوگ پانی لیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ قوم کے کچھ لوگوں نے اُونٹنی کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا، اور آخر کار ایک شخص نے جس کا نام قذارتھا، اس کو قتل کر ڈالا۔ اس موقع پر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں متنبہ کیا کہ اب ان کی زندگی کے صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں، جس کے بعد وہ عذاب سے ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان تین دنوں میں سے ہر دن اُن کے چہروں کا رنگ بدل جائے گا۔ یعنی پہلے دن رنگ پیلا، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن کالا ہو جائے گا۔ اس کے باوجود اس ضدی قوم نے توبہ اور استغفار کرنے کے بجائے خود حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ نمل (۲۷: ۲۸، ۲۹) میں فرمایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں راستے ہی میں ہلاک کر دیا، اور ان کا منصوبہ دھرا رہ گیا۔ آخر کار تین دن اسی طرح گزرے جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا، اسی حالت میں شدید زلزلہ آیا، اور آسمان سے ایک ہیبت ناک چیخ کی آواز نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا تفصیلی ذکر سورۃ ہود (۱۱: ۶۱)، سورۃ شعراء (۲۶: ۱۴۱)، سورۃ نمل (۲۷: ۲۵) اور سورۃ قمر (۵۴: ۲۳) میں آیا ہے۔ نیز سورۃ حجر، سورۃ ذاریات، سورۃ نجم، سورۃ الحاقہ اور سورۃ شمس میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔

قَالَ يُقَوْمُوا عَبْدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَ الْغَيْرَةِ ۖ قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَمَرُّوهَا تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ الْيَمِّ ۖ وَادْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سُهُولَهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا الْآءَ اللَّهِ وَلَا تَعْتَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۖ قَالَ الْمَلَائِكَةُ أَسْتَكْبِرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِّلَّذِينَ اسْتَضَعُّوهُمُ الْإِن مِّنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ طٰلِحًا مَّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قَالُوا إِنَّا بِنَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

انہوں نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔ اس لئے اس کو آزاد چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے، اور اسے کسی برائی کے ارادے سے چھوٹا بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں ایک دکھ دینے والا عذاب آ پکڑے ﴿۷۳﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد جانشین بنایا، اور تمہیں زمین پر اس طرح بسایا کہ تم اُس کے ہموار علاقوں میں محل بناتے ہو، اور پہاڑوں کو تراش کر گھروں کی شکل دے دیتے ہو۔ لہذا اللہ کی نعمتوں پر دھیان دو، اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو“ ﴿۷۴﴾ اُن کی قوم کے سرداروں نے جو بڑائی کے گھمنڈ میں تھے، اُن کمزوروں سے پوچھا جو ایمان لے آئے تھے کہ: ”کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں؟“ انہوں نے کہا کہ: ”بیشک ہم تو اُس پیغام پر پورا ایمان رکھتے ہیں جو اُن کے ذریعے بھیجا گیا ہے“ ﴿۷۵﴾

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ كَفِرُونَ ﴿٤٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحْ أَعْتِنَا بِسَاعِدُنَا إِن كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٤٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيَّةً ﴿٤٨﴾ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّصِيحِينَ ﴿٤٩﴾ وَلَوْ طَآئِدٌ قَال لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٥٠﴾

وہ مغرور لوگ کہنے لگے: ”جس پیغام پر تم ایمان لائے ہو، اُس کے تو ہم سب منکر ہیں“ ﴿۷۶﴾ چنانچہ انہوں نے اُونٹنی کو مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا: ”صالح! اگر تم واقعی ایک پیغمبر ہو تو لے آؤ وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دیتے ہو!“ ﴿۷۷﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں زلزلے نے آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۷۸﴾ اس موقع پر صالح اُن سے منہ موڑ کر چل دیئے، اور کہنے لگے: ”اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا، اور تمہاری خیر خواہی کی، مگر (افسوس کہ) تم خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے“ ﴿۷۹﴾ اور ہم نے لوط کو بھیجا، جب اُس نے اپنی قوم سے کہا: ”کیا تم اُس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا جہان کے کسی شخص نے نہیں کی؟“ ﴿۸۰﴾

(۴۰) حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، جو اپنے مقدس چچا کی طرح عراق میں پیدا ہوئے تھے، اور جب انہوں نے وہاں سے ہجرت کی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ وطن سے نکل آئے۔ بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے علاقے میں آباد ہوئے، اور حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُرْدُن کے شہر سدوم (Sodom) میں پیغمبر بنا کر بھیجا۔ سدوم ایک مرکزی شہر تھا، اور اس کے مضافات میں عمورہ وغیرہ کئی بستیاں آباد تھیں۔ کفر و شرک کے علاوہ ان بستیوں کی شرمناک بد عملی یہ تھی کہ وہ ہم جنسی (Homosexuality) کی لعنت میں گرفتار تھے جس کا ارتکاب قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ان سے پہلے دُنیا کے کسی فرد نے نہیں کیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے، اور عذاب سے بھی

إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿۸۱﴾  
 مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أَنْفُسُ  
 يَتِّظَهُمُؤْنَ ﴿۸۲﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۚ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۸۳﴾ وَأَمْطَرْنَا  
 نَحْلًا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۸۴﴾

تم جنسی ہوس پوری کرنے کے لئے عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو۔ (اور یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں)، بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ (شرافت کی) تمام حدیں پھلانگ چکے ہو“ ﴿۸۱﴾ اُن کی قوم کا جواب یہ کہنے کے سوا کچھ اور نہیں تھا کہ: ”نکالو ان کو اپنی بستی سے! یہ لوگ ہیں جو بڑے پاکباز بنتے ہیں!“ ﴿۸۲﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے اُن کو (یعنی لوط علیہ السلام کو) اور ان کے گھر والوں کو (بستی سے نکال کر) بچالیا، البتہ اُن کی بیوی تھی جو باقی لوگوں میں شامل رہی (جو عذاب کا نشانہ بنے) ﴿۸۳﴾ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کی) ایک بارش برسائی۔ اب دیکھو! ان مجرموں کا انجام کیسا (ہولناک) ہوا؟ ﴿۸۴﴾

ڈرایا، لیکن جب یہ لوگ اپنی خباثت سے باز نہ آئے تو ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی، اور ان تمام بستیوں کو الٹ دیا گیا۔ آج بحرِ میت (Dead Sea) کے نام سے جو سمندر ہے، کہتے ہیں کہ یہ بستیاں یا تو اُس میں ڈوب گئی ہیں، یا اُس کے آس پاس تھیں جن کا نشان واضح نہیں رہا۔ حضرت لوط علیہ السلام کا اس قوم کے ساتھ نسبی تعلق نہیں تھا، پھر بھی اس آیت میں اسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کہا گیا ہے، کیونکہ یہ وہ اُمت تھی جس کی طرف اُن کو بھیجا گیا تھا۔ ان کے واقعے کی سب سے زیادہ تفصیل سورۃ ہود (۱۱: ۶۹ تا ۸۳) میں آئے گی۔ اس کے علاوہ سورۃ حجر (۱۵: ۵۲ تا ۸۲)، سورۃ شعراء (۲۶: ۱۶۰ تا ۱۷۴) اور سورۃ عنکبوت (۲۹: ۲۶ تا ۳۵) میں بھی ان کے واقعے کی کچھ تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ نیز سورۃ زاریات (۵۱: ۲۳ تا ۳۷) اور سورۃ تحریم (۶۶: ۱۰) میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ قَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنَ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَ تَكْوِينَهُ مِّن رَّبِّكُمْ فَادْعُوا الْكَيْلَ وَالْيِزَانَ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَمْشِيَاءَ ۖ هُمْ

اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔<sup>(۴۱)</sup> انہوں نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے۔ لہذا ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور جو چیزیں لوگوں کی ملکیت میں ہیں، اُن میں اُن کی حق تلفی نہ کرو۔“<sup>(۴۲)</sup>

(۴۱) مدین ایک قبیلے کا نام ہے، اور اسی کے نام پر ایک بستی بھی ہے جس میں حضرت شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اُن کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ پہلے کا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے۔ یہ ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا، اور یہاں کے لوگ خاصے خوش حال تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں کفر و شرک کے علاوہ بہت سی بدعنوانیاں رواج پا گئیں۔ ان کے بہت سے لوگ ناپ تول میں دھوکا دیتے تھے۔ بہت سے زور آور لوگوں نے راستوں پر چوکیاں بنا رکھی تھیں، جو گزرنے والوں سے زبردستی کا ٹیکس وصول کرتے تھے۔ کچھ لوگ ڈاکے بھی ڈالتے تھے۔ نیز جو لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جاتے نظر آتے، انہیں روکتے اور تنگ کرتے تھے۔ ان کی ان بدعنوانیوں کا ذکر اگلی دو آیتوں میں آ رہا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے مختلف طریقوں سے اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے تقریر اور خطابت کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، اسی لئے وہ ”خطیب الانبیاء“ کے لقب سے مشہور ہیں۔ لیکن ان کی مؤثر تقریروں کا قوم نے کچھ اثر نہ لیا۔ اور آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات سب سے زیادہ تفصیل سے سورہ ہود (۱۱: ۸۳ تا ۹۵) میں آئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ تفصیل سورہ شعراء (۲۶: ۱۷) اور سورہ عنکبوت (۲۹: ۲۶) میں آئی ہے، اور سورہ حجر (۱۵: ۷۸) میں مختصر حوالہ آیا ہے۔

(۴۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ناپ تول میں کمی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی لوگوں کی حق تلفی کیا کرتی تھی۔ اس آیت میں لفظ ”بخس“ استعمال کیا گیا ہے، جس کے لفظی معنی کمی کرنے کے ہیں، اور یہ لفظ خاص طور پر کسی کا حق مار لینے کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم میں یہ فقرہ تین جگہ بڑی تاکید

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٨٥﴾  
وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ  
وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَتَرْتُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ  
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨٦﴾ وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَ  
طَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٧﴾

اور زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔ لوگو! یہی طریقہ تمہارے لئے بھلائی کا ہے، اگر تم میری بات مان لو ﴿۸۵﴾ اور ایسا نہ کیا کرو کہ راستوں پر بیٹھ کر لوگوں کو دھمکیاں دو، اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں، ان کو اللہ کے راستے سے روکو، اور اُس میں ٹیڑھ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اور وہ وقت یاد کرو جب تم کم تھے، پھر اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا، اور یہ بھی دیکھو کہ فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا ہے ﴿۸۶﴾ اور اگر تم میں سے ایک گروہ اُس پیغام پر ایمان لے آیا ہے جو میرے ذریعے بھیجا گیا ہے، اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا، تو ذرا اُس وقت تک صبر کرو جب تک اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۸۷﴾

کے ساتھ آیا ہے، اور اس میں دوسروں کی ملکیت کے احترام پر زور دیا گیا ہے۔ اس احترام میں یہ بات بھی داخل ہے کہ کسی کے مال یا جائیداد پر اُس کی مرضی کے بغیر قبضہ کر لیا جائے، اور یہ بھی کہ کسی کی کوئی بھی چیز اُس کی خوش دلی کے بغیر استعمال کی جائے۔

(۴۳) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۵۶ کا حاشیہ۔

(۴۴) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا، اور یہ بھی کہ ان کو خوشحالی زیادہ نصیب ہوئی۔

(۴۵) یہ درحقیقت اُن کی ایک بات کا جواب ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں تو مومنوں اور کافروں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ بھی خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر اُن کا طریقہ اللہ کو پسند نہ ہوتا تو انہیں یہ خوش حالی کیوں نصیب ہوتی؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت کی خوش حالی سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ صورتِ حال ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ ابھی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِيبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
 مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَرِهِينَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا  
 عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِدْنَجِنَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ  
 نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ  
 تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾

اُن کی قوم کے سردار جو بڑائی کے گھمنڈ میں تھے، کہنے لگے: ”اے شعیب! ہم نے پکارا وہ کر لیا ہے  
 کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ تمام ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے، ورنہ تم  
 سب کو ہمارے دین میں واپس آنا پڑے گا۔“ شعیب نے کہا: ”اچھا؟ اگر ہم (تمہارے دین سے)  
 نفرت کرتے ہوں، تب بھی؟ ﴿۸۸﴾ ہم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں گے، اگر تمہارے دین کی  
 طرف لوٹ آئیں گے، جبکہ اللہ نے ہمیں اُس سے نجات دے دی ہے۔ ہمارے لئے تو یہ ممکن ہی  
 نہیں ہے کہ اُس کی طرف واپس جائیں۔ ہاں اللہ ہمارا پروردگار ہی کچھ چاہے تو اور بات ہے۔“  
 ہمارے رب نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کر رکھا ہے۔ اے  
 ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دے۔ اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ  
 کرنے والا ہے۔“ ﴿۸۹﴾

(۴۶) حضرت شعیب علیہ السلام کے دوسرے ساتھی تو پہلے اپنی قوم کے دین پر تھے، بعد میں ایمان لائے، اس  
 لئے ان کے حق میں تو پُرانے دین کی طرف لوٹنے کا لفظ صحیح ہے۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کبھی بھی اُن کے  
 دین پر نہیں رہے، البتہ ان کی نبوت سے پہلے اُن کی قوم کے لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ انہی کے دین پر ہیں۔  
 اس لئے انہوں نے آپ کے لئے بھی لوٹنے کا لفظ استعمال کیا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب بھی انہی  
 کے الفاظ میں دیا۔

(۴۷) یہ اعلیٰ درجے کی عبدیت کا فقرہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے پکے عزم سے اللہ تعالیٰ کو

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِيُنْزِلَ اللَّهُ سُبْحَانَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِذْ الْخُسْرَاءُ ۙ  
 مَعَ فَآخَذَتْهُمْ الرِّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَثٍ ۚ ۙ الَّذِينَ كَذَّبُوا شَعْبِيًّا كَانُوا لَمْ  
 يَغْنَوْا فِيهَا ۚ ۙ الَّذِينَ كَذَّبُوا شَعْبِيًّا كَانُوا هُمُ الْخُسْرَاءُ ۙ ۙ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ  
 ۙ ۙ يَقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَأْيِي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ آتَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كُفْرِينَ ۙ ۙ

اور اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر اپنایا ہوا تھا (قوم کے لوگوں سے) کہنے لگے: ”اگر تم  
 شعیب کے پیچھے چلے تو یاد رکھو اُس صورت میں تمہیں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا“ ﴿۹۰﴾ پھر ہوا یہ  
 کہ انہیں زلزلے نے آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۹۱﴾ جن لوگوں نے  
 شعیب کو جھٹلایا، وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہیں تھے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، آخر کو  
 نقصان اٹھانے والے وہی ہوئے ﴿۹۲﴾ چنانچہ وہ (یعنی شعیب علیہ السلام) اُن سے منہ موڑ کر  
 چل دیئے، اور کہنے لگے: ”اے قوم! میں نے تجھے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے تھے، اور تیرا  
 بھلا چاہا تھا۔ (مگر) اب میں اُس قوم پر کیا افسوس کروں جو ناشکری تھی!“ ﴿۹۳﴾

کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ہم نے اپنی طرف سے تو یہ پکا ارادہ کر رکھا ہے کہ کبھی تمہارا دین اختیار نہیں کریں  
 گے، لیکن اپنے اس عزم پر عمل اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اگر وہ چاہے تو ہمارے دلوں کو بھی پھیر  
 سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ راہِ راست پر رہنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اُس کا دل  
 گمراہی کی طرف نہیں پھیرتا۔ اور ہر شخص کے اخلاص کی کیفیت کا اس کو پورا علم ہے۔ لہذا اخلاص کے ساتھ کسی  
 بات کا پکا ارادہ کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے کہ وہ اس ارادے کو پورا فرمائے گا۔ اس طرح  
 حضرت شعیب علیہ السلام نے اس جملے سے یہ عظیم سبق دیا ہے کوئی بھی نیکی کرتے وقت بھروسہ اپنے عزم اور عمل  
 کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہئے۔

(۳۸) اس قوم پر جو عذاب آیا اُس کے لئے قرآن کریم نے یہاں زلزلے کا ذکر فرمایا ہے۔ سورہ ہود (۱۱: ۹۴)  
 میں اس کو ”صبحہ“ یعنی چنگھاڑ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور سورہ شعراء (۲۶: ۱۸۹) میں اسے ”عذاب یوم  
 الظلۃ“ یعنی ”سامان کے دن کا عذاب“ فرمایا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان



وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَدْرِيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالصَّرَآءِ  
لَعَلَّهُمْ يَضُرَّ عُونٌ ﴿٩٢﴾

اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا، اُس میں رہنے والوں کو بد حالی اور تکلیفوں میں گرفتار ضرور کیا، تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں۔ ﴿۹۲﴾

لوگوں پر پہلے سخت گرمی پڑی جس سے یہ بلبلا اُٹھے۔ پھر شہر سے باہر ایک بادل آیا جس میں ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ لوگ گھروں سے نکل کر اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ اُس وقت اس بادل سے آگ برسائی گئی، جسے ”سائبان“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر زلزلہ آیا۔ (روح المعانی) اور زلزلے کے ساتھ عموماً آواز بھی ہوتی ہے جسے چنگھاڑ کہا گیا ہے۔

(۴۹) بتایا یہ جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کیا، انہیں (معاذ اللہ) جلدی سے غصے میں آکر ہلاک نہیں کر دیا بلکہ انہیں سالہا سال تک راہِ راست پر آنے کے بہت سے مواقع فراہم کئے۔ اوّل تو پیغمبر بھیجے جو انہیں برسوں تک ہوشیار کرتے رہے، پھر شروع میں انہیں کچھ معاشی بد حالی یا بیماریوں وغیرہ کی مصیبتوں سے دوچار کیا، تاکہ اُن کے دل کچھ نرم پڑیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور تنگی ترشی میں بعض اوقات حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جب ایسے حالات میں پیغمبران کو متنبہ کرتے ہیں کہ ذرا سنبھل جاؤ، ابھی اللہ تعالیٰ نے ایک اشارہ دیا ہے، جو کسی وقت باقاعدہ عذاب میں تبدیل ہو سکتا ہے، تو بعض لوگوں کے دل تسبیح جاتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب اُن پر خوش حالی آتی ہے تو اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس پیدا ہوتا ہے، اور وہ اُس وقت حق بات کو قبول کرنے کے لئے نسبتاً زیادہ آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کو بد حالی کے بعد خوش حالی کی نعمت بھی عطا کی جاتی ہے، تاکہ وہ شکر گزار بن سکیں۔ حالات کی اس تبدیلی سے بعض لوگ بیشک سبق لے لیتے ہیں، اور راہِ راست پر آ جاتے ہیں۔ لیکن کچھ ضدی طبیعت کے لوگ ان باتوں سے کوئی سبق نہیں سیکھتے، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ دُکھ سکھ اور سرد گرم حالات تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آ چکے ہیں۔ انہیں خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح جب ان لوگوں پر ہر طرح کی حجت تمام ہو چکی ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آتا ہے، اور اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ ان کو پہلے سے اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

ثُمَّ بَدَلْنَا مَا كَانَ السَّيِّئَةُ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ  
وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا  
لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا  
يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾ أَفَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوْ  
أَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا نَضِجِي وَهُمْ يُلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ

پھر ہم نے کیفیت بدلی، بد حالی کی جگہ خوش حالی عطا فرمائی، یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے، اور  
کہنے لگے کہ دکھ سکھ تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پہنچتے رہے ہیں۔ پھر ہم نے انہیں اچانک اس طرح  
پکڑ لیا کہ انہیں (پہلے سے) پتہ بھی نہیں چل سکا ﴿۹۵﴾ اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے  
اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول  
دیتے۔ لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، اس لئے اُن کی مسلسل بد عملی کی پاداش میں ہم نے ان کو اپنی  
پکڑ میں لے لیا ﴿۹۶﴾ اب بتاؤ کہ کیا (دوسری) بستیوں کے لوگ اس بات سے بالکل بے خوف  
ہو گئے ہیں کہ کسی رات ہمارا عذاب اُن پر ایسے وقت آپڑے جب وہ سوئے ہوئے ہوں؟ ﴿۹۷﴾<sup>(۵۰)</sup>  
اور کیا ان بستیوں کے لوگوں کو اس بات کا (بھی) کوئی ڈر نہیں ہے کہ ہمارا عذاب اُن پر کبھی دن  
چڑھے آجائے جب وہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہوں؟ ﴿۹۸﴾ بھلا کیا یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل  
(کے انجام) سے بے فکر ہو چکے ہیں؟<sup>(۵۱)</sup>

(۵۰) ان واقعات کے حوالے سے اب کفار مکہ کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے کسی کو بھی بے فکر  
ہو کر نہیں بیٹھ رہنا چاہئے۔ اور یہ بات صرف کفار مکہ ہی کے لئے نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جو کسی گناہ، بد عملی یا ظلم  
میں مشغول ہو، اُسے ان آیات کریمہ کا ہمیشہ دھیان رکھنا چاہئے۔

(۵۱) یہاں اصل لفظ ”مکر“ ہے جس کے معنی عربی میں ایسی خفیہ تدبیر کے ہوتے ہیں جس کا مقصد وہ شخص نہ  
سمجھے جس کے خلاف وہ کارروائی کی جا رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تدبیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْكُمْ  
 بَعْدَ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَنَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا  
 يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۖ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ  
 بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ  
 الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِكَثْرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

(اگر ایسا ہے) تو (یہ یاد رکھیں کہ) اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے وہی لوگ بے فکر ہو بیٹھتے ہیں جو آخر کار نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں ﴿۹۹﴾ جو لوگ کسی زمین (کے باشندوں کی ہلاکت) کے بعد اُس کے وارث بن جاتے ہیں، بھلا کیا اُن کو یہ سبق نہیں ملا کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کو (بھی) اُن کے گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیں؟ اور (جو لوگ اپنی ضد کی وجہ سے یہ سبق نہیں لیتے) ہم اُن کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ کوئی بات نہیں سنتے ﴿۱۰۰﴾ یہ ہیں وہ بستیاں جن کے واقعات ہم تمہیں سنارہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان سب کے پاس اُن کے پیغمبر کھلے کھلے دلائل لے کر آئے تھے، مگر جس بات کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے، اُس پر کبھی ایمان لانے کو تیار نہیں ہوئے۔ جو لوگ کفر کو اپنا چکے ہوتے ہیں، اُن کے دلوں پر اللہ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے ﴿۱۰۱﴾ ہم نے ان کی اکثریت میں عہد کی کوئی پاسداری نہیں پائی، اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے نافرمان ہی پایا ﴿۱۰۲﴾

بعض لوگوں کو اُن کی بد اعمالیوں کے باوجود دنیا میں خوش حالی اور ظاہری خوشیاں عطا فرماتے ہیں، جس کا مقصد انہیں ڈھیل دینا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنی بد عملی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں تو اُن کو ایک دم سے پکڑ میں لے لیا جاتا ہے۔ لہذا عیش و عشرت کے عالم میں بھی انسان کو اپنے اعمال سے غافل ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اپنی اصلاح کی فکر کرتے رہنا چاہئے، اور یہ خطرہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اگر ہم راہِ راست سے بھٹکے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۚ فَانظُرْ  
 كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ لِفِرْعَوْنَ إِنِّي رَسُولٌ مِّنْ  
 رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۴﴾

پھر ہم نے ان سب کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس  
 بھیجا، تو انہوں نے (بھی) ان (نشانیوں) کی ظالمانہ ناقدری کی۔ اب دیکھو کہ ان مفسدوں کا انجام  
 کیسا ہوا ﴿۱۰۳﴾ موسیٰ نے کہا تھا کہ: ”اے فرعون! یقین جانو کہ میں رب العالمین کی طرف سے  
 پیغمبر بن کر آیا ہوں ﴿۱۰۴﴾

(۵۲) یہاں سے آیت نمبر ۱۶۲ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کے کچھ اہم حصے تفصیل کے ساتھ بیان  
 ہوئے ہیں۔ اس سورت میں فرعون کے ساتھ آپ کی گفتگو اور مقابلے اور اُس کے غرق ہونے کی تفصیل، نیز  
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا ہونے کے واقعات آرہے ہیں۔ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چوتھی  
 پشت میں آتے ہیں۔ سورہ یوسف میں قرآن کریم نے بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے وزیر  
 خزانہ بن گئے تو انہوں نے اپنے والدین اور بھائیوں کو فلسطین سے مصر بلا لیا تھا۔ اسرائیلی روایات سے معلوم  
 ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ساری اولاد جو ”بنو اسرائیل“ کہلاتی ہے، پھر وہیں آباد ہو گئی تھی، اور مصر  
 کے بادشاہ نے اُن کو شہری آبادی سے الگ ایک علاقہ دے دیا تھا۔ مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ حضرت  
 یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد رفتہ رفتہ مصر کے بادشاہوں نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام سمجھنا شروع کر دیا۔ اور  
 دوسری طرف تکبر میں آکر انہی میں کا ایک فرعون (جس کا نام جدید تحقیق کے مطابق مفتاح تھا) خدائی کا دعوے  
 دار بن بیٹھا۔ ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اُس کے پاس بھیجا گیا۔ اُن کی پیدائش، مدین  
 کی طرف ہجرت اور پھر نبوت عطا ہونے کے واقعات تو ان شاء اللہ سورہ طہ (سورت نمبر ۲۰) اور سورہ قصص  
 (سورت نمبر ۲۸) میں آئیں گے۔ اس کے علاوہ مزید ۳۵ سورتوں میں آپ کے واقعات کے مختلف حصے بیان  
 فرمائے ہیں۔ لیکن فرعون کے ساتھ اُن کے جو واقعات پیش آئے، ان کا تذکرہ یہاں ہو رہا ہے۔

حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ ۖ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ  
فَأَنرِسلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ ۖ قَالَ إِن كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنْتَ  
مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ ﴿١٠٧﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۖ ﴿١٠٨﴾ وَنَزَعْنَا ذَا هِيَ  
بِئْضَاءٍ لِلنَّاظِرِينَ ۖ ﴿١٠٩﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلِيمٌ ۖ ﴿١١٠﴾ يُرِيدُ  
أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۖ ﴿١١١﴾ قَالُوا اأَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي  
الْمَدَآئِنِ حُشْرًا ۖ ﴿١١٢﴾ يَا تَوَكَّلْ بِحُكْمِ سِحْرِ عَلِيمٍ ۖ ﴿١١٣﴾

میرا فرض ہے کہ میں اللہ کی طرف منسوب کر کے حق کے سوا کوئی اور بات نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس  
تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک کھلی دلیل لے کر آیا ہوں، لہذا بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج  
دو، ﴿۱۰۵﴾ اُس نے کہا کہ: ”اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اُسے پیش کرو، اگر تم ایک سچے آدمی  
ہو، ﴿۱۰۶﴾ اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی، تو اچانک وہ ایک صاف صاف اثر دھابن گیا، ﴿۱۰۷﴾  
اور اپنا ہاتھ (گربان سے) کھینچا تو وہ سارے دیکھنے والوں کے سامنے یکا یک چمکنے لگا۔ ﴿۱۰۸﴾  
فرعون کی قوم کے سردار (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ: ”یہ تو یقینی طور پر بڑا ماہر جادوگر  
ہے، ﴿۱۰۹﴾ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال باہر کرے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے  
ہے؟“ ﴿۱۱۰﴾ انہوں نے کہا کہ: ”ذرا اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دو، اور تمام شہروں میں  
ہر کار نے بھیج دو، ﴿۱۱۱﴾ تاکہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو جمع کر کے تمہارے پاس لے آئیں۔“ ﴿۱۱۲﴾

(۵۳) یہ دو معجزے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں  
جادوگروں کا بڑا چرچا تھا۔ اس لئے آپ کو ایسے معجزات عطا فرمائے گئے جو جادوگروں کو بھی عاجز کر دیں، اور  
آپ کی نبوت ہر کس و نا کس پر واضح ہو جائے۔

(۵۴) جادوگروں کو جمع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دیں۔

وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ  
وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالُوا يٰمُوسَىٰ إِنَّا نَتْلُو بِمَا أَن تُلْقَىٰ وَإِنَّا نَكُونُ نَحْنُ  
الْمُلْقِينَ ﴿١١٥﴾ قَالَ أَتَقْتَوْنَ فَلَمَّا الْقَوْاسِخُ وَآعَيْنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا  
بِسِحْرِ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا  
يَأْفِكُونَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٨﴾ فَعَلَبُوا هَذَاكَ وَأَتَقَبُّوا  
صُغْرَيْنِ ﴿١١٩﴾ وَأَلْقَى السَّحَرَةُ سِحْرَ بَيْنِ ﴿١٢٠﴾

(چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور جادوگر فرعون کے پاس آگئے (اور) انہوں نے کہا کہ: ”اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آگئے تو ہمیں کوئی انعام تو ضرور ملے گا“ ﴿۱۱۳﴾ فرعون نے کہا: ”ہاں، اور تمہارا شمار یقیناً ہمارے مقرب لوگوں میں (بھی) ہوگا“ ﴿۱۱۴﴾ انہوں نے (موسیٰ سے) کہا: ”موسیٰ! چاہو تو (جو) پھینکنا چاہتے ہو تم پھینکو، ورنہ ہم (اپنے جادو کی چیز) پھینکیں؟“ ﴿۱۱۵﴾ موسیٰ نے کہا: ”تم پھینکو!“ چنانچہ جب انہوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا، اُن پر دہشت طاری کر دی، اور زبردست جادو کا مظاہرہ کیا ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو۔ بس پھر کیا تھا، اُس نے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساری چیزیں نگنی شروع کر دیں جو انہوں نے جھوٹ موٹ بنائی تھیں ﴿۱۱۷﴾ اس طرح حق کھل کر سامنے آ گیا، اور اُن کا بنا بنایا کام ملیا میٹ ہو گیا ﴿۱۱۸﴾ اس موقع پر وہ مغلوب ہوئے، اور شدید سبکی کی حالت میں (مقابلے سے) پلٹ کر آگئے ﴿۱۱۹﴾ اور اس واقعے نے سارے جادوگروں کو بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔ ﴿۱۲۰﴾<sup>(۵۵)</sup>

(۵۵) یہاں قرآن کریم نے مجہول کا صیغہ ”القی“ استعمال فرمایا ہے، جس کے لفظی معنی ”گر گئے“ نہیں، بلکہ ”گرا دیئے گئے“ ہیں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حالات ایسے پیش آئے کہ اُن کے ضمیر نے

قَالُوا امَّا رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ﴿١٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اَمْسُتُمْ بِهِ قَبْلَ اَنْ اُذِنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هَذَا الْمَكْرَ مَكْرُتُوهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِيَخْرُجُوا مِنْهَا اَهْلُهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾ لَا تُقْطَعَنَّ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوا اِنَّا اِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقُمُ مِنَّا اِلَّا اَنْ اَمْنًا بِاٰيَاتِ رَبِّنَا لَبَجَاءُ تَتَنَاطَرُ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿١٢٦﴾

۱۲۸

وہ پکار اٹھے کہ: ”ہم اُس رَبِّ العالمین پر ایمان لے آئے ﴿۱۲۱﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا رَبِّ ہے۔“ ﴿۱۲۲﴾ فرعون بولا: ”تم میرے اجازت دینے سے پہلے ہی اس شخص پر ایمان لے آئے۔ یہ ضرور کوئی سازش ہے جو تم نے اس شہر میں ملی بھگت کر کے بنائی ہے، تاکہ تم یہاں کے رہنے والوں کو یہاں سے نکال باہر کرو۔ اچھا تو تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا ﴿۱۲۳﴾ میں نے بھی پکارا وہ کر لیا ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالوں گا، پھر تم سب کو اکٹھے سولی پر لٹکا کر رہوں گا“ ﴿۱۲۴﴾ انہوں نے کہا: ”یقین رکھ کہ ہم (مرکر) اپنے مالک ہی کے پاس واپس جائیں گے ﴿۱۲۵﴾ اور تو اس کے سوا ہماری کس بات سے ناراض ہے کہ جب ہمارے مالک کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے؟ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کے پیمانے اُنڈیل دے، اور ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم تیرے تابع دار ہوں“ ﴿۱۲۶﴾

انہیں بے ساختہ سجدے میں گر جانے پر مجبور کر دیا۔ اوپر تر جے میں اس پہلو کی رعایت کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں ایمان کی یہ طاقت بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جو جادوگر چند لمحوں پہلے اپنے مذہب کی دفاعی کارروائی پر بھی فرعون سے انعام مانگ رہے تھے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اُن میں یہ عظیم حوصلہ پیدا ہو گیا کہ وہ فرعون جیسے جابر حکمران کی دھمکیوں کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لائے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جانے کا اشتیاق ظاہر کرنے لگے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَدْرُمُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ  
وَيَذَرَكَ وَالْهَيْكَلُ قَالَ سَتَقْبِلُ آيَاتَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ  
قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ  
يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا: ”کیا آپ موسیٰ اور اُس کی قوم کو کھلا چھوڑ رہے ہیں، تاکہ وہ زمین میں فساد مچائیں، اور آپ اور آپ کے خداؤں کو پس پشت ڈال دیں؟“ وہ بولا: ”ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے“ ﴿۱۲۷﴾ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ”اللہ سے مدد مانگو، اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اُس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور آخری انجام پر ہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔“ ﴿۱۲۸﴾

(۵۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ایمان لانے والے جادوگروں کو دھمکیاں تو دی تھیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور جادوگروں کے ایمان اور استقامت کو دیکھ کر حاضرین، اور خاص طور پر بنی اسرائیل کی اتنی بڑی تعداد ایمان لے آئی کہ اُس کو فوری طور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ماننے والوں پر ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ نہ ہوا، اور جب مجمع درہم برہم ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ماننے والے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس موقع پر فرعون کے سرداروں نے یہ بات کہی جو یہاں مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے تو ان لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ اپنی طاقت جمع کر کے آپ کے لئے ایک خطرہ بن جائیں گے۔ فرعون نے اپنی خفت مٹانے کے لئے اُن کو جواب دیا کہ فوری طور پر چاہے میں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، مگر اب بنی اسرائیل کو ایک ایک کر کے ختم کروں گا، البتہ عورتوں کو اس لئے زندہ رکھوں گا کہ وہ ہماری خدمت کے کام آسکیں۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو یہ بھی یقین دلایا کہ حالات ہمارے قابو میں ہیں، اور ہماری حکمت عملی ایسی ہے کہ ہمارے لئے کوئی بڑا خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے مردوں کو قتل کرنے کا ایک نیا دور شروع ہوا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مومنوں کو تسلی دی کہ صبر سے کام لیتے رہو۔ آخری انجام ان شاء اللہ تمہارے ہی حق میں ہوگا۔



قَالُوا اَوْ ذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۖ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ اَنْ  
يُهِلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيُسْتَخْلِفَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝۱۲۹ ۚ وَلَقَدْ اَخَذْنَا  
اَلْفِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقَصْنَا مِنَ الشَّجَرِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝۱۳۰ ۚ فَاِذَا جَاءَتْهُمْ  
الْحَسَنَةُ قَالُوا النَّاهِذَةُ ۚ وَاِنْ تُصِْبَهُمْ سَيِّئَةٌ يَّتَّخِذُوا بِمُوسٰى وَمَنْ مَّعَهُ ۚ اَلَا  
اِنَّمَا طَلَبُوهُم عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۳۱ ۚ وَقَالُوا مَهْمَا تَاْتٰنَا مِنْ  
اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۚ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۲

انہوں نے کہا کہ: ”ہمیں تو آپ کے آنے سے پہلے بھی ستایا گیا تھا، اور آپ کے آنے کے بعد بھی  
(ستایا جا رہا ہے)“ موسیٰ نے کہا: ”اُمید رکھو کہ اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اور تمہیں  
زمین میں اُس کا جانشین بنادے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسا کام کرتے ہو“ ﴿۱۲۹﴾ اور ہم نے فرعون  
کے لوگوں کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا، تاکہ اُن کو تنبیہ ہو۔ ﴿۱۳۰﴾ (مگر) نتیجہ یہ ہوا  
کہ اگر اُن پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے: ”یہ تو ہمارا حق تھا“ اور اگر اُن پر کوئی مصیبت پڑ جاتی تو اُس  
کو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ ارے (یہ تو) خود اُن کی نحوست (تھی جو) اللہ  
کے علم میں تھی، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں تھے ﴿۱۳۱﴾ اور (موسیٰ سے) کہتے تھے  
کہ: ”تم ہم پر اپنا جادو چلانے کے لئے چاہے کیسی بھی نشانی لے کر آ جاؤ، ہم تم پر ایمان لانے  
والے نہیں ہیں“ ﴿۱۳۲﴾

(۵۷) پیچھے آیت نمبر ۹۴ میں اللہ تعالیٰ نے جو اصول بیان فرمایا تھا، اُس کے مطابق پہلے فرعون اور اُس کی قوم کو  
دُنیا میں مختلف تکلیفیں دی گئیں، تاکہ وہ کچھ نرم پڑیں۔ ان میں سے پہلا عذاب قحط کا مسلط ہوا، اور اُس کے نتیجے  
میں پیداوار میں کمی واقع ہوئی۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَاللَّمَائِثَ مُفَصَّلَتٍ ۖ  
 فَلَمَّا كَبُرُوا وَكَانُوا أَتَمَّامًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا لِمُوسَى اذْعُرْنَا  
 رَبَّكَ بِعَاقِبَةِ عَمَلِكَ لَكِنْ كَشَفْنَا عَنْكَ الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ  
 بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِلِغْوِهِ إِذَا هُمْ يَنْتُحُونَ ﴿۱۳۴﴾

چنانچہ ہم نے اُن پر طوفان، مڈیوں، گھن کے کیڑوں، مینڈکوں اور خون کی بلائیں چھوڑیں، جو سب  
 علیحدہ علیحدہ نشانیاں تھیں۔<sup>(۵۸)</sup> پھر بھی انہوں نے تکبر کا مظاہرہ کیا، اور وہ بڑے مجرم لوگ  
 تھے ﴿۱۳۳﴾ اور جب اُن پر عذاب آپڑتا تو وہ کہتے: ”اے موسیٰ! تمہارے پاس اللہ کا جو عہد ہے،  
 اُس کا واسطہ دے کر ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کر دو (کہ یہ عذاب ہم سے دُور ہو جائے)۔  
 اور اگر واقعی تم نے ہم پر سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم تمہاری بات مان لیں گے، اور بنی اسرائیل کو ضرور  
 تمہارے ساتھ بھیج دیں گے“ ﴿۱۳۴﴾ پھر جب ہم اُن پر سے عذاب کو، اتنی مدت تک ہٹا لیتے  
 جس تک انہیں پہنچنا ہی تھا، تو وہ ایک دم اپنے وعدے سے پھر جاتے ﴿۱۳۵﴾

(۵۸) یہ مختلف قسم کے عذاب تھے جو یکے بعد دیگرے فرعون کی قوم پر مسلط ہوتے رہے۔ پہلے طوفان آیا جس  
 میں ان کی کھیتیاں بہہ گئیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 سے دُعا کروائی، اور کھیت بحال ہوئے، اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائے تو مڈی دل نے کھیتوں کو برباد کر ڈالا۔ پھر  
 وہی وعدے کئے، اور یہ بلا دُور ہوئی اور خوش حالی آنے لگی تو یہ پھر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے، اور ایمان نہ لائے، تو ان  
 کی پیداوار کو گھن لگا دیا گیا۔ پھر وہی ساری داستان دُہرائی گئی، اور یہ پھر بھی نہ مانے تو مینڈکوں کی اتنی کثرت  
 ہو گئی کہ وہ کھانے کے برتنوں میں نمودار ہوتے اور سارے کھانے کو خراب کر دیتے، دوسری طرف پینے کے پانی  
 میں ہر جگہ خون نکلنے لگا، اور پانی پینا دو بھر ہو گیا۔

(۵۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر میں اُن کے لئے ایک وقت تو ایسا آنا ہی تھا جب وہ عذاب کا  
 شکار ہو کر ہلاک ہوں، لیکن اُس سے پہلے جو چھوٹے چھوٹے عذاب آرہے تھے ان کو ایک مدت تک کے لئے  
 ہٹا لیا جاتا تھا۔

فَانْتَقَبْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿٦٠﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَبَّتْ كَلْبَتُ رَبِّكَ الْيَحْسَنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿٦١﴾

نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن سے بدلہ لیا، اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا،<sup>(۶۰)</sup> کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اور اُن سے بالکل بے پروا ہو گئے تھے ﴿۱۳۶﴾ اور جن لوگوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا، ہم نے انہیں اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس پر ہم نے برکتیں نازل کی تھیں۔<sup>(۶۱)</sup> اور بنی اسرائیل کے حق میں تمہارے رب کا کلمہ خیر پورا ہوا، کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا۔ اور فرعون اور اُس کی قوم جو کچھ بناتی چڑھاتی رہی تھی، اُس سب کو ہم نے ملیا میٹ کر دیا ﴿۱۳۷﴾

(۶۰) فرعون اور اُس کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ یونس (۱۰: ۸۹ تا ۹۲)، سورہ طہ (۲۰: ۷۷) سورہ شعراء (۲۶: ۶۰ تا ۶۶) میں آنے والا ہے۔

(۶۱) قرآن کریم جب برکتوں والی زمین کا تذکرہ فرماتا ہے تو اُس سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہوتا ہے۔ لہذا اس آیت میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا، انہیں بعد میں شام اور فلسطین کا مالک بنا دیا گیا۔ یاد رہے کہ ان علاقوں پر بنی اسرائیل کی حکومت فرعون کے غرق ہونے کے کافی عرصے کے بعد قائم ہوئی جس کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲: ۲۴۶ تا ۲۵۱ میں گزری ہے۔

(۶۲) ”بنائے“ سے اشارہ ان عمارتوں اور صنعتی پیداوار کی طرف ہے جس پر اس قوم کو فخر تھا، اور ”چڑھائے“ سے اشارہ اُن باغات کی طرف ہے جن میں انہوں نے انگوڑ وغیرہ کی بیلیں لٹویں پر چڑھائی ہوئی تھیں، اور بلند درخت اُگائے ہوئے تھے۔ قرآن کریم نے ان دو مختصر لفظوں کا یہ جوڑا (Pair) جس جامعیت اور بلاغت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے، اُسے کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں اتارنا ممکن نہیں۔

وَجُوزُ نَابِئِي إِسْرَآءِيلَ الْبُحْرَافَاتُ عَلٰی قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلٰی أَصْنَامٍ لَهُمْ ؕ قَالُوا  
يُوسَى اجْعَلْ لَّنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ؕ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۱۳۸﴾ إِنَّ  
هَؤُلَاءِ مُمْتَبِرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبِطْلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ أَغَيَّرَ اللَّهُ أَبْغِيَكُمْ  
إِلَهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَإِذَا أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُوكُمْ  
سُوءَ الْعَذَابِ يُقْتِلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ؕ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ  
عِزِّ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل سے سمندر پار کروایا، تو وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو اپنے بتوں سے  
لگے بیٹھے تھے۔ بنی اسرائیل کہنے لگے: ”اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی دیوتا بنا دو جیسے ان  
لوگوں کے دیوتا ہیں“ موسیٰ نے کہا: ”تم ایسے (عجیب) لوگ ہو جو جہالت کی باتیں کرتے  
ہو ﴿۱۳۸﴾ ارے یہ لوگ تو وہ ہیں کہ جس دھندے میں لگے ہوئے ہیں، سب برباد ہونے والا  
ہے، اور جو کچھ کرتے آرہے ہیں، سب باطل ہے“ ﴿۱۳۹﴾ (اور) کہا کہ: ”کیا تمہارے لئے اللہ  
کے سوا کوئی اور معبود ڈھونڈ کر لاؤں؟ حالانکہ اُسی نے تمہیں دُنیا جہان کے سارے لوگوں پر فضیلت  
دے رکھی ہے! ﴿۱۴۰﴾ اور (اللہ فرماتا ہے کہ) یاد کرو کہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے  
بچایا ہے جو تمہیں بدترین تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں  
کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی“ ﴿۱۴۱﴾

(۶۳) بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان تولے آئے تھے، اور فرعون کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں  
کو بھی انہوں نے صبر سے برداشت کیا جس کی تعریف قرآن کریم نے بھی فرمائی ہے، لیکن بعد میں انہوں نے  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے پریشان بھی کیا۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ اس قسم کے کچھ واقعات بیان فرما  
رہے ہیں۔

وَوَعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمْنَاهَا بِعَشْرِ فِتْنَمٍ مِّقَاتٍ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ  
لَيْلَةً وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ  
سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَبَّأَ جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۝ قَالَ رَبِّ  
أَرِنِي أَنظُرَ إِلَيْكَ ۝

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا (کہ ان راتوں میں کوہ طور پر آکر اعتکاف کریں)، پھر دس راتیں مزید بڑھا کر ان کی تکمیل کی،<sup>(۶۳)</sup> اور اس طرح اُن کے رب کی ٹھہرائی ہوئی میعاد کل چالیس راتیں ہو گئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ: ”میرے پیچھے تم میری قوم میں میرے قائم مقام بن جانا، تمام معاملات درست رکھنا، اور مفسد لوگوں کے پیچھے نہ چلنا“ ﴿۱۴۲﴾ اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رب اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ”میرے پروردگار! مجھے دیدار کر دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔“

(۶۳) فرعون سے نجات پانے اور سمندر عبور کر لینے کے بعد کچھ واقعات اس جگہ بیان نہیں ہوئے، اُن کی کچھ تفصیل سورہ مائدہ (۵: ۲۶ تا ۲۰) میں گزر چکی ہے۔ ان آیات کے حواشی میں ہم نے یہ تفصیل بقدر ضرورت بیان کر دی ہے۔ اب یہاں سے وہ واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں جو وادی تہ (صحرائے سینا) میں پیش آئے جہاں بنی اسرائیل کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے چالیس سال تک مقید کر دیا گیا تھا (جس کا واقعہ سورہ مائدہ میں گزرا ہے)۔ اس دوران انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں کوئی آسمانی کتاب لا کر دیں جس میں ہمارے لئے زندگی گزارنے کے قوانین درج ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ کوہ طور پر آکر تیس دن رات اعتکاف کریں۔ بعد میں کسی مصلحت سے یہ مدت بڑھا کر چالیس دن کر دی گئی۔ اسی اعتکاف کے دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا، اور تورات عطا فرمائی جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔

قَالَ لَنْ تَرِنِي وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرِنِي ۚ فَلَمَّا  
تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَنكَ  
تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۳﴾ قَالَ يَمُوسَى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ  
بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي ۖ فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي  
الْأَوَّلِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ  
قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۖ

فرمایا: ”تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف نظر اٹھاؤ، اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ  
برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔“ (۱۳۳) پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اُس کو ریزہ ریزہ  
کر دیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بعد میں جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے کہا: ”پاک ہے  
آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور (آپ کی اس بات پر کہ دُنیا میں کوئی آپ کو نہیں  
دیکھ سکتا) میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔“ ﴿۱۳۳﴾ فرمایا: ”اے موسیٰ! میں نے اپنے پیغام  
دے کر اور تم سے ہم کلام ہو کر تمہیں تمام انسانوں پر فوقیت دی ہے۔ لہذا میں نے جو کچھ تمہیں دیا ہے،  
اُسے لے لو، اور ایک شکر گزار شخص بن جاؤ۔“ ﴿۱۳۴﴾ اور ہم نے ان کے لئے تختیوں میں ہر قسم کی  
نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، (اور یہ حکم دیا کہ:) ”اب اس کو مضبوطی سے تھام لو، اور اپنی قوم کو  
حکم دو کہ اس کے بہترین احکام پر عمل کریں۔“ (۱۳۵)

(۱۳۵) اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دُنیا میں تو ممکن نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مظاہرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو  
کرا دیا کہ دُنیا میں انسانوں کو تو کجا، پہاڑوں کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو برداشت کر سکیں۔  
(۱۳۶) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تورات کے تمام ہی احکام بہترین ہیں، اُن پر عمل کرنا چاہئے۔ اور یہ  
مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جہاں تورات نے ایک کام کو جائز کہا ہو، لیکن دوسرے کام کو بہتر یا مستحب قرار دیا ہو تو  
اللہ تعالیٰ کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کام کو اختیار کیا جائے جس کو اُس میں بہترین قرار دیا گیا ہے۔

سَاوْرِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰتِيِّ الْاٰتِيِّ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ  
 بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَانْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَانْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا  
 يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَانْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغٰیِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ  
 كَذَّبُوْا بِالْاٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْاٰتِنَا وَلَقَاءِ الْاٰخِرَةِ  
 حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

ع ۷

میں عنقریب تم کو نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا۔ ﴿۱۳۵﴾ میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ  
 رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور وہ اگر ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں، تو اُن پر ایمان  
 نہیں لائیں گے۔ اور اگر انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ نظر آئے، تو اس کو اپنا طریقہ نہیں بنائیں گے،  
 اور اگر گمراہی کا راستہ نظر آجائے تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں گے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ انہوں  
 نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اور ان سے بالکل بے پروا ہو گئے ﴿۱۳۶﴾ اور جن لوگوں نے ہماری  
 نشانیاں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا ہے، اُن کے اعمال غارت ہو گئے ہیں۔ انہیں جو بدلہ  
 دیا جائے گا، وہ کسی اور چیز کا نہیں، خود اُن اعمال کا ہوگا جو وہ کرتے آئے تھے۔ ﴿۱۳۷﴾

(۶۷) بظاہر اس سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے جو اُس وقت عمالقہ کے قبضے میں تھا، اور دکھانے سے مراد یہ ہے کہ  
 وہ علاقہ بنی اسرائیل کے قبضے میں آجائے گا، جیسا کہ حضرت یوشع اور حضرت سموئیل علیہما السلام کے زمانے میں  
 ہوا۔ بعض مفسرین نے 'نافرمانوں کے گھر' کا مطلب دوزخ بتایا ہے، اور مقصد یہ بیان کیا ہے کہ آخرت میں  
 تمہیں نافرمانوں کا یہ انجام دکھا دیا جائے گا کہ جنہوں نے تم پر ظلم کئے تھے، وہ کس برے حال میں ہیں۔

(۶۸) اوپر جو یہ فرمایا گیا تھا کہ: "میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے  
 ہیں۔" اس سے کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو اپنی نشانیوں سے برگشتہ کر دیا تو اُن کا کیا  
 قصور؟ اس شبہ کو اس فقرے کے ذریعے دور فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اختیار سے کفر  
 پرائے رہنے کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، تو ہم وہی راستہ اُس کے لئے مقدر فرما دیتے ہیں جسے اُس نے اپنی مرضی

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ خُلَیْهِمْ عِجْلًا جَسَدًا آلَهِ خُورًا ۖ أَلَمْ يَرَوْا  
 أَنَّهُ لَا یُحْیِیْهِمْ وَلَا یَمِیْتُهِمْ سَبِيلًا ۚ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَمَّا سَقَطَ  
 فِیْ أَیْدِیْهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا ۖ قَالُوا لَیْسَ لَنَا مَرْحَمٌ إِلَّا هُوَ ۚ یَغْفِرْ لَنَا  
 لُكُوتَنَا مِنَ الْخُسْرِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَلَمَّا رَاجَعْ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ  
 بِئْسَمَا خَلَقْتُمُو فِی مِنْ بَعْدِی ۖ أَعَجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ

اور موسیٰ کی قوم نے اُن کے جانے کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا (بچھڑا کیا تھا؟) ایک  
 بے جان جسم جس سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی! بھلا کیا انہوں نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ وہ نہ اُن سے  
 بات کر سکتا ہے، اور نہ انہیں کوئی راستہ بتا سکتا ہے؟ (مگر) اُسے معبود بنا لیا، اور (خود اپنی جانوں کے  
 لئے) ظالم بن بیٹھے ﴿۱۳۸﴾ اور جب اپنے کئے پر پچھتائے، اور سمجھ گئے کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو  
 کہنے لگے: ”اگر اللہ نے ہم پر رحم نہ فرمایا، اور ہماری بخشش نہ کی تو یقیناً ہم برباد ہو جائیں  
 گے۔“ ﴿۱۳۹﴾ اور جب موسیٰ غصے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو  
 انہوں نے کہا: ”تم نے میرے بعد میری کتنی بُری نمائندگی کی! کیا تم نے اتنی جلد بازی سے کام لیا  
 کہ اپنے رب کے حکم کا بھی انتظار نہیں کیا؟“

سے اختیار کیا۔ چونکہ وہ چاہتا ہی یہ تھا کہ ہماری نشانیوں سے برگشتہ رہے، اس لئے ہم اُس کو اُس کی خواہش کے  
 خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کرتے، بلکہ اُسے اُس کی خواہش کے مطابق برگشتہ ہی رکھتے ہیں۔ لہذا اُس کو جو سزا  
 ملتی ہے، وہ خود اپنے ہی عمل کی ملتی ہے جو وہ اپنے اختیار سے مسلسل کرتا آیا تھا۔

(۶۹) اس بچھڑے کا مختصر ذکر سورہ بقرہ (۵۱:۲) میں بھی گزرا ہے، اور اس کا مفصل واقعہ سورہ طہ (۸۸:۲۰)  
 میں آنے والا ہے کہ کس طرح سامری جادو کرنے پر بچھڑا بنایا، اور بنی اسرائیل کو یقین دلایا کہ (نعوذ باللہ) تمہارا  
 خدا یہی ہے۔



وَأَلْقَى الْأَوَاخِ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۖ قَالَ ابْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشْبِثْ بِي الْإِعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝۱۵۰ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلَا خَيْرَ وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝۱۵۱ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيِّئًا لَّهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ۝۱۵۲ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا ۖ إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۵۳

اور (یہ کہہ کر) انہوں نے تختیاں پھینک دیں، اور اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کا سر پکڑ کر اُن کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ وہ بولے: ”اے میری ماں کے بیٹے! یقین جانئے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا، اور قریب تھا کہ مجھے قتل ہی کر دیتے۔ اب آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے، اور مجھے ان ظالم لوگوں میں شمار نہ کیجئے“ ﴿۱۵۰﴾ موسیٰ نے کہا: ”میرے پروردگار! میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرمادے، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“ ﴿۱۵۱﴾ (اللہ نے فرمایا:) ”جن لوگوں نے پچھڑے کو معبود بنایا ہے، اُن پر جلد ہی اُن کے رب کا غضب اور دُنیوی زندگی ہی میں ذلت آپڑے گی۔ جو لوگ افترا پر دازی کرتے ہیں، اُن کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں ﴿۱۵۲﴾ اور جو لوگ بُرے کام کر گذریں، پھر اُن کے بعد توبہ کر لیں، اور ایمان لے آئیں، تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد (اُن کے لئے) بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۱۵۳﴾

(۷۰) یہ تورات کی تختیاں تھیں جو وہ کوہ طور سے لائے تھے۔ ”پھینکنے“ سے یہاں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جلدی میں انہیں اس طرح ایک طرف رکھا کہ دیکھنے والا اُسے پھینکنے سے تعبیر کر سکتا تھا، خدا نخواستہ اُن کی بے حرمتی مقصود نہیں تھی۔

وَلَبَّاسَكْتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْاَلْوَا حٌ ۖ وَفِي نُسَخَتَهَا هُدًى وَرَا حَةٌ  
لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٣﴾ وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِيْنَ رَا جُلًا لِّلْبَيْقَاتِيْنَ ۚ

اور جب موسیٰ کا غصہ ختم کیا تو انہوں نے تختیاں اٹھالیں، اور اُن میں جو باتیں لکھی تھیں، اُس میں اُن لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان تھا جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ﴿۱۵۳﴾ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب کئے، تاکہ انہیں ہمارے طے کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور) لائیں۔

(۷۱) ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لے جانے کی کیا وجہ تھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ پچھڑے کی عبادت کا جو عظیم جرم بنی اسرائیل سے سرزد ہوا تھا، اُس پر توبہ کرانے کے لئے انہیں کوہ طور پر بلایا گیا تھا۔ لیکن اگر یہ بات تھی تو ان پر زلزلہ مسلط کرنے کی کوئی معقول توجیہ واضح نہیں ہوتی، اور جو توجیہات کی گئی ہیں، تکلف سے خالی نہیں ہیں۔ لہذا زیادہ صحیح بات وہ معلوم ہوتی ہے جو بعض روایات میں آئی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور بنی اسرائیل کو اُس پر عمل کرنے کا حکم دیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ہمیں اس بات کا یقین کیسے آئے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ ہی نے نازل کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ قوم کے ستر نمائندے منتخب کر کے انہیں کوہ طور پر لے آئیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ وہاں ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنا دیا گیا۔ لیکن اب انہوں نے اپنے مطالبے کو بڑھا کر یہ کہا کہ ہمیں تو اُس وقت تک یقین نہیں آئے گا جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں نہ دیکھ لیں۔ اس معاندانہ مطالبے کی وجہ سے اُن پر بجلی کا کڑکا ہوا جس نے زلزلے کی کیفیت پیدا کر دی، اور وہ سب بے ہوش ہو گئے۔ واقعے کی یہ توجیہ خود قرآن کریم کی تصریحات سے مطابقت رکھتی ہے۔ سورہ بقرہ (۲: ۵۵ و ۵۶) اور سورہ نساء (۴: ۱۵۳) میں بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ہمیں کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کا دیدار کراؤ، اور یہ کہ ہم اُس وقت تک تورات کو نہیں مانیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو خود نہ دیکھ لیں۔ اور یہ بات بھی ان دونوں آیتوں میں مذکور ہے کہ اُن کے اس مطالبے پر انہیں ایک کڑکے نے آپکڑا تھا۔ غالباً اسی کڑکے کے نتیجے میں وہ زلزلہ آیا جس کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ سورہ نساء (۴: ۱۵۳) میں کڑکے کے ذکر کے بعد جو یہ فرمایا گیا ہے کہ: ”ثُمَّ اِثْنَيْ وَاِلْعَجَلْ“ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کڑکا پچھڑے کے واقعے سے پہلے پیش آچکا تھا، کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی متعدد بد اعمالیاں بیان فرمائی ہیں، اُن

فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ<sup>ط</sup>  
 أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۚ إِنَّ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ  
 وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۖ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿٥٥﴾  
 وَكُتِبَ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۖ<sup>ط</sup>

پھر جب انہیں زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ نے کہا: ”میرے پروردگار! اگر آپ چاہتے تو ان کو، اور خود مجھ کو بھی پہلے ہی ہلاک کر دیتے، کیا ہم میں سے کچھ بے وقوفوں کی حرکت کی وجہ سے آپ ہم سب کو ہلاک کر دیں گے؟“ (ظاہر ہے کہ نہیں۔ لہذا پتہ چلا کہ) یہ واقعہ آپ کی طرف سے صرف ایک امتحان ہے جس کے ذریعے آپ جس کو چاہیں، گمراہ کر دیں، اور جس کو چاہیں ہدایت دے دیں۔ آپ ہی ہمارے رکھوالے ہیں۔ اس لئے ہمیں معاف کر دیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے۔ بیشک آپ سارے معاف کرنے والوں سے بہتر معاف کرنے والے ہیں ﴿۱۵۵﴾ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے، اور آخرت میں بھی۔ ہم (اس غرض کے لئے) آپ ہی سے رجوع کرتے ہیں۔“

میں زمانی ترتیب ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور ”ثُمَّ“ کا لفظ عربی زبان میں ”اس سے بھی بڑھ کر“ کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

(۷۲) جیسا کہ سورہ بقرہ (۵۶:۲) میں گذر چکا ہے، اس زلزلے کے نتیجے میں ان ستر آدمیوں پر موت جیسی حالت طاری ہو گئی تھی۔ کم از کم دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ یہ سب مر چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی خدا داد بصیرت سے سمجھ گئے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کو ان کا اس وقت ہلاک کرنا منظور نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ انہیں، بلکہ مجھے بھی، پہلے ہی اُس وقت ہلاک کر دیتے جب ان کی متعدد نافرمانیاں سامنے آئی تھیں۔ نیز یہ بھی آپ کی رحمت اور حکمت سے بعید ہے کہ چند بے وقوفوں کی حرکت پر ہم سب کو ہلاک کر ڈالیں، اور اس وقت اگر یہ ستر آدمی واقعی ہمیشہ کے لئے مر گئے تو میری اور میرے

قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۚ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَاكُنْهَا  
لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾

اللہ نے فرمایا: ”اپنا عذاب تو میں اُسی پر نازل کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں۔ اور جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے، وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں یہ رحمت (کامل طور پر) اُن لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں“ ﴿۱۵۶﴾

مخلص ساتھیوں کی بھی ہلاکت تقریباً یقینی ہے، کیونکہ میری قوم کے لوگ مجھے ان ستر آدمیوں کا قاتل قرار دے کر مجھے بھی ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان سب باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد اس وقت ان کو ہلاک کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک امتحان ہے جس سے لوگوں کو آزما کر مقصود ہے کہ وہ دوبارہ زندگی پاکر شکر بجالاتے ہیں، یاد ستور ناشکری کر کے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگتے ہیں۔

(۷۳) مطلب یہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ دُنیا کا عذاب میں ہر نافرمان کو نہیں دیتا، بلکہ اپنی حکمت اور علم سے جس کو چاہتا ہوں اُسے دیتا ہوں۔ آخرت میں بھی ہر گناہ پر میرا عذاب دینا ضروری نہیں، بلکہ جو لوگ ایمان لے آتے ہیں، اُن کے بہت سے گناہ میں معاف کرتا رہتا ہوں۔ البتہ جن لوگوں کی سرکشی کفر و شرک کی صورت میں حد سے بڑھ جاتی ہے، اُن کو اپنی مشیت اور حکمت کے تحت عذاب دیتا ہوں۔ اس کے برخلاف دُنیا میں میری رحمت ہر مومن اور کافر، نیک اور بد سب پر چھائی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں انہیں رزق اور صحت و عافیت کی نعمتیں ملتی رہتی ہیں۔ اور آخرت میں بھی کفر و شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کو اسی رحمت سے معاف کیا جائے گا۔

(۷۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کے لئے جو دعائیں تھی کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن کو بھلائی نصیب ہو، یہ اُس کا جواب ہے، اور مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں تو میری رحمت سے سب کو رزق وغیرہ مل رہا ہے،

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي  
التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْعُرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ  
الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ

جو اُس رسول، یعنی نبی اُمی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا، اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا،

لیکن جن لوگوں کو دُنیا اور آخرت دونوں میں میری رحمت حاصل ہوگی، وہ صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی صفات کے حامل ہوں، اور جنہیں مال کی محبت زکوٰۃ جیسے فریضے کی ادائیگی سے نہ روکے۔ چنانچہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) آپ کی اُمت کے جو لوگ ان صفات کے حامل ہوں گے، اُن کو ضرور میری یہ رحمت پہنچے گی کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں انہیں بھلائی نصیب ہوگی۔

(۷۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو اُن کی وفات کے بعد بھی صدیوں تک باقی رہنا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دُعا کی تھی، وہ بنی اسرائیل کی اگلی نسلوں کے لئے بھی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کرتے وقت یہ بھی واضح فرمادیا کہ بنی اسرائیل کے جو لوگ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں گے، اُن کو دُنیا اور آخرت کی بھلائی اُسی صورت میں مل سکے گی جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ان کی پیروی کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی کچھ صفات بھی بیان فرمائیں، جن میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ آپ نبی ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں گے۔ عام طور سے رسول کا لفظ ایسے پیغمبر کے لئے بولا جاتا ہے جو نئی شریعت لے کر آئے۔ لہذا اس لفظ سے اشارہ کر دیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نئی شریعت لے کر آئیں گے جس میں کچھ فروعی احکام تورات کے احکام سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں، اور بنی اسرائیل کو اس وقت یہ نہ کہنا چاہئے کہ یہ تو ہماری شریعت سے مختلف احکام بیان کر رہے ہیں، اس لئے ہم ان پر کیسے ایمان لائیں؟ چنانچہ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۖ فَاَلَّذِينَ أَمْتُوا بِهِمْ وَعَتَرُوا لَهُ  
بِطُغْيَانِهِمُ وَمَنَعُوا الْتَوَارِثَ لَن نَّزِيلَ مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥٤﴾

اور اُن پر سے وہ بوجھ اور گلے کے وہ طوق اُتار دے گا جو اُن پر لدے ہوئے تھے۔ چنانچہ جو لوگ اُس (نبی) پر ایمان لائیں گے، اُس کی تعظیم کریں گے، اُس کی مدد کریں گے، اور اُگل کے ساتھ جو نور اُتارا گیا ہے، اُس کے پیچھے چلیں گے، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے ﴿۱۵۷﴾

پہلے سے بتایا جا رہا ہے کہ ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، اور جو رسول نئی شریعت لے کر آتے ہیں، ان کے فروعی احکام پہلے احکام سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ امی ہوں گے، یعنی لکھتے پڑھتے نہیں ہوں گے۔ عام طور سے بنی اسرائیل امی نہیں تھے، بلکہ نسلی عربوں کو امی کہا جاتا تھا، (دیکھئے قرآن کریم میں ۸: ۷۸ و ۳: ۲۰ و ۲: ۶۲) اور خود یہودی یہ لفظ عرب نسل کے لوگوں کے لئے کسی قدر حقارت کے پیرائے میں استعمال کرتے تھے، (دیکھئے سورہ آل عمران ۷۵: ۳) اس لئے اس لفظ سے یہ اشارہ بھی دے دیا گیا کہ وہ بنی اسرائیل کے بجائے عربوں کی نسل سے مبعوث ہوں گے۔ آپ کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ کا ذکر مبارک تورات اور انجیل دونوں میں موجود ہوگا۔ اس سے ان بشارتوں کی طرف اشارہ ہے جو آپ کی تشریف آوری سے متعلق ان مقدس کتابوں میں دی گئی تھیں۔ آج بھی بہت سی تحریقات کے باوجود بائبل میں متعدد بشارتیں موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”اظہار الحق“ کا اردو ترجمہ ”بائبل سے قرآن تک“ مرتبہ راقم الحروف۔

(۷۶) اس سے اُن سخت احکام کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں پر عائد کئے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ احکام تو خود تورات میں تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اُس وقت یہودیوں کو اُن کا پابند کیا تھا۔ بعض سخت احکام اُن کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر نافذ کئے گئے تھے جس کا ذکر سورہ نساء (۴: ۱۶۰) میں گزرا ہے۔ اور بہت سے احکام یہودی علماء نے اپنی طرف سے گھڑ لئے تھے۔ شاید ”بوجھ“ سے پہلی اور دوسری قسم کی طرف اور ”گلے کے طوق“ سے تیسری قسم کے احکام کی طرف اشارہ ہو۔ بتایا جا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کو منسوخ کر کے ایک آسان اور معتدل شریعت لائیں گے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ  
الْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ  
الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٨﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَى أُمَّةٌ  
يَهْتَدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿٥٩﴾

(اے رسول! ان سے) کہو کہ: ”اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس  
کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور  
موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اُس  
کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اُس کی پیروی کرو، تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو“ ﴿۱۵۸﴾ اور موسیٰ  
کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دکھاتی ہے، اور اُسی (حق) کے مطابق  
انصاف سے کام لیتی ہے۔ ﴿۱۵۹﴾

(۷۷) چونکہ پیچھے یہ ذکر آیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول کرتے وقت اُن کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ نبی  
آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اُن کی آئندہ نسلوں کے لئے ضروری ہوگا، اس لئے اس موقع کی  
مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت عطا فرمائی کہ وہ بنی  
اسرائیل سمیت تمام انسانوں کو اپنی نبوت پر ایمان لانے اور اپنی اتباع کی دعوت دیں۔

(۷۸) یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی جو دعوت دی گئی، اور اس سے پہلے اُن کی بہت  
سی بدعنوانیاں بیان ہوئیں، اُس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ تمام بنی اسرائیل ان بدعنوانیوں کے مرتکب ہیں، اس  
لئے اس جملہ معترضہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمادی کہ سارے بنی اسرائیل ایک جیسے نہیں ہیں،  
بلکہ اُن میں حق کو ماننے والے، اُس پر عمل کرنے والے اور اُس کی طرف لوگوں کو ہدایت دینے والے بھی موجود  
ہیں۔ اس میں وہ بنی اسرائیل بھی داخل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دین حق پر قائم رہے، اور وہ  
بھی جو آپ پر ایمان لائے، مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ اس وضاحت کے بعد آگے پھر حضرت موسیٰ  
علیہ السلام کے زمانے کے بنی اسرائیل کا جو واقعہ دور سے چلا آ رہا ہے، اس کو دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے۔

وَقَطَّعُوا شَتَّى عَشْرَةٍ أَسْبَاطًا مِمَّا<sup>ط</sup> وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ  
 قَوْمُهُ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ<sup>ط</sup> فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا<sup>ط</sup> قَدْ  
 عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرِبَهُمْ<sup>ط</sup> وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّاءَ<sup>ط</sup>  
 السَّلْوى<sup>ط</sup> كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ<sup>ط</sup> وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ  
 يَظْلِمُونَ<sup>(۱۶۰)</sup> وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا  
 حِطَّةٌ<sup>ط</sup> وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ<sup>ط</sup> سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ<sup>(۱۶۱)</sup>

اور ہم نے اُن کو (یعنی بنی اسرائیل کو) بارہ خاندانوں میں اس طرح تقسیم کر دیا تھا کہ وہ الگ الگ  
 (انتظامی) جماعتوں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ اور جب موسیٰ کی قوم نے اُن سے پانی مانگا تو ہم  
 نے اُن کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی فلاں پتھر پر مارو۔ چنانچہ اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ  
 پڑے۔ ہر خاندان کو اپنی پانی پینے کی جگہ معلوم ہو گئی۔ اور ہم نے اُن کو بادل کا سایہ دیا، اور ہم نے  
 اُن پر من و سلویٰ (یہ کہہ کر) اُتارا کہ: ”کھاؤ وہ پاکیزہ رزق جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔“ اور (اس  
 کے باوجود انہوں نے جو ناشکری کی تو) انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر  
 ظلم کرتے رہے۔ ﴿۱۶۰﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اُن سے کہا گیا تھا کہ: ”اس بستی میں جا کر بس  
 جاؤ، اور اُس میں جہاں سے چاہو کھاؤ، اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ!) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار  
 ہیں، اور (بستی کے) دروازے میں جھکے ہوئے سروں کے ساتھ داخل ہونا، تو ہم تمہاری خطائیں  
 معاف کر دیں گے، (اور) نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے۔“ ﴿۱۶۱﴾

(۷۹) آیات ۱۶۰ تا ۱۶۲ میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ سورہ بقرہ (۲: ۵۷ تا ۶۱) میں  
 گزر چکے ہیں۔ تشریح کے لئے ان آیتوں کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔



فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْرَسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا  
 مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً  
 الْبَحْرِ إِذْ يَعْبُدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَاعًا وَيَوْمَ لَا  
 يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ  
 مِنْهُمْ لِمَ تَعْبُدُونَ قَوْمًا لَا إِلَهَ مِثْلُ اللَّهِ مُمْهِلِكُهُمْ أَوْ مُعْذِبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا  
 مَعَذَرَةَ إِلَىٰ رَبِّكُم وَلَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾

پھر ہوا یہ کہ جو بات اُن سے کہی گئی تھی، اُن میں سے ظالم لوگوں نے اُسے بدل کر دوسری بات بنالی۔  
 تب ہم نے اُن کی مسلسل زیادتیوں کی وجہ سے اُن پر آسمان سے عذاب بھیجا ﴿۱۶۲﴾ اور ان سے  
 اُس بستی کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے آباد تھی، جب وہ سبت (سنیچر) کے معاملے میں  
 زیادتیاں کرتے تھے، جب اُن (کے سمندر) کی مچھلیاں سنیچر کے دن تو اُچھل اُچھل کر سامنے آتی  
 تھیں، اور جب وہ سنیچر کا دن نہ منارہے ہوتے، تو وہ نہیں آتی تھیں۔ اس طرح اُن کی مسلسل  
 نافرمانیوں کی وجہ سے ہم انہیں آزماتے تھے۔ ﴿۱۶۳﴾ اور (وہ وقت انہیں یاد دلاؤ) جب انہی کے  
 ایک گروہ نے (دوسرے گروہ سے) کہا تھا کہ: ”تم اُن لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ  
 یا تو ہلاک کرنے والا ہے، یا کوئی سخت قسم کا عذاب دینے والا ہے؟“ (۸۰) دوسرے گروہ کے لوگوں نے کہا  
 کہ: ”یہ ہم اس لئے کرتے ہیں تاکہ تمہارے رب کے حضور بری الذمہ ہو سکیں، اور شاید (اس  
 نصیحت سے) یہ لوگ پرہیزگاری اختیار کر لیں۔“ ﴿۱۶۴﴾ (۸۱)

(۸۰) یہ واقعہ بھی اختصار کے ساتھ سورہ بقرہ (۲: ۶۵-۶۶) میں گزرا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سنیچر کو عربی اور عبرانی  
 زبان میں ”سبت“ کہتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے اسے ایک مقدس دن قرار دیا گیا تھا جس میں ان کے لئے  
 معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں۔ جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہے وہ (غالباً) حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں  
 کسی سمندر کے کنارے رہتے تھے، اور مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ان کے لئے ناجائز

تھا، مگر شروع میں انہوں نے کچھ حیلے کر کے اس حکم کی خلاف ورزی کرنی چاہی، اور پھر کھلم کھلا مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ کچھ نیک لوگوں نے انہیں سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ان پر عذاب آیا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر بنادیا گیا۔ سورہ بقرہ میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ موجودہ بائبل میں موجود نہیں ہے، لیکن عرب کے یہودی اس سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔

(۸۱) جب کوئی قوم نافرمانی پر کمر باندھ لیتی ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اُسے ڈھیل دیتے ہیں، جیسا کہ آگے آیت نمبر ۸۲ میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ سینچر کے دن معاشی سرگرمیوں سے باز رہنا اپنی ذات میں کچھ اتنا ناقابلِ برداشت نہیں تھا، لیکن جس قوم کی سرشت ہی میں نافرمانی تھی، اُس نے جب کسی معقول وجہ کے بغیر احکام کی خلاف ورزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ ڈھیل دی کہ سینچر کے دن مچھلیاں اتنے افراط کے ساتھ نظر آنے لگیں کہ دوسرے دنوں میں اتنے افراط کے ساتھ نظر نہیں آتی تھیں۔ اس سے ان کو نافرمانی کا اور حوصلہ ہوا، اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل اور آزمائش ہے۔ اور انہوں نے پہلے ایسے حیلے کئے کہ سینچر کے دن مچھلی کی دُم میں رسی اٹکا کر اسے زمین کی کسی چیز سے باندھ دیا، اور اتوار کے دن اُسے پکا کھایا۔ جب ان حیلوں سے نافرمانی کا حوصلہ بڑھا تو کھلم کھلا شکار شروع کر دیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی شخص کو گناہ کے وافر مواقع میسر آرہے ہوں تو اُسے ڈرنا چاہئے کہ یہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل نہ ہو جس کے بعد وہ ایک دم پکڑ لیا جائے۔

(۸۲) دراصل ان لوگوں کے تین گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ مسلسل نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے تھا۔ دوسرا گروہ شروع میں انہیں سمجھاتا رہا، اور جب وہ نہ مانے تو مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ تیسرا گروہ مایوس ہونے کے بجائے بدستور انہیں نصیحت کرتا رہا۔ اب دوسرے گروہ نے تیسرے گروہ سے کہا کہ جب یہ لوگ مسلسل نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے، اس لئے ان کو سمجھانا وقت ضائع کرنا ہے۔

(۸۳) یہ تیسرے گروہ کا جواب ہے، اور بڑا عارفانہ جواب ہے۔ انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھنے کی دو وجہیں بیان کیں۔ ایک یہ کہ ہمارے نصیحت کرتے رہنے کا پہلا مقصد تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری پیشی ہو تو ہم یہ کہہ سکیں کہ یا اللہ! ہم اپنا فریضہ ادا کرتے رہے تھے، اس لئے ہم ان کے جرائم سے بری الذمہ ہیں۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم اب بھی یہ اُمید رکھتے ہیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ہماری بات سن لے، اور گناہ سے باز آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ جواب خاص طور پر نقل فرما کر ہر مسلمان کو متنبہ فرمایا ہے کہ جب معاشرے میں نافرمانی کا دور دورہ ہو جائے تو ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچالے، بلکہ دوسروں کو راہِ راست کی دعوت دینا بھی اُس کی ذمہ داری ہے جس کے بغیر وہ مکمل طور پر بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حق کے ایک داعی کو کبھی مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اس اُمید کے ساتھ اپنا پیغام پہنچاتے رہنا چاہئے کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ بات سمجھ جائے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَیِّنٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَآئِهِمْ وَعَنَّا قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۖ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

پھر جب یہ لوگ وہ بات بھلا بیٹھے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو بُرائی سے روکنے والوں کو تو ہم نے بچالیا، اور جنہوں نے زیادتیاں کی تھیں، اُن کی مسلسل نافرمانی کی بنا پر ہم نے انہیں ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا ﴿۱۶۵﴾ چنانچہ ہوا یہ کہ جس کام سے انہیں روکا گیا تھا، جب انہوں نے اس کے خلاف سرکشی کی تو ہم نے اُن سے کہا: ”جاؤ، ذلیل بندر بن جاؤ۔“ ﴿۱۶۶﴾ (یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک کوئی نہ کوئی ایسا شخص مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں پہنچائے گا۔ بیشک تمہارا رب جلد ہی سزا دینے والا بھی ہے، اور یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان بھی ہے ﴿۱۶۷﴾

(۸۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں واقعی بندر بنا دیا گیا۔ ہمارے دور کے بعض لوگ اس قسم کی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے قرآن کریم میں تاویلات بلکہ تحریفات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب ڈارون کسی قطعی دلیل کے بغیر یہ کہے کہ بندر ترقی کر کے انسان بن گیا تھا تو اُسے ماننے میں انہیں تامل نہیں ہوتا، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے قطعی کلام میں یہ فرمائیں کہ انسان تنزل کر کے بندر بن گیا تو یہ حضرات شرمناک اُس میں تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۸۵) یہودی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ واقعی ہر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ان پر کوئی نہ کوئی جابر مسلط ہوتا رہا ہے جس نے ان کو اپنا محکوم بنا کر طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ البتہ ظاہر ہے کہ ہزاروں سال کی تاریخ میں ایسے وقفے بھی آتے رہے ہیں جن میں وہ خوش حال رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آگے خود یہ فرمایا ہے کہ: ”ہم نے ان کو اچھے اور برے حالات سے آزمایا“ جس سے واضح ہے کہ ان پر خوش حالی کے دور بھی آتے رہے ہیں، مگر مجموعی تاریخ کے مقابلے میں وہ کم ہیں۔

وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمْ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٣٨﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهَا يَأْخُذُوهَا ۖ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۖ وَاللَّذَانِ الْأَخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣٩﴾ وَالَّذِينَ يُسَيِّئُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٤٠﴾

اور ہم نے دُنیا میں اُن کو مختلف جماعتوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ ان میں نیک لوگ بھی تھے، اور کچھ دوسری طرح کے لوگ بھی۔ اور ہم نے انہیں اچھے اور بُرے حالات سے آزمایا، تاکہ وہ (راہِ راست کی طرف) لوٹ آئیں ﴿۱۳۸﴾ پھر ان کے بعد اُن کی جگہ ایسے جانشین آئے جو کتاب (یعنی تورات) کے وارث بنے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ اس ذلیل دُنیا کا ساز و سامان (رِشوت میں) لیتے، اور یہ کہتے کہ: ”ہماری بخشش ہو جائے گی“ حالانکہ اگر اُسی جیسا ساز و سامان دوبارہ اُن کے پاس آتا تو وہ اُسے بھی (رِشوت میں) لے لیتے۔ کیا ان سے کتاب میں مذکور یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کریں؟ اور اُس (کتاب) میں جو کچھ لکھا تھا، وہ انہوں نے باقاعدہ پڑھا بھی تھا۔ اور آخرت والا گھر اُن لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (اے یہود!) کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۱۳۹﴾ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، تو ہم ایسے اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ﴿۱۴۰﴾

(۸۶) یہ ان کی اس بدعنوانی کا ذکر ہے کہ وہ رِشوت لے کر اللہ کی کتاب کی غلط تفسیر کر دیتے تھے، اور ساتھ ہی بڑے یقین کے ساتھ یہ بھی کہتے کہ ہمارے اس گناہ کی بخشش ہو جائے گی۔ حالانکہ بخشش تو توبہ سے ہوتی ہے، جس کا لازمی حصہ یہ ہے کہ آئندہ اس گناہ سے پرہیز کیا جائے، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ اگر انہیں دوبارہ رِشوت کی

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَكُمْ  
 بِقُوَّةٍ وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٤١﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بُنَىٰ آدَمَ مِنْ  
 ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۙ  
 شَهِدْنَا ۖ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ﴿١٤٢﴾

صافقہ

اور (یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اس طرح اٹھا دیا تھا جیسے وہ کوئی سائبان ہو، اور انہیں  
 یہ گمان ہو گیا تھا کہ وہ ان کے اوپر گرنے ہی والا ہے، (اُس وقت ہم نے حکم دیا تھا کہ:) ”ہم نے  
 تمہیں جو کتاب دی ہے، اُسے مضبوطی سے تھامو، اور اُس کی باتوں کو یاد کرو، تاکہ تم تقویٰ اختیار  
 کر سکو“ ﴿۱۴۱﴾ اور (اے رسول! لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کے  
 بیٹوں کی پشت سے اُن کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور اُن کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا تھا، (اور پوچھا تھا  
 کہ:) ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ سب نے جواب دیا تھا کہ: ”کیوں نہیں؟ ہم سب اس  
 بات کی گواہی دیتے ہیں۔“ (اور یہ اقرار ہم نے اس لئے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو  
 کہ: ”ہم تو اس بات سے بے خبر تھے“ ﴿۱۴۲﴾

پیشکش کی جاتی تو وہ دوبارہ لینے کو بے تکلف تیار رہتے تھے۔ اور یہ سب کچھ وہ دنیا کی خاطر کرتے تھے، حالانکہ اگر  
 عقل ہوتی تو یہ دیکھتے کہ آخرت کی زندگی کہیں بہتر ہے۔

(۸۷) یہ واقعہ سورہ بقرہ (۶۳:۲) اور سورہ نساء (۱۵۴:۳) میں بھی گزرا ہے، اور سورہ بقرہ کی متعلقہ آیت کے  
 تحت ہم نے اس کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ وہاں ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عربی زبان کے لحاظ سے اس آیت کا یہ  
 ترجمہ بھی ممکن ہے کہ: ”ہم نے پہاڑ کو اُن کے اوپر اس طرح زور زور سے ہلایا کہ انہیں یہ گمان ہو گیا کہ وہ ان  
 کے اوپر گرنے والا ہے۔“

(۸۸) اس آیت کریمہ میں جس عہد لینے کا ذکر ہے، حدیث میں اُس کی تشریح یہ آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِمَّنْ بَعْدَهِمْ ۚ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا  
فَعَلَ الْبُاطِلُونَ ﴿۱۷۶﴾ وَكَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۷﴾

یہ نہ کہہ دو کہ: ”شُرک (کا آغاز) تو بہت پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا، اور ہم اُن کے بعد انہی کی اولاد بنے۔ تو کیا آپ ہمیں اُن کاموں کی وجہ سے ہلاک کر دیں گے جو غلط کار لوگوں نے کئے تھے؟“ ﴿۱۷۶﴾ اور اسی طرح ہم نشانیوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، تاکہ لوگ (حق کی طرف) پلٹ آئیں ﴿۱۷۷﴾

آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اُن کی پشت سے جتنے انسان پیدا ہونے والے تھے، ان سب کو ایک جگہ اس طرح جمع فرمایا کہ وہ سب چیونٹیوں کے برابر جسم رکھتے تھے۔ پھر اُن سے یہ عہد لیا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے ہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں، (روح المعانی بحوالہ نسائی وحاکم و بیہقی وغیرہ) جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو مان کر ان پر عمل کریں گے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی ان سے اپنی اطاعت کا اقرار لے لیا تھا۔ دُنیا میں ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں جن کو یہ واقعہ دُنیا میں آنے کے بعد بھی یاد رہا، مثلاً حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: ”یہ عہد مجھے ایسا یاد ہے گویا اس وقت سن رہا ہوں۔“ (معارف القرآن ج: ۴ ص: ۱۱۵) لیکن یہ دُرست ہے کہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر باقی انسان اس واقعے کو ایک عہد کی شکل میں تو بھول چکے ہیں، مگر کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ یاد نہ رہنے کے باوجود اپنا طبعی اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ اثر آج بھی دُنیا کے اکثر و بیشتر انسانوں میں موجود ہے کہ وہ اس کائنات کے ایک پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس کی عظمت و کبریائی کے گن گاتے ہیں۔ جو لوگ ماڈی خواہشات کے گرداب میں پھنس کر اپنی فطرت خراب کر چکے ہوں، اُن کی بات تو اور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت ہر انسان کی فطرت میں سمائی ہوئی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی فطرت سے دُور کرنے والے بیرونی عوامل دُور ہوتے ہیں تو انسان حق کی طرف اس طرح دوڑتا ہے جیسے اُس کو اپنی کھوئی ہوئی پونجی اچانک مل گئی ہو۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ الْيَتِيمَ أَتْسَدَّ مِنْهَا فَاَتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ  
فَكَانَ مِنَ الْغَوِيْنَ ﴿٨٩﴾

اور (اے رسول!) ان کو اُس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں، مگر وہ اُن کو بالکل ہی چھوڑ نکلا، پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ ﴿۸۹﴾ ﴿۱۷۵﴾

(۸۹) عام طور سے مفسرین نے اس آیت کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس میں بلعام بن باعور کی طرف اشارہ ہے۔ فلسطین کے علاقے موآب میں یہ ایک عابد و زاہد شخص تھا، اور اس کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اُس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اُس وقت اس علاقے پر بت پرست قوموں کا قبضہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کا لشکر لے کر اس علاقے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فوجیں موآب کے دروازے تک پہنچ گئیں تو وہاں کے بادشاہ نے بلعام سے کہا کہ وہ ان کے خلاف بددعا کرے تاکہ وہ ہلاک ہو جائیں، بلعام نے شروع میں انکار کیا، مگر بادشاہ نے اسے رشوت دی تو وہ بددعا پر راضی ہو گیا۔ مگر جب دُعا کرنی شروع کی تو الفاظ بددعا کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں دُعا کے نکلے۔ بعد میں بلعام نے بادشاہ کے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی عورتوں کو بنی اسرائیل کے خیموں میں بھیج دیں، تاکہ وہ بدکاری میں مبتلا ہو جائیں۔ بدکاری کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر کا سبب بنتی ہے، اس لئے بنی اسرائیل اپنی بدکاری کی وجہ سے اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنی اسرائیل اس فتنے میں مبتلا ہو گئے جس کی وجہ سے ان میں عذاب کے طور پر طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ یہ قصہ بائبل میں بھی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے (دیکھئے گنتی، باب ۲۲ تا ۲۵، اور ۱۶: ۳۱)۔

قرآن کریم نے یہاں اُس شخص کا نام نہیں لیا جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے، اور نہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ کر کس طرح اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی۔ اور جو قصہ اوپر بیان کیا گیا ہے، وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ اس لئے یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان آیات میں وہی مراد ہے۔ تاہم قرآن کریم کا اصل مقصد اس شخص کی تعین پر موقوف نہیں ہے۔ سبق یہ دینا مقصود ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم اور عبادت کے شرف سے نوازا ہو، اُس کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط اور تقویٰ سے کام لینا چاہئے۔ اگر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کی خلاف ورزی کر کے ناجائز خواہشات کے پیچھے چل پڑے، تو اس کا انجام دُنیا اور آخرت دونوں میں برا ہوتا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخَذَ إِلَىٰ الْآرْمِضِ وَاتَّبَعَهُ هَوَاهُ ۖ فَجِئْنَاهُ بِمِثْلِهِ كَمِثْلِ  
 الْكُذِّبِ ۚ إِن تَحِبَّ عَلَيْهِ يُلَهِثُ أَوْ تَشْرِكُهُ يُلَهِثُ ۚ ذَٰلِكَ مِثْلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ  
 كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصِصْ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۹۵﴾ سَاءَ مِثْلًا الْقَوْمُ  
 الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنفُسُهُمْ كَانُوا بِظُلْمٍ ۖ ﴿۹۶﴾ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ  
 الْمُهْتَدِى ۚ وَمَنْ يُضِلْ فَلَا وَلِيَّكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۹۷﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اُسے سر بلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ  
 گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا، اس لئے اُس کی مثال اُس کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تم اُس پر  
 حملہ کرو تب بھی وہ زبان لٹکا کر ہانپے گا، اور اگر اُسے (اُس کے حال پر) چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا کر  
 ہانپے گا۔<sup>(۹۵)</sup> یہ ہے مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ لہذا تم یہ واقعات ان کو  
 سناتے رہو، تاکہ یہ کچھ سوچیں ﴿۱۷۶﴾ کتنی بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں  
 کو جھٹلایا ہے، اور جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں! ﴿۱۷۷﴾ جسے اللہ ہدایت دے، بس وہی  
 ہدایت یافتہ ہوتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھاتے ہیں ﴿۱۷۸﴾

(۹۰) عام جانور اُسی وقت ہانپتے ہیں جب کوئی بوجھ اٹھائیں، یا کوئی اُن پر حملہ کرے۔ لیکن کتا ایسا جانور ہے  
 جسے سانس لینے کے لئے ہر حال میں ہانپنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جن حضرات نے اس واقعے کو بلعام بن باعور کا  
 واقعہ قرار دیا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس کی بد عملی کی سزا میں اُس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی تھی، اس  
 لئے اُسے اس آیت میں کتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دراصل یہ تشبیہ اُس شخص کی  
 نفسانی حرص کی ہے۔ اگر کتے پر کوئی چیز پھینکی جائے تو خواہ وہ اُسے مارنے کے لئے پھینکی گئی ہو، کتا اپنی زبان  
 نکال کر اُس پر اس حرص میں لپکتا ہے کہ شاید یہ کوئی کھانے کی چیز ہو۔ اسی طرح جو شخص دُنیا کی حرص میں گرفتار ہو  
 وہ ہر واقعے سے دُنیا کا مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اُس کے لئے ہر حال میں ہانپتا ہی رہتا ہے۔



وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّ هُمْ أَضَلُّ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿٩١﴾ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ

اور ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ جہنم کے لئے پیدا کئے۔ اُن کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور اُن کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۹۱﴾ اور اسمائے حسنیٰ (اچھے اچھے نام) اللہ ہی کے ہیں۔ لہذا اُس کو انہی ناموں سے پکارو، ﴿۹۲﴾

(۹۱) یعنی اُن کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ایسے کام کریں گے جو انہیں جہنم تک لے جائیں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تقدیر میں لکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جہنم کے کام کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، بلکہ بلا تشبیہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اُستاد اپنے کسی شاگرد کے حالات کے پیش نظر یہ لکھ کر رکھ دے کہ یہ فیل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُستاد نے اُسے فیل ہونے پر مجبور کر دیا، بلکہ اُس نے جو کچھ لکھا تھا اُس کا مطلب یہی تھا کہ یہ شاگرد محنت کرنے کے بجائے وقت ضائع کرے گا، اور اس کے نتیجے میں فیل ہوگا۔

(۹۲) اس سے پہلی آیت میں نافرمانوں کی بنیادی بیماری یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُس کے سامنے جواب دہی کے احساس سے غافل ہیں۔ اور غور کیا جائے تو اس دُنیا میں ہر قسم کی برائی کا اصل سبب ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اس لئے اب اس بیماری کا علاج بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، اور اپنی ہر حاجت اُسی سے مانگی جائے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا جو لفظ یہاں استعمال ہوا ہے، وہ دونوں باتوں کو شامل ہے، اُس کی تسبیح و تقدیس کے ذریعے اُس کا ذکر کرنا، اور اُس سے دعائیں مانگنا۔ غفلت کے دُور ہونے کا یہی راستہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کو دونوں طریقوں سے پکارے۔ البتہ اُس کو پکارنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو اچھے اچھے نام (اسمائے حسنیٰ) خود اللہ تعالیٰ نے یا اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیئے ہیں، انہی ناموں سے اُس کو پکارا جائے۔ ان اسمائے حسنیٰ کی طرف قرآن کریم نے کئی مقامات پر اشارہ فرمایا ہے (دیکھئے سورۃ بنی اسرائیل ۱: ۱۰، سورۃ طہ ۲۰: ۸، سورۃ حشر ۵۹: ۲۳)۔ اور

وَذُرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْبَابِ<sup>۱۸۰</sup> سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ<sup>۱۸۱</sup> وَمِمَّنْ  
 خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ<sup>۱۸۲</sup> وَالَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا  
 سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ<sup>۱۸۳</sup> وَأُمْلِي لَهُمْ<sup>۱۸۴</sup> إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ<sup>۱۸۵</sup>

اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس کے ناموں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں،  
 اُس کا بدلہ اُنہیں دیا جائے گا ﴿۱۸۰﴾ اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق  
 کا راستہ دکھاتی ہے، اور اُسی (حق) کے مطابق انصاف سے کام لیتی ہے ﴿۱۸۱﴾ اور جن لوگوں  
 نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، انہیں ہم اس طرح دھیرے دھیرے پکڑ میں لیں گے کہ انہیں پتہ بھی  
 نہیں چلے گا ﴿۱۸۲﴾ اور میں اُن کو ڈھیل دیتا ہوں، یقین جانو کہ میری خفیہ تدبیر بڑی مضبوط  
 ہے۔ ﴿۱۸۳﴾<sup>(۹۳)</sup>

صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ یہ ننانوے  
 نام ترمذی اور حاکم نے روایت کئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر انہی اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم  
 مبارک کے ساتھ کرنا چاہئے، اور اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام نہیں گھڑ لینا چاہئے۔

(۹۳) بہت سے کافروں کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا جو ناقص، آدھورا یا غلط تصور تھا، اُس کے مطابق انہوں نے اللہ  
 تعالیٰ کا کوئی نام یا کوئی صفت بنالی تھی، یہ آیت متنبہ کر رہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ اُن لوگوں کی  
 پیروی میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا وہ نام یا صفت استعمال کرنا شروع کر دیں۔

(۹۴) یہ اُن لوگوں کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے جو مسلسل نافرمانی کئے جا رہے ہوں، اور پھر بھی دُنیا کے عیش و عشرت  
 سے لطف اندوز ہو رہے ہوں، اور جنہیں کبھی یہ خیال بھی نہ آتا ہو کہ انہیں کسی دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا  
 ہے۔ کیونکہ ایسی نافرمانیوں اور ایسی غفلت کے ساتھ جو دُنوی عیش و عشرت میسر آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف  
 سے ڈھیل ہوتی ہے، جس کو قرآن کریم نے ”استدراج“ کا نام دیا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ ایسا شخص اچانک  
 پکڑ لیا جاتا ہے، کبھی تو یہ پکڑ دُنیا ہی میں ہو جاتی ہے، اور اگر یہاں نہ ہوئی تو آخرت میں تو ہونی ہی ہوتی ہے۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا<sup>۱۸۴</sup> مَا بِصَاحِبِهِمْ<sup>۱۸۵</sup> مِنْ جِنَّةٍ<sup>۱۸۶</sup> إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ<sup>۱۸۷</sup> ۝ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ<sup>۱۸۸</sup> ۚ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ<sup>۱۸۹</sup> فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ<sup>۱۹۰</sup> ۝ مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلا هَادِيَ لَهُ<sup>۱۹۱</sup> وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ<sup>۱۹۲</sup> ۝ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا<sup>۱۹۳</sup> قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي<sup>۱۹۴</sup> لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ<sup>۱۹۵</sup> ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ<sup>۱۹۶</sup> لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً<sup>۱۹۷</sup>

بھلا کیا ان لوگوں نے سوچا نہیں کہ یہ صاحب جن سے ان کا سابقہ ہے، (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں جنون کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ کچھ اور نہیں، بلکہ صاف صاف طریقے سے لوگوں کو متنبہ کرنے والے ہیں۔ ﴿۱۸۴﴾ اور کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پر اور اللہ نے جو جو چیزیں پیدا کی ہیں اُن پر غور نہیں کیا، اور یہ (نہیں سوچا) کہ شاید ان کا مقررہ وقت قریب ہی آپہنچا ہو؟ اب اس کے بعد آخر وہ کونسی بات ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ ﴿۱۸۵﴾ جس کو اللہ گمراہ کر دے، اُس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور ایسے لوگوں کو اللہ (بے یار و مددگار) چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿۱۸۶﴾ (اے رسول!) لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب برپا ہوگی؟ کہہ دو کہ: ”اُس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ وہی اُسے اپنے وقت پر کھول کر دکھائے گا، کوئی اور نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑی بھاری چیز ہے، جب آئے گی تو تمہارے پاس اچانک آجائے گی۔“

(۹۵) مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر ماننے کے بجائے کبھی معاذ اللہ آپ کو مجنون قرار دیتے، کبھی شاعر یا جادوگر کہتے تھے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے بے سرو پاتہ صرے وہی کر سکتا ہے جو بے سوچے سمجھے بات کرنے کا عادی ہو۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی غور کر لیں تو اُن پر اپنے ان الزامات کی حقیقت واضح ہو جائے۔

يَسْأَلُونَكَ كَاذِبًا قُلْ إِنَّمَا عَلَّمْتُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ فَاعِلًا لَعَلِمَ الْغَيْبُ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے تم نے اُس کی پوری تحقیق کر رکھی ہے۔ کہہ دو کہ: ”اُس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے۔“ ﴿۱۸۷﴾ کہو کہ: ”جب تک اللہ نہ چاہے، میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کرتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی۔“ (۹۱) میں تو بس ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، اُن لوگوں کے لئے جو میری بات مانیں۔“ ﴿۱۸۸﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اُسی سے اُس کی بیوی بنائی، تاکہ وہ اُس کے پاس آ کر تسکین حاصل کرے۔ (۹۲)

(۹۲) یعنی اگر مجھے غیب کی ساری باتیں معلوم ہو جایا کرتیں تو میں دُنیا کے سارے فائدے اکٹھے کر لیتا، اور کبھی مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، کیونکہ ہر کام کا انجام مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مجھے غیب کی ساری باتوں کا علم نہیں دیا گیا، البتہ جو باتیں اللہ تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعے بتا دیتے ہیں، اُن کا مجھے بھی علم ہو جاتا ہے۔ یہ اُن کافروں کی بھی تردید ہے جو پیغمبر کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ اُسے خدائی کے اختیارات حاصل ہوں، اور اُن لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو اپنے پیغمبروں کی تعظیم میں حد سے نکل کر انہیں خدائی کا درجہ دے دیتے ہیں، اور جس شرک کو مٹانے کے لئے انبیائے کرام تشریف لائے تھے، اُن کی تعظیم کے نام پر اُسی شرک کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔

(۹۷) ”ایک جان“ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور ان کی بیوی سے مراد حضرت حوا علیہا السلام۔

فَلَمَّا تَغَشَّيْهَا حَبَلًا خَفِيفًا فَبَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَا اللَّهَ رَبَّهَا  
لَبِئْسَ اتِّتِنَا صَالِحًا لَّنُكُونَ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ  
شُرَكَاءَ فِيهَا أَتَاهُمَا فَتَعَلَّى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾ أَيْشُرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَ  
هُمْ يُخْلِقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسُهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ وَإِنْ  
تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۖ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ  
صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ فَأَدْعُوهُمْ  
فَلَيْسَتْ جَبِيبُوكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٤﴾

پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو عورت نے حمل کا ایک ہلکا سا بوجھ اٹھالیا، جسے لے کر وہ چلتی  
پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں (میاں بیوی) نے اپنے پروردگار اللہ سے دعا کی کہ:  
”اگر تو نے ہمیں تندرست اولاد دی تو ہم ضرور بالضرور تیرا شکر ادا کریں گے۔“ ﴿۱۸۹﴾ لیکن جب  
اللہ نے ان کو ایک تندرست بچہ دے دیا تو ان دونوں نے اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت میں اللہ کے ساتھ  
دوسروں کو شریک ٹھہرانا شروع کر دیا، حالانکہ اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے کہیں بلند اور  
برتر ہے ﴿۱۹۰﴾ کیا وہ ایسی چیزوں کو (اللہ کے ساتھ خدائی میں) شریک مانتے ہیں جو کوئی چیز پیدا  
نہیں کرتے، بلکہ خود ان کو پیدا کیا جاتا ہے؟ ﴿۱۹۱﴾ اور جو نہ ان لوگوں کی کوئی مدد کر سکتے ہیں، اور نہ  
خود اپنی مدد کرتے ہیں ﴿۱۹۲﴾ اور اگر تم انہیں کسی صحیح راستے کی طرف دعوت دو تو وہ تمہاری بات نہ  
مانیں، (بلکہ) تم انہیں پکارو یا خاموش رہو، اُن کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں ﴿۱۹۳﴾ یقین جانو  
کہ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو تم پکارتے ہو، وہ سب تمہاری طرح (اللہ کے) بندے ہیں۔ اب ذرا ان  
سے دعا مانگو، پھر اگر تم سچے ہو تو انہیں تمہاری دعا قبول کرنی چاہئے ﴿۱۹۴﴾

(۹۸) اب یہاں سے حضرت آدم علیہ السلام کی ایسی اولاد کا ذکر ہو رہا ہے جس نے بعد میں شرک کا راستہ اختیار کیا۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّسْجُونَ بِهَا ۚ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّيْطُشُونَ بِهَا ۚ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ  
يُبْصِرُونَ بِهَا ۚ اَمْ لَهُمْ اِذَانٌ يَّسْمَعُونَ بِهَا ۚ قُلْ اَدْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كَيْدُونَ  
فَلَا تُنْظَرُونَ ﴿١٩٥﴾ اِنَّ وَلِيَ اللّٰهِ الَّذِى نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۗ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾  
وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ لَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ نَصْرًا ۚ وَلَا اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٧﴾  
وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهَدٰى لَآ يَسْمَعُوْا ۗ وَ تَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا  
يُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿١٩٩﴾

بھلا کیا اُن کے پاس پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں؟ یا اُن کے پاس ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں؟ یا اُن  
کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں؟ یا اُن کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنیں؟ (ان سے کہہ  
دو کہ:)"تم اُن سب دیوتاؤں کو بلاؤ جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، پھر میرے خلاف کوئی  
سازش کرو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔" ﴿۱۹۵﴾ میرا کھوالا تو اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی  
ہے، اور وہ نیک لوگوں کی رکھوالی کرتا ہے ﴿۱۹۶﴾ اور تم اُس کو چھوڑ کر جن جن کو پکارتے ہو، وہ نہ  
تمہاری مدد کر سکتے ہیں، نہ اپنی مدد کرتے ہیں ﴿۱۹۷﴾ اور اگر تم انہیں صحیح راستے کی طرف بلاؤ تو وہ  
سنیں گے بھی نہیں۔ وہ تمہیں نظر تو اس طرح آتے ہیں جیسے تمہیں دیکھ رہے ہوں، لیکن حقیقت میں  
انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا" ﴿۱۹۸﴾ (اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو،  
اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو ﴿۱۹۹﴾

(۹۹) کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا کرتے تھے کہ آپ ہمارے دیوتاؤں کے بارے میں ایسی باتیں  
کہتے ہیں کہ ان میں کچھ بھی طاقت نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے دیوتا آپ کو (معاذ اللہ) سزا دیں گے۔ یہ  
آیت اس کا جواب دے رہی ہے۔

وَأَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ سَيَعِيذُ عَلَيْكَ ۖ إِنَّ  
الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ۚ  
وَإِخْوَانُهُمْ يَبْتَغُونَ لَهُمُ فِي الْعَمَىٰ ثَمًّا لَا يُقْصِرُونَ ۚ

اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچوکا لگ جائے تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔<sup>(۱۰۰)</sup> یقیناً وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے ﴿۲۰۰﴾ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، انہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال آ کر چھوٹا بھی ہے تو وہ (اللہ کو) یاد کر لیتے ہیں، چنانچہ اچانک اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ﴿۲۰۱﴾ اور جو ان شیاطین کے بھائی ہیں، اُن کو یہ شیاطین گمراہی میں گھسیٹے لے جاتے ہیں، نتیجہ یہ کہ وہ (گمراہی سے) باز نہیں آتے ﴿۲۰۲﴾

(۱۰۰) کچوکے سے مراد دوسوہ ہے۔ اور اس آیت نے ہر مسلمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب کبھی شیطان دِل میں کوئی برے خیال کا دوسوہ ڈالے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اس بات کا ذکر خاص طور پر درگزر کا رویہ اپنانے کے سلسلے میں کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں درگزر کرنے کی فضیلت ہے، وہاں بھی اگر شیطانی اثر سے کبھی کسی کو غصہ آجائے تو اُس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا ہے۔

(۱۰۱) گناہ کی خواہش نفس اور شیطان کے اثرات سے بڑے بڑے پرہیزگاروں کو بھی ہوتی ہے، لیکن وہ اس کا علاج اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اُس سے مدد مانگتے ہیں، دُعائیں کرتے ہیں، اور اُس کی بارگاہ میں حاضری کا دھیان کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، یعنی ان کو گناہ کی حقیقت نظر آ جاتی ہے، اور اُس کے نتیجے میں وہ گناہ سے بچ جاتے ہیں، اور اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۚ هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٤﴾ وَإِذْ كُنَّا فِي نَفْسِكَ نَتَضَرَّعًا وَخِيفَةً وَدُؤُنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿٢٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِمْ وَيُسَبِّحُونَهُ وَ

لَهُ يَسْجُدُونَ ﴿٢٦﴾

السجدة الثالثة

اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے سامنے (ان کا منہ مانگا) معجزہ پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ: ”تم نے یہ معجزہ خود اپنی پسند سے کیوں نہ پیش کر دیا؟“ کہہ دو کہ: ”میں تو اُسی بات کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے وحی کے ذریعے مجھ تک پہنچائی جاتی ہے۔“ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بصیرتوں کا مجموعہ ہے، اور جو لوگ ایمان لائیں اُن کے لئے ہدایت اور رحمت! ﴿۲۰۳﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحمت ہو۔ ﴿۲۰۴﴾ اور اپنے رب کا صبح و شام ذکر کیا کرو، اپنے دل میں بھی، عاجزی اور خوف کے (جذبات کے) ساتھ، اور زبان سے بھی، آواز بہت بلند کئے بغیر! اور اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۲۰۵﴾ یاد رکھو کہ جو (فرشتے) تمہارے رب کے پاس ہیں، وہ اُس کی عبادت سے تکبر کر کے منہ نہیں موڑتے، اور اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور اُسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ﴿۲۰۶﴾

(۱۰۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزے ان لوگوں کے سامنے آچکے تھے، لیکن وہ ضد میں آکر نئے نئے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ یہ اس کا جواب ہے کہ میں اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ میں تو ہر



بات میں وحی الہی کا اجماع کرتا ہوں۔

(۱۰۳) یعنی قرآن کریم بذات خود ایک معجزہ ہے، اس میں جو بصیرتیں ہیں، وہ ایک اُمی کی زبان پر جاری ہو رہی ہیں جس نے کبھی لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اس کے بعد کس معجزے کی ضرورت ہے؟

(۱۰۴) اس آیت نے بتا دیا کہ جب قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اُسے سننے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسے مقامات پر بلند آواز سے تلاوت نہ کرے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں۔ ایسی صورت میں اگر لوگ تلاوت کی طرف دھیان نہیں دیں گے تو اس کا گناہ تلاوت کرنے والے کو ہوگا۔

(۱۰۵) اس سے اشارہ ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے، اُس میں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اول تو اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کی عبادت یا ذکر سے بے نیاز ہے، دوسرے اُس کی ایک بڑی مخلوق یعنی فرشتے، ہر وقت اُس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ انسانوں کو جو ذکر کا حکم دیا گیا ہے، اُس میں خود انسانوں کا فائدہ ہے کہ یہ ذکر جب دل میں سما جائے تو انہیں شیطان کے تصرفات سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت مفید ہے، اور اس کے ذریعے وہ گناہوں اور جرائم و مظالم سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ آیت سجدہ تلاوت کی آیت ہے، اور جو شخص عربی میں یہ آیت پڑھے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ قرآن کریم میں ایسی چودہ آیتیں ہیں، اور یہ اُن میں سب سے پہلی آیت ہے۔

سُبْحَنَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ۝ وَ سَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

الحمد للہ! آج ۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۸ اپریل ۲۰۰۶ء کو بروز منگل دہلی سے لندن جاتے ہوئے عصر کے وقت سورہ اعراف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور اس کو میرے گناہوں کی مغفرت اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائیں، اور مسلمانوں کو اس کا فائدہ پہنچائیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْاَنْفَالِ

## تعارف

یہ سورت تقریباً سن ۲ ہجری کے آس پاس مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، اور اس کے بیشتر مضامین جنگِ بدر اور اس کے واقعات اور مسائل سے متعلق ہیں۔ یہ جنگ اسلام اور کفر کے درمیان پہلے باقاعدہ معرکہ کی حیثیت رکھتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مبین عطا فرمائی، اور قریش مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ چنانچہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات بھی یاد دلائے ہیں، اور مسلمانوں نے جس جاں نثاری کے ساتھ یہ جنگ لڑی اس کی ہمت افزائی کے ساتھ بعض اُن کمزوریوں کی بھی نشان دہی فرمائی ہے جو اس جنگ میں سامنے آئیں۔ اور آئندہ کے لئے وہ ہدایات بھی دی گئی ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کی کامیابی اور فتح و نصرت کا سبب بن سکتی ہیں۔ جہاد اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے بہت سے احکام بھی بیان ہوئے ہیں، اور چونکہ جنگِ بدر اصل میں کفارِ مکہ کے ظلم و ستم کے پس منظر میں پیش آئی تھی، اس لئے ان حالات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کا حکم ہوا۔ نیز جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، ان کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں۔ ہجرت کی وجہ سے میراث کی تقسیم سے متعلق کچھ احکام عارضی طور پر نافذ کئے گئے تھے۔ سورت کے آخر میں اسی وجہ سے میراث کے کچھ مستقل احکام دیئے گئے ہیں۔

## جنگِ بدر

چونکہ اس سورت کے بہت سے مضامین جنگِ بدر کے مختلف واقعات سے متعلق ہیں، اس لئے ان کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے اس جنگ کے بارے میں کچھ بنیادی معلومات یہاں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، تاکہ اس سے متعلق آیات کو اُن کے صحیح پس منظر میں سمجھا جاسکے:-

مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تیرہ سال مقیم رہے۔ اس دوران مکہ مکرمہ کے کفار نے آپ اور آپ کے جاں نثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو طرح طرح سے ستانے اور ناقابل برداشت تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ ہجرت سے ذرا پہلے آپ کو قتل کرنے کا باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا جس کا ذکر اسی سورت میں آنے والا ہے۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو کفار مکہ مسلسل اس فکر میں رہے کہ آپ کو وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی کومدینہ منورہ میں خط لکھا کہ تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے، اب یا تو تم انہیں پناہ دینے سے ہاتھ اٹھاؤ، ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے۔ (دیکھئے سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب ۲۳، حدیث نمبر: ۳۰۰۴) انصار میں سے اوس کے قبیلے کے سردار حضرت سعد بن معاذ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ گئے، تو عین طواف کے دوران ابو جہل نے ان سے کہا کہ تم نے ہمارے دشمنوں کو پناہ دے رکھی ہے، اور اگر تم ہمارے ایک سردار کی پناہ میں نہ ہوتے تو زندہ واپس نہیں جاسکتے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ اگر مدینہ منورہ کا کوئی آدمی مکہ مکرمہ آئے گا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ابو جہل سے کہہ دیا کہ اگر تم ہمارے آدمیوں کو مکہ مکرمہ آنے سے روکو گے تو ہم تمہارے لئے اس سے بھی بڑی رکاوٹ کھڑی کر دیں گے، یعنی تم تجارتی قافلے لے کر جب شام جاتے ہو تو تمہارا راستہ مدینہ منورہ کے قریب سے گذرتا ہے۔ اب ہم تمہارے قافلوں کو روکنے اور ان پر حملہ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ (دیکھئے صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ۲، حدیث نمبر: ۳۹۵۰) اس کے بعد کفار مکہ کے کچھ دستے مدینہ منورہ کے آس پاس آئے، اور مسلمانوں کے مویشی لوٹ کر لے گئے۔ حالات کے اس پس منظر میں ابوسفیان (جو اُس وقت کفار مکہ کا سردار تھا) ایک بڑا بھاری تجارتی قافلہ لے کر شام گیا۔ اس قافلے میں مکہ مکرمہ کے ہر مرد و عورت نے سونا چاندی جمع کر کے تجارت میں شرکت کی غرض سے بھیجا تھا۔ یہ قافلہ شام سے سو فی صد نفع کما کر واپس آ رہا تھا۔ یہ قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا، اور پچاس ہزار دینار (گنیوں) کا سامان لا رہا تھا، اور اس کے ساتھ

چالیس مسلح افراد اس کی حفاظت پر متعین تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلے کی واپسی کا پتہ چلا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے چیلنج کے مطابق آپ نے اس قافلے پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لئے باقاعدہ سپاہیوں کی بھرتی کا موقع نہیں تھا، اس لئے وقت پر جتنے صحابہ تیار ہو سکے، ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی، کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ساٹھ زرہیں تھیں۔ اس مختصر سامان کے ساتھ آپ مدینہ منورہ سے نکلے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض غیر مسلم مصتفین نے اس واقعے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک پُر امن تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ہمارے زمانے کے بعض مسلمان مصتفین نے اس اعتراض سے مرعوب ہو کر یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ قافلے پر حملہ کرنے کا نہیں تھا، بلکہ ابوسفیان نے اپنے طور پر خطرہ محسوس کر کے ابو جہل کے لشکر کو دعوت دی تھی۔ لیکن واقعے کی یہ تشریح صحیح احادیث اور قرآنی اشارات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ درحقیقت یہ اعتراض اُس وقت کے حالات اور اُس دور کے سیاسی، دفاعی اور معاشرتی ڈھانچے سے بے خبری پر مبنی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو واقعات ہم نے اوپر بیان کئے ہیں، اُن کی روشنی میں فریقین کے درمیان ایک مسلسل جنگ کی حالت موجود تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نہ صرف چیلنج دے رکھے تھے، بلکہ کفار کی طرف سے عملی طور پر چھیڑ چھاڑ بھی شروع ہو چکی تھی۔ دوسرے حضرت سعد بن معاذؓ پہلے سے انہیں متنبہ کر آئے تھے کہ وہ ان کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ تیسرے اُس دور میں شہری اور فوجی افراد کی کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی۔ کسی معاشرے کے تمام بالغ مرد ”مقاتلہ“ یعنی لڑنے والے کہلاتے تھے۔ چنانچہ قافلے کی سرکردگی ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی جو اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا دشمن تھا، اور اُس کے ساتھ چالیس مسلح افراد میں سے ہر ایک قریش کے اُن لوگوں میں سے تھا جو مسلمانوں کو ستانے میں پیش پیش رہے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے تھے، اور یہ قافلہ بھی اگر کامیابی سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتا تو قریش کی جنگی طاقت میں بڑے اضافے کا سبب بنتا۔ ان

حالات میں اس کو ایک ہڈا من تجارتی قافلے پر حملہ قرار دینا اُس وقت کے حالات سے ناواقفیت یا محض عناد کا کرشمہ ہے، اور اس کی وجہ سے ان واقعات کا انکار کرنا کسی طرح درست نہیں ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

بہر حال! جب ابوسفیان کو آپ کے ارادے کا اندازہ ہوا تو اُس نے ایک طرف تو ایک تیز رفتار ایلچی ابو جہل کے پاس بھیج کر اس واقعے کی اطلاع دی، اور اسے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آپ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا، اور دوسری طرف اپنے قافلے کا راستہ بدل کر بحر احمر کے ساحل کی طرف نکل گیا تاکہ وہاں سے چکر کاٹ کر مکہ مکرمہ پہنچ سکے۔ ابو جہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک بڑا لشکر تیار کیا، اور لوہے میں غرق ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ ابوسفیان تو قافلہ لے کر نکل چکا ہے، اور ابو جہل کا لشکر آ رہا ہے تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ اب ابو جہل سے ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ بدر کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد اور ساز و سامان ابو جہل کے لشکر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ ابو جہل سمیت قریش کے ستر سردار جو مسلمانوں کی دشمنی میں پیش پیش تھے، مارے گئے، اور دوسرے ستر افراد گرفتار ہوئے، اور باقی لوگ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

۸ آیاتھا ۷۵ سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ۸۸ رُكُوعَاتُهَا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۖ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوا  
ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۚ وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۚ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں پچھتر آیتیں اور دس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مالِ غنیمت (کے بارے میں فیصلے) کا اختیار اللہ اور رسول کو حاصل ہے۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور آپس کے تعلقات درست کر لو، اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم واقعی مؤمن ہو ﴿۱﴾

(۱) جنگِ بدر کے موقع پر جب دشمن کو شکست ہو گئی تو صحابہ کرام تین حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ رہا۔ دوسرا حصہ دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گیا، اور تیسرا حصہ دشمن کے چھوڑے ہوئے مالِ غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہو گیا۔ یہ چونکہ پہلی جنگ تھی، اور مالِ غنیمت کے بارے میں مفصل ہدایات نہیں آئی تھیں، اس لئے اس تیسرے حصے نے یہ سمجھا کہ جو مال انہوں نے اکٹھا کیا ہے، وہ انہی کا ہے۔ (اور شاید زمانہ جاہلیت میں معمول ایسا ہی رہا ہوگا) لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد پہلے دو گروہوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھی جنگ میں برابر کے شریک تھے، بلکہ مالِ غنیمت اکٹھا ہونے کے وقت زیادہ اہم خدمات انجام دے رہے تھے، اس لئے اُن کو بھی اس مال میں حصہ دار ہونا چاہئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا جس کی بنا پر ان حضرات کے درمیان بحث کی بھی نوبت آئی۔ جب معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتا دیا گیا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں فیصلے کا مکمل اختیار اللہ اور اُس کے رسول کو ہے۔ چنانچہ بعد میں اسی سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مفصل احکام آ گئے۔ زیرِ نظر آیت نے ہدایت دی کہ اگر مسلمانوں کے درمیان کوئی رنجش ہوئی ہے تو اس وضاحت کے بعد اُسے دور کر کے باہمی تعلقات درست کر لینے چاہئیں۔



اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَاِذَا اُنْتَلِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَيَةُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَاٰبِهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ يُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۲﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۳﴾ كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنْ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَرِهُوْنَ ﴿۴﴾

مؤمن تو وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیتیں اُن کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں، اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں ﴿۱﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے، اُس میں سے (فی سبیل اللہ) خرچ کرتے ہیں ﴿۲﴾ یہی لوگ ہیں جو حقیقت میں مؤمن ہیں۔ اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں، مغفرت ہے، اور باعزت رزق ہے ﴿۳﴾ (مال غنیمت کی تقسیم کا) یہ معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے تمہارے رب نے تمہیں اپنے گھر سے حق کی خاطر نکالا، جبکہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو یہ بات ناپسند تھی۔ ﴿۴﴾

(۲) جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا، اُن کی خواہش یہ تھی کہ یہ مال انہی کے پاس رہے، لیکن فیصلہ اُس کے برعکس ہوا، اب اُن کو تسلی دی جا رہی ہے کہ انسان کی ہر خواہش انجام کے اعتبار سے درست نہیں ہوتی۔ اُسے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو واقعہ اُس کی خواہش کے خلاف ہوا، بہتری اُسی میں تھی۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ابو جہل سے جنگ کرنے کے معاملے میں ہوا۔ مدینہ منورہ سے نکلنے وقت چونکہ صرف ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کرنا پیش نظر تھا، اور کوئی باقاعدہ لشکر تیار نہیں کیا گیا تھا، اس لئے جب یہ بات سامنے آئی کہ ابو جہل ایک بڑا لشکر لے کر مقابلے پر آ گیا ہے تو بعض صحابہؓ کی خواہش یہ تھی کہ ابو جہل سے جنگ کرنے کے بجائے فی الحال واپس چلے جائیں، کیونکہ اس بے سروسامانی کی حالت میں ایک مسلح فوج کا مقابلہ موت کے منہ میں جانے کے مرادف ہوگا۔ لیکن دوسرے صحابہ نے بڑی پر جوش تقریریں کیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، اور

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۖ وَ  
 إِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَه  
 تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحَقِّقَ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعُ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۖ لِيُحَقِّقَ  
 الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ اذْهَبُوا وَتَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ  
 لَكُمْ أَنِّي مُبِدِّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُزْدَفِينَ ۖ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَ  
 لِيُظْهِرَ فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

وہ تم سے حق کے معاملے میں اس کے واضح ہو جانے کے باوجود اس طرح بحث کر رہے تھے جیسے اُن کو موت کی طرف ہنکا کر لے جایا جا رہا ہو، اور وہ (اُسے) آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں ﴿۶﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا، اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کاٹنا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے، اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام سے حق کو حق کر دکھائے، اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے ﴿۷﴾ تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے، چاہے مجرم لوگوں کو یہ بات کتنی ناگوار ہو ﴿۸﴾ یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اُس نے تمہاری فریاد کا جواب دیا کہ میں تمہاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتوں کی کمک بھیجنے والا ہوں جو لگاتار آئیں گے ﴿۹﴾ اور یہ وعدہ اللہ نے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس لئے کیا کہ وہ خوشخبری بنے، اور تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو، ورنہ مدد کسی اور کے پاس سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۱۰﴾

جب آپ کی مرضی معلوم ہوگئی تو سب نے جنگ میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا، اور بعد میں ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا عظیم فائدہ اسی میں تھا کہ اس طرح کفر کی کمر توڑ دی گئی۔

(۳) اس سے مراد ابوسفیان کا قافلہ ہے، اور ”کانے“ سے مراد خطرہ ہے۔ قافلے میں مسلح افراد کی تعداد کل چالیس تھی۔ لہذا اُس پر حملہ کرنے میں کوئی بڑا خطرہ نہیں تھا۔ لہذا طبعی طور پر اُس پر حملہ کرنا آسان تھا۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کو مدد کرنے کے لئے فرشتے بھیجنے کی حقیقت میں ضرورت نہیں تھی، نہ فرشتوں میں کوئی ذاتی

اَذِغْشِيْكُمْ النَّعَاسَ اَمْنَةً مِّنْهُ وَيُنْزِلْ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيَبْطِفَ مَكَرُكُمْ بِهِ وَيَذْهَبَ عَنْكُمْ رَجَزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

یاد کرو جب تم پر سے گھبراہٹ دُور کرنے کے لئے وہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا، اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ اُس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دُور کرے، تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے، اور اُس کے ذریعے (تمہارے) پاؤں اچھی طرح جمادے ﴿۱۱﴾

طاقت ہے کہ وہ مدد کر سکیں، مدد تو اللہ تعالیٰ براہِ راست بھی کر سکتا تھا، لیکن یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کے اسباب سامنے ہوں، اُس پر اُسے زیادہ اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ اس آیت نے یہ سبق دیا ہے کہ کسی بھی کام کے جو اسباب بھی اختیار کئے جائیں، ایک مومن کو یہ بات ہر آن سامنے رکھنی چاہئے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ان میں تاثر اسی کے حکم سے پیدا ہوتی ہے، لہذا بھروسہ اسباب پر نہیں، بلکہ اُسی کے فضل و کرم پر کرنا چاہئے۔

(۵) اتنے بڑے لشکر کے ساتھ تقریباً تہتے آدمیوں کا معرکہ پیش آنے والا ہو تو گھبراہٹ ایک طبعی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھبراہٹ کا علاج یہ فرمایا کہ صحابہ پر نیند طاری کر دی، جس کی ایک تاثر یہ ہوتی ہے کہ اس سے گھبراہٹ دُور ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ جنگ سے پہلی رات جی بھر کر سوئے جس سے وہ تازہ دم ہو گئے۔ نیز جنگ کے دوران بھی ان پر وقفہ وقفہ سے اُنگھ طاری ہوتی رہی جس سے انہیں سکون ملتا رہا۔

(۶) مسلمانوں کے لئے ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کفار نے بدر کے میدان میں پہلے پہنچ کر بہترین جگہ پر قبضہ کر لیا تھا جہاں پانی بھی کافی تھا، اور زمین بھی سخت تھی۔ مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہ ریتیلی جگہ تھی جس پر پاؤں جمتے نہیں تھے، اور نقل و حرکت میں دُشواری پیش آتی تھی، اور وہاں پانی بھی نہیں تھا، تھوڑا بہت پانی ایک حوض بنا کر اس میں جمع کیا گیا تھا جو جلد ہی ختم ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں مسئلوں کے حل کے لئے بارش برسادی جس سے ریت بھی جم گئی، اور قدم بھی جمنے لگے، اور پانی کا بھی اچھا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

(۷) ”گندگی“ سے یہاں مراد دوسو سے ہیں جو ایسے مواقع پر جب اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ ہو، آیا ہی کرتے ہیں۔

اِذْ يُوْحٰى رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنْى مَّعَكُمْ فَتُيَسِّرُهَا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ سَالٰتٍ فِىْ قُلُوْبِ  
 الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَالرُّعْبُ فَاُضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٧﴾  
 ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ  
 الْعِقَابِ ﴿١٨﴾ ذٰلِكُمْ فَذُقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا  
 اِذَا لَقِيتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحٰفًا فَلَا تُولُوْهُمُ الْاُدْبَارَ ﴿٢٠﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ  
 دُبْرَهٗ ۙ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّرًا اِلٰى فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَا لَهُ  
 جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ النَّصِيْرُ ﴿٢١﴾

وہ وقت جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ: ”میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مؤمنوں کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کر دوں گا، پھر تم گردنوں کے اوپر وار کرو، اور ان کی انگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔“ ﴿۱۲﴾ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لی ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لیتا ہے تو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۳﴾ یہ سب تو (اب) کچھ لو، اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کے لئے (اصل) عذاب دوزخ کا ہے ﴿۱۴﴾ اے ایمان والو! جب کافر سے تمہارا آمناسا مننا ہو جائے، جبکہ وہ چڑھائی کر کے آرہے ہوں، تو ان کو پیٹھ مت دکھاؤ ﴿۱۵﴾ اور اگر کوئی شخص کسی جنگی چال کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو، یا اپنی کسی جماعت سے جا ملنا چاہتا ہو، اس کی بات تو اور ہے، مگر اس کے سوا جو شخص ایسے دن اپنی پیٹھ پھیرے گا تو وہ اللہ کی طرف سے غضب لے کر لوٹے گا، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۱۶﴾<sup>(۸)</sup>

(۸) یہاں دشمن کے مقابلے سے پیٹھ پھرنے کو ہر حالت میں ناجائز قرار دیا گیا ہے، چاہے دشمن کی تعداد کتنی زیادہ ہو، اور جنگ بدر کے وقت صورت حال یہی تھی۔ البتہ بعد میں اس حکم کی تفصیل اسی سورت کی آیت ۶۵

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ إِذْ رَمَيْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ  
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ  
مُوْهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۸﴾

چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں کو) قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا،  
اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی،<sup>(۹)</sup> اور  
(تمہارے ہاتھوں یہ کام اس لئے کرایا تھا) تاکہ اس کے ذریعے اللہ مومنوں کو بہترین اجر عطا  
کرے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۱۷﴾ یہ سب کچھ تو اپنی جگہ، اس  
کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ اللہ کو کافروں کی ہر سازش کو کمزور کرنا تھا۔ ﴿۱۸﴾<sup>(۱۰)</sup>

اور ۶۶ میں بیان فرمائی گئی ہے جس کی رو سے اب حکم یہ ہے کہ دشمن کی تعداد اگر ڈگنی یا اُس سے کم ہو، تب تو  
میدان چھوڑنا حرام ہے، لیکن اگر اُن کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو میدان چھوڑنے کی اجازت ہے۔ پھر جس  
وقت دشمن کو پیٹھ دکھانا ناجائز ہوتا ہے، اُس میں بھی اس آیت نے دو صورتوں کو مستثنیٰ رکھا ہے۔ ایک یہ کہ بعض  
اوقات جنگ ہی کی کسی حکمت عملی کے طور پر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے، مقصد میدان سے بھاگنا نہیں ہوتا۔ ایسے میں پیچھے  
ہٹنا جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پیچھے ہٹ کر اپنی فوج کے پاس جانا اس لئے مقصود ہو کہ اُن کی مدد لے کر  
دوبارہ حملہ کیا جائے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔

(۹) جنگ بدر کے موقع پر جب دشمن پوری طاقت سے حملہ کرنے کے لئے چڑھا چلا آرہا تھا، اُس وقت  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک مٹھی میں مٹی اور کنکر اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکے تھے۔  
اللہ تعالیٰ نے وہ کنکریاں دشمن کے ہر فرد تک پہنچا دیں، جو اُن کی آنکھوں وغیرہ میں جا کر لگیں، اور اُن سے لشکر  
میں افراتفری مچ گئی۔ یہ اُس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۰) یہ درحقیقت ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی قدرت سے دشمن کو براہ راست  
ہلاک کر سکتا تھا، پھر اُس نے مسلمانوں کو کیوں استعمال کیا، اور کنکریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست  
مبارک سے کیوں پھینکوائیں؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اول تو اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ نیکوینی امور بھی کسی  
ظاہری سبب کے ذریعے انجام دلواتا ہے، اور یہاں مسلمانوں کو اس لئے ذریعہ بنایا گیا کہ ان کو اجر و ثواب

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا فهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا  
عِنْدَ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فُتُوكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۝  
لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝  
إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ  
اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝

(اے کافرو!) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے، تو لو! اب فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا۔ اب اگر تم باز آ جاؤ تو یہ  
تمہارے ہی لئے بہتر ہوگا، اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے (جواب تک کرتے رہے ہو) تو ہم بھی پھر  
وہی کام کریں گے (جواب کیا ہے)۔ اور تمہارا جتھہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گا، چاہے وہ کتنا زیادہ  
ہو، اور یاد رکھو کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے ﴿۱۹﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول کی تابع  
داری کرو، اور اس (تابع داری) سے منہ نہ موڑو، جبکہ تم (اللہ اور رسول کے احکام) سن رہے  
ہو ﴿۲۰﴾ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا، مگر وہ (حقیقت میں) سنتے  
نہیں ہیں ﴿۲۱﴾ یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گوئے لوگ ہیں جو عقل سے  
کام نہیں لیتے ﴿۲۲﴾<sup>(۱)</sup>

حاصل ہو، اور دوسرے وہ کافروں کو بھی یہ دکھانا چاہتا تھا کہ جن سازشوں اور وسائل پر انہیں ناز ہے، وہ سب اُن  
لوگوں کے ہاتھوں خاک میں مل سکتے ہیں جنہیں تم کمزور سمجھتے رہے ہو۔  
(۱) پچھلی آیت میں سننے سے مراد سمجھنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ کانوں سے تو سننے کا دعویٰ کرتے ہیں،  
مگر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ بے زبان جانور اگر کسی کی بات  
کو نہ سمجھیں تو اتنی بُری بات نہیں ہے۔ اُن میں یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں کی گئی، اور نہ اُن سے یہ مطالبہ ہے۔ لیکن  
انسانوں میں تو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی گئی ہے، اور اُن سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی راستہ  
اپنائیں۔ اگر وہ سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْعَهُمْ لَتَوَلَّوْا هُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا  
أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ النَّارِ وَقُلُوبِهِ وَآتَاهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا  
تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾

اور اگر اللہ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی ہوتی تو وہ اُن کو سننے کی توفیق دے دیتا، لیکن اب (جبکہ ان میں بھلائی نہیں ہے) اگر اُن کو سننے کی توفیق دے بھی دے تو وہ منہ موڑ کر بھاگ جائیں گے۔ ﴿۲۳﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اُس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔ اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اُس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا ﴿۲۴﴾ اور ڈرو اُس وبال سے جو تم میں سے صرف اُن لوگوں پر نہیں پڑے گا جنہوں نے ظلم کیا ہوگا، اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۲۵﴾

(۱۲) بھلائی سے یہاں مراد حق کی طلب اور جستجو ہے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، سننے سے مراد سمجھنا ہے۔ اس طرح اس آیت میں یہ اہم نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق اُس کو دیتا ہے جس کے دل میں حق کی طلب ہو۔ اگر کسی میں حق کی طلب ہی نہ ہو، اور وہ غفلت کی حالت میں اس طرح زندگی گزار رہا ہو کہ بس جو کچھ میں کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں، اور مجھے کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، تو اوّل تو وہ حق بات کو سمجھنے ہی سے محروم رہتا ہے، اور اگر سمجھ بھی جائے تو اُس کا نوٹس ہی نہیں لیتا، اور حق سے بدستور منہ موڑے رہتا ہے۔

(۱۳) اس مختصر جملے میں بڑی عظیم حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ اوّل تو اسلام کی دعوت اور اُس کے احکام ایسے

ہیں کہ اگر اُن پر تمام انسان پوری طرح عمل کرنے لگیں تو اسی دُنیا میں وہ پُر سکون زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔ عبادات کے علاوہ، جو روحانی سکون کا بہترین ذریعہ ہیں، اسلام کے تمام معاشرتی، معاشی اور سیاسی احکام دُنیا کو نہایت خوشگوار زندگی فراہم کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف زندگی تو اصل میں آخرت کی ابدی زندگی ہے، اور اُس کی خوشگوار تمام تر اسلامی احکام کی پیروی پر موقوف ہے۔ لہذا اگر کسی کو اسلام کا کوئی حکم مشکل بھی محسوس ہو، تو اُسے یہ سوچنا چاہئے کہ میری خوشگوار زندگی کا دار و مدار اس پر ہے۔ جس طرح انسان زندگی کی خاطر بڑے سے بڑے اور مشکل آپریشن کو منظور کر لیتا ہے، اسی طرح شریعت کا ہر وہ حکم جس میں محنت یا مشقت معلوم ہوتی ہو، یا نفسانی خواہشات کی قربانی دینی پڑتی ہو، اُس کو بھی خندہ پیشانی سے منظور کرنا چاہئے، کیونکہ اس کی حقیقی زندگی کا دار و مدار اس پر ہے۔

(۱۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں حق کی طلب ہوتی ہے، اگر اُس کے دل میں کبھی گناہ کا تقاضا پیدا ہو، اور وہ طالب حق کی طرح اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اُس سے مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اور گناہ کے درمیان آڑ بن جاتے ہیں، اور وہ گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے، اور اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو اُسے توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے دل میں حق کی طلب نہ ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرتا ہو تو اگر کبھی اُس کے دل میں نیک خیال آ بھی جائے، اور وہ اُسے ٹلاتا چلا جائے تو اُسے نیکی کی توفیق نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اُس کے دل میں جو خیال آیا تھا، وہ کمزور پڑ جاتا ہے، یا اُس پر عمل کا موقع نہیں ملتا۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب کسی نیکی کا خیال آئے تو اُسے فوراً کر گذرنا چاہئے، ٹلانا خطرناک ہے۔

(۱۵) اس آیت کریمہ میں ایک اور اہم حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کی حد تک شریعت پر عمل کر لے۔ اُس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اگر معاشرے میں کوئی بُرائی پھیل رہی ہے تو اپنی طاقت کی حد تک اُس کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر لوگ اپنے اس فریضے میں کوتاہی کریں اور اُس بُرائی کا کوئی وبال آئے تو وہ وبال صرف اُن لوگوں کی حد تک محدود نہیں رہے گا جو اُس بُرائی میں براہ راست ملوث تھے، بلکہ جو لوگ اُس بُرائی کا خود تو ارتکاب نہیں کر رہے تھے، مگر دوسروں کو اُس سے روکتے بھی نہیں تھے، وہ بھی اُس وبال کا شکار ہوں گے۔



وَاذْكُرُوا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُونَ اَنْ يَّتَخَفَكُمُ  
النَّاسُ فَاُولَئِكَمُ بِنَصْرِهِ وَّرِزْقِكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا اٰمَنَتِكُمْ وَاَنْتُمْ  
تَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَاَعْلَمُوا اَنَّهَا اٰمَآلُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۗ وَاَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ اَجْرٌ  
عَظِيمٌ ﴿٣٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ  
سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٣٩﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے، تمہیں لوگوں نے (تمہاری) سر زمین میں دبا کر رکھا  
ہوا تھا، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک کر لے جائیں گے۔ پھر اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا، اور اپنی مدد  
سے تمہیں مضبوط بنا دیا، اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا، تاکہ تم شکر کرو ﴿۲۶﴾ اے ایمان  
والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ جاننے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب  
ہونا ﴿۲۷﴾ اور یہ بات سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں، اور یہ کہ عظیم انعام  
اللہ ہی کے پاس ہے ﴿۲۸﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو وہ  
تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کر دے گا، اور تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا، اور تمہیں مغفرت  
سے نوازے گا، اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے ﴿۲۹﴾

(۱۶) مال اور اولاد کی محبت تو انسان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، اور معقول حد تک ہو تو بُری بھی نہیں ہے۔ لیکن  
آزمائش یہ ہے کہ یہ محبت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر تو آمادہ نہیں کر رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے  
ساتھ یہ محبت ہوگی تو نہ صرف جائز، بلکہ باعثِ ثواب ہے، لیکن اگر وہ نافرمانی تک لے جائے تو ایک وبال ہے۔  
اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائیں۔ آمین

(۱۷) تقویٰ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو ایسی سمجھ عطا کر دیتا ہے جو حق اور ناحق میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتی  
ہے، اور گناہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی عقل خراب کر دیتا ہے جس سے وہ اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا  
سمجھنے لگتا ہے۔

وَاذِيسْكُرْ بِلِالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْيَثْبُوتِ اَوْ يَفْتُلُوكَ اَوْ يَخْرُجُوكَ وَيَسْكُرُونَ وَيَسْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ۝۳۰ وَاِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِمَا الْيَتَا قَالُوْا قَدْ سَبَعْنَاوْ نَسَاءً لَّقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱ وَاِذَا قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاْمِطْ عَلَيْنَا حِجَابَهُمِّنَ السَّعَاءِ وَاَنْتَ بَعْدَ اِلَيْمٍ ۝۳۲

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب کافر لوگ تمہارے خلاف منصوبے بنا رہے تھے کہ تمہیں گرفتار کر لیں، یا تمہیں قتل کر دیں، یا تمہیں (وطن سے) نکال دیں۔ وہ اپنے منصوبے بنا رہے تھے، اور اللہ اپنا منصوبہ بنا رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ: ”(بس!) ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس جیسی باتیں ہم بھی کہہ لائیں۔ یہ (قرآن) اور کچھ نہیں، صرف پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں۔“ ﴿۳۱﴾ (اور ایک وقت وہ تھا) جب انہوں نے کہا تھا کہ: ”یا اللہ! اگر یہ (قرآن) ہی وہ حق ہے جو تیری طرف سے آیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے، یا ہم پر کوئی اور تکلیف دہ عذاب ڈال دے۔“ ﴿۳۲﴾

(۱۸) یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ کفار مکہ نے جب یہ دیکھا کہ اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، اور مدینہ منورہ میں بڑی تعداد مسلمان ہو چکی ہے تو انہوں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی، اُس میں مختلف تجویزیں پیش کی گئیں۔ یہ آیت ان تمام تجویزوں کا ذکر کر رہی ہے، یعنی گرفتاری، قتل اور جلا وطنی۔ آخر میں فیصلہ یہ ہوا تھا کہ مختلف قبیلوں سے ایک ایک نوجوان لے کر سب یکبارگی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ آور ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتا دیں، اور ہجرت کا حکم دے دیا۔ آپ کے گھر کا محاصرہ ہو چکا تھا، مگر آپ وہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس طرح نکل آئے کہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ تفصیلی واقعہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، اور ”معارف القرآن“ میں بھی اس آیت کے تحت بیان ہوا ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ  
يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ ؕ إِنَّ أَوْلِيَاءَ ذَٰلِكَ إِلَّا الْمُشْكُونَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾

اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان  
موجود ہو، اور اللہ اس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ استغفار کرتے  
ہوں۔ ﴿۳۳﴾ اور بھلا ان میں کیا خوبی ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے جبکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام  
سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اُس کے متولی نہیں ہیں۔ متقی لوگوں کے سوا کسی قسم کے لوگ اُس کے  
متولی نہیں ہو سکتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے ﴿۳۴﴾

(۱۹) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق تو اسی بات کے تھے کہ ان پر عذاب نازل کیا  
جائے، لیکن دو وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہیں فرمایا۔ ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، اور آپ کے ہوتے ہوئے عذاب نازل نہیں ہو سکتا، کیونکہ نبی کی  
موجودگی میں اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتا، جب نبی بستی سے نکل جاتے ہیں، تب عذاب آتا ہے۔ اس  
کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کی برکت سے عذاب عام  
اس امت پر نہیں آئے گا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان استغفار کرتے رہتے ہیں۔ ان  
کے استغفار کی برکت سے عذاب رُکا ہوا ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کی یہ تشریح بھی کی ہے کہ خود مشرکین مکہ  
بھی اپنے طواف کے دوران کثرت سے ”غفرانک، غفرانک“ کہتے رہتے تھے، جو استغفار ہی کی ایک قسم ہے۔  
اگرچہ کفر و شرک کے ساتھ یہ استغفار آخرت کے عذاب کو دُور کرنے کے لئے تو کافی نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ  
کافروں کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں، اس لئے اُن کے استغفار کا اثر یہ ہے کہ اُن پر دُنیا میں کوئی  
اُس طرح کا عذاب عام نازل نہیں ہوا جیسا عاد و ثمود وغیرہ پر آیا تھا۔

(۲۰) یعنی اگرچہ مذکورہ بالا دو وجہ سے ان پر دُنیا میں کوئی عام عذاب تو نہیں آیا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ  
لوگ عذاب کے مستحق نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ ان کی ایک خرابی یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو مسجد  
حرام میں عبادت کرنے سے روکتے ہیں، جیسا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں پیچھے  
گذر چکا ہے۔ (دیکھئے اس سورت کا ابتدائی تعارف) لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ مکہ

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۖ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا  
 كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدَّوْا عَنْ سَبِيلِ  
 اللَّهِ ۖ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى  
 جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٥١﴾ لِيَبْذِرَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ  
 عَلَى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٥٢﴾ قُلْ  
 لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنِّي يَتَّبِعُهُمُ الْغَفَرُ ۖ إِنَّهُمْ مَآقِدُ سَلَافٍ ۚ

اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لہذا (اے  
 کافرو!) جو کافرانہ باتیں تم کرتے رہے ہو، ان کی وجہ سے اب عذاب کا مزہ چکھو ﴿۳۵﴾ جن  
 لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ اپنے مال اس کام کے لئے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے  
 سے روکیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ خرچ تو کریں گے، مگر پھر یہ سب کچھ ان کے لئے حسرت کا سبب  
 بن جائے گا، اور آخر کار یہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور (آخرت میں) ان کافر لوگوں کو جہنم کی طرف  
 اکٹھا کر کے لایا جائے گا ﴿۳۶﴾ تاکہ اللہ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کر دے، اور  
 ایک ناپاک کو دوسرے ناپاک پر رکھ کر سب کا ایک ڈھیر بنائے، اور اس ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے۔  
 یہی لوگ ہیں جو سراسر خسارے میں ہیں ﴿۳۷﴾ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان  
 سے کہہ دو کہ: ”اگر وہ باز آجائیں تو پہلے ان سے جو کچھ ہوا ہے، اُسے معاف کر دیا جائے گا۔“ ﴿۳۸﴾

مکرہ سے نکل جائیں گے تو ان پر جزوی عذاب آئے گا، جو بعد میں فتح مکہ کی صورت میں سامنے آیا، اور پھر  
 آخرت میں ان کو مکمل عذاب ہوگا۔

(۲۱) جنگ بدر کے بعد قریش کے بچے کچے سرداروں نے چندہ جمع کرنا شروع کیا تھا کہ اس سے ایک بڑی جنگ  
 کی تیاری کریں۔ یہ آیت اُس موقع پر نازل ہوئی۔

(۲۲) اس آیت نے یہ اصول بتا دیا ہے کہ جب کوئی شخص ایمان لے آئے تو کفر کی حالت میں اُس نے جتنے بھی

وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ  
يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۹﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا  
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَكُمْ ۖ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۴۰﴾

اور اگر وہ پھر وہی کام کریں گے تو پچھلے لوگوں کے ساتھ جو معاملہ ہوا، وہ (ان کے سامنے) گذر رہی چکا  
ہے۔ ﴿۳۸﴾ اور (مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین  
پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔ پھر اگر یہ باز آجائیں تو اُن کے اعمال کو اللہ خوب دیکھ رہا ہے ﴿۳۹﴾  
اور اگر یہ منہ موڑے رکھیں، تو یقین جانو کہ اللہ تمہارا رکھوالا ہے، بہترین رکھوالا، اور بہترین مددگار! ﴿۴۰﴾

گناہ کئے ہوں وہ سب معاف ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ پچھلی نمازوں، روزوں اور دوسری عبادتوں کی قضا بھی  
اُس کے ذمے لازم نہیں ہوتی۔

(۲۳) اس سے ان کافروں کی طرف بھی اشارہ ہے جو جنگ بدر میں مارے گئے، اور اُن پچھلی اُمتوں کی طرف  
بھی جن پر عذاب نازل ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا انجام تمہارے سامنے گذر چکا ہے۔ اگر تم اپنی ضد سے  
باز نہ آئے تو ویسا ہی انجام تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

(۲۴) جیسا کہ آگے سورہ توبہ میں آئے گا، جزیرہ عرب کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا مرکز بنایا ہے، اس لئے یہاں حکم  
یہ ہے کہ کوئی کافر یا مشرک مستقل طور پر نہیں رہ سکتا۔ یا اسلام لائے، یا کہیں اور چلا جائے۔ اس لئے جزیرہ عرب  
میں کافروں سے اُس وقت تک جنگ کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار نہ  
کر لیں۔ البتہ جزیرہ عرب سے باہر کا حکم مختلف ہے۔ وہاں غیر مسلموں کے ساتھ مختلف قسم کے معاہدے ہو سکتے  
ہیں۔ آیت کے تقریباً یہی الفاظ سورہ بقرہ (۲: ۱۹۳) میں بھی گذرے ہیں۔ وہاں ہم نے جو حاشیہ لکھا ہے، اُسے  
بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

(۲۵) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر ظاہری طور پر اسلام لے آئے تو مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ وہ اُسے مسلمان  
سمجھیں، اور دل کو ٹٹولنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ دل کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہی اُن کے اعمال  
کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اور آخرت میں اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّبَاعِمُتَّمُ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ إِن كُنتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ اتَّخَذَ الْجَمْعُ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۳۱) إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدُوِّ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوِّ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۖ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَا خْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَدِ ۚ وَلَكِنَّ لِّلْقَاضِيِ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (۳۲) إِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ فِي مَنَاكِبِكُمْ قَلِيلًا ۖ

اور (مسلمانو!) یہ بات اپنے علم میں لے آؤ کہ تم جو کچھ مال غنیمت حاصل کرو، اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور اُن کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے (جس کی ادائیگی تم پر واجب ہے)، اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل کی تھی، جس دن دو جماعتیں باہم ٹکرائی تھیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۳۱﴾ وہ وقت یاد کرو جب تم لوگ وادی کے قریب والے کنارے پر تھے، اور وہ لوگ دُور والے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف (۲۸) اور اگر تم پہلے سے (لڑائی کا) وقت آپس میں طے کرتے تو وقت طے کرنے میں تمہارے درمیان ضرور اختلاف ہو جاتا، لیکن یہ واقعہ (کہ پہلے سے طے کئے بغیر لشکر ٹکرا گئے) اس لئے ہوا کہ جو کام ہو کر رہنا تھا، اللہ اُسے پورا کر دکھائے، تاکہ جسے برباد ہونا ہو، وہ واضح دلیل دیکھ کر برباد ہو، اور جسے زندہ رہنا ہو، وہ واضح دلیل دیکھ کر زندہ رہے، اور اللہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے ﴿۳۲﴾ اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب اللہ خواب میں تمہیں اُن (دشمنوں) کی تعداد کم دکھارہا تھا،

(۲۶) دشمن کا جو مال جہاد کے دوران مجاہدین کے ہاتھ آیا ہو، وہ مال غنیمت کہلاتا ہے۔ اس آیت میں اس کی

تقسیم کا اصول بیان فرمایا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جتنا مال اس طرح حاصل ہو، اُس کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ان میں سے چار حصے تو مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوں گے، اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ پھر بیت المال کے اس پانچویں حصے (خمس) کو کس طرح خرچ کیا جائے گا؟ اس کی تفصیل کرتے ہوئے اس آیت نے اول تو یہ بتلایا ہے کہ یہ مال اصل میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اور اسی کے حکم کے تحت تقسیم ہوگا۔ اس کے بعد اس کے پانچ مصارف بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دوسرا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا ہے، کیونکہ انہوں نے آپ کی اور اسلام کی نصرت میں بڑی قربانیاں دی تھیں، اور اُن کے لئے زکوٰۃ کا مال بھی حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اور باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ تھا، وہ جمہور فقہاء کے نزدیک آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا۔ آپ کے رشتہ داروں کے حصے کے بارے میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حصہ اب بھی باقی ہے، اور بنو ہاشم اور بنو المطلب کو بطور استحقاق دینا ضروری ہے، چاہے وہ حاجت مند ہوں، یا مال دار۔ لیکن دوسرے تمام فقہائے اہل سنت یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ حاجت مند ہوں تب تو انہیں دوسرے حاجت مندوں پر ترجیح دے کر اس خمس میں سے دیا جائے گا، اور اگر وہ حاجت مند نہ ہوں تو ان کا کوئی مستقل حصہ نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خمس میں سے حصہ دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر لینے سے انکار کر دیا کہ اس سال ہمارے خاندان کو ضرورت نہیں ہے۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۹۸۴) چنانچہ حضرت علیؑ سمیت چاروں خلفائے راشدین کا عمل یہی رہا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے حضرات اگر حاجت مند ہوتے تو ان کو خمس میں سے حصہ دینے میں دوسروں پر مقدم رکھتے تھے، اور اگر حاجت مند نہ ہوتے تو نہیں دیتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر فقہاء اور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جو پانچ مصارف بیان کئے گئے ہیں، ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سب کو ضرور دیا جائے، اور سب کو برابر دیا جائے، بلکہ یہ مصرف زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کی طرح ہیں (جن کا ذکر سورۃ توبہ ۶۰:۹ میں آنے والا ہے) کہ امام یعنی سربراہ حکومت کو اختیار ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق ان مصارف میں سے جس مصرف میں جتنا مناسب سمجھے تقسیم کرے۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق بندہ نے اپنی صحیح مسلم کی شرح تکرملہ فتح الملہم (ج: ۳ ص: ۲۵۴ تا ۲۵۸) میں بیان کی ہے۔

(۲۷) اس سے مراد جنگ بدر کا دن ہے، اس کو آیت میں ”یوم الفرقان“ فرمایا گیا ہے، یعنی وہ دن جس میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہو گیا کہ تین سو تیرہ بے سرو سامان لوگ ایک ہزار مسلح فوج پر معجزانہ طور سے غالب آ گئے۔ اور جو چیز اُس دن نازل کی تھی اُس سے مراد فرشتوں کی مدد اور قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جو اُس دن مسلمانوں

کی تسلی کے لئے نازل کی گئیں۔

(۲۸) یہ میدان جنگ کا نقشہ بتایا جا رہا ہے۔ ”بدر“ ایک وادی کا نام ہے، اُس کا وہ کنارہ جو مدینہ منورہ سے قریب تر ہے، اس پر مسلمانوں کا لشکر فروکش تھا، اور جو کنارہ مدینہ منورہ سے نسبتاً دور ہے، اُس پر کفار کا لشکر تھا۔ اور قافلے سے مراد ابوسفیان کا قافلہ ہے جو اس وادی کے نیچے کی جانب ساحلِ سمندر کی طرف بچ کر نکل گیا تھا۔ تفصیل اس سورت کے شروع میں بیان ہو چکی ہے۔

(۲۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب ایسے پیدا فرمادیئے کہ کفار مکہ سے باقاعدہ جنگ ٹھن گئی، ورنہ اگر دونوں فریق پہلے سے جنگ کے لئے کوئی وقت طے کرنا چاہتے تو اختلاف ہو جاتا، مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے، اس لئے باقاعدہ جنگ سے کتراتے، اور مشرکین کے دلوں پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت تھی، اس لئے وہ بھی خواہش کے باوجود جنگ کو ٹلانا چاہتے۔ لیکن جب انہیں اپنا تجارتی قافلہ خطرے میں نظر آیا تو ان کے پاس جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، اور مسلمانوں کے سامنے جب لشکر آہی گیا تو وہ بھی لڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ہیں کہ یہ اسباب ہم نے اس لئے پیدا کئے کہ ایک مرتبہ فیصلہ کن معرکہ ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی فتح و نصرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کھل کر سامنے آجائے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص کفر کر کے بربادی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل کے واضح ہونے کے بعد اختیار کرے، اور جو شخص اسلام لا کر باعزت زندگی اختیار کرے، وہ بھی اس واضح دلیل کی روشنی میں کرے۔

(۳۰) جنگ شروع ہونے سے پہلے جب ابھی تک مسلمانوں کو یہ پتہ نہیں چلا تھا کہ حملہ آور کافروں کی تعداد کتنی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافروں کے لشکر کو کم کر کے دکھایا گیا۔ آپ نے وہ خواب صحابہ کرام سے بیان فرمایا، جس سے ان کے حوصلے بلند ہوئے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کا خواب چونکہ واقعے کے خلاف نہیں ہو سکتا، اس لئے بظاہر آپ کو لشکر کا ایک حصہ دکھایا گیا تھا، آپ نے اسی حصے کے بارے میں لوگوں کو بتایا کہ وہ تھوڑے لوگ ہیں۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خواب میں جو چیز دکھائی جاتی ہے، وہ عالم مثال سے تعلق رکھتی ہے، عین وہ چیز مراد نہیں ہوتی جو خواب میں نظر آرہی ہو، اسی لئے خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہذا خواب میں سارے لشکر کی تعداد اگرچہ واقعی کم دکھائی گئی، لیکن اس کمی کی اصل تعبیر یہ تھی کہ یہ سارا لشکر بے حیثیت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تعبیر کا علم تھا، اور آپ نے یہ خواب صحابہ کے سامنے اس لئے بیان فرمایا تا کہ ان کے حوصلے بڑھ جائیں۔



وَلَوْ أَرَادَهُمْ كَثِيرًا لَفَشَلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۳﴾ وَإِذْ يُكْمِؤُهُمْ إِذْ أَلْقَيْتُمْ فِي آعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي آعْيُنِهِمْ لِيَقْضَى اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۳۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۳۶﴾

اور اگر تمہیں اُن کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو (اے مسلمانو!) تم ہمت ہار جاتے، اور تمہارے درمیان اس معاملے میں اختلاف پیدا ہو جاتا، لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچالیا۔ یقیناً وہ سینوں میں چھپی باتیں خوب جانتا ہے ﴿۳۳﴾ اور وہ وقت یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے مد مقابل آئے تھے تو اللہ تمہاری نگاہوں میں اُن کی تعداد کم دکھا رہا تھا، اور اُن کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے دکھا رہا تھا، تاکہ جو کام ہو کر رہنا تھا، اللہ اُسے پورا کر دکھائے۔ اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ﴿۳۴﴾ اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو ﴿۳۵﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑانہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۳۶﴾

(۳۱) یہ اُس خواب کے علاوہ بیداری کا واقعہ ہے جو عین اُس وقت پیش آیا جب دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کچھ ایسی کیفیت طاری فرمادی کہ کفار کا وہ لشکر جرار ان کو بہت معمولی محسوس ہوا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا أَوْ رِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۳۱﴾ وَإِذْ زَيْنَ لَهْمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَ آتِ الْفَيْثِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقَبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَلْهِىَ مَا لَا تَرْضَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۖ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۳۲﴾

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے، اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے۔ اور اللہ نے لوگوں کے سارے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطے میں لیا ہوا ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور وہ وقت (بھی قابل ذکر ہے) جب شیطان نے ان (کافروں) کو یہ بھایا تھا کہ ان کے اعمال بڑے خوشنما ہیں، اور یہ کہا تھا کہ: ”آج انسانوں میں کوئی نہیں ہے جو تم پر غالب آ سکے، اور میں تمہارا محافظ ہوں۔“ پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے آئے تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹا، اور کہنے لگا: ”میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، مجھے جو کچھ نظر آرہا ہے، وہ تمہیں نظر نہیں آرہا۔ مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔“ ﴿۳۲﴾

(۳۲) اس سے مراد کفار قریش کا وہ لشکر ہے جو جنگ بدر کے موقع پر بڑا اکڑتا اتراتا اور اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکلا تھا۔ سبق یہ دینا ہے کہ جنگی طاقت کتنی بھی ہو، اُس پر بھروسہ کر کے تکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رکھنا چاہئے۔

(۳۳) مطلب غالباً یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایک شخص بظاہر اخلاص سے کام کرتا نظر آتا ہے، لیکن اُس کی نیت دکھاوے کی ہوتی ہے، یا اس کے برعکس بعض مرتبہ کسی شخص کا انداز بظاہر دکھاوے کا ہوتا ہے (جیسے دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے کبھی طاقت کا مظاہرہ بھی کرنا پڑتا ہے) لیکن وہ اخلاص کے ساتھ بھروسہ اللہ ہی پر کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال کی اصل حقیقت کا پورا پورا علم ہے، اس لئے وہ ان کی جزایا سزا کا فیصلہ اپنے اسی علم محیط کی بنیاد پر فرمائے گا، محض ظاہری حالت کی بنیاد پر نہیں (تفسیر کبیر)۔ واللہ سبحانہ اعلم

(۳۴) شیطان کی طرف سے یہ یقین دہانی اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے مشرکین کے دل میں یہ خیال ڈالا

اَذِيقُوا الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرْهُوْا لَا دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهََ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ اتَّيَقَوْا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَلْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَذْبَاۤرُهُمْ ۖ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

اور یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، یہ کہہ رہے تھے کہ: ”اِن (مسلمانوں) کو اِن کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔“ حالانکہ جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ سب پر غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے ﴿۴۹﴾ اور اگر تم دیکھتے (تو وہ عجیب منظر تھا) جب فرشتے اِن کافروں کی روح قبض کر رہے تھے، اُن کے چہروں اور پشت پر مارتے جاتے تھے، (اور کہتے جاتے تھے کہ: ) ”اب جلنے کے عذاب کا مزہ (بھی) چکھنا ﴿۵۰﴾

ہو، لیکن اگلے جملے میں جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے ظاہر یہی ہے کہ اُس نے کسی انسانی شکل میں آکر مشرکین کو اُکسایا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب مشرکین مکہ جنگ کے ارادے سے روانہ ہونے لگے تو انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ ان کے پیچھے ان کے گھروں پر قبیلہ بکر کے لوگ حملہ نہ کر دیں جن سے ان کی پرانی دشمنی چلی آتی تھی۔ اس موقع پر شیطان اس قبیلے کے ایک سردار سراقہ کے روپ میں ان کے سامنے آیا، اور اس نے اطمینان دلایا کہ تمہارے لشکر کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کوئی تم پر غالب نہیں آسکے گا، اور دوسرے یہ کہ تم ہمارے قبیلے کی طرف سے بے فکر ہو، میں خود تمہارا محافظ ہوں، اور تمہارے ساتھ چلوں گا۔ مشرکین مکہ اس کی بات سے مطمئن ہو گئے۔ لیکن جب بدر کے میدان میں فرشتوں کا لشکر سامنے آیا تو شیطان جو سراقہ کی شکل میں ان کے ساتھ تھا، یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، اور مجھے وہ فوج نظر آرہی ہے جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ بعد میں جب مشرکین کا لشکر شکست کھا کر مکہ مکرمہ لوٹا تو انہوں نے سراقہ سے شکایت کی کہ تم نے ہمیں بڑا دھوکا دیا۔ سراقہ نے جواب میں کہا کہ مجھے تو اس قصے کا ذرا بھی پتہ نہیں، اور نہ میں نے ایسی کوئی بات کہی تھی۔

(۳۵) جب مسلمانوں نے بے سروسامانی کی حالت میں اتنے بڑے لشکر سے ٹکر لے لی تو منافقین نے کہا تھا کہ یہ اپنے دین کے گھمنڈ میں بڑا دھوکا کھا رہے ہیں، ان میں کفار مکہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٥١﴾ كَذٰبُ الْاِلٰ  
فِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ  
اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا لِّلْعَمَلِ اَنْعَمَ عَلٰى  
قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرَ وَاَمَّا بِاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾ كَذٰبُ الْاِلٰ فِرْعَوْنَ ۗ  
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَعْرِضْ عَنِ الْاِلٰ  
فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلُّ كَاٰفٍ لَّا يَذٰلِكُ ۚ ﴿٥٤﴾

یہ سب کچھ اُن اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیج رکھے تھے، اور یہ بات طے ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ﴿۵۱﴾ (ان لوگوں کا حال ایسا ہی ہوا) جیسا فرعون کی قوم اور ان سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو ماننے سے انکار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ یقیناً اللہ کی طاقت بڑی ہے (اور) عذاب بڑا سخت! ﴿۵۲﴾ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ کا دستور یہ ہے کہ اُس نے جو نعمت کسی قوم کو دی ہو، اُسے اُس وقت تک بدلنا گوارا نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت تبدیل نہ کر لیں، اور اللہ ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے ﴿۵۳﴾ (اس معاملے میں بھی ان کا حال) ایسا ہی ہوا جیسا فرعون کی قوم اور اُن سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا، اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا، اور یہ سب ظالم لوگ تھے ﴿۵۴﴾

(۳۶) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو عذاب سے اسی وقت بدلتا ہے جب کوئی قوم اپنی حالت کو خود بدل لیتی ہے۔ کفار کہہ کر اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن میں سب سے بڑی نعمت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی کے درمیان مبعوث کیا گیا۔ اگر وہ اس وقت ضد سے کام لینے کے بجائے حق طلبی اور انصاف سے کام

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدَتْ  
مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرْجَةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَمَا تَتَّقُهُمْ فِي  
الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَدَّكُرُونَ ﴿٥٧﴾

یقین جانو کہ اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والے جان داروں میں بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر  
اپنا لیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۵۵﴾<sup>(۳۷)</sup> یہ لوگ وہ ہیں جن سے تم نے عہد لے  
رکھا ہے، اس کے باوجود یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں، اور ذرا نہیں ڈرتے۔ ﴿۵۶﴾<sup>(۳۸)</sup> لہذا اگر  
کبھی یہ لوگ جنگ میں تمہارے ہاتھ لگ جائیں، تو ان کو سامانِ عبرت بنا کر ان لوگوں کو بھی تتر بتر  
کر ڈالو جو ان کے پیچھے ہیں، تاکہ وہ یاد رکھیں۔ ﴿۵۷﴾<sup>(۳۹)</sup>

لیتے تو ان کے لئے اسلام قبول کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، لیکن انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کر کے اور ضد سے کام  
لے کر اپنی حالت کو بدل لیا، اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا، جس سے حق کو  
قبول کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔ جب انہوں نے اپنی حالت اس طرح بدل لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتوں  
کو عذاب سے تبدیل کر دیا۔

(۳۷) دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۲۲ کا حاشیہ۔

(۳۸) اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو مدینہ منورہ کے آس پاس آباد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
سے معاہدہ فرمایا تھا کہ وہ اور مسلمان آپس میں امن کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے دشمن کا ساتھ  
نہیں دیں گے۔ یہودیوں نے بار بار اس عہد کی خلاف ورزی کی تھی، اور خفیہ طور پر کفار مکہ کے ساتھ ساز باز  
کرتے رہتے تھے۔

(۳۹) مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کسی جنگ میں کھل کر مسلمانوں کے مقابلے پر آجائیں تو انہیں ایسا سبق سکھایا جائے  
کہ نہ صرف ان کو بد عہدی کا انجام پتہ لگ جائے، بلکہ جو کفار مکہ ان کو پیچھے سے اُکساتے رہتے ہیں، ان کو بھی  
ایسی عبرت ہو کہ ان کے منصوبے تتر بتر ہو کر رہ جائیں۔

وَمَا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ  
 الْخَائِنِينَ ۝ (۵۸) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۖ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝ (۵۹) وَ  
 اعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ  
 وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۖ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ  
 شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۖ (۶۰) وَإِنْ جَحَحُوا لِلْسَلَامِ  
 فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۖ (۶۱) وَإِنْ يَرِيدُوا أَنْ  
 يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۖ هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِضَرِبَةٍ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۖ (۶۲)

اور اگر تمہیں کسی قوم سے بد عہدی کا اندیشہ ہو تو تم وہ معاہدہ اُن کی طرف صاف سیدھے طریقے سے  
 پھینک دو۔ یاد رکھو کہ اللہ بد عہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۵۸﴾ اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال بھی  
 دل میں نہ لائیں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿۵۹﴾  
 اور (مسلمانو!) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں، ان سے مقابلے کے  
 لئے تیار کرو، جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے (موجودہ) دشمن پر بھی ہیبت طاری کر سکو،  
 اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے، (مگر) اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ کے  
 راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لئے کوئی کمی نہیں کی  
 جائے گی ﴿۶۰﴾ اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اُس کی طرف جھک جاؤ، اور اللہ پر  
 بھروسہ رکھو۔ یقین جانو وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے ﴿۶۱﴾ اور اگر وہ تمہیں دھوکا  
 دینے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعے اور  
 مؤمنوں کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے ﴿۶۲﴾

(۴۰) یہ اس صورت کا حکم بیان ہو رہا ہے جب ان لوگوں کی طرف سے کھلی بدعہدی تو نہ ہوئی ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ کسی وقت وہ بدعہدی کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچادیں گے۔ ایسے موقع کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واضح طور پر معاہدے کے ختم کرنے کا اعلان کر دیں، اور انہیں بتادیں کہ اب ہم میں سے کوئی معاہدے کا پابند نہیں ہے، اور ہر فریق دوسرے کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہے۔ اسی بات کو معاہدہ ان کی طرف پھینکنے سے تعبیر کیا گیا ہے جو عربی محاورے میں اسی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تاکیدیہ کی گئی ہے کہ صرف دشمن کی بدعہدی کے اندیشے کی بنا پر مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اعلان کے بغیر معاہدے کی خلاف ورزی کریں، کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

(۴۱) یہ ان کافروں کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر کے موقع پر بھاگ نکلے تھے۔

(۴۲) یہ پوری امت مسلمہ کے لئے ایک ابدی حکم ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی شوکت قائم کرنے کے لئے ہر قسم کی دفاعی طاقت جمع کرنے کا اہتمام کرے۔ قرآن کریم نے ”طاقت“ کا عام لفظ استعمال کر کے بتا دیا ہے کہ جنگ کی تیاری کسی ایک ہتھیار پر موقوف نہیں، بلکہ جس وقت جس قسم کی دفاعی قوت کارآمد ہو، اُس وقت اُسی طاقت کا حصول مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ لہذا اس میں تمام جدید ترین ہتھیار اور آلات بھی داخل ہیں، اور وہ تمام اسباب و وسائل بھی جو مسلمانوں کی اجتماعی، معاشی اور دفاعی ترقی کے لئے ضروری ہوں۔ افسوس ہے کہ اس فریضے سے غافل ہو کر آج مسلمان دوسری قوموں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں، اور ان سے مرعوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس صورت حال سے نجات عطا فرمائے۔

(۴۳) اس سے مراد مسلمانوں کے وہ دشمن ہیں جو اُس وقت تک سامنے نہیں آئے تھے، بلکہ بعد میں سامنے آئے۔ مثلاً روم اور فارس کے لوگ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور اور خلافت راشدہ کے زمانے میں یا اس کے بھی بعد سابقہ پیش آیا۔

(۴۴) اس آیت کریمہ نے مسلمانوں کو دشمن سے صلح کرنے کی بھی اجازت دی ہے، بشرطیکہ وہ ایسی شرائط پر ہو جو مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہوں۔

وَأَلْفَ بَيْنٍ قُلُوبِهِمْ ۖ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بِئِنَّ قُلُوبُهُمْ  
وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنِهِمْ ۖ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ  
اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۖ إِنْ  
يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا أَمَاطَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ  
يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی اُلفت پیدا کر دی۔ اگر تم زمین بھر کی ساری دولت بھی خرچ کر لیتے تو ان کے دلوں میں یہ اُلفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔ وہ یقیناً اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۶۳﴾

اے نبی! تمہارے لئے تو بس اللہ اور وہ مؤمن لوگ کافی ہیں جنہوں نے تمہاری پیروی کی ہے ﴿۶۴﴾ اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ایسے ہوں گے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے۔ اور اگر تمہارے سو آدمی ہوں گے تو وہ کافروں کے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔ ﴿۶۵﴾

(۴۵) چونکہ صحیح سمجھ نہیں رکھتے، اس لئے ایمان نہیں لاتے، اور چونکہ ایمان نہیں لاتے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے محروم رہتے ہیں، اور اپنی دس گنی زیادہ تعداد کے باوجود مسلمانوں سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اس آیت نے ضمنی طور پر یہ حکم بھی دے دیا کہ اگر کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دس گنی زیادہ ہو تب بھی مسلمانوں کے لئے مقابلے سے پیچھے ہٹنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگلی آیت بعد میں نازل ہوئی جس نے اس حکم میں تخفیف کر دی۔



الَّنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ  
يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ  
الصَّابِرِينَ ۝۲۱ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ آسَرَى حَتَّى يُمِشَّ خَنَ فِي الْأَرْضِ ۗ  
تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۲۲ لَوْ لَا كُتِبَ  
مِّنَ اللَّهِ سَبَقٌ لِّسَّاسِكُمْ فِي مَا آخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۲۳ فَكُلُوا مِن مَّا عَمِلْتُمْ حَلَالًا  
طَيِّبًا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۲۴

لو اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا، اور اُس کے علم میں ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزوری ہے۔ لہذا  
(اب حکم یہ ہے کہ) اگر تمہارے ثابت قدم رہنے والے سو آدمی ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں  
گے، اور اگر تمہارے ایک ہزار آدمی ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے، اور اللہ  
ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۲۱﴾ یہ بات کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اُس  
کے پاس قیدی رہیں، جب تک کہ وہ زمین میں (دُشمنوں کا) خون اچھی طرح نہ بہا چکا ہو (جس  
سے ان کا رُعب پوری طرح ٹوٹ جائے) تم دُنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو، اور اللہ (تمہارے  
لئے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے، اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی ﴿۲۲﴾  
اگر اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو راستہ تم نے اختیار کیا، اُس کی وجہ سے تم پر  
کوئی بڑی سزا آجاتی۔ ﴿۲۳﴾ لہذا اب تم نے جو مال غنیمت میں حاصل کیا ہے، اُسے پاکیزہ حلال  
مال کے طور پر کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۴﴾

(۲۱) یہ حکم بعد میں آیا، اور اس نے یہ تخفیف کر دی کہ اگر دُشمن کی تعداد مسلمانوں سے دُگنی تک ہو تو پیچھے ہٹنا جائز  
نہیں ہے، البتہ اگر تعداد اس سے زیادہ ہو تو پیچھے ہٹنے کی گنجائش ہے۔ اس طرح اس آیت نے اُس حکم کی تفصیل  
بیان فرمادی ہے جو پیچھے آیت نمبر ۱۵ و ۱۶ میں دیا گیا تھا۔

(۴۷) جنگ بدر میں ستر قریشی افراد گرفتار ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو جنگی قیدی کے طور پر مدینہ منورہ لایا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے؟ بعض صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں، ان کی بنا پر ان کا عبرت ناک انجام ہونا چاہئے۔ دوسرے حضرات کی رائے یہ تھی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ ("فدیہ" اُس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی جنگی قیدی سے اُس کی آزادی کے بدلے طلب کیا جائے) چونکہ زیادہ تر صحابہ اس دوسری رائے کے حق میں تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا، اور ان سب قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے اس فیصلے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جنگ بدر کا سارا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ کفار کی طاقت، رشوکت کا زور اچھی طرح ٹوٹ جائے، اور جن لوگوں نے سالہا سال تک دین حق کا نہ صرف راستہ روکنے کی کوشش کی ہے، بلکہ مسلمانوں پر وحشیانہ ظلم ڈھائے ہیں، اُن پر ایک مرتبہ مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی نرمی کا معاملہ کرنے کے بجائے ان سب کو قتل کیا جاتا، تاکہ یہ واپس جا کر مسلمانوں کے لئے خطرہ بھی نہ بن سکتے، اور ان کے عبرت ناک انجام سے دوسروں کو بھی سبق ملتا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے پر ناپسندیدگی کا یہ اظہار جنگ بدر کے وقت مذکورہ مصلحت کی بنا پر کیا گیا تھا۔ بعد میں سورہ محمد کی آیت نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اب چونکہ کفار کی جنگی طاقت ٹوٹ چکی ہے، اس لئے اب نہ صرف فدیہ لے کر، بلکہ بغیر فدیہ کے، محض احسان کے طور پر بھی جنگی قیدیوں کو آزاد کیا جاسکتا ہے۔

(۴۸) پہلے لکھے ہوئے حکم سے مراد بعض مفسرین نے تو وہ حکم لیا ہے جو پیچھے آیت ۳۳ میں گزرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب نہیں آسکتا۔ اور دوسرے مفسرین نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ان قیدیوں میں سے بعض حضرات کا مسلمان ہو جانا اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھا ہوا تھا، وہ نوشتہ تقدیر مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فیصلے پر مسلمانوں کو کوئی سزا نہیں دی کہ ان قیدیوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہونے والے تھے، ورنہ فیصلہ اصولی طور پر ناپسندیدہ تھا۔

(۴۹) چونکہ جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ فیصلہ کثرتِ رائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے ہو چکا تھا، اس لئے ناپسندیدگی کے اظہار کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کی معافی کا بھی اعلان فرمایا، اور یہ بھی اجازت دی کہ جو مال فدیہ میں حاصل ہوا ہے، وہ حلال طیب ہے، اور مسلمان اُسے اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّسَنُ فِيْ أَيْدِيكُمْ مِّنَ الْأَسْرَىٰ ۚ إِن يَّعْلَمِ اللَّهُ فِيْ قُلُوبِكُمْ خَيْرًا  
يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أَخَذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَفُوٌّ رَّحِيمٌ ⑤۰ وَإِنْ يُرِيدُوا  
خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑤۱

اے نبی! تم لوگوں کے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں، (اور جنہوں نے مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے) اُن سے کہہ دو کہ: ”اگر اللہ تمہارے دلوں میں بھلائی دیکھے گا تو جو مال تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے، اُس سے بہتر تمہیں دیدے گا، اور تمہاری بخشش کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۵۰﴾ اور اگر ان لوگوں نے (اے نبی!) تم سے خیانت کرنے کا ارادہ کیا، تو یہ اس سے پہلے اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں، جس کے نتیجے میں اللہ نے انہیں تمہارے قابو میں دے دیا، اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۵۱﴾

(۵۰) بھلائی دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا ہے، وہ خلوص دل کے ساتھ ہو، کوئی شرارت نہ ہو۔ اس صورت میں ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی آزادی کے لئے فدیہ میں جو کچھ خرچ کیا ہے، اس سے بہتر بدلہ انہیں دینا یا آخرت میں دے دیا جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور بدر کی جنگ میں قید ہو گئے تھے، انہوں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا تھا، مگر میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے جنگ میں آنے پر مجبور کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہر حال! جو فدیہ دینا طے ہوا ہے، وہ تو تمہیں دینا ہوگا، اور اپنے بھتیجوں عقیل اور نوفل کا فدیہ بھی تم دو۔ انہوں نے کہا کہ اتنی رقم میں کہاں سے لاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ رقم کہاں ہے جو تم اپنی اہلیہ ام الفضل کے پاس خفیہ طور پر چھوڑ کر آئے ہو؟ حضرت عباسؓ نے یہ سنا تو ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ اس بات کا علم ان کے اور ان کی اہلیہ کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ بعد میں حضرت عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جتنا کچھ میں نے فدیہ میں دیا تھا، واقعی اُس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے دیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِبَاءُ مَوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَانْتَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا أَمْالُهُمْ مِّنْ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥١ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِعَصَاهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ ۖ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ٥٢

جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے ہجرت کی ہے، اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے، وہ اور جنہوں نے ان کو (مدینہ میں) آباد کیا، اور ان کی مدد کی، یہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، (مگر) انہوں نے ہجرت نہیں کی، جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں، (اے مسلمانو!) تمہارا ان سے وراثت کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ہاں اگر دین کی وجہ سے وہ تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے، سوائے اس صورت کے جبکہ وہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے اچھی طرح دیکھتا ہے ﴿۷۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔ ﴿۷۳﴾

(۵۱) سورۃ انفال کی ان آخری آیات میں میراث کے کچھ وہ احکام بیان فرمائے گئے ہیں جو مسلمانوں کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اصول شروع سے طے فرمادیا تھا کہ مسلمان اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ جو صحابہ کرام مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، ان میں سے بہت سے ایسے تھے کہ ان کے رشتہ دار جو ان کے وارث ہو سکتے تھے، سب مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے۔ ان میں سے اکثر تو وہ تھے جو کافر تھے، اور مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے، وہ مسلمانوں کے اس لئے وارث نہیں ہو سکتے تھے کہ ان کے درمیان کفر اور ایمان کا فاصلہ حائل تھا۔ چنانچہ ان

آیات نے واضح طور پر بتا دیا کہ نہ وہ مسلمانوں کے وارث ہو سکتے ہیں، اور نہ مسلمان اُن کے وارث ہو سکتے ہیں۔ اور مہاجرین کے کچھ ایسے رشتہ دار بھی تھے جو مسلمان تو ہو گئے تھے، لیکن انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ ان کے بارے میں بھی اس آیت نے یہ حکم دیا ہے کہ مہاجر مسلمانوں کا اُن سے بھی وراثت کا کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اُس وقت تمام مسلمانوں کے ذمے فرض تھا کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کریں، اور انہوں نے ہجرت نہ کر کے اس فریضے کو ابھی تک ادا نہیں کیا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مہاجر مسلمان مدینہ منورہ میں تھے جو دارالاسلام تھا، اور وہ حضرات مکہ مکرمہ میں تھے جو اُس وقت دارالحرب تھا، اور دونوں کے درمیان بڑی رکاوٹیں حائل تھیں۔ بہر صورت! مہاجر مسلمانوں کے جو رشتہ دار مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کے ساتھ مہاجرین کا وراثت کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر اُن کا کوئی رشتہ دار مکہ مکرمہ میں فوت ہوتا تو اُس کے ترکے میں ان مہاجرین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، اور اگر ان مہاجرین میں سے کوئی مدینہ منورہ میں فوت ہوتا تو اُس کی میراث میں اُس کے مکی رشتہ داروں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف جو مہاجرین مدینہ منورہ آکر آباد ہوئے تھے، اُن کو انصار مدینہ نے اپنے گھروں میں ٹھہرایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مہاجر صحابی کا کسی انصاری صحابی سے بھائی چارہ قائم کر دیا تھا جسے ”موآخات“ کہا جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ نے یہ حکم دیا کہ اب مہاجرین کے وارث اُن کے مکی رشتہ داروں کے بجائے وہ انصاری صحابہ کرام ہوں گے جن کے ساتھ اُن کی موآخات قائم کی گئی ہے۔

(۵۲) یعنی جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی، اگرچہ وہ مہاجرین کے وارث نہیں ہیں، لیکن چونکہ بہر حال مسلمان ہیں، اس لئے اگر کافروں کے خلاف مسلمانوں سے کوئی مدد مانگیں تو مہاجر مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مدد کریں۔ البتہ ایک صورت ایسی بیان کی گئی ہے جس میں اس طرح کی مدد کرنا مہاجر مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور وہ یہ کہ جن کافروں کے خلاف وہ مدد مانگ رہے ہوں، اُن سے مہاجر مسلمانوں کا کوئی جنگ بندی کا معاہدہ ہو چکا ہو۔ ایسی صورت میں اگر وہ اپنے مسلمان بھائیوں کا ساتھ دیتے ہوئے اُن کے خلاف کوئی کارروائی کریں گے تو یہ بدعہدی ہوگی، اس لئے ایسی مدد کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ جب کوئی معاہدہ ہو جائے تو اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے بھی اُس کی خلاف ورزی کو اسلام نے جائز نہیں رکھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ کفار کے ہاتھوں پسے ہوئے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار قریش کے خلاف مدد مانگی، اور مسلمانوں کا دل بے تاب تھا کہ ان کی مدد کریں، مگر چونکہ قریش کے لوگوں سے معاہدہ ہو چکا تھا، اس لئے ان کے صبر و ضبط کا بہت کڑا امتحان پیش آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے۔

(۵۳) اس جملے کا تعلق اُن تمام احکام سے ہے جو ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں، جن میں میراث کے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَانصَرُوا أُولَٰئِكَ  
 هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ  
 وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَأَمْعَهُمْ فَاُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا  
 ۖ يَغِيْبُ بَعْضُ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۵۵﴾

اور جو لوگ ایمان لے آئے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، وہ اور جنہوں  
 نے انہیں آباد کیا، اور ان کی مدد کی، وہ سب صحیح معنی میں مؤمن ہیں۔<sup>(۵۴)</sup> ایسے لوگ مغفرت اور باعزت  
 رزق کے مستحق ہیں ﴿۵۴﴾ اور جنہوں نے بعد میں ایمان قبول کیا، اور ہجرت کی، اور تمہارے  
 ساتھ جہاد کیا، تو وہ بھی تم میں شامل ہیں۔ اور (ان میں سے) جو لوگ (پرانے مہاجرین کے) رشتہ  
 دار ہیں، وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے (کی میراث کے دوسروں سے) زیادہ حق دار ہیں۔<sup>(۵۵)</sup>  
 یقیناً اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے ﴿۵۵﴾

مذکورہ بالا احکام بھی داخل ہیں، اور غیر مہاجر مسلمانوں کی مدد کے احکام بھی۔ تنبیہ یہ کی جا رہی ہے کہ ان احکام کی  
 خلاف ورزی سے زمین میں فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ مثلاً اگر وہ مسلمان جو کفار کے ہاتھوں ظلم و ستم برداشت کر رہے  
 ہیں، اُن کی مدد نہ کی جائے تو فساد پھیلنا ظاہر ہے، اور اگر ان کی مدد کی وجہ سے غیر مسلموں کے ساتھ بدعہدی کی  
 جائے تب بھی وہ تمام مصلحتیں پامال ہوں گی جن کی خاطر وہ معاہدہ کیا گیا تھا۔

(۵۴) یعنی جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی ہے، اگرچہ مؤمن وہ بھی ہیں، لیکن اُن میں ابھی یہ کسر  
 ہے کہ انہوں نے ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ دوسری طرف مہاجرین اور انصار میں یہ کسر نہیں ہے۔ اس لئے وہ  
 صحیح معنی میں مؤمن کہلانے کے مستحق ہیں۔

(۵۵) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب وہ مسلمان بھی بالآخر ہجرت کر آئے تھے جنہوں نے شروع میں ہجرت نہیں کی  
 تھی۔ اس آیت نے ان کے بارے میں دو حکم بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اب انہوں نے چونکہ وہ کسر پوری

کردی ہے جس کی وجہ سے اُن کا درجہ مہاجرین اور انصار سے کم تھا، اس لئے اب وہ بھی ان میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور دوسرا حکم یہ کہ اب تک وہ اپنے اُن رشتہ داروں کے وارث نہیں ہوتے تھے جو ہجرت کر چکے تھے۔ اب چونکہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے ہیں، اس لئے اب اُن کے وارث ہونے کی اصل رکاوٹ دُور ہو گئی ہے۔ اب وہ اپنے ان مسلمان رشتہ داروں کے وارث ہوں گے جو اُن سے پہلے ہجرت کر چکے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انصاری صحابہ کو اُن مہاجرین کا جو وارث بنایا گیا تھا، اب وہ حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ وہ ایک عارضی حکم تھا جو اس وجہ سے دیا گیا تھا کہ ان مہاجرین کے رشتہ دار مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ اب چونکہ وہ آ گئے ہیں، اس لئے میراث کا اصل حکم کہ وہ قریبی رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی ہے، واپس آ گیا۔

الحمد للہ! سورۃ انفال کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج مورخہ ۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۷ اپریل ۲۰۰۶ء کو مکہ مکرمہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اس سورت کا ترجمہ لندن میں شروع ہوا تھا، اور کچھ حصہ کراچی میں ہوا، اور آج مکہ مکرمہ زاد ہا اللہ شرفاً میں مابین عصر و مغرب اس کی تکمیل ہوئی۔

والحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے اُمت کے لئے نافع بنادیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور حواشی کا کام بھی اپنے فضل و کرم سے اپنی رضا کے مطابق صدق و اخلاص سے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔





# سُورَةُ التَّوْبَةِ

## تعارف

یہ بھی مدنی سورت ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ پچھلی سورت یعنی سورہ انفال کا مکملہ ہے۔ غالباً اسی لئے عام سورتوں کے برخلاف اس سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ نازل ہوئی، نہ لکھی گئی۔ اور اس کی تلاوت کا بھی قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص پیچھے سورہ انفال سے تلاوت کرتا چلا آ رہا ہو، اُسے یہاں بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئے، البتہ اگر کوئی شخص اسی سورت سے تلاوت شروع کر رہا ہو تو اُس کو بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ اور بعض لوگوں نے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کے بجائے کچھ اور جملے پڑھنے کے لئے بنا رکھے ہیں، وہ بے بنیاد ہیں۔ اوپر جو طریقہ لکھا گیا ہے، وہی سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے۔

یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ عرب کے بہت سے قبائل اس انتظار میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار قریش کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جب قریش نے حدیبیہ والا معاہدہ توڑ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا، اور کسی خاص خونریزی کے بغیر اُسے فتح کر لیا۔ اس موقع پر کفار کی کمر ٹوٹ چکی تھی، البتہ آخری تدبیر کے طور پر قبیلہ ہوازن نے ایک بڑا لشکر مسلمانوں سے مقابلے کے لئے جمع کیا جس سے حنین کی وادی میں آخری بڑی جنگ ہوئی، اور شروع میں معمولی ہزیمت کے بعد مسلمانوں کو اس میں بھی فتح ہوئی۔ اس جنگ کے بعض واقعات بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ اب عرب کے جو قبائل قریش کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے ڈرتے تھے، یا ان کی جنگوں کے آخری انجام کے منتظر تھے، ان کے دل سے اسلام کے خلاف ہر رُکاوت دُور ہو گئی، اور وہ جوق در جوق مدینہ منورہ آ کر مسلمان ہوئے، اور اس طرح جزیرہ عرب کے بیشتر علاقے پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزیرہ عرب

کو اسلام اور مسلمانوں کا بنیادی مرکز قرار دے دیا گیا۔ اصل منشا توبہ تھا کہ پورے جزیرہ عرب میں کوئی بھی غیر مسلم مستقل باشندے کی حیثیت میں باقی نہ رہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں۔ (موطأ امام مالک، کتاب الجامع ومسند احمد ج: ۶ ص: ۵۷۲) لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تدریج کا طریقہ اختیار فرمایا گیا۔ سب سے پہلا ہدف یہ مقرر فرمایا گیا کہ جزیرہ عرب کو بت پرستوں سے خالی کرایا جائے۔ چنانچہ جو بچے کچھ بت پرست عرب میں رہ گئے تھے، اور جنہوں نے بیس سال سے زیادہ مدت تک مسلمانوں کو وحشیانہ مظالم کا نشانہ بنایا تھا، اُن کو اس سورت کے شروع میں مختلف مدتوں کی مہلت دی گئی جس میں اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو انہیں جزیرہ عرب چھوڑنے، ورنہ جنگ کا سامنا کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں، اور مسجد حرام کو بت پرستی کی ہر نشانی سے پاک کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس ہدف کے پورا ہونے کے بعد جزیرہ عرب کی مکمل صفائی کا دوسرا مرحلہ یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکالنے کا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں یہ مرحلہ مکمل نہیں ہو سکا تھا، لیکن آپ نے اس کی وصیت فرمادی تھی، جیسا کہ آیت نمبر ۲۹ کے تحت اس کی وضاحت آنے والی ہے۔ اس سے پہلے روم کے بادشاہ نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج جمع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش قدمی کر کے اُس کے مقابلے کے لئے تبوک تک تشریف لے گئے۔ اس سورت کا بہت بڑا حصہ اس مہم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ منافقین کی معاندانہ کارروائیاں مسلسل جاری تھیں۔ اس سورت میں ان کی بدعنوانیوں کو بھی طشت از بام کیا گیا ہے۔

اس سورت کو سورہ توبہ بھی کہا جاتا ہے، اور سورہ براءت بھی۔ براءت اس لئے کہ اس کے شروع میں مشرکین سے براءت اور دستبرداری کا اعلان کیا گیا ہے، اور توبہ اس لئے کہ اس میں بعض ان صحابہ کرام کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے جنہوں نے تبوک کی مہم میں حصہ نہیں لیا تھا، اور بعد میں اپنی اس غلطی پر توبہ کی تھی۔

آیاتها ۱۲۹ ﴿۱﴾ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳ ﴿۲﴾ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲ ﴿۳﴾

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ ۱ فَيَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۖ ۲ وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۚ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۖ ۳

سورہ توبہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو اسی آیتیں اور سورہ رُکوع ہیں

(مسلمانو!) یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے اُن تمام مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔ ﴿۱﴾ ﴿۱﴾ لہذا (اے مشرک!) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی) سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات بھی کہ اللہ اب کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ﴿۲﴾ اور حج اکبر کے دن اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ بھی مشرکین سے دست بردار ہو چکا ہے، اور اُس کا رسول بھی۔ اب (اے مشرک!) اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہوگا، اور اگر تم نے (اب بھی) منہ موڑے رکھا تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور تمام کافروں کو ایک دُکھ دینے والے عذاب کی ”خوشخبری“ سنا دو ﴿۳﴾

(۱) ان آیتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے وہ پس منظر جاننا ضروری ہے جو اس سورت کے تعارف میں اوپر بیان کیا گیا ہے۔ جزیرہ عرب کو اسلام کا مرکز بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ کچھ عرصے کی مہلت

کے بعد کوئی بت پرست مستقل طور پر جزیرہ عرب میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ان آیات میں اُن بچے کچھے مشرکین سے دستبرداری کا اعلان کیا گیا ہے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اگرچہ یہ مشرکین وہ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ستانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اور اُن پر وحشیانہ ظلم ڈھائے تھے، لیکن انہیں جزیرہ عرب سے نکلنے کے لئے مختلف مہلتیں دی گئی ہیں جن کی تفصیل ان آیتوں میں آئی ہے۔ ان مشرکین کی چار قسمیں تھیں:

(الف) پہلی قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہیں کیا ہوا تھا۔ ایسے مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی کہ ان چار مہینوں میں وہ اگر اسلام لانا چاہیں تو اسلام لے آئیں، اور اگر جزیرہ عرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو اُس کا انتظام کر لیں۔ اگر یہ دونوں کام نہ کر سکیں تو اُن کے خلاف ابھی سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا ہوگا (ترمذی، کتاب الحج، حدیث نمبر ۸۷۱)۔

(ب) دوسری قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا، لیکن اُس کی کوئی مدت متعین نہیں تھی۔ ان کے بارے میں بھی یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب وہ معاہدہ چار مہینے تک جاری رہے گا۔ اس دوران اُن کو بھی وہی کام کرنے ہوں گے جن کا ذکر پہلی قسم کے بارے میں کیا گیا۔ سورہ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت ان دو قسموں سے متعلق ہے۔

(ج) تیسری قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ تو کیا تھا، لیکن انہوں نے بدعہدی کی، اور وہ معاہدہ توڑ دیا، جیسے کفارِ قریش کے ساتھ حدیبیہ میں معاہدہ ہوا تھا، لیکن انہوں نے اُس کی خلاف ورزی کی، اور اسی کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا تھا۔ ان لوگوں کو کوئی مزید مہلت تو نہیں دی گئی، لیکن چونکہ دست برداری کا یہ اعلان حج کے موقع پر کیا گیا تھا جو خود حرمت والے مہینے میں ہوتا ہے، اور اس کے بعد محرم کا مہینہ بھی حرمت والا ہے، اور اُس میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے ان کو محرم کے آخر تک کی مہلت مل گئی۔ انہی کے بارے میں آیت نمبر ۵ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حرمت والے مہینوں کے گزر جانے کے بعد اگر یہ نہ ایمان لائیں، اور نہ جزیرہ عرب سے باہر جائیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

(د) چوتھی قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ کسی خاص مدت تک کے لئے مسلمانوں نے جنگ بندی کا معاہدہ کر

رکھا تھا۔ اور انہوں نے کوئی بد عہدی بھی نہیں کی تھی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نمبر ۴ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُن کے معاہدے کی جتنی بھی مدت باقی ہے، اُس کو پورا کیا جائے، اور اس پوری مدت میں اُن کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ مثلاً قبیلہ کنانہ کے دو چھوٹے قبیلے بنو ضمیرہ اور بنو مدلج کے ساتھ آپ کا ایسا ہی معاہدہ تھا، اور اُن کی طرف سے کوئی بد عہدی سامنے نہیں آئی تھی۔ اُن کے معاہدے کی مدت ختم ہونے میں اس وقت نو مہینے باقی تھے۔ چنانچہ اُن کو نو مہینے کی مہلت دی گئی۔

ان چاروں قسم کے اعلانات کو براءت یا دستبرداری کے اعلانات کہا جاتا ہے۔

(۲) دست برداری کا یہ حکم تو آچکا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں سے انصاف کی خاطر ان مختلف مدتوں کی ابتدا اُس وقت سے فرمائی جب اُن کو ان سارے احکام کی اطلاع ہو جائے۔ پورے عرب میں اعلان کا سب سے مؤثر ذریعہ یہ تھا کہ یہ اعلان حج کے موقع پر کیا جائے، کیونکہ اُس وقت سارے عرب کے لوگ حجاز میں جمع ہوتے تھے، اور اُس وقت تک مشرکین بھی حج کے لئے آتے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جو حج ۹ھ میں ہوا۔ اُس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تو حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔ اُن کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی مقصد سے روانہ فرمایا کہ وہ ان احکام کا سب کے سامنے اعلان کر دیں، وجہ یہ تھی کہ اہل عرب میں یہ معمول تھا کہ اگر کسی شخص نے کوئی معاہدہ کیا ہوتا، اور وہ اُسے ختم کرنا چاہتا تو یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان یا تو وہ خود کرے، یا اُس کا کوئی قریبی عزیز۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا (الدر المنثور ص ۱۱۴ ج ۴، بیروت ۱۴۲۱ھ)۔

واضح رہے کہ ”حج اکبر“ ہر حج کو اس لئے کہتے ہیں کہ عمرہ چھوٹا حج ہے، اور اس کے مقابلے میں حج بڑا حج ہے۔ اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر حج جمعہ کے دن آجائے تو وہ ”حج اکبر“ ہوتا ہے، اُس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جمعہ کے دن حج ہو تو بیشک دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں، لیکن صرف اُسی کو ”حج اکبر“ قرار دینا درست نہیں ہے، بلکہ یہ لقب ہر حج کا ہے، چاہے وہ کسی بھی دن ہو۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدَتْهُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتَيْتُمُوهُمْ إِلَىٰ مَدَّتِهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الشَّاقِينَ ①  
فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُواهُمْ وَ  
أَحْصُرُواهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ  
فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ② وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ  
اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَا مَنَّهُ ۖ

البتہ (مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا، پھر ان لوگوں نے تمہارے ساتھ عہد میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور تمہارے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی، تو اُن کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی مدت کو پورا کرو۔ بیشک اللہ احتیاط کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ﴿۳﴾ چنانچہ جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو (جنہوں نے تمہارے ساتھ بدعہدی کی تھی) جہاں بھی پاؤ، قتل کر ڈالو، اور انہیں پکڑو، انہیں گھیرو، اور انہیں پکڑنے کے لئے ہر گھات کی جگہ تاک لگا کر بیٹھو۔ ﴿۴﴾ ہاں اگر وہ توبہ کر لیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۵﴾ اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اُسے اُس وقت تک پناہ دو جب تک وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ ﴿۶﴾

(۳) یعنی معاہدے کی مدت پوری احتیاط کے ساتھ پوری کی جائے، اور اس میں کوئی شک باقی نہ رکھا جائے۔

(۴) یہ تیسری قسم کے مشرکین کا ذکر ہے جنہوں نے بدعہدی کی تھی۔

(۵) مشرکین کی مذکورہ بالا چاروں قسموں کو اس آیت نے اپنی اپنی مہلت کے علاوہ یہ مزید سہولت عطا فرمائی کہ اگر ان میں سے کوئی مزید مہلت مانگے، اور وہ اسلام کی دعوت پر غور کرنا چاہتا ہو تو اُسے پناہ دی جائے، اور اللہ کا کلام سنایا جائے، یعنی اسلام کی حقانیت کے دلائل سمجھائے جائیں۔

(۶) یعنی صرف اللہ کا کلام سنانے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اُسے ایسی امن کی جگہ فراہم کی جائے جہاں وہ اطمینان کے ساتھ کسی دباؤ کے بغیر اسلام کی حقانیت پر غور کر سکے۔

۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝۶ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهِ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ اِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَاِنْ يُظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَقْبَلُوْا فَيْكُمُ الْاَوَّلُوْا لَا ذِمَّةٌ يُرْضُوْنَكَ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَكَثَرُوْهُمْ فَمِنْ سَقُوْنَ ۝۸

یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں علم نہیں ہے ﴿۶﴾ ان مشرکین سے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کوئی معاہدہ کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ البتہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے قریب معاہدہ کیا ہے، جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو۔ <sup>(۸)</sup> بیشک اللہ متقی لوگوں کو پسند کرتا ہے ﴿۷﴾ (لیکن دوسرے مشرکین کے ساتھ) کیسے معاہدہ برقرار رہ سکتا ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی تم پر غالب آجائیں تو تمہارے معاملے میں نہ کسی رشتہ داری کا خیال کریں، اور نہ کسی معاہدے کا؟ یہ تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں ﴿۸﴾

(۷) آیت نمبر ۷ سے لے کر آیت نمبر ۱۶ تک اتنی بات تو واضح ہے کہ اس میں کفارِ قریش کا ذکر ہے، اور ان کی بدعہدی کا ذکر کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ ان کے قول و قرار پر بھروسہ نہ کریں، اور اگر وہ بدعہدی کریں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے۔ لیکن اس معاملے میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں کہ یہ آیات کب نازل ہوئی تھیں۔ مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ سے پہلے اُس وقت نازل ہوئی تھیں جب کفارِ قریش کے ساتھ مسلمانوں نے حدیبیہ میں جو معاہدہ کیا تھا، وہ باقی تھا۔ اور ان آیتوں میں یہ پیشینگوئی کی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنے معاہدے پر قائم نہیں رہیں گے، لہذا اگر وہ عہد شکنی کریں تو ان کے ساتھ جنگ کرو، اور اگر وہ دوبارہ عہد کریں تو اب ان کی باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے، کیونکہ وہ زبان سے کچھ کہتے ہیں، اور ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ اور جب تم ان سے جنگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کر کے انہیں رُسوا کرے گا، اور ان



مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوں گے جو اُن کے مظالم کا شکار رہے ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق یہ آیتیں براءت کے اُس اعلان سے پہلے کی ہیں جو آیت نمبر ۱ سے آیت نمبر ۶ تک بیان کیا گیا ہے، اور جو فتح مکہ کے ایک سال دو ماہ کے بعد سن ۹ھ کے حج کے موقع پر کیا گیا تھا۔

مفسرین کی دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیتیں براءت کے اعلان سے پہلے کی نہیں ہیں، بلکہ آیت نمبر ۱ سے براءت کے اعلان کا جو مضمون چلا آ رہا ہے، یہ اُسی کا حصہ ہیں، اور ان میں براءت کے اعلان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی معاہدہ توڑ چکے ہیں، اور اب ان سے کوئی امید نہیں ہے کہ اگر اُن سے کوئی نیا معاہدہ کریں تو اُس کی پابندی کریں گے، کیونکہ ان کو مسلمانوں سے جو دشمنی ہے، اُس کی وجہ سے یہ نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں، نہ کسی معاہدے کا۔ چونکہ فتح مکہ کے موقع پر اور اُس کے بعد قریش کے بہت سے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور ان کی کفارِ قریش کے ساتھ رشتہ داریاں تھیں، اس لئے اُن کے دل میں قریش کے بارے میں کوئی نرم گوشہ ہو سکتا تھا۔ ان آیات نے انہیں متنبہ کیا ہے کہ وہ ان لوگوں کی باتوں سے دھوکا نہ کھائیں، اور دل میں یہ عزم رکھیں کہ اگر ان سے لڑنا پڑا تو وہ پوری قوت سے اُن کا مقابلہ کریں گے۔ راقم کو یہ تفسیر متعدد دلائل کی وجہ سے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔ اول تو اس لئے کہ آیت نمبر ۷ سے ۱۶ تک کا نظم قرآن ایک ہی سلسلہ کلام نظر آتا ہے، اور آیت نمبر ۷ کے بارے میں یہ تصور نظم کے اعتبار سے مشکل لگتا ہے کہ وہ پہلی چھ آیتوں سے نزول میں بہت مقدم ہو۔ دوسرے حضرت علیؓ نے اعلان کے وقت قرآن کریم کی جو آیات لوگوں کو سنائیں، اُن کی تعداد روایات میں کم سے کم دس اور زیادہ سے زیادہ چالیس آئی ہے۔ (دیکھئے الدر المنصور ج: ۴ ص: ۱۱۲ و نظم الدرر للبقای ج: ۸ ص: ۳۶۶) اور نسائی (کتاب الحج، باب الخطبة يوم الترویة حدیث نمبر ۲۹۹۳) کی ایک روایت میں جو یہ آیا ہے کہ ”انہوں نے اُسے ختم تک پڑھا، اُس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی آیات دے کر انہیں بھیجا گیا تھا، اُن کے ختم تک پڑھا“۔ تیسرے حافظ ابن جریر طبری، علامہ سیوطی، علامہ بقاعی، قاضی ابوالسعود اور بڑے جلیل القدر محدثین اور مفسرین نے ان آیات کو براءت ہی کا ایک حصہ اور اُس کی توجیہ و تعلیل قرار دیا ہے۔

(۸) اس سے مراد مشرکین کی وہ چوتھی قسم ہے جس کا ذکر اوپر حاشیہ نمبر (د) میں آیا ہے۔ ان کو ان کے معاہدے کی مدت پوری ہونے تک مہلت دی گئی تھی، اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت میں اُس وقت نو مہینے باقی تھے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اس مدت کے دوران اگر وہ سیدھے چلتے رہیں تو تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے چلو۔ اور اگر وہ بھی عہد شکنی کریں تو پھر اس مدت کے انتظار کی بھی ضرورت نہیں ہے (تفسیر ابن جریر ج: ۱۰ ص: ۸۲)۔

اِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا  
يَعْمَلُونَ ⑩ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وِلَاةَ ذِمَّةٍ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَعَدُّونَ ⑪  
فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۖ وَنُقِصِلُ الْآيَاتِ  
لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ⑫ وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي دِينِكُمْ  
فَقَاتِلُوا أَيْمَةَ الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَا آيَانَ لَكُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ⑬

انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے (دُنیا کی) تھوڑی سی قیمت لے لینا پسند کر لیا ہے، اور اس کے  
نتیجے میں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے کروت بہت بُرے ہیں ﴿۹﴾  
یہ کسی بھی مومن کے معاملے میں کسی رشتہ داری یا معاہدے کا پاس نہیں کرتے، اور یہی ہیں جو حدیں  
توڑنے والے ہیں ﴿۱۰﴾ لہذا اگر یہ توبہ کر لیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، تو یہ تمہارے  
دینی بھائی بن جائیں گے۔<sup>(۱۰)</sup> اور ہم احکام کی یہ تفصیل اُن لوگوں کے لئے بیان کر رہے ہیں جو جاننا  
چاہیں ﴿۱۱﴾ اور اگر ان لوگوں نے اپنا عہد دے دینے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالی ہوں، اور  
تمہارے دین کو طعنے دیئے ہوں، تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز  
آجائیں<sup>(۱۱)</sup>، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں ﴿۱۲﴾

(۹) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے کے بجائے دُنیا کے حقیر فوائد حاصل کرنے کو ترجیح دی ہے۔  
(۱۰) یہاں یہ واضح کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص سچے دل سے توبہ کر لے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اُس سے بھائیوں کا  
ساملوک کریں، اور جو تکلیفیں اُس نے اسلام لانے سے پہلے پہنچائی ہیں، اُن کو بھلا دیں، کیونکہ اسلام اپنے سے  
پہلے کے تمام گناہوں اور زیادتیوں کو مٹا دیتا ہے۔

(۱۱) پچھلی آیت کی روشنی میں قسمیں توڑنے سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائیں،  
جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل مرتد ہوئے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ  
نے اُن سے جہاد کیا، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ تھا، اور وہ پہلے ہی عہد توڑ چکے، یا

أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَبُوا بَاطِلًا خَرَاஜَ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَّعُواكُمْ  
 أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ قَالَ اللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝  
 قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْرِجُهُمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ  
 قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ۝ وَيَذْهَبُ عِظَقُهُمْ ۖ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۖ  
 وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

کیا تم اُن لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول کو (وطن سے) نکالنے کا ارادہ کیا، اور وہی ہیں جنہوں نے تمہارے خلاف (چھیڑ چھاڑ کرنے میں) پہل کی؟ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اُس سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو ﴿۱۳﴾ ان سے جنگ کرو، تاکہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے، انہیں رسوا کرے، اُن کے خلاف تمہاری مدد کرے، اور مؤمنوں کے دل ٹھنڈے کر دے، ﴿۱۴﴾ اور اُن کے دل کی کڑھن دُور کر دے، اور جس کی چاہے توبہ قبول کر لے۔ اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۵﴾

جن سے معاہدہ نو مہینے تک باقی ہے، وہ اس دوران معاہدہ توڑیں، اُن سے جہاد کرو۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ: ”اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے جنگ کا مقصد ملک گیری کے بجائے یہ ہونا چاہئے کہ تمہارا دشمن اپنے کفر اور ظلم سے باز آجائے۔

(۱۲) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ظلم شروع کیا، اور یہ بھی کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کو توڑنے میں پہل کی۔

(۱۳) یعنی اس کا بھی امکان ہے کہ کفار توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس کے بعد واقعی مسلمان ہوئے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ  
 دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِجَنَّةٍ ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ مَا  
 كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ  
 حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِهِمْ خَالِدُونَ ﴿١٥﴾

بھلا کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ  
 تم میں سے کون لوگ جہاد کرتے ہیں، اور اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی اور کو خصوصی  
 راز دار نہیں بناتے؟ اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۴﴾ مشرکین اس  
 بات کے اہل نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، حالانکہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ بنے ہوئے  
 ہیں۔ ان لوگوں کے تو اعمال ہی غارت ہو چکے ہیں، اور دوزخ ہی میں اُن کو ہمیشہ رہنا ہے ﴿۱۵﴾

(۱۴) بظاہر اس کا اشارہ اُن حضرات کی طرف ہے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے، اور ابھی تک ان کو کسی  
 جہاد میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا۔ ورنہ دوسرے صحابہؓ تو فتح مکہ سے پہلے بہت سی جنگوں میں حصہ لے چکے  
 تھے۔ ان نو مسلموں سے کہا جا رہا ہے کہ اُن کو بھی جہاد کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ اگرچہ اعلانِ براءت کے بعد کسی  
 بڑی جنگ کی نوبت نہیں آئی، لیکن ان حضرات کو پوری قوت سے تیار رہنے کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اپنی  
 رشتہ داریوں کی وجہ سے کہیں اس اعلانِ براءت کے تمام تقاضوں پر عمل کرنے سے ہچکچانے نہ لگیں، اسی لئے جہاد  
 کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ وہ اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی سے دوستی یا رازداری کا خصوصی  
 تعلق نہ رکھیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۵) مشرکین مکہ اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ وہ مسجدِ حرام کے پاسبان ہیں، اُس کی خدمت، دیکھ بھال اور  
 تعمیر جیسے نیک کام انجام دیتے ہیں، اس لئے اُن کو مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس آیت نے ان کے اس زعم  
 باطل کی تردید فرمائی ہے، اور وہ اس طرح کہ مسجدِ حرام یا کسی بھی مسجد کی خدمت یقیناً بڑی عبادت ہے، بشرطیکہ وہ  
 ایمان کے ساتھ ہو، کیونکہ مسجد کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو  
 شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اگر یہ بنیادی مقصد ہی مفقود ہو تو مسجد کی خدمت کا کیا فائدہ؟ لہذا کفر و شرک کے ساتھ کوئی

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنِ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ  
وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾ أَجَعَلْتُمْ  
سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنِ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ  
جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوْنَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ  
أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾

اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ایسے ہی لوگوں سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرنے والوں میں شامل ہوں گے ﴿۱۸﴾ کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اُس شخص کے (اعمال کے) برابر سمجھ رکھا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہے، اور جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا ﴿۱۹﴾ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی ہے، اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے، وہ اللہ کے نزدیک درجے میں کہیں زیادہ ہیں، اور وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۲۰﴾

بھی شخص مسجد کا پاسبان بننے کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ آگے آیت نمبر ۲۸ میں مشرکین کو یہ حکم سنایا گیا ہے کہ اب وہ ان کاموں کے لئے مسجد حرام کے قریب بھی نہیں آسکیں گے۔

(۱۶) اس آیت کریمہ نے یہ اصول بھی بتا دیا ہے کہ تمام نیک کام ایک درجے کے نہیں ہوتے، اگر کوئی شخص فرائض تو ادا نہ کرے، اور نفلی عبادتوں میں لگا رہے تو یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ حاجیوں کو پانی پلانا بیشک ایک نیک کام ہے، مگر وہ نفلی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مسجد حرام کی دیکھ بھال بھی بعض حیثیتوں سے فرض کفایہ، اور بعض حیثیتوں سے

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَبِرِضَاوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝<sup>(۲۱)</sup>  
 خُلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝<sup>(۲۲)</sup> يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا  
 تَتَّخِذُوا الْبَاءَكُمْ وَآخَوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۝ وَمَنْ  
 يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝<sup>(۲۳)</sup> قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ  
 وَآخَوانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ  
 كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ

اُن کا پروردگار انہیں اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی کی، اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن  
 میں اُن کے لئے دائمی نعمتیں ہیں ﴿۲۱﴾ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس  
 عظمت والا اجر موجود ہے ﴿۲۲﴾ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ بھائی کفر کو ایمان کے مقابلے  
 میں ترجیح دیں تو اُن کو اپنا سرپرست نہ بناؤ، اور جو لوگ اُن کو سرپرست بنائیں گے، وہ ظالم ہوں  
 گے ﴿۲۳﴾ (اے پیغمبر! مسلمانوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے  
 بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا خاندان، اور وہ مال و دولت جو تم نے کمایا ہے، اور وہ کاروبار جس کے  
 مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے، اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں پسند ہیں، تمہیں اللہ اور اُس کے رسول  
 سے، اور اُس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں،

نقلی عبادت ہے۔ اس کے مقابلے میں ایمان انسان کی نجات کے لئے بنیادی شرط ہے، اور جہاد کبھی فرض عین  
 اور کبھی فرض کفایہ۔ لہذا کسی کو صرف ان خدمات کی وجہ سے کسی مؤمن پر فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی۔  
 (۱۷) اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن سے ایسے تعلقات نہ رکھو جو تمہارے لئے دینی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ  
 بن جائیں۔ جہاں تک اپنے ایمان اور دینی فرائض کا تحفظ کرتے ہوئے اُن کے ساتھ حسن سلوک کا تعلق  
 ہے، اُس کو قرآن کریم نے مستحسن قرار دیا ہے (دیکھئے سورہ لقمان، ۱۵: ۳۱، اور سورہ محتمہ ۶۰: ۸)۔

فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ فَخَرُّوا سَبِيلَهُ ۚ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ عِندَ اللَّهِ مُخَلَّدِينَ ۚ وَإِذَا أَغْبَثْتُمْ أَكْثَرَتُمْ كُفْرًا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَدِيتُم مَّا وَعَدْتُكُمْ وَلَئِن لَّمْ تَظْهَرُوا عَنِّي فَاعْلَمُوا بِمَا نَزَّلْتُ ۚ عَنكُمُ شَيْءٌ وَصَافَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۚ

تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو منزل تک نہیں پہنچاتا ﴿۲۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرت تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رُخ موڑ لیا ﴿۲۵﴾

(۱۸) فیصلے سے مراد سزا کا فیصلہ ہے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ ماں باپ، بھائی بہن، بیوی بچے، مال و دولت، گھر جائیداد، تجارت اور کاروبار، ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن اُسی وقت جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں رکاوٹ نہ بنے۔ اگر رکاوٹ بن جائے تو یہی چیزیں انسان کے لئے عذاب بن جاتی ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۱۹) حنین کی جنگ کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو ہوازن اپنے سردار مالک بن عوف کی سرکردگی میں آپ پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر جمع کر رہا ہے۔ ہوازن ایک بڑا قبیلہ تھا جس کی کئی شاخیں تھیں، اور طائف کا قبیلہ ثقیف بھی اسی کا ایک حصہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاسوس بھیج کر خبر کی تصدیق فرمائی، اور معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے، اور وہ لوگ بڑے جوش و خروش سے تیاری میں مصروف ہیں۔ ہوازن کے لوگوں کی تعداد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق چوبیس ہزار سے اٹھائیس ہزار تک تھی، چنانچہ آپ چودہ ہزار صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے، اور یہ جنگ حنین کے مقام پر لڑی گئی، جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان مکہ مکرمہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع ایک وادی کا نام ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد اس موقع پر چودہ ہزار تھی، جبکہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد کسی باقاعدہ جنگ میں نہیں ہوئی تھی، اور ہمیشہ مسلمان اپنی کم تعداد کے باوجود فتح پاتے آئے تھے، اس لئے بعض مسلمانوں کے منہ سے یہ نکل گیا کہ آج تو ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم کسی سے

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٧﴾

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی،<sup>(۲۶)</sup> اور ایسے لشکر اُتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اللہ نے اُن کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے ﴿۲۶﴾ پھر اللہ جس کو چاہے اس کے بعد توبہ نصیب کر دے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۷﴾

مغلوب ہو ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنی تعداد پر اتنا بھروسہ کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس وقت مسلمان ایک تنگ گھاٹی سے گذر رہے تھے، ہوازن کے تیر اندازوں نے اچانک اُن پر اس زور کا حملہ کیا کہ بہت سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اس موقع پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند جانباز صحابہ کے ساتھ ثابت قدم رہے، اور آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ پیچھے ہٹنے والوں کو آواز دے کر بلائیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت تیز تھی، وہ ایک بجلی کی طرح مسلمانوں کے لشکر میں پھیل گئی، اور جو لوگ میدان چھوڑ چکے تھے، وہ نئے ولولے کے ساتھ واپس آئے، اور کچھ ہی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ ہوازن کے ستر سردار مارے گئے، مالک بن عوف اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو چھوڑ کر فرار ہوا، اور طائف کے قلعے میں جا کر پناہ لی۔ چھ ہزار افراد جنگی قیدی بنائے گئے، اور بڑی تعداد میں مویشی اور چار ہزار اوقیہ چاندی مالی غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔

(۲۰) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب میدان چھوڑنے والے مسلمان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر واپس آئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسی تسکین پیدا فرمادی کہ اُن پر دشمن کا جو رعب وقتی طور پر چھا گیا تھا، وہ دُور ہو گیا۔

(۲۱) اس آیت میں اشارہ فرمادیا گیا کہ ہوازن کے جو لوگ بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑنے کے لئے آئے تھے، اُن میں سے بہت سے لوگوں کو ایمان اور توبہ کی توفیق ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور ہوازن اور ثقیف کے لوگوں کی بہت بڑی تعداد بعد میں مسلمان ہوئی۔ خود مالک بن عوف جو ہوازن کے سب سے بڑے سردار تھے، مسلمان ہوئے، اور اسلام کے بڑے علم برداروں میں اُن کا شمار ہوا۔ آج انہیں حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ  
عَامِهِمْ هَذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾

اے ایمان والو! مشرک لوگ تو سراپا ناپاکی ہیں، لہذا وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ  
آنے پائیں۔ اور (مسلمانو!) اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو اگر اللہ چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل  
سے (مشرکین سے) بے نیاز کر دے گا۔ بیشک اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۲۸﴾

(۲۲) اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اُن کے جسم بذات خود ناپاک ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُن کے عقائد ناپاک ہیں  
جو اُن کے وجود میں سراپت کر چکے ہیں۔

(۲۳) یہ اعلان براءت کا کلمہ ہے۔ اور اس کے ذریعے مشرکین کو مسجد حرام کے قریب آنے سے منع فرما دیا گیا  
ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کو اگلے سال سے حج کرنے کی اجازت  
نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس آیت کریمہ کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے جو اعلان  
کر دیا اُس کے الفاظ یہ تھے کہ: ”لَا يَحُجُّنَ بَعْدَ هَذَا الْعَامِ مُشْرِكٌ“ یعنی اس سال کے بعد کوئی مشرک حج  
نہیں کر سکے گا (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ”مسجد حرام کے قریب نہ آنے“ کے معنی  
یہ ہیں کہ وہ حج نہ کریں، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے مردوں سے کہا گیا ہے کہ وہ حیض کی حالت میں عورتوں کے قریب  
بھی نہ جائیں، اور مراد یہ ہے کہ اُن سے جماع نہ کریں، چنانچہ اُن کے قریب جانا ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح  
کفار حج تو نہیں کر سکتے، لیکن کسی اور ضرورت سے مسجد حرام یا کسی اور مسجد میں اُن کا داخلہ بالکلیہ ممنوع نہیں ہے،  
کیونکہ کئی مواقع پر یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو مسجد نبویؐ میں داخل ہونے کی  
اجازت دی۔ البتہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے مسجد حرام بلکہ پوری حدود  
حرم میں کفار کا داخلہ ممنوع ہے۔ بلکہ امام مالکؒ کے نزدیک دوسری کسی مسجد میں بھی کسی کافر کا داخلہ جائز نہیں ہے۔  
(۲۴) غیر مسلموں کو حج سے منع کرنے کا ایک نتیجہ ظاہری طور پر یہ ہو سکتا تھا کہ مکہ مکرمہ کی تجارت اور معیشت پر بُرا  
اثر پڑے، کیونکہ مکہ مکرمہ میں اپنی تو کوئی پیداوار نہیں تھی، باہر سے آنے والوں پر ہی اس کی تجارت کا دار و مدار  
تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس اندیشے کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی احتیاج اپنے  
فضل سے دُور فرمائے گا۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ  
وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ

عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَغِيرُونَ ﴿٢٤﴾

وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یومِ آخرت پر، اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، اور نہ دینِ حق کو اپنا دین مانتے ہیں، اُن سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ ﴿۲۴﴾

(۲۵) اس سے اوپر کی اٹھائیس آیات عرب کے بت پرستوں کے بارے میں تھیں، اور یہاں سے وہ آیات شروع ہو رہی ہیں جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں (الدر المنثور بحوالہ مجاہد ج: ۴ ص: ۱۵۳)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیتیں اوپر کی اٹھائیس آیتوں سے پہلے نازل ہوئی تھیں، کیونکہ غزوہ تبوک اعلانِ براءت سے پہلے پیش آیا ہے، اور اس کا واقعہ ان شاء اللہ آگے قدرے تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ چونکہ یہ غزوہ روم کی سلطنت کے خلاف ہوا تھا، اور اُن میں اکثریت عیسائیوں کی تھی، اور یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد رومی سلطنت کے ماتحت زندگی گزار رہی تھی، اور دونوں کو قرآن کریم نے ”اہل کتاب“ کا نام دیا ہے، اس لئے ان سے جنگ کرنے کا حکم دینے کے ساتھ اُن کے عقائد اور اعمال کی کچھ خرابیاں ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اگرچہ ان آیات کا نزول شروع کی اٹھائیس آیتوں سے پہلے ہوا تھا، مگر ان کو موجودہ ترتیب میں ان اٹھائیس آیتوں کے بعد رکھا گیا ہے۔ شاید اس میں یہ اشارہ ہے کہ جزیہ عرب کے بت پرستی سے پاک ہونے کے بعد مسلمانوں کو باہر کے اہل کتاب سے سابقہ پیش آنے والا ہے، نیز بت پرستوں کے لئے تو جزیہ عرب میں مستقل رہائش ممنوع کر دی گئی تھی، لیکن اہل کتاب کے لئے یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ وہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کی حیثیت میں جزیہ ادا کر کے رہ سکتے ہیں۔ یہ رعایت آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی حیات طیبہ میں تو برقرار رہی، لیکن آپ نے وفات سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی کہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۳۰۵۳)۔ چنانچہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وصیت پر عمل فرمایا۔ لیکن یہ حکم صرف جزیرہ عرب کے ساتھ مخصوص تھا۔ جزیرہ عرب کے باہر جہاں کہیں اسلامی حکومت قائم ہو، وہاں اب بھی نہ صرف اہل کتاب، بلکہ دوسرے تمام غیر مسلم اسلامی ریاست کے شہری کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں، جہاں انہیں اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہے، بشرطیکہ وہ ملکی قوانین کی پابندی کریں۔ یہاں اگرچہ ذکر صرف اہل کتاب کا ہے، لیکن جو وجہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے، وہ چونکہ تمام غیر مسلموں میں پائی جاتی ہے، اس لئے جزیرہ عرب سے باہر یہ حکم باجماع امت تمام غیر مسلموں کو شامل ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۲۶) بظاہر تو اہل کتاب اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن چونکہ انہوں نے اس ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سے غلط عقائد گھڑ رکھے تھے، جن میں سے بعض کا بیان اگلی آیت میں آ رہا ہے، اس لئے اُن کا یہ ایمان کالعدم قرار دے کر یہ فرمایا گیا کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۲۷) ”جزیہ“ ایک ٹیکس ہے جو مسلمان ریاست کے اُن غیر مسلم شہریوں سے لیا جاتا ہے جو لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، چنانچہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ یہ درحقیقت اُن کے پر امن طریقے سے اسلامی ریاست میں رہنے اور اسلامی ریاست کے دفاع میں شریک نہ ہونے کا ٹیکس ہے جس کے عوض اسلامی حکومت اُن کی جان و مال کی ذمہ داری لیتی ہے (روح المعانی)۔ اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں سے مسلمانوں کی طرح زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی، لیکن وہ ریاست کے تمام شہری حقوق میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے بھی اُن پر یہ خاص نوعیت کا ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ اور احادیث میں مسلمان حکمرانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلم باشندوں کے حقوق کا پورا خیال رکھیں، اور اُن پر اتنا ٹیکس عائد نہ کریں جو اُن کی طاقت سے زیادہ ہو۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں جزیہ کی شرح بہت معمولی رہی ہے۔ اور آیت کریمہ میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ: ”وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں“ اس کی تفسیر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے قوانین کے تابع ہو کر رہنا منظور کر لیں (روح المعانی ج: ۱۰ ص: ۳۷۹)۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۖ قَتَلْنَاهُمْ اللَّهُ ۚ أَلَيْسَ يُوَفُّكَوْنَ ﴿٣٠﴾  
 اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمْرُوهُ إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾

یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ سب اُن کی منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی سی باتیں کر رہے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔ اللہ کی مار ہو ان پر! یہ کہاں اوندھے بٹکے جا رہے ہیں؟ ﴿۳۰﴾ انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے احبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنالیا ہے، اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ اُن کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ اُن کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔ ﴿۳۱﴾

(۲۸) حضرت عزیر علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے، (ان کو بائبل میں عزرا کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اور ایک پوری کتاب اُن کے نام سے منسوب ہے)۔ اور جب بخت نصر کے حملے میں تورات کے نسخے ناپید ہو گئے تھے تو انہوں نے اُسے اپنی یادداشت سے دوبارہ لکھوایا تھا، اور شاید اسی وجہ سے بعض یہودی انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننے لگے تھے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اُن کو بیٹا ماننے کا عقیدہ سب یہودیوں کا نہیں ہے، بلکہ بعض یہودیوں کا ہے جو عرب میں بھی آباد تھے۔

(۲۹) اس سے مراد غالباً عرب کے مشرکین ہیں جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

(۳۰) ان کو خدا بنانے کا جو مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے علماء کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں کہ وہ جس چیز کو چاہیں، حلال اور جس چیز کو چاہیں، حرام قرار دے دیں۔ واضح رہے کہ عام لوگ جو کسی آسمانی کتاب کا براہ راست علم نہیں رکھتے، اُن کو شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے علماء سے رجوع تو کرنا ہی پڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے شارح کی حیثیت میں اُن کی بات ماننی بھی پڑتی ہے۔ اس کا حکم خود قرآن کریم نے سورہ نحل (۱۶: ۴۳) اور سورہ انبیاء (۲۱: ۷) میں دیا ہے۔ اس

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ  
 الْكَافِرُونَ ﴿٣١﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى  
 الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ  
 الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَآكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ  
 اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا ينفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ  
 فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٣﴾

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھادیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظر ہے، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بُری لگے ﴿۳۱﴾ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اُسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو۔ ﴿۳۲﴾ اے ایمان والو! (یہودی) اخبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر رکھتے ہیں، اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک عذاب کی ”خوشخبری“ سنا دو۔ ﴿۳۳﴾

حد تک تو کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے اس سے آگے بڑھ کر اپنے علماء کو بذاتِ خود احکام وضع کرنے کا اختیار دے رکھا تھا کہ وہ آسمانی کتاب کی تشریح کے طور پر نہیں، بلکہ اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہیں، حلال اور جس چیز کو چاہیں، حرام قرار دے دیں، خواہ اُن کا یہ حکم اللہ کی کتاب کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ (۳۱) لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھانے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، لیکن ان علماء کے حوالے سے خاص طور پر جو بات کہی جا رہی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ رشوت لے کر لوگوں کی مرضی کے مطابق شریعت کو توڑ موڑ ڈالتے ہیں، اور اس طرح اللہ کے مقرر کئے ہوئے صحیح راستے سے لوگوں کو روک دیتے ہیں۔

(۳۲) اگرچہ یہ آیت براہِ راست اُن اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بخل کی وجہ سے مال جمع

يَوْمَ يُحْصَىٰ عَلَيْهِمَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتُكُلَايَ بِهَا جَبَاهُمَا وَجُوبُهُمَا وَظُهُرُهُمَا ۖ  
 هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا تَفْسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ عَذَابَ  
 الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي يَسْرِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۖ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَدِيمُ ۚ فَلَا تَطْلُبُوا فِيهِنَّ  
 أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ  
 مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اور ان کی  
 کروٹیں اور ان کی پٹھیں داغی جائیں گی، (اور کہا جائے گا کہ:) ”یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے  
 لئے جمع کیا تھا! اب چکھو اُس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔“ ﴿۳۵﴾ حقیقت یہ  
 ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے، جو اللہ کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق  
 اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (بارہ مہینوں)  
 میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ یہی دین (کا) سیدھا سادہ (تقاضا) ہے، لہذا ان مہینوں کے  
 معاملے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم سب مل کر مشرکوں سے اُسی طرح لڑو جیسے وہ سب تم سے  
 لڑتے ہیں، اور یقین رکھو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے ﴿۳۶﴾

کرتے رہتے تھے، اور اُس کے شرعی حقوق ادا نہیں کرتے تھے، لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں، اور ان کا اطلاق  
 اُن مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو مال و دولت اکٹھا کرتے چلے جائیں، اور وہ حقوق ٹھیک ٹھیک ادا نہ کریں جو اللہ  
 تعالیٰ نے اُن کے مال پر عائد کئے ہیں جن میں سب سے اہم زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔

(۳۳) سورت کے شروع میں جو اعلانِ براءت کیا گیا ہے، اُس میں بت پرستوں کی ایک قسم کو حرمت والے

مہینے ختم ہونے تک مہلت دی گئی تھی، اس مناسبت سے عرب کے بت پرستوں کی ایک نامعقول رسم کی تردید ضروری تھی جو آیت نمبر ۳۶ اور ۷۳ میں کی گئی ہے۔ اس رسم کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چاند کے چار مہینوں کو حرمت والے مہینے سمجھا جاتا تھا۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان چار مہینوں میں جنگ کی ممانعت تھی۔ عرب کے بت پرستوں نے اگرچہ بت پرستی شروع کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بہت کچھ بدل ڈالا تھا، لیکن ان مہینوں کی حرمت کو سب تسلیم کرتے تھے، اور ان میں جنگ کو ناجائز سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ ممانعت ان کو مشکل معلوم ہونے لگی، اس لئے کہ ذوالقعدہ سے محرم تک تین متواتر مہینوں میں لڑائی بند رکھنا اُن کے لئے دشوار تھا، چنانچہ اس مشکل کا حل انہوں نے یہ نکالا تھا کہ وہ کسی سال میں کہہ دیتے تھے کہ اس مرتبہ صفر کا مہینہ محرم سے پہلے آئے گا، یا محرم کے بجائے صفر کے مہینے کو حرمت والا مہینہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس طرح وہ محرم کے مہینے میں لڑائی کو جائز قرار دے لیتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حج چونکہ مختلف موسموں میں آتا تھا، اس لئے بعض مرتبہ وہ موسم ان کی تجارت کے لئے سازگار نہیں ہوتا تھا تو وہ حج ذوالحجہ کے بجائے کسی اور مہینے میں کر لیتے تھے، اور اُس کے لئے انہوں نے کبیسہ کا ایک حساب بھی گھڑ لیا تھا جس کی تفصیل امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائی ہے، اور حافظ ابن جریرؒ کی بعض روایات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی اس رسم کو نسبی کہا جاتا تھا جس کا ذکر آیت نمبر ۷۳ میں آ رہا ہے۔

(۳۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے مہینوں کی جو ترتیب مقرر فرمائی ہے، اُس میں رد و بدل کر کے مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ جس مہینے میں لڑائی حرام تھی، اُس میں اُسے حلال کر لیا گیا جو ایک بڑا گناہ ہے، اور گناہ کا ارتکاب کرنے والا خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، کیونکہ اُس کا برا انجام اُس کی جان ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ ساتھ ہی اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان حرمت والے مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے، اور ان مہینوں میں گناہوں سے بچنے کی فکر اور دنوں سے زیادہ کرنی چاہئے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحْلِلُونَهُ عَامًا وَ  
يُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُؤْطِقُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحْلِلُوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُرِين لَهُمْ  
عِ سَوْءَ أَعْمَالِهِمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَالَكُمْ  
إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْتِلُكُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرْضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٦﴾

اور یہ نسیئ (یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا) تو کفر میں ایک مزید اضافہ ہے جس کے ذریعے کافروں  
کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس عمل کو ایک سال حلال کر لیتے ہیں، اور ایک سال حرام قرار دے  
دیتے ہیں، تاکہ اللہ نے جو مہینے حرام کئے ہیں، اُن کی بس گنتی پوری کر لیں، اور (اس طرح) جو بات  
اللہ نے حرام قرار دی تھی، اُسے حلال سمجھ لیں۔ ان کی بد عملی ان کی نگاہ میں خوشنما بنا دی گئی ہے، اور  
اللہ ایسے کافر لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۳۷﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہو گیا  
ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں (جہاد کے لئے) کوچ کرو تو تم بوجھل ہو کر زمین سے  
لگ گئے؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دُنوی زندگی پر راضی ہو چکے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو (یاد  
رکھو کہ) دُنوی زندگی کا مزہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، مگر بہت تھوڑا ﴿۳۸﴾

(۳۵) یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر کے انہوں نے چار مہینے کی گنتی تو پوری کر دی، لیکن ترتیب بدلنے کا نتیجہ یہ ہوا  
کہ جس مہینے میں واقعۃً اللہ تعالیٰ نے لڑائی حرام قرار دی تھی، اُس میں انہوں نے لڑائی کو حلال کر لیا۔  
(۳۶) یہاں سے غزوہ تبوک کے مختلف پہلوؤں کا بیان شروع ہو رہا ہے جو اس سورت کے تقریباً آخر تک چلا گیا  
ہے۔ اس غزوے کا واقعہ مختصر ا یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ اور غزوہ حنین کے سفر سے واپس  
مدینہ منورہ تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد شام سے آنے والے کچھ سودا گروں نے مسلمانوں کو بتایا کہ رومی  
سلطنت کا بادشاہ ہرقل مدینہ منورہ پر ایک زوردار حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے، جس کے لئے اُس نے ایک بڑا



لشکر شام اور عرب کی سرحد پر جمع کر لیا ہے، اور اپنے فوجیوں کو سال بھر کی تنخواہ پیشگی دے دی ہے۔ صحابہ کرامؓ اگرچہ اب تک بہت سی جنگیں لڑ چکے تھے، مگر وہ سب جزیرہ عرب کے اندر تھیں، یہ پہلا موقع تھا کہ دنیا کی مانی ہوئی ایک بڑی طاقت سے مقابلہ پیش آ رہا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ہر قل کے حملے کا انتظار کئے بغیر خود پیش قدمی کی جائے، اور خود وہاں پہنچ کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ کے تمام مسلمانوں کو اس جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ اوّل تو دس سال کی متواتر جنگوں کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ فتح مکہ کے بعد سکون کے کچھ لمحات میسر آئے تھے۔ دوسرے جس وقت اس جنگ کے لئے روانہ ہونا تھا، وہ ایسا وقت تھا کہ مدینہ منورہ کے نخلستانوں میں کھجوریں پک رہی تھیں۔ انہی کھجوروں پر اہل مدینہ کی سال بھر کی معیشت کا دار و مدار تھا، ایسی حالت میں باغات کو چھوڑ کر جانا نہایت مشکل تھا۔ تیسرے یہ عرب میں گرمی کا سخت ترین موسم تھا جس میں آسمان سے آگ برتی اور زمین سے شعلے نکلتے محسوس ہوتے ہیں۔ چوتھے تبوک کا سفر بہت لمبا تھا، اور تقریباً آٹھ سو میل کا یہ پورا راستہ لق و دق صحراؤں پر مشتمل تھا۔ پانچویں سفر کے لئے سواریاں کم تھیں۔ چھٹے اس سفر کا مقصد رومی سلطنت سے ٹکرا لینا تھا جو اُس وقت نہ صرف یہ کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی، بلکہ اُس کے طریق جنگ سے بھی اہل عرب پوری طرح مانوس نہیں تھے۔ غرض ہر اعتبار سے یہ انتہائی مشقت، جان و مال اور جذبات کی قربانی کا جہاد تھا جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہ کرامؓ کے لشکر کے ساتھ تبوک روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قل اور اُس کے لشکر پر آپ کی اس جرأت مندانہ پیش قدمی کا ایسا زعب طاری فرمادیا کہ وہ سب واپس چلے گئے، اور مقابلے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مذکورہ بالا مشکل حالات کے باوجود صحابہ کرامؓ کی بھاری اکثریت ماتھے پر بل لائے بغیر جاں نثاری کے جذبے سے اس مہم میں شریک ہوئی۔ البتہ کچھ صحابہ ایسے بھی تھے جنہیں یہ سفر بھاری معلوم ہوا، اور شروع میں انہیں کچھ تردد رہا، لیکن آخر کار وہ لشکر میں شامل ہو گئے۔ اور چند ایسے بھی تھے جو اس تردد کی وجہ سے آخر تک فیصلہ نہ کر سکے، اور سفر میں شرکت سے محروم رہے۔ دوسری طرف وہ منافقین تھے جو ظاہری طور پر تو مسلمان ہو گئے تھے، لیکن اندر سے مسلمان نہیں تھے۔ ایسی سخت مہم میں مسلمانوں کا ساتھ دینا اُن کے لئے ممکن ہی نہیں تھا، اس لئے وہ مختلف حیلوں بہانوں سے مدینہ منورہ میں رُک گئے، اور ساتھ نہیں گئے۔ اس سورت کی آنے والی آیات میں ان سب قسم کے لوگوں کا ذکر آیا ہے، اور اُن کے طرز عمل پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ آیت نمبر ۳۸ میں جن لوگوں کو ملامت کی گئی ہے، اُن سے مراد منافقین بھی ہو سکتے ہیں۔ اس سورت میں ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو“ اُن کے ظاہری دعوے کے مطابق فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خطاب اُن صحابہ کرامؓ سے ہو جن کے دل میں تردد پیدا ہوا تھا۔ البتہ آیت نمبر ۴۲ سے تمام تر بیان منافقین ہی کا ہے۔

إِلَّا تَتُفَرُّوْا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا وَيَسْتَبْدِلْ تَوْمًا غَيْرَ كُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا  
وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَتُفَرُّوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذَا خَرَجَهُ الَّذِينَ  
كَفَرُوا ثَانِي اَثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا  
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَاهُ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ  
كَفَرُوا السُّفْلٰى ۚ وَكَلِمَةَ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٠﴾

اگر تم کوچ نہیں کرو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا، اور تم  
اُسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۳۹﴾ اگر تم ان کی  
(یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی) مدد نہیں کرو گے، تو (ان کا کچھ نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ ان کی  
مدد اُس وقت کر چکا ہے، جب ان کو کافر لوگوں نے ایسے وقت (مکہ سے) نکالا تھا جب وہ دو  
آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے  
کہ: ”غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی،  
اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور کافر لوگوں کا بول بچا کر دکھایا، اور بول تو  
اللہ ہی کا بالا ہے۔ اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۴۰﴾

(۳۷) یہ ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ایک رفیق حضرت  
صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے تھے، اور تین دن تک غارِ ثور میں روپوش رہے تھے۔ مکہ  
مکرمہ کے کافر سرداروں نے آپ کی تلاش کے لئے چاروں طرف لوگ دوڑائے ہوئے تھے، اور آپ کو گرفتار  
کرنے کے لئے سواؤنٹوں کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کو تلاش کرنے والے کھوجی غارِ ثور کے منہ تک  
پہنچ گئے، اور ان کے پاؤں حضرت صدیق اکبرؓ کو نظر آنے لگے جس کی وجہ سے اُن پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر  
ہوئے۔ لیکن حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اُن سے فرمایا تھا کہ: ”غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ  
ہے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے پر مٹری سے جالاتوا دیا، اور وہ لوگ اُسے دیکھ کر واپس چلے گئے۔ اس

اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ السُّفَّةُ ۖ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا الْخُرْجًا مَعَكُمْ يَهُلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۳۲﴾ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ ۙ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿۳۳﴾

(جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہو، چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۳۱﴾ اگر دنیا کا سامان کہیں قریب ملنے والا ہوتا، اور سفر درمیانہ قسم کا ہوتا، تو یہ (منافع لوگ) ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے، لیکن یہ کٹھن فاصلہ ان کے لئے بہت دور پڑ گیا۔ اور اب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکل جاتے۔ یہ لوگ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں ﴿۳۲﴾ (اے پیغمبر!) اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے، (مگر) تم نے ان کو (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) اجازت اس سے پہلے ہی کیوں دے دی کہ تم پر یہ بات کھل جاتی کہ کون ہیں جنہوں نے سچ بولا ہے، اور تم جھوٹوں کو بھی اچھی طرح جان لیتے ﴿۳۳﴾

واقعے کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کافی ہے، لیکن خوش نصیبی اُن لوگوں کی ہے جو آپ کی نصرت کی سعادت حاصل کریں۔ (۳۸) دراصل تنبیہ تو یہ کرنی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو جہاد سے الگ رہنے کی اجازت کیوں دی؟ لیکن یہ محبت بھرا انداز ملاحظہ فرمائیے کہ تنبیہ کرنے سے پہلے ہی معافی کا اعلان فرمادیا، کیونکہ اگر پہلے تنبیہ کی جاتی اور معافی کا اعلان بعد میں آتا تو اس درمیانی وقت میں آپ پر نہ جانے کیا کیفیت گزر جاتی۔ بہر حال! مطلب یہ ہے کہ ان منافقین کو جہاد میں جانا تو تھا ہی نہیں، اور جیسا کہ آگے آیت ۷۷ میں فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہ لشکر میں شامل ہو کر فساد مچائیں، لیکن اگر آپ انہیں جہاد سے الگ رہنے کی

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ وَاللَّهُ عَلَيْهِمُ بِالْمُتَّقِينَ ۝ (۳۳) إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَايِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝ (۳۴) وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَا عُدُوَّ لَهُ عُدَّةٌ وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقُعْدِيَّيْنَ ۝ (۳۵)

جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ کرنے کے لئے تم سے اجازت نہیں مانگتے، اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے ﴿۳۳﴾ تم سے اجازت تو وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں، اور وہ اپنے شک کی وجہ سے ڈانوا ڈول ہیں ﴿۳۴﴾ اگر ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو اُس کے لئے انہوں نے کچھ نہ کچھ تیاری کی ہوتی۔<sup>(۳۵)</sup> لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا پسند ہی نہیں کیا، اس لئے انہیں سست پڑا رہنے دیا، اور کہہ دیا گیا کہ جو (اپنا جہاد کرنے کی وجہ سے) بیٹھے ہیں، اُن کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو ﴿۳۵﴾

اجازت نہ دیتے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ بحالت موجودہ جبکہ یہ لوگ اجازت لے چکے ہیں، ایک طرف تو یہ مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تو باقاعدہ اجازت لے کر مدینہ منورہ میں رہے، اور دوسری طرف اپنے لوگوں سے شیخی بگھاریں گے کہ دیکھو، ہم نے مسلمانوں کو کیسا دھوکا دیا۔

(۳۹) یہ آیت بتا رہی ہے کہ انسان کا کوئی عذر اُس وقت مانا جاسکتا ہے جب اُس نے اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش اور تیاری پوری کی ہو، پھر کوئی غیر اختیاری وجہ ایسی پیش آ گئی ہو جس کی بنا پر وہ اپنا فریضہ ادا نہیں کر سکا۔ لیکن کسی قسم کی کوشش اور تیاری کے بغیر یہ کہہ دینا کہ ہم معذور ہیں، قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی شخص فجر کے وقت بیدار ہونے کی تیاری پوری کرے، اَلارم لگائے، یا کسی کو بیدار کرنے پر مقرر کرے، پھر آنکھ نہ کھلے تو بیشک معذور ہے، لیکن تیاری کچھ نہ کی ہو، اور پھر آنکھ نہ کھلنے کا عذر پیش کرے تو یہ عذر معتبر نہیں ہے۔

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُضْعِفُوا خَلْقَكُمْ يَبْغُونَكُمْ الْفِتْنَةَ وَ  
فِيكُمْ سَعُونَ لَهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٣٧﴾ لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَبُوا  
لَكَ الْأُمُورَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿٣٨﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ  
اِئْتِنَا لِي وَلَا تَفْتِنَنَا ۖ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَكِ حِطَّةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٣٩﴾

اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے تو سوائے فساد پھیلانے کے تمہارے درمیان کوئی اور  
اضافہ نہ کرتے، اور تمہارے لئے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش میں تمہاری صفوں کے درمیان دوڑے  
دوڑے پھرتے۔ اور خود تمہارے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کے مطلب کی باتیں خوب سنتے  
ہیں، اور اللہ ان ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۳۷﴾ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ پیدا  
کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے معاملات کی الٹ پھیر کرتے رہے  
ہیں، یہاں تک کہ حق آیا، اللہ کا حکم غالب ہوا، اور یہ کڑھتے رہ گئے۔ ﴿۳۸﴾ اور انہی میں وہ  
صاحب بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ: ”مجھے اجازت دے دیجئے، اور مجھے فتنے میں نہ ڈالئے۔“ ارے فتنے  
ہی میں تو یہ خود پڑے ہوئے ہیں! اور یقین رکھو کہ جہنم سارے کافروں کو گھیرے میں لینے والی ہے ﴿۳۹﴾

(۴۰) اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ بعض سادہ لوح مسلمان ان لوگوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں،  
اس لئے ان کی باتیں سن کر انہیں خلوص پر مبنی سمجھتے ہیں، اس لئے اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ لشکر میں موجود ہوتے تو  
ان سادہ لوح مسلمانوں کو درغلا کر فساد کا بیج بونے کی کوشش کرتے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ یہ  
منافقین خود تو لشکر میں شامل نہیں ہوئے، لیکن ان کے جاسوس تمہاری صفوں میں موجود ہیں جو تمہاری باتیں سنتے  
ہیں، اور جن باتوں سے منافقین کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہوں، ان کی خبریں ان تک پہنچاتے ہیں۔

(۴۱) اس سے مسلمانوں کی فتوحات کی طرف اشارہ ہے جن میں فتح مکہ اور غزوہ حنین کی فتح سرفہرست ہے۔ منافقین  
کی پوری کوشش تو یہ تھی کہ مسلمان کامیاب نہ ہونے پائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آیا، اور یہ منہ دیکھتے رہ گئے۔  
(۴۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ منافقین میں ایک شخص جد بن قیس تھا۔ جب آنحضرت صلی  
اللہ علیہ وسلم نے اُس کو غزوہ تبوک میں شامل ہونے کی دعوت دی تو اُس نے کہا کہ: ”یا رسول اللہ! میں بڑا زن

إِنْ تُصِيبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِيبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرًا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں دکھ ہوتا ہے، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آ پڑے تو کہتے ہیں کہ: ”ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا“ اور (یہ کہہ کر) بڑے خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں ﴿۵۰﴾ کہہ دو کہ: ”اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے، ہمیں اُس کے سوا کوئی اور تکلیف ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مؤمنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔“ ﴿۵۱﴾ کہہ دو کہ: ”تم ہمارے لئے جس چیز کے منتظر ہو، وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ (آخر کار) دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک بھلائی ہمیں ملے۔“ اور ہمیں تمہارے بارے میں انتظار اس کا ہے کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سزا دے۔ بس اب انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں“ ﴿۵۲﴾

پرست آدمی ہوں، جب روم کی خوبصورت عورتوں کو دیکھوں گا تو مجھ سے صبر نہیں ہو سکے گا، اور میں فتنے میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ لہذا مجھے اجازت دے دیجئے کہ میں اس جنگ میں شریک نہ ہوں، اور اس طرح مجھے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچا لیجئے۔“ اس آیت میں اُس کی طرف اشارہ ہے (روح المعانی بحوالہ ابن المذنب روطبرانی وابن مردویہ)۔ (۴۳) یعنی یا تو ہمیں فتح ہو، یا ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جائیں، اور ہمارے لئے یہ دونوں باتیں بھلائی کی ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ اگر ہم شہید ہو گئے تو ہمارا نقصان ہوگا، حالانکہ شہادت نقصان کا نہیں بڑے فائدے کا سودا ہے۔

قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ إِنْ كُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۵۳﴾ وَ  
 مَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقَبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا  
 يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كِرْهُونَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ  
 أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ  
 أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾

کہہ دو کہ: ”تم اپنا مال چاہے خوشی خوشی چندے میں دو، یا بددلی سے، وہ تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ تم ایسے لوگ ہو جو مسلسل نافرمانی کرتے رہے ہو“ ﴿۵۳﴾ اور ان کے چندے قبول کئے جانے میں رکاوٹ کی کوئی اور وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا ہے، اور یہ نماز میں آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں، اور (کسی نیکی میں) خرچ کرتے ہیں تو برامانتے ہوئے خرچ کرتے ہیں ﴿۵۴﴾ تمہیں ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دُنیوی زندگی میں عذاب دے، اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے ﴿۵۵﴾

(۴۴) جد بن قیس جس کا ذکر اوپر آیا ہے، اُسی کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ اُس نے جنگ میں جانے سے تو مذکورہ بالا بے ہودہ عذر پیش کیا تھا، لیکن یہ کہا تھا کہ اُس کے بدلے میں اپنا مال چندے میں دوں گا (ابن جریر ج: ۱۰ ص: ۱۵۲)۔ اس کے جواب میں یہ آیت منافقین کے چندے کے ناقابل قبول ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ (۴۵) یہ آیت دُنیوی مال و دولت کے بارے میں ایک بڑی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مال و دولت بذاتِ خود کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے انسان اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ انسان کا اصل مقصد زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول اور آخرت کی بہتری کا سامان کرنا ہونا چاہئے۔ البتہ چونکہ دُنیا میں زندہ رہنے کے لئے مال کی ضرورت ہے، اس لئے جائز ذرائع سے اُس کو حاصل کرنا پڑتا ہے، لیکن یہاں بھی یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ دُنیا کی ضرورت پوری کرنے کے لئے بھی مال اپنی ذات میں کوئی فائدہ براہِ راست نہیں

وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ اِثْمَهُمْ لِنَفْسِهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِمُنْكَم ۚ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفَرُّونَ ۙ لَوْ يَجِدُونَ  
مَلْجَاً اَوْ مَغْرَبًا اَوْ مَدَّخَلًا لَّوَلَوْ اِلَّا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْحَدُونَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكْلِمُكَ فِي  
الصَّدَقَاتِ ۚ فَاِنْ اَعْطُوا مِنْهَا رَاضُوا ۚ وَاِنْ لَّمْ يُعْطُوا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾

یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ ڈرپوک  
لوگ ہیں ﴿۵۶﴾ اگر ان کو کوئی پناہ گاہ مل جاتی، یا کسی قسم کے غار مل جاتے، یا گھس بیٹھنے کی اور کوئی  
جگہ، تو یہ بے لگام بھاگ کر ادھر ہی کا رخ کر لیتے۔ ﴿۵۷﴾ اور انہی (منافقین) میں وہ بھی ہیں جو  
صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں آپ کو طعنہ دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر انہیں صدقات میں سے  
(ان کی مرضی کے مطابق) دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں، اور اگر ان میں سے انہیں نہ دیا  
جائے تو ذرا سی دیر میں ناراض ہو جاتے ہیں ﴿۵۸﴾

پہنچاتا، بلکہ وہ راحت و آرام کے وسائل حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن جب انسان مال کو بذاتِ خود مقصودِ  
زندگی بنالیتا ہے، اور ہر وقت اس فکر میں پڑا رہتا ہے کہ مال کی کتنی میں کس طرح اضافہ ہو تو وہ بے چارہ یہ بھول  
جاتا ہے کہ اُس نے اس فکر میں اپنی راحت اور آرام تک کو قربان کر ڈالا ہے۔ بینک بیلنس میں بیشک اضافہ ہو رہا  
ہے، لیکن نہ دن کا چین میسر ہے، نہ رات کا آرام، نہ بیوی بچوں سے بات کرنے کی فرصت ہے، نہ آرام کے  
وسائل سے مزہ لینے کا وقت۔ پھر اگر کبھی اس مال میں نقصان ہو جائے تو رنج و غم کے پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑتے ہیں،  
کیونکہ یہ تصور تو ہے ہی نہیں کہ اس نقصان کا بدلہ آخرت میں مل سکے گا۔ اس طرح اگر غور سے دیکھو تو یہ مال و  
دولت نعمت بننے کے بجائے انسان کے لئے دنیا ہی میں عذاب بن جاتا ہے۔ یہی حال اولاد کا بھی ہے کہ  
اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہ ہو تو وہ بکثرت انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔

(۴۶) مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا جو اعلان کیا ہے، وہ مسلمانوں کے ڈر سے کیا ہے،  
ورنہ ان کے دل میں ایمان نہیں ہے، چنانچہ اگر ان کو کوئی ایسی پناہ گاہ مل جاتی جہاں یہ بھاگ کر چھپ سکتے تو یہ  
مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے بجائے وہاں جا چھپتے۔

(۴۷) تفسیر ابن جریر میں کئی روایات اس قسم کی نقل کی گئی ہیں جن میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے



وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٥٩﴾ إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَبِلِينَ عَلَيْهَا الْمَوْلَفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَرَمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

جو کچھ بھی انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دے دیا تھا، کیا اچھا ہوتا کہ یہ اُس پر راضی رہتے، اور یہ کہتے کہ: ”اللہ ہمارے لئے کافی ہے، آئندہ اللہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا، اور اُس کا رسول بھی! ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں۔“ ﴿۵۹﴾ صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا، اور اُن اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں، اور اُن کا جن کی دلداری مقصود ہے۔ ﴿۶۰﴾ نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں، اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں، اور اللہ کے راستے میں، اور مسافروں کی مدد میں خرچ کیا جائے۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے! اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۶۰﴾

صدقات تقسیم فرمائے تو کچھ منافقین نے آپ پر اعتراض کیا کہ یہ تقسیم (معاذ اللہ) انصاف کے مطابق نہیں ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ان منافقوں کو ان کے مطلب کے مطابق نہیں دیا گیا تھا۔

(۳۸) فقیر اور مسکین ملتے جلتے لفظ ہیں۔ لغت کے اعتبار سے بعض لوگوں نے دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو، مگر ضرورت سے کم ہو۔ اور بعض حضرات نے فرق اس کے برعکس بیان کیا ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے حکم میں دونوں برابر ہیں۔ اور حکم یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا بنیادی ضرورت سے زیادہ سامان موجود نہ ہو، اُس کے لئے

زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے فقہ کی کتابیں دیکھی جائیں۔

(۴۹) اسلامی حکومت کا ایک اہم کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ اس غرض کے لئے جواہل کار مقرر کئے جائیں، ان کی تنخواہ یا وظیفہ بھی زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔

(۵۰) اس سے مراد وہ نو مسلم ہیں جو ضرورت مند ہوں، اور اس بات کی ضرورت محسوس کی جائے کہ ان کو اسلام پر جے رکھنے کے لئے ان کی دلداری کی جانی چاہئے۔ اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ”مؤلفۃ القلوب“ کہا جاتا ہے۔

(۵۱) جس زمانے میں غلامی کا رواج تھا، اس دور میں بعض غلاموں کے آقا ان سے یہ کہہ دیتے تھے کہ اگر تم اتنی رقم لا کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔ ایسے غلاموں کو بھی آزادی حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا تھا۔

(۵۲) اس سے مراد وہ مقروض لوگ ہیں جن پر اتنا قرضہ ہو کہ ان کے اثاثے قرضے کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوں، یا اگر وہ اپنے سارے اثاثے قرض میں دے دیں تو ان کے پاس نصاب، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر مال باقی نہ رہے۔

(۵۳) ”اللہ کے راستے“ کا لفظ قرآن کریم میں اکثر جہاد کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لہذا اس سے مراد وہ شخص ہے جو جہاد پر جانا چاہتا ہو، لیکن اُس کے پاس سواری وغیرہ نہ ہو۔ بعض دوسرے حاجت مند لوگوں کو بھی فقہاء نے اس حکم میں شامل کیا ہے، مثلاً جس شخص پر حج فرض ہو چکا ہو، لیکن اب اُس کے پاس اتنے پیسے نہ رہے ہوں کہ وہ حج کر سکے۔

(۵۴) ”مسافر“ سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس چاہے اپنے وطن میں نصاب کے برابر مال موجود ہو، لیکن سفر میں اُس کے پاس اتنے پیسے نہ رہے ہوں جن سے وہ اپنی سفر کی ضروریات پوری کر کے واپس وطن جاسکے۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف جو یہاں قرآن کریم نے ذکر کئے ہیں، اُن کی بہت مختصر تشریح اُدپر کی گئی ہے۔ عمل کے وقت کسی عالم سے سمجھ کر زکوٰۃ خرچ کرنی چاہئے، کیونکہ ان تمام مصارف میں شرعی احکام کی بہت سی تفصیلات ہیں جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۖ قُلْ أُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ  
 بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلنَّبِيِّ وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ  
 رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۶۱ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضَوْكُمْ ۚ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ  
 أَحَقُّ أَن يُرْضَوْهُ إِنَّ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝۶۲

الطائفة

اور انہی (منافقین) میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو دکھ پہنچاتے ہیں، اور (اُن کے بارے میں) یہ کہتے  
 ہیں کہ: ”وہ تو سراپا کان ہیں۔“ کہہ دو کہ: ”وہ کان ہیں اُس چیز کے لئے جو تمہارے لئے بھلائی  
 ہے۔“ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور مومنوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، اور تم میں سے جو (ظاہری  
 طور پر) ایمان لے آئے ہیں، اُن کے لئے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں۔ اور جو لوگ  
 اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں، اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب تیار ہے ﴿۶۱﴾ (مسلمانو!) یہ  
 لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں، حالانکہ اگر یہ واقعی  
 مومن ہوں تو اللہ اور اُس کے رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ اُن کو راضی کریں ﴿۶۲﴾

(۵۵) یہ عربی زبان کے ایک محاورے کا لفظی ترجمہ ہے۔ عربی محاورے میں جب کوئی شخص ہر ایک کی بات سن کر  
 اُس پر یقین کر لیتا ہو، اُس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو ”زرا کان ہے“ یا ”سراپا کان ہے“۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے  
 اُردو میں کہا جاتا ہے کہ ”وہ کچے کانوں کا ہے“۔ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گستاخانہ  
 جملہ آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے بولا تھا، اور مقصد یہ تھا کہ اگر کبھی ہماری سازش آنحضرت صلی  
 اللہ علیہ وسلم پر کھل بھی گئی تو ہم باتیں بنا کر آپ کو راضی کر لیں گے، کیونکہ وہ ہر ایک کی بات کا یقین کر لیتے ہیں۔

(۵۶) منافقین کے مذکورہ بالا جملے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سب  
 سے پہلے کان لگا کر جو بات سنتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو درحقیقت تم سب لوگوں کی بھلائی کے لئے نازل  
 ہوتی ہے۔ دوسرے وہ سچے مومنوں کی بات سن کر اُس پر واقعی یقین کر لیتے ہیں، کیونکہ اُن کے بارے میں آپ  
 کو یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ تیسرے وہ اُن منافقوں کی بات بھی سنتے ہیں جو ظاہری طور پر ایمان لانے  
 کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اُن سے دھوکا کھا جاتے ہیں، بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مِنْ يُحَادِدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَأَنْ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ  
 الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي  
 قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ  
 لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ  
 تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنَّ نَعْفَ عَنْ طَآئِفَةٍ  
 مِّنْكُمْ يُعَذِّبُ طَآئِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾

کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے ٹکر لے تو یہ بات طے ہے کہ اس کے لئے  
 دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا؟ یہ بڑی بھاری رسوائی ہے! ﴿۶۳﴾ منافق لوگ اس  
 بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کہیں کوئی ایسی سورت نازل نہ کر دی جائے جو انہیں ان  
 (منافقین) کے دلوں کی باتیں بتلا دے۔ کہہ دو کہ: ”(اچھا!) تم مذاق اڑاتے رہو؛ اللہ وہ بات  
 ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے تھے۔“ ﴿۶۴﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو تو یہ یقیناً یوں کہیں  
 گے کہ: ”ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔“ کہو کہ: ”کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس  
 کے رسول کے ساتھ دل لگی کر رہے تھے؟“ ﴿۶۵﴾ بہانے نہ بناؤ، تم ایمان کا اظہار کرنے کے بعد کفر  
 کے مرتکب ہو چکے ہو۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معافی دے بھی دیں، تو دوسرے گروہ کو ضرور  
 سزا دیں گے، کیونکہ وہ مجرم لوگ ہیں۔ ﴿۶۶﴾

آپ کو شفقت اور رحمت کا پیکر بنایا ہے، اس کی وجہ سے حتی الامکان وہ ہر ایک سے رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں۔  
 چنانچہ منافقین کی باتوں کی تردید کے بجائے آپ خاموش رہتے ہیں۔

(۵۷) منافقین اپنی نجی محفلوں میں مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے، اور اگر کبھی کوئی پوچھتا تو کہتے کہ ہم تو یہ باتیں  
 دل لگی میں کرتے ہیں، سچ جھج نہیں کرتے۔ آیات ۶۳ تا ۶۶ ان کے اس طرزِ عمل پر تبصرہ کر رہی ہیں۔

(۵۸) یعنی منافقوں میں سے جو لوگ نفاق سے توبہ کر لیں گے انہیں معاف کر دیا جائے گا، اور جو توبہ نہیں کریں  
 گے انہیں ضرور سزا ملے گی۔

الْمُفْسِقُونَ وَالْمُفْسِقَتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۖ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۖ إِنَّ الْمُسْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿١٧﴾ وَعَدَا اللَّهُ الْمُسْفِقِينَ وَالْمُفْسِقَتِ وَالْكَافَرَاتِ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدَاتٍ فِيْهَا ۚ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿١٨﴾ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَآكَثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ۖ فَاسْتَبَعُوا بِخَلْقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلْقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلْقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِينَ خَاصُوا ۖ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١٩﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ وہ برائی کی تلقین کرتے ہیں، اور بھلائی سے روکتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ (۵۹) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے، تو اللہ نے بھی اُن کو بھلا دیا۔ بلاشبہ یہ منافق بڑے نافرمان ہیں ﴿۶۷﴾ اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی اُن کو اس آئے گی۔ اللہ نے ان پر پھنکار ڈال دی ہے، اور ان کے لئے اٹل عذاب ہے۔ ﴿۶۸﴾ (منافقو!) تم اُنہی لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ وہ طاقت میں تم سے مضبوط تر اور مال اور اولاد میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے حصے کے مزے اُڑائے، پھر تم نے اُسی طرح اپنے حصے کے مزے اُڑائے، جیسے تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے کے مزے اُڑائے تھے، اور تم بھی ویسی ہی بے ہودہ باتوں میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے، اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے خسارے کا سودا کیا۔ ﴿۶۹﴾

(۵۹) ہاتھوں کو بند رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کنجوس ہیں۔ جہاں خرچ کرنا چاہئے وہاں خرچ نہیں کرتے۔

أَلَمْ يَأْتِهِمُ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَ  
 أَصْحَابُ مَدْيَنَ وَالْمُوتَفِكِتِ ۖ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ  
 لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ  
 أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ  
 يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
 عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤١﴾ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
 الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٌ طَيِّبٌ ۖ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۖ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ  
 عَظِيمٌ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٤٢﴾

کیا ان (منافقوں) کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزرے ہیں؟ نوح کی قوم، اور عاد و  
 ثمود، ابراہیم کی قوم، مدین کے باشندے، اور وہ بستیوں جنہیں اُلٹ ڈالا گیا! ان سب کے پاس ان  
 کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔ پھر اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہ خود اپنی جانوں پر ظلم  
 ڈھاتے رہے۔ ﴿۴۰﴾ اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ  
 نیکی کی تلقین کرتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور  
 اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے  
 گا۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک! ﴿۴۱﴾ اللہ نے مومن مردوں اور مومن  
 عورتوں سے وعدہ کیا ہے اُن باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور  
 اُن پاکیزہ مکانات کا جو سدابہار باغات میں ہوں گے۔ اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو سب سے بڑی  
 چیز ہے (جو جنت والوں کو نصیب ہوگی) یہی تو زبردست کامیابی ہے ﴿۴۲﴾

(۶۰) ان کے واقعات کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف، آیات ۵۹ تا ۹۲ اور اُن کے حواشی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ  
وَبِسُّوْءِ النَّصِيحَةِ ۚ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَآقِلُوهَا ۚ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا  
بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَسُّوا إِلَيْهِمْ يَنَالُونَ ۚ وَمَنْ يَمُنْ إِلَّا أَنْ عَنِهِنَّ اللَّهُ وَسُؤْلُهُ  
مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يَعْذِبِ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ  
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَالَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۚ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو، اور اُن پر سختی کرو۔ اُن کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت برا  
ٹھکانا ہے۔ ﴿۷۳﴾ یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا جاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی، حالانکہ  
انہوں نے کفر کی بات کہی ہے، اور اپنے اسلام لانے کے بعد انہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔ انہوں  
نے وہ کام کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جس میں یہ کامیابی حاصل نہ کر سکے، اور انہوں نے صرف اس  
بات کا بدلہ دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے مال دار بنادیا ہے۔ اب اگر یہ توبہ  
کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا، اور اگر یہ منہ موڑیں گے تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک  
عذاب دے گا، اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار۔ ﴿۷۴﴾

(۶۱) جہاد کے اصل معنی جدوجہد اور محنت و کوشش کے ہیں۔ دین کی حفاظت اور دفاع کے لئے یہ کوشش مسلح  
لڑائی کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے، اور زبانی دعوت و تبلیغ اور بحث و مباحثہ کی صورت میں بھی۔ کھلے کافروں کے  
ساتھ یہاں جہاد کے پہلے معنی مراد ہیں، اور منافقین کے ساتھ جہاد کے دوسرے معنی مقصود ہیں۔ چونکہ منافقین  
زبان سے اسلام لانے کا اظہار کرتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرارتوں کے باوجود  
یہ حکم دیا کہ دنیا میں ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی معاملہ کیا جائے۔ اس لئے ان کے ساتھ جہاد کا مطلب زبانی  
جہاد ہے، اور اُن پر سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اول تو گفتگو میں اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے،  
دوسرے اگر اُن سے کوئی قابل سزا جرم سرزد ہو تو انہیں معافی نہ دی جائے۔

(۶۲) منافقین کا یہ دطیرہ تھا کہ وہ اپنی مجلسوں میں کافرانہ باتیں کہتے رہتے تھے، لیکن جب اُن سے پوچھا جاتا تو وہ صاف انکار کر دیتے، اور قسم بھی کھا لیتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔ مثلاً ایک مرتبہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں ایک انتہائی گستاخانہ بات کہی تھی جسے نقل کرنا بھی مشکل ہے، اور اس کے بعد کہا تھا کہ: ”جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے باعزت لوگ ذلیلوں کو نکال باہر کریں گے۔“ اس کا ذکر خود قرآن کریم نے سورہ منافقون (۸: ۶۳) میں فرمایا ہے۔ لیکن جب اُس سے پوچھا گیا تو مکر گیا، اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا (روح المعانی بحوالہ ابن جریر وابن المنذر وغیرہ)۔

(۶۳) مراد یہ ہے کہ اگرچہ دل سے تو وہ کبھی اسلام نہیں لائے تھے، لیکن کم از کم زبان سے اسلام کا اقرار کرتے تھے۔ اس بات کے بعد انہوں نے زبان سے بھی کفر اختیار کر لیا۔

(۶۴) یہ کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں منافقین نے کوئی خفیہ سازش کی تھی، مگر اُس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ایسے کئی واقعات عہد رسالت میں پیش آئے ہیں، مثلاً ایک واقعہ تو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن ابی نے یہ ناپاک ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس ڈیگ کو عملی جامہ پہنانے پر قادر نہیں ہوئے۔ دوسرے ایک واقعہ غزوہ تبوک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے وقت پیش آیا تھا کہ منافقین نے بارہ آدمیوں کو نقاب پہنا کر اس بات پر تعینات کیا تھا کہ وہ ایک گھاٹی میں چھپ کر بیٹھیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذریں تو آپ پر حملہ کر دیں۔ اُس وقت حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے انہیں دیکھ لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی۔ آپ نے اُن کو زور سے آواز دی تو اُن پر ایسا زعب طاری ہوا کہ وہ بھاگ گئے۔ آپ نے بعد میں حضرت حذیفہؓ کو بتایا کہ وہ منافق لوگ تھے (روح المعانی بحوالہ دلائل النبوة بتتبی)۔

(۶۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدینہ منورہ کے باشندوں میں پہلے کے مقابلے میں عام خوش حالی آئی تھی جس سے یہ منافقین بھی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ پہلے ان کی معاشی حالت خستہ تھی، مگر آپ کی تشریف آوری کے بعد ان میں سے اکثر لوگ خاصے مال دار ہو گئے تھے۔ آیت کریمہ یہ کہہ رہی ہے کہ شرافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اس خوشحالی پر اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شکر گزار ہوتے، لیکن انہوں نے اس احسان کا یہ بدلہ دیا کہ آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔



وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَیْنِ الْاِثْمٰمِ فُضِّلِمۡ لَنَصَدَقَنّٰ وَلَنُكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۵۱ فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنۡ فُضْلٍ مِّنۡ بَخْلَ وَاٰیہٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۵۲ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیۡ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗۤ اِیَّآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْا وَهُمَا کَاٰتِبٰٓیۡکُذِبُوْنَ ۝۵۳

اور انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے، اور یقیناً نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں گے ﴿۵۱﴾ لیکن جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے نوازا تو اس میں بخل کرنے لگے، اور منہ موڑ کر چل دیئے۔ ﴿۵۲﴾ نتیجہ یہ کہ اللہ نے سزا کے طور پر نفاق ان کے دلوں میں اُس دن تک کے لئے جمادیا ہے جس دن وہ اللہ سے جا کر ملیں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اُس کی خلاف ورزی کی، اور کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ﴿۵۳﴾

(۶۶) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص جس کا نام ثعلبہ بن حاطب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور درخواست کی کہ آپ میرے لئے مال دار ہونے کی دُعا فرمادیں۔ آپ نے شروع میں اُسے سمجھایا کہ بہت مال دار ہونا مجھے اپنے لئے بھی پسند نہیں ہے، لیکن اُس نے بار بار اصرار کیا، اور یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر میں مال دار ہو گیا تو ہر حق دار کو اُس کا حق پہنچاؤں گا، آپ نے اس موقع پر یہ حکیمانہ جملہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ”تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر سکو اُس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکو۔“ اس پر بھی اُس کا اصرار جاری رہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمادی۔ چنانچہ وہ واقعی مال دار ہو گیا، اور اس کے مال مویشی اتنے زیادہ ہو گئے کہ اُن کی دیکھ بھال میں نمازیں چھوٹنے لگیں، پھر وہ ان جانوروں کی زیادتی کی وجہ سے مدینہ منورہ سے باہر جا کر رہنے لگا، شروع میں جمعہ کے دن مسجد میں آ جاتا تھا، پھر رفتہ رفتہ جمعہ کو آنا بھی چھوڑ دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اُس کے پاس پہنچے تو اُس نے زکوٰۃ پر پھبتیاں کیں، اور ٹال مٹول کر کے ان حضرات کو واپس بھیج دیا۔ اس آیت میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے (روح المعانی بحوالہ طبرانی و بیہقی)۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۚ ﴿٤٨﴾ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۖ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ ﴿٤٩﴾ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۖ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۚ ﴿٥٠﴾

کیا انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ اللہ اُن کی تمام پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے، اور یہ کہ اُس کو غیب کی ساری باتوں کا پورا پورا علم ہے؟ ﴿۴۸﴾ (یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مومنوں کو بھی طعنہ دیتے ہیں، اور اُن لوگوں کو بھی جنہیں اپنی محنت (کی آمدنی) کے سوا کچھ اور میسر نہیں ہے، اس لئے وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے ﴿۴۹﴾ (اے نبی!) تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لئے ستر مرتبہ استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا ہے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۵۰﴾

﴿۶۷﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقات نکالنے کی ترغیب دی تو ہر مخلص مسلمان نے اپنی استطاعت کے مطابق صدقہ لا کر پیش کیا، منافقین خود تو اس کا رخیہ میں کیا حصہ لیتے، مسلمانوں کو طعنہ دیتے رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص زیادہ مال لے کر آتا تو کہتے کہ یہ تو دکھاوے کے لئے صدقہ کر رہا ہے، اور اگر کوئی غریب مزدور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کچھ تھوڑا سا صدقہ لے کر آتا تو منافقین اُس کا مذاق اڑاتے، اور کہتے کہ یہ کیا چیز اٹھا لایا ہے؟ اللہ اس سے بے نیاز ہے! صحیح بخاری اور حدیث و تفسیر کی دوسری کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات مروی ہیں، لیکن اس جگہ غالباً وہ موقع مراد ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لئے چندہ جمع کرنے کی ترغیب دی تھی۔ ذرمنثور (ج: ۴ ص: ۲۲۶) میں ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿۶۸﴾ اللہ تعالیٰ یوں تو مذاق اڑانے سے بے نیاز ہے، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو مذاق

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ  
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا  
لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا  
يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَإِنْ رَجَعْتَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ  
لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ  
مَرَّةٍ فَأَقْعُدُوا مَعَ الْخُلَفَاءِ ﴿٨٣﴾

جن لوگوں کو (غزوہ تبوک سے) پیچھے رہنے دیا گیا تھا، وہ رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے  
(گھروں میں) بیٹھے رہنے سے بڑے خوش ہوئے، اور ان کو یہ بات ناگوار تھی کہ وہ اللہ کے راستے  
میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں، اور انہوں نے کہا تھا کہ: ”اس گرمی میں نہ نکلو!“ کہو کہ: ”جہنم  
کی آگ گرمی میں کہیں زیادہ سخت ہے!“ کاش! ان کو سمجھ ہوتی! ﴿۸۱﴾ اب یہ لوگ (دنیا میں)  
تھوڑا بہت ہنس لیں، اور پھر (آخرت میں) خوب روتے رہیں، کیونکہ جو کچھ کمائی یہ کرتے رہے  
ہیں، اُس کا یہی بدلہ ہے۔ ﴿۸۲﴾ (اے پیغمبر!) اس کے بعد اگر اللہ تمہیں ان میں سے کسی گروہ  
کے پاس واپس لے آئے، اور یہ (کسی اور جہاد میں) نکلنے کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو ان سے  
کہہ دینا کہ: ”اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں چل سکو گے، اور میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے کبھی نہیں  
لڑ سکو گے۔ تم نے پہلی بار بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا، لہذا اب بھی انہی کے ساتھ بیٹھ رہو جن کو (کسی  
معدوری کی وجہ سے) پیچھے رہنا ہے۔“ ﴿۸۳﴾

اُڑانے کی سزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف مذاق اُڑانے کی نسبت محاورہ کی گئی ہے جسے عربی قواعد کی رو  
سے مشاکلت کہا جاتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ  
وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۖ إِنَّ سَائِرِ  
اللَّهِ أَنْ يُعَذِّبَ بِهِم بِهَافِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۸۴﴾

اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مرجائے، تو تم اُس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہونا۔<sup>(۷۹)</sup> یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا، اور اس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔ ﴿۸۳﴾ اور تمہیں ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دنیا میں عذاب دے، اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے۔ ﴿۸۴﴾

(۷۹) اس آیت کا شان نزول صحیح بخاری وغیرہ میں یہ منقول ہے کہ عبد اللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا، لیکن اُس کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ سچے اور پکے مسلمان تھے۔ اگرچہ عبد اللہ بن ابی کی منافقت کئی مواقع پر ظاہر ہو چکی تھی، لیکن چونکہ وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا تھا، اس لئے ظاہری طور پر اُس کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی سلوک کیا جاتا تھا، چنانچہ جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کے بیٹے حضرت عبد اللہ نے جو سچے مسلمان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اُس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اپنی امت کے ہر فرد کے لئے بڑے مہربان تھے، اس لئے آپ نے یہ درخواست منظور فرمائی، اور اُس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے قرآن کریم کی اُس آیت کا حوالہ دیا جو پیچھے گزر چکی ہے کہ: ”تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لئے ستر مرتبہ استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا“ (آیت نمبر ۸۰) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں چاہوں تو استغفار کروں، اس لئے میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کر لوں گا۔ چنانچہ آپ نے اُس کی نماز جنازہ پڑھادی۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا۔ پھر آپ نے کسی بھی منافق کی نماز نہیں پڑھائی۔

(۸۰) دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۵۵ کا حاشیہ۔

وَإِذَا أَنْزَلْتُ سُورَةً أَنْ أَمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذِنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذُرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَعْدِيْنَ ﴿٨٧﴾ رَاضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٨﴾ لَكِنَّ الرَّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٩﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٩٠﴾ وَجَاءَ الْمُعَذِّبُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ ﴿٩١﴾ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ

اور جب کوئی سورت یہ حکم لے کر نازل ہوتی ہے کہ: ”اللہ پر ایمان لاؤ، اور اُس کے رسول کی رفاقت میں جہاد کرو“ تو ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ جو صاحب استطاعت ہیں، تم سے اجازت مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں بھی اُن لوگوں میں شامل ہونے دیجئے جو (گھر میں) بیٹھے رہیں گے۔ ﴿۸۶﴾ یہ اس بات سے خوش ہیں کہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہو جائیں، اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، چنانچہ وہ نہیں سمجھتے (کہ وہ کیا کر رہے ہیں) ﴿۸۷﴾ لیکن رسول اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں، انہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے۔ اُنہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۸۸﴾ اللہ نے ان کے لئے وہ باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں یہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۸۹﴾ اور دیہاتیوں میں سے بھی بہانہ باز لوگ آئے کہ اُن کو (جہاد سے) چھٹی دی جائے، اور (اس طرح) جن لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا، وہ سب بیٹھ رہے۔

(۷۱) جس طرح مدینہ منورہ میں بہت سے منافق تھے، اسی طرح مدینہ منورہ سے باہر دیہات میں بھی منافق موجود تھے۔ چونکہ غزوہ تبوک میں جانے کا حکم صرف اہل مدینہ کے لئے نہیں، بلکہ آس پاس کے لوگوں کے لئے بھی تھا، اس لئے یہ دیہاتی منافقین بھی بہانہ کرنے کے لئے آئے تھے۔

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْحُومِ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۝ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۝ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا آتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْبَبْتُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَعَيْنُهُمْ تَقْصُصُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝

ان میں سے جنہوں نے کفر (مستقل طور پر) اپنایا ہے، اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ ﴿۹۰﴾ کمزور لوگوں پر (جہاد میں نہ جانے کا) کوئی گناہ نہیں، نہ بیماروں پر، اور نہ اُن لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے، جبکہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کے لئے مخلص ہوں۔ نیک لوگوں پر کوئی الزام نہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۱﴾ اور نہ اُن لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ تم انہیں کوئی سواری مہیا کر دو، اور تم نے کہا کہ: ”میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر سکوں“ تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ اُن کی آنکھیں اس غم میں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ اُن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ ﴿۹۲﴾

(۷۲) روایات میں ہے کہ یہ سات انصاری صحابہ تھے۔ حضرت سالم بن عمیر، حضرت عکبہ بن زید، حضرت عبدالرحمن بن کعب، حضرت عمرو بن الحمام، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت ہرمی بن عبداللہ اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ انہوں نے غزوہ تبوک میں شامل ہونے کے لئے اپنے شوق کا اظہار فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کی درخواست پیش کی۔ جب آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے تو یہ روتے ہوئے واپس گئے (روح المعانی)۔

إِنَّا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۖ رَاضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ  
 الْخَوَالِفِ ۚ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾ يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا  
 رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ تُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَأَ اللَّهُ مِنْ  
 أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَ  
 الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ  
 إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۚ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۚ إِنَّهُمْ رَاجِسٌ لِّمَآلِهِمْ جَهَنَّمَ  
 جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾

الزام تو ان لوگوں پر ہے جو مال دار ہونے کے باوجود تم سے اجازت مانگتے ہیں۔ وہ اس بات پر  
 خوش ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہو گئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے،  
 اس لئے انہیں حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ ﴿۹۳﴾ (مسلمانو!) جب تم لوگ (تبوک سے) واپس ان  
 (منافقوں) کے پاس جاؤ گے، تو یہ تمہارے سامنے (طرح طرح کے) عذر پیش کریں گے۔ (اے  
 پیغمبر!) ان سے کہہ دینا کہ: ”تم عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ اللہ نے  
 ہمیں تمہارے حالات سے اچھی طرح باخبر کر دیا ہے۔ اور آئندہ اللہ بھی تمہارا طرز عمل دیکھے گا، اور  
 اُس کا رسول بھی۔ پھر تمہیں لوٹا کر اُس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام  
 باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔“ ﴿۹۴﴾ جب تم ان کے  
 پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔  
 لہذا تم بھی ان سے درگزر کر لینا۔ یقیناً جانو یہ سراپا گندگی ہیں، اور جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اس  
 کے نتیجے میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ﴿۹۵﴾

(۷۳) یہاں ”درگزر کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بات سن کر انہیں نظر انداز کر دیا جائے، نہ تو فوری طور پر

يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾ أَلَا عَرَابٌ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَابِرَ ۗ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ سَبِيحٌ عَلَيْهِمُ ﴿٩٨﴾

یہ تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، حالانکہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ تو ایسے نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔ ﴿۹۶﴾ جو دیہاتی (منافق) ہیں، وہ کفر اور منافقت میں زیادہ سخت ہیں، اور دوسروں سے زیادہ اسی لائق ہیں کہ اُس دین کے احکام سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارا ہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۹۷﴾ انہی دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو (اللہ کے نام پر) خرچ کئے ہوئے مال کو ایک تاوان سمجھتے ہیں، اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تم مسلمانوں پر مصیبتوں کے چکر آ پڑیں، (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) بدترین مصیبت کا چکر تو خود ان پر پڑا ہوا ہے۔ اور اللہ ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۹۸﴾

انہیں کوئی سزا دی جائے، اور نہ یہ وعدہ کیا جائے کہ ان کی معذرت قبول کر لی گئی ہے، اور انہیں معاف کر دیا گیا ہے۔ اس طرزِ عمل کی وجہ اگلے جملے میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اپنے نفاق کی وجہ سے یہ سراپا گندگی ہیں، ان کی معذرت جھوٹی ہے جو انہیں اس گندگی سے پاک نہیں کر سکتی، اور آخر کار ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۷۴) یعنی منافقت کے علاوہ ان کی ایک خرابی یہ ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں سے میل جول بھی نہیں رکھا جس کے ذریعے ان کو شریعت کے احکام کا علم ہوتا۔

(۷۵) یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان مصیبت کے کسی ایسے چکر میں پڑ جائیں کہ ان لوگوں کو اس قسم کے



وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا  
عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۖ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي  
رَحْمَتِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٩﴾ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَدَّمُونَ  
وَالْأَنْصَارُ وَالزَّيْنُ اتَّبَعُواهُمْ بِإِحْسَانٍ ۖ رَاضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ  
أَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَعَ

اور انہی دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ (اللہ کے نام پر) خرچ کرتے ہیں، اُس کو اللہ کے پاس قرب کے درجے حاصل کرنے اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہاں! یہ اُن کے لئے یقیناً تقرب کا ذریعہ ہے۔ اللہ اُن کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۹﴾ اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سب سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اُس سے راضی ہیں، اور اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی زبردست کامیابی ہے ﴿۱۰۰﴾ اور تمہارے ارد گرد جو دیہاتی ہیں، ان میں بھی منافق لوگ موجود ہیں، اور مدینہ کے باشندوں میں بھی۔

احکام سے آزادی مل جائے جن پر عمل کرنا انہیں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور سے غزوہ تبوک کے موقع پر ان لوگوں کو یہ امید لگی ہوئی تھی کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا مقابلہ روم کی عظیم طاقت سے ہو رہا ہے، اس لئے شاید اس بار وہ رومیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر اپنی ساری طاقت کھو بیٹھیں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ لوگ خود نفاق کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، جو انہیں دنیا اور آخرت دونوں کی رسوائی میں مبتلا کر کے رہے گا۔

(۷۶) پہلے جن دیہاتیوں کا ذکر آیا تھا، وہ مدینہ منورہ سے دُور رہتے تھے۔ اب اُن دیہاتیوں کا ذکر ہے جو مدینہ

مَرَدُّوْا عَلٰی النِّفَاقِ ۚ لَا تَعْلَمُهُمْ ۚ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝۱۰۱ وَآخَرُوْنَ اَعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَسِيْئًا ۚ عَسٰى اَللّٰهُ اَنْ يَّتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ اَللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰۲

یہ لوگ منافقت میں (اتنے) ماہر ہو گئے ہیں (کہ) تم انہیں نہیں جانتے، انہیں ہم جانتے ہیں۔ ان کو ہم دو مرتبہ سزا دیں گے، پھر ان کو ایک زبردست عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ ﴿۱۰۱﴾ اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں، کچھ نیک کام، اور کچھ بُرے۔ اُمید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۰۲﴾

منورہ کے آس پاس رہتے تھے، اور خود مدینہ منورہ کے باشندوں میں اُن منافقین کا جن کا نفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تھا۔

(۷۷) ”دو مرتبہ سزا دینے“ کی تشریح مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ صحیح مراد تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر ایک سزا تو یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی شکست کی جو آس لگائی ہوئی تھی، وہ پوری نہ ہوئی، اور مسلمان غزوہ تبوک سے صحیح سلامت واپس آ گئے۔ یہ بذات خود ان منافقوں کے لئے ایک سزا تھی، اور دوسرے بہت سے منافقوں کا نفاق کھل گیا، اور ان کو دنیا ہی میں ذلت اُٹھانی پڑی۔

(۷۸) منافقین تو اپنی منافقت کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شامل نہیں ہوئے تھے، اور اب تک انہی کا ذکر ہوتا رہا ہے۔ لیکن مخلص مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو سستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ کل دس حضرات تھے۔ ان میں سے سات کو اپنی اس سستی پر اتنی سخت شرمندگی ہوئی کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس بھی نہیں پہنچے تھے کہ یہ خود اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے مسجد نبویؐ پہنچے، اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا، اور یہ کہا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہمیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے، ہم انہی ستونوں سے بندھے رہیں گے۔ آپ کی واپسی کا وقت قریب تھا، اور جب آپ واپس تشریف لائے اور آپ نے انہیں بندھا ہوا دیکھا تو پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اس پر آپ کو علم ہوا کہ انہوں نے اس لئے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ۖ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۳﴾

(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے اموال میں سے صدقہ وصول کر لو جس کے ذریعے تم انہیں پاک کر دو گے اور اُن کے لئے باعثِ برکت بنو گے، اور اُن کے لئے دُعا کرو۔ یقیناً تمہاری دُعا اُن کے لئے سراپا تسکین ہے، اور اللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۱۰۳﴾

فرمایا کہ اب میں بھی ان کو اُس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ خود انہیں کھولنے کا حکم نہ دیدے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اُن کی توبہ قبول کر لی گئی، اور انہیں کھول دیا گیا۔ ان سات حضرات میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے نام سے ایک ستون اب بھی مسجد نبوی میں موجود ہے، اور اُسے اُسٹواۃ التوبہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس ستون سے اپنے آپ کو اُس وقت باندھا تھا جب بنو قریظہ کے معاملے میں اُن سے ایک غلطی ہو گئی تھی، لیکن حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ تبوک سے متعلق ہے، اور اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے (دیکھئے تفسیر ابن جریر ج ۱۱: ص ۱۶۱۲)۔

باقی تین حضرات جو تبوک نہیں گئے تھے، اُن کا ذکر آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں آرہا ہے۔

اس آیت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جائے تو اُسے مایوس ہونے کے بجائے توبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اور غلطی کی تاویل میں کرنے کے بجائے ہر ممکن طریقے سے اپنی غلطی پر اظہارِ ندامت کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اُمید دلائی ہے کہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

(۷۹) یہی حضرات جنہوں نے توبہ کے طور پر اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا تھا، جب ان کی توبہ قبول ہوئی اور انہیں آزاد کیا گیا تو انہوں نے شکرانے کے طور پر اپنا مال صدقے میں دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے شروع میں فرمایا کہ مجھے تم سے کوئی مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان سے صدقہ قبول فرمائیں۔ آیت میں صدقے کی دو خاصیتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ انسان کو گناہوں اور بُرے اخلاق سے پاک ہونے میں مدد دیتا ہے، اور دوسرے یہ کہ اُس ہے انسان کی نیکیوں میں برکت اور ترقی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اگرچہ یہ آیت اس خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، لیکن چونکہ اس کے الفاظ عام ہیں، اس لئے اُمت کے فقہاء کا اجماع ہے کہ اسی آیت کی رو سے اسلامی ریاست کے ہر سربراہ کو اپنے عوام سے زکوٰۃ وصول کرنے اور اُسے صحیح مصارف پر خرچ کرنے کا حق

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٣﴾ وَقُلِ اعْبُدُوا فَسَيَرْضَى اللَّهُ عَنْكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٤﴾ وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لِمَا لِلَّهِ آمَا يَعَذِّبُهُمْ وَأَمَّا يُثَوِّبُ عَلَيْهِمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٥﴾

کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ بھی قبول کرتا ہے، اور صدقات بھی قبول کرتا ہے، اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے؟ ﴿۱۰۳﴾ اور (ان سے) کہو کہ: ”تم عمل کرتے رہو۔ اب اللہ بھی تمہارا طرز عمل دیکھے گا، اور اُس کا رسول بھی اور مؤمن لوگ بھی۔ پھر تمہیں لوٹا کر اُس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو“ ﴿۱۰۴﴾ اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا فیصلہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔ یا اللہ اُن کو سزا دے گا، یا معاف کر دے گا، اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔ ﴿۱۰۵﴾

حاصل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں جن لوگوں نے آپ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، اُن سے آپ نے جہاد کیا۔

(۸۰) اس آیت نے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ توبہ کے بعد بھی کسی شخص کو بے فکر ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اپنی آئندہ زندگی میں اپنا طرز عمل درست کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

(۸۱) یہ اُن دس میں سے تین حضرات تھے جو کسی عذر کے بغیر صرف سستی کی وجہ سے تبوک کی مہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ یہ حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے۔ ان حضرات کو ندامت تو تھی، لیکن انہوں نے توبہ کرنے میں اتنی جلدی نہیں کی جتنی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے کی تھی، نہ وہ طریقہ اختیار کیا جو ان ساتھی حضرات نے اختیار کیا تھا۔ چنانچہ

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَالْمُرْصَادِ الْمُنْ حَارَبَ اللَّهُ وِرَسُولُهُ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلِيَحْلِفْنَ إِنْ أَرَادْنَا إِلَّا  
الْحُسْفٰى ۖ وَاللَّهُ يُشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لِمَسْجِدٍ  
أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۖ فِيهِ رَجَالٌ يُحِبُّونَ  
أَنْ يَتَّخِذُوا ۙ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝

اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں، کافرانہ باتیں کریں، مومنوں میں پھوٹ ڈالیں اور اُس شخص کو ایک اڈہ فراہم کریں جس کی پہلے سے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جنگ ہے۔<sup>(۸۲)</sup> اور یہ قسمیں ضرور کھالیں گے کہ بھلائی کے سوا ہماری کوئی اور نیت نہیں ہے، لیکن اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۰۷﴾ (اے پیغمبر!) تم اُس (نام نہاد مسجد) میں کبھی (نماز کے لئے) کھڑے مت ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس میں کھڑے ہو۔<sup>(۸۳)</sup> اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۰۸﴾

جب یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معذرت کرنے کے لئے پہنچے تو آپ نے ان کے بارے میں اپنا فیصلہ ملتوی فرمادیا، اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہ آئے، ان کے بارے میں یہ حکم دیا کہ سب مسلمان ان کا معاشرتی بائیکاٹ کریں۔ چنانچہ پچاس دن تک ان کا بائیکاٹ جاری رہا، اور توبہ اُس وقت قبول ہوئی جب آیت نمبر ۱۱۸ نازل ہوئی، تفصیل وہیں پر آئے گی۔

(۸۲) ان آیات میں منافقین کے ایک نہایت شریہ گروہ کا بیان ہے جنہوں نے ایک خطرناک سازش کے تحت ایک عمارت مسجد کے نام سے بنائی تھی۔ اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج میں ابو عامر نام

کا ایک شخص تھا جو عیسائی ہو گیا تھا، اور اُس نے رہبانیت اور درویشی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ مدینہ منورہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اسے بھی دین حق کی دعوت دی، لیکن اُس نے حق کو قبول کرنے کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حریف سمجھ لیا، اور آپ کی دشمنی پر کمر باندھ لی۔ جنگ بدر سے لے کر جنگ حنین تک کفار مکہ سے جتنی جنگیں ہوئیں، اُن سب میں یہ مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی مدد اور تائید کرتا رہا۔ جب جنگ حنین میں بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی تو یہ شام چلا گیا، اور وہاں سے مدینہ منورہ کے منافقین کو خط لکھا کہ میں یہاں شام میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو ختم کر ڈالے۔ لیکن اس کام کے لئے ضروری ہے کہ تم لوگ اپنا ایک محاذ ایسا بناؤ کہ جب روم کا بادشاہ حملہ کرے تو تم اندر سے اُس کی مدد کر سکو۔ اُسی نے یہ مشورہ بھی دیا کہ تم ایک عمارت مسجد کے نام سے بناؤ جو بغاوت کے مرکز کے طور پر استعمال ہو، اس میں خفیہ طور سے ہتھیار بھی جمع کرو، اور آپس میں مشورے بھی یہیں کیا کرو، اور میری طرف سے کوئی ایچی آئے تو اُسے بھی یہاں ٹھہراؤ۔ چنانچہ ان منافقین نے قبا کے علاقے میں یہ عمارت بنائی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ بہت سے کمزور لوگوں کو مسجد قبا دور پڑتی ہے، اس لئے ان کی آسانی کی خاطر ہم نے یہ مسجد تعمیر کی ہے۔ آپ کسی وقت یہاں تشریف لا کر نماز پڑھیں، تاکہ اُسے برکت حاصل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت تبوک جانے کی تیاری میں مصروف تھے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میں تبوک جا رہا ہوں، واپسی پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں وہاں آ کر نماز پڑھ لوں گا۔ لیکن جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ سے کچھ پہلے ذواوان کے مقام پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں آپ پر اس نام نہاد مسجد کی حقیقت کھول دی گئی، اور اُس میں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا گیا۔ اس موقع پر آپ نے وہیں سے دو صحابیوں مالک بن دحثم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ وہ اس عمارت کو تباہ کر دیں، چنانچہ ان حضرات نے اس کو جلا کر خاک کر دیا (تفسیر ابن جریر)۔

(۸۳) اس سے مراد وہ مسجد قبا بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت تعمیر فرمائی تھی جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے، اور قبا کی بستی میں چودہ دن قیام فرمایا، اور یہ پہلی باقاعدہ مسجد تھی جو آپ نے تعمیر فرمائی، اور وہ مسجد نبوی بھی اس کے مصداق میں داخل ہے جو آپ نے قبا سے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد تعمیر فرمائی۔ دونوں ہی کی بنیاد تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر تھی۔ اس مسجد کی فضیلت یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں نماز پڑھنے والے پاکی اور صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اس میں جسم کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے، اور اعمال و اخلاق کی پاکی اور صفائی بھی۔

أَفَسَنْ أَسَسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٍ أَمْ مِّنْ أَسَسَ بُنْيَانَهُ  
عَلَىٰ شَفَا جُرْفٍ هَارٍ فَأَنْهَارُ بِهِ فِي نَارٍ جَهَنَّمَ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ  
قُلُوبُهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾

۱۰۹

بھلا کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اُس کی خوشنودی پر اٹھائی ہو، یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک ڈھاٹک کے کسی گرتے ہوئے کنارے پر رکھی ہو، پھر وہ اُسے لے کر جہنم کی آگ میں جا گرے؟ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۱۰۹﴾ جو عمارت ان لوگوں نے بنائی تھی، وہ ان کے دلوں میں اُس وقت تک برابر شک پیدا کرتی رہے گی جب تک ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جاتے۔ اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔ ﴿۱۱۰﴾

(۸۴) قرآن کریم نے جو لفظ استعمال فرمایا ہے، وہ ”جرف“ ہے۔ یہ دراصل کسی زمین یا ٹیلے یا پہاڑ کے اُس حصے کو کہتے ہیں جس کا نچلا حصہ پانی کے سیلاب وغیرہ کی وجہ سے بہہ گیا ہو، اور اوپر کھو کھلی مٹی رہ گئی ہو جو کسی بھی وقت گر سکتی ہو۔ اُردو میں ایسی جگہ کو ڈھاٹک کہتے ہیں، اس لئے ترجمے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۸۵) جو عمارت ان منافقین نے بنائی تھی، اُس کے لئے آیت ۱۰۷ میں تو یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ عمارت انہوں نے مسجد کے نام پر بنائی تھی، اور ان کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ مسجد ہے، اس لئے وہاں اُس عمارت کے واسطے مسجد کا لفظ استعمال کیا گیا تھا، لیکن اس آیت میں اُس کی حقیقت بتائی گئی ہے، اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے اُسے عمارت کہا ہے، مسجد نہیں کہا، کیونکہ حقیقت میں وہ مسجد تھی ہی نہیں۔ بنانے والے حقیقت میں کافر تھے، اور بنانے کا مقصد اسلام دشمنی تھی، اسی لئے اُسے جلایا گیا، ورنہ اگر کوئی مسلمان مسجد بنائے، تو اُسے جلانا جائز نہیں ہے۔ اور اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ عمارت ان منافقوں کے دل میں برابر شک پیدا کرتی رہے گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عمارت کے جلانے جانے سے ان منافقین پر بھی یہ بات کھل گئی کہ ان کی شرارت کا راز مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا ہے۔ اب وہ اپنے مستقبل کے بارے میں مسلسل شک میں مبتلا رہیں گے کہ نجانے مسلمان اب ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اُن کی بے یقینی کی یہ کیفیت اُسی وقت ختم ہوگی جب اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، یعنی اُن کو موت آ جائے گی۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۖ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۱۱۱ التَّائِبُونَ الْعِبَدُونَ الْحَدُّونَ السَّائِحُونَ الرَّكْعُونَ السُّجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْعُرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفَظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۱۲ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝۱۱۳

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے بدلے خرید لئے ہیں کہ جنت انہی کی ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں مارتے بھی ہیں، اور مرتے بھی ہیں۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور انجیل میں بھی لی ہے، اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ لہذا اپنے اُس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اللہ سے کر لیا ہے۔ اور یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۱۱۱﴾ (جنہوں نے یہ کامیاب سودا کیا ہے، وہ کون ہیں؟) توبہ کرنے والے! اللہ کی بندگی کرنے والے! اُس کی حمد کرنے والے! روزے رکھنے والے! رُکوع میں جھکنے والے! سجدے گزارنے والے! نیکی کی تلقین کرنے والے، اور برائی سے روکنے والے! اور اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے! (اے پیغمبر!) ایسے مومنوں کو خوشخبری دے دو۔ ﴿۱۱۲﴾ یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مومنوں کو کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ ان پر یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں۔ ﴿۱۱۳﴾<sup>(۸۸)</sup>

(۸۶) قرآن کریم نے یہاں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ ”السَّائِحُونَ“ ہے۔ اس لفظ کے اصل معنی تویاحت



کرنے والے کے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر روزہ رکھنے والوں سے فرمائی ہے۔ اور یہی تفسیر متعدد صحابہؓ اور تابعین سے بھی منقول ہے (تفسیر ابن جریر)۔ بظاہر روزے کو سیاحت اس لئے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح سفر میں انسان کے کھانے پینے اور سونے جاگنے کے معمولات قائم نہیں رہتے، اسی طرح روزے میں بھی ان معمولات میں فرق آجاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۸۷) قرآن کریم نے بہت سے مواقع پر ”اللہ کی قائم کی ہوئی حدود“ اور ان کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ بڑی معنی خیز اصطلاح ہے۔ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے احکام دیئے ہیں، وہ کچھ حدود کے پابند ہیں۔ اُن حدود میں رہ کر اُن کو انجام دیا جائے تو وہ درست اور نیک کام ہیں، اور اگر حدود سے نکل جائیں تو وہی کام ناپسندیدہ اور بعض اوقات گناہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی عبادت بہت ثواب کا کام ہے، لیکن اگر کوئی شخص عبادت میں اتنا منہمک ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے جو حقوق رکھے ہیں، اُن کو پامال کرنے لگے، تو وہ عبادت بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔ تہجد کی نماز بڑی عظیم فضیلت کی چیز ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ نماز اس طرح پڑھے جس سے سونے والوں کی نیند میں خلل آئے تو یہ ناجائز ہے۔ والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی نفلی عبادت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کی وجہ سے بیوی بچوں کے حقوق پامال کرنے لگے تو یہ گناہ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آیات کریمہ میں بہت سی نیکیوں کا بیان کرنے کے بعد آخر میں حدود کی حفاظت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ یہ حضرات تمام نیکیاں اُن حدود میں رہ کر انجام دیتے ہیں جو ان کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہیں۔ ان حدود کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور فعل سے دی ہے، اور ان کو سیکھنے کا بہترین طریقہ اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے کہ انسان کسی اللہ والے کی صحبت میں رہے، اور اُس کے طرزِ عمل کو دیکھ دیکھ کر ان حدود کو سمجھنے اور اپنی زندگی میں ان کو اتارنے کی کوشش کرے۔

(۸۸) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس آیت کا شان نزول یہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے اگرچہ آپ کی بڑی مدد کی تھی، لیکن انہوں نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ترغیب دی کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں، مگر اُس وقت ابو جہل وغیرہ نے مخالفت کی، اور وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ میں آپ کے لئے اُس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس آیت نے آپ کو ان کے لئے استغفار سے منع فرمادیا۔ اس کے علاوہ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں روایت ہے کہ بعض مسلمانوں نے اپنے مشرک باپ دادوں کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا تھا، اس لئے ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۖ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿۸۹﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۹۰﴾

اور ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے جو مغفرت کی دعا مانگی تھی، اُس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ انہوں نے اُس (باپ) سے ایک وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب اُن پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، تو وہ اُس سے دستبردار ہو گئے۔<sup>(۸۹)</sup> حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے،<sup>(۹۱)</sup> بڑے بُر و بار تھے ﴿۱۱۴﴾ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک اُس نے اُن پر یہ بات واضح نہ کر دی ہو کہ انہیں کن باتوں سے بچنا ہے۔<sup>(۹۲)</sup> یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۱۱۵﴾

(۸۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے استغفار کا وعدہ کرنا سورۃ مریم (۱۹: ۴) اور سورۃ محمدہ (۳: ۶۰) میں اور اس وعدے کے مطابق استغفار کرنا سورۃ شعراء (۸۶: ۲۶) میں مذکور ہے۔

(۹۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اُن پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اُن کا انتقال کفر ہی کی حالت میں ہوگا، اور وہ آخر وقت تک اللہ تعالیٰ کے دشمن بنے رہیں گے تو انہوں نے استغفار کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اس سے علمائے کرام نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی کافر کے لئے اس نیت سے مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے کہ اُسے ایمان لانے کی توفیق ہو جائے، اور اس طرح اُس کی مغفرت ہو جائے، لیکن جس شخص کے بارے میں یہ یقین ہو کہ اُس کی موت کفر پر ہوئی ہے، اُس کے لئے مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے۔

(۹۱) یہ قرآن کریم کے لفظ ”اَوَّاه“ کا ٹھیکہ ترجمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑے نرم دل اور رقیق القلب تھے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی فکر میں وہ آہیں بھرتے تھے اور ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

(۹۲) یعنی اب تک چونکہ واضح طور پر یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ کسی مشرک کے لئے استغفار جائز نہیں، اس لئے جن لوگوں نے اس سے پہلے کسی مشرک کے لئے استغفار کیا، اُن پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ  
 مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١١٣﴾ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ  
 الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ  
 تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّى  
 إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن  
 لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ  
 الرَّحِيمُ ﴿١١٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٦﴾

یقیناً اللہ ہی ہے جس کے قبضے میں سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ وہ زندگی بھی دیتا ہے،  
 اور موت بھی، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے نہ مددگار۔ ﴿۱۱۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے  
 رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا  
 ساتھ دیا، جبکہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈمگ جائیں، پھر اللہ نے ان کے حال پر  
 توجہ فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے لئے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور ان تینوں پر بھی (اللہ  
 نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی  
 ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی، ان کی زندگیاں ان پر دو بھر ہو گئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ  
 اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، تو پھر اللہ نے ان پر رحم  
 فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔ یقیناً جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا  
 مہربان ہے ﴿۱۱۸﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔ ﴿۱۱۹﴾

(۹۳) منافقین کی مذمت اور سستی سے رہ جانے والے مسلمانوں کی معافی کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی

اُس اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاباش دی جا رہی ہے جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ تبوک کی مہم میں حصہ لیا۔ ان میں بھی اکثریت تو انہی کی تھی جن کے دل میں جہاد اور تعمیل حکم کا جذبہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ ان مشکل حالات کو خاطر میں نہیں لائے۔ البتہ کچھ حضرات ایسے بھی تھے کہ شروع میں ان مشکلات کی وجہ سے اُن کے دل میں وسوسے آئے، لیکن آخر کار انہوں نے دل و جان سے مہم میں حصہ لیا۔ اس دوسری قسم کا حوالہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ: ”جبکہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دل ڈمگ جائیں۔“

(۹۴) یہ اُن تین صحابہؓ کی طرف اشارہ ہے جن کے بارے میں آیت نمبر ۱۰۶ میں یہ فرمایا گیا تھا کہ ان کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔

(۹۵) جیسا کہ آیت ۱۰۶ کی تشریح میں عرض کیا گیا، ان تین حضرات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی واضح حکم آئے، اُس وقت تک تمام مسلمان ان کا معاشرتی بائیکاٹ کریں۔ چنانچہ پچاس دن ان حضرات پر ایسے گذرے ہیں جن میں کوئی مسلمان ان سے نہ بات کرتا تھا، نہ کوئی اور معاملہ۔ ان تین حضرات میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس زمانے کے حالات صحیح بخاری کی ایک لمبی روایت میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، اور بڑے اثر انگیز پیرائے میں یہ بتایا ہے کہ اس عرصے میں ان پر کیا قیامت گذر گئی تھی۔ اُن کی یہ حدیث اُن کے ایمانی جذبے اور اُن کی نفسیاتی کیفیات کی انتہائی مؤثر اور فصیح و بلیغ تصویر ہے۔ یہ پوری حدیث یہاں نقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ ”معارف القرآن“ میں اس کا مفصل ترجمہ موجود ہے۔ جو حضرات چاہیں، اُس میں مطالعہ فرمائیں۔ اس آیت میں ان حضرات کی اس نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۹۶) یہ ان تین حضرات کے واقعے سے ملنے والا سبق ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے اپنی غلطی کو چھپانے کے لئے منافقین کی طرح جھوٹے سچے بہانے نہیں بنائے، بلکہ جو حقیقت تھی، وہ سچ سچ بیان کر دی کہ ان کے پاس کوئی عذر نہیں تھا۔ ان کی اس سچائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نہ صرف توبہ قبول فرمائی، بلکہ سچے لوگوں کی حیثیت سے قیامت تک کے لئے ان کا تذکرہ قرآن کریم میں زندۂ جاوید کر دیا گیا۔ اس آیت میں یہ تعلیم بھی ہے کہ انسان کو اپنی صحت سچے لوگوں کے ساتھ رکھنی چاہئے، جو زبان کے بھی سچے ہوں، اور عمل کے بھی سچے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ  
 اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۚ ذَلِك بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ  
 وَلَا مَخْصَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطْئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ  
 مِنْ عَدُوِّ نِيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ  
 الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا  
 إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾

مدینہ کے باشندوں اور ان کے ارد گرد کے دیہات میں رہنے والوں کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ  
 اللہ کے رسول (کا ساتھ دینے سے) پیچھے رہیں، اور نہ یہ جائز تھا کہ وہ بس اپنی جان پیاری سمجھ کر اُن  
 کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) جان سے بے فکر ہو بیٹھیں۔ یہ اس لئے کہ ان (مجاہدین)  
 کو جب کبھی اللہ کے راستے میں پیاس لگتی ہے، یا تھکن ہوتی ہے، یا بھوک ستاتی ہے، یا وہ کوئی ایسا  
 قدم اٹھاتے ہیں جو کافروں کو گھٹن میں ڈالے، یا دشمن کے مقابلے میں کوئی کامیابی حاصل کرتے  
 ہیں تو اُن کے اعمال نامے میں (ہر ایسے کام کے وقت) ایک نیک عمل ضرور لکھا جاتا ہے۔ یقین جانو  
 کہ اللہ نیک لوگوں کے کسی عمل کو بیکار جانے نہیں دیتا۔ ﴿۱۲۰﴾ نیز وہ جو کچھ (اللہ کے راستے میں)  
 خرچ کرتے ہیں، چاہے وہ خرچ چھوٹا ہو یا بڑا، اور جس کسی وادی کو وہ پار کرتے ہیں، اس سب کو  
 (اُن کے اعمال نامے میں نیکی کے طور پر) لکھا جاتا ہے، تاکہ اللہ انہیں (ہر ایسے عمل پر) وہ جزا  
 دے جو اُن کے بہترین اعمال کے لئے مقرر ہے۔ ﴿۱۲۱﴾<sup>(۹۷)</sup>

(۹۷) یعنی اگرچہ ان اعمال میں سے بعض چھوٹے نظر آتے ہوں، لیکن اُن کا ثواب ان مجاہدین کے بہترین  
 اعمال کے برابر دیا جائے گا۔ (یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن کریم میں ”احسن“ (بہترین) کو اعمال کی صفت قرار  
 دیا گیا ہے، اور اُسے جزاء کی صفت قرار دینے پر علامہ ابو حیان نے البحر المحیط میں نحوی اعتبار سے جو اشکال پیش

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۖ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ  
طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ  
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۹۸﴾

اور مسلمانوں کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لئے) نکل  
کھڑے ہوں، لہذا ایسا کیوں نہ ہو کہ اُن کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لئے)  
نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں) وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لئے محنت  
کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں تو یہ اُن کو  
متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں ﴿۱۲۲﴾

کیا ہے، اُس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا جاسکا، چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے بھی اس اعتراض کو نقل کر کے اُس  
کی تائید ہی کی ہے۔ لہذا یہاں ترجمہ اُس تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے جو مدارک التنزیل میں مذکور ہے۔  
(۹۸) سورہ توبہ کے ایک بڑے حصے میں اُن لوگوں کو ملامت کی گئی ہے جو تبوک کے جہاد میں شریک نہیں ہوئے  
تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کریمہ کو سن کر صحابہ نے یہ ارادہ کر لیا کہ آئندہ جو بھی جہاد ہوگا، اُس میں وہ  
سب جایا کریں گے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ ہمیشہ کے لئے یہ سوچنا صحیح نہیں ہے۔ غزوہ تبوک میں تو ایک  
خاص ضرورت پیش آئی تھی جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن عام حالات  
میں مسلمانوں کو تقسیم کار پر عمل کرنا چاہئے۔ جب تک امیر کی طرف سے نفیر عام (یعنی ہر شخص کو جہاد میں شریک  
ہونے) کا حکم نہ ہو، جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ جہاد کے لئے چلے جایا کریں تو  
سب کی طرف سے یہ فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جس طرح جہاد امت مسلمہ کی ایک  
ضرورت ہے، اسی طرح دین کا علم حاصل کرنا بھی امت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اگر سب لوگ جہاد میں نکل  
کھڑے ہوں گے تو علم دین کی درس و تدریس کا فریضہ کون انجام دے گا؟ لہذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ جہاد  
میں نہ جائیں، وہ اپنے شہر میں رہ کر دین کا علم حاصل کریں۔

(۹۹) متنبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام انہوں نے سیکھے ہیں، وہ ان کو بتادیں کہ فلاں کام واجب ہے، اور  
فلاں کام گناہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَ  
 اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ أَيْنَكُم مِّن  
 زَادَتْهُ هِذِهِ آيَاتًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۲۴﴾

اے ایمان والو! اُن کافروں سے لڑو جو تم سے قریب ہیں، اور ہونا یہ چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی  
 محسوس کریں۔ اور یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۱۲۳﴾ اور جب کبھی کوئی سورت نازل  
 کی جاتی ہے تو انہی (منافقین) میں وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ”اس (سورت) نے تم میں سے کس  
 کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟“ اب جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جو (واقعی) ایمان لائے ہیں،  
 اُن کے ایمان میں تو اس سورت نے واقعی اضافہ کیا ہے، اور وہ (اس پر) خوش ہوتے ہیں۔ ﴿۱۲۴﴾

(۱۰۰) اس آیت میں پھر اُس مضمون کا خلاصہ بیان فرمایا گیا ہے جس سے اس سورت کی ابتدا ہوئی تھی۔ مشرکین  
 سے براءت کا جو اعلان کیا گیا تھا، اُس میں ہر مسلمان کا یہ فرض تھا کہ وہ اُن مشرکین سے جنگ کے لئے تیار رہے  
 جو اس اعلان براءت پر عمل نہ کریں۔ جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا، وہ نو مسلم جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے  
 تھے، اُن کے دل میں اپنے مشرک رشتہ داروں کے لئے نرم گوشہ ہو سکتا تھا، لہذا آخر سورت میں انہیں دوبارہ  
 متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس طرح اسلام کی تبلیغ میں ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ انسان اپنے قریبی لوگوں سے اُس کا  
 آغاز کرے، اسی طرح جب جنگ کی نوبت آجائے تو اُس میں بھی یہی ترتیب ہونی چاہئے کہ پہلے اُن لوگوں  
 سے جنگ ہونی چاہئے جو تمہارے قریب ہیں۔ اُن کے بعد دوسروں کا نمبر آئے گا۔

(۱۰۱) یعنی اُن کی قربت کی وجہ سے تمہارے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہو جو تمہیں جہاد کے فریضے سے روک  
 دے۔ نیز وہ لوگ تم میں کوئی کمزوری نہ پائیں، بلکہ انہیں تمہاری مضبوطی کا مکمل احساس ہونا چاہئے۔

(۱۰۲) یہ کہہ کر منافقین دراصل اُس بات کا مذاق اڑاتے تھے جو سورۃ انفال (۸: ۲) میں فرمائی گئی ہے کہ جب  
 مومنوں کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَرِادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كُفْرًا ۖ وَلَا يَدْرُونَ ۝ (۱۱۵) أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ ۝ (۱۱۶) وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا ۖ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ (۱۱۷)

(۱۰۳) رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، تو اس سورت نے اُن کی گندگی میں کچھ اور گندگی کا اضافہ کر دیا ہے، اور اُن کو موت بھی کفر ہی کی حالت میں آتی ہے ﴿۱۲۵﴾ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال ایک دو مرتبہ کسی آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں، پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں، اور نہ کوئی سبق حاصل کرتے ہیں؟ ﴿۱۲۶﴾ اور جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں (اور اشاروں میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں) کہ کیا کوئی تمہیں دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر وہاں سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ (۱۰۵) اللہ نے اُن کا دل پھیر دیا ہے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۱۲۷﴾

(۱۰۳) یعنی کفر اور نفاق کی گندگی تو اُن میں پہلے ہی موجود تھی، اب اس نئی آیت کے انکار اور استہزاء سے اس گندگی میں اور اضافہ ہو گیا۔

(۱۰۴) منافقین پر ہر سال کوئی نہ کوئی مصیبت پڑتی رہتی تھی۔ کبھی اُن کی خواہش اور منصوبوں کے خلاف مسلمانوں کو فتح نصیب ہو جاتی، کبھی ان میں سے کسی کا راز کھل جاتا، کبھی کوئی بیماری آ جاتی، کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مصیبتیں ان کو متنبہ کرنے کے لئے کافی ہونی چاہئے تھیں، لیکن یہ لوگ کوئی سبق نہیں لیتے۔

(۱۰۵) اصل بات یہ تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے کلام سے چڑھتی۔ ان کی خواہش اور کوشش یہ رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی نوبت نہ آئے۔ لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں کوئی نئی سورت تلاوت فرماتے تو یہ بھاگنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اگر سب کے سامنے اُٹھ کر جائیں تو ان کا راز فاش ہو جائے۔ اس لئے یہ ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے کہ کوئی ایسا موقع تلاش کرو کہ کوئی مسلمان تمہیں دیکھ نہ رہا ہو، اور اُس وقت چپکے سے اُٹھ کر چلے جاؤ۔



لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ  
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

۱۷  
ع

(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لئے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے! ﴿۱۲۸﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ: ”میرے لئے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔“ ﴿۱۲۹﴾

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۷ مئی ۲۰۰۶ء سورہ توبہ کا ترجمہ اور حاشی کراچی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں، اور باقی قرآن کریم کا ترجمہ اور حاشی بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

تَوْحِیْحُ الْقُرْآنِ

# اسان ترجمہ قرآن

تشریحات کے ساتھ



سُورَةُ يُوسُفَ تا سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

از

مفتی محمد تقی عثمانی

مِکْتَبَةُ مَعَارِفِ الْقُرْآنِ کَرِیْمِ

(Quranic Studies Publishers)  
Karachi, Pakistan.

# جملہ حقوق طبع و کتبہ محفوظ ہیں

ISBN 978-969-9306-02-0

عرض ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ اشرف القرآن کراچی نے "اسان مجھے قرآن" کی صحیح و طبعات میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کسی کتبیت، طبعات اور جلد سازی میں سہرا غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔



مکتبہ اشرف القرآن کراچی  
(Quranic Studies Publishers)

maktabamaarifulquran.com  
Compound Jamia Darul-uloom Karachi.  
Korangi Industrial Area, Post Code-75180,  
Karachi - Pakistan.

باہتمام : خیر الشافعی قاسمی

طبع جدید : ربیع الاول - ۱۴۳۲ھ مطابق فروری - 2011

مطبع : احمد برادرز پرہنگ پریس

ناشر : مکتبہ اشرف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

فون : (92-21) 35031565, 35123130

ای میل : info@quranicpublishers.com

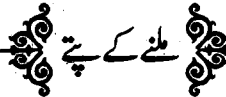
mm.q@live.com

ویب سائٹ : www.maktabamaarifulquran.com

ONLINE  
SHARIAH

www.SHARIAH.com

ہر قسم کی دینی کتب کی آن لائن خریداری کے لیے  
درج بالا ویب سائٹ پر سہولت موجود ہے۔



● Azhar Academy Ltd.,  
54-68, Little Ilford Lane,  
Manor Park-London E-12, 5QA, U.K.  
Ph : +44-20-8911-9797

● Darul Uloom Al-Madania,  
182, Sobieski Street Buffalo,  
NY, 14212-U.S.A

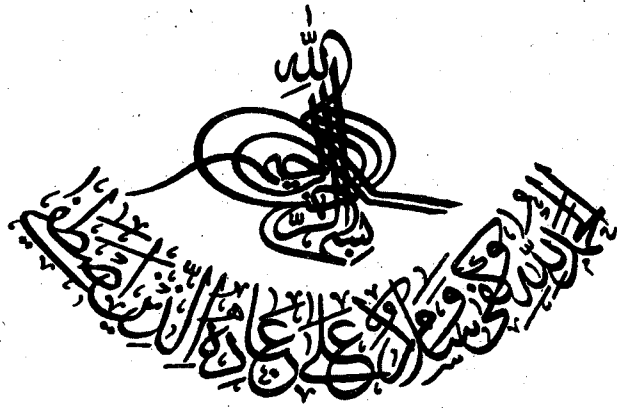
● ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی۔

● دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔

● بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔

● ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، اتارکلی، لاہور۔

● بیت العلوم، ۲۰، ناچھ روڈ، لاہور۔



نَحْمَدُكَ وَنُتَعِيزُ بِكَ تَغْفِرُ لِمَنْ يَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ

وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ أَنْفُسَانَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا

مِنْ تَحِيَّةِ اللَّهِ فَلَا تُصِلْهُ وَمِنْ تَصْنِيفِ اللَّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ

وَنُشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

وَنُشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا  
ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى آله واصحابه اجمعين،  
وعلى من تبعهم باحسان إلى يوم الدين-

## پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناکارہ بندے کو اپنے  
کلام مجید کے اس ترجمے اور تشریح کی توفیق عطا فرمائی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

آج سے چند سال پہلے تک میرا خیال یہ تھا کہ اُردو میں مستند علمائے کرام کے اتنے ترجمے موجود ہیں کہ  
ان کے بعد کسی نئے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب کچھ حضرات مجھ سے قرآن کریم کا ترجمہ کرنے  
کی فرمائش کرتے تو اس خدمت کو عظیم سعادت سمجھنے کے باوجود اوّل تو اپنی نااہلی کا احساس اڑے آتا، اور  
دوسرے کسی نئے ترجمے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن پھر مختلف اطراف سے احباب نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اُردو کے جو مستند ترجمے اس وقت موجود  
ہیں، وہ عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہو گئے ہیں، اور ایسے آسان ترجمے کی واقعی ضرورت ہے جو معمولی پڑھے  
لکھے افراد کی سمجھ میں بھی آسکے۔ یہ مطالبہ اتنی کثرت سے ہوا کہ موجودہ ترجموں کا باقاعدہ جائزہ لینے کے بعد مجھے  
بھی اس مطالبے میں وزن نظر آنے لگا، اور جب میرا انگریزی ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہوا تو یہ مطالبہ اور زیادہ زور  
پکڑ گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے ترجمہ شروع کیا، لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال تھا کہ عام مسلمانوں کو  
قرآن کریم کا مطلب سمجھنے کے لئے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحات کی بھی ضرورت ہوگی، اس خیال کے پیش نظر  
میں نے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحی حواشی بھی لکھنے کا اہتمام کیا۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو بذات خود ایک عظیم معجزہ ہے، اس لئے اُس کا ٹھیک ٹھیک

ترجمہ جو قرآن کریم کی بلاغت اور اس کے بے مثال اسلوب اور تاثیر کو کسی دوسری زبان میں منتقل کر دے، بالکل ناممکن ہے۔ لیکن اپنی بساط کی حد تک بندہ نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کا مطلب آسان، با محاورہ اور رواں انداز میں واضح ہو جائے۔ یہ ترجمہ بالکل لفظی ترجمہ بھی نہیں ہے، اور اتنا آزاد بھی نہیں ہے جو قرآن کریم کے الفاظ سے دُور چلا جائے۔ وضاحت کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حتی الوسع قرآن کریم کے الفاظ سے بھی قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جہاں قرآن کریم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ تفسیروں کا احتمال ہے، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ترجمے کے الفاظ میں بھی وہ احتمالات باقی رہیں۔ اور جہاں ایسا ممکن نہ ہو سکا، وہاں سلف کے مطابق جو تفسیر زیادہ رائج معلوم ہوئی، اُس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

تشریحی حواشی میں صرف اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو جہاں مطلب سمجھنے میں کچھ دشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تشریح سے مدد لے سکے، لمبے تفسیری مباحث اور علمی تحقیقات کو نہیں چھیڑا گیا، کیونکہ اس کے لئے بفضلہ تعالیٰ مفصل تفسیریں موجود ہیں۔ البتہ ان مختصر حواشی میں چھنی چھنائی بات عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

اس خدمت کا بہت سا حصہ بلکہ شاید زیادہ حصہ میرے مختلف سفروں کے درمیان انجام پایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کمپیوٹر میں تمام ضروری کتابوں کا ذخیرہ میرے ساتھ تھا، اس لئے ضروری کتابوں کی مراجعت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

قرآن کریم کی یہ ناچیز خدمت اس احساس کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ اس بے مثال کلام کی خدمت کے لئے جس علم اور تقویٰ کی ضرورت ہے، میں اُس سے تہی دامن ہوں۔ لیکن جس مالکِ کریم کا یہ کلام ہے، وہ جس ذرّہ بے مقدار سے جو کام لینا چاہے، لے لیتا ہے۔ لہذا اگر اس خدمت میں کوئی بات اچھی اور درست ہے تو وہ صرف اُسی کی توفیق سے ہے، اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری نااہلی کی وجہ سے ہے۔ اُسی مالکِ کریم کی بارگاہ میں یہ التجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اُسے مسلمانوں کے لئے مفید بنادے، اور اس ناکارہ کے لئے آخرت کا ذخیرہ، وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌّ۔

بندہ  
محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



## فهرست

صفحہ نمبر	سورۃ کا نام
٦٢٩	سورۃ یونس
٦٦٥	سورۃ ہود
٤٠٥	سورۃ یوسف
٤٥١	سورۃ الرعد
٤٤٤	سورۃ ابراہیم
٤٩٤	سورۃ الحجر
٨١٥	سورۃ النحل
٨٥٣	سورۃ بنی اسرائیل
٨٨٩	سورۃ الکہف
٩٢٩	سورۃ مریم
٩٥١	سورۃ طہ
٩٨٣	سورۃ الانبیاء
١٠١١	سورۃ الحج
١٠٣٩	سورۃ المؤمنون



صفحه نمبر	سورة کا نام
١٠٦١	سورة النور
١٠٩٣	سورة الفرقان
١١١٣	سورة الشعراء
١١٣٣	سورة النمل
١١٦٤	سورة القصص
١١٩٩	سورة العنكبوت

# سُورَةُ يُوسُفَ

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ البتہ بعض مفسرین نے اس کی تین آیتوں (آیت نمبر ۴۰ اور ۹۴ اور ۹۵) کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں ہے۔ سورت کا نام حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے جن کا حوالہ آیت نمبر ۹۸ میں آیا ہے۔ مکہ مکرمہ میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا تھا، اس لئے اکثر کئی سورتوں میں بنیادی زور توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر دیا گیا ہے۔ اس سورت کے بھی مرکزی موضوعات یہی ہیں۔ اس کے ساتھ اسلام پر مشرکین عرب کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں، اور ان کے غلط طرزِ عمل کی مذمت کی گئی ہے، اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی ضد جاری رکھی تو دنیا اور آخرت دونوں میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آسکتا ہے۔ اسی سلسلے میں پچھلے انبیائے کرام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کے نتیجے میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اور حضرت نوح اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں کافروں کے لئے تو یہ سبق ہے کہ انہوں نے پیغمبر کی مخالفت میں جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے، اُس کے نتیجے میں ان کا انجام بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے یہ تسلی کا سامان بھی ہے کہ ان ساری مخالفتوں کے باوجود آخری انجام ان شاء اللہ انہی کے حق میں ہوگا۔

﴿آياتها ۱۰۹﴾ ۱۰ سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ ۵۱ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ الْمُبِينُ ۝ إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدِيرُ الْأَمْرَ ۚ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الذی (۱) یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حکمت سے بھری ہوئی ہے ﴿۱﴾ کیا لوگوں کے لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے خود انہی میں سے ایک شخص پر وحی نازل کی ہے کہ: ”لوگوں کو (اللہ کی خلاف ورزی سے) ڈراؤ، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن کو خوش خبری دو کہ اُن کے رب کے نزدیک اُن کا صحیح معنی میں بڑا پایہ ہے۔“ (مگر جب اُس نے لوگوں کو یہ پیغام دیا تو) کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے ﴿۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اُس نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا کہ وہ ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔

(۱) جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، یہ الگ الگ حروف جو سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ”حروف مقطعات“ کہلاتے ہیں۔ ان کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

(۲) یعنی بڑا درجہ ہے۔

(۳) ”استواء“ کے لفظی معنی سیدھا ہونے، قابو پانے اور بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں ہیں، اس لئے اُن کا استواء بھی مخلوقات جیسا نہیں۔ اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے ہم نے اس لفظ کا اردو میں ترجمہ کرنے کے بجائے اسی لفظ کو برقرار رکھا ہے، کیونکہ ہمارے لئے اتنا

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢﴾ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٤﴾

کوئی اُس کی اجازت کے بغیر (اُس کے سامنے) کسی کی سفارش کرنے والا نہیں۔ وہی اللہ ہے تمہارا پروردگار! لہذا اُس کی عبادت کرو۔ کیا تم پھر بھی دھیان نہیں دیتے؟ ﴿۳﴾ اُسی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ یقیناً ساری مخلوق کو شروع میں بھی وہی پیدا کرتا ہے، اور دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا، تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اُن کو انصاف کے ساتھ اُس کا صلہ دے۔ اور جنہوں نے کفر اپنایا ہے، ان کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب ہے، اور دُکھ دینے والا عذاب ہے، کیونکہ وہ حق کا انکار کرتے تھے۔ ﴿۴﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے سورج کو سراپا روشنی بنایا، اور چاند کو سراپا نور، اور اُس کے (سفر) کے لئے منزلیں مقرر کر دیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے یہ سب کچھ بغیر کسی صحیح مقصد کے پیدا نہیں کر دیا۔ ﴿۵﴾ وہ یہ نشانیاں اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ ﴿۵﴾

ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا جو اُن کی شان کے لائق ہے۔ اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنے کی نہ ضرورت ہے، نہ ہماری محدود عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

(۴) اس کائنات کے جن حقائق کی طرف قرآن کریم اشارہ فرماتا ہے، اُس سے دو باتیں ثابت کرنی مقصود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات کا یہ محیر العقول نظام جس میں چاند سورج ایسے بچے تلے حساب کے پابند ہو کر اپنا کام کر

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَتَّبِعُونَ ① إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأْنَوْا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ② أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ③ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ④ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ⑤

حقیقت یہ ہے کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور اللہ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے، اُس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ ﴿۶﴾ جو لوگ ہم سے (آخرت میں) آمنے کی کوئی توقع ہی نہیں رکھتے، اور دُنیوی زندگی میں مگن اور اُسی پر مطمئن ہو گئے ہیں، اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ﴿۷﴾ اُن کا ٹھکانا اپنے کرتوت کی وجہ سے دوزخ ہے ﴿۸﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے ایمان کی وجہ سے اُن کا پروردگار اُنہیں اس منزل تک پہنچائے گا کہ نعمتوں سے بھرے باغات میں اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ ﴿۹﴾

رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کی نشانی ہے۔ اس بات کو مشرکین عرب بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جو ذات اتنے عظیم الشان کاموں پر قادر ہو، اُسے اپنی خدائی میں آخر کسی اور شریک کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ لہذا یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ساری کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ اگر اس دُنیوی زندگی کے بعد آخرت کی ابدی زندگی نہ ہو جس میں نیک لوگوں کو اچھا صلہ اور برے لوگوں کو برائی کا بدلہ نہ ملے تو اس کائنات کی پیدائش بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ لہذا یہی کائنات توحید کے ساتھ ساتھ آخرت کی ضرورت بھی ثابت کرتی ہے۔

دَعُوهُمْ فِيهَا سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۖ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ  
 ۱۰ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ  
 بِالْخَيْرِ لَفَضَّلْنَا عَلَيْهِمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي  
 طُعْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ  
 قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ۖ

اُس میں (داخلے کے وقت) اُن کی پکاریہ ہوگی کہ: ”یا اللہ! تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔“  
 اور ایک دوسرے کے خیر مقدم کے لئے جو لفظ وہ بولیں گے، وہ سلام ہوگا، اور اُن کی آخری پکاریہ  
 ہوگی کہ: ”تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“ ﴿۱۰﴾ اور اگر اللہ (ان  
 کافر) لوگوں کو برائی (یعنی عذاب) کا نشانہ بنانے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ  
 اچھائیاں مانگنے میں مچاتے ہیں تو اُن کی مہلت تمام کردی گئی ہوتی۔<sup>(۵)</sup> (لیکن ایسی جلد بازی ہماری  
 حکمت کے خلاف ہے) لہذا جو لوگ ہم سے (آخرت میں) ملنے کی توقع نہیں رکھتے، ہم انہیں ان  
 کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔ ﴿۱۱﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف  
 پہنچتی ہے تو وہ لیٹے بیٹھے اور کھڑے ہوئے (ہر حالت میں) ہمیں پکارتا ہے۔

(۵) یہ دراصل کفار عرب کے ایک سوال کا جواب ہے۔ جب انہیں کفر کے نتیجے میں عذاب الہی سے ڈرایا جاتا  
 تھا تو وہ کہتے تھے کہ اگر یہ بات سچ ہے تو وہ عذاب ابھرا کیوں نہیں آجاتا؟ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ  
 عذاب آنے کے لئے اس طرح جلدی مچا رہے ہیں جیسے وہ کوئی اچھی چیز ہو۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے  
 مطابق ابھی عذاب نازل کر دے تو ان کو سوچنے سمجھنے کی جو مہلت دی گئی ہے وہ ختم ہو جائے گی، اور پھر ان کا  
 ایمان لانا معتبر بھی نہیں ہوگا۔ لہذا اللہ تعالیٰ اُن کے اس مطالبے کو اپنی حکمت کی بنا پر پورا نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ فی  
 الحال ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے، تاکہ جو لوگ سرکش ہیں، وہ گمراہی میں بھٹکتے رہیں، اور ان پر حجت تمام  
 ہو جائے، اور جو سمجھ سے کام لینا چاہتے ہوں، انہیں راہ راست پر آنے کا موقع مل جائے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ صُورَةَ مَرَكَّانٍ لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ صُرْمَتِهِ ۖ كَذَلِكَ زَيْنَ لِلْمُسْرِفِينَ  
 مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۖ وَجَاءَتْهُمْ  
 رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾ ثُمَّ  
 جَعَلْنَاهُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ  
 عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۖ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّا سَاءُ غَيْرِ هَذَا أَوْ  
 بَدَّلَهُ ۖ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي ۚ إِنِّي أَخَافُ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ  
 إِلَيَّ ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٤﴾

پھر جب ہم اُس کی تکلیف دُور کر دیتے ہیں، تو اس طرح چل کھڑا ہوتا ہے جیسے کبھی اپنے آپ کو پہنچنے والی کسی تکلیف میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ جو لوگ حد سے گذر جاتے ہیں، انہیں اپنے کرتوت اسی طرح خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ ﴿۱۲﴾ اور ہم نے تم سے پہلے (کئی) قوموں کو اُس موقع پر ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا تھا، اور اُن کے پیغمبر اُن کے پاس روشن دلائل لے کر آئے تھے، اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ ایسے مجرم لوگوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ پھر ہم نے اُن کے بعد زمین میں تم کو جانشین بنایا ہے تاکہ یہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ ﴿۱۴﴾ اور وہ لوگ جو (آخرت میں) ہم سے آلنے کی توقع نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، جبکہ وہ بالکل واضح ہوتی ہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”یہ نہیں، کوئی اور قرآن لے کر آؤ، یا اس میں تبدیلی کرو۔“ (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ: ”مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو کسی اور چیز کی نہیں، صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ اگر کبھی میں اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھوں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے۔“ ﴿۱۵﴾



قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ سَاكُوتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا  
مِّن قَبْلِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝۱۱ فَمَن أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ  
بِآيَاتِهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ۝۱۲ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا  
يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۖ قُلْ أَنتُمُ اثْبُتُوا ۖ اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي  
السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۖ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝۱۸

کہہ دو کہ: ”اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا، اور نہ اللہ تمہیں اس سے  
واقف کراتا۔“ آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم  
عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۱۶﴾ پھر اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان  
باندھے، یا اُس کی آئیوں کو جھٹلائے؟ یقین رکھو کہ مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے۔“ ﴿۱۷﴾ اور یہ لوگ  
اللہ کو چھوڑ کر اُن (من گھڑت خداؤں) کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں،  
نہ ان کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔  
(۱۔) ”پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”کیا تم اللہ کو اُس چیز کی خبر دے رہے ہو جس کا کوئی وجود اللہ کے علم  
میں نہیں ہے، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں؟“ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے  
بالکل پاک اور کہیں بالا و برتر ہے۔ ﴿۱۸﴾

(۶) یعنی یہ قرآن میرا بنایا ہوا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ اگر وہ نہ چاہتا تو نہ میں تمہارے سامنے پڑھ  
سکتا تھا، نہ تمہیں اس کا علم ہو سکتا تھا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرما کر مجھے حکم دیا کہ تمہیں سناؤں، اس لئے  
سنا رہا ہوں۔ لہذا اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۷) یعنی تمہارا یہ مطالبہ کہ میں اس قرآن کو بدل دوں، دراصل میری نبوت کا انکار اور مجھ پر (معاذ اللہ) جھوٹ  
کا الزام ہے، حالانکہ میں نے عمر کا بڑا حصہ تمہارے درمیان گزارا ہے، اور میری ساری زندگی ایک کھلی کتاب کی  
طرح تمہارے سامنے رہی ہے۔ قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے تم سب مجھے سچا اور امانت دار کہتے رہے

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ  
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِي مَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ ۱۹ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ  
فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۚ ۲۰

اور (شروع میں) تمام انسان کسی اور دین کے نہیں، صرف ایک ہی دین کے قائل تھے۔ پھر بعد میں وہ آپس میں اختلاف کر کے الگ الگ ہوئے۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جس معاملے میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اُس کا فیصلہ (دُنیا ہی میں) کر دیا جاتا۔ ﴿۱۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اس نبی پر اُس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی؟“ تو (اے پیغمبر! تم جواب میں) کہہ دو کہ: ”غیب کی باتیں تو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ لہذا تم انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“ ﴿۲۰﴾

ہو، اور چالیس سال کے طویل عرصے میں کبھی کسی ایک شخص نے بھی مجھ پر جھوٹ کا الزام نہیں لگایا۔ اب نبوت جیسے معاملے میں مجھ پر یہ الزام لگانا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟

(۸) مطلب یہ ہے کہ جب پہلے پہل حضرت آدم علیہ السلام دُنیا میں تشریف لائے تو تمام انسان توحید ہی کے دینِ برحق پر چلتے تھے۔ بعد میں کچھ لوگوں نے الگ الگ مذہب ایجاد کر لئے۔ اللہ تعالیٰ یہیں دُنیا میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر سکتا تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی یہ طے فرمایا ہوا تھا کہ دُنیا انسانوں کے امتحان کے لئے پیدا کی جائے گی، اور ہر شخص کو یہ موقع دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بھیجے جائیں گے جو لوگوں کو دُنیا میں آنے کا مقصد بتائیں، اور دینِ برحق کو واضح دلائل سے بیان کر دیں، پھر وہ اپنی آزار مرضی سے جو راستہ چاہیں اختیار کریں، اور آخرت میں فیصلہ کیا جائے کہ کس کا راستہ صحیح اور انعام کے قابل تھا، اور کس کا غلط اور قابلِ سزا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اس فیصلے کا مشاہدہ نہیں کروایا۔

(۹) اس آیت میں نشانی سے مراد معجزہ ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، اور آپ کے امی ہونے کے باوجود قرآن کریم کا آپ کی زبان مبارک پر جاری ہونا بذاتِ خود بہت بڑا معجزہ تھا، لیکن کفارِ مکہ آپ سے نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے جن کا کچھ بیان سورہ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۳) میں آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کے اس قسم

وَإِذْ آذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرِّآءٍ مَّسَّتْهُمْ إِذِ الْهَمُّ مَكْرٌ فِي آيَاتِنَا ۖ قُلِ  
 اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَكْمُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي  
 الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ ۖ وَجَرَينَ بِهِمْ بَرْيَحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا  
 جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظُنُّوْا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۚ

اور انسانوں کا حال یہ ہے کہ جب اُن کو پہنچنے والی کسی تکلیف کے بعد ہم اُن کو رحمت کا مزہ چکھاتے  
 ہیں تو ذرا سی دیر میں وہ ہماری نشانیوں کے بارے میں چال بازی شروع کر دیتے ہیں۔ کہہ دو کہ:  
 ”اللہ اس سے بھی جلدی کوئی چال چل سکتا ہے۔“ یقیناً ہمارے فرشتے تمہاری ساری چال بازیوں کو لکھ  
 رہے ہیں ﴿۲۱﴾ وہ اللہ ہی تو ہے جو تمہیں خشکی میں بھی اور سمندر میں بھی سفر کراتا ہے، یہاں تک کہ  
 جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو، اور یہ کشتیاں لوگوں کو لے کر خوشگوار ہوا کے ساتھ پانی پر چلتی  
 ہیں، اور لوگ اس بات پر مگن ہوتے ہیں، تو اچانک اُن کے پاس ایک تیز آندھی آتی ہے، اور ہر  
 طرف سے اُن پر موجیں اُٹھتی ہیں، اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے گھر گئے،

کے ہر مطالبے کو پورا کریں، اور ہر کس و ناکس کی فرمائش پر ہر روز نئے معجزات دکھایا کریں، بالخصوص جب یہ بات  
 معلوم ہو کہ مطالبہ کرنے والے محض وقت گزاری اور بہانہ بازی کے لئے ایسی فرمائشیں کر رہے ہوں۔ اس لئے  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی فرمائشوں کا یہ مختصر جواب دینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ غیب کی ساری باتیں،  
 جن میں معجزات کا ظاہر کرنا بھی داخل ہے، میرے قبضے اور اختیار میں نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ وہ  
 تمہاری کوئی فرمائش پوری کرتا ہے، اور کوئی پوری نہیں کرتا، اس کا تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

(۱۰) جب تک مصیبت کا سامنا تھا، اُس وقت تک تو بس اللہ ہی یاد آتا تھا، لیکن جب اُس کی رحمت سے مصیبت  
 دور ہو جاتی ہے، اور اچھا وقت آتا ہے تو اُس کی اطاعت سے منہ موڑنے کے لئے حیلے بہانے شروع ہو جاتے  
 ہیں، جس کی مثال آگے آیت نمبر ۲۲ میں آرہی ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے لئے ”چال“ کا لفظ ایک طنز کے طور پر ہے، اور اُس سے مراد اُن کی چال بازیوں کی سزا  
 دینا ہے۔

دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَكِنَ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا بَعِثْنَاكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ ۖ مَتَاءَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَاتَّרَبَّتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُوا عَلَىٰهَا ۖ

تو اُس وقت وہ خلوص کے ساتھ صرف اللہ پر اعتقاد کر کے صرف اُسی کو پکارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ:) ”(یا اللہ!) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت سے) نجات دے دی تو ہم ضرور بالضرور شکر گزار لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔“ ﴿۲۲﴾ لیکن جب اللہ اُن کو نجات دے دیتا ہے تو زیادہ دیر نہیں گذرتی کہ وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ ارے لوگو! تمہاری یہ سرکشی درحقیقت خود تمہارے اپنے خلاف پڑ رہی ہے۔ اب تو دُنیوی زندگی کے مزے اُڑالو، آخر کو ہمارے پاس ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے۔ اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ ﴿۲۳﴾

دُنیوی زندگی کی مثال تو کچھ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا جس کی وجہ سے زمین سے اُگنے والی وہ چیزیں خوب ہنسی ہو گئیں جو انسان اور مویشی کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا یہ زیور پہن لیا، اور سنگھار کر کے خوشنما ہو گئی، اور اُس کے مالک سمجھنے لگے کہ بس اب یہ پوری طرح اُن کے قابو میں ہے،

أَتَمَّا أَمْرًا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبِ الْإِمْسُ ۖ كَذَلِكَ  
 نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝۲۴ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ ۖ وَيَهْدِي مَنْ  
 يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۲۵ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ  
 وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۲۶

تو کسی رات یا دن کے وقت ہمارا حکم آگیا (کہ اُس پر کوئی آفت آجائے)، اور ہم نے اُس کو کٹی ہوئی  
 کھیتی کی سپاٹ زمین میں اس طرح تبدیل کر دیا جیسے کل وہ تھی ہی نہیں۔<sup>(۱۲)</sup> اسی طرح ہم نشانیوں کو اُن  
 لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور اللہ لوگوں کو  
 سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے تک پہنچا دیتا  
 ہے۔<sup>(۱۳)</sup> ﴿۲۵﴾ جن لوگوں نے بہتر کام کئے ہیں، بہترین حالت اُنہی کے لئے ہے، اور اُس سے  
 بڑھ کر کچھ اور بھی! نیز اُن کے چہروں پر نہ کبھی سیاہی چھائے گی، نہ ذلت۔ وہ جنت کے باسی ہیں!  
 وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۶﴾

(۱۲) دُنیا کی حالت بھی ایسی ہی ہے کہ اس وقت وہ بڑی خوبصورت اور بنی بھی معلوم ہوتی ہے، لیکن اوّل تو کبھی  
 قیامت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے کسی عذاب کی وجہ سے اُس کی ساری خوبصورتی ملیا میٹ ہو جاتی ہے، دوسرے  
 جب انسان کی موت کا وقت آتا ہے، تب بھی اُس کے لئے یہ دُنیا اندھیری ہو جاتی ہے، اور اگر ایمان اور عمل  
 صالح کی پونجی پاس نہ ہو تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ساری خوبصورتی درحقیقت ایک عذاب تھی۔ اور جب قیامت آئے گی  
 تب تو یہ ظاہری زیب و زینت بھی پوری دُنیا سے ختم ہو جائے گی۔

(۱۳) سلامتی کے گھر سے مراد جنت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت تو تمام انسانوں کے لئے عام ہے  
 کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے ذریعے جنت حاصل کریں، لیکن اُس تک پہنچنے کا جو سیدھا راستہ ہے اُس تک اللہ  
 تعالیٰ اُسی کو پہنچاتا ہے جسے وہ اپنی حکمت سے چاہتا ہے۔ اور اُس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اُسی کو پہنچایا جائے جو  
 اپنے اختیار اور ہمت کو کام میں لا کر جنت کی ضروری شرائط پوری کرے۔

(۱۴) وعدے کا یہ انتہائی لطیف پیرایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ”کچھ اور“ کو کھول کر بیان نہیں فرمایا، بلکہ پردے

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِشُلْهَا ۖ وَتَرَهَقَهُمْ ذُلَّةٌ ۖ مَا لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَانُوا غُشِيَتْ وُجُوهُهُمْ ۖ وَطَعَامٌ مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَبِعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ ۖ

رہے وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کمانی ہیں، تو (ان کی) برائی کا بدلہ اُسی جیسا برا ہوگا۔ اور اُن پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، اللہ (کے عذاب) سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ ایسا لگے گا جیسے اُن کے چہروں پر اندھیری رات کی تھیں چڑھادی گئی ہیں۔ وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۵﴾ اور (یاد رکھو) وہ دن جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا تھا، اُن سے کہیں گے کہ: ”ذرا اپنی جگہ ٹھہرو، تم بھی اور وہ بھی جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا تھا!“

میں رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں تمام بہترین نعمتوں کے علاوہ کچھ نعمتیں ایسی ہوں گی کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو بیان بھی فرمادیں تو اُن کی لذت اور حلاوت کو انسان اس وقت محسوس کر ہی نہیں سکتا۔ بس انسان کے سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اضافی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو انہی کی شان کے مطابق ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر یہ منقول ہے کہ جب تمام جنتی جنت کی نعمتوں سے سرشار اور اُن میں مگن ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا، اب ہم اُسے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ جنت کے لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں دوزخ سے بچا کر اور جنت عطا فرما کر سارے وعدے پورے کر دیئے ہیں۔ اب کونسا وعدہ رہ گیا؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنا حجاب ہٹا کر اپنی زیارت کرائیں گے، اور اُس وقت جنت والوں کو محسوس ہوگا کہ یہ نعمت اُن تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ اور محبوب ہے جو انہیں اب تک عطا ہوئی ہیں (روح المعانی بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ)۔

(۱۵) یعنی نیکیوں پر تو ثواب کئی کئی گنا دیا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی وہ نعمت بھی داخل ہے جس کا ابھی ذکر ہوا، لیکن برائی کی سزا اُسی برائی کے برابر ملے گی، اُس سے زیادہ نہیں۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا تَعْبُدُونَ ۝ فَاكْفَى بِاللَّهِ شَيْهِيْدًا  
 بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِلِيْنَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُو اَكْلًا نَفْسِ مَا  
 تَوْحَّجْتُمْ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ قُلْ  
 مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالاَرْضِ اَمْ مِنْ يَّبْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ  
 الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدْبِرُ الْاُمُورَ ۝

پھر اُن کے درمیان (عابد اور معبود کا) جو رشتہ تھا، ہم وہ ختم کر دیں گے، اور اُن کے وہ شریک کہیں گے کہ: ”تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے۔“ ﴿۲۸﴾ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ بننے کے لئے کافی ہے (کہ) ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔“ ﴿۲۹﴾ ہر شخص نے ماضی میں جو کچھ کیا ہوگا، اس موقع پر وہ خود اُس کو پرکھ لے گا، اور سب کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو اُن کا مالک حقیقی ہے، اور جو جھوٹ اُنہوں نے تراش رکھے تھے، اُن کا کوئی سراغ اُنہیں نہیں ملے گا۔ ﴿۳۰﴾ (اے پیغمبر! ان مشرکوں سے) کہو کہ: ”کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا بھلا کون ہے جو سننے اور دیکھنے کی قوتوں کا مالک ہے؟ اور کون ہے جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے باہر نکال لاتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟“

(۱۶) جن بتوں کو انہوں نے خدامان رکھا تھا، وہ تو بے جان تھے، اس لئے انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ ان کو زبان عطا فرمائیں گے تو شروع میں تو وہ صاف انکار کر دیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ پھر جب بعد میں انہیں پتہ چلے گا کہ یہ واقعی ان کی عبادت کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ اگر کرتے بھی تھے تو ہمیں اس کا پتہ نہیں تھا۔  
 (۱۷) یعنی ہر عمل کی قلعی کھل جائے گی کہ اُس کی حقیقت کیا تھی؟

فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۖ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾ فذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ إِلَّا الصُّلُ ۚ فَأَلَىٰ تُصْرُفُونَ ﴿۳۲﴾ كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَن يَبْدُو الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللَّهُ يَبْدُو الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ فَأَلَىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿۳۴﴾

تو یہ لوگ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ تو تم ان سے کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟“ ﴿۳۱﴾ پھر تو لوگو! وہی اللہ ہے جو تمہارا مالک برحق ہے۔ پھر حق واضح ہو جانے کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ اس کے باوجود تمہیں کوئی کہاں اٹلا لئے جا رہا ہے؟“ ﴿۳۲﴾ اسی طرح جن لوگوں نے نافرمانی کا شیوہ اپنایا ہے، اُن کے بارے میں اللہ کی یہ بات سچی ہو گئی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿۳۳﴾ کہو کہ: ”جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، کیا اُن میں کوئی ایسا ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرے، پھر (اُن کی موت کے بعد) اُنہیں دوبارہ پھر پیدا کر دے؟“ کہو کہ: ”اللہ ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اُن (کی موت کے بعد) اُنہیں دوبارہ پھر پیدا کر دے گا۔ پھر آخر کوئی تمہیں کہاں اوندھے منہ لئے جا رہا ہے؟“ ﴿۳۴﴾

(۱۸) عرب کے مشرکین یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ اُس نے بیشتر اختیارات مختلف دیوتاؤں کو سونپ دیئے ہیں جو خدائی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں، اور اب اُن کو راضی رکھنے کے لئے اُن کی عبادت کرنی چاہئے۔ اس لئے یہ آیت کریمہ اُن پر یہ حقیقت واضح کر رہی ہے کہ جب تم خود مانتے ہو کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر کسی اور کی عبادت کرنا کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

(۱۹) قرآن کریم نے مجہول کا جو صیغہ استعمال فرمایا ہے، آیت نمبر ۳۲ اور ۳۴ کے ترجمے میں اُس کا مفہوم ”کوئی“ کا لفظ بڑھا کر ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور بظاہر قرآن کریم نے مجہول کا صیغہ یہ اشارہ کرنے کے لئے استعمال فرمایا ہے کہ درحقیقت اُن کی نفسانی خواہشات ہیں جو اُنہیں الٹی سمت لے جا رہی ہیں۔

(۲۰) یعنی ان کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے جو بات لکھی ہوئی تھی کہ یہ لوگ اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے اختیار کو صحیح استعمال نہیں کریں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے، وہ بات سامنے آگئی۔



قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۖ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۖ أَفَنْ يَهْدِيَ إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْلِكَ ۚ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٥﴾ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَى مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٧﴾

کہو کہ: ”جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، کیا اُن میں کوئی ایسا ہے جو تمہیں حق کا راستہ دکھائے؟“ کہو کہ: ”اللہ حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ اب بتاؤ کہ جو حق کا راستہ دکھاتا ہو، کیا وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُس کی بات مانی جائے، یا وہ (زیادہ حق دار ہے) جس کو خود اُس وقت تک راستہ نہ سوجھے جب تک کوئی دوسرا اُس کی رہنمائی نہ کرے؟ بھلا تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ تم کس طرح کی باتیں طے کر لیتے ہو؟“ ﴿۳۵﴾ اور (حقیقت یہ ہے کہ) ان (مشرکین) میں سے اکثر لوگ کسی اور چیز کے نہیں، صرف وہی اندازے کے پیچھے چلتے ہیں، اور یہ یقینی بات ہے کہ حق کے معاملے میں وہی اندازہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔ یقین جانو، جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں، اللہ اُس کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۳۶﴾ اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اُسے کسی نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو، اللہ نے نہ اتارا ہو، بلکہ یہ (وحی کی) اُن باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں، اور اللہ نے جو باتیں (لوح محفوظ میں) لکھ رکھی ہیں، اُن کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ ﴿۳۷﴾ اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ اُس ذات کی طرف سے ہے جو تمام جہانوں کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۳۷﴾

(۲۱) اس فقرے میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قرآن کریم کا ماخذ کوئی انسانی دماغ نہیں، بلکہ وہ لوح محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے تشریحی اور تکوینی احکام ازل سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان احکام میں سے جن کی انسانوں کو ضرورت ہے، یہ قرآن اُن کی تفصیل بیان فرماتا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتِطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ  
 إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۸﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِهِ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ ۚ كَذَّابِ  
 كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ  
 بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۳۰﴾ وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ إِنِّي  
 عَمَلٌ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۳۱﴾  
 وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَعِذُّونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۲﴾

کیا پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”پیغمبر نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟“ کہو کہ: ”پھر تو تم بھی اس جیسی ایک ہی سورت (گھڑ کر) لے آؤ، اور (اس کام میں مدد لینے کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر سچے ہو۔“ ﴿۳۸﴾ بات دراصل یہ ہے کہ جس چیز کا احاطہ یہ اپنے علم سے نہیں کر سکے، اُسے انہوں نے جھوٹ قرار دے دیا، اور ابھی اس کا انجام بھی ان کے سامنے نہیں آیا۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے، انہوں نے بھی (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا۔ پھر دیکھو کہ ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۹﴾ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لے آئیں گے، اور کچھ وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور تمہارا پروردگار فساد پھیلانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو (ان سے) کہہ دو کہ: ”میرا عمل میرے لئے ہے، اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کام میں کرتا ہوں، اُس کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور جو کام تم کرتے ہو، اُس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔“ ﴿۴۱﴾ اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو تمہاری باتوں کو (بظاہر) کان لگا کر سنتے ہیں (مگر دل میں حق کی طلب نہیں رکھتے، اس لئے درحقیقت بہرے ہیں) تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے، چاہے وہ سمجھتے نہ ہوں؟ ﴿۴۲﴾

(۲۲) یعنی ان کے جھٹلانے کا انجام جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہونے والا ہے، ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا، لیکن پچھلی قوموں کے انجام سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ۖ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوا إِلَّا يَبْصُرُونَ ۝ (۳۲) إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ (۳۳) وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَانُ لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۖ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ (۳۴)

اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو تمہاری طرف دیکھتے ہیں، (مگر دل میں انصاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ اندھوں جیسے ہیں) تو کیا تم اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے، چاہے انہیں کچھ بھی سجھائی نہ دیتا ہو؟ ﴿۳۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، لیکن انسان ہیں جو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿۳۴﴾ اور جس دن اللہ ان کو (میدانِ حشر میں) اکٹھا کرے گا، تو انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دنیا میں یا قبر میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے (اسی لئے) وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ ﴿۳۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ اُن لوگوں نے بڑے گھائے کا سودا کیا ہے جنہوں نے اللہ سے (آخرت میں) جا ملنے کو جھٹلایا ہے، اور جو راہِ راست پر نہیں آئے۔ ﴿۳۵﴾

(۳۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر جو غیر معمولی شفقت تھی، اُس کی وجہ سے آپ اکثر اس بات سے غمگین رہتے تھے کہ یہ کافر لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یہ آیت آپ کو تسلی دے رہی ہے کہ آپ اُسی شخص کو راہِ راست پر لا سکتے ہیں جو دل میں حق کی طلب رکھتا ہو، لیکن جن لوگوں میں اس طلب ہی کا فقدان ہے، ان کی مثال تو بہروں اور اندھوں کی سی ہے کہ آپ کتنا ہی چاہیں، نہ انہیں کوئی بات سنا سکتے ہیں، نہ کوئی راستہ دکھا سکتے ہیں۔ ان کی ذمہ داری آپ پر نہیں، خود انہی پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں کہ دوزخ کا راستہ اپنا رکھا ہے۔

(۳۴) یعنی دنیوی زندگی انہیں اتنی قریب معلوم ہوگی کہ انہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں وہ دشواری پیش نہیں آئے گی جو کسی کو عرصہ دراز کے بعد دیکھنے کی وجہ سے عموماً پیش آیا کرتی ہے۔

وَأَمَّا رِيَّتْكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ تَكْفِيَّتْكَ فَاَلَيْسَ مَرْجِعُهُمْ شَمَّ اللَّهُ  
 شَهِيدٌ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ  
 بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾  
 قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ إِذَا  
 جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۚ وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ﴿٣٩﴾

اور (اے پیغمبر!) جن باتوں کی ہم نے ان (کافروں کو) دھمکی دی ہوئی ہے، چاہے اُن میں سے کوئی بات ہم تمہیں (تمہاری زندگی میں) دکھادیں، یا (اس سے پہلے) تمہاری روح قبض کر لیں، بہر صورت ان کو آخر میں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے، پھر (یہ تو ظاہر ہی ہے کہ) جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اس کا پورا پورا مشاہدہ کر رہا ہے۔ (لہذا وہاں ان کو سزا دے گا) ﴿۳۶﴾ اور ہر اُمت کے لئے ایک رسول بھیجا گیا ہے۔ پھر جب اُن کا رسول آجاتا ہے تو اُن کا فیصلہ پورے انصاف سے کیا جاتا ہے، اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ ﴿۳۷﴾ اور یہ (کافر) لوگ (مسلمانوں سے مذاق اڑانے کے لئے) کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو (اللہ کی طرف سے عذاب کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟“ ﴿۳۸﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ”میں تو خود اپنی ذات کو بھی نہ کوئی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں، نہ فائدہ پہنچانے کا، مگر جتنا اللہ چاہے۔ ہر اُمت کا ایک وقت مقرر ہے۔ چنانچہ جب اُن کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ اُس سے نہ ایک گھڑی پیچھے جاسکتے ہیں، نہ آگے آسکتے ہیں۔“ ﴿۳۹﴾

(۲۵) یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذاب کی دھمکی تو دی ہوئی ہے، لیکن اب تک اُن کی سرکشی اور مسلمانوں کے ساتھ کٹر دشمنی کے رویے کے باوجود اُن پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان کو عذاب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق اپنے وقت پر ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں ان کو دنیا میں سزا مل جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی عذاب نہ آئے، لیکن بہر صورت یہ بات طے ہے کہ جب یہ آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو انہیں ابدی عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَّاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعِجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾  
 أَتُمْ إِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهِ ؕ اَللّٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعِجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ  
 ظَلَمُوا اذْذُقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ؕ هَلْ تُجْرُونَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾  
 وَيَسْتَبْشِرُونَكَ اٰحَقُّ هُوَ ؕ قُلْ اِنِّىْ وَرَآئِىْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ؕ وَلَوْ  
 اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِى الْاَرْضِ لَا فَعْدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسْرُوا النَّدَامَةَ لِمَا رَاَوْا  
 الْعَذَابَ ؕ وَقَضٰى بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٣﴾ اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ  
 وَالْاَرْضِ ؕ اَلَا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٤﴾

ان سے کہو کہ: ”ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر رات کے وقت آئے یا دن کے وقت تو اُس میں کوئی ایسی (اشتقاق کے قابل) چیز ہے جس کے جلد آنے کا یہ مجرم لوگ مطالبہ کر رہے ہیں؟ ﴿۵۰﴾ کیا جب وہ عذاب آہی پڑے گا، تب اُسے مانو گے؟ (اُس وقت تو تم سے یہ کہا جائے گا کہ: ”اب مانے؟ حالانکہ تم ہی (اس کا انکار کر کے) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے!“ ﴿۵۱﴾ پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ: ”اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، صرف اُس (بدی) کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کماتے رہے ہو“ ﴿۵۲﴾ اور یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ”کیا یہ (آخرت کا عذاب) واقعی سچ ہے؟“ کہہ دو کہ: ”میرے پروردگار کی قسم! یہ بالکل سچ ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔“ ﴿۵۳﴾ اور جس جس شخص نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، اگر اُس کے پاس روئے زمین کی ساری دولت بھی ہوگی تو وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے اُس کی پیشکش کر دے گا۔ اور جب وہ عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیس گے تو اپنی شرمندگی کو چھپانا چاہیں گے۔ اور اُن کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا، اور اُن پر ظلم نہیں ہوگا ﴿۵۴﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۵۵﴾

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٦﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ۖ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا ۖ قُلْ أَلَا لِلَّهِ آذُنٌ لِّكُم مَّا عَلَى اللَّهِ تَقْتَرُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾

ع  
۱۱

وہی زندہ کرتا ہے، اور وہی موت دیتا ہے، اور اُسی کے پاس تم سب کو لوٹا یا جائے گا ﴿۵۶﴾ لوگو! تمہارے پاس ایک ایسی چیز آئی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نصیحت ہے، اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے، اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہے۔ ﴿۵۷﴾ (اے پیغمبر!) کہو کہ: ”یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوا ہے، لہذا اسی پر تو انہیں خوش ہونا چاہئے۔ یہ اُس تمام دولت سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر کر کے رکھتے ہیں“ ﴿۵۸﴾ کہو کہ: ”بھلا بتاؤ، اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا، تم نے اپنی طرف سے اُس میں سے کسی کو حرام اور کسی کو حلال قرار دے دیا!“ ان سے پوچھو کہ: ”کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہو؟“ ﴿۵۹﴾ اور جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں، روزِ قیامت کے بارے میں اُن کا کیا گمان ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اللہ انسانوں کے ساتھ فضل کا معاملہ کرنے والا ہے، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۶۰﴾

(۲۶) عرب کے مشرکین نے مختلف جانوروں کو بتوں کے ناموں پر کر کے انہیں خواہ مخواہ حرام قرار دے دیا تھا، جس کی تفصیل سورۃ الانعام (۵: ۱۳۸ و ۱۳۹) میں گزری ہے۔ یہ ان کی اس بد عملی کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأٍ وَمَا تَسْأَلُوهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝  
 إِلَّا إِنْ أُولِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

اور (اے پیغمبر!) تم جس حالت میں بھی ہوتے ہو، اور قرآن کا جو حصہ بھی تلاوت کرتے ہو، اور (اے لوگو!) تم جو کام بھی کرتے ہو، تو جس وقت تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو، ہم تمہیں دیکھتے رہتے ہیں۔ اور تمہارے رب سے کوئی ذرہ برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے، نہ زمین میں نہ آسمان میں، نہ اس سے چھوٹی، نہ بڑی، مگر وہ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ ﴿۶۱﴾ یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں، اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ﴿۶۲﴾

(۲۷) قیامت میں انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو مشرکین عرب اس وجہ سے ناممکن سمجھتے تھے کہ اربوں انسان جب مرکز مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو چکے ہوں گے، اُس کے بعد اُن سب کو اکٹھا کر کے دوبارہ زندگی کیسے دی جاسکتی ہے؟ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ مٹی کا کونسا ذرہ دراصل کس انسان کے جسم کا حصہ تھا۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کو اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

(۲۸) اللہ کے دوست کی تشریح اگلی آیت میں کر دی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی صفات رکھتے ہوں۔ ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ انہیں نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا، اور نہ ماضی کی کسی بات کا کوئی غم ہوگا۔ کہنے کو یہ مختصر سی بات ہے، لیکن دیکھا جائے تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ دنیا میں اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ دنیا میں ہر انسان کو، خواہ وہ کتنا خوشحال ہو، ہر وقت مستقبل کا کوئی نہ کوئی خوف اور ماضی کا کوئی نہ کوئی رنج پریشان کرتا ہی رہتا ہے۔ یہ نعمت صرف جنت ہی میں حاصل ہوگی کہ انسان ہر طرح کے خوف اور صدمے سے بالکل آزاد ہو جائے گا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي  
 الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزَنكَ  
 قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۖ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مِنْ فِي  
 السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
 شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي  
 جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصَرًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ  
 يُسْمِعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۚ

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور تقویٰ اختیار کیے رہے ﴿۶۳﴾ ان کے لئے خوشخبری ہے  
 دنیوی زندگی میں بھی، اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی  
 زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۶۴﴾ اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو بائیں پٹاتے ہیں، وہ ہمیں رجحان  
 نہ کریں۔ یقین رکھو کہ اقتدار تمام تر اللہ کا ہے، اور وہ ہر بات سننے والا، سب کچھ جاننے والا  
 ہے۔ ﴿۶۵﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں  
 ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ کوئی اللہ کے (حقیقی) شرکاء کی پیروی  
 نہیں کرتے۔ وہ کسی اور چیز کی نہیں، محض گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور ان کا کلام اس کے سوا  
 کچھ نہیں کہ اندازوں کے تیر چلاتے رہیں۔ ﴿۶۶﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہارا رب بنائے رکھا  
 بنائی، تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو ایسا بنایا جو تمہیں دیکھنے کی صلاحیت دے۔ اس  
 میں یقیناً ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہوں۔ ﴿۶۷﴾ (کچھ لوگوں نے  
 کہہ دیا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ پاک ہے اُس کی ذات!



هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلٰطٰنٍ بِهٰذَا  
 اَتَقُولُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبَ لَا  
 يُفْلِحُوْنَ ۝۶۹ مَتَاعٌ فِى الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنٰزِلُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا  
 كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ وَاَثَلْ عَلَيْهِمْ نَبَا نُوْحٍ ۚ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ لَقَوْمِ اِيقُمْوْا اِنْ كَانَ كِبَرَ  
 عَلَيْكُمْ مَّقَامِىْ وَتَذَكَّرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلِ اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ  
 وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَىَّ وَلَا تَنْظُرُوْنَ ۝۷۱

وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس بات کی ذرا بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں؟ ﴿۶۸﴾ کہہ دو کہ: ”جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے۔“ ﴿۶۹﴾ (ان کے لئے) بس دُنیا میں تھوڑا سا مزہ ہے۔ پھر ہمارے پاس ہی انہیں لوٹ کر آنا ہے۔ پھر کفر کا جو رویہ انہوں نے اپنا رکھا تھا، اُس کے بدلے ہم انہیں شدید عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۷۰﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے نوح کا واقعہ پڑھ کر سناؤ، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”میری قوم کے لوگو! اگر تمہارے درمیان میرا رہنا، اور اللہ کی آیات کے ذریعے خبردار کرنا تمہیں بھاری معلوم ہو رہا ہے تو میں نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اب تم اپنے شریکوں کو ساتھ ملا کر (میرے خلاف) اپنی تدبیروں کو خوب پختہ کر لو، پھر جو تدبیر تم کرو وہ تمہارے دل میں کسی گھٹن کا باعث نہ بنے، بلکہ میرے خلاف جو فیصلہ تم نے کیا ہو، اُسے (دل کھول کر) کر گذرو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو، ﴿۷۱﴾

(۲۹) یعنی اولاد کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ یا تو وہ زندگی کے کاموں میں باپ کی مدد کرے، یا کم از کم اُسے نفسیاتی طور پر صاحبِ اولاد ہونے کی خواہش ہو، اللہ تعالیٰ ان دونوں باتوں سے بے نیاز ہے، اس لئے اُسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاءَ لَكُمْ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أكونَ  
 مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوهُ فَتَبَايَعُوا فِى الْفُلِ وَجَعَلْنَاهُمْ خُلَفَاءَ  
 وَأَعْرَفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ  
 بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا يَؤْمِنُوا بِهَا  
 كَذَّبُوا بِهَا مِنْ قَبْلُ ۖ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿۴۹﴾

پھر بھی اگر تم نے منہ موڑے رکھا تو میں نے تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت تو نہیں مانگی۔ میرا اجر  
 کسی اور نے نہیں، اللہ نے ذمے لیا ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں بردار لوگوں میں شامل  
 رہوں۔ ﴿۴۷﴾ پھر ہوا یہ کہ اُن لوگوں نے نوح کو جھٹلایا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے نوح کو اور جو لوگ  
 اُن کے ساتھ کشتی میں تھے انہیں بچالیا، اور اُن کو کافروں کی جگہ زمین میں بسایا، اور جن لوگوں نے  
 ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، انہیں (طوفان میں) غرق کر دیا۔ اب دیکھو کہ جن لوگوں کو خبردار کیا گیا  
 تھا، اُن کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۴۸﴾ اس کے بعد ہم نے مختلف پیغمبر اُن کی اپنی اپنی قوموں کے پاس  
 بھیجے، وہ اُن کے پاس کھلے کھلے دلائل لے کر آئے، لیکن اُن لوگوں نے جس بات کو پہلی بار جھٹلایا تھا  
 اُسے مان کر ہی نہ دیا۔ جو لوگ حد سے گذر جاتے ہیں، اُن کے دلوں پر ہم اسی طرح مہر لگا دیتے  
 ہیں۔ ﴿۴۹﴾

(۳۰) مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے اپنی تبلیغ پر کوئی اجرت وصول کرنی ہوتی تو تمہارے جھٹلانے سے میرا نقصان  
 ہو سکتا تھا کہ میری اجرت ماری جاتی، لیکن مجھے تو کوئی اجرت وصول کرنی ہی نہیں ہے، اس لئے تمہارے جھٹلانے  
 سے میرا کوئی ذاتی نقصان نہیں ہے۔

(۳۱) حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کی مزید تفصیل اگلی سورت یعنی سورۃ ہود (۱۱: ۴۵ تا ۴۹) میں آنے  
 والی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا  
وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٤٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا السِّحْرُ  
مُبِينٌ ﴿٤٦﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لِسَاءَ جَاءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَذَا وَلَا يُفْلِحُ  
السَّحَرُونَ ﴿٤٧﴾ قَالُوا أَجِئْنَا بِتِلْكَ آعَابٍ وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونُ لَكُمُ  
الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَمَنْ خُنْ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ اسْتَوْنِي بِجُلِّي  
سُحْرِ عَلَيْهِمْ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِمُمْسَى الْقَوْمَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٥٠﴾

اس کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا، تو انہوں نے تکبر کا معاملہ کیا، اور وہ مجرم لوگ تھے۔ ﴿۴۵﴾ چنانچہ جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق کا پیغام آیا تو وہ کہنے لگے کہ ضرور یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۴۶﴾ موسیٰ نے کہا: ”کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آچکا ہے؟ بھلا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پایا کرتے۔“ ﴿۴۷﴾ کہنے لگے: ”کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس طور طریقے پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اُس سے ہمیں برگشتہ کردو، اور اس سرزمین میں تم دونوں کی چودھراہٹ قائم ہو جائے؟ ہم تو تم دونوں کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔“ ﴿۴۸﴾ اور فرعون نے (اپنے ملازموں سے) کہا کہ: ”جتنے ماہر جادوگر ہیں، اُن سب کو میرے پاس لے کر آؤ۔“ ﴿۴۹﴾ چنانچہ جب جادوگر آ گئے، تو موسیٰ نے اُن سے کہا: ”پھینکو جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے۔“ ﴿۵۰﴾

(۳۲) جادو کی یوں تو بہت سی قسمیں ہوتی ہیں، لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھایا تھا، اُس میں انہوں نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی تھی، اور وہ سانپ بن گئی تھی، اس لئے مقابلے پر جو جادوگر بلائے گئے اُن کے بارے میں ظاہر یہی تھا کہ وہ اسی قسم کا کوئی جادو دکھائیں گے کہ کوئی چیز پھینک کر سانپ بنادیں، تاکہ یہ باور کرایا جاسکے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بھی اسی قسم کا کوئی جادو ہے۔

فَلَمَّا أَتَوْا قَالُوا مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السَّحَرُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾ وَيُحَقِّقُ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾ فَمَا أَصْبَرُ لِلْصُّلَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّتُهُ ۚ مِّنْ قَوْمٍ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يُقَوْمُ إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا ۖ إِن كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٨٥﴾

پھر جب انہوں نے (اپنی لاشیوں اور رسیوں کو) پھینکا (اور وہ سانپ بن کر چلتی ہوئی نظر آئیں) تو موسیٰ نے کہا کہ: ”یہ جو کچھ تم نے دکھایا ہے، جادو ہے۔ اللہ ابھی اس کو ملیا میٹ کئے دیتا ہے۔ اللہ فساد یوں کا کام بننے نہیں دیتا ﴿۸۱﴾ اور اللہ سچ کو اپنے حکم سے سچ کر دکھاتا ہے، چاہے مجرم لوگ کتنا برا سمجھیں۔“ ﴿۸۲﴾ پھر ہوا یہ کہ موسیٰ پر کوئی اور نہیں، لیکن خود اُن کی قوم کے کچھ نوجوان فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے کہ کہیں فرعون انہیں نہ ستائے۔ اور یقیناً فرعون (۳۳) زمین میں بڑا زور آور تھا، اور وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر قائم نہیں رہتے۔ ﴿۸۳﴾ اور موسیٰ نے کہا: ”اے میری قوم! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ رکھو، اگر تم فرماں بردار ہو“ ﴿۸۴﴾ اس پر انہوں نے کہا کہ ”اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کر لیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈالنے۔“ ﴿۸۵﴾

(۳۳) شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بنو اسرائیل کے کچھ نوجوان ایمان لائے تھے، اور وہ بھی فرعون اور اُس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے، اور فرعون کے سرداروں کو ان نوجوانوں کا سردار اس لئے کہا گیا ہے کہ عملاً وہ ان کے حاکم تھے۔

وَنَجَّابِرْحِمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٨٧﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ  
 لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بَيْوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ  
 الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِهِ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي  
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ  
 قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٨٩﴾

اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے دیجئے“ ﴿۸۶﴾ اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی  
 پر وحی بھیجی کہ: ”تم دونوں اپنی قوم کو مصر ہی کے گھروں میں بساؤ، اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ  
 بنالو، اور (اس طرح) نماز قائم کرو، اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو۔“ ﴿۸۷﴾ اور موسیٰ  
 نے کہا: ”اے ہمارے پروردگار! آپ نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دُنیوی زندگی میں بڑی سچ  
 دھج اور مال و دولت بخشی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے  
 راستے سے بھٹکا رہے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! اُن کے مال و دولت کو تھس نہس کر دیجئے، اور  
 اُن کے دلوں کو اتنا سخت کر دیجئے کہ وہ اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب  
 آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔“ ﴿۸۸﴾

(۳۴) اس آیت میں ایک تو بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ابھی وہ مصر سے ہجرت نہ کریں، بلکہ اپنے گھروں میں  
 ہی رہیں۔ دوسری طرف بنو اسرائیل کو اصل حکم یہ تھا کہ وہ نمازیں مسجد میں ادا کیا کریں۔ گھروں میں نماز پڑھنا اُن  
 کے لئے عام حالات میں جائز نہیں تھا، لیکن چونکہ اُس وقت فرعون کی طرف سے پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری تھا، اس  
 لئے اس خاص مجبوری کی حالت میں اس حکم کے ذریعے انہیں گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

(۳۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کرتے ہوئے مدت گزر چکی تھی جس کے بعد نہ صرف وہ مایوس ہو چکے تھے،  
 بلکہ فرعون نے جو مظالم ڈھائے تھے، وہ اتنے انسانیت سوز تھے کہ کوئی انصاف پسند انسان اُس کو سزا کے بغیر چھوڑ  
 دینا پسند نہیں کر سکتا تھا۔ نیز شاید اُن کو وحی سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ فرعون کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، اس  
 لئے انہوں نے آخر میں یہ بدو عافرمائی۔

قَالَ قَدْ أُجِيبْتُ دَعْوَتُكُمْ فَاسْتَقِيبُوا وَلَا تَتَّبِعْنِ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ وَاجْزُؤْنَا بِبَنِي إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فَرَعَوْنُ وَجُودُكَ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَلَمِي إِذْ آذَرَكَ الْعَرَقُ ﴿٩٠﴾ قَالَ امْنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي امْنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَآءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ أَلَنْ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩٢﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً ﴿٩٣﴾ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنِ أَيْتِنَا لَغَفُلُونَ ﴿٩٤﴾

ع ۱۳

اللہ نے فرمایا: ”تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے۔ اب تم دونوں ثابت قدم رہو، اور اُن لوگوں کے پیچھے ہرگز نہ چلنا جو حقیقت سے ناواقف ہیں۔“ ﴿۸۹﴾ اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر پار کرادیا، تو فرعون اور اُس کے لشکر نے بھی ظلم اور زیادتی کی نیت سے اُن کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے کا انجام اُس کے سر پر آ پہنچا تو کہنے لگا: ”میں مان گیا کہ جس خدا پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں بھی فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں“ ﴿۹۰﴾ (جواب دیا گیا کہ:) ”اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا، اور مسلسل فساد ہی مچاتا رہا“ ﴿۹۱﴾ لہذا آج ہم تیرے (صرف) جسم کو بچائیں گے، تاکہ تو اپنے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے، (کیونکہ) ﴿۹۲﴾ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل بنے ہوئے ہیں“ ﴿۹۳﴾

(۳۶) قانونِ قدرت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب سر پر آ کر آنکھوں سے نظر آنے لگے، یا جب کسی پر نزع کی حالت طاری ہو جائے، تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور اُس وقت کا ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ اس لئے اب فرعون کے عذاب سے نجات پانے کی تو کوئی صورت نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو محفوظ رکھا۔ وہ لاش سمندر کی تہہ میں جانے کے بجائے پانی کی سطح پر تیرتی رہی، تاکہ سب دیکھنے والے اُسے دیکھ سکیں۔ اتنی بات

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَآءَ يُلُّ مَبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا  
 حَتَّى جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ  
 يَخْتَلِفُونَ ﴿۹۱﴾ فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْأَلِ الَّذِينَ يُقْرَأُونَ  
 الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ﴿۹۲﴾

اور ہم نے بنو اسرائیل کو ایسی جگہ بسایا جو صحیح معنی میں بسنے کے لائق جگہ تھی، اور اُن کو پاکیزہ چیزوں کا  
 رزق بخشا۔ پھر انہوں نے (دین حق کے بارے میں) اُس وقت تک اختلاف نہیں کیا جب تک اُن  
 کے پاس علم نہیں آگیا۔<sup>(۹۱)</sup> یقین رکھو کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے، اُن کا فیصلہ تمہارا  
 پروردگار قیامت کے دن کرے گا۔ ﴿۹۲﴾ پھر (اے پیغمبر!) اگر (بفرض محال) تمہیں اُس کلام میں  
 ذرا بھی شک ہو جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے تو اُن لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے سے (آسمانی)  
 کتاب پڑھتے ہیں۔ یقین رکھو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہی آیا ہے، لہذا  
 تم کبھی بھی شک کرنے والوں میں شامل نہ ہونا۔ ﴿۹۲﴾<sup>(۹۲)</sup>

تو اس آیت سے واضح ہے۔ اب آخری زمانے کے مؤرخین نے یہ تحقیق کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے  
 زمانے میں جو فرعون تھا، اُس کا نام مفتاح تھا، اور اُس کی لاش صحیح سلامت دریافت ہو گئی ہے۔ اب تک یہ لاش  
 قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے، اور سامانِ عبرت بنی ہوئی ہے۔ اگر یہ تحقیق درست ہے تو یہ آیت کریمہ قرآن  
 کریم کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب لوگوں کو یہ معلوم بھی نہیں تھا  
 کہ فرعون کی لاش اب بھی محفوظ ہے۔ سائنسی طور پر اس کا انکشاف بہت بعد میں ہوا۔

(۳۷) یعنی بنی اسرائیل کا عقیدہ ایک مدت تک دین حق کے مطابق ہی رہا۔ تو رات اور انجیل میں آخری نبی صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جو خبر دی گئی تھی، اُس کے مطابق وہ یہ بھی مانتے تھے کہ آخر میں نبی آخر الزماں صلی  
 اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں۔ لیکن جب آسمانی کتابوں میں مذکور نشانوں کے ذریعے یہ علم آگیا کہ وہ  
 نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اُس وقت انہوں نے دین حق سے اختلاف شروع کر دیا۔

(۳۸) اس آیت میں اگرچہ بظاہر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ کو

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝۵۰ إِنَّ  
 الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۵۱ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ  
 حَتَّى يَدْرُوا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝۵۲ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا  
 قَوْمَ يُونُسَ ۝ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ  
 مَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝۵۳

نیز کبھی ہرگز اُن لوگوں میں شامل نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا ہے، ورنہ تم اُن لوگوں میں  
 شامل ہو جاؤ گے جنہوں نے گھائے کا سودا کر لیا ہے۔ ﴿۹۵﴾ بیشک جن لوگوں کے بارے میں  
 تمہارے رب کی بات طے ہو چکی ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے، ﴿۹۶﴾ چاہے ہر قسم کی نشانی اُن  
 کے سامنے آجائے، یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ ﴿۹۷﴾ بھلا کوئی  
 بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایسے وقت ایمان لے آئی کہ اُس کا ایمان اُسے فائدہ پہنچا سکتا؟ البتہ  
 صرف یونس کی قوم کے لوگ ایسے تھے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دُنیوی زندگی میں رُسوائی  
 کا عذاب اُن سے اُٹھالیا، اور اُن کو ایک مدت تک زندگی کا لطف اُٹھانے دیا۔ ﴿۹۸﴾

قرآن کریم کی سچائی میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے درحقیقت سنا دو سروں کو مقصود ہے کہ جب آپ کو یہ  
 انتباہ کیا جا رہا ہے تو دوسروں کو تو اور زیادہ محتاط ہونا چاہئے۔

(۳۹) پچھلی آیتوں میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی تھی کہ کسی انسان کے لئے ایمان لانا اسی وقت کارآمد ہوتا ہے  
 جب وہ موت سے پہلے اور عذاب الہی کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لائے۔ جب عذاب آجاتا ہے تو اُس  
 وقت ایمان لانا کارآمد نہیں ہوتا۔ اس اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ پچھلی جتنی قوموں پر عذاب آیا،  
 اُن سب کا حال یہ تھا کہ وہ عذاب کو دیکھنے سے پہلے ایمان نہیں لائے، اس لئے عذاب کا شکار ہوئے۔ البتہ ایک  
 یونس علیہ السلام کی قوم ایسی تھی کہ وہ عذاب کے نازل ہونے سے ذرا پہلے ایمان لے آئی تھی، اس لئے اُس کا



وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَبِيْعًا ۖ أَفَأَنْتَ تُهْدِيهِ النَّاسَ حَتَّىٰ  
يَكُونُوا مَوْمِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَجْعَلُ  
الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٠﴾ قُلْ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَمَا تُعْنِي الْأَيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠١﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو رُوئے زمین پر بسنے والے سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو کیا تم لوگوں پر  
زبردستی کرو گے تاکہ وہ سب مومن بن جائیں؟ ﴿۹۹﴾ اور کسی بھی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ  
وہ اللہ کی اجازت کے بغیر مومن بن جائے، اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، اللہ ان پر گندگی مسلط  
کر دیتا ہے۔ ﴿۱۰۰﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”ذرا نظر دوڑاؤ کہ آسمانوں اور زمین میں کیا  
کیا چیزیں ہیں؟“ لیکن جن لوگوں کو ایمان لانا ہی نہیں ہے، اُن کے لئے (زمین و آسمان میں پھیلی  
ہوئی) نشانیاں اور آگاہ کرنے والے (پیغمبر) کچھ بھی کارآمد نہیں ہوتے۔ ﴿۱۰۱﴾

ایمان منظور کر لیا گیا، اور اُس کی وجہ سے اُس پر آنے والا عذاب ہٹا لیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ یہ ہوا  
تھا کہ جب وہ اپنی قوم کو عذاب کی پیشگوئی کر کے بستی سے چلے گئے تو اُن کی قوم کو ایسی علامتیں نظر آئیں جن سے  
انہیں حضرت یونس علیہ السلام کے انتباہ کے سچے ہونے کا یقین ہو گیا، چنانچہ وہ عذاب کے آنے سے پہلے ہی  
ایمان لے آئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے کی پوری تفصیل ان شاء اللہ سورہ صافات (۱۳۹:۳۷)  
میں آئے گی۔ ان کے واقعے کا مختصر ذکر سورہ انبیاء (۸۷:۲۱) اور سورہ قلم (۴۸:۶۸) میں بھی آیا ہے۔

(۴۰) یعنی اللہ تعالیٰ زبردستی سب کو مومن بنا سکتا تھا، لیکن چونکہ دُنیا کے دارالامتحان میں ہر شخص سے مطالبہ یہ  
ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی اور اختیار سے ایمان لائے، اس لئے کسی کو زبردستی مسلمان کرنا نہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے،  
نہ کسی اور کے لئے جائز ہے۔

(۴۱) اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کائنات میں کچھ نہیں ہو سکتا، لہذا اُس کے بغیر کسی کا ایمان لانا بھی ممکن نہیں، لیکن  
جو شخص اپنی سمجھ اور اختیار کو صحیح استعمال کر کے ایمان لانا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے ایمان کی توفیق دے دیتا ہے،  
اور جو شخص عقل اور اختیار سے کام نہ لے، اُس پر کفر کی گندگی مسلط ہو جاتی ہے۔

(۴۲) اس کائنات کی ہر چیز کو اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا شاہکار

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِلَيَّ مَعَكُمْ  
 مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ ۝۱۰۲ ثُمَّ نُنْجِي الرُّسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِي  
 الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۰۳ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ  
 تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَقَّعُكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ  
 الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۰۴ وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۱۰۵

بھلا بتاؤ کہ یہ لوگ (ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُس طرح  
 کے دن یہ بھی دیکھیں جیسے ان سے پہلے کے لوگوں نے دیکھے تھے؟ کہہ دو کہ: ”اچھا! تم انتظار کرو،  
 میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں“ ﴿۱۰۲﴾ پھر (جب عذاب آتا ہے تو) ہم اپنے پیغمبروں کو اور جو  
 لوگ ایمان لے آتے ہیں، ان کو نجات دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے یہ بات اپنے ذمے لے  
 رکھی ہے کہ ہم تمام (دوسرے) مؤمنوں کو بھی نجات دیں۔ ﴿۱۰۳﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ:  
 ”اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو تو (سن لو کہ) تم اللہ کے سوا جن  
 جن کی عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں اُس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری  
 روح قبض کرتا ہے۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مؤمنوں میں شامل رہوں۔ ﴿۱۰۴﴾ اور (مجھ  
 سے) یہ (کہا گیا ہے) کہ: ”اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ اس دین کی طرف قائم رکھنا، اور ہرگز اُن  
 لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مانتے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾

ہے، اُس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ محیر العقول کا رخا نہ خود بخود وجود میں نہیں آگیا، اسے اللہ تعالیٰ نے  
 پیدا کیا ہے، بلکہ اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جو ذات اتنی عظیم کائنات پیدا کرنے پر قادر ہے، اُسے اپنی  
 خدائی کے لئے کسی شریک یا مددگار کی حاجت نہیں ہے، لہذا وہ ہے، اور ایک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔

اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے

اس آئینہ خانے میں تو کیسا ہی رہے گا

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ  
 الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾ وَإِنْ يَسْسُكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ  
 فَلَا رَآءَ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ عِبَادُهُ ۚ وَهُوَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱﴾  
 قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي  
 لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱۲﴾ وَاتَّبِعْ مَا  
 يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۱۳﴾

اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسے (من گھڑت معبود) کو نہ پکارنا جو تمہیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا  
 ہے، نہ کوئی نقصان۔ پھر بھی اگر تم (بفرض محال) ایسا کر بیٹھے تو تمہارا شمار بھی ظالموں میں  
 ہوگا۔ ﴿۱۰﴾ اور اگر تمہیں اللہ کوئی تکلیف پہنچادے تو اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُسے  
 دُور کر دے، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانے کا ارادہ کر لے تو کوئی نہیں ہے جو اُس کے فضل  
 کا رخ پھیر دے۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے، اور وہ بہت  
 بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۱﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”لوگو! تمہارے پروردگار کی  
 طرف سے تمہارے پاس حق آگیا ہے۔ اب جو شخص ہدایت کا راستہ اپنائے گا، وہ خود اپنے  
 فائدے کے لئے اپنائے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، اُس کی گمراہی کا نقصان خود اُسی کو  
 پہنچے گا، اور میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔“ ﴿۱۲﴾ اور جو وحی تمہارے پاس بھیجی  
 جارہی ہے، تم اُس کی اتباع کرو، اور صبر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ کوئی فیصلہ کر دے، اور وہ بہترین  
 فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿۱۳﴾

(۴۳) یعنی میرا کام دعوت اور تبلیغ ہے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، اور تمہارے کفر اور بد اعمالیوں کی مجھ سے پوچھ  
 نہیں ہوگی۔

(۴۴) مکی زندگی میں حکم یہ تھا کہ کفار کی طرف سے پہنچنے والی ہر تکلیف پر صبر کیا جائے، ہاتھوں سے انتقام لینے کی اجازت نہیں تھی۔ اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ وہی ان کے بارے میں مناسب فیصلہ کرے گا، چاہے اس طرح کہ دنیا میں ان کو عذاب دے یا آخرت میں، اور چاہے اس طرح کہ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے جس کے ذریعے ان کی زیادتیوں کا بدلہ لیا جاسکے۔

الحمد للہ، سورۃ یونس کا ترجمہ اور حواشی آج جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ کی پہلی رات مطابق ۳۰ مئی ۲۰۰۶ء کو دبی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنے فضل و کرم سے اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ هُود

## تعارف

یہ سورت بھی مکی ہے، اور اس کے مضامین پچھلی سورت کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں، البتہ سورہ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے، اس سورت میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اُسلوب میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بڑی بڑی زور آور قوموں کو تباہ کر چکی ہے، اور جب انسان اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب کا مستحق ہو جائے تو چاہے وہ کتنے بڑے پیغمبر سے قریبی رشتہ رکھتا ہو، اُس کا یہ رشتہ اُسے عذابِ الہی سے نہیں بچا سکتا، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو نہیں بچا سکا۔ اس سورت میں عذابِ الہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں اور دین پر استقامت کا حکم اتنی تاکید سے فرمایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود اور اُس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ ان سورتوں میں جو تنبیہ کی گئی ہے، اُس کی بنا پر آپ کو اپنی اُمت کے بارے میں بھی یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے اسی طرح کے کسی عذاب کا شکار نہ ہو جائے۔

ایاتھا ۱۲۳ ۱۱ سُورَةُ هُودٍ مَكِّيَّةٌ ۵۲ رُكُوعَاتُهَا ۱۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الرَّ كَتَبْتُ أَحْكِمْتُ إِلَيْهِ ثُمَّ فُصِّلْتُ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ① أَلَّا تَعْبُدُوا  
إِلَّا اللَّهَ ② إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ③ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا  
إِلَيْهِ يُبْتَغِمْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ④

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو تیس آیتیں اور دس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الر۔ (۱) یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط کیا گیا ہے، پھر ایک ایسی ذات کی طرف  
سے اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے۔ ﴿۱﴾ (یہ  
کتاب پیغمبر کو حکم دیتی ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہیں) کہ: ”اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں اُس  
کی طرف سے تمہیں آگاہ کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔“ ﴿۲﴾ اور یہ (ہدایت دیتا)  
کہ: ”اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رجوع کرو، وہ تمہیں ایک مقرر  
وقت تک (زندگی سے) اچھا لطف اٹھانے کا موقع دے گا، اور ہر اُس شخص کو جس نے زیادہ عمل کیا  
ہوگا، اپنی طرف سے زیادہ اجر دے گا۔

(۱) جیسا کہ پچھلی سورت میں عرض کیا گیا، ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں، اور ان کے صحیح معنی اللہ تعالیٰ کے سوا  
کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

(۲) مضبوط کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ دلائل کے لحاظ سے مکمل ہیں اور ان میں  
کوئی نقص نہیں ہے۔

(۳) یہاں رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف معافی مانگ لینا کافی نہیں، آئندہ کے لئے گناہوں سے بچتے  
اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کا عزم بھی ضروری ہے۔



وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝۳ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۴ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينٍ يَسْتَعْشُونَ شِيَابَهُمْ لَا يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۵ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ يَرْزُقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝۶

اور اگر تم نے منہ موڑا تو مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ﴿۳﴾ اللہ ہی کے پاس تمہیں لوٹ کر جانا ہے، اور وہ ہر چیز کی پوری قدرت رکھتا ہے، ﴿۴﴾ دیکھو، یہ (کافر) لوگ اپنے سینوں کو اُس سے چھپنے کے لئے دُہرا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھو جب یہ اپنے اُوپر کپڑے لپیٹتے ہیں، اللہ اُن کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں، اور وہ بھی جو یہ علی الاعلان کرتے ہیں۔ ﴿۵﴾ یقیناً اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کا (بھی) پورا پورا علم رکھتا ہے ﴿۵﴾ اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمے نہ لے رکھا ہو۔ وہ اُس کے مستقل ٹھکانے کو بھی جانتا ہے، اور عارضی ٹھکانے کو بھی۔ ہر بات ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ ﴿۶﴾

(۴) بہت سے مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، تاکہ آپ کی کوئی بات ان کے کان میں نہ پڑے، چنانچہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتے تو وہ اپنے سینوں کو دُہرا کر کے اور اپنے اُوپر کپڑے لپیٹ کر وہاں سے کھسک جاتے تھے۔ اسی طرح بعض احمق کوئی گناہ کا کام کرتے تو اُس وقت بھی اپنے آپ کو چھپانے کے لئے دُہرے ہو جاتے، اور اپنے اُوپر کپڑے لپیٹ لیتے، اور اس طرح یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ گئے۔ یہ آیت ان دونوں قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۚ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

ع

اور وہی ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔<sup>(۵)</sup> تاکہ تمہیں آزمائے کہ عمل کے اعتبار سے تم میں کون زیادہ اچھا ہے۔<sup>(۶)</sup> اور اگر تم (لوگوں سے) یہ کہو کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ یہ کہیں گے کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔<sup>(۷)</sup> اور اگر ہم ان لوگوں سے کچھ عرصے کے لئے عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ یہی کہتے رہیں گے کہ: ”آخر کس چیز نے اس (عذاب) کو روک رکھا ہے؟“<sup>(۸)</sup> ارے جس دن وہ عذاب آگیا، تو وہ ان سے ٹلائے نہیں ٹلے گا، اور جس چیز کا یہ مذاق اڑا رہے ہیں، وہ ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گی۔ ﴿۸﴾

(۵) اس سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی کی تخلیق زمین اور آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔ اور مفسرین نے فرمایا ہے کہ آسمانوں سے مراد عالم بالا کی تمام چیزیں ہیں، اور زمین سے مراد نیچے کی تمام چیزیں ہیں، اور سورہ طہ السجدة (آیت: ۱۰ و ۱۱) میں اس تخلیق کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

(۶) اس آیت نے واضح فرمایا ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے کا اصل مقصد انسان کی آزمائش ہے۔ اور آزمائش یہ ہے کہ کون اچھا عمل کرتا ہے، یہ نہیں کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفلی اعمال کی گنتی سے زیادہ انسان کو اس کی فکر کرنی چاہئے کہ اس کا عمل اخلاص اور خضوع و خشوع کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو۔

(۷) یعنی یہ قرآن جو آخرت کی زندگی کی خبر دے رہا ہے، یہ (معاذ اللہ) جادو ہے۔

(۸) یہ بات کہہ کر وہ دراصل آخرت اور عذاب الہی کا مذاق اڑاتے تھے۔

وَلَمَّا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۖ إِنَّهُ لَكَفُورٌ ۝۹ وَلَمَّا أَذَقْنَاهُ نُعْمَاءً بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لِيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۖ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝۱۰ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝۱۱ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كُتْرٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝۱۲

اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں، پھر وہ اُس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ مایوس (اور) ناشکر ابن جاتا ہے ﴿۹﴾ اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اُسے نعمتوں کا مزہ چکھا دیں تو وہ کہتا ہے کہ ساری برائیاں مجھ سے دُور ہو گئیں۔ (اس وقت) وہ اتر کر شیخیاں بگھارنے لگتا ہے۔ ﴿۱۰﴾ ہاں! مگر جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، اور نیک عمل کرتے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں۔ ان کو مغفرت اور بڑا اجر نصیب ہوگا۔ ﴿۱۱﴾ پھر (اے پیغمبر!) جو وحی تم پر نازل کی جا رہی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ تم اُس کا کوئی حصہ چھوڑ بیٹھو؟ اور اس سے تمہارا دل تنگ ہو جائے؟ ﴿۹﴾ کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا، یا کوئی فرشتہ ان کے ساتھ کیوں نہیں آیا؟“ تم تو ایک آگاہ کرنے والے ہو! اور اللہ ہے جو ہر چیز کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔ ﴿۱۲﴾

(۹) مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہمارا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں رہے گا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کے لئے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ جو وحی آپ پر نازل کی جا رہی ہے، اُس کا کوئی حصہ آپ ان لوگوں کو راضی کرنے کے لئے چھوڑ بیٹھیں۔ لہذا ان کی ایسی باتوں سے آپ زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ آپ کا کام تو یہ ہے کہ انہیں حقیقت سے

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيْتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاَلَمْ يَسْجُدْ بَعْثُوْا لَكُمْ فَاَعْلَمُوْا اَنْتُمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَرْيِدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّا لَهَا لُؤْلُؤًا مِّثْلَ الدُّرِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالُهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾

بھلا کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وحی اس (پیغمبر) نے اپنی طرف سے گھڑی ہے؟ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ”پھر تو تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں بنالو، اور (اس کام میں مدد کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔“ ﴿۱۳﴾ اس کے بعد اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو (اے لوگو!) یقین کر لو کہ یہ وحی صرف اللہ کے علم سے اُتری ہے، اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ تو کیا اب تم فرماں بردار بنو گے؟ ﴿۱۴﴾ جو لوگ (صرف) دُنیوی زندگی اور اُس کی سچ دھج چاہتے ہیں، ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دُنیا میں بھگتا دیں گے، اور یہاں اُن کے حق میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ ﴿۱۵﴾

آگاہ فرمادیں۔ اس کے بعد یہ لوگ مانیں، یا نہ مانیں، یہ آپ کی نہیں، خود ان کی ذمہ داری ہے۔ اور یہ لوگ جو فرمائش کر رہے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ نازل ہو، تو بھلا نبوت کا خزانے سے کیا تعلق ہے؟ تمام تر اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہ اپنی حکمت کے تحت فیصلہ فرماتا ہے کہ کوئی فرمائش پوری کرنی چاہئے اور کوئی نہیں۔ واضح رہے کہ یہ ترجمہ بعض مفسرین کے اس قول پر مبنی ہے: ”قِيلَ: اِنْ لَعَلَّ هٰذَا لَيْسَتْ لِلتَّوْحٰجِ بَلْ لِلتَّبْعِيْدِ ....“

وقيل: إنها للاستفهام الإنكاري۔“ (روح المعاني ج: ۱۲ ص: ۷۰۶ و ۷۰۷)

(۱۰) شروع میں ان کو دس سورتیں قرآن جیسی بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا تھا۔ بعد میں اس چیلنج کو مزید آسان کر دیا گیا، اور سورہ بقرہ (۲: ۲۳) اور سورہ یونس (۱۰: ۳۸) میں صرف ایک سورت بنا کر لانے کو کہا گیا۔ مگر مشرکین عرب جو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔

(۱۱) کافر لوگ جو آخرت پر تو ایمان نہیں رکھتے، اور جو کچھ کرتے ہیں، دُنیا ہی کی خاطر کرتے ہیں، اُن کی نیکیوں، مثلاً صدقہ خیرات وغیرہ کا صلہ دُنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی نیکی معتبر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کوئی نیک کام صرف دُنیوی شہرت یا دولت

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحِطَّ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَ بَلُلَّ مَا  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ  
 كِتَابٌ مُّوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۖ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِّن  
 الْأَحْزَابِ فَإِنَّهُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ  
 أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ کارگذاری انہوں نے  
 کی تھی، وہ آخرت میں بیکار ہو جائے گی، اور جو عمل وہ کر رہے ہیں، (آخرت کے لحاظ سے) کالعدم  
 ہیں۔ ﴿۱۶﴾ بھلا بتاؤ کہ وہ شخص (ان کے برابر کیسے ہو سکتا ہے) جو اپنے رب کی طرف سے آئی  
 ہوئی روشن ہدایت (یعنی قرآن) پر قائم ہو، جس کے پیچھے اُس کی حقانیت کا ایک ثبوت تو خود اُسی  
 میں آیا ہے، اور اُس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی (اُس کی حقانیت کا ثبوت ہے) جو لوگوں کے لئے  
 قابل اتباع اور باعثِ رحمت تھی۔ ایسے لوگ اس (قرآن پر) ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان گروہوں  
 میں سے جو شخص اس کا انکار کرے، تو دوزخ ہی اس کی طے شدہ جگہ ہے۔ لہذا اس (قرآن) کے  
 بارے میں کسی شک میں نہ پڑو۔ یقین رکھو کہ یہ حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے،  
 لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لارہے۔ ﴿۱۷﴾

وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کرے تو اُسے دُنیا میں تو وہ شہرت یا دولت مل سکتی ہے، لیکن اُس نیکی کا ثواب آخرت  
 میں نہیں ملتا۔ بلکہ واجب عبادتوں میں اخلاص کے فقدان کی وجہ سے الٹا گناہ ہوتا ہے۔ آخرت میں وہی نیکی  
 معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کی گئی ہو۔

(۱۲) یعنی قرآن کریم کی حقانیت کا ایک ثبوت تو خود قرآن کریم کا اعجاز ہے جس کا مظاہرہ پیچھے آیت نمبر ۱۳ میں  
 ہو چکا ہے کہ ساری دُنیا کو اُس جیسا کلام بنالانے کا چیلنج دیا گیا، مگر کوئی آگے نہ بڑھا۔ اور دوسرا ثبوت حضرت موسیٰ  
 علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر اور آپ کی  
 علامتیں واضح طور پر بتائی گئی تھیں۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ  
 الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾  
 الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ  
 كَافِرُونَ ﴿١٩﴾ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
 مِنْ أَوْلِيَاءَ ۖ يُضْعِفُ لَهُمْ الْعَذَابُ ۖ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ  
 ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ ایسے لوگوں کی اُن کے رب کے پاس  
 پیشی ہوگی، اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ: ”یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹی  
 باتیں لگائی تھیں۔“ سب لوگ سن لیں کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر ﴿۱۸﴾ جو اللہ کے راستے  
 سے دوسروں کو روکتے تھے، اور اس میں کئی تلاش کرتے تھے، اور آخرت کے تو وہ بالکل ہی منکر  
 تھے۔ ﴿۱۹﴾ ایسے لوگ روئے زمین پر کہیں بھی اللہ سے بچ کر نہیں نکل سکتے، اور اللہ کے سوا انہیں  
 کوئی یار و مددگار میسر نہیں آسکتے۔ اُن کو دُگنا عذاب دیا جائے گا۔ یہ (حق بات کو نفرت کی وجہ سے)  
 نہ سن سکتے تھے، اور نہ اُن کو (حق) بھائی دیتا تھا ﴿۲۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں  
 کے لئے گھاٹے کا سودا کر لیا تھا، اور جو معبودانہوں نے گھڑ رکھے تھے، انہیں اُن کا کوئی سراغ نہیں  
 ملے گا۔ ﴿۲۱﴾

(۱۳) گواہی دینے والوں میں وہ فرشتے بھی شامل ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں، اور وہ انبیائے  
 کرام علیہم السلام بھی جو اپنی اپنی اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں گے۔

(۱۴) یعنی دین حق کے بارے میں طرح طرح کے اعتراضات نکال کر اُس کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی کوشش  
 کرتے تھے۔

(۱۵) ایک عذاب خود اُن کے کفر کا، اور دوسرا اس بات کا کہ وہ دوسروں کو حق کے راستے سے روکتے تھے۔

لَا جَرَمَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ إِلَّا خَسِرُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٨﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّيِّعِ ۗ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا ۚ بَلْ أَفْلا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٣٠﴾ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٣١﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا أَنْ يُبَادُوا بِرَأْيٍ ۚ

لامحالہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور وہ اپنے پروردگار کے آگے جھک کر مطمئن ہو گئے ہیں، تو وہ جنت کے بسنے والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۳﴾ ان دو گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو، اور دوسرا دیکھتا بھی ہو، سنتا بھی ہو۔ کیا یہ دونوں اپنے حالات میں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا پھر بھی تم غیرت حاصل نہیں کرتے؟ ﴿۲۴﴾

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ: ”میں تمہیں اس بات سے صاف صاف آگاہ کرنے والا پیغمبر ہوں ﴿۲۵﴾ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ یقین جانو مجھے تم پر ایک دُکھ دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔“ ﴿۲۶﴾ اس پر اُن کی قوم کے وہ سردار لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا، کہنے لگے کہ: ”ہمیں تو اس سے زیادہ (تم میں) کوئی بات نظر نہیں آ رہی کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ صرف وہ لوگ تمہارے پیچھے لگے ہیں جو ہم میں سب سے زیادہ بے حیثیت ہیں، اور وہ بھی سطحی طور پر رائے قائم کر کے۔“

وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَتُكِّمُ كَذِبِينَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ  
 كُنْتُ عَلَىٰ بَيْتَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَيْتُ رَاحَةً مِّنْ عِنْدِي فَعُصِيتْ عَلَيْكُمْ  
 أَنْزَلْنَا مُكْرَهُهَا وَآتَيْتُمْ لَهَا كِرَهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقَوْمِ لَا تَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ أَجْرِي إِلَّا  
 عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ إِنَّهُمْ مُّسْلِقُونَ ۖ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا  
 تَجْهَلُونَ ﴿۲۹﴾ وَيَقَوْمِ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتُهُمْ ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳۰﴾  
 وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ

اور ہمیں تم میں کوئی ایسی بات بھی دکھائی نہیں دیتی جس کی وجہ سے ہم پر تمہیں کوئی فضیلت حاصل ہو،  
 بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو ﴿۲۷﴾ نوح نے کہا: ”اے میری قوم! ذرا مجھے یہ بتاؤ  
 کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں، اور اُس نے مجھے  
 خاص اپنے پاس سے ایک رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہے، پھر بھی وہ تمہیں بھائی نہیں دے  
 رہی، تو کیا ہم اُس کو تم پر زبردستی مسلط کر دیں جبکہ تم اُسے ناپسند کرتے ہو؟ ﴿۲۸﴾ اور اے میری  
 قوم! میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر اللہ کے سوا کسی اور نے ذمے نہیں لیا۔ اور  
 جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، میں ان کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ ان سب کو اپنے رب سے جا ملنا  
 ہے۔ لیکن میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کی باتیں کر رہے ہو۔ ﴿۲۹﴾ اور اے  
 میری قوم! اگر میں ان لوگوں کو دھتکار دوں تو کون مجھے اللہ (کی پکڑ) سے بچائے گا؟ کیا تم پھر بھی  
 دھیان نہیں دو گے؟ ﴿۳۰﴾ اور میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ میرے قبضے میں اللہ کے خزانے  
 ہیں، نہ میں غیب کی ساری باتیں جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔<sup>(۱۶)</sup>

(۱۶) یہ اس جاہلانہ خیال کی تردید ہے کہ اللہ کے کسی پیغمبر یا مقرب بندے کے پاس ہر قسم کے اختیارات ہونے



وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي  
 أَنْفُسِهِمْ ۚ إِنِّي إِذًا لِّلنَّاطِلِينَ ۝ قَالَ الْيُتُومُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَاكْثُرْتَ جِدَالَنَا  
 فَأَتَيْنَا بِنَاكَ إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَ  
 مَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِن أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ  
 اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ ۖ

اور جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں، اُن کے بارے میں بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں  
 کبھی کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا۔ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے، اُسے اللہ سب سے زیادہ  
 جانتا ہے۔ اگر میں ان کے بارے میں ایسی باتیں کہوں تو میرا شمار یقیناً ظالموں میں ہوگا“ ﴿۳۱﴾  
 انہوں نے کہا کہ: ”اے نوح! تم ہم سے بحث کر چکے، اور بہت بحث کر چکے۔ اب اگر تم سچے ہو تو  
 لے آؤ وہ (عذاب) جس کی دھمکی ہمیں دے رہے ہو۔“ ﴿۳۲﴾ نوح نے کہا کہ: ”اُسے تو اللہ ہی  
 تمہارے پاس لے کر آئے گا، اگر چاہے گا، اور تم اُسے بے بس نہیں کر سکتے۔“ ﴿۳۳﴾ اگر میں  
 تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں تو میری خیر خواہی اُس صورت میں تمہارے کوئی کام نہیں آسکتی جب  
 اللہ ہی نے (تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے) تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔

چاہئیں، اور اسے غیب کی ساری باتوں کا علم ہونا چاہئے، یا اُسے انسان کے بجائے فرشتہ ہونا چاہئے۔ حضرت  
 نوح علیہ السلام نے واضح فرمادیا کہ کسی نبی یا اللہ کے کسی ولی کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ دنیا کے خزانے لوگوں میں  
 تقسیم کرے، یا غیب کی ہر بات بتائے۔ اُس کا مقصد تو لوگوں کے عقائد اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہوتا ہے۔  
 اُس کی ساری تعلیمات اسی مقصد کے گرد گھومتی ہیں، لہذا اُس سے اس قسم کی توقعات رکھنا زری جہالت ہے۔ اس  
 طرح اس آیت میں اُن لوگوں کی ہدایت کا بڑا سامان ہے جو بزرگوں کے پاس اپنے دُنیوی مقاصد کے لئے  
 جاتے ہیں، اور انہیں دُنیوی اور دُنیوی امور میں اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں، اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ  
 انہیں مستقبل کی ہر بات بتا دیا کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کا اتنا برگزیدہ پیغمبران باتوں کو اپنے اختیار سے باہر قرار  
 دے رہا ہے تو کون ہے جو ان اختیارات کا دعویٰ کر سکے؟

هُوَ رَبُّكُمْ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۳﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ  
 إِجْرَائِي وَإِنَّا بِرَبِّي لَمُبَشِّرُونَ ﴿۳۴﴾ وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ  
 قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۵﴾ وَاصْنَعِ الْفُلَكَ بِأَعْيُنِنَا  
 وَوَحْيُنَا وَلَا تَخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُّعْرِقُونَ ﴿۳۶﴾

وہی تمہارا پروردگار ہے، اور اُسی کے پاس تمہیں واپس لے جایا جائے گا۔ ﴿۳۳﴾  
 بھلا کیا (عرب کے یہ کافر) لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرآن اپنی طرف سے  
 گھڑ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”اگر میں نے اسے گھڑا ہوگا تو میرے جرم کا وبال مجھی پر ہوگا،  
 اور جو جرم تم کر رہے ہو، میں اُس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔“ ﴿۳۴﴾ اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ:  
 ”تمہاری قوم میں سے جو لوگ اب تک ایمان لا چکے ہیں، اُن کے سوا اب کوئی اور ایمان نہیں لائے  
 گا۔ لہذا جو حرکتیں یہ لوگ کرتے رہے ہیں، تم اُن پر صدمہ نہ کرو۔“ ﴿۳۵﴾ اور ہماری نگرانی میں اور  
 ہماری وحی کی مدد سے کشتی بناؤ، اور جو لوگ ظالم بن چکے ہیں، اُن کے بارے میں مجھ سے کوئی بات  
 نہ کرنا۔ یہ اب غرق ہو کر رہیں گے۔“ ﴿۳۶﴾

اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے بارے میں کافروں نے جو کہا تھا کہ یہ حقیر لوگ ہیں، اور دل سے  
 ایمان نہیں لائے، اُس کا آگے یہ جواب دیا ہے کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دل سے ایمان نہیں لائے، اور اللہ  
 تعالیٰ انہیں کوئی بھلائی یعنی ثواب نہیں دے گا۔

(۱۷) حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کے درمیان یہ آیت جملہ مقررہ کے طور پر آئی ہے۔ توجہ اس طرف  
 دلائی گئی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ واقعہ جس تفصیل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے  
 ہیں، اُسے معلوم کرنے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ وحی کے سوا نہیں ہے، اور جس انداز و اسلوب میں وہ بیان  
 ہو رہا ہے، وہ من گھڑت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل  
 ہوا ہے۔ اس کے باوجود کفار عرب کا انکار کرنا محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔

(۱۸) حضرت نوح علیہ السلام نے تقریباً ایک ہزار سال عمر پائی، اور صدیوں تک اپنی قوم کو نہایت دردمندی سے

وَيَصْنَعُ الْفُلَكَ ۚ وَكَلَّمَ مَرْءً عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۖ قَالَ إِن تَسْخَرُونِي  
مِمَّنِي أَنَا سَخِرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۖ ۞ (۳۸) فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ  
يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۖ ۞ (۳۹) حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ ۚ

چنانچہ وہ کشتی بنانے لگے۔ اور جب بھی اُن کی قوم کے کچھ سردار اُن کے پاس سے گزرتے تو اُن کا مذاق اڑاتے تھے۔ <sup>(۱۹)</sup> نوح نے کہا کہ: ”اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو جیسے تم ہنس رہے ہو، اُسی طرح ہم بھی تم پر ہنستے ہیں۔“ <sup>(۲۰)</sup> ﴿۳۸﴾ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آرہا ہے جو اُسے رُسا کر کے رکھ دے گا، اور کس پر وہ قہر نازل ہونے والا ہے جو کبھی ٹل نہیں سکے گا۔“ ﴿۳۹﴾ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آگیا، اور تنور اُبل پڑا، <sup>(۲۱)</sup>

تبلیغ فرماتے رہے، اور اس کے بدلے سخت اذیتیں برداشت کیں۔ مگر بہت تھوڑے لوگوں کے سوا باقی سب لوگ اپنے کفر اور بد اعمالیوں پر قائم رہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور اب ان پر طوفان کا عذاب آئے گا، اس لئے آپ کو کشتی بنانے کا حکم دیا تا کہ آپ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے اُس میں سوار ہو کر طوفان کی تباہی سے بچ سکیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ کشتی سازی کی صنعت سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے وحی کے ذریعے شروع فرمائی تھی، اور پہلی بار تین منزلہ جہاز تیار کیا تھا۔

(۱۹) وہ مذاق اس بات کا اڑاتے تھے کہ اب انہوں نے دوسرے کام چھوڑ کر کشتی بنانی شروع کر دی ہے، حالانکہ پانی کا کہیں دُور دُور پتہ نہیں ہے۔

(۲۰) یعنی ہمیں اس بات پر ہنسی آتی ہے کہ عذاب تمہارے سر پر آچکا ہے، اور تمہیں دل لگی سوچھی ہے۔

(۲۱) عربی زبان میں ”تنور“ سطح زمین کو بھی کہتے ہیں، اور روٹی پکانے کے چولہے کو بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ طوفانِ نوح کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ ایک تنور سے پانی اُبلنا شروع ہوا، اور پھر کسی طرح نہ رُکا، اور بعض مفسرین نے تنور کو سطح زمین کے معنی میں لیا ہے، اور مطلب یہ بتایا ہے کہ زمین کی سطح سے پانی اُبلنا شروع ہو گیا، اور پھر ساری زمین میں پھیل گیا، اور اُوپر سے تیز بارش شروع ہو گئی۔

قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۖ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ وَقَالَ امْكُوبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَمُرسَهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۚ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَبْنَئِي أَرَأَيْتَ لَكَ مَعَكَ الْكَافِرِينَ ۝

قرآن مجید، سورہ ہود، آیت ۱۲

تو ہم نے (نوح سے) کہا کہ: ”اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو کے جوڑے سوار کر لو،“ اور تمہارے گھر والوں میں سے جن کے بارے میں پہلے کہا جا چکا ہے (کہ وہ کفر کی وجہ سے غرق ہوں گے) اُن کو چھوڑ کر باقی گھر والوں کو بھی، اور جتنے لوگ ایمان لائے ہیں اُن کو بھی (ساتھ لے لو)۔“ اور تھوڑے ہی سے لوگ تھے جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے! ﴿۴۰﴾ اور نوح نے (ان سب سے) کہا کہ: ”اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اس کا چلنا بھی اللہ ہی کے نام سے ہے، اور لنگر ڈالنا بھی۔ یقین رکھو کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۴۱﴾ اور وہ کشتی پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جاتی تھی۔ اور نوح نے اپنے اُس بیٹے کو جو سب سے الگ تھا، آواز دی کہ: ”بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ، اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔“ ﴿۴۲﴾

(۲۲) چونکہ طوفان میں وہ جانور بھی ہلاک ہونے والے تھے جن کی انسانوں کو ضرورت پڑتی ہے، اس لئے حکم دیا گیا کہ کشتی میں ضرورت کے تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا سوار کر لو، تاکہ ان کی نسل باقی رہے، اور طوفان کے بعد اُن سے کام لیا جاسکے۔

(۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کے اور بیٹے تو کشتی میں سوار ہو گئے تھے، مگر ایک بیٹا جس کا نام کنعان بتایا جاتا ہے، کافر تھا، اور کافروں ہی کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا تھا، وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو یا تو یہ علم نہیں تھا کہ وہ کافر ہے، اور وہ محض یہ سمجھتے تھے کہ اس کی صحبت خراب ہے، یا کافر ہونے کا علم تھا، مگر یہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائے، اس لئے پہلے اُسے کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی، پھر وہ دُعا فرمائی جو آگے آیت ۴۵ میں آرہی ہے کہ اُس کو بھی کشتی میں سوار ہونے کی اجازت مل جائے، یعنی اگر کافر ہے تو اُسے ایمان

قَالَ سَاوِيٌّ اِلَى جَبَلٍ يَّعَصْنِي مِنَ الْمَاءِ ۖ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللَّهِ اِلَّا مَنْ رَحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝۳۳ وَقِيلَ يَا اَرْمَاضُ اِطِيعِيْ مَاءً لَّكَ وَلِيسَاءِ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَجَءٌ قِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۝۳۴

وہ بولا: ”میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔“ نوح نے کہا: ”آج اللہ کے حکم سے کوئی کسی کو بچانے والا نہیں ہے، سوائے اُس کے جس پر وہ ہی رحم فرمادے۔“ اس کے بعد اُن کے درمیان موج حائل ہو گئی، اور ڈوبنے والوں میں وہ بھی شامل ہوا۔ ﴿۳۳﴾ اور حکم ہوا کہ: ”اے زمین! اپنا پانی نکل لے، اور اے آسمان! تھم جا“ چنانچہ پانی اُتر گیا، اور سارا قصہ چکا دیا گیا، کشتی جو دی پہاڑ پر آٹھری، اور کہہ دیا گیا کہ: ”بربادی ہے اُس قوم کی جو ظالم ہو!“ ﴿۳۴﴾

کی توفیق ہو جائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے سارے گھر والے جو صاحب ایمان ہوں گے، انہیں عذاب سے نجات ملے گی، اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے اس وعدے کا حوالہ بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ وہ کافر ہے، اور اُس کے مقدر میں ایمان نہیں ہے، اس لئے وہ درحقیقت تمہارے گھر والوں میں شامل ہی نہیں ہے۔ یہ بات تمہارے علم میں نہیں تھی کہ اُس کے مقدر میں ایمان نہیں، اس لئے تم نے اس کی نجات یا ایمان کی دُعا مانگی۔ اگلی آیت میں جو ارشاد ہے کہ: ”مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں“ اُس کا یہی مطلب ہے۔

(۳۴) یعنی قوم کے تمام افراد طوفان میں غرق کر دیئے گئے۔

(۲۵) یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو شمالی عراق میں واقع ہے، اور اُس پہاڑی سلسلے کا ایک حصہ ہے جو کردستان سے آرمینیا تک پھیلا ہوا ہے۔ بائبل میں اس پہاڑ کا نام ”ارارات“ مذکور ہے۔

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ  
 أَحْكَمُ الْحَكَمِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ يُنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۚ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ  
 فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعْطُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ  
 رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَعْفُرْ لِي وَتَرْحَمْنِي  
 أَكُنْ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿٢٧﴾ قِيلَ يُنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ  
 مِّمَّنْ مَعَكَ ۖ وَأُمَمٌ سَنُبَتِّعُهُمْ لَيْسَ لَهُمْ مَتَاعُ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ: ”اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے گھر ہی کا ایک  
 فرد ہے، اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے، اور تو سارے حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے!“ ﴿۲۵﴾ اللہ  
 نے فرمایا: ”اے نوح! یقیناً جانو وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تو ناپاک عمل کا پلندہ ہے۔  
 لہذا مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں شامل نہ  
 ہو۔“ ﴿۲۶﴾ نوح نے کہا: ”میرے پروردگار! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ  
 سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی، اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں  
 بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا جو برباد ہو گئے ہیں۔“ ﴿۲۷﴾ فرمایا گیا کہ: ”اے نوح! اب  
 (کشتی سے) اتر جاؤ، ہماری طرف سے وہ سلامتی اور برکتیں لے کر جو تمہارے لئے بھی ہیں، اور  
 تمہارے ساتھ جتنی قومیں ہیں، اُن کے لئے بھی! اور کچھ قومیں ایسی ہیں جن کو ہم (دُنیا میں) لطف  
 اٹھانے کا موقع دیں گے، پھر ان کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب آپکڑے گا۔“ ﴿۲۸﴾

(۲۶) یعنی آپ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اگر چاہیں تو اسے ایمان کی توفیق دے دیں، اور پھر ایمان والوں کے حق  
 میں آپ کا جو وعدہ ہے، وہ اس کے حق میں بھی پورا ہو جائے۔

(۲۷) سلامتی اور برکتوں کا وعدہ جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے کیا گیا، اُس میں ”قوموں“ کا

تِلْكَ مِنْ أَتْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ  
 قَبْلِ هَذَا ۖ فَاصْبِرْ ۚ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (۳۹) وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۖ قَالَ  
 لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنَ الْوَعِيدِ ۚ إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ (۴۰)

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی کچھ باتیں ہیں جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ یہ باتیں نہ تم اس سے پہلے جانتے تھے، نہ تمہاری قوم۔ لہذا صبر سے کام لو، اور آخری انجام متقیوں ہی کے حق میں ہوگا۔ ﴿۳۹﴾ اور قوم عاد کے پاس ہم نے اُن کے بھائی ہود کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ ﴿۴۰﴾ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم نے جھوٹی باتیں تراش رکھی ہیں۔ ﴿۵۰﴾“

لفظ استعمال کر کے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اس وقت تھوڑے سے ہیں، لیکن ان کی نسل سے بہت سی قومیں پیدا ہوں گی، اور دین حق پر قائم رہیں گی، اس لئے سلامتی اور برکتوں میں وہ بھی شریک ہوں گی۔ البتہ آخر میں یہ فرمایا گیا کہ کچھ قومیں ان کی نسل میں ایسی آئیں گی کہ جو دین برحق پر قائم نہیں رہیں گی، لہذا انہیں دُنیا میں کچھ عرصے لطف اٹھانے کا موقع دیا جائے گا، لیکن ان کا آخری انجام ان کے کفر کی وجہ سے یہی ہوگا کہ وہ دُنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

(۲۸) حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس آیت نے دو حقیقتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک یہ کہ یہ واقعہ نہ صرف آپ کو بلکہ قریش اور عرب کے غیر اہل کتاب میں سے کسی کو پہلے معلوم نہیں تھا، اور آپ کے پاس اس کو اہل کتاب سے سیکھنے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لہذا یہ بات واضح ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا ہے۔ اس سے آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ملتی ہے۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے جس تکذیب اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس واقعے کے ذریعے آپ کو اوّل تو صبر سے کام لینے کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور دوسرے یہ تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کو شروع میں سخت مشکلات پیش آئیں، مگر آخری انجام انہی کے حق میں ہوا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالآخر ان لوگوں پر غالب آئیں گے۔

(۲۹) قوم عاد کا مختصر تعارف سورۃ اعراف (۶۵:۷) میں گزر چکا ہے۔

لَيَقُومُوا لَاسْئَلَكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾  
 وَيَقُومُوا اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا  
 وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْنَا بِبَيِّنَةٍ وَ  
 مَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾

اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر کسی اور نے نہیں، اُس ذات  
 نے اپنے ذمے لیا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۵۱﴾ اے  
 میری قوم! اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رُجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے  
 موسلا دھار بارشیں برسائے گا، اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا، اور مجرم بن  
 کر منہ نہ موڑو۔ ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا: ”اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لے کر نہیں  
 آئے، اور ہم اپنے خداؤں کو صرف تمہارے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں ہیں، اور نہ ہم تمہاری  
 بات پر ایمان لاسکتے ہیں۔ ﴿۵۳﴾

(۳۰) شروع میں اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط میں مبتلا فرمادیا تھا، تاکہ وہ اپنی غفلت سے کچھ ہوش میں آئیں۔ اس  
 موقع پر حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تازیانہ ہے، اور اگر اب بھی تم  
 بٹ پڑتی سے باز آ جاؤ تو یہ قحط تم سے دُور ہو سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہیں بارشوں سے نہال کر سکتا ہے۔

(۳۱) روشن دلیل سے اُن کی مراد اُن کے فرمائی عجرات تھیں۔ عقلی اور نقلی دلائل تو حضرت ہود علیہ السلام نے ہر  
 قسم کے پیش کردیے تھے، لیکن ان کا کہنا تھا کہ ہم جس جس معجزے کی فرمائش کرتے جائیں، وہ ہمیں دکھاتے  
 جاؤ۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر کرشمے دکھانے کے لئے وقف نہیں ہو سکتا، اس لئے ان کی یہ فرمائشیں پوری نہ ہوئیں تو  
 انہوں نے کہہ دیا کہ تم کوئی روشن دلیل ہی ہمارے پاس نہیں لائے۔



اِنْ تَقُولْ اِلَّا اعْتَرَكَ بَعْضُ الْهَتَائِسُوْۤءِ ۖ قَالَ اِنِّیْ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاَشْهَدُ وَا  
اِنِّیْ بِرَبِّیْ عَمَّا تَشْرِكُوْنَ ۝۵۴۱ مِنْ دُوْنِهِ فُكِّیْدُوْنِیْ جَبِیْعًا ۖ لَا تُنْظِرُوْنَ ۝۵۵۱ اِنِّیْ  
تَوَكَّلْتُ عَلٰی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ۖ مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اَخَذَ بِنَاصِیَتِهَا ۖ اِنَّ رَبِّیْ  
عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۵۶۱ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَیْکُمْ ۖ  
وَيَسْتَخْفِرُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرُکُمْ ۚ وَلَا تَضْرِبُوْهُ شَیْئًا ۚ

ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے خداؤں میں سے کسی نے تمہیں بری طرح جھپٹے میں  
لے لیا ہے۔“ ہود نے کہا: ”میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، اور تم بھی گواہ ہو کہ تم اللہ کے سوا جس جس کو  
اُس کی خدائی میں شریک مانتے ہو، میں اُس سے بری ہوں۔ ﴿۵۴﴾ اب تم سب کے سب مل کر  
میرے خلاف چالیں چل لو، اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ ﴿۵۵﴾ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا  
ہے، جو میرا بھی پروردگار ہے، اور تمہارا بھی پروردگار۔ زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس  
کی چوٹی اُس کے قبضے میں نہ ہو۔ یقیناً میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔ ﴿۵۶﴾ پھر بھی اگر  
تم منہ موڑتے ہو، تو جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا، میں نے وہ تمہیں پہنچا دیا  
ہے۔ اور (تمہارے کفر کی وجہ سے) میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی اور قوم کو یہاں بسا دے گا، اور  
تم اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

(۳۲) یعنی تم ہمارے جن بتوں کی خدائی کا انکار کرتے ہو، ان میں سے کسی نے تم سے ناراض ہو کر تم پر آسیب  
مسلط کر دیا ہے جس کے نتیجے میں تم (معاذ اللہ) ہوش و حواس کھو بیٹھے ہو۔

(۳۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے سیدھا راستہ مقرر کر دیا ہے، اور اُسی پر چلنے  
سے خدا ملتا ہے۔

إِنَّ رَبِّي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَسَاجَاءَ أَمْرُنَا نَجِّنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا  
 مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجِّنَهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ  
 رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا  
 لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۚ أَلَا بُعِدَّا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۚ  
 وَإِلَى شُودَاخَاهُمْ صَلِحًا ۚ قَالَ يَقَوْمُ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۚ

یشک میرا پروردگار ہر چیز کی نگرانی کرتا ہے۔“ ﴿۵۷﴾ اور (آخر کار) جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے  
 اپنی رحمت کے ذریعے ہود کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے، اُن کو بچالیا، اور انہیں ایک  
 سخت عذاب سے نجات دے دی۔ ﴿۵۸﴾ یہ تھے عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار کی  
 نشانیوں کا انکار کیا، اور اُس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی، اور ہر ایسے شخص کا حکم مانا جو پرلے درجے کا  
 جابر اور حق کا پکا دشمن تھا! ﴿۵۹﴾ اور (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس دُنیا میں بھی پھٹکار اُن کے پیچھے  
 لگا دی گئی، اور قیامت کے دن بھی۔ یاد رکھو کہ قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کا معاملہ لیا تھا! یاد  
 رکھو کہ بربادی عاد ہی کی ہوئی، جو ہود کی قوم تھی! ﴿۶۰﴾ اور قوم ثمود کے پاس ہم نے اُن کے بھائی  
 صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا  
 کوئی معبود نہیں ہے۔“

(۳۴) ”حکم“ سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا عذاب ہے۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں عرض کیا گیا، اُن  
 پر تیز آندھی اور ہوا کا طوفان بھیجا گیا تھا۔ یہ قد و قامت کے اعتبار سے غیر معمولی قوم تھی، لیکن اس عذاب کے  
 نتیجے میں ان کی ساری قوت دھری رہ گئی، اور پوری قوم تباہ ہو گئی۔

(۳۵) قوم ثمود اور اس کے واقعے کا مختصر تعارف اور تذکرہ سورہ اعراف (۷: ۷۳) کے حاشیے میں گذر چکا ہے۔

هُوَ أَنشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوا لَهُ ثُمَّ تَرْجِعُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا ايْطَلِعْ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّ الْفُلْكَ شَيْءٌ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٌ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَيْنِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۚ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَحْسِينٍ ﴿٦٣﴾

اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا، اور اُس میں تمہیں آباد کیا۔ لہذا اُس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رجوع کرو۔ یقین رکھو کہ میرا رب (تم سے) قریب بھی ہے، دُعائیں قبول کرنے والا بھی۔“ ﴿۶۱﴾ وہ کہنے لگے: ”اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہمارے درمیان اس طرح رہے ہو کہ تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔“ جن (بتوں) کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں کیا تم ہمیں اُن کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو؟ جس بات کی تم دعوت دے رہے ہو، اُس کے بارے میں تو ہمیں ایسا شک ہے جس نے ہمیں اضطراب میں ڈال دیا ہے۔“ ﴿۶۲﴾ صالح نے کہا: ”اے میری قوم! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں، اور اُس نے مجھے خاص اپنے پاس سے ایک رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہے، پھر بھی اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو مجھے اللہ (کی پکڑ) سے بچالے؟ لہذا تم (میرے فرائض سے روک کر) بربادی میں مبتلا کرنے کے سوا مجھے اور کیا دے رہے ہو؟“ ﴿۶۳﴾

(۳۶) اس سے صاف واضح ہے کہ نبوت کے اعلان سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو پوری قوم بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے انہیں اپنا سردار یا بادشاہ بنانے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔

وَلَيَقُومُنَّ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذُرُّوهَا تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَتَّبِعُوهَا سَوْءٌ  
 فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٣﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ  
 ذَلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَاهَا حَبَلًا وَآلِيزِينَ آمَنُوا مَعَهُ  
 بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۖ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ الَّذِينَ  
 ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيئِينَ ﴿٦٧﴾

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اُٹنی تمہارے لئے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔ لہذا اس کو آزاد چھوڑ دو کہ یہ  
 اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور اس کو بُرے ارادے سے چھوٹا بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں  
 عنقریب آنے والا عذاب آ پکڑے۔ ﴿۶۳﴾ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے اُس کو مار ڈالا۔ چنانچہ صالح  
 نے کہا کہ: ”تم اپنے گھروں میں تین دن اور مزے کرو، (اُس کے بعد عذاب آئے گا، اور) یہ ایسا  
 وعدہ ہے جسے کوئی جھوٹا نہیں کر سکتا۔“ ﴿۶۵﴾ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو اور ان کے  
 ساتھ جو ایمان لائے تھے، اُن کو اپنی خاص رحمت کے ذریعے نجات دی، اور اُس دن کی رُسوائی سے  
 بچالیا۔ یقیناً تمہارا پروردگار بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔ ﴿۶۶﴾ اور جن لوگوں نے ظلم  
 کا راستہ اپنایا تھا، اُن کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا، جس کے نتیجے میں وہ اپنے گھروں میں اس طرح  
 اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۶۷﴾

(۳۷) عذاب سے پہلے ان کو تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔

(۳۸) اس عذاب کا تفصیلی واقعہ سورہ اعراف سورت نمبر ۷ اور آیت نمبر ۷۳ کے تحت حاشیہ نمبر ۳۹ میں گزر چکا

۱۷ كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ اَلَا اِنَّ شَوْدَا كَفَرُوا رَاٰ رَبَّهُمْ ۚ اَلَا بَعْدَ الشُّوْدِ ۙ وَلَقَدْ جَاۤءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۚ قَالَ سَلٰمٌ فَمَالِثَ اَنْ جَاۤءَ بِعَجَلٍ حٰنِنٍ ۙ ۱۸ فَلَمَّا رَاَ اَيُّدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكَرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰى قَوْمٍ لُّوْطٍ ۙ

جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو کہ شمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا تھا! یاد رکھو کہ بربادی شمود ہی کی ہوئی ﴿۶۸﴾

اور ہمارے فرشتے (انسانی شکل میں) ابراہیم کے پاس (بیٹا پیدا ہونے کی) خوشخبری لے کر آئے۔ انہوں نے سلام کہا، ابراہیم نے بھی سلام کہا، پھر ابراہیم کو کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ (ان کی مہمانی کے لئے) ایک بھنا ہوا پچھڑا لے آئے، ﴿۶۹﴾ مگر جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ اُس (پچھڑے) کی طرف نہیں بڑھ رہے، تو وہ ان سے کھٹک گئے، اور اُن کی طرف سے دل میں خوف محسوس کیا۔ فرشتوں نے کہا: ”ڈریے نہیں، ہمیں (آپ کو بیٹے کی خوشخبری سنانے اور) لوط کی قوم کے پاس بھیجا گیا ہے۔“ ﴿۷۰﴾

(۳۹) اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتے دو کاموں کے لئے بھیجے تھے۔ ایک یہ کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خوشخبری دیں کہ ان کے یہاں ایک بیٹا ہوگا، یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اور ان کا دوسرا کام یہ تھا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کریں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے بعد وہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کی طرف جانے والے تھے۔

(۴۰) چونکہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع میں انہیں انسان ہی سمجھے، اور ان کی مہمانی کے لئے بھنے ہوئے پچھڑے کا گوشت لے کر آئے۔ لیکن چونکہ وہ فرشتے تھے، اور کچھ کھا نہیں سکتے تھے، اس لئے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس زمانے میں رسم یہ تھی کہ اگر کوئی شخص میزبان کے یہاں کھانا پیش ہونے کے بعد نہ کھائے تو یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ وہ کوئی دشمن ہے جو کسی بری نیت سے آیا ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خوف محسوس کیا۔ اس موقع پر فرشتوں نے واضح کر دیا کہ وہ فرشتے ہیں، اور ان دو کاموں کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

وَأَمْرًا تُهَاقِبُهُ فَصَحَّكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ ۖ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۖ ④  
 قَالَتْ يَوَیْلَتَىٰ أَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ ۖ وَهَذَا بَعْلٌ شَیْخٌ ۖ إِنَّ هَذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۖ ⑤  
 قَالُوا اتَّعَجِبِیْنَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۚ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبَرَكَتُهُ عَلَیْكُمْ أَهْلَ الْبَیْتِ ۖ إِنَّهُ  
 حَبِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۖ ⑥ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِیْمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِی  
 قَوْمِ لُوطٍ ۖ ⑦

اور ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں، وہ ہنس پڑیں، تو ہم نے انہیں (دوبارہ) اسحاق کی، اور اسحاق کے بعد یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری دی۔ ﴿۱۷﴾ وہ کہنے لگیں: ”ہائے! کیا میں اس حالت میں بچہ جنوں گی کہ میں بوڑھی ہوں، اور یہ میرے شوہر ہیں جو خود بڑھاپے کی حالت میں ہیں؟ واقعی یہ تو بڑی عجیب بات ہے!“ ﴿۱۸﴾ فرشتوں نے کہا: ”کیا آپ اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہیں؟ آپ جیسے مقدس گھرانے پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ بیشک وہ ہر تعریف کا مستحق، بڑی شان والا ہے۔“ ﴿۱۹﴾ پھر جب ابراہیم سے گھبراہٹ دور ہوئی، اور ان کو خوشخبری مل گئی تو انہوں نے ہم سے لوط کی قوم کے بارے میں (ناز کے طور پر) جھگڑنا شروع کر دیا۔ ﴿۲۰﴾

(۲۱) ہنسنے کی وجہ بعض مفسرین نے تو یہ بیان کی ہے کہ جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں، اور خطرے کی کوئی بات نہیں ہے، تو خوشی کی وجہ سے وہ ہنس پڑیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بیٹے کی خوشخبری سن کر ہنسی تھیں۔ سورہ حجر (۱۵: ۵۳) اور سورہ ذاریات (۲۹: ۳۰) میں بیان فرمایا گیا ہے کہ فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری پہلے دے دی تھی، اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ذکر بعد میں کیا تھا۔ اس پر انہیں تعجب بھی ہوا، اور خوشی بھی۔ اور ان کو ہنسا دیکھ کر فرشتوں نے دوبارہ خوشخبری دی۔

(۲۲) یہ ترجمہ ”اہل البیت“ کو عربی گرامر کے قاعدے سے منصوب علی سبیل المدح قرار دینے پر مبنی ہے۔ ترجمے میں ”مقدس“ کا لفظ بھی اسی لئے بڑھایا گیا ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ: ”اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔“

(۲۳) جیسا کہ سورہ اعراف (۷: ۸۰) کے حاشیہ میں بیان کیا جا چکا ہے، حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ﴿٤٥﴾ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ لَاتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٤٦﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَ إِلَيْهِمْ وَصَاقٌ بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٤٧﴾

حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑے بردبار، (اللہ کی یاد میں) بڑی آپس بھرنے والے، (اور) ہر وقت ہم سے لو لگائے ہوئے تھے۔ ﴿۴۵﴾ (ہم نے اُن سے کہا:) ”ابراہیم! اس بات کو جانے دو۔ یقین کر لو کہ تمہارے رب کا حکم آچکا ہے، اور ان لوگوں پر ایسا عذاب آ کر رہے گا جس کو کوئی پیچھے نہیں لوٹا سکتا۔“ ﴿۴۶﴾

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ اُن کی وجہ سے گھبرائے، اُن کا دل پریشان ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ: ”آج کا یہ دن بہت کٹھن ہے۔“ ﴿۴۷﴾

علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو عراق میں بنی ان پر ایمان لا کر اُن کے ساتھ وطن سے ہجرت میں اُن کے ساتھ شریک تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی پیغمبر بنا کر سدوم کے شہر میں بھیجا۔ اس شہر کے لوگ شرک کے علاوہ ہم جنس پرستی کی خباثت میں مبتلا تھے۔ جب انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بات نہیں مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے ان فرشتوں کو بھیجا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اُمید تھی کہ شاید یہ لوگ سنبھل جائیں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے فرمائش کرتے رہے کہ ابھی ان پر عذاب نازل نہ کیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے لاڈلے پیغمبر تھے، اس لئے انہوں نے ناز کے انداز میں بار بار جس طرح عذاب کو مؤخر کرنے کی فرمائش کی، اُسے اس آیت میں پیار بھرے اُسلوب میں جھگڑنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۴۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فرمائش تو منظور نہیں فرمائی گئی کہ قوم لوط سے عذاب کو مؤخر کر دیا جائے، لیکن جس جذبے اور جس انداز سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رُجوع فرمایا تھا، اس فقرے میں اُس کی بڑے بلیغ الفاظ میں تعریف فرمائی گئی ہے۔

(۴۵) حضرت لوط علیہ السلام کے پاس یہ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، اور انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ فرشتے ہیں۔ دوسری طرف وہ اپنی قوم کی بدفطرت بے حیائی سے واقف تھے۔ اس لئے ان کی

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۖ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ السَّيِّئَاتِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَعْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَاشِدٌ ۙ ۞ قَالُوا الْقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۙ ۞ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۙ ۞

اور اُن کی قوم کے لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے، اور اس سے پہلے وہ برے کام کیا ہی کرتے تھے۔ لوط نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمہارے لئے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں، اس لئے اللہ سے ڈرو، اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رُسوانہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے؟“ ﴿۷۸﴾ کہنے لگے: ”تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں سے ہمیں کچھ مطلب نہیں، اور تم خوب جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟“ ﴿۷۹﴾ لوط نے کہا: ”کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے میں کوئی طاقت ہوتی، یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا!“ ﴿۸۰﴾

پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ ان کی قوم ان مہمانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے، وہ لوگ ان نوجوانوں کی آمد کی خبر سنتے ہی اسی مقصد سے دوڑتے ہوئے آئے، اور حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ ان مہمانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔

(۳۶) کسی نبی کی اُمت میں جتنی عورتیں ہوتی ہیں، وہ اس نبی کی رُوحانی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان بدقماش لوگوں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہاری عورتیں جو میری رُوحانی بیٹیاں ہیں، تمہارے گھروں میں موجود ہیں۔ تم اپنی نفسانی خواہشات ان سے پوری کر سکتے ہو، اور یہی فطرت کا پاکیزہ طریقہ ہے۔ (۳۷) سدوم کی اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے خاندان یا قبیلے کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ وہ تو عراق کے باشندے تھے، اور اس قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سدوم کے لوگوں کو ان کی قوم بھی قرآن کریم نے اس معنی میں کہا ہے کہ وہ ان کی اُمت تھے جن کی طرف ان کو بھیجا گیا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے انتہائی بے چارگی محسوس کی کہ اگر میرے خاندان کا کوئی فرد یہاں ہوتا تو شاید میری کچھ مدد کر سکتا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بتایا



قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرَبَ إِلَى هُنَا بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۖ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۖ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝۸۱ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا مِّنْ سَجِيلٍ ۖ لَّئِنْ مَنُودُ ۝۸۲

(اب) فرشتوں نے (لوط سے) کہا: ”اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ (کافر) لوگ ہرگز تم تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ لہذا تم رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے روانہ ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ ہاں مگر تمہاری بیوی (تمہارے ساتھ نہیں جائے گی) اُس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آرہی ہے۔ یقین رکھو کہ ان (پر عذاب نازل کرنے) کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح بالکل نزدیک نہیں آگئی؟“ ﴿۸۱﴾ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس زمین کے اوپر والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کر دیا، اور ان پر پکی مٹی کے تہہ برتہ پتھر برسائے ﴿۸۲﴾

گیا ہے، اس موقع پر فرشتوں نے بات کھول دی کہ ہم فرشتے ہیں، اس لئے آپ بالکل نہ گھبرائیں، یہ آپ کا یا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اور ہمیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ صبح تک ان کا قلع قمع ہونے والا ہے۔ آپ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر بستی سے راتوں رات نکل جائیں، تاکہ اس عذاب سے محفوظ رہیں۔ البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا فرشتی، اور اپنی قوم کی بد اعمالیوں میں ان کا ساتھ دیا کرتی تھی، اس لئے حکم ہوا کہ وہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی، بلکہ دوسروں کے ساتھ وہ بھی عذاب کا شکار ہوگی۔

(۳۸) روایات میں ہے کہ یہ کل چار بستیاں تھیں جن میں یہ بد قماش لوگ بستے تھے۔ ان ساری بستیوں کو فرشتوں نے جوں کا توں اوپر اٹھا کر زمین پر اوندھا ٹپچ دیا، اور ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بحر میت (Dead Sea) جسے ”بحر مردار“ بھی کہا جاتا ہے، ان بستیوں کے اُلٹنے سے پیدا ہوا ہے، ورنہ کسی بڑے سمندر سے اس کا رابطہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جس مقام پر یہ بستیاں واقع تھیں، یعنی بحر مردار کے آس پاس کا علاقہ، اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ پورے کرۂ زمین کا سب سے نچلا حصہ ہے، یعنی زمین کا کوئی

مُسَوَّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿۸۲﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ ۖ  
شُعَيْبًا ۖ قَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَاۓَ  
وَالْهَوَانَ ۚ إِنَّ أَسْرَٰكُمْ بِخَيْرٍ ۖ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿۸۳﴾

جن پر تمہارے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے۔ اور یہ بستی (مکہ کے ان) ظالموں سے کچھ  
دُور نہیں ہے۔ ﴿۸۳﴾ اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انہوں  
نے (ان سے) کہا کہ: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔  
اور ناپ تول میں کمی مت کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ خوشحال ہو، اور مجھے تم پر ایک ایسے دن  
کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ ﴿۸۴﴾

اور حصہ سطح سمندر سے اتنا نیچا نہیں ہے جتنا نیچا یہ ہے۔ قرآن کریم نے جو فرمایا ہے کہ ”ہم نے اس زمین کے اوپر  
والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کر دیا“ کچھ بعید نہیں کہ ان الفاظ میں اس جغرافیائی حقیقت کی طرف بھی  
اشارہ کیا گیا ہو، اور ان کی انتہائی چلی حرکتوں کو یہ محسوس شکل دے دی گئی ہو۔  
(۴۹) حضرت لوط علیہ السلام کے واقعے کے آخر میں اب رُوئے سخن مکہ مکرمہ کے کافروں کی طرف موڑا گیا ہے،  
اور ان کو توجہ دلائی گئی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا یہ علاقہ تم سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ جب تم تجارت  
کے لئے شام جاتے ہو تو یہ علاقہ تمہارے راستے میں پڑتا ہے، اور اگر تم میں ذرا بھی معقولیت ہو تو تمہیں اس سے  
عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

(۵۰) مدین اور حضرت شعیب علیہ السلام کے مختصر تعارف کے لئے سورۃ اعراف (۸۵:۷) کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔  
(۵۱) مدین کا علاقہ بڑا زرخیز تھا، اور یہاں کے لوگ بحیثیت مجموعی خوش حالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت  
شعیب علیہ السلام نے ان کی خوشحالی کا دو وجہ سے خاص طور پر ذکر فرمایا۔ ایک یہ کہ اتنی خوشحالی کے بعد تمہیں  
دھوکا بازی کر کے کمائی کرنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے، اور دوسرے یہ کہ اس خوشحالی کے نتیجے میں تمہیں  
اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے، نہ یہ کہ اس کی نافرمانی پر آمادہ ہو جاؤ۔

وَلْيَقُومُوا فِي الزَّكَاةِ وَالْيَزَانَ بِالْقُسْطِ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا  
تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝۸۵ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَمَا  
أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝۸۶ قَالُوا اإِشْعِيبُ أَصْلُوكُ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ  
آبَاؤُنَا وَأَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۝۸۷

اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور  
زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔ ﴿۸۵﴾ اگر تم میری بات مانو تو (لوگوں کا حق ان کو دینے کے  
بعد) جو کچھ اللہ کا دیا بیخ رہے، وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور (اگر نہ مانو تو) میں تم پر پہرہ دار  
مقرر نہیں ہوا ہوں۔ ﴿۸۶﴾ وہ کہنے لگے: ”اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ  
ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انہیں بھی چھوڑ دیں، اور اپنے مال و دولت کے  
بارے میں جو کچھ ہم چاہیں، وہ بھی نہ کریں؟“ ﴿۸۷﴾

(۵۲) قرآن کریم نے یہاں جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں، وہ بڑے جامع ہیں، اور ان میں ہر قسم کے حقوق  
داخل ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم پر کسی بھی شخص کا کوئی حق واجب ہو تو اس میں ڈنڈی مار کر یا  
تاویلات کر کے اُسے کم کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ ہر حق دار کو اس کا حق پورا پورا ادا کرو۔  
(۵۳) جیسا کہ سورہ اعراف میں عرض کیا گیا تھا، اس قوم کے بعض افراد راستوں پر چوکیاں لگا کر بیٹھ جاتے،  
اور مسافروں سے زبردستی ٹیکس وصول کرتے تھے، اور بعض لوگ مسافروں پر ڈاکا ڈالاکرتے تھے۔ اس فقرے  
میں ان کی اسی بدعنوانی کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۴) یہ درحقیقت وہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ جو کچھ مال ہے، وہ ہماری مکمل ملکیت میں ہے، اس لئے ہمیں  
پورا اختیار حاصل ہے کہ اس میں جو چاہیں، تصرف کریں، کسی کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس  
کے برعکس قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ ہر مال پر اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے، البتہ اس نے اپنے فضل و کرم سے  
انسان کو عارضی ملکیت عطا فرمائی ہے (دیکھئے سورہ یس ۳۶: ۷۱) لہذا اسی کو یہ حق ہے کہ وہ اس ملکیت پر کچھ  
پابندیاں عائد کرے (دیکھئے سورہ قصص ۲۸: ۷۷)، اور جہاں مناسب سمجھے، وہاں خرچ کرنے کا حکم دے

إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿٨٥﴾ قَالَ يَقَوْمِ أَسْرَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّأْيِي وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَنْهُ ۖ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٦﴾

واقعی تم تو بڑے عقل مند، نیک چلن آدمی ہو! ﴿۸۵﴾ ﴿۸۷﴾ شعیب نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں، اور اُس نے خاص اپنے پاس سے مجھے اچھا رزق عطا فرمایا ہے ﴿۸۶﴾ (تو پھر میں تمہارے غلط طریقے پر کیوں چلوں؟) اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ میں جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں، تمہارے پیچھے جا کر وہی کام خود کرنے لگوں۔ میرا مقصد اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے، صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اُسی کی طرف میں (ہر معاملے میں) رجوع کرتا ہوں۔ ﴿۸۸﴾

(دیکھئے سورہ نور ۲۴: ۳۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پابندیاں اس لئے عائد کی جاتی ہیں، تاکہ ہر شخص اپنی دولت کا حصول اور خرچ ایسے صحت مند طریقے پر کرے کہ معاشرے میں ہر ایک کو یکساں مواقع حاصل ہوں، کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے، اور معاشرے میں دولت کی تقسیم منصفانہ ہو سکے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ”اسلام کا نظام تقسیم دولت“ از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵۵) یہ جملہ انہوں نے طنز کے طور پر بولا تھا۔ البتہ بعض مفسرین نے اسے حقیقی معنی میں قرار دے کر اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم تو ہمارے درمیان ایک عقل مند اور نیک چلن آدمی کی حیثیت سے مشہور ہو۔ تم نے ایسی باتیں کیوں شروع کر دی ہیں؟

(۵۶) اس رزق سے مراد کھانے پینے وغیرہ کا سامان بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدھے سیدھے طریقے سے مجھے رزق عطا فرمایا ہے تو میں اس کے حصول کے لئے وہ غلط طریقے کیوں اختیار کروں جو تم کرتے ہو؟ اور رزق سے یہاں مراد نبوت بھی ہو سکتی ہے۔

وَيَقَوْمٌ لَا يَجْرِمُكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ  
 أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۝۸۹ ۚ وَاسْتَغْفِرُوا لِأَرْبَابِكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا  
 إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ۝۹۰ ۚ قَالُوا شَعِيبُ مَا نَقِطُكَ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ  
 وَإِنَّا لَنَرُكَ فِيْنَا ضَعِيفًا وَلَوْ لَاحِظُكَ لَمَنَّا بِكَ ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝۹۱ ۚ  
 قَالَ يَقَوْمِ مَا كَانَ لِي أَنْتَظِرُكُمْ مِنَ اللَّهِ ۚ وَاتَّخَذْتُمْ وَرَاءَكُمْ ظَهْرِيًّا ۚ  
 إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝۹۲ ۚ وَيَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۚ

اور اے میری قوم! میرے ساتھ ضد کا جو معاملہ تم کر رہے ہو، وہ کہیں تمہیں اس انجام تک نہ پہنچادے کہ تم پر بھی ویسی ہی مصیبت نازل ہو جیسی نوح کی قوم پر یا ہود کی قوم پر یا صالح کی قوم پر نازل ہو چکی ہے۔ اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ دُور بھی نہیں ہے۔ ﴿۸۹﴾ تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف رُجوع کرو۔ یقین رکھو کہ میرا رب بڑا مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے۔ ﴿۹۰﴾ وہ بولے: ”اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک کمزور آدمی ہو، اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ ہم پر تمہارا کچھ زور نہیں چلتا“ ﴿۹۱﴾ شعیب نے کہا: ”اے میری قوم! کیا تم پر میرے خاندان کا دباؤ اللہ سے زیادہ ہے؟ اور اُس کو تم نے بالکل ہی پس پشت ڈال رکھا ہے! یقین جانو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، میرا پروردگار اُس سب کا پورا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿۹۲﴾ اور اے میری قوم! تم اپنے حال پر رہ کر (جو چاہو) عمل کئے جاؤ، میں بھی (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کر رہا ہوں۔“ (۵۷)

(۵۷) یعنی میری تبلیغ کے باوجود اگر تم اپنی ضد پر قائم رہتے ہو تو آخری چارہ کار یہی ہے کہ تم اپنے طریقے پر قائم رہو، اور میں اپنے طریقے پر۔ پھر دیکھو کہ کس کا انجام کیا ہوتا ہے؟

سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۝ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَاقِبٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيْنَ ۝ كَانُوا لَمْ يَعْنُوا فِيهَا ۝ إِلَّا بُعْدَ الْمَدْيَنَ كَمَا بَعَدَتْ ثَمُودُ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوهُ أُمْرُفِرْعَوْنَ ۝ وَمَا أُمْرُفِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۝ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ ۝

عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر وہ عذاب نازل ہوگا جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کون ہے جو جھوٹا ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔“ ﴿۹۳﴾ اور (آخر کار) جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور اُن کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، ان کو اپنی خاص رحمت سے بچا لیا، اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، انہیں ایک چنگھاڑنے آ پکڑا، اور وہ اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے منہ گرے رہ گئے ﴿۹۴﴾ جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو! مدین کی بھی ویسی ہی بربادی ہوئی جیسی بربادی ثمود کی ہوئی تھی۔ ﴿۹۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانوں اور روشن دلیل کے ساتھ پیغمبر بنا کر ﴿۹۶﴾ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، تو انہوں نے فرعون ہی کی بات مانی، حالانکہ فرعون کی بات کوئی ٹھکانے کی بات نہیں تھی ﴿۹۷﴾ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، اور ان سب کو دوزخ میں لا اُتارے گا۔ اور وہ بدترین گھاٹ ہے جس پر کوئی اُترے۔ ﴿۹۸﴾

وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ يَنْسَأُ الْرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿٩٩﴾ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ  
الْقُرْآنِ نَقَّصْنَاهُ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمًا وَحَصِيدًا ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا  
أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمَّا جَاءَ  
أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتَشَابَهُ ۖ ﴿١٠١﴾ وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ  
وَهُى ظَالِمَةٌ ۖ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِمَنْ خَافَ عَذَابَ  
الْآخِرَةِ ۖ ﴿١٠٣﴾ ذَلِكَ يَوْمٌ مَجْمُوعٌ لِهَ النَّاسِ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَشْهُودٌ ﴿١٠٤﴾

اور پھٹکار اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لگا دی گئی ہے، اور قیامت کے دن بھی۔ یہ بدترین صلہ ہے جو  
کسی کو دیا جائے۔ ﴿۹۹﴾ یہ ان بستیوں کے کچھ حالات ہیں جو ہم تمہیں سنارہے ہیں۔ ان میں  
سے کچھ (بستیاں) وہ ہیں جو ابھی اپنی جگہ کھڑی ہیں، اور کچھ کٹی ہوئی فصل (کی طرح بے نشان) بن  
چکی ہیں ﴿۱۰۰﴾ اور ان پر ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، جس کا  
نتیجہ یہ ہوا کہ جب تمہارے پروردگار کا حکم آیا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، وہ  
ان کے ذرا بھی کام نہ آئے، اور انہوں نے ان کو تباہی کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ ﴿۱۰۱﴾ اور جو  
بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا رب جب ان کو گرفت میں لیتا ہے تو اُس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔  
واقعی اُس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔ ﴿۱۰۲﴾ ان ساری باتوں میں اُس شخص کے لئے  
بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ وہ ایسا دن ہوگا جس کے لئے تمام لوگوں کو اکٹھا  
کیا جائے گا، اور وہ ایسا دن ہوگا جسے سب کے سب کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ ﴿۱۰۳﴾

(۵۹) مثلاً فرعون کا ملک مصر فرعون کے غرق ہونے کے بعد بھی باقی رہا، اور عاد و ثمود اور قوم لوط علیہ السلام کی  
بستیاں ایسی تباہ ہوئیں کہ بعد میں آباد نہ ہو سکیں۔

وَمَا تُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدُّودٍ ۝۴۳ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلُمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ  
 شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۝۴۴ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَمِنْهُمْ الشَّارِبُ لَكُمْ فِيهَا زَيْدٌ وَشَهِيقٌ ۝۴۵  
 خَلِيدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ  
 فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝۴۶

ہم نے اُسے ملتوی کیا ہے تو بس ایک گنی چنی مدت کے لئے ملتوی کیا ہے ﴿۱۰۴﴾ جب وہ دن  
 آجائے گا تو کوئی اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔ پھر اُن میں کوئی بد حال ہوگا، اور کوئی  
 خوش حال۔ ﴿۱۰۵﴾ چنانچہ جو بد حال ہوں گے، وہ دوزخ میں ہوں گے جہاں ان کی چیخنے  
 چلانے کی آوازیں آئیں گی۔ ﴿۱۰۶﴾ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین  
 قائم ہیں، <sup>(۱۰)</sup> اِلَّا یہ کہ تمہارے رب ہی کو کچھ اور منظور ہو۔ یقیناً تمہارا رب جو ارادہ کر لے، اس پر اچھی  
 طرح عمل کرتا ہے۔ ﴿۱۰۷﴾

(۶۰) اس سے موجودہ زمین اور آسمان مراد نہیں ہیں، کیونکہ یہ تو قیامت کے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ البتہ قرآن  
 کریم ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں وہاں کے حالات کے مطابق دوسرے زمین و آسمان پیدا کئے  
 جائیں گے (دیکھئے سورہ ابراہیم ۱۴: ۴۸ اور سورہ زمر ۳۹: ۷۴) اور چونکہ وہ زمین و آسمان ہمیشہ رہیں گے،  
 اس لئے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۶۱) اسی قسم کا استثناء سورہ انعام (۶: ۱۲۸) میں بھی گذرا ہے۔ جیسا کہ وہاں ہم نے عرض کیا تھا، اس کی ٹھیک  
 ٹھیک مراد تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن اس سے بظاہر ایک تو یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ کسی کے عذاب و  
 ثواب کا تمام تر فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، کسی کی فرمائش یا سفارش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔  
 دوسرے یہ کہ کافروں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی کوئی مجبوری نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ  
 اگر کسی کو کفر کے باوجود عذاب سے نکالنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کی  
 مشیت کافروں کو ہمیشہ عذاب ہی میں رکھے، جیسا کہ قرآن کریم کی اکثر آیات سے معلوم ہوتا ہے۔



وَأَمَّا الَّذِينَ سَعَدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خُلْدٌ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ  
إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْدُوذٍ ۝۱۰۸ فَلَا تَكُ فِي مَرْيَةٍ مِمَّا يَعْْبُدُ  
هَؤُلَاءِ ۖ مَا يَعْْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَإِنَّا لَنُوقِفُهُمْ  
فِي نَصِيبِهِمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ ۝۱۰۹ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْ لَا  
كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ۝۱۱۰ وَإِنَّ  
كُلَّ النَّاسِ لَفِي يَدِّهِمْ رَبُّكَ آَعْبَاهُمْ ۖ إِنَّهُ بِنَآيَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝۱۱۱ فَاسْتَقِمْ كَمَا  
أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ

اور جو لوگ خوش حال ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، جب تک  
آسمان اور زمین قائم ہیں، الا یہ کہ تمہارے رب ہی کو کچھ اور منظور ہو۔ یہ ایک ایسی عطا ہوگی جو کبھی  
ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔ ﴿۱۰۸﴾ لہذا (اے پیغمبر!) یہ (مشرکین) جن (بتوں) کی  
عبادت کرتے ہیں، ان کے بارے میں ذرا بھی شک میں نہ رہنا۔ یہ تو اسی طرح عبادت کر رہے  
ہیں جیسے ان کے باپ دادے پہلے ہی عبادت کیا کرتے تھے، اور یقین رکھو کہ ہم ان سب کو ان کا  
حصہ پورا پورا چکا دیں گے، جس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ﴿۱۰۹﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب  
دی تھی، تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا تھا۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے  
ہی طے نہ ہو چکی ہوتی (کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا) تو ان کا فیصلہ (میں دُنیا  
میں) ہو چکا ہوتا۔ اور یہ لوگ اس کے بارے میں (ابھی تک) سخت قسم کے شک میں پڑے ہوئے  
ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ اور یقین رکھو کہ سب لوگوں کا معاملہ یہی ہے کہ تمہارا پروردگار ان کے اعمال کا بدلہ  
پورا پورا دے گا۔ یقیناً وہ ان کے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱۱﴾ لہذا (اے پیغمبر!)  
جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، اُس کے مطابق تم بھی سیدھے راستے پر ثابت قدم رہو، اور وہ لوگ  
بھی جو توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہیں، اور حد سے آگے نہ نکلو۔

إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۖ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَ زُفًى مِّنَ اللَّيْلِ ۖ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ ۖ ذٰلِكَ ذِكْرُى لِلذَّكْرَيْنِ ﴿١١٤﴾ وَ اصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٥﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْ أَٰنَجَيْنَا مِنْهُم ۚ

یقین رکھو کہ جو عمل بھی تم کرتے ہو، وہ اُسے پوری طرح دیکھتا ہے ﴿۱۱۲﴾ اور (مسلمانو!) ان ظالم لوگوں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا، کبھی دوزخ کی آگ تمہیں بھی آ پکڑے، اور تمہیں اللہ کو چھوڑ کر کسی قسم کے دوست میسر نہ آئیں، پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہ کرے۔ ﴿۱۱۳﴾ اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔ یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ایک نصیحت ہے اُن لوگوں کے لئے جو نصیحت مانیں۔ ﴿۱۱۴﴾ اور صبر سے کام لو، اس لئے کہ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ﴿۱۱۵﴾ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، بھلا اُن میں ایسے لوگ کیوں نہ ہوئے جن کے پاس اتنی بچی کھچی سمجھ تو ہوتی کہ وہ لوگوں کو زمین میں فساد مچانے سے روکتے؟ ہاں تھوڑے سے لوگ تھے جن کو ہم نے (عذاب سے) نجات دی تھی۔

(۶۲) دن کے دونوں سروں سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں، اور بعض مفسرین نے ان سے فجر اور مغرب کی نمازیں مراد لی ہیں۔ اور رات کے حصوں کی نماز سے مراد مغرب، عشاء اور تہجد کی نمازیں ہیں۔ (۶۳) برائیوں سے یہاں مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ قرآن و سنت کے بہت سے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان سے جو صغیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان کا کفارہ ان نیک کاموں سے ہوتا رہتا ہے جو انسان اُن کے بعد کرتا ہے۔ چنانچہ وضو، نماز اور دوسرے تمام کاموں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو مٹاتے رہتے ہیں۔ سورہ نساء (۴: ۳۱) میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ: ”اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے۔“

وَاتَّبِعْ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أَتَوْا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ  
لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً  
وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلَئِكَ خَلَقَتْهُمْ  
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا مُلْكَ لَكُمْ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾

اور جو لوگ ظالم تھے، وہ جس عیش و عشرت میں تھے، اُسی کے پیچھے لگے رہے، اور جرائم کا ارتکاب کرتے رہے۔ ﴿۱۱۶﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں پر ظلم کر کے انہیں تباہ کر دے جبکہ اُن کے باشندے صحیح روش پر چل رہے ہوں۔ ﴿۱۱۷﴾ اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے کا پیرو بنا دیتا، (مگر کسی کو زبردستی کسی دین پر مجبور کرنا حکمت کا تقاضا نہیں ہے، اس لئے انہیں اپنے اختیار سے مختلف طریقے اپنانے کا موقع دیا گیا ہے) اور وہ اب ہمیشہ مختلف راستوں پر ہی رہیں گے۔ ﴿۱۱۸﴾ البتہ جن پر تمہارا پروردگار رحم فرمائے گا، اُن کی بات اور ہے (کہ اللہ انہیں حق پر قائم رکھے گا) اور اسی (امتحان) کے لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے رب کی وہ بات پوری ہوگی جو اُس نے کہی تھی کہ: ”میں جہنم کو جنات اور انسانوں دونوں سے بھر دوں گا۔“ ﴿۱۱۹﴾

(۶۳) یہ بات قرآن کریم نے بار بار واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو زبردستی ایک ہی دین کا پابند بنا دیتا۔ لیکن اس کائنات کی تخلیق اور انسان کو اُس میں بھیجنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کو اچھے برے کی تمیز سکھا کر اُسے یہ موقع دیا جائے کہ وہ اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے جو راستہ چاہے، اختیار کرے۔ اسی میں اُس کا امتحان ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اختیار کو ٹھیک استعمال کرتا ہے، اور اس کے نتیجے میں جنت کما تا ہے، یا اُس کا غلط استعمال کر کے دوزخ کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس امتحان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی کو اُس کے اختیار کے بغیر زبردستی کسی ایک راستے پر نہیں رکھا۔

وَكُلَّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ  
 الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ  
 مَا كُنْتُمْ ۖ إِنَّا عَامِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانْتَظِرُوا ۚ إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأُمُورُ كُلُّهَا فاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ  
 عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٢٣﴾

۱۰  
۱۱

اور (اے پیغمبر!) گزشتہ پیغمبروں کے واقعات میں سے وہ سارے واقعات ہم تمہیں سنارہے ہیں جن سے ہم تمہارے دل کو تقویت پہنچائیں، اور ان واقعات کے ضمن میں تمہارے پاس جو بات آئی ہے، وہ خود بھی حق ہے، اور تمام مؤمنوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی بھی ہے۔ ﴿۱۲۰﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لارہے ہیں، اُن سے کہو کہ: ”تم اپنی موجودہ حالت پر عمل کئے جاؤ، ہم بھی (اپنے طریقے پر) عمل کر رہے ہیں۔ ﴿۱۲۱﴾ اور تم بھی (اللہ کے فیصلے کا) انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔“ ﴿۱۲۲﴾ آسمانوں اور زمین میں جتنے پوشیدہ بھید ہیں، وہ سب اللہ کے علم میں ہیں، اور اُسی کی طرف سارے معاملات لوٹائے جائیں گے۔ لہذا (اے پیغمبر!) اُس کی عبادت کرو، اور اُس پر بھروسہ رکھو۔ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو، تمہارا پروردگار اُس سے بے خبر نہیں ہے۔ ﴿۱۲۳﴾

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۲ جون ۲۰۰۶ء کو شب جمعہ میں بمقام کراچی سورہ ہود کا ترجمہ اور اُس کے حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ يُوسُفَ

## تعارف

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنو اسرائیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے، مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟ ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کے پاس چونکہ بنو اسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس لئے آپ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے، اور اس طرح آپ کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائے گا کہ آپ (معاذ اللہ) سچے نبی نہیں ہیں۔ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورہ یوسف نازل فرمادی جس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔ دراصل بنو اسرائیل کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، انہی کا دوسرا نام ”اسرائیل“ بھی تھا۔ ان کے بارہ صاحبزادے تھے، انہی کی نسل سے بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے پیدا ہوئے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادوں کے ساتھ فلسطین میں مقیم تھے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین بھی شامل تھے۔ ان دونوں کے سوتیلے بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال دیا، جہاں سے ایک قافلے نے انہیں اٹھا کر مصر کے ایک سردار کے ہاتھ بیچ دیا، شروع میں وہ غلامی کی زندگی گزارتے رہے، لیکن اُس واقعے کے تحت جس کی تفصیل اس سورت میں آرہی ہے، اُس سردار کی بیوی زلیخا نے انہیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ کے ایک خواب کی صحیح تعبیر دینے پر بادشاہ ان پر مہربان ہوا، اور انہیں نہ صرف جیل سے نکال کر باعزت بری کر دیا، بلکہ انہیں اپنا وزیر خزانہ مقرر کیا، اور بعد میں حکومت کے سارے اختیارات انہی کو سونپ دیئے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو فلسطین سے مصر بلوایا۔ اس طرح بنو اسرائیل فلسطین سے مصر منتقل ہو گئے۔

سورہ یوسف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ ایک ہی تسلسل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور تقریباً پوری سورت اسی کے لئے وقف ہے۔ اور یہ واقعہ کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس واقعے کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں پر ایک حجت قائم فرمادی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ یہ بات ان پر بھی واضح تھی کہ اس واقعے کا علم ہونے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا، لہذا یہ تفصیل آپ کو وحی کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو کفار مکہ کی طرف سے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اُن کے پیش نظر اس واقعے میں آپ کے لئے تسلی کا بھی بڑا سامان تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کی سازش کے نتیجے میں بڑے سخت حالات سے گزرے، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے اُنہی کو عزت، شوکت اور سر بلندی عطا فرمائی، اور جن لوگوں نے انہیں تکلیفوں کا نشانہ بنایا تھا، اُن سب کو اُن کے آگے جھکنا پڑا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی ہیں، لیکن آخر کار یہ سازشی لوگ آپ ہی کے سامنے جھکیں گے، اور حق غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے علاوہ بھی اس واقعے میں مسلمانوں کے لئے بہت سے سبق ہیں، اور شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔



آیتھا ۱۱۱ ﴿۱۲﴾ سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ ۵۳ ﴿۱۲﴾ رُكُوعَاتُهَا ۱۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الرَّ ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝۱ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنَ ۚ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِينَ ۝۳ اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاَبِيهِ يَا اَبَتِ اِنِّي رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِي سٰجِدِينَ ۝۴ قَالَ يَبْنَؤُا لَا تَقْصُصْ رُءُوسَكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوْا لَكَ كَيْدًا ۙ اِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝۵

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الہ۔ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے ﴿۱﴾ ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اُتارا ہے جو عربی زبان میں ہے، تاکہ تم سمجھ سکو۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر یہ قرآن جو وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اُس کے ذریعے ہم تمہیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں، جبکہ تم اس سے پہلے اس (واقعے سے) بالکل بے خبر تھے۔ ﴿۳﴾ (یہ اُس وقت کی بات ہے) جب یوسف نے اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) سے کہا تھا کہ: ”ابا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔“ ﴿۴﴾ انہوں نے کہا: ”بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے کوئی سازش تیار کریں، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“ ﴿۵﴾

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا ہے، اُس کی تعبیر یہ ہے کہ

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ  
وَعَلٰٓى اٰلٍ يَّعْقُوْبَ كَمَا اَتٰنَّهَا عَلٰٓى اَبْوٰيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ  
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖ اٰيٰتٍ لِّلْاَسٰٓءِلِيْنَ ۝۲

ع  
۱۱

اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں (نبوت کے لئے) منتخب کرے گا، اور تمہیں تمام باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائے گا (جس میں خوابوں کی تعبیر کا علم بھی داخل ہے)، اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اُسی طرح پوری کرے گا جیسے اُس نے اس سے پہلے تمہارے ماں باپ پر اور ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی۔ یقیناً تمہارا پروردگار علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، اُن کے لئے یوسف اور اُن کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۷﴾

یوسف علیہ السلام کو اتنا اُونچا مقام ملنے والا ہے کہ ان کے گیارہ بھائی اور ماں باپ کسی وقت اُن کے مطیع اور فرماں بردار ہو جائیں گے۔ دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے تھے۔ ان میں سے دو بیٹے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک والدہ سے تھے، اور باقی صاحب زادے ان کی دوسری اہلیہ سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ دوسرے سوتیلے بھائیوں کو اس خواب کی وجہ سے حسد نہ ہو، اور شیطان کے بہکائے میں آکر وہ یوسف علیہ السلام کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر بیٹھیں۔

(۲) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس خواب کے ذریعے یہ بشارت دی ہے کہ سب تمہارے فرماں بردار بنیں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں نبوت سے سرفراز کر کے تمہیں بہت سے مزید نعمتوں سے نوازے گا۔

(۳) یہ بظاہر اُن کافروں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پوچھا تھا کہ بنو اسرائیل کس وجہ سے فلسطین چھوڑ کر مصر میں آباد ہوئے تھے؟ یعنی اگرچہ ان کے پوچھنے کا اصل مقصد تو اپنے خیال کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے بس کرنا ہے، لیکن اگر ان میں ذرا بھی عقل ہو تو اس واقعے میں ان کے لئے بہت سی عبرتیں ہیں۔ اوّل تو یہ سبق ہی کیا کم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس واقعے کا جاری ہونا آپ کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف جتنی سازشیں

اِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ آبَيْنَا مِنْ ذَنِّ عَصِيْبَةٍ ۖ إِنَّ أَبَانَا لَغَنِيٌّ  
 ضَلِيْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ اِثْنُوْا يُوْسُفَ اَوْ اَطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبْيِكُمْ  
 وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِ قَوْمٍ صَالِحِيْنَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ  
 وَآخُوْهُ فِيْ غَيْبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُوْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فَعٰلِيْنَ ۝

(یہ اُس وقت کا واقعہ ہے) جب یوسف کے ان (سوتیلے) بھائیوں نے (آپس میں) کہا تھا کہ: ”یقینی طور پر ہمارے والد کو ہمارے مقابلے میں یوسف اور اُس کے (حقیقی) بھائی (بنیامین) سے زیادہ محبت ہے، حالانکہ ہم (اُن کے لئے) ایک مضبوط جتھہ بنے ہوئے ہیں۔“ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے والد کسی کھلی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ﴿۸﴾ (اب اس کا حل یہ ہے کہ) یوسف کو قتل ہی کر ڈالو، یا اُسے کسی اور سرزمین میں پھینک آؤ، تاکہ تمہارے والد کی ساری توجہ خالص تمہاری طرف ہو جائے، اور یہ سب کرنے کے بعد پھر (توبہ کر کے) نیک بن جاؤ۔“ ﴿۹﴾ انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”یوسف کو قتل تو نہ کرو، البتہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو اُسے کسی اندھے کنویں میں پھینک آؤ، تاکہ کوئی قافلہ اُسے اُٹھا کر لے جائے۔“ ﴿۱۰﴾

کی گئیں، چاہے وہ اُن کے بھائیوں نے کی ہوں، یا زلیخا اور اُس کی سہیلیوں نے، آخر کار اُن ساری سازشوں کا پول کھل گیا، اور عزت اور فتح تمام تر حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے حصے میں آئی۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ عمر اور طاقت میں بھی زیادہ ہیں، اور تعداد میں بھی، چنانچہ ہم اپنے باپ کی قوت بازو ہیں۔ جب کبھی انہیں کسی مدد کی ضرورت پڑے، ہم ہی ان کی مدد کرنے کے لائق ہیں، اس لئے ہم سے محبت زیادہ ہونی چاہئے۔

(۵) یہ ترجمہ اس آیت کی ایک تفسیر کے مطابق ہے۔ گویا اُن کا خیال یہ تھا کہ یہ زیادہ سے زیادہ ایک گناہ ہوگا، اور ہر گناہ کی معافی توبہ سے ہو سکتی ہے، چنانچہ توبہ مانگ کر پھر ساری عمر نیکی کرتے رہنا۔ حالانکہ کسی بندے پر اگر ظلم کیا جائے تو اُس کی معافی صرف توبہ سے نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ مظلوم معاف نہ کرے۔ اس جملے کی ایک اور تفسیر بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم بعد میں نیک بن جائیں گے، بلکہ ان الفاظ کا ترجمہ یہ

قَالُوا يَا بَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَصْحُونَ ۝۱۱ أَمْ رَسِلَهُ مَعَنَا  
عَدَايِيرَتَعْمَ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفُظُونَ ۝۱۲ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنَّ تَذْهَبُوا بِهِ وَ  
أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ۝۱۳ قَالُوا لَيْنَ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ  
نَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا أَآدِلُ خَيْرُونَ ۝۱۴

(چنانچہ) ان بھائیوں نے (اپنے والد سے) کہا کہ: ”ابا! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ یوسف کے معاملے میں ہم پر اطمینان نہیں کرتے؟ حالانکہ اس میں کوئی شک نہ ہونا چاہئے کہ ہم اُس کے پکے خیر خواہ ہیں۔“ ﴿۱۱﴾ کل آپ اُسے ہمارے ساتھ (تفریح کے لئے) بھیج دیجئے، تاکہ وہ کھائے پیئے، اور کچھ کھیل کود لے۔ اور یقین رکھئے کہ ہم اُس کی پوری حفاظت کریں گے۔“ ﴿۱۲﴾ یعقوب نے کہا: ”تم اُسے لے جاؤ گے تو مجھے (اُس کی جدائی کا) غم ہوگا، اور مجھے یہ اندیشہ بھی ہے کہ کسی وقت جب تم اُس کی طرف سے غافل ہو، تو کوئی بھیڑیا اُسے کھا جائے۔“ ﴿۱۳﴾ وہ بولے: ”ہم ایک مضبوط جتھے کی شکل میں ہیں، اگر پھر بھی بھیڑیا اُسے کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی گئے گذرے ہوئے!“ ﴿۱۴﴾

ہے کہ: ”یہ سب کرنے کے بعد تمہارے سارے کام درست ہو جائیں گے“، یعنی والد کی طرف سے کسی امتیازی سلوک کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا۔ قرآن کریم کے الفاظ میں اس معنی کی بھی گنجائش موجود ہے۔

(۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی اس سے پہلے بھی انہیں ساتھ لے جانے کی کوشش کر چکے تھے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے منع فرما دیا تھا۔

(۷) یعنی اگر کوئی اور حادثہ بھی پیش نہ آئے تو ان کا میری نظروں سے دُور چلا جانا بھی میرے لئے باعثِ رنج ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوبِ اولاد کو کسی خاص ضرورت کے بغیر جدا کرنا بھی ماں باپ کے لئے تکلیف دہ ہے۔

(۸) بعض روایات میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بھیڑیے حضرت یوسف علیہ السلام پر حملہ کر رہے ہیں۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا أَن يُجْعَلُوا فِي غِيَبَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَهُمْ  
بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۖ قَالُوا  
يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِشُ وَتَرَكَنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَالْكَذِبُ ۚ وَمَا أَنتَ  
بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝ وَجَاءُوا عَلَى قَبْرِهِ بِدِ كَذِبٍ ۖ

پھر ہوا یہ کہ جب وہ اُن کو ساتھ لے گئے، اور انہوں نے یہ طے کر ہی رکھا تھا کہ انہیں ایک اندھے  
کنویں میں ڈال دیں گے، (چنانچہ ڈال بھی دیا) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ (ایک وقت آئے گا  
جب) تم ان سب کو جتلاؤ گے کہ انہوں نے یہ کیا کام کیا تھا، اور اُس وقت انہیں پتہ بھی نہ ہوگا (کہ  
تم کون ہو؟) ﴿۱۵﴾ اور رات کو وہ سب اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچ گئے۔ ﴿۱۶﴾ کہنے  
لگے: ”ابا جی! یقین جانئے، ہم دوڑنے کا مقابلہ کرنے چلے گئے تھے، اور ہم نے یوسف کو اپنے  
سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا، اتنے میں ایک بھیڑ یا اُسے کھا گیا۔ اور آپ ہماری بات کا یقین نہیں  
کریں گے، چاہے ہم کتنے ہی سچے ہوں۔“ ﴿۱۷﴾ اور وہ یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی  
لگا کر لے آئے۔<sup>(۱۰)</sup>

(۹) حضرت یوسف علیہ السلام اُس وقت بچے تھے، روایات میں اُن کی عمر سات سال بتائی گئی ہے۔ اس لئے یہ  
وحی نبوت کی وحی نہیں تھی، بلکہ یہ اُس قسم کی وحی تھی جیسی قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یا حضرت  
مریم کے لئے بیان فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی ذریعے سے یہ  
بتا دیا کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ لوگ تمہارے آگے جھکیں گے، اور تم انہیں ان کی ساری حرکتوں  
کے بارے میں انہیں اُس وقت سب کچھ جتلا دو گے جب یہ تمہیں پہچانتے بھی نہیں ہوں گے۔ چنانچہ آگے  
آیت ۸۹: میں آرہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کا حاکم بننے کے بعد انہیں جتلا دیا تھا۔  
(۱۰) بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے قمیص پر خون تو لگا دیا، لیکن قمیص صحیح سالم تھا، اس پر پھٹن کے کوئی آثار

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً ۖ فَصَبْرٌ جَبِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَنْرَسُوا وَأَمْرَدَهُمْ فَأَذَلُّ دَلْوَةً ۖ قَالَ يَبْنَئِي هَذَا عِلْمٌ ۖ وَأَسْرُوهُ بِضَاعَتُهُ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخِيسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۖ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِلِينَ ﴿۲۰﴾

۲  
ع  
۱۲

اُن کے والد نے کہا: ”(حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو باتیں تم بنا رہے ہو، اُن پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔“ ﴿۱۸﴾ اور (دوسری طرف جس جگہ انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالا تھا، وہاں) ایک قافلہ آیا۔ قافلے کے لوگوں نے ایک آدمی پانی لانے کے لئے بھیجا، اور اُس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا تو (وہاں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر) پکار اٹھا: ”لو خوشخبری سنو! یہ تو ایک لڑکا ہے۔“ اور قافلے والوں نے انہیں ایک تجارت کا مال سمجھ کر چھپالیا، اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم تھا۔ ﴿۱۹﴾ اور (پھر) انہوں نے یوسف کو بہت کم قیمت میں بیچ دیا جو گنتی کے چند درہموں کی شکل میں تھی، اور اُن کو یوسف سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ﴿۲۰﴾

نہیں تھے۔ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بھیڑ یا بڑا مہذب تھا کہ بچے کو کھا گیا، اور قمیص جوں کی توں صحیح سالم رہی۔ خلاصہ یہ کہ ان کو یہ بات یقین سے معلوم ہو گئی کہ بھیڑیے کے کھانے کی بات محض افسانہ ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ یہ بات تم نے اپنی طرف سے گھڑی ہے۔

(۱۱) روایات میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ایک پتھر پر جا بیٹھے تھے۔ جب قافلے کے اس آدمی نے پانی نکالنے کے لئے ڈول کنویں میں ڈالا تو وہ اُس ڈول میں سوار ہو گئے، اُس نے ڈول کھینچا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اُس کے منہ سے بے ساختہ وہ الفاظ نکلے جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱۲) قرآن کریم کے الفاظ سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بچے والے قافلے ہی کے لوگ تھے، اور حضرت

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِمَرْأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۖ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۗ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

اور مصر کے جس آدمی نے انہیں خریدا، اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ: ”اس کو عزت سے رکھنا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا، یا پھر ہم اسے بیٹا بنالیں گے۔“ (۲۱) اس طرح ہم نے اُس سرزمین میں یوسف کے قدم جمائے، تاکہ انہیں باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائیں، اور اللہ کو اپنے کام پر پورا قابو حاصل ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے ﴿۲۱﴾

یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے سے دلچسپی نہیں تھی، بلکہ ان کو بیچ کر جو بھی قیمت ہاتھ آجائے، وہ اُسے غنیمت سمجھتے تھے، کیونکہ مفت حاصل ہو رہی تھی۔ اس لئے جب کوئی خریدار ملا، انہوں نے اُسے تھوڑی سی قیمت ہی پر بیچ دیا۔ البتہ بعض روایات میں واقعے کی یہ تفصیل آئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انہیں کنوئیں میں ڈال تو گئے تھے، لیکن بڑا بھائی یہوداہ روزانہ اُن کی خبر گیری کے لئے آتا تھا، اور کچھ کھانا بھی انہیں پہنچا دیتا تھا۔ تیسرے دن جب انہیں کنوئیں میں نہ پایا تو تلاش کرنے سے وہ قافلے والے مل گئے۔ اس موقع پر دوسرے بھائی بھی آگئے، اور انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا، اور اگر تم چاہو تو ہم اُسے تمہارے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں۔ چونکہ ان بھائیوں کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ وہ ان کے والد کی سرزمین سے دُور چلے جائیں، قیمت لینا اصل مقصد نہیں تھا، اس لئے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلے والوں کے ہاتھ معمولی قیمت پر بیچ دیا۔ بابل میں بھی یہ مذکور ہے کہ بیچنے والے اُن کے بھائی ہی تھے، اور انہوں نے قافلے والوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کیا تھا۔

(۱۳) قرآن کریم کا خاص اُسلوب یہ ہے کہ وہ کسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے غیر ضروری تفصیلات کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ واقعے کے اہم حصوں کو بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ جن لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فلسطین کے جنگل سے خریدا تھا، چاہے وہ خود قافلے والے ہوں، جیسا کہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، یا وہ ہوں جنہوں نے قافلے والوں سے خریدا، بہر صورت وہ انہیں مصر لے گئے، اور وہاں جا کر انہیں بھاری قیمت پر فروخت کیا۔ وہاں جس شخص نے خریدا، وہ مصر کا وزیر خزانہ تھا جسے اُس وقت

وَلَمَّا بَدَعَ أَشَدَّ آتِيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝<sup>(۲۱)</sup>  
 رَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۖ  
 قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهُ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَاى ۖ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝<sup>(۲۲)</sup> وَلَقَدْ  
 هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا اِبْرٰهٰنَ رَبِّهٖ ۖ كَذٰلِكَ لِنُصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَ  
 الْفَحْشَآءَ ۖ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝<sup>(۲۳)</sup>

اور جب یوسف اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا، اور جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، اُن کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو درغلانی کی کوشش کی، اور سارے دروازوں کو بند کر دیا، اور کہنے لگی: ”آ بھی جاؤ!“ یوسف نے کہا: ”اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے، اُس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔“ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔ ﴿۲۳﴾ اُس عورت نے تو واضح طور پر یوسف (کے ساتھ برائی) کا ارادہ کر لیا تھا، اور یوسف کے دل میں بھی اُس عورت کا خیال آچلا تھا، اگر وہ اپنے رب کی دلیل کو نہ دیکھ لیتے۔ ہم نے ایسا اس لئے کیا تا کہ اُن سے برائی اور بے حیائی کا رُخ پھیر دیں۔ بیشک وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے تھے۔ ﴿۲۴﴾

”عزیز مصر“ کہتے تھے۔ اُس نے اپنی بیوی کو تاکید کی کہ ان کا خاص خیال رکھیں۔ بیوی کا نام روایات میں ”زلیخا“ بتایا گیا ہے۔

(۱۴) یہ وہی عزیز مصر کی بیوی زلیخا تھی جس کا ذکر پچھلے حاشیہ میں گذرا ہے۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی مردانہ حسن پر اتنی فریفتہ ہوئی کہ انہیں گناہ کی دعوت دے بیٹھی۔ قرآن کریم نے اُس کا نام لینے کے بجائے یہ فرمایا ہے کہ ”جس کے گھر میں وہ رہتے تھے“ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے



اُس کی فرمائش سے انکار اور بھی زیادہ مشکل تھا، کیونکہ وہ اُسی کے گھر میں قیام پذیر تھے، اور وہ اُن پر ایک طرح سے حاکمہ کا درجہ رکھتی تھی۔

(۱۵) یہاں ”آقا“ سے مراد اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتے ہیں، اور وہ عزیز مصر بھی ہو سکتا ہے جس نے اُنہیں اپنے گھر میں عزت سے رکھا ہوا تھا، اور مطلب یہ ہوگا کہ تم میرے آقا کی بیوی ہو، اور میں تمہاری بات مان کر اُس کے ساتھ خیانت کیسے کر سکتا ہوں؟

(۱۶) اس آیت کی تفسیر دو طریقے سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے ایک دلیل نہ دیکھ لیتے تو اُن کے دل میں بھی اُس عورت کی طرف جھکاؤ پیدا ہو جاتا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنہیں ایک دلیل نظر آگئی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)، اس لئے اُن کے دل میں اُس عورت کے بارے میں کوئی بُرا خیال تک نہیں آیا۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شروع میں اُن کے دل میں بھی تھوڑا سا میلان پیدا ہوا تھا جو ایک بشری تقاضا ہے، مگر بقول حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اس کی بہترین مثال ایسی ہے جیسے پیاس کی حالت میں روزہ دار کو ٹھنڈا پانی دیکھ کر طبعی طور پر اُس کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے، لیکن روزہ توڑنے کا بالکل ارادہ نہیں ہوتا، اسی طرح غیر اختیاری طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی میلان پیدا ہوا، اور اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو یہ میلان آگے بھی بڑھ سکتا تھا، لیکن اپنے رب کی دلیل دیکھنے کے بعد وہ غیر اختیاری جھکاؤ سے آگے نہیں بڑھا۔ زیادہ تر مفسرین نے اس دوسری تفسیر کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اوّل تو یہ عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے، دوسرے اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کے مقام بلند کا مزید اندازہ ہوتا ہے۔ اگر ان کے دل میں یہ غیر اختیاری خیال بھی پیدا نہ ہوتا تو گناہ سے بچنا اتنا مشکل نہیں تھا، لیکن اس جھکاؤ کے باوجود اپنے آپ کو بچانا زبردست اولوالعزمی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کے تقاضے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے آپ پر قابو رکھنا اور گناہ سے بچنا بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ وہ دلیل کیا تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ”اپنے رب کی دلیل“ سے تعبیر فرمایا ہے؟ اس سوال کا واضح اور بے غبار جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اس عمل کے گناہ ہونے کی دلیل ہے جس کی طرف انہوں نے دھیان رکھا، اور گناہ سے محفوظ رہے۔ بعض روایات میں اس کی یہ تفسیر بھی آئی ہے کہ اُس وقت اُن کو اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھادی گئی تھی۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَبِيضَهُ مِنْ دُبُرٍ ۖ وَالْفَيَّاسِيَّةُ هَالِدَا الْبَابِ ۖ قَالَتْ مَا  
 جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ  
 رَأَوْدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِيهَا ۚ إِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قُدًّا مِنْ قَبْلٍ  
 فَصَدَقْتُ وَهُوَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قُدًّا مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبْتُ وَهُوَ  
 مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے، اور (اس کشمکش میں) اُس عورت نے اُن کے قمیص کو پیچھے کی طرف سے پھاڑ ڈالا۔<sup>(۱۷)</sup> اتنے میں دونوں نے اُس عورت کے شوہر کو دروازے پر کھڑا پایا۔ اُس عورت نے فوراً (بات بنانے کے لئے اپنے شوہر سے) کہا کہ: ”جو کوئی تمہاری بیوی کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے، اُس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ اُسے قید کر دیا جائے، یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے؟“ ﴿۲۵﴾ یوسف نے کہا: ”یہ خود تھیں جو مجھے ورغلا رہی تھیں۔“ اور اُس عورت کے خاندان ہی میں سے ایک گواہی دینے والے نے یہ گواہی دی کہ: ”اگر یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو عورت سچ کہتی ہے، اور وہ جھوٹے ہیں۔“ ﴿۲۶﴾ اور اگر ان کی قمیص پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹ بولتی ہے، اور یہ سچے ہیں۔“ ﴿۲۷﴾<sup>(۱۸)</sup>

(۱۷) حضرت یوسف علیہ السلام اُس عورت سے رُخ موڑ کر دروازے کی طرف بھاگ رہے تھے، عورت نے پیچھے سے اُنہیں کھینچنا چاہا، اس سے قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی عزیز مصر پر واضح کرنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ خود زلیخا کے خاندان کے ایک شخص نے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ایسی علامت بتائی جس کی معقولیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اُس کا کہنا یہ تھا کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو یہ

فَلَمَّا رَاقِبِيصَهُ قَدْ مِّنْ دُبْرٍ قَالَ إِنَّهُ مِّنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝۲۸  
 ۱۳ یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۚ إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝۲۹  
 وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ ۚ قَدْ شَغَفَهَا  
 حُبًّا ۚ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝۳۰

پھر جب شوہر نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو اُس نے کہا کہ: ”یہ تم عورتوں کی مکاری ہے، واقعی تم عورتوں کی مکاری بڑی سخت ہے۔ ﴿۲۸﴾ یوسف! تم اس بات کا کچھ خیال نہ کرو، اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقینی طور پر تو ہی خطا کا تھی۔“ ﴿۲۹﴾  
 اور شہر میں کچھ عورتیں یہ باتیں کرنے لگیں کہ: ”عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کو ورغلا رہی ہے۔ اس نوجوان کی محبت نے اُسے فریفتہ کر لیا ہے۔ ہمارے خیال میں تو یقینی طور پر وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔“ ﴿۳۰﴾

اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ عورت کی طرف بڑھنا چاہتے تھے، عورت نے اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور اس کشش میں اُن کی قمیص پھٹ گئی، لیکن اگر وہ پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آگے بھاگ رہے تھے، زلیخا اُن کا پیچھا کر کے اُنہیں روکنا چاہتی تھی، اور اُنہیں اپنی طرف کھینچنے کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔ اول تو یہ بات ہی نہایت معقول تھی، دوسرے بعض مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گواہی زلیخا کے خاندان کے ایک چھوٹے سے بچے نے دی تھی جو ابھی بولنے کے قابل نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اُسے بولنے کی طاقت اسی طرح عطا فرمادی تھی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ غرض اس ناقابل انکار ثبوت کے بعد عزیز مصر کو یقین ہو گیا کہ سارا قصور اُس کی بیوی کا ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ ہیں۔

(۱۹) عزیز مصر کو یقین ہو گیا تھا کہ شرارت اُس کی بیوی ہی کی تھی، لیکن شاید بدنامی کے خوف سے اُس نے بات کو پوشیدہ رکھا۔

فَلَمَّا سَبَعَتْ بِكَرِهِنَ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝ قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا أُمِرْتُ لَيُسْجَنَ ۖ وَلَيَكُونَنَّ مِنَ الصَّغِيرِينَ ۝

چنانچہ جب اُس (عزیز کی بیوی) نے ان عورتوں کے مکر کی یہ بات سنی تو اُس نے پیغام بھیج کر انہیں (اپنے گھر) بلوالیا، اور اُن کے لئے ایک تکیوں والی نشست تیار کی، اور اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چاقو دے دیا، اور (یوسف سے) کہا کہ: ”ذرا باہر نکل کر ان کے سامنے آ جاؤ۔“ اب جوان عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو انہیں حیرت انگیز (حد تک حسین) پایا، اور (اُن کے حسن سے مبہوت ہو کر) اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، اور بول اُٹھیں کہ: ”حاشا للہ! یہ شخص کوئی انسان نہیں ہے، ایک قابلِ تکریم فرشتے کے سوا یہ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔“ ﴿۳۱﴾ عزیز کی بیوی نے کہا: ”اب دیکھو! یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیئے تھے! یہ بات واقعی سچ ہے کہ میں نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اس پر ڈورے ڈالے، مگر یہ بچ نکلا۔ اور اگر یہ میرے کہنے پر عمل نہیں کرے گا تو اسے قید ضرور کیا جائے گا، اور یہ ذلیل ہو کر رہے گا۔“ ﴿۳۲﴾

(۲۰) ان عورتوں کی اس بات کو ”مکر“ شاید اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ کسی خیر خواہی کی وجہ سے یہ باتیں نہیں بنا رہی تھیں، بلکہ محض زلیخا کو بدنام کرنا مقصود تھا، اور کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی شہرت سن کر یہ باتیں اسی لئے کی ہوں کہ زلیخا اُن کو بھی دیدار کا موقع فراہم کر دے۔

(۲۱) ان کی مہمان نوازی کے لئے پھل دسترخوان پر رکھے گئے تھے، اور چاقو انہیں کاٹنے کے لئے دیا گیا تھا،

قَالَ رَبِّ السِّجْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَلَا أَتَصَرَّفُ عَنْهُ  
كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ  
عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

یوسف نے دُعا کی کہ: ”یا رَب! یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں، اُس کے مقابلے میں قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے۔“ اور اگر تو نے مجھے ان کی چالوں سے محفوظ نہ کیا تو میرا دل بھی ان کی طرف کھینچ لگے گا، اور جو لوگ جہالت کے کام کرتے ہیں، اُن میں میں بھی شامل ہو جاؤں گا۔“ ﴿۳۳﴾ چنانچہ یوسف کے رَب نے ان کی دُعا قبول کی، اور ان عورتوں کی چالوں سے اُنہیں محفوظ رکھا۔ بیشک وہی ہے جو ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔ ﴿۳۴﴾

لیکن شاید زلیخا کو یہ اندازہ تھا کہ جب یہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھیں گی تو یہ چاقو بے خودی کی حالت میں خود ان کے ہاتھوں پر چل جائے گا۔ چنانچہ آگے بیان فرمایا گیا ہے کہ واقعی جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے حسن و جمال میں ایسی محو ہوئیں کہ بے خیالی میں چاقو ان کے ہاتھوں پر چل گیا۔

(۲۲) بعض روایات میں ہے کہ ان عورتوں نے جو پہلے زلیخا کو ملامت کر رہی تھیں، حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے بعد الٹی حضرت یوسف علیہ السلام کو نصیحت کرنی شروع کر دی کہ تمہیں اپنی مالکہ کا کہنا ماننا چاہئے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں میں سے بھی کچھ نے انہیں تنہائی میں نصیحت کے بہانے بلا کر گناہ کی دعوت دینی شروع کی۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دُعا میں صرف زلیخا کا نہیں، بلکہ تمام عورتوں کا ذکر فرمایا۔

ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ لَيْسَ جُنْدَهُ حَتَّىٰ حِينٍ ۝۳۵ وَدَخَلَ مَعَهُ ۴  
السَّجُنَ فَتَيْنِ ۝ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي  
أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۚ إِنَّا نَرَاكَ  
مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝۳۶ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأَكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ  
أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ

پھر ان لوگوں نے (یوسف کی پاکدامنی کی) بہت سی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی مناسب یہی سمجھا کہ انہیں ایک مدت تک قید خانے بھیج دیں۔ ﴿۳۵﴾

اور یوسف کے ساتھ دو اور نوجوان قید خانے میں داخل ہوئے۔ ﴿۳۶﴾ اُن میں سے ایک نے (ایک دن یوسف سے) کہا کہ: ”میں (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں“ اور دوسرے نے کہا کہ: ”میں (خواب میں) یوں دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹی اٹھائی ہوئی ہے، (اور) پرندے اُس میں سے کھا رہے ہیں۔ ذرا ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ، ہمیں تم نیک آدمی نظر آتے ہو۔“ ﴿۳۶﴾ یوسف نے کہا: ”جو کھانا تمہیں (قید خانے میں) دیا جاتا ہے، وہ ابھی آنے نہیں پائے گا کہ میں تمہیں اس کی حقیقت بتا دوں گا۔“ ﴿۳۷﴾

(۲۳) یعنی اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی اور پارسائی کے بہت سے دلائل ان لوگوں کے سامنے آچکے تھے، لیکن عزیز مصر نے اپنی بیوی کو بدنامی سے بچانے اور اس واقعے کا چرچا ختم کرنے کے لئے مناسب یہ سمجھا کہ کچھ عرصے تک انہیں قید خانے ہی میں بند رکھا جائے۔

(۲۴) روایات میں ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بادشاہ کو شراب پلایا کرتا تھا، اور دوسرا اُس کا باورچی تھا، اور ان پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ اس الزام میں ان پر مقدمہ چل رہا تھا جس کی وجہ سے انہیں قید خانے میں بھیجا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی، اور انہوں نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر ان سے پوچھی۔

(۲۵) اس کا مطلب بعض مفسرین نے تو یہ بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں اطمینان دلایا کہ میں

ذٰلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ۖ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ  
هُمۡ كٰفِرُوْنَ ۝۳۷ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اَبَآئِیْ اِبْرٰهَیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ۖ مَا كَانَ لَنَا  
اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ۚ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ  
النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝۳۸

یہ اُس علم کا ایک حصہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ (مگر اس سے پہلے میری ایک بات سنو۔) بات یہ ہے کہ میں نے اُن لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو آخرت کے منکر ہیں۔ ﴿۳۷﴾ اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔ ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ (توحید کا عقیدہ) ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کے فضل کا حصہ ہے، لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۳۸﴾

تمہارے ان خوابوں کی تعبیر ابھی تھوڑی دیر میں بتا دوں گا، اور جو کھانا تمہیں جیل سے ملنے والا ہے، اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی بتا دوں گا۔ اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم عطا فرمایا ہے کہ جو کھانا تمہیں جیل سے ملنے والا ہو، اس کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ اس مرتبہ کونسا کھانا تمہیں دیا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ مجھے بہت سی باتیں وحی کے ذریعے بتا دیتے ہیں۔ یہ بات آپ نے اس لئے ارشاد فرمائی کہ آپ ان دونوں کو توحید کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ اور ان کو آپ کے اس علم کا پتہ چلنے سے اس بات کی اُمید تھی کہ وہ آپ کی بات کو غور سے سنیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو دین کی کوئی بات بتانی ہو تو اُس کے دل میں اپنا اعتماد پیدا کرنے کے لئے اگر کوئی شخص اپنے علم کا اظہار کر دے، اور محض بڑائی جتنا مقصود نہ ہو تو ایسا اظہار کرنا جائز ہے۔

(۲۶) حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ دونوں قیدی ان پر خواب کی تعبیر کے بارے میں بھروسہ کر رہے ہیں، اور انہیں نیک بھی سمجھتے ہیں تو خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے ان کو دین حق کی دعوت دینا مناسب سمجھا، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر یہ تھی کہ اُسے سولی دی جائے گی، اور اس طرح اُس کی زندگی کی مہلت ختم ہونے والی ہے، اس لئے آپ نے چاہا کہ مرنے سے پہلے وہ ایمان لے آئے، تاکہ اس کی آخرت سنور جائے۔ یہی پیغمبرانہ اسلوب ہے کہ وہ جب کوئی مناسب موقع دیکھتے ہیں، اپنی دعوت پیش کرنے سے نہیں چوکتے۔

يٰصَاحِبِ السِّجْنِ اَنْرُبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرًا اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۞ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَيَّمَتْهُمَا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يٰصَاحِبِ السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُكُمْ فَيَسْتَقِيْ رَبَّهُ خَيْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاسِهٖ ۚ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيْنَ ۝ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْ كُرْتِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے؟ ﴿۳۹﴾ اُس کے سوا جس جس کی تم عبادت کرتے ہو، اُن کی حقیقت چند ناموں سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے اُن کے حق میں کوئی دلیل نہیں اُتاری۔ حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اُسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۴۰﴾ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! (اب اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ (قید سے آزاد ہو کر) اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔ رہا دوسرا، تو اُسے سولی دی جائے گی، جس کے نتیجے میں پرندے اُس کے سر کو (نوج کر) کھائیں گے۔ جس معاملے میں تم پوچھ رہے تھے، اُس کا فیصلہ (اسی طرح) ہو چکا ہے۔ ﴿۴۱﴾ اور ان دونوں میں سے جس کے بارے میں اُن کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اُس سے یوسف نے کہا کہ: ”اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا۔“

(۲۷) آقا سے مراد بادشاہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جس قیدی کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ چھوٹ جائے گا، اور واپس جا کر حسبِ معمول اپنے آقا کو شراب پلائے گا، اُس سے آپ نے یہ بات فرمائی کہ تم اپنے آقا یعنی بادشاہ سے میرا تذکرہ کرنا کہ ایک شخص بے گناہ جیل میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کے معاملے پر آپ کو



عَجَّ فَأَنسَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ۖ وَقَالَ الْمَلِكُ  
 إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُتَبِلَتْ خُضْرًا  
 أُخْرَىٰ يَسْتِ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءُوسِي إِن كُنْتُمْ لِلرُّءُوسِيَاءِ تَعْبُرُونَ ۖ  
 قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۚ وَمَنْ خَنْ بَتًا وَيْلَ الْآحْلَامِ بِعِلْمَيْكَ ۖ

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اُس کو یہ بات بھلا دی کہ وہ اپنے آقا سے یوسف کا تذکرہ کرتا۔ چنانچہ وہ کئی  
 برس قید خانے میں رہے۔ ﴿۴۲﴾ اور (چند سال بعد مصر کے) بادشاہ نے (اپنے درباریوں سے)  
 کہا کہ: ”میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دُبلے پتلی  
 گائیں کھا رہی ہیں، نیز سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔  
 اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کا مطلب بتاؤ۔“ ﴿۴۳﴾  
 انہوں نے کہا کہ: ”یہ پریشان قسم کے خیالات (معلوم ہوتے) ہیں، اور ہم خوابوں کی تعبیر کے علم  
 سے واقف (بھی) نہیں۔“ ﴿۴۴﴾

توجہ کرنی چاہئے۔ مگر جیسا کہ آگے بیان فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ شخص بادشاہ سے یہ بات کہنا  
 بھول گیا جس کی وجہ سے انہیں کئی سال اور جیل میں رہنا پڑا۔

(۲۸) بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا، وہ اُس کی تعبیر جاننا چاہتا تھا، مگر دربار کے لوگوں نے پہلے تو یہ کہا کہ یہ کوئی  
 بامعنی خواب معلوم نہیں ہوتا، پریشان قسم کے خیالات بعض اوقات ایسے خوابوں کا رُوپ دھار لیتے ہیں۔ پھر یہ  
 بھی کہا کہ اگر یہ واقعی کوئی بامعنی خواب ہے، تب بھی ہم اس کی تعبیر بتانے سے قاصر ہیں، کیونکہ ہم اس علم سے  
 واقف نہیں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۝  
يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عَجَافٍ  
وَسَبْعِ سُبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسٍ لَّعَلَّ أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

اور ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا، اور اُسے ایک لمبے عرصے کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی تھی، اُس نے کہا کہ: ”میں آپ کو اس خواب کی تعبیر بتائے دیتا ہوں، بس مجھے (یوسف کے پاس قید خانے میں) بھیج دیجئے۔“ ﴿۲۵﴾ (چنانچہ اُس نے قید خانے میں پہنچ کر یوسف سے کہا: ”یوسف! اے وہ شخص جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے! تم ہمیں اس (خواب) کا مطلب بتاؤ کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات ڈبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور دوسرے سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ شاید میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں (اور انہیں خواب کی تعبیر بتاؤں) تاکہ وہ بھی حقیقت جان لیں۔“ ﴿۲۶﴾

(۲۹) یہ وہی قیدی تھا جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس کے خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ اُسے جیل سے رہائی مل جائے گی، اور جب وہ رہا ہوا تھا تو اُس سے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا، مگر وہ اُن کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ اب جو بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو اُسے یاد آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا خاص علم عطا فرمایا ہے، اور وہ اس خواب کی صحیح تعبیر بتا سکتے ہیں۔ اس لئے اُس نے بادشاہ کو بتایا کہ قید خانے میں ایک شخص ہے جو خواب کی بہترین تعبیر بتاتا ہے، آپ مجھے اُس کے پاس بھیج دیجئے۔ قرآن کریم چونکہ قصہ گوئی کی کتاب نہیں ہے، بلکہ ہر قصے سے اُس کا کوئی مقصد وابستہ ہوتا ہے، اس لئے اس کا یہ خاص اسلوب ہے کہ جو باتیں سننے والا خود اپنی سمجھ سے نکال سکتا ہے، اُن کی تفصیل بیان نہیں کرتا۔ چنانچہ یہاں بھی صریح لفظوں میں یہ فرمانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ اُس کے بعد بادشاہ نے اُس کو قید خانے میں بھیجا، اور وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے اُس کی ملاقات ہوئی، اور اُس نے اُن سے کہا، بلکہ براہ راست بات یہاں سے شروع فرمادی کہ: ”یوسف! اے وہ شخص جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے...“

(۳۰) حقیقت جان لینے کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ خواب کی صحیح تعبیر سمجھ لیں، اور یہ بھی کہ وہ حضرت یوسف

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابَّاءَ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا ۝ لَحْمًا حَصُون ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْرِشُونَ ۝<sup>۱۴</sup>

یوسف نے کہا: ”تم سات سال تک مسلسل غلہ زمین میں اُگاؤ گے۔ اس دوران جو فصل کاٹو، اُس کو اُس کی بالیوں ہی میں رہنے دینا، البتہ تھوڑا سا غلہ جو تمہارے کھانے کے کام آئے، (وہ نکال لیا کرو۔) ﴿۴۷﴾ پھر اس کے بعد تم پر سات سال ایسے آئیں گے جو بڑے سخت ہوں گے، اور جو کچھ ذخیرہ تم نے ان سالوں کے واسطے جمع کر رکھا ہوگا، اُس کو کھا جائیں گے، ہاں البتہ تھوڑا سا حصہ جو تم محفوظ کر سکو گے، (صرف وہ بچ جائے گا) ﴿۴۸﴾ پھر اُس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر خوب بارش ہوگی، اور وہ اس میں انگور کا شیرہ نچوڑیں گے۔“ ﴿۴۹﴾<sup>(۳۱)</sup>

علیہ السلام کے بارے میں حقیقتِ حال سے واقف ہو جائیں کہ ایک ایسا نیک اور راست باز انسان بے گناہ قید میں پڑا ہوا ہے۔

(۳۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر دی، اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ آئندہ سات سال تک تو موسم ٹھیک رہے گا جس کے نتیجے میں لوگ خوب غلہ اُگائیں گے، لیکن اس کے بعد سات سال تک زبردست قحط پڑے گا۔ سات موٹی تازی گائیں جو خواب میں نظر آئی ہیں، اُن سے مراد سات خوشحالی کے سال ہیں، اور جو سات دُبی پتلی گائیں دیکھی گئی ہیں، اُن سے قحط کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے۔ اب ان سات قحط کے سالوں کا پہلے سے انتظام کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر بتائی کہ خوشحالی کے سات سالوں میں جتنا غلہ اُگے، اُس میں سے تھوڑا تھوڑا تو اپنے روزمرہ کے کھانے کے لئے نکال لیا جائے، اور باقی غلہ کو اُس کی بالیوں ہی میں پڑا رہنے دیا جائے، تاکہ وہ سڑ کر خراب نہ ہو۔ جب قحط کے سات سال آئیں گے تو یہ ذخیرہ اُس وقت کام آئے گا، اور قحط کے یہ سات سال اس سارے ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ اور خواب میں دُبی پتلی گائیں جو موٹی گایوں کو کھاتی ہوئی نظر آئی ہیں، اُن کا مطلب یہی ہے کہ قحط کے سال خوشحالی کے سالوں میں جمع کئے ہوئے ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ البتہ تھوڑا سا غلہ آئندہ بچ ڈالنے کے لئے بچا رہے گا جو آئندہ سال کی کاشت کے کام آئے گا۔ چنانچہ اگلے سال خوب بارشیں ہوں گی، اور لوگ انگور کا خوب رس نکالیں گے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اسْتَوْنِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝

اور بادشاہ نے کہا کہ: ”اُس کو (یعنی یوسف کو) میرے پاس لے کر آؤ۔“ چنانچہ جب اُن کے پاس ایٹلی پہنچا تو یوسف نے کہا: ”اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔“ ﴿۵۰﴾

(۳۲) یہاں پھر قرآن کریم نے واقعے کے وہ حصے حذف فرمادیئے ہیں جو خود سمجھ میں آسکتے ہیں۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر دی تھی، وہ بادشاہ کو بتائی گئی، بادشاہ نے تعبیر سن کر ان کو قدر دانی کے طور پر اپنے پاس بلوانا چاہا، اور اس مقصد کے لئے اپنا ایک ایٹلی بھیجا۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ اپنی رہائی سے پہلے اُس جھوٹے الزام کی واضح طور پر صفائی کروائیں جو اُن پر لگایا گیا تھا۔ اس لئے اس مرحلے پر انہوں نے ایٹلی کے ساتھ جانے کے بجائے بادشاہ کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ پہلے ان عورتوں کے معاملات کی تحقیق کریں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، چونکہ ان عورتوں کو ساری بات معلوم تھی، اور ان کے ذریعے حقیقت کا معلوم کرنا زیادہ آسان تھا، اس لئے زلیخا کے بجائے ان کا حوالہ دیا۔ اور اگرچہ یہ تحقیق جیل سے رہا ہونے کے بعد بھی کی جاسکتی تھی، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے شاید اس لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا تاکہ بادشاہ اور عزیز مصر وغیرہ پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کو اپنی بے گناہی پر اتنا یقین ہے کہ وہ بے گناہی ثابت ہوئے بغیر جیل سے رہا ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے انداز سے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ انہیں کوئی اعزاز دیں گے۔ اس اعزاز کے ملنے کے بعد تحقیقات کے غیر جانب دارانہ ہونے میں لوگوں کو شکوک اور شبہات ہو سکتے تھے، اس لئے آپ نے مناسب یہی سمجھا کہ جیل سے اُس وقت نکلیں جب غیر جانب دارانہ تحقیق کے نتیجے میں الزام کا ہر داغ دھل چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی کا یقین ہو گیا، اور اُس نے جب ان عورتوں کو بلا کر ان سے اس انداز میں سوال کیا جیسے اُسے ساری حقیقت معلوم ہے تو وہ حقیقت سے انکار نہ کر سکیں، بلکہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی

قَالَ مَا خَطْبُكَ إِذْ رَأَوْنِي يُؤْسِفُ عَنْ نَفْسِهِ ۖ قُلْنَا حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ۖ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ النَّحْصُصَ الْحَقُّ ۖ أَنَا رَأَوْنَاهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ (۵۱) ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخْنُهِ بِالْغَيْبِ وَإِنَّا لِلَّهِ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَاسِرِينَ ۝ (۵۲) وَمَا أَبْرَأُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۵۳)

بادشاہ نے (اُن عورتوں کو بلا کر اُن سے) کہا: ”تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی؟“ ان سب عورتوں نے کہا کہ: ”حاشا للہ! ہم کو ان میں ذرا بھی تو کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔“ عزیز کی بیوی نے کہا کہ: ”اب تو حق بات سب پر کھل ہی گئی ہے۔ میں نے ہی ان کو ورغلانے کی کوشش کی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل سچے ہیں۔“ ﴿۵۱﴾ (جب یوسف کو قید خانے میں اس گفتگو کی خبر ملی تو انہوں نے کہا کہ: ) ”یہ سب کچھ میں نے اس لئے کیا تا کہ عزیز کو یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اُس کی غیر موجودگی میں اُس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی، اور یہ بھی کہ جو لوگ خیانت کرتے ہیں، اللہ اُن کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔“ ﴿۵۲﴾ اور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے، ہاں میرا رب رحم فرما دے تو بات اور ہے (کہ اس صورت میں نفس کا کوئی داؤ نہیں چلتا۔) بیشک میرا رب بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۵۳﴾

بے گناہی کی صاف لفظوں میں گواہی دی۔ اس مرحلے پر عزیز مصر کی بیوی زلیخا کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ اصل غلطی اُسی کی تھی۔ شاید اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے جرم کے اقرار اور توبہ کے ذریعے وہ بھی پاک صاف ہو سکے۔ (۳۳) حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضع اور عبدیت کا کمال دیکھئے کہ اس موقع پر جب ان کی بے گناہی خود ان عورتوں کے اعتراف سے ثابت ہو گئی، تب بھی اس پر اپنی بڑائی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے یہ فرما رہے ہیں کہ میں اس انتہائی خطرناک جال سے جو بچا ہوں، اُس میں میرا کوئی کمال نہیں، نفس تو میرے پاس بھی ہے جو

وَقَالَ الْمَلِكُ اسْتَوْثِنِي بِهِ اسْتَخِصَّهُ لِنَفْسِي ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ ﴿۵۵﴾ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا يُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ يَتَّبِعُوهُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَلَا جُرْأُودَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾

۸

اور بادشاہ نے کہا کہ: ”اُس کو میرے پاس لے آؤ، میں اُسے خالص اپنا (معاون) بناؤں گا۔“ چنانچہ جب (یوسف بادشاہ کے پاس آ گئے، اور) بادشاہ نے اُن سے باتیں کیں تو اُس نے کہا: ”آج سے ہمارے پاس تمہارا بڑا مرتبہ ہوگا، اور تم پر پورا بھروسہ کیا جائے گا۔“ ﴿۵۴﴾ یوسف نے کہا کہ: ”آپ مجھے ملک کے خزانوں (کے انتظام) پر مقرر کر دیجئے۔ یقین رکھئے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے، (اور) میں (اس کام کا) پورا علم رکھتا ہوں۔“ ﴿۵۵﴾ اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں ایسا اقتدار عطا کیا کہ وہ اُس میں جہاں چاہیں، اپنا ٹھکانا بنائیں۔ ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں، پہنچاتے ہیں، اور نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ ﴿۵۶﴾ اور آخرت کا جو اجر ہے، وہ اُن لوگوں کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لاتے اور تقویٰ پر کار بند رہتے ہیں۔ ﴿۵۷﴾

انسان کو برائی کی تلقین کرتا رہتا ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے، اُس کے فریب سے بچا لیتا ہے۔ البتہ دوسرے دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ رحم و کرم اُسی پر ہوتا ہے جو گناہ سے بچنے کے لئے اپنی سی کوشش کر گذرے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دروازے تک بھاگ کر کی تھی، اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے رُجوع کر کے اُس سے پناہ مانگے۔

(۳۴) بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے جو باتیں کیں، اُن کی تفصیل بعض روایات میں اس طرح آئی

ہے کہ اُس نے پہلے تو خواب کی تعبیر خود حضرت یوسف علیہ السلام سے سننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی کچھ ایسی تفصیلات اُس سے بیان کیں جو بادشاہ نے اب تک کسی اور کو نہیں بتائی تھیں۔ اس پر وہ نہایت حیرت زدہ ہوا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کے سالوں کا انتظام کرنے کے لئے بھی بڑی مفید تجویزیں پیش کیں جو اُسے بہت پسند آئیں، اور اُسے آپ کی نیکی کا اطمینان ہو گیا۔ اس موقع پر اُس نے آپ سے کہا کہ آپ پر چونکہ ہمیں پورا بھروسہ ہو چکا ہے، اس لئے آپ کا شمار حکومت کے معتمد افراد میں ہوگا۔ نیز جب حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کے اثرات سے بچنے کی تدبیر بتائی تو بادشاہ نے پوچھا کہ اس کا انتظام کون کرے گا؟ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے پیشکش کی کہ میں یہ ذمہ داری لینے کو تیار ہوں۔

(۳۵) عام حالات میں حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، لیکن جب کسی سرکاری عہدے کے نااہلوں کے سپرد ہونے کی وجہ سے خلق خدا کی پریشانی کا قوی خطرہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں کسی نیک، پارسا اور متقی آدمی کے لئے عہدے کا طلب کرنا جائز ہے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو اندیشہ تھا کہ قحط کا جو زمانہ آنے والا ہے، اُس میں لوگوں کے ساتھ نا انصافیاں ہوں گی، اس کے علاوہ اُس ملک میں اللہ تعالیٰ کا قانون جاری کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود یہ ذمہ داری قبول فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ فرمائیں۔ اس لئے آپ نے ملک کے خزانوں کا انتظام اپنے سر لے لیا۔ پھر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ بادشاہ نے حکومت کے سارے اختیارات اُنہی کے سپرد کر دیئے تھے، اور وہ پورے ملک کے حکمران بن گئے تھے۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے کہ بادشاہ اُن کے ہاتھ پر مسلمان بھی ہو گیا تھا۔ لہذا حضرت یوسف علیہ السلام کا اس ذمہ داری کو قبول کرنا پورے ملک پر اللہ تعالیٰ کا قانون انصاف نافذ ہونے کا ذریعہ بن گیا۔

(۳۶) دُنیا میں حضرت یوسف علیہ السلام کو جو عزت اور اقتدار ملا، اُس کے ذکر کے ساتھ قرآن کریم نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ اُس اجر عظیم کے مقابلے میں بہت کم ہے جو اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔ اس طرح ہر وہ شخص جس کو دُنیا میں کوئی عزت اور دولت ملی ہو، اُسے یہ ابدی نصیحت فرمادی گئی ہے کہ اُس کو اصل فکر اس بات کی کرنی چاہئے کہ اس دُنیا کی عزت و دولت کے نتیجے میں آخرت کا اجر ضائع نہ ہو۔

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ اسْتَئْذِنِي بَاخِ لَكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ

اور (جب قحط پڑا تو) یوسف کے بھائی آئے، اور ان کے پاس پہنچے، تو یوسف نے انہیں پہچان لیا، اور وہ یوسف کو نہیں پہچانے۔ ﴿۵۸﴾ اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو ان سے کہا کہ (آئندہ) اپنے باپ شریک بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا۔

(۳۷) جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی تھی، سات سال بعد پورے مصر میں سخت قحط پڑا، اور اس پاس کے علاقے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ خوشحالی کے سات سالوں میں مسلسل غلے کا ذخیرہ کیا جائے، تاکہ جب قحط کے سال آئیں تو یہ ذخیرہ لوگوں کے کام آئے۔ اس موقع پر آپ نہ صرف اپنے علاقے کے لوگوں کو سستے داموں غلہ فروخت کر سکیں گے، بلکہ ارد گرد کے دوسرے علاقوں کے لوگوں کی بھی مدد کر سکیں گے۔ چنانچہ اس قحط کے نتیجے میں دُور دُور تک غلے کی بڑی قلت ہو گئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد) اس پورے عرصے میں فلسطین کے علاقے کنعان ہی میں تھے، جب کنعان میں بھی قحط پڑا تو انہیں اور ان کے صاحبزادوں کو پتہ چلا کہ مصر کے بادشاہ نے قحط زدہ لوگوں کے لئے راشن مقرر کر رکھا ہے، اور وہاں سے مناسب قیمت پر غلہ مل سکتا ہے۔ اس خبر کو سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دس باپ شریک بھائی جنہوں نے ان کو بچپن میں کنوئیں میں ڈالا تھا، راشن لینے کے لئے مصر آئے۔ البتہ ان کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے۔ یہاں راشن کی تقسیم کا سنار انتظام حضرت یوسف علیہ السلام خود کر رہے تھے، تاکہ سب لوگوں کو انصاف کے ساتھ راشن مل سکے۔ چنانچہ ان بھائیوں کو ان کے سامنے آنا پڑا۔

(۳۸) حضرت یوسف علیہ السلام تو ان کو اس لئے پہچان گئے کہ ان کی صورتوں میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی تھی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو توقع بھی تھی کہ وہ راشن لینے کے لئے آئیں گے۔ لیکن وہ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لئے نہیں پہچان سکے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سات سال کی عمر میں دیکھا تھا، اور اب وہ بہت بڑے ہو چکے تھے، اس لئے صورت میں بڑی تبدیلی آچکی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مصر کے محلات میں ہو سکتے ہیں۔

(۳۹) دراصل ہوا یہ تھا کہ جب ان دس بھائیوں کو ایک ایک اُونٹ کا بوجھ غلہ مل گیا تو انہوں نے حضرت یوسف



اَلَا تَرَۤنَ اَنْۢیْ اُفِی الْکَیۡلَ وَاَنَا خَیۡرُ الْمُنۡزِلِیۡنَ ۝۵۹ فَاِنْ لَّمْ تَاۡتُوۡنِیۡ بِہٖ فَلَا کَیۡلَ لَکُمۡ عِنۡدِی وَلَا تَقۡرُبُوۡنَ ۝۶۰ قَالُوۡا سُبۡرَاوِدُ عَنْہُ اَبَاہُ وَاِنَّا لَفَاعِلُوۡنَ ۝۶۱ وَقَالَ لِفَتٰیئِہٖ اجْعَلُوۡا بِضَاعَتَہُمۡ فِیۡ رِحَالِہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَعۡرِفُوۡنَهَا اِذَا اُنۡقَلِبُوۡا اِلٰی اٰہِلِہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَرْجِعُوۡنَ ۝۶۲

کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ میں پیمانہ بھر بھر کر دیتا ہوں، اور میں بہترین مہمان نواز بھی ہوں؟ ﴿۵۹﴾ اب اگر تم اُسے لے کر نہ آئے تو میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ نہیں ہوگا، اور تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ ﴿۶۰﴾ وہ بولے: ”ہم اُس کے والد کو اُس کے بارے میں بہلانے کی کوشش کریں گے (کہ وہ اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیں) اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔“ ﴿۶۱﴾ اور یوسف نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ وہ ان (بھائیوں) کا مال (جس کے بدلے انہوں نے غلہ خریدا ہے) انہی کے کجاووں میں رکھ دیں، تاکہ جب یہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں تو اپنے مال کو پہچان لیں۔ شاید (اس احسان کی وجہ سے) وہ دوبارہ آئیں۔ ﴿۶۲﴾

علیہ السلام سے کہا کہ ہمارا ایک باپ شریک بھائی ہے جو ہمارے والد کی خدمت کے لئے وہاں رہ گیا ہے، اور یہاں نہیں آسکا۔ آپ اس کے حصے کا غلہ بھی ہمیں دے دیجئے۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ راشن کے جو قواعد مقرر کئے گئے ہیں، اُن کی رُو سے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ البتہ اگلی مرتبہ جب آپ آئیں تو اسے بھی ساتھ لے کر آئیں تو میں سب کا حصہ پورا پورا دوں گا۔ اور اگر اس مرتبہ آپ لوگ اُسے ساتھ نہ لائے تو آپ کے اپنے حصے کا غلہ بھی آپ کو نہیں ملے گا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے جھوٹ بولا تھا کہ آپ کا کوئی اور بھائی بھی ہے، اور دھوکا دینے والوں کو راشن نہیں دیا جاسکتا۔

(۴۰) حضرت یوسف علیہ السلام نے ان بھائیوں کے ساتھ یہ احسان فرمایا کہ غلے کو خریدنے کے لئے جو قیمت انہوں نے دی تھی، وہ واپس انہی کے سامان میں رکھوا دی۔ اُس زمانے میں بچے چاندی کے سکوں کے بجائے مختلف قسم کا سامان قیمت کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنعان سے کچھ چمڑا اور جوستے لے کر آئے تھے، وہی انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر پیش کیا، اور اُسی کو حضرت یوسف علیہ السلام

فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ آبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانَ نَحْتَلِ  
وَأَنَّا لَهُ لَحَفُظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا آمَنُتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ  
قَبْلُ ۖ قَالَ اللَّهُ خَيْرٌ حَفِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا  
بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا  
وَنَبِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ آخَانَ وَنُزِدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾

چنانچہ جب وہ اپنے والد کے پاس واپس پہنچے تو انہوں نے کہا: ”ابا جان! آئندہ ہمیں غلہ دینے سے  
انکار کر دیا گیا ہے، لہذا آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، تاکہ ہم (پھر) غلہ  
لا سکیں، اور یقین رکھئے کہ ہم اُس کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔“ ﴿۶۳﴾ والد نے کہا: ”کیا  
میں اُس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر  
پہلے کیا تھا؟ خیر! اللہ سب سے بڑھ کر نگہبان ہے، اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا  
ہے۔“ ﴿۶۴﴾ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ اُن کا مال بھی اُن کو لوٹا دیا گیا ہے۔ وہ  
کہنے لگے: ”ابا جان! ہمیں اور کیا چاہئے؟ یہ ہمارا مال ہے جو ہمیں لوٹا دیا گیا ہے۔ اور (اس مرتبہ)  
ہم اپنے گھر والوں کے لئے اور غلہ لائیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ایک اونٹ کا  
بوجھ زیادہ لے کر آئیں گے۔ (اس طرح) یہ زیادہ غلہ بڑی آسانی سے مل جائے گا۔“ ﴿۶۵﴾

نے واپس ان کے سامان میں رکھوا دیا۔ یہ ظاہر بات ہے کہ انہوں نے اپنی جیب سے اتنی قیمت سرکاری خزانے  
میں جمع کرا دی ہوگی۔

(۶۱) یعنی اگر ہم بنیامین کو ساتھ لے کر نہ گئے تو ہم میں سے کسی کو غلہ نہیں مل سکے گا۔

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُوا مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦١﴾ وَقَالَ يُبْنَىٰ لَكَ تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَأَدْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ۖ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۗ

والد نے کہا: ”میں اس (بنیامین) کو تمہارے ساتھ اُس وقت تک ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک تم اللہ کے نام پر مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ اُسے ضرور میرے پاس واپس لے کر آؤ گے، (الایہ کہ تم) (واقعی) بے بس ہو جاؤ۔“ چنانچہ جب انہوں نے اپنے والد کو یہ عہد دے دیا تو والد نے کہا: ”جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں، اُس پر اللہ نگہبان ہے۔“ ﴿۶۱﴾ اور (ساتھ ہی یہ بھی) کہا کہ: ”میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔“ میں اللہ کی مشیت سے تمہیں نہیں بچا سکتا، حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور جن جن کو بھروسہ کرنا ہو، انہیں چاہئے کہ اُسی پر بھروسہ کریں۔“ ﴿۶۲﴾ اور جب وہ (بھائی) اُسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح اُن کے والد نے کہا تھا، تو یہ عمل اللہ کی مشیت سے اُن کو ذرا بھی بچانے والا نہیں تھا، لیکن یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جو انہوں نے پوری کر لی۔

(۶۲) یہ تاکید حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس خیال سے فرمائی کہ یہ گیارہ کے گیارہ بھائی جو سب ماشاء اللہ قد آو اور حسین و جمیل تھے، جب ایک ساتھ شہر میں داخل ہوں گے، تو کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

(۶۳) نظر بد سے بچنے کی تدبیر بتانے کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ انسان کی کسی تدبیر میں بذات خود کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے تو انسان کی تدبیر میں اثر پیدا فرما دیتا ہے، اور چاہتا ہے تو وہ بے اثر ہو جاتی ہے۔ لہذا ایک مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی سی تدبیر تو ضرور کرے، لیکن بھروسہ اُس تدبیر کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی پر رکھے۔

وَإِنَّهُ لَدُوْعٌ عَلِيمٌ لِّسَاعَتِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ وَلَبَّادٌ خَلَوْا عَلَىٰ  
يُوسُفَٰ أَوْ إِلَىٰ إِلَٰهِهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا خُوكَ فَلَا تَبْتَسِ بِمَاهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾  
فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَاحِلٍ أُخِيهِ ثُمَّ آذِنَ مَوْذِنًا أَيْتَهَا  
الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسِرْقُونَ ﴿٧٠﴾

بیشک وہ ہمارے سکھائے ہوئے علم کے حامل تھے، لیکن اکثر لوگ (معاملے کی حقیقت) نہیں  
جانتے۔ ﴿۶۸﴾ اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے (سگے) بھائی (بنیامین)  
کو اپنے پاس خاص جگہ دی، (اور انہیں) بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں، لہذا تم ان باتوں پر رنجیدہ نہ  
ہونا جو یہ (دوسرے بھائی) کرتے رہے ہیں۔ ﴿۶۹﴾ پھر جب یوسف نے اُن کا سامان تیار کر دیا تو  
پانی پینے کا پیالہ اپنے (سگے) بھائی کے کجاوے میں رکھوا دیا، پھر ایک منادی نے پکار کر کہا کہ: ”اے  
قالے والو! تم چور ہو۔“ ﴿۷۰﴾

(۴۴) یعنی بہت سے لوگ یا تو اپنی ظاہری تدبیروں ہی کو موثر حقیقی سمجھ بیٹھتے ہیں، یا ان پر اتنا بھروسہ کر لیتے ہیں  
کہ انہیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان تدبیروں میں تاخیر پیدا نہ فرمائیں، اُن کا کوئی نتیجہ  
برآمد نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام ایسے نہیں تھے، انہوں نے جب اپنے صاحبزادوں کو نظر بد سے  
بچنے کی تدبیر بتائی تو ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ یہ محض ایک تدبیر ہے، لیکن نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے  
سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی یہ تدبیر نظر بد سے حفاظت کی حد تک تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام آئی، لیکن  
اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے یہ بھائی ایک اور مشکل میں گرفتار ہوئے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۴۵) روایات میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دو دو بھائیوں کو ایک کمرے میں ٹھہرایا تھا، اس  
طرح پانچ کمروں میں دس بھائی مقیم ہو گئے۔ بنیامین رہ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے  
ساتھ رہیں گے۔ اس طرح انہیں اپنے سگے بھائی کے ساتھ تنہائی کا موقع مل گیا، جس میں ان کو بتا دیا کہ میں تمہارا  
سگے بھائی ہوں۔ بنیامین نے اس موقع پر کہا کہ اب میں ان بھائیوں کے ساتھ واپس جانا نہیں چاہتا۔ اس کے  
لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ تدبیر اختیار کی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

(۴۶) یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود اپنی طرف سے پیالہ ان کے سامان میں رکھنے کے بعد اتنے

قَالُوا أَتُحِبُّهُمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٤١﴾ قَالُوا تَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حُلٌّ بَعِيرٌ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٤٢﴾ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْتُم بِفُسْدٍ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سِرْقِينَ ﴿٤٣﴾

انہوں نے ان کی طرف مڑ کر پوچھا کہ: ”کیا چیز ہے جو تم سے گم ہو گئی ہے؟“ ﴿٤١﴾ انہوں نے کہا کہ: ”ہمیں بادشاہ کا پیانہ نہیں مل رہا، اور جو شخص اُسے لا کر دے گا، اُس کو ایک اُونٹ کا بوجھ (انعام میں) ملے گا، اور میں اس (انعام کے دلوانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں۔“ ﴿٤٢﴾ وہ (بھائی) بولے: ”اللہ کی قسم! آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد پھیلانے کے لئے نہیں آئے تھے، اور نہ ہم چوری کرنے والے لوگ ہیں۔“ ﴿٤٣﴾

وٹوق کے ساتھ ان کو چور قرار دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پیالہ خفیہ طور پر رکھوایا تھا، اور جب عملے کے لوگوں کو پیالہ نہ ملا تو انہوں نے اپنی طرف سے ان لوگوں کو چور قرار دیا، حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہیں۔ لیکن جس سیاق میں قرآن کریم نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے، اس میں یہ احتمال بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کو چور قرار دینا ایک تور یہ تھا، اور ان کو چور اس معنی میں کہا گیا تھا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں اپنے والد سے چرا لیا تھا۔ تیسرے بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ تدبیر چونکہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سکھائی تھی، جیسا کہ آگے آیت: ۷۶ میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ: ”اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی“ اس لئے جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، اور جس طرح سورہ کہف میں حضرت خضر علیہ السلام نے کئی کام بظاہر شریعت کے خلاف کئے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نکوینی حکم سے تھے، اس لئے ان کے لئے جائز تھے، اسی طرح یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے جو عمل کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا، اس لئے اس پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

(۴۷) یہ شاہی پیانہ تھا، اور بظاہر قیمتی تھا، ورنہ اس کی تلاش میں اتنی محنت نہ کی جاتی۔

قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ﴿۴۴﴾ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنُ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۴۵﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهُمَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ ۖ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَن نَّشَاءُ ۖ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿۴۶﴾

انہوں نے کہا کہ: ”اگر تم لوگ جھوٹے (ثابت) ہوئے تو اس کی کیا سزا ہوگی؟“ ﴿۴۴﴾ انہوں نے کہا: ”اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں سے وہ (پیالہ) مل جائے، وہ خود سزا میں دھریا جائے۔ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، ہم ان کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“ ﴿۴۵﴾ چنانچہ یوسف نے اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی شروع کی، پھر اُس پیالے کو اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے میں سے برآمد کر لیا۔ ﴿۴۶﴾ اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی۔ اللہ کی یہ مشیت نہ ہوتی تو یوسف کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتے، اور ہم جس کو چاہتے ہیں، اُس کے درجے بلند کر دیتے ہیں، اور جتنے علم والے ہیں، ان سب کے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔ ﴿۴۶﴾

(۴۸) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم ہے کہ جو چوری کرے، اُسے گرفتار کر کے رکھ لیا جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے خود ان بھائیوں سے یہ بات کہلوادی کہ چور کو یہ سزا ملنی چاہئے، چنانچہ جو سزا دی گئی، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق دی گئی، ورنہ بادشاہ کے قانون میں چور کی پٹائی کی جاتی تھی، اور جرمانہ عائد کیا جاتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے یہ سوال اس لئے فرمایا کہ انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے خلاف فیصلہ نہ کرنا پڑے، اور بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا موقع بھی مل جائے۔

(۴۹) پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی اس لئے شروع فرمائی تاکہ تلاشی غیر جانب دار سمجھی جائے۔ (۵۰) یہ سارے بھائی خوش خوشی یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم نے اپنا مقصد پالیا، لیکن ان کو یہ علم نہیں تھا کہ چلتے چلتے کیا ہونے والا ہے؟ کوئی شخص کتنے ہی بڑے علم کا دعویٰ کرتا ہو، اللہ تعالیٰ کا علم اُس پر یقیناً فائق ہے۔

قَالُوا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخَاهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسْرَٰهٖ يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شُرُكَّاؤُا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿٥١﴾

(بہر حال!) وہ بھائی بولے کہ: ”اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے تو (کچھ تعجب نہیں، کیونکہ) اس کا ایک بھائی اس سے پہلے بھی چوری کر چکا ہے۔“ <sup>(۵۱)</sup> اس پر یوسف نے ان پر ظاہر کئے بغیر چپکے سے (دل میں) کہا کہ: ”تم تو اس معاملے میں کہیں زیادہ بُرے ہو، اور جو بیان تم دے رہے ہو، اللہ اُس کی حقیقت خوب جانتا ہے۔“ ﴿۷۷﴾

(۵۱) ان کا مطلب یہ تھا کہ بنیامین کے بھائی یعنی یوسف علیہ السلام نے بھی ایک مرتبہ چوری کی تھی۔ یہ الزام انہوں نے کیوں لگایا؟ اس کی وجہ قرآن کریم نے بیان نہیں فرمائی، لیکن بعض روایات میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اُن کے بچپن ہی میں وفات پا گئی تھیں، اور ان کی پھوپھی نے ان کی پرورش کی، کیونکہ بچپن کے بالکل ابتدائی دور میں بچے کی دیکھ بھال کے لئے کسی عورت کی ضرورت تھی، لیکن جب وہ ذرا بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس رکھنا چاہا۔ پھوپھی اس عرصے میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اتنی محبت کرنے لگی تھیں کہ ان سے ان کی جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی، اس لئے انہوں نے یہ تدبیر کی کہ اپنا ایک پٹکا اُن کی کمر سے باندھ کر یہ مشہور کر دیا کہ وہ چوری ہو گیا ہے۔ بعد میں جب وہ پٹکا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے برآمد ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق انہیں یہ حق مل گیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھ لیں۔ چنانچہ جب تک وہ پھوپھی زندہ رہیں، اُس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام ان کے پاس رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے۔ یہ واقعہ ان کے بھائیوں کو معلوم تھا، اور وہ جانتے تھے کہ درحقیقت پٹکا انہوں نے چوری نہیں کیا تھا، مگر چونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مخالف تھے، اس لئے انہوں نے اس موقع پر چوری کا الزام بھی ان پر لگا دیا (ابن کثیر وغیرہ)۔ یہ واقعہ اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں ان روایات کو صحیح قرار دیا جائے جن کی رو سے ان کا انتقال ہو چکا تھا، اور جن روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ وہ زندہ تھیں، ان کے لحاظ سے چوری کے الزام کی یہ توجیہ ممکن نہیں ہے۔ بہر صورت یہ بات واضح ہے کہ الزام غلط تھا۔

(۵۲) یعنی اس چوری کے معاملے میں جس کا الزام تم مجھ پر لگا رہے ہو، تمہاری حالت کہیں زیادہ بری ہے، کیونکہ تم نے خود مجھے میرے باپ سے چرا کر کنویں میں ڈال دیا تھا۔

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبَاشِيخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدًا مَكَانَهُ ۚ إِنَّا نَنزِلُكَ  
 مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مِنْ وَجْدِنَا مَتَاعًا ۚ عِنْدَآ  
 إِنَّا إِذَا أَظْلَمُونَ ﴿٩﴾ فَلَمَّا اسْتَيْسُوا مِنْهُ خَلَّوْا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ  
 أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۚ فَلَنْ  
 أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠﴾  
 ارجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَاوْ  
 مَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿١١﴾

(اب) وہ کہنے لگے کہ: ”اے عزیز! اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے، اس لئے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیجئے۔ ہم آپ کو ان لوگوں میں سے سمجھتے ہیں جو احسان کیا کرتے ہیں۔“ ﴿۷۸﴾ یوسف نے کہا: ”اس (نا انصافی) سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے، اُس کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یقینی طور پر ہم ظالم ہوں گے۔“ ﴿۷۹﴾ چنانچہ جب وہ یوسف سے مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ ان سب میں جو بڑا تھا، اُس نے کہا: ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر عہد لیا تھا، اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملے میں جو قصور کر چکے ہو، (وہ بھی معلوم ہے)۔ لہذا میں تو اس ملک سے اُس وقت تک نہیں ٹلوں گا جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں، یا اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرمادے۔ اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ ﴿۸۰﴾ جاؤ، اپنے والد کے پاس واپس جاؤ، اور ان سے کہو کہ: ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کر لی تھی، اور ہم نے وہی بات کہی ہے جو ہمارے علم میں آئی ہے، اور غیب کی نگہبانی تو ہمارے بس میں نہیں تھی۔“ ﴿۸۱﴾



وَسَلِّ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٨٢﴾  
 قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبِّرْ جَبِيلًا ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ  
 جَمِيعًا ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفَى عَلَى يَوْسُفَ وَ  
 ابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَوُا تَذَكَّرُ يَوْسُفَ حَتَّى  
 تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿٨٥﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ  
 وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾

اور جس بستی میں ہم تھے اس سے پوچھ لیجئے، اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں، اس سے تحقیق کر لیجئے،  
 یہ بالکل کچی بات ہے کہ ہم سچے ہیں۔“ ﴿۸۲﴾ (چنانچہ یہ بھائی یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے،  
 اور ان سے وہی بات کہی جو بڑے بھائی نے سکھائی تھی) یعقوب نے (یہ سن کر) کہا: ”نہیں، بلکہ  
 تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ کچھ  
 بعید نہیں کہ اللہ میرے پاس ان سب کو لے آئے۔ بیشک اس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی  
 کامل۔“ ﴿۸۳﴾ اور (یہ کہہ کر) انہوں نے منہ پھیر لیا، اور کہنے لگے: ”ہائے یوسف!“ اور ان کی  
 دونوں آنکھیں صدمے سے (روتے روتے) سفید پڑ گئی تھیں، اور وہ دل ہی دل میں گھٹے جاتے  
 تھے۔ ﴿۸۴﴾ ان کے بیٹے کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! آپ یوسف کو یاد کرنا نہیں چھوڑیں گے، یہاں  
 تک کہ بالکل گھل کر رہ جائیں گے، یا ہلاک ہو بیٹھیں گے۔“ ﴿۸۵﴾ یعقوب نے کہا: ”میں اپنے  
 رنج و غم کی فریاد (تم سے نہیں) صرف اللہ سے کرتا ہوں، اور اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں،  
 تم نہیں جانتے۔“ ﴿۸۶﴾

(۵۳) چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ بنیامین چوری نہیں کر سکتا، اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ اس  
 مرتبہ بھی ان لوگوں نے کوئی بہانہ بنایا ہے۔

يٰۤاِبْنٰى اٰذْهَبُوْا فَبْتَخَسَّسُوْا مِنْ يُّوسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَاِيْسُوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا  
يَاِيْسُ مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يَا اَيُّهَا  
الْعَزِيْزُ مَسْنَاوَا هَلَكْنَا الظُّرُوْجُ حَتّٰى بَضَاعَةٌ مُّزْجَةٌ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ  
عَلَيْنَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿٨٨﴾

میرے بیٹو! جاؤ، اور یوسف اور اس کے بھائی کا کچھ سراغ لگاؤ، اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔  
یقین جانو، اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔“ ﴿۸۷﴾  
چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے (یوسف سے) کہا: ”اے عزیز! ہم پر اور ہمارے  
گھر والوں پر سخت مصیبت پڑی ہوئی ہے، اور ہم ایک معمولی سی پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں  
پورا پورا غلہ دے دیجئے، اور اللہ کے لئے ہم پر احسان کیجئے۔ یقیناً اللہ اپنی خاطر احسان کرنے  
والوں کو بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔“ ﴿۸۸﴾

(۵۴) چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام بھی کہیں نہ کہیں زندہ ہیں، اور بنیامین  
گرفتار ہیں، اس لئے انہوں نے کچھ عرصے کے بعد پورے وثوق کے ساتھ حکم دیا کہ جا کر ان دونوں کو تلاش  
کرو۔ اتنے میں جو غلہ اب تک آیا تھا، وہ ختم ہو چکا تھا، اور قحط کی حالت جاری تھی۔ اس لئے ان بھائیوں نے یہ  
سوچا کہ پھر مصر جائیں، کیونکہ بنیامین تو وہاں یقینی طور پر موجود ہیں، پہلے ان کی واپسی کی کوشش کرنی چاہئے، پھر  
یوسف علیہ السلام کا بھی کچھ سراغ لگانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مصر جا کر پہلے تو یوسف علیہ السلام  
سے غلے کی بات کی، تاکہ ان کا دل کچھ نرم پڑے تو بنیامین کی واپسی کی بھی درخواست کریں۔ اگلی آیتوں میں  
حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی گفتگو بیان فرمائی گئی ہے۔

(۵۵) مطلب یہ ہے کہ قحط کی وجہ سے ہم سخت بد حالی کا شکار ہیں، اس لئے اس مرتبہ ہم اتنی قیمت بھی نہیں لاسکے  
جو اپنے حصے کا غلہ خریدنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ لہذا اب جو کچھ آپ دیں گے وہ محض احسان ہی ہوگا۔ قرآن  
کریم میں لفظ ”صدقہ“ استعمال ہوا ہے، صدقہ ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو کسی کے ذمے واجب نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ  
کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر احسان کے طور پر دیا جائے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا إِنَّكَ لَآتَى يُوسُفَ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي نَحْنِي قَدَمْنَا اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا اتَّالِلَهُ لَقَدْ اشْرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَطِيئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَعْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٩٢﴾ اذْهَبُوا بِقَبِيصِي هَذَا فَإِنَّكُمُوهَا عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بِصِيرًا ۚ وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾

یوسف نے کہا: ”تمہیں کچھ پتہ ہے کہ تم جب جہالت میں مبتلا تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ ﴿۸۹﴾ (اس پر) وہ بول اُٹھے: ”ارے کیا تم ہی یوسف ہو؟“ یوسف نے کہا: ”میں یوسف ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ ﴿۹۰﴾ انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! اللہ نے تم کو ہم پر ترجیح دی ہے، اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔“ ﴿۹۱﴾ یوسف بولے: ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿۹۲﴾ میرا یہ قمیص لے جاؤ، اور اُسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ اور اپنے سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔“ ﴿۹۳﴾

(۵۶) اب تک تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچانے نہیں تھے، لیکن جب انہوں نے اپنا نام خود لیا، تو غور کرنے کے بعد ان لوگوں کو بھی یہ احتمال پیدا ہو گیا کہ یہی یوسف علیہ السلام ہیں۔

(۵۷) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام یقیناً جانتے ہوں گے کہ ان کی جدائی سے ان کے والد بزرگوار پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اس کے باوجود اتنے لمبے عرصے تک انہوں نے کسی بھی ذریعے سے اپنی

وَلَمَّا فَصَلَ الْعَزِيزُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رَيْحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُقَدِّدُون ۝۹۳  
قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۝۹۵

اور جب یہ قافلہ (مصر سے کنعان کی طرف) روانہ ہوا تو ان کے والد نے (کنعان میں آس پاس کے لوگوں سے) کہا کہ: ”اگر تم مجھے یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے، تو مجھے تو یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔“ ﴿۹۳﴾ (۵۸) لوگوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! آپ ابھی تک اپنی پرانی غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔“ ﴿۹۵﴾ (۵۹)

خیریت کی کوئی خبر اپنے والد کو بھیجنے کی کوشش نہیں کی۔ اول تو عزیز کے گھر میں رہنے کے دوران خبر بھیجنا کچھ مشکل نہ ہونا چاہئے تھا، پھر قید سے آزادی کے بعد تو ان کو ملک پر مکمل اقتدار بھی حاصل ہو چکا تھا، وہ شروع ہی میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اپنے سارے گھر والوں کو مصر بلانے کا انتظام کر سکتے تھے، اور جو بات انہوں نے اپنے بھائیوں سے اب کہی، وہ ان کی پہلی آمد کے موقع پر بھی فرما سکتے تھے، اور اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے رنج و غم کا زمانہ مختصر ہو سکتا تھا، لیکن انہوں نے ایسا کوئی اقدام نہیں کیا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان سارے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بڑی حکمتیں پوشیدہ تھیں، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندے اور رسول حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر و ضبط کا امتحان لینا تھا، اس لئے اس پورے عرصے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے والد سے رابطہ کریں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۵۸) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے سب گھر والوں کو مصر لے آئیں۔ چنانچہ وہ ایک قافلے کی صورت میں مصر سے روانہ ہوئے۔ ادھر وہ مصر سے نکلے، اور ادھر کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگی۔ یہ دونوں پیغمبروں کا ایک معجزہ تھا، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے بشارت کہ ان کی آزمائش کا زمانہ ختم ہونے والا ہے۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب ہی کنویں میں موجود تھے، اُس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی خوشبو نہیں آئی، اس کے علاوہ مصر میں قیام کے دوران بھی انہیں اس سے پہلے اس کا احساس نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کسی نبی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں، اس کا مظاہرہ فرما دیتے ہیں۔

(۵۹) یعنی یہ غلط فہمی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، اور ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ  
إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا بَنَا آسَتُغْفِرُ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا  
خَاطِئِينَ ﴿٦٢﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٦٣﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا  
عَلَى يُوسُفَ أَوَامَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴿٦٤﴾

پھر جب خوشخبری دینے والا پہنچ گیا تو اُس نے (یوسف کی) قمیص ان کے منہ پر ڈال دی، اور فوراً ان کی بینائی واپس آ گئی۔ انہوں نے (اپنے بیٹوں سے) کہا: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے؟“ ﴿۹۶﴾ وہ کہنے لگے: ”ابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کی دُعا فرمائیے۔ ہم یقیناً بڑے خطا کار تھے۔“ ﴿۹۷﴾ یعقوب نے کہا: ”میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دُعا کروں گا۔ بیشک وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۹۸﴾ پھر جب یہ سب لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی، اور سب سے کہا کہ: ”آپ سب مصر میں داخل ہو جائیں، جہاں ان شاء اللہ سب چین سے رہیں گے۔“ ﴿۹۹﴾

(۶۰) ”خوشخبری دینے والے“ حضرت یوسف علیہ السلام کے سب سے بڑے بھائی تھے جن کا نام بعض روایات میں یہوداہ اور بعض میں روبن آیا ہے۔ اور خوشخبری دینے سے مراد یہ خوشخبری ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، اور انہوں نے سب گھر والوں کو اپنے پاس بلایا ہے۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص چہرے پر ڈالنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آ گئی۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے کئی اہم واقعات ظاہر ہوئے۔ انہی کی قمیص کو ان کے بھائی خون لگا کر لائے تھے، اور اس کو صحیح سالم دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام یہ سمجھ گئے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا، اور انہی کی قمیص تھی جو زلیخا نے پیچھے سے پھاڑا، اور اس سے ان کی بے گناہی ثابت ہوئی، اور اب یہی قمیص تھی جس کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دُور سے محسوس ہوئی، اور بالآخر اسی سے ان کی بینائی واپس آئی۔

(۶۱) حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدین، بھائیوں اور دوسرے گھر والوں کے استقبال کے لئے شہر سے

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ  
مِن قَبْلُ ۖ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ  
وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدُ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۖ

اور انہوں نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا، اور وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے، اور  
یوسف نے کہا: ”ابا جان! یہ میرے پُرانے خواب کی تعبیر ہے جسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا،“  
اور اس نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے قید خانے سے نکال دیا، اور آپ لوگوں کو دیہات سے یہاں  
لے آیا، حالانکہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔

باہر تشریف لائے تھے، اور جب والدین سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان کا خاص اکرام کر کے انہیں اپنے  
پاس بٹھایا، اور ابتدائی باتوں کے بعد سارے آنے والوں سے کہا کہ اب سب لوگ شہر میں اطمینان کے ساتھ  
چل کر رہیں۔ اس معاملے میں روایات مختلف ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ اُس وقت زندہ تھیں  
یا نہیں۔ اگر زندہ تھیں تب تو والدین سے مراد حقیقی والدین ہیں، اور اگر وفات پا چکی تھیں تو سوتیلی والدہ کو بھی  
چونکہ ماں ہی کی طرح سمجھا جاتا ہے، اس لئے ان کو بھی والدین میں شامل کر لیا گیا۔

(۶۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی جو تفسیر مروی ہے، اس کے مطابق ان سب  
حضرات نے یہ سجدہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لئے کیا تھا، یعنی سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو  
تھا، البتہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اور ان کے مل جانے کی خوشی میں کیا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی  
تفسیر کو رائج قرار دیا ہے۔ البتہ دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ عبادت کا نہیں، بلکہ تعظیم کا ویسا ہی سجدہ تھا جیسا  
فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا تھا، اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ تاہم  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو تعظیسی سجدہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۶۳) یعنی اس خواب میں چاند سورج سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین تھے، اور ستاروں سے مراد  
ان کے گیارہ بھائی۔

(۶۴) حضرت یوسف علیہ السلام کو مصائب و آلام کے جس طویل دور سے گذرنا پڑا تھا، اگر کوئی اور ہوتا تو  
والدین سے ملاقات کے بعد اپنی تکلیفوں کا دکھڑا سنا تا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ ان مصائب

إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّأَيِّشَاءُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ رَّبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَنْتَ وَلِيٌّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۝ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝

حقیقت یہ ہے کہ میرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے، اس کے لئے بڑی لطیف تدبیریں کرتا ہے۔ بیشک وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ ﴿۱۰۰﴾ میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت سے بھی حصہ عطا فرمایا، اور مجھے تعبیر خواب کے علم سے بھی نوازا۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا رکھوالا ہے۔ مجھے اس حالت میں دنیا سے اٹھانا کہ میں تیرا فرماں بردار ہوں، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کرنا۔“ ﴿۱۰۱﴾ (اے پیغمبر!) یہ تمام واقعہ غیب کی خبروں کا ایک حصہ ہے جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ اور تم اُس وقت ان (یوسف کے بھائیوں) کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے سازش کر کے اپنا فیصلہ پختہ کر لیا تھا (کہ یوسف کو کنویں میں ڈالیں گے) ﴿۱۰۲﴾

کے بارے میں ایک لفظ کہے بغیر واقعات کے صرف اچھے رُخ کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا۔ قید خانے میں جانے کا نہیں، وہاں سے نکلنے کا ذکر فرمایا، والدین کی جدائی کا بیان کرنے کے بجائے ان کے مصر آ جانے کا تذکرہ فرما کر اس پر شکر ادا کیا۔ بھائیوں نے جو ستم ڈھائے تھے، ان کو شیطان کا مچایا ہوا فساد قرار دے کر بات ختم فرمادی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہر انسان کو چاہئے کہ وہ سخت سے سخت حالات میں بھی واقعات کے مثبت رُخ کا تصور کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو۔

(۶۵) جیسا کہ شروع سورت میں عرض کیا گیا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے جواب میں نازل فرمایا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھ رہے تھے کہ بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کی کیا وجہ تھی؟ ان کو یقین تھا کہ آپ کے پاس بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس حصے کا علم نہیں ہے، اور نہ کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے آپ کو یہ معلومات حاصل ہو سکیں۔ اس لئے ان کا خیال یہ تھا کہ آپ اس سوال کا صحیح

وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُوْثِقُ مِنْ أَكْثَرِهِمْ بِاللهِ إِلَّا وَهْمٌ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۶﴾ أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۰۷﴾

اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، چاہے تمہارا کیسا ہی دل چاہتا ہو۔ ﴿۱۰۳﴾ حالانکہ تم ان سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتے۔ یہ تو دنیا جہان کے سب لوگوں کے لئے بس ایک نصیحت کا پیغام ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گذر ہوتا رہتا ہے، مگر یہ ان سے منہ موڑ جاتے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ ﴿۱۰۶﴾ بھلا کیا ان لوگوں کو اس بات کا ذرا ڈر نہیں ہے کہ اللہ کے عذاب کی کوئی بلا آ کر ان کو لپیٹ لے، یا ان پر قیامت اچانک ٹوٹ پڑے اور انہیں پہلے سے احساس بھی نہ ہو؟ ﴿۱۰۷﴾

جواب نہیں دے سکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورت اس واقعے کو بیان فرمانے کے لئے نازل فرمادی۔ اب آخر میں یہ نتیجہ نکالا جا رہا ہے کہ اس واقعے کو معلوم کرنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے سوا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ جو لوگ یہ سوال کر رہے تھے، وہ یہ تفصیل سننے کے بعد آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آئیں۔ لیکن چونکہ ان میں سے اکثر لوگوں کا ان سوالات سے یہ مقصد نہیں تھا کہ حق واضح ہونے کے بعد اس کو قبول کر لیں، بلکہ یہ سارے سوالات صرف ضد کی وجہ سے کئے جا رہے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اگلی آیات میں واضح فرمادیا کہ ان کھلے کھلے دلائل کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔



وَقَالَ  
لِلَّذِينَ  
يَسْمَعُونَ

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَمَا أُرْسِلُنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَا لَأَتُوحَىٰ إِلَيْهِمْ مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ۖ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّى مَنْ شَاءَ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”یہ میرا راستہ ہے۔ میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی۔ اور اللہ (ہر قسم کے شرک سے) پاک ہے، اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔“ ﴿۱۰۸﴾ اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب مختلف بستیوں میں بسنے والے انسان ہی تھے جن پر ہم وحی بھیجتے تھے۔<sup>(۱۱)</sup> تو کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کی قوموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور آخرت کا گھر یقیناً ان لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۱۰۹﴾ (پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کی قوموں پر عذاب آنے میں کچھ دیر لگی) یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے، اور کافر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں جھوٹی دھمکیاں دی گئی تھیں تو ان پیغمبروں کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی<sup>(۱۲)</sup> (یعنی کافروں پر عذاب آیا) اور جن کو ہم چاہتے تھے، انہیں بچا لیا گیا، اور جو لوگ مجرم ہوتے ہیں، ان سے ہمارے عذاب کو ٹالنا نہیں جاسکتا۔ ﴿۱۱۰﴾

(۶۶) یہ کافروں کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی فرشتہ ہمارے پاس رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟  
(۶۷) اس آیت کا یہ ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور بعض

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۖ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ  
وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً  
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱

یقیناً ان کے واقعات میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے بڑا عبرت کا سامان ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو جھوٹ موٹ گھڑ لی گئی ہو، بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں آچکی ہیں، ان کی تصدیق ہے، اور ہر بات کی وضاحت،<sup>(۶۸)</sup> اور جو لوگ ایمان لائیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان! ﴿۱۱۱﴾

دوسرے تابعین وغیرہ کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طویل بحث کے بعد آخر میں رائج قرار دیا ہے۔ آیت کی دوسری تفسیریں بھی ممکن ہیں، اور بعض مفسرین نے ان کو بھی اختیار کیا ہے، لیکن شاید یہ تفسیر جو ترجمے میں اختیار کی گئی ہے، سب سے زیادہ بے غبار ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پچھلے انبیائے کرام کے دور میں بھی ایسا ہو چکا ہے کہ ان کو جھٹلانے والے کفار کو جب لمبی مہلت دی گئی، اور ان پر مدت تک عذاب نہ آیا تو ایک طرف انبیائے کرام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے، اور دوسری طرف وہ کافر یہ سمجھ بیٹھے کہ انبیائے کرام نے ان کو عذاب الہی کی جو دھمکیاں دی تھیں، (معاذ اللہ) وہ جھوٹی تھیں۔ لیکن اس کے بعد اچانک انبیائے کرام کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد آئی، ان کے جھٹلانے والوں پر عذاب نازل ہوا، اور ان کی بات سچی ہوئی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

(۶۸) ایک طرف تو قرآن کریم یہ فرما رہا ہے کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے پچھلی آسانی کتابوں کی تصدیق کی ہے جن میں یہ واقعہ مجموعی طور پر اسی طرح بیان ہوا ہے، مگر دوسری طرف ”ہر بات کی وضاحت“ فرما کر شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اس واقعے کے سلسلے میں ان پچھلی کتابوں میں کچھ کتر بیونت ہو گئی تھی، قرآن کریم نے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ چنانچہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کو بائبل کی

کتاب پیدائش میں پڑھا جائے، تو بعض تفصیلات میں وہ قرآن کریم کے بیان سے مختلف نظر آتا ہے۔ اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ قرآن کریم نے ان تفصیلات کی وضاحت فرمادی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

الحمد للہ تعالیٰ! سورہ یوسف کا ترجمہ اور حواشی آج بتاریخ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۷ جولائی ۲۰۰۶ء بروز دوشنبہ بعد عشاء کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الرَّعْدِ

## تعارف

یہ سورت بھی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات اور ان پر عائد کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے۔ پچھلی سورت یعنی سورہ یوسف کے آخر (آیت نمبر ۱۰۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کفار ان کی طرف دھیان دینے کے بجائے ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اب اس سورت میں کائنات کی ان نشانیوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جس قادرِ مطلق نے اس کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، اُسے اپنی خدائی قائم کرنے کے لئے کسی مددگار یا شریک کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی گواہی دیتا ہے، اور اس بات کی بھی کہ یہ سارا نظام اُس نے بے مقصد پیدا نہیں کر دیا۔ اس کا یقیناً کوئی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ اس دُنیوی زندگی میں کئے ہوئے ہر کام کا کسی دن حساب ہو، اور اُس دن نیکیوں کا انعام اور برائیوں کی سزا دی جائے۔ اس سے خود بخود آخرت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر نیکی اور برائی کا تعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ہدایات بندوں کو دی جائیں۔ ان ہدایات کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کر کے دُنیا والوں تک پہنچاتے ہیں۔ لہذا اسی سے رسالت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کائنات کی جو نشانیاں اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، ان میں بادلوں کی گرج چمک بھی ہے جس کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۱۳ میں آیا ہے۔ عربی میں گرج کو ”رعد“ کہا جاتا ہے۔ اسی پر اس سورت کا نام ”رعد“ رکھا گیا ہے۔

آیاتھا ۲۳ سُورَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ ۹۲ رُكُوعَاتُهَا ۲

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ ۖ وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ① اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ② وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رِجًا وَأَسَىٰ وَ أَنْهَارًا ۖ وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ ۖ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ (اللہ کی) کتاب کی آیتیں ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لارہے۔ ﴿۱﴾ اللہ وہ ہے جس نے ایسے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند کیا جو تمہیں نظر آسکیں، پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا، اور سورج اور چاند کو کام پر لگادیا۔ ہر چیز ایک معین میعاد تک کے لئے رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی ان نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ (ایک دن) تمہیں اپنے پروردگار سے جاملنا ہے۔ ﴿۲﴾

اور وہی ذات ہے جس نے یہ زمین پھیلائی، اُس میں پہاڑ اور دریا بنائے، اور اُس میں ہر قسم کے پھلوں کے دودو جوڑے پیدا کئے۔ وہ دن کو رات کی چادر اڑھا دیتا ہے۔

(۱) جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، ان حروف مقطعات کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی

نہیں جانتا۔

(۲) یعنی یہ آسمان ایسے ستونوں پر نہیں کھڑے ہیں جو آنکھوں سے نظر آسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ ہی کے سہارے انہیں کھڑا کیا ہوا ہے۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے (روح المعانی ۱۱۰:۱۳)۔

(۳) ”استواء“ کے لفظی معنی سیدھا ہونے، قابو پانے اور بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں ہیں، اس لئے اُن کا استواء بھی مخلوقات جیسا نہیں۔ اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے ہم نے اس لفظ کا اُردو میں ترجمہ کرنے کے بجائے اسی لفظ کو برقرار رکھا ہے، کیونکہ ہمارے لئے اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا جو اُن کی شان کے لائق ہے۔ اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنے کی نہ ضرورت ہے، نہ ہماری محدود عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

(۴) اشارہ اس طرف ہے کہ یہ چاند سورج بے مقصد گردش نہیں کر رہے ہیں، ان کے سپرد ایک کام ہے جو وہ انتہائی نظم و ضبط اور استقامت کے ساتھ اس طرح انجام دیئے جا رہے ہیں کہ ان کے نظام الاوقات میں ایک لمحے کا بھی فرق نہیں آتا۔ اگر غور کیا جائے تو ان کے سپرد پوری دُنیا کی خدمت ہے، لہذا ایک ہوش مند انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ یہ عظیم الشان مخلوقات اُس کی خدمت کیوں انجام دے رہی ہیں؟ اگر خود اُس کے سپرد کوئی بڑی خدمت نہیں ہے تو چاند سورج کو کیا ضرورت ہے کہ وہ مستقل طور پر انسان کی خدمت انجام دیں؟

(۵) یعنی آخرت کا یقین پیدا کر لو، اور وہ اس طرح کہ جس ذات نے اتنی حیرت انگیز کائنات پیدا فرمائی ہے، وہ اس بات پر کیوں قادر نہیں ہو سکتی کہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔ نیز اُس کی حکمت اور انصاف سے بعید ہے کہ وہ اچھے اور برے، ظالم اور مظلوم دونوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرے، اور اُس نے اس دُنیا کے بعد کوئی ایسا عالم پیدا نہ کیا ہو جس میں نیک لوگوں کو اُن کی نیکی کا اچھا بدلہ اور برائی کرنے والوں کو اُن کی برائی کی سزا دی جاسکے۔

(۶) نباتات میں نرا اور مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ حقیقت لوگوں کو معلوم نہیں تھی کہ نرا اور مادہ کا یہ نظام ہر درخت اور ہر پودے میں ہوتا ہے، لیکن جدید سائنس کو یہ حقیقت اب دریافت ہو گئی ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝۳ وَفِي الْأَرْضِ قَطْعٌ مِّنْ مَّتَجَوِّرَاتٍ وَجَنَّتْ  
 مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٌ وَنَخِيلٌ صُنُوفٌ وَغَيْرُ صُنُوفٍ يُسْقَىٰ بِآءٍ وَاحِدَةٍ وَنَفْضُلٌ  
 بَعْضُهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ ۝۴ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝۵ وَإِنْ تَعَجَّبْ  
 فَعَجَبٌ تَوَلَّيْنَاهُ إِذَا كُنَّا تُرْبَاءً إِنَّا لَنَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝۶

حقیقت یہ ہے کہ ان ساری باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کریں۔ ﴿۳﴾ اور  
 زمین میں مختلف قطعے ہیں جو پاس پاس واقع ہوئے ہیں، اور انگور کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے  
 درخت ہیں، جن میں سے کچھ دُہرے تنے والے ہیں، اور کچھ اکھرے تنے والے۔ سب ایک ہی  
 پانی سے سیراب ہوتے ہیں، اور ہم ان میں سے کسی کو ذائقے میں دوسرے پر فوقیت دے دیتے  
 ہیں۔ <sup>(۸)</sup> یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۴﴾  
 اور اگر تمہیں (ان کافروں پر) تعجب ہوتا ہے تو ان کا یہ کہنا (واقعی) عجیب ہے کہ: ”کیا جب ہم مٹی  
 ہو جائیں گے تو کیا سچ مچ ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟“ <sup>(۹)</sup>

(۷) یعنی پاس پاس ہونے کے باوجود زمین کے مختلف حصوں کی خصوصیات میں فرق ہوتا ہے۔ زمین کا ایک  
 قطعہ کاشت کے لائق ہے، مگر اُس کے بالکل برابر والا کاشت کے لائق نہیں۔ ایک حصے سے میٹھا پانی نکل رہا  
 ہے، مگر اُس کے قریب ہی دوسرے حصے سے کھار پانی برآمد ہوتا ہے۔ ایک قطعہ نرم ہے اور دوسرا سنگلاخ۔  
 (۸) یعنی کسی درخت سے زیادہ پھل نکلتے ہیں، کسی سے کم، کسی کا ذائقہ بہت اچھا ہوتا ہے، اور کسی کا اتنا اچھا  
 نہیں ہوتا۔

(۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ جو ذات یہ عظیم کائنات  
 عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ لیکن تعجب کے لائق تو یہ  
 بات ہے کہ یہ کافر لوگ کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے بیشمار مظاہر دیکھنے کے بعد بھی نئے سرے سے  
 پیدا کرنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں۔



أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ  
النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ⑤ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ  
مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلَتُ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلُمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ  
لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ⑥ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْوَلَا نُزِلَ عَلَيْهِ إِلَّا آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ إِنَّمَا  
أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦ اللَّهُ يُعَلِّمُ مَا تَحِبُّ كُلُّ شَيْءٍ وَمَا تَغِيصُ إِلَّا مُرَحَامُو  
مَا تَرَدَّادٌ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ⑧ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ⑨

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب (کی قدرت) کا انکار کیا ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے  
گلوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں، اور وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۵﴾  
اور یہ لوگ خوشحالی (کی میعاد ختم ہونے) سے پہلے تم سے بد حالی کی جلدی مچائے ہوئے ہیں، حالانکہ  
ان سے پہلے ایسے عذاب کے واقعات گزر چکے ہیں جس نے لوگوں کو رسوا کر ڈالا تھا۔ اور یہ حقیقت  
ہے کہ لوگوں کے لئے اُن کی زیادتی کے باوجود تمہارے رب کی ذات ایک معاف کرنے والی ذات  
ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اُس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ ﴿۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ  
کہتے ہیں کہ: ”بھلا ان پر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر) ان کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ  
کیوں نہیں اُتارا گیا؟“ (اے پیغمبر!) بات یہ ہے کہ تم تو صرف خطرے سے ہوشیار کرنے والے ہو،  
اور ہر قوم کے لئے کوئی نہ کوئی ایسا شخص ہوا ہے جو ہدایت کا راستہ دکھائے۔ ﴿۷﴾

جس کسی مادہ کو جو حمل ہوتا ہے، اللہ اُس کو بھی جانتا ہے، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی  
ہے، اُس کو بھی۔ اور ہر چیز کا اُس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ ﴿۸﴾ وہ غائب و حاضر تمام  
باتوں کا جاننے والا ہے، اُس کی ذات بہت بڑی ہے، اُس کی شان بہت اونچی۔ ﴿۹﴾

(۱۰) جب کسی کے گلے میں طوق پڑا ہوا ہو تو وہ ادھر ادھر دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ

لوگ حقائق کو دیکھنے اور ان کی طرف دھیان کرنے سے محروم ہیں (روح المعانی)۔ اس کے علاوہ گلے میں طوق دراصل غلامی کی علامت ہے۔ چنانچہ اسلام سے پہلے معاشروں میں غلاموں کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا تھا۔ لہذا آیت کا اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے گلوں میں اپنی خواہشات اور شیطان کی غلامی کا طوق پڑا ہوا ہے، اس لئے وہ غیر جانب داری سے کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہے۔ اور بعض مفسرین نے اس جملے کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ آخرت میں ان کے گلوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔

(۱۱) کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اگر ہمارا دین غلط ہے تو اللہ تعالیٰ سے کہئے کہ ہم پر عذاب نازل کر دے۔ یہ ان کے اس بے ہودہ مطالبے کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۲) یعنی جو چھوٹے چھوٹے گناہ انسان سے نادانی میں سرزد ہو جائیں، یا بڑے گناہ ہوں، مگر انسان ان سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ ان زیادتیوں کے باوجود اپنے بندوں کو معاف فرما دیتا ہے، لیکن کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ضد اور عناد کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ لہذا بندوں کو یہ سوچ کر بے فکر نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے، اس لئے وہ ہماری ہر نافرمانی کو ضرور معاف فرما دے گا۔

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے، لیکن کفار مکہ اپنی طرف سے نئے نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ اور جب ان کا کوئی مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ یہ بات کہتے تھے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ جواب میں قرآن کریم نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک پیغمبر ہیں، وہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے پاس ایسے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ان سب کا یہی حال تھا۔

(۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کس ماں کے پیٹ میں کیسا بچہ ہے، اور رحم میں رہتے ہوئے حمل بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ  
 بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِّنْ أَمْرِ اللَّهِ ۝  
 إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۝ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ  
 سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَالَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱

تم میں سے کوئی چپکے سے بات کرے یا زور سے، کوئی رات کے وقت چھپا ہوا ہو، یا دن کے وقت  
 چل پھر رہا ہو، وہ سب (اللہ کے علم کے لحاظ سے) برابر ہیں۔ ﴿۱۰﴾ ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ  
 نگراں (فرشتے) مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔<sup>(۱۵)</sup>

یقین جانو کہ اللہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ  
 لے آئے۔<sup>(۱۶)</sup> اور جب اللہ کسی قوم پر کوئی آفت لانے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اُس کا ٹالنا ممکن نہیں، اور  
 ایسے لوگوں کا خود اُس کے سوا کوئی رکھوالا نہیں ہو سکتا۔ ﴿۱۱﴾

(۱۵) ”نگراں“ سے یہاں مراد فرشتے ہیں۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت  
 کے لئے کچھ فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو باری باری اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اصل لفظ  
 ”مُعَقِّبَاتٌ“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں: ”باری باری آنے والے“ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث  
 میں آئی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت دن کے وقت انسانوں کی نگرانی پر مامور ہے، اور دوسری جماعت رات  
 کے وقت ان کی حفاظت کرتی ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ فرشتے  
 مختلف حادثات سے انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں، البتہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہی یہ ہو کہ کسی شخص کو کسی تکلیف  
 میں مبتلا کیا جائے تو یہ فرشتے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن)۔

(۱۶) انسانوں کی حفاظت پر جو فرشتے مقرر ہیں، اُس سے کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حفاظت  
 کا یہ انتظام کر رکھا ہے تو انسان کو بے فکر ہو جانا چاہئے، اور گناہ ثواب کی پروا بھی نہ کرنی چاہئے، کیونکہ یہ فرشتے

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيَسْبِغُ  
الرَّعْدُ بِحَبَدِهِ وَالْمَلَكُ مِنْ خِيفَتِهِ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ  
يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ ۚ وَهُوَ شَدِيدُ الْحَالِ ۝

وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس سے تمہیں (اُس کے گرنے کا) ڈر بھی لگتا ہے، اور  
(بارش کی) اُمید بھی بندھتی ہے، اور وہی (پانی سے) لدے ہوئے بادل اٹھاتا ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور  
بادلوں کی گرج اُسی کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، اور اُس کے رُعب سے فرشتے بھی (تسبیح میں لگے  
ہوئے ہیں) اور وہی کڑکتی ہوئی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے اُنہیں مصیبت بنا کر گرا دیتا  
ہے۔ اور ان (کافروں) کا حال یہ ہے کہ یہ اللہ ہی کے بارے میں بحثیں کر رہے ہیں، حالانکہ اُس  
کی طاقت بڑی زبردست ہے۔ ﴿۱۳﴾

حفاظت کر لیں گے۔ آیت کے اس حصے میں اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ کسی  
قوم کی اچھی حالت کو بد حالی سے خود بخود نہیں بدلتا، لیکن جب وہ نافرمانی پر کمر باندھ کر اپنی حالت خود بدل ڈالیں  
تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے، اور اسے کوئی دُور نہیں کر سکتا، چنانچہ وہ مگر اس فرشتے بھی ایسی صورت میں کام  
نہیں دیتے۔

(۱۷) ”بادلوں کی گرج“ کا حمد اور تسبیح کرنا حقیقی معنی میں بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ کائنات کی ہر چیز کے بارے میں  
قرآن کریم نے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے اپنے انداز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے، مگر  
لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہیں (۱۷: ۴۴)۔ اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص بھی بادلوں کی گرج  
چمک، اس کے اسباب اور اس کے نتائج پر غور کرے گا، وہ دُنیا کے کونے کونے تک پانی پہنچانے کے اس حیرت  
انگیز نظام کو دیکھ کر اُس خالق و مالک کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا جس نے یہ نظام بنایا ہے، نیز وہ اس نتیجے تک

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا  
 كَبَاسِطٍ كُفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۖ وَمَادُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا  
 فِي ضَلَالٍ ۝۱۳ ۖ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلُّهُمْ  
 بِالْعُدُوِّ وَالْأَصَالِ ۝۱۵ ۖ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ قُلْ  
 أَفَاتُخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۖ

السجدة ۲۴

وہی ہے جس سے دُعا کرنا برحق ہے۔ اور اُس کو چھوڑ کر یہ لوگ جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں، وہ  
 اُن کی دُعاؤں کا کوئی جواب نہیں دیتے، البتہ ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو پانی کی طرف اپنے  
 دونوں ہاتھ پھیلا کر یہ چاہے کہ پانی خود اُس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی خود منہ تک نہیں پہنچ  
 سکتا۔ اور (بتوں سے) کافروں کے دُعا کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بھٹکتی ہی پھرتی  
 رہے۔ ﴿۱۳﴾ اور وہ اللہ ہی ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات سجدہ کرتی ہیں، کچھ خوشی  
 سے، کچھ مجبوری سے، ﴿۱۸﴾ اور ان کے سائے بھی صبح و شام اُس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ﴿۱۵﴾  
 (اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ”وہ کون ہے جو آسمانوں اور زمین کی پرورش کرتا ہے؟“ کہو  
 کہ: ”وہ اللہ ہے!“ کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم نے اس کو چھوڑ کر ایسے کار ساز بنائے ہیں جنہیں خود  
 اپنے آپ کو بھی نہ کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت حاصل ہے نہ نقصان پہنچانے کی؟“

ضرور پہنچے گا کہ جس ذات نے یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے، اور اس کو اپنی خدائی میں کسی  
 شریک یا مددگار کی ضرورت نہیں، اور تسبیح کے یہی معنی ہیں۔

(۱۸) سجدہ کرنے سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے جھک جانا ہے۔ مومن خوشی خوشی ان احکام  
 کے آگے جھکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی رہتا ہے، اور کافر اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلوں کے آگے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَةُ وَالنُّورُ ۚ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۱﴾

کہو کہ: ”کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتا ہے؟ یا کیا اندھیریاں اور روشنی ایک جیسی ہو سکتی ہیں؟“ یا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک مانے ہوئے ہیں جنہوں نے کوئی چیز اسی طرح پیدا کی ہو جیسے اللہ پیدا کرتا ہے، اور اس وجہ سے ان کو دونوں کی تخلیق ایک جیسی معلوم ہو رہی ہو؟ (اگر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے تو اس سے) کہہ دو کہ: ”صرف اللہ ہر چیز کا خالق ہے، اور وہ تنہا ہی ایسا ہے کہ اس کا اقتدار سب پر حاوی ہے۔“ ﴿۱۶﴾

مجبور ہے، اس لئے وہ چاہے یا نہ چاہے، اللہ تعالیٰ کائنات میں جو فیصلے فرماتا ہے، مجبوراً ان کے آگے سر جھکانے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ واضح رہے کہ یہ سجدے کی آیت ہے، اس کی تلاوت یا سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔

(۱۹) مشرکین عرب جن دیوتاؤں کو خدا مان کر ان کی عبادت کرتے تھے، عام طور سے وہ یہ مانتے تھے کہ انہوں نے کائنات کی تخلیق میں کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کی ہے۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خدائی کے بہت سے اختیارات ان کو دے رکھے ہیں، اس لئے ان کی عبادت کرنی چاہئے، تاکہ وہ اپنے اختیارات ہمارے حق میں استعمال کریں، اور اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش بھی کریں۔ اس آیت میں اوّل تو یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ من گھڑت دیوتا کوئی نفع یا نقصان اپنے آپ کو بھی نہیں پہنچا سکتے، دوسروں کو تو کیا پہنچائیں گے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ اگر ان دیوتاؤں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کچھ پیدا کیا ہوتا تب بھی ان کو خدا کا شریک ماننے کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی، لیکن نہ واقعہً انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے، اور نہ اکثر اہل عرب کا ایسا عقیدہ ہے۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے کر ان کی عبادت کرنے کا آخر کیا جواز ہے؟

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَهُۥ بِقَدَرٍهَا فَاحْتَمِلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا ۖ وَ  
 مِمَّا يُوقَدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حُلِيَّةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ ۖ كَذَلِكَ يَضْرِبُ  
 اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ  
 فَيَبْقَىٰ فِي الْأَرْضِ ۖ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝ (۱۷) لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ  
 الْحُسْنَىٰ ۖ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ  
 لَافْتَدَوْا بِهِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْبِهَادُ ۝ (۱۸)

وَقَالَ  
 اللَّهُ  
 لِيُضْرِبَ  
 اللَّهُ  
 الْأَمْثَالَ  
 ۝ (۱۷)  
 لَافْتَدَوْا بِهِ ۖ

اُسی نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ندی نالے اپنی اپنی بساط کے مطابق بہہ پڑے، پھر پانی  
 کے ریلے نے پھولے ہوئے جھاگ کو اوپر اٹھالیا۔ اور اسی قسم کا جھاگ اس وقت بھی اٹھتا ہے جب  
 لوگ زیور یا برتن بنانے کے لئے دھاتوں کو آگ پر تپاتے ہیں۔ اللہ حق اور باطل کی مثال اسی طرح  
 بیان کر رہا ہے کہ (دونوں قسم کا) جو جھاگ ہوتا ہے، وہ تو باہر گر کر ضائع ہو جاتا ہے، لیکن وہ چیز جو  
 لوگوں کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے، وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اسی قسم کی تمثیلیں ہیں جو اللہ بیان  
 کرتا ہے۔ ﴿۱۷﴾ بھلائی انہی لوگوں کے حصے میں ہے جنہوں نے اپنے رب کا کہنا مانا ہے، اور  
 جنہوں نے اُس کا کہنا نہیں مانا، اگر ان کے پاس دُنیا بھر کی ساری چیزیں بھی ہوں گی، بلکہ اتنی ہی  
 اور بھی، تو وہ (قیامت کے دن) اپنی جان بچانے کے لئے وہ سب کچھ دینے کو تیار ہو جائیں  
 گے۔ ان لوگوں کے حصے میں بری طرح کا حساب ہے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت برا  
 ٹھکانا ہے۔ ﴿۱۸﴾

(۲۰) یعنی باطل، چاہے کچھ عرصے غالب نظر آئے، لیکن وہ جھاگ کی طرح بے فائدہ اور فنا ہو جانے والا  
 ہے، اور حق پانی اور دوسری نفع بخش چیزوں کی طرح فائدہ مند اور باقی رہنے والا ہے۔

أَفَسَنْ يَّعْلَمُ أَتَمَّا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْلَى ۖ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ  
 أُولُو الْأَلْبَابِ ۚ (۱۹) الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَتَّقُونَ اللَّهَ ۖ وَالَّذِينَ  
 يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۖ (۲۰)  
 وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا  
 وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۖ (۲۱) جَنَّتٌ عَدْنٍ  
 يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ  
 عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۖ (۲۲)

جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے، برحق ہے، بھلا وہ  
 اُس جیسا کیسے ہو سکتا ہے جو بالکل اندھا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو  
 عقل و ہوش رکھتے ہوں، ﴿۱۹﴾ (یعنی) وہ لوگ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور  
 معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے، ﴿۲۰﴾ اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے،  
 یہ لوگ انہیں جوڑے رکھتے ہیں، اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اور حساب کے برے انجام  
 سے خوف کھاتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر صبر  
 سے کام لیا ہے، اور نماز قائم کی ہے، اور ہم نے انہیں جو رزق عطا فرمایا ہے، اُس میں سے خفیہ بھی  
 اور علانیہ بھی خرچ کیا ہے، اور وہ بدسلوکی کا دفاع حسن سلوک سے کرتے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ (۲۳) وطن اصلی میں  
 بہترین انجام ان کا حصہ ہے، ﴿۲۲﴾ یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے وہ باغات جن میں وہ خود بھی داخل  
 ہوں گے، اور ان کے باپ دادوں، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے، وہ بھی۔ اور (ان کے  
 استقبال کے لئے) فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ﴿۲۳﴾

(۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں پوری طرح



ادا کرتے ہیں۔ اس میں رشتہ داروں کے تمام حقوق بھی داخل ہیں، اور دینی رشتے سے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں، وہ بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیائے کرام پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، ان سب پر ایمان بھی لاتے ہیں، اور جن کی اطاعت کا حکم دیا ہے، ان کی اطاعت بھی کرتے ہیں۔

(۲۲) قرآن کریم کی اصطلاح میں ”صبر“ کا مفہوم بہت عام ہے۔ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تقاضوں کو جب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے دبا لے تو یہ صبر ہے۔ مثلاً نفس کی خواہش یہ ہو رہی ہے کہ اس وقت کی نماز چھوڑ دی جائے۔ ایسے موقع پر اس خواہش کی خلاف ورزی کر کے نماز پڑھنا صبر ہے۔ یا اگر کسی گناہ کی خواہش دل میں پیدا ہو رہی ہے تو اس کو دبا کر گناہ سے بچ جانا صبر ہے۔ اسی طرح اگر کسی تکلیف کے موقع پر اگر نفس کا تقاضا یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر شکوہ اور غیر ضروری واویلا کیا جائے، تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہ کر اختیاری واویلا نہ کرنا بھی صبر ہے۔ اس طرح صبر کا لفظ دین کے تمام احکام پر عمل کو حاوی ہے۔ یہی معنی آیت نمبر ۲۴ میں بھی مراد ہیں۔

(۲۳) یعنی برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں، اور ”دفاع“ کا لفظ استعمال فرما کر قرآن کریم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ اچھائی کرنے کا انجام بالآخر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی بدسلوکی کے برے اثرات مٹ جاتے ہیں۔

(۲۴) اس آیت میں اصل الفاظ یہ ہیں: ”لَهُمْ عُقُوبُ الدَّارِ“ اس میں ”الدَّارِ“ کے لفظی معنی ”گھر“ کے ہیں۔ بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عالم ہے۔ یہ لفظ بکثرت وطن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہاں آخرت کے بجائے اس لفظ کو استعمال کرنے سے بظاہر اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کا اصلی گھر اور وطن آخرت ہے، اس لئے کہ دُنیا کی زندگی تو فنا ہو جانے والی ہے۔ انسان کو ہمیشہ ہمیشہ جہاں رہنا ہے، وہ آخرت کا عالم ہے۔ اس لئے یہاں ”الدَّارِ“ کا ترجمہ ”اصلی وطن“ سے کیا گیا ہے۔ یہی بات آگے آیت نمبر ۲۴ اور ۲۵ میں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

سَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ  
 مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي  
 الْأَرْضِ لَا أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ  
 يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۖ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ  
 إِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

ع

کہ ”تم نے (دنیا میں) جو صبر سے کام لیا تھا، اس کی بدولت اب تم پر سلامتی ہی سلامتی نازل ہوگی،  
 اور (تمہارے) اصلی وطن میں یہ تمہارا بہترین انجام ہے!“ ﴿۲۴﴾ اور (دوسری طرف) جو لوگ  
 اللہ سے کئے ہوئے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جن رشتوں کو اللہ نے  
 جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے  
 حصے میں لعنت آتی ہے، اور اصلی وطن میں برا انجام انہی کا ہے۔ ﴿۲۵﴾ اللہ جس کے لئے چاہتا  
 ہے، رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ یہ (کافر) لوگ  
 دنیوی زندگی پر مگن ہیں، حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں  
 کہ وہ معمولی سی پونجی ہے۔ ﴿۲۶﴾

(۲۵) پیچھے یہ بتایا گیا تھا کہ جو لوگ دین حق کو جھٹلا رہے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس پر کسی کو شبہ نہ ہو سکتا تھا  
 کہ دنیا میں تو ان لوگوں کو خوب رزق مل رہا ہے، اور بظاہر وہ خوش حال نظر آتے ہیں۔ اس آیت میں اس شبہ کا  
 جواب دیا گیا ہے کہ دنیا میں رزق کی فراوانی یا اس کی تنگی کا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔  
 اس دنیا میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنی حکمت بالغہ کے تحت رزق خوب عطا فرماتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے  
 رزق کی تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کافر لوگ اگرچہ یہاں کی خوش حالی پر مگن ہیں، مگر انہیں یہ اندازہ نہیں کہ اس چند  
 دن کی زندگی کا عیش آخرت کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن أَرَادَ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۚ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ (۲۸) الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَّآبٍ ۝ (۲۹)

اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان پر (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی؟ کہہ دو کہ: ”اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور اپنے راستے پر اُنہی کو لاتا ہے جو اُس کی طرف رُجوع کریں۔“ ﴿۲۷﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں، اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ﴿۲۸﴾ (غرض) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کے حصے میں خوش حالی بھی ہے، اور بہترین انجام بھی۔ ﴿۲۹﴾

(۲۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے، لیکن کفار مکہ اپنی طرف سے نت نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ اور جب ان کا کوئی مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ یہ بات کہتے تھے جو اس آیت میں مذکور ہے، اور پیچھے آیت نمبر ۷ میں بھی گزری ہے۔ اس کا جواب آگے آیت نمبر ۳۱ میں آ رہا ہے۔ یہاں اس کا جواب دینے کے بجائے یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ مطالبات ان کی گمراہی کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے، اور ہدایت اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے رُجوع کر کے ہدایت مانگے، اور حق کی طلب رکھتا ہو۔ ایسا شخص ایمان لانے کے بعد اس کے حقوق ادا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون حاصل کر لیتا ہے۔ پھر اس کو اس قسم کے شکوک نہیں ستاتے۔ وہ ہر حال کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ کر اس پر مطمئن رہتا ہے۔ اگر اچھی حالت ہو تو اس پر شکر ادا کرتا ہے، اور اگر کوئی تکلیف ہو تو اس پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کے دُور ہونے کی دُعا کرتا ہے، اور اس بات پر مطمئن ہوتا ہے کہ جب تک یہ تکلیف ہے، اللہ تعالیٰ کی

كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لَّتَتَّبِعُوا عَلَيْهِمُ الَّذِي  
 أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ ۖ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ  
 تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابٌ ۝ وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ  
 الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَى ۚ بَلْ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۚ

(اے پیغمبر! جس طرح دوسرے رسول بھیجے گئے تھے) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک ایسی امت میں  
 رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں، تاکہ تم ان کے سامنے وہ کتاب پڑھ  
 کر سنا دو جو ہم نے وحی کے ذریعے تم پر نازل کی ہے، اور یہ لوگ اس ذات کی ناشکری کر رہے ہیں جو  
 سب پر مہربان ہے۔ کہہ دو کہ: ”وہ میرا پالنے والا ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں  
 ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔“ ﴿۳۰﴾ اور اگر  
 کوئی قرآن ایسا بھی اُترتا جس کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے، یا اُس کی بدولت  
 زمین شق کر دی جاتی (اور اس سے دریا نکل پڑتے) یا اُس کے نتیجے میں مردوں سے بات کر لی  
 جاتی، (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے)۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام تر اختیار اللہ کا ہے۔

حکمت اور مصلحت کے تحت ہے، اس لئے مجھے اس سے شکوہ نہیں ہے۔ اس طرح اسے تکلیف کے حالات میں  
 بھی اطمینانِ قلب نصیب رہتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیماری دُور کرنے کے لئے آپریشن  
 کروائے، تو آپریشن کی تکلیف کے باوجود اُسے یہ اطمینان رہتا ہے کہ یہ عمل عین حکمت کے مطابق ہے۔  
 (۲۷) اس آیت میں ان چند معجزات کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی فرمائش مکہ مکرمہ کے کافر لوگ کیا کرتے تھے۔ وہ  
 کہتے تھے کہ مکہ مکرمہ کے ارد گرد جو پہاڑ ہیں، ان کو یہاں سے ہٹا دو، اور یہاں کی زمین کو شق کر کے یہاں سے  
 دریا نکال دو، اور ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے ان سے ہماری بات کروادو۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ  
 اگر بالفرض یہ بے ہودہ مطالبات پورے کر بھی دیئے جاتے، تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے، کیونکہ  
 یہ فرمائشیں حق طلبی کے جذبے سے نہیں، صرف ضد کی وجہ سے کی جا رہی ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۳ تا ۹۴)  
 میں اسی قسم کی کچھ اور فرمائشیں بھی مذکور ہیں جو کفار کیا کرتے تھے، اور اسی سورت کی آیت نمبر ۵۹ میں فرمائشیں

أَفَلَمْ يَأْيُسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا وَتَصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ  
هُمُ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ ۚ

کیا پھر بھی ایمان والوں نے یہ سوچ کر اپنا ذہن فارغ نہیں کیا کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے ہی  
انسانوں کو (زبردستی) راہ پر لے آتا؟ اور جنہوں نے کفر اپنایا ہے، ان پر تو ان کے کروت کی وجہ  
سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی کھڑکھڑانے والی مصیبت پڑتی رہتی ہے، یا ان کی بستی کے قریب کہیں نازل  
ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ (ایک دن) اللہ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ آکر پورا ہو جائے گا۔ یقیناً  
رکھو کہ اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ﴿۳۱﴾

معجزات نہ دکھانے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جب کوئی قوم کو کسی خاص معجزے کی فرمائش پر وہ معجزہ دکھا  
دیا جاتا ہے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتی تو اُس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ پچھلی امتوں عداورثمود وغیرہ  
کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ اپنے فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور  
ابھی ان کو ہلاک کرنا منظور نہیں ہے، اس لئے بھی ایسے معجزات نہیں دکھائے جارہے۔

(۲۸) کبھی کبھی مسلمانوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ جو معجزات یہ لوگ مانگ رہے ہیں، اگر وہ ان کو دکھا دیئے جائیں  
تو شاید یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ یہ آیت ان مسلمانوں کو ہدایت دے رہی ہے کہ انہیں اب اس بات سے اپنا  
ذہن فارغ کر لینا چاہئے، اور یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ وہ ان سب کو اپنی  
قدرت سے زبردستی مسلمان کر دے، لیکن چونکہ دنیا کی اس امتحان گاہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ ہر شخص اپنی عقل  
استعمال کر کے اپنے اختیار سے ایمان لائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں اپنی قدرت کو استعمال  
نہیں کیا، البتہ ایسے دلائل واضح کر دیئے ہیں کہ اگر انسان ان پر انصاف سے غور کرے، اور ہٹ دھرمی چھوڑ  
دے تو اُس کو حقیقت تک پہنچنے میں دیر نہیں لگنی چاہئے۔ اس کے بعد کافروں کی ہر فرمائش پوری کرنے کی کوئی  
ضرورت نہیں ہے۔

(۲۹) بعض مسلمانوں کو کبھی یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ جب یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، تو ان پر ابھی کوئی  
عذاب کیوں نہیں آ جاتا۔ اس آیت میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں پر چھوٹی چھوٹی مصیبتیں تو اس دنیا

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ<sup>۳۰</sup>  
 فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۱ أَفَمَن هُوَ أَقْبَمُ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۖ وَجَعَلُوا لِلَّهِ  
 شُرَكَاءَ ۖ قُلْ سُبُّهُمْ<sup>۳۲</sup> أَمْرٌ تُتَّبَعُونَ بِهِ لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْرٌ بَاطِلٌ مِّنَ الْقَوْلِ<sup>۳۳</sup>

اور (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے پیغمبروں کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا، اور ایسے کافروں کو بھی میں نے مہلت دی تھی، مگر کچھ وقت کے بعد میں نے ان کو گرفت میں لے لیا، اب دیکھ لو کہ میرا عذاب کیسا تھا؟ ﴿۳۲﴾ بھلا بتاؤ کہ ایک طرف وہ ذات ہے جو ہر شخص کے ہر ہر کام کی نگرانی کر رہی ہے، اور دوسری طرف ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک مانے ہوئے ہیں؟ کہو کہ: ”ذرا اُن (خدا کے شریکوں) کے نام تو بتاؤ (اگر کوئی نام لو گے) تو کیا اللہ کو کسی ایسے وجود کی خبر دو گے جس کا دُنیا بھر میں اللہ کو بھی پتہ نہیں ہے؟ یا خالی زبان سے ایسے نام لے لو گے جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں؟“<sup>(۳۱)</sup>

میں بھی پڑتی رہتی ہیں، مثلاً کبھی قُطَّ آجاتا ہے، کبھی کوئی اور بلا نازل ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات ان کی قریبی بستیوں پر ایسی مصیبتیں آ جاتی ہیں جن سے یہ لوگ خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کو اصل عذاب اس وقت ہوگا جب قیامت آنے کا وعدہ پورا ہوگا۔

(۳۰) یہ ترجمہ اُس تفسیر پر مبنی ہے جو امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے ”حل العقد“ کے مصنف کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس تفسیر کے مطابق ”مَنْ هُوَ أَقْبَمُ“ کی خبر ”موجود“ ہے جو محذوف ہے، اور ”وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ“ جملہ حالیہ ہے۔ بندے کو یہ ترکیب دوسرے احتمالات کے مقابلے میں بہتر معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

(۳۱) نام تو انہوں نے بہت سے بتوں اور دیوتاؤں کے رکھ رکھے تھے، اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت ہے تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اُسے کون جان سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ایسا کوئی بھی وجود ہے نہیں۔ اب اگر تم اس کو حقیقی وجود قرار دو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ علم رکھنے کے مدعی ہو گے، بلکہ تمہارا یہ کہنا لازم آئے گا کہ جس وجود کا اللہ تعالیٰ کو بھی علم نہیں ہے، تم (معاذ اللہ)

بَلْ رَيْنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ ﴿٣١﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۚ  
وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ۖ ﴿٣٢﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِنْ  
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظُلُّهَا ۖ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ وَعُقْبَى  
الْكَافِرِينَ الثَّامِرُ ۖ ﴿٣٥﴾

حقیقت تو یہ ہے کہ ان کافروں کو اپنی مکارانہ باتیں بڑی خوبصورت لگتی ہیں، اور (اس طرح) ان کی ہدایت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ اور جسے اللہ گمراہی میں پڑا رہنے دے، اُسے کوئی راہ پر لانے والا میسر نہیں آ سکتا۔ ﴿۳۲﴾ ایسے لوگوں کے لئے دُنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے، اور یقیناً آخرت کا عذاب کہیں زیادہ بھاری ہوگا، اور کوئی نہیں ہے جو انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچا سکے۔ ﴿۳۴﴾ (دوسری طرف) وہ جنت جس کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اُس کا حال یہ ہے کہ اُس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُس کے پھل بھی سدا بہار ہیں، اور اُس کی چھاؤں بھی! یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، جبکہ کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ ﴿۳۵﴾

اللہ تعالیٰ کو اس کا پتہ بتا رہے ہو۔ اس سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور اگر ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے تو یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ بہر حال! دونوں صورتوں میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا شرک کا عقیدہ بے بنیاد ہے۔

(۳۲) یعنی جب کوئی شخص اس ضد پر اڑ جائے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، وہی اچھا کام ہے، اور اس کے مقابلے میں بڑی سے بڑی دلیل کو بھی سننے ماننے کو تیار نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو گمراہی میں پڑا رہنے دیتے ہیں، اور پھر اُسے کوئی راہ راست پر لانے والا میسر نہیں آ سکتا۔

وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَجْرَابِ مَنْ يُنْكِرْ  
بَعْضَهُ قُلْ إِنَّمَا أَمَرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۖ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَابِ ۖ ۝۳۶

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کلام سے خوش ہوتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔ اور انہی گروہوں میں وہ بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ: ”مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، اور اُس کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ مانوں، اسی بات کی میں دعوت دیتا ہوں، اور اُسی (اللہ) کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔“ ۝۳۶

(۳۳) اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف گروہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو قرآن کریم کی آیات سن کر خوش ہوتے ہیں کہ یہ وہی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کی پیشینگوئی پچھلی آسمانی کتابوں میں کی گئی تھی، چنانچہ اس گروہ کے بہت سے افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، عیسائیوں میں سے بھی، اور یہودیوں میں سے بھی۔ یہ حقیقت ذکر فرما کر ایک طرف تو کفار مکہ کو شرم دلائی گئی ہے کہ جن لوگوں کے پاس آسمانی ہدایت موجود ہے، وہ تو ایمان لارہے ہیں، اور جن لوگوں کے پاس نہ کوئی کتاب ہے، نہ کوئی اور آسمانی ہدایت، وہ ایمان لانے سے کترارہے ہیں، اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ جہاں اسلام کے دشمن موجود ہیں، وہاں بہت سے لوگ اس پیغام ہدایت کو قبول بھی کر رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں دوسرا گروہ کافروں کا ہے۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔ بعض حصوں کا ذکر کر کے اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ بھی قرآن کریم کی ساری باتوں کا انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ اُس کی بہت سی باتیں وہ ہیں جو تورات یا انجیل میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً توحید، پچھلے انبیائے کرام پر ایمان اور ان کے واقعات، آخرت کا عقیدہ وغیرہ۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یہ سوچتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس نہیں ہے اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کو یہ باتیں وحی سے معلوم ہوئی ہیں۔ اس صورت میں آپ کی رسالت کو تسلیم کرنا چاہئے۔

(۳۴) اس آیت میں اسلام کے تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلا فقرہ



وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنْ اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنْ

عِلْمٍ الْعِلْمُ مَالِكٌ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيِّ وَلَا وَاقٍ ۝۳۷

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی زبان میں ایک حکم نامہ بنا کر نازل کیا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) تمہارے پاس جو علم آچکا ہے، اگر اُس کے بعد بھی تم ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلے تو اللہ کے مقابلے میں نہ تمہارا کوئی مدگار ہوگا، نہ کوئی بچانے والا۔ ﴿۳۷﴾

توحید کے اعلان پر مشتمل ہے، دوسرے فقرے میں فرمایا گیا ہے کہ: ”اسی بات کی میں دعوت دیتا ہوں“ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا اثبات کیا گیا ہے، اور آخری فقرہ یعنی: ”اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے“ آخرت کے عقیدے کو ظاہر کرتا ہے۔ کہنا یہ مقصود ہے کہ یہ تینوں عقائد پچھلی کتابوں میں بھی بیان ہوئے ہیں، پھر قرآن کریم کے انکار کا کیا جواز ہے؟

(۳۵) یہاں سے آیت ۳۸ تک اس بات کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ قرآن کریم کے جن حصوں کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں، اس کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ لوگ قرآن کریم کے ان احکام پر اعتراض کرتے تھے جو تورات اور انجیل کے احکام سے مختلف ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ بنیادی عقیدے تو تمام انبیائے کرام کی دعوت میں مشترک رہے ہیں، لیکن فروعی اور جزوی احکام مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں مختلف ہوتے رہے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر امت کے حالات مختلف ہوتے ہیں، اُس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت مختلف زمانوں میں احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ یعنی بہت سی چیزیں جو ایک نبی کی شریعت میں ناجائز تھیں، دوسرے نبی کی شریعت میں حلال کر دی گئیں۔ اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہوا ہے۔ تو جس طرح پچھلی امتوں میں احکام کی تبدیلی کا یہ سلسلہ چلتا رہا ہے، اسی طرح یہ قرآن بھی ایک نیا حکم نامہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، اور اُس کے عربی زبان میں ہونے سے اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہ ان حالات سے بالکل مختلف حالات میں نازل ہوا ہے جن میں پچھلی کتابیں نازل ہوئی تھیں، اس لئے اُسے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہنے والی زبان ہے، اور اس میں اس آخری دور کے حالات کی رعایت رکھی گئی ہے۔

(۳۶) یعنی قرآن کریم کے جو احکام ان کافروں کو اپنی خواہشات کے خلاف نظر آرہے ہیں، ان میں آپ کو یہ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۖ وَمَا كَانَ  
لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝۳۸ يَسْأَلُونَ اللَّهَ مَا يُشَاءُ  
وَيُثَبِّتُ ۖ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝۳۹

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں، اور انہیں بیوی بچے بھی عطا فرمائے ہیں، اور کسی رسول کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ کوئی ایک آیت بھی اللہ کے حکم کے بغیر لاسکے۔ ہر زمانے کے لئے الگ کتاب دی گئی ہے۔ ﴿۳۸﴾ اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے، منسوخ کر دیتا ہے، اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے۔ اور تمام کتابوں کی جو اصل ہے، وہ اُسی کے پاس ہے۔ ﴿۳۹﴾<sup>(۳۸)</sup>

اختیار نہیں ہے کہ ان کی رعایت سے ان میں کوئی تبدیلی کر سکیں۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوئی تبدیلی فرمائیں، لیکن ایک اصول کے طور پر یہ بات ارشاد فرما کر ساری دُنیا کے لوگوں کو متنبہ کر دیا گیا ہے۔

(۳۷) اس آیت میں ایک تو کفار کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ کے بیوی بچے کیوں ہیں؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ بیوی بچے ایک دو انبیائے کرام کو چھوڑ کر تقریباً سارے انبیاء کو بھی عطا فرمائے گئے ہیں، کیونکہ نبوت کا ان سے کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ انبیائے کرام اپنے عمل سے واضح کرتے ہیں کہ ان کے حقوق کیسے ادا کئے جاتے ہیں، اور ان کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں توازن کیسے قائم رکھا جاتا ہے۔ دوسرے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں جزوی فرق ہوتا رہا ہے۔

(۳۸) تمام کتابوں کی اصل سے مراد ”لوح محفوظ“ ہے جس میں ازل سے یہ بات درج ہے کہ کس اُمت کو کون سی کتاب اور کیسے احکام دیئے جائیں گے۔

وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَّقِيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَعَلَيْنَا  
 الْحِسَابُ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا  
 مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۖ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ  
 الْمَكْرُ جَمِيعًا ۖ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۖ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقِبِيَ الدَّارِ ۝  
 وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَلَسْتُمْ مُرْسَلًا ۖ قُلْ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ  
 أَفَمَنْ عِنْدَ اللَّهِ عِلْمٌ الْكِتَابِ ۝

اور جس بات کی دھمکی ہم ان (کافروں) کو دیتے ہیں، چاہے اُس کا کوئی حصہ ہم تمہیں (تمہاری  
 زندگی ہی میں) دکھادیں، یا (اُس سے پہلے ہی) تمہیں دُنیا سے اٹھالیں، بہر حال تمہارے ذمے تو  
 صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور حساب لینے کی ذمہ داری ہماری ہے۔ ﴿۴۰﴾ کیا ان لوگوں کو یہ  
 حقیقت نظر نہیں آئی کہ ہم ان کی زمین کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں؟ ہر حکم اللہ دیتا  
 ہے۔ کوئی نہیں ہے جو اُس کے حکم کو توڑ سکے، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿۴۱﴾ جو لوگ ان  
 سے پہلے گزرے ہیں، چالیں انہوں نے بھی چلی تھیں، لیکن چال تو تمام تر اللہ ہی کی چلتی ہے۔ کوئی  
 بھی شخص جو کچھ کرتا ہے، سب اُسے معلوم ہے، اور کافروں کو عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اصلی وطن کا  
 نیک انجام کس کے حصے میں آتا ہے۔ ﴿۴۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:  
 ”تم پیغمبر نہیں ہو“ کہہ دو کہ: ”میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہے، نیز ہر وہ  
 شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے!“ ﴿۴۳﴾

(۳۹) بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ ان کافروں کی سرکشی کے باوجود ان پر کوئی عذاب کیوں  
 نہیں آ رہا ہے؟ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ عذاب کا صحیح وقت اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی حکمت کے تحت

مقرر فرمایا ہوا ہے، وہ کسی وقت بھی آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ذہن فارغ رکھنا چاہئے کہ ان کی ذمہ داری تبلیغ کی ہے، ان کافروں کا محاسبہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو وہ اپنی حکمت کے تحت مناسب وقت پر انجام دے گا۔

(۴۰) مطلب یہ ہے کہ جزیرہ عرب پر مشرکین اور ان کے عقائد کا جو تسلط تھا، وہ رفتہ رفتہ سمٹ رہا ہے، اور مشرکین کے اثر و رسوخ کا دائرہ روز بروز کم ہو کر سکڑ رہا ہے، اور اس کی جگہ اسلام کے اثرات پھیل رہے ہیں۔ یہ ایک تازیانہ ہے جس سے ان مشرکین کو سبق لینا چاہئے۔

(۴۱) یعنی تم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر رہے ہو، اُس سے کیا ہوتا ہے؟ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اللہ تعالیٰ بذات خود آپ کی رسالت کا گواہ ہے، اور ہر وہ شخص جسے آسمانی کتابوں کا علم ہے، اگر انصاف کے ساتھ اس علم کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جائزہ لے گا تو وہ بھی یہ گواہی دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۳ رجب ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۰ جولائی ۲۰۰۶ء شبِ دو شنبہ میں سورہٴ رعد کا ترجمہ اور تفسیری حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



سُورَةُ اِبْرٰهٖمَ

## تعارف

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کا انکار کرنے کے خوفناک نتائج پر تنبیہ ہے۔ چونکہ عرب کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اس لئے سورت کے آخر سے پہلے رکوع میں اُن کی وہ پُر اثر دُعا نقل فرمائی گئی ہے جس میں انہوں نے شرک اور بت پرستی کی صاف صاف برائی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ اُنہیں اور اُن کے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ ابراہیم ہے۔

ایاتھا ۵۲ ﴿۱۲﴾ سُورَةُ اِبْرٰهٖمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ ﴿۱۳﴾ رُكُوْعَاتُهَا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الرَّكَتُوبُ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلَى صِرَاطٍ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝۱ اللّٰهُ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۗ وَ یُؤْتِی الْلُكْفَرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۝۲ الَّذِیْنَ یَسْتَحْبِبُوْنَ الْحَیْوةَ الدُّنْیَا عَلٰی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ یُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عَوْجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِی ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ۝۳

سورہ ابراہیم مکی ہے، اور اس میں باون آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الہا۔ (اے پیغمبر!) یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، تاکہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آؤ، یعنی اُس ذات کے راستے کی طرف جس کا اقتدار سب پر غالب ہے، (اور) جو ہر تعریف کا مستحق ہے۔ ﴿۱﴾ وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کی ملکیت ہے۔ اور افسوس ہے اُن لوگوں پر جو حق کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ انہیں سخت عذاب ہونے والا ہے۔ ﴿۲﴾ وہ لوگ جو آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے پر آنے سے روکتے ہیں، اور اُس میں ٹیڑھ تلاش کرتے رہتے ہیں! ﴿۳﴾ وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ﴿۳﴾

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اسلام میں کوئی نہ کوئی عیب تلاش کرتے رہتے ہیں، تاکہ انہیں اعتراض کا موقع ملے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ قرآن و سنت میں کوئی بات اُن کے خیالات اور خواہشات کے مطابق مل جائے تو اس کو اپنے باطل نظریات کی تائید میں پیش کریں۔



وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلَّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَذَكَّرَهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝

اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا، خود اُس کی قوم کی زبان میں بھیجا، تاکہ وہ ان کے سامنے حق کو اچھی طرح واضح کر سکے۔ (۲) پھر اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے، اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ: ”اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، اور (مختلف لوگوں کو) اللہ نے (خوشحالی اور بدحالی کے) جودن دکھائے ہیں، اُن کے حوالے سے انہیں نصیحت کرو۔“ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو صبر اور شکر کا خوگ و، اُس کے لئے ان واقعات میں بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۵﴾

(۲) کفار مکہ کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن عربی زبان میں کیوں اُتارا گیا ہے؟ اگر یہ کسی ایسی زبان میں ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تو اس کا معجزہ ہونا بالکل واضح ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر رسول کو اُس کی قوم کی مادری زبان میں اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنی قوم کو اُس کی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھا سکے۔ کسی اور زبان میں قرآن نازل کیا جاتا تو تم یہ اعتراض کرتے کہ اسے ہم کیسے سمجھیں؟ چنانچہ یہی بات سورہ حم السجدہ (۴۴:۳۱) میں فرمائی گئی ہے۔

(۳) یعنی جو کوئی حق کا طلب گار بن کر اُس کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو ہدایت دے دیتے ہیں، اور جو شخص خدا اور عناد کے ساتھ پڑھتا ہے، اُسے گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیتے ہیں۔ مزید دیکھئے پچھلی سورت (۳۳:۱۳) کا حاشیہ۔ (۴) اصل قرآنی لفظ ”ایام اللہ“ ہے جس کے لفظی معنی ہیں ”اللہ کے دن“، لیکن محاورے میں اس سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خاص خاص اور اہم واقعات دکھلائے ہیں، مثلاً نافرمان قوموں پر عذاب کا نازل ہونا، اور فرماں برداروں کو دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی عطا ہونا۔ لہذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان خاص خاص واقعات کا حوالہ دے کر اپنی قوم کو نصیحت کیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اختیار کریں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ  
يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُمْذِقُونَ آبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَلِكُمْ  
بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ① وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ  
كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ② وَقَالَ مُوسَى إِنَّ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ  
جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَسِيدٌ ③ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ  
وَإِسْمٰوٰلُ وَثَمُودُ ۖ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ④

مع

وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے، اُسے یاد رکھو کہ اُس نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی، جو تمہیں بدترین تکلیفیں پہنچاتے تھے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور ان تمام واقعات میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا زبردست امتحان تھا۔ ﴿۶﴾ اور وہ وقت بھی جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمادیا تھا کہ اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دُوں گا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو، میرا عذاب بڑا سخت ہے۔“ ﴿۷﴾ اور موسیٰ نے کہا تھا کہ: ”اگر تم اور زمین پر بسنے والے تمام لوگ بھی ناشکری کریں، تو (اللہ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ بڑا بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف!“ ﴿۸﴾ (اے کفار مکہ!) کیا تمہیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، قومِ نوح، عاد، ثمود اور اُن کے بعد آنے والی قومیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔<sup>(۵)</sup>

(۵) اُس سے مراد وہ قومیں بھی ہو سکتی ہیں جن کی تاریخ محفوظ نہیں رہ سکی، اور وہ بھی جن کا اجمالی حال تو معلوم ہے، لیکن ان کی تعداد اور اُن کے تفصیلی حالات کا کسی کو پتہ نہیں۔

جَاءَهُمْ رَسُولُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِنَبَا  
 أُسْرِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ① قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِى اللَّهِ  
 شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفَرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ  
 إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ قَالُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا  
 كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَاقْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ②

ان سب کے پاس اُن کے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر آئے، تو انہوں نے اُن کے منہ پر اپنے ہاتھ  
 رکھ دیئے، اور کہا کہ: ”جو پیغام تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، اور  
 جس بات کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو، اُس کے بارے میں ہمیں بڑا بھاری شک ہے۔“ ﴿۹﴾  
 ان کے پیغمبروں نے اُن سے کہا: ”کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو سارے آسمانوں اور زمین کا  
 خالق ہے؟ وہ تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے، اور تمہیں ایک مقررہ  
 مدت تک مہلت دے۔“ انہوں نے کہا کہ: ”تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ایسے ہی  
 انسان ہو جیسے ہم ہیں۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے ہیں اُن سے  
 ہمیں روک دو، لہذا کوئی صاف صاف معجزہ لا کر دکھاؤ۔“ ﴿۱۰﴾

(۶) یہ ایک محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انہیں زبردستی بولنے اور تبلیغ کرنے سے روکا۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ عذاب الہی سے تمہیں نجات مل جائے، اور گناہوں کی معافی کے بعد تمہیں تمہاری عمر پوری  
 ہونے تک زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا فرمایا تھا، لیکن ان کافروں کا کہنا تھا کہ جس جس معجزے کی ہم  
 فرمائش کرتے جائیں، وہ دکھاتے جاؤ۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّاتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللَّهِ ۖ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ وَمَا لَنَا اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا اٰذَيْتُمُونَا ۖ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا اِنَّا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَهْمُكِنَّ الظُّلُمٰنَ ۚ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ اِلَّا اَرْضًا مِّنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِىْ وَخَافَ وَعَبَدَ ۝

ان سے ان کے پیغمبروں نے کہا: ”ہم واقعی تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے خصوصی احسان فرما دیتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ لا دیکھائیں، اور مؤمنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔“ ﴿۱۱﴾ اور آخر ہم کیوں اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اُس نے ہمیں اُن راستوں کی ہدایت دے دی ہے جن پر ہمیں چلنا ہے؟ اور تم نے ہمیں جو تکلیفیں پہنچائی ہیں، ان پر ہم یقیناً صبر کریں گے، اور جن لوگوں کو بھروسہ رکھنا ہو، انہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔“ ﴿۱۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا تھا، انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ: ”ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال کر رہیں گے، ورنہ تمہیں ہمارے دین میں واپس آنا پڑے گا۔“ چنانچہ اُن کے پروردگار نے ان پر وحی بھیجی کہ: ”یقین رکھو، ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے،“ ﴿۱۳﴾ اور اُن کے بعد یقیناً تمہیں زمین میں بسائیں گے۔ یہ ہے ہر اُس شخص کا صلہ جو میرے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا اور میری وعید سے ڈرتا ہو۔“ ﴿۱۴﴾

(۹) یعنی اگر تم اس بات کو نہیں مانتے اور ایمان لانے والوں کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہو تو مؤمن کو ان اچھے ہتھندوں سے ڈرایا نہیں جاسکتا، کیونکہ اُس کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔

وَأَسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝<sup>(۱۵)</sup> مِّنْ وَرَآئِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ۝<sup>(۱۶)</sup> يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۚ وَمِنْ وَرَآئِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝<sup>(۱۷)</sup> مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۚ

اور ان کافروں نے خود فیصلہ مانگا، اور<sup>(۱۵)</sup> (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر ڈینگیں مارنے والا ہٹ دھرم نامراد ہو کر رہا۔ ﴿۱۵﴾ اُس کے آگے جہنم ہے، اور (وہاں) اُسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا، ﴿۱۶﴾ وہ اُسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا، اور اُسے ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اُسے حلق سے اُتار نہیں سکے گا۔ موت اُس پر ہر طرف سے آرہی ہوگی، مگر وہ مرے گا نہیں، اور اُس کے آگے (ہمیشہ) ایک اور سخت عذاب موجود ہوگا۔ ﴿۱۷﴾ جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کی رِوْش اختیار کی ہے، ان کی حالت یہ ہے کہ اُن کے اعمال اُس را کھ کی طرح ہیں جسے آندھی طوفان والے دن میں ہوا تیزی سے اُڑالے جائے۔<sup>(۱۷)</sup>

(۱۰) یعنی پیغمبروں سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ سے کہہ کر ایسا عذاب ہم پر بھجوادو جس سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ بات کہہ کر وہ دراصل پیغمبروں کا متکبرانہ انداز میں مذاق اُڑاتے تھے۔

(۱۱) یہ ترجمہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان فرمائی ہوئی ایک تفسیر پر مبنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں محسوس یہ ہوگا کہ وہ اس پانی کو حلق سے اُتار نہیں سکیں گے، لیکن گھونٹ گھونٹ کر کے بڑی مشکل سے اور بڑی دیر میں وہ حلق سے اُترے گا۔

(۱۲) ہر طرف سے موت آنے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی جو مختلف صورتیں سامنے آئیں گی، وہ ایسی ہوں گی جو دُنیا میں جان لیوا اور موت کا سبب ہوتی ہیں، مگر وہاں ان کی وجہ سے انہیں موت نہیں آئے گی۔

(۱۳) یعنی ہر عذاب کے بعد ایک دوسرا سخت عذاب آنے والا ہوگا، تاکہ ایک ہی قسم کا عذاب سبہ سبہ کر انسان اُس کا عادی نہ ہو جائے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۱۴) کافر لوگ دُنیا میں کچھ اچھے کام بھی کرتے ہیں، مثلاً غریبوں کی امداد وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اُن

لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ۖ ذَٰلِكَ هُوَ الصَّلٰۤلُ الْبَعِيدُ ۝۱۸ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ  
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ اِنْ يَّشَآءْ يُدْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۹  
وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰

انہوں نے جو کچھ کمائی کی ہوگی، اُس میں سے کچھ اُن کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہی تو پرلے درجے کی  
گمراہی ہے۔ ﴿۱۸﴾ کیا تمہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد  
سے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے، اور ایک نئی مخلوق وجود میں لے آئے۔ ﴿۱۹﴾<sup>(۱۵)</sup>  
اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ ﴿۲۰﴾

کے ایسے اچھے کاموں کا بدلہ انہیں دُنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں اُن کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ  
وہاں ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے۔ لہذا آخرت میں وہ اعمال ان کے کچھ کام نہیں آتے۔ اس کی مثال یہ  
دی گئی ہے کہ جس طرح راکھ کو آندھی اڑالے جائے تو اُس کا کوئی پہ نہ نشان نہیں ملتا، اسی طرح کافروں کے ان  
اعمال کو ان کا کفر کا عدم کر دے گا، اور ان اعمال کا کوئی فائدہ ان کو آخرت میں نہیں ملے گا۔

(۱۵) اس آیتِ کریمہ میں آخرت کی زندگی کا ضروری ہونا بھی بیان فرمایا گیا ہے، اور اس پر کافروں کو جو شبہ ہوتا  
ہے، اُس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ پہلے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق ایک برحق مقصد کے لئے کی گئی  
ہے۔ اور وہ مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرماں برداروں کو انعام دیا جائے، اور نافرمانوں اور ظالموں کو سزا  
ملے۔ اگر آخرت کی زندگی نہ ہوتی تو نیک اور بد سب برابر ہو جاتے۔ لہذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس دُنیا کے  
بعد ایک دوسری زندگی ہو جس میں ہر انسان کو اُس کے مناسب بدلہ دیا جاسکے۔ رہا کافروں کا یہ اعتراض کہ مرکز  
مٹی میں مل جانے کے بعد انسان کس طرح دوبارہ زندہ ہوں گے؟ تو اس کا جواب اگلے جملے میں یہ دیا گیا ہے کہ  
اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ تم سب کو فنا کر کے ایک نئی مخلوق پیدا کر دے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک مخلوق کو  
بالکل عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل کام ہے اور جو مخلوق ایک مرتبہ وجود میں آچکی ہو، اُس پر موت طاری  
کر کے اُسے زندہ کر دینا اُس کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ جب اللہ تعالیٰ پہلے مشکل کام پر قادر ہے تو اس  
دوسرے کام کی تو یقیناً قدرت رکھتا ہے۔

وَبَرَدُوا لِلَّهِ جَبِيْعًا فَقَالَ الضُّعْفُو الذِّیْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَاَهْلَ  
 اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ۚ قَالُوْا لَوْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَهَدٰی یُّلٰکُمْ ۚ  
 ۱۵ سَوَآءٌ عَلَیْنَا اَجْرُ عَنَّا اَمْ صَبْرًا مَّا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ۝۱۶ وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لِمَ اُقِضَی  
 الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَکُمْ وَعَدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ ۚ وَمَا كَانَ لِیْ عَلَیْکُمْ  
 مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاَسْتَجَبْتُ لَیْ ۚ فَلَا تَكُوْمُوْنِیْ وَلَوْ مَوَّآ اَنْفُسُکُمْ ۚ مَا اَنَا  
 بِبَصْرِ حَکْمٍ وَمَا اَنْتُمْ بِبَصْرِ حَقٍّ ۚ اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَا اَشْرَکْتُکُمْ مِنْ قَبْلُ ۚ اِنَّ  
 الظَّالِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۷

اور یہ سب لوگ اللہ کے آگے پیش ہوں گے۔ پھر جو لوگ (دُنیا میں) کمزور تھے، وہ بڑائی بگھارنے والوں سے کہیں گے کہ: ”ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے لوگ تھے، تو کیا اب تم ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچا لو گے؟“ وہ کہیں گے: ”اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی تمہیں ہدایت دے دیتے۔ چاہے ہم چیخیں چلائیں یا صبر کریں، دونوں صورتیں ہمارے لئے برابر ہیں، ہمارے لئے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں۔“ ﴿۲۱﴾ اور جب ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان (اپنے ماننے والوں سے) کہے گا: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو اُس کی خلاف ورزی کی۔ اور مجھے تم پر اس سے زیادہ کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں (اللہ کی نافرمانی کی) دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی۔ لہذا اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ تمہاری فریاد پر میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں، اور نہ میری فریاد پر تم میری مدد کر سکتے ہو۔ تم نے اس سے پہلے مجھے اللہ کا جو شریک مان لیا تھا، (آج) میں نے اُس کا انکار کر دیا ہے۔ جن لوگوں نے یہ ظلم کیا تھا، اُن کے حصے میں تو اب دردناک عذاب ہے۔“ ﴿۲۲﴾

(۱۶) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان کو شریک ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ایسی ہی اطاعت کی جائے جیسی

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۖ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا  
كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۚ

اور جو لوگ ایمان لائے تھے، اور انہوں نے نیک عمل کئے تھے، انہیں ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کا استقبال سلام سے کریں گے۔ ﴿۲۳﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے، اور اُس کی شاخیں آسمان میں ہیں، ﴿۲۴﴾

اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہئے۔ شیطان اُس وقت کہے گا کہ اب میں تمہارے اس طریق کار کے صحیح ہونے کا انکار کرتا ہوں۔ (۱۷) اوپر دو زخیوں کا مکالمہ مذکور تھا کہ وہ ایک دوسرے کو ملامت بھی کریں گے اور اس بات کا اعلان بھی کہ ان کے لئے تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے مقابلے میں جنت والوں کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہر ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو تباہی کے بجائے سلامتی کا پیغام دیں گے۔

(۱۸) کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ توحید یعنی ”لا اِلهَ اِلاَّ اللہ“ ہے۔ اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ پاکیزہ درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ جمی ہوتی ہیں، اور تیز ہوائیں اور آندھیاں اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتیں، نہ اُسے اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہیں۔ اسی طرح جب توحید کا کلمہ انسان کے دل و دماغ میں پیوست ہو جاتا ہے تو ایمان کی خاطر اُسے کیسی ہی تکلیفوں یا مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے، اُس کے ایمان میں کوئی کمزوری نہیں آتی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ہر قسم کی اذیتیں دی گئیں، لیکن توحید کا جو کلمہ اُن کے دل میں گھر کر چکا تھا، اُس میں مصائب کی ان آندھیوں سے ذرہ برابر تزلزل نہیں آیا۔ کھجور کے درخت کی دوسری صفت اس آیت میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اُس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں، اور زمین کی کٹافنوں سے دُور رہتی ہیں، اسی طرح جب توحید کا کلمہ مومن کے دل میں پیوست ہو جاتا ہے تو اُس کے تمام نیک کام جو درحقیقت اسی کلمے کی شاخیں ہیں، آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچ کر اُس کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں، اور دنیا پرستی کی کٹافنوں سے محفوظ رہتے ہیں۔



تُوْتِيْ اُكْلَهَا كُلَّ حَيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ  
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ اَجْتَنَّتْ مِنْ فَوْقِ  
الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُّثْبِتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي  
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ

اپنے رب کے حکم سے وہ ہر آن پھل دیتا ہے۔ اللہ (اس قسم کی) مثالیں اس لئے دیتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۲۵﴾ اور ناپاک کلمے کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے، اُس میں ذرا بھی جماؤ نہ ہو۔ ﴿۲۶﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ اُن کو اس مضبوط بات پر دُنیا کی زندگی میں بھی جماؤ عطا کرتا ہے، اور آخرت میں بھی۔

(۱۹) یعنی یہ درخت سدا بہار ہے، اُس پر کبھی خزاں طاری نہیں ہوتی، اور وہ ہر حال میں پھل دیتا ہے۔ اگر اس سے مراد بھجور کا درخت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا پھل سارے سال کھایا جاتا ہے۔ نیز جس زمانے میں بظاہر اُس پر پھل نہیں ہوتا، اُس زمانے میں بھی اُس سے مختلف فائدے حاصل کئے جاتے ہیں۔ کبھی اُس سے نیرا نکال کر پیا جاتا ہے، کبھی اُس کے تنے کا گودا نکال کر کھایا جاتا ہے، اور کبھی اُس کے پتوں سے مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص توحید کے کلمے پر ایمان لے آتا ہے تو چاہے خوش حال ہو یا تنگدست، عیش و آرام میں ہو یا تکلیفوں میں، ہر حال میں اُس کے ایمان کی بدولت اُس کے اعمال نامے میں نیکیاں بڑھتی رہتی ہیں، اور اس کے نتیجے میں اُس کے ثواب میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے جو درحقیقت توحید کے کلمے کا پھل ہے۔

(۲۰) ناپاک کلمے سے مراد کفر کا کلمہ ہے، اس کی مثال ایسا خراب درخت ہے جس کی کوئی مضبوط جڑ نہ ہو، بلکہ وہ جھاڑ جھکاڑ کی شکل میں خود آگ آئے۔ اُس میں جماؤ بالکل نہیں ہوتا، اس لئے جو شخص چاہے اُسے آسانی سے اکھاڑ ڈالتا ہے۔ اسی طرح کافرانہ عقیدوں کی کوئی عقلی یا نقلی بنیاد نہیں ہوتی۔ اُن کی تردید آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ اور غالباً اس سے مسلمانوں کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ کفر و شرک کے جن عقیدوں نے آج مسلمانوں پر زمین تنگ کی ہوئی ہے، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کو اس طرح اکھاڑ پھینکا جائے گا جیسے جھاڑ جھکاڑ کو اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

(۲۱) دُنیا میں جماؤ عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مومن پر کتنی زبردستی کی جائے، وہ توحید کے اس کلمے کو چھوڑنے

وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۖ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ ﴿٢٤﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا ۙ  
 نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۖ ﴿٢٥﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ  
 الْقَرَارُ ۖ ﴿٢٦﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۖ قُلْ تَسْعَوْا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ  
 إِلَى النَّارِ ۖ ﴿٢٧﴾ قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ  
 سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَالٍ ۖ ﴿٢٨﴾

اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے، اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ﴿۲۷﴾  
 کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا، اور اپنی قوم کو تباہی کے  
 گھر میں لا اُتارا ﴿۲۸﴾ جس کا نام جہنم ہے؟ وہ اُس میں جلیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا  
 ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور انہوں نے اللہ کے ساتھ (اُس کی خدائی میں) کچھ شریک بنالئے، تاکہ لوگوں کو  
 اُس کے راستے سے گمراہ کریں۔ ان سے کہو کہ: ”(تھوڑے سے) مزے اُڑالو، کیونکہ آخر کار تمہیں  
 جانا دو رزخ ہی کی طرف ہے۔“ ﴿۳۰﴾ میرے جو بندے ایمان لائے ہیں، اُن سے کہہ دو کہ وہ نماز  
 قائم کریں، اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی (نیکی کے  
 کاموں میں) خرچ کریں، (اور یہ کام) اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے (کر لیں) جس میں نہ  
 کوئی خرید و فروخت ہوگی، نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔ ﴿۳۱﴾

کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور آخرت میں جماؤ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں جب اُس سے سوال و جواب ہوگا  
 تو وہ اپنے اس کلمے اور عقیدے کا اظہار کرے گا جس کے نتیجے میں اُسے آخرت کی ابدی نعمتیں نصیب ہوں گی۔  
 (۲۲) یہ مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں کی طرف اشارہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا،  
 لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی، جس کے نتیجے میں خود بھی تباہی مول لی اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے  
 راستے پر لے گئے۔

(۲۳) اس سے مراد حساب و کتاب کا دن ہے۔ اُس دن کوئی شخص پیسے خرچ کر کے جنت نہیں خرید سکے گا، اور نہ  
 دوستی کے تعلقات کی بنا پر اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکے گا۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ  
 الشَّجَرَاتِ بِرِزْقًا لَكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ  
 الْأَنْهَارَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآبِّينَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالْنَّهَارَ ۚ  
 وَاتَّكُم مِّنْ كُلِّ مَآسَاكُنُوهَ ۚ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۗ  
 ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۚ ۚ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا  
 وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ إِلَّا ضَمَامَ ۖ ۚ

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے  
 تمہارے رزق کے لئے پھل اُگائے، اور کشتیوں کو تمہارے لئے رام کر دیا، تاکہ وہ اُس کے حکم سے  
 سمندر میں چلیں، اور دریاؤں کو بھی تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ ﴿۳۲﴾ اور تمہاری خاطر سورج اور  
 چاند کو اس طرح کام پر لگایا کہ وہ مسلسل سفر میں ہیں، اور تمہاری خاطر رات اور دن کو بھی کام پر  
 لگایا۔ ﴿۳۳﴾ اور تم نے جو کچھ مانگا، اُس نے اُس میں سے (جو تمہارے لئے مناسب تھا) تمہیں  
 دیا۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار (بھی) نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت  
 بے انصاف، بڑا ناشکر ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے (اللہ تعالیٰ سے دُعا  
 کرتے ہوئے) کہا تھا کہ: ”یا رب! اس شہر کو پر امن بنا دیجئے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس بات  
 سے بچائیے کہ ہم بتوں کی پرستش کریں۔“ ﴿۳۵﴾

(۲۴) اس سے مراد مکہ مکرمہ کا شہر ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہؑ اور اپنے  
 صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوڑا تھا۔ اُس وقت یہاں کوئی آبادی نہیں  
 تھی، نہ بظاہر زندہ رہنے کا کوئی سامان، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں پہلے زمزم کا کنواں جاری فرمایا جسے دیکھ کر قبیلہ  
 جرہم کے لوگ یہاں آ کر حضرت ہاجرہؑ کی اجازت سے آباد ہوئے، اور پھر رفتہ رفتہ یہ ایک شہر بن گیا۔

(۲۵) مکہ مکرمہ کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بڑا مانتے تھے۔ اس لئے ان آیات میں اللہ تعالیٰ اُن

رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَتَّبِعُنِيْ فَاتَّبِعْهُ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ  
فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بُوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ  
عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۚ رَبَّنَا لِيُقِيمُوْا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ  
اِلَيْهِمْ وَاَرْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّمْرِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

میرے پروردگار! ان بتوں نے لوگوں کی بڑی تعداد کو گمراہ کیا ہے۔ لہذا جو کوئی میری راہ پر چلے، وہ تو میرا ہے، اور جو میرا کہنا نہ مانے، تو (اُس کا معاملہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں) آپ بہت بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔ ﴿۳۶﴾ اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں لاسایا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی۔ ہمارے پروردگار! (یہ میں نے اُس لئے کیا) تاکہ یہ نماز قائم کریں، لہذا لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے کشش پیدا کر دیجئے، اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے، تاکہ وہ شکر گزار بنیں۔ ﴿۳۷﴾

کی یہ دُعا نقل فرما کر انہیں متنبہ فرما رہے ہیں کہ وہ توبت پرستی سے اتنے بیزار تھے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو اُس سے محفوظ رہنے کی دُعا مانگی تھی۔ پھر تم لوگوں نے کہاں سے بت پرستی شروع کر دی۔

(۲۶) مطلب یہ ہے کہ میں اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کو بت پرستی سے بچنے کی تاکید کرتا رہوں گا۔ پھر جو لوگ میری ان ہدایات پر عمل کریں گے، وہ تو مجھ سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کر سکیں گے، لیکن جو میری بات نہیں مانیں گے، ان کے لئے میں بددُعا نہیں کرتا، بلکہ اُن کا معاملہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ آپ غفور رحیم ہیں، اس لئے ان کی مغفرت کا یہ راستہ بھی نکال سکتے ہیں کہ ان کو ہدایت عطا فرمادیں۔

(۲۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ایسی قبول ہوئی کہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کے دل مکہ مکرمہ کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں، موسم حج میں تو یہ نظارہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ کہاں کہاں سے لوگ مشقتیں اٹھا کر اس خشک اور بے آب و گیاہ علاقے میں پہنچتے ہیں۔ موسم حج کے علاوہ بھی لوگ بار بار عمرے اور دوسری عبادتوں کے لئے وہاں پہنچتے ہیں، اور جو ایک مرتبہ وہاں چلا جاتا ہے، اُسے بار بار حاضری کا شوق لگا رہتا ہے۔ اور پھلوں کی افراط کا یہ عالم ہے کہ دُنیا بھر کے پھل بڑی تعداد میں وہاں پہنچتے ہیں، حالانکہ وہاں کی زمین میں اپنا کوئی پھل پیدا نہیں ہوتا۔

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا خَفِيَ وَمَا تُعْلِنُ ۖ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ (۲۸) اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْعِيلَ وَاسْحَاقَ ۖ إِنَّ رَبِّي لَسَبِيغُ الدُّعَاءِ ۖ (۲۹) رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۖ (۳۰) رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۖ (۳۱) وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ عَافِيًا لِلْظَّالِمُونَ ۖ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۖ (۳۲)

اے ہمارے رب! ہم جو کام چھپ کر کرتے ہیں، وہ بھی آپ کے علم میں ہیں، اور جو کام علانیہ کرتے ہیں، وہ بھی۔ اور اللہ سے نہ زمین کی کوئی چیز چھپی ہوئی ہے، نہ آسمان کی کوئی چیز۔ ﴿۳۸﴾ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (جیسے بیٹے) عطا فرمائے۔ بیشک میرا رب بڑا دُعائیں سننے والا ہے۔ ﴿۳۹﴾ یا رب! مجھے بھی نماز قائم کرنے والا بنادیتے، اور میری اولاد میں سے بھی (ایسے لوگ پیدا فرمائیے جو نماز قائم کریں۔) اے ہمارے پروردگار! اور میری دُعا قبول فرمالیجئے۔ ﴿۴۱﴾ اے ہمارے پروردگار! جس دن حساب قائم ہوگا، اُس دن میری بھی مغفرت فرمائیے، میرے والدین کی بھی، اور ان سب کی بھی جو ایمان رکھتے ہیں۔“ ﴿۴۱﴾ اور یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اللہ اُس سے غافل ہے۔ وہ تو ان لوگوں کو اُس دن تک کے لئے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ﴿۴۲﴾

(۲۸) یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر تو کافر تھا، اُس کے لئے آپ نے مغفرت کی دُعا کیسے فرمائی؟ جواب یہ ہے کہ جس وقت یہ دُعا فرمائی، ہو سکتا ہے کہ اُس کے کفر کی حالت میں مرنے کی آپ کو خبر نہ ہوئی ہو، لہذا دُعا کا مطلب یہ ہوا کہ اُس کو ایمان کی توفیق مل جائے، جو اُس کے لئے مغفرت کا سبب ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس وقت تک آپ کو مشرک باپ کے لئے دُعا کرنے سے منع نہ فرمایا گیا ہو۔

(۲۹) پیچھے یہ فرمایا گیا تھا کہ ان ظالموں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے اپنی قوم کو تباہی کے کنارے لاکھڑا

مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ۖ<sup>(۳۶)</sup>  
وَأُنذِرَ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا إِلَى  
أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ لَّئِنْ جَاءَ دُعَاؤُكَ وَنَجَّيْنَا الرُّسُلَ ۖ وَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ  
قَبْلُ مَا لَكُم مِّنْ ذَوَالٍ ۖ<sup>(۳۷)</sup>

وہ سروں کو اوپر اٹھائے دوڑ رہے ہوں گے، اُن کی نگاہیں جھپکنے کو واپس نہیں آئیں گی، اور اُن کے  
دل (بدحواسی میں) اُڑے جارہے ہوں گے۔ ﴿۳۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم لوگوں کو اُس دن سے  
خبردار کرو جب عذاب اُن پر آن پڑے گا، تو اُس وقت یہ ظالم کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار!  
ہمیں تھوڑی سی مدت کے لئے اور مہلت دے دیجئے تاکہ ہم آپ کی دعوت قبول کر لیں، اور پیغمبروں  
کی پیروی کریں۔“ (اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”ارے کیا تم لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر  
پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ تم پر کوئی زوال نہیں آسکتا؟ ﴿۳۴﴾

کیا ہے۔ اس پر کسی کے دل میں خیال ہو سکتا تھا کہ دُنیا میں تو یہ لوگ ترقی کرتے نظر آ رہے ہیں۔ اس خیال کا  
جواب ان آیتوں میں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے، اور بالآخر یہ ایک ہولناک عذاب  
میں پکڑے جائیں گے۔ اُس وقت ہیبت سے ان کا جو حال ہوگا، اُس کی تفصیل انتہائی بلیغ اُسلوب میں بیان  
فرمائی گئی ہے جس کی تاثیر کو کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگرچہ یہ انجام براہ  
راست تو مکہ مکرمہ کے کافروں کا بیان فرمایا گیا ہے، لیکن الفاظ عام ہیں، اور جب کبھی ظالم لوگ بڑھتے چڑھتے  
نظر آئیں، تو ان پر بھی یہ آیات پوری طرح صادق آتی ہیں۔

(۳۰) یعنی جو ہولناک انجام ان کے سامنے ہوگا، اُس کی وجہ سے وہ ٹکلی باندھ کر ایک ہی طرف دیکھ رہے ہوں  
گے، اور پلک جھپکانے کی جو صلاحیت دُنیا میں تھی، وہ ان کے پاس اُس وقت واپس نہیں آئے گی۔

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكِ الْزَيْنِ ظَلِمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا  
لَكُمْ الْأَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ  
لِيَتْرُوكَ مِنْهُ الْبِحَالُ ۖ فَلَا تَحْسِبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ  
ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ يُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ  
الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝  
سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطَرٍ ۖ إِنَّ وَجُوهَهُمُ النَّارُ ۝

اور تم اُن لوگوں کی بستیوں میں رہ چکے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور یہ بات کھل کر  
تمہارے سامنے آچکی تھی کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا، اور ہم نے تمہیں مثالیں بھی  
دی تھیں۔ ﴿۳۵﴾ اور وہ لوگ اپنی ساری چالیں چل چکے تھے، اور ان کی ساری چالوں کا توڑ  
اللہ کے پاس تھا، چاہے اُن کی چالیں ایسی کیوں نہ ہوں جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل  
جائیں۔ ﴿۳۶﴾ لہذا اللہ کے بارے میں ہرگز یہ خیال بھی دل میں نہ لانا کہ اُس نے اپنے  
پیغمبروں سے جو وعدہ کر رکھا ہے، اُس کی خلاف ورزی کرے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ اپنے اقتدار میں  
سب پر غالب ہے، (اور) انتقام لینے والا ہے۔ ﴿۳۷﴾ اُس دن جب یہ زمین ایک دوسری زمین  
سے بدل دی جائے گی، اور آسمان بھی (بدل جائیں گے) اور سب کے سب خدائے واحد و قہار کے  
سامنے پیش ہوں گے۔ ﴿۳۸﴾ اور اُس دن تم مجرموں کو اس حالت میں دیکھو گے کہ وہ زنجیروں  
میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۳۹﴾ اُن کے قمیص تارکول کے ہوں گے، اور آگ اُن کے چہروں  
پر چھائی ہوئی ہوگی، ﴿۵۰﴾

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۵۱ هَذَا بَلَدٌ لِلنَّاسِ  
وَلَيْبِذُرُؤَاهُمْ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝۵۲

تا کہ اللہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دے۔ یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔ ﴿۵۱﴾ یہ تمام لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے، اور اس لئے دیا جا رہا ہے تا کہ انہیں اس کے ذریعے خبردار کیا جائے، اور تا کہ وہ جان لیں کہ معبودِ برحق بس ایک ہی ہے، اور تا کہ سمجھ رکھنے والے نصیحت حاصل کر لیں۔ ﴿۵۲﴾

الحمد للہ! سورۃ ابراہیم کا ترجمہ اور حواشی شبِ دو شنبہ ۱۱/ رجب ۱۴۲۷ھ مطابق ۶/ اگست ۲۰۰۶ء کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔





# سُورَةُ الْحَجِّ

## تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۹۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس آیت میں پہلی بار آپ کو کھل کر اسلام کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ سورت کے شروع میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے، اور جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، ایک وقت آئے گا جب وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اسلام لے آتے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی (معاذ اللہ) مجنون کہتے، اور کبھی کاہن قرار دیتے تھے۔ ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہانت کی حقیقت آیت نمبر ۱۷ اور ۱۸ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ان لوگوں کے کفر کی اصل وجہ ان کا تکبر تھا، اس لئے ابلیس کا واقعہ آیات نمبر ۲۶ تا ۴۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ اُس کے تکبر نے کس طرح اُس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کیا۔ کفار کی عبرت کے لئے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہم السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی محنت بیکار جا رہی ہے۔ اُن کا فریضہ اتنا ہے کہ وہ مؤثر انداز میں تبلیغ کریں، جو وہ بہترین طریقے پر انجام دے رہے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے۔ سورت کا نام قومِ ثمود کی بستیوں کے نام پر رکھا گیا ہے جو ”حجر“ کہلاتی تھیں، اور اُن کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۸۰ میں آیا ہے۔

آیاتھا ۹۹ ۱۵ سُوْرَةُ الْحَجَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴ رُكُوْعَاتُهَا ۶

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَلِكْ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ رُبَّمَا يَوْدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲ ذُرِّهُمْ يٰۤاَكْلُوْا وَيَمْتَتِعُوْا يُلٰهِيْهِمْ اِلَّا مَلٌۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳ وَمَا اَهْلَكْنٰمِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَاٰلُهَا كِتٰبٌ مُّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلُهَا وَمَا يَسْتَاخِرُوْنَ ۝۵ وَقَالُوْا اَيَّٰهَا الَّذِيْ نَزَّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الہ۔ یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔ ﴿۱﴾ ایک وقت آئے گا جب یہ کافر لوگ بڑی تمنائیں کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو کہ یہ خوب کھالیں، مزے اڑالیں، اور خیالی اُمیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں، کیونکہ عنقریب انہیں پتہ چل جائے گا (کہ حقیقت کیا تھی) ﴿۳﴾ اور ہم نے جس کسی بستی کو ہلاک کیا تھا، اُس کے لئے ایک معین وقت لکھا ہوا تھا۔ ﴿۴﴾ کوئی قوم اپنے معین وقت سے نہ پہلے ہلاک ہوتی ہے، اور نہ اُس سے آگے جاسکتی ہے۔ ﴿۵﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (یعنی قرآن) اتارا گیا ہے! تم یقینی طور پر مجنون ہو۔“ ﴿۶﴾

(۱) اس آیت میں قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے کہ صرف کھانے پینے اور دنیا میں مزے اڑانے کو اپنی زندگی کا اصل مقصد بنالینا اور اسی کے لئے اس طرح لمبی لمبی خیالی اُمیدیں باندھتے رہنا جیسے زندگی بس یہی ہے، یہ کافروں کا کام ہے، مسلمان دنیا میں رہتا ضرور ہے، اور اُس میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے، مگر اس دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بناتا، بلکہ اُسے آخرت کی بھلائی کے لئے استعمال کرتا ہے جس کا بہترین راستہ شریعت کے احکام کی پابندی ہے۔

لَوْ مَا تَأْتِيَنَا بِالْمَلِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنْزِلُ الْمَلِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذْ مُنْظَرِيْنَ ۝ إِنَّا خُنْزُلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُوْنَ ۝ وَلَقَدْ أَمْرَسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيْعِ الْأَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَأْتِيَهُمْ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اگر تم واقعی سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے؟ ﴿۷﴾ ہم فرشتوں کو اُتارتے ہیں تو برحق فیصلہ دے کر اُتارتے ہیں، اور ایسا ہوتا تو ان کو مہلت بھی نہ ملتی ﴿۸﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اُتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ﴿۹﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم تم سے پہلے بھی پچھلی قوموں کے مختلف گروہوں میں اپنے پیغمبر بھیج چکے ہیں۔ ﴿۱۰﴾ اور اُن کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آتا تھا جس کا وہ مذاق نہ اڑاتے ہوں۔ ﴿۱۱﴾

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے اُتارنے کی فرمائش کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے لئے کوئی پیغمبر بھیجا گیا ہو، اُس کے پاس ہم فرشتے اُس وقت اُتارتے ہیں جب اُس قوم کی نافرمانی حد سے گزر جاتی ہے، اور اس فیصلے کا وقت آجاتا ہے کہ اب ان پر عذاب نازل ہوگا۔ اور جب یہ فیصلہ کر کے فرشتے بھیج دیئے جاتے ہیں تو پھر اُس قوم کو ایمان لانے کی مہلت نہیں ملتی۔ کیونکہ یہ دُنیا ایک امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں انسان سے جو ایمان مطلوب ہے، وہ ایمان بالغیب ہے جس میں انسان اپنی عقل اور سمجھ کو کام میں لا کر اللہ تعالیٰ اور اُس کی توحید کے آگے تسلیم خم کرے۔ اگر غیب کی ساری چیزیں دُنیا میں دکھادی جائیں تو امتحان ہی کیا ہوا؟

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اگرچہ قرآن کریم سے پہلے بھی آسمانی کتابیں بھیجی گئی تھیں، لیکن چونکہ وہ خاص خاص قوموں اور خاص خاص زمانوں کے لئے آئی تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو قیامت تک محفوظ رکھنے کی کوئی ضمانت نہیں دی تھی، بلکہ اُن کی حفاظت کا کام اُنہی لوگوں کو سونپ دیا گیا تھا جو اُن کے مخاطب تھے، جیسا کہ سورہ مائدہ (۵: ۴۴) میں فرمایا گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم چونکہ آخری آسمانی کتاب ہے جو قیامت تک کے لئے نافذ العمل رہے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے، چنانچہ اس میں قیامت تک کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اس طرح فرمائی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ  
الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ ابَابَ الْمَنِّ السَّآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرَجُوْنَ ۝ لَقَالُوْا  
اِنَّا سَكَّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّآءِ  
بُرُوْجًا وَزَيَّنَّاهَا لِنُظْرِيْنَ ۝

مجرم لوگوں کے دلوں میں یہ بات ہم اسی طرح داخل کرتے ہیں ﴿۱۲﴾ کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور پچھلے لوگوں کا بھی یہی طریقہ چلا آیا ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور اگر (بالفرض) ہم اُن کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں، اور وہ دن کی روشنی میں اُس پر چڑھتے بھی چلے جائیں، ﴿۱۴﴾ تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے، بلکہ ہم لوگ جادو کے اثر میں آئے ہوئے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ اور ہم نے آسمان میں بہت سے برج بنائے ہیں، ﴿۱۶﴾ اور اُس کو دیکھنے والوں کے لئے سجاوٹ عطا کی ہے، ﴿۱۷﴾

کے سینوں میں اُسے اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ اگر بالفرض کوئی دشمن قرآن کریم کے سارے نسخے (معاذ اللہ) ختم کر دے تب بھی چھوٹے چھوٹے بچے اُسے دوبارہ کسی معمولی تبدیلی کے بغیر لکھوا سکتے ہیں جو بذات خود قرآن کریم کا زندہ معجزہ ہے۔

(۳) ”یہ بات“ سے قرآن کریم بھی مراد ہو سکتا ہے، یعنی قرآن کریم ان کے دلوں میں داخل تو ہوتا ہے، لیکن اُن کے مجرمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے وہ انہیں ایمان کی دولت نہیں بخشا۔ اور ”یہ بات“ سے ان کے مذاق اڑانے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ یعنی اُن کے مجرمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اور کفر و بغاوت اور استہزاء اُن کے دلوں میں داخل کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

(۵) مطلب یہ ہے کہ ان کے سارے مطالبات محض ضد پر مبنی ہیں۔ فرشتے اُتارنا تو درکنار، اگر خود ان کو آسمان پر لے جایا جائے تب بھی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ گھڑ لیں گے، اور یہ کہیں گے کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

(۶) برج اصل میں تو قلعے کو کہتے ہیں، لیکن اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ”برج“ سے مراد ستارے ہیں۔  
(۷) یعنی آسمان ستاروں سے سجا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہتی چاہئے کہ قرآن کریم نے ”آسمان“

وَحَفِظْنَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَاجِيٍّ ۝ (۱۷) إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَّ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُبِينٌ ۝ (۱۸) وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ۝ (۱۹)

اور اُسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے، ﴿۱۷﴾ البتہ جو کوئی چوری سے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے، اور اُس کو جمانے کے لئے اُس میں پہاڑ رکھ دیئے ہیں، اور اُس میں ہر قسم کی چیزیں توازن کے ساتھ اُگائی ہیں۔ ﴿۱۹﴾

کالفظ مختلف مقامات پر مختلف معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ کہیں اس سے مراد اُن سات آسمانوں میں سے کوئی آسمان ہوتا ہے جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اُوپر تلے پیدا فرمایا ہے۔ اور کہیں اُس سے اُوپر کی سمت مراد ہوتی ہے، چنانچہ آگے آیت نمبر ۲۱ میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ آسمان سے پانی ہم نے اُتارا ہے، وہاں آسمان سے یہی معنی مراد ہیں۔ بظاہر اس آیت میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔

(۸) یہ حقیقت قرآن کریم نے کئی جگہ بیان فرمائی ہے کہ شیطان آسمان کے اُوپر جا کر عالم بالا کی خبریں حاصل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ خبریں کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچائیں، اور وہ اُن کے ذریعے لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ انہیں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ لیکن آسمان میں ان کا داخلہ شروع ہی سے بند ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا میں تشریف آوری سے پہلے یہ شیاطین آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے تھے، اور وہاں سے کوئی بات کان میں پڑ جاتی تو اُس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتا دیتے تھے، اس طرح کبھی کوئی بات صحیح بھی نکل آتی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ان کو آسمان کے قریب جانے سے بھی روک دیا گیا۔ اب اگر وہ ایسی کوشش کرتے ہیں تو اُن کو ایک شعلے کے ذریعے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔ ستارہ ٹوٹنے کے جو واقعات ہمیں آسمان پر نظر آتے ہیں، بعض اوقات وہ یہی شعلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے شیطان کو مار بھگایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کی پوری تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ جن میں آئے گی۔

(۹) قرآن کریم نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے کہ شروع میں جب زمین کو سمندر پر بچھایا گیا تو وہ ڈلتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرمائے، تاکہ وہ زمین کو جما کر رکھیں۔ دیکھئے سورہ نحل (۱۶: ۱۵)۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۝۲۰ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا  
عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنْزِلُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝۲۱ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ  
فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ ۚ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝۲۲ وَإِنَّا  
لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ۝۲۳ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ  
وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ۝۲۴

اور اُس میں تمہارے لئے بھی روزی کے سامان پیدا کئے ہیں، اور اُن (مخلوقات) کے لئے بھی جنہیں  
تم رزق نہیں دیتے۔ ﴿۲۰﴾ اور کوئی (ضرورت کی) چیز ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے  
موجود نہ ہوں، مگر ہم اُس کو ایک معین مقدار میں اُتارتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اور وہ ہوائیں جو بادلوں کو پانی  
سے بھر دیتی ہیں، ہم نے بھیجی ہیں، پھر آسمان سے پانی ہم نے اُتارا ہے، پھر اُس سے تمہیں سیراب ہم  
نے کیا ہے، اور تمہارے بس میں یہ نہیں ہے کہ تم اُس کو ذخیرہ کر کے رکھ سکو۔ ﴿۲۲﴾ ہم ہی زندگی  
دیتے ہیں، اور ہم ہی موت دیتے ہیں، اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ ﴿۲۳﴾ تم میں سے جو آگے  
نکل گئے ہیں، اُن کو بھی ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، ان سے بھی ہم واقف ہیں۔ ﴿۲۴﴾

(۱۰) اگرچہ ہر چیز کو رزق تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، لیکن بعض پالتو جانور ایسے ہیں جنہیں انسان  
ظاہری طور پر چارہ فراہم کرتا ہے۔ ان کے علاوہ اکثر مخلوقات ایسی ہیں کہ جنہیں رزق مہیا کرنے میں ظاہری طور  
پر بھی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے انسانوں کے لئے بھی رزق  
کے سامان پیدا کئے ہیں، اور اُن مخلوقات کے لئے بھی جنہیں انسان ظاہری طور پر بھی کوئی غذا فراہم نہیں کرتا۔  
عربی گرامر کی رو سے اس آیت کا ترجمہ ایک اور طرح بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ: ”ہم نے تمہارے فائدے کے  
لئے اس (زمین) میں روزی کے سامان بھی پیدا کئے ہیں، اور وہ مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جن کو تم رزق نہیں  
دیتے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لئے وہ مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جن کو وہ  
ظاہری طور پر بھی رزق نہیں دیتا، مگر ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے، جیسے شکار کے جانور۔

(۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو تو میں تم سے پہلے گزر چکی ہیں اُن کے حالات سے بھی ہم واقف ہیں،



يَعْرِفُ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۖ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝۲۵ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ۝۲۶ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السُّمُورِ ۝۲۷ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ۝۲۸ فَاذْأَسَوِيَّتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝۲۹ فَسَجَدَ الْمَلِكَةُ كُلُّهُمْ أَعْمُونَ ۝۳۰ إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝۳۱

اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار ہی ہے جو ان سب کو حشر میں اکٹھا کرے گا، بیشک اُس کی حکمت بھی بڑی ہے، اُس کا علم بھی بڑا۔ ﴿۲۵﴾ ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، ﴿۲۶﴾ اور جنات کو اس سے پہلے ہم نے لو کی آگ سے پیدا کیا تھا۔ ﴿۲۷﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: ”میں گارے کی کھنکھاتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔“ ﴿۲۸﴾ لہذا جب میں اُس کو پوری طرح بنالوں، اور اُس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔“ ﴿۲۹﴾ چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا، ﴿۳۰﴾ سوائے ابلیس کے کہ اُس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ ﴿۳۱﴾

اور جو تو میں آگے آنے والی ہیں، اُن کے حالات سے بھی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ تم میں سے جو لوگ نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھ گئے ہیں اُن کو بھی ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، اُن کو بھی۔ (۱۲) اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہے جس کا مفصل واقعہ سورۃ بقرہ (۲: ۳۰-۳۴) میں گزر چکا ہے، اور وہاں فرشتوں کو سجدے کا حکم دینے سے متعلق ضروری نکات بھی بیان ہو چکے ہیں۔ (۱۳) جس طرح انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اسی طرح جنات میں سب سے پہلے جس جن کو پیدا کیا گیا، اُس کا نام ”جان“ تھا، اور اُسے آگ سے پیدا کیا گیا تھا۔

قَالَ يَا بَلِيسُ مَا لَكَ إِلَّا تَكُونُ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ أَكُنْ إِلَّا سَاجِدًا لِلْبَشْرِ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمِإٍ مَسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَاجِعٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنْ عَلَيْكَ اللَّعْنَةُ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٧﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِأَعْيُوتَنِي لِأَرِيَّنَّ لَهُمْ فِي الْآرْضِ وَلَا أَعْوِيَّتَهُمْ أَجْعَلُ عَيْنَ ﴿٣٩﴾ وَلَا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ﴿٤٠﴾

اللہ نے کہا: ”بلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا؟“ ﴿۳۲﴾ اُس نے کہا: ”میں ایسا (گرا ہوا) نہیں ہوں کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔“ ﴿۳۳﴾ اللہ نے کہا: ”اچھا تو یہاں سے نکل جا، کیونکہ تو مردود ہو گیا ہے، ﴿۳۴﴾ اور تجھ پر قیامت کے دن تک پھٹکار پڑی رہے گی۔“ ﴿۳۵﴾ کہنے لگا: ”یا رَب! پھر مجھے اُس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے جب لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔“ ﴿۳۶﴾ اللہ نے فرمایا کہ: ”جا پھر تجھے مہلت (تو) دے دی گئی ﴿۳۷﴾ (مگر) ایک ایسی میعاد کے دن تک جو ہمیں معلوم ہے۔“ ﴿۳۸﴾ کہنے لگا: ”یا رَب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لئے اب میں قسم کھاتا ہوں کہ ان انسانوں کے لئے دُنیا میں دلکشی پیدا کروں گا، اور ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا، ﴿۳۹﴾ سوائے تیرے اُن بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے اپنے لئے مخلص بنالیا ہو۔“ ﴿۴۰﴾

(۱۳) شیطان نے مہلت تو روزِ حشر تک کے لئے مانگی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کے بجائے ایک اور معین وقت تک کے لئے اُسے مہلت دی۔ اکثر مفسرین کے مطابق وہ پہلے صور کے پھونکنے تک ہے جس کے بعد ساری مخلوقات کو موت آئے گی، اُس وقت شیطان کو بھی موت آجائے گی۔  
(۱۵) یعنی ایسی دلکشی پیدا کروں گا جو انہیں تیری نافرمانی پر آمادہ کرے گی۔

قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْعَلِينَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ ۖ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ۝ إِنَّ السَّاقِطِينَ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٌ ۝ اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ۝

اللہ نے فرمایا: ”یہ ہے وہ سیدھا راستہ جو مجھ تک پہنچتا ہے۔“ ﴿۴۱﴾ یقین رکھ کہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، سوائے اُن گمراہ لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے۔ ﴿۴۲﴾ اور جہنم ایسے تمام لوگوں کا طے شدہ ٹھکانا ہے۔ ﴿۴۳﴾ اُس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے (میں داخل) کے لئے اُن (دوزخیوں کا) ایک ایک گروہ بانٹ دیا گیا ہے۔“ ﴿۴۴﴾ (دوسری طرف) متقی لوگ باغات اور چشموں کے درمیان رہیں گے۔ ﴿۴۵﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ) ”ان (باغات) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ۔“ ﴿۴۶﴾ اُن کے سینوں میں جو کچھ رنجش ہوگی، اُسے ہم نکال پھینکیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے اونچی نشستوں پر بیٹھے ہوں گے۔ ﴿۴۷﴾

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت یہ واضح فرمادیا کہ جو لوگ اخلاص اور بندگی کا راستہ اختیار کریں گے، وہ سیدھا مجھ تک پہنچے گا، اور ایسے لوگوں پر شیطان کے بہکاوے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

(۱۷) ”میرے بندوں“ سے مراد وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنے کا پختہ عزم رکھتے اور اُسی سے مدد مانگتے ہوں۔ ایسے لوگوں پر شیطان کا زور نہ چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شیطان انہیں بھی گمراہ کرنے کی کوشش تو کرے گا، لیکن وہ اپنے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُس کے دھوکے میں نہیں آئیں گے۔

(۱۸) یعنی دُنیا میں ان حضرات کے درمیان اگر کوئی رنجش رہی ہو تو جنت میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہ ان کے دلوں سے نکال دیں گے۔

لَا يَسُئُهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرِجِينَ ﴿٣٨﴾ نَبِيُّ عِبَادِنِي آتَىٰ أَنَا الْعَفْوَ  
الرَّحِيمَ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيمُ ﴿٤٠﴾ وَنَبَّيْنَاهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرَاهِيمَ ﴿٤١﴾ اِذْ  
دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجَلُونَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَا تَتَوَجَّلْ اِنَّا  
نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٤٣﴾

وہاں نہ کوئی تھکن اُن کے پاس آئے گی، اور نہ اُن کو وہاں سے نکالا جائے گا۔ ﴿۴۸﴾ میرے  
بندوں کو بتادو کہ میں ہی بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔ ﴿۴۹﴾ اور یہ بھی بتادو کہ میرا عذاب ہی  
دردناک عذاب ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا دو، ﴿۵۱﴾ اُس وقت کا  
حال جب وہ اُن کے پاس پہنچے، اور سلام کیا۔ ابراہیم نے کہا کہ: ”ہمیں تو تم سے ڈر لگ رہا  
ہے۔“ ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا: ”ڈریئے نہیں، ہم تو آپ کو ایک صاحبِ علم لڑکے (کی ولادت) کی  
خوشخبری دے رہے ہیں۔“ ﴿۵۳﴾

(۱۹) مہمانوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے تھے۔ اُدھر یہ بیان کیا گیا  
تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی بہت وسیع ہے، اور عذاب بھی بڑا سخت ہے، لہذا ایک انسان کو نہ اللہ تعالیٰ کی رحمت  
سے مایوس ہونا چاہئے، اور نہ اُس کے عذاب سے بے فکر ہو کر بیٹھنا چاہئے۔ اس مناسبت سے ان مہمانوں کا یہ  
واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی بیان ہے کہ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ  
السلام کے پاس بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے بیٹے کی پیدائش کی خبر لے کر آئے، اور اللہ تعالیٰ کے  
سخت عذاب کا بھی ذکر ہے کہ انہی فرشتوں کے ذریعے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کیا گیا۔ یہ  
واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۱۱: ۶۹ تا ۸۳) میں گزر چکا ہے۔ اس کے مختلف حصوں کی وضاحت ہم  
نے وہاں کی ہے۔

(۲۰) سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو انسان سمجھ کر اُن کی مہمانی کے لئے پھنڈے کا  
بھنا ہوا گوشت لے کر آئے تھے، لیکن انہوں نے کھانے سے پرہیز کیا جو اُس علاقے کے رواج کے مطابق اس  
بات کی علامت تھی کہ یہ کوئی دشمن ہیں، اور کسی برے ارادے سے آئے ہیں، اس لئے انہیں خوف محسوس ہوا۔

قَالَ ابْشِرْ تَوْنِي عَلَى أَنْ مَسْنَى الْكِبْرِ فِيمَ تَبْشِرُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا ابْشِرْ نَكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَنِطِينَ ﴿٥٨﴾ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٩﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٦٠﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٦١﴾ إِلَّا لُوطٌ إِنَّا لَنُجِّوهُمَ أَجْمَعِينَ ﴿٦٢﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِلَّا هَا مِنْ الْغَايِبِينَ ﴿٦٣﴾ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦٤﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَالُوا بَلْ جُنُنُكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَبْتَرُونَ ﴿٦٦﴾

ابراہیم نے کہا: ”کیا تم مجھے اس حالت میں خوشخبری دے رہے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا چھا چکا ہے؟ پھر کس بنیاد پر مجھے خوشخبری دے رہے ہو؟“ ﴿۵۴﴾ وہ بولے: ”ہم نے آپ کو سچی خوشخبری دی ہے، لہذا آپ اُن لوگوں میں شامل نہ ہوں جو ناامید ہو جاتے ہیں۔“ ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا: ”اپنے پروردگار کی رحمت سے گرا ہوں کے سوا کون ناامید ہو سکتا ہے؟“ ﴿۵۶﴾ (پھر) انہوں نے پوچھا کہ: ”اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! اب آپ کے سامنے کیا مہم ہے؟“ ﴿۵۷﴾ انہوں نے کہا: ”ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف (عذاب نازل کرنے کے لئے) بھیجا گیا ہے،“ ﴿۵۸﴾ البتہ لوط کے گھر والے اس سے مستثنیٰ ہیں، اُن سب کو ہم بچالیں گے،“ ﴿۵۹﴾ سوائے اُن کی بیوی کے۔ ہم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہ اُن لوگوں میں شامل رہے گی جو (عذاب کا نشانہ بننے کے لئے) پیچھے رہ جائیں گے۔“ ﴿۶۰﴾ چنانچہ جب یہ فرشتے لوط کے گھر والوں کے پاس پہنچے ﴿۶۱﴾ تو لوط نے کہا: ”آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔“ ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا: ”نہیں، بلکہ ہم آپ کے پاس وہ (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے۔“ ﴿۶۳﴾

(۲۱) حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی بدفطرتی سے واقف تھے کہ یہ لوگ اجنبیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی اس بدنہاد قوم کے مختصر تعارف کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۸۰: ۷) پر ہمارا حاشیہ۔

وَأَتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٢٣﴾ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ  
 أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ  
 ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَهُمْ لَآءٌ مَقْطُوعٌ مُّصْحِحِينَ ﴿٢٥﴾ وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ  
 يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ﴿٢٧﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا  
 تُخْزُونِ ﴿٢٨﴾ قَالُوا أَوَلَمْ نُنْهَكَ عَنِ الْعَلْيَيْنِ ﴿٢٩﴾

ہم آپ کے پاس اہل فیصلہ لے کر آئے ہیں، اور یقین رکھئے کہ ہم سچے ہیں۔ ﴿۲۳﴾ لہذا آپ  
 رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے، اور آپ خود ان کے پیچھے پیچھے چلئے، اور  
 آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اور وہیں جانے کے لئے چلتے رہیں جہاں کا آپ کو حکم دیا جا رہا  
 ہے۔ ﴿۲۴﴾ اور (اس طرح) ہم نے لوط تک اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ  
 کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔ ﴿۲۵﴾ اور شہر والے خوشی مناتے ہوئے (لوط کے پاس)  
 آہنچے۔ ﴿۲۶﴾ لوط نے (ان سے) کہا کہ: ”یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہذا مجھے رُسوا نہ  
 کرو، ﴿۲۷﴾ اور اللہ سے ڈرو، اور مجھے ذلیل نہ کرو۔“ ﴿۲۸﴾ کہنے لگے: ”کیا ہم نے آپ کو  
 پہلے ہی دنیا جہان کے لوگوں (کو مہمان بنانے) سے منع نہیں کر رکھا تھا؟“ ﴿۲۹﴾

(۲۲) حضرت لوط علیہ السلام کو پیچھے چلنے کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ آپ اپنے تمام ساتھیوں کی نگرانی کر سکیں،  
 خاص طور پر ان سب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے پیچھے ہونے کی وجہ  
 سے کسی کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرے۔

(۲۳) یہ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، اس لئے جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو اندیشہ تھا،  
 یہ لوگ اپنی ہوس پوری کرنے کے شوق میں خوشی مناتے ہوئے آئے۔

قَالَ هَؤُلَاءِ ابْنَتِيَّ اِنْ كُنْتُمْ فاعِلِينَ ۝۴۱ لَعَنُوكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝۴۲  
 فَاخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ۝۴۳ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ  
 حِجَابًا مِّنْ سَجِيلٍ ۝۴۴ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلَّذٰثِيْبِيْنَ ۝۴۵ وَاِنَّهَا لَاسِيْلٌ  
 مُّقِيمٌ ۝۴۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷

لوط نے کہا: ”اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ میری بیٹیاں (جو تمہارے نکاح میں ہیں، تمہارے پاس) موجود ہی ہیں۔“ ﴿۴۱﴾ (اے پیغمبر!) تمہاری زندگی کی قسم! حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بدستی میں اندھے بے ہوئے تھے۔ ﴿۴۲﴾ چنانچہ سورج نکلنے ہی ان کو چنگھاڑنے آ پکڑا، ﴿۴۳﴾ پھر ہم نے اُس زمین کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا، اور ان پر پکی مٹی کے پتھروں کی بارش برسادی۔ ﴿۴۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ اس سارے واقعے میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ ﴿۴۵﴾ اور یہ بستیاں ایک ایسے راستے پر واقع ہیں جس پر لوگ مستقل چلتے رہتے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ یقیناً اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔ ﴿۴۷﴾

(۲۴) کسی نبی کی امت میں جتنی عورتیں ہوتی ہیں، وہ اس نبی کی روحانی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان بد قماش لوگوں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہاری عورتیں جو میری روحانی بیٹیاں ہیں، تمہارے گھروں میں موجود ہیں۔ تم اپنی نفسانی خواہشات ان سے پوری کر سکتے ہو، اور یہی فطرت کا پاکیزہ طریقہ ہے۔

(۲۵) حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں اُردُن کے بحیرہ مردار کے آس پاس واقع تھیں، اور عرب کے لوگ جب شام کا سفر کرتے تو ان بستیوں کے آثار ان کے راستے میں پڑتے تھے۔ آیت ۴۲ کے بارے میں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا کسی کی قسم کھانا انسانوں کے لئے جائز نہیں۔ دیکھئے سورہ صافات کا حاشیہ نمبر ۱۔

وَإِنْ كَانَ أَصْحَبُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ ۖ فَانْتَقْنَا مِنْهُمْ ۖ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ۖ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحَجَرِ الْمُرْسَلِينَ ۖ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۖ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۖ فَآخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۖ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۖ

اور ایکہ کے باشندے (بھی) بڑے ظالم تھے۔ ﴿۷۸﴾ چنانچہ ہم نے اُن سے بھی انتقام لیا۔ اور ان دونوں قوموں کی بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔ ﴿۷۹﴾ اور حجر کے باشندوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔ ﴿۸۰﴾ اور ہم نے اُن کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ اُن سے منہ موڑے رہے۔ ﴿۸۱﴾ اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر بے خوف و خطر مکان بنایا کرتے تھے۔ ﴿۸۲﴾ آخر انہیں صبح صبح ایک چنگھاڑ نے آپکڑا۔ ﴿۸۳﴾ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جس ہنر سے وہ کمائی کرتے تھے، وہ اُن کے کچھ کام نہ آیا۔ ﴿۸۴﴾

(۲۶) ”ایکہ“ اصل میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ ایسے ہی گھنے جنگل کے پاس واقع تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اسی بستی کا نام مدین تھا، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مدین کے علاوہ کوئی اور بستی تھی، اور حضرت شعیب علیہ السلام اُس کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کا واقعہ سورۃ اعراف (۷: ۸۵ تا ۹۳) میں گزر گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ان آیات کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

(۲۷) دونوں سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بستیاں ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تو بحیرہ مردار کے پاس تھیں، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی مدین بھی اُردُن میں واقع تھی، اور اہل عرب شام جاتے ہوئے ان دونوں کے پاس سے گذر کرتے تھے۔

(۲۸) جحور (حا کے نیچے زیر ہے) قوم ثمود کی ان بستیوں کا نام تھا جن کے پاس حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کا واقعہ بھی سورۃ اعراف (۷: ۷۳ تا ۷۹) میں گزر چکا ہے۔ ان کے تعارف کے لئے اُسی سورت کی مذکورہ آیات پر ہمارے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔



وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ  
فَاصْغَحِ الصَّفْحَ الْجَبِيلَ ۝ (۸۵) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ۝ (۸۶) وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا  
مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝ (۸۷) لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا  
مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفُضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (۸۸)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اُس کو کسی برحق مقصد کے بغیر پیدا نہیں کیا۔<sup>(۲۹)</sup> اور قیامت کی گھڑی آکر رہے گی۔ لہذا (اے پیغمبر! ان کافروں کے طرزِ عمل پر) خوبصورتی کے ساتھ درگزر سے کام لو۔<sup>(۳۰)</sup> ﴿۸۵﴾ یقین رکھو کہ تمہارا رب ہی سب کو پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿۸۶﴾ اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔ ﴿۸۷﴾ اور تم اُن چیزوں کی طرف ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اڑانے کے لئے دے رکھی ہیں، اور نہ ان لوگوں پر اپنا دل کڑھاؤ، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن کے لئے اپنی شفقت کا بازو پھیلا دو۔ ﴿۸۸﴾

(۲۹) یعنی اس کائنات کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نیک لوگوں کو آخرت میں انعام دیا جائے، اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ان کافروں کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا۔

(۳۰) درگزر سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کو سزا دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ مکی زندگی میں ان سے لڑنے کی بھی اجازت نہیں تھی، اور اُن کی طرف سے جو اذیتیں مسلمانوں کو پہنچ رہی تھیں، اُن کا بدلہ لینے کا بھی حکم نہیں تھا۔ درگزر کرنے سے یہ مراد ہے کہ فی الحال ان سے کوئی بدلہ بھی نہ لو۔ اس طرح مسلمانوں کو تکلیفوں کی بھٹی سے گذار کر اُن میں اعلیٰ اخلاق پیدا کئے جا رہے تھے۔

(۳۱) اس سے مراد سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ غالباً اس موقع پر سورہ فاتحہ کا خصوصی حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سورت میں بندوں کو ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کے ذریعے ہر

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٩٩﴾ كَمَا أُنزِلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ  
 جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْعَلِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا  
 يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ  
 الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾  
 وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

اور (کفر کرنے والوں سے) کہہ دو کہ میں تو بس کھلے الفاظ میں تنبیہ کرنے والا ہوں۔ ﴿۸۹﴾ (یہ تنبیہ قرآن عظیم کے ذریعے اُسی طرح نازل کی گئی ہے) جیسے ہم نے اُن تفرقہ کرنے والوں پر نازل کی تھی ﴿۹۰﴾ جنہوں نے (اپنی) پڑھی جانے والی کتاب کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ ﴿۹۱﴾ چنانچہ تمہارے رب کی قسم! ہم ایک ایک کر کے ان سب سے پوچھیں گے ﴿۹۲﴾ کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۳﴾ لہذا جس بات کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے، اُسے علی الاعلان لوگوں کو سنا دو، اور جو لوگ (پھر بھی) شرک کریں، اُن کی پروا مت کرو۔ ﴿۹۴﴾ یقین رکھو کہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں سے نمٹنے کے لئے کافی ہیں جو (تمہارا) مذاق اڑاتے ہیں، ﴿۹۵﴾ جنہوں نے اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود گھڑ رکھا ہے۔ چنانچہ عنقریب انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۹۶﴾ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ بناتے ہیں، اُن سے تمہارا دل تنگ ہوتا ہے۔ ﴿۹۷﴾

بات اللہ سے مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ گویا یہ ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ جب کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آئے، اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اُسی سے مدد مانگو، اور اُسی سے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی دُعا کرو۔ (۳۲) اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں، انہوں نے اپنی کتابوں کے حصے بخرے اس طرح کئے تھے کہ اُس کے جس حکم کو چاہتے، مان لیتے، اور جس کی چاہتے، خلاف ورزی کرتے تھے۔ (۳۳) یہ وہ آیت ہے جس کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ اس سے پہلے آپ انفرادی طور پر تبلیغ فرماتے تھے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ  
ٱلْيَقِينُ ﴿۹۹﴾

تو (اس کا علاج یہ ہے کہ) تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجالانے والوں میں شامل رہو۔ ﴿۹۸﴾ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔ ﴿۹۹﴾<sup>(۳۴)</sup>

(۳۴) اس سے مراد موت ہے۔ یعنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وفات دے کر اپنے پاس بلا لیں۔

الحمد للہ! سورہ حجر کا ترجمہ اور حواشی مورخہ ۱۴/ اگست ۲۰۰۶ء مطابق ۱۸/ رجب ۱۴۲۲ھ بروز دوشنبہ بوقت ظہر کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے نافع خلأق بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْخَمْسِ

## تعارف

اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کا مفصل بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس سورت کو ”سورة النعم“ (نعمتوں کی سورت) بھی کہا جاتا ہے۔ عرب کے مشرکین عام طور سے یہ مانتے تھے کہ ان میں سے بیشتر نعمتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں وہ بت بھی شریک ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما کر انہیں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور ایمان نہ لانے کی صورت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی، اُس وقت بہت سے مسلمان کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ آیت نمبر ۴۱ و ۴۲ میں اُن کو تسلی دی گئی ہے کہ اُن کے مصائب و آلام کا دور ختم ہونے والا ہے، اور انہیں دُنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا ہوگا، اور آخرت میں بھی اُن کے لئے بڑا اجر و ثواب ہے، بشرطیکہ وہ صبر سے کام لیں، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ سورت کے آخری حصے میں اسلامی شریعت کے کچھ اہم احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں جو ایک مسلمان کے طرزِ عمل کی بنیاد ہونے چاہئیں۔ ”نحل“ عربی میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۶۸ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا حوالہ دیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کے حکم سے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے چھتے بناتی اور شہد پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے سورت کا نام ”نحل“ رکھا گیا ہے۔

آیتھا ۱۲۸ ﴿۱۶﴾ سُورَةُ النُّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۚ ۴۰ ﴿۱۶﴾ رُكُوعَاتُهَا ۱۶

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اٰتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ یُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادَہٗ اَنْ اُنْذِرُوْا اِنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنَ ﴿۷﴾

یہ سورت کی ہے، اور اس میں ایک سواٹھائیس آیتیں اور سورہ زکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اللہ کا حکم آن پہنچا ہے، لہذا اُس کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔<sup>(۱)</sup> جو شرک یہ لوگ کر رہے ہیں، وہ اُس سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۱﴾ وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اس زندگی بخشنے والی وحی کے ساتھ اتارتا ہے کہ: ”لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، لہذا تم مجھی سے ڈرو، (کسی اور سے نہیں)“ ﴿۲﴾

(۱) عربی زبان کے اعتبار سے یہ انتہائی زوردار فقرہ ہے جس میں آئندہ ہونے والے کسی یقینی واقعے کو ماضی کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس کے زور اور تاثیر کو کسی اور زبان میں ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے یہ فرماتے تھے کہ کفر کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا، اور مسلمان غالب آئیں گے تو وہ مذاق اڑانے کے انداز میں کہا کرتے تھے کہ اگر عذاب آنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے کہئے کہ اُسے ابھی بھیج دے۔ اس کا مقصد درحقیقت یہ تھا کہ عذاب کی یہ دھمکی اور مسلمانوں کی فتح کا وعدہ (معاذ اللہ) محض بناوٹی بات ہے، اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ اس سورت کا آغاز اُن کے اس طرزِ عمل کے مقابلے میں یہ فرما کر کیا گیا ہے کہ کافروں پر آنے والے جس عذاب اور مسلمانوں کے غلبے کی جس خبر کو تم ناممکن سمجھ رہے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے، اور اتنا یقینی ہے کہ گویا آن ہی پہنچا ہے، لہذا اُس کے آنے کی جلدی مچا کر اُس کا مذاق نہ اڑاؤ، کیونکہ وہ تمہارے سر پر کھڑا ہے۔ پھر اگلے فقرے میں اس عذاب کے یقینی ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ صرف اُس سے پاک بلکہ

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ تُطْفَةِ فَآذٍ ۖ هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۝ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد سے پیدا کیا ہے۔ جو شرک یہ لوگ کرتے ہیں، وہ اُس سے بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۳﴾ اُس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلم کھلا جھگڑے پر آمادہ ہو گیا۔ ﴿۴﴾ اور چوپائے اُسی نے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے سردی سے بچاؤ کا سامان ہے، ﴿۵﴾ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں، اور اُنہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ ﴿۶﴾ اور جب تم اُنہیں شام کے وقت گھر واپس لاتے ہو، اور جب اُنہیں صبح کو چرانے لے جاتے ہو تو اُن میں تمہارے لئے ایک خوشنما منظر بھی ہے۔ ﴿۷﴾ اور یہ تمہارے بوجھ لاد کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم جان جو کھوں میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۸﴾

اُس سے بہت بالا و برتر ہے، لہذا اُس کے ساتھ شرک کرنا اُس کی توہین ہے، اور خالق کائنات کی توہین کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ توہین کرنے والے پر عذاب نازل ہو (تفسیر المہدئی: ۴۰۲)۔

(۲) یعنی انسان کی حقیقت تو اتنی ہے کہ وہ ایک ناپاک بوند سے پیدا ہوا ہے، لیکن جب اُسے ذرات و گویائی ملی تو جس ذات نے اُسے اس ناپاک بوند سے ایک مکمل انسان بنایا تھا، اور اُسے اشرف المخلوقات کا رتبہ بخشا تھا، اُسی ذات کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اُس سے جھگڑنا شروع کر دیا۔

(۳) یعنی اُن کی کھالوں سے ایسے لباس بنائے جاتے ہیں جو انسان کو سردی سے محفوظ رکھ سکیں۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝۸ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَايِزٌ ۝۹ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝۱۰ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝۱۱

اور گھوڑے، خچر اور گدھے اُسی نے پیدا کئے ہیں تاکہ تم اُن پر سواری کرو، اور وہ زینت کا سامان بنیں۔ اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں ہے۔ ﴿۸﴾ اور سیدھا راستہ دکھانے کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے، اور بہت سے راستے ٹیڑھے ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے راستے پر پہنچا بھی دیتا۔ ﴿۹﴾ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں، اور اُسی سے وہ درخت اُگتے ہیں جن میں تم مویشیوں کو چراتے ہو۔ ﴿۱۰﴾

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی بہت سی سواریاں وہ ہیں جن کا ابھی تمہیں پتہ بھی نہیں ہے۔ اس طرح اس آیت کریمہ نے یہ خبر دی ہے کہ اگرچہ فی الحال تم صرف گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو سواری کے لئے استعمال کرتے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ آئندہ نئی نئی سواریاں پیدا کرے گا، اور اس طرح اس آیت میں اُن ساری سواریوں کا ذکر آگیا ہے جو نزول قرآن کے بعد پیدا ہوں گی، مثلاً کاریں، بسیں، ریلیں، ہوائی اور بحری جہاز وغیرہ۔ بلکہ قیامت تک جتنی سواریاں مزید پیدا ہوں وہ سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ عربی زبان کے قاعدے کے مطابق اس جملے کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”وہ ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کا تمہیں ابھی علم بھی نہیں ہے۔“ اس ترجمے سے یہ مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

(۵) مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا کے راستے طے کرنے کے لئے یہ سواریاں پیدا کی ہیں، اسی طرح آخرت کا رُوحانی سفر طے کرنے کے لئے سیدھا راستہ دکھانے کی ذمہ داری بھی لی ہے، کیونکہ لوگوں نے اس کام کے لئے بہت سے ٹیڑھے راستے بنا رکھے ہیں، اُن سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کو



يُثَبِّتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۖ  
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝۱۱ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَ  
 الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ  
 يَعْقِلُونَ ۝۱۲ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً  
 لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝۱۳

اُسی سے اللہ تمہارے لئے کھیتیاں، زیتون، کھجور کے درخت، انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔  
 حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے  
 ہوں۔ ﴿۱۱﴾ اور اُس نے دن اور رات کو اور سورج اور چاند کو تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے، اور  
 ستارے بھی اُس کے حکم سے کام پر لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً ان باتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی  
 نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۱۲﴾ اسی طرح وہ ساری رنگ برنگ کی چیزیں جو اُس نے  
 تمہاری خاطر زمین میں پھیلا رکھی ہیں، وہ بھی اُس کے حکم سے کام پر لگی ہوئی ہیں۔ بیشک ان سب  
 میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سبق حاصل کریں۔ ﴿۱۳﴾

سیدھا راستہ اپنے پیغمبروں اور اپنی کتابوں کے ذریعے دکھاتا ہے۔ البتہ وہ کسی کو زبردستی اٹھا کر اس راستے پر نہیں  
 لے جاتا، اگرچہ وہ چاہتا تو یہ بھی کر سکتا تھا، لیکن اس دُنیا میں انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دکھائے  
 ہوئے راستے پر اپنے اختیار سے چلے، زبردستی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ذریعے راستہ دکھانے  
 پر اکتفا فرماتا ہے۔

(۶) کھیتیوں سے اُس پیداوار کی طرف اشارہ ہے جو انسان غذا کے طور پر استعمال کرتا ہے، جیسے گندم،  
 سبزیاں وغیرہ، اور زیتون اُن اشیاء کا ایک نمونہ ہے جو کھانا پکانے اور کھانے کے لئے چکنائی کے طور پر  
 استعمال ہوتی ہیں، اور کھجور، انگور اور باقی پھلوں سے اُس پیداوار کی طرف اشارہ ہے جو مزید لذت حاصل  
 کرنے کے کام آتی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا كُلُّوْا مِنْهُ لِحُبِّ الْطَرِيقِ ۖ وَتَنْتَحِرُ جُؤَامِنُهُ حَلِيَةً  
تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاجِدٍ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾  
وَالَّذِي فِي الْاَرْضِ رَاضٍ رَاوِاسِي اَنْ تَبْيَدَ بِكُمْ وَاَنْهَارًا وَاَسْبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام پر لگایا، تاکہ تم اُس سے تازہ گوشت کھاؤ، اور اُس سے وہ زیورات نکالو جو تم پہنتے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو کہ اُس میں کشتیاں پانی کو چرتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ شکر گزار بنو۔ ﴿۱۴﴾ اور اُس نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ تم کو لے کر ڈمگائے نہیں، اور دریا اور راستے بنائے ہیں، تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ ﴿۱۵﴾

(۷) مچھلی کا گوشت مراد ہے۔

(۸) سمندر سے موتی نکلتے ہیں جو زیورات میں کام آتے ہیں۔

(۹) یعنی سمندر میں تجارتی سفر کر کے اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بنو۔ قرآن کریم نے ”اللہ کا فضل تلاش کرنے“ کی اصطلاح بہت سی آیتوں میں تجارت کے لئے استعمال فرمائی ہے۔ دیکھئے سورہ بقرہ (۱۹۸:۲)، سورہ بنی اسرائیل (۱۷:۱۲ و ۱۷:۱۷)، سورہ قصص (۷۸:۲۸)، سورہ روم (۳۰:۳۶)، سورہ فاطر (۱۲:۳۵)، سورہ جاثیہ (۱۲:۴۵)، سورہ جمعہ (۱۰:۶۲) اور سورہ مزمل (۷۳:۲۰)۔ تجارت کو اللہ تعالیٰ کا فضل کہنے سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تجارت شرعی احکام کی پابند ہو تو وہ ایک پسندیدہ چیز ہے، اور دوسری طرف اس اصطلاح سے تاجروں کو یہ تنبیہ بھی کی جا رہی ہے کہ تجارت میں جو نفع حاصل ہوتا ہے، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، کیونکہ انسان کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو تو کوشش کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ لہذا اگر تجارت کے ذریعے مال و دولت حاصل ہو جائے تو انسان کو مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

(۱۰) جب زمین کو شروع میں سمندر پر بچھایا گیا تو وہ ڈمگاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ذریعے اُس کو جمادیا ہے۔ جدید سائنس کے مطابق اب بھی بڑے بڑے براعظم سمندر کے پانی پر تھوڑے تھوڑے سرکتے رہتے ہیں، لیکن یہ سرکنا اتنا معمولی ہوتا ہے کہ انسان کو احساس نہیں ہوتا۔

وَعَلَّتْ ۖ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۱۶﴾ أَفَسَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۷﴾ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۲۰﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ ۚ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۲۱﴾

اور (راستوں کی پہچان کے لئے) بہت سی علامتیں بنائی ہیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ اب بتاؤ کہ جو ذات (یہ ساری چیزیں) پیدا کرتی ہے، کیا وہ اُن کے برابر ہو سکتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے؟ کیا پھر بھی تم کوئی سبق نہیں لیتے؟ ﴿۱۷﴾ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو، تو انہیں شمار نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو تم چھپ کر کرتے ہو، اور وہ بھی جو تم علی الاعلان کرتے ہو۔ ﴿۱۹﴾ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ لوگ جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں، وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔ ﴿۲۰﴾ وہ بے جان ہیں، اُن میں زندگی نہیں، اور اُن کو اس بات کا بھی احساس نہیں ہے کہ ان لوگوں کو کب زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔ ﴿۲۱﴾

(۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جب اتنی زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں تو ان کا حق تو یہ تھا کہ انسان ہر آن اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کرتا رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہے، اس لئے وہ اپنی مغفرت اور رحمت کا معاملہ فرما کر شکر کی اس کوتاہی کو معاف فرماتا رہتا ہے۔ البتہ یہ مطالبہ ضرور ہے کہ وہ اُس کے احکام کے مطابق زندگی گزارے، اور ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار رہے۔ اس کے لئے اُسے یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ہر کام کو جانتا ہے، چاہے وہ چھپ کر کرے یا علانیہ۔ چنانچہ اگلی آیت میں یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔

(۱۲) اس سے وہ بت مراد ہیں جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ فرمایا گیا ہے کہ وہ کسی کو پیدا تو کیا کرتے؟ خود پیدا

إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۖ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٢﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أُنْزِلَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٣﴾ لِيُحْمَلُوا أَوْذَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ وَمِنْ أَوْذَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ أَلا سَاءَ مَا يَزُرُونَ ﴿٢٤﴾

سج ۹

تمہارا معبود تو بس ایک ہی خدا ہے۔ لہذا جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دل میں انکار پیوست ہو گیا ہے، اور وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں۔ ﴿۲۱﴾ ظاہر بات ہے کہ اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو وہ چھپ کر کرتے ہیں، اور وہ بھی جو وہ علی الاعلان کرتے ہیں۔ وہ یقیناً گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۲۲﴾ اور جب اُن سے کہا گیا کہ: ”تمہارے رب نے کیا بات نازل کی ہے؟“ تو انہوں نے کہا کہ: ”گذرے ہوئے لوگوں کے افسانے!“ ﴿۲۳﴾ (ان باتوں کا) نتیجہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن خود اپنے (گناہوں) کے پورے پورے بوجھ بھی اپنے اوپر لادیں گے، اور اُن لوگوں کے بوجھ کا ایک حصہ بھی جنہیں یہ کسی علم کے بغیر گمراہ کر رہے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ یاد رکھو کہ بہت برا بوجھ ہے جو یہ لاد رہے ہیں۔ ﴿۲۵﴾

کئے گئے ہیں، اور نہ اُن میں جان ہے، نہ انہیں یہ احساس ہے کہ ان کے پجاریوں کو مرنے کے بعد کب زندہ کیا جائے گا۔

(۱۳) چونکہ وہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اس لئے انہیں سزا بھی ضرور دے گا، اور اس کے لئے آخرت کا وجود ضروری ہے۔ لہذا اُس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

(۱۴) یعنی اللہ کے کلام کو افسانہ قرار دے کر انہوں نے جن لوگوں کو گمراہ کیا ہے، اُن کے ایسے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر لادا جائے گا جو انہوں نے ان کے زیر اثر آ کر کئے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَحَرَّاءَ عَلَيْهِمُ  
السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
يُخْرِجُهُمْ وَيَقُولُ آيِنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۖ قَالَ الَّذِينَ  
أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ تَتَوَقَّعُهُمُ  
الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقُوا السَّلَامَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۖ بَلَى إِنَّ اللَّهَ  
عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾

ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کے منصوبے بنائے تھے۔ پھر ہوا یہ کہ (منصوبوں کی) جو عمارتیں  
انہوں نے تعمیر کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا، پھر ان کے اوپر سے چھت بھی  
اُن پر آگری، اور اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آدھمکا جس کا انہیں احساس تک نہیں تھا۔ ﴿۲۶﴾  
پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا، اور ان سے پوچھے گا کہ: ”کہاں ہیں وہ میرے  
شریک جن کی خاطر تم (مسلمانوں سے) جھگڑا کیا کرتے تھے؟“ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ  
(اس دن) کہیں گے کہ: ”بڑی رسوائی اور بد حالی مسلط ہے آج اُن کافروں پر“ ﴿۲۷﴾ جن کی  
روحیں فرشتوں نے اس حالت میں قبض کیں جب انہوں نے اپنی جانوں پر (کفر کی وجہ سے) ظلم  
کر رکھا تھا۔“ (۱۵) اس موقع پر کافر لوگ بڑی فرماں برداری کے بول بولیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہیں  
کرتے تھے۔ (ان سے کہا جائے گا: ”کیسے نہیں کرتے تھے؟ اللہ کو سب معلوم ہے کہ تم کیا کچھ  
کرتے رہے ہو۔ ﴿۲۸﴾

(۱۵) اس سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف اُن لوگوں کو ہوگا جو کفر کی حالت میں مرے ہوں۔ اگر کوئی مرنے سے  
پہلے پہلے سچی توبہ کر لے تو اُس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے، اور اُسے معاف کر دیا جاتا ہے۔

فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَلِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَيْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَقِيلَ  
لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا خَيْرٌ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ  
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۖ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۖ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ جَنَّتٌ عَدْنٍ  
يَدْخُلُونَهَا يُجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۖ كَذَلِكَ يَجْزِي  
اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفَّيهِمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۖ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ  
ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ  
يَأْتِيَ أَمْرٌ رَبِّكَ ۖ

لہذا اب ہمیشہ جہنم میں رہنے کے لئے اُس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ تکبر کرنے والوں کا  
یہی برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور (دوسری طرف) متقی لوگوں سے پوچھا گیا کہ: ”تمہارے پروردگار  
نے کیا چیز نازل کی ہے؟“ تو انہوں نے کہا: ”خیر ہی خیر اتاری ہے۔“ (اس طرح) جن لوگوں نے  
نیکی کی روش اختیار کی ہے، اُن کے لئے اس دُنیا میں بھی بہتری ہے، اور آخرت کا گھر تو ہے ہی سراپا  
بہتری، یقیناً متقیوں کا گھر بہترین ہے، ﴿۳۰﴾ ہمیشہ ہمیشہ بسنے کے لئے وہ باغات جن میں وہ  
داخل ہوں گے، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے، انہیں ملے گا۔  
متقی لوگوں کو اللہ ایسا ہی صلہ دیتا ہے۔ ﴿۳۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی رُوحیں فرشتے ایسی حالت میں  
قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوتے ہیں۔ وہ ان سے کہتے ہیں کہ: ”سلامتی ہو تم پر! جو عمل تم  
کرتے رہے ہو، اُس کے صلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔“ ﴿۳۲﴾ یہ (کافر) لوگ اب (ایمان  
لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آکھڑے ہوں، یا  
(قیامت یا عذاب کی صورت میں) تمہارے پروردگار کا حکم ہی آجائے۔

كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ  
يُظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٤﴾  
وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبْدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا  
آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ  
عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾

جو امتیں ان سے پہلے گزری ہیں، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اور اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا،  
لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے تھے۔ ﴿۳۳﴾ اس لئے اُن کے برے اعمال کا وبال اُن  
پر پڑا، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اُسی نے اُن کو آ کر گھیر لیا۔ ﴿۳۴﴾ اور جن لوگوں  
نے شرک اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت نہ  
کرتے، نہ ہم، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اُس کے (حکم کے) بغیر کوئی چیز حرام قرار دیتے۔“ جو  
امتیں ان سے پہلے گزری ہیں، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن پیغمبروں کی ذمہ داری اس کے سوا  
کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف طریقے پر پیغام پہنچادیں۔ ﴿۳۵﴾<sup>(۱۶)</sup>

(۱۶) اُن کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے سراسر ہٹ دھرمی پر مبنی تھا، کیونکہ اس طرح ہر مجرم یہ کہہ  
سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں یہ جرم نہ کرتا۔ ایسی باتیں قابل جواب نہیں ہوتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُس کا  
جواب دینے کے بجائے صرف یہ فرمادیا ہے کہ رسولوں کی ذمہ داری پیغام پہنچانے کی حد تک محدود ہے۔ اُن کی  
ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ ایسے ضدی لوگ راہِ راست پر آ ہی جائیں۔ اور انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ ”ہم کوئی چیز  
حرام قرار نہ دیتے“ اس سے ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے بتوں کے نام پر حرام کر رکھے  
تھے۔ اس کی تفصیل سورۃ انعام (۶: ۱۳۹ تا ۱۴۳) میں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَىٰ اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيزُورُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣١﴾ إِن تَحَرَّصَ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يَظِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّن نُّصْرِينَ ﴿٣٢﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۖ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِن أَكْثَر النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلَفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ﴿٣٤﴾

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔<sup>(۱۷)</sup> پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جن کو اللہ نے ہدایت دے دی، اور کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ تو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۶﴾ (اے پیغمبر!) اگر تمہیں یہ حرص ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر آجائیں، تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ جن کو (اُن کے عناد کی وجہ سے) گمراہ کر دیتا ہے، اُن کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا، اور ایسے لوگوں کو کسی قسم کے مددگار بھی میسر نہیں آتے۔ ﴿۳۷﴾ اور ان لوگوں نے بڑا زور لگا لگا کر اللہ کی قسمیں کھائی ہیں کہ جو لوگ مرجاتے ہیں، اللہ اُن کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ بھلا کیوں نہیں کرے گا؟ یہ تو ایک وعدہ ہے جسے سچا کرنے کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۸﴾ (دوبارہ زندہ کرنے کا یہ وعدہ اللہ نے اس لئے کیا ہے) تاکہ وہ لوگوں کے سامنے اُن باتوں کو اچھی طرح واضح کر دے جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، اور تاکہ کافر لوگ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ ﴿۳۹﴾

(۱۷) ”طاغوت“ شیطان کو بھی کہتے ہیں، اور بتوں کو بھی۔ لہذا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور یہ بھی کہ بت پرستی سے اجتناب کرو۔



عِ إِتَّاقُوا لَنَا شَيْءًا إِذَا آوَا رُدُّهُ أَنْ تَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي  
 اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا النَّبِيَّ تَتَّبِعُهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَا جُزْأَ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ  
 كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢٢﴾

اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ  
 ہم اُسے کہتے ہیں: ”ہوجا“، بس وہ ہو جاتی ہے۔ ﴿۲۰﴾ اور جن لوگوں نے دوسروں کے ظلم سہنے  
 کے بعد اللہ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا ہے، یقین رکھو کہ انہیں ہم دُنیا میں بھی اچھی طرح بسائیں گے،  
 اور آخرت کا اجر تو یقیناً سب سے بڑا ہے۔ کاش کہ یہ لوگ جان لیتے! ﴿۲۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں  
 نے صبر سے کام لیا ہے، اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ﴿۲۲﴾

(۱۸) پچھلی آیت میں آخرت کی دوسری زندگی کا مقصد بیان فرمایا تھا، اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مرنے  
 کے بعد زندہ ہونے کو تم اس لئے ناممکن سمجھ رہے ہو کہ وہ تمہارے تصور سے باہر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی  
 بھی کام مشکل نہیں ہے۔ کسی چیز کو پیدا کرنے کے لئے اُسے کوئی محنت کرنی نہیں پڑتی، وہ تو ایک حکم دیتا ہے، اور  
 وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔

(۱۹) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، یہ آیت اُن صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کفار  
 کے ظلم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ البتہ اس میں جو عام الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ ہر اُس  
 شخص کو شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرے۔ اور آخر میں جو فرمایا گیا ہے کہ:  
 ”کاش یہ لوگ جان لیتے“ اس سے مراد بظاہر یہ مہاجرین ہی ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو اس اجر کا  
 علم ہو جائے تو بے وطن ہونے سے انہیں جو تکلیف ہو رہی ہے، وہ بالکل باقی نہ رہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا  
 ہے کہ ان سے مراد کافر لوگ ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ کاش اس حقیقت کا علم ان کافروں کو بھی ہو جائے تو وہ اپنے  
 کفر سے توبہ کر لیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۖ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۴﴾ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۵﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقْلُبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۶﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ ۖ فَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّءُوفُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے بھی کسی اور کو نہیں، انسانوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ (اے منکر و!) اب اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں اُن سے پوچھ لو۔ ﴿۳۳﴾ اُن پیغمبروں کو روشن دلائل اور آسانی کتابیں دے کر بھیجا گیا تھا۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُن باتوں کی واضح تشریح کر دو جو اُن کے لئے اُتاری گئی ہیں، اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔ ﴿۳۴﴾ تو کیا وہ لوگ جو بُرے بُرے منصوبے بنا رہے ہیں اس بات سے بالکل بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے، یا اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آپڑے کہ انہیں احساس تک نہ ہو؟ ﴿۳۵﴾ یا انہیں چلتے پھرتے ہی اپنی پکڑ میں لے لے، کیونکہ وہ اُسے عاجز نہیں کر سکتے، ﴿۳۶﴾ یا انہیں اس طرح گرفت میں لے لے کہ وہ دھیرے دھیرے گھٹتے چلے جائیں؟ ﴿۳۷﴾ کیونکہ تمہارا پروردگار بڑا شفیق، نہایت مہربان ہے۔ ﴿۳۷﴾<sup>(۲۱)</sup>

(۲۰) یعنی ایک دم سے تو عذاب آکر انہیں ہلاک نہ کرے، لیکن اپنی بد عملی کی سزا میں دھیرے دھیرے اُن کی افرادی قوت اور ان کا اہل و دولت گھٹتا چلا جائے۔ یہ تفسیر روح المعانی میں متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ (۲۱) اس ”کیونکہ“ کا تعلق بے خوف ہونے سے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ شفیق اور مہربان ہے، اس لئے اُس نے کافروں کو مہلت دی ہوئی ہے، اور فوری طور پر انہیں عذاب میں نہیں پکڑا، اس لئے یہ کافر لوگ بے خوف ہو گئے ہیں، حالانکہ پچھلی اُمتوں کے واقعات سے سبق لے کر انہیں بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَقَّهُوْا ظِلُّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ  
 سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿۳۸﴾ ۞ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ  
 دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۹﴾ ۞ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا  
 يُؤْمَرُونَ ﴿۴۰﴾ ۞ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ  
 فَإِيَّايَ فَاتَّهَبُونَ ﴿۴۱﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، اُس کے سائے اللہ کو سجدے کرتے  
 ہوئے دائیں اور بائیں جھک رہے ہیں، اور وہ سب عاجزی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں؟ ﴿۳۸﴾<sup>(۲۲)</sup>  
 اور آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں، وہ اور سارے فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، اور وہ ذرا  
 تکبر نہیں کرتے۔ ﴿۳۹﴾ وہ اپنے اُس پروردگار سے ڈرتے ہیں جو اُن کے اوپر ہے، اور وہی کام  
 کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ﴿۴۰﴾<sup>(۲۳)</sup> اور اللہ نے فرمایا ہے کہ: ”دو دو معبود نہ بنا  
 بیٹھنا۔ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے۔ اس لئے بس مجھی سے ڈرا کرو۔“ ﴿۴۱﴾

(۲۲) انسان کتنا بھی مغرور یا تکبر ہو جائے، اُس کا سایہ جب زمین پر پڑتا ہے تو وہ عاجزی اور انکساری کا  
 مظاہرہ کرتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے ساتھ اُس کے سائے کی شکل میں ایک ایسی چیز پیدا فرمادی  
 ہے جو اُس کے اختیار کے بغیر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ سورج کی پوجا  
 کرتے ہیں، وہ خود تو سورج کے آگے جھک رہے ہوتے ہیں، اور اُن کے سائے اُس کی مخالف سمت میں سجدہ ریز  
 ہوتے ہیں۔

(۲۳) یہ آیت سجدہ ہے۔ یعنی جو شخص بھی یہ آیت عربی زبان میں پڑھے، اس پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔  
 اسے ”سجدہ تلاوت“ کہتے ہیں جو نماز کے سجدے کے علاوہ ہے۔ البتہ صرف ترجمہ پڑھنے سے یا آیت کو پڑھے  
 بغیر صرف دیکھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصْبٰٓءُۙۤ اَفَعٰیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝۵۶ وَمَا  
 بِكُمْ مِّنْ رَّعْمَةٍۢ فِیْنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجَرُّوْنَ ۝۵۷ ثُمَّ اِذَا كُشِفَ  
 الضُّرُّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرِیْهِمْ یُشْرِكُوْنَ ۝۵۸ لِّیَكْفُرَ وَاِیَّآ اَتٰیْنَهُمْ ۝  
 فَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۵۹ وَیَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِّمَّا  
 رَزَقْنٰهُمْ ۚ تَاللّٰهِ لَتُبْیَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝۶۰

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے، اور اُسی کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے۔ کیا  
 پھر بھی تم اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو؟ ﴿۵۶﴾ اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہوتی ہے، وہ اللہ کی  
 طرف سے ہوتی ہے، پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی سے فریادیں کرتے ہو۔ ﴿۵۷﴾  
 اس کے بعد جب وہ تم سے تکلیف دُور کر دیتا ہے، تو تم میں سے ایک گروہ اچانک اپنے پروردگار  
 کے ساتھ شرک شروع کر دیتا ہے، ﴿۵۸﴾ تاکہ ہم نے اُسے جو نعمت دی تھی اُس کی ناشکری  
 کرے۔ اچھا! کچھ عیش کر لو، پھر عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا۔ ﴿۵۹﴾ اور ہم نے جو رزق  
 اُنہیں دیا ہے، اُس میں وہ اُن (بتوں) کا حصہ لگاتے ہیں جن کی حقیقت خود اُنہیں معلوم نہیں  
 ہے۔ ﴿۶۰﴾ اللہ کی قسم! تم سے ضرور باز پرس ہوگی کہ تم کیسے بہتان باندھا کرتے تھے۔ ﴿۵۶﴾

(۲۴) عرب کے مشرکین اپنی زرعی پیداوار اور جانوروں کا ایک حصہ بتوں کے نام پر نذر کر دیتے تھے۔ اس کی  
 طرف اشارہ ہے کہ جن بتوں کی نہ حقیقت ان کو معلوم ہے، نہ ان کے وجود کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے، اللہ  
 تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو ان کے لئے نذر کر دیتے ہیں۔ اس رسم کی تفصیل سورہ اَنعام (۶: ۱۳۶) میں  
 گزری ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَنَهُ ۚ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ ﴿٥٥﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ  
 بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٦﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا  
 بُشِّرَ بِهِ ۖ أَيُّسِكُّ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٧﴾  
 لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ  
 الْحَكِيمُ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهِمْ دَآبَّةً وَلَٰكِن  
 يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا  
 يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٥٩﴾

اور اللہ کے لئے تو انہوں نے بیٹیاں گھڑ رکھی ہیں۔ سبحان اللہ! اور خود اپنے لئے وہ (بیٹے چاہتے ہیں) جو  
 اپنی خواہش کے مطابق ہوں! ﴿۵۷﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی (پیدائش) کی خوشخبری دی  
 جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ ﴿۵۸﴾ اس خوشخبری  
 کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، (اور سوچتا ہے کہ) ذلت برداشت کر کے اُسے اپنے پاس  
 رہنے دے، یا اُسے زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں۔ ﴿۵۹﴾  
 بری بری باتیں تو انہی میں ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور اعلیٰ درجے کی صفات صرف اللہ  
 کی ہیں، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۶۰﴾ اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم  
 کی وجہ سے (فوراً) اپنی پکڑ میں لیتا تو رُوئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ چھوڑتا، لیکن وہ اُن کو ایک  
 معین وقت تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اُن کا وہ معین وقت آجائے گا تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے  
 آگے پیچھے نہیں ہو سکیں گے۔ ﴿۶۱﴾

(۲۵) مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اول تو اللہ تعالیٰ اولاد

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۚ لَا جُرْمَ إِنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿٦١﴾ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٢﴾ وَمَا أُنزِلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٣﴾

اور انہوں نے اللہ کے لئے وہ چیزیں گھڑ رکھی ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں، پھر بھی ان کی زبانیں (اپنی) جھوٹی تعریف کرتی رہتی ہیں کہ ساری بھلائی انہی کے حصے میں ہے۔ لازمی بات ہے کہ (ایسے رویے کی وجہ سے) اُن کے حصے میں تو دوزخ ہے، اور انہیں اسی میں پڑا رہنے دیا جائے گا۔ ﴿۶۲﴾ (اے پیغمبر!) اللہ کی قسم! تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، ہم نے اُن کے پاس پیغمبر بھیجے تھے، تو شیطان نے اُن کے اعمال کو خوب بنا سنوار کر ان کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ وہی (شیطان) آج ان کا سر پرست بنا ہوا ہے، اور (اس کی وجہ سے) ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿۶۳﴾ اور ہم نے تم پر یہ کتاب اسی لئے اتاری ہے تاکہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کھول کر بیان کر دو جن میں انہوں نے مختلف راستے اپنائے ہوئے ہیں، اور تاکہ یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہو۔ ﴿۶۴﴾

کی ضرورت سے پاک ہے، دوسرے یہ خود اپنے لئے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے، بلکہ بیٹوں کی ولادت کے خواہش مند رہتے ہیں، جو بذات خود بڑی گمراہی کی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بیٹیاں ہیں۔

(۲۶) یعنی یہ پٹی پڑھائی کہ تم جو اعمال کر رہے ہو وہی بہترین اعمال ہیں۔

وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَاهُ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً  
 لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ  
 بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لِّبَنَّا خَالِصًا سَآءَ بِغَالِلٍ لِّشَرِّ بَيْنِ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَ  
 الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ  
 يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ اِذَا خَضِيَ مِنَ الْجِبَالِ يَبُوتًا وَمِنَ  
 الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾

اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، اور زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اُس میں جان ڈال دی۔ یقیناً  
 اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو بات سنتے ہیں۔ ﴿٦٥﴾ اور بیشک تمہارے لئے موشیوں  
 میں بھی سوچنے سمجھنے کا بڑا سامان ہے۔ اُن کے پیٹ میں جو گوہر اور خون ہے، اُس کے بیچ میں سے  
 ہم تمہیں ایسا صاف ستھرا دودھ پینے کو دیتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہوتا ہے۔ ﴿٦٦﴾  
 اور کھجور کے پھلوں اور انگوروں سے بھی (ہم تمہیں ایک مشروب عطا کرتے ہیں) جس سے تم شراب  
 بھی بناتے ہو، اور پاکیزہ رزق بھی۔ ﴿٦٧﴾ بیشک اس میں بھی اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو عقل سے  
 کام لیتے ہیں۔ ﴿٦٨﴾ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ: ”تو  
 پہاڑوں میں، اور درختوں میں اور لوگ جو چھتریاں اٹھاتے ہیں، اُن میں اپنے گھر بنا۔“ ﴿٦٨﴾

(۶۷) یہ سورت مکی ہے۔ جب یہ نازل ہوئی تو اُس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، لیکن اسی آیت میں  
 شراب کو پاکیزہ رزق کے مقابلے میں ذکر فرما کر ایک لطیف اشارہ اس طرف کر دیا گیا تھا کہ شراب پاکیزہ  
 رزق نہیں ہے۔

(۶۸) چھتریاں اٹھانے سے مراد وہ میٹیاں ہیں جن پر مختلف قسم کی بلیں چڑھائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص  
 طور پر شہد کی مکھی کے گھر بنانے کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ وہ جو چھتے بناتی ہے، وہ عجیب و غریب صنعت کا شاہکار

ثُمَّ كُلِّي مِنْ كُلِّ الشَّارِبِ فَاسْكِنِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلًّا ۖ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾  
وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُصْرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ  
عِلْمٍ شَيْئًا ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٧٠﴾

ع  
۱۵

پھر ہر قسم کے پھلوں سے اپنی خوراک حاصل کر، پھر اُن راستوں پر چل جو تیرے رب نے تیرے لئے آسان بنادیئے ہیں۔“ (اس طرح) اس مکھی کے پیٹ سے وہ مختلف رنگوں والا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے ہوں۔ ﴿۶۹﴾ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر وہ تمہاری رُوح قبض کرتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے، جس میں پہنچ کر وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا۔ بیشک اللہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔ ﴿۷۰﴾

ہوتے ہیں۔ اور عام طور پر وہ یہ چھتے اونچی جگہوں پر بناتی ہے تاکہ اُس میں بننے والا شہد زمین کی کثافتوں سے بھی محفوظ رہے، اور اُسے تازہ ہوا بھی میسر آئے۔ تو جو اس طرف دلائی جا رہی ہے کہ یہ سب کچھ اُسے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے معارف القرآن ج: ۵ ص: ۳۶۲ تا ۳۶۷۔

(۲۹) انتہائی بڑھاپے کی حالت کو ”ناکارہ عمر“ سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں انسان کی جسمانی اور ذہنی قوتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ اور سب کچھ جاننے کے باوجود کچھ نہ جاننے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بڑھاپے کے اس حصے میں انسان اُس علم کا اکثر حصہ بھول جاتا ہے جو اُس نے اپنی پچھلی زندگی میں حاصل کیا تھا، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ابھی اُسے ایک بات بتائی گئی، اور تھوڑی سی دیر میں وہ ایسا ہو گیا جیسے اُس کو کچھ بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ یہ حقائق بیان فرما کر غافل انسان کو اس طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اُسے اپنی کسی طاقت اور صلاحیت پر غور نہیں کرنا چاہئے۔ جو کوئی طاقت اُسے ملی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور جب وہ چاہے واپس لے لیتا ہے۔ ان تغیرات سے اُسے یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ یہ سارا کارخانہ ایک بڑے علم والے، بڑی قدرت والے خدا کا بنایا ہوا ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اور بالآخر ہر شخص کو اُسی کے پاس واپس جانا ہے۔



وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَأْسِ رِّزْقِهِمْ  
 عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۖ أَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ ﴿٤١﴾ وَاللّٰهُ  
 جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَرْوَاحِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَ  
 رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۖ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿٤٢﴾  
 وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا  
 وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٣﴾

اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں دوسروں پر برتری دے رکھی ہے۔ اب جن  
 لوگوں کو برتری دی گئی ہے، وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو اس طرح نہیں لوٹا دیتے کہ وہ سب برابر  
 ہو جائیں۔<sup>(۳۰)</sup> تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟ ﴿۴۱﴾ اور اللہ نے تم ہی میں سے  
 تمہارے لئے بیویاں بنائی ہیں، اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ہیں،  
 اور تمہیں اچھی اچھی چیزوں میں سے رزق فراہم کیا ہے۔ کیا پھر بھی یہ لوگ بے بنیاد باتوں پر ایمان  
 لاتے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۴۲﴾ اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت  
 کرتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمین میں سے کسی طرح کا رزق دینے کا نہ کوئی اختیار رکھتی ہیں، نہ  
 رکھ سکتی ہیں۔ ﴿۴۳﴾

(۳۰) مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کرتا کہ اپنے غلام کو اپنی دولت اس طرح دیدے کہ وہ دولت  
 میں اُس کے برابر ہو جائے۔ اب تم خود مانتے ہو کہ جن دیوتاؤں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ  
 کے مملوک یعنی غلام ہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ نے انہیں اپنی خدائی اس طرح دے دی ہو کہ انہیں اللہ کے  
 برابر معبود بننے کا حق حاصل ہو گیا ہو۔

(۳۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلاں نعمت اللہ نے نہیں، بلکہ ان کے گھڑے  
 ہوئے دیوتاؤں نے دی ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللَّهُ  
مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمِنْ رِزْقِهِ مَنَارٌ مَّارِزٌ حَسَنًا فَهُوَ يَنْفِقُ  
مِنْهُ سِرًّا وَجَهًا ۖ هَلْ يَسْتَوُونَ ۖ الْحَدُّ لِلَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۷۵﴾  
وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى  
مَوْلَاهُ ۖ أَيْتَابُ وَجْهَهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۖ وَ  
هُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۷۶﴾

ع  
۱۲

لہذا تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھرو۔ بیشک اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ ﴿۷۴﴾ اللہ ایک مثال  
دیتا ہے کہ ایک طرف ایک غلام ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے، اُس کو کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں، اور  
دوسری طرف وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہے، اور وہ اُس میں سے  
پوشیدہ طور پر بھی اور کھلے بندوں بھی خوب خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ساری  
تعریفیں اللہ کی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (ایسی صاف بات بھی) نہیں جانتے۔ ﴿۷۵﴾ اور  
اللہ ایک اور مثال دیتا ہے کہ دو آدمی ہیں، اُن میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا، اور اپنے  
آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، وہ اُسے جہاں کہیں بھیجتا ہے، وہ کوئی ڈھنگ کا کام کر کے نہیں لاتا، کیا ایسا  
شخص اُس دوسرے آدمی کے برابر ہو سکتا ہے جو دوسروں کو بھی اعتدال کا حکم دیتا ہے، اور خود بھی  
سیدھے راستے پر قائم ہے؟ ﴿۷۶﴾

(۳۲) مشرکین عرب بعض اوقات اپنے شرک کی تائید میں یہ مثال دیتے تھے کہ جس طرح دُنیا کا بادشاہ تنہا اپنی  
حکومت نہیں چلاتا، بلکہ اُسے حکومت کے بہت سے کام اپنے مددگاروں کو سونپنے پڑتے ہیں، اسی طرح (معاذ اللہ)  
اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی خدائی کے بہت سے کام ان دیوتاؤں کو سونپ رکھے ہیں۔ اور ان معاملات میں وہ خود مختار  
ہو گئے ہیں۔ اس آیت میں اُن سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دُنیا کے بادشاہوں کی، بلکہ کسی بھی مخلوق کی  
مثال دینا انتہائی جہالت کی بات ہے۔ اس کے بعد آیت نمبر ۷۵ و ۷۶ میں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں

وَاللَّهُ غَيِّبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ  
 أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٧﴾ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا  
 تَعْلَبُونَ شَيْئًا ۖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٨﴾  
 أَلَمْ يَرْوِا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ ۖ مَا يُسْكِنُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ  
 لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٤٩﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ  
 جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۚ وَمِنْ  
 أَصْوَابِهَا وَأَوْبَارُهَا وَأَشْعَارُهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٥٠﴾

اور آسمانوں اور زمین کے سارے بھید اللہ کے قبضے میں ہیں۔ اور قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے سے  
 زیادہ نہیں ہوگا، بلکہ اس سے بھی جلدی۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۷۷﴾  
 اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، اور  
 تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل پیدا کئے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے پرندوں  
 کو نہیں دیکھا کہ وہ آسمان کی فضا میں اللہ کے حکم کے پابند ہیں؟ انہیں اللہ کے سوا کوئی اور تھاے  
 ہوئے نہیں ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے  
 ہوں۔ ﴿۷۹﴾ اور اُس نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا، اور تمہارے لئے  
 مویشیوں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جو تمہیں سفر پر روانہ ہوتے وقت اور کسی جگہ ٹھہرتے وقت  
 ہلکے پھلکے محسوس ہوتے ہیں۔ اور اُن کے اُون، اُن کے رُویں اور اُن کے بالوں سے گھریلو سامان  
 اور ایسی چیزیں پیدا کیں جو ایک مدت تک تمہیں فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ﴿۸۰﴾

بیان فرمائی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ اگر مخلوقات ہی کی مثال لینی ہے تو ان دو مثالوں سے ظاہر ہے کہ مخلوق مخلوق  
 میں بھی فرق ہوتا ہے، کوئی مخلوق اعلیٰ درجے کی ہے، کوئی ادنیٰ درجے کی، جب مخلوق مخلوق میں اتنا فرق ہے تو  
 خالق اور مخلوق میں کتنا فرق ہوگا؟ پھر کسی مخلوق کو خالق کے ساتھ عبادت میں کیسے شریک کیا جاسکتا ہے؟  
 (۳۳) ان گھروں سے مراد وہ خیمے ہیں جو چمڑے سے بنائے جاتے ہیں، اور عرب کے لوگ انہیں سفر میں

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظُلُمًا وَّجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُم  
 سَرَائِیْلَ تَقِیْكُمْ الْحَرَّ وَسَرَائِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَیْكُمْ  
 لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۸۱ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَّا عَلَیْكَ الْبَلَدُ الْمُنِیْنُ ۝۸۲ ۚ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ  
 اللّٰهِ ثُمَّ یَنْكُرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۳ ۚ وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ثُمَّ  
 لَا یُؤْذِنُ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاَوْلٰهُمُ یُسْتَعْتَبُوْنَ ۝۸۴

اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لئے سائے پیدا کئے، اور پہاڑوں میں  
 تمہارے لئے پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہارے لئے ایسے لباس پیدا کئے جو تمہیں گرمی سے بچاتے  
 ہیں، اور ایسے لباس جو تمہاری جنگ میں تمہیں محفوظ رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی نعمتوں کو تم پر مکمل  
 کرتا ہے تاکہ تم فرماں بردار بنو۔ ﴿۸۱﴾ پھر بھی اگر یہ (کافر) منہ موڑے رہیں تو (اے پیغمبر!)  
 تمہاری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ واضح طریقے پر پیغام پہنچا دو۔ ﴿۸۲﴾ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو  
 پہچانتے ہیں، پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ ﴿۸۳﴾ اور  
 اُس دن کو یاد رکھو جب ہم ہر ایک اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، پھر جن لوگوں نے کفر  
 اپنایا تھا، انہیں (عذر پیش کرنے کی) اجازت نہیں دی جائے گی، اور نہ اُن سے یہ فرمائش کی جائے  
 گی کہ وہ توبہ کریں۔ ﴿۸۴﴾

ساتھ لے جاتے تھے تاکہ جہاں چاہیں، انہیں نصب کر کے پڑاؤ ڈال لیں۔

(۳۴) یعنی لوہے کی زرہیں جو جنگ میں تلوار وغیرہ کے وار کو روکنے کے لئے پہنی جاتی تھیں۔

(۳۵) اس سے مراد ہر اُمت کے پیغمبر ہیں جو یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے اس اُمت کے لوگوں کو حق کا پیغام  
 پہنچایا تھا، اور ان کافروں نے اُسے قبول نہیں کیا۔

(۳۶) اس لئے کہ توبہ کا دروازہ موت سے پہلے پہلے تک تو کھلا رہتا ہے۔ اُس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفِّفْ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شَرَكَاءَهُمْ قَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ شَرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ؕ قَالُوا إِلَهِهُمْ الْقَوْلُ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۶﴾ وَآلَقُوا إِلَى اللَّهِ يَوْمَ مِيزَانِ السَّلَامِ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْطَدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ ۖ ط

اور جب یہ ظالم عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو نہ اُن سے اُس عذاب کو ہلکا کیا جائے گا، اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔ ﴿۸۵﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تھا، جب وہ اپنے (گھڑے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے (بنائے ہوئے) وہ شریک جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔“ اس موقع پر وہ (گھڑے ہوئے شریک) ان پر بات پھینک ماریں گے کہ: ”تم بالکل جھوٹے ہو۔“ ﴿۸۶﴾ اور وہ اُس دن اللہ کے سامنے فرماں برداری کے بول بولنے لگیں گے، اور جو بہتان وہ باندھا کرتے تھے، اُس کا انہیں کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ ﴿۸۷﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا تھا، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا تھا، اُن کے عذاب پر ہم مزید عذاب کا اضافہ کرتے رہیں گے، کیونکہ وہ فساد مچایا کرتے تھے۔ ﴿۸۸﴾ اور وہ دن بھی یاد رکھو جب ہر اُمت میں ایک گواہ اُنہی میں سے کھڑا کریں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تمہیں ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے کے لئے لائیں گے۔

(۳۷) اس موقع پر اُن بتوں کو بھی سامنے لایا جائے گا جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے، تاکہ اُن کی بیچارگی سب کے سامنے واضح ہو، اور ان شیاطین کو بھی جن کی پیروی کر کے گویا ان کو خدا کا شریک بنالیا تھا۔

(۳۸) عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو بھی زبان دیدے، اور وہ ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ دُنیا میں بے جان ہونے کی بنا پر انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زبان حال سے یہ بات کہیں۔ اور شیاطین یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کریں گے۔

۱۲  
ع ۱۸

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝۸۹  
 إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ  
 وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝۹۰ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ  
 وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۖ إِنَّ  
 اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝۹۱ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَضَتْ عُزْلَهُمَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ  
 أَنْكَارًا ۖ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۖ

اور ہم نے تم پر یہ کتاب اتار دی ہے تاکہ وہ ہر بات کھول کھول کر بیان کر دے، اور مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری کا سامان ہو۔ ﴿۸۹﴾ بیشک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ ﴿۹۰﴾ اور جب تم نے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد انہیں نہ توڑو، جبکہ تم اپنے اوپر اللہ کو گواہ بنا چکے ہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ اُسے جانتا ہے۔ ﴿۹۱﴾ اور جس عورت نے اپنے سوت کو مضبوطی سے کاٹنے کے بعد اُسے اُدھیڑ کر تار تار کر دیا تھا، تم اُس جیسے نہ بن جانا کہ تم بھی اپنی قسموں کو (توڑ کر) آپس کے فساد کا ذریعہ بنانے لگو، صرف اس لئے کہ کچھ لوگ دوسروں سے زیادہ فائدے حاصل کر لیں۔<sup>(۳۰)</sup>

(۳۹) روایات میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک دیوانی عورت تھی جسے خرقاء کہتے تھے۔ وہ بڑی محنت سے دن بھر سوت کاٹی تھی، اور شام کو اُسے اُدھیڑ ڈالتی تھی۔ یہ عورت اس معاملے میں ایک ضرب المثل بن گئی تھی۔ جب کوئی شخص اچھا خاصا کام کر کے خود ہی اُسے بگاڑ دے تو اُسے اس عورت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہاں یہ تشبیہ اُن لوگوں کے لئے استعمال کی گئی ہے جو زور شور سے کسی بات کی قسم کھا کر اُسے توڑ ڈالیں۔

(۴۰) جھوٹی قسم کھانے یا قسم کو توڑنے کا مقصد عام طور پر کوئی نہ کوئی دُنیا کا فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس معمولی سے فائدے کی خاطر ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کرو۔

إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۖ وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝  
 وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ  
 يَشَاءُ ۖ وَلَتَسْلُنَّ عَمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝<sup>۹۲</sup> وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ  
 فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَلَكُمْ  
 عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝<sup>۹۳</sup> وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ  
 إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝<sup>۹۴</sup>

اللہ اس کے ذریعے تمہاری آزمائش کر رہا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ تمہیں وہ باتیں ضرور کھول کر  
 بتا دے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۲﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت  
 (یعنی ایک ہی دین کا پیرو) بنا دیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے، (اُس کی ضد کی وجہ سے) گمراہی میں  
 ڈال دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے تھے اُس کے  
 بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ ﴿۹۳﴾ اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ  
 بناؤ، جس کے نتیجے میں کسی (اور) کا پاؤں جنے کے بعد پھسل جائے، پھر تمہیں (اس کو) اللہ کے  
 راستے سے روکنے کی وجہ سے بری سزا چکھنی پڑے، اور تمہیں (ایسی صورت میں) بڑا عذاب  
 ہوگا۔ ﴿۹۴﴾ اور اللہ کے عہد کو تھوڑی سی قیمت میں نہ بیچ ڈالو۔ اگر تم حقیقت سمجھو تو جو (اجر) اللہ  
 کے پاس ہے، وہ تمہارے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ ﴿۹۵﴾

(۹۴) یہ قسم کو توڑنے کا ایک اور نقصان بیان فرمایا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ جب تم قسم توڑو گے تو عین ممکن ہے کہ  
 تمہیں دیکھ کر کوئی اور شخص بھی اس گناہ پر آمادہ ہو جائے۔ پہلے تو اس کے پاؤں جھے ہوئے تھے، تمہیں دیکھ کر  
 وہ پھسل گیا تو چونکہ تم اس کے گناہ کا سبب بنے تو تمہیں دُہرا گناہ ہوگا، کیونکہ تم نے اُس کو اللہ تعالیٰ کے راستے  
 سے روکا۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۖ وَلَنَجْزِيَنَ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ  
 بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْشِىْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
 فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾ فَإِذَا  
 قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾

جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ سب ختم ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔  
 اور جن لوگوں نے صبر سے کام لیا ہوگا، ہم انہیں ان کے بہترین کاموں کے مطابق ان کا اجر ضرور  
 عطا کریں گے۔ ﴿۹۶﴾ جس شخص نے بھی مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا ہوگا، چاہے وہ  
 مرد ہو یا عورت، ہم اُسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے  
 مطابق ان کا اجر ضرور عطا کریں گے۔ ﴿۹۷﴾

چنانچہ جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ ﴿۹۸﴾

(۴۲) پہلے ہی بار عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں ”صبر“ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اپنی نفسانی  
 خواہشات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کو بھی صبر کہا جاتا ہے، اور کسی تکلیف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے  
 فیصلے پر کوئی شکایت نہ کی جائے تو وہ بھی صبر ہے۔

(۴۳) پچھلی آیتوں میں نیک عمل کی فضیلت بیان فرمائی گئی تھی۔ چونکہ نیکی کے کاموں میں سب سے زیادہ خلل  
 شیطان کے اثر سے پڑتا ہے، اس لئے اس آیت میں اُس کا یہ علاج بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت سے  
 پہلے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لی جائے۔ یعنی ”أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“ پڑھا جائے۔  
 تلاوت قرآن کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم ہی تمام نیک کاموں کی ہدایت دینے والا  
 ہے۔ لیکن شیطان سے پناہ مانگنا صرف تلاوت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہر نیک کام کے وقت پناہ مانگ لی  
 جائے تو ان شاء اللہ شیطانی اثرات سے حفاظت رہے گی۔



إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُ  
 ۱۹ عَلَی الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾ وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ  
 آيَةٍ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾  
 قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى  
 وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰۲﴾

اُس کا بس ایسے لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لائے ہیں، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے  
 ہیں۔ ﴿۹۹﴾ اُس کا بس تو اُن لوگوں پر چلتا ہے جو اُسے دوست بناتے ہیں، اور اللہ کے ساتھ شرک  
 کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ﴿۱۰۰﴾ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے بدلتے ہیں — اور  
 اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے — تو یہ (کافر) کہتے ہیں کہ: ”تم تو اللہ پر جھوٹ  
 باندھنے والے ہو۔“ حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔ ﴿۱۰۱﴾ کہہ دو کہ:  
 ”یہ (قرآن کریم) تو روح القدس (یعنی جبریل علیہ السلام) تمہارے رب کی طرف سے ٹھیک  
 ٹھیک لے کر آئے ہیں، تاکہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے، اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور  
 خوشخبری کا سامان ہو۔“ ﴿۱۰۲﴾

(۴۴) اللہ تعالیٰ مختلف حالات کے لحاظ سے اپنے احکام میں کبھی کبھی تبدیلی فرماتے تھے، جیسا کہ قبلہ کے احکام  
 کے متعلق سورہ بقرہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔ اس پر کفار اعتراض کرتے تھے کہ یہ احکام کیوں بدلے جا رہے  
 ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں، بلکہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے یہ  
 تبدیلیاں کر رہے ہیں۔ اس آیت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس  
 وقت کو نسا حکم نازل کیا جائے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ  
أَعْجَبِي وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا  
يَهْدِيَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٧﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا  
يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَذِبُونَ ﴿١٠٨﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ  
إِيمَانِهِ إِلَّا مِنْ أَكْرَهٍ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ  
صَدْرًا فَعَلَيْنَاهُمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٩﴾

اور (اے پیغمبر!) ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ (تمہارے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: ”ان کو تو ایک  
انسان سکھاتا پڑھاتا ہے۔“ (حالانکہ) جس شخص کا یہ حوالہ دے رہے ہیں، اُس کی زبان عجمی ہے،  
اور یہ (قرآن کی زبان) صاف عربی زبان ہے۔ ﴿۱۰۳﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں  
رکھتے، اُن کو اللہ ہدایت پر نہیں لاتا، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اللہ پر جھوٹ تو  
(پیغمبر نہیں) وہ لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے، اور وہی حقیقت میں جھوٹے  
ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اُس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے — وہ نہیں  
جسے زبردستی (کفر کا کلمہ کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو، جبکہ اُس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس  
نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا ہو — تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے غضب نازل ہوگا، اور  
ان کے لئے زبردست عذاب تیار ہے۔ ﴿۱۰۶﴾

(۴۵) مکہ مکرمہ میں ایک لوہار تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دل لگا کر سنا کرتا تھا، اس لئے آپ صلی  
اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اُس کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، اور وہ کبھی کبھی آپ کو انجیل کی کوئی بات بھی سنا دیا  
کرتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے بعض کافروں نے اس کو بنیاد بنا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن  
اس لوہار سے سیکھتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اس اعتراض کی لغویت کو بیان کر رہی ہے کہ وہ بیچارہ لوہار تو عرب نہیں  
ہے، عجمی ہے۔ وہ عربی زبان کے اس فصیح و بلیغ کلام کا مصنف کیسے ہو سکتا ہے۔

(۱) یعنی کسی شخص کو جان کا خوف ہو کہ اگر زبان سے کفر کا کلمہ نہیں کہے گا تو جان چلی جائے گی، تو ایسا شخص

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اسْتَحْبَبُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلٰى الْاٰخِرَةِ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝۱۰۷ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمِعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۰۸ لَا جَرَءَ اَتَّهَمُ فِي الْاٰخِرَةِ هُمْ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۰۹ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا قُتِلُوْا لَكُمْ جِهَدًا وَّاَوْصٰرًا ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۰ يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تَجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوْفٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهَمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۱۱

یہ اس لئے کہ ایسے لوگوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں زیادہ محبوب سمجھا، اور اس لئے کہ اللہ ایسے ناشکرے لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچایا کرتا۔ ﴿۱۰۷﴾ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر، ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مہر لگا دی ہے، اور یہی لوگ ہیں جو (اپنے انجام سے) بالکل غافل ہیں۔ ﴿۱۰۸﴾ لازمی بات ہے کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ ﴿۱۰۹﴾ پھر یقین جانو تمہارے پروردگار کا معاملہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے فتنے میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا تو ان باتوں کے بعد تمہارا پروردگار یقیناً بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۱۰﴾ یہ سب کچھ اُس دن ہوگا جب ہر شخص اپنے دفاع کی باتیں کرتا ہوا آئے گا، اور ہر شخص کو اُس کے سارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۱۱۱﴾

معذور ہے، جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہوگا جو اپنے اختیار سے کفر کی باتیں کرے۔

(۴۷) اس آیت میں فتنے میں مبتلا ہونے سے اُن صحابہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جو مکہ مکرمہ میں کافروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ پہلے چونکہ کافروں کے برے انجام کا ذکر تھا تو اس آیت میں نیک مسلمانوں کا اجر بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے یہاں فتنے میں مبتلا ہونے کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ پہلے کفر میں مبتلا

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ  
مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا  
يَصْنَعُونَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ  
ظَالِمُونَ ﴿١١٣﴾ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ هَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ  
إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١١٤﴾

اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو بڑی پر امن اور مطمئن تھی، اُس کا رِزق اُس کو ہر جگہ سے بڑی  
فراوانی کے ساتھ پہنچ رہا تھا۔ پھر اُس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری شروع کر دی، تو اللہ نے اُن کے  
کرتوت کی وجہ سے اُن کو یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف اُن کا پہننا اوڑھنا بن گیا۔ ﴿۱۱۲﴾ اور اُن  
کے پاس اُنہی میں سے ایک پیغمبر آیا تھا، مگر انہوں نے اُس کو جھٹلایا، چنانچہ جب انہوں نے ظلم اپنایا  
تو اُن کو عذاب نے آپکڑا۔ ﴿۱۱۳﴾ لہذا اللہ نے جو حلال پاکیزہ چیزیں تمہیں رِزق کے طور پر دی  
ہیں، انہیں کھاؤ، اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اُسی کی عبادت کرتے ہو۔ ﴿۱۱۴﴾

ہو گئے، بعد میں توبہ کی۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ پہلے سے جن مرتد لوگوں کا ذکر چلا آ رہا ہے، اُنہی کے  
بارے میں اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اب بھی اگر وہ توبہ کر کے ہجرت کریں اور جہاد کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے پچھلے  
گناہ معاف فرمادیں گے۔

(۴۸) یہ اللہ تعالیٰ نے ایک عام مثال دی ہے کہ جو بستیاں خوشحال تھیں، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری  
اور نافرمانی پر کمر باندھ لی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عذاب کا مزہ چکھایا۔ لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد  
مکہ مکرمہ کی بستی ہے جس میں سب لوگ خوشحالی اور امن کے ساتھ رہ رہے تھے، لیکن جب انہوں نے آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو اُن پر سخت قسم کا قحط مسلط کر دیا گیا جس کے نتیجے میں لوگ چڑا تک کھانے پر مجبور  
ہوئے۔ بعد میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ قحط دور ہونے کی دُعا فرمائیں۔  
چنانچہ وہ آپ کی دُعا سے دُور ہوا۔ اس واقعے کا ذکر سورہ دُخان میں بھی آنے والا ہے۔

(۴۹) جس ناشکری کی پیچھے مذمت کی گئی ہے، اُسی کی ایک صورت مشرکین عرب نے یہ اختیار کر رکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ  
 أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ ۚ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ  
 الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ  
 أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ  
 وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾

اُس نے تو تمہارے لئے بس مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے جس پر اللہ کے سوا  
 کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ البتہ جو شخص بھوک سے بالکل بے تاب ہو، لذت حاصل کرنے کے لئے  
 نہ کھائے، اور (ضرورت کی) حد سے آگے نہ بڑھے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۱۵﴾<sup>(۵۰)</sup>  
 اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹی باتیں بناتی ہیں، اُن کے بارے میں یہ مت کہا  
 کرو کہ یہ چیز حلال ہے، اور یہ حرام ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو گے۔  
 یقیناً جانور کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پاتے۔ ﴿۱۱۶﴾ (دُنیا میں) انہیں  
 جو عیش حاصل ہے، وہ بہت تھوڑا سا ہے، اور اُن کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور  
 یہودیوں کے لئے ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جن کا تذکرہ ہم تم سے پہلے ہی کر چکے ہیں۔ اور ہم  
 نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ﴿۱۱۸﴾

کی بہت سی نعمتوں کو من گھڑت طریقے سے حرام قرار دے رکھا تھا، جس کی تفصیل سورۃ انعام (۶: ۱۳۹-۱۴۵) میں  
 گزر چکی ہے۔ یہاں ناشکری کی اس خاص صورت سے منع کیا جا رہا ہے۔

(۵۰) اس کی تفصیل سورۃ مائدہ (۵: ۳) میں گزر چکی ہے۔

(۵۱) بتلانا یہ مقصود ہے کہ کفار مکہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا پیرو کہتے تھے، حالانکہ جن

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ  
وَأَصْدَحُوا<sup>۱۱۵</sup> إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ<sup>۱۱۶</sup> إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً<sup>۱۱۷</sup>  
قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ<sup>۱۱۸</sup> شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ<sup>۱۱۹</sup> اجْتَبَاهُ  
وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ<sup>۱۲۰</sup> وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً<sup>۱۲۱</sup> وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ  
لَمِنَ الصَّالِحِينَ<sup>۱۲۲</sup> ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ  
مِنَ الْمُشْرِكِينَ<sup>۱۲۳</sup>

پھر بھی تمہارا رب ایسا ہے کہ جن لوگوں نے نادانی میں برائی کا ارتکاب کر لیا، اور اُس کے بعد توبہ  
کر لی، اور اپنی اصلاح کر لی تو ان سب باتوں کے بعد بھی تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا مہربان  
ہے۔ ﴿۱۱۹﴾ بیشک ابراہیم ایسے پیشوا تھے جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی فرماں برداری  
اختیار کر لی تھی، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے  
ہیں۔ ﴿۱۲۰﴾ وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اُس نے انہیں چن لیا تھا، اور ان کو سیدھے  
راستے تک پہنچا دیا تھا۔ ﴿۱۲۱﴾ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی، اور آخرت میں تو یقیناً  
اُن کا شمار صالحین میں ہے۔ ﴿۱۲۲﴾ پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی وحی کے ذریعے یہ حکم نازل  
کیا ہے کہ تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جس نے اپنا رخ اللہ ہی کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ اُن  
لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ﴿۱۲۳﴾

حلال چیزوں کو ان مشرکین نے حرام کر رکھا تھا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت ہی سے حلال چلی آتی  
تھیں، البتہ اُن میں سے صرف چند چیزوں کو یہودیوں پر بطور سزا حرام کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ سورہ نساء (۱۶۰:۴)  
میں گزر چکا ہے۔ باقی سب چیزیں اُس وقت سے آج تک حلال ہی چلی آتی ہیں۔

إِنَّمَا جَعَلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۳۴﴾ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۳۵﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۳۶﴾

سنچر کے دن کے احکام تو ان لوگوں پر لازم کئے گئے تھے جنہوں نے اُس کے بارے میں اختلاف کیا تھا، اور یقین رکھو کہ تمہارا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں لوگ اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۳۴﴾

اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور اُن سے بھی خوب واقف ہے جو راہِ راست پر قائم ہیں۔ ﴿۱۳۵﴾ اور اگر تم لوگ (کسی کے ظلم کا) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی تھی۔ اور اگر صبر ہی کر لو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے۔ ﴿۱۳۶﴾

(۵۲) یہ ایک دوسرا استثناء ہے جس میں یہودیوں کے لئے بعض وہ چیزیں ممنوع کر دی گئی تھیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھیں۔ اور وہ یہ کہ یہودیوں کے لئے سنچر کے دن معاشی سرگرمیاں ممنوع کر دی گئی تھیں۔ پھر ان میں بھی اختلاف رہا کہ کچھ لوگوں نے اس پابندی پر عمل کیا، اور کچھ نے نہیں کیا۔ بہر حال! یہ بھی

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَلٰٓئِلٍ مِّمَّا يَكْمُرُونَ ﴿۱۷﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۱۸﴾

۱۶  
ع  
۲۲

اور (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو، اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان (کافروں) پر صدمہ نہ کرو، اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں، اُن کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو۔ ﴿۱۷﴾ یقین رکھو کہ اللہ اُن لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔ ﴿۱۸﴾

ایک استثنائی حکم تھا جو صرف یہودیوں کو دیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اس سے خالی تھی۔ لہذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام قرار دیدے۔ (۵۳) ”احسان“ بڑا عام لفظ ہے جس میں ہر طرح کے نیک کام داخل ہیں۔ اور ایک حدیث میں اس کی یہ تشریح فرمائی گئی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، یا کم از کم اس تصور کے ساتھ کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۸ رجب ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۴ اگست ۲۰۰۶ء سورہ نحل کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کرغیزستان کے دارالحکومت بشکیک میں بروز جمعرات عصر سے ذرا پہلے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی باسانی اپنی رضائے کامل کے ساتھ پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔





# سُورَةُ بَنِي إِسْرَءِيلَ

## تعارف

اس سورت کی سب سے پہلی آیت ہی یہ بتا رہی ہے کہ اس کا نزول معراج مبارک کے واقعے کے بعد ہوا ہے۔ اگرچہ معراج کے واقعے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ یقینی طور پر متعین کرنا مشکل ہے، لیکن زیادہ تر روایات کا رُحان اس طرف ہے کہ یہ عظیم واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا تھا۔ اُس وقت تک اسلام کی دعوت کا پیغام نہ صرف عرب کے بت پرستوں تک، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ اس سورت میں معراج کے غیر معمولی واقعے کا حوالہ دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کر دیا گیا ہے۔ اُس کے بعد بنو اسرائیل کے واقعے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کس طرح انہیں دو مرتبہ اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں ذلت و رسوائی اور دشمن کے ہاتھوں بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح مشرکین عرب کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی مخالفت سے باز آجائیں، ورنہ ان کو بھی اسی قسم کے انجام سے سابقہ پیش آسکتا ہے، کیونکہ اس وقت قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو اعتدال کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر رہی ہے (آیت نمبر ۹)۔ پھر آیت نمبر ۲۲ سے ۳۸ تک مسلمانوں کو اُن کے دینی، معاشرتی اور اخلاقی طرزِ عمل کے بارے میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ اور مشرکین کے نامعقول اور معاندانہ طرزِ عمل کی مذمت کر کے اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُسی کی عبادت کرتے رہیں۔

چونکہ سورت کے شروع میں بنو اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دو اہم واقعات کا

تذکرہ کیا گیا ہے، اس لئے سورت کا نام سورۃ بنی اسرائیل ہے۔ اور اس کا دوسرا نام ”سورۃ الاسراء“ بھی ہے۔ ”اسراء“ سفر معراج کو، اور خاص طور پر اس سفر کے اُس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے جایا گیا، سورت کا آغاز ہی چونکہ اس معجزانہ سفر کے تذکرے سے ہوا ہے، اس لئے اس کو ”سورۃ الاسراء“ بھی کہا جاتا ہے۔

آیاتہا ۱۱۱ ﴿۱﴾ سُوْرَةُ بَنِي إِسْرٰٓءِیْلَ مَكِّيَّةٌ ۵۰ ﴿۲﴾ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲ ﴿۳﴾

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا  
الَّذِیْ بُرْکْنَا حَوْلَہٗ لِذُرِیَّہٖ مِنْ اٰیَتِنَا ۚ اِنَّہٗ هُوَ السَّیِّعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱﴾

اس سورت میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔<sup>(۱)</sup> بیشک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔ ﴿۱﴾

(۱) اس سے معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آئی ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور رات کے وقت انہیں ایک جانور پر سوار کیا جس کا نام براق تھا، وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے گیا۔ یہ سفر معراج کا پہلا مرحلہ تھا جسے ”اسراء“ کہا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو ساتوں آسمانوں پر لے گئے۔ ہر آسمان پر آپ کی ملاقات پچھلے پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے ہوئی۔ اُس کے بعد جنت کے ایک درخت ”سدرۃ المنتہی“ پر تشریف لے گئے، اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف عطا ہوا۔ اُسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔ پھر رات ہی رات میں آپ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ اس آیت میں اس سفر کے صرف پہلے حصے کا بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ آنے والے تذکرے سے اُسی کا تعلق زیادہ تھا۔ البتہ سفر کے دوسرے حصے کا تذکرہ سورہ نجم ۵۳: ۱۳ تا ۱۸ میں آیا ہے۔ صحیح روایات کے مطابق یہ معجزانہ سفر بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک عظیم نشانی آپ کو دکھائی گئی تھی۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ واقعہ بیداری کے بجائے خواب میں دکھایا گیا، کیونکہ یہ بات صحیح احادیث کے تو خلاف ہے ہی، خود قرآن کریم کا اسلوب واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ ایک

وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي  
وَكِيلاً ۝ ذُرِّيَّةً مِّن حَمَلِنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝ وَقَصَّيْنَا إِلَىٰ بَنِي  
إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ لُتْفُسِدَنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝  
فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادَ اللَّهِ أُولِيَ بَاسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَلِ  
الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اور اُس کو بنی اسرائیل کے لئے اس ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا کہ تم  
میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز قرار نہ دینا، ﴿۲﴾ اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے  
ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا! اور وہ بڑے شکر گزار بندے تھے۔ ﴿۳﴾ اور ہم نے کتاب میں فیصلہ  
کر کے بنو اسرائیل کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے، اور بڑی سرکشی  
کا مظاہرہ کرو گے۔ ﴿۴﴾ چنانچہ جب ان دو واقعات میں سے پہلا واقعہ پیش آیا تو ہم نے تمہارے  
سروں پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے، اور وہ تمہارے شہروں میں گھس کر پھیل  
گئے۔ اور یہ ایک ایسا وعدہ تھا جسے پورا ہو کر رہنا ہی تھا۔ ﴿۵﴾

غیر معمولی واقعہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک نشانی قرار دیا ہے، اگر یہ صرف ایک خواب کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی  
غیر معمولی بات نہیں تھی، انسان خواب میں بہت کچھ دیکھتا رہتا ہے۔ پھر اُسے اپنی ایک نشانی قرار دینے کے کوئی  
معنی نہیں تھے۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا حوالہ خاص طور پر اس لئے دیا گیا ہے کہ جو لوگ اُس کشتی میں سوار ہوئے  
تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے طوفان میں ڈوبنے سے بچا لیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا، اُسے یاد دلا کر فرمایا جا رہا  
ہے کہ اس نعمت کا شکریہ ہے کہ ان لوگوں کی اولاد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بنائے۔

(۳) جب بنو اسرائیل کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئی تھیں تو بابل کے بادشاہ بخت نصر نے اُن پر حملہ کر کے اُن کا  
قل عام کیا تھا، اور جو زندہ رہ گئے تھے، انہیں گرفتار کر کے فلسطین سے بابل لے گیا تھا جہاں مدت دراز تک وہ  
اُس کی غلامی میں جلا وطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ  
 نَفِيرًا ① إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ  
 الْآخِرَةِ لِيَسُوءَ أَوْ يُجْهَلَ وَلِيُذْخِلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ  
 لِيُتَبَرَّكَ ۚ وَأَمَّا عِلْوُ اتَّبِيعًا ② عَلَى رَبِّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُمْ عُدتْنَا ۚ  
 وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ③

پھر ہم نے تمہیں یہ موقع دیا کہ تم پلٹ کر اُن پر غالب آؤ، اور تمہارے مال و دولت اور اولاد میں  
 اضافہ کیا، اور تمہاری نفری پہلے سے زیادہ بڑھادی۔ ﴿٦﴾ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنے ہی  
 فائدے کے لئے کرو گے، اور بُرے کام کرو گے تو بھی وہ تمہارے لئے ہی بُرا ہوگا۔ چنانچہ جب  
 دوسرے واقعے کی میعاد آئی (تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہارے چہروں  
 کو بگاڑ ڈالیں، اور تاکہ وہ مسجد میں اُسی طرح داخل ہوں جیسے پہلے لوگ داخل ہوئے تھے، اور جس  
 جس چیز پر اُن کا زور چلے، اُس کو تہس نہس کر کے رکھ دیں۔ ﴿٧﴾ عین ممکن ہے کہ (اب) تمہارا  
 رَبُّ تم پر رحم کرے۔ لیکن اگر تم پھر وہی کام کرو گے، تو ہم بھی دوبارہ وہی کریں گے، اور ہم نے جہنم کو  
 کافروں کے لئے قید خانہ بنا ہی رکھا ہے۔ ﴿٨﴾

(۴) تقریباً ستر سال تک بخت نصر کی غلامی میں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن پر اس طرح رحم فرمایا کہ ایران  
 کے بادشاہ اخسویس نے بابل پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا۔ اس موقع پر اُسے ان یہودیوں کی حالت زار پر رحم آیا،  
 اور اُس نے ان کو آزاد کر کے دوبارہ فلسطین میں بسا دیا۔ اس طرح ان کو دوبارہ خوشحالی ملی، اور ایک مدت تک وہ  
 بڑی تعداد میں وہاں آباد رہے۔ مگر جب خوشحالی ملنے پر انہوں نے دوبارہ بد اعمالیوں پر کمر باندھی تو وہ دوسرا واقعہ  
 پیش آیا جس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

(۵) بعض حضرات نے تو کہا ہے کہ اس دوسرے دشمن سے مراد انتیوکس اپہی فانیوس ہے جس نے حضرت عیسیٰ  
 علیہ السلام کی تشریف آوری سے کچھ پہلے دوبارہ بیت المقدس پر حملہ کر کے یہودیوں کا قتل عام کیا تھا۔ اور بعض

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۙ ۙ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ وَيَدْعُمُ الْإِنْسَانَ بِالْشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۝

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے، اور جو لوگ (اس پر) ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں، انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے، ﴿۹﴾ اور یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۰﴾ اور انسان بُرائی اس طرح مانگتا ہے جیسے اُسے بھلائی مانگنی چاہئے، اور انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔ ﴿۱۱﴾

حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ آسمانی کے بعد روم کے شاہ طیطوس کا حملہ ہے۔ اگرچہ بنی اسرائیل پر مختلف زمانوں میں بہت سے دشمن مسلط ہوتے رہے ہیں، لیکن ان دودشمنوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس لئے فرمایا ہے کہ ان کے حملوں میں انہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا، اور ان میں سے پہلا دشمن یعنی بخت نصر اُن پر اُس وقت مسلط کیا گیا جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی خلاف ورزی کی، اور دوسرا دشمن اُس وقت مسلط کیا گیا جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی۔ اور آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرو گے تو تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک دوبارہ کیا جائے گا۔

(۶) کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں ہمارے کفر پر عذاب ہونا ہے تو ابھی فوراً کیوں نہیں ہو جاتا؟ یہ ان کی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ جلد بازی میں عذاب کی برائی کو اس طرح مانگ رہے ہیں جیسے وہ کوئی اچھی چیز ہو۔



وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصَرَةً  
لِتَبْتَغُوا أَفْضَلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْأَحْسَابِ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ  
فَعَلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝۱۷ وَكُلُّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَةً فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝۱۸ اِقْرَأْ كِتَابَكَ ۖ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝۱۹

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیوں کے طور پر پیدا کیا ہے۔ پھر رات کی نشانی کو تو اندھیری بنا دیا، اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو، اور تاکہ تمہیں سالوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم ہو سکے۔ اور ہم نے ہر چیز کو الگ الگ واضح کر دیا ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور ہر شخص (کے عمل) کا انجام ہم نے اُس کے اپنے گلے سے چمٹا دیا ہے، اور قیامت کے دن ہم (اُس کا) اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اُس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ ﴿۱۳﴾ (کہا جائے گا کہ) لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہو۔ ﴿۱۴﴾

(۷) یعنی دن اور رات کا ایک دوسرے کے بعد تسلسل کے ساتھ آنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت و حکمت کی نشانی ہے۔ رات کے وقت اندھیرا چھا جاتا ہے، تاکہ لوگ اُس میں آرام کر سکیں، اور دن کے وقت روشنی ہوتی ہے، تاکہ لوگ اپنا روزگار تلاش کر سکیں، جس کو قرآن کریم ”اللہ کے فضل“ سے تعبیر کرتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ نحل، آیت: ۱۴ کا حاشیہ) اور رات اور دن کے بدلنے ہی سے تاریخوں کا تعین ہوتا ہے۔

(۸) انجام کو گلے سے چمٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے تمام اعمال ہر لمحے لکھے جا رہے ہیں جو اُس کے اچھے یا برے انجام کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اور جب قیامت آئے گی تو یہ سارا اعمال نامہ اُس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا جسے وہ خود پڑھ سکے گا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دُنیا میں اُن پڑھ تھا، قیامت کے دن اُسے بھی اپنا اعمال نامہ پڑھنے کی صلاحیت دے دی جائے گی۔

مِنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَلَا تَزِرُ  
وَازِرَةً وَّزْرًا أُخْرَىٰ ۖ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝۱۵ وَإِذَا آتَرَدْنَا أَنْ  
تُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا  
تَدْمِيرًا ۝۱۶ وَكَمَا أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ  
عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝۱۷ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ  
نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلُهُ مَا مَدُّ مُؤْمًا مَدُّ حُورًا ۝۱۸

جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے، تو وہ خود اپنے فائدے کے لئے چلتا ہے، اور جو گمراہی کا راستہ اختیار کرتا  
ہے، وہ اپنے ہی نقصان کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں  
اٹھائے گا۔ اور ہم کبھی کسی کو اُس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک کوئی پیغمبر (اُس کے پاس) نہ بھیج  
دیں۔ ﴿۱۵﴾ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو  
(ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں، پھر وہ وہاں نافرمانیاں کرتے ہیں، تو ان پر بات پوری ہو جاتی  
ہے، چنانچہ ہم انہیں تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ اور کتنی ہی نسلیں ہیں جو ہم نے نوح کے بعد  
ہلاک کیں! اور تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا  
ہے۔ ﴿۱۷﴾ جو شخص دُنیا کے فوری فائدے ہی چاہتا ہے تو ہم جس کے لئے چاہتے ہیں، جتنا چاہتے  
ہیں، اُسے یہیں پر جلدی دے دیتے ہیں، پھر اُس کے لئے ہم نے جہنم رکھ چھوڑی ہے جس میں وہ  
ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوگا۔ ﴿۱۸﴾

(۹) یہ اُس شخص کا ذکر ہے جس نے اپنی زندگی کا مقصد ہی دُنیا کی بہتری کو بنا رکھا ہے، اور آخرت پر یا تو ایمان  
نہیں، یا اُس کی کوئی فکر نہیں۔ نیز اس قسم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو کوئی نیکی کا کام دُنیا کی دولت یا شہرت حاصل

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ  
 مَشْكُورًا ۝ (۱۹) كَلَّا تُبَدِّلُوهٗلَا ۖ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۖ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ  
 مَحْظُورًا ۝ (۲۰) أَنْتُمْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَلَآ خِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ  
 وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝ (۲۱)

اور جو شخص آخرت (کافائدہ) چاہے، اور اُس کے لئے ویسی ہی کوشش کرے جیسی اُس کے لئے کرنی  
 چاہئے، جبکہ وہ مؤمن بھی ہو، تو ایسے لوگوں کی کوشش کی پوری قدردانی کی جائے گی۔ ﴿۱۹﴾ (اے  
 پیغمبر!) جہاں تک (دُنیا میں) تمہارے رب کی عطا کا تعلق ہے، ہم ان کو بھی اُس سے نوازتے ہیں،  
 اور ان کو بھی<sup>(۱۰)</sup> اور (دُنیا میں) تمہارے رب کی عطا کسی کے لئے بند نہیں ہے۔ ﴿۲۰﴾ دیکھو، ہم نے  
 کس طرح ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اور یقین رکھو کہ آخرت درجات  
 کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے، اور فضیلت کے اعتبار سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ﴿۲۱﴾

کرنے کے لئے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو دُنیا کے  
 یہ فوائد ملنے کی بھی کوئی گارنٹی نہیں ہے، نہ اس بات کی گارنٹی ہے کہ جتنے فائدے وہ چاہ رہے ہیں، وہ سب مل  
 جائیں۔ البتہ اُن میں سے جن کو ہم مناسب سمجھتے ہیں جتنا مناسب سمجھتے ہیں دُنیا میں دے دیتے ہیں۔ مگر آخرت  
 میں اُن کا انجام جہنم ہے۔

(۱۰) یہاں عطا سے مراد دُنیا کا رزق ہے۔ یعنی مؤمن و کافر اور متقی اور فاسق ہر شخص کو دُنیا میں اللہ تعالیٰ رزق عطا  
 فرماتے ہیں۔ یہ رزق کسی پر بند نہیں ہے۔

(۱۱) یعنی دُنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت زیادہ رزق عطا فرمایا ہے، اور کسی کو کم۔ البتہ جس چیز  
 کے لئے انسان کو پوری کوشش کرنی چاہئے، وہ آخرت کے فوائد ہیں، کیونکہ وہ دُنیا کے فوائد کے مقابلے میں  
 بدرجہا زیادہ ہیں۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُومًا ۖ وَلَا ۙ (۲۱) وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَنْفُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۖ (۲۲) وَخَفْضَ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۖ (۲۳) رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۖ إِنَّ تَكُونُوا صَادِقِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلَّهِ وَأَبْنَيْهِ غَفُورًا ۖ (۲۴)

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، ورنہ تم قابلِ ملامت (اور) بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہو گے۔ ﴿۲۱﴾ اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو، بلکہ اُن سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو، ﴿۲۲﴾ اور اُن کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے اُن کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ، اور یہ دُعا کرو کہ: ”یا رَبِّ! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی اُن کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے۔“ ﴿۲۳﴾ تمہارا ربُّ خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے۔ اگر تم نیک بن جاؤ، تو وہ اُن لوگوں کی خطائیں بہت معاف کرتا ہے جو کثرت سے اُس کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾

(۱۲) آیت نمبر ۱۹ میں فرمایا گیا تھا کہ آخرت کی بھلائی حاصل کرنے کے لئے بندے کو ویسی ہی کوشش کرنی ہے جیسی کرنی چاہئے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی طرف اشارہ تھا۔ اب یہاں سے ایسے کچھ احکام کی تفصیل بیان فرمائی جا رہی ہے جس کو سب سے پہلے توحید کے حکم سے شروع کیا گیا ہے، کیونکہ اُس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اس کے بعد کچھ احکام حقوق العباد سے متعلق بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۳) مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو، اور مجموعی حیثیت سے نیکی کے کام کرنے کی کوشش کرتے ہو، پھر بشری تقاضوں سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے، اور تم اُس پر توبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رُجوع کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

وَابْتَغِ الْفَرْدَ حَقَّهُ وَالْيَسِيرَ وَالْأَسْبَلَ وَلَا تُبْذِرْ مِمَّا رَزَقْنَا ۖ إِنَّ  
 الْبَذْرَ رَيْنٌ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۚ ﴿٢٦﴾ وَإِنَّمَا  
 تُعْرَضُونَ عَنْهُمْ ابْتَغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۚ ﴿٢٧﴾  
 وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ  
 مَلُومًا مَّحْسُورًا ۚ ﴿٢٨﴾

اور رشتہ دار کو اُس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو (اُن کا حق)، اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں نہ  
 اُڑاؤ۔ ﴿۲۶﴾ یقین جانو کہ جو لوگ بے ہودہ کاموں میں مال اُڑاتے ہیں، وہ شیطان کے بھائی  
 ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے۔ ﴿۲۷﴾ اور اگر کبھی تمہیں ان (رشتہ داروں،  
 مسکینوں اور مسافروں) سے اس لئے منہ پھیرنا پڑے کہ تمہیں اللہ کی متوقع رحمت کا انتظار ہو تو ایسے  
 میں اُن کے ساتھ نرمی سے بات کر لیا کرو۔ ﴿۲۸﴾ اور نہ تو (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن  
 سے باندھ کر رکھو، اور نہ (ایسے فضول خرچ کہ) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو جس کے نتیجے میں تمہیں  
 قابلِ ملامت اور فلاح ہو کر بیٹھنا پڑے۔ ﴿۲۹﴾

(۱۳) قرآن کریم نے یہاں ”تبذیر“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ عام طور سے تبذیر اور اسراف دونوں کا ترجمہ  
 فضول خرچی سے کیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر جائز کام میں خرچ کیا جائے، لیکن ضرورت یا  
 اعتدال سے زیادہ خرچ کیا جائے تو وہ ”اسراف“ ہے۔ اور اگر مال کو ناجائز اور گناہ کے کام میں خرچ کیا جائے تو  
 وہ ”تبذیر“ ہے۔ اسی لئے یہاں ترجمہ ”بیہودہ کاموں میں مال اُڑانے“ سے کیا گیا ہے۔

(۱۵) یعنی کسی ضرورت مند کو کچھ دینے سے اس لئے انکار کرنے کی نوبت آجائے کہ اُس وقت تمہارے پاس  
 دینے کے لئے کچھ نہ ہو، لیکن تمہیں یہ توقع ہو کہ آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وسعت عطا فرمادیں گے تو ایسے  
 میں اُس ضرورت مند سے نرم الفاظ میں معذرت کر سکتے ہو۔

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۖ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا  
بَصِيرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۖ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الرِّزْقَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۝

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت عطا فرمادیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی پیدا کر دیتا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے، انہیں پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے، اور تمہیں بھی۔ یقین جانو کہ اُن کو قتل کرنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے۔ ﴿۳۲﴾ اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے، اُسے قتل نہ کرو، الا یہ کہ تمہیں (شرعاً) اس کا حق پہنچتا ہو۔ اور جو شخص مظلومانہ طور پر قتل ہو جائے تو ہم نے اُس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے۔ چنانچہ اس پر لازم ہے کہ وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ یقیناً وہ اس لائق ہے کہ اُس کی مدد کی جائے۔ ﴿۳۳﴾

(۱۶) مشرکین عرب بعض اوقات تو لڑکیوں کو اس لئے زندہ دفن کر دیتے تھے کہ اپنے گھر میں لڑکی کے وجود ہی کو وہ باعث شرم سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ اولاد کو اس لئے قتل کر دیتے تھے کہ اُن کو کھلانے سے مفلس ہو جانے کا احتمال تھا۔

(۱۷) کسی کو قتل کرنے کا حق صرف چند صورتوں میں پہنچتا ہے جن میں سے ایک اہم صورت کا ذکر اگلے جملے میں آ رہا ہے، اور وہ یہ کہ کسی شخص کو ظالمانہ طور پر قتل کر دیا گیا ہو تو اُس کے ولی یعنی وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بدلے میں عدالتی کارروائی کے بعد قاتل کو قتل کریں، یا کروائیں۔ اس بدلے کو ”قصاص“ کہا جاتا ہے۔

(۱۸) قاتل کو قصاص میں قتل کروانے کا حق تو اولیاء مقتول کو حاصل ہے، لیکن اس سے زیادہ کسی کارروائی کا

وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝۳۴ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزَنُوا بِالْقُسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝۳۵ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے حق میں) بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو، یقین جانو کہ عہد کے بارے میں (تمہاری) باز پرس ہونے والی ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور جب کسی کو کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو، اور تولنے کے لئے صحیح ترازو استعمال کرو۔ یہی طریقہ درست ہے، اور اسی کا انجام بہتر ہے۔ ﴿۳۵﴾ اور جس بات کا تمہیں یقین نہ ہو، (اُسے سچ سمجھ کر) اُس کے پیچھے مت پڑو۔<sup>(۲۰)</sup>

حق نہیں ہے۔ چنانچہ ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء کو کاٹنا قتل کرنے کے لئے کوئی زیادہ تکلیف دہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے تو اُسے قرآن کریم نے حد سے تجاوز قرار دیا ہے۔ (۱۹) یہ یتیم کے رشتہ داروں اور خاص طور پر اُس کے سرپرستوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ اگر یتیم کو اپنے مرحوم باپ سے میراث میں کوئی مال ملا ہو تو اُسے امانت سمجھو، اور اُس میں وہی تصرف تمہارے لئے جائز ہے جو یتیم کے حق میں فائدہ مند ہو، کوئی ایسا کام جائز نہیں جس میں اُس کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، مثلاً کسی کو قرض دے دینا، یا اُس کی طرف سے کسی کو تحفہ دے دینا۔ البتہ جب وہ پختگی کو پہنچ جائے، یعنی بالغ ہو کر اُسے اتنی سمجھ آ جائے کہ وہ اپنے نفع نقصان کو خود سمجھنے لگے تو اُس وقت اُس کا مال اُسی کے حوالے کر دینا واجب ہے۔ یہ مسئلہ قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ سورہ نساء (۲:۴) میں بیان فرمایا ہے۔

(۲۰) مثلاً جب تک کسی شخص کے بارے میں شرعی دلیل سے کوئی جرم یا گناہ ثابت نہ ہو جائے، اُس وقت تک صرف شبہ کی بنیاد پر نہ اُس کے خلاف سزا کی کارروائی جائز ہے، اور نہ دل میں یہ یقین کر لینا جائز ہے کہ واقعی اُس نے جرم یا گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جن باتوں کا نہ یقینی علم حاصل ہے، اور نہ ایسے علم پر دنیا اور آخرت کا کوئی کام موقوف ہے، بلاوجہ ایسی چیزوں کی تحقیق اور جستجو میں پڑنا بھی جائز نہیں ہے۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَشْسِ فِي  
 الْإِمْرَاضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ إِلَّا رُضًا وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ  
 كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ  
 وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴿٣٩﴾ أَفَأَصْفُكُمْ  
 رَبُّكُمُ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

یقین رکھو کہ کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں (تم سے) سوال ہوگا۔ ﴿۳۶﴾ اور زمین پر  
 اکڑ کر مت چلو۔ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو، اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو۔ ﴿۳۷﴾ یہ  
 سارے برے کام ایسے ہیں جو تمہارے پروردگار کو بالکل ناپسند ہیں۔ ﴿۳۸﴾ (اے پیغمبر!) یہ وہ  
 حکمت کی باتیں ہیں جو تمہارے پروردگار نے تم پر وحی کے ذریعے پہنچائی ہیں۔ اور (اے انسان!)  
 اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا، ورنہ تجھے ملامت کر کے، دھکے دے کر دوزخ میں پھینک دیا جائے  
 گا۔ ﴿۳۹﴾ بھلا کیا تمہارے رب نے تمہیں تو بیٹے دینے کے لئے جن لیا ہے، اور خود اپنے لئے  
 فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ بڑی سنگین بات کہہ رہے ہو۔ ﴿۴۰﴾

(۲۱) اگر شرعی دلیل کے بغیر کوئی شخص دوسرے کے بارے میں یقین کر کے بیٹھ جائے کہ اس نے فلاں گناہ کا  
 ارتکاب کیا ہے تو یہ دل کا گناہ ہے، اور اس سے آخرت میں باز پرس ہوگی۔

(۲۲) اکڑ کر چلنے کے لئے ایک تو کچھ لوگ زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر چلتے ہیں، دوسرے سینہ تان کر چلنے کی  
 کوشش کی جاتی ہے۔ پہلی صورت کے لئے کہا گیا ہے کہ پاؤں چاہے کتنے زور سے مارلو، تم زمین کو پھاڑ نہیں سکتے،  
 اور دوسری صورت کے لئے فرمایا گیا ہے کہ سینہ تان کر اپنا قد اونچا کرنے کی کتنی ہی کوشش کرلو، تمہاری لمبائی پہاڑوں  
 سے زیادہ نہیں ہو سکتی، اور اگر لمبا قد ہی فضیلت اور بڑائی کا معیار ہوتا تو پہاڑوں کو تم سے افضل ہونا چاہئے تھا۔

(۲۳) پیچھے کئی مرتبہ گزرا ہے کہ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، حالانکہ خود اپنے لئے  
 بیٹیوں کی پیدائش کو وہ بہت برا سمجھتے تھے، اور اپنے لئے ہمیشہ بیٹیوں کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں



وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا ۖ وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝ ﴿٣١﴾ قُلْ لَّوْكَانَ مَعَهُ  
 إِلَهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا لَا بُتَّعُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۝ ﴿٣٢﴾ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا  
 يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ ﴿٣٣﴾ تَسْبِيحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۖ وَإِنْ  
 مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا أَيْسَّرُ بِهِ حِمْدَهُ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝ ﴿٣٤﴾

اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے وضاحتیں کی ہیں، تاکہ لوگ ہوش میں آئیں، مگر یہ لوگ  
 ہیں کہ اس سے ان کے بدکنے ہی میں اور اضافہ ہو رہا ہے۔ ﴿۳۱﴾ کہہ دو کہ: ”اگر اللہ کے ساتھ  
 اور بھی خدا ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ عرش والے (حقیقی خدا) پر چڑھائی کرنے کے لئے  
 کوئی راستہ پیدا کر لیتے۔“ ﴿۳۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اُس کی ذات اُن  
 سے بالکل پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۳۳﴾ ساتوں آسمان اور زمین اور اُن کی ساری مخلوقات  
 اُس کی پاکی بیان کرتی ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح نہ کر رہی ہو،  
 لیکن تم لوگ اُن کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا بردبار، بہت معاف کرنے والا  
 ہے۔ ﴿۳۴﴾

کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ تمہارے خیال کے مطابق تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے دینے کے لئے جن لیا ہے، اور خود  
 بیٹیاں رکھی ہیں جو تمہارے خیال کے مطابق باپ کے لئے باعثِ عار ہوا کرتی ہیں۔

(۲۴) یہ توحید کے حق میں اور شرک کے خلاف ایک عام فہم دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا ایسی ذات ہی کو کہا جاسکتا  
 ہے جو ہر کام پر قدرت رکھتی ہو، اور کسی کے حکم کے تابع نہ ہو۔ اب اگر اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی  
 خدا ہوتے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے آزاد ہوتا، اور سب کی قدرت کامل ہوتی۔ چنانچہ یہ دوسرے خدا  
 مل کر عرش والے خدا پر چڑھائی بھی کر سکتے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو خدا پر چڑھائی کرنے کی قدرت نہیں ہے،  
 اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے محکوم ہیں تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوئے؟ ثابت ہو گیا کہ کائنات میں حقیقی خدا تو ایک ہی ہے،  
 اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(۲۵) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ساری چیزیں زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، کیونکہ ان میں

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِلَاخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۝ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۝ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَى أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَبْعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَبْعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَى إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا مَرْجُلًا مَّسْحُورًا ۝

اور (اے پیغمبر!) جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور اُن لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ایک اُن دیکھا پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ ﴿۴۵﴾ اور ہم ان کے دلوں پر ایسا غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ وہ اُسے سمجھتے نہیں، اور اُن کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب تم قرآن میں تنہا اپنے رب کا ذکر کرتے ہو تو یہ لوگ نفرت کے عالم میں پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ ہمیں خوب معلوم ہے کہ جب یہ لوگ تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں تو کس لئے سنتے ہیں، اور جب یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (تو ان باتوں کا بھی ہمیں پورا علم ہے) جب یہ ظالم (اپنی برادری کے مسلمانوں سے) یوں کہتے ہیں کہ: ”تم تو بس ایک ایسے آدمی کے پیچھے چل پڑے ہو جس پر جاؤ ہو گیا ہے۔“ ﴿۴۷﴾

سے ہر چیز ایسی ہے کہ اگر اس کی تخلیق پر غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے، نیز ہر چیز اُسی کے تابع فرمان ہے۔ اور یہ مطلب بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں حقیقی معنی میں تسبیح کرتی ہوں، اور ہم اُسے نہ سمجھتے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پیدا فرمائی ہے، اور یہ بات قرآن کریم کی کئی آیتوں کی روشنی میں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور آج کی سائنس نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پائی جاتی ہے۔

(۲۶) جو لوگ اپنی اصلاح اور آخرت کی فکر سے غافل ہو کر بس دُنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور حق کی کوئی طلب اُن کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ وہ حق کے مقابلے میں ضد اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں، وہ حق

لَمْ أَنْظَرْ كَيْفَ ضَرَبُوا الْكَالَ مِثَالًا فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ وَقَالُوا إِذَا  
 كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْ أَلْبَعُونَا نَحْنُ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ  
 حَدِيدًا ۝ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ  
 الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ ۖ قُلِ  
 عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ۝ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِنْ  
 لَّمْ نُثَبِّتْهُ إِلَّا قَلِيلًا ۝

دیکھو انہوں نے تم پر کیسی کیسی پھبتیاں چست کی ہیں۔ یہ راہ سے بھٹک چکے ہیں، چنانچہ یہ راستے پر نہیں  
 آسکتے۔ ﴿۴۸﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہمارا وجود ہڈیوں میں تبدیل ہو کر چورا چورا ہو جائے گا  
 تو بھلا کیا اُس وقت ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اُٹھایا جائے گا؟“ ﴿۴۹﴾ کہہ دو کہ: ”تم پتھر  
 یا لوہا بھی بن جاؤ“ ﴿۵۰﴾ یا کوئی اور ایسی مخلوق بن جاؤ جس کے بارے میں تم دل میں سوچتے ہو کہ  
 (اُس کا زندہ ہونا) اور بھی مشکل ہے، (پھر بھی تمہیں زندہ کر دیا جائے گا)“ اب وہ کہیں گے کہ:  
 ”کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟“ کہہ دو کہ: ”وہی زندہ کرے گا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا  
 تھا۔“ پھر وہ تمہارے سامنے سر ہلا کر کہیں گے کہ: ”ایسا کب ہوگا؟“ کہہ دینا کہ: ”کیا بعید ہے کہ  
 وہ وقت قریب ہی آگیا ہو۔“ ﴿۵۱﴾ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اُس کی حمد کرتے ہوئے اُس کے  
 حکم کی تعمیل کرو گے، اور یہ سمجھ رہے ہو گے کہ تم بس تھوڑی سی مدت (دُنیا میں) رہے تھے۔ ﴿۵۲﴾

کو سوچنے سمجھنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ اُن دیکھا پردہ ہے جو اُن کے اور پیغمبر کے درمیان حائل ہو جاتا  
 ہے، اور یہی وہ غفلت کا غلاف ہے جو اُن کے دلوں پر مسلط ہو جاتا ہے، اور اُن کے کانوں میں وہ گرائی پیدا  
 کر دیتا ہے جس کی بنا پر وہ حق بات سننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔  
 (۲۷) اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز کو پہلی بار عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ مِثْلَهُمْ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ  
 كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِنَّ يَسَائِرَ حَكْمِكُمْ أَوْ إِنْ يَسَاءُ  
 يُعَذِّبُكُمْ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ ۖ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَاتَّيَّسَدَ أَوْ ذَرَبُوا رَا ۖ قُلْ  
 ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿۵۵﴾

میرے (مؤمن) بندوں سے کہہ دو کہ وہی بات کہا کریں جو بہترین ہو۔ درحقیقت شیطان لوگوں  
 کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ شیطان یقینی طور پر انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ﴿۵۳﴾ تمہارا پروردگار  
 تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمادے، اور چاہے تو تمہیں عذاب دیدے، اور  
 (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان کی باتوں کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور تمہارا پروردگار  
 اُن سب کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اور ہم نے کچھ نبیوں کو دوسرے نبیوں  
 پر فضیلت دی ہے، اور ہم نے داود کو زبور عطا کی تھی۔ ﴿۵۵﴾ (جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے  
 معبودوں کو مانتے ہیں، اُن سے) کہہ دو کہ: ”جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں پکار کر  
 دیکھو۔ ہو گا یہ کہ نہ وہ تم سے کوئی تکلیف دُور کر سکیں گے، اور نہ اُسے تبدیل کر سکیں گے۔“ ﴿۵۶﴾

ایک مرتبہ پیدا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ جس خدا نے پہلی بار پیدا کرنے کا زیادہ  
 مشکل کام اپنی قدرت سے انجام دیا ہے، اُس کے بارے میں یہ ماننے میں کیا دشواری ہے کہ وہ دوبارہ بھی  
 پیدا کر سکتا ہے۔

(۲۸) اس آیت میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ جب ان کی کافروں کے ساتھ گفتگو ہو تو اُن کے ساتھ بھی  
 خوش اسلوبی کے ساتھ بات کیا کریں، کیونکہ غصے کے عالم میں سخت قسم کی باتوں سے فائدے کے بجائے نقصان  
 ہوتا ہے، اور ایسی باتیں شیطان اس لئے کہلواتا ہے کہ ان سے فساد پیدا ہو۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝۵۷ وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۝۵۸ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَاتَّبَعُوا شُودَ الثَّانِيَةِ مُبْصِرًا ۚ فَظَلَمُوا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ۝۵۹

جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ اُن میں سے کون اللہ کے زیادہ قریب ہو جائے، اور وہ اُس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں، اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً تمہارے رب کا عذاب ہے ہی ایسی چیز جس سے ڈرا جائے۔ ﴿۵۷﴾ اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم روزِ قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں، یا اُسے سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات (تقدیری) کتاب میں لکھی جا چکی ہے۔ ﴿۵۸﴾ اور ہم کو نشانیاں (یعنی کفار کے مانگے ہوئے معجزات) بھیجنے سے کسی اور چیز نے نہیں، بلکہ اس بات نے روکا ہے کہ پچھلے لوگ ایسی نشانیوں کو جھٹلا چکے ہیں۔ اور ہم نے قومِ شُود کو اُوٹنی دی تھی جو آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی، مگر انہوں نے اُس کے ساتھ ظلم کیا۔ اور ہم نشانیاں ڈرانے ہی کے لئے بھیجتے ہیں۔ ﴿۵۹﴾

(۲۹) اس سے مراد بت نہیں، بلکہ وہ فرشتے اور جنات ہیں جن کو مشرکین عرب خدائی کا درجہ دیا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خدا تو کیا ہوتے، خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اُس کے تقرب کے راستے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ (۳۰) یعنی اگر کافروں پر ابھی جلدی سے کوئی عذاب نہیں آ رہا ہے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیشہ کے لئے عذاب سے بچ گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یا تو ان پر کوئی سخت عذاب دُنیا ہی میں آ جائے گا، ورنہ قیامت سے پہلے پہلے سبھی کو ہلاک ہونا ہے، اور پھر آخرت میں ان کافروں کو دائمی عذاب ہو کر رہے گا۔

(۳۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود مشرکین آپ سے نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ یہ ان مطالبات کا جواب ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب

وَاذْكُنَّا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالْاِنْسِ ۝ وَمَا جَعَلْنَا الرُّعْيَا الَّتِي اَسْرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً  
لِّلْاِنْسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۝ وَنُخَوِّفُهُمْ ۝ فَمَا يَزِيدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝ ۶۰

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا تھا کہ تمہارا پروردگار (اپنے علم سے) تمام لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا ہے، اُس کو ہم نے (کافر) لوگوں کے لئے بس ایک فتنہ بنا دیا، نیز اُس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے۔ اور ہم تو ان کو ڈراتے رہتے ہیں، لیکن اس سے ان کی سخت سرکشی ہی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ﴿۶۰﴾

کافروں کو کوئی فرمائشی معجزہ دکھادیا جاتا ہے، اور وہ اُس کے باوجود ایمان نہیں لاتے، تو انہیں عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ قوم ثمود کے مطالبے پر پہاڑ سے اونٹنی نکال دی تھی، مگر وہ پھر بھی نہ مانے اس لئے عذاب کا شکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ مشرکین عرب بھی اپنا فرمائشی معجزہ دیکھنے کے باوجود اُسی طرح پیغمبر کو جھٹلاتے رہیں گے جس طرح پچھلی قوموں نے جھٹلایا تھا۔ چونکہ ابھی ان کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کو منظور نہیں ہے، اس لئے فرمائشی معجزات نہیں دکھائے جا رہے ہیں۔

(۳۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہ ہٹ دھرم لوگ کسی صورت میں ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ان کی ہٹ دھرمی کی آگے دو مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر جو نظارہ دکھایا، وہ آپ کے پیغمبر ہونے کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ کافروں نے آپ سے بیت المقدس کے بارے میں مختلف سوالات کئے، اور آپ نے سب کے ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیئے جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ واقعی آپ نے راتوں رات یہ سفر کیا ہے۔ لیکن اتنی کھلی ہوئی بات سامنے آ جانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ زقوم کا درخت دوزخیوں کی غذا ہوگی، اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ درخت جہنم ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ اس پر کافروں نے ایمان لانے کے بجائے مذاق اڑانا شروع کیا کہ بھلا آگ میں درخت کیسے پیدا ہو سکتا ہے، اور یہ نہ سوچا کہ جس ذات نے آگ پیدا کی ہے، اگر وہ اُسی آگ میں کوئی درخت بھی پیدا کر دے جس کی خاصیت عام درختوں سے مختلف ہو تو بھلا اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۳۳) یعنی اُس سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے یہ اور گمراہی میں پڑ گئے جس کی تفصیل اوپر کے حاشیہ میں گذری۔

وَاذُقْنَا لِلْمَلِكَةِ اسْجُدْ وَالْاَدَمَ فَسَجَدُوا اِلَّا ابْلِيْسَ ۚ قَالَ اَسْجُدْ لِمَنْ  
خَلَقْتُ طِينًا ۖ قَالَ اَسْأَيْتُكَ هَذَا اَلَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَكِنْ اَخَّرْتَنِي اِلَى يَوْمِ  
الْقِيَمَةِ لَا حَتَّيْكَ ذُرِّيَّتَكَ اِلَّا قَلِيلًا ۖ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ  
جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ۖ ۝ (۶۱) ۖ وَاسْتَفْزِرُ مِنْهُمْ صَوْتِكَ  
وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعَدُودِهِمْ ۚ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے نہیں کیا۔ اُس نے کہا کہ: ”کیا میں اُس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟“ ﴿۶۱﴾ کہنے لگا: ”بھلا بتاؤ یہ ہے وہ مخلوق جسے تو نے میرے مقابلے میں عزت بخشی ہے! اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو میں اس کی اولاد میں سے تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب کے جڑوں میں لگام ڈالوں گا۔“ ﴿۶۲﴾ اللہ نے کہا: ”جا پھر ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا تو جہنم ہی تم سب کی سزا ہوگی، مکمل اور بھرپور سزا۔“ ﴿۶۳﴾ اور ان میں سے جس جس پر تیرا بس چلے، انہیں اپنی آواز سے بہکا لے، اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کی فوج چڑھا لے، اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا حصہ لگا لے، اور اُن سے خوب وعدے کر لے۔

(۳۴) یعنی انہیں اس طرح اپنے قابو میں کر لوں گا جیسے گھوڑے وغیرہ کو جڑوں میں لگام دے کر قابو میں کیا جاتا ہے۔  
(۳۵) آواز سے بہکانے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کے دلوں میں گناہ کے دوسو سے پیدا کرے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد گانے بجانے کی آواز ہے جو انسان کو گناہ میں مبتلا کرتی ہے۔  
(۳۶) شیطان کو دشمن کی فوج سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح ایک فوج میں سواروں کے بھی دستے ہوتے ہیں، اور پیدل چلنے والے دستے بھی، اسی طرح شیطان اپنی ایک فوج رکھتا ہے جس میں شریر جنات اور انسان شامل ہیں۔ یہ سب مل کر انسانوں کو بہکانے میں شیطان کی مدد کرتے ہیں۔  
(۳۷) اس میں اشارہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مال و دولت اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف حاصل

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُرُورًا ۝ (۶۴) إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۖ<sup>ط</sup>  
وَكُفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝ (۶۵) رَبُّكُمْ الَّذِي يُزِيحُ لَكُمْ الْفَلَكَ فِي الْبَحْرِ لِيَتَّبِعُوا مِنْ  
فَضْلِهِ ۖ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ (۶۶) وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ  
إِلَّا إِلَٰهًا فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝ (۶۷) أَفَأَمِنْتُمْ  
أَنْ يَخْصِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۝ (۶۸)

اور (حقیقت یہ ہے کہ) شیطان اُن سے جو وعدہ بھی کرتا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ﴿۶۴﴾  
یقین رکھ کہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا، اور تیرا پروردگار (ان کی)  
رکھوالی کے لئے کافی ہے۔ ﴿۶۵﴾ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں  
لے چلتا ہے، تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کرو۔ یقیناً وہ تمہارے ساتھ بڑی رحمت کا معاملہ کرنے  
والا ہے۔ ﴿۶۶﴾

اور جب سمندر میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو جن (دیوتاؤں) کو تم پکارا کرتے ہو، وہ سب  
غائب ہو جاتے ہیں، بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے۔ پھر جب اللہ تمہیں بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو  
تم منہ موڑ لیتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ ﴿۶۷﴾ تو کیا تمہیں اس بات کا کوئی ڈر نہیں رہا  
کہ اللہ تمہیں خشکی ہی کے ایک حصے میں دھنسا دے، یا تم پر پتھر برسائے والی آندھی بھیج دے، اور  
پھر تمہیں اپنا کوئی رکھوالا نہ ملے؟ ﴿۶۸﴾

کرتایا انہیں ناجائز کاموں میں استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے مال اور اولاد میں شیطان  
کا حصہ لگالیا ہے۔

(۳۸) ”میرے بندوں“ سے مراد وہ مخلص بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی فکر رکھتے ہیں۔



أَمْ أَمْنُكُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ  
 فَيُغَرِّقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ۖ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۖ ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ  
 وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا  
 فِي تَفْضِيلًا ۖ ﴿٧٠﴾ يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِسْمِهِم ۖ فَمَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ  
 يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۖ ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ  
 أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۖ ﴿٧٢﴾

اور کیا تم اس بات سے بھی بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اُسی (سمندر) میں لے جائے، پھر تم پر  
 ہوا کا طوفان بھیج کر تمہاری ناشکری کی سزا میں تمہیں غرق کر ڈالے، پھر تمہیں کوئی نہ ملے جو اس  
 معاملے میں ہمارا پیچھا کر سکے؟ ﴿۶۹﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے،  
 اور انہیں خشکی اور سمندر دونوں میں سواریاں مہیا کی ہیں، اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا ہے، اور  
 اُن کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ ﴿۷۰﴾ اُس دن کو یاد رکھو جب ہم تمام انسانوں  
 کو اُن کے اعمال ناموں کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جنہیں اُن کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے  
 گا، تو وہ اپنے اعمال نامے کو پڑھیں گے، اور ان پر ریشہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۷۱﴾ اور جو شخص  
 دُنیا میں اندھا بنا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا، بلکہ راستے سے اور زیادہ بھٹکا ہوا رہے گا۔ ﴿۷۲﴾

(۳۹) یعنی اس معاملے میں نہ کوئی ہم سے کسی قسم کی باز پرس کر سکتا ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں کو کیوں ہلاک کیا،  
 اور نہ کوئی ہمارے فیصلے کو ٹالنے کے لئے ہمارا پیچھا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

(۴۰) یہاں اندھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ دُنیا میں حق کو دیکھنے سے محروم رہا، چنانچہ وہ آخرت میں بھی نجات  
 کا راستہ نہیں دیکھ سکے گا۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُوكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَةً وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَنْ شَبَّثْنَاكَ لَاقَدَكْتُكَ تَرَكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذَا لَدَقْتُكَ ضَعْفَ الْحَيَوةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبَثُونَ خَلْقَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

اور (اے پیغمبر!) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اُس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اُس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اُس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ ﴿٤٣﴾ اور اگر ہم نے تمہیں ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تم بھی اُن کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ ﴿٤٤﴾ اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہم تمہیں دُنیا میں بھی دُگنی سزا دیتے، اور مرنے کے بعد بھی دُگنی، پھر تمہیں ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ ملتا۔ ﴿٤٥﴾ اس کے علاوہ یہ لوگ اس فکر میں بھی ہیں کہ اس سرزمین (مکہ) سے تمہارے قدم اکھاڑیں، تاکہ تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ بھی تمہارے بعد زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ ﴿٤٦﴾

(۴۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں سے معصوم بنایا تھا، جس کی بنا پر آپ ہر موقع پر ثابت قدم رہے۔ اگرچہ آپ سے کافروں کی بات ماننے کا دُور دُور احتمال نہیں تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی فرضی نافرمانی کی صورت میں سزا کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمادی کہ کسی بھی شخص کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہونے کا اصل مدار اُس کے اعمال پر ہے، اور کوئی شخص کتنا ہی مقرب ہو، اگر گناہ کا ارتکاب کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا، بلکہ مقرب ہونے کی وجہ سے اُسے دُگنی سزا دی جائے گی۔

(۴۲) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد یہ کافر لوگ بھی مکہ مکرمہ میں زیادہ عرصہ نہیں رہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے آٹھ سال بعد مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، اور نویں سال تمام کافروں کو

عُ سُنَّةٌ مِّنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۖ ﴿٢١﴾ اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوْلِ الشَّسِيسِ اِلَى غَسَقِ الْاَيْلِ وَقُرْاَنَ الْفَجْرِ ۖ اِنَّ قُرْاَنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۖ ﴿٢٢﴾ وَمِنَ الْاَيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۖ

یہ ہمارا وہ طریق کار ہے جو ہم نے اپنے اُن پیغمبروں کے ساتھ اختیار کیا تھا جو ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے۔ اور تم ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ ﴿٢١﴾ (اے پیغمبر!) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو، اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔ یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔ ﴿٢٢﴾ اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لئے ایک اضافی عبادت ہے۔ ﴿٢٣﴾

یہاں سے نکل جانے کا حکم مل گیا جس کی تفصیل سورہ توبہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

(٢٣) سورج ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی چار نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور فجر کی نماز کا ذکر الگ سے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اُس وقت لوگوں کو نماز کے لئے اٹھنا پڑتا ہے جس میں دوسری نمازوں کے مقابلے میں زیادہ مشقت ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کو خاص اہمیت کے ساتھ الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔

(٢٤) اکثر مفسرین نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ صبح کی نماز میں جو تلاوت کی جاتی ہے، اُس میں فرشتوں کا مجمع حاضر ہوتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی نگرانی کے لئے جو فرشتے مقرر ہیں، وہ باری باری اپنے فرائض انجام دیتے ہیں، چنانچہ ایک جماعت فجر کے وقت آتی ہے جو سارے دن اپنے فرائض انجام دیتی ہے، اور دوسری جماعت شام کو عصر کے وقت آتی ہے۔ پہلی جماعت فجر کی نماز میں آکر شریک ہوتی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس سے نمازیوں کی حاضری مراد لی ہے۔ یعنی فجر کی نماز میں چونکہ نمازیوں کو حاضری کا موقع دینے کے لئے اُس نماز میں بسی تلاوت کرنی چاہئے۔

(٢٥) اضافی عبادت کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اضافی

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝٧٩ وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ  
وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝٨٠ وَقُلْ جَاءَ  
الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝٨١ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ  
شِفَاؤٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَلَا يَزِيْدُ الظَّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝٨٢

امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔ ﴿٧٩﴾ اور یہ دُعا کرو کہ: ”یا رَبِّ! مجھے جہاں داخل فرما اچھائی کے ساتھ داخل فرما، اور جہاں سے نکال اچھائی کے ساتھ نکال، اور مجھے خاص اپنے پاس سے ایسا اقتدار عطا فرما جس کے ساتھ (تیری) مدد ہو۔“ ﴿٨٠﴾ اور کہو کہ: ”حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا، اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔“ ﴿٨١﴾ اور ہم وہ قرآن نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت کا سامان ہے، البتہ ظالموں کے حصے میں اُس سے نقصان کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہوتا۔ ﴿٨٢﴾

طور پر فرض تھی، عام مسلمانوں کے لئے فرض نہیں تھی۔ اور بعض مفسرین نے اضافی عبادت کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نقلی عبادت ہے۔

(۴۶) مقام محمود کے لفظی معنی ہیں ”قابل تعریف مقام“ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ منصب ہے جس کے تحت آپ کو شفاعت کا حق دیا جائے گا۔

(۴۷) یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو اپنا مستقر قرار دینے کا حکم ہوا تھا۔ اُس وقت آپ کو یہ دُعا مانگنے کی تلقین فرمائی گئی تھی، اور اس میں داخل کرنے سے مدینہ منورہ میں داخل کرنا اور نکالنے سے مکہ مکرمہ سے نکالنا مراد ہے۔ لیکن الفاظ عام ہیں، اس لئے یہ دُعا ہر اُس موقع پر کی جاسکتی ہے جب کوئی شخص کسی نئی جگہ جانے کا یا نیا کام شروع کرنے کا ارادہ کر رہا ہو۔

(۴۸) اس آیت کریمہ میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ حق یعنی اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا اور حرم میں داخل ہو کر کعبہ میں بنے ہوئے بت گرائے تو اُس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہی آیات تھیں۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَالَ بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا ۝  
 نَحْنُ قُلُوبُ كُلِّ يُعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ ۖ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ۚ وَيَسْأَلُونَكَ  
 عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ وَلَئِنْ  
 سَأَلْتَهُمْ بِالنَّبِيِّ أَوْ حِينَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝

اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اور پہلو بدل لیتا ہے، اور اگر اُس کو کوئی  
 برائی چھو جائے تو مایوس ہو بیٹھتا ہے۔ ﴿۸۳﴾ کہہ دو کہ: ”ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے۔  
 اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح راستہ پر ہے۔“ ﴿۸۴﴾  
 اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ: ”رُوح میرے  
 پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے۔ اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے، وہ بس تھوڑا ہی سا علم ہے۔“ ﴿۸۵﴾  
 اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، وہ ساری واپس لے جائیں، پھر تم اُسے  
 واپس لانے کے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار بھی نہ پاؤ۔ ﴿۸۶﴾

(۳۹) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ یہودیوں  
 نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال کیا تھا کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے  
 جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اور جواب میں اتنی ہی بات بیان فرمائی گئی ہے جو انسان کی سمجھ میں  
 آسکتی ہے، اور وہ یہ کہ رُوح کی پیدائش براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے۔ انسان کے جسم اور  
 دوسری مخلوقات میں تو یہ بات مشاہدے میں آجاتی ہے کہ ان کی پیدائش میں کچھ ظاہری اسباب کا دخل ہوتا  
 ہے، مثلاً نر اور مادہ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن رُوح ایسی چیز ہے جس کی تخلیق کا کوئی عمل انسان  
 کے مشاہدے میں نہیں آتا۔ یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتی ہے۔ اس سے زیادہ رُوح کی  
 حقیقت کو سمجھنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ فرما دیا گیا ہے کہ تمہیں بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا  
 ہے، اور بہت سی چیزیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔

إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ﴿٨٧﴾ قُلْ لِّمَنِ اجْتَسَعَتِ  
 الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِبَشِيرٍ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِشَيْءٍ وَلَوْ كَانَ  
 بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ  
 فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تَقْجِرَ لَنَا مِنَ  
 الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۖ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَجِيلٍ ۖ وَغَيْبٌ فَتَقْجِرَ الْأَنْهَارَ  
 خِلَافَهَا تَقْجِيرًا ۖ ﴿٩٠﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا لِسُفَاوَاتِنَا ۖ وَتَأْتِي بِاللَّهِ  
 وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩١﴾

لیکن یہ تو تمہارے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے (کہ وحی کا سلسلہ جاری ہے) حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو فضل ہو رہا ہے، وہ بڑا عظیم ہے۔ ﴿۸۷﴾ کہہ دو کہ: ”اگر تمام انسان اور جنات اس کام پر اکٹھے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آئیں، تب بھی وہ اس جیسا نہیں لاسکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کر لیں۔“ ﴿۸۸﴾ اور ہم نے انسانوں کی بھلائی کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی حکمت کی باتیں طرح طرح سے بیان کی ہیں، پھر بھی اکثر لوگ انکار کے سوا کسی اور بات پر راضی نہیں ہیں۔ ﴿۸۹﴾ اور کہتے ہیں کہ: ”ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم زمین کو پھاڑ کر ہمارے لئے ایک چشمہ نہ نکال دو،“ ﴿۹۰﴾ یا پھر تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو جائے، اور تم اُس کے بیج بیج میں زمین کو پھاڑ کر نہریں جاری کر دو،“ ﴿۹۱﴾ یا جیسے تم دعوے کرتے ہو، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُسے ہم پر گرا دو، یا پھر اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے آمنے سامنے لے آؤ،“ ﴿۹۲﴾

أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ ذُخْرٍ أَوْ تَرُقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۖ وَلَن نُّؤْمِنَ بِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ يَخُتَّلِفَ تَنْزِيلُ عَلَيْنَا كِتَابًا ثَقَرًا ۖ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مَّرْسُولًا ﴿٩٣﴾ وَمَا مَعَهُ النَّاسُ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا مَّرْسُولًا ﴿٩٤﴾ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمشُونَ مُطْبِئِينَ لَنُزِّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا مَّرْسُولًا ﴿٩٥﴾

یا پھر تمہارے لئے ایک سونے کا گھر پیدا ہو جائے، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی اُس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر ایسی کتاب نازل نہ کرو جسے ہم پڑھ سکیں۔“ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”سبحان اللہ! میں تو ایک بشر ہوں جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔“ ﴿۹۳﴾ اور جب ان لوگوں کے پاس ہدایت کا پیغام آیا تو ان کو ایمان لانے سے اسی بات نے تور و کتاب کو کہہ دیا کہ وہ کہتے تھے: ”کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟“ ﴿۹۴﴾ کہہ دو کہ: ”اگر زمین میں فرشتے ہی اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو بیشک ہم آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر اُن پر اتار دیتے۔“ ﴿۹۵﴾

(۵۰) آیت ۸۹ سے ۹۲ تک مشرکین مکہ کے وہ مطالبات بیان فرمائے گئے ہیں جو وہ محض ضد کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے۔ آپ کے متعدد معجزات ان پر ظاہر ہو چکے تھے، لیکن وہ پھر بھی نت نئی فرمائشوں سے باز نہیں آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ساری فرمائشوں کا یہ مختصر جواب دینے کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ میں خدا نہیں ہوں کہ یہ سارے کام میرے اختیار میں ہوں۔ میں تو ایک انسان ہوں، البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت جو معجزات مجھے عطا فرمادیئے ہیں، اُن سے زیادہ اپنے اختیار سے میں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔

(۵۱) مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُسی جنس سے ہو جس کی طرف وہ بھیجا جا رہا ہے، تا کہ وہ ان کی فطری ضروریات کو سمجھ کر اور ان کی نفسیات سے واقف ہو کر ان کی رہنمائی کرے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ وَمَنْ يُّهْدِ اللَّهُ فَمَا لُتُفْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضِلَّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ ۖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِيَائًا وَبُكْمًا وَصُفًّا ۖ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ۖ إِنَّا نَسْبَعُوهُمْ نَحْنُ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ

کہہ دو کہ: ”اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کے لئے کافی ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہے۔“ ﴿۹۶﴾ اور جسے اللہ ہدایت دے، وہی صحیح راستے پر ہوتا ہے، اور جن لوگوں کو وہ گمراہی میں مبتلا کر دے، تو اُس کے سوا تمہیں اُن کے کوئی مددگار نہیں مل سکتے۔ اور ہم اُنہیں قیامت کے دن منہ کے بل اس طرح اکٹھا کریں گے کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب کبھی اُس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی، ہم اُسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ ﴿۹۷﴾ یہ اُن کی سزا ہے، کیونکہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ: ”کیا جب ہم (مر کر) ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گے، اور چوراچورا ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہمیں نئے سرے سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟“ ﴿۹۸﴾ بھلا کیا اُنہیں اتنی سی بات نہیں سوجھی کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی پھر سے پیدا کر دے؟ اور اُس نے ان کے لئے ایک ایسی میعاد مقرر کر رکھی ہے جس (کے آنے) میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔

علیہ وسلم کو انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کا انسان ہونا قابلِ اعتراض نہیں، بلکہ حکمت کے عین مطابق ہے۔ ہاں اگر دنیا میں فرشتے آباد ہوتے تو بیشک ان کے پاس فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔



فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُّوا ۖ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَسْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا  
لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَشُورًا ۖ ﴿١٠٠﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ  
آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَسَأَلَ بَنِي إِسْرَءِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ  
يُوسُفَىٰ مَسْحُورًا ۖ ﴿١٠١﴾

پھر بھی یہ ظالم انکار کے سوا کسی بات پر راضی نہیں۔ ﴿۹۹﴾ (اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہہ دو کہ: ”اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے کہیں تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے ضرور ہاتھ روک لیتے، اور انسان ہے ہی بڑا تنگ دل!“ ﴿۱۰۰﴾ اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دی تھیں۔ اب بنو اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ ان لوگوں کے پاس گئے تو فرعون نے اُن سے کہا کہ: ”اے موسیٰ! تمہارے بارے میں میرا تو خیال یہ ہے کہ کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔“ ﴿۱۰۱﴾

(۵۲) رحمت کے خزانوں سے یہاں مراد نبوت عطا کرنے کا اختیار ہے۔ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ یہ مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو کیوں نہیں دی گئی؟ گویا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ کسی کو نبوت ہماری مرضی سے دینی چاہئے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہے ہیں کہ اگر نبوت عطا کرنے کا اختیار تمہیں دے دیا جاتا تو تم اس میں اُسی طرح بخل سے کام لیتے جیسے دنیوی دولت کے معاملے میں بخل کرتے ہو کہ خرچ ہونے کے ڈر سے کسی کو نہیں دیتے۔

(۵۳) ایک صحیح حدیث میں ان نو نشانوں کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ نو احکام تھے۔ شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، کسی کو ناحق قتل نہ کرو، کسی پر جھوٹا الزام لگا کر اُسے قتل یا سزا کے لئے پیش نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاک دامن عورتوں پر بہتان نہ باندھو، اور جہاد میں پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَآئِرٍ ۚ وَإِنِّي  
لَأَظُنُّكَ يُفْرِعُونَ مَثْبُورًا ۖ ﴿١٠٢﴾ فَأَرَادَ أَنْ يَنْتَقِرَهُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ  
مَعَهُ جَمِيعًا ۖ ﴿١٠٣﴾ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَآءِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ  
وَعْدُ الْآخِرَةِ جُنَّا بِكُمْ لَقِيفًا ۖ ﴿١٠٤﴾ وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۖ وَمَا  
أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۖ ﴿١٠٥﴾ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ ۚ  
وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۖ ﴿١٠٦﴾ قُلِ الْمُؤْمِنِينَ أَوَّلًا ثُمَّ مَوْتُوا ۖ إِنَّ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ  
إِذَا يُثَلَّى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۖ ﴿١٠٧﴾

موسیٰ نے کہا: ”تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ ساری نشانیاں کسی اور نے نہیں، آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے بصیرت پیدا کرنے کے لئے نازل کی ہیں۔ اور اے فرعون! تمہارے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ تمہاری بربادی آنے والی ہے۔“ ﴿۱۰۲﴾ پھر فرعون نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ان سب (بنو اسرائیل) کو اس سرزمین سے اکھاڑ پھینکے، لیکن ہم نے اُسے اور جتنے لوگ اُس کے ساتھ تھے، اُن سب کو غرق کر دیا، ﴿۱۰۳﴾ اور اُس کے بعد بنو اسرائیل سے کہا کہ: ”تم زمین میں بسو، پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے حاضر کر دیں گے۔“ ﴿۱۰۴﴾ اور ہم نے اس قرآن کو حق ہی کے ساتھ نازل کیا ہے، اور حق ہی کے ساتھ یہ اُترا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں کسی اور کام کے لئے نہیں، بلکہ صرف اس لئے بھیجا ہے کہ تم (فرماں برداروں کو) خوشخبری دو، اور (نافرمانوں کو) خبردار کرو۔ ﴿۱۰۵﴾ اور ہم نے قرآن کے جدا جدا حصے بنائے، تاکہ تم اُسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھو، اور ہم نے اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے۔ ﴿۱۰۶﴾ (کافروں سے) کہہ دو کہ: ”چاہے تم اس پر ایمان لاؤ، یا نہ لاؤ، جب یہ (قرآن) اُن لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو وہ ٹھوڑیوں کے بل جبدے میں گر جاتے ہیں، ﴿۱۰۷﴾

وَيَقُولُونَ سُبْحَنَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۝ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ  
يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۝ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرِّحْمٰنَ ۖ أَيَّ مَآثِدُ عُوا  
فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ۖ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ  
سَبِيلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي  
الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِنَ الدُّلٰلِ وَكَبِّرُهُ تَكْبِيرًا ۝

اور کہتے ہیں: ”پاک ہے ہمارا پروردگار! بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ تو پورا ہی ہو کر رہتا ہے۔“ ﴿۱۰۸﴾ اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں، اور یہ (قرآن) اُن کے دلوں کی عاجزی کو اور بڑھادیتا ہے۔ ﴿۱۰۹﴾ کہہ دو کہ: ”چاہے تم اللہ کو پکارو، یا رحمن کو پکارو، جس نام سے بھی (اللہ کو) پکارو گے، (ایک ہی بات ہے) کیونکہ تمام بہترین نام اُسی کے ہیں۔“ اور تم اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے، بلکہ ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ اختیار کرو۔ ﴿۱۱۰﴾ اور کہو کہ: ”تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے نہ کوئی بیٹا بنایا، نہ اُس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، اور نہ اُسے عاجزی سے بچانے کے لئے کوئی حمایتی درکار ہے۔“ اور اُس کی ایسی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنے کا اُسے حق حاصل ہے۔ ﴿۱۱۱﴾

(۵۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تورات اور انجیل کا علم دیا گیا تھا۔ چونکہ ان کتابوں میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی گئی تھی، اس لئے ان کے مخلص لوگ قرآن کریم کو سن کر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آخر زمانے میں جس کتاب کے نازل کرنے اور جس پیغمبر کو بھیجے گا وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا ہو گیا۔

(۵۵) یہ سجدہ تلاوت کی آیت ہے۔ یہ آیت جب بھی عربی زبان میں پڑھی جائے، سجدہ کرنا واجب ہے۔ البتہ صرف ترجمہ پڑھنے سے یا دل میں زبان ہلائے بغیر پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

(۵۶) اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عرب کے مشرکین اللہ تعالیٰ کے نام ”رحمن“ کو نہیں مانتے تھے، چنانچہ جب

مسلمان ”یا اللہ! یا رحمن!“ کہہ کر کوئی دُعا کرتے تو وہ مذاق اڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ اللہ ایک ہے، اور دوسری طرف دو خداؤں کو پکار رہے ہو، ایک اللہ کو، اور ایک رحمن کو۔ اس آیت میں ان کے لغو اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور رحمن دونوں اللہ ہی کے نام ہیں، بلکہ اُس کے اور بھی اچھے اچھے نام ہیں جنہیں ”اسمائے حسنیٰ“ کہا جاتا ہے، ان میں سے کسی بھی نام سے اُس کو پکارا جاسکتا ہے۔ اس سے عقیدہ تو حید پر کوئی حرف نہیں آتا۔

(۵۷) نماز میں جب بلند آواز سے تلاوت کی جاتی تو مشرکین شور مچا کر مذاق اڑاتے اور اُس میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ بہت اونچی آواز سے تلاوت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں بھی معتدل آواز زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۵۸) بہت سے کافروں کا یہ خیال تھا کہ جس ذات کا نہ کوئی بیٹا ہو، اور نہ اُس کی سلطنت میں کوئی شریک ہو، وہ تو بڑی کمزور ذات ہوگی۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ اولاد اور مددگاروں کی حاجت اُس کو ہوتی ہے جو کمزور ہو، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی قوی ہے کہ اُسے کمزوری دُور کرنے کے لئے نہ کسی اولاد کی ضرورت ہے، نہ کسی مددگار کی حاجت۔

الحمد للہ! آج مؤرخہ ۱۷ اگست ۲۰۰۶ء مطابق ۲۳ شعبان ۱۴۲۷ھ بروز ہفتہ سورہ بنی اسرائیل کا ترجمہ اور تفسیری حواشی اسلام آباد سے کراچی جاتے ہوئے پی آئی اے کے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اور اس پوری سورت کا ترجمہ و تشریح کرغیزستان، برطانیہ، البانیہ اور اسلام آباد کے سفروں کے دوران لکھا گیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ،

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّنَا الْکَرِیْمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم



# سُورَةُ الْكَافِ

## تعارف

حافظ ابن جریر طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس سورت کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے دو آدمی مدینہ منورہ کے یہودی علماء کے پاس یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجے کہ تورات اور انجیل کے یہ علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہودی علماء نے ان سے کہا کہ آپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کیجئے۔ اگر وہ ان کا صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا نبوت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ اُن نوجوانوں کا وہ عجیب واقعہ بیان کریں جو کسی زمانے میں شرک سے بچنے کے لئے اپنے شہر سے نکل کر کسی غار میں چھپ گئے تھے۔ دوسرے اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔ تیسرے اُن سے پوچھیں کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں شخص مکہ مکرمہ واپس آئے، اور اپنی برادری کے لوگوں کو ساتھ لے کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین سوال پوچھے۔ تیسرے سوال کا جواب تو پچھلی سورت (۸۵:۱۷) میں آچکا ہے۔ اور پہلے دو سوالات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں غار میں چھپنے والے نوجوانوں کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے، انہی کو ”اصحابِ کہف“ کہا جاتا ہے۔ ”کہف“ عربی میں ”غار“ کو کہتے ہیں، ”اصحابِ کہف“ کے معنی ہوئے: ”غار والے“ اور اسی غار کے نام پر سورت کو سورۃ الکہف کہا جاتا ہے۔ دوسرے سوال کے جواب میں سورت کے آخر میں ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔

اس کے علاوہ اسی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے جس میں وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تھے، اور کچھ عرصہ ان کی معیت میں سفر کیا تھا۔ یہ تین واقعات تو اس سورت کا مرکزی موضوع ہیں۔ ان کے علاوہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا کا بیٹا قرار دے رکھا تھا، اس سورت میں بطور خاص اُس کی تردید بھی ہے، اور حق کا انکار کرنے والوں کو وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، اور حق کے ماننے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔

سورہ کہف کی تلاوت کے کئی فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ خاص طور پر جمعہ کے دن اُس کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور اسی لئے بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن اس کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔



ایاتھا ۱۱۰ سُورَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ۲۹ رُكُوعَاتُهَا ۱۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنذِرَ  
بِأَسَاسِيْدٍ اٰمِنٍ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ اَنَّ  
لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَا كَثِيْرٌ فِيْهِ اَبَدًا ۝ وَيُنذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اتَّخَذَ اللَّهُ  
وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۝ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ  
اِنَّ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ باخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا  
الْحَدِيْثِ اَسْفًا ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں  
رکھی، ﴿۱﴾ ایک سیدھی سیدھی کتاب جو اُس نے اس لئے نازل کی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ایک  
سخت عذاب سے آگاہ کرے، اور جو مومن نیک عمل کرتے ہیں اُن کو خوشخبری دے کہ اُن کو بہترین اجر  
ملنے والا ہے، ﴿۲﴾ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ﴿۳﴾ اور تاکہ اُن لوگوں کو متنبہ کرے جو یہ  
کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنا رکھا ہے۔ ﴿۴﴾ اس بات کا کوئی علمی ثبوت نہ خود اُن کے پاس ہے، نہ  
اُن کے باپ دادوں کے پاس تھا۔ بڑی سنگین بات ہے جو اُن کے منہ سے نکل رہی ہے۔ جو کچھ وہ کہہ  
رہے ہیں، وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ ﴿۵﴾ اب (اے پیغمبر!) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر  
ایمان نہ لائیں، تو ایسا لگتا ہے جیسے تم افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے! ﴿۶﴾

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَآ النَّبُوتُ هُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُثًا ۝

یقین جانو کہ روئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں، ہم نے انہیں زمین کی سجاوٹ کا ذریعہ اس لئے بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ اُن میں کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔ ﴿۷﴾ اور یہ بھی یقین رکھو کہ روئے زمین پر جو کچھ ہے، ایک دن ہم اُسے ایک سپاٹ میدان بنادیں گے۔ ﴿۸﴾

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے کفر اور معاندانہ طرز عمل سے سخت صدمہ ہوتا تھا، ان آیات میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ دُنیا تو لوگوں کے امتحان کے لئے بنائی گئی ہے، تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کون ہے جو دُنیا کی سجاوٹ میں محو ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اور کون ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق استعمال کر کے اپنے لئے آخرت کا ذخیرہ بناتا ہے۔ اور جب یہ امتحان گاہ ہے تو اس میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو امتحان میں کامیاب ہوں گے، اور وہ بھی جو ناکام ہوں گے۔ لہذا اگر یہ لوگ کفر و شرک کا ارتکاب کر کے امتحان میں ناکام ہو رہے ہیں تو اس میں نہ کوئی تعجب کی بات ہے، اور نہ اس پر آپ کو اتنا افسوس کرنا چاہئے کہ آپ اپنی جان کو گھلا بیٹھیں۔

(۲) یعنی جتنی چیزوں سے یہ زمین بھی ہوئی اور بارونق نظر آتی ہے، ایک دن وہ سب فنا ہو جائیں گی، نہ کوئی عمارت باقی رہے گی، نہ پہاڑ اور درخت، بلکہ وہ ایک چٹیل اور سپاٹ میدان میں تبدیل ہو جائے گی۔ اُس وقت یہ حقیقت واضح ہوگی کہ دُنیا کی ظاہری خوبصورتی بڑی ناپائیدار تھی۔ اور یہی وہ وقت ہوگا جب آپ کے ساتھ ضد اور دشمنی کا معاملہ کرنے والے اپنے برے انجام کو پہنچیں گے۔ لہذا اگر ان لوگوں کو دُنیا میں ڈھیل دی جا رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں بد عملی کے باوجود آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ لہذا نہ آپ کو زیادہ رنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے، اور نہ ان کے انجام پر فکر مند ہونے کی۔ آپ کا کام تبلیغ ہے، بس اُسی میں اپنے آپ کو مصروف رکھئے۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ ۖ كَانُوا مِنْ آلِ تِنَاعِجًا ۖ إِذْ أَوْى  
 الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا  
 رَشَدًا ۖ ۱۰ فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۖ ۱۱ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ  
 ۱۲ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى لِسَالِيَتَهُمَا ۖ أَمَدًا ۖ ۱۳ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۖ  
 إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۖ ۱۴

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ غار اور رقیم والے لوگ<sup>(۳)</sup> ہماری نشانیوں میں سے کچھ (زیادہ) عجیب چیز  
 تھے؟ ﴿۹﴾ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تھی، اور (اللہ تعالیٰ سے  
 دُعا کرتے ہوئے) کہا تھا کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم پر خاص اپنے پاس سے رحمت نازل  
 فرمائیے، اور ہماری اس صورتِ حال میں ہمارے لئے بھلائی کا راستہ مہیا فرمادیجئے۔“ ﴿۱۰﴾  
 چنانچہ ہم نے اُن کے کانوں کو تھکی دے کر کئی سال تک اُن کو غار میں سلائے رکھا۔ ﴿۱۱﴾ پھر ہم نے  
 اُن کو جگایا، تاکہ یہ دیکھیں کہ ان کے دو گروہوں میں سے کونسا گروہ اپنے سوئے رہنے کی مدت کا  
 زیادہ صحیح شمار کرتا ہے۔ ﴿۱۲﴾  
 ہم تمہارے سامنے اُن کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر  
 ایمان لائے تھے، اور ہم نے اُن کو ہدایت میں خوب ترقی دی تھی، ﴿۱۳﴾

(۳) ان حضرات کے واقعے کا خلاصہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ یہ کچھ نوجوان تھے جو ایک مشرک  
 بادشاہ کے عہدِ حکومت میں توحید کے قائل تھے۔ بادشاہ نے ان کو توحید پر ایمان رکھنے کی بنا پر پریشان کیا تو یہ  
 حضرات شہر سے نکل کر ایک غار میں چھپ گئے تھے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر گہری نیند طاری فرمادی، اور یہ تین  
 سو ۳۰ سال تک اُسی غار میں پڑے سوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیند کے دوران اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کی  
 زندگی کو بھی سلامت رکھا، اور اُن کے جسم بھی گلنے سڑنے سے محفوظ رہے۔ تین سو نو سال بعد ان کی آنکھ کھلی تو  
 انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی لمبی مدت تک سوتے رہے ہیں۔ لہذا ان کو بھوک محسوس ہوئی تو اپنے میں سے ایک  
 صاحب کو کچھ کھانا خرید کر لانے کے لئے شہر بھیجا، اور یہ ہدایت کی کہ احتیاط کے ساتھ شہر میں جائیں، تاکہ ظالم  
 بادشاہ کو پتہ نہ چل سکے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس تین سو سال کے عرصے میں وہ ظالم بادشاہ مرکب گیا تھا،

اور ایک نیک اور صحیح العقیدہ شخص بادشاہ بن چکا تھا۔ یہ صاحب جب شہر میں پہنچے تو کھانا خریدنے کے لئے وہی پرانا سکہ پیش کیا جو تین سو سال پہلے اس ملک میں چلا کرتا تھا، دکان دار نے وہ پرانا سکہ دیکھا تو اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ یہ حضرات صدیوں تک سوتے رہے تھے۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو اُس نے ان لوگوں کو بڑی عزت اور اکرام کے ساتھ اپنے پاس بلایا، اور بالآخر جب ان حضرات کی وفات ہوئی تو ان کی یادگار میں ایک مسجد تعمیر کی۔ عیسائیوں کے یہاں یہ واقعہ ”سات سونے والوں“ (Seven Sleepers) کے نام سے مشہور ہے۔ معروف مؤرخ ایڈورڈ گکین نے اپنی مشہور کتاب ”زوال و سقوط سلطنت روم“ میں بیان کیا ہے کہ وہ ظالم بادشاہ ڈوسیس تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروں پر ظلم ڈھانے میں بہت مشہور ہے۔ اور یہ واقعہ ترکی کے شہر افسس میں پیش آیا تھا۔ جس بادشاہ کے زمانے میں یہ حضرات بیدار ہوئے، گکین کے بیان کے مطابق وہ تھیوڈوسیس تھا۔ مسلمان مؤرخین اور مفسرین نے بھی اس سے ملتی جلتی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، اور ظالم بادشاہ کا نام دقیا نوس ذکر کیا ہے۔ ہمارے دور کے بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ اُردُن کے شہر عمان کے قریب پیش آیا تھا جہاں ایک غار میں کچھ لاشیں اب تک موجود ہیں۔ یہ تحقیق میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ”جہان دیدہ“ میں بیان کر دی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی اتنی مستند نہیں ہے کہ اُس پر بھروسہ کیا جاسکے۔ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کسی واقعے کی اتنی ہی تفصیل بیان فرماتا ہے جو فائدہ مند ہو۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ان حضرات کو ”اصحاب الکھف“ (غار والے) کہنے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ انہوں نے غار میں پناہ لی تھی۔ لیکن ان کو ”رقیم والے“ کیوں کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں مفسرین کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ”رقیم“ اس غار کے نیچے والی وادی کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ”رقیم“ تختی پر لکھے ہوئے کتبے کو کہتے ہیں، اور ان حضرات کے انتقال کے بعد ان کے نام ایک تختی پر کتبے کی صورت میں لکھوا دیئے گئے تھے، اس لئے ان کو ”اصحاب الرقیم“ بھی کہا جاتا ہے۔ تیسرے بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اُس پہاڑ کا نام ہے جس پر وہ غار واقع تھا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۴) جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نوجوانوں کے بارے میں سوال کیا تھا، انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ان کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ اس آیت میں اُنہی کے حوالے سے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے پیش نظر یہ واقعہ کوئی بہت عجیب نہیں ہے، کیونکہ اُس کی قدرت کے کرشمے تو بیشمار ہیں۔

(۵) کانوں پر پھینکی دینا عربی کا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گہری نیند طاری کر دی۔ وجہ یہ ہے کہ نیند کے شروع میں کان آوازیں سنتے رہتے ہیں، اور ان کا سننا اُسی وقت بند ہوتا ہے جب نیند گہری ہوگئی ہو۔

(۶) آگے آ رہا ہے کہ جب یہ لوگ بیدار ہوئے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔ اُسی کی طرف اشارہ ہے۔

وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَبْدَعُوا  
 مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ۝ هُوَ الَّذِي تَخُذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهَةً  
 لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝ وَإِذْ  
 اعْتَرَضْنَاهُمْ وَمَا يَحْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوَّا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرُ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ  
 وَيُهَيِّئُ لَكُمْ مِنْ أَمْرٍ مَرْفُوقًا ۝

اور ہم نے اُن کے دل خوب مضبوط کر دیئے تھے۔<sup>(۷)</sup> یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب وہ اُٹھے، اور انہوں نے کہا کہ: ”ہمارا پروردگار وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہم اُس کے سوا کسی کو معبود بنا کر ہرگز نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم یقیناً انتہائی لغوبات کہیں گے۔ ﴿۱۴﴾ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اُس پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنائے ہیں۔ (اگر ان کا عقیدہ صحیح ہے تو) وہ اپنے معبودوں کے ثبوت میں کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتے؟ بھلا اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ ﴿۱۵﴾ اور (ساتھیو!) جب تم نے ان لوگوں سے بھی علیحدگی اختیار کر لی ہے، اور اُن سے بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، تو چلو اب تم اُس غار میں پناہ لے لو، تمہارا پروردگار تمہارے لئے اپنا دامنِ رحمت پھیلا دے گا، اور تمہارے کام میں آسانی کے اسباب مہیا فرمائے گا۔“ ﴿۱۶﴾

(۷) ابنِ کثیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کو ان کے عقیدے کا پتہ لگا تو اُس نے انہیں اپنے دربار میں طلب کر لیا، اور ان سے ان کے عقیدے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بڑی بے باکی سے توحید کا عقیدہ بیان کیا جس کا آگے ذکر آ رہا ہے۔ دل کی اسی مضبوطی کا حوالہ اس آیت میں دیا گیا ہے۔

(۸) یعنی جب تم نے دینِ حق اختیار کر لیا ہے، اور تمہارے شہر کے لوگ تمہارے مخالف ہو گئے ہیں، تو اب اس دین کے مطابق عبادت کرنے کی یہی صورت ہے کہ شہر سے باہر پہاڑ پر جو غار ہے، اس میں جا بیٹھو کہ کسی کو تمہارا پتہ نہ چلے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَرُورًا عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ  
تَقَرَّبُهُمْ ذَاتَ الشَّمَالِ وَهُمْ فِيْ فُجُوعٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِّنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ مَنْ يُّهْدِ اللّٰهُ  
فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُضِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۙ وَتَحْسَبُهُمْ اَنۡقَاظًا ۚ  
وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقِلَهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشَّمَالِ ۚ وَكَلْبُهُمْ بِاَسْطٍ ذِراَعِيْهِ  
بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اَظْلَعَتْ عَلَيْهِمْ لَوِئِيَّتٌ مِّنْهُمْ فَرَأٰ اَوَّلَ لُبَّتْ مِّنْهُمْ رُّعْبًا ۙ

اور (وہ غار ایسا تھا کہ) تم سورج کو نکلتے وقت دیکھتے تو وہ اُن کے غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا، اور جب غروب ہوتا تو اُن سے بائیں طرف کتر کر چلا جاتا، اور وہ اُس غار کے ایک کشادہ حصے میں (سوئے ہوئے) تھے۔ یہ سب کچھ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔<sup>(۹)</sup> جسے اللہ ہدایت دیدے، وہی ہدایت پاتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے، اُس کا تمہیں ہرگز کوئی مددگار نہیں مل سکتا جو اُسے راستے پر لائے۔ ﴿۱۷﴾ تم انہیں (دیکھ کر) یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ اور ہم اُن کو دائیں اور بائیں کروٹ دلاتے رہتے تھے، اور اُن کا کتابلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا۔ اگر تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، اور تمہارے اندر اُن کی دہشت سما جاتی۔ ﴿۱۸﴾

(۹) اس غار کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس میں دُھوپ نہیں آتی تھی۔ طلوع آفتاب کے وقت سورج اس کی دائیں جانب ہٹ کر نکل جاتا تھا، اور غروب کے وقت بائیں جانب۔ اور اس طرح یہ لوگ دُھوپ کی تپش سے محفوظ بھی رہے، اور اس سے ان کے جسم اور کپڑے بھی خراب نہیں ہوئے، اور دُھوپ کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے گرمی کے فوائد بھی حاصل ہوتے رہے۔

(۱۰) یعنی ان لوگوں کا اس غار میں پناہ لینا، اتنے لمبے عرصے تک سوتے رہنا اور دُھوپ سے محفوظ رہنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانی تھی۔

(۱۱) یعنی سونے والے پر نیند کی جو علامتیں دیکھنے والوں کو نظر آتی ہیں، وہ ان میں نظر نہیں آتی تھیں، اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لیٹے ہوئے جاگ رہے ہیں۔

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۖ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا  
يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالُوا سَرَبُكُمْ أَغْلَمَ بِمَا لَبِثْتُمْ ۖ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ  
هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا  
يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۖ ۱۹ ۖ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي  
مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ۖ ۲۰ ۖ

تصف القرآن باعتبار عدد الحروف بأن ألفاً بعد الباء من النصف الأول واللام الثانية من النصف الأخير ۱۲

اور (جیسے ہم نے انہیں سلایا تھا) اسی طرح ہم نے انہیں اٹھادیا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”تم اس حالت میں کتنی دیر رہے ہو گے؟“ کچھ لوگوں نے کہا: ”ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم (نیند میں) رہے ہوں گے۔“ دوسروں نے کہا: ”تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر اس حالت میں رہے ہو۔ اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، وہ جا کر دیکھ بھال کرے کہ اس کے کونسے علاقے میں زیادہ پاکیزہ کھانا (مل سکتا) ہے، پھر تمہارے پاس وہاں سے کچھ کھانے کو لے آئے، اور اُسے چاہئے کہ ہوشیاری سے کام کرے، اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ ﴿۱۹﴾ کیونکہ اگر ان (شہر کے) لوگوں کو تمہاری خبر مل گئی تو یہ تمہیں پتھراؤ کر کے ہلاک کر ڈالیں گے، یا تمہیں اپنے دین میں واپس آنے کے لئے مجبور کریں گے، اور ایسا ہوا تو تمہیں کبھی فلاح نہیں مل سکے گی۔“ ﴿۲۰﴾

(۱۲) پاکیزہ کھانے سے مراد بظاہر حلال کھانا ہے۔ ان حضرات کو فکر یہ تھی کہ بت پرستوں کے شہر میں حلال کھانا ملنا آسان نہیں۔ اس لئے جانے والے کو یہ تاکید کی کہ وہ ایسی جگہ سے کھانا لائے جہاں حلال کھانا میسر ہو۔ نیز چونکہ ان کے خیال میں ابھی تک اُسی بت پرست بادشاہ کی حکومت تھی، اس لئے انہیں دوسری فکر یہ تھی

وَكَذٰلِكَ اَعْتَرٰنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا ؕ اِذِیْتَنَّا رَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنَیَآئًا ۚ سَرَّیْنَاهُمْ اَعْلَمَ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ عَلَبُوْا عَلٰی اَمْرِہُمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْہِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱

اور یوں ہم نے اُن کی خبر لوگوں تک پہنچادی، تاکہ وہ یقین سے جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، نیز یہ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، اُس میں کوئی شک نہیں۔ (پھر وہ وقت بھی آیا) جب لوگ ان کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے، چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنا دو۔ ان کا رُب ہی ان کے معاملے کو بہتر جانتا ہے۔ (آخر کار) جن لوگوں کو ان کے معاملات پر غلبہ حاصل تھا، انہوں نے کہا کہ: ”ہم تو ان کے اوپر ایک مسجد ضرور بنائیں گے۔“ ﴿۲۱﴾

کہ کہیں کسی کو ان کے غار میں چھپنے کا پتہ نہ لگ جائے۔ اس لئے جانے والے کو دوسری تاکید یہ کی کہ ہوشیاری سے جا کر کھانا لائے۔

(۱۳) جب وہ صاحب، جن کا نام بعض روایتوں میں ”تملیح“ بتایا گیا ہے، کھانا لینے کے لئے شہر پہنچے، اور دکان دار کو وہ سکہ پیش کیا جو تین سو سال پرانا تھا، اور اُس پر پرانے بادشاہ کی علامتیں تھیں تو دکان دار بڑا حیران ہوا، اور ان کو لے کر اُس وقت کے بادشاہ کے پاس پہنچا۔ یہ بادشاہ نیک تھا، اور اس نے یہ قصہ سن رکھا تھا کہ کچھ نوجوان دقیانوس کے ظلم سے تنگ آ کر کہیں غائب ہو گئے تھے۔ اس نے معاملے کی مزید تحقیق کی تو پتہ چل گیا کہ یہ وہی نوجوان ہیں۔ اس پر بادشاہ نے ان کا خوب اکرام کیا، لیکن یہ حضرات دوبارہ اُسی غار میں چلے گئے، اور وہیں پر اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی۔

(۱۴) ان اصحابِ کھف کا اتنی لمبی مدت تک سوتے رہنا اور پھر زندہ جاگ اُٹھنا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی واضح



دلیل تھی، اور اس واقعے کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی اس نتیجے تک پہنچ سکتا تھا کہ جو ذات اتنے عرصے تک سونے کے بعد ان نوجوانوں کو زندہ اٹھا سکتی ہے، یقیناً وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔ بعض روایات میں ہے کہ اُس وقت کا بادشاہ تو قیامت اور آخرت پر ایمان رکھتا تھا، لیکن کچھ لوگ آخرت کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کر رہے تھے، اور بادشاہ نے یہ دُعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی ایسا واقعہ دکھا دے جس سے آخرت پر ان کا ایمان مضبوط ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت ان نوجوانوں کو جگا کر اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھا دیا۔

(۱۵) جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا، یہ حضرات جاگنے کے بعد جلد ہی اُسی غار میں وفات پا گئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ سامنے آیا کہ جن نوجوانوں کو کبھی اس شہر میں اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے، اب اُسی شہر میں اُن کی ایسی عزت ہوئی کہ لوگ اُن کی یادگار میں کوئی عمارت بنانے کی فکر میں پڑ گئے۔ اور آخر کار جن لوگوں کو اقتدار حاصل تھا، انہوں نے یہ طے کیا کہ جس غار میں ان کی وفات ہوئی ہے، اس پر ایک مسجد بنادیں۔ واضح رہے کہ عمان کے پاس جو غار دریافت ہوا ہے، اس میں کھدائی کرنے سے غار کے اوپر بنی ہوئی ایک مسجد بھی برآمد ہوئی ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ اُن کی وفات کی جگہ پر مسجد بنانے کی یہ تجویز اس زمانے کے اصحاب اقتدار نے دی تھی، قرآن کریم نے اس تجویز کی تائید نہیں فرمائی۔ لہذا اس آیت سے مقبرے بنانے یا قبروں کو عبادت گاہ میں تبدیل کرنے کا کوئی جواز نہیں نکلتا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث میں اس عمل سے منع فرمایا ہے۔

(۱۶) روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ان حضرات کی یادگار تعمیر کرنے کی تجویز آئی تو لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ ان کے صحیح صحیح نام اور ان کا نسب اور مذہب وغیرہ بھی اس یادگار پر لکھا جائے، لیکن چونکہ کسی کو ان کے پورے حالات معلوم نہیں تھے، اس لئے پھر لوگوں نے کہا کہ ان کے ٹھیک ٹھیک حالات تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن ہم ان کے نسب وغیرہ کی تحقیق میں پڑے بغیر ہی ان کی یادگار بنادیتے ہیں۔

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَاجِعًا  
بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَأَيْتُ أُعْلِمُ بِعَذَابِهِمْ مَا  
يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ  
أَحَدًا ۚ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۚ (۲۱) إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ

کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے، اور چوتھا اُن کا کتا تھا، اور کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے، اور چھٹا  
اُن کا کتا تھا۔ یہ سب اٹکل کے تیر چلانے کی باتیں ہیں۔ اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات تھے، اور  
آٹھواں اُن کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ: ”میرا رب ہی ان کی صحیح تعداد کو جانتا ہے۔ تھوڑے سے لوگوں کے  
سوا کسی کو ان کا پورا علم نہیں۔“ لہذا ان کے بارے میں سرسری گفتگو سے آگے بڑھ کر کوئی بحث نہ کرو،  
اور نہ ان کے بارے میں کسی سے پوچھ گچھ کرو۔ ﴿۲۲﴾ اور (اے پیغمبر!) کسی بھی کام کے بارے  
میں کبھی یہ نہ کہو کہ میں یہ کام کل کر لوں گا، ﴿۲۳﴾ ہاں (یہ کہو کہ) اللہ چاہے گا تو (کر لوں گا)۔<sup>(۱۸)</sup>

(۱۷) اس آیت نے یہ مستقل سبق دے دیا ہے کہ جس معاملے پر انسان کا کوئی عملی مسئلہ موقوف نہ ہو، اُس کے  
بارے میں خواہ مخواہ بحثیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اصحاب کھف کے واقعے میں اصل سبق لینے کی بات یہ ہے کہ انہوں  
نے کس طرح ناموافق حالات میں حق پر ثابت قدم رہنے کا مظاہرہ کیا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی مدد  
فرمائی۔ رہا یہ کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی؟ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر بحث کا بازار گرم کیا جائے۔ لہذا اس میں  
اُجھنے کے بجائے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کوئی اس معاملے میں بحث کرنا بھی چاہے تو اُسے سرسری گفتگو کر کے  
نال دو، اور اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

(۱۸) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کھف اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، اُس  
وقت آپ نے سوال کرنے والوں سے ایک طرح کا وعدہ کر لیا تھا کہ میں اس سوال کا جواب کل دوں گا۔ اُس  
وقت آپ ”إِنْ شَاءَ اللَّهُ“ کہنا بھول گئے تھے، اور آپ کو یہ اُمید تھی کہ کل تک وحی کے ذریعے آپ کو ان واقعات  
سے باخبر کر دیا جائے گا۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ مستقل ہدایت عطا فرمائی کہ کسی  
بھی مسلمان کو آئندہ کے بارے میں کوئی بات ”إِنْ شَاءَ اللَّهُ“ کہے بغیر نہیں کہنی چاہئے۔ بعض روایات سے معلوم

وَإِذْ كُنَّا رَبَّكَ إِذَا أَنْسَيْتَ وَقُلْ عَسَى أَنْ يَهْدِيَنَا رَبِّي لِقُرْبٍ مِنْ هَذَا  
رَشْدًا ۝ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۝ قُلِ اللَّهُ  
أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۚ لَهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَبْصِرْ بِهِ وَلَا يُمْسِكُهُ ۚ مَا لَهُمْ مِنْ  
دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝

اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کر لو، اور کہو: ”مجھے اُمید ہے کہ میرا رب کسی ایسی بات کی  
طرف میری رہنمائی کر دے جو ہدایت میں اس سے بھی زیادہ قریب ہو“ (۱۹) ﴿۲۳﴾ اور وہ  
(اصحابِ کھف) اپنے غار میں تین سو سال اور مزید نو سال (سوتے) رہے۔ ﴿۲۵﴾ (اگر کوئی اس  
میں بحث کرے تو) کہہ دو کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت (سوتے) رہے۔ آسمانوں اور  
زمین کے سارے بھید اُسی کے علم میں ہیں۔ وہ کتنا دیکھنے والا، اور کتنا سننے والا ہے! اُس کے سوا ان کا  
کوئی رکھوالا نہیں ہے، اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ ﴿۲۶﴾

ہوتا ہے کہ اس معاملے میں چونکہ آپ نے ”إِنْ شَاءَ اللَّهُ“ نہیں فرمایا تھا، اس لئے اگلے روز وحی نہیں آئی، بلکہ کئی  
روز کے بعد وحی آئی، اور اُس میں یہ ہدایت بھی دی گئی۔

(۱۹) اصحابِ کھف کا واقعہ سوال کرنے والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کے طور پر پوچھا  
تھا۔ اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے اور بھی دلائل عطا فرمائے ہیں جو اصحابِ کھف  
کا واقعہ سننے سے بھی زیادہ واضح ہیں۔

(۲۰) اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کھف کے بارے میں یہ بتلادیا کہ وہ غار میں تین سو نو سال تک سوتے رہے،  
لیکن آگے پھر وہی بات ارشاد فرمائی کہ محض قیاسات کی بنیاد پر اس بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اور  
اگر کوئی اس مدت سے اختلاف کرے تو یہ کہہ کر بحث کا دروازہ بند کر دو کہ اللہ تعالیٰ ہی اس مدت کو خوب جانتا  
ہے۔ اُس نے جو مدت بتادی ہے، وہی درست ہے۔

وَأَثْلَ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝۲۷ وَأَصِدْ رَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشيِّ يَريُدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطْعَمَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝۲۸

الغافل

اور (اے پیغمبر!) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے وحی کے ذریعے جو کتاب بھیجی گئی ہے، اُسے پڑھ کر سنا دو۔ کوئی نہیں ہے جو اُس کی باتوں کو بدل سکے، اور اُسے چھوڑ کر تمہیں ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں مل سکتی۔ ﴿۲۷﴾ اور اپنے آپ کو استقامت سے اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔ اور تمہاری آنکھیں دنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔ اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔ ﴿۲۸﴾

(۲۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب درحقیقت ان کافروں کو سنانے کے لئے ہے جو آپ سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ آپ اس قرآن میں ہماری خواہش اور عقیدے کے مطابق تبدیلیاں کر لیں تو ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ پیچھے سورہ یونس (۱۰:۱۵) میں گزر چکا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ میسر نہیں آسکتی۔

(۲۲) بعض کفار کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ جو غریب اور کم حیثیت لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہیں، اگر آپ انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم آپ کی بات سننے کو تیار ہوں گے، موجودہ حالت میں ہم ان غریبوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ کی کوئی بات نہیں سن سکتے۔ یہ آیت اس مطالبے کو رد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دے رہی ہے کہ آپ اس مطالبے کو نہ مانیں، اور اپنے غریب صحابہ کی رفاقت نہ چھوڑیں۔ اور اس ضمن میں ان غریب صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کے مقابلے میں ان مال دار کافروں کی برائی بیان فرمائی گئی ہے۔ یہی مضمون سورہ انعام (۵۲:۶) میں بھی گزر چکا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا  
 لِلظَّالِمِينَ نَارًا ۚ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ  
 يَشْوِي الْوُجُوهُ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۚ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۖ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا  
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۖ ﴿٤٠﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ  
 عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ  
 ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُندُسٍ ۖ وَاسْتَبْرَقٌ مُتَّكِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ ۖ نِعْمَ  
 ۚ ﴿٤١﴾ الثَّوَابُ ۖ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۖ ﴿٤٢﴾

اور کہہ دو کہ: ”حق تو تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے۔ اب جو چاہے، ایمان لے آئے، اور جو  
 چاہے کفر اختیار کرے۔“ (۲۳) ہم نے بیشک (ایسے) ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی  
 قاتیں ان کو گھیرے میں لے لیں گی، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کا جواب ایسے پانی سے  
 دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا، (اور) چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ کیسا بدترین پانی، اور کیسی  
 بری آرام گاہ! ﴿۲۹﴾ البتہ جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کئے، تو یقیناً ہم ایسے لوگوں  
 کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جو اچھی طرح عمل کریں۔ ﴿۳۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہمیشہ  
 رہنے والے باغات ہیں، اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ اُن کو وہاں سونے کے کنگنوں سے  
 مزین کیا جائے گا، وہ اونچی مسندوں پر تکیہ لگائے ہوئے باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنے  
 ہوں گے۔ کتنا بہترین اجر، اور کیسی حسین آرام گاہ! ﴿۳۱﴾

(۲۳) یعنی حق کے واضح ہو جانے کے بعد دنیا میں کسی کو ایمان لانے پر زبردستی مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جو شخص  
 ایمان نہیں لائے گا، اُس کو آخرت میں بیشک ایک خوفناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وَأَصْرَبُ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا  
بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۝ (٣٢) كُلَّتَا الْجَنَّتَيْنِ اتَتْهُمَا وَلَهُمْ تُنْظِمُ مِنْهُ شَيْئًا  
وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا ۝ (٣٣) وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ  
مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝ (٣٤)

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے سامنے اُن دو آدمیوں کی مثال پیش کرو جن میں سے ایک کو ہم نے  
انگوروں کے دو باغ دے رکھے تھے، اور ان کو کھجور کے درختوں سے گھیرا ہوا تھا، اور ان دونوں باغوں  
کے درمیان کھیتی لگائی ہوئی تھی۔ ﴿٣١﴾ دونوں باغ پورا پورا پھل دیتے تھے، اور کوئی باغ پھل  
دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا تھا، اور ان دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کر دی  
تھی، ﴿٣٣﴾ اور اس شخص کو خوب دولت حاصل ہوئی تو وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے  
کہنے لگا کہ: ”میرا مال بھی تم سے زیادہ ہے، اور میرا جتنہ بھی تم سے زیادہ مضبوط ہے۔“ ﴿٣٤﴾

(٢٢) آیت نمبر ٢٨ میں کافر سرداروں کے اس تکبر کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ غریب  
مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ ایک ایسا واقعہ بیان فرما رہے ہیں جس سے یہ  
واضح ہو جاتا ہے کہ مال و دولت کی زیادتی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کوئی شخص اترائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے  
ساتھ رشتہ مضبوط نہ ہو تو بڑے بڑے مال دار لوگ انجام کار ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ  
صحیح ہو تو غریب لوگ ان سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔ جن دو آدمیوں کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے، ان کی کوئی  
تفصیل کسی مستند مرفوع روایت میں موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے کچھ روایتوں کی بنیاد پر یہ کہا ہے کہ یہ  
بنی اسرائیل میں سے تھے، اور انہیں اپنے باپ سے وراثت میں بڑی دولت ہاتھ آئی تھی۔ ان میں سے ایک نے  
کافر ہو کر اسی دولت سے دل لگالیا، اور دوسرے نے اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا، اور اس کی  
وجہ سے اُس کی دولت پہلے شخص کے مقابلے میں گنتی میں کم رہ گئی۔ لیکن آخر کار کافر شخص کی دولت پر آفت آگئی،  
اور اُسے حسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۚ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۖ وَمَا  
 أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۚ وَلَئِن رُّدِّدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝  
 قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ  
 ثُمَّ سَوَّكَ رَجُلًا ۝ لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَوْلَا إِذْ  
 دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِن تَرِنَا أَقْلَ مِنْكَ مَالًا  
 وَلَدًا ۝ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُّوتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ  
 السَّمَاءِ فَتُصْبِحُ صَعِيدًا زَلَقًا ۝

اور وہ اپنی جان پرستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا: ”میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی بھی  
 تباہ ہوگا، ﴿۳۵﴾ اور میرا خیال یہ ہے کہ قیامت کبھی نہیں آئے گی۔ اور اگر کبھی مجھے اپنے رب کے  
 پاس واپس بھیجا بھی گیا، تب بھی مجھے یقین ہے کہ مجھے اس سے بھی اچھی جگہ ملے گی۔“ ﴿۳۶﴾ اُس  
 کے ساتھی نے اُس سے باتیں کرتے ہوئے کہا: ”کیا تم اُس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کر رہے ہو  
 جس نے تمہیں مٹی سے، اور پھر نطفے سے پیدا کیا، پھر تمہیں ایک بھلا چنگا انسان بنا دیا؟“ ﴿۳۷﴾  
 جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار  
 کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتا۔ ﴿۳۸﴾ اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے، اُس وقت تم  
 نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ! (جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر  
 کسی میں کوئی طاقت نہیں)۔ اگر تمہیں یہ نظر آ رہا ہے کہ میری دولت اور اولاد تم سے کم ہے، ﴿۳۹﴾  
 تو میرے رب سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ مجھے تمہارے باغ سے بہتر چیز عطا فرمادے، اور تمہارے  
 اس باغ پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے، جس سے وہ چکنے میدان میں تبدیل ہو کر رہ جائے۔ ﴿۴۰﴾

أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهُمَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۝۴۱ وَأُحِيطَ بِشَرِّهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ  
 كَفِّهِ عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ  
 بِرَبِّي أَحَدًا ۝۴۲ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِتْنَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۝۴۳  
 هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۖ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۝۴۴ وَأَضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا  
 الْحَيَاةَ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ  
 هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيحُ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵

یا اُس کا پانی زمین میں اتر جائے، پھر تم اُسے تلاش بھی نہ کر سکو۔“ ﴿۴۱﴾ اور (پھر ہوا یہ کہ) اُس کی  
 ساری دولت عذاب کے گھیرے میں آگئی، اور صبح ہوئی تو اس حالت میں کہ اُس نے باغ پر جو کچھ  
 خرچ کیا تھا، وہ اُس پر ہاتھ ملتا رہ گیا، جبکہ اُس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گر ا پڑا تھا، اور وہ کہہ رہا تھا:  
 ”کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا ہوتا۔“ ﴿۴۲﴾ اور اُسے کوئی ایسا جتھہ  
 میسر نہ آیا جو اللہ کو چھوڑ کر اُس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ اپنا دفاع کر سکے۔ ﴿۴۳﴾  
 ایسے موقع پر (آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ) مدد کا سارا اختیار سچے اللہ کو حاصل ہے۔ وہی ہے جو بہتر ثواب  
 دیتا اور بہتر انجام دکھاتا ہے۔ ﴿۴۴﴾ اور ان لوگوں سے دُنیوی زندگی کی یہ مثال بھی بیان کر دو کہ  
 وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، تو اُس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہو گیا، پھر وہ ایسا  
 ریزہ ریزہ ہوا کہ اُسے ہوائیں اڑا لے جاتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۴۵﴾

(۲۵) جس طرح یہ سبزہ ناپائیدار ہے کہ شروع میں اُس کی خوب بہار نظر آتی ہے، لیکن آخر کار وہ چورا چورا ہو کر  
 ہوا میں بکھر جاتا ہے، اُسی طرح دُنیوی زندگی بھی شروع میں بڑی خوبصورت اور بارونق معلوم ہوتی ہے، لیکن  
 انجام کار وہ فنا ہو جانے والی ہے۔



اَلْبَالُ وَالْبُؤْسُ زِينَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبَقِيَّتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ  
ثَوَابًا وَخَيْرًا مَّلَا ۝۳۶ وَيَوْمَ نُسِيْدُ الْجِبَالَ وَتَرٰى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ  
تُعَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝۳۷ وَعَرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لِّتَقْدِرُوْا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ  
اَوَّلَ مَرَّةٍۭۤ نَّبَلْ زَعَمْتُمْ اَلَنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝۳۸

مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں، اور جو نیکیاں پائیدار رہنے والی ہیں، وہ تمہارے رب کے  
نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں، اور اُمید وابستہ کرنے کے لئے بھی بہتر۔ ﴿۳۶﴾ اور  
(اُس دن کا دھیان رکھو) جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے، اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ کھلی پڑی  
ہے، اور ہم ان سب کو گھیر کر اکٹھا کر دیں گے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں  
گے۔ ﴿۳۷﴾ اور سب کو تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیا جائے گا۔ آخر تم ہمارے  
پاس اُسی طرح آگئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اس کے برعکس تمہارا دعویٰ یہ تھا کہ  
ہم تمہارے لئے (یہ) مقرر وقت کبھی نہیں لائیں گے۔ ﴿۳۸﴾

(۲۶) دُنیا کے مال و اسباب سے اُمیدیں لگا کر بیٹھو تو ایک وقت وہ دھوکا دے جاتے ہیں، لیکن نیک اعمال جو اللہ  
تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کئے جائیں، اُن سے ثواب کی جو اُمیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، وہ پوری ہوتی ہیں۔  
(۲۷) قرآن کریم کی آیات کو سامنے رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے موقع پر پہاڑوں کو پہلے اپنی جگہ سے  
ہٹا کر چلایا جائے گا، پھر ان کو کوٹ پیس کر غبار کی طرح ہوا میں اُڑا دیا جائے گا۔ چلانے کا ذکر اس جگہ کے علاوہ  
سورہ نمل (۸۸: ۲۷) اور سورہ تکویر (۸۱: ۳) میں بھی آیا ہے، اور انہیں کوٹ پیس کر غبار میں تبدیل کر دینے کا  
ذکر سورہ طہ (۲۰: ۱۰۵)، سورہ واقعہ (۵۶: ۵-۶) اور سورہ مرسلات (۷۷: ۱۰) میں موجود ہے۔

(۲۸) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو چیزیں زمین کے اندر پوشیدہ ہیں، وہ سامنے آجائیں گی جیسا کہ سورہ  
انشقاق (۸۴: ۴) میں بیان فرمایا گیا ہے، اور یہ مطلب بھی ہے کہ پہاڑوں، درختوں اور عمارتوں کے فنا  
ہو جانے کے بعد زمین حد نظر تک سپاٹ نظر آئے گی جس میں کوئی نشیب و فراز نہیں ہوگا، جیسا کہ سورہ طہ  
(۲۰: ۱۰۷-۱۰۸) میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَيْلَنَا  
 مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَجَدُوا  
 مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۖ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝۱۸ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ  
 فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۖ  
 أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۖ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ  
 بَدَلًا ۝۱۹ مَا أَشْهَدُ لَهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ ۖ

اور (اعمال کی) کتاب سامنے رکھ دی جائے گی، چنانچہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اُس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ: ”ہائے ہماری بربادی ایہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا احاطہ نہ کر لیا ہو۔“ اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔ ﴿۳۹﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: ”آدم کے آگے سجدہ کرو۔“ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے۔ وہ جنات میں سے تھا، چنانچہ اُس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم میرے بجائے اُسے اور اُس کی ذریت کو اپنا رکھو الا بناتے ہو، حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں؟ (اللہ تعالیٰ کا) کتنا برا متبادل ہے جو ظالموں کو ملا ہے! ﴿۵۰﴾ میں نے نہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت اُن کو حاضر کیا تھا، نہ خود اُن کو پیدا کرتے وقت، ﴿۳۱﴾

(۲۹) تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ بقرہ (۲: ۳۱ تا ۳۶) اور ان آیات کے حواشی۔

(۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ کے بدلے ان ظالموں نے کتنا برا رکھو الا چنا ہے۔

(۳۱) یعنی جن شیاطین کو ان کافروں نے اپنا سرپرست بنا رکھا ہے، ان کو میں نے تخلیق کائنات کا منظر دکھانے کے لئے یا ان سے مدد لینے کے لئے نہیں بلایا تھا کہ وہ تخلیق کے اسرار سے واقف ہوتے۔ لیکن کافروں نے یہ سمجھ

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصَدًا ۝۵۱ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ۝۵۲ وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴ وَمَا مَنَعُ النَّاسَ أَنْ يُلَاقُوا أَدْجَاءَهُمُ الْهُدَى وَيَسْتَغْفِرُوا أَرْبَابَهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵

اور میں ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو بناؤں۔ ﴿۵۱﴾ اور اُس دن کا دھیان کرو جب اللہ (ان مشرکوں سے) کہے گا کہ: ”ذرا پکارو اُن کو جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا تھا!“ چنانچہ وہ پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے، اور ہم اُن کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کر دیں گے۔ ﴿۵۲﴾ اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ انہیں اسی میں گرنا ہے، اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔ ﴿۵۳﴾ اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کے مضامین بیان کئے ہیں، اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو اب انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے سے اس (مطالبے) کے سوا کوئی اور چیز نہیں روک رہی کہ اُن کے ساتھ بھی پچھلے لوگوں جیسے واقعات پیش آجائیں، یا عذاب ان کے بالکل سامنے آکھڑا ہو۔ ﴿۵۵﴾<sup>(۳۲)</sup>

رکھا ہے کہ یہ شیاطین تمام حقائق کو جانتے ہیں، چنانچہ ان کے بہکائے میں آکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو یا جن کو وہ کہیں، خدائی کا شریک قرار دیتے ہیں۔

(۳۲) یعنی ان لوگوں پر ساری جہتیں تو تمام ہو چکیں۔ اب ان کے پاس اپنے کفر پر اس کے سوا کوئی دلیل باقی

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا  
 بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آلِيئَهُ وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ  
 أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَلِئْسَ مَا قَدَّمَتْ يَدَا ۖ إِنَّا جَعَلْنَا  
 عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى  
 فَلَنْ يَهْتَدُوا إِلَّا ذَا آبَدًا ﴿٥٧﴾

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ (مؤمنوں کو) خوشخبری دیں، اور (کافروں کو عذاب سے) متنبہ کریں۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے ہیں، تاکہ اُس کے ذلیعے حق کو ڈگمگادیں، اور انہوں نے میری آیتوں کو اور انہیں جو تنبیہ کی گئی تھی، اُس کو مذاق بنارکھا ہے۔ ﴿٥٦﴾ اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اُس کے رب کی آیتوں کے حوالے سے نصیحت کی جائے، تو وہ اُن سے منہ موڑ لے، اور اپنے ہاتھوں کے کرتوت کو بھلا بیٹھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے (ان لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے) اُن کے دلوں پر غلاف چڑھا دیئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس (قرآن) کو نہیں سمجھتے، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے۔ اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ، تب بھی وہ صحیح راستے پر ہرگز نہیں آئیں گے۔ ﴿٥٧﴾

نہیں رہی کہ یہ پیغمبر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جیسا عذاب پچھلی اُمتوں پر آیا تھا، اگر ہم باطل پر ہیں تو ویسا ہی عذاب ہم پر لا کر دکھاؤ۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ پیغمبروں کا کام اپنے اختیار سے عذاب نازل کرنا نہیں ہوتا۔ وہ تو لوگوں کو عذاب سے متنبہ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانوں پر فوراً عذاب نہیں بھیجتا، بلکہ اپنی رحمت کی وجہ سے انہیں مہلت دیتا ہے، تاکہ اس مہلت کے دوران جن کو ایمان لانا ہو، وہ ایمان لے آئیں۔ البتہ اُس کی طرف سے نافرمانوں کو عذاب دینے کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو کوئی اس عذاب کو ٹلا نہیں سکے گا۔

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبُوا الْعَجَل لَهُمُ الْعَذَابُ ۖ بَلْ لَّهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْعِدًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ۝۵۹ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَتْلِهِ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝۶۰

اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا رحمت والا ہے۔ جو کمائی انہوں نے کی ہے، اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا تو ان کو جلد ہی عذاب دے دیتا، لیکن ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لئے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔ ﴿۵۸﴾ یہ ساری بستیاں (تمہارے سامنے) ہیں، جب انہوں نے ظلم کی روش اپنائی تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، اور ان کی ہلاکت کے لئے (بھی) ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا۔ ﴿۵۹﴾ اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ: ”میں اُس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلتا رہوں گا۔“ ﴿۶۰﴾

(۳۳) یہاں سے آیت نمبر ۸۲ تک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بیان فرمایا ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کی تفصیل ایک طویل حدیث میں بیان فرمائی ہے جو صحیح بخاری میں کئی سندوں سے منقول ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اس وقت رُوعِ زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ چونکہ ہر پیغمبر اپنے وقت میں دین کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہی فرمادیا کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ہدایت دی گئی کہ اس سوال کا صحیح جواب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم کون ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم کے کچھ ایسے گوشوں سے روشناس کرائیں جو ان کی واقفیت کے دائرے سے باہر تھے۔ چنانچہ انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جائیں۔ ان کو پتہ یہ بتایا گیا کہ جہاں دو دریا ملتے ہیں، وہاں تک سفر کریں، اور اپنے ساتھ ایک مچھلی لے جائیں۔ ایک موقع ایسا آئے گا کہ وہ مچھلی گم

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۖ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَبَاغْدَآءَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۚ

چنانچہ جب وہ ان کے سنگھم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنالیا۔ ﴿۶۱﴾ پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: ”ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔“ ﴿۶۲﴾

ہو جائے گی۔ بس اُسی جگہ انہیں حضرت خضر علیہ السلام مل جائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نوجوان شاگرد حضرت یوشع علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس سفر پر روانہ ہوئے، جو بعد میں خود پیغمبر بننے والے تھے۔ آگے کا واقعہ خود قرآن کریم میں آرہا ہے۔ البتہ یہاں اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو یہ سفر کرایا گیا، اُس کا ایک مقصد تو یہ ادب سکھانا تھا کہ اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم کہنا کسی کو بھی زیب نہیں دیتا۔ علم تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے، اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کونسا علم کس کے پاس زیادہ ہے۔ اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود آنکھوں سے اس بات کی ایک جھلک دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور علم سے اس کائنات کا نظام کس طرح چلا رہا ہے۔ اس کائنات میں بہت سے ایسے واقعات روزمرہ انسان کے سامنے آتے رہتے ہیں جن کا مقصد اس کی سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ کوئی واقعہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی حکمت کے بغیر نہیں ہوتا۔ انسان کی نظر چونکہ محدود ہے، اس لئے وہ اس حکمت کو بسا اوقات نہیں سمجھتا، لیکن جس قادر مطلق کے ہاتھ میں پوری کائنات کی باگ ڈور ہے، وہی جانتا ہے کہ کس وقت کیا واقعہ پیش آنا چاہئے۔ اس بات کی مزید وضاحت ان شاء اللہ اسی واقعے کے آخر میں آئے گی (دیکھئے ذیل میں حاشیہ نمبر ۴۱)۔

(۳۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک چٹان پر پہنچ کر کچھ دیر کے لئے سو گئے تھے۔ اسی دوران وہ مچھلی جو ایک زنبیل میں تھی، وہاں سے کھسک کر دریا میں جا گری، اور جس جگہ گری، وہاں پانی میں سرنگ سی بن گئی جس میں جا کر مچھلی غائب ہوگئی۔ حضرت یوشع علیہ السلام اُس وقت جاگ رہے تھے، اور انہوں نے یہ عجیب واقعہ دیکھا، مگر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، اس لئے ان کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ بعد میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگ کر آگے روانہ ہوئے تو حضرت یوشع علیہ السلام اُن کو یہ بات بتانا بھول گئے۔ اور یاد اُس وقت آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے چل کر ناشتہ مانگا۔

قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْخُوتَ وَمَا أُنْسِينِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا اتَّبِعَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝

اُس نے کہا: ”بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہو گیا) جب ہم اُس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔ اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو۔ اور اُس (مچھلی) نے تو بڑے عجیب طریقے پر دریا میں اپنی راہ لے لی تھی۔“ ﴿٦٣﴾  
 موسیٰ نے کہا: ”اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی۔“ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ ﴿٦٤﴾ تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا، اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔ ﴿٦٥﴾ موسیٰ نے اُن سے کہا: ”کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اُس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟“ ﴿٦٦﴾

(۳۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہی علامت بتائی گئی تھی کہ جس جگہ مچھلی گم ہوگی، وہیں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگی۔ اس لئے حضرت یوشع علیہ السلام نے تو ڈرتے ڈرتے یہ واقعہ ذکر کیا تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسے سن کر خوش ہوئے کہ منزل مقصود کا پتہ لگ گیا۔

(۳۶) صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس چٹان کے پاس واپس پہنچے تو وہاں وہ چادر اوڑھے ہوئے لیٹے نظر آئے۔ اور ان کو جس خصوصی علم کے سکھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے مراد کنوینیات کا علم ہے جس کی تشریح اس واقعے کے آخر میں آرہی ہے۔

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝  
 قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۝ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا  
 تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۝ حَتَّىٰ إِذَا سَارَكِبَا فِي  
 السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۝ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۝ قَالَ أَلَمْ  
 أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝

انہوں نے کہا: ”مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔“ ﴿۶۷﴾ اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟“ ﴿۶۸﴾ موسیٰ نے کہا: ”اِنْ شَاءَ اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔“ ﴿۶۹﴾ انہوں نے کہا: ”اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں۔“ ﴿۷۰﴾ چنانچہ دونوں روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اُن صاحب نے کشتی میں چھید کر دیا۔ موسیٰ بولے: ”ارے کیا آپ نے اس میں چھید کر دیا تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟ یہ تو آپ نے بڑا خوفناک کام کیا۔“ ﴿۷۱﴾ انہوں نے کہا: ”کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے؟“ ﴿۷۲﴾

(۳۷) صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا علم دیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، (یعنی تکوینیات کا علم) اور آپ کو ایک ایسا علم دیا ہے جو میرے پاس نہیں (یعنی شریعت کا علم)۔

(۳۸) صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر اس میں سوراخ کر دیا تھا۔



قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۖ ۴۶ ۚ فَانْطَلَقَا ۖ حَتَّىٰ  
 إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۖ قَالَ أَقْتَلْتُمْ نَفْسًا رَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۖ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا  
 فَكْرًا ۖ ۴۷ ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ ۴۸ ۚ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ  
 عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَٰذَا فَلَا تُصَحِّبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۖ ۴۹ ۚ فَانْطَلَقَا ۖ حَتَّىٰ  
 إِذَا آتَىَٰا أَهْلَ قَرْيَةٍ ۖ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا  
 يُرِيدُ أَنْ يَمْنُصَّ ۖ فَأَقَامَهُ ۖ ۵۰ ۚ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَمَخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ ۵۱ ۚ

موسیٰ نے کہا: ”مجھ سے جو بھول ہو گئی، اس پر میری گرفت نہ کیجئے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے۔“ ﴿۷۳﴾ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ اُن کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو اُن صاحب نے اُسے قتل کر ڈالا۔<sup>(۳۹)</sup> موسیٰ بول اُٹھے: ”ارے کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ہلاک کر دیا، جبکہ اُس نے کسی کی جان نہیں لی تھی جس کا بدلہ اُس سے لیا جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی بُرا کام کیا!“ ﴿۷۴﴾ اُنہوں نے کہا: ”کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے؟“ ﴿۷۵﴾ موسیٰ بولے: ”اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے۔ یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔“ ﴿۷۶﴾ چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اُس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو اُن لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی جو گراہی جا رہی تھی، اُن صاحب نے اُسے کھڑا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: ”اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتے۔“ ﴿۷۷﴾

(۳۹) مذکورہ حدیث میں ہے کہ وہ لڑکا دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اُس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا۔

(۴۰) مطلب یہ ہے کہ بستی والوں نے مہمانی سے تو انکار کر دیا تھا، لیکن اس دیوار کی مرمت پر اُن سے جائز اجرت وصول کی جاسکتی تھی جس سے ہمارے کھانے کا بھی انتظام ہو سکتا تھا۔

قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۰ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَادَتْ أَنْ أَعْيِيَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝۸۱ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبُوهُ مُؤْمِنِينَ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝۸۲ فَأَرَادْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ۝۸۳ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۚ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۴

۱۰  
۶۲

انہوں نے کہا: ”لیجئے میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ اب میں آپ کو ان باتوں کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔ ﴿۷۸﴾ جہاں تک کشتی کا تعلق ہے، وہ کچھ غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اُس میں کوئی عیب پیدا کر دوں، (کیونکہ) ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی چھین کر رکھ لیا کرتا تھا۔ ﴿۷۹﴾ اور لڑکے کا معاملہ یہ تھا کہ اُس کے ماں باپ مؤمن تھے، اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا اُن دونوں کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔ ﴿۸۰﴾ چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ اُن کا پروردگار انہیں اس لڑکے کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو، اور حسن سلوک میں بھی اُس سے بڑھی ہوئی ہو۔ ﴿۸۱﴾ رہی یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اُس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس لئے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں، اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ تھا مقصد اُن باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔“ ﴿۸۲﴾

(۴۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملوانے اور یہ واقعات دکھانے کا اصل مقصد ایک اہم حقیقت کا مشاہدہ کرانا تھا، اور اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن کریم نے یہ واقعہ ہمارے لئے بیان فرمایا ہے۔ اسلامی شریعت کی رو سے کسی کے لئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی ملکیت میں اُس کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کرے، خاص طور پر اس کی تو ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اُس کی ملکیت کو کوئی نقصان پہنچا دے، چاہے وہ نقصان خود مالک کے فائدے کی نیت ہی سے پہنچایا گیا ہو، لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی والوں کی اجازت کے بغیر اس کا تختہ نکال دیا۔ اسی طرح کسی بے گناہ کو قتل کرنا شریعت میں انتہائی سنگین جرم ہے، خاص طور پر کسی نابالغ لڑکے کو قتل کرنا تو حالت جنگ میں بھی جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر یہ معلوم ہو کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کوئی فساد مچائے گا، تب بھی اس وقت اُسے قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا، اور چونکہ یہ دونوں باتیں شریعت میں ناجائز تھیں، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر خاموش نہیں رہ سکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے شریعت کے بالکل خلاف یہ کام کیسے کئے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کائنات میں جتنے واقعات ہوتے ہیں، چاہے وہ ہماری نظر میں اچھے معلوم ہوتے ہوں یا بُرے، ان کا تعلق ایک ایسے جہان سے ہے جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے، اور جسے اصطلاح میں ”عالم تکوین“ کہا جاتا ہے، جو براہ راست اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اُس کے تکوینی احکام کے ذریعے کنٹرول ہو رہا ہے۔ کس شخص کو کتنے عرصے زندہ رہنا ہے؟ اور کب اُس کی موت واقع ہوگی؟ وہ کتنے عرصے صحت مند رہے گا، اور کب بیمار ہو جائے گا؟ اُسے کب کونسا روزگار نصیب ہوگا؟ اور اُس کے ذریعے وہ کتنی روزی کما سکے گا؟ اس قسم کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ براہ راست طے فرماتے ہیں، اور ان فیصلوں کو نافذ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ کارندے مقرر فرما رکھے ہیں جو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمالیا کہ فلاں شخص کی موت کا وقت آگیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کا فرشتہ اُس شخص کی روح قبض کرنے کے لئے پہنچ جاتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کی تعمیل میں کسی کی موت واقع کر رہا ہوتا ہے تو وہ کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کی جان لے، لیکن جس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے اسی کام پر مقرر فرمایا ہے، اُس کے لئے یہ کوئی جرم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام کو نافذ کرنے کے لئے عام طور سے فرشتے مقرر ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں، یہ فریضہ سونپ سکتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام اگرچہ انسان تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو فرشتوں کی طرح عالم تکوین کا پیغمبر

بنادیا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا، اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کے ذریعے کیا۔ لہذا جس طرح موت کے فرشتے پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اُس نے ایک بے گناہ کی جان لے کر گناہ کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی بات کے لئے مامور تھا، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام بھی اُس کشتی کو عیب لگانے اور اُس لڑکے کو قتل کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی طور پر مامور تھے، اس لئے ان کا یہ عمل کوئی جرم نہیں تھا۔ البتہ ہم لوگ دُنیا میں رہتے ہوئے شریعت کے احکام کے پابند ہیں، اور ہمیں عالم تکوین کا نہ علم عطا کیا گیا ہے، اور نہ اس عالم سے متعلق ہمیں کوئی ذمہ داری سونپی گئی ہے، اس لئے ہم اُنہی احکام کے مکلف ہیں جو اس جیتی جاگتی زندگی میں ہمیں آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اسی جیتی جاگتی دُنیا کے پیغمبر تھے، اور جو شریعت ان کو دی گئی تھی، اُسی کے پابند تھے، اس لئے وہ نہ حضرت خضر علیہ السلام کی ان باتوں پر خاموش رہ سکے، اور نہ آئندہ ان کے ساتھ چل سکے۔ ان تین واقعات کے بعد وہ سمجھ گئے کہ ان صاحبِ کادارہ کا دیرِ کار میرے دائرہ کار سے بالکل الگ ہے، اور میں ان کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ البتہ اس طرح اُنہیں یہ حقیقت کھلی آنکھوں دکھا دی گئی کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، اُس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی لامحدود حکمت کار فرما ہے۔ اگر ہمیں کسی واقعے کی وجہ سمجھ میں نہ آئے تو اس کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ جس عالم تکوین میں اُس کی حکمت واضح ہو سکتی ہے، وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں ہمیں بہت سے منظر ایسے نظر آتے ہیں جن پر ہمارا دل دکھتا ہے، بہت سے انسانوں کی مظلومیت کو دیکھ کر بعض اوقات دل میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے عالم تکوین کی ایک جھلک دکھا کر ایک مومن کے لئے ایسے شکوک و شبہات کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عالم تکوین اور اس کے کارندے ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام بھی اسی طرح پوشیدہ تھے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عالم تکوین کی ایک جھلک دکھانے کے لئے وحی کے ذریعے ان کا پتہ بتا دیا گیا۔ اب جبکہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے، کسی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ یقینی طور پر تکوین کے کسی کارندے تک رسائی حاصل کر سکے، اور نہ نظر آنے والی دُنیا میں کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ تکوین کا کارندہ ہے، اور اُسے تکوینی اختیارات حاصل ہیں۔ لہذا جن لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے کی بنیاد پر شریعت کے ظاہری احکام کی خلاف ورزی کو جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے، انہوں نے سراسر گمراہی پھیلائی ہے۔ مثلاً بعض نام نہاد درویشوں کا تصوف وغیرہ کا نام لے کر یہ کہنا کہ: ”شریعت کے احکام ظاہر ہیں لوگوں کے لئے ہیں، اور ہم ان سے مستثنیٰ ہیں“ پر لے کر درجے کی گمراہی ہے۔ آج کسی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ شریعت کے احکام سے مستثنیٰ ہو سکے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقُرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۞ إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَاتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۞ فَاتَّبَعَ سَبَبًا ۞ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ۖ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۖ

اور یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ: ”میں ان کا کچھ حال تمہیں پڑھ کر سنا تا ہوں۔“ ﴿۸۳﴾ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو زمین میں اقتدار بخشا تھا، اور انہیں ہر کام کے وسائل عطا کئے تھے، ﴿۸۴﴾ جس کے نتیجے میں وہ ایک راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۸۵﴾ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچے، تو انہیں دکھائی دیا کہ وہ ایک دلدل جیسے (سیاہ) چشمے میں ڈوب رہا ہے، اور وہاں انہیں ایک قوم ملی۔

(۴۲) اس سورت کے تعارف میں گزر چکا ہے کہ مشرکین نے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کئے تھے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔ یہاں سے اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اُس شخص کا نام ذوالقرنین تھا۔ ”ذوالقرنین“ کے لفظی معنی ہیں: ”دو سینگوں والا“ یہ کسی نامعلوم وجہ سے ایک بادشاہ کا لقب تھا۔ قرآن کریم نے اس بادشاہ کی تفصیلات نہیں بتائیں کہ وہ کون تھا، اور کس زمانے میں تھا۔ البتہ ہمارے زمانے کے بیشتر محققین کا رُحمان یہ ہے کہ وہ ایران کا بادشاہ سائرس تھا جس نے بنی اسرائیل کو بابل کی جلاوطنی سے نجات دلا کر انہیں دوبارہ فلسطین میں آباد کیا تھا۔ قرآن کریم نے اتنا بتایا ہے کہ انہوں نے تین لمبے سفر کئے تھے۔ پہلا دنیا کی انتہائی مغربی آبادی تک، دوسرا انتہائی مشرقی آبادی تک، اور تیسرا انتہائی شمالی علاقے تک، جہاں انہوں نے یا جوج ماجوج کے وحشیانہ حملوں سے لوگوں کو بچانے کے لئے ایک دیوار تعمیر کی تھی۔

(۴۳) یہ اُن کے پہلے سفر کا ذکر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اُس وقت مغرب میں دنیا کی جو آخری آبادی تھی، ذوالقرنین وہاں تک پہنچے۔ وہ ایسی جگہ تھی کہ اُس کے بعد کوئی آبادی نہیں تھی، اور حدِ نظر تک سمندر پھیلا ہوا تھا، اور سمندر کی شکل بھی ایک سیاہ رنگ کی دلدل جیسی تھی، اور شام کے وقت جب سورج غروب ہوتا تو دیکھنے والے کو ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک دلدل نما چشمے میں ڈوب رہا ہے۔



حَتَّىٰ إِذَا بَدَغَ مَظْلِعُ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُم مِّن دُونِهَا  
سِتْرًا ۚ كَذٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۙ ثُمَّ أَتٰبَعُ سَبِيًّا ۙ حَتَّىٰ إِذَا  
بَدَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا ۙ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۙ قَالُوا  
يٰۤاَۡلِ الْفِرْعٰوْنَيْنِ اِنَّ يٰۤاِجُوْبَہٗ وَمَا جُوْبَہٗ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلْ لَّكَ  
خَرْجًا عَلٰی اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُم سَدًّا ۙ ﴿۹۲﴾

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جسے ہم نے اُس (کی دھوپ) سے بچنے کے لئے کوئی اوٹ مہیا نہیں کی تھی۔ ﴿۹۰﴾ واقعہ اسی طرح ہوا، اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (ساز و سامان) تھا، ہمیں اُس کی پوری پوری خبر تھی۔ ﴿۹۱﴾ اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۹۲﴾ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہیں ان پہاڑوں سے پہلے کچھ لوگ ملے جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔ ﴿۹۳﴾ انہوں نے کہا: ”اے ذوالقرنین! یا جوج اور ماجوج اس زمین میں فساد پھیلانے والے لوگ ہیں۔ تو کیا ہم آپ کو کچھ مال کی پیش کش کر سکتے ہیں، جس کے بدلے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنادیں؟“ ﴿۹۴﴾

(۹۲) یہ ذوالقرنین کے دوسرے سفر کا ذکر ہے۔ اس سفر میں وہ دنیا کی انتہائی مشرقی آبادی تک جا پہنچے تھے۔ یہاں کچھ غیر متمدن لوگ رہتے تھے۔ ان میں مکان بنانے اور چھتیں ڈالنے کا دستور نہیں تھا، سب کھلے میدان میں رہتے تھے، اس لئے دھوپ سے بچاؤ کے لئے کوئی اوٹ نہیں تھی، بلکہ سورج کی کرنیں ان پر براہ راست پڑتی تھیں۔

(۹۳) یہ ذوالقرنین کا تیسرا سفر ہے۔ قرآن کریم نے اس سفر کی سمت متعین نہیں فرمائی، لیکن بیشتر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ سفر شمال میں دنیا کی انتہائی آبادی کی طرف ہوا تھا۔ یہاں کے لوگوں کی زبان بالکل مختلف تھی، اور شاید حلیہ بھی ایسا ہو کہ ان میں سمجھ کے آثار نظر نہ آتے ہوں۔ اور آگے ان سے جو گفتگو ہوئی ہے، وہ یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوئی ہوگی، یا اشاروں سے۔

(۹۴) یا جوج اور ماجوج دو وحشی قبیلے تھے جو ان پہاڑوں کے پیچھے رہتے تھے، اور تھوڑے تھوڑے وقفوں سے وہ

قَالَ مَا مَكْنِي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝<sup>۹۵</sup>  
 اتُّنُونِي رُبَّ الْحَدِيدِ ۝ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ۝ حَتَّىٰ إِذَا  
 جَعَلَهُ نَارًا ۝ قَالَ اتُّنُونِي ۝ أَفِرْغْ عَلَيْهِ ۝ قَطْرًا ۝<sup>۹۶</sup> ۝ فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ ۝ وَمَا  
 اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۝<sup>۹۷</sup>

ذوالقرنین نے کہا: ”اللہ نے مجھے جو اقتدار عطا فرمایا ہے، وہی (میرے لئے) بہتر ہے۔ لہذا تم لوگ (ہاتھ پاؤں کی) طاقت سے میری مدد کرو، تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ ﴿۹۵﴾ مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔“ یہاں تک کہ جب انہوں نے (درمیانی خلا کو پاٹ کر) دونوں پہاڑی سروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تو کہا کہ: ”اب آگ دہکاؤ“ یہاں تک کہ جب اس (دیوار) کو لال انگار کر دیا تو کہا کہ: ”پگھلا ہوا تانبہ لاؤ، اب میں اس پر انڈیلوں گا۔“ ﴿۹۶﴾ چنانچہ (وہ دیوار ایسی بن گئی کہ) یا جوج ماجوج نہ اس پر چڑھنے کی طاقت رکھتے تھے، اور نہ اُس میں کوئی سوراخ بنا سکتے تھے۔ ﴿۹۷﴾

پہاڑوں کے درمیانی درے سے اس علاقے میں آ کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیتے تھے۔ علاقے کے لوگ ان سے پریشان تھے، اس لئے انہوں نے ذوالقرنین کو دیکھا کہ وہ بڑے وسائل کے مالک ہیں، تو ان سے درخواست کی کہ پہاڑوں کے درمیان جو درہ ہے، اسے ایک دیوار بنا کر بند کر دیں، تاکہ یا جوج ماجوج کا راستہ بند ہو جائے، اور وہ یہاں آ کر فساد نہ پھیلا سکیں۔ اس کام کے لئے انہوں نے کچھ مال کی بھی پیش کش کی، لیکن حضرت ذوالقرنین نے کوئی معاوضہ لینے سے انکار کر دیا، البتہ یہ کہا کہ تم اپنی افرادی طاقت سے میری مدد کرو تو میں یہ دیوار بلا معاوضہ بنا دوں گا۔

(۳۹) ذوالقرنین نے پہلے لوہے کی بڑی بڑی چادریں پہاڑوں کے درمیان رکھ کر درے کو پاٹ دیا، پھر ان چادروں کو آگ سے گرم کر کے ان پر پگھلا ہوا تانبہ ڈالا، تاکہ وہ چادروں کی درمیانی دراڑوں میں جا کر بیٹھ جائے، اور اس طرح یہ دیوار نہایت مضبوط بن گئی۔



قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝۹۸

ذوالقرنین نے کہا: ”یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اُس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے، جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے۔“ ﴿۹۸﴾

(۵۰) ذوالقرنین نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے کے بعد دو حقیقتوں کو واضح کیا۔ ایک یہ کہ یہ سارا کارنامہ میرے قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مجھے اس کی توفیق ہوئی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگرچہ اس وقت یہ دیوار بہت مستحکم بن گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اسے توڑنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، یہ قائم رہے گی، اور جب وہ وقت آجائے گا جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ٹوٹنا مقرر کر رکھا ہے تو یہ ٹوٹ کر زمین کے برابر ہو جائے گی۔ اس طرح قرآن کریم سے یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی کہ یہ دیوار قیامت تک قائم رہے گی، بلکہ اس کا قیامت سے پہلے ٹوٹنا بھی ممکن ہے۔ چنانچہ بعض محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ دیوار رُوس کے علاقے داغستان میں در بند کے مقام پر بنائی گئی تھی، اور اب وہ ٹوٹ چکی ہے۔ یا جوج ماجوج کے مختلف ریلے تاریخ کے مختلف زمانوں میں متمدن آبادیوں پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں، اور پھر وہ ان متمدن علاقوں میں پہنچ کر خود بھی متمدن ہوتے رہے ہیں۔ البتہ ان کا آخری ریلہ قیامت سے کچھ پہلے نکلے گا۔ اس موضوع کی مفصل تحقیق حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”قصص القرآن“ میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ”معارف القرآن“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اور آگے ذوالقرنین نے جو فرمایا کہ: ”میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے“ اس سے مراد قیامت کا وعدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ابھی معلوم نہیں ہے کہ اس دیوار کے ٹوٹنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کونسا وقت مقرر فرمایا ہے، لیکن ایک وعدہ واضح طور پر معلوم ہے کہ ایک وقت قیامت آنے والی ہے، اور جب وہ آئے گی تو ہر مضبوط سے مضبوط چیز بھی ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہو جائے گی۔ ذوالقرنین نے اس موقع پر قیامت کا جو حوالہ دیا، اُس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آگے قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجٌ فِيْ بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَعَلْنَاهُمْ جَمْعًا ۝۹۹  
 وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِيْنَ عَرْضًا ۝۱۰۰ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غَطَاٍ۬ عَنْ  
 ذِكْرِيْ وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُوْنَ سَمْعًا ۝۱۰۱ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ  
 مِنْ دُوْنِ اَوْلِيَآءٍ ۝۱۰۲ اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِيْنَ نُزُلًا ۝۱۰۳ قُلْ هَلْ  
 نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝۱۰۴ الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعِيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ  
 يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۱۰۵

اور اُس دن ہم ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ وہ موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، اور صور پھونکا جائے گا، تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کر لیں گے۔ ﴿۹۹﴾ اور اُس دن ہم دوزخ کو ان کافروں کے سامنے کھلی آنکھوں لے آئیں گے، ﴿۱۰۰﴾ جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) میری نصیحت کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا، اور جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ ﴿۱۰۱﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، کیا وہ پھر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے ہی بندوں کو اپنا رکھوالا بنالیں گے؟ یقین رکھو کہ ہم نے ایسے کافروں کی مہمانی کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿۱۰۲﴾ کہہ دو کہ: ”کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟“ ﴿۱۰۳﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔“ ﴿۱۰۴﴾

(۵۱) اس سے مراد یا جوج ماجوج کا وہ ریلا بھی ہو سکتا ہے جو قیامت کے قریب نکلے گا، اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب نکلیں گے تو ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں نکلیں گے، اور موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قیامت کے وقت عام لوگوں کی بدحواسی کا بیان ہو کہ قیامت کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔

(۵۲) اس آیتِ ربیہ نے یہ بڑی اہم حقیقت واضح فرمائی ہے کہ کسی عمل کے مقبول ہونے کے لئے صرف خلوص

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاءِ يَوْمَ فَحِطَّتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزَنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاءُ وَهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا الْإِتِيَّ وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حَوْلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّكَانَتْ رَبِّي لَتَفْعَلَ الْبَحْرَ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كُلِّتُ رَبِّي وَلَوْ جُنَّابِشْلِهِ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آیتوں کا اور اُس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لئے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہو گیا، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔ ﴿۱۰۵﴾ یہ ہے جہنم کی شکل میں اُن کی سزا، کیونکہ انہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی، اور میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔ ﴿۱۰۶﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کی مہمانی کے لئے بیشک فردوس کے باغ ہوں گے، ﴿۱۰۷﴾ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، (اور) وہ وہاں سے کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔ ﴿۱۰۸﴾ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر روشنائی بن جائے، تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اُس سے پہلے سمندر ختم ہو چکا ہوگا، چاہے اُس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لئے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں۔“ ﴿۱۰۹﴾

نیت کافی نہیں ہے، بلکہ راستے کا سیدھا ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت سے کافر خلوص کے ساتھ ایک کام کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، لیکن چونکہ وہ کام انہوں نے خود اپنی طرف سے گھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ یا اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی طرف سے اُس کام کی کوئی سند نہیں ہوتی، اس لئے وہ ساری محنت اکارت ہو کر رہ جاتی ہے۔ (۵۳) ”اللہ تعالیٰ کی باتوں“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات کا تذکرہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت، اُس کی حکمت اور اُس کے کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کو قلم بند کیا جائے تو بڑے بڑے سمندروں کو روشنائی بنا کر لکھا جائے تو سمندر کے سمندر خشک ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات کا بیان ختم نہیں ہوگا۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ ۚ أَحَدًا ۝

۱۲  
ع  
۳

کہہ دو کہ: ”میں تو تمہی جیسا ایک انسان ہوں، (البتہ) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا بس ایک خدا ہے۔ لہذا جس کسی کو اپنے مالک سے جاننے کی اُمید ہو، اُسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے، اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔“ ﴿۱۱۰﴾

الحمد للہ تعالیٰ! آج شبِ دو شنبہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۶ء کو رات کے چار بجے سحری سے کچھ قبل سورہ کہف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین، ثم آمین۔



# سُورَةُ مَرْيَمَ

## تعارف

اس سورت کا بنیادی مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں صحیح عقائد کی وضاحت اور ان کے بارے میں عیسائیوں کی تردید ہے۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں، جہاں یہ سورت نازل ہوئی، عیسائیوں کی کوئی خاص آبادی نہیں تھی، لیکن مکہ مکرمہ کے بت پرست کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی تردید کے لئے عیسائیوں سے مدد لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے صحابہ کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے جہاں عیسائی مذہب ہی کی حکمرانی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی صحیح حقیقت سے واقف ہوں۔ چنانچہ اس سورت میں ان حضرات کے واقعات اسی سیاق و سباق میں بیان ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے، بلکہ وہ انبیائے کرام ہی کے مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہیں، اس لئے بعض دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی مختصر تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت اور اُس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں، اس لئے اس کا نام سورۃ مریم رکھا گیا ہے۔

﴿آیتھا ۹۸﴾ ۱۹ سُورَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۳۷ ﴿رکوعاھا ۶﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

كَهَيِّعَصَ ۱ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكْرِیَّا ۲ اِذْ نَادٰی رَبُّهُ نِدَآءً خَفِیًّا ۳ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهْنَ الْعُظْمِ مِیْنِیْ وَاسْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَاۤیِكَ رَبِّ شَقِیًّا ۴ وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتْ اُمْرَآتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۵

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

كَهَيِّعَصَ ۱ ﴿۱﴾ یہ تذکرہ ہے اُس رحمت کا جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی، ﴿۲﴾ یہ اُس وقت کی بات ہے جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز سے پکارا تھا۔ ﴿۳﴾ انہوں نے کہا تھا کہ: ”میرے پروردگار! میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئی ہیں، اور سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے، اور میرے پروردگار! میں آپ سے دُعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں ہوا۔ ﴿۴﴾ اور مجھے اپنے بعد اپنے چچا زاد بھائیوں کا اندیشہ لگا ہوا ہے، اور میری بیوی بانجھ ہے، لہذا آپ خاص اپنے پاس سے مجھے ایک ایسا وارث عطا کر دیجئے ﴿۵﴾

(۱) جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات آئے ہیں، ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

(۲) یعنی میری کوئی اولاد تو ہے نہیں، اور میرے پیچھے میرے چچا زاد بھائی اپنے علم اور تقویٰ کے اعتبار سے اُس مقام پر نہیں ہیں کہ وہ میرے مشن کو آگے جاری رکھ سکیں، اس لئے مجھے اُن سے اندیشہ ہے کہ وہ دین کی خدمت نہیں کر سکیں گے۔ لہذا مجھے ایسا بیٹا عطا فرما دیجئے جو میرے علوم نبوت کا وارث ہو۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دُعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جواب میں بیٹا عطا فرمانے کا تذکرہ پیچھے سورہ آل عمران



يَرْثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝۶ يٰزَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ  
بِعِلْمٍ اِسْمُهُ يُحْيٰى ۚ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَبِيًّا ۝۷ قَالَ رَبِّ اَنِّىْ يَكُوْنُ لِىْ عِلْمٌ  
وَكَانَتْ اِمْرًا تِىْ عَاقِرًا وَاَوْقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝۸ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ  
هُوَ عَلَىٰ هٰٓؤُلَآءِ يَسِيْرٌ ۝۹ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝۱۰

جو میرا بھی وارث ہو، اور یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد سے بھی میراث پائے۔<sup>(۳)</sup> اور یا رب! اُسے  
ایسا بنائیے جو (خود آپ کا) پسندیدہ ہو۔“ ﴿۶﴾ (آواز آئی کہ:) اے زکریا! ہم تمہیں ایک ایسے  
لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے اس کے نام کا کوئی اور شخص پیدا  
نہیں کیا۔“ ﴿۷﴾ زکریا نے کہا: ”میرے پروردگار! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا جبکہ میری  
بیوی بانجھ ہے، اور میں بڑھاپے سے اس حال کو پہنچ گیا ہوں کہ میرا جسم سوکھ چکا ہے!“ ﴿۸﴾ کہا:  
”ہاں! ایسا ہی ہوگا۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ تو میرے لئے معمولی بات ہے۔ اور اس سے  
پہلے میں نے تمہیں پیدا کیا تھا جب تم کچھ بھی نہیں تھے۔“ ﴿۹﴾

(۳: ۳۸ تا ۴۰) میں بھی گزر چکا ہے۔ ان آیتوں کے حواشی بھی ملاحظہ فرمائے جائیں۔

(۳) ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ میراث پانے سے حضرت زکریا علیہ السلام کا مطلب مال و دولت کی میراث نہیں  
تھا، بلکہ علوم نبوت کی میراث پانا مراد تھا، کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے مالی وراثت پانے کا  
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا ان کی یہ دُعا اس اُصول کے خلاف نہیں ہے جو معروف حدیث میں آنحضرت صلی  
اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ انبیائے علیہم السلام کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔

(۴) یہ تعجب کا اظہار درحقیقت فرط مسرت میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر ادا کرنے کا ایک اُسلوب تھا۔

(۵) یعنی جس اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدم سے وجود عطا فرمایا ہے، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمہیں بڑھاپے  
میں اولاد عطا فرمادے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۚ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝  
فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝<sup>(۱۱)</sup> يَجِيئُ  
خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۚ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝<sup>(۱۲)</sup> وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۚ وَكَانَ  
تَقِيًّا ۝<sup>(۱۳)</sup> وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝<sup>(۱۴)</sup> وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ  
يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝<sup>(۱۵)</sup>

ع  
۴

زکریا نے کہا: ”میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے۔“ فرمایا: ”تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم صحت مند ہونے کے باوجود تین رات تک لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے۔“ ﴿۱۰﴾ چنانچہ وہ عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آئے، اور ان کو اشارے سے ہدایت دی کہ تم لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کیا کرو۔ ﴿۱۱﴾ (پھر جب یحییٰ پیدا ہو کر بڑے ہو گئے تو ہم نے ان سے فرمایا: ”اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔“ اور ہم نے بچپن ہی میں ان کو دانائی بھی عطا کر دی تھی، ﴿۱۲﴾ اور خاص اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی بھی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے، ﴿۱۳﴾ اور اپنے والدین کے خدمت گزار! نہ وہ سرکش تھے، نہ نافرمان۔ ﴿۱۴﴾ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلام ہے ان پر اُس دن بھی جس روز وہ پیدا ہوئے، اُس دن بھی جس روز انہیں موت آئے گی، اور اُس دن بھی جس روز انہیں زندہ کر کے دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ ﴿۱۵﴾

(۶) یعنی کوئی ایسی نشانی بتا دیجئے جس سے مجھے یہ پتہ چل جائے کہ حمل قرار پا چکا ہے۔

(۷) یعنی جب حمل قرار پائے گا تو تم سے بولنے کی قوت تین دن کے لئے سلب کر لی جائے گی، البتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کر سکو گے۔

(۸) کتاب سے مراد تورات ہے، اور مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر خود بھی پورا پورا عمل کرو، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرو۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرِيفًا ۖ ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۖ ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۖ ﴿١٨﴾ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۖ ﴿١٩﴾ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۖ ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذَلِكَ ۖ قَالَ رَبِّكِ هُوَ عَلَىٰ هَدًى ۖ وَلَنَجْعَلَ لَآيَةً لِلَّذِينَ يَرْتَابُونَ ۖ وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ۖ ﴿٢١﴾

اور اس کتاب میں مریم کا بھی تذکرہ کرو۔ اُس وقت کا تذکرہ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر اُس جگہ چلی گئیں جو مشرق کی طرف واقع تھا۔ ﴿۱۶﴾ پھر انہوں نے ان لوگوں کے اور اپنے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔ اُس موقع پر ہم نے ان کے پاس اپنی رُوح (یعنی ایک فرشتہ) کو بھیجا جو ان کے سامنے ایک مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ﴿۱۷﴾ مریم نے کہا: ”میں تم سے خدائے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ) ﴿۱۸﴾ فرشتے نے کہا: ”میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں، (اور اس لئے آیا ہوں) تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔“ ﴿۱۹﴾ مریم نے کہا: ”میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا، جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے، اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں؟“ ﴿۲۰﴾ فرشتے نے کہا: ”ایسے ہی ہو جائے گا۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ: ”یہ میرے لئے ایک معمولی بات ہے۔ اور ہم یہ کام اس لئے کریں گے تاکہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنائیں، اور اپنی طرف سے رحمت کا مظاہرہ کریں۔ اور یہ بات پوری طرح طے ہو چکی ہے۔“ ﴿۲۱﴾

(۹) علیحدہ جا کر پردہ ڈالنے کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ وہ غسل کرنا چاہتی تھیں، اور بعض نے کہا ہے کہ عبادت کے لئے تہائی اختیار کرنا مقصود تھا۔ علامہ قرطبی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۱۰) پاکیزہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے نسب اور اپنے اخلاق و عادات کے اعتبار سے پاکیزہ ہوگا۔

(۱۱) انسان کی پیدائش کا عام طریقہ تو یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَدَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جُذْعِ النَّخْلَةِ ۚ  
 قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا ۝ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا  
 تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهَزَّتْ يَدَاكِ جُذْعَ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ  
 عَلَيْكَ رُطْبًا جَنِيًّا ۝

پھر ہوا یہ کہ مریم کو اُس بچے کا حمل ٹھہر گیا، (اور جب ولادت کا وقت قریب آیا) تو وہ اس کو لے کر  
 لوگوں سے الگ ایک دُور مقام پر چلی گئیں۔ ﴿۲۲﴾ پھر زچگی کے درد نے انہیں ایک کھجور کے  
 درخت کے پاس پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگیں: ”کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی، اور مر کر بھولی  
 بسر ہو جاتی!“ ﴿۲۳﴾ پھر فرشتے نے ان کے نیچے ایک جگہ سے انہیں آواز دی کہ: ”غم نہ کرو،  
 تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔“ ﴿۲۴﴾ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف  
 ہلاؤ، اُس میں سے پکی ہوئی تازہ کھجوریں تم پر چھڑیں گی۔ ﴿۲۵﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس طرح پیدا فرمایا کہ ان کی پیدائش میں نہ کسی مرد کا کوئی دخل تھا، نہ کسی  
 عورت کا، اور حضرت حواء کو چونکہ انہی کی پہلی سے پیدا کیا گیا، اس لئے ان کی پیدائش میں مرد کا تو فی الجملہ دخل  
 تھا، عورت کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی چوتھی صورت اپنی قدرت سے ظاہر فرمائی کہ حضرت  
 عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا فرمایا۔ اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ مقصود تھا،  
 اور دوسرے وہ ایک پیغمبر کی حیثیت میں لوگوں کے لئے رحمت بن کر تشریف لارہے تھے۔

(۱۲) ایک پاکباز عورت کو کنوارے پن میں بچہ پیدا ہونے کے تصور سے جو بے چینی ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے۔  
 اگرچہ عام حالات میں موت کی تمنا کرنا منع ہے، لیکن کسی دینی نقصان کے اندیشے سے ایسی تمنا منع نہیں۔ اور ایسا  
 لگتا ہے کہ شدید بے چینی کے عالم میں حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتے کی دی ہوئی بشارتوں کی طرف وقتی طور  
 سے دھیان نہیں رہا۔ اس لئے بے ساختہ یہ کلمات زبان سے نکلے۔

فَكُنْ وَاشْرَبْ وَقَرِّبْ عَيْنًا ۖ وَمَا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۖ فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ  
لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۖ فَاتَّبَعَ بِهَا قَوْمَهَا تَحِيلُهُ ۖ قَالُوا  
يَسْزِيمُ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا فَرِيًّا ۖ يَا خُتْلُوْنَ مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا  
كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ۖ

اب کھاؤ، اور پیو، اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ اور اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے)  
کہہ دینا کہ: ”آج میں نے خدائے رحمن کے لئے ایک روزے کی منت مانی ہے، اس لئے میں کسی  
بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔“ ﴿۲۶﴾ پھر وہ اُس بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس  
آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ: ”مریم! تم نے تو بڑا غضب ڈھا دیا۔“ ﴿۲۷﴾ اے ہارون کی بہن! نہ تو  
تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا، نہ تمہاری ماں کوئی بدکار عورت تھی!“ ﴿۲۸﴾

(۱۳) حضرت مریم علیہا السلام جس جگہ تشریف لے گئی تھیں، وہ کچھ بلندی پر واقع تھی، (اور شاید یہی جگہ بیت  
الحم کہلاتی ہے جو بیت المقدس سے چند میل کے فاصلے پر ہے) اس کے نیچے نشیب میں سے فرشتہ ان سے دوبارہ  
ہم کلام ہوا، اور انہیں تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کھانے پینے کا یہ انتظام فرما دیا ہے کہ نیچے ایک چشمہ بہہ رہا  
ہے، اور معمولی کوشش سے تازہ کھجوریں آپ پر خود بخود جھڑ جائیں گی جن میں پوری غذا نیت بھی ہے، اور تقویت  
کا سامان بھی۔

(۱۴) بعض پچھلی شریعتوں میں بات چیت نہ کرنے کا روزہ رکھنا بھی عبادت کی ایک شکل تھی جو آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کی شریعت میں منسوخ ہو گئی۔ اب ایسا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ ہدایت  
دی گئی کہ وہ ایسے روزے کی منت مان کر روزہ رکھ لیں، اور کوئی بات کرنا چاہے تو اسے اشاروں سے بتادیں کہ  
میں نے روزہ رکھا ہوا ہے، تاکہ خواہ مخواہ لوگوں کے سوال و جواب سے مزید تکلیف نہ ہو۔

(۱۵) بچے کی پیدائش کے بعد حضرت مریم علیہا السلام پوری طرح مطمئن ہو چکی تھیں کہ جس اللہ تعالیٰ نے یہ بچہ  
اپنی خاص قدرت سے پیدا فرمایا ہے، وہی ان کی برائت بھی ظاہر فرمائے گا، اس لئے اب اطمینان کے ساتھ خود  
ہی بچے کو لے کر لوگوں کے سامنے تشریف لے گئیں۔

(۱۶) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں، اور ان کے قبیلے

فَأَسَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا آيِنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ۖ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۖ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۖ ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَبْتَثُرُونَ ۝

اس پر مریم نے اُس بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: ”بھلا ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی پالنے میں پڑا ہوا بچہ ہے؟“ ﴿۲۹﴾ (اس پر) بچہ بول اٹھا کہ: ”میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی ہے، اور نبی بنایا ہے، ﴿۳۰﴾<sup>(۱۷)</sup> اور جہاں بھی میں رہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے، اور جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، ﴿۳۱﴾<sup>(۱۸)</sup> اور مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے، اور مجھے سرکش اور سنگ دل نہیں بنایا۔ ﴿۳۲﴾ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلامتی ہے مجھ پر اُس دن بھی جب میں پیدا ہوا، اور اُس دن بھی جس دن میں مروں گا، اور اُس دن بھی جب مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔“ ﴿۳۳﴾ یہ ہیں عیسیٰ بن مریم! ان (کی حقیقت) کے بارے میں سچی بات یہ ہے جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ ﴿۳۴﴾<sup>(۱۹)</sup>

کی طرف منسوب کر کے ان کو ہارون کی بہن کہہ دیا گیا ہو جیسے حضرت ہود علیہ السلام کو ”عاد کا بھائی“ کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے کسی بھائی کا نام ہارون ہو، اور چونکہ وہ نیک نام بزرگ تھے، اس لئے ان کی قوم نے ان کا حوالہ دیا ہو۔

(۱۷) یعنی بڑے ہو کر مجھے انجیل عطا کی جائے گی، اور نبی بنایا جائے گا، اور یہ بات اتنی یقینی ہے جیسے ہو ہی چکی۔ دودھ پیتے بچے کا اس طرح بولنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلا ہوا معجزہ تھا جس نے حضرت مریم علیہا السلام کی برائت بالکل واضح کر دی۔

(۱۸) یعنی جب تک میں اس دُنیا میں زندہ رہوں گا، مجھ پر نماز اور زکوٰۃ فرض رہے گی۔

(۱۹) اس پورے واقعے کو ذکر فرما کر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَنَهُ ۚ إِذَا قُضِيَ أَمْرًا فَإِنَّا نَبْأُيْقُولُ لَهُ  
 كُنْ فَيَكُونُ ۝ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُواهُ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝  
 فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ قَوِيلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝  
 أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ ۚ يَوْمَ يَأْتُ تَوَنَّا لَكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝  
 وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝  
 إِنَّا لَنَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنائے، اُس کی ذات پاک ہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اُس سے یہ کہتا ہے کہ: ”ہوجا“ چنانچہ وہ ہو جاتی ہے۔ ﴿۳۵﴾ اور (اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ:) یقیناً اللہ میرا بھی پروردگار ہے، اور تمہارا بھی پروردگار، اس لئے اُس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۳۶﴾ پھر بھی ان میں سے مختلف گروہوں نے اختلاف ڈال دیا ہے، چنانچہ جس دن یہ ایک زبردست دن کا مشاہدہ کریں گے، اُس دن اُن کی بڑی تباہی ہوگی جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ ﴿۳۷﴾ جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے، اُس دن یہ کتنے سننے والے اور دیکھنے والے بن جائیں گے! لیکن یہ ظالم آج کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۸﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کو اُس پچھتاوے کے دن سے ڈرائیے جب ہر بات کا آخری فیصلہ ہو جائے گا، جبکہ یہ لوگ (اس وقت) غفلت میں ہیں، اور ایمان نہیں لارہے۔ ﴿۳۹﴾ یقین جانو کہ زمین اور اُس پر سارے رہنے والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے، اور ہماری طرف ہی ان سب کو لوٹایا جائے گا۔ ﴿۴۰﴾

بارے میں جو افراط و تفریط اختیار کر رکھی ہے، وہ حقیقت نہیں ہے۔ نہ وہ الزامات درست ہیں جو یہودیوں نے ان پر لگا رکھے ہیں، اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننا صحیح ہے جیسا کہ عیسائیوں نے مان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی بیٹے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ ؑ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاِبْنَيْهٖ يَا بَتَّ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۝ يَا بَتَّ اِنِّیْ قَدْ جَاءَنِی مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْ اَهْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا ۝ یَا بَتَّ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ۝ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ۝ یَا بَتَّ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَکُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنِ الْهٖٔ یَا اِبْرٰهٖمُ ؑ لَیْنٌ لَّمْ تَتَّبِعْ وَلَا تَرْجُئْ وَلَا تَهْجُرْ نِیْ ۝

اور اس کتاب میں ابراہیم کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔ ﴿۴۱﴾ یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ: ”اباجان! آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، اور نہ آپ کا کوئی کام کر سکتی ہیں؟“ ﴿۴۲﴾ اباجان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، اس لئے میری بات مان لیجئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتا دوں گا۔ ﴿۴۳﴾ اباجان! شیطان کی عبادت نہ کیجئے۔ یقین جانئے کہ شیطان خدائے رحمن کا نافرمان ہے۔ ﴿۴۴﴾ اباجان! مجھے اندیشہ ہے کہ خدائے رحمن کی طرف سے آپ کو کوئی عذاب نہ آ پکڑے، جس کے نتیجے میں آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔“ ﴿۴۵﴾ ان کے باپ نے کہا: ”ابراہیم! کیا تم میرے خداؤں سے بیزار ہو؟ یاد رکھو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تم پر پتھر برسائوں گا، اور اب تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دُور ہو جاؤ۔“ ﴿۴۶﴾

(۲۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہ صرف بت پرست تھا، بلکہ خود بت تراشی کیا کرتا تھا۔  
 (۲۱) بتوں کی عبادت کرنے کا خیال درحقیقت شیطان کا ڈالا ہوا خیال تھا، اس لئے بتوں کی عبادت کا مطلب یہی تھا کہ انسان شیطان کو قابلِ اطاعت سمجھ کر اس کی عبادت کرے۔  
 (۲۲) یعنی جو انجام شیطان کا ہو، وہ آپ کا بھی ہو۔



قَالَ سَلِّمْ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۝ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي ۖ عَسَىٰ آلَا أَكُونُ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا أَعْتَزَلْتَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝

ابراہیم نے کہا: ”میں آپ کو (رخصت کا) سلام کرتا ہوں۔ میں اپنے پروردگار سے آپ کی بخشش کی دعا کروں گا۔ بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ ﴿۴۷﴾ اور میں آپ لوگوں سے بھی الگ ہوتا ہوں، اور اللہ کو چھوڑ کر آپ لوگ جن جن کی عبادت کرتے ہیں، اُن سے بھی، اور میں اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ اپنے رب کو پکار کر میں نامراد نہیں رہوں گا۔“ ﴿۴۸﴾ چنانچہ جب وہ اُن سے اور ان (بتوں) سے الگ ہو گئے جنہیں وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب (جیسی اولاد) بخش، اور ان میں سے ہر ایک کو نبی بنایا۔ ﴿۴۹﴾ اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا، اور انہیں اُنچے درجے کی نیک نامی عطا کی۔ ﴿۵۰﴾

(۲۳) عام حالات میں کافروں کو سلام کی ابتدا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن جہاں کوئی دینی مصلحت داعی ہو تو اس نیت سے سلام کرنے کی گنجائش ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اسلام کی توفیق دے کر سلامتی سے ہم کنار فرمائیں۔

(۲۴) سورہ توبہ (۱۱۴: ۹) میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس وعدے کا حوالہ دیا ہے، اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے یہ وعدہ اُس وقت کیا تھا جب آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کے مقدر میں ایمان نہیں ہے، چنانچہ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو پھر آپ اس کے لئے دعا کرنے سے دست بردار ہو گئے۔

(۲۵) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ صرف مسلمان، بلکہ یہودی اور عیسائی بھی اپنا مقتدا سمجھتے ہیں۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝<sup>۵۱</sup> وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝<sup>۵۲</sup> وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا آخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۝<sup>۵۳</sup> وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝<sup>۵۴</sup> وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝<sup>۵۵</sup> وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝<sup>۵۶</sup>

اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے تھے، اور رسول اور نبی تھے۔ ﴿۵۱﴾ ہم نے انہیں کوہ طور کی دائیں جانب سے پکارا، اور انہیں اپنا راز دار بنا کر اپنا قرب عطا کیا۔ ﴿۵۲﴾ اور ہم نے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اپنی رحمت سے انہیں (ایک مددگار) عطا کیا۔ ﴿۵۳﴾ اور اس کتاب میں اسمعیل کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ وعدے کے سچے تھے، اور رسول اور نبی تھے۔ ﴿۵۴﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے، اور اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ ﴿۵۵﴾ اور اس کتاب میں ادریس کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔ ﴿۵۶﴾

(۲۶) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا مفصل واقعہ اگلی سورت میں آ رہا ہے۔ (۲۷) پیچھے آیت نمبر ۴۹ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا تھا کہ ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کا تذکرہ علیحدہ کرنا مقصود تھا جو اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یوں تو سارے انبیائے علیہم السلام ہی وعدے کے سچے ہوتے ہیں، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے خاص طور پر یہ صفت اس لئے بیان فرمائی گئی ہے کہ جب انہیں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ ذبح کے وقت وہ انہیں صبر کرنے والا پائیں گے (جس کا ذکر سورہ صافات میں آئے گا)۔ موت کو سامنے دیکھ کر بھی انہیں اپنا یہ وعدہ یاد رہا، اور انہوں نے مثالی صبر و ضبط کا مظاہرہ فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی وعدے کی پابندی کے معاملے میں ان کے کئی واقعات مفسرین نے بیان فرمائے ہیں۔

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ  
 اٰدَمَ ۚ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَنُوْجًا ۚ وَمِمَّنْ ذُرِّيَّتُهُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرٰءِيْلَ ۚ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا  
 وَاَجْتَبَيْنَا ۚ اِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِمُ الْاَيْتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَّ بُكْيًا ۝ ۵۸ ۚ فَخَلَفَ مِنْ  
 بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَصٰغَوْا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا ۝ ۵۹ ۚ اِلَّا  
 مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ ۶۰ ۚ

اور ہم نے انہیں رفعت دے کر ایک بلند مقام تک پہنچا دیا تھا۔ ﴿۵۷﴾ آدم کی اولاد میں سے یہ وہ  
 نبی ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، اور ان میں سے کچھ ان لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جن کو ہم نے  
 نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، اور کچھ ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی اولاد  
 میں سے ہیں۔ اور یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی، اور (اپنے دین کے  
 لئے) منتخب کیا۔ جب ان کے سامنے خدائے رحمن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تو یہ روتے ہوئے  
 سجدے میں گر جاتے تھے۔ ﴿۵۸﴾ پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کی جگہ آئے جنہوں نے نمازوں  
 کو برباد کیا، اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے۔ چنانچہ ان کی گمراہی بہت جلد ان کے سامنے  
 آجائے گی۔ ﴿۵۹﴾ البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی، اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کئے، تو ایسے  
 لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۶۰﴾

(۲۸) اس سے مراد نبوت و رسالت اور تقویٰ اور بزرگی کا اعلیٰ مرتبہ ہے جو ان کے زمانے میں انہی کو عطا ہوا۔  
 بائبل میں ان کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا تھا۔ تفسیر کی بعض  
 کتابوں میں بھی ایسی کچھ روایتیں آئی ہیں جن کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ  
 ہے۔ لیکن یہ روایتیں سند کے اعتبار سے نہایت کمزور اور ناقابل اعتبار ہیں۔

(۲۹) یہ سجدے کی آیت ہے۔ جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے، یا سنے اُس پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

(۳۰) یعنی ان کی گمراہی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں اُن کے سامنے آجائے گا۔

جَنَّتِ عَذْنِ الْتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۖ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ۝ لَا  
يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ  
الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ وَمَا نُنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا  
بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ رَبُّ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۖ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝

(ان کا داخلہ) ایسے ہمیشہ باقی رہنے والے باغات میں (ہوگا) جن کا خدائے رحمن نے اپنے  
بندوں سے ان کے دیکھے بغیر وعدہ کر رکھا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ ایسا ہے کہ یہ اس تک ضرور پہنچیں  
گے۔ ﴿۶۱﴾ وہ اس میں سلامتی کی باتوں کے سوا کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اور وہاں ان کا رزق  
انہیں صبح و شام ملا کرے گا۔ ﴿۶۲﴾ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو  
بنائیں گے جو متقی ہو۔ ﴿۶۳﴾

اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آتے۔ ﴿۶۴﴾ جو کچھ  
ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب اُسی کی  
ملکیت ہے۔ اور تمہارا رب ایسا نہیں ہے جو بھول جایا کرے۔ ﴿۶۵﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا بھی  
مالک ہے، اور جو مخلوقات اُن کے درمیان ہیں، اُن کا بھی۔ لہذا تم اُس کی عبادت کرو، اور اُس کی  
عبادت پر جمے رہو۔ کیا تمہارے علم میں کوئی اور ہے جو اُس جیسی صفات رکھتا ہو؟ ﴿۶۶﴾

(۳۱) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس  
آئے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تھا۔ اس پر بعض کفار نے آپ کا مذاق بھی بنایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (معاذ اللہ)  
چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جب جبریل علیہ السلام آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ آپ جلدی جلدی ہمارے پاس  
کیوں نہیں آتے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کا جواب نقل فرمایا ہے کہ ہمارا  
اتر کر آنا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔ ساری کائنات کی مصلحتیں وہی جانتا ہے، کیونکہ آسمان، زمین

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مِثُّ لَسَوْفَ أُخْرِجُ حَيًّا ۖ ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَا  
خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۖ ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ  
حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۖ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ  
عِتِيًّا ۖ ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۖ ﴿٧٠﴾

اور (کافر) انسان یہ کہتا ہے کہ: ”جب میں مر چکا ہوں گا تو کیا واقعی اُس وقت مجھے زندہ کر کے نکالا جائے گا؟“ ﴿۶۶﴾ کیا اس انسان کو یہ بات یاد نہیں آتی کہ ہم نے اُسے شروع میں اُس وقت پیدا کیا تھا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا؟ ﴿۶۷﴾ تو قسم ہے تمہارے پروردگار کی! ہم ان کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اکٹھا کریں گے، پھر ان کو دوزخ کے گرد اس طرح لے کر آئیں گے کہ یہ سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۶۸﴾ پھر ان کے ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو خدائے رحمن کے ساتھ سرکشی کرنے میں زیادہ سخت تھے۔ ﴿۶۹﴾ پھر یہ بات ہم ہی خوب جانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو سب سے پہلے اس دوزخ میں جھونکے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ ﴿۷۰﴾

اور ان کی درمیانی مخلوقات سب اُسی کے قبضے میں ہیں۔ اور اگر کسی وقت دیر ہوتی ہے تو کسی حکمت کی وجہ سے ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور دیر کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ (معاذ اللہ) وہ وحی نازل کرنا بھول گیا ہے۔ (۳۲) یعنی جب انسان کا وجود بالکل تھا ہی نہیں، تب اللہ تعالیٰ نے اُسے محض اپنی قدرت سے پیدا فرمایا تھا، اب مرنے کے بعد تو انسان کے جسم کے کچھ نہ کچھ حصے کسی نہ کسی شکل میں باقی رہتے ہیں۔ ان کو دوبارہ زندگی دے دینا اُس کے لئے کیا مشکل ہے جو بالکل عدم سے انسان کو پیدا کر چکا ہے؟ (۳۳) یعنی اُن شیطانوں کو جو انہیں گمراہ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہر انسان کے ساتھ وہ شیطان بھی لایا جائے گا جس نے اُس انسان کو گمراہ کیا تھا (تفسیر عثمانی)۔

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ۝۴۱ ثُمَّ نُنْجِي الَّذِينَ اتَّقَوْا  
وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝۴۲ وَإِذْ أَتَىٰ عَلَىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ  
كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَا آمِئُ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝۴۳ وَكَمْ  
أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاًا وَرِئِيًّا ۝۴۴

اور تم میں سے کوئی نہیں ہے جس کا اس (دوزخ) پر گزرنہ ہو۔ اس بات کا تمہارے پروردگار نے  
حتمی طور پر ذمہ لے رکھا ہے۔ ﴿۴۱﴾ پھر جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، انہیں تو ہم نجات دے  
دیں گے، اور جو ظالم ہیں، انہیں اس حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ اس (دوزخ میں) گھٹنوں کے  
بل پڑے ہوں گے۔ ﴿۴۲﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو  
کافر لوگ مومنوں سے کہتے ہیں کہ: ”بتاؤ، ہم دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ بہتر ہے اور  
کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے؟“ ﴿۴۳﴾ اور (یہ نہیں دیکھتے کہ) ان سے پہلے ہم کتنی نسلیں ہلاک  
کر چکے ہیں، جو اپنے ساز و سامان اور ظاہری آن بان میں ان سے کہیں بہتر تھیں۔ ﴿۴۴﴾

(۳۴) اس سے مراد پل صراط ہے جو دوزخ ہی پر بنا ہوا ہے، اور اس پل پر سے ہر شخص کو گذرنا ہوگا، چاہے وہ  
مسلمان ہو یا کافر، نیک ہو یا بد عمل۔ پھر جیسے اگلی آیت میں آرہا ہے، نیک لوگ تو اس پل سے اس طرح گذر  
جائیں گے کہ انہیں دوزخ کی ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہوگی، اور کافر اور بد عمل لوگوں کو دوزخ میں گرا دیا جائے  
گا۔ پھر جن کے دلوں میں ایمان ہوگا، انہیں تو اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے گا، اور  
جن کے دلوں میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوگا، وہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور نیک  
لوگوں کو دوزخ سے گزارنے کی حکمت یہ بھی ہے کہ جہنم کا ہولناک نظارہ دیکھنے کے بعد جنت کی قدر و قیمت  
یقیناً زیادہ ہوگی۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الصَّلَاةِ فليُدْ ذَلُهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاءَ أَوَامِيُ عُدُونِ  
 إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ۝  
 وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۖ وَالْبَلْقِيتُ الصَّلِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ  
 ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا ۝ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَلَدًّا ۝

کہہ دو کہ: ”جو لوگ گمراہی میں جا پڑیں تو اُن کے لئے مناسب یہی ہے کہ خدائے رحمن انہیں خوب ڈھیل دیتا رہے۔“ یہاں تک کہ جب یہ لوگ وہ چیز خود دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، چاہے وہ (اس دنیا کا) عذاب ہو، یا قیامت، تو اُس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ بدترین مقام کس کا تھا، اور لشکر کس کا زیادہ کمزور تھا۔ ﴿۷۵﴾ اور جن لوگوں نے سیدھا راستہ اختیار کر لیا ہے، اللہ ان کو ہدایت میں اور ترقی دیتا ہے۔ اور جو نیک عمل باقی رہنے والے ہیں، ان کا بدلہ بھی تمہارے پروردگار کے یہاں بہتر ملے گا، اور ان کا (مجموعی) انجام بھی بہتر ہوگا۔ ﴿۷۶﴾ بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: ”مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔“ ﴿۷۷﴾

(۲۵) صحیح بخاری میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں لوہار کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ اور (اسی سلسلے میں) میرے کچھ پیسے مکہ مکرمہ کے ایک کافر سردار عاص بن وائل کے ذمے واجب ہو گئے تھے۔ میں اس سے اپنا حق مانگنے کے لئے گیا تو اُس نے قسم کھا کر کہا کہ: ”میں تمہارے پیسے اُس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ جھٹلاؤ“ میں نے کہا کہ: ”تم مرکز دوبارہ زندہ ہو جاؤ، تب بھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا نہیں سکتا۔“ اس پر عاص بن وائل نے کہا: ”اچھا جب میں مرکز دوبارہ زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس بہت سا مال اور اولاد ہوگی، اُس وقت میں تمہارے پیسے ادا کروں گا۔“ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

أَطْلَعِ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝۷۸ ۖ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ  
وَنُمَدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝۷۹ ۖ وَنُرْسِلُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝۸۰ ۖ وَاتَّخَذُوا مِنْ  
دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝۸۱ ۖ كَلَّا ۖ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ  
عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝۸۲ ۖ

۵  
۸

کیا اُس نے عالم غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے، یا اُس نے خدائے رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ ﴿۷۸﴾ ہر گز نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم اُسے بھی لکھ رکھیں گے، اور اُس کے عذاب میں اور اضافہ کر دیں گے۔ ﴿۷۹﴾ اور جس (مال اور اولاد) کا یہ حوالہ دے رہا ہے، اُس کے وارث ہم ہوں گے، اور یہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔ ﴿۸۰﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود اس لئے بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی پشت پناہی کریں۔ ﴿۸۱﴾ (۳۶) یہ سب غلط بات ہے! وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کر دیں گے، اور اُلٹے ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ ﴿۸۲﴾

(۳۶) بعض مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ ہم لات اور عزری جیسے بتوں یا دوسرے معبودوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں (سورہ یونس ۱۰: ۱۸)۔ یہ اُن کے اسی عقیدے کی طرف اشارہ ہے۔ اور جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جن دیوتاؤں پر یہ بھروسہ کئے بیٹھے ہیں، قیامت کے دن وہ تو اس بات ہی سے انکار کر دیں گے کہ ان کی عبادت کی گئی تھی، اور وہ ان کی سفارش تو کیا کرتے، اُلٹے ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ یہ مضمون سورہ نحل (۸۶: ۱۶) میں بھی گزرا ہے، جیسا کہ وہاں بھی عرض کیا گیا تھا، عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو بھی زبان دیدے، اور وہ ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ دنیا میں بے جان ہونے کی بنا پر انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زبانِ حال سے یہ بات کہیں، اور شیاطین واقعی زبان سے یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کریں۔



أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَكُونُ لَهُمْ آغْرًا ﴿٨٢﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ  
إِنَّمَا نَعْدُهُمْ عَذَابًا ﴿٨٣﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ﴿٨٤﴾ وَنَسُوقُ  
الْمُجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وَرِثَةً ﴿٨٥﴾ لَا يَسْلُكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ  
الرَّحْمَنِ عَهْدًا ﴿٨٦﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ﴿٨٧﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٨﴾ تَكَادُ  
السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَن دَعَوْا  
لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِيَ الرَّحْمَنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾

(اے پیغمبر!) کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم نے کافروں پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو انہیں برابر اُکساتے رہتے ہیں؟ ﴿۸۳﴾ لہذا تم ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔ ہم تو ان کے لئے گنتی گن رہے ہیں۔ ﴿۸۴﴾ (اُس دن کو نہ بھولو) جس دن ہم سارے متقی لوگوں کو مہمان بنا کر خدائے رحمن کے پاس جمع کریں گے، ﴿۸۵﴾ اور مجرموں کو پیا سے جانوروں کی طرح ہنکا کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ ﴿۸۶﴾ لوگوں کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار بھی نہیں ہوگا، سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے خدائے رحمن سے کوئی اجازت حاصل کر لی ہو۔ ﴿۸۷﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہے! ﴿۸۸﴾ (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ ﴿۸۹﴾ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ ﴿۹۰﴾ کہ ان لوگوں نے خدائے رحمن کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ﴿۹۱﴾ حالانکہ خدائے رحمن کی یہ شان نہیں ہے کہ اُس کی کوئی اولاد ہو۔ ﴿۹۲﴾ آسمانوں اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو خدائے رحمن کے حضور بندہ بن کر نہ آئے۔ ﴿۹۳﴾

لَقَدْ أَحْضَيْنَاهُمُ وَعَدَهُمْ عَذَابًا ۖ وَكُلُّهُمْ أَتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا ۖ إِنَّ الَّذِينَ  
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ۖ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ  
 لِنُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَنُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لَّدَا ۖ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۖ هَلْ  
 تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۖ

۱۶  
۹۴۹

یقین رکھو کہ اُس نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہیں خوب اچھی طرح گن رکھا ہے۔ ﴿۹۴﴾ اور  
 قیامت کے دن ان میں سے ایک ایک شخص اُس کے پاس اکیلا آئے گا۔ ﴿۹۵﴾ (ہاں) بیشک جو  
 لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، خدائے رحمن ان کے لئے دلوں میں  
 محبت پیدا کر دے گا۔ ﴿۹۶﴾ چنانچہ (اے پیغمبر!) ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان میں آسان  
 بنا دیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعے متقی لوگوں کو خوشخبری دو، اور اسی کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ جو ضد  
 کی وجہ سے جھگڑے پر آمادہ ہیں۔ ﴿۹۷﴾ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔  
 کیا تمہیں ٹٹولنے سے بھی ان میں سے کسی کا پتہ ملتا ہے، یا ان میں سے کسی کی بھک بھی تمہیں سنائی  
 دیتی ہے؟ ﴿۹۸﴾

(۳۷) یعنی اس وقت تو مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کفار ان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن عنقریب وہ وقت  
 آنے والا ہے جب مخلوق خدا کے دلوں میں ان مسلمانوں کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

الحمد للہ! آج شب جمعہ ۲ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۳ نومبر ۲۰۰۶ء کو بحرین میں بعد  
 نمازِ عشاء سورہ مریم کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل ہوئی، اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں کو معاف  
 فرما کر اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی  
 رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین۔



# سُورَةُ طه

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سورت کو سن کر اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ اور ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لا چکے تھے جس کا انہیں پتہ نہیں تھا۔ ایک روز وہ گھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں نعیم بن عبد اللہ نامی ایک صاحب انہیں ملے، انہوں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں جہاں آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر غصے کے عالم میں واپس آئے تو بہن اور بہنوئی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے سورۃ ظہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر کو آتے دیکھا تو انہوں نے وہ صحیفہ جس پر سورۃ ظہ لکھی ہوئی تھی، کہیں چھپا دیا، لیکن حضرت عمر پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو، اور یہ کہہ کر بہن اور بہنوئی دونوں کو بہت مارا۔ اس وقت ان دونوں نے کہا کہ آپ ہمیں کوئی بھی سزا دیں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا مجھے بھی دکھاؤ، وہ کیسا کلام ہے۔ بہن نے ان سے غسل کروا کر صحیفہ ان کو دکھایا جس میں سورۃ ظہ لکھی ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبہوت رہ گئے، اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا نہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں اسلام لانے کی ترغیب دی، اور بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابو جہل یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق دے کر اسلام کی قوت کا سامان پیدا فرمادے۔ چنانچہ اسی وقت وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کر لیا۔

جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی، وہ مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش اور تکلیفوں کا زمانہ تھا۔ کفار مکہ نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس لئے اس سورت کا بنیادی مقصد ان کو تسلی دینا تھا کہ اس قسم کی آزمائشیں حق کے علم برداروں کو ہر زمانے میں پیش آئی ہیں، لیکن آخری انجام انہی کے حق میں ہوا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے جس سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں، یہ بھی کہ ایمان والوں کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ بھی کہ آخری فتح انہی کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام انبیائے کرام کی بنیادی دعوت ایک ہی ہوتی ہے کہ انسان خدائے واحد پر ایمان لائے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

آیتھا ۱۳۵ ﴿۲۰﴾ سُورَةُ ظه مَكِّيَّةٌ ۲۵ ﴿۲۱﴾ رُكُوعَاتُهَا ۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ظہ ﴿۱﴾ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ﴿۲﴾ إِلَّا تَذَكُّرًا لِّمَن يَخْشَى ﴿۳﴾ تَنزِيلًا مِّن مَّن خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ﴿۴﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ظہ! ﴿۱﴾ ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ ﴿۲﴾ البتہ یہ اس شخص کے لئے ایک نصیحت ہے جو ڈرتا ہو۔ ﴿۳﴾ اسے اُس ذات کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جا رہا ہے جس نے زمین اور اُونچے اُونچے آسمان پیدا کئے ہیں۔ ﴿۴﴾

(۱) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ظہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ ان حروف مقطعات میں سے ہے جو مختلف سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، اور ان کے ٹھیک ٹھیک معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) اس تکلیف سے مراد وہ تکلیفیں بھی ہو سکتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے پہنچ رہی تھیں، اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ یہ تکلیفیں ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دور فرما کر آپ کو فتح عطا فرمائے گا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں ساری ساری رات جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اس آیت نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اتنی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے رات کے شروع حصے میں سونا اور آخری حصے میں عبادت کرنا شروع کر دیا۔

(۳) یہ نصیحت اس کے لئے کارآمد ہے جو ڈرتا رہتا ہو کہ میرا طرز عمل صحیح ہے یا نہیں، دوسرے الفاظ میں جس کے دل میں حق کی طلب ہو، اور جو ہٹ دھرمی یا لاپرواہی کی روش اختیار کرنے کے بعد بے فکر ہو کر نہ بیٹھ گیا ہو۔

الرَّحْلَيْنِ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ۝ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا  
وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ۝ ۱ وَإِنْ تَجَهَّرَ بِاَقْوَلٍ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۝ اَللّٰهُ لَا  
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۝ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ۝ ۸ وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيثُ مُوسٰى ۝ ۹ اِذْ رَا  
نَارًا اِفْقَالًا لَا هَلِيلَ اَمْكُثُو الرِّجَّ اَنَسْتُ نَارًا اَلْعَلٰى اَتَيْتُكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجْدُ  
عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ ۱۰

وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے۔ ﴿۵﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور  
ان کے درمیان جو کچھ ہے، وہ سب بھی اسی کی ملکیت ہے، اور زمین کی تہوں کے نیچے جو کچھ ہے وہ  
بھی۔ ﴿۶﴾ اگر تم کوئی بات بلند آواز سے کہو (یا آہستہ)، تو وہ چپکے سے کہی ہوئی باتوں کو، بلکہ اور  
زیادہ چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ ﴿۷﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُسی کے  
اچھے اچھے نام ہیں۔ ﴿۸﴾

اور (اے پیغمبر!) کیا تم تک موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ ﴿۹﴾ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کو ایک  
آگ نظر آئی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: ”تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔  
شاید میں اس میں سے کوئی شعلہ تمہارے پاس لے آؤں، یا اُس آگ کے پاس مجھے راستے کا پتہ مل  
جائے۔“ ﴿۱۰﴾

(۳) اس کی تشریح پیچھے سورہ اعراف (۵۴: ۷) کے حاشیے میں گذر چکی ہے۔  
(۵) اور زیادہ چھپی ہوئی باتیں وہ ہیں جو زبان سے کہی ہی نہیں گئیں، بلکہ جن کا صرف خیال دل میں آیا۔ اللہ  
تعالیٰ ان باتوں سے بھی باخبر ہے۔  
(۶) سورہ قصص میں آگے اس واقعے کی تفصیل آنے والی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں ایک عرصہ  
دراز گزارنے کے بعد اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ جب صحرائے سینا میں پہنچے تو راستہ بھول  
گئے، اور سخت سردی کا بھی احساس ہوا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آگ کی سی شکل نظر آئی جو



فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يُمُوسَى ۖ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ  
الْمُقَدَّسِ طَوًى ۖ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى ۚ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا  
أَنَا فَاعْبُدْنِي ۖ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۚ

چنانچہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی کہ: ”اے موسیٰ! ﴿۱۱﴾ یقین سے جان لو کہ  
میں ہی تمہارا رب ہوں۔ اب تم اپنے جوتے اتار دو۔ تم اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں  
ہو۔ ﴿۱۲﴾ اور میں نے تمہیں (نبوت کے لئے) منتخب کیا ہے۔ لہذا جو بات وحی کے ذریعے کہی  
جارہی ہے، اُسے غور سے سنو۔ ﴿۱۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود  
نہیں ہے، اس لئے میری عبادت کرو، اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔ ﴿۱۴﴾

درحقیقت ایک نور تھا۔ اُس وقت انہوں نے اپنی اہلیہ کو وہاں رکنے کی ہدایت دی، اور خود آگ کی طرف چلے۔  
(۷) سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ یقین کیسے آیا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرہی  
ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو یہ اطمینان عطا فرمادیا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہم کلام  
ہیں۔ اور حالات بھی ایسے پیدا کر دیئے گئے کہ انہیں یہ یقین آجائے۔ مثلاً بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ  
جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو یہ عجیب منظر نظر آیا کہ وہ آگ ایک درخت کے اوپر شعلے مار رہی ہے، مگر درخت کا  
کوئی پتہ جلتا نہیں ہے۔ انہوں نے انتظار کیا کہ شاید کوئی چنگاری اڑ کر ان کے پاس آجائے، مگر وہ بھی نہ آئی۔ پھر  
انہوں نے کچھ گھاس پھونس لے کر اسے آگ کے قریب کیا، تاکہ اس میں آگ لگ جائے تو وہ آگ پیچھے ہٹ  
گئی۔ اس وقت یہ آواز سنائی دی، اور آواز کسی ایک جہت سے نہیں، بلکہ چاروں طرف سے آتی محسوس ہو رہی تھی،  
اور موسیٰ علیہ السلام صرف کان سے نہیں، بلکہ تمام اعضاء سے یہ آواز سن رہے تھے۔

(۸) کوہ طور کے دامن میں جو وادی ہے، اس کا نام ”طویٰ“ ہے۔ اور یہ ان مقامات میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ  
نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے۔ اور جوتے اتارنے کا حکم ایک تو اس وادی کے تقدس کی وجہ سے تھا، اور  
دوسرے یہ موقع جبکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کاشرف مل رہا تھا، ادب اور عجز و نیاز کے اظہار کا موقع تھا، اس  
لئے بھی جوتے اتار دینا مناسب تھا۔

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لَتَجْزِيَّ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى ۝۱۵ فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا  
 مِنْ لَأْيُومٍ مَنْ بِهَا وَاتَّبِعْ هَوَاهُ فَتَرْدَى ۝۱۶ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يُمُوسَى ۝۱۷ قَالَ  
 هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاهْتَسِبُ بِهَا عَلَيَّ غَنًى وَلِي فِيهَا مَا رُبُّ أُخْرَى ۝۱۸  
 قَالَ أَلْقَهَا يُمُوسَى ۝۱۹ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى ۝۲۰ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۝۲۱  
 سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى ۝۲۲ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيضًا مِنْ غَيْرِ  
 سَوَاءٍ آيَةً أُخْرَى ۝۲۳

یقین رکھو کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ میں اُس (کے وقت) کو خفیہ رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ ملے۔ ﴿۱۵﴾ لہذا کوئی ایسا شخص تمہیں اس سے ہرگز غافل نہ کرنے پائے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہو، ورنہ تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ ﴿۱۶﴾ اور موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ﴿۱۷﴾ موسیٰ نے کہا: ”یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں پر (درخت سے) پتے جھاڑتا ہوں، اور اس سے میری دوسری ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں۔“ ﴿۱۸﴾ فرمایا: ”موسیٰ! اسے نیچے پھینک دو“ ﴿۱۹﴾ چنانچہ انہوں نے اسے پھینک دیا۔ بس پھر کیا تھا! وہ اچانک ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔ ﴿۲۰﴾ اللہ نے فرمایا: ”اسے پکڑ لو، اور ڈرو نہیں۔ ہم ابھی اسے اس کی پچھلی حالت پر لوٹا دیں گے۔“ ﴿۲۱﴾ اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں دباؤ، وہ کسی بیماری کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا۔ ﴿۲۲﴾ (تمہاری نبوت کی) ایک اور نشانی ہوگی۔ ﴿۲۳﴾

(۹) یعنی جب ہاتھ کو بغل سے نکالو گے تو سفیدی سے چمک رہا ہوگا، اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی۔

عَلَيْكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ۚ ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلَى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی ۚ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اَسْرِحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِّيْ اَمْرِيْ ۙ ﴿٢٦﴾ وَاَحْلِلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۙ ﴿٢٨﴾ وَاَجْعَلْ لِّيْ زَيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۙ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِيْ ۙ ﴿٣٠﴾ اَشَدُّ دُبَّةً اَزِّيْ ۙ ﴿٣١﴾ وَاَسْرِكَ فِيْ اَمْرِيْ ۙ ﴿٣٢﴾ كِيْ نُسِيْحَكَ كَثِيْرًا ۙ ﴿٣٣﴾ وَنَذْرَكَ كَثِيْرًا ۙ ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۙ ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُوْلَكَ يٰمُوسٰی ﴿٣٦﴾

(یہ ہم اس لئے کر رہے ہیں) تاکہ اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ تمہیں دکھائیں۔ ﴿۲۳﴾ (ب) فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکشی میں حد سے نکل گیا ہے۔ ﴿۲۴﴾

موسیٰ نے کہا: ”پروردگار! میری خاطر میرا سینہ کھول دیجئے، ﴿۲۵﴾ اور میرے لئے میرا کام آسان بنا دیجئے، ﴿۲۶﴾ اور میری زبان میں جو گرہ ہے، اُسے دُور کر دیجئے، ﴿۲۷﴾ تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ ﴿۲۸﴾ اور میرے لئے میرے خاندان ہی کے ایک فرد کو مددگار مقرر کر دیجئے، ﴿۲۹﴾ یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں! ﴿۳۰﴾ ان کے ذریعے میری طاقت مضبوط کر دیجئے، ﴿۳۱﴾ اور ان کو میرا شریک کار بنا دیجئے، ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح کریں، ﴿۳۳﴾ اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔ ﴿۳۴﴾ بیشک آپ ہمیں اچھی طرح دیکھنے والے ہیں۔“ ﴿۳۵﴾ اللہ نے فرمایا: ”موسیٰ! تم نے جو کچھ مانگا ہے، تمہیں دے دیا گیا، ﴿۳۶﴾

(۱۰) بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارازبان پر رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت پیدا ہو گئی تھی۔ اسی لکنت کو یہاں ”گرہ“ سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۱۱) اگرچہ تسبیح اور ذکر تنہا بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر اچھے رفقاء میسر ہوں، اور ماحول سازگار ہو تو یہ رفاقت خود بخود اس تسبیح اور ذکر کا داعیہ بن جاتی ہے۔

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۖ ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلَىٰ اُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۖ ﴿۳۸﴾ اِنْ اَقْنَدَ فِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاَقْنَدَ فِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَا خُذْهُ عَدُوٌّ لِّكَ وَعَدُوٌّ لَّهِ ۖ وَالتَّقِيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّمَّنِي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَيْنِي ۖ ﴿۳۹﴾

فَلْيُلْقِهِ

اور ہم نے تم پر ایک اور مرتبہ بھی احسان کیا تھا، ﴿۳۷﴾ جب ہم نے تمہاری ماں سے وحی کے ذریعے وہ بات کہی تھی جو اب وحی کے ذریعے (تمہیں) بتائی جا رہی ہے۔ ﴿۳۸﴾ کہ اس (بچے) کو صندوق میں رکھو، پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دو۔ ﴿۱۲﴾ پھر دریا کو چھوڑ دو کہ وہ اسے ساحل کے پاس لا کر ڈال دے، جس کے نتیجے میں ایک ایسا شخص اس (بچے) کو اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہوگا، اور اس کا بھی دشمن۔ ﴿۱۳﴾ اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبوبیت نازل کر دی تھی، اور یہ سب اس لئے کیا تھا کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ ﴿۱۵﴾ ﴿۳۹﴾

(۱۲) فرعون کو کسی نجوی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تمہاری سلطنت ختم کرے گا۔ اس لئے اُس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو کوئی بچہ پیدا ہوا اُسے قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو بھی فرعون کے آدمی قتل کر ڈالیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر الہام فرمایا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں نیل میں ڈال دو۔

(۱۳) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا، اور فرعون کے کارندوں نے بچے کو اٹھا کر فرعون کے پاس پیش کیا، اور اس کی بیوی حضرت آسیہ نے اسے آمادہ کر لیا کہ اُسے اپنا بیٹا بنا کر پالیں۔

(۱۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل و صورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی معصومیت رکھ دی تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا، آپ سے محبت کرتا تھا۔ اسی وجہ سے فرعون بھی انہیں اپنے گھر میں رکھنے پر راضی ہو گیا۔

(۱۵) یوں تو ہر شخص کی پرورش اللہ تعالیٰ ہی کی نگرانی میں ہوتی ہے، مگر یہاں مطلب یہ ہے کہ عام طور سے پرورش کے جو اسباب ہوتے ہیں کہ ماں باپ اپنے خرچ اور ذمہ داری پر بچے کی پرورش کرتے ہیں، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں اختیار نہیں فرمائے گئے۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے براہ راست ان کی پرورش ان کے دشمن سے کرائی۔

اِذْ تَسْتَشِيْ اُخْتُكَ فَنَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ يَّغْلِبُكَ ۚ فَرَجَعْنَاكَ اِلٰی اُمِّكَ كَيْ  
تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَكَلَّمْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ  
سِنِيْنَ فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ ۚ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ يُّوسٰى ۝۲۰

اس وقت کا تصور کرو جب تمہاری بہن گھر سے چلتی ہے، اور (فرعون کے کارندوں سے) یہ کہتی ہے کہ: ”کیا میں تمہیں اُس (عورت) کا پتہ بتاؤں جو اس (بچے) کو پالے؟“ اس طرح ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، پھر ہم نے تمہیں اس گھٹن سے نجات دی، اور تمہیں کئی آزمائشوں سے گزارا۔ (۱۸) پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے، اس کے بعد اے موسیٰ! تم ایک ایسے وقت پر یہاں آئے ہو جو پہلے سے مقدر تھا، ﴿۳۰﴾

(۱۶) فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو پالنے کا ارادہ کر لیا تو ان کو دودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دودھ منہ میں نہیں لیتے تھے۔ حضرت آسیہ نے اپنی کنیریں بھیجیں کہ وہ کوئی ایسی عورت تلاش کریں جس کا دودھ یہ قبول کر لیں۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈالنے کے بعد بے چین تھیں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دیکھنے کے لئے بھیجا کہ بچہ کا انجام کیا ہوا؟ یہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُسی جگہ پہنچ گئیں جہاں فرعون کی کنیریں پریشانی کے عالم میں دودھ پلانے والی عورتوں کو تلاش کر رہی تھیں۔ ان کو موقع مل گیا، اور انہوں نے اپنی والدہ کو یہ خدمت سونپنے کی تجویز پیش کی، اور انہیں وہاں لے بھی آئیں۔ جب انہوں نے بچے کو دودھ پلانا چاہا تو بچے نے آرام سے دودھ پی لیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بچہ دوبارہ ان کے پاس آ گیا۔

(۱۷) یہ سارے واقعات تفصیل سے سورہ قصص میں آنے والے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے ایک مظلوم اسرائیلی کو ایک ظالم سے بچانے کے لئے اُسے ایک مکا مارا تھا، ان کا مقصد اُسے ظلم سے باز رکھنا تھا، قتل کرنا مقصود نہیں تھا، لیکن وہ مکے ہی سے مر گیا۔

(۱۸) ان آزمائشوں کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک طویل روایت میں بتائی ہے جو تفسیر ابن کثیرؒ میں مروی ہے، اور اس کا مکمل ترجمہ ”معارف القرآن“ جلد ۶ ص ۸۴ تا ۱۰۳ میں موجود ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاُخُوكَ بِاَيَّتِي وَلَا تَتَّبِعَانِي ذِكْرِي ﴿۴۲﴾  
 اِذْهَبَا اِلَى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰی ﴿۴۴﴾  
 قَالَا رَبَّنَا اِنَّا نَخَافُ اَنْ يَّفْرِطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰی ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَا اِنِّىْ مَعَكُمَا  
 اَسْمِعُ وَاُمرِى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيَهُ فَقُوْلَا اِنَّا رَاْسُوْلَا رَبِّكَ فَاَمْسِلْ مَعَنَا بَيْنَیْهِ اِسْرَآءِیْلٌ  
 وَلَا تَعْذِْبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی ﴿۴۷﴾ اِنَّا  
 قَدْ اَوْحٰی اِلَیْكَ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰی ﴿۴۸﴾

اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے۔ ﴿۴۱﴾ تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ، اور میرا ذکر کرنے میں سستی نہ کرنا۔ ﴿۴۲﴾ (۱۹) دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ حد سے آگے نکل چکا ہے۔ ﴿۴۳﴾ جا کر دونوں اُس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے، یا (اللہ سے) ڈر جائے۔ ﴿۴۴﴾ دونوں نے کہا: ”ہمارے پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے، یا کہیں سرکشی پر آمادہ نہ ہو جائے۔“ ﴿۴۵﴾ اللہ نے فرمایا: ”ڈرو نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں، سن بھی رہا ہوں، اور دیکھ بھی رہا ہوں۔“ ﴿۴۶﴾ اب اُس کے پاس جاؤ، اور کہو کہ ہم دونوں تمہارے رب کے پیغمبر ہیں، اس لئے بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو، اور انہیں تکلیفیں نہ پہنچاؤ، ہم تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، اور سلامتی اُسی کے لئے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ ﴿۴۷﴾ ہم پر یہ وحی نازل کی گئی ہے کہ عذاب اُس کو ہوگا جو (حق کو) جھٹلائے، اور منہ موڑے۔“ ﴿۴۸﴾

(۱۹) یہاں یہ سبق دینا مقصود ہے کہ ایک داعی حق کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا چاہئے، اور ہر مشکل میں اسی سے مدد مانگنی چاہئے۔

قَالَ فَبَنِّ بِرَبِّكَ يَا مُوسَى ۖ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى ۝ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى ۝ قَالَ عَلَّمَهَا عِنْدَ رَبِّي فَنِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۝

(یہ ساری باتیں سن کر) فرعون نے کہا: ”موسیٰ! تم دونوں کا رب ہے کون؟“ ﴿۴۹﴾ موسیٰ نے کہا: ”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو وہ بناوٹ عطا کی جو اُس کے مناسب تھی، پھر (اس کی) رہنمائی بھی فرمائی۔“ ﴿۵۰﴾ فرعون بولا: ”اچھا پھر ان قوموں کا کیا معاملہ ہوا جو پہلے گزر چکی ہیں؟“ ﴿۵۱﴾ موسیٰ نے کہا: ”ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے۔ میرے رب کو نہ کوئی غلطی لگتی ہے، نہ وہ بھولتا ہے۔“ ﴿۵۲﴾

(۲۰) یعنی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت ہے کہ جس مخلوق کے لئے جو بناوٹ مقرر کر دی، اُس کو اسی کے مطابق کائنات میں اپنی ڈیوٹی بجالانے کا طریقہ بھی سکھادیا۔ مثلاً سورج کو کائنات میں روشنی اور حرارت پیدا کرنے کے لئے ایک خاص بناوٹ عطا فرمائی تو اسے یہ طریقہ بھی سکھادیا کہ وہ کس طرح اپنے نظام شمسی کے ساتھ گردش کرے، اسی طرح ہر جان دار کو یہ سکھادیا کہ وہ کس طرح چلے، اور کس طرح اپنی غذا حاصل کرے۔ مچھلی کا بچہ پانی میں پیدا ہوتا ہے، اور کسی کے سکھائے بغیر تیرنا شروع کر دیتا ہے۔ پرندے ہوا میں اڑنا خود بخود سیکھ لیتے ہیں۔ غرض ہر مخلوق کو اس کی ساخت کے مناسب زندہ رہنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ ہی سکھاتے ہیں۔

(۲۱) اس سوال سے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں جو توحید کی قائل نہیں تھیں، اس کے باوجود وہ زندہ رہیں، اور ان پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ اگر توحید کے انکار سے انسان عذاب الہی کا مستحق ہو جاتا ہے تو ان قوموں پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کا اور اُس کے کئے ہوئے کاموں کا پورا پورا حال معلوم ہے۔ وہ اپنی حکمت ہی سے فیصلہ فرماتا ہے کہ حق کا انکار کرنے والوں میں سے کس کو اسی دنیا میں سزا دینی ہے، اور کس کی سزا آخرت تک مؤخر کرنی ہے۔ اگر کسی کا فرقہ کو دنیا میں کسی عذاب کا سامنا نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ کوئی بھول چوک ہو گئی ہے، بلکہ یہ اس کی حکمت کا فیصلہ ہے کہ اس کو دنیا کے بجائے آخرت میں عذاب دیا جائے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَاسْلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَانْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَخَرَجْنَا بِهِ أَشْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ ثَمَرِيٍّ ۖ كُلُوا وَارْمُوا أَنْعَامَكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النَّهْلِ ۝<sup>۵۶</sup> مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى ۝<sup>۵۷</sup> وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ الْآيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَى ۝<sup>۵۸</sup> قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَوْمَئِذٍ ۝<sup>۵۹</sup> فَلَمَّا تَبَيَّنَكَ بِسِحْرِ مِثْلِهِ فَأَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا إِلَّا نُخْلِفَهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝<sup>۶۰</sup> قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُخَشِّرَ النَّاسُ ضُعًى ۝<sup>۶۱</sup>

یہ وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنادیا، اور اُس میں تمہارے لئے راستے بنائے، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے طرح طرح کی مختلف نباتات نکالیں۔ ﴿۵۳﴾ خود بھی کھاؤ، اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ یقیناً ان سب باتوں میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۵۴﴾ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا، اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے، اور اسی سے ایک مرتبہ پھر تمہیں نکال لائیں گے۔ ﴿۵۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُس (فرعون) کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں، مگر وہ جھٹلاتا ہی رہا، اور مان کر نہیں دیا۔ ﴿۵۶﴾ کہنے لگا: ”موسیٰ! کیا تم اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو کے ذریعے ہمیں اپنی زمین سے نکال باہر کرو؟“ ﴿۵۷﴾ اچھا تو ہم بھی تمہارے سامنے ایسا ہی جادو لا کر رہیں گے۔ اب تم کسی کھلے میدان میں ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا ایسا وقت طے کر لو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں، نہ تم کرو۔“ ﴿۵۸﴾ موسیٰ نے کہا: ”تم سے وہ دن طے ہے جس میں جشن منایا جاتا ہے، اور یہ بھی طے ہے کہ دن چڑھے ہی لوگوں کو جمع کر لیا جائے۔“ ﴿۵۹﴾

(۲۲) یہ کوئی تہوار تھا جس میں فرعون کی قوم جشن منایا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا انتخاب اس لئے فرمایا تا کہ ایک بڑا مجمع موجود ہو، اور اس کے سامنے حق کی فتح کا مظاہرہ ہو سکے۔



فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ۖ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَيَّ  
 اللَّهُ كَذِبًا فَيُسْجَنَكُمْ بَعْدَآبٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ۖ فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُمْ  
 بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَىٰ ۖ قَالُوا إِنَّ هَٰذَا مِن لَّسَانِ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنْ  
 أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ مَا وَيَذْهَبَ بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثُلَىٰ ۖ فَأَجْبِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ اتُّوَصَفَاءَ ۚ  
 وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَن اسْتَعْلَىٰ ۖ قَالُوا لِلْيُتُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ  
 أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ۖ قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۚ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن  
 سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۖ ۝

چنانچہ فرعون (اپنی جگہ) واپس چلا گیا، اور اُس نے اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کیں، پھر (مقابلے  
 کے لئے) آ گیا۔ ﴿۶۰﴾ موسیٰ نے ان (جادوگروں سے) کہا: ”افسوس ہے تم پر! اللہ پر بہتان نہ  
 باندھو، ورنہ وہ ایک سخت عذاب سے تمہیں ملیا میٹ کر دے گا، اور جو کوئی بہتان باندھتا ہے، نامراد  
 ہوتا ہے۔“ ﴿۶۱﴾ اس پر ان کے درمیان اپنی رائے قائم کرنے میں اختلاف ہو گیا، اور وہ چپکے چپکے  
 سرگوشیاں کرنے لگے۔ ﴿۶۲﴾ (آخر کار) انہوں نے کہا کہ: ”یقینی طور پر یہ دونوں (یعنی موسیٰ اور  
 ہارون) جادوگر ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور پر تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال باہر  
 کریں، اور تمہارے بہترین (دینی) طریقے کا خاتمہ ہی کر ڈالیں۔“ ﴿۶۳﴾ لہذا اپنی ساری  
 تدبیریں پختہ کر لو، پھر صف باندھ کر آؤ، اور یقین رکھو کہ آج جو غالب آجائے گا، فلاح اُسی کو حاصل  
 ہوگی۔“ ﴿۶۴﴾ جادوگر بولے: ”موسیٰ! یا تو تم (اپنی لاشی پہلے) ڈال دو، یا پھر ہم ڈالنے میں پہل  
 کریں؟“ ﴿۶۵﴾ موسیٰ نے کہا: ”نہیں، تم ہی ڈالو“ بس پھر اچانک ان کی (ڈالی ہوئی) رسیاں اور  
 لاشیاں اُن کے جادو کے نتیجے میں موسیٰ کو ایسی محسوس ہونے لگیں جیسے دوڑ رہی ہیں۔ ﴿۶۶﴾

(۲۳) یعنی کفر کی راہ اختیار نہ کرو، کیونکہ کفر کا ہر باطل عقیدہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے مرادف ہے۔

فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى ۚ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۙ ۷۸ وَ اَنْتَ مَا  
فِي يَمِيْنِكَ تَلْقَفُ مَا صَنَعُوْا ۚ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سِحْرٍ ۙ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ  
اَتٰی ۙ ۷۹ فَالْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا ۚ قَالُوْا اِمَّا نَبْرِطُ هٰرُونَ وَمُوسٰی ۙ ۸۰ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ  
قَبْلَ اَنْ اٰذِنَ لَكُمْ ۙ ۸۱ اِنَّهٗ لَكَبِيْرٌ كُفُوْا الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

اس پر موسیٰ کو اپنے دل میں کچھ خوف محسوس ہوا۔ ﴿۶۷﴾ ہم نے کہا: ”ڈرو نہیں، یقین رکھو تم ہی تم سر بلند رہو گے۔ ﴿۶۸﴾ اور جو (لاٹھی) تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، اُسے (زمین پر) ڈال دو، ان لوگوں نے جو کاریگری کی ہے، وہ اُس سب کو نکل جائے گی۔ ان کی ساری کاریگری ایک جادوگر کے کرتب کے سوا کچھ نہیں، اور جادوگر چاہے کہیں چلا جائے، اُسے فلاح نصیب نہیں ہوتی۔“ ﴿۶۹﴾ چنانچہ (یہی ہوا اور) سارے جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔ ﴿۷۰﴾ کہنے لگے کہ: ”ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔“ ﴿۷۱﴾ فرعون بولا: ”تم ان پر میرے اجازت دینے سے پہلے ہی ایمان لے آئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ (موسیٰ) تم سب کا سرغنہ ہے جس نے تمہیں جادو سکھلایا ہے۔“

(۲۴) یہ طبعی خوف تھا، اور اس لئے تھا کہ جو شعبہ ان جادوگروں نے دکھایا، وہ بظاہر اُس معجزے سے ملتا جلتا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام دکھا چکے تھے۔ لہذا خوف یہ تھا کہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو بھی کہیں جادو ہی نہ سمجھ بیٹھیں۔

(۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو اُس نے ایک اثر دہا بن کر جادوگروں کے بنائے ہوئے جعلی سانپوں کو ایک ایک کر کے نکل لیا۔ اس پر جادوگروں کو یقین ہو گیا کہ یہ جادو نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ چنانچہ وہ سجدے میں گر پڑے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم نے ان کے لئے ”سجدے میں گر گئے“ کے بجائے ”سجدے میں گرا دیئے گئے“ فرمایا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھلایا، وہ اس درجہ موثر تھا کہ اُس نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔

فَلَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَمْرُ جُلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصَلِبَتُكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ  
وَلَتَعْلَمُنَّ إِنَّا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْلَى ﴿٤١﴾ قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَ نَافَا قَاضٍ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٤٢﴾ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِئَنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ وَأَبْلَى ﴿٤٣﴾  
إِنَّهُ مِنْ يَأْتِ رَبِّهِ مُجْرِماً فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ﴿٤٤﴾

اب میں نے بھی پکا ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹوں گا، اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ اور تمہیں یقیناً پتہ لگ جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔ ﴿۴۱﴾ جادو گروں نے کہا: ”قسم اُس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے! ہمارے سامنے جو روشن نشانیاں آگئی ہیں، ان پر ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔ اب تمہیں جو کچھ کرنا ہو، کر لو۔ تم جو کچھ بھی کرو گے، اسی دُنیوی زندگی کے لئے ہوگا۔ ﴿۴۲﴾ ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں، تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے، اور جادو کے اُس کام کو بھی جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا۔ اور اللہ ہی سب سے اچھا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔“ ﴿۴۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر آئے گا، اُس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جئے گا۔ ﴿۴۴﴾

(۲۶) اندازہ لگائیے کہ جب ایمان دل میں گھر کر جاتا ہے تو وہ انسان کی سوچ اور اس کے ارادوں میں کتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ یہ وہ جادوگر تھے جن کی سب سے بڑی معراج یہ تھی کہ فرعون ان کو انعام و اکرام سے نواز کر اپنی خوشنودی اور تقرب عطا کر دے۔ چنانچہ مقابلے پر آنے کے وقت فرعون سے ان کا سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ: ”اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کوئی اجرت بھی ملے گی؟“ (دیکھئے سورہ اعراف ۷: ۱۱۳) لیکن جب حق کھل کر ان کے سامنے آ گیا اور اس پر ایمان و یقین دل میں گھر کر گیا تو انہیں نہ فرعون کی ناراضی کا خوف رہا، نہ اپنے ہاتھ پاؤں کوٹانے یا سولی پر لٹکنے کا۔ اللہ اکبر!

(۲۷) مرے گا تو اس لئے نہیں کہ وہاں کسی کو موت نہیں آئے گی، اور جینے کی جو نفی کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ

وَمَنْ يَأْتِهِمْ مُنَادٌ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى ۖ جَنَّتُ  
عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى ۖ وَلَقَدْ  
أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اسْرِ بِعِبَادِي قَا ضَرْبُ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا  
تَخَفُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَى ۚ

اور جو شخص اُس کے پاس مؤمن بن کر آئے گا جس نے نیک عمل بھی کئے ہوں گے، تو ایسے ہی لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں، ﴿۷۵﴾ وہ ہمیشہ رہنے والے باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے! اور یہ صلہ ہے اُس کا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ ﴿۷۶﴾ اور ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ: ”تم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، پھر ان کے لئے سمندر میں ایک خشک راستہ اس طرح نکال لینا کہ نہ تمہیں (دُشمن کے) آپکڑنے کا اندیشہ رہے، اور نہ کوئی اور خوف ہو۔“ ﴿۷۷﴾

ہے کہ وہ جینا چونکہ موت سے بھی بدتر ہوگا، اس لئے وہ جینے میں شمار کرنے کے لائق نہیں ہوگا۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذَٰلِكَ۔

(۲۸) جادو گروں سے مقابلے میں فتح پانے کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کافی عرصے مصر میں رہے، اور اس دوران فرعون کو ان کی تبلیغ بھی جاری رہی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعدد نشانیاں بھی دکھائی جاتی رہیں، جن کا ذکر سورہ اعراف میں گزرا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ تمام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں۔

(۲۹) یعنی تمہارے راستے میں سمندر آئے گا، تم اپنا عصا اُس پر مارو گے تو اُس میں تمہاری قوم کے گزرنے کے لئے خشک راستہ بن جائے گا۔ اس کی تفصیل سورہ یونس (۱۰: ۸۹ تا ۹۲) میں بھی گزری ہے، اور سورہ شعراء (۲۶: ۶۰ تا ۶۶) میں بھی آئے گی۔ چونکہ یہ راستہ اللہ تعالیٰ نے صرف تمہارے لئے پیدا کیا ہوگا، اس لئے فرعون کا لشکر اُس سے گزر کر تمہیں نہیں پکڑ سکے گا، لہذا نہ تمہیں پکڑے جانے کا خوف ہوگا، نہ دُوب جانے کا۔

فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودٍ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۖ ﴿٤٨﴾ وَأَصْلَ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَاهْدَى ﴿٤٩﴾ يُبْنَىٰ إِسْرَآءِيلَ قَدْ أَتَجَيْتُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلَوىٰ ﴿٥٠﴾ كُلُّوْا مِمَّنْ طَبَّيْتُمَا بَرَازِكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَنْ يَّحِلَّ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ﴿٥١﴾ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴿٥٢﴾ وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسَىٰ ﴿٥٣﴾

چنانچہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اُن کا پیچھا کیا تو سمندر کی جس (خونفاک) چیز نے انہیں ڈھانپا، وہ انہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔ ﴿۴۸﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو برے راستے پر لگایا، اور انہیں صحیح راستہ نہ دکھایا۔ ﴿۴۹﴾ اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی، اور تم سے کوہ طور کے دائیں جانب آنے کا وعدہ ٹھہرایا، اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا۔ ﴿۵۰﴾ جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے، اُس میں سے کھاؤ، اور اس میں سرکشی نہ کرو جس کے نتیجے میں تم پر میرا غضب نازل ہو جائے۔ اور جس کسی پر میرا غضب نازل ہو جاتا ہے، وہ تباہی میں گر کر رہتا ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے راستے پر قائم رہے تو میں اُس کے لئے بہت بخشے والا ہوں۔ ﴿۵۲﴾ اور (جب موسیٰ کوہ طور پر اپنے لوگوں سے پہلے چلے آئے تو اللہ نے ان سے کہا: ”موسیٰ! تم اپنی قوم سے پہلے جلدی کیوں آ گئے؟“ ﴿۵۳﴾

(۳۰) عربی محاورے کے مطابق ”وہ چیز“ کہہ کر اُس کے ناقابل بیان حد تک خونفاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۱) صحرائے سینا میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلایا تھا، تاکہ وہ وہاں چالیس دن تک اعتکاف کریں تو انہیں تو رات عطا کی جائے گی۔ شروع میں بنی اسرائیل کے کچھ منتخب لوگوں کے

قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٤﴾ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ يَقُولُوا لَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا أَحْسَنًا ۖ أَقْطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ﴿٨٥﴾ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمِلْكِنَا وَلَكِنَّا حُمِلْنَا ۖ أَوْرَأِرَا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَدَتْهُمَا كَذَلِكَ الْفَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٦﴾

انہوں نے کہا: ”وہ میرے پیچھے پیچھے آیا ہی چاہتے ہیں، اور پروردگار! میں آپ کے پاس اس لئے جلدی آ گیا تاکہ آپ خوش ہوں۔“ ﴿۸۳﴾ اللہ نے فرمایا: ”پھر تمہارے آنے کے بعد ہم نے تمہاری قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے، اور انہیں سامری نے گمراہ کر ڈالا ہے۔“ ﴿۸۴﴾ چنانچہ موسیٰ غم و غصے میں بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس لوٹے۔ کہنے لگے: ”میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ تو کیا تم پر کوئی بہت لمبی مدت گذر گئی تھی، یا تم چاہتے ہی یہ تھے کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو جائے، اور اس وجہ سے تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟“ ﴿۸۵﴾ کہنے لگے: ”ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ ہوا یہ کہ ہم پر لوگوں کے زیورات کے بوجھ لدے ہوئے تھے، اس لئے ہم نے انہیں پھینک دیا، پھر اسی طرح سامری نے کچھ ڈالا“ ﴿۸۶﴾

بارے میں بھی یہ طے ہوا تھا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی روانہ ہو گئے، اور ان کا خیال تھا کہ باقی ساتھی بھی پیچھے آرہے ہوں گے۔ لیکن وہ لوگ نہیں آئے۔ (۳۲) سامری ایک جادوگر تھا جو بظاہر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا، اور اسی لئے ان کے ساتھ لگ گیا تھا، مگر حقیقت میں وہ منافق تھا۔

(۳۳) اچھے وعدے سے مراد کوہ طور پر تورات دینے کا وعدہ ہے۔

(۳۴) یعنی مجھے کوہ طور پر گئے ہوئے کوئی ایسی لمبی مدت تو نہیں گزری تھی کہ تم میرا انتظار کئے بغیر اس پھڑے کو معبود بنا بیٹھو۔

(۳۵) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون کے لشکر کا چھوڑا ہوا مال غنیمت تھا، اُس دور میں مال غنیمت کو استعمال کرنا جائز نہیں تھا۔ اس کے بجائے اُسے ایک میدان میں رکھ دیا جاتا تھا، اور آسمان سے ایک آگ آ کر اُسے جلا دیتی تھی۔ شاید ان زیورات کو پھینکنے کا یہی مقصد ہو کہ آسمانی آگ انہیں آ کر جلا دے۔ اس کے برخلاف عام طور پر تفسیروں میں یہ روایت مذکور ہے کہ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تھے تو نکلنے سے پہلے انہوں نے فرعون کی قوم کے لوگوں سے بہت سے زیورات عید کے موقع پر پہننے کے لئے مستعار لئے تھے۔ وہ سارے زیورات مصر سے نکلے ہوئے ان کے ساتھ تھے۔ چونکہ یہ زیورات دوسروں کی امانت تھی، اس لئے بنی اسرائیل کے لئے جائز نہیں تھا کہ وہ انہیں مالکوں کی اجازت کے بغیر استعمال کریں۔ دوسری طرف انہیں واپس کرنے کا بھی کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ یہ زیورات یہیں پھینک دو، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو دشمن سے حاصل کئے ہوئے مال غنیمت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی روایت بہت مستند نہیں ہے، اور احتمال یہ بھی ہے کہ سامری نے اپنا شعبہ دکھانے کے لئے لوگوں سے کہا ہو کہ تم اپنے اپنے زیور نیچے پھینکو، میں تمہیں ایک تماشا دکھاتا ہوں۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عام لوگوں نے جو زیورات پھینکے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ”قذف“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اور سامری نے جو کچھ پھینکا، اُس کے لئے دوسرا لفظ ”القاء“ استعمال فرمایا ہے۔ اس میں یہ بھی امکان ہے کہ یہ صرف اسلوب کی تبدیلی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ سامری کے پھینکنے سے مراد اس کی شعبہ بازی کی کارگیری ہو، کیونکہ ”القاء“ کا لفظ جادو گروں کے کرتب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۳۶) جب سارے لوگوں نے اپنے زیورات پھینک دیئے تو سامری بھی کوئی چیز مٹھی میں دبا کر لایا، اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ کیا میں بھی پھینک دوں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے سمجھا کہ وہ بھی کوئی زیور ہوگا، اس لئے فرمایا کہ ڈال دو۔ اُس پر سامری نے کہا کہ آپ میرے لئے دُعا فرمائیں کہ جب میں ڈالوں تو جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہ پورا ہو جائے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اس کی منافقت معلوم نہیں تھی، اس لئے دُعا فرمادی۔ حقیقت میں وہ مٹھی میں زیور کے بجائے مٹی لے کر آیا تھا، اور اُس نے وہ مٹی ان زیورات پر ڈال کر انہیں پگھلایا، اور اُن سے ایک پھڑے کی سی صورت بنائی جس میں سے آواز نکلتی تھی۔

فَاُخْرِجْ لَهُمْ عَجَلًا جَسَدًا ۙ اَلَهُ خُورًا فَقَالُوا هَذَا ۙ اَلَهُمُّ وَاِلٰهُ مُوسٰى ۙ  
 فَنَسِيَ ۙ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ صُرًا وَلَا نَفْعًا ۙ ﴿٨٨﴾  
 وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمِ ۙ اِنَّ اِيَّائِي تَشْعُبُوْنَ ۙ وَاِنْ رَاٰكُمْ الرَّحْمٰنُ  
 فَاتَّبِعُونِيْ ۙ وَاَطِيعُوْا اَمْرِيْ ۙ ﴿٨٩﴾ قَالُوْا اَلَنْ تَبْعَرَ عَلَيْهِ عَكْفِيْنٌ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا  
 مُوسٰى ۙ ﴿٩٠﴾ قَالَ يَلْهُوْنَ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاٰ اٰيَتَهُمْ صَلُّوْا ۙ ﴿٩١﴾

اور لوگوں کے سامنے ایک پتھر بنا کر نکال لیا، ایک جسم تھا جس میں سے آواز نکلتی تھی۔ لوگ کہنے لگے کہ: ”یہ تمہارا معبود ہے، اور موسیٰ کا بھی معبود ہے، مگر موسیٰ بھول گئے ہیں۔“ ﴿۸۸﴾ بھلا کیا انہیں یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا، اور نہ ان کو کوئی نقصان یا نفع پہنچا سکتا تھا؟ ﴿۸۹﴾

اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہا تھا کہ: ”میری قوم کے لوگو! تم اس (پتھرے) کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو گئے ہو، اور حقیقت میں تمہارا رب تو رحمن ہے، اس لئے تم میرے پیچھے چلو اور میری بات مانو۔“ ﴿۹۰﴾ وہ کہنے لگے کہ: ”جب تک موسیٰ واپس نہ آجائیں، ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے۔“ ﴿۹۱﴾ موسیٰ نے (واپس آ کر) کہا: ”ہارون! جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟“ ﴿۹۲﴾

(۳۷) قرآن کریم کی اس آیت نے بائبل کی اس روایت کی واضح طور پر تردید فرمادی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام خود بھی (معاذ اللہ) پتھرے کی پرستش میں مبتلا ہو گئے تھے (دیکھئے خروج ۳۲: ۱۶-۱۷)۔ یہ روایت اس لئے بھی قطعی طور پر لغو ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے، اور کسی نبی کے شرک میں ملوث ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔



أَلَا تَتَّبِعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۚ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ  
إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۚ قَالَ فَمَا  
خَطْبُكَ يُسَامِرِي ۚ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ  
الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۚ

کہ تم میرے پیچھے چلے آتے؟ بھلا کیا تم نے میری بات کی خلاف ورزی کی؟“ ﴿۹۳﴾ ہارون نے  
کہا: ”میرے ماں کے بیٹے! میری داڑھی نہ پکڑو، اور نہ میرا سر۔ حقیقت میں مجھے یہ اندیشہ تھا کہ تم  
یہ کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، اور میری بات کا پاس نہیں کیا۔“ ﴿۹۴﴾ موسیٰ  
نے کہا: ”اچھا تو سامری! تجھے کیا ہوا تھا؟“ ﴿۹۵﴾ وہ بولا: ”میں نے ایک ایسی چیز دیکھ لی تھی جو  
دوسروں کو نظر نہیں آئی تھی۔ اس لئے میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھالی، اور اُسے  
(پھٹڑے پر) ڈال دیا۔ اور میرے دل نے مجھے کچھ ایسا ہی سجھایا۔“ ﴿۹۶﴾

(۳۸) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جا رہے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بناتے ہوئے  
انہوں نے فرمایا تھا کہ: ”اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کے پیچھے نہ چلنا“ (۱۴۲: ۷) یہاں اپنی اسی ہدایت کی  
طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تھے تو آپ کو چاہئے تھا کہ ان سے الگ ہو کر  
میرے پاس چلے آتے۔ اس طرح آپ مفسدوں کے ساتھی بھی نہ بنتے، اور میرے ذریعے اصلاح بھی کرتے۔  
(۳۹) یعنی میرے چلے جانے سے قوم دو ٹکڑوں میں بٹ جاتی، کچھ لوگ میرا ساتھ دیتے، اور کچھ ان گمراہوں کا  
جو مجھے قتل تک کرنے کے درپے تھے۔ (جیسا کہ سورہ اعراف ۷: ۱۵۰ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی زبانی  
بیان فرمایا گیا ہے) لہذا آپ نے جو فرمایا تھا کہ ”اصلاح کرتے رہنا“ مجھے اندیشہ تھا کہ ایسا کرنے سے آپ کے  
اس حکم کی خلاف ورزی ہو جاتی۔

(۴۰) رسول سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے ساتھ تھے۔ عام طور  
سے مفسرین نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں ایک گھوڑے پر سوار تھے، اور  
سامری نے دیکھا کہ گھوڑے کا پاؤں جس جگہ پڑتا، وہاں زندگی کے کچھ آثار پیدا ہو جاتے تھے۔ سامری نے سمجھا

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ اِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

موسیٰ نے کہا: ”اچھا تو جا، اب زندگی بھر تیرا کام یہ ہوگا کہ تو لوگوں سے یہ کہا کرے گا کہ مجھے نہ چھونا۔“ اور (اس کے علاوہ) تیرے لئے ایک وعدے کا وقت مقرر ہے جو تجھ سے ٹلایا نہیں جاسکتا۔<sup>(۹۷)</sup> اور دیکھ اپنے اس (جھوٹے) معبود کو جس پر تو جما بیٹھا تھا! ہم اسے جلا ڈالیں گے، اور پھر اس (کی راکھ) کو چورا چورا کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے۔ ﴿۹۷﴾ حقیقت میں تم سب کا معبود تو بس ایک ہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿۹۸﴾

کہ اس مٹی میں جو زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں، ان سے یہ کام بھی لیا جاسکتا ہے کہ کسی بے جان چیز پر ڈالنے سے اس میں زندگی کچھ خصوصیات پیدا ہو جائیں، چنانچہ اُس نے ایک مٹی اس مٹی کی لے کر پھڑے پر ڈال دی جس سے آواز نکلنے لگی۔ لیکن بعض مفسرین مثلاً حضرت مولانا حقانی نے تفسیر حقانی (جلد: ۳ ص: ۲۷۲-۲۷۳) میں فرمایا ہے کہ یہ سامری کی طرف سے ایک جھوٹا بہانہ تھا، ورنہ پھڑے میں آواز خلا میں ہوا کے گزرنے سے نکلتی تھی۔ چونکہ قرآن کریم نے نہ کوئی تفصیل خود بیان فرمائی، نہ کسی مضبوط حدیث سے ثابت ہے، اور نہ کوئی دینی ضرورت اس کے جاننے پر موقوف ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس تفصیل کو اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کیا جائے۔

(۹۸) سامری کے جرم کی سزا اُس کو یہ دی گئی کہ تمام لوگ اُس کا بایکاٹ کریں، نہ کوئی اُسے چھوئے، اور نہ وہ کسی کو ہاتھ لگائے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ اُس کو یہ سزا قانونی حکم کے ذریعے دی گئی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے، جیسا کہ بعض روایات میں آیا بھی ہے، کہ اُس کے جسم میں کوئی ایسی بیماری پیدا ہو گئی تھی کہ کوئی شخص اُسے ہاتھ لگاتا تو اُس کو بھی اور ہاتھ لگانے والے کو بھی بخار چڑھ جاتا تھا۔

(۹۹) اس سے مراد آخرت کے عذاب کا وعدہ ہے۔

كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۖ<sup>(۹۹)</sup>  
 مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ۖ<sup>(۱۰۰)</sup> خَلِيدِينَ فِيهِ ۖ وَسَاءَ لَهُمْ  
 يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا ۖ<sup>(۱۰۱)</sup> يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۖ<sup>(۱۰۲)</sup>  
 يَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۖ<sup>(۱۰۳)</sup> نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ  
 أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۖ<sup>(۱۰۴)</sup>

(اے پیغمبر!) ماضی میں جو حالات گذرے ہیں اُن میں سے کچھ واقعات ہم اسی طرح تم کو سناتے ہیں، اور ہم نے تمہیں خاص اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ عطا کیا ہے۔ ﴿۹۹﴾ جو لوگ اُس سے منہ موڑیں گے، تو وہ قیامت کے دن بڑا بھاری بوجھ لادے ہوں گے، ﴿۱۰۰﴾ جس (کے عذاب) میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور قیامت کے دن اُن کے لئے یہ بدترین بوجھ ہوگا، ﴿۱۰۱﴾ جس دن صور پھونکا جائے گا، اور اُس دن ہم سارے مجرموں کو گھیر کر اس طرح جمع کریں گے کہ وہ نیلے پڑے ہوں گے، ﴿۱۰۲﴾ آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہوں گے کہ تم (قبروں میں یا دنیا میں) دس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ ﴿۱۰۳﴾ جس بارے میں وہ باتیں کریں گے اُس کی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے، جبکہ ان میں سے جس کا طریقہ سب سے بہتر ہوگا، وہ کہے گا کہ تم ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ ﴿۱۰۴﴾

(۳۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس جیسے واقعات کا جاری ہونا جبکہ آپ اُمی ہیں، اور آپ کے پاس ان معلومات کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اور جو آیات آپ تلاوت کر رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی ہیں۔  
 (۳۴) قیامت کا دن ان کے لئے اتنا ہولناک ہوگا کہ وہ دنیا کی ساری زندگی کو ایسا سمجھیں گے جیسے وہ دس دن کی بات ہو۔

(۳۵) یعنی جن دنوں کا شمار وہ صرف دس دن سمجھ کر کر رہے تھے، اُن کی صحیح تعداد ہم جانتے ہیں۔  
 (۳۶) یعنی جس شخص کو زیادہ سمجھ دار سمجھا جاتا تھا، وہ تو کہے گا کہ ہمارے دنیا میں قیام کی مدت یا قبروں میں رہنے کی مدت صرف ایک ہی دن تھی۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۚ  
 لَا تَبْقَىٰ فِيهَا جَبَلًا ۚ أَمْثَلُ ۖ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ  
 الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۚ يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ  
 لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ  
 عِندَهُ ۚ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۚ وَمَنْ  
 يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ۚ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ  
 قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۚ

اور لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا کیا بنے گا؟) جواب میں  
 کہہ دو کہ میرا پروردگار ان کو ڈھول کی طرح اڑا دے گا ﴿۱۰۵﴾ اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل  
 میدان بنا کر چھوڑے گا ﴿۱۰۶﴾ کہ اس میں تمہیں نہ کوئی بل نظر آئے گا، نہ کوئی ابھار ﴿۱۰۷﴾  
 اُس دن سب کے سب منادی کے پیچھے اس طرح چلے آئیں گے کہ اُس کے سامنے کوئی ٹیڑھ نہیں  
 دکھا سکیں گے۔ اور خدائے رحمن کے آگے تمام آوازیں دب کر رہ جائیں گی، چنانچہ تمہیں پاؤں کی  
 سرسراہٹ کے سوا کچھ سنائی نہیں دے گا۔ ﴿۱۰۸﴾ اُس دن کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی،  
 سوائے اُس شخص (کی سفارش) کے جسے خدائے رحمن نے اجازت دے دی ہو، اور جس کے بولنے  
 پر وہ راضی ہو۔ ﴿۱۰۹﴾ وہ لوگوں کی ساری اگلی بچھلی باتوں کو جانتا ہے، اور وہ اُس کے علم کا احاطہ  
 نہیں کر سکتے۔ ﴿۱۱۰﴾ اور سارے کے سارے چہرے حی و قیوم کے آگے جھکے ہوں گے، اور جو کوئی  
 ظلم کا بوجھ لا کر لایا ہوگا، نامراد ہوگا۔ ﴿۱۱۱﴾ اور جس نے نیک عمل کئے ہوں گے، جبکہ وہ مؤمن بھی  
 ہو، تو اُسے نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا، نہ کسی حق تلفی کا۔ ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے اسی طرح یہ وحی ایک  
 عربی قرآن کی شکل میں نازل کی ہے، اور اُس میں تنبیہات کو طرح طرح سے بیان کیا ہے، تاکہ  
 لوگ پرہیزگاری اختیار کریں، یا یہ قرآن اُن میں کچھ سوچ سمجھ پیدا کرے۔ ﴿۱۱۳﴾

فَتَعَلَّىٰ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقَّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ  
وَحْيُهُ ۚ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ  
يَجِدْ لَهُ عِزًّا ﴿۱۱۴﴾

ایسی ہی اونچی شان ہے اللہ کی، جو سلطنت کا حقیقی مالک ہے! اور (اے پیغمبر!) جب قرآن وحی کے  
ذریعے نازل ہو رہا ہو تو اُس کے مکمل ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو، اور یہ دُعا  
کرتے رہا کرو کہ: ”میرے پروردگار! مجھے علم میں اور ترقی عطا فرما۔“ ﴿۱۱۳﴾  
اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک بات کی تاکید کی تھی، پھر اُن سے بھول ہو گئی، اور ہم نے اُن میں  
عزم نہیں پایا۔ ﴿۱۱۴﴾

(۳۷) جب حضرت جبریل علیہ السلام قرآن کریم کی آیتیں وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل  
کرتے، تو آپ اس دُر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں، ساتھ ساتھ اُن آیتوں کو دُہراتے رہتے تھے جس سے ظاہر  
ہے کہ آپ کو سخت مشقت ہوتی تھی۔ اس آیت میں آپ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کو یہ محنت اٹھانے کی ضرورت  
نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی قرآن کریم کو آپ کے سینہ مبارک میں محفوظ فرمادے گا۔ یہی بات سورہ قیامہ  
(۱۶: ۷۵-۱۸) میں بھی فرمائی گئی ہے۔

(۳۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دُعا کی تلقین فرما کر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ علم ایک ایسا سمندر ہے  
جس کا کوئی کنارہ نہیں، اور انسان کو علم کے کسی بھی درجے پر قناعت کر کے نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ ہر وقت علم میں  
ترقی کی کوشش اور دُعا کرتے رہنا چاہئے۔ اس دُعا میں یادداشت کی قوت کی دُعا بھی شامل ہے، اور معلومات کی  
زیادتی اور ان کی صحیح سمجھ کی بھی۔

(۳۹) جس تاکید کا یہاں ذکر ہے، اُس سے مراد ایک خاص درخت کا پھل نہ کھانے کی تاکید ہے۔ اس واقعے کی  
تفصیل اور اس سے متعلق سوالات کا جواب سورہ بقرہ (۲: ۳۴ تا ۳۹) میں گزر چکا ہے۔ اور یہاں آدم علیہ  
السلام کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ان میں عزم نہیں پایا، اس کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَى ۖ فَقُلْنَا  
يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى ۖ إِنَّ لَكَ  
أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَى ۖ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَى ۖ فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ  
الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبُؤُا ۚ

یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، البتہ  
ابلیس تھا جس نے انکار کیا۔ ﴿۱۱۶﴾ چنانچہ ہم نے کہا کہ: ”اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا  
دُشمن ہے، لہذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔“ ﴿۱۱۷﴾<sup>(۵۰)</sup>  
یہاں تو تمہیں یہ فائدہ ہے کہ نہ تم بھوکے ہو گے، نہ ننگے، ﴿۱۱۸﴾ اور نہ یہاں پیاسے رہو گے، نہ  
دھوپ میں تپو گے۔“ ﴿۱۱۹﴾ پھر شیطان نے اُن کے دل میں دوسوہ ڈالا۔ کہنے لگا: ”اے آدم!  
کیا میں تمہیں ایک ایسا درخت بتاؤں جس سے جاودانی زندگی اور وہ بادشاہی حاصل ہو جاتی ہے جو  
کبھی پرانی نہیں پڑتی؟“ ﴿۱۲۰﴾<sup>(۵۱)</sup>

بیان فرمایا ہے کہ ان سے درخت کا پھل کھانے کے سلسلے میں جو غلطی ہوئی، اُس میں ان کے عزم کو دخل نہیں تھا،  
یعنی انہوں نے نافرمانی کے ارادے سے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ ان سے بھول ہو گئی۔ اور دوسرے  
مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اُن میں ایسا پختہ عزم نہیں تھا کہ شیطان کے بہکائے میں نہ آتے۔ اس  
سے انسان کی اُس سرشت کی طرف اشارہ ہے جس میں شیطان اور نفس کے بہکائے میں آنے کی صلاحیت موجود  
ہے۔ چونکہ قرآن کریم نے عزم کی نفی کو بھول ہو جانے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، اس لئے یہاں پہلے معنی زیادہ  
بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۰) اس آیت کو اگلی آیت سے ملا کر پڑھا جائے تو مطلب یہ ہے کہ جنت میں تو تمہیں زندگی کی ساری  
ضروریات یعنی خوراک، کپڑا اور رہنے کے لئے گھر بغیر کسی محنت کے حاصل ہے۔ جنت سے نکل گئے تو ان  
چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے محنت اور مشقت اٹھانی پڑے گی۔

(۵۱) ساتھ ہی شیطان نے یہ تاویل بھی سجھائی کہ اس درخت کی جو ممانعت کی گئی تھی، وہ اس لئے تھی کہ تم میں اُس  
وقت اس درخت کا پھل کھانے کی طاقت نہیں تھی۔ اب ایک عرصہ گزر جانے کے بعد یہ رکاوٹ باقی نہیں رہی۔

فَاَكْلًا مِنْهَا قَدَّتْ لَهَا سَؤَالُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذُرِّ الْجَنَّةِ ۖ وَ  
 عَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ﴿١٢١﴾ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهْبِطَا  
 مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَاَمَّا يَاتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى ۖ فَمَنِ اتَّبَعَ  
 هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا  
 وَنَحْشُرُ كَيْدَهُ مَا تَلْقَاةٌ أَعْلَىٰ ﴿١٢٤﴾

چنانچہ ان دونوں نے اُس درخت میں سے کچھ کھالیا جس سے اُن دونوں کے شرم کے مقامات اُن  
 کے سامنے کھل گئے، اور وہ دونوں جنت کے پتوں کو اپنے اوپر گانٹھنے لگے۔ اور (اس طرح) آدم  
 نے اپنے رب کا کہا ٹالا، اور بھٹک گئے۔ ﴿۱۲۱﴾ پھر اُن کے رب نے اُنہیں چن لیا، چنانچہ ان کی  
 توبہ قبول فرمائی، اور انہیں ہدایت عطا فرمائی۔ ﴿۱۲۲﴾ اللہ نے فرمایا: ”تم دونوں کے دونوں یہاں  
 سے نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔“ پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت  
 پہنچے، تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا، اور نہ کسی مشکل میں گرفتار  
 ہوگا۔ ﴿۱۲۳﴾ اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اُس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت  
 کے دن ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ ﴿۱۲۴﴾

(۵۲) سورہ بقرہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اجتہادی غلطی تھی جس کی حقیقت اوپر آیت  
 نمبر ۱۱۵ میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اُن سے بھول ہو گئی، اور اجتہادی غلطی اور بھول میں جو کام کیا جاتا ہے، وہ  
 گناہ نہیں ہوتا، لیکن چونکہ پیغمبروں کی شان بہت بلند ہوتی ہے، اس لئے ان سے اس قسم کی اجتہادی غلطی کا سرزد  
 ہونا بھی ان کے شایانِ شان نہیں ہوتا، اس لئے اُسے حکم ٹالنے اور بھٹکنے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر بھی توبہ کی  
 تلقین فرمائی گئی ہے۔

(۵۳) یعنی انسان اور شیطان ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

(۵۴) جب قبر سے اٹھا کر حشر کی طرف لائے جائیں گے، اُس وقت تو یہ لوگ اندھے ہوں گے، لیکن بعد میں  
 انہیں بینائی دے دی جائے گی، جیسا کہ سورہ کہف (۱۸: ۵۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم کی آگ کو دیکھیں گے۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝۱۲۵ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمَرْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ۝۱۲۶ اَفَلَمْ یَهْدِیْ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّوْلِ ۝۱۲۷ وَلَوْ لَا کَلِمَةٌ مِّنْ رَبِّكَ لَکَانَ لٰزِمًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّی ۝۱۲۸

وہ کہے گا کہ: ”یا رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، حالانکہ میں تو آنکھوں والا تھا؟“ ﴿۱۲۵﴾  
 اللہ کہے گا: ”اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں، مگر تو نے انہیں بھلا دیا۔ اور آج اُسی طرح تجھے بھلا دیا جائے گا۔“ ﴿۱۲۶﴾

اور جو شخص حد سے گزر جاتا ہے، اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتا، اُسے ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں، اور آخرت کا عذاب واقعی زیادہ سخت اور زیادہ دیر رہنے والا ہے۔ ﴿۱۲۷﴾ پھر کیا ان لوگوں کو اس بات نے بھی کوئی ہدایت کا سبق نہیں دیا کہ ان سے پہلے کتنی نسلیں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا، جن کی بستیوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے بھی ہیں؟ یقیناً جن لوگوں کے پاس عقل ہے، اُن کے لئے اس بات میں عبرت کے بڑے سامان ہیں۔ ﴿۱۲۸﴾ اور اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کر دی گئی ہوتی، اور (اس کے نتیجے میں عذاب کی) ایک میعاد مقرر نہ ہوتی، تو لازمی طور پر عذاب (ان کو) چمٹ چکا ہوتا۔ ﴿۱۲۹﴾<sup>(۵۵)</sup>

(۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کافروں کو عذاب دینے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اور یہ طے کر رکھا ہے کہ اُس سے پہلے ان کو مہلت دی جائے گی۔ اس لئے ان کی نافرمانیوں کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں ہو رہا ہے۔ اگر یہ بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کے کرتوت ایسے تھے کہ ان کو فوری طور پر عذاب آچمٹتا۔



فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا  
وَمِنْ أَنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝ وَلَا تَسُدَّنَّ عَيْنَيْكَ  
إِلَىٰ مَا مَشَتْ بِهٖ أَرْوَاجُهُمْ ذَهْرَةً ۖ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْسَتِهِمْ فِيهِ ۖ وَرِزْقُ  
رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا تَسْأَلُكَ رِزْقًا  
نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝

لہذا (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں، تم ان پر صبر کرو، اور سورج نکلنے سے پہلے اور اُس کے غروب سے پہلے اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرتے رہو، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو، اور دن کے کناروں میں بھی، تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔ ﴿۱۳۰﴾ اور دُنیوی زندگی کی اُس بہار کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اڑانے کے لئے دے رکھی ہے، تاکہ ہم ان کو اُس کے ذریعے آزمائیں۔ اور تمہارے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دیرپا ہے۔ ﴿۱۳۱﴾ اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اُس پر ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم تمہیں دیں گے۔ اور بہتر انجام تقویٰ ہی کا ہے۔ ﴿۱۳۲﴾

(۵۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ لوگ آپ کے خلاف جو بے ہودہ باتیں کرتے ہیں، ان کا جواب دینے کے بجائے ان پر صبر کرتے رہئے، اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہئے جس کا بہترین طریقہ نماز پڑھنا ہے، چنانچہ سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز اور غروب سے پہلے عصر کی نماز اور رات میں عشاء اور تہجد کی نماز اور دن کے کناروں پر مغرب کی نماز کا اہتمام کرتے رہئے۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر آپ خوش ہو جائیں گے، ایک تو اس لئے کہ اس پر آپ کو جو اجر ملنے والا ہے، وہ انتہائی عظیم الشان ہے، اور دوسرے یہی طرز عمل آخر کار دشمنوں پر آپ کی فتح کا ضامن ہے، اور تیسرے اس لئے کہ آپ کو امت کی شفاعت کا مقام حاصل ہوگا تو امت کی نجات سے آپ کو خوشی ہوگی۔

(۵۷) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح دُنیا میں آقا اپنے غلاموں کو معاشی مشغلے میں لگا کر ان کی آمدنی

وَقَالُوا لَا يَتَّبِعُنَا بِآيَةِ رَبِّهِ ۖ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝  
 وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا إِنَّا بَنَاءُ لَّوَلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا  
 فَتَنَّاكَ إِلَيْكَ مِّن قَبْلِ أَنْ نُنْزِلَ وَنَحْزِي ۝ قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ فَتَرَبَّصُوا ۚ  
 فَسَتَعْلَمُونَ مَن أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَى ۝

ع  
۱۲

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”یہ (نبی) ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے؟“ بھلا کیا ان کے پاس پچھلے (آسمانی) صحیفوں کے مضامین کی گواہی نہیں آگئی؟ ﴿۱۳۳﴾<sup>(۵۸)</sup> اور اگر ہم انہیں اس (قرآن) سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ: ”ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا، تاکہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے؟“ ﴿۱۳۴﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ”(ہم) سب انتظار کر رہے ہیں، لہذا تم بھی انتظار کرو“<sup>(۵۹)</sup> کیونکہ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ سیدھے راستے والے لوگ کون ہیں، اور کون ہیں جو ہدایت پا گئے ہیں؟ ﴿۱۳۵﴾

سے رزق حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری اس طرح کی بندگی سے بے نیاز ہے، اس کے بجائے وہ خود تمہیں رزق دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں کی کہ تم اپنا رزق خود پیدا کرو۔ تم زیادہ سے زیادہ جو کچھ کرتے ہو، وہ یہ کہ اسباب کو اختیار کر لیتے ہو، مثلاً زمین میں بیج بودیتے ہو، لیکن اُس بیج سے دانہ اُگانے کا کام ہم نے تم پر نہیں رکھا، بلکہ ہم خود اُس سے وہ پیداوار پیدا کرتے ہیں جو تمہیں رزق مہیا کرتی ہے۔

(۵۸) اس سے مراد قرآن کریم ہے، اور آیت کی تشریح دو طرح کی جاسکتی ہے۔ ایک یہ کہ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کی پیشین گوئی پچھلے آسمانی صحیفوں میں موجود تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صحیفوں نے قرآن کریم کی حقانیت کی گواہی دی تھی، اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ قرآن کریم پچھلے آسمانی صحیفوں کے مضامین کی تصدیق کر کے ان کی گواہی دے رہا ہے، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی زبان مبارک پر یہ کلام جاری ہوا

ہے، وہ اُمی ہیں، اور ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ پچھلی کتابوں کا علم حاصل کر سکتے۔ اب جو ان آسمانی کتابوں کے مضامین ان کی زبان پر جاری ہو رہے ہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں، اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اور کیا نشانی چاہتے ہو؟

(۵۹) یعنی دلیلیں اور حجتیں تو ساری تمام ہو چکیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا تم بھی انتظار کرو، اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ وہ وقت دُور نہیں جب ہر شخص کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو کر واضح ہو جائے گا۔

الحمد للہ! سورہ ظہ کا ترجمہ اور حواشی آج بتاریخ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۶ء - ۵ رذوالحجہ ۱۴۲۷ھ دبی سے کراچی جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اور اس سورت کا بیشتر کام بحرین، دبی، لاہور اور اسلام آباد کے سفروں میں انجام پایا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ

## تعارف

اس سورت کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات ہے، اور ان عقائد کے خلاف کفار مکہ جو اعتراضات اٹھایا کرتے تھے، سورت میں اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ان لوگوں کا ایک اعتراض یہ تھا کہ ایک ہم جیسے انسان کو پیغمبر بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا مناسب تھا، اور اس ضمن میں بہت سے پچھلے پیغمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ سب انسان ہی تھے، اور انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو انہی عقائد کی تعلیم دی تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد ہیں۔ انبیائے کرام کے اسی حوالے کی بنا پر اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے۔

آياتھا ۱۱۲ سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ ۲۱ رُكُوعَاتُهَا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ اِلَّا اسْتَعْوَوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ لَا هِيَ قُلُوبُهُمْ ۝ وَاَسْرَا النَّجْوَى ۝ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۝ هَلْ هَذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۝ اَفَتَتَّوْنُ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۝ قُلْ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ۝ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آپہنچا ہے، اور وہ ہیں کہ غفلت کی حالت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں! ﴿۱﴾ جب کبھی ان کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی کوئی نئی بات ان کے پاس آتی ہے تو وہ اسے مذاق بنانا کر اس حالت میں سنتے ہیں ﴿۲﴾ کہ ان کے دل فضولیات میں منہمک ہوتے ہیں۔ اور یہ ظالم چپکے چپکے (ایک دوسرے سے) سرگوشی کرتے ہیں کہ: ”یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمہی جیسا ایک انسان نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا پھر بھی تم سوچتے بوجھتے جادو کی بات سننے جاؤ گے؟“ ﴿۳﴾ پیغمبر نے (جواب میں) کہا کہ: ”آسمان اور زمین میں جو کچھ کہا جاتا ہے، میرا پروردگار اُس سب کو جانتا ہے۔ وہ ہر بات سنتا ہے، ہر چیز سے باخبر ہے۔“ ﴿۴﴾

(۱) جو باتیں یہ کافر لوگ خفیہ طور پر کیا کرتے تھے، بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعے اُن سے باخبر ہو کر وہ باتیں بتا دیا کرتے تھے، اس بات کو وہ لوگ جادو کہہ دیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ جادو نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی وحی ہے جو زمین و آسمان میں کہی ہوئی ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۖ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ  
 الْأَوَّلُونَ ۝ مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۖ أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَمَا  
 أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا  
 تَعْلَمُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝

یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ: ”یہ (قرآن) بے جوڑ خوابوں کا مجموعہ ہے، بلکہ یہ ان صاحب نے خود گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ ایک شاعر ہیں۔ بھلا یہ ہمارے سامنے کوئی نشانی تو لے آئیں جیسے پچھلے پیغمبر (نشانوں کے ساتھ) بھیجے گئے تھے!“ ﴿۵﴾ حالانکہ ان سے پہلے جس کسی بستی کو ہم نے ہلاک کیا، وہ ایمان نہیں لائی، اب کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ ﴿۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی اور کو نہیں، آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ لہذا (کافروں سے کہو کہ) اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔ ﴿۷﴾ اور ہم نے ان (رسولوں) کو ایسے جسم بنا کر پیدا نہیں کر دیا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ ایسے تھے کہ ہمیشہ زندہ رہیں۔ ﴿۸﴾

(۲) نشانی سے مراد معجزہ ہے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات ان کے سامنے آچکے تھے، لیکن وہ نت نئے معجزوں کے مطالبات کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پچھلی قوموں نے بھی ایسے مطالبات کئے تھے، لیکن جب ان کو ان کی فرمائش کے مطابق معجزات دکھائے گئے تب بھی وہ ایمان نہیں لائے جس کے نتیجے میں انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ بھی اپنے فرمائشی معجزے دیکھنے کے بعد ایمان نہیں لائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور ابھی اللہ تعالیٰ کو ان کی فوری ہلاکت منظور نہیں ہے۔

(۳) نصیحت کا علم رکھنے والوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ یعنی اگر تمہیں خود پچھلے پیغمبروں کا علم نہیں ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو، وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ تمام انبیائے کرام انسانوں ہی میں سے آئے ہیں۔

ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ① لَقَدْ أَنْزَلْنَا  
إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ② أَفَلَا تَعْقِلُونَ ③ وَكَمْ قَصَصْنَا مِنْ قَبْلِكَ كَانَتْ طَائِفَةً ④  
وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا تَوْحِيدًا ⑤ فَكَلَّمْنَا آخِشًا ⑥ إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ⑦  
لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ⑧

پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا، اُسے سچا کر دکھایا کہ ان کو بھی بچالیا، اور (ان کے علاوہ) جن کو ہم نے چاہا ان کو بھی، اور جو لوگ حد سے گزر چکے تھے، انہیں ہلاک کر دیا۔ ﴿۹﴾ (اب) ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟ ﴿۱۰﴾ اور ہم نے کتنی بستیوں کو پیس ڈالا جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں۔ ﴿۱۱﴾ چنانچہ جب انہوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ پائی تو وہ ایک دم وہاں سے بھاگنے لگے۔ ﴿۱۲﴾ (ان سے کہا گیا:) ”بھاگو مت، اور واپس جاؤ اپنے انہی مکانات اور اسی عیش و عشرت کے سامان کی طرف جس کے مزے تم لوٹ رہے تھے، شاید تم سے کچھ پوچھا جائے۔“ ﴿۱۳﴾

(۴) اس آیت کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے ہی ذکرِ خیر کا سامان ہے“ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب عربی زبان میں نازل کی گئی ہے جس کے براہِ راست مخاطب تم عرب لوگ ہو، اور یہ تمہارے لئے بہت بڑا، اعزاز کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری کلام تم پر تمہاری زبان میں نازل فرمایا، اور اس سے رہتی دنیا تک دنیا کی ساری قوموں میں تمہارا ذکرِ خیر جاری رہے گا۔

(۵) یہ بات اُن سے طنز کے طور پر کہی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے عیش و عشرت میں منہمک تھے تو تمہارے نوکر چاکر تم سے پوچھا کرتے تھے کہ ”کیا حکم ہے؟“ اب ذرا اپنے گھروں میں واپس جا کر دیکھو، شاید تمہارے نوکر چاکر تم سے تمہارا حکم پوچھیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اب نہ تمہیں اپنے گھروں کا کوئی نشان ملے گا، نہ عیش و عشرت کے سامان کا، اور نہ ان نوکروں کا جو تمہارے احکام کے منتظر رہا کرتے تھے۔



قَالُوا يَٰوَيْكُنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زِلَّتُ إِلَيْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَبِيرِينَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِيبِينَ ﴿۱۶﴾ لَوْ أَرَادْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آلًا تَتَّخِذُهُ مِنْ لَدُنَّا ۖ إِنَّا كُنَّا فَعَلِينَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۖ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾

وہ کہنے لگے: ”ہائے ہماری کم بختی! سچی بات یہ ہے کہ ہم لوگ ہی ظالم تھے۔“ ﴿۱۴﴾ ان کی یہی پکار جاری رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو ایک کٹی ہوئی کھیتی، ایک نبھی ہوئی آگ بنا کر رکھ دیا۔ ﴿۱۵﴾ اور ہم نے آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اُس کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ہم کوئی کھیل کرنا چاہتے ہوں۔ ﴿۱۶﴾ اگر ہمیں کوئی کھیل بنانا ہوتا تو ہم خود اپنے پاس سے بنا لیتے، اگر ہمیں ایسا کرنا ہی ہوتا۔ ﴿۱۷﴾ بلکہ ہم تو حق بات کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں، جو اُس کا سر توڑ ڈالتا ہے، اور وہ ایک دم ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور جو باتیں تم بنا رہے ہو، اُن کی وجہ سے خرابی تمہاری ہی ہے۔ ﴿۱۸﴾

(۶) جو لوگ دُنیا کے بعد آخرت کی زندگی کا انکار کرتے ہیں، درحقیقت اُن کے دعوے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات یونہی کسی مقصد کے بغیر ایک کھیل بنا کر پیدا کر دی ہے، اور جو کچھ اس دُنیا میں ہو رہا ہے، اُس کا کوئی نتیجہ بعد میں ظاہر ہونے والا نہیں ہے، نہ کسی شخص کو اس کی نیکی کا کوئی صلہ ملے گا، اور نہ کسی ظالم اور بدکار کو اُس کے گناہ کی سزا ملے گی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت بہت بڑی گستاخی ہے۔

(۷) یعنی اول تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور کرنا حماقت ہے کہ وہ کوئی کھیل کرنا چاہتا ہے، دوسرے اگر بفرض محال اُسے کوئی دل لگی کرنی ہوتی تو اُس کے لئے کائنات کا یہ سارا کارخانہ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ اپنے پاس ہی سے کوئی مشغلہ بنا سکتا تھا۔

(۸) یعنی کھیل دل لگی ہمارا کام نہیں ہے۔ ہم تو جو کام کرتے ہیں، وہ حق ہی حق ہوتا ہے، اور اُس کے مقابلے میں باطل آتا ہے تو حق ہی کے ذریعے اُس کا توڑ کیا جاتا ہے۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا  
يَسْتَحْسِرُونَ ۚ ۞ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۚ ۞ أَمَّا تَتَّخِذُوا آلَ إِبْرَاهِيمَ  
الَّذِينَ هُمْ يُنْشِرُونَ ۚ ۞ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلُ اللَّهِ إِلاَّ اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ  
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۚ ۞

اور آسمانوں اور زمین میں جو لوگ بھی ہیں، اللہ کے ہیں۔ اور جو (فرشتے) اللہ کے پاس ہیں، وہ نہ  
اُس کی عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، نہ تھکتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾ وہ رات دن اُس کی تسبیح کرتے رہتے  
ہیں، اور ست نہیں پڑتے۔ ﴿۲۰﴾

بھلا کیا ان لوگوں نے زمین میں سے ایسے خدا بنا رکھے ہیں جو نئی زندگی دیتے ہیں؟ ﴿۲۱﴾ اگر  
آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔ ﴿۲۲﴾ لہذا عرش کا  
مالک اللہ اُن باتوں سے بالکل پاک ہے جو یہ لوگ بنایا کرتے ہیں۔ ﴿۲۲﴾

(۹) اکثر مفسرین نے نئی زندگی دینے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن دیوتاؤں کو انہوں نے خدا بنا رکھا ہے، کیا وہ  
اس بات پر قادر ہیں کہ مردوں کو نئی زندگی دے سکیں؟ اگرچہ مشرکین عرب مرنے کے بعد کی زندگی کے قائل نہیں  
تھے، لیکن جب کسی ذات کو خدا مان لیا تو اُس کا منطقی تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اُس ذات کو نئی زندگی دینے پر بھی  
قدرت حاصل ہو، تو کیا یہ لوگ بتوں کو ایسا قادر مانتے ہیں؟ لیکن بعض مفسرین نے یہاں نئی زندگی دینے کا  
مطلب یہ لیا ہے کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دیوتا زمین کو نئی زندگی دیتے ہیں جس سے وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی  
ہے، کیونکہ ان میں سے بعض کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمان کا خدا کوئی اور ہے، اور زمین کا کوئی اور، اللہ تعالیٰ کی  
خدائی تو آسمان پر ہے، اور زمین کا سارا انتظام یہ دیوتا کرتے ہیں۔

(۱۰) یہ توحید کی ایک عام فہم دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر اس کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا مستقل  
خدائی کا حامل ہوتا، اور کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا۔ اس صورت میں ان کے فیصلوں کے درمیان اختلاف بھی ہو سکتا  
تھا۔ اب اگر ایک خدا نے ایک فیصلہ کیا، اور دوسرے خدا نے دوسرا فیصلہ تو یا تو اُن میں سے ایک دوسرے کے  
آگے ہار مان لیتا، تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوا جو کسی سے ہار مان لے، یا دونوں اپنے اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿۳۳﴾ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلُوبًا مَلَأَتْ بِرُءُوسِهِمْ هَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعِيَ وَذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِي ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۳۴﴾ وَمَا أَمْرُ سَلَامٍ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوْحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۳۵﴾

وہ جو کچھ کرتا ہے، اُس کا کسی کو جواب دہ نہیں ہے، اور ان سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ ﴿۲۳﴾  
 بھلا کیا اُسے چھوڑ کر انہوں نے دوسرے خدا بنائے رکھے ہیں؟ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”لاؤ اپنی دلیل!“ یہ (قرآن) بھی موجود ہے جس میں میرے ساتھ والوں کے لئے نصیحت ہے، اور وہ (کتابیں) بھی موجود ہیں جن میں مجھ سے پہلے لوگوں کے لئے نصیحت تھی<sup>(۱)</sup>۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق بات کا یقین نہیں کرتے، اس لئے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اور تم سے پہلے ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس پر ہم نے یہ وحی نازل نہ کی ہو کہ: ”میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہذا میری عبادت کرو۔“ ﴿۲۵﴾

زور لگاتے تو متضاد فیصلوں کی تنفیذ سے آسمان اور زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اسی دلیل کی ایک دوسری تشریح یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ جو لوگ آسمان اور زمین کے لئے الگ الگ خدا مانتے ہیں، اُن کا یہ عقیدہ اس لئے بالکل باطل ہے کہ مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ پوری کائنات ایک ہی مربوط نظام میں بندھی ہوئی ہے۔ چاند، سورج اور ستاروں سے لے کر دریاؤں، پہاڑوں اور زمین کی نباتات اور جمادات تک سب میں ایک ہم آہنگی پائی جاتی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان سب کو ایک ہی ارادے، ایک ہی مشیت اور ایک ہی منصوبہ بندی نے کام پر لگا رکھا ہے۔ اگر آسمان اور زمین کے خدا الگ الگ ہوتے تو کائنات میں اس ربط اور ہم آہنگی کا فقدان ہوتا، جس کے نتیجے میں یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایک عقلی دلیل تو پچھلی آیت میں بیان فرمادی گئی ہے جس کی تشریح اوپر کے حاشیے میں گذری۔ اب اس آیت میں نقلی دلیل بیان کی جا رہی ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں توحید کے عقیدے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ  
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا  
يُشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ  
إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَقَدْ لَكَ نَجَرٌ يُّجْزِيهِ جَهَنَّمُ ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا  
الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّا السَّالُوتُ وَالْأَرْضُ كَانَتْ تَرْتَقًا فَتَقَطَّعْنَاهَا ۚ

یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”خداے رحمن (فرشتوں کی شکل میں) اولاد رکھتا ہے۔“ سبحان اللہ! بلکہ (فرشتے تو اللہ کے) بندے ہیں جنہیں عزت بخشی گئی ہے۔ ﴿۲۶﴾ وہ اُس سے آگے بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے، اور وہ اُسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ﴿۲۷﴾ وہ اُن کی تمام اگلی پچھلی باتوں کو جانتا ہے، اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے، سوائے اُس کے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو، اور وہ اُس کے خوف سے سہمے رہتے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ اور اگر اُن میں سے کوئی (بالفرض) یہ کہے کہ: ”اللہ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں“ تو اُس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ ایسے ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿۲۹﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انہیں کھول دیا، ﴿۳۰﴾

پر ہی زور دیا گیا ہے۔ اس قرآن کریم کے علاوہ جتنی کتابیں پچھلی قوموں پر نازل کی گئیں، اُن سب میں یہی عقیدہ بیان ہوا ہے۔

(۱۲) اہل عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

(۱۳) اکثر مفسرین کی تفسیر کے مطابق اس آیت میں آسمان کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے بارش نہیں ہوتی تھی، اور زمین کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے کوئی پیداوار نہیں ہوتی تھی، اور ان دونوں کو کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسنے لگا، اور زمین سے سبزیاں اُگنے لگیں۔ یہ تفسیر متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ لیکن دوسرے بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ آسمان اور زمین دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے اور یک جان تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ الگ کیا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ (۳۰) وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ  
 أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ (۳۱) وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ  
 سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ (۳۲) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ  
 وَالشُّسَّ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ (۳۳)

اور پانی سے ہر جاندار چیز پیدا کی ہے؟ کیا پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے؟ ﴿۳۰﴾ اور ہم نے زمین  
 میں جسے ہوئے پہاڑ پیدا کئے ہیں، تاکہ وہ انہیں لے کر ہلنے نہ پائے، اور اُس میں ہم نے چوڑے  
 چوڑے راستے بنائے ہیں، تاکہ وہ منزل تک پہنچ سکیں۔ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت  
 بنادیا ہے، اور یہ لوگ ہیں کہ اُس کی نشانیوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ اور وہی (اللہ) ہے  
 جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کئے۔ سب کسی نہ کسی مدار میں تیر رہے ہیں۔ ﴿۳۳﴾

(۱۳) اس آیت نے واضح کر دیا ہے کہ ہر جاندار چیز کی تخلیق میں پانی کا کوئی نہ کوئی دخل ضرور ہے۔  
 (۱۵) یہ حقیقت قرآن کریم نے کئی مقامات پر بیان فرمائی ہے کہ جب زمین کو بچھایا گیا تو وہ ہلتی تھی، اللہ تعالیٰ نے  
 بڑے بڑے پہاڑ پیدا کر کے اُس پر جمائے تو اُس کو قرار حاصل ہوا۔ جدید سائنس نے بھی صدیوں کے بعد یہ  
 پتہ لگایا ہے کہ بڑے بڑے براعظم اب بھی بہت سست رفتار سے سمندر کے پانی پر سرکتے رہتے ہیں، مگر اب ان  
 کی رفتار اتنی دھیمی ہے کہ عام آنکھیں ان کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

(۱۶) یعنی وہ گرنے اور ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی محفوظ ہے، اور شیطانوں کی دست برد سے بھی۔  
 (۱۷) قرآن کریم میں اصل لفظ ”فلک“ ہے جو عربی زبان میں گول دائرے کو کہتے ہیں۔ جس وقت یہ آیت  
 نازل ہوئی ہے، اُس وقت فلکیات میں یہ بطلیموسی نظریہ دنیا پر چھایا ہوا تھا کہ چاند سورج اور دوسرے سیارے  
 آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں، اور آسمان کی گردش کے ساتھ وہ سیارے بھی گردش کرتے ہیں۔ لیکن اس آیت  
 میں اللہ تعالیٰ نے جو الفاظ اختیار فرمائے، وہ اس بطلیموسی نظریے پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتے۔ اس کے  
 بجائے اس آیت کے مطابق ہر سیارے کا اپنا مدار ہے جس میں وہ ”تیر رہا ہے“۔ تیرنے کا لفظ بطور خاص قابل  
 توجہ ہے، جو خلا میں تیرنے پر زیادہ صادق آتا ہے۔ سائنس اس حقیقت تک بھی بہت بعد میں پہنچی ہے کہ سیارے  
 خلا میں تیر رہے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرِ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخُلْدُ ۖ وَنَكْفُسُ ۖ كُلَّ نَفْسٍ  
ذَٰ آيَٰةٍ الْمَوْتِ ۖ وَنَبْلُوَكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۖ وَإِذَا  
رَأَى الْآلِزِينَ كَفَرُوا ۖ وَإِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ  
وَهُمْ يَذْكُرُونَ ۖ الرَّحْمَنُ هُمْ كَافِرُونَ ۖ

اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے بھی ہمیشہ زندہ رہنا ہم نے کسی فرد بشر کے لئے طے نہیں کیا۔ چنانچہ اگر تمہارا انتقال ہو گیا تو کیا یہ لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ زندہ رہیں؟ ﴿۳۴﴾ ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں آزمانے کے لئے بری بھلی حالتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اور تم سب ہمارے پاس ہی لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ ﴿۳۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے، وہ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو اس کے سوا اُن کا کوئی کام نہیں ہوتا کہ وہ تمہارا مذاق بنانے لگتے ہیں (اور کہتے ہیں:) ”کیا یہی صاحب ہیں جو تمہارے خداؤں کا ذکر کیا کرتے ہیں؟ (یعنی یہ کہتے ہیں کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں)“ حالانکہ ان (کافروں) کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ خدائے رحمن ہی کا ذکر کرنے سے انکار کئے بیٹھے ہیں! ﴿۳۶﴾

(۱۸) سورہ طور (۵۲: ۳۰) میں مذکور ہے کہ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ ہم ان کی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے انتقال کے موقع پر وہ خوشی منائیں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اول تو موت ہر شخص کو آتی ہے، اور کیا خود یہ خوشی منانے والے موت سے بچ جائیں گے؟

(۱۹) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی خدائی کی کوئی حقیقت نہیں، اس پر یہ لوگ عیب لگاتے ہیں کہ آپ ہمارے خداؤں کا برائی سے ذکر کر رہے ہیں، لیکن ان کا اپنا حال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا نام ”رحمن“ ذکر کرتے ہیں تو یہ اُس کا انکار کرتے ہیں کہ: ”رحمن کیا ہوتا ہے؟“ دیکھئے سورہ فرقان (۲۵: ۶۰)۔

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۖ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۖ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكْفُونُ عَنْ وُجُوهِهِم النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۖ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۖ وَلَقَدْ اسْتَهْزَى بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ ۖ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۖ قُلْ مَنْ يَمْلِكُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ ۖ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ۖ

انسان جلد بازی کی خصلت لے کر پیدا ہوا ہے۔ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھلا دوں گا، لہذا تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔ ﴿۳۷﴾ اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو آخر یہ (عذاب کی) دھمکی کب پوری ہوگی؟“ ﴿۳۸﴾ کاش ان کافروں کو اُس وقت کی کچھ خبر لگ جاتی جب یہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو دُور کر سکیں گے، اور نہ اپنی پشتوں سے، اور نہ ان کو کوئی مدد میسر آئے گی۔ ﴿۳۹﴾ بلکہ وہ (آگ) ان کے پاس ایک دم آدھمکے گی، اور ان کے ہوش و حواس گم کر کے رکھ دے گی، پھر نہ یہ اُسے پیچھے ہٹا سکیں گے، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا تھا، پھر ان کا مذاق بنانے والوں کو اُسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ﴿۴۱﴾ کہہ دو کہ: ”کون ہے جو رات میں اور دن میں خدائے رحمن (کے عذاب سے) تمہارا بچاؤ کرے؟“ مگر وہ ہیں کہ اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۴۲﴾

(۲۰) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے تو یہ لوگ اُس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ عذاب ابھی لے آؤ۔ ان آیتوں میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

أَمْلَهُمُ إِلَهَةً تَسْعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۳۲﴾ بَلْ مَتَّعْنَاهُمَا لَا عِوَابَ لَهُمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ أَفَلَا يَذَرُونَ أَنَا نَاتِي الْأَرْضَ نَبْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ﴿۳۳﴾ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۳۴﴾ قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿۳۵﴾ وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يُوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۳۶﴾

بھلا کیا ان کے پاس ہمارے سوا کوئی ایسے خدا ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتے، اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔ ﴿۳۳﴾ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو سامانِ عیش عطا کیا، یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ان پر ایک عمر گزر گئی۔ ﴿۳۴﴾ بھلا کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو اس کے مختلف کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں۔ پھر کیا وہ غالب آجائیں گے؟ ﴿۳۵﴾ کہہ دو کہ: ”میں تو تمہیں وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں“ لیکن بہرے لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں ڈرایا جاتا ہے تو وہ کوئی پکار نہیں سنتے۔ ﴿۳۶﴾ اور اگر تمہارے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی انہیں چھو جائے تو یہ کہہ اٹھیں گے کہ: ”ہائے ہماری کم بختی! واقعی ہم لوگ ظالم تھے۔“ ﴿۳۷﴾

(۲۱) یعنی ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو عیش و عشرت کا جو سامان دے دیا تھا، اُس سے وہ لمبے عرصے تک مزے اڑاتے رہے، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ ان کا حق ہے، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک کر رہے ہیں۔ اس غرور میں مبتلا ہو کر وہ حق کے انکار پر آمادہ ہو گئے۔

(۲۲) یہ وہی بات ہے جو سورہٴ رعد (۴۱: ۱۳) میں بھی گزری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جزیرہٴ عرب کے مختلف اطراف سے شرک اور مشرکین کا اثر و رسوخ گھٹتا چلا جا رہا ہے، اور اسلام اور مسلمانوں کے اثرات بڑھ رہے ہیں۔



وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ  
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۖ وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ ﴿۲۷﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى  
وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِلْمُتَّقِينَ ﴿۲۸﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ  
بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۲۹﴾ وَهَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ ۖ أَفَأَنْتُمْ  
تَجْحَلُونَ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۳۰﴾

اور ہم قیامت کے دن ایسی ترازویں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گی، چنانچہ کسی پر کوئی ظلم نہیں  
ہوگا۔ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا، تو ہم اُسے سامنے لے آئیں گے۔ اور حساب  
لینے کے لئے ہم کافی ہیں۔ ﴿۳۷﴾ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل کا ایک معیار، (ہدایت  
کی) ایک روشنی اور اُن متقی لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان عطا کیا تھا ﴿۳۸﴾ جو دیکھے بغیر اپنے  
پروردگار سے ڈریں، اور جن کو قیامت کی گھڑی کا خوف لگا ہوا ہو۔ ﴿۳۹﴾ اور اب یہ (قرآن)  
برکتوں والا پیغام نصیحت ہے جو ہم نے نازل کیا ہے۔ کیا پھر بھی تم اسے ماننے سے انکار کرتے  
ہو؟ ﴿۵۰﴾

(۲۳) اس آیت نے واضح فرمایا ہے کہ قیامت کے دن صرف یہی نہیں کہ تمام لوگوں سے انصاف ہوگا، بلکہ اس  
بات کا بھی اہتمام کیا جائے گا کہ انصاف سب لوگوں کو آنکھوں سے نظر آئے۔ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ ایسی  
ترازویں برسرِ عام نصب فرمائیں گے جن میں انسانوں کے اعمال کو تولاجائے گا، اور اعمال کے وزن کے حساب  
سے انسانوں کے انجام کا فیصلہ ہوگا۔ انسان جو عمل بھی کرتا ہے، اس دنیا میں اگرچہ ان کا نہ کوئی جسم نظر آتا ہے،  
اور نہ ان میں کسی وزن کا احساس ہوتا ہے، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کا وزن کرنے کی ایسی صورت پیدا  
فرمائیں گے جن سے ان اعمال کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اگر انسان سردی گرمی جیسی چیزوں کو تولنے کے لئے  
نئے نئے آلات ایجاد کر سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ان اعمال کو تولنے کا عملی  
مظاہرہ فرمادیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿٥١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ  
وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِفُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا  
عِبَادِينَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا  
بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
الَّذِي فَطَرَ هُنَّ ۖ وَأَنَا عَلَىٰ ذِكْمٍ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللَّهِ لَا كَيْدَ لَنَا صَنَامُكُمْ  
بَعْدَ أَنْ تَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٥٧﴾

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو وہ سمجھ بوجھ عطا کی تھی جو ان کے لائق تھی، اور ہم انہیں خوب جانتے تھے۔ ﴿۵۱﴾ وہ وقت یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”یہ کیا صورتیں ہیں جن کے آگے تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو؟“ ﴿۵۲﴾ وہ بولے کہ: ”ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔“ ﴿۵۳﴾ ابراہیم نے کہا: ”حقیقت یہ ہے کہ تم بھی اور تمہارے باپ دادے بھی کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ہو۔“ ﴿۵۴﴾ انہوں نے کہا: ”کیا تم ہم سے سچ کچ کی بات کر رہے ہو، یا دل لگی کر رہے ہو؟“ ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا: ”نہیں، بلکہ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، جس نے یہ ساری چیزیں پیدا کی ہیں، اور لوگو! میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں۔“ ﴿۵۶﴾ اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک (ایسا) کام کروں گا (جس سے ان کی حقیقت کھل جائے گی)۔“ ﴿۵۷﴾

(۲۴) انہیں چونکہ توقع نہیں تھی کہ کوئی ان کے بتوں کے بارے میں ایسی بات کہہ سکتا ہے، اس لئے شروع میں انہیں یہ شک ہوا کہ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام سنجیدگی سے نہیں، بلکہ مذاق کے طور پر یہ بات کہہ رہے ہیں۔

فَجَعَلَهُمْ جُودًا إِلَّا كِبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا  
 بِالْهَيْتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۹﴾ قَالُوا سِبْعًا فَأَتَىٰ يَدُوكُمْ هُمْ يُقَالُ لَهُ  
 إِبْرَاهِيمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوا فَاتَّبَعُوهُ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿۶۱﴾ قَالُوا إِنَّكَ  
 فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ  
 إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ﴿۶۳﴾

چنانچہ ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، تاکہ وہ لوگ اُن کی  
 طرف رجوع کریں۔ ﴿۵۸﴾ وہ کہنے لگے کہ: ”ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی  
 ہے؟ وہ کوئی بڑا ہی ظالم تھا۔“ ﴿۵۹﴾ کچھ لوگوں نے کہا: ”ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان  
 بتوں کے بارے میں باتیں بنایا کرتا ہے، اُسے ابراہیم کہتے ہیں۔“ ﴿۶۰﴾ انہوں نے کہا: ”تو پھر  
 اُس کو سب لوگوں کے سامنے لے کر آؤ، تاکہ سب گواہ بن جائیں۔“ ﴿۶۱﴾ (پھر جب ابراہیم کو لایا  
 گیا تو) وہ بولے: ”ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تم ہی نے کی ہے؟“ ﴿۶۲﴾  
 ابراہیم نے کہا: ”نہیں، بلکہ یہ حرکت اُن کے اس بڑے سردار نے کی ہے، اب انہی بتوں سے پوچھ  
 لو، اگر یہ بولتے ہوں۔“ ﴿۶۳﴾

(۲۵) جیسا کہ سورہ صافات (۸۸: ۳-۸۹) میں آنے والا ہے، وہ کوئی جشن کا دن تھا جس میں ساری قوم  
 شہر چھوڑ کر کہیں جایا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی تھی، اور  
 جب سارے لوگ چلے گئے تو بت خانے میں جا کر سارے بتوں کو توڑ ڈالا، صرف ایک بڑے بت کو چھوڑ دیا، اور  
 بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کلباڑی بھی اُس کی گردن میں لٹکا کر چھوڑ دی۔ اس عمل سے اُن کا مقصد  
 یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے ان بتوں کی بے بسی کا منظر دیکھ سکیں، اور یہ سوچیں کہ جو بت خود اپنا دفاع نہیں  
 کر سکتے، وہ دوسروں کی کیا مدد کریں گے۔ بڑے بت کو چھوڑنے کی مصلحت اس سوال و جواب سے واضح ہوگی جو  
 آیت نمبر ۶۳ میں آگے آ رہا ہے۔

(۲۶) یہ درحقیقت ان کے عقیدے پر ایک طنز تھا، وہ لوگ چونکہ بتوں کو بڑے اختیارات کا مالک سمجھتے تھے، اور

فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ نَكَسُوا عَلَىٰ أَعْقَابِهِمْ  
لَقَدْ عَلِمْتُمَا هَٰؤُلَاءِ يَٰطُغْيُونَ ﴿٦٤﴾ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ  
شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٥﴾ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٦﴾

اس پر وہ لوگ اپنے دل میں کچھ سوچنے لگے، اور (اپنے آپ سے) کہنے لگے کہ: ”سچی بات تو یہی ہے کہ تم خود ظالم ہو۔“ ﴿۶۳﴾ پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لئے، اور کہا: ”تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔“ ﴿۶۴﴾ ابراہیم نے کہا: ”بھلا بتاؤ کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ پہنچاتی ہیں نہ نقصان؟“ ﴿۶۵﴾ تف ہے تم پر بھی، اور اُن پر بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ بھلا کیا تمہیں اتنی سمجھ نہیں؟“ ﴿۶۶﴾

بڑا بت بنانے کا مقصد یہی تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کے لئے سردار کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اس طنز سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جب تم اس بڑے بت کو بتوں کا سردار سمجھتے ہو، اور سردار اپنے ماتحتوں کا محافظ ہوا کرتا ہے، اس لئے اگر کسی اور شخص نے چھوٹے بتوں کو توڑا ہوتا تو تمہارے اعتقاد کے مطابق یہ سردار اُسے ایسا کرنے نہ دیتا، لہذا یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی اور شخص بتوں کی یہ گت بنائے، اور ان کا یہ سردار چپ چاپ دیکھتا رہے، اب تمہارے اعتقاد کے مطابق ایک ہی احتمال رہ جاتا ہے کہ خود یہ سردار ہی ان سے ناراض ہو گیا ہو، اور اسی نے ان کو توڑ پھوڑ ڈالا ہو۔ چونکہ یہ واضح طور پر ایک طنز تھا، اس لئے اس میں غلط بیانی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ چھوٹے بت بھی ان کے عقیدے کے مطابق چھوٹے ہونے کے باوجود خدا ہی تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ان میں اتنی طاقت تو ہونی چاہئے کہ جو واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا ہے، کم از کم وہ تمہیں بتا سکیں، اس لئے انہی سے پوچھ کر دیکھ لو کہ کیا قصہ ہوا تھا۔

(۲۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی حقیقت بتانے کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا، اُس نے انہیں کم از کم اپنے دل میں سوچنے پر مجبور کر دیا، اور اُن کے دل نے گواہی دی کہ قصور دراصل ہمارا ہی ہے۔ لیکن مدتوں سے جے ہوئے عقیدے کو چھوڑنے کی جرأت نہ ہوئی، لا جواب ہو کر سر تو جھکا دیا، لیکن کہا یہ کہ یہ بات تو تم بھی جانتے ہو، اور ہم بھی پہلے سے جانتے ہیں کہ یہ بت بولتے نہیں ہیں۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا إِنَّا نُؤْتِي بَرْدًا وَسَلَامًا  
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى  
الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ وَهَبْنَا لَإِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ  
وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾

وہ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: ”آگ میں جلاؤ! الواس شخص کو، اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم میں کچھ کرنے کا دم خم ہے۔“ ﴿٦٨﴾ (چنانچہ انہوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا، اور) ہم نے کہا: ”اے آگ! ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا۔“ ﴿٦٩﴾ اُن لوگوں نے ابراہیم کے لئے برائی کا منصوبہ بنایا تھا، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُنہی کو بری طرح ناکام کر دیا۔ ﴿٧٠﴾ اور ہم اُنہیں اور لوط کو بچا کر اُس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔ ﴿٧١﴾ اور ہم نے اُن کو انعام کے طور پر اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نیک بنایا۔ ﴿٧٢﴾

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ معجزہ دکھایا کہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا سبب بن گئی۔ جو لوگ معجزات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، ان کا موقف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر شک کرنے کے مرادف ہے۔ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ آگ میں جلانے کی خاصیت اُسی نے پیدا فرمائی ہے، اگر وہ اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر کو دشمنوں کے ظلم سے بچانے کے لئے اُس کی یہ خاصیت ختم کر دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۲۹) لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور سورہ عنکبوت (۲۶:۲۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں سے تہا وہی ان پر ایمان لائے تھے۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈالنے کی سازش ناکام ہو گئی تو نمرود نے مرعوب ہو کر ان سے تعرض نہیں کیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بھتیجے کو لے کر عراق سے شام کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر شام اور فلسطین کے علاقے کو برکتوں والا علاقہ قرار دیا ہے۔

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ  
وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ طَآئِفَةٌ مِنْكُمْ عَلِيمَةٌ بِمَا يَكُونُ خَيْرٌ مِنْهُ  
مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ مُفْسِقِينَ ﴿٤٤﴾  
وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٤٥﴾ وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلِهِ  
فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَجَعَلْنَاهُ وَآلَهُ مِنْ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٤٦﴾ وَنَصْرَانَهُ مِنَ الْقَوْمِ  
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٧﴾

اور ان سب کو ہم نے پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور ہم نے وحی کے ذریعے انہیں نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی تھی، اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔ ﴿۴۳﴾ اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا، اور انہیں اُس بستی سے نجات دی جو گندے کام کرتی تھی۔ ﴿۴۴﴾ حقیقت میں وہ بہت برائی والی نافرمان قوم تھی۔ ﴿۴۵﴾ اور لوط کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کر لیا، وہ یقیناً نیک لوگوں میں سے تھے۔ ﴿۴۶﴾ اور نوح کو بھی (ہم نے حکمت اور علم عطا کیا)، وہ وقت یاد کرو جب اس واقعے سے پہلے انہوں نے ہمیں پکارا، تو ہم نے ان کی دُعا قبول کی، اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی بھاری مصیبت سے بچا لیا۔ ﴿۴۷﴾ اور جس قوم نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اُس کے مقابلے میں اُن کی مدد کی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت برے لوگ تھے، اس لئے ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا۔ ﴿۴۸﴾

(۳۰) یوں تو یہ قوم بہت سے گندے کاموں میں مبتلا تھی، لیکن ان کی جس گھناؤنی حرکت کا قرآن کریم نے خاص طور پر ذکر کیا ہے، وہ ہم جنس پرستی یعنی مردوں کا مردوں سے جنسی لذت حاصل کرنا ہے۔ اس کا مفصل تذکرہ سورۃ ہود (۱۱: ۷۷-۸۳) میں گزر چکا ہے۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخُكِّنَ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۖ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۖ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِيُخْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ۖ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكَنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ۖ

اور داود اور سلیمان (کو بھی ہم نے حکمت اور علم عطا کیا تھا) جب وہ دونوں ایک کھیت کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے، کیونکہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت اُس کھیت میں جا گھسی تھیں، اور ان لوگوں کے بارے میں جو فیصلہ ہوا اُسے ہم خود دیکھ رہے تھے۔ ﴿۷۸﴾ چنانچہ اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان کو دے دی، اور (ویسے) ہم نے دونوں ہی کو حکمت اور علم عطا کیا تھا۔ اور ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں کو تابع دار بنادیا تھا کہ وہ پرندوں کو ساتھ لے کر تسبیح کریں، اور یہ سارے کام کرنے والے ہم تھے۔ ﴿۷۹﴾

اور ہم نے انہیں تمہارے فائدے کے لئے ایک جنگی لباس (یعنی زرہ) بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ وہ تمہیں لڑائی میں ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم شکر گزار ہو؟ ﴿۸۰﴾ اور ہم نے تیز چلتی ہوئی ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا جو اُن کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ اور ہمیں ہر ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۸۱﴾

(۳۱) واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک شخص کی بکریوں نے رات کے وقت دوسرے کے کھیت میں گھس کر ساری فصل تباہ کر دی تھی۔ کھیت والا مقدمہ لے کر حضرت داود علیہ السلام کے پاس آیا، حضرت داود علیہ السلام نے فیصلہ یہ فرمایا

کہ بکریوں کے مالک کا فرض تھا کہ وہ رات کے وقت بکریوں کو باندھ کر رکھتا، اور چونکہ اُس کی غلطی سے کھیت والے کا نقصان ہوا، اس لئے بکری والا اپنی اتنی بکریاں کھیت والے کو دے جو قیمت میں تباہ ہونے والی فصل کے برابر ہوں۔ یہ فیصلہ عین شریعت کے مطابق تھا، لیکن جب یہ لوگ باہر نکلنے لگے تو دروازے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ میرے والد نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے بتا دیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ذہن میں ایک اور صورت آرہی ہے جس میں دونوں کا فائدہ ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے اُن کی یہ بات سن لی تو انہیں بلا کر پوچھا کہ وہ کیا صورت ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بکری والا کچھ عرصے کے لئے اپنی بکریاں کھیت والے کو دیدے جن کے دودھ وغیرہ سے کھیت والا فائدہ اٹھا تا رہے، اور کھیت والا اپنا کھیت بکری والے کے حوالے کر دے کہ وہ اُس میں کھیتی اُگائے، اور جب فصل اُتی ہی ہو جائے جتنی بکریوں کے نقصان پہنچانے سے پہلے تھی تو اُس وقت بکریوں والا کھیت والے کو کھیت واپس کر دے، اور کھیت والا اُسے بکریاں واپس کر دے۔ یہ ایک مصالحت کی صورت تھی جس میں دونوں کا فائدہ تھا، اس لئے حضرت داود علیہ السلام نے اسے پسند فرمایا، اور دونوں فریق بھی اس پر راضی ہو گئے۔

(۳۲) چونکہ حضرت داود علیہ السلام کا فیصلہ اصل قانون کے مطابق تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تجویز باہمی رضامندی سے ایک صلح کی صورت تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ ہم نے علم اور حکمت دونوں کو عطا کی تھی، لیکن مصالحت کی جو صورت حضرت سلیمان علیہ السلام نے تجویز کی، اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کی سمجھ انہیں ہم نے عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقدمے کے دوران قانونی فیصلہ حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ فریقین آپس کی رضامندی سے مصالحت کی کوئی ایسی شکل نکال لیں جس میں دونوں کا بھلا ہو۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بہت دلکش آواز عطا فرمائی تھی، اور معجزے کے طور پر یہ خصوصیت بخشی تھی کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ ذکر اور تسبیح میں شریک ہوتے تھے، اور اڑتے ہوئے پرندے بھی رُک جاتے، اور وہ بھی ذکر کرنے لگتے تھے۔

(۳۴) سورہ سبأ (۱۰:۳۴) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے ہاتھ میں نرم کر دیا تھا، اور وہ اُسے جس طرح چاہتے موڑ لیتے تھے، اور لوہے کی زرہ اس طرح بناتے تھے کہ اُس کے تمام خانے نہایت متوازن ہوتے تھے۔ علمائے کرام نے اس آیت کے تحت فرمایا ہے کہ اس میں ہر اُس صنعت کے قابل تعریف ہونے کی طرف اشارہ ہے جو انسانوں کے لئے فائدہ مند ہو۔

(۳۵) حضرت داود علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہے جیسی سخت چیز کو نرم کر دیا تھا، اور حضرت سلیمان علیہ



وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يُغْوِصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ  
حَافِظِينَ ﴿٨٢﴾ وَ أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسْنِي الضُّرَّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ  
الرَّحِيمِينَ ﴿٨٣﴾

(۳۶) اور کچھ ایسے شریر جنات بھی ہم نے اُن کے تابع کر دیئے تھے جو اُن کی خاطر پانی میں غوطے لگاتے تھے،  
اور اس کے سوا اور بھی کام کرتے تھے۔ اور ان سب کی دیکھ بھال کرنے والے ہم تھے۔ ﴿۸۲﴾  
اور ایوب کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: ”مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے، اور تو  
سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿۸۳﴾

السلام کے لئے ہوا جیسی لطیف چیز کو۔ چنانچہ وہ اپنے تخت پر بیٹھ کر ہوا کو حکم دیتے تو وہ انہیں ان کی مرضی کے  
مطابق جہاں چاہتے لے جاتی تھی، اور سورہ سبأ (۱۲: ۳۴) میں مذکور ہے کہ وہ ایک مہینے کا فاصلہ صبح کے سفر میں،  
اور ایک مہینے کا فاصلہ شام کے سفر میں طے کر لیا کرتے تھے۔ اور برکتوں والی سرزمین سے مراد شام یا فلسطین کا  
علاقہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ کہیں دُور چلے جاتے تو وہ ہوا انہیں تیز رفتاری کے ساتھ واپس اپنے شہر  
میں لے آتی تھی جو فلسطین میں واقع تھا۔

(۳۶) شریر جنات سے مراد وہ جنات ہیں جو ایمان نہیں لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت سلیمان علیہ  
السلام کے تابع کر دیا تھا، وہ ان کے حکم سے دریا میں غوطے لگا کر موتی نکالتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو  
لا کر دیتے تھے۔ اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے جن کی کچھ تفصیل اِنْ شَاءَ اللہ سورہ سبأ (۱۳: ۳۴) میں  
آئے گی۔

(۳۷) حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم نے اتنا بتایا ہے کہ انہیں کوئی سخت بیماری لاحق  
ہو گئی تھی، لیکن انہوں نے صبر و ضبط سے کام لیا، اور اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو  
شفا عطا فرمائی۔ وہ بیماری کیا تھی؟ اس کی تشریح قرآن کریم نے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، اس لئے  
اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، اور جو روایتیں اس سلسلے میں مشہور ہیں، وہ عام طور سے مستند  
نہیں ہیں۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ  
عِنْدِنَا وَذَكَرَى لِلْعَبِيدِينَ ﴿۸۳﴾ وَاسْمِعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ  
الصَّابِرِينَ ﴿۸۴﴾ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۸۵﴾ وَذَا النُّونِ إِذْ  
ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نُّقَدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ  
سُبْحَنَكَ ۖ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۶﴾

پھر ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور انہیں جو تکلیف لاحق تھی، اُسے دور کر دیا، اور ان کو ان کے گھر  
والے بھی دیئے، اور ان کے ساتھ اتنے ہی لوگ اور بھی، تاکہ ہماری طرف سے رحمت کا مظاہرہ  
ہو، اور عبادت کرنے والوں کو ایک یادگار سبق ملے۔ ﴿۸۳﴾ اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل  
کو دیکھو! یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ ﴿۸۴﴾ اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل  
کر لیا تھا۔ یقیناً ان کا شمار نیک لوگوں میں ہے۔ ﴿۸۵﴾

اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام) کو دیکھو! جب وہ خفا ہو کر چل کھڑے ہوئے تھے، اور یہ  
سمجھے تھے کہ ہم ان کی کوئی پکڑ نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اندھیریوں میں سے آواز لگائی کہ: ”(یا  
اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بیشک میں قصور وار ہوں۔“ ﴿۸۶﴾

(۳۸) بیماری کے دوران اُن کی باوفا بیوی کے سوا گھر کے بیشتر افراد حضرت ایوب علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ گئے  
تھے، پھر جب انہیں صحت حاصل ہوئی تو ان کی اولاد اور پوتے پوتیوں کی تعداد ان لوگوں سے دُگنی ہو گئی جو بیماری  
کے دوران ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

(۳۹) حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا ذکر تو پہلے سورہ مریم میں گذر چکا ہے۔ حضرت ذوالکفل کا  
قرآن کریم میں صرف نام آیا ہے، ان کا کوئی واقعہ قرآن کریم نے بیان نہیں فرمایا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ  
یہ بھی کوئی پیغمبر تھے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت الیسع علیہ السلام کے خلیفہ تھے، اور نبی تو نہیں  
تھے، لیکن بڑے اونچے درجے کے ولی اللہ تھے۔ واللہ اعلم۔

(۴۰) حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ پیچھے سورہ یونس (۱۰: ۹۷) میں گذر چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ<sup>۸۷</sup> وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۖ وَكَذَلِكَ نُصْحِي الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَزَكَرِيَّا إِذْ  
 نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ<sup>۸۸</sup> وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَاهُ زَوْجَهُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسِرُّونَ الْخِيَرَاتِ  
 وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَشِيعِينَ ۖ

اس پر ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور انہیں گھٹن سے نجات عطا کی۔ اور اسی طرح ہم ایمان رکھنے والوں کو نجات دیتے ہیں۔ ﴿۸۸﴾ اور زکریا کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: ”یا رَبِّ! مجھے اکیلا نہ چھوڑیے، اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔“ ﴿۸۹﴾ چنانچہ ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور ان کو یحییٰ (جیسا بیٹا) عطا کیا، اور ان کی خاطر ان کی بیوی کو اچھا کر دیا۔<sup>(۳۲)</sup> یقیناً یہ لوگ بھلائی کے کاموں میں تیزی دکھاتے تھے، اور ہمیں شوق اور رعب کے عالم میں پکارا کرتے تھے، اور ان کے دل ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔ ﴿۹۰﴾

پہلے اپنی بستی کو چھوڑ گئے تھے، اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی، اور اس کی وجہ سے ان پر یہ آزمائش آئی کہ جس کشتی میں وہ سوار ہوئے تھے، انہیں اس میں سے دریا میں اتار دیا گیا، اور ایک مچھلی انہیں نگل گئی، جس کے پیٹ میں وہ تین دن رہے۔ اس آیت میں اندھیروں سے مراد مچھلی کے پیٹ کی اندھیریاں ہیں۔ وہاں وہ مستقل اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ میں پکارتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ایک کنارے پر لا کر پھینک دے، اور اس طرح انہیں اُس گھٹن سے نجات ملی۔ واقعے کی مزید تفصیل اِنْ شَاءَ اللہ سورۃ صافات (۳۷: ۱۳۹ تا ۱۳۸) میں آئے گی۔

(۳۱) حضرت زکریا علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لئے دعا کی تو انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل سورۃ آل عمران (۳: ۳۷ تا ۴۰) میں گزر چکی ہے۔

(۳۲) یعنی ان کی بیوی بانجھ تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں اولاد کی صلاحیت پیدا فرمادی۔

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً  
 لِلْعَالَمِينَ ﴿٩١﴾ إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾  
 وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ إِلَيْنَا رِجْعُونَ ﴿٩٣﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَحِ  
 هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۚ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿٩٤﴾ وَحَرَّمَ عَلٰى قَدْرِيَّةٍ أَهْلِ كُنْهَاهَا  
 أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾

اور اُس خاتون کو دیکھو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اُس کے اندر اپنی رُوح  
 پھونکی، اور انہیں اور اُن کے بیٹے کو دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا۔ ﴿۹۱﴾  
 (لوگو!) یقین رکھو کہ یہ (دین جس کی یہ تمام انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں) تمہارا دین ہے جو  
 ایک ہی دین ہے، اور میں تمہارا پروردگار ہوں، لہذا تم میری عبادت کرو۔ ﴿۹۲﴾ اور لوگوں  
 نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ لیا، (مگر) سب ہمارے پاس لوٹ کر آنے  
 والے ہیں۔ ﴿۹۳﴾ پھر جو مومن بن کر نیک عمل کرے گا تو اُس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی،  
 اور ہم اُس کوشش کو لکھتے جاتے ہیں۔ ﴿۹۴﴾ اور جس کسی بستی (کے لوگوں) کو ہم نے ہلاک کیا ہے،  
 اُس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ پلٹ کر (دُنیا میں) آجائیں، ﴿۹۵﴾

(۹۳) مراد حضرت مریم علیہا السلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا  
 کر کے انہیں اپنی قدرت کاملہ کی ایک عظیم نشانی بنا دیا تھا۔

(۹۴) کافر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندگی آنے والی ہے تو جو کافر پہلے مر چکے ہیں،  
 انہیں زندہ کر کے ابھی ان کا حساب کیوں نہیں لے لیا جاتا؟ یہ آیت اُس کا جواب دے رہی ہے کہ حساب و کتاب  
 اور جزا و سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اس سے پہلے کسی کا زندہ ہو کر اس دُنیا میں آ جانا  
 ممکن نہیں ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ  
 الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يَوِيلُنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ  
 مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ  
 أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ إِلَهًا مَّا وَرَدُوهَا ۚ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾  
 لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا، اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے نظر آئیں گے، ﴿۹۶﴾ اور سچا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آجائے گا تو اچانک حالت یہ ہوگی کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا تھا ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، (اور وہ کہیں گے کہ: ”ہائے ہماری کم بختی! ہم اس چیز سے بالکل ہی غفلت میں تھے، بلکہ ہم نے بڑے ستم ڈھائے تھے۔“ ﴿۹۷﴾ (اے شرک کرنے والو!) یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تمہیں اسی جہنم میں جا اترنا ہے۔ ﴿۹۸﴾ اگر یہ واقعی خدا ہوتے تو اُس (جہنم) میں نہ جاتے۔ اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۹۹﴾ وہاں اُن کی چیخیں نکلیں گی، اور وہاں وہ کچھ سن نہیں سکیں گے۔ ﴿۱۰۰﴾

(۳۵) مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنا اُس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی، اور اُس کی ایک علامت یہ ہوگی کہ یاجوج اور ماجوج کے وحشی قبیلے بہت بڑی تعداد میں دُنیا پر حملہ آور ہوں گے، اور ایسا محسوس ہوگا کہ وہ ہر بلند جگہ سے پھسلتے ہوئے آرہے ہیں۔

(۳۶) پتھر کے جن بتوں کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے، ان کو بھی سزا کے طور پر نہیں، بلکہ اس لئے جہنم میں ڈالا جائے گا تاکہ اس بات کا عملی مظاہرہ کیا جائے کہ جن بتوں کو تم خدا سمجھتے تھے، وہ آخر کار کتنے بے بس ثابت ہوئے۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ ۖ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَلِدُونَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ۖ هَٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجْلِ لِلْكِتَابِ ۖ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ يُعِيدُهَا ۖ وَعَدًّا عَلَيْنَا ۖ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۵﴾

(البتہ) جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی پہلے سے لکھی جا چکی ہے، (یعنی نیک مؤمن) اُن کو اُس جہنم سے دُور رکھا جائے گا۔ ﴿۱۰۱﴾ وہ اُس کی سرسراہٹ بھی نہیں سنیں گے، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنی من پسند چیزوں کے درمیان رہیں گے۔ ﴿۱۰۲﴾ اُن کو وہ (قیامت کی) سب سے بڑی پریشانی غمگین نہیں کرے گی، اور فرشتے اُن کا (یہ کہہ کر) استقبال کریں گے (کہ:)"یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔" ﴿۱۰۳﴾

اُس دن (کا دھیان رکھو) جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے کاغذوں کے طومار میں تحریریں لپیٹ دی جاتی ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تھی، اسی طرح ہم اُسے دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنے کا ہم نے ذمہ لیا ہے۔ ہمیں یقیناً یہ کام کرنا ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ ﴿۱۰۵﴾

(۱۰۷) یعنی آخرت میں ساری زمین پر کسی کافر کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں ہی کو ملے گی۔

إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عٰمِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا إِلَهُ وَوَاحِدٌ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْاْ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَى سَوَآءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِيْٓ أَخْرِيْبٌ أَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ أَدْرِيْٓ لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ ذٰلِكَ يَوْمٍ ۖ قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۖ ﴿١١١﴾

بیشک اس (قرآن) میں عبادت گزار لوگوں کے لئے کافی پیغام ہے۔ ﴿۱۰۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿۱۰۷﴾ کہہ دو کہ: ”مجھ پر تو یہی وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ تو کیا تم اطاعت قبول کرتے ہو؟“ ﴿۱۰۸﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ: ”میں نے تمہیں علی الاعلان خبردار کر دیا ہے۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ قریب ہے یا دور۔“ ﴿۱۰۹﴾ بیشک اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو بلند آواز سے کہی جاتی ہیں، اور وہ باتیں بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ ﴿۱۱۰﴾ اور میں نہیں جانتا شاید (سزائیں) یہ (تاخیر) تمہارے لئے ایک آزمائش ہے، اور کسی خاص وقت تک کے لئے مزے کرنے کا موقع دینا ہے۔“ ﴿۱۱۱﴾ (آخر کار) پیغمبر نے کہا کہ: ”اے میرے پروردگار! حق کا فیصلہ کر دیجئے، اور ہمارا پروردگار بڑی رحمت والا ہے، اور جو باتیں تم بناتے ہو، اُن کے مقابلے میں اُسی کی مدد درکار ہے۔“ ﴿۱۱۲﴾

الحمد للہ! سورۃ انبیاء کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل آج شب جمعہ میں عشاء کے بعد لندن میں ۱۵ فروری ۲۰۰۷ء مطابق ۲۶ محرم ۱۴۲۸ھ کو ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الْحَجِّ



## تعارف

اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے، اور کچھ مکی۔ مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہو چکا تھا، اور تکمیل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اسی سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حج کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کس طرح شروع ہوئی، اور اس کے بنیادی ارکان کیا ہیں؟ اسی وجہ سے اس کا نام سورہ حج ہے۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلم کا نشانہ بنایا تھا، وہاں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن مدینہ منورہ آنے کے بعد اسی سورت میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم کے مقابلے میں جہاد کی اجازت دی گئی، اور فرمایا گیا کہ جن کافروں نے مسلمانوں پر ظلم کر کے انہیں اپنا وطن اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا ہے، اب مسلمان ان کے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح جہاد کو ایک عبادت قرار دے کر یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ نہ صرف اس کا ثواب آخرت میں ملے گا، بلکہ دنیا میں بھی مسلمانوں کو ان شاء اللہ فتح نصیب ہوگی۔ اس کے علاوہ اسلام کے بنیادی عقائد بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کا آغاز آخرت کے بیان سے ہوا ہے جس میں قیامت کا ہولناک منظر بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

﴿آياتها ۸﴾ ۲۲ سُورَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۱۰﴾

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ① يَوْمَ تَرَوُنَّهَا  
تَخْذَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ  
سُكَرَىٰ وَمَاهٍ ۚ سُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ  
فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَآلَهُ  
يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ④

سورہ حج مدنی ہے، اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے لوگو! اپنے پروردگار (کے غضب) سے ڈرو۔ یقین جانو کہ قیامت کا بھونچال بڑی زبردست  
چیز ہے۔ ﴿۱﴾ جس دن وہ تمہیں نظر آجائے گا، اُس دن ہر دودھ پلانے والی اُس بچے (تک) کو  
بھول بیٹھے گی جس کو اُس نے دودھ پلایا، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا بیٹھے گی، اور لوگ تمہیں یوں نظر  
آئیں گے کہ وہ نشے میں بدحواس ہیں، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت  
ہوگا۔ ﴿۲﴾ اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بے جا بوجھے جھگڑے کرتے  
ہیں، اور اُس سرکش شیطان کے پیچھے چل کھڑے ہوتے ہیں ﴿۳﴾ جس کے مقدر میں یہ لکھ دیا گیا  
ہے کہ جو کوئی اُسے دوست بنائے گا، تو وہ اُس کو گمراہ کرے گا، اور اُسے بھڑکتی دوزخ کے عذاب کی  
طرف لے جائے گا۔ ﴿۴﴾

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تَرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنَبِّئَنَّكُمْ ۖ وَنُقَرِّئَنَّ  
الْأَرْحَامَ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لَتَبَلُغُوا أَشَدَّكُمْ  
مِّنْكُمْ مَّن يَتَوْفَىٰ وَمِنْكُمْ مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ

اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں کچھ شک ہے تو (ذرا سوچو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر ایک جے ہوئے خون سے، پھر ایک گوشت کے لوتھڑے سے جو (کبھی) پورا بن جاتا ہے، اور (کبھی) پورا نہیں بنتا، تاکہ ہم تمہارے لئے (تمہاری) حقیقت کھول کر بتا دیں، اور ہم (تمہیں) ماؤں کے پیٹ میں جب تک چاہتے ہیں، ایک متعین مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تمہیں ایک بچے کی شکل میں باہر لاتے ہیں، پھر (تمہیں پالتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھرپور عمر تک پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو (پہلے ہی) دنیا سے اٹھائے جاتے ہیں، اور تمہی میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو بدترین عمر (یعنی انتہائی بڑھاپے) تک لوٹا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن یا مشکل سمجھتے ہیں، اُن سے کہا جا رہا ہے کہ خود اپنی تخلیق پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس حیرت انگیز طریقے پر کتنے مرحلوں سے گذار کر تمہیں پیدا فرمایا تھا۔ تمہارا کوئی وجود نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں وجود بخشا، تم میں جان نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے تم میں جان ڈالی۔ جس ذات نے اس حیرت انگیز طریقے سے تمہیں اُس وقت پیدا کیا جب تم کچھ بھی نہیں تھے تو کیا وہ تمہیں مردہ لاش بننے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟

(۲) یعنی بعض اوقات تو اس گوشت کے لوتھڑے سے ماں کے پیٹ میں بچے کے اعضاء پورے بن جاتے ہیں، اور بعض اوقات پورے نہیں بنتے۔ پھر بعض اوقات اسی نامکمل حالت میں عورت کو اسقاط ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات بچہ ناقص اعضاء کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) یعنی زیادہ بڑھاپے کی حالت میں انسان بچپن کی سی ناسمجھی کی طرف لوٹ جاتا ہے، اور جوانی میں اُس نے

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأُتْبِتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُخَيِّمُ الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا ۖ وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ۝

اور تم دیکھتے ہو کہ زمین مرجھائی ہوئی پڑی ہے، پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آتی ہے، اُس میں بڑھوتری ہوتی ہے، اور وہ ہر قسم کی خوشما چیزیں اُگاتی ہے۔ ﴿۵﴾ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی کا وجود برحق ہے، اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے، اور وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے، ﴿۶﴾ اور اس لئے کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، جس میں کوئی شک نہیں ہے، اور اس لئے کہ اللہ اُن سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ ﴿۷﴾ اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت، اور نہ کوئی روشنی دینے والی کتاب۔ ﴿۸﴾

کتنا علم حاصل کیا ہو، اس بڑھاپے میں وہ سب یا اکثر حصہ بھول جاتا ہے۔  
 (۴) یہ دوبارہ زندگی دینے کی دوسری دلیل ہے، اور وہ یہ کہ زمین جب خشک ہوتی ہے تو اُس میں زندگی کے آثار ختم ہو جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ بارش برسا کر اُس میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دیتا ہے، اور اُسی بے جان زمین سے پودے اُگنے لگتے ہیں۔ جو خدا اس پر قادر ہے، کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں؟  
 (۵) مطلب یہ ہے کہ تمہاری اپنی تخلیق ہو، یا زمین سے پودے اُگنے کا معاملہ، ان ساری باتوں کی اصل علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں، اور باقی ساری چیزیں اُسی کی قدرت سے وجود میں آتی ہیں۔ لہذا وہ مردوں کو زندہ کرنے کی بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۶) انسان کی جس پیدائش کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، وہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کر سکتا ہے، اور دوسری طرف اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو دنیا میں پیدا کیا گیا ہے، اُن کی پیدائش ہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ

ثَانِي عَطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنَذِيرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
عَذَابُ الْحَرِيقِ ⑩ ذَلِكُمْ بِمَا قَدَّمْتُمْ يَدَاكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ⑪  
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ  
فِتْنَةٌ اِنْتَقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَلِكُمْ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ⑫  
يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ۚ ذَلِكُمْ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ⑬

وہ تکبر سے اپنا پہلو اکڑائے ہوئے ہیں، تاکہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے گمراہ کریں۔ ایسے ہی شخص کے لئے دنیا میں رُسوائی ہے، اور قیامت کے دن ہم اُسے جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے ﴿۹﴾ (کہ) یہ سب کچھ تیرے اُس کر تو ت کا بدلہ ہے جو تو نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا تھا، اور یہ بات طے ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم ڈھانے والا نہیں ہے۔ ﴿۱۰﴾

اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ چنانچہ اگر اُسے (دنیا میں) کوئی فائدہ پہنچ گیا تو وہ اُس سے مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر اُسے کوئی آزمائش پیش آگئی تو وہ منہ موڑ کر (پھر کفر کی طرف) چل دیتا ہے۔ ایسے شخص نے دنیا بھی کھوئی، اور آخرت بھی۔ یہی تو کھلا ہوا گھاٹا ہے۔ ﴿۱۱﴾ وہ اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتا ہے جو نہ اُسے نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ کوئی فائدہ دے سکتے ہیں۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ ﴿۱۲﴾

انہیں ایک اور زندگی دی جائے، کیونکہ اگر دوسری زندگی نہ ہو تو دنیا میں نیکی کرنے والے اور بدی کرنے والے، ظالم اور مظلوم سب برابر ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ایسی نا انصافی کے لئے انسانوں کو پیدا نہیں کر سکتا کہ جو چاہے دوسروں پر ظلم کرتا رہے، یا گناہوں کا طومار لگا دے، اور اُسے اپنے عمل کی کوئی سزا نہ ملے، اور اسی طرح دنیا میں کوئی شخص کتنی پاکباز زندگی گزارے، اُس کو کوئی انعام نہ ملے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ جب انسانوں کو دنیا میں پیدا کیا ہے تو آخرت میں انہیں دوسری زندگی دے کر انہیں انعام یا سزا ضرور دے۔ (۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ کچھ لوگ

يَدْعُوا الْمَنَ ضَرًّا أَقْرَبَ مِنْ نَفْعِهِ ۖ لَيْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَيْسَ الْعَشِيرُ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ  
اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۳﴾

یہ ایسے (جھوٹے خدا) کو پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ قریب ہے۔<sup>(۸)</sup> ایسا مددگار بھی کتنا برا ہے، اور ایسا ساتھی بھی کتنا برا! ﴿۱۳﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ یقیناً ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یقیناً اللہ ہر وہ کام کرتا ہے جس کا ارادہ کر لیتا ہے۔ ﴿۱۴﴾

اس لالچ میں اسلام لائے کہ اسلام کی وجہ سے انہیں دنیا میں کچھ فوائد حاصل ہوں گے، لیکن جب ان کی توقع پوری نہیں ہوئی، بلکہ کوئی آزمائش آگئی تو وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔ یہ آیت ان کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ لوگ حق کو حق ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے، بلکہ دنیا کے مفادات کی خاطر قبول کرتے ہیں، اور ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی جنگ میں اس نیت سے ایک کنارے کھڑا ہو گیا ہو کہ دونوں لشکروں میں سے جس کا پلہ بھاری نظر آئے گا، اُس کے ساتھ ہو جاؤں گا، تاکہ کچھ مفادات حاصل کر سکوں۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ اسلام پر عمل اس لالچ میں نہ کرو کہ اس دنیا ہی میں تمہیں کوئی فائدہ مل جائے گا، بلکہ اس لئے کرو کہ وہ برحق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تقاضا یہی ہے۔ جہاں تک دنیا کے مفادات کا تعلق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ مشیت ہے کہ کس کو کیا دیا جائے، چنانچہ اسلام لانے کے بعد دنیوی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور کوئی آزمائش بھی آسکتی ہے جس میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہئے کہ مصیبت دُور فرما کر آزمائش سے نکال دے۔

(۸) اصل میں ان جھوٹے خداؤں میں خود تو نہ کوئی فائدہ پہنچانے کی طاقت ہے، نہ نقصان پہنچانے کی۔ البتہ یہ نقصان پہنچنے کا سبب بن سکتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ جو شخص انہیں اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک مانے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہوگا۔

(۹) جس کا نقصان فائدے سے زیادہ ہو، وہ نہ مددگار بنانے کے لائق ہے، اور نہ ساتھی بنانے کے لائق۔ لہذا ان بتوں سے اُمیدیں لگانا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ  
ثُمَّ لِيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدَهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ  
وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ﴿١٦﴾

جو شخص یہ سمجھتا تھا کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس (پیغمبر) کی مدد نہیں کرے گا تو وہ آسمان تک  
ایک رسی تان کر رابطہ کاٹ ڈالے، پھر دیکھے کہ کیا اُس کی یہ تدبیر اُس کی جھنجلاہٹ دُور کر سکتی  
ہے؟ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے اس (قرآن) کو کھلی کھلی نشانیوں کی صورت میں اسی طرح اُتارا ہے، اور اللہ جس کو  
چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔ ﴿۱۶﴾

(۱۵) رسی تان کر رابطہ کاٹ ڈالنے کے ایک معنی تو عربی محاورے کے مطابق پھانسی دے کر گلا گھونٹنے کے  
ہوتے ہیں۔ اگر یہاں یہ معنی لئے جائیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، تو  
اُس صورت میں آسمان سے مراد اُدپر کی سمت یعنی چھت ہوگی، اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص جس کا  
خیال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی کامیابی حاصل نہیں ہوگی، اُس کا یہ خیال نہ تو پورا ہوا ہے،  
نہ ہوگا۔ اس پر اگر اُسے غصہ اور جھنجلاہٹ ہے تو وہ چھت کی طرف ایک رسی تان کر اپنے آپ کو پھانسی دے،  
اور اپنا گلا گھونٹ لے۔

اور آسمان تک رسی تان کر رابطہ کاٹ لینے کی ایک دوسری تشریح حضرت جابر بن زید سے منقول ہے، اور وہ یہ کہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں، اُن کا سرچشمہ وہ وحی ہے جو آپ پر آسمان سے  
نازل ہوتی ہے۔ اب اگر کسی شخص کو ان کامیابیوں پر غم و غصہ ہے، اور وہ ان کامیابیوں کا راستہ روکنا چاہتا ہے  
تو اُس کا ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی رسی تان کر آسمان تک جائے، اور وہاں سے آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کا وہ رابطہ کاٹ دے جس کے ذریعے آپ پر وحی آرہی ہے، اور کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ ظاہر

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ  
 أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ  
 شَهِيدٌ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ  
 وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ  
 النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۖ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ  
 يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝

السجدة ۲۲

بلاشبہ مومن ہوں یا یہودی، صابی ہوں یا نصرانی اور مجوسی، یا وہ جنہوں نے شرک اختیار کیا ہے، اللہ  
 قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔ ﴿۱۷﴾ کیا تم نے  
 نہیں دیکھا کہ اللہ کے آگے وہ سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں  
 ہیں، نیز سورج اور چاند، اور ستارے اور پہاڑ، اور درخت اور جانور، اور بہت سے انسان بھی! اور  
 بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر عذاب طے ہو چکا ہے۔ اور جسے اللہ ذلیل کر دے، کوئی نہیں ہے جو  
 اُسے عزت دے سکے۔ یقیناً اللہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ﴿۱۸﴾

ہے کہ یہ بات کسی کے بس میں نہیں ہے، اس لئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو مایوسی کے سوا کچھ  
 حاصل نہیں ہو سکتا (روح المعانی)۔

(۱۱) ان مخلوقات کے سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہیں، اور ہر چیز  
 اُس کے ہر حکم کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے۔ نیز اس سے عبادت کا سجدہ بھی مراد ہو سکتا ہے، کیونکہ اتنی سمجھ  
 کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور اُسی کی عبادت کرنی چاہئے، البتہ ہر  
 چیز کے سجدے کی صورت مختلف ہے۔ اس پوری کائنات میں انسان ہی ایسی مخلوق ہے جس کے تمام افراد



هٰذِهِ خَصْنِ احْتَصُوا فِي رَأْيِهِمْ ۚ فَاَلْزَيْنِ كَفَرُوا ۚ وَقَطَّعْتَ لَهُمْ شِيَابَ مِنْ  
 نَارٍ ۙ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۙ (۱۹) يُصْهِرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۙ  
 وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ ۙ (۲۱) كُلَّمَا اَرَادُوا اَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا  
 فِيهَا ۙ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۙ (۲۲) اِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا  
 الصّٰلِحٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِنْ تَحْتِهَا اَنْهٰرٌ يُحَلِّتُونَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ  
 لَوْلُؤًا ۙ وَلِبَاسَهُمْ فِيهَا خٰرِيرٌ ۙ (۲۳)

یہ (مومن اور کافر) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا  
 کیا ہے۔ اب (اس کا فیصلہ اس طرح ہوگا کہ) جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، اُن کے لئے آگ کے  
 کپڑے تراشے جائیں گے۔ اُن کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی چھوڑا جائے گا ﴿۱۹﴾ جس  
 سے اُن کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی، ﴿۲۰﴾ اور اُن کے لئے لوہے کے  
 ہتھوڑے ہوں گے، ﴿۲۱﴾ جب کبھی تکلیف سے تنگ آکر وہ اُس سے نکلنا چاہیں گے، تو انہیں پھر  
 اُسی میں لوٹا دیا جائے گا، کہ چکھو جلتی آگ کا مزہ! ﴿۲۲﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے  
 ہیں، اور جنہوں نے نیک کام کئے ہیں، اللہ اُن کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے  
 نہریں بہتی ہوں گی، جہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے سجایا جائے گا، اور جہاں اُن کا  
 لباس ریشم ہوگا۔ ﴿۲۳﴾

عبادت کا یہ سجدہ نہیں کرتے، بلکہ بہت سے کرتے ہیں، بعض نہیں کرتے، اس لئے انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے  
 یہ فرمایا گیا ہے کہ ”بہت سے انسان بھی“۔ یاد رہے کہ یہ سجدے کی آیت ہے، جو شخص اصل عربی میں یہ آیت  
 تلاوت کرے یا سنے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

وَهْدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَهْدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ۖ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَصْذُقُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۖ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُزِقْهُ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۖ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۖ

اور (وجہ یہ ہے کہ) ان لوگوں کی رسائی پاکیزہ بات (یعنی کلمہ توحید) تک ہو گئی تھی، اور وہ اُس خدا کے راستے تک پہنچ گئے تھے جو ہر تعریف کا مستحق ہے۔ ﴿۲۲﴾ بیشک وہ لوگ (سزا کے لائق ہیں) جنہوں نے کفر اپنالیا ہے، اور جو دوسروں کو اللہ کے راستے سے اور اُس مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے لوگوں کے لئے ایسا بنایا ہے کہ اُس میں وہاں کے باشندے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں۔<sup>(۱۲)</sup> اور جو کوئی شخص اُس میں ظلم کر کے ٹیڑھی راہ نکالے گا، ہم اُسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۲۵﴾ اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر (یعنی خانہ کعبہ) کی جگہ بتادی تھی،<sup>(۱۳)</sup> (اور یہ ہدایت دی تھی کہ:) ”میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے گھر کو اُن لوگوں کے لئے پاک رکھنا جو (یہاں) طواف کریں، اور عبادت کے لئے کھڑے ہوں، اور رُکوع سجدے بجالائیں۔ ﴿۲۶﴾

(۱۲) مسجد حرام اور اُس کے آس پاس کے وہ مقامات جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں، مثلاً صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جگہ، منی، عرفات اور مزدلفہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے وقف عام ہیں، اور ان کو عبادت کے لئے استعمال کرنے میں مقامی باشندے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں۔  
(۱۳) ٹیڑھی راہ نکالنے سے مراد کفر و شرک، حرم کے احکام کی خلاف ورزی، بلکہ ہر قسم کا گناہ ہے۔ حرم میں جس طرح ہر نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے، اسی طرح بعض صحابہ کرام سے منقول ہے کہ یہاں گناہوں کا وبال بھی دوسری جگہوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

(۱۴) جیسا کہ سورہ بقرہ (۲: ۱۷۷) میں گزر چکا ہے، بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تعمیر ہو کر منہدم

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَیْبٍ ۖ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۚ ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُتَوْفَّؤْا نَدْوَاهُمْ وَلِيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں، اور دُور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی اُن اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) ڈبلی ہو گئی ہوں، ﴿۲۷﴾ تاکہ وہ اُن فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو اُن کے لئے رکھے گئے ہیں، اور متعین دنوں میں اُن چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کئے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ چنانچہ (مسلمانو!) اُن جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ، اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔ ﴿۲۸﴾ پھر (حج کرنے والے) لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنا میل کچیل دُور کریں، اور اپنی منتیں پوری کریں، اور اس بیتِ عتیق کا طواف کریں۔ ﴿۲۹﴾ ﴿۱۶﴾

ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ جگہ بتائی جہاں بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر کرنا منظور تھا۔

(۱۵) حج کے کاموں میں ایک اہم کام جانوروں کی قربانی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر انہیں ذبح کیا جائے۔ یہ اُس کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۶) حج کے دوران انسان احرام میں ہوتا ہے تو اُس کے لئے بال کاٹنا اور ناخن تراشنا جائز نہیں رہتا۔ یہ پابندیاں اُس وقت ختم ہوتی ہیں جب وہ حج کی قربانی سے فارغ ہو جائے۔ چنانچہ یہاں میل کچیل دُور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حج کرنے والے قربانی کے بعد جسم کے بال اور ناخن کاٹ سکتے ہیں۔ اور منتیں پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ واجب قربانی کے علاوہ بہت سے حضرات یہ منتیں مان لیا کرتے تھے کہ حج کے موقع پر ہم اپنی طرف سے بھی قربانی کریں گے۔ اس کے بعد بیت اللہ شریف کے جس طواف کا ذکر ہے، اُس سے مراد ”طواف زیارت“ ہے۔ یہ طواف عام طور پر قربانی اور سر منڈانے کے بعد کیا جاتا ہے، اور حج کا اہم رکن ہے۔ بیت اللہ کو یہاں ”بیتِ عتیق“ کہا گیا ہے۔ اس کے ایک معنی تو قدیم کے ہیں، یعنی یہ اس معنی میں قدیم ترین گھر ہے کہ دُنیا

ذَلِكَ وَمَنْ يُعِظْ حُرْمَتَ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَأُحِلَّتْ لَكُمْ الْاَنْعَامُ  
 اِلَّا مَا يَمِثُّ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۖ  
 حُنْفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۖ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَانَ كَانِهَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ  
 فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِي بِه الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝

یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اُن چیزوں کی تعظیم کرے گا جن کو اللہ نے حرمت دی ہے، تو اُس کے حق میں یہ عمل اُس کے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ سارے مویشی تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں، سوائے اُن جانوروں کے جن کی تفصیل تمہیں پڑھ کر سنادی گئی ہے۔ لہذا بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی بات سے اس طرح بچ کر رہو ﴿۳۰﴾ کہ تم یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رُخ کئے ہوئے ہو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانتے ہو۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر یا تو پرندے اُسے اُچک لے جائیں، یا ہوا اُسے کہیں دُور دراز کی جگہ لا پھینکے۔ ﴿۳۱﴾<sup>(۱۸)</sup>

میں سب سے پہلا گھر ہے جو عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا۔ اور اس کے ایک معنی ”آزاد“ کے بھی ہیں، اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے آزاد کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ظالموں کے قبضہ کر لینے سے آزاد رکھا ہے۔

(۱۷) جانوروں کی قربانی کا ذکر آیا تو مشرکین عرب کی اُس جاہلانہ رسم کی بھی تردید کر دی گئی جس کی رُو سے انہوں نے بتوں کے نام پر بہت سے جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ اَنْعَام ۷: ۱۳ تا ۱۴)۔ چنانچہ یہ بتادیا گیا کہ یہ سب چوپائے تمہارے لئے حلال ہیں، سوائے اُن چیزوں کے جنہیں قرآن کریم نے سورۃ مائدہ (۵: ۳) میں حرام قرار دیا ہے۔ پھر اسی کے ساتھ جس بنیاد پر مشرکین ان جانوروں کو حرام قرار دیتے تھے، یعنی بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ماننا اور اُن کے نام پر جانوروں کو چھوڑ دینا، اُس بنیاد کو بھی یہ فرما کر ختم کر دیا گیا ہے کہ بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی باتوں سے بچو۔

(۱۸) اس تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی مثال آسمان کی سی ہے۔ جو شخص شرک کا ارتکاب کرتا ہے، وہ ایمان

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُعِظْهُمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوٰى الْقُلُوْبِ ۝۳۲ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰى  
عَاجِلٍ مُّسْتَسٰى ثُمَّ مَجْلٰهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝۳۳ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا  
لِّیَذْكُرُوا السَّمِ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةٍ اَلَا لَعَنَامٍ ە فَاَلْهَكُمُ اللّٰهُ وَاحِدًا فَلَئِنْ  
اَسْلَمُوْا ۙ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۝۳۴

یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل  
ہوتی ہے۔ ﴿۳۲﴾ تمہیں ایک معین وقت تک ان (جانوروں سے) فوائد حاصل کرنے کا حق  
ہے، پھر اُن کے حلال ہونے کی منزل اُسی قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کے آس پاس ہے۔ ﴿۳۳﴾  
اور ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی اس غرض کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ اُن مویشیوں پر اللہ کا نام لیں  
جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ لہذا تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، چنانچہ تم اُسی کی فرماں برداری  
کرو، اور خوشخبری سناؤ اُن لوگوں کو جن کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، ﴿۳۴﴾

کے بلند مقام سے نیچے گر پڑتا ہے۔ پھر پرندوں کے اُچک لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی خواہشات اُسے  
راہِ راست سے بھٹکا کر ادھر ادھر لئے پھرتی ہیں، اور ہوا کے دُور دراز پھینک دینے سے اس بات کی طرف اشارہ  
ہے کہ شیطان اُسے مزید گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا شخص ایمان کے بلند مقام سے نیچے گر کر اپنی  
نفسانی خواہشات اور شیطاں کا غلام بن بیٹھتا ہے جو اُسے گمراہی کی انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۱۹) ”شعائر“ کے معنی ہیں وہ علامتیں جن کو دیکھ کر کوئی دوسری چیز یاد آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں واجب  
قرار دی ہیں، اور خاص طور پر جن مقامات پر حج کی عبادت مقرر فرمائی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے شعائر میں داخل  
ہیں، اور اُن کی تعظیم ایمان کا تقاضا ہے۔

(۲۰) یعنی جب تک تم نے ان جانوروں کو حج کی قربانی کے لئے خاص نہ کر لیا ہو، اُس وقت تک تم ان سے ہر  
طرح کے فوائد حاصل کر سکتے ہو، ان پر سواری کرنا بھی جائز ہے، اُن کا دودھ پینا بھی، اُن کے جسم سے اُون  
حاصل کرنا بھی، لیکن جب انہیں حج کے لئے خاص کر لیا گیا تو پھر ان میں سے کوئی کام جائز نہیں رہتا۔ اُس کے

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمُ وَالْمُتَّقِينَ  
 الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ  
 فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ ۚ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَ  
 اطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۖ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَنَالَ  
 اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤها وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۚ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ  
 لِتُكْبِرُوا لِلَّهِ عَلَىٰ مَا هَدَىٰكُمْ ۖ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۷﴾

جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے، اور جو اپنے اوپر پڑنے والی ہر مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں، اور نماز کو قائم کرنے والے ہیں، اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے، تمہارے لئے اُن میں بھلائی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، اُن پر اللہ کا نام لو، پھر جب (ذبح ہو کر) اُن کے پہلو زمین پر گر جائیں تو اُن (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ، اور اُن محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور اُن کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔ اور ان جانوروں کو ہم نے اسی طرح تمہارے تابع بنا دیا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ﴿۳۶﴾ اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے، نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اُس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیئے ہیں، تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اُس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ اور جو لوگ خوش اُسلوبی سے نیک عمل کرتے ہیں، انہیں خوشخبری سنا دو۔ ﴿۳۷﴾

بعد تو انہیں بیت اللہ کے آس پاس یعنی حدودِ حرم میں ذبح کر کے حلال کرنا ہی واجب ہے۔ اور حج کے لئے خاص کرنے کی مختلف علامتیں ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

(۲۱) یہاں قرآن کریم نے دو لفظ استعمال فرمائے ہیں، ایک ”قانع“ جس کا مطلب ہے وہ شخص جو حاجت مند تو

لِلَّذِينَ يُدْفَعُونَ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝ اذِّنْ  
لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلِمُوا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ  
أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۖ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ  
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتَّ سَوَاقِمُ دِينِهِمْ وَبُيْعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ  
كَثِيرًا ۖ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِنْ  
مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ  
الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

بیشک اللہ اُن لوگوں کا دفاع کرے گا جو ایمان لے آئے ہیں۔ یقین جانو کہ اللہ کسی دغا باز ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۳۸﴾ جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے، انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۳۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خائفانہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔ ﴿۴۰﴾ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ ﴿۴۱﴾

ہے، لیکن اپنی حاجت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا، بلکہ صبر کئے بیٹھا ہے، اور دوسرا ”معتز“ جس کا مطلب وہ شخص ہے جو اپنی حاجت اپنے کسی قول یا فعل سے ظاہر کر دے۔

(۲۲) مکہ مکرمہ میں کافروں کی طرف سے مسلمانوں پر جو ظلم توڑے جا رہے تھے، شروع میں قرآن کریم ہی نے انہیں بار بار صبر سے کام لینے کا حکم دیا تھا۔ اب اس آیت میں یہ تسلی دی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ صبر آزماء مرحلہ اب ختم ہونے والا ہے، اور وقت آگیا ہے کہ ان ظالموں کے ظلم کا جواب دیا جائے، چنانچہ اگلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اس سے پہلے یہ خوشخبری دے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مسلمانوں کا دفاع کرے گا، اس لئے وہ اب بے خوف ہو کر لڑیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے لڑائی ہونی ہے، وہ دعا باز اور ناشکرے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے وہ ان کے خلاف مسلمانوں ہی کی مدد کرے گا۔

(۲۳) مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک صبر و ضبط کی تلقین کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کافروں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم کا کوئی جواب دینے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ ہر زیادتی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(۲۴) اس آیت میں جہاد کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے، اور وہ یہ کہ جتنے انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں آئے ہیں، اپنے اپنے وقت میں انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دی، اور اس کے لئے عبادت گاہیں بنائیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس کام کے لئے خانقاہیں اور کلیسا بنائے گئے جنہیں عربی میں ”صومعہ“ اور ”بیعہ“ کہا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں نے جو عبادت گاہیں بنائیں، اُن کو صلوات کہا گیا ہے، اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو مسجد کہا جاتا ہے۔ جو لوگ ان آسمانی مذاہب کے مخالف تھے، وہ ان عبادت گاہوں کو مٹانے کے درپے رہے، اگر ان کے خلاف جہاد کی اجازت نہ ہوتی، تو وہ ان عبادت گاہوں کو مسمار کر ڈالتے۔

(۲۵) مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں حکومت قائم کرنے اور کافروں کے خلاف لڑائی میں ان کی مدد کرنے کا مقصد اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ زمین میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کی عبادت خود بھی کریں گے، اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنے کا فریضہ انجام دیں گے۔ اس طرح یہ آیت ایک اسلامی ریاست کے بنیادی اغراض و مقاصد بیان فرما رہی ہے۔



وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَشُعُوبٌ ۝ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۚ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبُيُوتٌ مُعْتَظَّةٌ وَقَصْرٌ مَشِيدٌ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ فَإِنَّهَا لَا تَعْيَىٰ الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْيَىٰ الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝

اور (اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں، تو ان سے پہلے نوح کی قوم، اور عاد و ثمود کی قومیں بھی (اپنے اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، ﴿۴۲﴾ نیز ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم ﴿۴۳﴾ اور مدین کے لوگ بھی۔ اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا تھا، چنانچہ ان کافروں کو میں نے کچھ ڈھیل دی، پھر انہیں پکڑ میں لے لیا، اب دیکھ لو کہ میری پکڑ کیسی تھی! ﴿۴۴﴾ غرض کتنی بستیاں تھیں جن کو ہم نے اُس وقت ہلاک کیا جب وہ ظلم کر رہی تھیں، چنانچہ وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں، اور کتنے ہی کنویں جو اب بیکار ہوئے پڑے ہیں، اور کتنے کپے بنے ہوئے محل (جو کھنڈر بن چکے ہیں) ﴿۴۵﴾ تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں جس سے انہیں وہ دل حاصل ہوتے جو انہیں سمجھ دے سکتے، یا ایسے کان حاصل ہوتے جن سے وہ سن سکتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ ﴿۴۶﴾

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ  
كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿۳۷﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لِمَا  
أَخَذْنَاهَا وَإِلَىٰ الْعَصِیْرِ ﴿۳۸﴾

۳۸  
۳۷

اور یہ لوگ تم سے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا، اور یقین جانو کہ تمہارے رب کے یہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کی طرح کا ہوتا ہے۔ ﴿۳۷﴾ اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جنہیں میں نے مہلت دی تھی، اور وہ ظلم کرتی رہیں، پھر میں نے انہیں پکڑ میں لے لیا، اور سب کو آخر کار میرے پاس ہی لوٹنا ہوگا۔ ﴿۳۸﴾

(۳۷) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی صحیح تشریح تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے تشابہات میں بھی شمار کیا ہے، لیکن اس آیت کو سمجھنے کے لئے اتنی تشریح کافی ہے کہ کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گزر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آتا ہے تو ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہو گئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ اس آیت کی کچھ مزید تفصیل ان شاء اللہ سورۃ معارج (۷۰: ۴) میں آئے گی۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا آتَاكُمُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝۴۹ قَالَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝۵۰ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝۵۱ وَمَا أَمْرُ سُلَّامٍ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ۚ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ آيَتِهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۵۲

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”اے لوگو! میں تو تمہیں وضاحت کے ساتھ خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿۴۹﴾ پھر جو لوگ ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرنے لگے، تو اُن کے لئے مغفرت ہے، اور باعزت رزق ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو نیچا دکھانے کے لئے دوز دھوپ کی ہے، تو وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ ﴿۵۱﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے جب بھی کوئی رسول یا نبی بھیجا تو اس کے ساتھ یہ واقعہ ضرور ہوا کہ جب اُس نے (اللہ کا کلام) پڑھا تو شیطان نے اُس کے پڑھنے کے ساتھ ہی (کفار کے دلوں میں) کوئی رکاوٹ ڈال دی، پھر جو رکاوٹ شیطان ڈالتا ہے، اللہ اُسے دور کر دیتا ہے، پھر اپنی آیتوں کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے، اور اللہ بڑے علم کا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔ ﴿۵۲﴾

(۲۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کے مخالفین کی طرف سے جن شکوک و شبہات کا اظہار ہو رہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پچھلے انبیائے کرام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ جب وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سنا تو شیطان کافروں کے دل میں شکوک و شبہات پیدا کر دیتا جس کی بنا پر وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے، لیکن چونکہ یہ شکوک و شبہات اصل میں بے بنیاد ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کا کوئی اثر مخلص مسلمانوں پر باقی نہیں رہنے دیتا، بلکہ انہیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔ اس آیت کا ایک اور ترجمہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ: ”تم سے پہلے ہم نے جو کوئی رسول یا نبی بھیجا، تو اُس کے ساتھ یہی ہوا کہ جب اُس نے کوئی تمنا کی تو شیطان نے اُس کی تمنا میں کوئی کھنڈت ڈال دی، پھر شیطان جو کھنڈت ڈالتا ہے، اللہ اُسے ختم کر دیتا ہے

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۵۳﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّ اللَّهَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مَرِيَّةٍ مِنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿۵۵﴾

یہ (شیطان نے زکاوت اس لئے ڈالی) تاکہ جو زکاوت شیطان نے ڈالی تھی، اللہ اُسے ان لوگوں کے لئے فتنہ بنادے جن کے دلوں میں روگ ہے، اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور یقین جانو کہ یہ ظالم لوگ مخالفت میں بہت دُور چلے گئے ہیں۔ ﴿۵۳﴾ اور (اُس زکاوت کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے دُور کیا) تاکہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ جان لیں کہ یہی (کلام) برحق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، پھر وہ اُس پر ایمان لائیں، اور اُن کے دل اُس کے آگے جھک جائیں۔ اور یقین رکھو کہ اللہ ایمان والوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ اس (کلام) کی طرف سے برابر شک ہی میں پڑے رہیں گے، یہاں تک کہ اُن پر اچانک قیامت آجائے، یا ایسے دن کا عذاب ان تک آپہنچے جو (ان کے لئے) کسی بھلائی کو جنم دینے کی صلاحیت سے خالی ہوگا۔ ﴿۵۵﴾

پھر اپنی آیتوں کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔ "اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انبیائے کرام اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کسی بات کی تمنا کرتے تھے، مگر شروع میں شیطان اس تمنا کے پورے ہونے میں کوئی زکاوت پیدا کر دیتا تھا، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ اُس زکاوت کو دُور فرما کر اپنی اُن آیتوں کو مزید مستحکم بنا دیتا جن میں انبیائے کرام کی مدد کی بشارت دی گئی تھی، البتہ شیطان نے جو زکاوت ڈالی تھی، وہ کافر لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، اُسے انبیائے کرام کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کر کے فتنے میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

اَلْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ قَالِیْنَ اَمْ نُوَاوِعِلُّوَا الصَّلٰحٰتِ فِیْ جَنَّتِ  
 ۱۳۱ ۚ النَّعِیْمِ ۝۵۶ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآیٰتِنَا قُلُوْا لَكُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝۵۷  
 الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوا لَبِزَ رُزُقَتْهُمْ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَ  
 اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَبِیْرُ الرِّقَبِیْنَ ۝۵۸ لَّیْدُ خَلَّتْهُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضُوْنَهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ  
 ۝۵۹ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِسُلْ مَآءُوْجِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیْبُ صِرَآئِ اللّٰهِ ۚ  
 اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۶۰

بادشاہی اُس دن اللہ کی ہوگی، وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا، چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں،  
 اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے۔ ﴿۵۶﴾ اور جن لوگوں  
 نے کفر اپنالیا ہے، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے ذلت والا عذاب  
 ہوگا۔ ﴿۵۷﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، پھر قتل کر دیئے گئے یا اُن کا انتقال  
 ہو گیا، تو اللہ انہیں ضرور اچھا رزق دے گا، اور یقین رکھو کہ اللہ ہی بہترین رزق دینے والا  
 ہے۔ ﴿۵۸﴾ وہ انہیں ضرور ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے، اور اللہ یقیناً ہر  
 بات جاننے والا، بڑا بردبار ہے۔ ﴿۵۹﴾ یہ بات تو طے ہے، اور (آگے یہ بھی سن لو کہ) جس  
 شخص نے کسی کو بدلے میں اتنی ہی تکلیف پہنچائی جتنی اُس کو پہنچائی گئی تھی، اُس کے بعد پھر اُس  
 سے زیادتی کی گئی، تو اللہ اُس کی ضرور مدد کرے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت  
 بخشنے والا ہے۔ ﴿۶۰﴾

(۲۸) اوپر آیت نمبر ۳۹ میں مسلمانوں کو ان کافروں سے لڑنے کی اجازت دی گئی تھی جنہوں نے اُن پر ظلم  
 ڈھائے تھے، حالانکہ اس سے پہلے ان کے ظلم کے جواب میں صبر اور درگزر کے احکام دیئے جاتے رہے تھے۔  
 اب یہاں صرف جنگ ہی کے معاملے میں نہیں، بلکہ ہر قسم کے ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت دی جا رہی ہے، بشرطیکہ

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ  
 بَصِيرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ  
 اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ  
 الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي  
 الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾

ع  
۱۵

یہ اس لئے کہ اللہ (کی قدرت اتنی بڑی ہے کہ وہ) رات کو دن میں داخل کر دیتا اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اس لئے کہ اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۶۱﴾ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے، اور یہ لوگ اُسے چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، وہ سب باطل ہیں، اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بھی اونچی ہے، رتبہ بھی بڑا۔ ﴿۶۲﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا مہربان، ہر بات سے باخبر ہے۔ ﴿۶۳﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے۔ اور یقین رکھو کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف۔ ﴿۶۴﴾

وہ اتنا ہی ہو جتنا ظلم ہوا۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ درگزر کا معاملہ زیادہ افضل ہے، لیکن برابر کا بدلہ لینا بھی جائز ہے، اور اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ہے۔ بلکہ یہاں اور آگے بڑھ کر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر برابر کا بدلہ لینے کے بعد ظالم دوبارہ زیادتی کرے تو اُس پر بھی اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔

(۲۹) یعنی ایک موسم میں جو دن کا وقت تھا، دوسرے موسم میں اللہ تعالیٰ نے اُسے رات بنا دیا، اور ایک موسم میں جو رات کا وقت تھا، اُسے دوسرے موسم میں دن بنا دیا۔ چاند سورج کی گردش کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بیشمار مظاہر میں سے یہاں خاص طور پر اس کو شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہو کہ یہاں مظلوم کی مدد فرمانے کا ذکر ہے، اور جس طرح رات دن کے اوقات بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح جو کبھی مظلوم تھا، اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کر کے اُسے فتح وِلا دیتے ہیں، اور جو ظالم اور بالادست تھا، اُسے نچاؤ کھا دیتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلَّكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ<sup>ط</sup>  
وَيُسَبِّحُ السَّمَاءَ أَنْ تَقْعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّءُوفٌ  
رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾  
لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ وَاذْعُرْ إِلَىٰ رَأْيِكَ ۖ<sup>ط</sup>  
إِنَّكَ لَعَلَّ هُدًى مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٧﴾ وَإِنْ جَدَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے کام میں لگا رکھی ہیں، اور وہ کشتیاں بھی جو اُس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں؟ اور اُس نے آسمان کو اس طرح تھام رکھا ہے کہ وہ اُس کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں گر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۶۵﴾ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔ ﴿۶۶﴾ ہم نے ہر اُمت کے لوگوں کے لئے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے، جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں، لہذا (اے پیغمبر!) لوگوں کو تم سے اس معاملے میں جھگڑا نہیں کرنا چاہئے، اور تم اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیتے رہو۔ تم یقیناً سیدھے راستے پر ہو۔ ﴿۶۷﴾ اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ: ”جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔“ ﴿۶۸﴾

(۳۰) بعض لوگ اس بات پر اعتراض کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے ہیں، اُن میں سے کچھ اُن احکام سے مختلف ہیں جو پچھلے انبیائے کرام کی اُمتوں کو دیئے گئے تھے۔ اس آیت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ یعنی مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کے مختلف طریقے مقرر فرمائے تھے اور ہر دور کے مناسب شریعت کے مختلف احکام دیئے تھے۔ لہذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے کچھ احکام پچھلی شریعتوں سے الگ ہیں تو اس میں نہ کوئی اعتراض کی بات ہے، اور نہ بحث مباحثے کا کوئی موقع۔

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝۱۹ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ  
يَعْلَمُ مَا فِي السَّاءِ وَالْأَرْضِ ۝ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ ۝ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝  
يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَهُمْ يَنْزِلُ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لِيَسْلُمَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا  
لِظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝ وَإِذْ تُثَلِّ عَلَيْهِمُ الْآيَاتُ بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ  
كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۝ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ عَلَيْهِمُ الْآيَاتُ قُلْ أَفَأَنْبِئُكُمْ  
بِشَرٍّ مِنْ ذَلِكَُمْ ۝ النَّارُ ۝ وَعَذَابُ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۝ وَبِئْسَ النَّصِيرُ ۝  
ع ۱۶

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے  
تھے۔ ﴿۱۹﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ کے علم میں ہیں؟ یہ سب  
باتیں ایک کتاب میں محفوظ ہیں۔ بیشک یہ سارے کام اللہ کے لئے بہت آسان ہیں۔ ﴿۲۰﴾ اور  
یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے معبود ہونے) کی اللہ نے کوئی دلیل  
نازل نہیں کی، اور خود ان لوگوں کو بھی اس کے بارے میں کوئی علم حاصل نہیں۔ اور ان ظالموں کا  
(آخرت میں) کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ﴿۲۱﴾ اور جب ان کو ہماری آیتیں اپنی پوری وضاحتوں کے  
ساتھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو تم ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے اثرات صاف پہچان لیتے  
ہو، ایسا لگتا ہے کہ یہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنارہے ہیں۔ کہہ دو کہ:  
”لوگو! کیا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جو اس سے زیادہ ناگوار ہے؟ آگ! اللہ نے کافروں سے  
اس کا وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔“ ﴿۲۲﴾

(۳۱) یعنی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جس سے یہ علم حاصل ہو سکے کہ یہ بت واقعی خدائی کا درجہ رکھتے ہیں۔  
(۳۲) مطلب یہ ہے کہ ابھی تو تم ان آیتوں ہی کو ناگوار سمجھ رہے ہو، آخرت میں جب آگ سامنے آئے گی تو پتہ  
چلے گا کہ اصل ناگوار چیز کیا تھی؟



يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبَ مَثَلٍ ۖ فَاسْتَعِزَّوْا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۚ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْبَطُولُ ۚ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ ۞ اللَّهُ يُصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ بَصِيرٌ ۝ ۞ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ ۞ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ ۞

عبد اللہ  
سبحی

لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، اب اُسے کان لگا کر سنو! تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دُعا کے لئے پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، چاہے اس کام کے لئے سب کے سب اکٹھے ہو جائیں، اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اُس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ ایسا دُعا مانگنے والا بھی بودا اور جس سے دُعا مانگی جا رہی ہے وہ بھی! ﴿۷۳﴾ ان لوگوں نے اللہ کی ٹھیک ٹھیک قدر ہی نہیں پہچانی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ قوت کا بھی مالک ہے، اقتدار کا بھی مالک۔ ﴿۷۴﴾ اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے، اور انسانوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ ہر بات سنتا ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۷۵﴾ وہ اُن کے آگے اور پیچھے کی ساری باتوں کو جانتا ہے، اور اللہ ہی پر تمام معاملات کا دار و مدار ہے۔ ﴿۷۶﴾ اے ایمان والو! زکوٰۃ کرو، اور سجدہ کرو، اور اپنے پروردگار کی بندگی کرو، اور بھلائی کے کام کرو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ ﴿۷۷﴾

(۳۳) کون سے فرشتے پیغمبروں کے پاس وحی کا پیغام لے کر جائیں، اور کن انسانوں کو پیغمبری کے مقام پر سرفراز کیا جائے، ان سب باتوں کا تعین اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں۔

(۳۴) شافعی مذہب میں یہاں سجدہ ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۖ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۖ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

ع ۱۲

اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو، جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں (اپنے دین کے لئے) منتخب کر لیا ہے، اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اُس نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا، اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ یہ رسول تمہارے لئے گواہ بنیں، اور تم دوسرے لوگوں کے لئے گواہ بنو۔ لہذا نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہ تمہارا رکھوالا ہے، دیکھو، کتنا اچھا رکھوالا، اور کتنا اچھا مددگار! ﴿۷۸﴾

(۳۵) ”جہاد“ کے لفظی معنی جدوجہد اور کوشش کے ہیں، اور یہ لفظ دین کے راستے میں ہر کوشش کو شامل ہے۔ اس میں مسلح جدوجہد یعنی اللہ کے راستے میں جنگ کرنا بھی داخل ہے، پر امن جدوجہد بھی، اور انسان اپنی اصلاح کے لئے جو محنت کرے، وہ بھی۔

(۳۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے مومنوں کے حق میں گواہی دیں گے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تھے، اور مسلمان دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ پیغمبروں نے اُن کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ یہ مضمون سورۃ بقرہ (۲: ۱۴۷) میں گزر چکا ہے۔ وہاں اس کی تشریح دیکھ لی جائے۔

الحمد للہ، آج بروز دوشنبہ ۱۵ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۵ مارچ ۲۰۰۷ء مدینہ منورہ میں سورۃ حج کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضاء کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

## تعارف

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے وہ بنیادی صفات ذکر فرمائی ہیں جو مسلمانوں میں پائی جانی چاہئیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اس سورت کی پہلی دس آیتوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص وہ ساری باتیں اپنے اندر پیدا کر لے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اسی لئے اس سورت کا نام ”مؤمنون“ ہے، یعنی وہ سورت جو یہ بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے۔ نیز نسائی میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اوصاف کیسے تھے؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورہ مؤمنون کی یہ دس آیتیں تلاوت فرمادیں کہ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف تھے۔ سورت کا بنیادی مقصد انسان کو اُس کی اصلیت کی طرف متوجہ کر کے اس بات پر غور و فکر کی دعوت دینا ہے کہ اُس کے دُنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، اور بالآخر مرنے کے بعد جو زندگی آتی ہے، اُس میں انسان کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے انبیائے کرام کے واقعات اس سورت میں دُہرائے گئے ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو کہ ان سب پیغمبروں کی دعوت تو اتر کے ساتھ ایک ہی تھی، اور جن لوگوں نے اُن کا انکار کیا، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا نشانہ بننا پڑا۔ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اُن کی نیکیوں اور برائیوں کا حساب لیس گے، اور ہر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزا و سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس عقیدے کو کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کی طرف متوجہ کر کے ثابت کیا گیا ہے۔

﴿۱۱۸﴾ آیاتھا ۲۳ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۴۲ ﴿۲﴾ رُكُوْعَاتُهَا ۲ ﴿۱﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ  
اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝۴

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اُن ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے ﴿۱﴾ جو اپنی نماز میں دل سے جھکنے والے ہیں، ﴿۲﴾ اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں ﴿۳﴾ اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں، ﴿۴﴾

(۱) یہ ”خشوع“ کا ترجمہ ہے۔ عربی میں ”خضوع“ کے معنی ہیں ظاہری اعضاء کو جھکانا، اور ”خشوع“ کے معنی ہیں دل کو عاجزی کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ رکھنا۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان نماز میں جو کچھ زبان سے پڑھ رہا ہو، اُس کی طرف دھیان رکھے، اور اگر غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے تو وہ معاف ہے، لیکن جونہی یاد آئے، دوبارہ نماز کے الفاظ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔

(۲) ”لغو“ کا مطلب ہے بیکار مشغلہ جس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت کا۔

(۳) ”زکوٰۃ“ کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو پاک صاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ غریبوں کے لئے نکالیں، اُسے زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُس سے اُن کا باقی مال بھی پاک صاف ہو جاتا ہے، اور ان کے دلوں کو بھی پاکی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں زکوٰۃ سے مراد وہ مالی فریضہ بھی ہو سکتا ہے، اور اُس کے دوسرے معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں، یعنی اپنے آپ کو برے اعمال اور اخلاق سے پاک صاف کرنا۔ اس کو ”تزکیہ“ بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہاں زکوٰۃ کے ساتھ ”ادا کرنے“ کے بجائے زکوٰۃ پر ”عمل کرنے والے“ کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کی وجہ سے بہت سے مفسرین نے یہاں دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ يُعْذَرُونَ ۖ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۙ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۚ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں، ﴿۵﴾ سوائے اپنی بیویوں اور اُن کنیزوں کے جو اُن کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگ قابلِ ملامت نہیں ہیں، ﴿۶﴾ ہاں جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔ ﴿۷﴾ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، ﴿۸﴾ اور جو اپنی نمازوں کی پوری نگرانی رکھتے ہیں۔ ﴿۹﴾ یہ ہیں وہ وارث ﴿۱۰﴾ جنہیں جنت الفردوس کی میراث ملے گی۔ یہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۱﴾

(۴) یعنی اس بات سے حفاظت کرتے ہیں کہ اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کوئی ناجائز طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۵) اس سے مراد وہ کنیزیں ہیں جو شرعی احکام کے مطابق کسی کی ملکیت میں آئی ہوں، لیکن آج کل ایسی کنیزوں کا کوئی وجود نہیں رہا۔

(۶) یعنی بیوی اور شرعی کنیز کے سوا کسی اور طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔

(۷) نمازوں کی نگرانی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ نماز کی پوری پابندی کی جائے، اور یہ بھی کہ اُن کو صحیح طریقے سے آداب اور شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے۔

(۸) جنت کو مؤمنوں کی میراث اس لئے کہا گیا ہے کہ ملکیت کے اسباب میں سے میراث ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس میں ایک چیز خود بخود اس طرح انسان کی ملکیت میں آجاتی ہے کہ اُس ملکیت کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اشارہ اس طرف ہے کہ جنت کے مل جانے کے بعد اُس کے چھن جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۖ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۚ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا فَكَسَوْنَا الْعِظَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝<sup>(۱۲)</sup>  
ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَنَبِيتُونَ ۝<sup>(۱۳)</sup> ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ ۝<sup>(۱۴)</sup> وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقٍ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ۝<sup>(۱۵)</sup>

اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا، ﴿۱۲﴾ پھر ہم نے اُسے ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر رکھا، ﴿۱۳﴾ پھر ہم نے اُس بوند کو جسے ہوئے خون کی شکل دے دی، پھر اُس جسے ہوئے خون کو ایک توہڑا بنا دیا، پھر اُس توہڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا، پھر اُسے ایسی اٹھان دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا۔ غرض بڑی شان ہے اللہ کی جو سارے کاریگروں سے بڑھ کر کاریگر ہے! ﴿۱۴﴾ پھر اس سب کے بعد تمہیں یقیناً موت آنے والی ہے، ﴿۱۵﴾ پھر قیامت کے دن تمہیں یقیناً دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات تہہ بر تہہ راستے پیدا کئے ہیں، اور ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔ ﴿۱۷﴾

(۹) انسان کا مٹی سے پیدا ہونا یا تو اس اعتبار سے ہے کہ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، پھر تمام انسان اُن کی پشت سے پیدا ہوئے، اس لئے بالواسطہ تمام انسانوں کی اصل مٹی ہے، یا پھر اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان کی تخلیق مٹی کے قطرے سے ہوتی ہے، اور وہ غذا سے پیدا ہوتی ہے جس کے اُگنے اور بننے میں مٹی کا دخل واضح ہے۔

(۱۰) محفوظ جگہ سے مراد رحم مادر ہے۔

(۱۱) یہاں آسمانوں کو تہہ بر تہہ راستوں سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے انہی آسمانوں سے آتے جاتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ ہماری مخلوق کی ضروریات کیا ہیں، اور ان کی مصلحت کا کیا تقاضا ہے، اس لئے ہماری تمام تخلیقات میں ان مصالح کی پوری رعایت ہے۔



وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ  
لَقَدِيرُونَ ﴿١٨﴾ فَأَنشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهٌ  
كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ  
وَصِبْغٍ لِلَّيْلِ كَالْيَمِّ ۖ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ  
فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢٠﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢١﴾

اور ہم نے آسمان سے ٹھیک اندازے کے مطابق پانی اُتارا، پھر اُسے زمین میں ٹھہرا دیا، اور یقیناً (۱۲)  
رکھو، ہم اُسے غائب کر دینے پر بھی قادر ہیں۔ ﴿۱۸﴾ پھر ہم نے اُس سے تمہارے لئے کھجوروں اور  
انگوروں کے باغات پیدا کئے جن سے تمہیں بہت سے میوے حاصل ہوتے ہیں، اور انہی میں سے تم  
کھاتے ہو۔ ﴿۱۹﴾ اور وہ درخت بھی پیدا کیا جو طور سینا سے نکلتا ہے، جو اپنے ساتھ تیل لے کر اور  
کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اُگتا ہے۔ ﴿۲۰﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے  
موشیوں میں بڑی نصیحت کا سامان ہے۔ جو (دودھ) ان کے پیٹ میں ہے، اُس سے ہم تمہیں  
سیراب کرتے ہیں، اور اُن میں تمہارے لئے بہت سے فوائد ہیں، اور انہی سے تم غذا بھی حاصل  
کرتے ہو۔ ﴿۲۱﴾ اور انہی پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار بھی کیا جاتا ہے۔ ﴿۲۲﴾

(۱۲) یعنی اگر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں ذمہ داری دی جاتی کہ تم خود اس کا ذخیرہ کرو، تو یہ تمہارے بس میں  
نہیں تھا۔ ہم نے یہ پانی پہاڑوں پر برسا کر اُسے برف کی شکل میں جمادیا، جو رفتہ رفتہ پگھل کر دریاؤں کی شکل  
اختیار کرتا ہے، اور اُس کی جڑیں زمین بھر میں پھیلی ہوئی ہوئی ہیں، جن سے کنویں بنتے ہیں، اور اس طرح زمین  
کی تہہ میں وہ پانی محفوظ رہتا ہے۔

(۱۳) اس سے مراد زیتون کا درخت ہے جو طور سینا کے علاقے میں کثرت سے پایا جاتا تھا۔ اس سے جو تیل نکلتا  
ہے، اُس سے روغن کا کام بھی لیا جاتا ہے، اور عرب میں اُسے روٹی کے ساتھ سالن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا  
تھا۔ اس درخت کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے فوائد بہت ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ  
 أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلِكُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ  
 مِثْلُكُمْ لَا يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا  
 بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فُتَرَبِّصُوا بِهِ حَتَّىٰ  
 حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنتَ بَدِئْتَنِي ۖ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعْ الْفُلَ  
 بِأَعْيُنِنَا ۖ وَوَحَيْنَا قَدْ آجَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ ۖ

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ انہوں نے (قوم سے) کہا کہ: ”میری قوم  
 کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ بھلا کیا تم ڈرتے نہیں  
 ہو؟“ ﴿۲۳﴾ اس پر اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے (ایک دوسرے سے) کہا: ”اس شخص کی اس  
 کے سوا کوئی حقیقت نہیں کہ یہ تمہی جیسا ایک انسان ہے جو تم پر اپنی برتری جمانا چاہتا ہے، اور اگر اللہ  
 چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا۔ یہ بات تو ہم نے اپنے پچھلے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی۔“ ﴿۲۴﴾  
 (رہا یہ شخص، تو) یہ اور کچھ نہیں، ایک ایسا آدمی ہے جسے جنون لاحق ہو گیا ہے، اس لئے کچھ وقت تک  
 اس کا انتظار کر کے دیکھ لو (کہ شاید اپنے حواس میں آجائے)“ ﴿۲۵﴾ نوح نے کہا: ”یا رب! ان  
 لوگوں نے مجھے جس طرح جھوٹا بنایا ہے، اُس پر تو ہی میری مدد فرما۔“ ﴿۲۶﴾ چنانچہ ہم نے اُن کے  
 پاس وحی بھیجی کہ: ”تم ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔ پھر جب ہمارا حکم  
 آجائے، اور تنور اُبل پڑے،“

(۱۳) تنور چولہے کو بھی کہتے ہیں، اور سطح زمین کو بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ طوفانِ نوح اس طرح شروع ہوا  
 تھا کہ ایک چولہے سے پانی اُبلنے لگا، اوپر سے بارش شروع ہو گئی، اور رفتہ رفتہ وہ ایک ہولناک طوفان میں بدل  
 گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ سورۃ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۸) میں گزر چکا ہے۔

فَاسْأَلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تَخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِّ فَقُلِ الصَّدُوقُ الَّذِي نَجَّسْنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥﴾ وَقُلِ رَبِّ انْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٢٦﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ وَانْ كُنَّا لَبْتَائِلِينَ ﴿٢٧﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٩﴾

تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا لے کر اُسے بھی اُس کشتی میں سوار کر لینا، اور اپنے گھر والوں کو بھی، سوائے اُن کے جن کے خلاف پہلے ہی حکم صادر ہو چکا ہے۔ اور ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا، یہ بات طے ہے کہ یہ سب غرق کئے جائیں گے۔ ﴿۲۷﴾ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں ٹھیک ٹھیک بیٹھ چکیں، تو کہنا: ”شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔“ ﴿۲۸﴾ اور کہنا: ”یا رب! مجھے ایسا اُترنا نصیب کر جو برکت والا ہو، اور تو بہترین اُتارنے والا ہے۔“ ﴿۲۹﴾ اس سارے واقعے میں بڑی نشانیاں ہیں، اور یقینی بات ہے کہ ہمیں آزمائش تو کرنی ہی کرنی تھی۔ ﴿۳۰﴾ پھر اُن کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں، ﴿۳۱﴾ اور اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا ﴿۳۲﴾ (جس نے کہا): کہ: ”اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ بھلا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟“ ﴿۳۲﴾

(۱۵) تاکہ ضرورت کے جانوروں کی نسل باقی رہے۔

(۱۶) اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے خاندان کے وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے تھے، اور نہ اُن کا ایمان لانا مقدر تھا، مثلاً اُن کا بیٹا کنعان جس کا واقعہ سورہ ہود میں گذر چکا ہے۔

(۱۷) یہاں قرآن کریم نے پیغمبر کا نام نہیں لیا، لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْآخِرَةِ وَآثَرُفُهُمْ فِي  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ لَا يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا  
تَشْرَبُونَ ﴿٣٣﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخِسرُونَ ﴿٣٤﴾ أَلَيْسَ لَكُمْ أَنْتُمْ  
إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنْتُمْ مُخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾ هِيَئَاتِ هِيَئَاتِ لِمَا  
تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾ إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا خُنْ بِبَعْعُوثِينَ ﴿٣٧﴾  
إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا خُنْ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾

اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر اپنارکھا تھا، اور جنہوں نے آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا تھا، اور جن کو ہم نے دُنیوی زندگی میں خوب عیش دے رکھا تھا، اُنہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا: ”اس شخص کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ تمہی جیسا ایک انسان ہے۔ جو چیز تم کھاتے ہو، یہ بھی کھاتا ہے، اور جو تم پیتے ہو، یہ بھی پیتا ہے۔ ﴿۳۳﴾ اور اگر کہیں تم نے اپنے ہی جیسے ایک انسان کی فرماں برداری قبول کر لی تو تم بڑے ہی گھائے کا سودا کرو گے۔ ﴿۳۴﴾ بھلا بتاؤ، یہ شخص تمہیں ڈراتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے، اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جاؤ گے، تو تمہیں دوبارہ زمین سے نکالا جائے گا؟ ﴿۳۵﴾ جس بات سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے، وہ تو بہت ہی بعید بات ہے، سمجھ سے بالکل ہی دُور! ﴿۳۶﴾ زندگی تو ہماری اس دُنیوی زندگی کے سوا کوئی اور نہیں ہے، (یہیں) ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا۔ ﴿۳۷﴾ (رہا یہ شخص، تو) یہ اور کچھ نہیں، ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑا ہے، اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“ ﴿۳۸﴾

ہیں جنہیں قومِ شمود کی طرف بھیجا گیا تھا، کیونکہ آگے آیت نمبر ۴۰ میں فرمایا گیا ہے کہ اُن کی قوم کو چنگھاڑ سے ہلاک کیا گیا تھا۔ اور بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید حضرت ہود علیہ السلام مراد ہوں جنہیں قومِ عاد کی طرف بھیجا گیا تھا، اور چنگھاڑ سے مراد ہوا کا وہ عذاب ہے جس کے ساتھ یقیناً خوفناک آواز بھی ہوگی۔ ان دونوں قوموں کے واقعات سورۃ اعراف (۷: ۶۵ و ۷۳) اور سورۃ ہود (۱۱: ۵۰ و ۶۱) میں گزر چکے ہیں۔

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَدَّبُونِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾  
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ﴿٤١﴾ فَبَعْدَ اللَّقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٢﴾ ثُمَّ  
اَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا اٰخَرِينَ ﴿٤٣﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا  
يَسْتَاخِرُونَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ اَمْرٌ سَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ﴿٤٥﴾ كُلَّمَا جَاءَ اُمَّةٌ رَّسُولَهَا كَذَّبُوهُ  
فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيثَ ﴿٤٦﴾ فَبَعْدَ الْقَوْمِ لَآيُؤْمِنُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ  
اَمْرٌ سَلْنَا مُوسٰى وَاَخَاهُ هَارُونَ بِاَلَيْتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٤٨﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَٲِهِ  
فَاَسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿٤٩﴾

پیغمبر نے کہا: ”یا رب! ان لوگوں نے مجھے جس طرح جھوٹا بنایا ہے، اُس پر تو ہی میری مدد فرما۔“ ﴿۳۹﴾ اللہ نے فرمایا: ”اب تھوڑی ہی دیر کی بات ہے کہ یہ لوگ پچھتاتے رہ جائیں گے۔“ ﴿۴۰﴾ چنانچہ اس سچے وعدے کے مطابق اُن کو ایک چنگھاڑنے آ پکڑا، اور ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ بنا کر رکھ دیا۔ پھنکار ہے ایسے ظالم لوگوں پر! ﴿۴۱﴾ اس کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں۔ ﴿۴۲﴾ کوئی اُمت نہ اپنے معین وقت سے پہلے جاسکتی ہے، نہ اُس کے بعد ٹھہر سکتی ہے۔ ﴿۴۳﴾ پھر ہم نے پے درپے اپنے پیغمبر بھیجے۔ جب بھی کسی قوم کے پاس اُس کا پیغمبر آتا تو وہ اُسے جھٹلاتے، چنانچہ ہم نے بھی ایک کے بعد ایک (کو ہلاک کرنے) کا سلسلہ باندھ دیا، اور انہیں قصہ کہانیاں بنا ڈالا۔ پھنکار ہے اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے! ﴿۴۴﴾ پھر ہم نے موسٰی اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور واضح ثبوت کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے گھمنڈ کا مظاہرہ کیا، اور وہ بڑے تکبر والے لوگ تھے۔ ﴿۴۵﴾

(۱۸) یعنی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے لئے فناء ہونے کا جو وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

فَقَالُوا اَنْتُمْ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِدُوْنَ ۝۴۷ فَاَكْذَبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝۴۸ وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۴۹ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ رَاسًا لِّاٰيَةٍ وَّاَوْيَيْنٰهُمَا اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ۝۵۰ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاَعْمَلُوْا صٰلِحًا ۝۵۱ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۵۲ وَاِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنَ ۝۵۳

چنانچہ کہنے لگے: ”کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ اُن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے؟“ ﴿۴۷﴾ اس طرح انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، اور آخر کار وہ بھی اُن لوگوں سے جا ملے جنہیں ہلاک کیا گیا تھا۔ ﴿۴۸﴾ اور موسیٰ کو ہم نے کتاب عطا فرمائی، تاکہ اُن کے لوگ رہنمائی حاصل کریں۔ ﴿۴۹﴾ اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو اور اُن کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا، اور ان دونوں کو ایک ایسی بلندی پر پناہ دی جو ایک پرسکون جگہ تھی، اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا۔ ﴿۵۰﴾ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزوں میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور نیک عمل کرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، مجھے اُس کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی تمہارا دین ہے، (سب کے لئے) ایک ہی دین! اور میں تمہارا پروردگار ہوں، اس لئے دل میں (صرف) میرا رُعب رکھو۔ ﴿۵۲﴾

(۱۹) حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی جسے فرعون نے غلام بنایا ہوا تھا۔  
(۲۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی کے طور پر بغیر باپ کے بیت اللحم کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ بیت اللحم کا بادشاہ ان کا اور ان کی والدہ کا دشمن ہو گیا تھا، اس لئے حضرت مریم علیہا السلام کو وہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ اپنے آپ کو اور اپنے صاحبزادے کو چھپانا پڑا جہاں اُس بادشاہ کی پہنچ نہ ہو۔  
قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں ایک ایسی بلند جگہ پر پناہ دی جو اُن کے لئے پرسکون بھی تھی، اور وہاں چشمے کا پانی بھی بہتا تھا جو ان کی ضروریات پوری کر سکے۔

فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۵۳﴾ فَذَرَهُمْ فِي  
 غَمَاتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۵۴﴾ أَيْحَسِبُونَ أَنَّنَا إِنَّا أَتَيْنَاهُمْ مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ ۖ ﴿۵۵﴾  
 نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ  
 رَبِّهِمْ مُتَّقُونَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ هُمْ  
 بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾

پھر ہوا یہ کہ لوگوں نے اپنے دین میں باہم پھوٹ ڈال کر فرقے بنائے۔ ہر گروہ نے اپنے خیال میں  
 جو طریقہ اختیار کر لیا ہے، اُسی پر مگن ہے۔ ﴿۵۳﴾ لہذا (اے پیغمبر!) ان کو ایک خاص وقت تک  
 اپنی جہالت میں ڈوبا رہنے دو۔ ﴿۵۴﴾ کیا یہ لوگ اس خیال میں ہیں کہ ہم ان کو جو دولت اور اولاد  
 دیئے جا رہے ہیں، ﴿۵۵﴾ تو ان کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی دکھا رہے ہیں؟ نہیں، بلکہ ان کو  
 حقیقت کا شعور نہیں ہے۔ ﴿۵۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے پروردگار کے رُعب سے ڈرے  
 رہتے ہیں، ﴿۵۷﴾ اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، ﴿۵۸﴾ اور جو اپنے  
 پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے، ﴿۵۹﴾

(۲۱) بہت سے کفار اپنے حق پر ہونے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت سامان و دولت دے رکھا  
 ہے، ہماری اولاد بھی خوشحال ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے، اور ہمیں آئندہ بھی خوشحال  
 رکھے گا۔ اگر ناراض ہوتا تو یہ مال اور اولاد ہمیں میسر نہ ہوتا، یہ آیت اُن کا جواب دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ دُنیا  
 میں مال و دولت مل جانا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وہ کافروں اور نافرمانوں کو بھی رزق دیتا  
 ہے۔ اس کے بجائے وہ اُن لوگوں سے خوش ہے، اور اُن کا انجام بہتر کرے گا جن کے حالات آیت نمبر ۵۷ تا  
 ۶۰ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رِيبِهِمْ سُرِعُونُ ۖ أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سِبْقُونَ ۖ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَلَدَيْنَا مَكْتُبٌ يَّبَيِّنُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۖ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمَرَةٍ مِّنْ هَٰذَا ۚ وَ لَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَمَلُونَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْرُونَ ۖ لَا تَجْرُوا الْيَوْمَ ۚ إِنَّكُمْ مِّنَ الْمُتَضَرِّعِينَ ۖ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَلَنْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ۖ

اور وہ جو عمل بھی کرتے ہیں، اُسے کرتے وقت ان کے دل اس بات سے سہے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار کے پاس واپس جانا ہے، ﴿۶۰﴾ وہ ہیں جو بھلائیاں حاصل کرنے میں جلدی دکھا رہے ہیں، اور وہ ہیں جو اُن کی طرف تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ﴿۶۱﴾ اور ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کسی کام کی ذمہ داری نہیں دیتے، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو (سب کا حال) ٹھیک ٹھیک بول دے گی، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۶۲﴾ لیکن ان کے دل اس بات سے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور اس کے علاوہ اُن کی اور بھی کارستانیاں ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں ﴿۶۳﴾ یہاں تک کہ جب ہم اُن کے دولت مند لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو وہ ایک دم بلبلا اٹھیں گے۔ ﴿۶۴﴾ آج بلبلاؤ نہیں، ہماری طرف سے تمہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ ﴿۶۵﴾ میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم اُلٹے پاؤں مڑ جاتے تھے، ﴿۶۶﴾

(۲۲) یعنی نیک عمل کرتے ہوئے بھی اُن کے دل میں کوئی بڑائی نہیں آتی، بلکہ وہ سہے رہتے ہیں کہ اس عمل میں کوئی ایسی کوتاہی نہ رہ گئی ہو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بن جائے۔

(۲۳) یعنی کفر اور شرک کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی بہت سے برے کام ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں۔



مُسْتَكْبِرِينَ ۖ بِهِ سُرِرَاتُ هَجْرُونَ ۚ ﴿٢٧﴾ أَقَلَمَ يَدًا بَرًّا وَالْقَوْلَ أَمْرًا جَاءَهُمْ مَّالٌ مَّيَاتِ  
 آبَاءَهُمْ الْأَوَّلِينَ ۚ ﴿٢٨﴾ أَمَلَمَ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۚ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ  
 بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَآكَثَرُهُم لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ۚ ﴿٣٠﴾ وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ  
 أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ  
 فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۚ ﴿٣١﴾

بڑے غرور سے اس (قرآن) کے بارے میں رات کو مجلسیں جما کر بے ہودہ باتیں کرتے  
 تھے۔ ﴿۲۷﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا، یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آگئی  
 ہے جو ان کے پچھلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی؟ ﴿۲۸﴾ یا یہ اپنے پیغمبر کو (پہلے سے)  
 جانتے ہی نہیں تھے، اس وجہ سے ان کا انکار کر رہے ہیں؟ ﴿۲۹﴾ یا ان کا کہنا ہے کہ ان (پیغمبر) کو  
 جنون لاحق ہو گیا ہے؟ نہیں، بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) یہ پیغمبران کے پاس حق لے کر آئے ہیں،  
 اور ان میں سے اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے۔ ﴿۳۰﴾ اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع  
 ہو جاتا تو آسمان اور زمین اور اُن میں بسنے والے سب برباد ہو جاتے۔ نہیں، بلکہ ہم ان کے  
 پاس خود ان کے لئے نصیحت کا سامان لے کر آئے ہیں، اور وہ ہیں کہ خود اپنی نصیحت سے منہ  
 موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۱﴾

(۲۴) اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سچائی اور امانت و دیانت سے واقف نہ ہوتا تو اُس کے  
 دل میں آپ کی نبوت میں شک ہونا کم از کم شروع میں سمجھ میں آ سکتا تھا، لیکن یہ لوگ چالیس سال سے آپ کی  
 سچائی اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے رہے ہیں، اور انہیں یقین سے معلوم ہے کہ آپ نے کبھی  
 نہ جھوٹ بولا ہے، نہ کسی کو دھوکا دیا ہے، اس کے باوجود وہ آپ کو اس طرح جھٹلا رہے ہیں جیسے وہ آپ کے  
 حالات سے کبھی واقف ہی نہیں تھے۔

(۲۵) ان کے جھٹلانے کی نہ یہ وجہ ہے کہ آپ کوئی ایسی نئی بات لے کر آئے ہیں جو پچھلے انبیائے کرام لے کر نہ

أَمَرْتَهُمْ خُزًّا فَخَرَّاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ۝۴۱ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ  
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۴۲ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيِّبُونَ ۝۴۳ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝۴۴  
وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكْبَرُوا لِلرَّبِّهِمْ وَمَا يَصْرَعُونَ ۝۴۵ حَتَّىٰ إِذَا  
فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝۴۶

ع

یا (ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ) تم ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہو؟ تو (یہ بات بھی غلط ہے، اس لئے کہ) تمہارے پروردگار کا دیا ہوا معاوضہ (تمہارے لئے) کہیں بہتر ہے، اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ ﴿۴۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تم تو انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہو، ﴿۴۳﴾ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ راستے سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں۔ ﴿۴۴﴾ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور اُس تکلیف کو دور کر دیں جس میں یہ مبتلا ہیں تب بھی یہ بھٹکتے ہوئے اپنی سرکشی پر اڑے رہیں گے۔ ﴿۴۵﴾ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو (ایک مرتبہ) عذاب میں پکڑا تھا، تو اُس وقت بھی یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے نہیں جھکے۔ اور یہ تو عاجزی کی روش اختیار کرتے ہی نہیں ہیں۔ ﴿۴۶﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھول دیں گے، تو یہ ایک دم اس میں مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔ ﴿۴۷﴾

آئے ہوں، نہ آپ کے اعلیٰ اخلاق ان لوگوں سے پوشیدہ ہیں، اور نہ یہ سچ مچ آپ کو (معاذ اللہ) مجنون سمجھتے ہیں۔ اصل وجہ اس کے برعکس یہ ہے کہ حق کی جو بات آپ لے کر آئے ہیں، وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، اس لئے اُسے جھٹلانے کے لئے مختلف بہانے بناتے رہتے ہیں۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو جھوڑنے کے لئے دو ایک مرتبہ انہیں قحط اور معاشی بد حالی میں مبتلا کیا۔ یہ آیت کسی ایسے ہی موقع پر نازل ہوئی تھی۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٤٨﴾ وَهُوَ  
الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٤٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ  
اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥٠﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٥١﴾  
قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنََّّا لَسَبْعُوثُونَ ﴿٥٢﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ  
وَأَبَاؤُنَا هَذَا مِن قَبْلُ إِن هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٣﴾ قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ  
وَمَنْ فِيهَا إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٥٤﴾

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے۔ (مگر) تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ ﴿۷۸﴾ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا یا، اور اُسی کی طرف تمہیں اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔ ﴿۷۹﴾ اور وہی ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے، اور اُسی کے قبضے میں رات اور دن کی تبدیلیاں ہیں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۸۰﴾ اس کے بجائے یہ لوگ بھی ویسی ہی باتیں کرتے ہیں جیسی پچھلے لوگوں نے کی تھیں۔ ﴿۸۱﴾ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے، تو کیا واقعی ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا؟“ ﴿۸۲﴾ یہ وہ یقین دہانی ہے جو ہم سے بھی کی گئی ہے، اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کی گئی تھی۔ اس کی کوئی حقیقت اس کے سوا نہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں۔“ ﴿۸۳﴾ (اے پیغمبر! ذرا ان سے) کہو کہ: ”یہ ساری زمین اور اُس میں بسنے والے کس کی ملکیت ہیں؟ بتاؤ اگر جانتے ہو۔“ ﴿۸۴﴾

(۷۷) یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے مختلف مظاہر بیان فرما رہے ہیں جنہیں کفار مکہ بھی مانتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ جو ذات اتنے عظیم اور حیرت انگیز کام کرنے پر قادر ہے، وہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتی؟

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ  
 الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْ يُّبْدِئُ مَلٰكُوتَ  
 كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ  
 فَاَنۡىٰ تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾ بَلْ اَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ  
 وَلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذَا لَذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلٰى  
 بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿٩١﴾

وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ”یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔“ کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم سبق نہیں لیتے؟“ ﴿۸۵﴾  
 کہو کہ: ”سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟“ ﴿۸۶﴾ وہ ضرور یہی کہیں  
 گے کہ: ”یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔“ کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟“ ﴿۸۷﴾ کہو کہ:  
 ”کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اختیار ہے، اور جو پناہ دیتا ہے، اور اُس کے مقابلے میں  
 کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ بتاؤ اگر جانتے ہو۔“ ﴿۸۸﴾ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: ”سارا اختیار  
 اللہ کا ہے۔“ کہو کہ: ”پھر کہاں سے تم پر کوئی جادو چل جاتا ہے؟“ ﴿۸۹﴾ نہیں، (یہ افسانے نہیں)  
 بلکہ ہم نے انہیں حق بات پہنچائی ہے، اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ ﴿۹۰﴾ نہ تو اللہ نے کوئی بیٹا  
 بنایا ہے، اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا،  
 اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے۔“ ﴿۹۱﴾ پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں، ﴿۹۱﴾

(۲۸) کفار عرب مانتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے، اس کے باوجود مختلف خداؤں کے بھی  
 قائل تھے۔

(۲۹) یہ توحید کی تقریباً وہی دلیل ہے جو سورہ بنی اسرائیل (۲۲: ۱۷) اور سورہ انبیاء (۲۲: ۲۱) میں گزری ہے۔  
 تشریح کے لئے ان آیتوں کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

هٰٓعِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٩٦﴾ قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِيْنِي مَا  
يُوعَدُوْنَ ﴿٩٧﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاِنَّا عَلٰى اَنْ تُرِيْكَ مَا  
نَعْدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِذْ فَعُمَّ بِاَلَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا  
يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطٰنِ ﴿١٠١﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ  
يَّحْضُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾ حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿١٠٣﴾

وہ اللہ جسے تمام چھپی اور کھلی باتوں کا مکمل علم ہے۔ لہذا وہ ان کے شرک سے بہت بلند و بالا ہے۔ ﴿۹۲﴾ (اے پیغمبر!) دعا کرو کہ: ”میرے پروردگار! جس عذاب کی دھمکی ان (کافروں) کو دی جا رہی ہے، اگر آپ اُسے میری آنکھوں کے سامنے لے آئیں، ﴿۹۳﴾ تو اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے گا۔“ ﴿۹۴﴾ اور یقین جانو کہ ہم جس چیز کی انہیں دھمکی دے رہے ہیں، اُسے تمہاری آنکھوں کے سامنے لانے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ﴿۹۵﴾ (لیکن جب تک وہ وقت نہ آئے) تم برائی کا دفعیہ ایسے طریقے سے کرتے رہو جو بہترین ہو۔ ﴿۹۶﴾ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں، ہم خوب جانتے ہیں۔ ﴿۹۷﴾ اور دعا کرو کہ: ”میرے پروردگار! میں شیطان کے لگائے ہوئے چرکوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، ﴿۹۸﴾ اور میرے پروردگار! میں اُن کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔“ ﴿۹۹﴾ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آکھڑی ہوگی تو وہ کہے گا کہ: ”میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجئے، ﴿۱۰۰﴾

(۱۰۱) یعنی ان کی بے ہودگیوں کا اور ان کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں اُن کا جواب حتی الامکان نرمی، خوش اخلاقی اور احسان سے دیئے جائیے۔

لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِىْ مَا تَرَكْتُ كَلَّا ۚ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهِمْ  
 بَرْزَخٌ اِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ۝۱۰۰ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا  
 يَتَسَاءَلُوْنَ ۝۱۰۱ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۱۰۲ وَمَنْ خَفَّتْ  
 مَوَازِينُهُ فَاُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ ۝۱۰۳ تَلَفَحَ وُجُوهُهُمْ  
 النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كَالِحُونَ ۝۱۰۴ اَلَمْ تَكُنْ اِلٰهِي تَتْلٰى عَلَيْهِمْ كُتُبًا تَسْجُدُ ۝۱۰۵

تاکہ جس دُنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں، اُس میں جا کر نیک عمل کروں۔“ ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہی  
 بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے، اور ان (مرنے والوں) کے سامنے عالم برزخ کی آڑ ہے جو  
 اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان کو دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے۔ ﴿۱۰۰﴾ پھر جب صور  
 پھونکا جائے گا تو اُس دن نہ ان کے درمیان رشتے ناتے باقی رہیں گے، اور نہ کوئی کسی کو پوچھے  
 گا۔ ﴿۱۰۱﴾ اُس وقت جن کے پلڑے بھاری نکلے، تو وہی ہوں گے جو فلاح پائیں گے، ﴿۱۰۲﴾  
 اور جن کے پلڑے ہلکے پڑ گئے، تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے لئے گھائے کا سودا کیا تھا، وہ  
 دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۰۳﴾ آگ اُن کے چہروں کو جھلس ڈالے گی، اور اُس میں  
 اُن کی صورتیں گڑ جائیں گی۔ ﴿۱۰۴﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”کیا میری آیتیں تمہیں پڑھ کر  
 سنائی نہیں جاتی تھیں؟ اور تم اُن کو جھٹلایا کرتے تھے۔“ ﴿۱۰۵﴾

(۳۱) مرنے کے بعد سے قیامت تک مردہ جس عالم میں رہتا ہے، اُسے ”عالم برزخ“ کہا جاتا ہے، اور آیت کا  
 مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد تمہارا دُنیا میں واپس جانا ناممکن نہیں، کیونکہ تمہارے سامنے عالم برزخ ہے، جو  
 قیامت تک باقی رہے گا۔

(۳۲) دُنیا میں رشتہ دار اور دوست ایک دوسرے کے بارے میں یہ پوچھتے رہتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔  
 قیامت کا منظر اتنا ہولناک ہوگا کہ ہر شخص کو اپنی فکر پڑی ہوگی، اور اُسے اتنی فرصت نہیں ہوگی کہ وہ رشتہ داروں اور  
 ملاقاتیوں کا حال معلوم کرے۔

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا  
فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَوْا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ  
عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿١٠٩﴾  
فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِحْرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾ إِنِّي  
جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا ۖ إِنَّهُمْ هُمُ الْفَآذِرُونَ ﴿١١١﴾ قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ  
عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾

وہ کہیں گے: ”ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی تھی، اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ ﴿۱۰۶﴾ ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے باہر نکال دیجئے، پھر اگر ہم دوبارہ وہی کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے۔“ ﴿۱۰۷﴾ اللہ فرمائے گا: ”اسی (دوزخ) میں ذلیل ہو کر پڑے رہو، اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔“ ﴿۱۰۸﴾ میرے بندوں میں سے ایک جماعت یہ دُعا کرتی تھی کہ: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، پس ہمیں بخش دیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے، اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں ﴿۱۰۹﴾ تو تم نے ان لوگوں کا مذاق بنایا تھا۔ یہاں تک کہ اُن ہی (کے ساتھ چھیڑ چھاڑ) نے تمہیں میری یاد تک سے غافل کر دیا، اور تم اُن کی ہنسی اُڑاتے رہے۔ ﴿۱۱۰﴾ انہوں نے جس طرح صبر سے کام لیا تھا، آج میں نے انہیں اُس کا یہ بدلہ دیا ہے کہ انہوں نے اپنی مراد پالی ہے۔“ ﴿۱۱۱﴾ (پھر) اللہ (ان دوزخیوں سے) فرمائے گا: ”تم زمین میں گنتی کے کتنے سال رہے؟“ ﴿۱۱۲﴾

(۳۳) یعنی تمہارا جرم صرف یہی نہیں ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حقوق پامال کئے، بلکہ نیک بندوں پر ظلم کر کے حقوق العباد بھی پامال کئے۔ اس دن کی ہولناک سزا سے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا، مگر تم اس کا مذاق اُڑاتے رہے، اس لئے اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں ہو۔

قَالُوا الْبَشَاءُ يَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ فَمَسَّلِ الْعَادِيْنَ ۝ قُلْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ  
 اَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَفَحَسِبْتُمْ اَنْنَا خَلَقْنَكُمْ عَبَثًا وَاَنْتُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝  
 فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ وَمَنْ يُّدْعُ مَعَ  
 اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهِ ۚ فَاِنَّا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ  
 الْكَافِرُوْنَ ۝ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَاِرْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيْمِيْنَ ۝

وہ کہیں گے کہ: ”ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے۔“ (ہمیں پوری طرح یاد نہیں) اس لئے جنہوں نے (وقت کی) گنتی کی ہو، اُن سے پوچھ لیجئے۔ ﴿۱۱۳﴾ اللہ فرمائے گا: ”تم تھوڑی مدت سے زیادہ نہیں رہے۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ بات تم نے (اُس وقت) سمجھ لی ہوتی! ﴿۱۱۴﴾ ﴿۳۵﴾ بھلا کیا تم یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کر دیا، اور تمہیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا؟“ ﴿۱۱۵﴾ غرض بہت اونچی شان ہے اللہ کی جو صحیح معنی میں بادشاہ ہے! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔ ﴿۱۱۶﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو پکارے، جس پر اُس کے پاس کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں، تو اُس کا حساب اُس کے پروردگار کے پاس ہے۔ یقین جانو کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاسکتے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور تم (اے پیغمبر!) یہ کہو کہ: ”میرے پروردگار! ہماری خطائیں بخش دے، اور رحم فرما دے، تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿۱۱۸﴾

(۳۴) آخرت کا عذاب اتنا سخت ہوگا کہ اُس کے مقابلے میں دُنیا کی ساری زندگی اور اُس میں جو عیش و عشرت کئے تھے، وہ ان دوزخیوں کو ایک دن یا اُس سے بھی کم معلوم ہوں گے۔

(۳۵) یعنی اب تو تم نے خود دیکھ لیا کہ دُنیا کا عیش ایک دن کا نہ سہی، مگر آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑا سا تھا۔ یہی بات تم سے دُنیا میں کہی جاتی تھی تو تم اُسے ماننے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ کاش یہ حقیقت تم نے اُس وقت



سمجھ لی ہوتی تو آج تمہارا یہ حشر نہ ہوتا۔

(۳۶) جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اُن کے موقف کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا کر دی ہے۔ یہاں جس کے جو جی میں آئے کرتا رہے، اُس کا کوئی بدلہ کسی اور زندگی میں ملنے والا نہیں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی حکمت پر ایمان رکھتا ہو، اُس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی غلط بات منسوب کرے، لہذا آخرت پر ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا منطقی تقاضا ہے۔

الحمد للہ! سورہ مؤمنون کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج شب جمعہ ۲۶ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۶ مارچ ۲۰۰۷ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے، جبکہ سورت کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

# سُورَةُ النُّورِ

## تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو روکنے اور عفت و عصمت کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہدایات اور احکام دینا ہے۔ کچھلی سورت کے شروع میں مومنوں کی جو خصوصیات بیان فرمائی گئی تھیں، اُن میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی باعفت زندگی گذارتے ہیں۔ اب اس سورت میں باعفت زندگی گزارنے کے ضروری تقاضے بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کے شروع ہی میں زنا کی شرعی سزا بیان فرمائی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح زنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اُسی طرح کسی بے گنہ پر شرعی ثبوت کے بغیر زنا کا الزام لگانا بھی نہ صرف سخت گناہ ہے، بلکہ اُس پر بھی سخت قانونی سزا مقرر فرمائی گئی ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد چھٹے سال نازل ہوئی۔ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے ایک قبیلے بنو المصطلق کے بارے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ نے اُس کے حملے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے اُس کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اسی سفر سے واپسی پر منافقین نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف بڑی کمینگی کے ساتھ ایک بے بنیاد تہمت لگائی، اور اُسے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانے پر شہرت دی جس سے کچھ مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے۔ اس سورت کی آیات ۱۱ تا ۲۰ حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان کرنے کے لئے نازل ہوئیں، اور جن لوگوں نے تہمت لگانے کا گھناؤنا جرم کیا تھا، اُن کو اور معاشرے میں عریانی و فحاشی پھیلانے والوں کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئیں۔ نیز عفت و عصمت کی حفاظت کے پہلے قدم کے طور پر خواتین کو پردے کے احکام بھی اسی سورت میں دیئے گئے ہیں، اور دوسروں کے گھر جانے کے لئے ضروری آداب و احکام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

آیتھا ۶۲ سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رُكُوعَاتُهَا ۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ①  
الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيْشَهِدَ عَذَابُهُمَا  
طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ②

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نور کوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے، اور جس (کے احکام) کو ہم نے فرض کیا ہے، اور اُس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿۱﴾ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ، <sup>(۱)</sup> اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اللہ کے دین کے معاملے میں اُن پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے۔ اور یہ بھی چاہئے کہ مؤمنوں کا ایک مجمع اُن کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔ ﴿۲﴾

(۱) یہ وہ سزا ہے جو مرد یا عورت کے زنا کرنے پر قرآن کریم نے مقرر فرمائی ہے، اور جسے اصطلاح میں ”حد زنا“ کہا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگر زنا کا ارتکاب کسی غیر شادی شدہ مرد یا عورت نے کیا ہو تب تو یہی سزا دی جائے گی، اور اگر اس جرم کا ارتکاب شادی شدہ مرد یا عورت نے کیا ہو، تو اُس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق میری کتاب ”عدالتی فیصلے“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الزَّانِي لَا يَنْفِكُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۖ وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْفِكُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ  
وَحُرْمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ⑤ وَالَّذِينَ يَزُمُونَ الْمِحْصَنَاتِ ثُمَّ يَأْتُوا  
بِأُثْبَاطٍ شُهُدَاءَ فَأَجْلِدْهُمْ ثَلَاثِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ  
وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ⑥ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۚ فَإِنَّ اللَّهَ  
غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑦ وَالَّذِينَ يَزُمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شَهَادَةٌ إِلَّا  
أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ⑧

زانی مرد نکاح کرتا ہے تو زنا کار یا مشرک عورت ہی سے نکاح کرتا ہے، اور زنا کار عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہی مرد جو خود زانی ہو، یا مشرک ہو،<sup>(۲)</sup> اور یہ بات مؤمنوں کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔<sup>(۳)</sup> ﴿۳﴾ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، تو اُن کو اسی کوڑے لگاؤ،<sup>(۴)</sup> اور اُن کی گواہی کبھی قبول نہ کرو،<sup>(۵)</sup> اور وہ خود فاسق ہیں۔ ﴿۴﴾ ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں، اور (اپنی) اصلاح کر لیں، تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۵﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں،<sup>(۶)</sup> اور خود اپنے سوا اُن کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی شخص کو جو گواہی دینی ہوگی وہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ بیان دے کہ وہ (بیوی پر لگائے ہوئے الزام میں) یقیناً سچا ہے۔ ﴿۶﴾

(۲) یعنی جو شخص بدکاری کا عادی ہو، اور اُس پر نہ شرمندہ ہو، نہ توبہ کرتا ہو، اُس کا مزاج ایسی ہی عورت سے ملتا ہے جو بدکار ہو، اس لئے اول تو وہ بدکاری ہی کی کوشش میں رہتا ہے، اور اگر نکاح کرنا پڑ جائے تو وہ نکاح بھی ایسی ہی بدکار عورت سے کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح جو عورت اسی طرح کی عادی بدکار ہو اُس کا مزاج بھی بدکار مرد ہی سے ملتا ہے، اس لئے اُس سے نکاح وہی کرتا ہے جو خود بدکاری کا عادی رہا ہو، اور اُسے اس بات سے کوئی شرم محسوس نہ ہوتی ہو کہ اُس کی بیوی بدکاری میں ملوث ہے، اور وہ خود بھی ایسے ہی

مرد کو پسند کرتی ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) یعنی بدکار مرد یا عورت کو نکاح کے لئے پسند کرنا مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے لئے شریک زندگی تلاش کرتے وقت اُس کی نیکی اور پاک دامنی کا ضرور خیال رکھیں۔ یہ اور بات ہے کہ اگر کسی نے کسی بدکار مرد یا عورت سے نکاح کر لیا تو اُس نکاح کو باطل نہیں کہا جائے گا، اور اُس پر نکاح کے تمام احکام جاری ہوں گے، لیکن اس غلط انتخاب کا گناہ ضرور ہوگا۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم اُن عادی بدکاروں کا ہے جنہوں نے اپنے اس گناہ سے توبہ نہ کی ہو۔ لیکن اگر کسی نے توبہ کر لی تو پھر اُس کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس آیت کی تشریح اس کے علاوہ بھی دوسرے طریقوں سے کی گئی ہے لیکن جو تشریح یہاں لکھی گئی ہے وہ آسان اور بے غبار ہے۔ حضرت حکیم الامہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی ”بیان القرآن“ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۴) جس طرح زنا ایک انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اور اُس پر سزا بھی بڑی سخت رکھی گئی ہے، اسی طرح کسی بے گناہ پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کو بھی نہایت سنگین جرم قرار دیا گیا ہے، اور اُس کی سزا اُسی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ اس کو اصطلاح میں ”حدِ قذف“ کہا جاتا ہے۔

(۵) یہ بھی جھوٹی تہمت کی سزا کا ایک حصہ ہے کہ ایسی تہمت لگانے والے کی گواہی کسی بھی مقدمے میں قبول نہیں کی جائے گی۔

(۶) توبہ سے جھوٹی تہمت کا گناہ تو معاف ہو جائے گا، لیکن جو سزائیں اُس پر بیان کی گئی ہیں، وہ پھر بھی دی جائیں گی۔ (۷) اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اُس پر جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے، اُس کی رُو سے اگر وہ چار گواہ نہ لاسکے تو اُس پر بھی اُسی کوڑوں کی سزا لگاؤ ہونی چاہئے تھی، لیکن میاں بیوی کے تعلقات کی خصوصی نوعیت کی وجہ سے اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک الگ خصوصی طریقہ کار قرار فرمایا ہے جسے اصطلاح میں ”لعان“ کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ کار ان آیات میں بیان ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کو قاضی اُن الفاظ میں پانچ پانچ قسمیں کھانے کو کہے گا جو ان آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس سے پہلے دونوں کو یہ ترغیب دے گا کہ آخرت کا عذاب دُنیا کی سزا سے زیادہ سخت ہے، اس لئے جھوٹی قسم کھانے کے بجائے اصل حقیقت کا اعتراف کر لو۔ اگر بیوی قسم کھانے کے بجائے اپنے جرم کا اعتراف کر لے تو اُس پر زنا کی حد جاری ہوگی، اور اگر شوہر قسم کھانے کے بجائے یہ اعتراف کر لے کہ اُس نے جھوٹا الزام لگایا تھا تو اُس پر وہ حدِ قذف جاری ہوگی جو آیت نمبر ۴ میں بیان ہوئی ہے۔ اور اگر دونوں قسم کھالیں تو کسی پر دُنیا میں سزا جاری نہیں ہوگی، البتہ اس کے بعد قاضی دونوں کے درمیان نکاح فسخ کر دے گا۔ اور اگر کوئی بچہ پیدا ہو اور شوہر اُسے اپنا بچہ ماننے سے انکار کرے تو وہ صرف ماں کی طرف منسوب ہوگا۔

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ⑤ وَيَذَرُ أَغْنَاهَا  
 الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ ⑥ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ⑦ وَالْخَامِسَةُ  
 أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑧ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ  
 وَعِزَّتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ⑩ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ  
 لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ⑪ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ⑫ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ  
 الْإِثْمِ ⑬ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑭

اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: ”اگر میں (اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔“ ﴿۷﴾  
 اور عورت سے (زنا کی) سزا دُور کرنے کا راستہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ  
 اُس کا شوہر (اس الزام میں) جھوٹا ہے۔ ﴿۸﴾ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: ”اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ  
 کا غضب نازل ہو۔“ ﴿۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ  
 کثرت سے توبہ قبول کرنے والا، حکمت والا ہے (تو خود سوچ لو کہ تمہارا کیا بنتا؟)۔ ﴿۱۰﴾  
 یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔ ﴿۹﴾ تم اس  
 بات کو اپنے لئے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہی بہتر ہے۔ ﴿۱۰﴾ ان لوگوں میں سے ہر ایک کے  
 حصے میں اپنے کئے کا گناہ آیا ہے۔ اور ان میں سے جس شخص نے اس (بہتان) کا بڑا حصہ اپنے سر لیا  
 ہے، اُس کے لئے تو زبردست عذاب ہے۔ ﴿۱۱﴾

(۸) یعنی لعان کا جو طریق کار مقرر کیا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، ورنہ اگر میاں بیوی کے درمیان بھی  
 وہی قاعدہ جاری ہوتا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو بدکاری میں مبتلا دیکھے تو اُس وقت تک زبان نہ کھولے جب تک  
 چار گواہ میسر نہ ہوں، ورنہ خود اُس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے تو سخت دشواری کا سامنا ہوتا۔

(۹) یہاں سے آیت نمبر ۲۶ تک جس واقعے کی طرف اشارہ ہے، اُس کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اسلام کو جو تیز رفتار فروغ حاصل ہوا، اُس پر کفر کی طاقتیں دانت

پیس رہی تھیں۔ خود یہ منورہ میں اُن منافقوں کا ایک گروہ موجود تھا جو زبان سے تو اسلام لے آئے تھے، لیکن اُن کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے خلاف کینہ بھرا ہوا تھا، اور وہ مسلمانوں کو بدنام کرنے اور تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع چھوڑتے نہیں تھے۔ اسی زمانے میں غزوہ بنو المصطلق پیش آیا جس میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ واپسی کے سفر میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا تو حضرت عائشہؓ کا ایک ہارگم ہو گیا، اور وہ اُس کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کا علم نہیں تھا، اس لئے آپؐ نے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا، اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو قافلہ جاچکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذہانت اور تحمل کا غیر معمولی مقام عطا فرمایا تھا، وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر جانے کے بجائے اُسی جگہ بیٹھ گئیں جہاں سے روانہ ہوئی تھیں، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اُن کی غیر موجودگی کا احساس ہوگا تو آپؐ اُن کی تلاش میں اسی جگہ یا تو خود تشریف لائیں گے یا کسی کو بھیجیں گے۔ قافلوں کا ایک دستور یہ تھا کہ ایک شخص کو قافلے کے بالکل پیچھے اس طرح رکھا جاتا تھا کہ قافلے کی روانگی کے بعد وہ یہ دیکھتا ہوا آئے کہ کوئی چیز گری پڑی تو نہیں رہ گئی ہے۔ اس قافلے میں آپؐ نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا تھا۔ وہ جب اُس جگہ سے گزرے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں تو انہیں اس سانچے کا علم ہوا، اور پھر انہوں نے اپنا اُونٹ اُم المؤمنین کو پیش کیا، جس پر سوار ہو کر وہ مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ اس واقعے کو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے ایک بتکڑ بنالیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تنہا صفوان بن معطلؓ کے ساتھ سفر کیا ہے، اور اس کی وجہ سے آپؐ پر وہ گھناؤنی تہمت لگائی جسے زبان سے نکالنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لئے مشکل ہے۔ عبداللہ بن ابی نے اس تہمت کو اتنی شہرت دی کہ دو تین سادہ لوح مسلمان بھی اس کے فریب میں آ گئے، اور اس طرح کئی دن تک یہ بے سرو پا باتیں لوگوں میں پھیلانی جاتی رہیں۔ بالآخر سورہ نور کی یہ آیات نازل ہوئیں جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مکمل براءت ظاہر کرنے کے ساتھ اُن لوگوں کو سخت وعیدیں سنائیں جو اس سازش کے کردار تھے۔

(۱۰) یعنی اگرچہ بظاہر یہ واقعہ بڑا تکلیف دہ تھا، لیکن انجام کے لحاظ سے تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے، اوّل تو اس لئے کہ اس کے ذریعے وہ لوگ بے نقاب ہو گئے جو خانوادہ نبوت کے خلاف سازشیں کرتے تھے، دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقام بلند لوگوں پر ظاہر ہوا، تیسرے اس واقعے سے مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی، اُس پر انہیں بڑا ثواب ہوا۔

(۱۱) اس سے مراد منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی ہے جس نے یہ ساری سازش تیار کی تھی۔



لَوْلَا اِذْ سِعْمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا  
 اِفْكٌ مُّبِينٌ ۝ لَوْلَا جَاءُ وَعَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَاذْلَمَ يَأْتُوا بِاللَّهِدَاءِ  
 فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَذِبُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَ  
 الْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ اذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ  
 وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسِبُونَهُ هَيِّنًا ۚ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ  
 عَظِيمٌ ۝ وَلَوْلَا اِذْ سِعْمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهَذَا ۖ سُبْحَنَكَ  
 هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۝

جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مومن مرد بھی اور مومن عورتیں بھی اپنے  
 بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے؟ ﴿۱۲﴾ وہ (بہتان لگانے  
 والے) اس بات پر چار گواہ کیوں نہیں لے آئے؟ اب جبکہ وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی  
 جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن  
 باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آپڑتا، ﴿۱۴﴾ جب تم اپنی  
 زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے  
 جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا، اور تم اس بات کو معمولی سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی  
 سنگین بات تھی۔ ﴿۱۵﴾ اور جس وقت تم نے یہ بات سنی تھی، اُسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ:  
 ”ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں، یا اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے،  
 یہ تو بڑا زبردست بہتان ہے۔“ ﴿۱۶﴾

(۱۲) اگرچہ اکثر مخلص مسلمان اس تہمت کو جھوٹ ہی سمجھتے تھے، لیکن مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہونے لگا تھا۔ اس  
 آیت نے بتایا کہ اس طرح کی بے بنیاد اور بے دلیل باتوں کا تذکرہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ  
الْآيَاتِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي  
الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا  
تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ سَرُوءٌ رَحِيمٌ ﴿٢٠﴾ عِ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۖ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ  
يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۖ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِّنْ  
أَحَدٍ أَبَدًا ۚ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾

اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا، اگر واقعی تم مؤمن ہو۔ ﴿۱۷﴾ اور اللہ تمہارے سامنے  
ہدایت کی باتیں صاف صاف بیان کر رہا ہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی  
مالک۔ ﴿۱۸﴾ یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کے لئے دُنیا  
اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ ﴿۱۹﴾ اور اگر یہ بات  
نہ ہوتی کہ اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تمہارے شامل حال ہے، اور اللہ بڑا شفیق، بڑا مہربان ہے (تو  
تم بھی نہ بچتے) ﴿۲۰﴾ اے ایمان والو! تم شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور اگر کوئی شخص شیطان کے  
پیچھے چلے، تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور بدی کی تلقین کرے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ  
ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے، پاک صاف کر دیتا  
ہے، اور اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۲۱﴾

وَلَا يَأْتِلْ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَ  
 الْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ  
 لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۲۲ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغُفْلَتِ  
 الْمُؤْمِنَاتِ لُعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۲۳ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ  
 أَيْدِيهِمْ وَأَيْدِيُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۲۴

اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، اور انہیں چاہئے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۲﴾ یاد رکھو کہ جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، اُن پر دنیا اور آخرت میں پھٹکار پڑ چکی ہے، اور اُن کو اُس دن زبردست عذاب ہوگا ﴿۲۳﴾ جس دن خود اُن کی زبانیں، اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں اُن کے خلاف اُس کو توت کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۲۴﴾

(۱۳) جو دو تین مخلص مسلمان اپنی سادہ لوحی سے منافقوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے تھے، اُن میں ایک مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مہاجر صحابی تھے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتہ دار بھی تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اُن کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔ جب ان کو پتہ چلا کہ مسطح رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عائشہؓ کے خلاف ایسی باتیں کی ہیں تو انہوں نے قسم کھالی کہ میں آئندہ ان کی مالی مدد نہیں کروں گا۔ حضرت مسطح سے غلطی ضرور ہو گئی تھی، لیکن پھر انہوں نے سچے دل سے توبہ بھی کر لی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں متنبہ فرمایا کہ اُن کی مالی مدد نہ کرنے کی قسم کھانا ٹھیک نہیں ہے۔ جب انہوں نے توبہ کر لی ہے تو ان کو معاف کر دینا چاہئے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے نزول کے بعد اُن کی مالی امداد دوبارہ جاری کر دی، اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا، اور فرمایا کہ آئندہ کبھی اس امداد کو بند نہیں کروں گا۔

يَوْمَئِذٍ يُؤْقِطُ اللَّهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾  
 الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ  
 لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾ يَا أَيُّهَا  
 الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى  
 أَهْلِهَا ۚ ذِكْرُكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

اُس دن اللہ اُن کو وہ بدلہ پورا پورا دیدے گا جس کے وہ مستحق ہیں، اور اُن کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے، اور وہی ساری بات کھول دینے والا ہے۔ ﴿۲۵﴾ گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق۔ اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لائق ہیں، اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لائق۔<sup>(۱۴)</sup> یہ (پاکباز مرد اور عورتیں) اُن باتوں سے بالکل متبرا ہیں جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔ اُن (پاکبازوں) کے حصے میں تو مغفرت ہے اور باعزت رزق۔ ﴿۲۶﴾ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اُس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو، اور اُن میں بسنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، اُمید ہے کہ تم خیال رکھو گے۔ ﴿۲۷﴾

(۱۴) اشارہ فرمادیا گیا کہ اس کائنات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاکباز شخصیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اس اصول کے تحت یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زوجیت میں کسی ایسی خاتون کو لائے جو (معاذ اللہ) پاکباز نہ ہو۔ کوئی شخص اسی بات پر غور کر لیتا تو اُس پر اس تہمت کی حقیقت واضح ہو جاتی۔  
 (۱۵) یہاں سے معاشرے میں بے حیائی پھیلنے کے بنیادی اسباب پر پہرہ بٹھانے کے لئے کچھ احکام دیئے جا رہے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اُس سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اس میں ایک تو حکمت یہ ہے کہ کسی دوسرے کے گھر میں بے جا مداخلت نہ ہو جس سے اُسے تکلیف پہنچے۔ دوسرے بلا اجازت کسی کے گھر میں چلے جانے سے بے حیائی کو بھی فروغ مل سکتا ہے۔ اور اجازت لینے کا طریقہ بھی یہ بتایا گیا ہے کہ باہر سے ”السلام علیکم“ کہا جائے، یا اگر یہ خیال ہو کہ گھر والا سلام نہیں

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ  
ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ  
جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ  
وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَعْظُمُ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا أْفُرُوجَهُمْ ۗ ذَٰلِكَ  
أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾

اور اگر تم اُن گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تب بھی اُن میں اُس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں  
اجازت نہ دے دی جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ: ”واپس چلے جاؤ“ تو واپس چلے جاؤ۔ یہی  
تمہارے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، اور تم جو عمل بھی کرتے ہو، اللہ کو اُس کا پورا پورا علم  
ہے۔ ﴿۲۸﴾ تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ایسے گھروں میں (اجازت لئے بغیر)  
داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو، اور اُن سے تمہیں فائدہ اٹھانے کا حق ہو۔ اور تم جو کام علانیہ کرتے  
ہو، اور جو چھپ کر کرتے ہو، اللہ اُن سب کو جانتا ہے۔ ﴿۲۹﴾ مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی  
نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی اُن کے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔  
وہ جو کارروائیاں کرتے ہیں، اللہ اُن سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۳۰﴾

سن سکے گا، اور اجازت دستک دے کر یا گھنٹی بجا کر لی جا رہی ہے تو جب گھر والا سامنے آجائے اُس وقت اُسے  
سلام کیا جائے۔

(۱۶) یعنی اگر کوئی گھر کسی اور کا ہے اور بظاہر خالی معلوم ہو رہا ہے، تب بھی اُس میں بلا اجازت داخل ہونا جائز  
نہیں ہے۔ اول تو ممکن ہے کہ وہ اندر موجود ہو، اور نظر نہ آ رہا ہو، اور اگر موجود نہ بھی ہو تو کسی اور کے گھر میں اُس  
کی اجازت اور رضامندی کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

(۱۷) اس سے مراد وہ عوامی مقامات ہیں جو کسی ایک شخص یا اشخاص کی ملکیت نہیں ہوتے، بلکہ عوام کو اُن سے  
فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے، مثلاً عوامی مسافر خانے، ہوٹل کے بیرونی حصے، ہسپتال، ڈاک خانے، پارک،  
مدرسے، وغیرہ۔ اجازت طلب کرنے کے مفصل احکام کے لئے ان آیات کے تحت ”معارف القرآن“ کی  
طرف رجوع کیا جائے جس میں یہ اہم احکام بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَعْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَائِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ نِسَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرَ أُولِي الإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۖ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾

اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اُن کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں، یا اُن خدمت گزاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا، یا اُن بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے۔ اور مسلمان عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے، وہ معلوم ہو جائے۔ اور اے مؤمنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿۳۱﴾

(۱۸) سجاوٹ سے مراد جسم کے وہ حصے ہیں جن پر زیور پہنا جاتا ہے، یا خوشنما کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ لہذا اس

آیت کریمہ نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کے سامنے اپنا پورا جسم کسی ایسی چادر یا برقع سے چھپائیں جو ان کے سجاوٹ کے مقامات کو چھپالے۔ البتہ ان مقامات میں سے کوئی حصہ کام کاج کے دوران بے اختیار کھل جائے، یا کسی ضرورت کی وجہ سے کھولنا پڑے تو اُسے یہ کہہ کر مستثنیٰ کر دیا گیا ہے کہ ”سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے۔“ تفسیر ابن جریر کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ چادر ہے جو عورت نے اوڑھی ہوئی ہو کہ اُس کو چھپانا ممکن نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ضرورت کے وقت عورت کو اگر اپنا چہرہ اور ہتھیلیوں تک ہاتھ کھولنے پڑیں تو اس آیت نے اُس کی بھی اجازت دی ہے۔ لیکن چونکہ چہرہ ہی عورت کے حسن کا اصل مرکز ہوتا ہے، اس لئے عام حالات میں اُس کو بھی چھپانے کا حکم ہے جیسا کہ سورہٴ احزاب (۵۹:۳۳) میں بیان فرمایا گیا ہے، البتہ صرف ضرورت کے مواقع پر اُسے کھولنے کی اجازت ہے، اور اُس حالت میں بھی مردوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، جیسا کہ پچھلی آیت میں گذرا۔

(۱۹) یہاں سے اُن افراد کی فہرست دی جا رہی ہے جن سے عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔  
(۲۰) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں، لہذا غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے، لیکن چونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ غیر مسلم عورتیں ازواجِ مطہرات کے پاس جایا کرتی تھیں، اس لئے امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ”اپنی عورتوں“ سے مراد اپنے میل جول کی عورتیں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔ اُن سے پردہ واجب نہیں ہے (معارف القرآن)۔

(۲۱) اس سے مراد باندیاں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اور بعض فقہاء نے اپنے غلاموں کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے، یعنی اُن سے پردہ نہیں ہے۔

(۲۲) قرآن کریم میں اصل لفظ ”تابعین“ استعمال ہوا ہے، اس کے معنی ایسے لوگ ہیں جو کسی دوسرے کے تابع ہوں۔ اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اُس زمانے میں کچھ بے عقل قسم کے لوگ ایسے ہوتے تھے جو کسی گھروالے کے اس لئے پیچھے لگ جاتے تھے کہ وہ انہیں کھانا کھلا دے، یا کسی مہمان کے طفلی بن کر کسی کے گھر میں چلے جاتے تھے، اور کھانے کے سوا انہیں کسی سے سروکار نہیں ہوتا تھا، اور نہ ان میں کوئی جنسی خواہش ہوتی تھی۔ البتہ امام شیعہؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ نوکر چاکر ہیں جو اتنے بوڑھے ہو چکے ہوں کہ اُن کے دل عورتوں کی طرف کوئی میلان باقی نہ رہا ہو (تفسیر ابن جریر)۔

(۲۱) یعنی وہ نابالغ بچے جن کو ابھی مرد و عورت کے جنسی تعلقات کا کچھ پتہ ہی نہ ہو۔

(۲) یعنی اگر پاؤں میں پازیب پہنی ہوئی ہے تو اس طرح نہ چلیں کہ پازیب کی آواز سنائی دے، یا زیوروں سے دوسرے سے ٹکرا کر بچنے کی آواز غیر محرم مرد سنیں۔

وَأَنذِرْهُمْ أَيُّهَا الْمَلَأَىٰ مِنكُمُ الصَّالِحِينَ ۖ مَن عَادَ كُم وَآمَ بِكُمْ ۖ إِنَّ يَكُونُوا  
فُقَرَاءَ يُعْذِرُهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۷﴾ وَلَيْسَتَعْفِ الْزَيْنَ لَا  
يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُعْذِرَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِنَّا  
مَلَكَتْ أَيْبَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ وَآتُوهُمْ مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي  
أَنشَأَكُمْ ۖ وَلَا تَكْرَهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَادْنَ تَحْصُنَ اللَّيْبَتِغُوا عَرَضَ  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَنْ يُكْرِهْنَهَا فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۸﴾

تم میں سے جن (مردوں یا عورتوں) کا اس وقت نکاح نہ ہو، اُن کا بھی نکاح کراؤ، اور تمہارے  
غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے قابل ہوں، اُن کا بھی۔ اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ اپنے  
فضل سے اُنہیں بے نیاز کر دے گا۔ اور اللہ بہت وسعت والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۳۲﴾  
اور جن لوگوں کو نکاح کے مواقع میسر نہ ہوں، وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ اللہ اپنے  
فضل سے اُنہیں بے نیاز کر دے۔ اور تمہاری ملکیت کے غلام باندیوں میں سے جو مکاتبت کا معاہدہ  
کرنا چاہیں، اگر اُن میں بھلائی دیکھو تو اُن سے مکاتبت کا معاہدہ کر لیا کرو، اور (مسلمانو!) اللہ نے  
تمہیں جو مال دے رکھا ہے، اُس میں سے ایسے غلام باندیوں کو بھی دیا کرو۔ اور اپنی باندیوں کو  
دُنیوی زندگی کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاک دامنی چاہتی  
ہوں۔ اور جو کوئی اُنہیں مجبور کرے گا تو اُن کو مجبور کرنے کے بعد اللہ (اُن باندیوں کو) بہت بخشنے  
والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۳۳﴾

(۲۵) اس سورت میں جہاں بے حیائی اور بدکاری کو روکنے کے لئے مختلف احکام دیئے گئے ہیں، وہاں انسان کی



فطرت میں جو جنسی خواہش موجود ہے، اُس کو حلال طریقے سے پورا کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے، چنانچہ اس آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ جو بالغ مرد و عورت نکاح کے قابل ہوں، تمام متعلقین کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اُن کا نکاح ہو جائے، اور یہ اندیشہ نہ کرنا چاہئے کہ اگرچہ اس وقت تو وسعت موجود ہے، لیکن نکاح کے نتیجے میں بیوی بچوں کا خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے کہیں مفلسی نہ ہو جائے، بلکہ جب اس وقت نکاح کی وسعت موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر نکاح کر لینا چاہئے۔ پاک دامنی کی نیت سے نکاح کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ آئندہ اخراجات کا بھی مناسب انتظام فرمادے گا۔ البتہ اگلی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جن کے پاس اس وقت بھی نکاح کی وسعت نہیں ہے۔ اُن کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان میں وسعت پیدا کرے، اُس وقت تک وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں۔

(۲۶) جب غلاموں اور باندیوں کا رواج تھا، اُس وقت وہ اپنے آقاؤں سے یہ معاملہ کر لیتے تھے کہ وہ ایک طے شدہ رقم کما کر اپنے آقاؤں کو دیں گے جس کے بعد وہ آزاد ہو جائیں گے۔ یہ معاملہ ”مکاتبہ“ کہلاتا ہے۔ اس آیت نے آقاؤں کو یہ ترغیب دی ہے کہ جب اُن کے غلام یا باندیاں اُن سے یہ معاملہ کرنا چاہیں تو انہیں قبول کر لینا چاہئے، اور دوسرے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ ایسے غلاموں اور بندیوں کی مالی مدد کریں، تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں۔

(۲۷) جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ لوگ اپنی کنیزوں سے عصمت فروشی کراتے، اور اس طرح اُن کو بدکاری پر مجبور کر کے پیسہ کماتے تھے۔ اس آیت نے اس گھناؤنی رسم کو شدید گناہ قرار دے کر اُسے ختم کیا۔

(۲۸) یعنی جس کنیز کو اُس کی مرضی کے خلاف بدکاری پر مجبور کیا گیا، اُس کو مجبور ہونے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ اُس نے بدکاری سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی ہو، نیز اُسے بدکاری کی شرعی سزا بھی نہیں دی جائے گی، البتہ بدکاری کی سزا اُس کو ملے گی جس نے اُس سے بدکاری کی، نیز اُس آقا کو بھی تعزیری سزا ہوگی جس نے اُسے عصمت فروشی پر مجبور کیا۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ  
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (۳۲) اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ مِثْلُ نُورِهَا كَمِشْكُوتٍ ۚ  
فِيهَا مِصْبَاحٌ ۖ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۖ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن  
شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ ۚ

اور ہم نے وہ آیتیں بھی اتار کر تم تک پہنچادی ہیں جو ہر بات کو واضح کرنے والی ہیں، اور اُن لوگوں  
کی مثالیں بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، اور وہ نصیحت بھی جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے  
کار آمد ہے۔ ﴿۳۲﴾ اللہ تمام آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اُس کے نور کی مثال کچھ یوں ہے  
جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو، چراغ ایک شیشے میں ہو۔ شیشہ ایسا ہو جیسے ایک ستارا،  
موتی کی طرح چمکتا ہو! وہ چراغ ایسے برکت والے درخت یعنی زیتون سے روشن کیا جائے جو نہ  
(صرف) مشرقی ہو نہ (صرف) مغربی،<sup>(۳۱)</sup>

(۲۹) اس جملے کا سادہ مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایت کا نور پہنچانے والا صرف اللہ  
تعالیٰ ہے۔ البتہ امام غزالیؒ نے اس آیت کی تشریح میں ایک مستقل مقالہ لکھا ہے جس میں اس فقرے کا مطلب  
بڑے لطیف فلسفیانہ انداز میں سمجھایا ہے، اُن کی یہ پوری بحث امام رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت  
نقل فرمائی ہے جو اہل علم کے لئے قابل دید ہے۔

(۳۰) امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ سورج کی روشنی ایک چراغ کی روشنی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، لیکن  
یہاں اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کی مثال سورج کے بجائے چراغ سے اس لئے دی گئی ہے کہ یہاں مقصود اُس  
ہدایت کی مثال دینا ہے جو گمراہی کے اندھیروں کے عین درمیان راستہ دکھائے، اور چراغ ہمیشہ اندھیرے کے  
پتھوں بچ روشنی پیدا کرتا ہے، اس کے برعکس سورج کی موجودگی میں کوئی اندھیرا باقی نہیں رہتا، اس لئے  
اندھیرے سے اُس کا تقابل ساتھ ساتھ ظاہر نہیں ہوتا (تفسیر کبیر)۔

(۳۱) یعنی سورج چاہے مشرق میں ہو یا مغرب میں، اُس کی دھوپ اُس درخت کو ہر حال میں پہنچتی ہو۔ ایسے  
درخت کا پھل اچھی طرح پکتا ہے، اور اُس کا تیل بھی زیادہ شفاف ہوتا ہے۔

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضْفَىٰ ۖ وَكَوَلَمْ تَسْسُسْهُ نَارًا ۖ نُورًا عَلَىٰ نُورٍ ۖ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۖ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣٥﴾ فِي بُيُوتٍ أِذْنُ اللَّهِ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ ۖ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۖ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ ۖ وَالْآبُصَارُ ﴿٣٧﴾

ایسا لگتا ہو کہ اُس کا تیل خود ہی روشنی دیدے گا، چاہے اُسے آگ بھی نہ لگے۔ نور بالائے نور! اللہ اپنے نور تک جسے چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے، اور اللہ لوگوں کے فائدے کے لئے تمثیلیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۳۵﴾ جن گھروں کے بارے میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اُن کو بلند مقام دیا جائے، اور اُن میں اُس کا نام لے کر ذکر کیا جائے، اُن میں صبح و شام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے۔ وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور نگاہیں اُلٹ پلٹ کر رہ جائیں گی۔ ﴿۳۶-۳۷﴾

(۳۲) یکے ہوئے زیتون کا تیل اگر خالص ہو تو خود اُس میں اتنی چمک ہوتی ہے کہ وہ دُور سے روشن معلوم ہوتا ہے۔

(۳۳) پچھلی آیت میں یہ بیان تھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، نورِ ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔ اب اُن لوگوں کی خصوصیات بیان فرمائی جا رہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نورِ ہدایت تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ مسجدوں اور عبادت گاہوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ یہ مسجدیں اور عبادت گاہیں ایسے گھر ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ان کو بلند مرتبہ دے کر اُن کی تعظیم کی جائے۔ پھر یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ان عبادت گاہوں میں عبادت کرنے والے دُنیا کو بالکل چھوڑ کر نہیں بیٹھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق معاشی کاروبار میں حصہ لے کر تجارت اور خرید و فروخت بھی کرتے ہیں، لیکن یہ تجارتی سرگرمیاں اُن کو اللہ تعالیٰ کی

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ غَيْرِ حِسَابٍ ۝ (۳۸) وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوُكِّلَهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ (۳۹)

نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے گا، اور اپنے فضل سے مزید کچھ اور بھی دے گا، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔ ﴿۳۸﴾ اور (دوسری طرف) جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹیل صحرا میں ایک سراب ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ بیٹھتا ہے، یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا، اور اُس کے پاس اللہ کو پاتا ہے، چنانچہ اللہ اُس کا پورا پورا حساب چکا دیتا ہے۔ اور اللہ بہت جلدی حساب لے لیتا ہے۔ ﴿۳۹﴾

یاد اور اُس کے احکام کی اطاعت سے غافل نہیں کرتیں۔ چنانچہ وہ اپنے وقت پر نماز بھی قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں، اور کسی وقت اس حقیقت سے بے پروا نہیں ہوتے کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں سارے اعمال کا حساب دینا ہوگا، اور وہ دن اتنا ہولناک ہوگا کہ اُس میں لوگوں اور خاص طور پر نافرمانوں کے دل الٹ جائیں گے، اور آنکھیں پلٹ کر رہ جائیں گی۔

(۳۴) نیک اعمال کا ثواب کچھ تو وہ ہے جس کا ذکر قرآن وحدیث میں آگیا ہے۔ اس آیت نے بڑے لطیف انداز میں یہ بتایا ہے کہ نیک لوگوں کا ثواب صرف اُن نعمتوں میں منحصر نہیں ہوگا جن کا تذکرہ قرآن وحدیث میں کر دیا گیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اُس کے علاوہ ایسی نعمتیں بھی عطا فرمائیں گے جن کا تذکرہ نہ قرآن وحدیث میں آیا ہے، اور نہ کسی کے دل میں اُن کا تصور آیا ہے۔

(۳۵) ریگستان میں جو ریت چمکتا نظر آتا ہے، دُور سے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ پانی ہو، اُسے ”سراب“ کہتے ہیں۔ جس طرح سفر کرتے ہوئے آدمیوں کو سراب دھوکا دیتا ہے کہ وہ اُسے پانی سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں ہوتا، اسی طرح کافر لوگ جو عبادت نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، وہ سراب کی طرح ایک دھوکا ہے۔

(۳۶) یہ مثال اُن کافروں کی ہے جو آخرت کو مانتے ہیں، لیکن توحید اور رسالت کے منکر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ

أَوْ كُظِّلَتْ فِي بَحْرِ لَيْلِي يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۖ ظُلُمَتْ  
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۖ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْدِيرْهَا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ  
عِلْمًا فَمَا لَهُ مِنْ نَّوْمٍ ۚ

یا پھر اُن (اعمال) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں پھیلے ہوئے اندھیرے، کہ سمندر کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو، جس کے اوپر ایک اور موج ہو، اور اُس کے اوپر بادل، غرض اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے! اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ پائے۔ اور جس شخص کو اللہ ہی نور عطا نہ کرے، اُس کے نصیب میں کوئی نور نہیں۔ ﴿۴۰﴾

جن اعمال کے بارے میں یہ کافر لوگ سمجھے بیٹھے تھے کہ وہ ان کو آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے، مرنے کے بعد اُنہیں اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا پورا پورا حساب دُنیا میں چکا کر انہیں سزا کا مستحق قرار دیا ہے، اور اس طرح اُن سارے کاموں نے فائدے کے بجائے نقصان پہنچایا ہے۔

(۳۷) یہ اُن کافروں کی مثال ہے جو آخرت کو سرے سے مانتے ہی نہیں، اس لئے ان کے پاس اتنا نور بھی نہیں جتنا پہلے گروہ کے پاس تھا کہ کم از کم وہ یہ اُمید رکھتے تھے کہ اُن کے اعمال اُنہیں آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے، لیکن ان لوگوں کے پاس اُمید کی یہ کرن بھی نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے دونوں مثالوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ کافروں کے اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، اور اُن سے فائدے کی اُمید رکھتے ہیں، اُن کی مثال تو سراب جیسی ہے، اور ایک وہ اعمال ہیں جو وہ نیکی سمجھ کر نہیں کرتے، اُن کی مثال اُن اندھیروں کی ہے جن میں روشنی کی کوئی کرن نہیں ہوتی۔ پھر سمندر کی تہہ کا اندھیرا اُن کے کافرانہ عقائد کی مثال ہے، اور ایک موج کا اندھیرا اُن کے برے اعمال کی مثال ہے، اور دوسری موج کا اندھیرا اُن کی ہٹ دھرمی کی مثال ہے۔ اس طرح اُن میں اوپر تلے بہت سے اندھیرے جمع ہو گئے ہیں۔ ایسے سخت اندھیرے میں جس طرح انسان کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا، اسی طرح کفر اور فتنے کے اندھیروں میں ان لوگوں کو خود اپنی حقیقت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْبِغُ لَهُ مَنُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَّتٍ ۖ كُلُّ قَدْ  
 عِلْمَ صَلَاتِهِ وَتَسْبِيحِهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ (۳۸) وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ (۳۹) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ  
 ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۖ وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ  
 جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَن مَّن يَشَاءُ ۖ يَكَاذِبُ  
 سَنَابِقُهُ يُدْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۝ (۴۰)

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں، اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ پرندے  
 بھی جو پر پھیلانے ہوئے اڑتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ معلوم ہے۔ اور اللہ  
 ان کے سارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۴۱﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی  
 کے لئے ہے، اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۴۲﴾ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ  
 اللہ بادلوں کو ہنکاتا ہے، پھر ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتا ہے، پھر انہیں تہہ برتہ گھٹا میں تبدیل  
 کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اُس کے درمیان سے برس رہی ہے۔ اور آسمان میں (بادلوں کی  
 شکل میں) جو پہاڑ کے پہاڑ ہوتے ہیں، اللہ ان سے اولے برساتا ہے، پھر جس کے لئے چاہتا  
 ہے، ان کو مصیبت بنا دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے، اُن کا رخ پھیر دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اُس  
 کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی اُچک لے جائے گی۔ ﴿۴۳﴾

(۳۸) سورۃ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، لیکن  
 تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمادیا ہے کہ ہر چیز کے تسبیح کرنے کا طریقہ مختلف ہے،  
 اور کائنات کی تمام چیزیں اپنے اپنے مخصوص انداز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہیں۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کے  
 حاشیے میں عرض کیا گیا، قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم دُنیا میں بے حس  
 سمجھتے ہیں، اُن سب میں کچھ نہ کچھ حس موجود ہے، اور یہ بات اب رفتہ رفتہ موجودہ سائنس بھی تسلیم کر رہی ہے۔

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿٣٣﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ  
 كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ ۚ فَبَيْنَهُمْ مَّن يَّسْشٰى عَلَى بَطْنِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّن يَّسْشٰى عَلَى  
 رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّن يَّسْشٰى عَلَى أَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَى  
 كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٤﴾ لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَّشَاءُ إِلَى  
 صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٥﴾ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فِرْيَنُ  
 مِّنْهُمْ مِّن بَعْدِ ذَلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٦﴾

وہی اللہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر کرتا ہے۔ یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نصیحت کا  
 سامان ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ ﴿۳۴﴾ اور اللہ نے زمین پر چلنے والے ہر  
 جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ وہ ہیں  
 جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو چار (پاؤں) پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔  
 یقیناً اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۳۵﴾ بیشک ہم نے وہ آیتیں نازل کی ہیں جو حقیقت کو کھول  
 کھول کر بیان کرنے والی ہیں، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، سیدھے راستے تک پہنچا دیتا ہے۔ ﴿۳۶﴾  
 اور یہ (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم فرماں بردار  
 ہو گئے ہیں، پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد بھی منہ موڑ لیتا ہے۔ یہ لوگ (حقیقت میں)  
 مؤمن نہیں ہیں۔ ﴿۳۷﴾<sup>(۳۹)</sup>

(۳۹) منافقین چونکہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے، اس لئے اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام  
 کے خلاف معاندانہ حرکتیں سرزد ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی  
 سے جھگڑا ہو گیا۔ یہودی جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق کا فیصلہ کریں گے، اس لئے اُس نے بشر کو  
 پیشکش کی کہ چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرائیں۔ بشر کے دل میں چور تھا، اس لئے

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۳۸﴾ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۳۹﴾ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحْجِفَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۰﴾ إِنَّمَا يُجِيبُكَ اللَّهُ بِمَا تَدْعُوهُ ۚ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۴۱﴾ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۴۲﴾

اور جب انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے کچھ لوگ ایک دم رُخ پھیر لیتے ہیں۔ ﴿۳۸﴾ اور اگر خود انہیں حق وصول کرنا ہو تو وہ بڑے فرماں بردار بن کر رسول کے پاس چلے آتے ہیں۔ ﴿۳۹﴾ کیا ان کے دلوں میں کوئی روگ ہے، یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں، یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اُس کا رسول ان پر ظلم ڈھائے گا؟ نہیں، بلکہ ظلم ڈھانے والے تو خود یہ لوگ ہیں۔ ﴿۴۰﴾ مومنوں کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”ہم نے (حکم) سن لیا، اور مان لیا“ اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۴۱﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، اللہ سے ڈریں، اور اس کی نافرمانی سے بچیں، تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ﴿۴۲﴾

اُس نے آپ سے فیصلہ کرانے کے بجائے ایک یہودی سردار کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کی۔ اُس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں (ابن جریر طبری)۔



وَأَقْسُوا بِاللهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لِنِ أَمْرَتِهِمْ لِيَخْرُجَنَّ ۖ قُلْ لَا تُقْسُوا ۚ  
طَاعَةً مَّعْرُوفَةً ۖ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا  
الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ  
تَهْتَدُوا ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ

اور یہ (منافق لوگ) بڑے زوروں سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر (اے پیغمبر!) تم انہیں حکم  
دو گے تو یہ نکل کھڑے ہوں گے۔ (ان سے) کہو کہ: ”قسمیں نہ کھاؤ۔ (تمہاری) فرماں برداری کا  
سب کو پتہ ہے۔“ یقین جانو کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۵۳﴾  
(ان سے) کہو کہ: ”اللہ کا حکم مانو، اور رسول کے فرماں بردار بنو، پھر بھی اگر تم نے منہ پھیرے رکھا تو  
رسول پر تو اتنا ہی بوجھ ہے جس کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے، اور جو بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے، اُس کے  
ذمہ دار تم خود ہو۔ اگر تم اُن کی فرماں برداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول کا فرض اس سے  
زیادہ نہیں ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دیں۔“ ﴿۵۴﴾ تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے  
ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا  
خليفة بنائے گا، جس طرح اُن سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا،

(۵۴) جب جہاد کا موقع نہ ہوتا تو یہ منافق لوگ منہ بھر کر قسمیں کھاتے تھے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم  
نے حکم دیا تو یہ جہاد کے لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے، لیکن جب وقت آتا تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے جہاد  
سے جان چھڑا لیتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ تمہاری فرماں برداری کی حقیقت تو سب کو معلوم ہے۔ بار بار تجربہ  
ہو چکا ہے کہ وقت پڑنے پر تمہاری ساری قسمیں دھری رہ جاتی ہیں۔

وَلْيَبْكِسْ لَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلْيُبَدِّلْ لَهُم مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا  
يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْفَاسِقُونَ ﴿٥٥﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرُّسُولَ لَعَلَّكُمْ  
تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ  
بِالنَّارِ وَلَيْسَ النَّصِيرُ ﴿٥٧﴾

ع  
۱۳

اور اُن کے لئے اُس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے اُن کے لئے پسند کیا ہے، اور اُن کو جو خوف لاحق رہا ہے، اُس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ (بس) وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے، تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔ ﴿۵۵﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رسول کی فرماں برداری کرو، تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔ ﴿۵۶﴾ یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جن لوگوں نے کفر کا راستہ اپنا لیا ہے، وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر ہمیں) بے بس کر دیں گے۔ اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور یقیناً وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۵۷﴾

(۴۱) مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام نے کفار کے ظلم و ستم کا سامنا کیا تھا، اور جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تو اُس کے بعد بھی کافروں کی طرف سے ہر وقت حملوں کا خوف لاحق رہتا تھا۔ اس موقع پر ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار کھول کر چین سکون کے ساتھ رہ سکیں۔ اُس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے۔ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی، اور اس میں پیشین گوئی فرمائی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو زمین پر اقتدار حاصل ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس وعدے کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں پورا جزیرہ عرب اسلام کے جھنڈے تلے آچکا تھا، اور خلافت راشدہ کے دور میں اسلامی حکومت کا دائرہ تقریباً آدھی دُنیا تک وسیع ہو گیا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا يَسْتَذِكُّمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا  
 الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۖ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ  
 الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ  
 جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۖ طَوَّفُوا عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ  
 الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾

اے ایمان والو! جو غلام لونڈیاں تمہاری ملکیت میں ہیں، اور تم میں سے جو بچے ابھی بلوغ تک نہیں  
 پہنچے، ان کو چاہئے کہ وہ تین اوقات میں (تمہارے پاس آنے کے لئے) تم سے اجازت لیا  
 کریں: نماز فجر سے پہلے، اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتار کر رکھا کرتے ہو، اور نماز  
 عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردے کے اوقات ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی تنگی  
 ہے، نہ اُن پر۔ اُن کا بھی تمہارے پاس آنا جانا لگا رہتا ہے، تمہارا بھی ایک دوسرے کے پاس۔ اللہ  
 اسی طرح آیتوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا  
 بھی مالک۔ ﴿۵۸﴾

(۳۲) آیات: ۲۷ تا ۲۹ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ کسی دوسرے کے گھر میں اجازت مانگے بغیر داخل نہیں ہونا  
 چاہئے۔ عام طور سے مسلمان اس حکم پر عمل کرنے لگے تھے، لیکن کسی گھر کے غلام باندیوں اور نابالغ لڑکے  
 لڑکیوں کو چونکہ بکثرت گھروں میں آنا جانا رہتا تھا، اس لئے وہ اس حکم کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بعض  
 واقعات ایسے پیش آئے کہ یہ لوگ کسی کے گھر میں ایسے وقت بلا اجازت داخل ہو گئے جو اُس کے آرام اور  
 تنہائی کا وقت تھا، جس سے نہ صرف یہ کہ اُس کو تکلیف ہوئی، بلکہ بے پردگی بھی ہوئی۔ اس پر یہ آیات نازل  
 ہوئیں، اور ان میں یہ واضح کر دیا گیا کہ کم از کم تین اوقات میں ان لوگوں کو بھی بلا اجازت گھروں میں داخل

وَإِذَا بَدَأَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَزُجُونَنَّهُنَّ فَكُلِّسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۚ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۶۰﴾

اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں، تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیا کریں جیسے اُن سے پہلے بالغ ہونے والے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۵۹﴾ اور جن بڑی بوڑھی عورتوں کو نکاح کی کوئی توقع نہ رہی ہو، اُن کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے، (مثلاً چادریں نامحرموں کے سامنے) اتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش نہ کریں، اور اگر وہ احتیاط ہی رکھیں تو اُن کے لئے اور زیادہ بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے۔ ﴿۶۰﴾

نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تین اوقات وہ ہیں جن میں عام طور سے انسان تنہائی پسند کرتا ہے، اور بے تکلفی سے صرف ضروری کپڑوں میں رہنا چاہتا ہے، اور ایسے میں کسی کے اچانک آجانے سے بے پردگی کا بھی احتمال رہتا ہے۔ البتہ دوسرے اوقات میں چونکہ یہ خطرہ نہیں ہے، اس لئے ضرورت کی وجہ سے ان کو بلا اجازت بھی چلے جانے کی اجازت دی گئی ہے۔

(۴۳) یہ ان بوڑھی عورتوں کا حکم ہے جن کی طرف نہ کسی کو رغبت ہوتی ہے، نہ وہ نکاح کے قابل ہوتی ہیں، ان کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ عام عورتیں غیر محرموں کے سامنے جانے کے لئے جو چادریا برقع وغیرہ استعمال کرتی ہیں، یہ بوڑھی عورتیں اُن کے بغیر بھی نامحرم مردوں کے سامنے جاسکتی ہیں، بشرطیکہ بن سنور کر اور سنگھار کر کے نہ جائیں۔ اس سہولت کے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ ان کے لئے بھی احتیاط اس میں ہے کہ وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح پردہ کریں۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى  
 أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ  
 إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ  
 أَخَوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَلَتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْكُمْ مَفَاتِحُهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ  
 عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَاسْلُمُوا عَلَى  
 أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةٌ طَيِّبَةٌ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ  
 ع لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝<sup>۱۳</sup>

نہ کسی نابینا کے لئے اس میں کوئی گناہ ہے، نہ کسی پاؤں سے معذور شخص کے لئے کوئی گناہ ہے، نہ کسی  
 بیمار شخص کے لئے کوئی گناہ ہے، اور نہ خود تمہارے لئے کہ تم اپنے گھروں سے کچھ کھاؤ،<sup>(۳۴)</sup> یا اپنے باپ  
 دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں  
 کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں  
 کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا اُن گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے اختیار  
 میں ہوں،<sup>(۳۵)</sup> یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے کہ سب مل  
 کر کھاؤ، یا الگ الگ۔ چنانچہ جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، کہ یہ ملاقات  
 کی وہ بابرکت پاکیزہ دُعا ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ اللہ اسی طرح آیتوں کو تمہارے سامنے  
 کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ ﴿۶۱﴾

(۳۴) ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ بعض افراد جو نابینا یا پاؤں سے معذور یا بیمار ہوتے تھے، وہ دوسروں کے

ساتھ مل کر کھانا کھانے سے اس لئے شرماتے تھے کہ شاید دوسروں کو ان کے ساتھ کھاتے ہوئے کراہیت محسوس ہو، اور بعض معذور افراد یہ بھی سوچتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی معذوری کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ جگہ گھیر لیں، یا ناہینا ہونے کی بنا پر دوسروں سے زیادہ کھالیں۔ دوسری طرف صحت مند لوگ بھی بعض اوقات یہ خیال کرتے تھے کہ کہیں یہ اپنی معذوری کی وجہ سے دوسروں کا ساتھ نہ دے سکیں، کم کھائیں اور مشترک کھانے میں سے اپنا مناسب حصہ نہ لے سکیں۔ یہ احساس ان حضرات کے دل میں اسلام کے اُن احکام نے پیدا کیا تھا جن کی رُو سے کسی دوسرے کو اپنی طرف سے ادنیٰ سی تکلیف پہنچانا گناہ قرار دیا گیا ہے، نیز مشترک چیزوں کے استعمال میں احتیاط کی تاکید کی گئی ہے۔ ان آیات نے یہ واضح فرمایا کہ بے تکلف مقامات پر اتنی باریک بینی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴۵) عرب کے لوگوں میں یہ عام رواج تھا کہ اُن کے گھر میں آنے والے یہ رشتہ دار جن کا اس آیت میں ذکر ہے، اگر اُن کی اجازت کے بغیر بھی اُن کے گھر سے کچھ کھا لیتے تو وہ نہ صرف یہ کہ برا نہیں مناتے تھے، بلکہ خوش ہوتے تھے۔ جب یہ احکام آئے کہ کسی کی چیز اُس کی خوش دلی کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں تو بعض صحابہ یہاں تک پرہیز کرنے لگے کہ اگر کسی شخص کی غیر موجودگی میں اُس کے گھر جاتے، اور اُس کے بیوی بچے اُن کی کچھ خاطر تواضع کرتے تو اُن کو کھانے میں تردد ہوتا تھا کہ گھر کا اصل مالک تو موجود نہیں ہے، اس لئے ہمیں اُس کی اجازت کے بغیر کھانا نہیں چاہئے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ جہاں یہ بات یقینی ہو کہ اصل مالک ہمارے کھانے سے خوش ہوگا، وہاں کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ البتہ جہاں یہ بات مشکوک ہو، وہاں یہ حکم نہیں ہے، چاہے وہ کتنے قریبی رشتہ دار کا گھر ہو (روح المعانی و معارف القرآن)۔

(۴۶) بعض حضرات جب جہاد کے لئے جاتے تو اپنے گھر کی چابیاں ایسے معذور افراد کے حوالے کر جاتے جو جہاد میں جانے کے لائق نہیں تھے، اور اُن کو یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ ہمارے گھر کی کوئی چیز اگر آپ کھانا چاہیں تو کھالیا کریں، اس کے باوجود یہ معذور حضرات احتیاط کی وجہ سے کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ اس آیت نے اُن کو بھی یہ ہدایت فرمادی کہ اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں ہے، جب مالک کی طرف سے چابیاں تک آپ کے حوالے کر دی گئی ہیں، اور اجازت بھی دے دی گئی ہے تو اُب کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

اَتَّبِ الْيُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهُ عَلٰى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَاْئِهِمْ فَاَذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۶﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ

مؤمن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں، اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک ہوتے ہیں تو اُن سے اجازت لئے بغیر کہیں نہیں جاتے۔<sup>(۲۷)</sup> (اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو اُن میں سے جن کو چاہو، اجازت دے دیا کرو، اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۶۲﴾ (اے لوگو!) اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلالیا کرتے ہو۔<sup>(۲۸)</sup>

(۴۷) یہ آیت غزوہٴ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اُس وقت عرب کے کئی قبیلوں نے مل کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے دفاع کے لئے مدینہ منورہ کے گرد ایک خندق کھودنے کے لئے تمام مسلمانوں کو جمع کیا تھا۔ سارے مسلمان خندق کھودنے میں مصروف تھے، اور اگر کسی کو اپنے کسی کام سے جانا ہوتا تو آپ سے اجازت لے کر جاتا تھا۔ لیکن منافق لوگ اول تو اس کام کے لئے آنے میں سستی کرتے تھے، اور اگر آجاتے تو کبھی کسی بہانے سے اُٹھ کر چلے جاتے، اور کبھی بلا اجازت ہی چپکے سے روانہ ہو جاتے۔ اس آیت میں اُن کی مذمت اور اُن مخلص مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے جو بلا اجازت نہیں جاتے تھے۔

(۴۸) برابر کے آدمی جب ایک دوسرے کو بلاتے ہیں تو اُس کی زیادہ اہمیت سمجھی جاتی، اگر کوئی اُس کے جواب میں نہ جائے تو اتنا برا نہیں سمجھا جاتا، اور اگر چلا بھی جائے تو بغیر اجازت کے واپس آجانے کو بھی گوارا کر لیا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں تو اُس سے

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ  
 أَمْرِ رَبِّ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَ  
 الْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۖ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا  
 عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

ع  
۱۵

اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔  
 لہذا جو لوگ اُس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اُن کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں اُن پر  
 کوئی آفت نہ آپڑے، یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آپکڑے۔ ﴿۶۳﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور  
 زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے۔ تم جس حالت پر بھی ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے، اور جس دن  
 سب کو اُس کے پاس لوٹایا جائے گا، اُس دن وہ اُن کو بتا دے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیا تھا، اور اللہ کو  
 ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۶۴﴾

آپس کا بلانا نہ سمجھو کہ چاہے گئے چاہے نہ گئے، بلکہ اہتمام کر کے جانا ہی ضروری ہے، دوسرے یہ بات بھی معمولی  
 نہ سمجھو کہ جب چاہو، بلا اجازت اُٹھ کر چلے آؤ، بلکہ جب کہیں جانا ہو تو آپ سے اجازت لے کر جاؤ۔  
 اسی آیت کی ایک اور تفسیر یہ بھی ممکن ہے کہ جب تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرو تو اس طرح نہ کرو  
 جیسے ایک دوسرے کو نام لے کر مخاطب کرتے ہو، لہذا ”یا محمد“ کہہ کر نہ بلاؤ، بلکہ آپ کو تعظیم کے ساتھ ”یا رسول  
 اللہ“ کہہ کر مخاطب کرو۔

الحمد للہ! سورہ نور کا ترجمہ اور حواشی آج کراچی میں شبِ دو شنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ  
 مطابق ۱۴ اپریل ۲۰۰۷ء کو تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں،  
 اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔





# سُورَةُ الْفُرْقَانِ

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کے بارے میں کفارِ مکہ کے مختلف اعتراضات کا جواب دینا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کے لئے جو بیشمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، انہیں یاد دلا کر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری، اُس کی توحید کے اقرار اور شرک سے علیحدگی کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں، اور اُن کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے آخرت میں جو اجر و ثواب رکھا ہے، اُس کا بیان فرمایا گیا ہے۔

آیاتھا ۷۷ ۲۵ سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۳۲ رُكُوعَاتُهَا ۶

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ① الَّذِي لَهُ  
مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَ  
خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رَاهُ تَقْدِيرًا ② وَاتَّخَذُ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ  
شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَ  
لَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ③

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ستر آیتیں اور چھ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی شان ہے اُس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے والی یہ کتاب نازل  
کی، تاکہ وہ دُنیا جہان کے لوگوں کو خبردار کر دے۔ ﴿۱﴾ وہ ذات جو آسمانوں اور زمین کی  
بادشاہت کی تہما مالک ہے اور جس نے نہ تو کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اُس کی بادشاہت میں کوئی  
شریک ہے، اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اُس کو ایک نیا تلاء انداز عطا کیا ہے۔ ﴿۲﴾ اور لوگوں  
نے اُسے چھوڑ کر ایسے خدا بنار کھے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، اور جن  
کا خود اپنے نقصان یا فائدے پر بھی کوئی بس نہیں چلتا، اور نہ کسی کا مرنا یا جینا اُن کے اختیار میں  
ہے، نہ کسی کو دوبارہ زندہ کرنا۔ ﴿۳﴾

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا إِفْكُ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءَ وظُلْمًا وَظُورًا ۖ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۖ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تَسْلَىٰ عَلَيْهِ بِكَمَرَةٍ ۖ وَآصِيلًا ۖ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۖ وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَنْشَىٰ فِي الْأَسْوَاقِ ۖ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۖ

اور جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”یہ (قرآن) تو کچھ بھی نہیں، بس ایک من گھڑت چیز ہے جو اس شخص نے گھڑ لی ہے، اور اس کام میں کچھ اور لوگ بھی اس کے مددگار بنے ہیں۔“ اس طرح (یہ بات کہہ کر) یہ لوگ بڑے ظلم اور کھلے جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ ﴿۴﴾ اور کہتے ہیں کہ: ”یہ تو پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں جو اس شخص نے لکھوالی ہیں، اور صبح و شام وہی اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔“ ﴿۵﴾ کہہ دو کہ: ”یہ کلام تو اُس (اللہ) نے نازل کیا ہے جو ہر بھید کو پوری طرح جانتا ہے، آسمانوں میں بھی، زمین میں بھی۔ بیشک وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۶﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: ”یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا؟“ ﴿۷﴾

(۱) مکہ مکرمہ کے بعض کافروں نے یہ الزام لگایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے انبیائے کرام کے واقعات کچھ یہودیوں سے سیکھ لئے ہیں، اور وہی واقعات لکھوا کر (معاذ اللہ) یہ قرآن بنالیا ہے، حالانکہ جن یہودیوں کا وہ ذکر کرتے تھے، وہ اسلام لا چکے تھے۔ اگر آپ (معاذ اللہ) انہی سے سیکھ کر اس کلام کے کلام الہی ہونے کا غلط دعویٰ کر رہے تھے تو یہ حقیقت سب سے پہلے ان یہودیوں پر ظاہر ہوتی، پھر وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مان کر آپ پر ایمان ہی کیوں لاتے؟

أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝۸ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝۹ تَبَارَكَ الَّذِي إِن شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ جَنَّتِ ۝۱۰ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ فُصُورًا ۝۱۱ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۝۱۲ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝۱۳ إِذَا رَأَوْهُم مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيظًا وَزَفِيرًا ۝۱۴

یا اس کے اوپر کوئی خزانہ ہی آپڑتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے یہ کھایا کرتا۔“ اور یہ ظالم (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ”تم جس کے پیچھے چل رہے ہو، وہ اور کچھ نہیں، بس ایک شخص ہے جس پر جادو ہو گیا ہے۔“ ﴿۸﴾ (اے پیغمبر!) دیکھو ان لوگوں نے تمہارے بارے میں کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں، چنانچہ ایسے بھٹکے ہیں کہ راستے پر آنا ان کے بس سے باہر ہے۔ ﴿۹﴾ بڑی شان ہے اُس (اللہ) کی جو اگر چاہے تو تمہیں ان سب سے کہیں بہتر چیز، (ایک باغ کے بجائے) بہت سے باغات دیدے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اور تمہیں بہت سے محلات کا مالک بنا دے۔ ﴿۱۰﴾ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے قیامت کی گھڑی کو جھٹلایا ہوا ہے، اور جو کوئی قیامت کی گھڑی کو جھٹلائے، اُس کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿۱۱﴾ جب وہ ان کو دُور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اُس کے پھرنے اور پھنکارنے کی آوازیں سنیں گے۔ ﴿۱۲﴾

(۲) یعنی یہ لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں، اُن کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ حق کے طلب گار ہیں، اور ان کے شبہات دُور ہو جائیں تو یہ ایمان لے آئیں، بلکہ اصل وجہ ان کی بے فکری ہے۔ چونکہ ان کو قیامت اور آخرت پر ایمان نہیں ہے، اس لئے ان کو بے ہودہ اعتراضات کرتے ہوئے کوئی خوف نہیں ہوتا کہ آخرت میں ان پر سزا بھی مل سکتی ہے۔

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنَيْنِ دَعَوْا هَٰذَا لَكَ ثُبُورًا ۖ لَا تَدْعُوا  
 الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۖ قُلْ أَذِلَّكَ حَيِّدًا مَرْجَّةُ  
 الْخُلْدِ الَّتِي وَعَدَ الْمُشْكُونَ ۖ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَاصِيًّا ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا  
 يَشَاءُونَ خُلْدَيْنِ ۖ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا ۖ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ  
 مَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضَلَّكُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ ءَأَمْرُهُمْ  
 صَلُّوا السَّبِيلَ ۖ ۱۴

اور جب ان کو اچھی طرح باندھ کر اُس کی ایک تنگ جگہ میں پھینکا جائے گا تو وہاں یہ موت کو آواز  
 دے کر پکاریں گے۔ ﴿۱۳﴾ (اُس وقت ان سے کہا جائے گا کہ: ”آج تم موت کو صرف ایک  
 بار نہ پکارو، بلکہ بار بار موت کو پکارتے ہی رہو۔“ ﴿۱۳﴾) کہو کہ یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی  
 جنت، جس کا وعدہ متقی لوگوں سے کیا گیا ہے؟ وہ اُن کے لئے انجام ہوگی، اور اُن کا آخری  
 انجام۔ ﴿۱۵﴾ وہاں اُنہیں ہمیشہ ہمیشہ بستے ہوئے ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے۔ یہ وہ ذمہ  
 دارانہ وعدہ ہے جو تمہارے رب نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ ﴿۱۶﴾ اور وہ دن (انہیں یاد دلاؤ)  
 جب اللہ ان (کافروں) کو بھی حشر میں جمع کرے گا اور اُن (معبودوں) کو بھی جن کی یہ خدا کو  
 چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، اور (ان کے معبودوں) سے کہے گا کہ: ”کیا تم نے میرے ان بندوں کو  
 بہکایا تھا، یا یہ راستے سے خود بھٹکے تھے؟“ ﴿۱۷﴾

(۳) یہ ترجمہ مشہور مفسر ابوالسعودؒ کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسیؒ نے بھی نقل فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ  
 عذاب کی جس شدت سے گھبرا کر تم موت کو پکار رہے ہو، وہ تو آنے والی نہیں ہے، بلکہ تمہیں بار بار نت نئے  
 عذاب سے سابقہ پڑے گا، اور ہر مرتبہ تمہیں اُس کی شدت سے گھبرا کر موت کو پکارنا پڑے گا۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يُنٰبِغِيْ لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاءَ وَلٰكِنْ مَّسَّعَتْهُمْ  
وَابْآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الَّذِيْ كَرِهَ وَكَانُوا قَوْمًا بُرًا ۝۱۸ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۝۱۹  
فَمَا تَسْتَطِيعُوْنَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۝۲۰ وَمَنْ يُّظْلِم مِّنْكُمْ نُدِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝۲۱ وَمَا  
اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُوْنَ فِي  
الْاَسْوَاقِ ۝۲۲ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۝۲۳ اَتَصْبِرُوْنَ ۝۲۴ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۵

وہ کہیں گے کہ: ”آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ ہماری مجال نہیں تھی کہ ہم آپ کو چھوڑ کر  
دوسرے رکھوالوں کے قائل ہوں، لیکن ہوا یہ کہ آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کا  
ساز و سامان دیا، یہاں تک کہ جو بات یاد رکھنی تھی، یہ اُسے بھلا بیٹھے، اور (اس طرح) یہ خود  
برباد ہو کر رہے۔“ ﴿۱۸﴾ لو، (اے کافرو!) انہوں نے تو تمہاری وہ ساری باتیں جھٹلا دیں جو تم کہا  
کرتے ہو۔ اب نہ (عذاب کو) ٹالنا تمہارے بس میں ہے، نہ کوئی مدد حاصل کرنا۔ اور تم میں سے  
جو کوئی ظلم کا مرتکب ہے، ہم اُسے بڑے بھاری عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۱۹﴾ اور (اے  
پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، وہ سب ایسے تھے کہ کھانا بھی کھاتے تھے، اور  
بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا  
ہے۔ بتاؤ کیا صبر کرو گے؟ اور تمہارا پروردگار ہر بات دیکھ رہا ہے۔ ﴿۲۰﴾

(۴) جن معبودوں کو انہوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا تھا، اُن میں سے کچھ تو فرشتے تھے جنہیں یہ خدا کی بیٹیاں  
کہتے تھے یا بعض لوگوں نے کچھ انبیاء یا بزرگوں کو خدا بنا رکھا تھا، اُن کی طرف سے تو یہ جواب ظاہر ہی ہے، لیکن جو  
لوگ بتوں کو پوجتے تھے، اُن کے بارے میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ تو پتھر تھے، اور اُن میں بولنے کی صلاحیت  
کہاں تھی؟ اُس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف اُن مشرکین کا ذکر ہے جو انسانوں یا فرشتوں کو خدا بنائے بیٹھے  
تھے، اور اُن کی علامت کے طور پر بتوں کو پوجتے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اُن پتھروں میں  
بھی بولنے کی صلاحیت پیدا فرمادے۔

(۵) کفار کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد درمیان میں اب اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے خطاب فرما رہے ہیں



وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا أُنْزِلْ عَلَيْنَا الْمَلِكَةَ أَوْ نُرِىْ رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُشُوًّا كَبِيرًا ﴿٣١﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلِكَةَ لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٣٢﴾ وَقَدْ مُنَّا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا ﴿٣٣﴾

جن لوگوں کو یہ توقع ہی نہیں ہے کہ وہ (کسی وقت) ہم سے آ ملیں گے، وہ یوں کہتے ہیں کہ: ”ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟ یا پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیں؟“ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے ہوئے ہیں،<sup>(۱)</sup> اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی ہوئی ہے۔ ﴿۲۱﴾ جس دن ان کو فرشتے نظر آ گئے، اُس دن ان مجرموں کے لئے کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوگا، بلکہ یہ کہتے پھریں گے کہ خدایا! ہمیں ایسی پناہ دے کہ یہ ہم سے دُور ہو جائیں۔ ﴿۲۲﴾<sup>(۲)</sup> اور انہوں نے (دُنیا میں) جو عمل کئے ہیں، ہم اُن کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار (کی طرح بے قیمت) بنا دیں گے۔ ﴿۲۳﴾<sup>(۳)</sup>

کہ تمہارے مخالفین تم پر طرح طرح کے اعتراضات کر کے تمہیں جو تکلیفیں دے رہے ہیں، وہ اس لئے کہ ہم نے تمہیں ان کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ یہ حق واضح ہو جانے کے باوجود اُسے مانتے ہیں یا نہیں، اور انہیں تمہاری آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ تم ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتے ہو یا نہیں، کیونکہ تمہارے صبر ہی سے یہ ظاہر ہوگا کہ تم نے حق کو سچے دل سے قبول کیا ہے۔

(۶) یہ ان کا تکبر ہے جو اُن سے ایسی باتیں کہلوا رہا ہے۔ یہ اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ اپنی ہدایت کے لئے کسی پیغمبر کی بات ماننا اپنی توہین سمجھتے ہیں، اور مطالبہ یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود آ کر انہیں سمجھائیں، یا کم از کم کوئی فرشتہ بھیجیں۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو دیکھنے کی ان میں تاب ہی نہیں ہے، اور فرشتے انہیں اُس وقت دکھائے جائیں گے جب وہ انہیں دوزخ میں ڈالنے کے لئے آئیں گے، اُس وقت یہ ان کو دیکھنے سے پناہ مانگیں گے۔

(۸) جن اعمال کو انہوں نے نیکی سمجھ رکھا تھا، وہ آخرت میں گرد و غبار کی طرح بے حقیقت نظر آئیں گے۔ اور ان

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿٢٣﴾ وَيَوْمَ تَشَقُّقُ السَّمَاءُ  
 بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿٢٤﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّاحِمِينَ ۖ وَكَانَ يَوْمًا  
 عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٥﴾ وَيَوْمَ يَعْصُ الطَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ لِيَتَنَبَّأْنِي  
 مَعَ الرُّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٦﴾ لِيُؤْيِلَنِي لِيَتَنَبَّأْنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٧﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي  
 عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ﴿٢٨﴾ وَقَالَ  
 الرَّسُولُ يَرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ﴿٢٩﴾

اُس دن جنتی لوگ ہوں گے جن کا مستقر بھی بہترین ہوگا، اور آرام گاہ بھی خوب ہوگی۔ ﴿۲۳﴾  
 اور جس دن آسمان پھٹ کر ایک بادل کوراہ دے گا، اور فرشتے اس طرح اُتارے جائیں گے کہ اُن کا  
 تار بندھ جائے گا۔ ﴿۲۴﴾ اُس دن صبح معنی میں بادشاہی خدائے رحمن کی ہوگی، اور وہ دن کافروں  
 پر بہت سخت ہوگا۔ ﴿۲۵﴾ اور جس دن ظالم انسان (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا،  
 اور کہے گا: ”کاش میں نے پیغمبر کی ہمرای اختیار کر لی ہوتی!“ ﴿۲۶﴾ ہائے میری بربادی! کاش  
 میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! ﴿۲۷﴾ میرے پاس نصیحت آچکی تھی، مگر اس (دوست)  
 نے مجھے اُس سے بھٹکا دیا۔“ اور شیطان تو ہے ہی ایسا کہ وقت پڑنے پر انسان کو بے کس چھوڑ جاتا  
 ہے۔ ﴿۲۸﴾ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں گے کہ: ”یا رب! میری قوم اس قرآن کو بالکل  
 چھوڑ بیٹھی تھی۔“ ﴿۲۹﴾

کے جو کام واقعی اچھے تھے، اُن کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دُنیا میں دے دیا ہوگا، لیکن آخرت میں تمام نیکیوں کے  
 قبول ہونے کے لئے ایمان لازمی شرط ہے، اس لئے وہاں یہ نیکیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔

(۹) اگرچہ سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں قوم سے مراد کافر لوگ ہیں، لیکن یہ مسلمانوں کے لئے بھی ڈرنے کا  
 مقام ہے کہ اگر مسلمان ہونے کے باوجود قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا جائے تو کہیں وہ بھی اس سنگین جملے کا  
 مصداق نہ بن جائیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے بجائے شکایت پیش کریں، والعیاذ باللہ العلی العظیم۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًّا وَنَصِيرًا ۝  
 مَعَ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوَلَا نَزَّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ  
 بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ وَلَا يَأْتُونَكَ بِشَيْءٍ إِلَّا جُنُكٌ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ  
 تَفْسِيرًا ۝ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَ  
 ۱۳۰ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝

اور ہم نے اسی طرح مجرم لوگوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے۔ اور تمہارا پروردگار ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ: ”ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟“ (اے پیغمبر!) ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دل مضبوط رکھیں، اور ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔ ﴿۳۲﴾ اور جب کبھی یہ لوگ تمہارے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں، ہم تمہیں (اُس کا) ٹھیک ٹھیک جواب اور زیادہ وضاحت کے ساتھ عطا کر دیتے ہیں۔ ﴿۳۳﴾ جن لوگوں کو گھیر کر منہ کے بل دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا، وہ بدترین مقام پر ہیں، اور اُن کا راستہ بدترین گمراہی کا راستہ ہے۔ ﴿۳۴﴾

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ آپ کے ساتھ جو دشمنی کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں، ہر پیغمبر کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے، پھر جن کے مقدر میں ہدایت قبول کرنا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دے دیتے ہیں، اور اپنے پیغمبروں کی مدد فرماتے ہیں۔

(۱۱) یعنی قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی طرف سے جو نئی تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں، ہم کوئی نئی آیت نازل کر کے آپ کو تسلی دے دیتے ہیں۔

(۱۲) یہ قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کا دوسرا فائدہ ہے کہ جب کوئی نیا اعتراض کافروں کی طرف سے آتا ہے تو قرآن کریم کی کسی نئی آیت کے ذریعے اُس کا واضح جواب فراہم کر دیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۝۳۵ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۝۳۶ وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۳۷ وَعَادًا وَثَمُودَ ۖ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۝۳۸ وَكُلًّا ضَرَبْنَاهُ إِلَى امْتَثَالٍ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۝۳۹

پیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اور اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو مددگار کے طور پر مقرر کیا تھا۔ ﴿۳۵﴾ چنانچہ ہم نے کہا تھا کہ: ”تم دونوں اُن لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے۔“ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن کو تباہ کر کے نیست و نابود کر دیا۔ ﴿۳۶﴾ اور نوح کی قوم نے جب پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے اُنہیں غرق کر دیا، اور اُن کو لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا۔ اور ہم نے اُن ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۷﴾ اسی طرح ہم نے عاد و ثمود اور اصحاب الرس کو اور اُن کے درمیان بہت سی نسلوں کو تباہ کیا۔ ﴿۳۸﴾ ان میں سے ہر ایک کو سمجھانے کے لئے ہم نے مثالیں دیں، اور (جب وہ نہ مانے تو) ہر ایک کو ہم نے پتھر سے کر رکھ دیا۔ ﴿۳۹﴾

(۱۳) عاد و ثمود کا تعارف سورہ اعراف (۷: ۶۵ تا ۸۴) میں گزر چکا ہے، اور ”اصحاب الرس“ کے لفظی معنی ہیں ”کنویں والے۔“ بظاہر یہ لوگ کسی کنویں کے پاس آباد تھے۔ قرآن کریم نے بس اتنا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کیا گیا، ان کے بارے میں مختلف تاریخی روایتیں ملتی ہیں، لیکن ان کے واقعے کی کوئی تفصیل نہ قرآن کریم نے بتائی ہے، نہ کسی مستند حدیث میں آئی ہے۔ اتنی بات ظاہر ہے کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر بھیجے گئے تھے جن کی انہوں نے نافرمانی کی، اور اس کی وجہ سے ان کو ہلاک کیا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں لٹکا کر پھانسی دی تھی۔ واللہ اعلم

وَلَقَدْ آتَوْنَا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمِطِرَتْ مَطَرُ السَّوَاءِ ۖ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرُونَهَا بَلًا  
 كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ۝ وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُؤًا ۖ أَهَذَا  
 الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۝ إِن كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ الْهَيْتَانِ لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۖ  
 وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرُونَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝ أَسَاءَتِ مَنْ  
 اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۖ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝

اور یہ (کفار مکہ) اُس بستی سے ہو کر گذرتے رہے ہیں جس پر بری طرح (پتھروں کی) بارش بر سائی  
 گئی تھی۔ <sup>(۱۳)</sup> بھلا کیا یہ اُس بستی کو دیکھتے نہیں رہے؟ (پھر بھی انہیں عبرت نہیں ہوئی) بلکہ ان کے دل  
 میں دوسری زندگی کا اندیشہ تک پیدا نہیں ہوا۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) جب یہ لوگ تمہیں دیکھتے  
 ہیں تو ان کا کوئی کام اس کے سوا نہیں ہوتا کہ یہ تمہارا مذاق بناتے ہیں کہ: ”کیا یہی وہ صاحب ہیں  
 جنہیں اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟“ ﴿۴۱﴾ اگر ہم اپنے خداؤں (کی عقیدت) پر مضبوطی سے جے  
 نہ رہتے تو ان صاحب نے تو ہمیں اُن سے بھٹکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔“ (جو لوگ یہ  
 باتیں کہہ رہے ہیں) جب انہیں عذاب آنکھوں سے نظر آجائے گا تب انہیں پتہ چلے گا کہ کون  
 راستے سے بالکل بھٹکا ہوا تھا؟ ﴿۴۲﴾ بھلا بتاؤ جس شخص نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہو،  
 تو (اے پیغمبر!) کیا تم اُس کی ذمہ داری لے سکتے ہو؟ ﴿۴۳﴾ <sup>(۱۵)</sup>

(۱۴) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہے جس کا واقعہ سورہ ہود (۱۱: ۷۷ تا ۸۳) میں گذر چکا ہے۔  
 (۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اپنی اُمت پر بہت شفقت تھی، اس لئے آپ کی یہ خواہش رہتی تھی کہ جو  
 لوگ کفر و شرک پر اڑے ہوئے ہیں، وہ کسی طرح ایمان لے آئیں، اور جب وہ ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ کو  
 صدمہ ہوتا تھا۔ قرآن کریم نے جا بجا آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ کا فریضہ حق بات کو پہنچانے کی حد تک محدود ہے۔  
 جن لوگوں نے اپنی خواہشات کو خدا بنا رکھا ہے، اُن کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ  
 أَضَلُّ سَبِيلًا ۚ أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَكُوشًا لِّجَعْلِهِ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا  
 الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۚ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ۚ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ  
 لَكُمْ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ أَرْشُورًا ۚ

یا تمہارا خیال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں! ان کی مثال تو بس چار پاؤں  
 کے جانوروں کی سی ہے، بلکہ یہ اُن سے زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ﴿۴۴﴾ کیا تم نے اپنے  
 پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے؟ اور اگر وہ چاہتا تو اُسے  
 ایک جگہ ٹھہرا دیتا۔ پھر ہم نے سورج کو اُس کے لئے رہنما بنا دیا ہے ﴿۴۵﴾ پھر ہم اُسے تھوڑا تھوڑا  
 کر کے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا،  
 اور نیند کو سرپاسکون، اور دن کو دوبارہ اُٹھ کھڑے ہونے کا ذریعہ بنا دیا۔ ﴿۴۷﴾

(۱۶) یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی کئی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن پر انسان غور  
 کرے تو ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی توحید پر واضح دلیل ہے۔ سب سے پہلے یاد دلایا گیا ہے کہ دُھوپ  
 چھاؤں کی تبدیلیاں انسان کی زندگی کے لئے کتنی ضروری ہیں۔ اگر دُنیا میں ہمیشہ دُھوپ رہتی تب بھی زندگی  
 دو بھر ہو جاتی، اور اگر ہر وقت سایہ ہی سایہ رہتا تو بھی انسان کا کاروبار زندگی معطل ہو کر رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہر  
 روز ان دونوں کا حسین امتزاج اس طرح پیدا فرماتا ہے کہ صبح کے وقت سایہ زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، پھر  
 جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے، اُس کا سایہ سمٹتا رہتا ہے۔ ”سورج کو سائے کا رہنما بنانے“ کا مطلب یہی  
 ہے کہ سورج کے چڑھنے کے ساتھ ساتھ سایہ گھٹنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت وہ کالعدم  
 ہو جاتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سمیٹنے سے تعبیر فرمایا ہے، پھر جوں جوں سورج مغرب کی طرف ڈھلتا  
 ہے، سایہ پھر رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ غروب کے وقت پورے اُفق کو گھیر لیتا ہے۔ اور اس  
 طرح انسانوں کو دُھوپ چھاؤں کی یہ تبدیلی دھیرے دھیرے حاصل ہوتی ہے، اور ناگہانی تبدیلی کے  
 نقصانات سے بچاؤ ہوتا رہتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا لِّبَنِي إِدْمَ رَبِّهِمْ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ  
مَاءً طَهُورًا ﴿٣٨﴾ لِّنُخْرِجَ بِهِ بَلَدًا كَثِيرًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ  
كَثِيرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا ۚ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٤٠﴾  
وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٤١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ  
جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٤٢﴾

اور وہی ہے جس نے اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجیں جو (بارش کی) خوشخبری لے کر  
آتی ہیں، اور ہم نے ہی آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا ہے، ﴿۳۸﴾ تاکہ ہم اُس کے ذریعے مردہ  
زمین کو زندگی بخشیں، اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے مومنین اور انسانوں کو اُس سے سیراب  
کریں۔ ﴿۳۹﴾ اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے اُس (پانی) کی اُلٹ پھیر کر رکھی ہے،<sup>(۱۷)</sup>  
تاکہ وہ سبق حاصل کریں۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کے سوا ہر بات سے انکاری ہیں۔ ﴿۴۰﴾ اور  
اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک الگ آگاہ کرنے والا (پیغمبر) بھیج دیتے۔ ﴿۴۱﴾ لہذا (اے  
پیغمبر!) تم ان کافروں کا کہنا نہ مانو، اور اس قرآن کے ذریعے اُن کے خلاف پوری قوت سے  
جدوجہد کرو۔ ﴿۴۲﴾

(۱۷) پانی کی اُلٹ پھیر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ پانی اللہ تعالیٰ انسانوں کے درمیان اپنی حکمت سے ایک  
خاص تناسب کے مطابق تقسیم فرماتے ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پانی کا اصل ذخیرہ سمندر میں  
ہے۔ اللہ تعالیٰ وہاں سے اُسے بادلوں کے ذریعے اٹھاتے ہیں، اور پہاڑوں پر برف کی صورت میں جمادیتے  
ہیں جہاں سے وہ پکھل پکھل کر دریاؤں کی صورت اختیار کرتا ہے، اور لوگ اُس سے اپنی ضروریات پوری کر کے  
اُسے ضائع کر دیتے ہیں، لیکن یہی مستعمل پانی ندی نالوں کے ذریعے دوبارہ سمندروں میں جا گرتا ہے، اور پاک  
پانی کے اس ذخیرے میں بہہ بہہ کر دوبارہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اُسے پھر بادلوں کے ذریعے اوپر اٹھایا جائے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَجَعَلَ  
 بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجًّا مُّحْجُورًا ﴿۵۴﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا  
 فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۖ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۵﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا  
 يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۖ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿۵۶﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا  
 مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۵۷﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ  
 إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۵۸﴾

اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا کر چلایا ہے کہ ایک میٹھا ہے جس سے تسکین ملتی ہے،  
 اور ایک نمکین ہے، سخت کڑوا۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایسی رکاوٹ حائل کر دی ہے  
 جس کو (دونوں میں سے) کوئی عبور نہیں کر سکتا۔ ﴿۵۴﴾ اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو  
 پیدا کیا، پھر اُس کو نسبی اور سسرالی رشتے عطا کئے، اور تمہارا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔ ﴿۵۵﴾  
 اور یہ لوگ ہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہیں جو نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچاتی ہیں، نہ  
 نقصان۔ اور کافر انسان نے اپنے پروردگار ہی کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ ﴿۵۶﴾ اور (اے  
 پیغمبر!) ہم نے تمہیں کسی اور کام کے لئے نہیں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تم لوگوں کو خوشخبری دو، اور  
 خبردار کرو۔ ﴿۵۷﴾ کہہ دو کہ: ”میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، ہاں جو شخص یہ چاہے  
 کہ اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے (تو یہی میری اجرت ہے)“ ﴿۵۸﴾

(۱۸) دریاؤں اور سمندروں کے سنگم پر یہ نظارہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دو الگ الگ قسم کے پانی ساتھ ساتھ چلتے  
 ہیں، لیکن ایک دوسرے میں گڈنڈ نہیں ہوتے، بلکہ دُور تک ان کی خصوصیات الگ الگ دیکھی اور محسوس کی جاسکتی  
 ہیں۔ یہی وہ عجیب و غریب آڑ ہے جو دونوں کو ایک دوسرے کی سرحد عبور کرنے نہیں دیتی۔



وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَى بِهِ بُدْنُوبِ عِبَادِهِ  
 مَعَ خَيْرٍ ۖ ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ  
 اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَنُ فَسَلِّ بِهِ خَيْرًا ۖ ﴿٥٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا  
 لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۖ ﴿٦٠﴾ تَبَارَكَ الَّذِي  
 جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۖ ﴿٦١﴾

اور تم اُس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی، اور اُسی کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۵۸﴾ وہ ذات جس نے چھ دن میں سارے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں پیدا کیں، پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا، وہ رحمن ہے، اس لئے اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھو۔ ﴿۵۹﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو یہ کہتے ہیں کہ: ”رحمن کیا ہوتا ہے؟ کیا جسے بھی تم کہہ دو، ہم اُسے سجدہ کیا کریں؟“ اور اس بات سے وہ اور زیادہ بدکنے لگتے ہیں۔ ﴿۶۰﴾ بڑی شان ہے اُس کی جس نے آسمان میں برج بنائے، اور اُس میں ایک روشن چراغ اور نور پھیلانے والا چاند پیدا کیا۔ ﴿۶۱﴾

(۱۹) ”استواء“ کے لفظی معنی سیدھا ہو جانے اور مضبوطی سے بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء فرمانے کا کیا مطلب اور اُس کی کیا کیفیت ہے؟ یہ بات ہماری محدود عقل سے ماورا ہے، اور اُن مشابہات میں سے ہے جن کا ذکر سورہ آل عمران کے بالکل شروع میں آیا ہے۔ اس لئے اس پر جوں کا توں ایمان رکھنا چاہئے، اور اس کی کیفیت کی تحقیق و جستجو میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(۲۰) مشرکین مکہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ”رحمن“ کے نام کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اس نام کے ساتھ کیا جاتا تو وہ بڑی بدتمیزی سے اس مبارک نام کی تردید کرتے تھے۔

(۲۱) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اُس پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

(۲۲) ”بروج“ سے مراد ستارے بھی ہو سکتے ہیں، اور آسمان کے وہ مختلف حصے بھی جنہیں فلکیات والے بروج

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنۢ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ  
 شُكُورًا ۚ ۝۱۲ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَتَشَوَّنَ عَلَى الْآرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ  
 الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝۱۳ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝۱۴ وَالَّذِينَ  
 يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝۱۵ إِنَّهَا  
 سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا أَوْ مَقَامًا ۝۱۶ وَالَّذِينَ إِذَا آنَفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا  
 وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝۱۷

اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں، (مگر یہ  
 ساری باتیں) اُس شخص کے لئے (کارآمد ہیں) جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا شکر بجالانا  
 چاہتا ہو۔ ﴿۱۲﴾

اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں، اور جب جاہل لوگ اُن سے (جاہلانہ)  
 خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ اور جو راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ  
 اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں، اور (کبھی) قیام میں۔ ﴿۱۴﴾ اور جو یہ  
 کہتے ہیں کہ: ”ہمارے پروردگار! جہنم کے عذاب کو ہم سے دُور رکھئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس کا  
 عذاب وہ تباہی ہے جو چٹ کر رہ جاتی ہے۔ ﴿۱۵﴾ یقیناً وہ کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لئے  
 بدترین جگہ ہے۔“ ﴿۱۶﴾ اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں، بلکہ  
 اُن کا طریقہ اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال کا طریقہ ہے۔ ﴿۱۷﴾

کہتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے بالائی فضا کے کچھ ایسے اجسام مراد ہوں جن تک ابھی انسان کی پہنچ  
 نہیں ہو سکی۔

(۲۳) یعنی ان کی بدکلامی اور گالی گفتار کا جواب برے الفاظ میں دینے کے بجائے شریفانہ انداز میں دیتے ہیں۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۖ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۖ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۖ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۖ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ۚ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے، اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے، اُسے ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اُسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ﴿۶۸﴾ قیامت کے دن اُس کا عذاب بڑھا بڑھا کر دُگنا کر دیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اُس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ ﴿۶۹﴾ ہاں مگر جو کوئی توبہ کر لے، ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۷۰﴾ اور جو کوئی توبہ کرتا اور نیک عمل کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف ٹھیک ٹھیک لوٹ آتا ہے۔ ﴿۷۱﴾ اور (رحمن کے بندے وہ ہیں) جو ناحق کاموں میں شامل نہیں ہوتے،

(۲۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر و شرک کا ارتکاب کریں، کیونکہ مؤمن عذاب میں ہمیشہ نہیں رہیں گے، اور اگر انہوں نے گناہ کئے ہوں گے تو اس کی سزا پا کر جنت میں جائیں گے۔  
(۲۵) یعنی حالت کفر میں انہوں نے جو برے کام کئے تھے، وہ ان کے نامہ اعمال سے مٹا دیئے جائیں گے، اور اسلام لا کر جو نیک عمل کئے ہوں گے، وہ ان کی جگہ لے لیں گے۔

(۲۶) قرآن کریم میں اصل لفظ ”زُور“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی جھوٹ کے ہیں، اور ہر باطل اور ناحق کو بھی ”زُور“ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں ناحق اور ناجائز کام ہو رہے ہوں، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اُن میں شامل نہیں ہوتے۔ اور اس کا ایک یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغَوِمْزُ وَاکْرَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا  
عَلَيْهَا صَبًّا وَعُتْيَانًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا  
قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَ  
يُلْقَوْنَ فِيهَا حَبِيبَةً وَسَلَامًا ۝ خُلِدُوا فِيهَا حَسَنَتٌ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ قُلْ مَا  
يَعْبُؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝

۶۷

اور جب کسی لغو چیز کے پاس سے گذرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ ﴿۷۲﴾ اور جب انہیں اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے ﴿۷۳﴾ اور جو (دعا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ: ”ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنا دے۔“ ﴿۷۴﴾ یہ لوگ ہیں جنہیں اُن کے صبر کے بدلے جنت کے بالا خانے عطا ہوں گے، اور وہاں دُعاؤں اور سلام سے اُن کا استقبال کیا جائے گا۔ ﴿۷۵﴾ وہ وہاں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لئے وہ بہترین جگہ ہے۔ ﴿۷۶﴾ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: ”میرے پروردگار کو تمہاری ذرا بھی پروا نہ ہوتی، اگر تم اُس کو نہ پکارتے۔ اب جبکہ (اے کافرو!) تم نے حق کو جھٹلادیا ہے تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے پڑ کر رہے گا۔“ ﴿۷۷﴾

(۷۷) یعنی نہ تو اُس لغو اور بے ہودہ کام میں شریک ہوتے ہیں، اور نہ اُن لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں جو ان کاموں میں مبتلا ہیں، البتہ اُس برے کام کو برا سمجھتے ہوئے وقار کے ساتھ وہاں سے گذر جاتے ہیں۔

(۷۸) یہ منافقین پر طنز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں سن کر وہ بظاہر تو بڑے اشتیاق کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اُن کے آگے گرے اور جھکے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں انہوں نے حق بات کے لئے اپنے کان بند کئے ہوتے ہیں، اور آنکھیں اندھی بنائی ہوتی ہیں اس لئے اُن آیتوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ

کے نیک بندے ان آیتوں کا شوق سے استقبال کرتے ہیں تو ان کے مضامین کو توجہ سے سنتے بھی ہیں، اور جن حقائق کی طرف وہ توجہ دلاتی ہیں، انہیں کھلی آنکھوں سمجھنے اور محسوس کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

(۲۹) باپ عام طور سے اپنے خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ اُس کو یہ دُعا سکھائی جا رہی ہے کہ بحیثیت باپ اور شوہر کے مجھے اپنے بیوی بچوں کا سربراہ تو بننا ہے، لیکن میرے بیوی بچوں کو متقی پرہیزگار بنادیتے تاکہ میں پرہیزگاروں کا سربراہ بنوں جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں، فاسق و فاجر لوگوں کا سربراہ نہ بنوں جو میرے لئے عذابِ جان بن جائیں۔ جو لوگ اپنے گھر والوں کے رویے سے پریشان رہتے ہیں، انہیں یہ دُعا ضرور مانگتے رہنا چاہئے۔

(۳۰) یہ خطاب اُن لوگوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے رُجوع نہ کرتے، اور اُس کی عبادت سے روگردانی کرتے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کوئی پروا نہیں تھی، لیکن جو لوگ اُس کی عبادت کرتے ہیں اور جن کے نیک کاموں کا اُوپر بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے بہتر انجام کا کفیل ہے۔ پھر آگے کافروں سے خطاب ہے کہ جب تمہیں یہ اصول معلوم ہو گیا، اور تم نے حق کو جھٹلانے کی روش اختیار کر رکھی ہے تو تمہارا وہ انجام نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے۔ تمہارا یہ طرزِ عمل تمہارے گلے پڑے گا، اور آخرت کے عذاب کی شکل میں تم سے اس طرح چٹ جائے گا کہ اس سے خلاصی ممکن نہیں ہوگی۔

الحمد للہ، آج بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰ اپریل ۲۰۰۷ء سورہ فرقان کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

## تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت سورہ واقعہ (سورت نمبر ۵۶) کے بعد نازل ہوئی تھی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا وہ زمانہ تھا جس میں کفار مکہ آپ کی دعوت کی بڑے زور شور سے مخالفت کرتے ہوئے آپ سے اپنی پسند کے معجزات دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس سورت کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے، اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کی طرف توجہ دلا کر اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں انصاف ہو اور وہ سچے دل سے حق کی تلاش کرنا چاہتا ہو تو اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ نشانیاں اُس کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، اور اُسے کسی اور معجزے کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی ضمن میں پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے واقعات یہ بیان کرنے کے لئے سنائے گئے ہیں کہ ان کی قوموں نے جو معجزات مانگے تھے، انہیں وہی معجزات دکھائے گئے، لیکن وہ پھر بھی نہ مانے جس کے نتیجے میں انہیں عذاب الہی کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب منہ مانگے معجزات دیکھنے کے باوجود کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اُسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس بنا پر کفار مکہ کو مہلت دی جا رہی ہے کہ وہ نت نئے معجزات کا مطالبہ کرنے کے بجائے توحید و رسالت کے دوسرے دلائل پر کھلی آنکھوں سے غور کر کے ایمان لائیں، اور ہلاکت سے بچ جائیں۔

کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن کہتے تھے، کبھی جادوگر اور کبھی آپ کو شاعر کا نام دیتے تھے۔ سورت کے آخری رکوع میں ان باتوں کی مدلل تردید فرمائی گئی ہے، اور کاہنوں اور شاعروں کی خصوصیات بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پائی جاتی۔ اسی ضمن میں آیت : ۲۲۳ تا ۲۲۷ نے شعراء کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اسی وجہ سے سورت کا نام شعراء رکھا گیا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں صفحہ نمبر ۱۱۴۱)۔

﴿آیاتها ۲۲﴾ سُورَةُ الشَّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ ﴿رکوعاتها ۱۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

طَسَمَ ① تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ③  
إِنْ نَشَأْ نُزِّلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةٌ فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ④ وَمَا  
يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ⑤

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طَسَمَ ① ﴿۱﴾ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق کو واضح کرنے والی ہے۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) شاید تم  
اس غم میں اپنی جان ہلاک کئے جا رہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے! ﴿۳﴾ اگر ہم  
چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیں کہ اُس کے آگے ان کی گردنیں جھک کر رہ  
جائیں۔ ﴿۴﴾ (ان کا حال تو یہ ہے کہ) ان کے پاس خدائے رحمن کی طرف سے جو کوئی نئی نصیحت  
آتی ہے، یہ اُس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ﴿۵﴾

(۱) جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا تھا، مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف آئے ہیں، انہیں  
حروف مقطعات کہا جاتا ہے، اور ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں تھا کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا، لیکن اس دُنیا میں  
انسان کو بھیجے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اُسے زبردستی مسلمان بنایا جائے، بلکہ انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ کسی زور  
زبردستی کے بغیر اپنی عقل کو استعمال کر کے اور دلائل پر غور کر کے ایمان کا راستہ اختیار کرے۔ یہی وہ آزمائش ہے  
جس کے لئے اُسے دُنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اس لئے اگر یہ لوگ ایمان نہیں لارہے ہیں تو آپ کو اتنا صدمہ نہیں کرنا  
چاہئے کہ اپنی جان کو ہلاک کر لیں۔



فَقَدْ كَذَّبُوا فِئَاتِهِمْ اَتُوبُ اَمَّا كَانُوبِهِمْ يَسْتَهْزِءُونَ ① اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى  
 الْاَرْضِ كَمْ اُنْبِثْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ② اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَايَةً وَمَا كَانَ  
 اِلَّا اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ③ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ④ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ  
 مُوْسٰى اَنْ اَنْتَ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤ تَوَمَّ فِرْعَوْنُ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑥ قَالَ رَبِّ  
 اِنِّىْ اَخَافُ اَنْ يُكَذِّبُوْنِ ⑦ وَيَضْحِكُوْا صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسٰنِىْ فَاَرْسِلْ اِلٰى  
 هٰؤُلَاءِ ⑧ وَلَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ اَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنَ ⑨

اس طرح انہوں نے حق کو جھٹلادیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جن باتوں کا مذاق اڑاتے رہے ہیں، اب  
 عنقریب اُن کے ٹھیک ٹھیک حقائق ان کے سامنے آجائیں گے۔ ﴿۶﴾ اور کیا انہوں نے زمین کو  
 نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر نفیس قسم کی کتنی چیزیں اُگائی ہیں؟ ﴿۷﴾ یقیناً ان سب چیزوں میں  
 عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۸﴾ اور یقین رکھو کہ  
 تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۹﴾ اور اُس وقت کا حال سنو جب  
 تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو آواز دے کر کہا تھا کہ: ”اس ظالم قوم کے پاس جاؤ، ﴿۱۰﴾ یعنی  
 فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا ان کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے؟“ ﴿۱۱﴾ موسیٰ نے کہا کہ:  
 ”میرے پروردگار! مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھوٹا بنائیں گے۔“ ﴿۱۲﴾ اور میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے،  
 اور میری زبان نہیں چلتی۔ اس لئے آپ ہارون کو بھی (نبوت کا) پیغام بھیج دیجئے۔ ﴿۱۳﴾ اور  
 میرے خلاف ان لوگوں نے ایک جرم بھی عائد کر رکھا ہے، ﴿۱۴﴾ جس کی وجہ سے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل  
 نہ کر ڈالیں۔“ ﴿۱۵﴾

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مظلوم کو بچاتے ہوئے ظالم کو ایک مکا مارا تھا جس سے وہ مر ہی گیا۔ اس  
 وجہ سے ان پر قتل کا الزام لگ گیا تھا۔ تفصیلی واقعہ سورہ قصص (سورت نمبر: ۲۸) میں آنے والا ہے۔

قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِاِيتِنَا ۖ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَبْعُونَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا ۖ اِنَّا رَاٰسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَمْرٌ سَلَّ مَعَنَا بِنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِتْنًا وَّلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِىْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعَلْتِكَ الَّتِىْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَا اِذَا وَاَنَا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

اللہ نے فرمایا کہ: ”ہرگز نہیں! تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ۔ یقین رکھو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ساری باتیں سنتے رہیں گے۔ ﴿۱۵﴾ اب تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اور کہو کہ: ”ہم دونوں رب العالمین کے پیغمبر ہیں ﴿۱۶﴾ (اور یہ پیغام لائے ہیں) کہ تم بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔“ ﴿۱۷﴾ فرعون نے (جواب میں موسیٰ علیہ السلام سے) کہا: ”کیا ہم نے تمہیں اُس وقت اپنے پاس رکھ کر نہیں پالا تھا جب تم بالکل بچے تھے؟ اور تم نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہمارے یہاں رہ کر گزارے، ﴿۱۸﴾ اور جو حرکت تم نے کی تھی وہ بھی کر گزرے، اور تم بڑے ناشکرے آدمی ہو۔“ ﴿۱۹﴾ موسیٰ نے کہا: ”اُس وقت وہ کام میں ایسی حالت میں کر گزرا تھا کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔“ ﴿۲۰﴾

(۳) بنو اسرائیل اصل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا نام ہے۔ یہ فلسطین کے علاقے کنعان کے باشندے تھے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے حکمران بنے تو انہوں نے اپنے سارے خاندان کو مصر بلا کر آباد کر لیا تھا، جس کا واقعہ سورہ یوسف میں گزر چکا ہے۔ کچھ عرصے یہ لوگ وہاں اطمینان سے رہے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد مصر کے بادشاہوں نے جنہیں فرعون کہا جاتا تھا، ان کو غلام بنا کر ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔

(۵) یہ واقعہ سورہ ظہ (۳۹:۲۰) میں گزر چکا ہے۔

(۶) یہ اُسی قتل کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر حاشیہ نمبر ۳ میں کیا گیا ہے۔

(۷) یعنی یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ ایک ہی مکا کھا کر مر جائے گا۔

فَقَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾  
 وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَبْتَغَاهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتُ بَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ  
 الْعَالَمِينَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿۲۴﴾  
 قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَعِينُونَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۶﴾ قَالَ  
 إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿۲۷﴾

چنانچہ جب مجھے تم لوگوں سے خوف ہوا تو میں تمہارے پاس سے فرار ہو گیا، پھر اللہ نے مجھے حکمت عطا فرمائی، اور پیغمبروں میں شامل فرمادیا۔ ﴿۲۱﴾ اور وہ احسان جو تم مجھ پر رکھ رہے ہو، (اُس کی حقیقت) یہ ہے کہ تم نے سارے بنو اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ ﴿۲۲﴾ فرعون نے کہا: ”اور یہ رَبُّ العالمین کیا چیز ہے؟“ ﴿۲۳﴾ موسیٰ نے کہا: ”وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور اُن ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو ان کے درمیان پائی جاتی ہیں، اگر تم کو واقعی یقین کرنا ہو۔“ ﴿۲۴﴾ فرعون نے اپنے ارد گرد کے لوگوں سے کہا: ”سن رہے ہو کہ نہیں؟“ ﴿۲۵﴾ موسیٰ نے کہا: ”وہ تمہارا بھی پروردگار ہے، اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا بھی۔“ ﴿۲۶﴾ فرعون بولا: ”تمہارا یہ پیغمبر جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، یہ تو بالکل ہی دیوانہ ہے۔“ ﴿۲۷﴾

(۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے جہاں سے واپسی میں انہیں نبوت عطا ہوئی۔ تفصیلی واقعہ سورہ قصص (سورت نمبر ۲۸) میں آنے والا ہے۔

(۹) فرعون نے جو سوال کیا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ رَبُّ العالمین کی حقیقت و ماہیت بتاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت و ماہیت کوئی نہیں جان سکتا، البتہ اُس کو اُس کی صفات سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں باری تعالیٰ کی صفات ہی بیان فرمائیں۔ اس پر فرعون نے کہا کہ ”یہ بالکل دیوانہ ہے“ کیونکہ سوال حقیقت کا کیا گیا تھا، اور جواب صفات سے دے رہے ہیں۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَيْنَ  
 اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَا جَعَلْتُكَ مِنَ السَّجُونِ ۖ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ  
 مُبِينٍ ﴿۲۹﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ ۖ إِنَّ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۰﴾ فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ  
 مُبِينٌ ﴿۳۱﴾ وَنَزَعِيدهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنُّظُرِ ۖ قَالَ لِّلْمَلَأِ حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ  
 عَلِيمٌ ﴿۳۲﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۳۳﴾  
 قَالُوا أَرَجِهْ وَأَخَاهُ وَأَبْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۳۴﴾

موسیٰ نے کہا: ”وہ مشرق و مغرب کا بھی پروردگار ہے، اور اُن کے درمیان ساری چیزوں کا بھی، اگر تم عقل سے کام لو۔“ ﴿۲۸﴾ کہنے لگا: ”یاد رکھو، اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو میں تمہیں ضرور اُن لوگوں میں شامل کر دوں گا جو جیل خانے میں پڑے ہوئے ہیں۔“ ﴿۲۹﴾ موسیٰ بولے: ”اور اگر میں تمہیں کوئی ایسی چیز لا دکھاؤں جو حق کو واضح کر دے، پھر؟“ ﴿۳۰﴾ فرعون نے کہا: ”اچھا، اگر واقعی سچے ہو تو لے آؤ وہ چیز۔“ ﴿۳۱﴾ چنانچہ موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا، اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلا ہوا اژدھا بن گیا، ﴿۳۲﴾ اور انہوں نے اپنا ہاتھ (بغل میں سے) کھینچ کر نکالا تو پل بھر میں وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے سفید ہو گیا۔ ﴿۳۳﴾ فرعون نے اپنے ارد گرد کے سرداروں سے کہا: ”یقیناً یہ کوئی ماہر جادوگر ہے۔“ ﴿۳۴﴾ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کرے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟“ ﴿۳۵﴾ انہوں نے کہا: ”ان کو اور ان کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے، اور تمام شہروں میں ہر کارے بھیج دیجئے“ ﴿۳۶﴾

يَا تُوَكَّلُ بِكُلِّ سَخَارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجِئَ السَّحَرَةُ لِبِيقَاتٍ يَوْمَ مَعْمُورٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ  
لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَبِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّكُمْ أَنْتُمْ السَّحَرَةُ إِنَّ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾  
فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا لَنَأْتِيَنَّكَ الْغُلَامَينَ ﴿٤١﴾ قَالَ  
نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَئِنِ الْمُتَقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٤٣﴾  
فَالْقَوَا جِبَالَهُمْ وَعَصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَالْقَى  
مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَالْقَى السَّحَرَةُ سُجُودِينَ ﴿٤٦﴾

جو ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں (اور ان جادوگروں کا مقابلہ کریں) ﴿۳۷﴾ چنانچہ  
ایک دن مقررہ وقت پر سارے جادوگر جمع کر لئے گئے۔ ﴿۳۸﴾ اور لوگوں سے کہا گیا کہ: ”کیا تم  
لوگ جمع ہو رہے ہو؟“ ﴿۳۹﴾ شاید اگر یہ جادوگر ہی غالب آگئے تو ہم انہی کے راستے پر  
چلیں۔“ ﴿۴۰﴾ پھر جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: ”یہ بات تو یقینی ہے ناکہ اگر ہم  
غالب آگئے تو ہمیں کوئی انعام ملے گا؟“ ﴿۴۱﴾ فرعون نے کہا: ”ہاں ہاں، اور تمہیں اُس صورت  
میں مقرب لوگوں میں بھی ضرور شامل کر لیا جائے گا۔“ ﴿۴۲﴾ موسیٰ نے اُن جادوگروں سے کہا:  
”جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے، پھینکو۔“ ﴿۴۳﴾ اس پر اُن جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر  
ڈال دیں، اور کہا کہ: ”فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی ہم غالب آئیں گے۔“ ﴿۴۴﴾ اب موسیٰ  
نے اپنا عصا زمین پر ڈالا، تو اچانک اُس نے (اڑدھا بن کر) اُس تماشے کو نگلنا شروع کر دیا جو وہ  
جھوٹ موٹ بنا رہے تھے۔ ﴿۴۵﴾ بس پھر وہ جادوگر سجدے میں گرادیئے گئے۔ ﴿۴۶﴾

(۱۱) سورہ طہ (۲۰: ۶۶) میں گزر چکا ہے کہ اچانک ان کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے نتیجے  
میں ایسی محسوس ہونے لگیں جیسے دوڑ رہی ہیں۔

(۱۲) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم نے ان کے لئے ”سجدے میں گر گئے“ کے بجائے ”سجدے

قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۷﴾ رَبِّ مُوسٰی وَهٰرُونَ ﴿۳۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ  
اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمْ الَّذِی عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ لَا قَطْعَنَ  
اٰیْدِیْكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِّنْ خَلٰفٍ وَّلَا وَصَلْبٍ لَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ قَالُوا اِلَّا ضَمِیْرُ اِنَّا  
اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِیْئًا اَنْ كُنَّا اَوَّلَ  
الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَوْحِیْنَا اِلٰی مُوسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ اِنَّكُمْ مُّسْتَبْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۱﴾  
فَاَرْسَلْ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ هٰؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کہنے لگے کہ: ”ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے، ﴿۳۷﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔“ ﴿۳۸﴾ فرعون بولا: ”تم میرے اجازت دینے سے پہلے ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ ثابت ہوا کہ یہ تم سب کا سرغنہ ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹاؤں گا، اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔“ ﴿۳۹﴾ جادوگروں نے کہا: ”ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا، ہمیں یقین ہے کہ ہم لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس چلے جائیں گے۔“ ﴿۴۰﴾ ہم تو شوق سے اُمید لگائے ہوئے ہیں کہ ہمارا پروردگار اس وجہ سے ہماری خطائیں بخش دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔“ ﴿۴۱﴾ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ: ”میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، تمہارا پیچھا یقیناً کیا جائے گا۔“ ﴿۴۲﴾ اس پر فرعون نے شہروں میں ہر کارے بھیج دیئے ﴿۴۳﴾ (اور یہ کہلا بھیجا کہ: ) ”یہ (بنی اسرائیل) ایک چھوٹی سی ٹولی کے تھوڑے سے لوگ ہیں ﴿۴۴﴾

میں گرا دیئے گئے“ فرمایا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھلایا، وہ اس درجہ مؤثر تھا کہ اُس نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَاطُونَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَبِيۡمٌ حٰذِرُونَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنَّتٍ وَعُيُوۡنٍ ﴿۵۷﴾ وَكُنُوۡنَا وَمَقَامٍ كَرِيۡمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيۡۤ اِسْرَآءِيۡلَ ﴿۵۹﴾ فَاتَّبَعُوۡهُمْ مُّسْرِقِيۡنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَاۡءَ الْجُعْلُنَ قَالَ اَصْحٰبُ مُّوۡسٰى اِنَّا لَمُدْرٰكُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلٰٓءَ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيۡ سَيَهْدِيۡنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُّوۡسٰى اَنْ اَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فَرۡقٍ كَالطُّوۡدِ الْعَظِيۡمِ ﴿۶۳﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے دل جلائے ہوئے ہیں، ﴿۵۵﴾ اور ہم سب احتیاطی تدبیریں کئے ہوئے ہیں (لہذا سب مل کر ان کا تعاقب کرو) ﴿۵۶﴾ اس طرح ہم انہیں باہر نکال لائے باغوں اور چشموں سے بھی ﴿۵۷﴾ اور خزانوں اور باعزت مقامات سے بھی ﴿۵۸﴾ ان کا معاملہ تو اسی طرح ہوا، اور (دوسری طرف) ان چیزوں کا وارث ہم نے بنی اسرائیل کو بنادیا۔ ﴿۵۹﴾ غرض ہوا یہ کہ یہ سب لوگ سورج نکلتے ہی اُن کا پیچھا کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ ﴿۶۰﴾ پھر جب دونوں جتھے ایک دوسرے کو نظر آنے لگے تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا کہ: ”اب تو پکی بات ہے کہ ہم پکڑ ہی لئے گئے۔“ ﴿۶۱﴾ موسیٰ نے کہا: ”ہرگز نہیں، میرے ساتھ یقینی طور سے میرا پروردگار ہے، وہ مجھے راستہ بتائے گا۔“ ﴿۶۲﴾ چنانچہ ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو۔ بس پھر سمندر پھٹ گیا، اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ ﴿۶۳﴾

(۱۳) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۱۳۷) کا حاشیہ۔

(۱۴) موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے سامنے سمندر آگیا تھا، اور پیچھے سے فرعون کا لشکر۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی سمجھے کہ اب بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے پانی کے کئی حصے کر کے اُن کو پہاڑ کی طرح کھڑا کر دیا، اور اُن حصوں کے درمیان خشک راستے بن گئے۔

وَأَرْفَنَّا شِمَّ الْآخَرِينَ ﴿٢٣﴾ وَانْجَيْنَا مُوسَى وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٢٤﴾ ثُمَّ  
 آغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٢٥﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٦﴾  
 وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٢٧﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٢٨﴾ إِذْ قَالَ  
 لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٩﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَّلُهَا عِزْفِينَ ﴿٣٠﴾ قَالَ  
 هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٣١﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يُضُرُّونَ ﴿٣٢﴾ قَالُوا بَلَىٰ وَجَدْنَا  
 آبَاءَنَا كَذَّبًا لَكُمْ يَفْعَلُونَ ﴿٣٣﴾

اور دوسرے فریق کو بھی ہم اُس جگہ کے نزدیک لے آئے۔ ﴿۶۳﴾ اور موسیٰ اور اُن کے تمام  
 ساتھیوں کو ہم نے بچالیا، ﴿۶۵﴾ پھر دوسروں کو غرق کر ڈالا۔ ﴿۶۶﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں  
 عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۶۷﴾ اور یقین رکھو کہ  
 تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۶۸﴾

اور (اے پیغمبر!) ان کو ابراہیم کا واقعہ سناؤ، ﴿۶۹﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا  
 تھا کہ: ”تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟“ ﴿۷۰﴾ انہوں نے کہا کہ: ”ہم بتوں کی عبادت کرتے  
 ہیں، اور انہی کے آگے دھرنادینے رہتے ہیں۔“ ﴿۷۱﴾ ابراہیم نے کہا: ”جب تم ان کو پکارتے ہو تو  
 کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں؟“ ﴿۷۲﴾ یا تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں؟“ ﴿۷۳﴾ انہوں  
 نے کہا: ”اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔“ ﴿۷۴﴾

(۱۶) یعنی فرعون کے لشکر نے جب دیکھا کہ سمندر کے درمیان راستے بنے ہوئے ہیں، تو اُس نے بھی اُس  
 راستے سے گزرنے کی کوشش کی، لیکن جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو اپنی اصل حالت پر  
 لوٹا دیا، اور فرعون اور اُس کے ساتھی اُسی سمندر میں غرق ہو گئے۔ یہ تفصیل سورۃ یونس (۱۰: ۹۱ و ۹۲) میں  
 گزر چکی ہے۔



قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٥٥﴾ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ إِلَّا قَدَمُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِنَّهُمْ  
 عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٧﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِي هُوَ  
 يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٥٩﴾ وَإِذَا امْرَأَتِي فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٦٠﴾ وَالَّذِي يُبَيِّتُنِي ثُمَّ  
 يُحْيِينِ ﴿٦١﴾ وَالَّذِي أَطْعَمُنِي أَنْ يَقْبَلَنِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿٦٢﴾ رَبِّ هَبْ لِي  
 حُكْمًا وَالْحَقِّقْ بِالصَّالِحِينَ ﴿٦٣﴾ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٦٤﴾  
 وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾

ابراہیم نے کہا: ”بھلا کبھی تم نے ان چیزوں کو غور سے دیکھا بھی جن کی تم عبادت کرتے رہے  
 ہو؟ ﴿۵۵﴾ تم بھی اور تمہارے پرانے باپ دادے بھی! ﴿۵۶﴾ میرے لئے تو یہ سب دشمن  
 ہیں، سوائے ایک رب العالمین کے ﴿۵۷﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی  
 فرماتا ہے، ﴿۵۸﴾ اور جو مجھے کھانا پلاتا ہے ﴿۵۹﴾ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا  
 ہے، ﴿۶۰﴾ اور جو مجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، ﴿۶۱﴾ اور جس سے میں یہ اُمید لگائے  
 ہوئے ہوں کہ وہ حساب و کتاب کے دن میری خطا بخش دے گا۔“ ﴿۶۲﴾ میرے پروردگار! مجھے  
 حکمت عطا فرما، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما لے، ﴿۶۳﴾ اور آنے والی نسلوں میں میرے  
 لئے وہ زبانیں پیدا فرما دے جو میری سچائی کی گواہی دیں۔ ﴿۶۴﴾ اور مجھے اُن لوگوں میں سے  
 بنادے جو نعمتوں والی جنت کے وارث ہوں گے۔ ﴿۶۵﴾

(۱۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب ملاحظہ فرمائیے کہ انہوں نے بیمار ہونے کی نسبت تو اپنی طرف فرمائی،  
 اور شفا دینے کو اللہ تعالیٰ کا عمل قرار دیا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیماری انسان کی کسی اپنی غلطی کے سبب  
 آتی ہے، اور شفا براہ راست اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

وَاعْفِرْ لَآئِيْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزِلَتْ الْجَنَّةُ لِلْمُشْقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغَوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمَا اَيْنَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ هَلْ يَنْصُرُوْكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَلَكَيْبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْعَاوَنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اٰجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور میرے باپ کی مغفرت فرما۔ یقیناً وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ ﴿۸۶﴾ اور اُس دن مجھے رُسوانہ کرنا جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، ﴿۸۷﴾ جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا، نہ اولاد، ﴿۸۸﴾ ہاں جو شخص اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آئے گا، (اس کو نجات ملے گی) ﴿۸۹﴾ اور جنت متقی لوگوں کے لئے قریب کر دی جائے گی، ﴿۹۰﴾ اور دوزخ کھلے طور پر گمراہوں کے سامنے کر دی جائے گی ﴿۹۱﴾ اور اُن سے کہا جائے گا کہ: ”کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا خود اپنا بچاؤ کر لیں گے؟“ ﴿۹۲ و ۹۳﴾ پھر اُن کو اور گمراہوں کو بھی اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، ﴿۹۴﴾ اور ابلیس کے سارے لشکروں کو بھی۔ ﴿۹۵﴾ وہاں یہ سب آپس میں جھگڑتے ہوئے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے ﴿۹۶﴾

(۱۸) سورہ مریم (۱۹: ۴۷) میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اُس کی مغفرت کی دُعا کریں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت آگئی اور معلوم ہو گیا کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائے گا تو انہوں نے بھی اس سے براءت کا اظہار فرما دیا، جیسا کہ سورہ توبہ (۹: ۱۱۴) میں گزر چکا ہے۔ (۱۹) یعنی ان گمراہوں کے ساتھ ان کے جھوٹے معبودوں کو بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنہوں نے خود اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا، اور بعض پتھر کے بت ہیں، اُن کو یہ دکھانے کے لئے دوزخ میں ڈالا جائے گا کہ جن کو یہ گمراہ لوگ معبود سمجھتے تھے، ان کا حشر بھی آنکھوں سے دیکھ لیں۔



فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۹۸ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ  
الْعَالَمِينَ ۝۹۹ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۱۰۰ قَالُوا أَنْتُمْ لَكُمْ وَاتَّبَعَكَ  
الْأَرْدُنُونَ ۝۱۰۱ قَالَ وَمَا عَلِمِي بِهَا كَأَنْتُمْ يَعْلَمُونَ ۝۱۰۲ إِنْ حَسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي  
لَوْ تَشْعُرُونَ ۝۱۰۳ وَمَا آتَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۰۴ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝۱۰۵

لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۰۸﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت  
نہیں مانگتا۔ میرا اجرت تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی  
پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۰۹﴾ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۱۰﴾ وہ لوگ بولے:  
”کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں، حالانکہ بڑے نیچے درجے کے لوگ تمہارے پیچھے لگے ہوئے  
ہیں؟“ ﴿۱۱۱﴾ نوح نے کہا: ”میں کیا جانوں کہ وہ کیا کام کرتے ہیں؟“ ﴿۱۱۲﴾ اُن کا حساب لینا  
کسی اور کا نہیں، میرے پروردگار کا کام ہے۔ کاش! تم سمجھ سے کام لو! ﴿۱۱۳﴾ اور میں ان  
مؤمنوں کو دھتکار کر اپنے سے دُور نہیں کر سکتا۔ ﴿۱۱۴﴾ میں تو بس ایک خبردار کرنے والا ہوں جو  
(تمہارے سامنے) حقیقت کھول کر رکھ رہا ہے۔“ ﴿۱۱۵﴾

(۲۲) کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ طعنہ دیا تھا کہ اُن کے پیروکار اکثر ایسے لوگ ہیں جن کا پیشہ  
نچلے درجے کا سمجھا جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ مجھے اس سے کیا سروکار کہ اُن کا  
پیشہ کیا ہے، اور وہ کیا کام کرتے ہیں۔

(۲۳) کافروں کے مذکورہ اعتراض میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ یہ نچلے درجے کے لوگ سوچ سمجھ کر دِل  
سے ایمان نہیں لائے ہیں، بلکہ کسی ذاتی مفاد کی خاطر آپ کے ساتھ ہوئے ہیں۔ اس جملے میں اس کا جواب  
ہے کہ اگر بالفرض اُن کے دِل میں کوئی اور بات ہے بھی، تو میں اُس کی تحقیق کا مکلف نہیں ہوں، اُن کا حساب  
اللہ تعالیٰ خود لے لیں گے۔

قَالُوا لَيْنَ لَمْ تَنْتَهَ يَنْوُحْ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَوْمِي  
 كَذَّبُونِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝  
 فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِكِ الْمُسْحُونِ ۝ ثُمَّ اغْرَقْنَا بَعْدَ الْبَقِيَّةِ ۝ إِنَّ فِي  
 ذَلِكَ لَآيَةً ۝ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ  
 الرَّحِيمُ ۝ كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا  
 تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ  
 عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنِّي أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

وہ کہنے لگے: ”اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔“ ﴿۱۱۶﴾ نوح نے  
 کہا: ”میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلادیا ہے۔“ ﴿۱۱۷﴾ اب آپ میرے اور ان کے درمیان  
 دو ٹوک فیصلہ کر دیجئے، اور مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو بچا لیجئے۔“ ﴿۱۱۸﴾ چنانچہ ہم نے انہیں اور  
 ان کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں بچا لیا، ﴿۱۱۹﴾ پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ ﴿۱۲۰﴾  
 یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں  
 لاتے، ﴿۱۲۱﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۱۲۲﴾  
 عاد کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۲۳﴾ جبکہ ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ  
 سے ڈرتے نہیں ہو؟“ ﴿۱۲۴﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۲۵﴾  
 لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۲۶﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت  
 نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دنیا جہان کی  
 پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۲۷﴾

اَتَّبِعُونَ بِكُلِّ رِيٍّ اٰیَةً تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾  
وَ اِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

کیا تم ہر اونچی جگہ پر کوئی یادگار بنا کر فضول حرکتیں کرتے ہو؟ ﴿۱۲۸﴾ اور تم نے بڑی کاریگری سے بنائی ہوئی عمارتیں اس طرح رکھ چھوڑی ہیں جیسے تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہے؟ ﴿۱۲۹﴾ اور جب کسی کی پکڑ کرتے ہو تو پکے ظالم و جابر بن کر پکڑ کرتے ہو۔ ﴿۱۳۰﴾ اب اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۳۱﴾

(۲۵) فضول حرکتوں کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر بلند جگہ پر کوئی یادگار تعمیر کرنے کو ہی فضول حرکت کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا کوئی صحیح مقصد نہیں تھا، بلکہ محض دکھاوے اور بڑائی کے اظہار کے لئے یہ کام کیا جاتا تھا۔ دوسری تشریح بعض مفسرین، مثلاً حضرت ضحاکؒ نے یہ کی ہے کہ وہ لوگ ان اونچی تعمیروں پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نیچے سے گزرنے والوں کے ساتھ طرح طرح کی ناشائستہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔ اس کو فضول حرکت سے تعبیر کیا گیا ہے (روح المعانی)۔

(۲۶) قرآن کریم میں یہاں ”مصانع“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے اصل معنی ہیں وہ چیزیں جو کاریگری کا مظاہرہ کر کے بنائی گئی ہوں، اس میں ہر طرح کی وہ تعمیرات داخل ہیں جو نام و نمود کی خاطر بڑی شان و شوکت سے بنائی گئی ہوں، چاہے وہ زرق برق محل ہوں، یا پر شکوہ قلعے یا نہریں اور راستے۔ یہاں حضرت ہود علیہ السلام نے اس طرز عمل پر جو اعتراض فرمایا ہے، دراصل اُس کا منشا یہ ہے کہ تم نے اپنی ساری دوڑ دھوپ کا مرکز اس نام و نمود اور شان و شوکت کو بنایا ہوا ہے، اور اسی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھے ہو، جیسے تمہیں ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہیں ہونا۔

(۲۷) یعنی ایک طرف تو تمہارا حال یہ ہے کہ ان نام و نمود کی عمارتوں پر پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہو، اور دوسری طرف غریبوں کے ساتھ تمہارا رویہ انتہائی ظالمانہ ہے کہ ذرا سی بات پر کسی کی پکڑ کر لی تو اس کی جان عذاب میں آگئی۔ حضرت ہود علیہ السلام کی یہ باتیں نقل کر کے قرآن کریم نے ہم سب کو توجہ دلائی ہے کہ کہیں ہمارا طرز عمل بھی اس زمرے میں تو نہیں آتا کہ بس دنیا کی شان و شوکت ہی کو سب کچھ سمجھ کر آخرت سے غافل ہوں، اور دولت مندی کے نشے میں غریبوں کو اپنے ظلم و ستم کی چکی میں پیس رکھا ہو؟

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۖ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۖ وَجَنَّتِ  
وَعُيُونٌ ۖ إِنَِّّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا  
أَوَعُظَّتْ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَعِظِينَ ۖ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۖ وَمَنْ حُنِ  
بِعَدْلٍ بَيْنَ ۖ فَكَذَّبُوا فَاهْلَكْهُمْ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ  
مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ

اور اُس ذات سے ڈرو جس نے اُن چیزوں سے نواز کر تمہاری قوت میں اضافہ کیا ہے جو تم خود  
جانتے ہو۔ ﴿۱۳۲﴾ اُس نے تمہیں مویشیوں اور اولاد سے بھی نوازا ہے، ﴿۱۳۳﴾ اور باغوں اور  
چشموں سے بھی۔ ﴿۱۳۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ مجھے تم پر ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ  
ہے۔ ﴿۱۳۵﴾ وہ کہنے لگے: ”چاہے تم نصیحت کرو، یا نہ کرو، ہمارے لئے سب برابر  
ہے۔ ﴿۱۳۶﴾ یہ باتیں تو وہی ہیں جو پچھلے لوگوں کی عادت رہی ہیں۔ ﴿۱۳۷﴾ اور ہم عذاب کا  
نشانہ بننے والے نہیں ہیں۔“ ﴿۱۳۸﴾ غرض ان لوگوں نے ہود کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں ہم نے  
اُن کو ہلاک کر دیا۔ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر  
لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۳۹﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان  
بھی۔ ﴿۱۴۰﴾

(۲۸) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم جو ہمیں دنیا کی شان و شوکت سے بیزار کر کے آخرت کی باتیں کر رہے  
ہو، پچھلے زمانے میں بھی لوگ اس طرح کے جھوٹے دعوے کرتے آئے ہیں، اس لئے تمہاری بات توجہ کے لائق  
نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پرانے زمانے سے  
لوگ یہی کرتے آرہے ہیں۔ اس لئے اس پر اعتراض درست نہیں۔

(۲۹) قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام کے مزید تعارف کے لئے دیکھئے سورہ اعراف (۶۵: ۷) اور سورہ ہود  
(۵۹: ۱۱)۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣١﴾ اذْ قَالَ لَهُمُ اضْحُوهُمْ صَاحِبُ الْاَلَةِ تَتَّقُونَ ﴿١٣٢﴾ اِنِّي  
لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ ﴿١٣٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٣٤﴾ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ  
اِنْ اَجْرِي اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣٥﴾ اَتُتْرَكُونَ فِي مَا هُمْ بِاٰمِنِينَ ﴿١٣٦﴾ فِي  
جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٧﴾ وَذُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٣٨﴾ وَتَنَحُّونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا  
فَرِهَيْنَ ﴿١٣٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٤٠﴾ وَلَا تُطِيعُوا اَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٤١﴾ الَّذِيْنَ  
يُفْسِدُونَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يَصْلِحُونَ ﴿١٤٢﴾ قَالُوا الْاِنْبَاءُ اَنْتَ مِنَ الْمُسْحَرِينَ ﴿١٤٣﴾

قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۱۳۱﴾ جبکہ اُن کے بھائی صالح نے اُن سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ  
سے ڈرتے نہیں ہو؟“ ﴿۱۳۲﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۳۳﴾  
لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۳۴﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت  
نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی  
پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۳۵﴾ کیا تمہیں اطمینان کے ساتھ ان ساری نعمتوں میں ہمیشہ رہنے دیا  
جائے گا جو یہاں موجود ہیں؟ ﴿۱۳۶﴾ ان باغوں اور چشموں میں؟ ﴿۱۳۷﴾ اور ان کھیتوں اور  
ان نخلستانوں میں جن کے خوشے ایک دوسرے میں پیوست ہیں؟ ﴿۱۳۸﴾ اور کیا پہاڑوں کو بڑے  
ناز کے ساتھ تراش کر تم (ہمیشہ) گھر بناتے رہو گے؟ ﴿۱۳۹﴾ اب اللہ سے ڈرو، اور میری بات  
مانو۔ ﴿۱۴۰﴾ اور اُن حد سے گزرے ہوئے لوگوں کا کہنا مت مانو ﴿۱۴۱﴾ جو زمین میں فساد  
پھیلاتے ہیں، اور اصلاح کا کام نہیں کرتے۔“ ﴿۱۴۲﴾ وہ کہنے لگے کہ: ”تم پر تو کسی نے بڑا  
بھاری جادو کر دیا ہے،“ ﴿۱۴۳﴾

(۳۰) قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا تعارف پیچھے سورہ اعراف (۷: ۷۲) اور سورہ ہود (۱۱: ۶۸ تا ۶۹)  
میں گزر چکا ہے۔



مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۵۶ قَالَ هٰذِهِ نَاقَةُ لِهَآئِ رَبِّ وَلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝۵۷ وَلَا تَسْخَوْهَا یَسُوءٌ فِیَآ خُذْكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝۵۸ فَعَقَرُوْهَا فَاصْبِرْ اِلٰی یَمِیْنٍ ۝۵۹ فَآخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۶۰ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝۶۱

تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ لہذا اگر سچے ہو تو کوئی نشانی لے کر آؤ۔“ ﴿۱۵۳﴾ (۳۱) صالح نے کہا: ”(لو) یہ اُونٹنی ہے۔ پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہوگی، اور ایک معین دن میں ایک باری تمہاری۔“ ﴿۱۵۵﴾ (۳۲) اور اس کو بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا، ورنہ ایک زبردست دن کا عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔“ ﴿۱۵۶﴾ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے اس اُونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اور آخر کار پشیمان ہوئے۔ ﴿۱۵۷﴾ چنانچہ عذاب نے انہیں آ پکڑا۔ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۵۸﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۵۹﴾

(۳۱) نشانی سے مراد معجزہ ہے، اور انہوں نے خود فرمائش کی تھی کہ پہاڑ کے اندر سے ایک اُونٹنی نکال کر دکھاؤ۔  
(۳۲) چونکہ اُونٹنی کا معجزہ انہوں نے خود مانگا تھا، اس لئے ان سے کہا گیا کہ اس اُونٹنی کے کچھ حقوق ہوں گے، اور ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ ایک دن تمہارے کنویں سے صرف یہ اُونٹنی پانی پیے گی، اور ایک دن تم کنویں سے جتنا پانی بھر سکو، بھر کر رکھ لو۔

(۳۳) سورہ ہود (۶۸: ۱۱) میں قرآن کریم ہی نے بتایا ہے کہ یہ عذاب ایک خوفناک چنگھاڑ کی شکل میں آیا جس سے اُن کے کلیجے پھٹ کر رہ گئے۔ مزید تفصیل وہیں پر گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي  
لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ  
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾  
وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا  
لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْخُرُجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي عَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾

لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۱۶۰﴾ جبکہ اُن کے بھائی لوط نے اُن سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟“ ﴿۱۶۱﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۶۲﴾ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۶۳﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۶۴﴾ کیا دُنیا جہان کے سارے لوگوں میں تم ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو، ﴿۱۶۵﴾ اور تمہاری بیویاں جو تمہارے رب نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، اُن کو چھوڑے بیٹھے ہو؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تم حد سے بالکل گزرے ہوئے لوگ ہو۔“ ﴿۱۶۶﴾ کہنے لگے: ”لوط! اگر تم باز نہ آئے تو تم بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے جنہیں (بستی سے) نکال باہر کیا جاتا ہے۔“ ﴿۱۶۷﴾ لوط نے کہا: ”یقین جانو، میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو تمہارے اس کام سے بالکل بیزار ہیں۔“ ﴿۱۶۸﴾

(۳۴) حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، اُن کے مرد فطرت کے خلاف مردوں ہی سے اپنی جنسی ہوس پوری کرتے تھے۔ اُن کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۱۱: ۷۷-۸۳) اور سورہ حجر (۱۵: ۷۵-۷۶) میں گزر چکا ہے، اور ہم نے ان کا مختصر تعارف سورہ اعراف (۷: ۸۰) میں کرایا ہے۔

رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِيزَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ بِعَلَى الْعَرْشِ الرَّحِيمِ ﴿١٧٥﴾

میرے پروردگار! جو حرکتیں یہ لوگ کر رہے ہیں، مجھے اور میرے گھر والوں کو اُن سے نجات دیدے۔ ﴿۱۶۹﴾ چنانچہ ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو نجات دی، ﴿۱۷۰﴾ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں شامل رہی۔ ﴿۱۷۱﴾ پھر اور سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔ ﴿۱۷۲﴾ اور اُن پر ایک زبردست بارش برسادی۔ غرض بہت بری بارش تھی جو اُن پر برسی جنہیں پہلے سے ڈر دیا گیا تھا۔ ﴿۱۷۳﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۷۴﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۷۵﴾

(۳۵) یعنی اُس کڑھن سے نجات دیدے جو ان لوگوں کو ایسے گھناؤنے کردار میں ملوث دیکھ کر پیدا ہوتی ہے، اور اُس عذاب سے محفوظ رکھ جو ان کی حرکتوں کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والا ہے۔

(۳۶) اس سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو ایمان لانے کے بجائے اپنی بدکردار قوم کا ساتھ دیتی تھی۔ جب عذاب آنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو شہر سے باہر نکلنے کا حکم ہوا تو یہ عورت اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے پیچھے رہ گئی تھی، اور جب بستی والوں پر عذاب آیا تو یہ بھی اُس کا شکار ہوئی۔

(۳۷) پتھروں کی بارش مراد ہے جو ان لوگوں پر برسائی گئی تھی، جیسا کہ سورہ حجر میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ النَّيْكََةِ الْبُرْسَلِيُّنَ ﴿٤٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿٤٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿٤٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَآطِيعُوا أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٤٩﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ أَلْسِنَتِكُمْ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٥٠﴾

ایک کے باشندوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۱۷۶﴾ جبکہ شعیب نے اُن سے کہا کہ: ”کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟“ ﴿۱۷۷﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۷۸﴾ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۷۹﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۸۰﴾ پورا پورا ناپ دیا کرو، اور اُن لوگوں میں سے نہ بنو جو دوسروں کو گھٹائے میں ڈالتے ہیں۔ ﴿۱۸۱﴾ اور سیدھی ترازو سے تولاد کرو، ﴿۱۸۲﴾ اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔ ﴿۱۸۳﴾

(۳۸) ”ایک“ اصل میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ ایسے ہی گھنے جنگل کے پاس واقع تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اسی بستی کا نام مدین تھا، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مدین کے علاوہ کوئی اور بستی تھی، اور حضرت شعیب علیہ السلام اُس کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کا واقعہ سورہ اعراف (۸۵: ۷ تا ۹۳) میں گزر گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ان آیات کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔ (۳۹) کفر و شرک کے علاوہ ان لوگوں کی ایک خرابی یہ تھی کہ یہ تجارت میں ڈنڈی مارنے کے عادی تھے۔ (۴۰) یہ لوگ مسافروں کو لوٹنے کے لئے ڈاکے بھی ڈالتے تھے۔

وَاتَّقُوا الزَّبْحَةَ خَلَقَكُمْ وَالْجِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ۝ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نُنْظِرُكَ لَمِنَ الْكَذِبِينَ ۝ فَاسْقُطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّیْ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ۝ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ إِنَّ فِیْ ذَٰلِكَ لَآیَةً ۝ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ یُعِزُّ الْعَزِیزُ الرَّحِیمُ ۝

اور اُس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور پچھلی خلقت کو بھی۔ ﴿۱۸۴﴾ کہنے لگے: ”تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے، ﴿۱۸۵﴾ تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو، اور ہم تمہیں پورے یقین کے ساتھ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ ﴿۱۸۶﴾ لہذا اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔“ ﴿۱۸۷﴾ شعیب نے کہا: ”میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔“ ﴿۱۸۸﴾ غرض ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا۔ ﴿۱۸۹﴾ بیشک وہ ایک زبردست دن کا عذاب تھا۔ ﴿۱۹۰﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۹۱﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۹۲﴾

(۴۱) یعنی کس وقت کونسا عذاب نازل کیا جائے، یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جب چاہے گا، جس قسم کا عذاب مناسب ہوگا، نازل فرمادے گا، کیونکہ وہ تمہارے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔  
(۴۲) کئی دن تک سخت گرمی پڑنے کے بعد ایک بادل ان کی بستی کے قریب آیا جس کے نیچے بظاہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، بستی کے سب لوگ اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے تو اُس بادل نے ان پر انگارے برسائے جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٦﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٧﴾ عَلَى قَلْبِكَ  
لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٨﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ﴿١٩٩﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٠٠﴾  
أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمُ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿٢٠١﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَى  
بَعْضِ الْأَعْجَازِ ﴿٢٠٢﴾

بیشک یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ ﴿۱۹۲﴾ امانت دار فرشتہ اسے لے کر اُترا ہے ﴿۱۹۳﴾ (اے پیغمبر!) تمہارے قلب پر اُترا ہے تاکہ تم اُن (پیغمبروں) میں شامل ہو جاؤ جو لوگوں کو خبردار کرتے ہیں، ﴿۱۹۴﴾ ایسی عربی زبان میں اُترا ہے جو پیغام کو واضح کر دینے والی ہے۔ ﴿۱۹۵﴾ اور اس (قرآن) کا تذکرہ پچھلی (آسمانی) کتابوں میں بھی موجود ہے۔ ﴿۱۹۶﴾ ﴿۲۰۰﴾ بھلا کیا ان لوگوں کے لئے یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ بنو اسرائیل کے علماء اس سے واقف ہیں؟ ﴿۱۹۷﴾ اور اگر ہم یہ کتاب عجمی لوگوں میں سے کسی پر نازل کر دیتے، ﴿۱۹۸﴾

(۲۳) یعنی تورات، زبور اور انجیل میں، نیز دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے صحیفوں میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ آخری پیغمبر تشریف لانے والے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوگا۔ اگرچہ اب ان کتابوں میں بہت سی تحریفات ہو گئی ہیں، لیکن ان میں سے متعدد بشارتیں آج بھی ان کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنی کتاب ”اظہار الحق“ کے آخری باب میں یہ بشارتیں تفصیل کے ساتھ نقل فرمائی ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ راقم الحروف کی شرح و تحقیق کے ساتھ ”بائبل سے قرآن تک“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

(۲۴) بنو اسرائیل میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، وہ تو کھلم کھلا یہ بتاتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ کی علامتیں درج ہیں، لیکن بنی اسرائیل کے جو علماء ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی تنہائی میں کبھی کبھی اس حقیقت کا اعتراف کر لیتے تھے۔

فَكَرَّاهَ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾  
لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا  
يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾

اور وہ ان کے سامنے پڑھ بھی دیتا تو یہ لوگ تب بھی اُس پر ایمان نہ لاتے۔ ﴿۱۹۹﴾ مجرموں کے  
دلوں میں تو ہم نے اس کو اسی طرح داخل کیا ہے، ﴿۲۰۰﴾ یہ لوگ اس پر اُس وقت تک ایمان نہیں  
لائیں گے جب تک دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، ﴿۲۰۱﴾ اور وہ ان کے پاس اس  
طرح اچانک آکھڑا ہو کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے، ﴿۲۰۲﴾ پھر یہ کہہ اٹھیں کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل  
سکتی ہے؟ ﴿۲۰۳﴾ تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی پجارہے ہیں؟ ﴿۲۰۴﴾

(۳۵) یعنی اگر ہم قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی اور زیادہ وضاحت اس طرح کر دیتے کہ یہ عربی زبان کی  
کتاب کسی غیر عرب پر نازل ہوتی جو عربی سے ناواقف ہوتا، اور وہ عربی نہ جاننے کے باوجود اس عربی قرآن کو  
پڑھ کر سناتا تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے، کیونکہ ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت  
کے دلائل معاذ اللہ کمزور ہیں، بلکہ انہوں نے ضد کی بنا پر طے کر رکھا ہے کہ کیسے ہی دلائل سامنے آجائیں، یہ  
ایمان نہیں لائیں گے۔

(۳۶) مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اگرچہ ہدایت کی کتاب ہے، اور جو لوگ حق کے طلب گار ہوں، اُن کے دل  
پر اثر انداز ہوتی ہے اور ان کی ہدایت کا ذریعہ بنتی ہے، لیکن چونکہ انہوں نے ضد کا راستہ اپنا رکھا ہے، اس لئے ہم  
بھی ان کے دلوں میں قرآن اس طرح داخل کرتے ہیں کہ اُس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(۳۷) اُد پر عذاب کا جو ذکر آیا، اُس کو سن کر کافر لوگ مذاق اڑانے کے انداز میں یہ کہتے تھے کہ اگر ہم پر عذاب  
ہونا ہے تو ابھی جلدی ہو جائے۔ یہ آیات اُس کا جواب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فوراً کسی پر عذاب  
نازل نہیں کرتا، بلکہ اُس کے پاس ایسے رہنما بھیجتا ہے جو اُسے خبردار کریں، اور پھر اُسے مہلت دیتا ہے کہ وہ اگر  
حق کو قبول کرنا چاہے تو کر لے۔

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۖ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ۖ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ  
مَا كَانُوا يَسْعَوْنَ ۖ وَمَا أَهْلَكَنَا مِنْ قَرِيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ۖ ذِكْرًا يَشَافَعُ مَا مَعَ  
كُفَّارِلَيْسِينَ ۖ وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ۖ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَظِيلُونَ ۖ

بھلا بتاؤ اگر ہم کئی سال تک انہیں عیش کا سامان مہیا کرتے رہیں، ﴿۲۰۵﴾ پھر وہ (عذاب) ان کے اوپر آکھڑا ہو جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے ﴿۲۰۶﴾ تو عیش کا جو سامان ان کو دیا جاتا رہا وہ انہیں (عذاب کے وقت) کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ ﴿۲۰۷﴾ اور ہم نے کسی بستی کو اس کے بغیر ہلاک نہیں کیا کہ (پہلے) اُس کے لئے خبردار کرنے والے موجود تھے، ﴿۲۰۸﴾ تاکہ وہ نصیحت کریں، اور ہم ایسے تو نہیں ہیں کہ ظلم کریں۔ ﴿۲۰۹﴾ اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اُترے، ﴿۲۱۰﴾ نہ یہ قرآن اُن کے مطلب کا ہے، اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں، ﴿۲۱۱﴾

(۲۸) عذاب کے جلدی نہ آنے پر کافروں کا ایک استدلال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں بڑے عیش دے رکھے ہیں اگر ہم لوگ غلط راستے پر ہوتے تو یہ عیش ہمیں کیوں دیا جاتا؟ ان آیات میں جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہلت سنہلنے کے لئے دی ہوئی ہے، اگر کچھ لوگ سنہل گئے تو خیر، ورنہ جب مہلت ختم ہونے پر، مثلاً مرنے کے بعد عذاب آئے گا تو یہ عیش و عشرت جس کے مزے تم دنیا میں اُڑا رہے ہو، کچھ بھی کام نہیں آئے گا، بلکہ اُس وقت معلوم ہوگا کہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اُس کی ذرہ برابر کوئی وقعت نہیں ہے۔

(۳۹) یہاں سے چند اُن باتوں کی تردید کی جا رہی ہے جو کفار مکہ قرآن کریم کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ بنیادی طور پر اُن کے دعوے تھے، بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہن ہیں، اور بعض لوگ آپ کو شاعر کہہ کر قرآن کریم کو شاعری کی کتاب قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان دونوں باتوں کی تردید فرمائی ہے۔ ”کاہن“ اُن لوگوں کو کہا جاتا تھا جن کا دعویٰ یہ تھا کہ جنات اُن کے قبضے میں ہیں جو انہیں غیب کی خبریں لا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کاہنوں کی یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ جو جنات اُن کے پاس آتے ہیں، وہ دراصل شیاطین ہیں۔ اور قرآن کریم کے مضامین ایسے ہیں کہ شیاطین کو کبھی پسند نہیں آسکتے، اور نہ وہ ایسی نیکی کی باتیں کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔



إِنَّهُمْ عَنِ السَّبْعِ لَمَعَزُؤْلُونَ ﴿٣٣﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونُ مِنَ  
 الْمَعْدُومِينَ ﴿٣٤﴾ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٣٥﴾ وَاحْضَعْ جَنَاحَكَ لِمَنِ  
 اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٦﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِرَبِّي مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٣٧﴾  
 وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٣٨﴾ الَّذِي يَرِيكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٣٩﴾ وَتَقْلُبُكَ فِي  
 السُّجُودِ ﴿٤٠﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٤١﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَا تَتَكَلَّمُ الشَّيْطَانُ ﴿٤٢﴾

انہیں تو (وحی کے) سننے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ ﴿۲۱۲﴾ لہذا اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہ مانو،  
 کبھی تم بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤ جنہیں عذاب ہوگا۔ ﴿۲۱۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اپنے  
 قریب ترین خاندان کو خبردار کرو، ﴿۲۱۴﴾ اور جو مومن تمہارے پیچھے چلیں، اُن کے لئے انکساری  
 کے ساتھ اپنی شفقت کا بازو جھکا دو، ﴿۲۱۵﴾ اور اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ: ”جو کچھ تم  
 کر رہے ہو، اُس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“ ﴿۲۱۶﴾ اور اُس (اللہ) پر بھروسہ رکھو جو بڑا اقتدار والا،  
 بہت مہربان ہے، ﴿۲۱۷﴾ جو تمہیں اُس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم (عبادت کے لئے) کھڑے  
 ہوتے ہو، ﴿۲۱۸﴾ اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تمہاری آمد و رفت کو بھی دیکھتا ہے، ﴿۲۱۹﴾  
 یقین رکھو کہ وہی ہے جو ہر بات سننا ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۲۲۰﴾ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن  
 لوگوں پر اترتے ہیں؟ ﴿۲۲۱﴾

(۵۰) یہ وہ آیت ہے جس کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلی بار تبلیغ کا حکم ہوا، اور یہ ہدایت  
 دی گئی کہ تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی خاندان کے لوگوں سے فرمائیں، چنانچہ اسی آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ  
 نے اپنے خاندان کے قریبی لوگوں کو جمع کر کے اُن کو دین حق کی دعوت دی۔ اس میں یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ  
 اصلاح کا کام کرنے والے کو سب سے پہلے اپنے گھر اور اپنے خاندان سے شروع کرنا چاہئے۔

تَنْزِلَ عَلَى كُلِّ آفَاكٍ أَثِيمٍ ۖ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُرُهُمْ كَاذِبُونَ ۖ وَالشُّعْرَاءُ  
يُتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۖ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۖ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا  
يَفْعَلُونَ ۖ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا  
مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ۖ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۖ

۱۱  
ع ۱۵

وہ ہر ایسے شخص پر اترتے ہیں جو پرلے درجے کا جھوٹا گنہگار ہو، ﴿۲۲۲﴾ وہ سنی سنائی بات  
لاڈالتے ہیں، اور اُن میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ ﴿۲۲۳﴾ رہے شاعر لوگ، تو اُن کے  
پیچھے تو بے راہ لوگ چلتے ہیں ﴿۲۲۴﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے  
ہیں؟ ﴿۲۲۵﴾ اور یہ کہ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں، ﴿۲۲۶﴾ ہاں مگر وہ لوگ مستثنیٰ  
ہیں جو ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کئے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا، اور اپنے اوپر ظلم  
ہونے کے بعد اُس کا بدلہ لیا۔ اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ وہ کس انجام کی  
طرف پلٹ رہے ہیں۔ ﴿۲۲۷﴾

(۵۱) یعنی شیاطین کی باتوں پر بھروسہ کرنے والے کوئی نیک لوگ نہیں، گنہگار لوگ ہوتے ہیں، اور ان شیاطین کا  
یہ دعویٰ بھی بالکل لغو ہے کہ انہیں غیب کی خبریں معلوم ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کبھی فرشتوں کی کوئی بات اُن کے کانوں  
میں پڑ جاتی ہے تو وہ اُس میں بہت سے جھوٹ شامل کر کے اپنے معتقدین کو آکر بتا دیتے ہیں۔

(۵۲) یہ کفار کی دوسری بات کی تردید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ شاعر ہیں، اور قرآن کریم شاعری  
کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شاعری تو ایک تخیلاتی چیز ہے جس کا بسا اوقات حقیقت سے تعلق نہیں  
ہوتا، چنانچہ وہ اپنی خیالی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں، طرح طرح کے مبالغے کرتے ہیں، اور تشبیہات اور  
استعاروں میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ شاعری ہی کو اپنا اوڑھنا چھوٹا بنالیتے ہیں، اُن کو کوئی بھی  
اپنا دینی پیشوا نہیں بناتا، اور اگر کوئی اُن کو اپنا مقتدا بناتا بھی ہے تو وہ جو خود گمراہ ہو، اور حقیقت کے بجائے خیالی  
دُنیا میں رہنا چاہتا ہو۔

(۵۳) یعنی اپنی شیخی بگھارتے ہوئے ایسے دعوے کرتے ہیں جن کا اُن کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔  
 (۵۴) یہ استنشاذ کر فرما کر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اگر شاعری میں یہ خرابیاں نہ ہوں، اور ایمان اور عمل صالح کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی شاعری کرے، اور اپنے شاعرانہ تخیلات کو دین و مذہب کے خلاف استعمال نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ظلم کا بدلہ لینے کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ اُس زمانے میں شاعری پر وہ پیگنڈے کا سب سے مؤثر ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ کوئی شاعر کسی کے خلاف کوئی شاندار ہجو یہ قصیدہ کہہ دیتا تو وہ لوگوں کی زبانوں پر چڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ بعض بدنہاد کافروں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اس قسم کے اشعار کہہ کر مشہور کر دیئے تھے۔ بعض صحابہ مثلاً حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اُس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ قصیدے کہے، اور اُن میں کفار کے اعتراضات کا جواب دیا، بلکہ اُن کی اپنی حقیقت واضح فرمائی۔ اس آیت میں اُن حضرات کی شاعری کی تائید کی گئی ہے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۲۰۰۶ء کو دبی سے فرینکلرفٹ جاتے ہوئے جہاز میں سورۃ شعراء کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اور آیت نمبر ۱۶۰ کے حواشی سے لے کر آخر سورت تک کا سارا کام اسی سفر کے دوران جہاز ہی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی خالص رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

# سُورَةُ النِّسَاءِ

## تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت پچھلی سورت یعنی سورہ شعراء کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور کفر کے برے نتائج کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ، اور حضرت صالح علیہما السلام کے واقعات کی طرف مختصر اشارہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی قوموں نے اس بنا پر ان کی بات نہیں مانی کہ انہیں اپنی دولت اور اپنے سماجی رتبے پر گھمنڈ تھا۔ اسی طرح کفار مکہ بھی گھمنڈ میں مبتلا ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر رہے تھے۔ دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی دولت اور بے نظیر بادشاہت سے نوازا تھا، لیکن یہ دولت اور بادشاہت ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔ اسی طرح سبا کی ملکہ بلقیس بھی بہت دولت مند تھی، لیکن حق واضح ہونے کے بعد اس نے اس کو فوراً قبول کر لیا۔ اس سیاق میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور سبا کی ملکہ کا واقعہ اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اس کے بعد کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کو بڑے مؤثر انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت ہوتی ہے۔ نمل کے معنی عربی میں چیونٹی کے ہوتے ہیں، اور چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۸ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس سے گزرے تھے، اس لئے، اس کا نام سورہ نمل رکھا گیا ہے۔

﴿اٰیٰتِهَا ۹۳﴾ ۲۷ سُورَةُ النَّملِ مَكِّيَّةٌ ۲۸ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۷﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

طَسَّ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝ ۱ ۙ هُدًى وَبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ۲  
الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۝ ۳ اِنَّ  
الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زُیِّنَّا لَهُمْ اَعْمَالُهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ ۴ اُولٰٓئِكَ  
الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمْ الْاٰخَسَرُوْنَ ۝ ۵ وَاِنَّكَ لَتَكْفِی  
الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ ۝ ۶

الاعلانی

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ترانے آیتیں اور سات رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طس۔ یہ قرآن کی اور ایک ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت کھول دینے والی ہے، ﴿۱﴾ یہ اُن  
مؤمنوں کے لئے سراپا ہدایت اور خوشخبری بن کر آئی ہے ﴿۲﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا  
کرتے ہیں۔ اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ﴿۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر  
ایمان نہیں رکھتے، ہم نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظروں میں خوشنما بنا دیا ہے، اس لئے وہ بھٹکتے  
پھر رہے ہیں۔ ﴿۴﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے، اور وہی ہیں جو آخرت میں  
سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿۵﴾ اور (اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہیں یہ قرآن اُس  
(اللہ) کی طرف سے عطا کیا جا رہا ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔ ﴿۶﴾

(۱) یعنی اُن کی ضد کی وجہ سے اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے سارے برے  
اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں، اور ہدایت کی طرف نہیں آتے۔

اِذْ قَالَ مُوسٰى لِاٰهْلِهٖ اِنِّىۡ اَسْتُ نَارًا ۚ سَاتِيْكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اَتِيْكُمْ بِشِهَابٍ  
 قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّ جَاءَ هٰنُوْدٰى اَنْ بُرِكَ مِنْ فِى النَّارِ وَمَنْ  
 حَوْلَهَا ۚ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوسٰى اِنَّ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ  
 الْحَكِيْمُ ۝ وَاَتٰى عَصٰكَ ۚ فَلَمَّ اَرٰ اَهَا تَهْتَزُّ كَاْتِهَاجًا ۙ وَّلٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ  
 يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوسٰى لَا تَخَفْ ۚ اِنِّىۡ لَا يَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

اُس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ: ”مجھے ایک آگ نظر آئی ہے۔ میں ابھی تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں، یا پھر تمہارے پاس آگ کا کوئی شعلہ اٹھا کر لے آؤں گا، تاکہ تم آگ سے گرمی حاصل کر سکو۔“ ﴿۷﴾ چنانچہ جب وہ اُس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی کہ: ”برکت ہو اُن پر بھی جو اس آگ کے اندر ہیں، اور اُس پر بھی جو اس کے آس پاس ہے، اور پاک ہے اللہ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“ ﴿۸﴾ اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں، بڑے اقتدار والا، بڑی حکمت والا، ﴿۹﴾ اور ذرا اپنی لاشیٰ کو نیچے پھینکو۔“ پھر جب انہوں نے لاشیٰ کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے وہ کوئی سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ارشاد ہوا: ) ”موسیٰ! ڈرو نہیں، جن کو پیغمبر بنایا جاتا ہے، ان کو میرے حضور کوئی اندیشہ نہیں ہوتا، ﴿۱۰﴾

(۲) یہاں یہ واقعہ محض ایک اشارے کے طور پر آیا ہے، مفصل واقعہ اگلی سورت یعنی سورہ قصص میں آنے والا ہے۔

(۳) یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی، بلکہ ایک نور تھا، اور اُس میں فرشتے تھے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت کی دُعا دی گئی، اور اُس کے آس پاس موسیٰ علیہ السلام تھے، اُن کو بھی۔

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلْ حُسْبًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۱ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرِجْ بَيْضًا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۝۱۲ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۝۱۳ إِنَّهُمْ كَانُوا أَتَمًّا مَّا فُسِقِينَ ۝۱۴ فَلَمَّا جَاءَهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝۱۵ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُلُوًّا ۝۱۶ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝۱۷

۱۱۳  
۱۲  
۱۱

إلا یہ کہ کسی نے کوئی زیادتی کی ہو۔ پھر وہ برائی کے بعد اُسے بدل کر اچھے کام کر لے، تو میں بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔ ﴿۱۱﴾ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو، تو وہ کسی بیماری کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا۔ یہ دونوں باتیں اُن نشانوں میں سے ہیں جو فرعون اور اُس کی قوم کی طرف (تمہارے ذریعے) بھیجی جا رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔“ ﴿۱۲﴾ پھر ہوا یہ کہ جب اُن کے پاس ہماری نشانیاں اس طرح پہنچیں کہ وہ آنکھیں کھولنے والی تھیں، تو انہوں نے کہا کہ: ”یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔“ ﴿۱۳﴾ اور اگرچہ اُن کے دلوں کو ان (کی سچائی) کا یقین ہو چکا تھا، مگر انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے اُن کا انکار کیا۔ اب دیکھ لو کہ ان فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۱۴﴾

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور پیغمبروں کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، البتہ کسی سے کوئی قصور ہو گیا ہو، تو اُسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس پر ناراض نہ ہوں، لیکن جب ایسا کوئی شخص توبہ اور استغفار کے بعد اپنے حالات کی اصلاح کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرما دیتے ہیں۔

(۵) ان نشانوں کا بیان سورۃ اعراف (۷: ۱۳۰ تا ۱۳۳) میں گزر چکا ہے۔

(۶) اس انجام کا مفصل ذکر سورۃ یونس (۱۰: ۹۲ تا ۹۷) اور سورۃ شعراء (۲۶: ۶۰ تا ۶۶) میں گزر چکا ہے۔



وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۵ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنَطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝۱۶ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝۱۷

اور ہم نے داود اور سلیمان کو علم عطا کیا۔ اور انہوں نے کہا: ”تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔“ ﴿۱۵﴾ اور سلیمان کو داود کی وراثت ملی، (۷) اور انہوں نے کہا: ”اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے، اور ہمیں ہر (ضرورت کی) چیز عطا کی گئی ہے۔ یقیناً یہ (اللہ تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے۔“ ﴿۱۶﴾ اور سلیمان کے لئے اُن کے سارے لشکر جمع کر دیئے گئے تھے جو جنات، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل تھے، چنانچہ انہیں قابو میں رکھا جاتا تھا۔ ﴿۱۷﴾

(۷) یاد رہے کہ ایک صحیح حدیث کے مطابق انبیاء علیہم السلام کا ترکہ اُن کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا اس لئے یہاں وراثت ملنے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت اور سلطنت میں وہ اپنے والد حضرت داود علیہ السلام کے جانشین ہوئے۔ (۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولیاں سکھا دی تھیں جس کی وجہ سے اُن کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بلکہ آگے چونی کا جو واقعہ آ رہا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کی بولی بھی سکھائی گئی تھی۔ بعض معاصرین نے نہ جانے اس بات کو تسلیم کرنے میں کیا دشواری محسوس کی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ان آیتوں میں دُور اُزکار تا ویلات کا دروازہ کھول دیا ہے، حالانکہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جانوروں کی ایک بولی ہوتی ہے۔ ہم چاہیں اُسے نہ سمجھیں، لیکن جس پروردگار نے انہیں پیدا کیا ہے، اور بولنے پر قدرت عطا فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ وہ اُن کی بولی کو بھی جانتا اور سمجھتا ہے۔ لہذا اگر وہ یہ بولی اپنے کسی پیغمبر کو سکھا دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۹) یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطنت عطا فرمائی تھی، وہ صرف

حَتَّىٰ إِذَا آتَوَا عَلَىٰ وَادِ النَّبْلِ ۖ قَالَتْ نَسْلَةٌ يَأَيُّهَا النَّبْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنُكُمْ ۚ  
لَا يَحِطْ بِكُمْ سُلَيْمٌ وَجُنُودُهُ ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ (۱۸) فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَ  
قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَن أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَن  
أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝ (۱۹) وَتَفَقَّدَ  
الطَّيْرُ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۚ (۲۰) لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا  
شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَنِ مُّبِينٍ ۝ (۲۱)

یہاں تک کہ ایک دن جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: ”چیونٹیا! اپنے  
اپنے گھروں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُن کا لشکر تمہیں پس ڈالے، اور انہیں پتہ بھی  
نہ چلے۔“ ﴿۱۸﴾ اُس کی بات پر سلیمان مسکرا کر ہنسے، اور کہنے لگے: ”میرے پروردگار! مجھے اس  
بات کا پابند بنادیتجئے کہ میں اُن نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا  
فرمائی ہیں، اور وہ نیک عمل کروں جو آپ کو پسند ہو، اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں  
شامل فرمالیجئے۔“ ﴿۱۹﴾ اور انہوں نے (ایک مرتبہ) پرندوں کی حاضری لی تو کہا: ”کیا بات ہے،  
مجھے ہد نظر نہیں آ رہا، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟“ ﴿۲۰﴾ میں اُسے سخت سزاؤں کا، یا اُسے ذبح  
کر ڈالوں گا، الا یہ کہ وہ میرے سامنے کوئی واضح وجہ پیش کرے۔“ ﴿۲۱﴾

انسانوں پر ہی نہیں، بلکہ جنات اور پرندوں پر بھی تھی، چنانچہ جب اُن کا لشکر چلتا تھا تو اُس میں جنات، انسان  
اور پرندے سب شامل ہوتے تھے، اور اس طرح لشکر کے افراد اتنے زیادہ ہو جاتے تھے کہ انہیں قابو میں رکھنے کا  
خاص اہتمام کرنا پڑتا تھا، لیکن نظم و ضبط پھر بھی قائم رہتا تھا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطُ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بَنِيَّ يَقِينٌ ﴿۲۲﴾  
 إِنِّي وَجَدْتُ أُمْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾  
 وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّيْءِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ  
 أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۲۴﴾ أَلَا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي  
 يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۲۵﴾ اللَّهُ لَا  
 إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۲۶﴾

سجود

پھر ہد ہد نے زیادہ دیر نہیں لگائی، اور (آکر) کہا کہ: ”میں نے ایسی معلومات حاصل کی ہیں جن کا آپ کو علم نہیں ہے، اور میں ملکِ سبأ سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔“ ﴿۲۲﴾ میں نے وہاں ایک عورت کو پایا جو ان لوگوں پر بادشاہت کر رہی ہے، اور اُس کو ہر طرح کا ساز و سامان دیا گیا ہے، اور اُس کا ایک شاندار تخت بھی ہے۔ ﴿۲۳﴾ میں نے اُس عورت اور اُس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کے آگے سجدے کرتے ہیں، اور شیطان نے اُن کو یہ بھاد دیا ہے کہ اُن کے اعمال بہت اچھے ہیں، چنانچہ اُس نے اُنہیں صحیح راستے سے روک رکھا ہے اور اس طرح وہ ہدایت سے اتنے دُور ہیں ﴿۲۴﴾ کہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکال لاتا ہے، اور تم جو کچھ چھپاؤ، اور جو کچھ ظاہر کرو، سب کو جانتا ہے۔ ﴿۲۵﴾ اللہ تو وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، (اور) جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔“ ﴿۲۶﴾ (\*)

(۱۰) سبأ ایک قوم کا نام تھا جو یمن کے ایک علاقے میں آباد تھی، اُسی قوم کے نام پر اُس علاقے کو بھی سبأ کہا جاتا تھا۔ اُس وقت یہاں ایک ملکہ حکمرانی کر رہی تھی جس کا نام تاریخی روایتوں میں ”بلقیس“ بیان کیا گیا ہے۔ (\*) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾ اذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا فَأَلْقُوهُ  
إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ الْإِنِّي أُلْقِيَ إِلَيْكَ  
كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾ أَلَا تَعْلَمُونَ  
عَلَىٰ وَاتُّونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ  
قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾ قَالُوا نَحْنُ أَوْلُو الْقُوَّةِ وَأَوْلُوا أَبَاسٍ شِدِيدٍ ﴿٣٣﴾  
الْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٤﴾

سلیمان نے کہا: ”ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے، یا جھوٹ بولنے والوں میں تم بھی شامل ہو گئے ہو۔ ﴿۲۷﴾“ میرا یہ خط لے کر جاؤ، اور اُن کے پاس ڈال دینا، پھر الگ ہٹ جانا، اور دیکھنا کہ وہ جواب میں کیا کرتے ہیں۔“ ﴿۲۸﴾ (چنانچہ ہد ہد نے ایسا ہی کیا اور) ملکہ نے (اپنے درباریوں سے) کہا: ”قوم کے سردارو! میرے سامنے ایک باوقار خط ڈالا گیا ہے، ﴿۲۹﴾ وہ سلیمان کی طرف سے آیا ہے، اور وہ اللہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے جو رحمن و رحیم ہے، ﴿۳۰﴾ (اُس میں لکھا ہے) کہ: ”میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، اور میرے پاس تابع دار بن کر چلے آؤ۔“ ﴿۳۱﴾ ملکہ نے کہا: ”قوم کے سردارو! جو مسئلہ میرے سامنے آیا ہے، اُس میں مجھے فیصلہ کن مشورہ دو۔ میں کسی مسئلے کا حتمی فیصلہ اُس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔“ ﴿۳۲﴾ انہوں نے کہا: ”ہم طاقت ور اور ڈٹ کر لڑنے والے لوگ ہیں، آگے معاملہ آپ کے سپرد ہے، اب آپ دیکھ لیں کہ کیا حکم دیتی ہیں۔“ ﴿۳۳﴾

(۱۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یمن کا یہ علاقہ بھی اصل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت تھا، لیکن کسی وقت اس عورت نے خفیہ طور پر یہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی، جس کی خبر آ کر ہد ہد نے دی۔ اسی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مختصر مگر نہایت بلیغ خط میں کوئی تفصیلی بات کرنے کے بجائے بلقیس اور اُس کی قوم کو سرکشی سے باز رہنے اور تابع دار بننے کا حکم دیا۔

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْرَافَ أَهْلِهَا آذِلَّةً ۖ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۳۴﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظَرْ أَوْ يَمَسُّهُمُ الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُكْيَيْنُ قَالَ أَتَيْدُونَنِي بِمَالٍ نَمَّا أَتَيْنَ اللَّهُ خَيْرَ مِمَّا أَتَيْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿۳۶﴾ إِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا آذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ الْأَيْكُمُ يَا تَبِيئِي بَعْرُ شَهَائِقِبَلٍ أَنْ يَأْتِيَنِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾

ملکہ بولی: ”حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اُسے خراب کر ڈالتے ہیں، اور اُس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں، اور یہی کچھ یہ لوگ بھی کریں گے۔“ ﴿۳۴﴾ اور میں ان کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ اپنی کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں؟“ ﴿۳۵﴾ چنانچہ جب اپنی سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: ”کیا تم مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے، وہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے، البتہ تم ہی لوگ اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔“ ﴿۳۶﴾ اُن کے پاس واپس جاؤ، کیونکہ اب ہم اُن کے پاس ایسے لشکر لے کر پہنچیں گے جن کے مقابلے کی اُن میں تاب نہیں ہوگی، اور اُنہیں وہاں سے اس طرح نکالیں گے کہ وہ ذلیل ہوں گے، اور ماتحت بن کر رہیں گے۔“ ﴿۳۷﴾ سلیمان نے کہا: ”اے اہل دربار! تم میں سے کون ہے جو اُس عورت کا تخت ان کے تابع دار بن کر آنے سے پہلے ہی میرے پاس لے آئے؟“ ﴿۳۸﴾

(۱۲) حضرت سلیمان علیہ السلام دراصل یہ چاہتے تھے کہ جب ملکہ آئے تو اُس کے سامنے اُن کا یہ معجزہ ظاہر ہو کہ اتنا بھاری تخت ملکہ کے آنے سے پہلے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا، اور اس طرح اُن کی طاقت کا بھی مظاہرہ ہو۔

قَالَ عَفَرَيْتُ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٍّ أَمِينٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي ۚ لِيَبْلُوَنِي ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رََبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿۴۰﴾

ایک قوی ہیکل جن نے کہا: ”آپ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ ہوں گے کہ میں اُس سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا، اور یقین رکھئے کہ میں اس کام کی پوری طاقت رکھتا ہوں، (اور) امانت دار بھی ہوں۔“ ﴿۳۹﴾ جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ بول اٹھا: ”میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔“ چنانچہ جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: ”یہ میرے پروردگار کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟ اور جو کوئی شکر کرتا ہے، تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے، اور اگر کوئی ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے نیاز ہے، کریم ہے۔“ ﴿۴۰﴾

(۱۳) یہ کوئی جن تھا جس نے یہ پیشکش کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار ختم کرنے سے پہلے ہی وہ تخت اٹھالائے گا۔ اور یہ اطمینان دلایا کہ نہ صرف یہ کہ اُس میں اتنی طاقت ہے، بلکہ وہ امانت دار بھی ہے، اس لئے اُس تخت میں جو سونا چاندی یا ہیرے جواہرات لگے ہوں گے، اُن میں کوئی خرد برد نہیں کرے گا۔ (۱۴) قرآن کریم نے اس شخص کا تعین نہیں فرمایا، صرف اتنا کہا ہے کہ اس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ بظاہر اس کتاب سے مراد تورات ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا تھے، اور ان کو اسم اعظم کا علم حاصل تھا جس کی بنا پر انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی برکت سے پلک جھپکنے کی دیر میں تخت وہاں لے آئیں گے۔ دوسری طرف امام رازی وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، کیونکہ کتاب کا جتنا علم اُن کو حاصل تھا، اتنا کسی اور کو نہیں تھا، اور شروع میں تو آپ

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَ تَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾  
فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكَ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۖ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا  
وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٣٢﴾

سلیمان نے (اپنے خدام سے) کہا کہ: ”اس ملکہ کے تخت کو اس کے لئے اجنبی بنا دو، دیکھیں (۱۵) وہ اُسے پہچانتی ہے، یا وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو حقیقت تک نہیں پہنچتے؟“ ﴿۳۱﴾ غرض جب وہ آئی تو اُس سے پوچھا گیا: ”کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟“ کہنے لگی: ”ایسا لگتا ہے کہ یہ تو بالکل وہی ہے۔“ ہمیں تو اس سے پہلے ہی (آپ کی سچائی کا) علم عطا ہو گیا تھا، اور ہم سر جھکا چکے تھے۔“ ﴿۳۲﴾ (۱۶)

نے اہل دربار اور خاص طور پر جنات کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ کون ہے جو اس ملکہ کا تخت اُس کے آنے سے پہلے ہی یہاں لے آئے، لیکن اس سے اُن کا مقصد جنات کا غرور توڑنا تھا۔ چنانچہ جب ایک جن نے بڑے فخریہ انداز میں یہ کہا کہ میں دربار ختم ہونے سے پہلے ہی تخت لے آؤں گا تو اُس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود یہ فرمایا کہ تم تو دربار ختم ہونے کی بات کر رہے ہو، میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزے کے طور پر اُسے تمہاری پلک جھپکنے سے پہلے ہی یہاں لے آؤں گا۔ چنانچہ پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت وہ تخت وہاں حاضر کر دیا۔

(۱۵) یعنی اس کی شکل میں کوئی ایسی تبدیلی کر دو جس کی وجہ سے اُسے پہچاننے میں کچھ دقت ہو، اور اُس کی سمجھ کو آزمایا جاسکے۔

(۱۶) بلقیس سمجھ گئی کہ اس تخت کی شکل میں کچھ ردّ و بدل کیا گیا ہے، اس لئے اُس نے ایک طرف تو یقین ظاہر کرنے کے بجائے یہ کہا کہ: ”ایسا لگتا ہے“ لیکن دوسری طرف یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ اپنے تخت کو پہچان گئی ہے۔ (۱۷) یعنی مجھے آپ کی سچائی کا یقین کرنے کے لئے یہ معجزہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ آپ کے ایلیچوں کے ذریعے آپ کے جو حالات مجھے معلوم ہوئے تھے، اُن کی وجہ سے مجھے پہلے ہی آپ کی سچائی کا علم حاصل ہو گیا تھا، اور ہم نے آپ کی تابع داری میں سر جھکانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ ۖ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

۱۸

اور (اب تک) اُس کو (ایمان لانے سے) اس بات نے روک رکھا تھا کہ وہ اللہ کے بجائے دوسروں کی عبادت کرتی تھی، اور ایک کافر قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ ﴿۴۳﴾ اُس سے کہا گیا کہ: ”اس محل میں داخل ہو جاؤ“ اُس نے جو دیکھا تو یہ سمجھی کہ یہ پانی ہے، اس لئے اُس نے (پاسینچے چڑھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمان نے کہا کہ: ”یہ تو محل ہے جوشیشوں کی وجہ سے شفاف نظر آ رہا ہے۔“ ملکہ بول اُٹھی: ”میرے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ میں نے (اب تک) اپنی جان پر ظلم کیا ہے، اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں برداری قبول کر لی ہے۔“ ﴿۴۴﴾

(۱۸) بلقیس نے چونکہ سمجھ کی بات کی تھی کہ ہمیں پہلے ہی آپ کی سچائی کا علم ہو چکا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اُس کی تعریف فرمائی کہ وہ ایک سمجھ دار عورت تھی، اور اب تک وہ جو ایمان نہیں لائی تھی، اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی ساری قوم کافر تھی، اور انسان جب ایسے ماحول میں ہو تو بے سوچے سمجھے ماحول کے مطابق کام کرتا رہتا ہے، لیکن جب اُسے توجہ دلائی گئی تو اُس نے حق بات کے ماننے میں دیر نہیں لگائی۔

(۱۹) حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُنیا پرستوں پر رُعب ڈالنے کے لئے ایک ایسا شیش محل بنوایا تھا جس کے صحن میں ایک پانی کا حوض تھا، اور اُس پر بھی مہین اور شفاف شیشے کی چھت اس طرح ڈال دی تھی کہ غور سے دیکھے بغیر شیشہ نظر نہیں آتا تھا، اور سرسری نظر سے دیکھیں تو وہ کھلا ہوا حوض معلوم ہوتا تھا۔ محل میں داخل ہونے کے لئے اُسی حوض کے اوپر سے گذرنا پڑتا تھا، چنانچہ جب بلقیس محل میں داخل ہونے کے لئے چلی تو سامنے وہ حوض نظر آیا جس کا پانی گہرا نہیں تھا، اس لئے اُس نے حوض سے گذرنے کے لئے اپنے پاسینچے چڑھائے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُسے بتایا کہ پاسینچے چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس حوض کے اوپر شیشہ چڑھا ہوا ہے، اور اس پر سے گذرتے ہوئے پانی میں بھیکنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

(۲۰) ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی سچائی کی تو پہلے ہی قائل ہو چکی تھی، محل کی یہ شان و شوکت دیکھ کر



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ شِمُودَ أَخَاهُمْ صَاحِبًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُم فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ يَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٦﴾ قَالُوا أَطِيعُوا نَازِلَكُمْ وَيَسْمَعُ مَعَكُمْ ط قَالَ طَئِرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٢٧﴾

اور ہم نے قوم شمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو، تو اچانک وہ دودگر وہ بن گئے جو آپس میں جھگڑنے لگے۔ ﴿۲۵﴾ صالح نے کہا: ”میری قوم کے لوگو! اچھائی سے پہلے برائی کو کیوں جلدی مانگتے ہو۔ تم اللہ سے معافی کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے؟“ ﴿۲۶﴾ انہوں نے کہا: ”ہم نے تو تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے برا شکون لیا ہے۔“ صالح نے کہا: ”تمہارا شکون تو اللہ کے قبضے میں ہے، البتہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔“ ﴿۲۷﴾

اُس کے دل میں آپ کی مزید عظمت پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کے لحاظ سے بھی ایسی شان و شوکت سے نوازا ہے۔ اس لئے وہ بالکل فرماں بردار ہو کر رہی۔ اس واقعے کو ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دنیا کے مال و دولت اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد ناشکری کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اور زیادہ اطاعت اختیار کرتے ہیں، اور دنیا کی رنگینیاں اُن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نہیں روکتیں۔ (۲۱) قوم شمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا تعارف پیچھے سورہ اعراف (۷: ۷۲) اور سورہ ہود (۱۱: ۶۱ تا ۶۸) میں گذر چکا ہے۔

(۲۲) اچھائی سے مراد ایمان ہے، اور برائی سے مراد عذاب۔ مطلب یہ ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ تم ایمان لا کر اچھائی حاصل کرتے، لیکن ایمان لانے کے بجائے تم نے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ (۲۳) یعنی آپ کے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد ہماری قوم دو حصوں میں بٹ گئی ہے، اور ہم اسے آپ کی نحوست سمجھتے ہیں۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ ان پر قحط بھی آپڑا تھا، اس کو بھی انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نحوست قرار دیا۔

(۲۴) یعنی نحوست تو تمہارے اعمال کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، اور اس لئے آئی ہے کہ تمہیں آزمایا جائے کہ ان مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے ہو یا اپنی بد اعمالیوں پر قائم رہتے ہو۔

وَكَانَ فِي السِّدِّ تِسْعَةٌ رَهْطٌ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٣٨﴾ قَالُوا  
تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا  
لَصَادِقُونَ ﴿٣٩﴾ وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا أَوْ مَكْرًا مَّكْرًا أَوْ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٠﴾ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ  
عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ أَصْحَابُ عَذَابٍ مُّحْتَضٍ ﴿٤١﴾

اور شہر میں نو آدمی ایسے تھے جو زمین میں فساد مچاتے تھے، اور اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔ ﴿۳۸﴾ انہوں نے (آپس میں ایک دوسرے سے) کہا: ”سب مل کر اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم صالح اور اُس کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے، پھر اُس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے، اور یقین جانو ہم بالکل سچے ہیں۔“ ﴿۳۹﴾ انہوں نے یہ چال چلی، اور ہم نے بھی ایک چال اس طرح چلی کہ اُن کو پتہ بھی نہ لگ سکا۔ ﴿۵۰﴾ اب دیکھو کہ اُن کی چال بازی کا انجام کیسا ہوا کہ ہم نے انہیں اور اُن کی ساری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ ﴿۵۱﴾

(۲۵) یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے نو سردار تھے، جن میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک جتھہ تھا۔ اور بالآخر یہی لوگ تھے جنہوں نے اُس اونٹنی کو ہلاک کیا جو معجزے کے طور پر پیدا ہوئی تھی۔ جب حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ وہ رات کے وقت اُن پر خفیہ طور پر حملہ کریں گے، اور اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو ہلاک کر دیں گے۔

(۲۶) قرآن کریم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ اُن لوگوں کی سازش کس طرح ناکام ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب یہ لوگ برا ارادہ لے کر چلے تو ایک چٹان ان پر آگری، اور یہ سب ہلاک ہو گئے، اور بعد میں پوری قوم پر عذاب آگیا۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ مسلح ہو کر حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو فرشتوں نے اُن کا محاصرہ کر لیا، اور انہی کے ہاتھوں وہ مارے گئے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ابھی

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوا ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَنْجَيْنَا  
الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَ  
أَنْتُمْ تَبْصُرُونَ ﴿۵۴﴾ أَيْنَكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۖ بَلْ  
أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ  
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أَنْأَسُ يَتَطَهَّرُونَ ﴿۵۶﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ  
قَدَّرْنَا لَهَا مِمَّنَّ الْعَذَابِ ۖ إِنَّ

چنانچہ وہ رہے اُن کے گھر جو اُن کے ظلم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں! یقیناً اس واقعے میں اُن لوگوں  
کے لئے عبرت کا سامان ہے جو علم سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۵۲﴾ اور جو لوگ ایمان لائے تھے، اور  
تقویٰ اختیار کئے ہوئے تھے، اُن سب کو ہم نے بچالیا۔ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”کیا تم کھلی آنکھوں دیکھتے  
ہوئے بھی بے حیائی کا یہ کام کرتے ہو؟“ ﴿۵۴﴾ کیا یہ کوئی یقین کرنے کی بات ہے کہ تم اپنی جنسی  
خواہش کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم بڑی جہالت کے  
کام کرنے والے لوگ ہو۔“ ﴿۵۵﴾ اس پر یہ کہنے کے سوا اُن کی قوم کا کوئی جواب نہیں تھا کہ: ”لوط  
کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔“ ﴿۵۶﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے  
لوط اور اس کے گھر والوں کو بچالیا، سوائے اُن کی بیوی کے جس کے بارے میں ہم نے یہ طے کر دیا  
تھا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔ ﴿۵۷﴾

وہ اپنی سازش پر عمل نہیں کر پائے تھے کہ پوری قوم پر عذاب آگیا، اور اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کے ساتھ  
وہ بھی ہلاک ہو گئے۔

(۲۷) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی بستیاں عرب ہی کے علاقے میں تھیں، اور مدینہ منورہ سے کچھ ہی فاصلے پر

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۖ اللَّهُ خَيْرُ مَآيَشِرُكُمْ ﴿۵۹﴾

اور ہم نے اُن پر ایک زبردست بارش برسائی، چنانچہ بہت بری بارش تھی جو اُن لوگوں پر برسی جنہیں پہلے سے خبردار کر دیا گیا تھا۔ ﴿۵۸﴾ (اے پیغمبر!) کہو: ”تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اور سلام ہو اُس کے اُن بندوں پر جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے! بتاؤ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو اُن لوگوں نے اللہ کی خدائی میں شریک بنا رکھا ہے؟“ ﴿۵۹﴾

واقعہ تھیں، اور اہل عرب جب شام کا سفر کرتے تو اُن کے پاس سے گذر کرتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے اُن کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے جیسے وہ نظر آرہے ہوں۔ آج بھی یہ ویران بستیاں اور اُن کے کھنڈر ”مدائن صالح“ کے نام سے مشہور ہیں، اور سامانِ عبرت بنی ہوئی ہیں۔

(۲۸) حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۱۱: ۷۷ تا ۸۳) اور سورہ حجر (۱۵: ۵۸ تا ۷۶) میں گذر چکا ہے، نیز پچھلی سورت سورہ شعراء میں (۲۶: ۱۶۰ تا ۱۷۵) بھی گذرا ہے اور ہم نے ان کا مختصر تعارف سورہ اعراف (۷: ۸۰) میں کر لیا ہے۔

(۲۹) مختلف پیغمبروں کے واقعات بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ عقیدہ توحید کے دلائل بیان فرما رہے ہیں جو تمام پیغمبروں کا مشترک اور متفقہ عقیدہ تھا۔ کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کی طرف توجہ دلا کر فرمایا جا رہا ہے کہ جو ذات اس کائنات کی تخلیق کر کے اُس کا محیر العقول انتظام کر رہی ہے، کیا اُسے اپنی خدائی کا نظام چلانے میں کسی اور کی مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ یہ توحید کے بارے میں ایک انتہائی بلیغ خطبہ ہے جس کے زورِ بیان کو کسی ترجمے میں منتقل کرنا ممکن نہیں، تاہم مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ یہ خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی لوگوں تک پہنچا تھا، اس لئے اُس کے شروع میں آپ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اُس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیج کر کیا جائے، اور اس طرح یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ جب کوئی تقریر کرنی ہو تو اُسے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کے پیغمبروں پر دُرود و سلام بھیج کر کیا جائے۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّيَّوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَاقًا  
ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنبِتُوا شَجَرَهَا ۚ ءَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ  
يَعْدِلُونَ ۝۶۰ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خَلْقَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ  
وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۚ ءَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۶۱  
أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۚ

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اُتارا؟ —  
پھر ہم نے اُس پانی سے بارونق باغ اُگائے، تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم اُن کے درختوں کو  
اُگا سکتے۔ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ ان لوگوں نے  
راستے سے منہ موڑ رکھا ہے۔ ﴿۶۰﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار کی جگہ بنایا، اور اُس کے  
بیچ بیچ میں دریا پیدا کئے، اور اُس (کو ٹھہرانے) کے لئے (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں، اور دو  
سمندروں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟  
نہیں! بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ﴿۶۱﴾ بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی  
بے قرار اُسے پکارتا ہے تو وہ اُس کی دُعا قبول کرتا ہے، اور تکلیف دُور کر دیتا ہے، اور جو تمہیں زمین کا  
خلیفہ بناتا ہے؟

(۳۰) واضح رہے کہ کفار مکہ یہ بات مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، مگر ساتھ ہی وہ کہتے تھے  
کہ اُس نے کائنات کے انتظام کے بہت سے شعبے دوسرے خداؤں کو سونپ دیئے ہیں، اس لئے اُن کی عبادت  
کرنی چاہئے۔

(۳۱) جہاں دو دریا یا دو سمندر ملتے ہیں، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا ہے کہ دونوں کے پانی  
آپس میں ملتے نہیں ہیں، بلکہ دُور تک دونوں دریا ساتھ ساتھ بہنے کے باوجود الگ الگ نظر آتے ہیں، گویا اُن  
کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دی گئی ہے۔

عَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦١﴾ أَمْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّيْلٍ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّيحَ بِشْرًا ابْدِئْ يَدَايَ رَاحَتِهِ ۖ عَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ تَعْلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٢﴾ أَمْ يَنْبُدُّوْا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ ۖ عَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٣﴾ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٤﴾ بَلِ ادْرَاكُ عِلْمِهِمْ فِي الْآخِرَةِ ۖ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا ۖ بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ﴿٦٥﴾

کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ ﴿۶۲﴾ بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں تمہیں راستہ دکھاتا ہے، اور جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں (بارش کی) خوشخبری دیتی ہیں؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ (نہیں! بلکہ) اللہ اُس شرک سے بہت بالا و برتر ہے جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ﴿۶۳﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے ساری مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق فراہم کرتا ہے؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ کہو: ”لاؤ اپنی کوئی دلیل، اگر تم سچے ہو۔“ ﴿۶۴﴾ کہہ دو کہ: ”اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کسی کو بھی غیب کا علم نہیں ہے، اور لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔“ ﴿۶۵﴾ بلکہ آخرت کے بارے میں ان (کافروں) کا علم بے بس ہو کر رہ گیا ہے، بلکہ وہ اُس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، بلکہ اُس سے اندھے ہو چکے ہیں۔ ﴿۶۶﴾

(۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو غیب کی بہت سی باتیں وحی کے ذریعے بتا دیتے ہیں، اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ غیب کی خبریں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھیں، لیکن مکمل علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اُس کے سوا کسی کو ”عالم الغیب“ نہیں کہا جاسکتا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاءُ نَا أَبْنَاءُ خَرَجُونَ ﴿۲۷﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا  
 هَٰذَا خُنُوعًا وَابْتِغَاءَ مَقْصُودٍ ﴿۲۸﴾ إِنَّ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۹﴾ قُلْ سِيرُوا فِي  
 الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۳۰﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي  
 ضَلٰلٍ مِّمَّا يَكْفُرُونَ ﴿۳۱﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۲﴾ قُلْ  
 عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدِفٌ لَّكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۳۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو  
 فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۴﴾

جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادے مٹی ہو چکے ہوں گے تو کیا اُس وقت واقعی ہمیں (قبروں سے) نکالا جائے گا؟“ ﴿۶۷﴾ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے اس قسم کے وعدے پہلے بھی کئے گئے تھے، (لیکن) ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ قصہ کہانیاں ہیں جو پرانے زمانے کے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔“ ﴿۶۸﴾ کہو کہ: ”ذرا زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا ہے۔“ ﴿۶۹﴾ اور (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں پر غم نہ کرو، اور یہ جس مکاری کا مظاہرہ کر رہے ہیں، ان کی وجہ سے گھٹن محسوس نہ کرو۔ ﴿۷۰﴾ یہ (تم سے) یوں کہتے ہیں کہ: ”یہ وعدہ کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو؟“ ﴿۷۱﴾ کہہ دو کہ: ”کچھ بعید نہیں ہے کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو، اُس کا کچھ حصہ تمہارے بالکل پاس آگاہ ہو۔“ ﴿۷۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ ﴿۷۳﴾

(۳۳) یعنی کفر کا اصل عذاب تو آخرت ہی میں ہوگا، لیکن اُس کا کچھ حصہ دُنیا میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے، چنانچہ قریش کے بڑے بڑے سردار جنگ بدر میں مارے گئے، اور باقی لوگوں کو بری طرح شکست ہوئی۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۴۴﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ  
وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۴۵﴾ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ  
أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَاحَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ إِنَّ  
رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿۴۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ  
عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿۴۹﴾ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْبُوتَى وَلَا تُسْمِعُ الصَّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا  
مُدْبِرِينَ ﴿۵۰﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُيَّى عَنْ صَلَاتِهِمْ ۖ إِنَّ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ  
بِالْإِتِّفَاقِ هُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۵۱﴾

اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار وہ ساری باتیں بھی جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں، اور  
وہ باتیں بھی جو وہ علانیہ کرتے ہیں۔ ﴿۴۴﴾ اور آسمان اور زمین کی کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو  
ایک واضح کتاب میں درج نہ ہو۔ ﴿۴۵﴾ واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن بنو اسرائیل کے سامنے اکثر ان  
باتوں کی حقیقت واضح کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ اور یقیناً یہ ایمان لانے  
والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ ﴿۴۷﴾ اور تمہارا پروردگار یقیناً ان کے درمیان اپنے حکم  
سے فیصلہ کرے گا، اور وہ بڑا اقتدار والا، بڑا علم والا ہے۔ ﴿۴۸﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم اللہ پر  
بھروسہ رکھو۔ یقیناً تم کھلے کھلے حق پر ہو۔ ﴿۴۹﴾ یاد رکھو کہ تم مُردوں کو اپنی بات نہیں سناسکتے، اور نہ  
تم بہروں کو اپنی پکار سناسکتے ہو، جب وہ پیٹھ پھیر کر چل کھڑے ہوں۔ ﴿۵۰﴾ اور نہ تم اندھوں کو ان  
کی گمراہی سے بچا کر راستے پر لاسکتے ہو۔ تم تو انہی لوگوں کو اپنی بات سناسکتے ہو جو ہماری آیتوں پر  
ایمان لائیں، پھر وہی لوگ فرماں بردار ہوں گے۔ ﴿۵۱﴾

(۳۴) اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔

(۳۵) یہ بھی قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل ہے کہ جن معاملات میں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے علماء میں بھی  
اختلاف رہا، قرآن کریم نے ان کی حقیقت واضح فرمادی۔



وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ  
 بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّنْهُمْ يُكَذِّبُ  
 بِالْآيَاتِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَقْتُكَ قَالَ أَكُذِّبْتُمْ بِمَا لَيْتِي وَلَمْ تَحِيطُوا بِهَا  
 عِلْمًا أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا  
 يَنْطِقُونَ ﴿٨٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنَّ فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصَرًا ۚ إِنَّ فِي  
 ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾

اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں پر آپنچے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے  
 ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے  
 تھے۔ ﴿۸۲﴾ اور اُس دن کو نہ بھولو جب ہم ہر اُمت میں سے اُن لوگوں کی پوری فوج کو گھیر  
 لائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے، پھر اُن کی جماعت بندی کی جائے گی۔ ﴿۸۳﴾  
 یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو اللہ کہے گا کہ: ”کیا تم نے میری آیتوں کو پوری طرح  
 سمجھے بغیر ہی جھٹلادیا تھا، یا کیا کرتے رہے تھے؟“ ﴿۸۴﴾ اور اُنہوں نے جو ظلم کیا تھا، اُس کی  
 وجہ سے اُن پر عذاب کی بات پوری ہو جائے گی، چنانچہ وہ کچھ بول نہیں سکیں گے۔ ﴿۸۵﴾ کیا  
 اُنہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے رات اس لئے بنائی ہے کہ وہ اُس میں سکون حاصل کریں، اور  
 دن اس طرح بنایا ہے کہ اُس میں چیزیں دکھائی دیں؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی  
 نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۸۶﴾

(۳۶) قیامت کی آخری علامتوں میں سے ایک علامت قیامت کے بالکل قریب یہ ظاہر ہوگی کہ اللہ تعالیٰ زمین  
 سے ایک عجیب الخلقت جانور پیدا کریں گے جو انسانوں سے بات کرے گا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ  
 اس کے فوراً بعد قیامت آجائے گی، اور اس جانور کے نکلنے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۖ وَكُلُّ أَتَوَةٍ دُخْرَيْنَ ۝ (۸۷) وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسِبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۖ صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي أَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ۝ (۸۸) مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا ۖ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ۝ (۸۹) وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۖ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (۹۰) إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَ مَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۚ وَأُمرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ (۹۱)

اور جس دن صور پھونکا جائے گا، تو آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے گھبرا اٹھیں گے، — سوائے اُن کے جنہیں اللہ چاہے گا، — اور سب اُس کے پاس جھکے ہوئے حاضر ہوں گے۔ ﴿۸۷﴾ تم (آج) پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، حالانکہ (اُس وقت) وہ اس طرح پھر رہے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مستحکم طریقے سے بنایا ہے۔ یقیناً اُسے پوری خبر ہے کہ تم کیا کام کرتے ہو۔ ﴿۸۸﴾ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اُسے اُس سے بہتر بدلہ ملے گا، اور ایسے لوگ اُس دن ہر قسم کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ ﴿۸۹﴾ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا، تو ایسے لوگوں کو منہ کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تمہیں کسی اور بات کی نہیں، اُنہی اعمال کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۰﴾ (اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ:) ”مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی ہے، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں۔ ﴿۹۱﴾

(۳۷) آگے آیت نمبر ۸۹ میں اس کی وضاحت آرہی ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیک اعمال لے کر آئیں گے، اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کیں۔ (۳۸) اللہ تعالیٰ نے ہر نیکی کا ثواب دس گنا دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَأَنْ أَتْلُو الْقُرْآنَ ۚ فَمِنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ  
 إِنَّمَا آتَاكَ مِنَ التَّنْذِيرِ ۖ ﴿٩١﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سِيرُكُمْ إِلَيْهِ قَتَعَرَفُونَهَا وَمَا  
 إِلَهُ رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۖ ﴿٩٢﴾

اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔“ اب جو شخص ہدایت کے راستے پر آئے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے راستے پر آئے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے، تو کہہ دینا کہ: ”میں تو بس اُن لوگوں میں سے ہوں جو خبردار کرتے ہیں۔“ ﴿۹۲﴾ اور کہہ دو کہ: ”تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا، پھر تم انہیں پہچان بھی لو گے۔“ اور تمہارا پروردگار تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔“ ﴿۹۳﴾

(۳۹) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور اپنی قدرت کی بہت سی نشانیاں دُنیا میں بھی دکھاتا رہا ہے، مثلاً بہت سی پیشگی خبریں جو آپ نے وحی کی بنیاد پر دی تھیں، وہ لوگوں نے کھلی آنکھوں پوری ہوتی ہوئی دیکھیں، جیسا کہ سورہ روم کے شروع میں اُس کی ایک مثال آنے والی ہے۔ یہاں اس قسم کی نشانیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں، اور قیامت بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اُس وقت قیامت کے منکر بھی اُسے پہچان لیں گے، لیکن اس وقت کا پہچانا فائدہ مند نہیں ہوگا، کیونکہ ایمان لانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔

الحمد للہ! آج بروز اتوار ۲۰ مئی ۲۰۲۰ء مطابق ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ کو سورہ نمل کا ترجمہ اور تفسیری حواشی دُبی سے کراچی جاتے ہوئے تکمیل کو پہنچے، اور یہ پوری سورت یورپ کے سفر میں مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندہ کی خطاؤں سے درگزر فرما کر اس کاوش کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل بھی اپنی رضا کے مطابق کرنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الْقَصَصِ

## تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سورت سورہ نمل (سورت نمبر ۲۷) کے بعد نازل ہوئی تھی، اور مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، کیونکہ اس کی آیت نمبر ۸۵ اُس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ سورت کا مرکزی موضوع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی دعوت کی سچائی کو ثابت کرنا ہے۔ سورت کی پہلی ۴۳ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کی وہ تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں جو کسی اور سورت میں بیان نہیں ہوئیں۔ اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد آیات ۴۴ تا ۴۷ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان واقعات کو اتنی تفصیل سے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اس کے باوجود جب آپ یہ واقعات بیان فرما رہے ہیں تو اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ کفار مکہ کی طرف سے آپ کی نبوت اور رسالت پر جو اعتراضات کئے جاتے تھے، اُن کا شافی جواب بھی اس سورت میں دیا گیا ہے، اور آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ ضد پر اڑے ہوئے ہیں، ان کے طرزِ عمل کی کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ پھر کفار مکہ جن جھوٹے خداؤں پر ایمان رکھتے تھے، اُن کی تردید کی گئی ہے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اپنی دولت پر غرور کی وجہ سے بھی آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ اُن کی عبرت کے لئے آیات ۷۶ تا ۸۲ میں قارون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سب سے زیادہ دولت مند شخص تھا، لیکن اس کی دولت اُسے تباہی سے نہ بچا سکی جو غرور اور ضد کے نتیجے میں اُس پر آ کر رہی۔ سورت کے آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ اس وقت آپ بے سرو سامانی کی حالت میں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو فاتح کی حیثیت سے دوبارہ مکہ مکرمہ واپس آنے کا موقع عنایت فرمائے گا۔

﴿آیاتها ۸۸﴾ ۲۸ سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ۲۹ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۹﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

طسّم ۱ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ نَتْلُو عَلَيْكَ مِنْ نَبَأِ مُوسَى وَفِرْعَوْنَ  
بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۳ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيْعًا  
يَسْتَضَعِفُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يُدَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ ۴ إِنَّهُ كَانَ  
مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۵

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور نور کوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طسّم - ﴿۱﴾ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت واضح کرنے والی ہے۔ ﴿۲﴾ ہم ایمان والے  
لوگوں کے فائدے کے لئے تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے  
ہیں۔ ﴿۳﴾ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی، اور اُس نے وہاں کے  
باشندوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا جن میں سے ایک گروہ کو اُس نے اتنا دبا کر رکھا ہوا  
تھا کہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا، اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان  
لوگوں میں سے تھا جو فساد پھیلا کر رہتے ہیں۔ ﴿۴﴾

(۱) جیسا کہ سورہ طہ (۲۰: ۳۶) کے حاشیے میں ہم نے عرض کیا ہے، فرعون کو کسی نجومی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی  
اسرائیل کا ایک شخص تمہاری سلطنت ختم کرے گا۔ اس لئے اُس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو  
کوئی بچہ پیدا ہوا اُسے قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو  
بھی فرعون کے آدمی قتل کر ڈالیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر الہام فرمایا کہ اس بچے کو صندوق  
میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَهْلًا وَمِنْهُمْ وَنُفَضِّلَ هُمُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَنَمُنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَذَا خَفَتِ عَلَيْهِ فَالْقِيَهُ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَأَيْنَا دُودَهُ الْيَلْتَبِ وَجَاعَلْنَاهُ مِنَ الْبُرْسَلِينَ ۝ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۖ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ۝

اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو زمین میں دبا کر رکھا گیا ہے، اُن پر احسان کریں، اُن کو پیشوا بنائیں، اُنہی کو (ملک و مال کا) وارث بنادیں، ﴿۵﴾ اور اُنہیں زمین میں اقتدار عطا کریں، اور فرعون، ہامان اور اُن کے لشکروں کو وہی کچھ دکھادیں جس سے بچاؤ کی وہ تدبیریں کر رہے تھے۔ ﴿۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ: ”تم اس (بچے) کو دودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں اس کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اُسے وہاں میں ڈال دو، اور ڈرنا نہیں، اور نہ صدمہ کرنا، یقین رکھو ہم اُسے واپس تمہارے پاس پہنچا کر رہیں گے، اور اُس کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بنائیں گے۔“ ﴿۷﴾ اس طرح فرعون کے لوگوں نے اُس بچے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو اٹھالیا، تاکہ آخر کار وہ اُن کے لئے دشمن اور غم کا ذریعہ بنے۔ بیشک فرعون، ہامان اور اُن کے لشکر بڑے خطا کار تھے۔ ﴿۸﴾

پہنچ گیا، اور فرعون کے کارندوں نے بچے کو اٹھا کر فرعون کے پاس پیش کیا، اور اس کی بیوی حضرت آسیہ نے اسے آمادہ کر لیا کہ اُسے اپنا بیٹا بنا کر پالیں۔ یہی واقعہ آگے آیت نمبر ۸ تا ۱۶ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) اُنہیں جو خطرہ تھا کہ کوئی بچہ بڑا ہو کر اُن کے زوال کا باعث بنے گا، اُسی سے بچنے کے لئے وہ تدبیریں کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم یہ چاہتے تھے کہ اُنہیں یہ دکھائیں کہ اُن کی ساری تدبیریں ناکام ہوگئی ہیں، اور وہ خطرہ حقیقت بن کر سامنے آگیا ہے۔

(۳) خطا کار ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کافر اور گناہگار لوگ تھے، اور یہ بھی کہ اُنہوں نے اُس بچے کو اٹھا کر اپنے حق میں غلطی کی، کیونکہ وہی بچہ آخر اُن کے زوال کا سبب بنا۔

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ  
نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۙ ⑩ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَرِعًا ۚ إِنَّ كَادَتْ  
لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنَّ رَبَّنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمُ الْتَكُونِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۙ ⑪ وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ  
قُصِّيه ۖ فَبَصَّرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۙ ⑫ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ  
قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصْحُونَ ۙ ⑬

اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا کہ: ”یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔“ اور (یہ فیصلہ کرتے وقت) انہیں انجام کا پتہ نہیں تھا۔ ﴿۹﴾ ادھر موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار تھا۔ قریب تھا کہ وہ یہ سارا راز کھول دیتیں، اگر ہم نے ان کے دل کو سنبھالا نہ ہوتا، تا کہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین کئے رہیں۔ ﴿۱۰﴾ اور انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ: ”اس بچے کا کچھ سراغ لگاؤ۔“ چنانچہ اُس نے بچے کو دور سے اس طرح دیکھا کہ اُن لوگوں کو پتہ نہیں چلا۔ ﴿۱۱﴾ اور ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی سے یہ بندش لگا دی تھی کہ دودھ پلانے والیاں انہیں دودھ نہ پلا سکیں، اس لئے اُن کی بہن نے کہا: ”کیا میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کریں، اور اس کے خیر خواہ رہیں؟“ ﴿۱۲﴾

(۴) فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو پالنے کا ارادہ کر لیا تو ان کو دودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دودھ منہ میں نہیں لیتے تھے۔ حضرت آسیہ نے اپنی کنیزیں بھیجیں کہ وہ کوئی ایسی عورت تلاش کریں جس کا دودھ یہ قبول کر لیں۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈالنے کے بعد بے چین تھیں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دیکھنے کے لئے بھیجا کہ بچہ کا انجام کیا ہوا؟ یہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُسی جگہ پہنچ گئیں جہاں فرعون کی کنیزیں پریشانی کے عالم میں دودھ پلانے والی عورتوں کو تلاش کر رہی تھیں۔ ان کو موقع مل گیا، اور انہوں نے اپنی والدہ کو یہ خدمت سونپنے کی تجویز پیش کی، اور انہیں وہاں لے بھی آئیں۔ جب انہوں نے بچے کو دودھ پلانا چاہا تو بچے نے آرام سے دودھ پی لیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بچہ دوبارہ ان کے پاس آ گیا۔



فَرَدَّدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَمَا تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَدَغَ آسُودًا وَاسْتَوَىٰ اتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ ۚ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۚ فَاسْتَعَاثَ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۚ فَكَوْزَهُ مُوسَىٰ فَقَطَّعَ عَلَيْهِ ۚ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

اس طرح ہم نے موسیٰ کو اُن کی ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اُن کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگین نہ ہوں، اور تاکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۱۳﴾ اور جب موسیٰ اپنی بھرپور توانائی کو پہنچے، اور پورے جوان ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم سے نوازا، اور نیک لوگوں کو ہم یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ ﴿۱۴﴾ اور (ایک دن) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جب اُس کے باشندے غفلت میں تھے، تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی لڑ رہے ہیں، ایک تو اُن کی اپنی برادری کا تھا، اور دوسرا اُن کی دشمن قوم کا۔ اب جو شخص اُن کی برادری کا تھا، اُس نے انہیں اُن کی دشمن قوم کے آدمی کے مقابلے میں مدد کے لئے پکارا، اس پر موسیٰ نے اُس کو ایک مکارا جس نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ ﴿۱۵﴾ (پھر) انہوں نے (پچھتا کر) کہا کہ: ”یہ تو کوئی شیطان کی کارروائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کھلا دشمن ہے جو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔“ ﴿۱۵﴾

(۵) یعنی اکثر لوگ دوپہر کے وقت بے خبر سوئے ہوئے تھے۔

(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ اسرائیلی شخص کو اُس کے ظلم سے بچائیں، اُسے قتل کرنا مقصود نہیں تھا، لیکن وہ ایک ہی کئے سے مر گیا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٧﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَن أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿١٨﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِحُهُ ۖ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَعَوِيُّ مُبِينٌ ﴿١٩﴾

کہنے لگے: ”میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کر لیا، آپ مجھے معاف فرمادیجئے۔“ چنانچہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ یقیناً وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۶﴾ موسیٰ نے کہا: ”میرے پروردگار! آپ نے جو مجھ پر انعام کیا ہے، تو میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔“ ﴿۱۷﴾ پھر صبح کے وقت وہ شہر میں ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لے رہے تھے، اتنے میں دیکھا کہ جس شخص نے کل اُن سے مدد مانگی تھی، وہ پھر انہیں فریاد کے لئے پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اُس سے کہا کہ: ”معلوم ہوا کہ تم تو کھلم کھلا شریر آدمی ہو۔“ ﴿۱۸﴾

(۷) چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جان بوجھ کر اُسے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ وہ بلا ارادہ مارا گیا، اس لئے اصل میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معذور تھے، لیکن بہر حال کسی کا قتل ہو جانا ایک سنگین معاملہ ہے، اور ایک ہونے والے پیغمبر کے شایان شان نہیں، اس لئے وہ شرمندہ بھی ہوئے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ مسلمان اور غیر مسلم آپس میں امن کے ساتھ رہ رہے ہوں، خواہ وہاں حکومت غیر مسلموں ہی کی ہو، وہاں کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو قتل کرے، یا اُس کی جان و مال کو کسی اور طرح نقصان پہنچائے۔

(۸) اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ساتھ رہ رہے تھے، اور اُس کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ اس واقعے نے اُن کے دل میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور انہیں یہ محسوس ہوا کہ یہ سارا جھگڑا اور حقیقت فرعون کے جابرانہ طرز حکومت کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے مصریوں کو اسرائیلیوں پر ظلم ڈھانے کی جرات ہوئی ہے۔ اس لئے اس واقعے کے بعد انہوں نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ میں فرعون اور اُس کے اہل کاروں سے مکمل علیحدگی اختیار کر لوں گا، تاکہ اُن کی بالواسطہ بھی کسی بھی قسم کی مدد کا ارتکاب نہ ہو۔

(۹) یعنی لڑائی بھڑائی تمہارا روز کا وظیرہ معلوم ہوتا ہے کہ کل کسی اور سے لڑے تھے، اور آج اس شخص سے لڑ رہے ہو۔

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا<sup>(۱۰)</sup> قَالَ يَوْمُئِذٍ أَنْ تَقْتُلَنِي  
 كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِلَا مِسٍّ<sup>(۱۱)</sup> إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ  
 أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ<sup>(۱۲)</sup> وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ يَسْعَىٰ  
 يُسْأَلُ إِنْ الْبَلَايَا تَمُرُّنَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ<sup>(۱۳)</sup>  
 فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ<sup>(۱۴)</sup> قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ<sup>(۱۵)</sup> وَلَمَّا  
 تَوَجَّهَ تَلَقَّاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ<sup>(۱۶)</sup>

پھر جب انہوں نے اُس شخص کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اُس (اسرائیلی) نے کہا:  
 ”موسیٰ! کیا تم مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے کل ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا؟“ تمہارا  
 مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم زمین میں اپنی زبردستی جماؤ، اور تم مصلح بننا نہیں چاہتے۔“ ﴿۱۹﴾ اور  
 (اُس کے بعد یہ ہوا کہ) شہر کے بالکل دُور دراز علاقے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اُس نے کہا کہ:  
 ”موسیٰ! سردار لوگ تمہارے بارے میں مشورے کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر ڈالیں، اس لئے تم  
 یہاں سے نکل جاؤ، یقین رکھو میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔“ ﴿۲۰﴾ چنانچہ موسیٰ ڈرتے  
 ڈرتے، حالات کا جائزہ لیتے شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: ”میرے پروردگار! مجھے ظالم  
 لوگوں سے بچالے۔“ ﴿۲۱﴾ اور جب انہوں نے مدین کی طرف رُخ کیا تو کہا کہ: ”مجھے پوری  
 اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا۔“ ﴿۲۲﴾

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ تو اُس مصری قبیل کی طرف بڑھایا تھا، تاکہ اُسے مارنے سے روکیں، لیکن  
 اسرائیلی نے جب اُن کا یہ جملہ سنا کہ: ”تم بڑے شری آدمی ہو“ تو وہ یہ سمجھا کہ وہ اُس کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا  
 رہے ہیں۔ اس لئے اُس نے یہ بات کہی۔

(۱۱) مدین حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی تھی اور وہ علاقہ فرعون کی حکومت سے باہر تھا، اس لئے حضرت موسیٰ  
 علیہ السلام نے وہاں جانے کا ارادہ کیا، لیکن شاید راستہ پوری طرح معلوم نہیں تھا، محض اندازے سے چل رہے  
 تھے، اس لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحیح راستے پر ڈال دے گا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءَ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَتَشْتَّى عَلَى اسْتِحْيَاءٍ ۖ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۖ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ اُس پر ایسے لوگوں کا ایک مجمع ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں، اور دیکھا کہ اُن سے پہلے دو عورتیں ہیں جو اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے اُن سے کہا: ”تم کیا چاہتی ہو؟“ اُن دونوں نے کہا: ”ہم اپنے جانوروں کو اُس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک سارے چرواہے پانی پلا کر نکل نہیں جاتے، اور ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں۔“ ﴿۲۳﴾ اس پر موسیٰ نے اُن کی خاطر اُن کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر مڑ کر ایک سائے کی جگہ چلے گئے، اور کہنے لگے: ”میرے پروردگار! جو کوئی بہتری تو مجھ پر اوپر سے نازل کر دے، میں اُس کا محتاج ہوں۔“ ﴿۲۴﴾ تھوڑی دیر بعد اُن دونوں عورتوں میں سے ایک اُن کے پاس شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی: ”میرے والد آپ کو بلارہے ہیں، تاکہ آپ کو اس بات کا انعام دیں کہ آپ نے ہماری خاطر جانوروں کو پانی پلایا ہے۔“ چنانچہ جب وہ عورتوں کے والد کے پاس پہنچے اور اُن کو ساری سرگزشت سنائی، تو انہوں نے کہا: ”کوئی اندیشہ نہ کرو، تم خالِم لوگوں سے بچ آئے ہو۔“ ﴿۲۵﴾

(۱۲) مطلب یہ تھا کہ ہمارے والد بوڑھے ہونے کی وجہ سے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے نہیں آسکتے، اور ہم

چونکہ عورت ذات ہیں، اس لئے مردوں میں گھس کر پانی نہیں پلا سکتیں، اس لئے اس انتظار میں ہیں کہ مرد چلے جائیں اور کنواں خالی ہو جائے تو ہم اپنے جانوروں کو لے جا کر پانی پلائیں۔ واضح رہے کہ ان عورتوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے جنہیں مدین کے لوگوں کی اصلاح کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا، اور جن کا واقعہ سورہ اعراف، سورہ ہود وغیرہ میں تفصیل سے آچکا ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت خواتین کا کسی کام کے لئے باہر نکلنا جائز ہے، البتہ اگر مرد وہ کام انجام دے سکتے ہوں تو مردوں ہی کو انجام دینا چاہئے، اسی لئے انہوں نے اپنے آنے کی وجہ یہ بیان کی کہ ہمارے والد ضعیف ہیں، اور گھر میں کوئی اور مرد نہیں ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین سے بات کرنا جائز ہے، خاص طور پر اگر انہیں کسی مشکل میں مبتلا دیکھیں تو ان کی مدد کے لئے ان کا حال پوچھ کر حتی الامکان ان کی مدد کرنی چاہئے، بشرطیکہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے پوچھا کہ کیا یہاں کوئی اور کنواں بھی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک کنواں اور ہے، مگر اُس کے منہ پر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہوا ہے جسے اٹھانا آسان نہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں گئے، اور پتھر کو اٹھا کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا (روح المعانی بحوالہ عبد بن حمید ص: ۳۶۷ ج: ۲۰)۔

(۱۴) اس مختصر عا میں عبدیت کا عجیب مظاہرہ ہے، ایک طرف اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے محتاج ہونے کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اس غریب الوطنی میں جہاں کوئی شخص آشنا نظر نہیں آتا، زندگی کی ہر ضرورت کی احتیاج ہے، اور دوسری طرف خود سے کوئی نعمت تجویز کرنے کے بجائے معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ رہے ہیں کہ آپ بھلائی کی جو صورت بھی تجویز کر کے مجھ پر اوپر سے نازل فرمادیں گے، تو سمجھو کہ اُسی کی احتیاج ظاہر کر کے وہی میں نے مانگی ہے، میں اپنی طرف سے کوئی متعین حاجت مانگنے کی حالت میں نہیں ہوں۔

(۱۵) معلوم ہوا کہ اگرچہ اُس وقت پردے کے باقاعدہ احکام نہیں تھے جو قرآن کریم نے عطا فرمائے، لیکن خواتین شرم و حیا کے لباس میں رہتی تھیں، اور مردوں سے معاملات کرتے وقت شرم و حیا کو پوری طرح ملحوظ رکھتی

تھیں، چنانچہ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور سعید بن منصور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ خاتون جب آئیں تو انھوں نے اپنی قمیص کی آستین اپنے چہرے پر رکھی ہوئی تھی۔

(۱۶) اگرچہ کسی نیکی کا انعام وصول کرنے کے لئے جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیرت اور شرافت کے خلاف تھا، لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی کہ آپ کی طرف سے جو بھلائی بھی آئے گی، میں اُس کا محتاج ہوں، اور اس خاتون کی دعوت سے ایک راستہ ایسا پیدا ہوا تھا کہ اس بستی میں کسی بزرگ سے جان پہچان ہو جائے، اور دوسری طرف اُن کے اپنی بیٹی کو بھیجنے سے اُن کی شرافت اور بزرگی ظاہر ہو رہی تھی، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت یہ خیال فرمایا کہ اس دعوت کو رد کرنا ناشکری اور اُس عبدیت کے خلاف ہوگا جس کے ساتھ دُعا مانگی گئی تھی، اور ہو سکتا ہے کہ ان بزرگ سے کوئی مفید مشورہ مل جائے۔ چنانچہ دعوت قبول کر کے اُن کے پاس چلے گئے، لیکن ابن عساکر کی ایک روایت میں حضرت ابو حازم سے یہ تفصیل منقول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کھانا پیش کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔“ حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا: ”کیوں؟ کیا آپ کو بھوک نہیں ہے؟“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”بھوک تو ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کھانا میرے اُس عمل کا معاوضہ نہ بن جائے کہ میں نے بکریوں کو پانی پلا دیا تھا، اور ہم ایسے لوگ ہیں کہ جو کام آخرت کی خاطر کریں، اُس کے معاوضے میں کوئی پوری زمین سونے سے بھر کر بھی دیدے تو اُسے قبول نہیں کرتے۔“ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ: ”اللہ کی قسم، ایسا نہیں ہے، لیکن میری اور میرے آباؤ اجداد کی یہ عادت رہی ہے کہ ہم مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔“ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ (روح المعانی، حوالہ بالا)۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاتون نے جو کہا تھا کہ میرے والد آپ کو اس لئے بلارہے ہیں کہ آپ کو آپ کی نیکی کا انعام دیں گے، یہ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق کہہ دیا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے ہوں گے۔ واللہ سبحانہ اعلم

قَالَتْ أَحَدُهُمَا يَأْتِ اسْتَأْجِرُكَ إِنَّا خَيْرٌ مِّنْ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ  
الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ بِكَ وَنُؤَيِّدَ بِنِسْبَتِنَا عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي  
ثَلَاثِينَ حَجْجًا ۖ فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمُشَّ عَلَيْكَ ۖ  
سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذَلِكْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيُّمَا  
عِجَالَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾

اُن دونوں عورتوں میں سے ایک نے کہا: ”اباجان! آپ ان کو اجرت پر کوئی کام دے دیجئے۔ آپ کسی سے اجرت پر کام لیں تو اس کے لئے بہترین شخص وہ ہے جو طاقور بھی ہو، امانت دار بھی۔“ ﴿۲۶﴾ اُن کے باپ نے کہا: ”میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دولڑکیوں میں سے ایک سے تمہارا نکاح کر دوں، بشرطیکہ تم آٹھ سال تک اجرت پر میرے پاس کام کرو، پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوگا۔ اور میرا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ تم پر مشقت ڈالوں، ان شاء اللہ تم مجھے اُن لوگوں میں سے پاؤ گے جو بھلائی کا معاملہ کرتے ہیں۔“ ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا: ”یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی۔ دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر دوں، تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی، اور جو بات ہم کر رہے ہیں، اللہ اُس کا رکھوالا ہے۔“ ﴿۲۸﴾

(۱۷) یہ وہی خاتون تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھیں، ان کا نام صفورا تھا، اور پھر انہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا۔ گھر میں ایک ایسے مرد کی ضرورت تھی جو گھر کے باہر کے کاموں کی دیکھ بھال کرے، اور عورتوں کو بکریاں چرانے اور انہیں پانی پلانے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس لئے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ انہیں اس کام پر رکھ لیں، اور اُس کی باقاعدہ اجرت طے کر لیں۔ اور خاتون کا یہ جملہ کہ: ”آپ کسی سے اجرت پر کام لیں تو اس کے لئے بہترین شخص وہ ہے جو طاقور بھی ہو، امانت دار بھی۔“ ان کی کمال عقل مندی کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ جملہ نقل فرما کر ملازمت کے فیصلے کے لئے بہترین معیار عطا فرمادیا ہے کہ ایک اچھے ملازم میں یہی دو بنیادی خصوصیات ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ جو فرائض اُس کے سپرد

کئے گئے ہیں، وہ اُن کو بجالانے کی جسمانی اور ذہنی طاقت رکھتا ہو، اور دوسرے یہ کہ امانت دار ہو۔ خاتون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان دونوں باتوں کا تجربہ ہو چکا تھا، پانی پلانے کے لئے اُنہوں نے جو طریقہ اختیار فرمایا کہ ایک نہایت بھاری پتھر کو ہٹا کر کنویں سے پانی نکالا، یہ اُن کی جسمانی اور ذہنی صلاحیت کی دلیل تھی، اور جہاں تک امانت داری کا تعلق ہے، اُس کا تجربہ خاتون کو اس طرح ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خاتون کے ساتھ چلنے لگے تو اُن سے کہا کہ آپ میرے پیچھے رہیں، اور راستہ بتاتی جائیں، تاکہ اُن کی شرم و حیا اور عفت و عصمت کا پورا احترام ہو۔ اس قسم کی امانت چونکہ کم دیکھنے میں آتی ہے، اس لئے وہ سمجھ گئی کہ امانت و دیانت ان کا خاص وصف ہے۔

(۱۸) اُس وقت تو حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں میں سے کسی ایک صاحبزادی کی تعیین نہیں کی، لیکن جب باقاعدہ نکاح ہوا تو متعین کر کے معروف طریقے کے مطابق ہوا۔ اور اُجرت پر کام کرنے سے مراد بکریاں چرانا تھا۔ بہت سے فقہاء اور مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ بکریاں چرانے کو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کا مہر مقرر کیا تھا، لیکن اُس پر اؤل تو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آیا بیوی کا کوئی کام کرنا مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، دوسرے یہاں تو بیوی کا نہیں، بلکہ بیوی کے والد کا کام کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ جو حضرات اس معاہدے کو مہر قرار دیتے ہیں اگرچہ اُنہوں نے اس اشکال کا بھی جواب دینے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ تکلف سے خالی نہیں ہے۔ اس کے برعکس بعض مفسرین اور فقہاء نے یہ موقف اختیار فرمایا ہے کہ بکریاں چرانا بطور مہر نہیں تھا، بلکہ یہ دو الگ الگ باتوں کی مفاہمت تھی، حضرت شعیب علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کی بکریاں بھی چرائیں جس کی اُجرت الگ مقرر ہو، اور اُن کی صاحبزادی سے نکاح بھی کریں، جس کا مہر الگ سے قاعدے کے مطابق طے کیا جائے۔ ان دونوں باتوں کے بارے میں اُن کی مرضی معلوم کرنے کے لئے آپ نے دونوں باتیں ذکر فرمائیں، تاکہ جب وہ ان باتوں کو منظور کر کے وعدہ کر لیں تو نکاح اُس کے اپنے طریقے سے کیا جائے جس میں لڑکی کا تعین بھی ہو، گواہ بھی ہوں اور مہر بھی مقرر کیا جائے، اور ملازمت کا معاہدہ اپنے طریقے سے کیا جائے جس میں اُجرت باقاعدہ مقرر کی جائے۔ چنانچہ یہ دونوں معاملات اپنے اپنے احکام کے مطابق اپنے اپنے وقت پر انجام پائے، اور اس وقت صرف اُن معاملات کو آئندہ وجود میں لانے کا دونوں طرف سے وعدہ کیا گیا۔ لہذا اس پر یہ اشکال بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک معاملے کو دوسرے معاملے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ یہی موقف علامہ بدرالدین عینیؒ نے شرح بخاری میں اختیار فرمایا ہے (دیکھئے عمدۃ القاری، کتاب الاجارات، ص: ۸۵ ج: ۱۲)۔



فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا ۚ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۖ لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٠﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تُهْتَزُّ كَانَهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا ۖ وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يُمُوسَىٰ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۚ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿٣١﴾

پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر لی، اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے (۱۹) تو انہوں نے کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی۔ انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: ”ٹھہرو! میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے آؤں، یا آگ کا کوئی انگارہ اٹھالاؤں، تاکہ تم گرمائی حاصل کر سکو۔“ ﴿۲۹﴾ چنانچہ جب وہ اُس آگ کے پاس پہنچے تو دائیں وادی کے کنارے پر جو برکت والے علاقے میں واقع تھی، ایک درخت سے آواز آئی کہ: ”اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں، تمام جہانوں کا پروردگار!“ ﴿۳۰﴾ اور یہ کہ: ”اپنی لاٹھی نیچے ڈال دو۔“ پھر ہوا یہ کہ جب انہوں نے اُس لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے وہ سانپ ہو، تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (۲۰) (اُن سے کہا گیا: ”موسیٰ! سامنے آؤ، اور ڈرو نہیں، تم بالکل محفوظ ہو۔“ ﴿۳۱﴾

(۱۹) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پورے کئے تھے۔ اُس کے بعد غالباً انہوں نے اپنی والدہ اور دوسرے رشتہ داروں کے پاس مصر جانے کا ارادہ فرمایا، اور یہ سوچا کہ قطعی کے قتل کا قصہ اب بھولا بسر ہو چکا ہوگا، اور واپس مصر جانے میں کوئی خطرہ نہیں رہا۔ (۲۰) یہ ایک طبعی خوف تھا جو نبوت کے منافی نہیں ہوتا۔

أَسْلَكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سُوءٍ ۚ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ  
الرَّهْبِ ۚ فَلَمَّا ذَكَرْتَ بِرُهَانِكَ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا اقْوَمًا  
فَسِيقِينَ ۖ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۖ ﴿٣٣﴾ وَأَخِي  
هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رَادًّا يُصَدِّقُنِي ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ  
يُكَذِّبُونِ ۖ ﴿٣٤﴾ قَالَ سَنُنْصِدُ عُصْدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكَ مَلَأْسًا تُفْلَا يَصِلُونَ  
إِلَيْكُمَا ۖ بِإِيتِنَا ۖ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغُلُوبُونَ ۖ ﴿٣٥﴾

معاذ اللہ

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا، اور ڈر دُور کرنے کے لئے اپنا  
بازو اپنے جسم سے لپٹا لینا۔<sup>(۲۱)</sup> اب یہ دوز بردست دلیلیں ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون  
اور اُس کے درباریوں کے پاس بھیجی جا رہی ہیں۔ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔“ ﴿۳۲﴾ موسیٰ نے  
کہا: ”میرے پروردگار! میں نے اُن کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا، اس لئے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ  
کر دیں۔“ ﴿۳۳﴾ اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے، اس لئے اُن کو بھی  
میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیجئے کہ وہ میری تائید کریں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں  
گے۔“ ﴿۳۴﴾ ارشاد ہوا: ”ہم تمہارے بھائی کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے دیتے ہیں، اور  
تم دونوں کو ایسا دبدبہ عطا کر دیتے ہیں کہ اُن کو ہماری نشانیوں کی برکت سے تم پر دسترس حاصل نہیں  
ہوگی، تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہو گے۔“ ﴿۳۵﴾

(۲۱) لاشعی کے مانپ بننے اور ہاتھ سے اچانک روشنی نکلنے کے واقعات سے جو طبعی گھبراہٹ ہوئی، اُس کا علاج  
بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جس ہاتھ کو بغل سے نکالا تھا، اور وہ چمکنے لگا تھا، اُسے دوبارہ اپنے جسم سے  
لپٹالو، تو گھبراہٹ دُور ہو جائے گی۔

(۲۲) جیسا کہ سورہ طہ (۲۵:۲۰) میں گزرا ہے، بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارازبان پر

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَـٰعِدُنَا  
 بِهَذَا فِيْ اٰبَائِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱ وَقَالَ مُوسٰى رَبِّىْ اَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدٰى مِنْ  
 عِنْدِہٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَہٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۙ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ ۝۳۲ وَقَالَ فِرْعَوْنُ  
 یٰۤاَیُّهَا الْمَلٰٓئِکَہُ عَلِمْتُ لَکُم مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ ۚ فَاَوْقِدْ لِیْہَا مِنْ عَلٰی الطَّیْنِ  
 فَاجْعَلْ لِیْ صَرَحًا عَلٰی اَظْہَرِ اِلٰی اِلٰہِ مُوسٰى ۚ وَاِنِّیْ لَا ظَنُّہٗ مِنْ الْکٰذِبِیْنَ ۝۳۸

چنانچہ جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری کھلی ہوئی نشانیاں لے کر پہنچے تو انہوں نے کہا: ”یہ کچھ نہیں، بس بناوٹی جادو ہے، اور ہم نے یہ بات اپنے پچھلے باپ دادوں میں نہیں سنی۔“ ﴿۳۶﴾ اور موسیٰ نے کہا: ”میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اُس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے، اور آخر کار بہتر ٹھکانا کس کے ہاتھ آئے گا،“ یہ یقینی بات ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔“ ﴿۳۷﴾ اور فرعون بولا: ”اے دربار والو! میں تو اپنے سوا تمہارے کسی اور خدا سے واقف نہیں ہوں۔ ہامان! تم ایسا کرو کہ میرے لئے گارے کو آگ دے کر پکواؤ، اور میرے لئے ایک اونچی عمارت بناؤ، تاکہ میں اُس پر سے موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں، اور میں تو پورے یقین کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔“ ﴿۳۸﴾

رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی اُن کے ساتھ نبی بنا کر بھیج دیا جائے، کیونکہ اُن کی زبان زیادہ صاف ہے۔

(۲۳) ٹھکانے سے مراد دنیا بھی ہو سکتی ہے کہ دنیا میں اچھا انجام کس کا ہوگا کہ خاتمہ بخیر ہو، اور آخرت بھی مرا ہو سکتی ہے کہ آخرت میں انجام بہتر ہو۔  
 (۲۴) یہ اُس نے محض مذاق اڑانے کے طور پر کہا تھا۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُوا أَنََّّهُمْ إِنَّمَا لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣٩﴾  
فَأَخَذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَبَذْنَاهُ فِي الْيَمِّ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾  
وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُدْعَوْنَ إِلَى النَّارِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي  
هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿٤٢﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى  
الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً  
لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْعَرَبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ  
وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٤٤﴾

غرض یہ کہ اُس نے اور اُس کے لشکروں نے زمین میں ناحق گھمنڈ کیا، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ انہیں ہمارے پاس واپس نہیں لایا جائے گا۔ ﴿۳۹﴾ اس لئے ہم نے اُس کو اور اُس کے لشکروں کو پکڑ میں لے کر سمندر میں پھینک دیا۔ اب دیکھ لو کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ ﴿۴۰﴾ ہم نے انہیں قائد بنایا تھا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے، اور قیامت کے دن اُن کو کسی کی مدد نہیں پہنچے گی۔ ﴿۴۱﴾ دُنیا میں ہم نے لعنت اُن کے پیچھے لگا دی ہے، اور قیامت کے دن وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن کی بری حالت ہونے والی ہے۔ ﴿۴۲﴾ ہم نے پچھلی اُمتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو ایسی کتاب دی تھی جو لوگوں کے لئے بصیرت کی باتوں پر مشتمل، اور سراپا ہدایت و رحمت تھی، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۴۳﴾ (۱) پیغمبر! تم اُس وقت (کوہ طور کی) مغربی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام سپرد کئے تھے، اور نہ تم اُن لوگوں میں سے تھے جو اس کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔ ﴿۴۴﴾

(۲۵) اس سے مراد تورات ہے۔

(۲۶) یہاں سے آیت نمبر ۶۱ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی کا بیان ہے۔ پہلے یہ دلیل

وَلَكِنَّا أَنشَأْنَاهُ قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ شَائِئًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ  
تَتَلَوُا عَلَيْهِمُ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٣٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا  
وَلَكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ  
يَتَذَكَّرُونَ ﴿٣٦﴾ وَلَوْلَا أَن تُصِيبَهُم مُُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا  
لَوْلَا أَمْرُنَا سَلَّمْنَا سَوْلاً فَنُنَبِّئُ الْبَاقِينَ وَنَكُونُ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿٣٧﴾

— بلکہ اُن کے بعد ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں، جن پر طویل زمانہ گزر گیا — اور تم مدین کے  
بسنے والوں کے درمیان بھی مقیم نہیں تھے کہ اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہو، بلکہ (تمہیں) رسول  
بنانے والے ہم ہیں، ﴿۳۵﴾ اور نہ تم اُس وقت طور کے کنارے موجود تھے جب ہم نے (موسیٰ  
کو) پکارا تھا، بلکہ یہ تمہارے رب کی رحمت ہے (کہ تمہیں وحی کے ذریعے یہ باتیں بتائی جا رہی  
ہیں) تاکہ تم اُس قوم کو خبردار کرو جس کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا، شاید وہ  
نصیحت قبول کر لیں۔ ﴿۳۶﴾ اور تاکہ جب ان لوگوں پر ان کے ہاتھوں کے کړتوت کی وجہ سے کوئی  
مصیبت آئے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ: ”ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں  
بھیجا کہ ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان والوں میں ہم بھی شامل ہو جاتے؟“ ﴿۳۷﴾

پیش کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو واقعات قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں، مثلاً کوہ طور کے مغربی  
کنارے پر اُن کو تورات دیا جانا، اور صحرائے سینا میں اُن کو پکار کر نبوت عطا کرنا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا  
عرصہ دراز تک مدین میں رہنا، یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت خود موجود تھے  
کہ ان واقعات کو دیکھتے، اور نہ ان کو معلوم کرنے کا آپ کے پاس کوئی اور ذریعہ تھا، اس کے باوجود آپ  
یہ واقعات اتنی تفصیل سے بیان فرما رہے ہیں، تو اس کا کوئی اور مطلب سوائے اس کے نہیں ہو سکتا کہ آپ پر  
اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ہے جس نے آپ کو ان واقعات سے باخبر کیا۔

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَى ۖ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا ۖ وَقَالُوا إِنَّا بِكُلِّ كَفْرًا وَّكَانَ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعُهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝۳۸ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُتَّبَعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝۳۹ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝۴۰

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آگیا تو کہنے لگے کہ: ”اس پیغمبر کو اُس جیسی چیز کیوں نہیں دی گئی جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو دی گئی تھی؟“ حالانکہ جو چیز موسیٰ کو دی گئی تھی، کیا انہوں نے پہلے ہی اُس کا انکار نہیں کر دیا تھا؟ انہوں نے کہا تھا کہ: ”یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں، اور ہم ان میں سے ہر ایک کے منکر ہیں۔“ ﴿۳۸﴾ (ان سے) کہو: ”اچھا، اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی اور ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت پر مشتمل ہو، میں اُس کی اتباع کر لوں گا۔“ ﴿۳۹﴾ پھر اگر یہ تمہاری فرمائش پوری نہ کریں، تو سمجھ لو کہ درحقیقت یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور اُس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہش کے پیچھے چلے؟ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۵۰﴾ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم ان کے فائدے کے لئے ایک کے بعد ایک (نصیحت کی) بات بھیجتے رہے ہیں، تاکہ وہ متنبہ ہوں۔ ﴿۵۱﴾

(۲۷) یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری تورات ایک ہی مرتبہ عطا کر دی گئی تھی، اسی طرح آپ کو سارا قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں دے دیا گیا؟ اس اعتراض کا یہ جواب آگے دیا گیا ہے کہ تم لوگ تورات پر کونسا ایمان لے آئے تھے جو قرآن کے بارے میں یہ مطالبہ کر رہے ہو؟

(۲۸) قرآن کریم ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ اس کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ اس میں تم لوگوں ہی کا

وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذَا أُتِلَ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۵۳﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَآوَدُوا بِأَلْحَسَةِ السَّيِّئَةِ وَمَنَّا رَأَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۵۴﴾

جن کو ہم نے قرآن سے پہلے آسمانی کتابیں دی ہیں، وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں، ﴿۵۲﴾ اور جب وہ اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ: ”ہم اس پر ایمان لائے، یقیناً یہ برحق کلام ہے جو ہمارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ ہم تو اس سے پہلے بھی اسے مانتے تھے۔ ﴿۵۳﴾ ایسے لوگوں کو اُن کا ثواب دُہرایا جائے گا، کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا، اور وہ نیکی سے برائی کا دفعیہ کرتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۵۴﴾

فائدہ مقصود تھا کہ ہر موقع پر اُس کے مناسب ہدایات دی جاسکیں، اور ایک کے بعد ایک ہدایات دے کر تمہیں اس بات کا موقع دیا جائے کہ تم کسی بات کو تو قبول کرلو۔

(۲۹) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی کی ایک اور دلیل ہے، اور وہ یہ کہ جن لوگوں کو پہلے آسمانی کتابیں دی جا چکی ہیں، یعنی یہودی اور عیسائی، اُن میں سے جو لوگ حق کے طالب تھے، وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور قرآن کریم کے نزول کی بشارت سچھی کتابوں میں موجود ہے، اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی آپ کو اور قرآن کریم کو مانتے تھے۔

(۳۰) جو شخص پہلے ایک دین کو اختیار کئے ہوئے ہو، اور جسے اس بات پر فخر بھی ہو کہ وہ ایک آسمانی کتاب کی پیروی کر رہا ہے، اُس کے لئے نیا دین اختیار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لئے بھی کہ اپنی پرانی عادت چھوڑنا دشوار ہے، اور اس لئے بھی کہ اُس کے ہم مذہب اُسے تکلیفیں پہنچاتے ہیں، لیکن ان حضرات نے ان تمام تکلیفوں پر صبر کیا، اور حق پر ثابت قدم رہے، اس لئے ان کو دُہرا ثواب ملے گا۔

(۳۱) یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔

وَإِذْ أَسْبَغُوا اللَّغُوءَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا إِنَّا عِبَادُكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَّمَ  
 عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي  
 مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَى مَعَكَ  
 نُتَخَطَّفُ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمْكِنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ  
 شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اُسے ٹال جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ”ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔ ہم نادان لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔“ ﴿۵۵﴾ (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو، ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچا دیتا ہے، اور ہدایت قبول کرنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔ ﴿۵۶﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں گے تو ہمیں اپنی زمین سے کوئی اُچک کر لے جائے گا۔“ ﴿۵۷﴾ بھلا کیا ہم نے ان کو اُس حرم میں جگہ نہیں دے رکھی جو اتنا پر امن ہے کہ ہر قسم کے پھل اُس کی طرف کھینچ چلے آتے ہیں، جو خاص ہماری طرف سے دیا ہوا رزق ہے؟ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۵۷﴾

(۳۲) یعنی تم سے بحث میں الجھنا نہیں چاہتے، ہاں یہ دُعا کرتے ہیں کہ تمہیں اسلام کی توفیق ملے، اور اس کے نتیجے میں تمہیں سلامتی عطا ہو۔

(۳۳) بعض کافروں نے اسلام لانے میں یہ رُکاوٹ ظاہر کی تھی کہ اسلام لانے کے بعد عرب کے لوگ ہماری عزت کرنا چھوڑ دیں گے، اور ہمارے خلاف قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے ہمیں یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ قرآن کریم نے اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب تو اسی آیت میں یہ دیا ہے کہ ہم نے ان کے کفر کے باوجود ان کو حدودِ حرم میں اتنا محفوظ بنایا ہوا ہے کہ سارے عرب میں قتل و غارت گری ہو رہی ہے، لیکن حرم والوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا، بلکہ چاروں طرف سے ہر قسم کے پھل کھینچ کھینچ کر وہاں آتے ہیں، اور حرم آنے والے کسی



وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا فَبِتُّكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكِنْ مِنْهُمْ  
بَعْدَهُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۝ وَكَانَ حُنُ الْوَارِثِينَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى  
حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَارِ سُؤْلًا يَتْلُو عَلَيْهِمُ الْبَيِّنَاتِ ۝ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَى إِلَّا  
وَأَهْلَهَا ظَالِمُونَ ۝

اور کتنی ہی بستیاں وہ ہیں جو اپنی معیشت پر اتراتی تھیں، ہم نے اُن کو تباہ کر ڈالا، اب وہ اُن کی  
رہائش گاہیں تمہارے سامنے ہیں، جو اُن کے بعد تھوڑے عرصے کو چھوڑ کر کبھی آباد ہی نہ ہو سکیں، اور  
ہم ہی تھے جو اُن کے وارث بنے۔ ﴿۵۸﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ وہ بستیاں یونہی ہلاک  
کر ڈالے جب تک اُس نے اُن بستیوں کے مرکزی مقام پر کوئی رسول نہ بھیجا ہو جو اُن کو ہماری  
آیتیں پڑھ کر سنائے، اور ہم بستیوں کو اُس وقت تک ہلاک کرنے والے نہیں ہیں جب تک اُن کے  
باشندے ظالم نہ بن جائیں۔ ﴿۵۹﴾<sup>(۳۴)</sup>

سامان پر کوئی ڈاکا نہیں ڈالتا۔ جب تمہارے کفر کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حفاظت بخشی ہوئی ہے تو جب تم  
ایمان لے آؤ گے تو کیا اُس وقت اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت نہیں کرے گا؟ پھر آیت ۵۸ میں دوسرا جواب یہ دیا گیا  
ہے کہ بربادی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آتی ہے، چنانچہ تم سے پہلی جن قوموں نے کفر کی راہ اختیار کی، آخر کار  
وہی تباہ ہوئیں، نہ کہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے۔ پھر آیت نمبر ۶۰ میں تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر  
بالفرض اسلام لانے کے نتیجے میں تمہیں دُنیا کے اندر کچھ تکلیفیں پہنچ بھی جائیں تو وہ آخرت کی تکلیفوں کے مقابلے  
میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

﴿۳۴﴾ یہ بیچ میں کفار عرب کے ایک اور اعتراض کا جواب دے دیا گیا ہے۔ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ  
تعالیٰ ہمارے مذہب اور طریق کار سے ناراض ہے، تو جس طرح اُس نے پچھلی قوموں کو ہلاک کیا ہے، جن کا  
حوالہ پچھلی آیت میں بھی دیا گیا ہے، اُسی طرح ہم کو اب تک کیوں ہلاک نہیں کیا؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا  
ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ لوگوں کو ہلاک کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنا کوئی پیغمبر اُن کے

وَمَا أُوْتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ  
 أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٠﴾ أَفَنُؤَدُّنُهُ وَعَدًّا أَحْسَنًا فَأَهْوَلًا قِيَةً كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعًا  
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِّينَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ  
 أَيُّ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾

اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے، وہ دُنیوی زندگی کی پونجی اور اُس کی سجاوٹ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس  
 ہے، وہ کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۶۰﴾ بھلا  
 بتاؤ کہ جس شخص سے ہم نے اچھا سا وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ اُس وعدے کو پا کر رہے گا، کیا وہ اُس  
 جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دُنیوی زندگی کی پونجی کے کچھ مزے دے دیئے ہیں، پھر وہ اُن لوگوں  
 میں شامل ہونے والا ہے جو قیامت کے دن دھرائے جائیں گے؟ ﴿۶۱﴾ اور وہ دن (کبھی نہ بھولو)  
 جب اللہ ان لوگوں کو پکارے گا، اور کہے گا: ”کہاں ہیں (خدائی میں) میرے وہ شریک جن کا تم  
 دعویٰ کیا کرتے تھے؟“ ﴿۶۲﴾<sup>(۳۵)</sup>

مرکزی علاقے میں بھیجتا ہے جو انہیں سیدھے راستے کی دعوت دے، اور بار بار دیتا رہے، تاکہ وہ راہِ راست پر  
 آئیں، اور انہیں سزا دینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اگر وہ اپنی گمراہی سے باز آ جاتے ہیں تو انہیں ہلاک نہیں  
 کیا جاتا، البتہ اگر وہ اپنی ظالمانہ روش پر اڑے رہتے ہیں، تب انہیں سزا دی جاتی ہے۔ یہی معاملہ پچھلی قوموں  
 کے ساتھ ہوا، اور وہی سلوک تمہارے ساتھ ہو رہا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بار بار حق کو قبول  
 کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، اور تمہیں مہلت دی جا رہی ہے۔ اس کا یہ مطلب لینا پرلے درجے کی نادانی  
 ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہیں، اور تمہیں کبھی سزا نہیں ملے گی۔  
 (۳۵) اس سے مراد وہ شیاطین ہیں جن کو کافروں نے معبود بنا رکھا تھا۔

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَهُمْ كَمَا  
 غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٣٦﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ  
 فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٣٧﴾  
 وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٨﴾ فَعَبَّيْتُ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءَ  
 يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٣٩﴾

جن کے خلاف (اللہ کی) بات پوری ہو چکی ہوگی، وہ کہیں گے: ”اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ  
 جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا، ہم نے ان کو اُسی طرح گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔“ ہم آپ کے  
 سامنے ان سے دست بردار ہوتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔“ ﴿۶۳﴾ اور (ان  
 کافروں سے) کہا جائے گا کہ: ”پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا تھا!“ چنانچہ وہ ان کو پکاریں  
 گے، مگر وہ ان کو جواب نہیں دیں گے، اور یہ عذاب آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ کاش یہ ایسے ہوتے کہ  
 ہدایت کو قبول کر لیتے! ﴿۶۴﴾ اور وہ دن (بھی ہرگز نہ بھولو) جب اللہ ان کو پکارے گا، اور کہے گا:  
 ”تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟“ ﴿۶۵﴾ اس پر ساری باتیں (جو یہ بنایا کرتے ہیں) اُس دن  
 بے نشان ہو چکی ہوں گی، چنانچہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکیں گے۔ ﴿۶۶﴾

(۳۶) ان سے مراد بھی وہی شیاطین ہیں جن کو نفع نقصان کا مالک سمجھ کر کافر لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اور  
 بات پوری ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شیاطین دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، انہیں آخر کار دوزخ  
 میں ڈالا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ان شیاطین کے دوزخ میں جانے کا  
 وقت آچکا ہوگا، اُس وقت وہ یہ بات کہیں گے۔

(۳۷) یعنی جس طرح ہم نے اپنے اختیار سے گمراہی اختیار کی، ان لوگوں نے بھی اپنے اختیار سے گمراہی  
 اپنائی، ورنہ ہم نے ان پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی کہ یہ ضرور ہماری بات مانیں۔

(۳۸) یعنی درحقیقت یہ لوگ ہماری عبادت کرنے کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی عبادت کرتے تھے۔

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٤﴾ وَرَبُّكَ  
يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا  
يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٦﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ  
إِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْحُكْمُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۚ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٦٧﴾ قُلْ  
أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ  
يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ۚ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٦٨﴾

البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی، اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کئے، تو پوری اُمید ہے کہ وہ ان  
لوگوں میں شامل ہوں گے جنہیں فلاح حاصل ہوگی۔ ﴿۶۷﴾ اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا  
کرتا ہے، اور (جو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے۔ ان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اللہ ان کے شرک سے پاک  
اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۶۸﴾ اور تمہارا پروردگار ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے  
ہوئے ہیں، اور ان باتوں کو بھی جو یہ کھلم کھلا کرتے ہیں۔ ﴿۶۹﴾ اللہ وہی ہے، اس کے سوا کوئی  
عبادت کے لائق نہیں، تعریف اُسی کی ہے، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور حکم اُسی کا چلتا ہے،  
اور اُسی کی طرف تم سب واپس بھیجے جاؤ گے۔ ﴿۷۰﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ  
اگر اللہ تم پر رات کو ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک مسلط رکھے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو  
تمہارے پاس روشنی لے کر آئے؟ بھلا کیا تم سنتے نہیں ہو؟“ ﴿۷۱﴾

(۳۹) یہ کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ پیغمبر ہمارے سرداروں اور دولت مند لوگوں میں سے کسی کو کیوں  
نہیں بنایا گیا؟ مختصر جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ ساری کائنات پیدا کی ہے، اور اُسی کو یہ اختیار  
حاصل ہے کہ وہ کس کو اپنا پیغمبر بنائے۔ ان لوگوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

قُلْ أَسْأَلُكُمْ أَنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ  
 اللَّهِ يَا تَيْمُكُمْ بِبَلِيلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تَبْصُرُونَ ﴿٤١﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٢﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ  
 فَيَقُولُ أَيُّكُمْ شَرَّكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٤٣﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا  
 فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٤٤﴾

کہو: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تم پر دن کو ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک مسلط کر دے تو اللہ کے سوا کونسا  
 معبود ہے جو تمہیں وہ رات لا کر دیدے جس میں تم سکون حاصل کر سکو؟ بھلا کیا تمہیں کچھ سمجھائی نہیں  
 دیتا؟ ﴿۴۲﴾ یہ تو اسی نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات بھی بنائی ہے اور دن بھی، تاکہ تم اُس  
 میں سکون حاصل کرو، اور اس میں اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۴۳﴾ اور وہ دن  
 (نہ بھولو) جب وہ ان (مشرکوں) کو پکارے گا، اور کہے گا کہ: ”کہاں ہیں (خدا ہی میں) میرے وہ  
 شریک جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟“ ﴿۴۴﴾ اور ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہی دینے والا نکال  
 لائیں گے، پھر کہیں گے کہ: ”لاؤ اپنی کوئی دلیل!“ اُس وقت اُن کو پتہ چل جائے گا کہ سچی بات اللہ  
 ہی کی تھی، اور وہ ساری باتیں جو انہوں نے گھڑ رکھی تھیں، سب گم ہو کر رہ جائیں گی۔ ﴿۴۵﴾

(۴۰) یہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام کا تذکرہ ہے کہ اُس نے رات کے وقت کو سکون حاصل کرنے کا ذریعہ  
 بنادیا، اندھیرا طاری کر کے سب کو مجبور کر دیا کہ وہ اُس وقت آرام کریں، ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ سب لوگ کسی  
 ایک وقت پر متفق ہو کر اُسے آرام کا وقت قرار دے دیتے، اور نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک شخص آرام کرنا چاہتا ہے تو دوسرا  
 اُس وقت کوئی کام کرنا چاہتا ہے، اور اُس کے کام میں مشغول ہونے سے پہلے شخص کے آرام میں خلل واقع ہوتا۔  
 اسی طرح دن کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل تلاش کرنے یعنی روزی روزگار کمانے کا وقت بنادیا، تاکہ اُس  
 وقت سب کام میں لگیں۔ اگر تمام وقت دن رہتا تو سکون حاصل کرنا مشکل ہوتا، اور اگر تمام وقت رات رہتی تو  
 سارے کام ناممکن ہو جاتے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۖ وَابْتَغَ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۚ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۖ أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَعًا ۖ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۚ

قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر اُس نے اُنہی پر زیادتی کی۔ اور ہم نے اُسے اتنے خزانے دیئے تھے کہ اُس کی چابیاں طاقت ور لوگوں کی ایک جماعت سے بھی مشکل سے اُٹھتی تھیں۔ ایک وقت تھا جب اُس کی قوم نے اُس سے کہا کہ: ”اتراؤ نہیں، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، ﴿۷۶﴾ اور اللہ نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے، اُس کے ذریعے آخرت والا گھر بنانے کی کوشش کرو، اور دُنیا میں سے بھی اپنے حصے کو نظر انداز نہ کرو، اور جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی (دوسروں پر) احسان کرو، اور زمین میں فساد مچانے کی کوشش نہ کرو۔ یقیناً جانو اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ ﴿۷۷﴾ کہنے لگا: ”یہ سب کچھ تو مجھے خود اپنے علم کی وجہ سے ملا ہے۔“ بھلا کیا اُسے اتنا بھی علم نہیں تھا کہ اللہ نے اُس سے پہلی نسلوں کے ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا تھا جو طاقت میں بھی اُس سے زیادہ مضبوط تھے، اور جن کی جمعیت بھی زیادہ تھی۔ اور مجرموں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔ ﴿۷۸﴾

(۴۱) اتنی بات تو خود قرآن کریم سے واضح ہے کہ قارون بنو اسرائیل ہی کا ایک شخص تھا۔ بعض روایات سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے فرعون نے اُس کو بنو اسرائیل کی نگرانی پر متعین کیا ہوا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنایا اور حضرت ہارون علیہ السلام آپ کے نائب قرار پائے تو اسے حسد ہوا، اور بعض روایات میں ہے کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ بھی کیا کہ اُسے کوئی منصب دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ اُسے کوئی منصب ملے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کر لی، اس پر اس کے حسد کی آگ ۲۰ اور زیادہ بھڑک اُٹھی، اور اُس نے منافقت شروع کر دی۔

(۴۲) قرآن کریم نے یہاں جو لفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کے معنی ظلم اور زیادتی کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور تکبر کرنے کے بھی۔ کہتے ہیں کہ جب اُس کو فرعون کی طرف سے بنو اسرائیل کی نگرانی سونپی گئی تھی تو اُس نے اپنے ہی قوم کے لوگوں پر زیادتیاں کی تھیں۔

(۴۳) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق استعمال کرو جس کے نتیجے میں آخرت کا ثواب حاصل ہو۔

(۴۴) یعنی آخرت کا گھر بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دُنیا کی ضروریات کو بالکل نظر انداز کر دو، بلکہ ضرورت کے مطابق دُنیا کا ساز و سامان رکھنے اور کمانے میں بھی کچھ گناہ نہیں ہے۔ البتہ دُنیا اس انداز سے نہ کماد جس سے آخرت میں نقصان اُٹھانا پڑے۔

(۴۵) یہاں اشارہ فرمادیا گیا کہ جو مال و دولت تمہیں دُنیا میں ملا ہے، حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اور اُس نے تم پر احسان کر کے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح تم بھی لوگوں پر احسان کر کے انہیں اس مال و دولت میں شریک کرو۔

(۴۶) ایک طرف تو قارون یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ میں نے جو مال و دولت حاصل کیا ہے اپنے علم و ہنر سے حاصل کیا ہے، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علم کا کوئی اعلیٰ درجہ تو درکنار اُسے اتنی معمولی بات بھی معلوم نہیں تھی کہ اگر بالفرض اُس نے اپنے علم و ہنر ہی سے یہ سب کچھ حاصل کیا تو وہ علم و ہنر کس کا دیا ہوا تھا؟ نیز یہ بات بھی اُس نے نظر انداز کر دی کہ اللہ تعالیٰ ایسے بہت سے انسانوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اُس سے زیادہ مضبوط تھے، اور اسی قسم کے دعوے کیا کرتے تھے۔

(۴۷) یعنی اللہ تعالیٰ کو مجرموں کے حالات کا پورا علم ہے، اس لئے اُس کو حالات جاننے کے لئے اُن سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں آخرت میں اُن سے جو سوالات ہوں گے، وہ اُن کا جرم خود اُن پر ثابت کرنے کے لئے ہوں گے۔

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَيْلِيَّتْ لَنَا مِثْلَ  
مَا أُوتِيَ قَارُونُ ۖ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيُكَفِّرُ  
ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنِ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقَاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهِ  
وَبَدَارِهِ الْأَرْضَ ۖ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ  
مِنِ الْمُنْتَصِرِينَ ۝ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَتَّبَعُوا مَكَانَهُ بِآلٍ مُّسِيئِينَ يَقُولُونَ وَيَگَانَّ  
اللَّهُ بِبُطْءِ الرِّزْقِ ۖ لَسَنَ نَّيَسِّرُ عِبَادَهُ ۖ وَیَقْدِرُ ۚ لَوْلَا أَن مِّنَ اللَّهِ عَلَيْنَا  
لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيَگَانَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝

ع  
۱۱

پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی آن بان کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ دنیوی زندگی کے طلب  
گار تھے، وہ کہنے لگے: ”اے کاش! ہمارے پاس بھی وہ چیزیں ہوتیں جو قارون کو عطا کی گئی ہیں۔  
یقیناً وہ بڑے نصیبوں والا ہے۔“ ﴿۷۹﴾ اور جن لوگوں کو (اللہ کی طرف سے) علم عطا ہوا تھا،  
انہوں نے کہا: ”تم پر افسوس ہے (کہ تم ایسا کہہ رہے ہو)۔ اللہ کا دیا ہوا ثواب اُس شخص کے لئے  
کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ انہی کو ملتا ہے جو صبر سے کام لیتے  
ہیں۔“ ﴿۸۰﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے اُسے اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اُسے کوئی ایسا  
گروہ میسر نہ آیا جو اللہ کے مقابلے میں اُس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنا بچاؤ کر سکا۔ ﴿۸۱﴾ اور کل جو  
لوگ اُس جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے، کہنے لگے: ”اوہو! پتہ چل گیا کہ اللہ اپنے بندوں میں سے  
جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا  
ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اوہو! پتہ چل گیا کہ کافر  
لوگ فلاح نہیں پاتے۔“ ﴿۸۲﴾

(۳۸) ”صبر“ قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ناجائز خواہشات پر قابو پا کر  
اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر ثابت قدم رکھے۔



تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا  
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا  
يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ  
عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى مَعَادٍ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَى وَمَنْ هُوَ فِي  
ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٨٥﴾

وہ آخرت والا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لئے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں نہ تو بڑائی چاہتے ہیں، اور  
نہ فساد، اور آخری انجام پر ہیزگاروں کے حق میں ہوگا۔ ﴿۸۳﴾ جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو  
اُس کو اُس سے بہتر چیز ملے گی، اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا تو جنہوں نے برے کام کئے ہیں، اُن  
کو کسی اور چیز کی نہیں، اُن کے کئے ہوئے کاموں ہی کی سزا دی جائے گی۔ ﴿۸۴﴾  
(اے پیغمبر!) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ تمہیں دوبارہ اُس جگہ پر لا کر  
رہے گا جو (تمہارے لئے) اُنسیت کی جگہ ہے۔ ﴿۸۴﴾ کہہ دو: ”میرا رب اُس سے بھی خوب واقف ہے  
جو ہدایت لے کر آیا ہے، اور اُس سے بھی جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔“ ﴿۸۵﴾

(۳۹) قرآن کریم میں اصل لفظ ”معاد“ استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ ”عادت“ سے نکلا ہے،  
یعنی وہ جگہ جس میں رہنے اور آنے جانے کا انسان عادی اور اُس سے مانوس ہو۔ اور بعض حضرات نے اس کے  
معنی ”لوٹنے کی جگہ“ بیان کئے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور یہ آیت اُس وقت نازل  
ہوئی تھی جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے، جب  
جحفہ کے قریب اُس جگہ پہنچے جہاں سے مکہ مکرمہ کا راستہ الگ ہوتا تھا تو آپ کو اپنے وطن سے جدائی کا احساس  
ہوا، اُس موقع پر اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تسلی دی، اور وعدہ فرمایا کہ آپ کو دوبارہ اس سرزمین پر فاتح  
کی حیثیت سے لایا جائے گا۔ چنانچہ آٹھ سال کی مدت میں یہ وعدہ پورا ہو گیا، اور مکہ مکرمہ میں آپ فاتح بن کر

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُثَقِّلَ بِكَ الْقِسْمُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ  
 ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَى  
 رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٨﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا  
 هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٩﴾

۱۱  
 ۱۲  
 ۱۳  
 ۱۴  
 ۱۵  
 ۱۶  
 ۱۷  
 ۱۸  
 ۱۹  
 ۲۰  
 ۲۱  
 ۲۲  
 ۲۳  
 ۲۴  
 ۲۵  
 ۲۶  
 ۲۷  
 ۲۸  
 ۲۹  
 ۳۰  
 ۳۱  
 ۳۲  
 ۳۳  
 ۳۴  
 ۳۵  
 ۳۶  
 ۳۷  
 ۳۸  
 ۳۹  
 ۴۰  
 ۴۱  
 ۴۲  
 ۴۳  
 ۴۴  
 ۴۵  
 ۴۶  
 ۴۷  
 ۴۸  
 ۴۹  
 ۵۰  
 ۵۱  
 ۵۲  
 ۵۳  
 ۵۴  
 ۵۵  
 ۵۶  
 ۵۷  
 ۵۸  
 ۵۹  
 ۶۰  
 ۶۱  
 ۶۲  
 ۶۳  
 ۶۴  
 ۶۵  
 ۶۶  
 ۶۷  
 ۶۸  
 ۶۹  
 ۷۰  
 ۷۱  
 ۷۲  
 ۷۳  
 ۷۴  
 ۷۵  
 ۷۶  
 ۷۷  
 ۷۸  
 ۷۹  
 ۸۰  
 ۸۱  
 ۸۲  
 ۸۳  
 ۸۴  
 ۸۵  
 ۸۶  
 ۸۷  
 ۸۸  
 ۸۹  
 ۹۰  
 ۹۱  
 ۹۲  
 ۹۳  
 ۹۴  
 ۹۵  
 ۹۶  
 ۹۷  
 ۹۸  
 ۹۹  
 ۱۰۰

اور (اے پیغمبر!) تمہیں پہلے سے یہ اُمید نہیں تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، لیکن یہ تمہارے  
 رب کی طرف سے رحمت ہے، لہذا کافروں کے ہرگز مددگار نہ بننا۔ ﴿۸۶﴾ اور جب اللہ کی آیتیں تم  
 پر نازل کر دی گئی ہیں، تو اس کے بعد یہ لوگ تمہیں ہرگز ان (پر عمل کرنے) سے روکنے نہ پائیں۔ اور  
 تم اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہو، اور ہرگز ان مشرکین میں شامل نہ ہونا۔ ﴿۸۷﴾  
 اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے،  
 سوائے اُس کی ذات کے۔ حکومت اُسی کی ہے، اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ ﴿۸۸﴾

داخل ہوئے۔ اور بعض مفسرین نے ”اُنسیت کی جگہ“ یا ”لوٹنے کی جگہ“ سے مراد جنت لی ہے۔ اور آیت کا  
 مطلب یہ بتایا ہے کہ آپ کو اگرچہ اس دُنیا میں تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، لیکن آخر کار آپ کا مقام جنت ہے۔

الحمد للہ! آج بروز اتوار مورخہ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳ جون ۲۰۰۷ء کو  
 ڈیر بن جنوبی افریقہ میں سورہ قصص کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز  
 خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل  
 کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ کے اُس دور میں نازل ہوئی تھی جب مسلمانوں کو اُن کے دشمنوں کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی تھیں۔ بعض مسلمان ان تکلیفوں کی شدت سے بعض اوقات پریشان ہوتے، اور اُن کی ہمت ٹوٹنے لگتی تھی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مسلمانوں کو بڑی قیمتی ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ اوّل تو سورت کے بالکل شروع میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے جو جنت تیار فرمائی ہے، وہ اتنی سستی نہیں ہے کہ کسی تکلیف کے بغیر حاصل ہو جائے۔ ایمان لانے کے بعد انسان کو مختلف آزمائشوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ دوسرے یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ یہ ساری تکلیفیں عارضی نوعیت کی ہیں، اور آخر کار ایک وقت آنے والا ہے جب ظالموں کو ظلم کرنے کی طاقت نہیں رہے گی، اور غلبہ اسلام اور مسلمانوں ہی کو حاصل ہوگا۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں پچھلے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات سنائے ہیں جن میں سے ہر واقعے میں یہی ہوا کہ شروع میں ایمان لانے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو برباد کیا، اور مظلوم مومنوں کو فتح عطا فرمائی۔ مکی زندگی کے اسی زمانے میں کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ اولاد مسلمان ہو گئی، اور والدین کفر پر بضد رہے، اور اپنی اولاد کو واپس کفر اختیار کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ اُن کا کہنا تھا کہ والدین ہونے کی وجہ سے اُن کی اولاد کو دین و مذہب کے معاملے میں بھی اُن کی فرماں برداری کرنی چاہئے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۸ میں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ معتدل اور برحق اصول بیان فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ انسان کا فرض ہے، لیکن اگر وہ کفر یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو اُن کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ جن مسلمانوں کے لئے مکہ مکرمہ کے کافروں کا ظلم و ستم ناقابل برداشت ہو رہا تھا، اُن کو اس سورت میں نہ صرف اجازت، بلکہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ چلے

جائیں جہاں وہ اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر عمل کر سکیں۔ بعض کافر لوگ مسلمانوں پر زور دیتے تھے کہ دین اسلام کو چھوڑ دو، اور اگر اس کے نتیجے میں تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا آئی تو تمہاری طرف سے ہم اُسے بھگت لیں گے۔ اس سورت کی آیات ۱۲ و ۱۳ میں اس لغو پیشکش کی حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ اس کے علاوہ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، اور اس سلسلے میں جو اعتراضات کافروں کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے، اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

”عنکبوت“ عربی میں مکڑی کو کہتے ہیں، اور اس سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مکڑی کے جالے پر بھروسہ کر رکھا ہو، اس لئے اس سورت کا نام سورہ عنکبوت ہے۔

آیتھا ۲۹ سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ رُكُوعَاتُهَا ۷

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَّذِينَ ۱ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۲ وَلَقَدْ فَتَنَّا  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۳ أَمْ  
حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۴ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۵ مَنْ كَانَ  
يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ ۶ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اُنہتر آیتیں اور سات رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الَّذِينَ ۱ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ:  
”ہم ایمان لے آئے“ اور اُن کو آزمایا نہ جائے؟ ۲ حالانکہ ہم نے اُن سب کی آزمائش کی ہے  
جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ لہذا اللہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی  
سے کام لیا ہے، اور وہ یہ بھی معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔ ۳ جن لوگوں نے  
برے برے کام کئے ہیں، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں گے؟ بہت برا اندازہ ہے  
جو وہ لگا رہے ہیں۔ ۴ جو شخص اللہ سے جا ملنے کی اُمید رکھتا ہو، اُسے یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ کی  
مقرر کی ہوئی میعاد ضرور آ کر رہے گی، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ۵

(۱) اگرچہ اللہ تعالیٰ کو شروع ہی سے سب کچھ معلوم ہے کہ کون فرماں بردار ہوگا، اور کون نافرمان، لیکن اللہ تعالیٰ اس  
اَزلی علم کی بنیاد پر جزا و سزا کا فیصلہ کرنے کے بجائے لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لئے انہیں موقع دیتا ہے کہ وہ  
اپنے اختیار سے ہدایت یا گمراہی کا راستہ خود چنیں، اور یہاں یہی دیکھنا مزہ ہے کہ کس نے کونسا راستہ عملاً چنا ہے۔

وَمَنْ جَاهِدْ فَإِنَّا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ① وَالَّذِينَ  
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ② وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي  
 مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ إِلَىٰ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ③  
 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ④

اور جو شخص بھی ہمارے راستے میں محنت اٹھاتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے محنت اٹھاتا ہے۔  
 یقیناً اللہ تمام دنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے۔ ﴿۶﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور  
 انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ہم ان کی خطاؤں کو ضرور ان سے جھاڑ دیں گے، اور جو عمل وہ کرتے  
 رہے ہیں، ان کا بہترین بدلہ انہیں ضرور دیں گے۔ ﴿۷﴾ اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ  
 اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی ایسے  
 (معبوذ) کو شریک ٹھہراؤ جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کا کہنا مت  
 مانو۔ ﴿۸﴾ میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے  
 ہو۔ ﴿۸﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ہم انہیں ضرور نیک  
 لوگوں میں شامل کریں گے۔ ﴿۹﴾

(۲) اس میں دین کے راستے میں کی ہوئی ہر محنت داخل ہے، چاہے وہ نفس اور شیطان کا مقابلہ کرنے کی محنت ہو،  
 یا تبلیغ و دعوت کی محنت، یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کی محنت۔

(۳) اس آیت نے یہ اصول بتا دیا ہے کہ اگر والدین کافر ہوں، تب بھی ان کے ساتھ عام برتاؤ میں نیک سلوک  
 کرنا چاہئے، اور ان کی توہین یا ان کو تکلیف پہنچانا مسلمان کا کام نہیں ہے، لیکن اگر وہ کفر و شرک پر مجبور کریں تو  
 ان کا کہا ماننا جائز نہیں۔



وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةً لِلنَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۚ وَلَٰئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۖ أَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ السَّافِقِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَاهُمْ بِحُمِلِينَ ۖ مِّنْ خَطِيئَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ۝

اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ: ”ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں“ پھر جب اُن کو اللہ کے راستے میں کوئی تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو ایسا سمجھتے ہیں جیسا اللہ کا عذاب۔<sup>(۴)</sup> اور اگر کبھی تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد ان (مسلمانوں) کے پاس آگئی ہے تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔“ بھلا کیا اللہ کو وہ باتیں اچھی طرح معلوم نہیں ہیں جو سارے دُنیا جہان کے لوگوں کے سینوں میں چھپی ہیں؟ ﴿۱۰﴾ اور اللہ تعالیٰ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ایمان لائے ہیں، اور وہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ منافق ہیں۔<sup>(۶)</sup> ﴿۱۱﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، انہوں نے ایمان والوں سے کہا کہ: ”ہمارے راستے کے پیچھے چلو تو ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھالیں گے“، حالانکہ وہ اُن کی خطاؤں کا ذرا بھی بوجھ نہیں اٹھا سکتے، اور یہ لوگ یقیناً بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۲﴾

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب بھتنا سنگین ہے، یہ لوگ انسانوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو بھی اتنا ہی سنگین سمجھتے ہیں، اور اس کی وجہ سے کفار کی بات مان کر واپس کفر کی طرف چلے جاتے ہیں، اور یہ بات منافقت کے طور پر مسلمانوں سے چھپاتے ہیں۔

(۵) یعنی جب مسلمانوں کو فتح ہوگی، اور فتح کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے تو یہ لوگ مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تو دل سے تمہارے ساتھ تھے، اس لئے ہم سے کافروں جیسا معاملہ کرنے کے بجائے ہمیں اس فتح کے نتائج میں شریک کرو۔

(۶) دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۔

وَلِيَحْمِلَنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ ۚ وَيَسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ۖ فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٤﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَبَ السَّفِينَةَ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَسْلِكُونَ لَكُمْ سُرُقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٧﴾

اور وہ اپنے گناہوں کے بوجھ بھی ضرور اٹھائیں گے، اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی (۷)۔ اور یہ لوگ جتنے جھوٹ گھڑا کرتے تھے، قیامت کے دن ان سے اُن سب کی باز پرس ضرور کی جائے گی۔ ﴿۱۳﴾ اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ پچاس کم ایک ہزار سال تک وہ اُن کے درمیان رہے، پھر اُن کو طوفان نے آ پکڑا، اور وہ ظالم لوگ تھے۔ ﴿۱۴﴾ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچالیا، اور ہم نے اُس کو دنیا جہان والوں کے لئے ایک عبرت بنا دیا۔ ﴿۱۵﴾ اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”اللہ کی عبادت کرو، اور اُس سے ڈرو، یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھ سے کام لو۔“ ﴿۱۶﴾ جو کچھ تم کرتے ہو وہ یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تم بتوں کو پوجتے ہو، اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو۔ یقیناً جانو کہ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہیں رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے، اس لئے رزق اللہ کے پاس تلاش کرو، اور اُس کی عبادت کرو، اور اُس کا شکر ادا کرو۔ اُسی کے پاس تمہیں واپس لوٹایا جائے گا۔ ﴿۱۷﴾

(۷) یعنی جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا، اُن کے گناہوں کا بوجھ بھی ان کو اٹھانا ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگ گناہوں کی سزا سے بچ جائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کو تو گناہ ہوگا ہی، لیکن ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گناہ ہوگا جنہوں نے ان کو گمراہ کیا۔

(۸) حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۲۵:۱۱) میں گزر چکا ہے۔

وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ  
 الْمُبِينُ ﴿١٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ  
 يَسِيرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ  
 النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ  
 مَن يَشَاءُ ۚ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي  
 السَّمَاءِ ۚ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ  
 اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكُونُونَ رَحُوتٍ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾ فَمَا  
 كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۖ

اور اگر تم مجھے جھٹلا رہے ہو تو تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلانے کی روش اختیار کر چکی ہیں، اور رسول پر اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دے۔ ﴿۱۸﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کرتا ہے؟ پھر وہی اُسے دوبارہ پیدا کرے گا، یہ کام تو اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۱۹﴾ کہو کہ: ”ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کیا، پھر اللہ ہی آخرت والی مخلوق کو بھی اٹھا کھڑا کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۲۰﴾ وہ جس کو چاہے گا، سزا دے گا، اور جس پر چاہے گا رحم کرے گا، اور اُسی کی طرف تم سب کو پلٹا کر لے جایا جائے گا۔ ﴿۲۱﴾ اور تم نہ زمین میں (اللہ کو) عاجز کر سکتے ہو، اور نہ آسمان میں، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے، اور نہ کوئی مددگار۔“ ﴿۲۲﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا اور اُس سے جاننے کا انکار کیا ہے، وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں، اور اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہے۔ ﴿۲۳﴾ غرض ابراہیم کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ انہوں نے کہا: ”قتل کر ڈالو اس کو یا جلا ڈالو اسے!“ پھر اللہ نے ابراہیم کو آگ سے بچایا۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٣﴾ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ  
أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ  
وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٤﴾ فَأَمِنَ لَهُ  
لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٥﴾

تفصیل

یقیناً اس واقعے میں اُن لوگوں کے لئے بڑی عبرتیں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۲۳﴾ اور ابراہیم نے یہ بھی کہا کہ: ”تم نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو (خدا) مانا ہوا ہے جس کے ذریعے دُنیوی زندگی میں تمہاری آپس کی دوستی قائم ہے۔“ پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے، اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور تمہیں کسی بھی طرح کے مددگار میسر نہیں ہوں گے۔“ ﴿۲۴﴾ پھر لوط اُن پر ایمان لائے، اور ابراہیم نے کہا کہ: ”میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر کے جا رہا ہوں، وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔“ ﴿۲۵﴾

(۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کے لئے دیکھئے سورہ انبیاء (۵۱:۲۱)۔

(۱۰) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں، انہوں نے اسی بت پرستی کی بنیاد پر دوستیاں قائم کر رکھی ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگوں نے بت پرستی سوچ سمجھ کر اختیار نہیں کی، بلکہ اپنے دوستوں کو دیکھا کہ وہ بت پرستی کر رہے ہیں، تو اُنہی کے طریقے پر چل پڑے، اور صرف دوستی قائم رکھنے کے لئے اس مذہب کو اپنالیا۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ حق و باطل کے معاملے میں دوستوں اور رشتہ داروں کی مروت میں کوئی راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے، بلکہ بصیرت کے ساتھ وہی راستہ اختیار کرنا چاہئے جو حق ہو۔

(۱۱) لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن یعنی عراق میں اُن پر حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی پیغمبر بنا کر سدوم اور عمورہ کی بستیوں کی طرف بھیجا تھا۔

(۱۲) مطلب یہ ہے کہ وطن چھوڑ کر اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔

وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَاتَيْنَاهُ أُجْرَهُ  
 فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٤﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ  
 لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٥﴾ أَيْنَكُمْ لَمَّا تَأْتُونَ  
 الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۚ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ  
 قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتُّبِعْنَا بَعْدَ اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ رَبِّ  
 انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٢٧﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى ۖ  
 قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٢٨﴾

اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب (جیسے بیٹے) عطا فرمائے، اور اُن کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا  
 سلسلہ جاری رکھا، اور اُن کا اجر ہم نے انہیں دُنیا میں (بھی) دیا اور یقیناً آخرت میں اُن کا شمار  
 صالحین میں ہوگا۔ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا: ”حقیقت یہ ہے کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے  
 ہو جو تم سے پہلے دُنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ ﴿۲۸﴾ کیا تم مردوں کے پاس جاتے  
 ہو، اور راستوں میں ڈاکے ڈالتے ہو، اور اپنی بھری مجلس میں بدی کا ارتکاب کرتے ہو؟“ پھر اُن کی  
 قوم کے لوگوں کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ انہوں نے کہا: ”لے آؤ ہم پر اللہ کا  
 عذاب اگر تم سچے ہو!“ ﴿۲۹﴾ لوط نے کہا: ”میرے پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں  
 میری مدد فرمائیے۔“ ﴿۳۰﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس (اُن کے بیٹا  
 ہونے کی) خوشخبری لے کر پہنچے، تو انہوں نے کہا کہ: ”ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے  
 ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے باشندے بڑے ظالم بنے ہوئے ہیں۔“ ﴿۳۱﴾

(۱۳) یعنی اپنی جنسی خواہش عورتوں کے بجائے مردوں سے پوری کرتے ہو۔

(۱۴) جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس یہ خوشخبری لے کر آئے تھے کہ اُن کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا،

قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۖ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا  
 امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَ إِلَيْهِمْ  
 وَصَاقٍ بِهِمْ دُرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنْجُونَ ۖ وَأَهْلَكَ إِلَّا  
 امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ  
 رَاجِزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٨﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِثْلَهَا آيَةً بَيِّنَةً  
 لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٩﴾

ابراہیم نے کہا: ”اس بستی میں تو لوط موجود ہیں۔“ فرشتوں نے کہا: ”ہمیں خوب معلوم ہے کہ اُس  
 میں کون ہے۔ ہم انہیں اور اُن کے متعلقین کو ضرور بچالیں گے، سوائے اُن کی بیوی کے کہ وہ اُن  
 لوگوں میں شامل رہے گی جو پیچھے رہ جائیں گے۔“ ﴿۳۲﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط  
 کے پاس پہنچے تو لوط اُن کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے، اور ان کی وجہ سے اُن کا دل تنگ ہونے  
 لگا۔ اُن فرشتوں نے کہا: ”آپ نہ ڈریے، اور نہ غم کیجئے۔ ہم آپ کو اور آپ کے متعلقین کو بچالیں  
 گے، سوائے آپ کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔“ ﴿۳۳﴾ اس بستی کے  
 باشندے جو بدکاریاں کرتے رہے ہیں، اُن کی وجہ سے ہم ان پر آسمان سے عذاب نازل کرنے  
 والے ہیں۔“ ﴿۳۴﴾ اور ہم نے اس بستی کی کچھ کھلی نشانی اُن لوگوں کے لئے چھوڑ دی ہے جو سمجھ  
 سے کام لیں۔ ﴿۳۵﴾

انہی کو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھی بھیجا گیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ  
 ہود (۶۹: ۱۱) اور سورۃ حجر (۵۱: ۱۵)۔

(۱۵) یعنی ان کی بستیوں کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں، اور نشانِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔

وَالِی مَدِیْنٍ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۚ فَقَالَ یَقُوْمُ عِبْدُ اللّٰهِ وَاِتْرَجُوا الْیَوْمَ الْاُخْرٰو  
 لَا تَعْتَوُوا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝۳۶ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِی  
 دَارِهِمْ جِثِیْن ۝۳۷ وَعَادًا وَّثَوْدًا ۚ وَقَدْ ثَبَّتْنَا لَكُمْ مِّنْ مَّسْكِنِهِمْ ۚ وَرَیْنَا لَهُمُ  
 الشَّیْطٰنُ اَعْمٰلَهُمْ فَصَدَّهُمُ عَنِ السَّبِیْلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِیْنَ ۝۳۸ وَقَارُوْنَ وَ  
 فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا  
 كَانُوْا سٰبِقِیْنَ ۝۳۹

اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ”میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اور آخرت والے دن کی امید رکھو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔“ ﴿۳۶﴾ پھر ہوا یہ کہ ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، چنانچہ زلزلے نے اُن کو آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ﴿۳۷﴾ اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا، اور اُن کی تباہی تم پر اُن کے گھروں سے واضح ہو چکی ہے۔ اور شیطان نے اُن کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر انہیں راہِ راست سے روک دیا تھا، حالانکہ وہ سوجھ بوجھ کے لوگ تھے۔ ﴿۳۸﴾ اور قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ہم نے ہلاک کیا۔ موسیٰ اُن کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے، مگر انہوں نے زمین میں تکبر سے کام لیا، اور وہ (ہم سے) جیت نہ سکے۔ ﴿۳۹﴾

(۱۶) دیکھئے سورۃ اعراف (۸۴: ۷) اور سورۃ ہود (۸۳: ۱۱)۔

(۱۷) دیکھئے سورۃ اعراف (۷۴: ۷ و ۷۵: ۷) و سورۃ ہود (۸۹: ۱۱ و ۹۰: ۶)۔

(۱۸) یعنی دُنیا کے معاملات میں بڑے سمجھ دار اور ہوشیار تھے، مگر آخرت سے بالکل غافل اور جاہل۔

(۱۹) دیکھئے سورۃ قصص (۲۸: ۷ و ۲۸: ۸)۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَنۢ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۖ وَمِنْهُمْ مَّنۢ أَخَذَتْهُ  
الصَّيْحَةُ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنۢ خَسَفْنَا بِهٖ الْأَرْضَ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنۢ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ  
لِيُظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنۢ كَانُوا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٠﴾ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ  
أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ ۖ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ  
الْعَنكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٣١﴾

وقف

ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر ہم نے  
پتھر اڑ کرنے والی ہوا بھیجی، اور کچھ وہ تھے جن کو ایک چنگھاڑنے آ پکڑا، اور کچھ وہ تھے جن کو ہم نے  
زمین میں دھنسا دیا، اور کچھ وہ جنہیں ہم نے پانی میں غرق کر دیا۔ اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم  
کرتا، لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ ﴿۳۰﴾

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رکھوالے بنا رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے  
کوئی گھر بنا لیا ہو۔ اور کھلی بات ہے کہ تمام گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ کاش کہ  
یہ لوگ جانتے! ﴿۳۱﴾

(۲۰) قوم عاد اسی طرح ہلاک ہوئی۔ دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۶۴)۔

(۲۱) قوم ثمود اسی طرح تباہ ہوئی۔ دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۷۲)۔

(۲۲) قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا۔ دیکھئے سورۃ قصص (۲۸: ۷۵)۔

(۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آیا تھا جس میں وہ غرق ہوئی، اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کو بھی  
سمندر میں غرق کیا گیا۔

(۲۴) یعنی کاش یہ لوگ جانتے کہ جن جھوٹے خداؤں پر انہوں نے بھروسہ کیا ہوا ہے، وہ مکڑی کے جالے سے  
زیادہ کمزور ہیں، اور انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔



إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣١﴾ وَتِلْكَ  
الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعُلَمَاءُ ﴿٣٢﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ  
الْأَرْضَ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٣﴾ أَتُلْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنَ  
الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ  
أَكْبَرُ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿٣٥﴾

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس جس چیز کو پکارتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے، اور وہ اقتدار کا بھی مالک  
ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۳۲﴾ ہم یہ مثالیں لوگوں کے فائدے کے لئے دیتے ہیں، اور انہیں  
سمجھتے وہی ہیں جو علم والے ہیں۔ ﴿۳۳﴾ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق (مقصد کے لئے) پیدا  
کیا ہے۔ (۲۵) درحقیقت اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ ﴿۳۴﴾  
(اے پیغمبر!) جو کتاب تمہارے پاس وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے، اُس کی تلاوت کرو، اور نماز قائم  
کرو۔ بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔  
اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سب کو جانتا ہے۔ ﴿۳۵﴾

(۲۵) یعنی یہ کائنات اس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ اُس کے ذریعے لوگوں کو آزمایا جائے، اور پھر لوگوں  
کے اعمال کے مطابق انہیں جزا یا سزا ملے۔ اگر آخرت کی زندگی آنے والی نہ ہو تو کائنات کو پیدا کرنے کا یہ اصل  
مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

(۲۶) یعنی اگر انسان نماز کو نماز کی طرح پڑھے، اور اس کے مقصد پر دھیان دے تو وہ اُسے بے حیائی اور ہر  
برے کام سے روکے گی، اس لئے کہ انسان نماز میں سب سے پہلے تکبیر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان اور  
اقرار کرتا ہے، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے کسی بات کو وقعت نہیں دیتا۔ پھر ہر  
رکعت میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس بات کا اقرار اور عہد کرتا ہے کہ یا اللہ! میں آپ ہی کی بندگی کرتا ہوں،  
اور آپ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ لہذا جب اس کے بعد کسی گناہ کا خیال اُس کے دل میں آئے تو اگر اُس نے

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ  
وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَالْهُنَا وَالْهُنَا وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ  
مُسْلِمُونَ ۝ (۳۱) وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۖ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ  
بِهِ ۚ وَمَنْ هُوَ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ ۖ وَمَا يَجْحَدُ بِالْإِتْنَاءِ إِلَّا الْكُفْرُونَ ۝ (۳۲)

اور (مسلمانو!) اہل کتاب سے بحث نہ کرو، مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، — البتہ اُن میں سے جو زیادتی کریں، اُن کی بات اور ہے — اور (ان سے) یہ کہو کہ: ”ہم اُس کتاب پر بھی ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور اُس پر بھی جو تم پر نازل کی گئی تھی، اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے، اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔“ ﴿۳۱﴾ اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے، اس لئے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور ان (بت پرستوں) میں سے بھی کچھ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لا رہے ہیں، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ ﴿۳۲﴾

نماز دھیان سے پڑھی ہے تو اُسے اپنا یہ عہد یاد آنا چاہئے جو یقیناً اُسے گناہ سے روکے گا۔ نیز وہ رکوع، سجدے اور نماز کی ہر حرکت و سکون میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے زبانِ حال سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس لئے جو شخص نماز کو سوچ سمجھ کر اُس طرح پڑھے جیسے پڑھنا چاہئے تو نماز یقیناً اُسے برائیوں سے روکے گی۔

(۲۷) یوں تو دعوتِ اسلام میں ہر جگہ یہی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ شائستگی کے ساتھ ہو، لیکن خاص طور پر اہل کتاب، یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں اس لئے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ آسمانی کتابوں پر اپنی الجملہ ایمان رکھتے ہیں، اس لئے بت پرستوں کے مقابلے میں وہ مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ تاہم اگر زیادتی اُن کی طرف سے ہو تو ترکی بہ ترکی جواب دینے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ إِذَا لُمْتُمْ آبَ  
 السُّبُطُلُونَ ﴿٢٨﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۚ وَمَا يَجْحَدُ  
 بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿٢٩﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا آيَاتُ  
 عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٣٠﴾

اور تم اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو  
 باطل والے میں میخ نکال سکتے تھے۔ ﴿۲۸﴾ (۲۸) حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایسی نشانیوں کا مجموعہ ہے  
 جو ان لوگوں کے سینوں میں بالکل واضح ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا ہے، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف  
 وہی لوگ کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔ ﴿۲۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”ان (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) پر  
 ان کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں؟“ (۲۹) (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ:  
 ”نشانیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اور میں تو ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿۵۰﴾

(۲۸) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اُمی بنایا، یعنی آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے۔ اس آیت میں  
 اُس کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ اُمی ہونے کے باوجود جب آپ کی زبان مبارک پر قرآن کریم جاری ہوا تو یہ  
 بذاتِ خود ایک عظیم الشان معجزہ تھا کہ جس شخص نے کبھی نہ پڑھنا سیکھا، نہ لکھنا، وہ ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کر رہا  
 ہے جس کی مثال پیش کرنے سے سارا عرب عاجز ہو گیا۔ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ اگر آپ پڑھتے لکھتے ہوتے تو  
 آپ کے مخالفین کو یہ کہنے کا کچھ نہ کچھ موقع مل جاتا کہ آپ نے کہیں سے پڑھ پڑھا کر یہ مضامین اکٹھے کر لئے  
 ہیں۔ اگرچہ اعتراض اُس پر بھی فضول ہی ہوتا، لیکن اب تو یہ کہنے کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہا۔

(۲۹) یعنی وہ معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جن کی ہم فرمائش کرتے ہیں۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 بہت سے معجزات عطا فرمائے گئے تھے، لیکن کفار مکہ نے نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، جیسے سورہ بنی  
 اسرائیل (۱۷: ۹۳) میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ معجزات دیکھنا اللہ تعالیٰ کی

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُثْلُ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَ  
ذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي  
السُّبُوتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ  
الْخَاسِرُونَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ  
الْعَذَابُ ۖ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَ  
إِنَّ جَهَنَّمَ لَحِيطَةٌ ۖ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ  
أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُو الْقُوَا أَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

بھلا کیا ان کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر  
سنائی جا رہی ہے؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ماننے والے  
ہوں۔ ﴿۵۱﴾ کہہ دو کہ: ”میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے اللہ کافی ہے، اُسے  
اُن تمام چیزوں کا علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں۔ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے  
ہیں، اور اللہ کا انکار کیا ہے، وہی ہیں جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔“ ﴿۵۲﴾ اور یہ لوگ تم  
سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں۔ اگر (عذاب کا) ایک معین وقت نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب  
آجاتا، اور وہ آئے گا ضرور (مگر) اتنا اچانک کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ ﴿۵۳﴾ یہ تم سے  
عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں، اور یقیناً جہنم ان کو گھیرے میں لے لے گی، ﴿۵۴﴾ اُس دن جب  
عذاب اُن پر اوپر سے بھی چھا جائے گا، اور ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی، اور کہے گا کہ: ”چکھو  
اُن کاموں کا مزہ جو تم کیا کرتے تھے۔“ ﴿۵۵﴾

قدرت میں ہے، میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبردار کرنے کے لئے آیا ہوں۔ نیز اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ  
قرآن کریم بذاتِ خود ایک بڑا معجزہ ہے جو ایک طالبِ حق کے لئے بالکل کافی ہونا چاہئے۔

لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةً فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ كُلُّ نَفْسٍ  
ذَاقَتْ مَوْتَ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
لَنُؤْتِيَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعَمَ أَجْرُ  
الْعَامِلِينَ ﴿٥٨﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٩﴾ وَكَأَيُّنَ مِّنْ ذَا بَلَاءٍ لَا  
تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾

اے میرے بندو جو ایمان لا چکے ہو! یقین جانو میری زمین بہت وسیع ہے، لہذا خالص میری عبادت کرو۔ ﴿۵۶﴾ ہر تنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، پھر ہماری ہی طرف تم سب کو واپس لایا جائے گا۔ ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کو ہم ضرور جنت کے ایسے بالا خانوں میں آباد کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بہترین اجر ہے ان عمل کرنے والوں کا، ﴿۵۸﴾ جنہوں نے صبر سے کام لیا، اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ﴿۵۹﴾ اور کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے! اللہ انہیں بھی رزق دیتا ہے، اور تمہیں بھی، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۶۰﴾

(۳۰) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، یہ سورت اُس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر رکھی تھی، اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صورتِ حال سے پریشان تھے۔ اس سورت کے شروع میں تو انہیں صبر و استقامت کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور اب اس آیت میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر مکہ مکرمہ میں دین پر عمل کرنا مشکل ہو رہا ہے تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، ہجرت کر کے کسی اور ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں امن و سکون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکو۔

(۳۱) یعنی اگر ہجرت کرنے سے اس لئے رُکاوٹ محسوس ہو کہ اپنے عزیزوں دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا تو یہ جدائی کبھی نہ کبھی تو ہونی ہی ہے، کیونکہ ہر انسان کو موت آنی ہے۔ پھر جب سب ہمارے پاس واپس آ جاؤ گے تو پھر کبھی جدائی نہیں ہوگی۔

(۳۲) ہجرت کرنے میں ایک خوف یہ ہو سکتا تھا کہ یہاں تو ہمارے روزگار کا ایک نظام موجود ہے، کہیں اور جا کر

وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ ۚ  
فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿١١﴾ اللَّهُ يُبْسِطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ  
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢﴾ وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ  
مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولَنَّ اللَّهُ ۖ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٣﴾

اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ: ”کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور سورج اور چاند کو کام پر لگایا؟“ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ پھر آخر یہ لوگ کہاں سے اوندھے چل پڑتے ہیں؟ ﴿۶۱﴾ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں کشادگی کر دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے، تنگی کر دیتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے۔ ﴿۶۲﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ: ”کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اُسے زندگی بخشی؟“ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ کہو: ”الحمد للہ!“ لیکن ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۶۳﴾

معلوم نہیں کوئی مناسب روزگار ملے یا نہ ملے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دُنیا میں کتنے جانور ایسے ہیں جو اپنا رزق ساتھ لئے نہیں پھرتے، بلکہ وہ جہاں کہیں جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ وہیں ان کے رزق کا انتظام فرماتا ہے۔ لہذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں وطن چھوڑیں گے، کیا اللہ تعالیٰ اُن کے رزق کا انتظام نہیں فرمائے گا؟ البتہ رزق کی کمی اور زیادتی تمام تر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت پر موقوف ہے۔ لہذا وہی فیصلہ فرماتا ہے کہ کس کو کس وقت کتنا رزق دینا ہے۔

(۳۳) یعنی اس حقیقت کا اعتراف کرنے کا منطقی تقاضا یہ تھا کہ وہ اُسی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، کبھی اور کی نہیں، لیکن اس کے بعد انہیں کیا ہو جاتا ہے کہ اس منطقی تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے شرک شروع کر دیتے ہیں۔

(۳۴) یعنی الحمد للہ! کہ انہوں نے خود اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کے خالق کائنات ہونے کا اعتراف کر لیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے مشرکانہ عقائد بے بنیاد اور سراسر باطل ہیں۔

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ ۖ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۚ  
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ فَإِذَا رَأَوْا فِي الْقُلُوبِ دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ  
فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳۵﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ وَلِيَسْتَعِزُّوا  
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مَّا مَنَّا وَيَتَخَفَتِ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ  
أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿۳۷﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى  
اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿۳۸﴾  
يَع وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَهُمْ صُبُلَنَا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۹﴾

اور یہ دُنوی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ بھی نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ دارِ آخرت ہی اصل زندگی ہے، اگر یہ لوگ جانتے ہوتے! ﴿۶۳﴾ چنانچہ جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ان کا اعتقاد خالص اُسی پر ہوتا ہے۔ پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو فوراً شرک کرنے لگتے ہیں۔ ﴿۶۵﴾ کر لیں یہ لوگ ناشکری اُس نعمت کی جو ہم نے اُن کو دی ہے، اور اڑالیں کچھ مزے! پھر وہ وقت دُور نہیں جب انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۶۶﴾ بھلا کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے (ان کے شہر کو) ایک پر امن حرم بنا دیا ہے، جبکہ ان کے ارد گرد لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہیں اُچک لیا جاتا ہے۔ ﴿۶۷﴾ کیا پھر بھی یہ باطل پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۶۷﴾ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا جب اُس کے پاس حق کی بات پہنچے تو وہ اُسے جھٹلائے؟ کیا جہنم میں (ایسے) کافروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ ﴿۶۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۶۹﴾

(۳۵) یعنی جس طرح کھیل کود میں کچھ دیر تو مزہ آتا ہے، مگر وہ کوئی پائیدار چیز نہیں ہے، ذرا دیر گزرنے کے بعد سارا تماشا ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح دُنیا کی لذتیں بھی ناپائیدار ہیں، اور کچھ ہی عرصے میں سب ختم ہو جائیں گی۔

اس کے برخلاف آخرت کی زندگی ہمیشہ کے لئے ہے، اس لئے اُس کی لذتیں اور نعمتیں سدا بہار ہیں۔ اس لئے اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔

(۳۶) مشرکین عرب کا یہ عجیب طریقہ تھا کہ جب سمندر کی موجوں میں گھر کر موت نظر آنے لگتی تو اُس وقت انہیں نہ کوئی بت یاد آتا تھا، نہ کوئی دیوی یاد دیتا۔ اُس وقت وہ مدد کے لئے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ لیکن جب دُوبنے سے بچ کر کنارے پہنچ جاتے تو اللہ تعالیٰ کے بجائے پھر انہی بتوں کی عبادت شروع کر دیتے تھے۔

(۳۷) پچھلی سورت یعنی سورہ قصص (۵۷:۲۸) میں گزرا ہے کہ مشرکین مکہ اپنے ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ یہ پیش کرتے تھے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو سارا عرب جو اس وقت ہماری عزت کرتا ہے، ہمارا مخالف ہو جائے گا، اور ہمیں اپنی سر زمین سے نکال باہر کرے گا۔ اس آیت میں اول تو اس بہانے کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مکہ مکرمہ کو حرم بنا کر اُسے اتنا پر امن علاقہ بنا دیا ہے کہ وہاں کوئی قتل و غارت گری کی جرأت نہیں کرتا، حالانکہ اُس کے ارد گرد اچھے خاصے لوگوں کو دن دھاڑے اُچک کر قتل اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ لہذا جب تمہاری نافرمانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ چین کی زندگی دے رکھی ہے تو جب تم اُس کے فرماں بردار بن جاؤ گے تو کیا وہ تمہیں اس نعمت سے محروم کر دے گا؟ دوسرے اس آیت نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ مکہ مکرمہ کو کیا کسی بت نے یاد دیتا ہے کہ حرم بنا دیا تھا جو تم اُن کی عبادت کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟ یقیناً اس خطے کو یہ تقدس تو اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے۔ پھر خود سوچ لو کہ عبادت کے لائق کون ہے؟

(۳۸) یہ اُن لوگوں کے لئے بڑی عظیم خوشخبری ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب تک انسان اس راستے میں کوشش جاری رکھے، اور مایوس ہو کر نہ بیٹھ جائے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اُس کی مدد فرما کر ضرور منزل تک پہنچا دیں گے۔ لہذا راستے کی مشکلات سے ہار مان کر بیٹھنے کے بجائے نئے عزم و ہمت کے ساتھ یہ کوشش ہمیشہ جاری رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی مکمل توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

الحمد للہ! سورہ عنکبوت کا ترجمہ اور حواشی آج شب چہار شنبہ ۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲ / جون ۲۰۰۷ء کو اذانِ عشاء کے وقت کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔





تَوْحِیْحُ الْقُرْآنِ

# اسان ترجمہ قرآن

تشریحات کے ساتھ



سُورَةُ الرُّومِ تا سُورَةُ النَّاسِ

از

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)  
Karachi, Pakistan.

# جملہ حقوق طبع و نشر محفوظ ہیں

ISBN 978-969-9306-02-0

عرض ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ اشفاق قاسمی نے "آسان ترجمہ قرآن" کی تصحیح و طباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کسی بھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔



مکتبہ اشفاق قاسمی  
(Quranic Studies Publishers)

maktabamaarifulquran.com  
Compound Jamia Darul-uloom Karachi.  
Korangi Industrial Area, Post Code-75180,  
Karachi - Pakistan.

باہتمام : خستہ اشفاق قاسمی

طبع جدید : ربیع الاول - ۱۴۳۲ھ مطابق فروری - 2011

مطبع : احمد برادرز پر تنگ پریس

ناشر : مکتبہ اشفاق قاسمی

(Quranic Studies Publishers)

فون : (92-21) 35031565, 35123130

ای میل : info@quranicpublishers.com

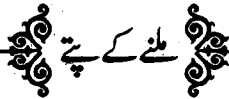
mm.q@live.com

ویب سائٹ : www.maktabamaarifulquran.com

ONLINE  
SHARIAH.com

www.ONLINE

ہر قسم کی دینی کتب کی آن لائن خریداری کے لیے  
درج بالا ویب سائٹ پر سہولت موجود ہے۔



● Azhar Academy Ltd.,  
54-68, Little Ilford Lane,  
Manor Park-London E-12, 5QA, U.K.  
Ph : +44-20-8911-9797

● Darul Uloom Al-Madania,  
182, Sobieski Street Buffalo,  
NY, 14212-U.S.A

● ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی۔

● دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔

● بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔

● ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، اتارکلی، لاہور۔

● بیت العلوم، ۲۰، ناچھ روڈ، لاہور۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا  
ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى آله واصحابه اجمعين،  
وعلى من تبعهم باحسان إلى يوم الدين-

## پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناکارہ بندے کو اپنے  
کلام مجید کے اس ترجمے اور تشریح کی توفیق عطا فرمائی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

آج سے چند سال پہلے تک میرا خیال یہ تھا کہ اُردو میں مستند علمائے کرام کے اتنے ترجمے موجود ہیں کہ  
ان کے بعد کسی نئے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب کچھ حضرات مجھ سے قرآن کریم کا ترجمہ کرنے  
کی فرمائش کرتے تو اس خدمت کو عظیم سعادت سمجھنے کے باوجود اوّل تو اپنی نااہلی کا احساس اڑے آتا، اور  
دوسرے کسی نئے ترجمے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن پھر مختلف اطراف سے احباب نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اُردو کے جو مستند ترجمے اس وقت موجود  
ہیں، وہ عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہو گئے ہیں، اور ایسے آسان ترجمے کی واقعی ضرورت ہے جو معمولی پڑھے  
لکھے افراد کی سمجھ میں بھی آسکے۔ یہ مطالبہ اتنی کثرت سے ہوا کہ موجودہ ترجموں کا باقاعدہ جائزہ لینے کے بعد مجھے  
بھی اس مطالبے میں وزن نظر آنے لگا، اور جب میرا انگریزی ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہوا تو یہ مطالبہ اور زیادہ زور  
پکڑ گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے ترجمہ شروع کیا، لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال تھا کہ عام مسلمانوں کو  
قرآن کریم کا مطلب سمجھنے کے لئے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحات کی بھی ضرورت ہوگی، اس خیال کے پیش نظر  
میں نے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحی حواشی بھی لکھنے کا اہتمام کیا۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو بذات خود ایک عظیم معجزہ ہے، اس لئے اُس کا ٹھیک ٹھیک

ترجمہ جو قرآن کریم کی بلاغت اور اس کے بے مثال اسلوب اور تاثیر کو کسی دوسری زبان میں منتقل کر دے، بالکل ناممکن ہے۔ لیکن اپنی بساط کی حد تک بندہ نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کا مطلب آسان، با محاورہ اور رواں انداز میں واضح ہو جائے۔ یہ ترجمہ بالکل لفظی ترجمہ بھی نہیں ہے، اور اتنا آزاد بھی نہیں ہے جو قرآن کریم کے الفاظ سے دُور چلا جائے۔ وضاحت کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حتی الوسع قرآن کریم کے الفاظ سے بھی قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جہاں قرآن کریم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ تفسیروں کا احتمال ہے، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ترجمے کے الفاظ میں بھی وہ احتمالات باقی رہیں۔ اور جہاں ایسا ممکن نہ ہو سکا، وہاں سلف کے مطابق جو تفسیر زیادہ رائج معلوم ہوئی، اُس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

تشریحی حواشی میں صرف اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو جہاں مطلب سمجھنے میں کچھ دشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تشریح سے مدد لے سکے، لمبے تفسیری مباحث اور علمی تحقیقات کو نہیں چھیڑا گیا، کیونکہ اس کے لئے بفضلہ تعالیٰ مفصل تفسیریں موجود ہیں۔ البتہ ان مختصر حواشی میں چھنی چھنائی بات عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

اس خدمت کا بہت سا حصہ بلکہ شاید زیادہ حصہ میرے مختلف سفروں کے درمیان انجام پایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کمپیوٹر میں تمام ضروری کتابوں کا ذخیرہ میرے ساتھ تھا، اس لئے ضروری کتابوں کی مراجعت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

قرآن کریم کی یہ ناچیز خدمت اس احساس کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ اس بے مثال کلام کی خدمت کے لئے جس علم اور تقویٰ کی ضرورت ہے، میں اُس سے تہی دامن ہوں۔ لیکن جس مالکِ کریم کا یہ کلام ہے، وہ جس ذرّہ بے مقدار سے جو کام لینا چاہے، لے لیتا ہے۔ لہذا اگر اس خدمت میں کوئی بات اچھی اور درست ہے تو وہ صرف اُسی کی توفیق سے ہے، اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری نااہلی کی وجہ سے ہے۔ اُسی مالکِ کریم کی بارگاہ میں یہ التجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اُسے مسلمانوں کے لئے مفید بنادے، اور اس ناکارہ کے لئے آخرت کا ذخیرہ، وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌّ۔

بندہ  
محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



## فهرست

شماره	عنوان
۱۲۳۳	سورة الروم
۱۲۵۳	سورة لقمان
۱۲۶۷	سورة السجدة
۱۲۷۷	سورة الاحزاب
۱۳۱۳	سورة سبا
۱۳۳۳	سورة فاطر
۱۳۴۹	سورة يس
۱۳۶۷	سورة الصافات
۱۳۸۹	سورة ص
۱۴۰۹	سورة الزمر
۱۴۳۱	سورة المؤمن
۱۴۵۳	سورة خم السجدة
۱۴۶۹	سورة الشورى
۱۴۸۵	سورة الزخرف



صفحہ نمبر	سورۃ کا نام
۱۵۰۷	سورۃ الدخان
۱۵۱۷	سورۃ الجاثیہ
۱۵۲۹	سورۃ الاحقاف
۱۵۴۵	سورۃ محمد
۱۵۵۹	سورۃ الفتح
۱۵۷۷	سورۃ الحجرات
۱۵۸۹	سورۃ قی
۱۶۰۱	سورۃ الذاریات
۱۶۱۳	سورۃ الطور
۱۶۲۵	سورۃ النجم
۱۶۳۷	سورۃ القمر
۱۶۴۷	سورۃ الرحمن
۱۶۵۹	سورۃ الواقعہ
۱۶۷۱	سورۃ الحديد
۱۶۸۷	سورۃ المجادلہ
۱۶۹۹	سورۃ الحشر
۱۷۱۱	سورۃ الممتحنہ
۱۷۲۳	سورۃ الصف
۱۷۳۱	سورۃ الجمعہ
۱۷۳۷	سورۃ المنافقون

سورة	سورة
------	------

١٢٢٥	سورة التغابن
١٢٥٣	سورة الطلاق
١٢٦٣	سورة التحريم
١٢٧١	سورة الملك
١٢٧٩	سورة القلم
١٢٨٩	سورة الحاقة
١٢٩٢	سورة المعارج
١٨٠٥	سورة نوح
١٨١٣	سورة الجن
١٨٢٣	سورة المزمل
١٨٣١	سورة المدثر
١٨٣١	سورة القيامة
١٨٣٩	سورة الدهر
١٨٥٢	سورة المرسلات
١٨٦٥	سورة النبا
١٨٧٣	سورة النازعات
١٨٨١	سورة عبس
١٨٨٢	سورة التکویر
١٨٩٣	سورة الانفطار
١٨٩٢	سورة الطفقين

صفحه نمبر	سورة کا نام
۱۹۰۳	سورة الانشقاق
۱۹۰۹	سورة البروج
۱۹۱۵	سورة الطارق
۱۹۱۷	سورة الاعلىٰ
۱۹۱۹	سورة الغاشية
۱۹۲۲	سورة الفجر
۱۹۲۶	سورة البلد
۱۹۳۰	سورة الشمس
۱۹۳۳	سورة الليل
۱۹۳۶	سورة الضحیٰ
۱۹۳۸	سورة الم نشرح
۱۹۴۰	سورة التین
۱۹۴۲	سورة العلق
۱۹۴۵	سورة القدر
۱۹۴۶	خورة البینہ
۱۹۴۸	سورة الزلزال
۱۹۵۰	سورة الحادیات
۱۹۵۲	سورة القارعة
۱۹۵۳	سورة الحکاش
۱۹۵۴	سورة العصر

صفحہ نمبر	سورۃ کا نام
۱۹۵۵	سورۃ الہمزۃ
۱۹۵۷	سورۃ الفیل
۱۹۵۹	سورۃ قریش
۱۹۶۱	سورۃ الماعون
۱۹۶۳	سورۃ الکوثر
۱۹۶۴	سورۃ الکافرون
۱۹۶۶	سورۃ النصر
۱۹۶۸	سورۃ الہب
۱۹۷۰	سورۃ الاخلاص
۱۹۷۲	سورۃ الفلق
۱۹۷۳	سورۃ الناس



# سُورَةُ الرُّومِ

## تعارف

اس سورت کا ایک خاص تاریخی پس منظر ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی اور حقانیت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کرتا ہے۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی، اُس وقت دُنیا میں دو بڑی طاقتیں تھیں، ایک ایران کی حکومت جو مشرق کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی، اور اُس کے ہر بادشاہ کو ”کسریٰ“ کہا جاتا تھا، یہ لوگ آتش پرست تھے، یعنی آگ کو پوجتے تھے۔ دوسری بڑی طاقت روم کی تھی جو مکہ مکرمہ کے شمال اور مغرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک اور یورپ کے علاقے اسی سلطنت کے ماتحت تھے، اور اس کے ہر بادشاہ کو ”قیصر“ کہا جاتا تھا، اور ان کی اکثریت عیسائی مذہب پر تھی۔ جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے، اُس وقت ان دونوں طاقتوں کے درمیان شدید جنگ ہو رہی تھی، اور اس جنگ میں ایران کا پلہ ہر لحاظ سے بھاری تھا، اور اُس کی فوجوں نے ہر محاذ پر روم کی فوجوں کو شکست دے کر اُن کے بڑے بڑے شہر فتح کر لئے تھے، یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں عیسائیوں کا مقدس ترین کلیسا تباہ کر کے رومیوں کو مسلسل پیچھے دھکیلتی جا رہی تھیں، اور روم کے بادشاہ ہر قل کو جائے پناہ تلاش کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ایران کی حکومت چونکہ آتش پرست تھی، اس لئے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کی ہمدردیاں اُس کے ساتھ تھیں، اور جب کبھی ایران کی کسی فتح کی خبر آتی تو مکہ مکرمہ کے بت پرست اُس پر نہ صرف خوشی مناتے، بلکہ مسلمانوں کو چڑاتے کہ عیسائی لوگ جو آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، مسلسل شکست کھاتے جا رہے ہیں، اور ایران کے لوگ جو ہماری طرح کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کو نہیں مانتے، انہیں برابر فتح نصیب ہو رہی ہے۔ اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی، اور اُس کے بالکل شروع میں یہ پیشینگوئی کی گئی کہ روم کے لوگ اگرچہ اس وقت شکست کھا گئے ہیں، لیکن چند سالوں میں وہ فتح حاصل کر کے ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، اور اُس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اس طرح اس سورت کے شروع میں بیک وقت دو پیشینگوئیاں کی گئیں۔ ایک یہ کہ

روم کے جو لوگ شکست کھا گئے ہیں، وہ چند سالوں میں ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، اور دوسرے یہ کہ مسلمان جو اس وقت مکہ مکرمہ کے مشرکین کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار ہیں، اُس دن وہ بھی مشرکین پر فتح منائیں گے۔ یہ دونوں پیشین گوئیاں اُس وقت کے ماحول میں اتنی بعید از قیاس تھیں کہ کوئی بھی شخص جو اُس وقت کے حالات سے واقف ہو، ایسی پیشینگوئی نہیں کر سکتا تھا۔ مسلمان اُس وقت جس طرح کافروں کے ظلم و ستم میں دبے اور پسے ہوئے تھے، اُس کے پیش نظر بظاہر کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ اپنی فتح کی خوشی منائیں۔ دوسری طرف سلطنتِ روما کا حال بھی یہ تھا کہ اُس کے ایرانیوں کے مقابلے میں اُبھرنے کا دُور دُور کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ سلطنتِ روما کا مشہور مؤرخ ایڈورڈ گین اس پیشینگوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ”جس وقت مبینہ طور پر یہ پیشینگوئی کی گئی، اُس وقت کسی بھی پیشینگوئی کا پورا ہونا اس سے زیادہ بعید نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ قیصر ہرقل کی حکومت کے پہلے بارہ سالوں میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ رومی سلطنت کا خاتمہ بالکل قریب آچکا ہے۔“

(Gibbon: The Decline and Fall of the Roman Empire, chapter 46, Volume 2, p.125, Great Books, v.38, University of Chicago, 1990)

چنانچہ مکہ مکرمہ کے مشرکین نے اس پیشینگوئی کا بہت مذاق اڑایا، یہاں تک کہ اُن کے ایک مشہور سردار اُبی بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ شرط لگالی کہ اگر آئندہ نو سال کے درمیان روم کے لوگ ایرانیوں پر غالب آگئے تو وہ حضرت ابوبکرؓ کو سو اُونٹ دے گا، اور اگر اس عرصے میں وہ غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اُس کو سو اُونٹ دیں گے (اُس وقت تک اس قسم کی دوطرفہ شرط لگانا حرام نہیں کیا گیا تھا)۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی ایرانیوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ وہ قیصر کے پایہ تخت قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے، اور اُنہوں نے قیصر ہرقل کی طرف سے صلح کی ہر پیشکش کو ٹھکرا کر یہ جواب دیا کہ انہیں ہرقل کے سر کے سوا کوئی اور پیشکش منظور نہیں ہے، جس کے نتیجے میں ہرقل تیونس کی طرف بھاگنے کا منصوبہ بنانے لگا۔ لیکن اس کے فوراً بعد حالات نے عجیب و غریب پلٹا کھایا، ہرقل نے مجبور ہو کر ایرانیوں پر عقب



سے حملہ کیا جس میں اُسے ایسی کامیابی حاصل ہوئی جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اس پیشینگوئی کو ابھی سات سال گزرے تھے کہ رومیوں کی فتح کی خبر عرب تک پہنچ گئی۔ جس وقت یہ خبر پہنچی، یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب بدر کے میدان میں سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے لشکر کو عبرتناک شکست دی تھی، اور مسلمانوں کو اس فتح پر غیر معمولی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح قرآن کریم کی دونوں پیشینگوئیاں کھلی آنکھوں اس طرح پوری ہوئیں جن کا بظاہر حالات کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا، اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ اُس وقت اُبی بن خلف جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شرط لگائی تھی، مرچکا تھا، لیکن اُس کے بیٹوں نے شرط کے مطابق سو اُونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ادا کئے، اور چونکہ اُس وقت جوے کی حرمت آچکی تھی، اور دوطرفہ شرط جوے ہی کی ایک شکل ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ اُونٹ خود استعمال کرنے کے بجائے صدقہ کر دیں۔

اس پیشینگوئی کے علاوہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، اور مخالفین کی تردید کی گئی ہے۔

﴿اٰیٰتِهَا ۶۰﴾ سُورَةُ الرَّوْمِ مَكِّيَّةٌ ۸۳ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۶﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ ۱ غَلَبَتِ الرَّوْمُ ۲ فِیْ اَدْنٰی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَلَیْهِمْ سَیْغُلُوْنَ ۳  
فِیْۤ اَضْمَعِ سِنِیْنٍ ۴

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اَلَمْ ۱ رومی لوگ قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد  
عنقریب غالب آجائیں گے ۲ ۳ و ۴ چند ہی سالوں میں!

(۱) اس پیشینگوئی کی تفصیل اور سورت کے تعارف میں آپجی ہے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ”چند سالوں“ کے لئے قرآن کریم نے ”بضع“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا ترجمہ اردو میں ”چند“ کیا جاتا ہے، لیکن عربی زبان میں ”بضع“ کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے لئے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ شروع میں ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو شرط لگائی تھی، وہ یہ تھی کہ اگر تین سال کے اندر اندر رومی فتح پا گئے تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دس اونٹ دے گا، ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو دس اونٹ دیں گے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم میں ”بضع“ کا لفظ آیا ہے، اور اس میں تین سے لے کر نو سال تک کا احتمال ہے، اس لئے تم ابی بن خلف سے دس کے بجائے سو اونٹوں کی شرط لگا لو، البتہ مدت کو تین سال سے بڑھا کر نو سال کر دو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ چونکہ رومیوں کے فتح پانے کا دور دور بھی کوئی احتمال نظر نہیں آتا تھا، اس لئے ابی بن خلف بھی اس پر راضی ہو گیا، اور اب شرط یہ قرار پائی کہ اگر نو سال کے اندر اندر رومی غالب آ گئے تو ابی بن خلف سو اونٹ حضرت ابوبکر کو دے گا، ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو سو اونٹ دیں گے۔ اور یہ بات اوپر عرض کی جا چکی ہے کہ اس وقت ایسی شرط لگانا حرام نہیں ہوا تھا، لیکن جب یہ پیشینگوئی پوری ہو گئی اور ابی بن خلف کے بیٹے نے سو

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْقَرُ الْمُؤْمِنُونَ ۝۲۰ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ  
 مَنْ يَّشَاءُ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۲۱ وَعَدَ اللّٰهُ لَا يَخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنْ  
 اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝۲۲ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ  
 الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ۝۲۳ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِىْ اَنْفُسِهِمْ ۚ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ  
 الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِاِلْقَآئِ  
 رَبِّهِمْ لَكٰفِرُونَ ۝۲۴

سارا اختيار اللہ ہی کا ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اُس دن ایمان والے اللہ کی دی ہوئی فتح سے خوش  
 ہوں گے۔ (۲۰) وہ جس کو چاہتا ہے، فتح دیتا ہے، اور وہی صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۵۴﴾  
 یہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۶۱﴾ وہ  
 دُنیوی زندگی کے صرف ظاہری رُخ کو جانتے ہیں، اور آخرت کے بارے میں اُن کا حال یہ ہے کہ وہ  
 اُس سے بالکل غافل ہیں۔ ﴿۷۷﴾ بھلا کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا؟ اللہ نے آسمانوں اور  
 زمین کو اور ان کے درمیان پائی جانے والی چیزوں کو بغیر کسی برحق مقصد کے اور کوئی میعاد مقرر کئے بغیر  
 پیدا نہیں کر دیا (۲۳) اور بہت سے لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار سے جا ملنے کے منکر ہیں۔ ﴿۸﴾

اُوٹ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ادا کئے تو اُس وقت ایسی شرط لگانا جائز نہیں رہا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ان اُوٹوں کو صدقہ کر دیں۔

(۲) جیسا کہ اوپر تعارف میں عرض کیا گیا، اس سے مراد غزوہ بدر کی فتح ہے۔

(۳) یعنی اگر آخرت کو نہ مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات یونہی بغیر کسی مقصد کے پیدا  
 کر دی ہے جس میں نہ کسی ظالم اور بدکار سے کوئی حساب کبھی لیا جائے گا، اور نہ کسی نیک انسان کو اُس کی نیکی کا  
 کوئی انعام کبھی مل سکے گا، نیز یہ کائنات غیر محدود مدت تک اسی طرح بے مقصد چلتی رہے گی۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوا وَهَاجَأَتْهُمْ  
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ⑩  
ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَاءُوا السُّوءَ آيَ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا  
يَسْتَهْزِءُونَ ⑪ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ⑫ وَيَوْمَ ۚ  
تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ⑬

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں، تاکہ وہ یہ دیکھتے کہ اُن سے پہلے جو لوگ تھے، اُن کا انجام  
کیسا ہوا؟ وہ طاقت میں ان سے زیادہ مضبوط تھے، اور انہوں نے زمین کو بھی جوتا تھا، اور جتنا ان  
لوگوں نے اُسے آباد کیا ہے، اُس سے زیادہ انہوں نے اُس کو آباد کیا تھا، اور اُن کے پاس اُن کے  
پیغمبر کھلے کھلے دلائل لے کر آئے تھے! چنانچہ اللہ تو ایسا نہیں تھا کہ اُن پر ظلم کرے، لیکن وہ خود اپنی  
جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ﴿۹﴾ پھر جن لوگوں نے برائی کی تھی، اُن کا انجام بھی برا ہی ہوا، کیونکہ  
انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا، اور وہ اُن کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ﴿۱۰﴾ اللہ ہی مخلوق کی  
ابتدا کرتا ہے، اور وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا، پھر تم سب اُس کے پاس واپس بلا لئے  
جاؤ گے۔ ﴿۱۱﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس روز مجرم لوگ نا اُمید ہو جائیں گے۔ ﴿۱۲﴾

(۴) جو لوگ اس بات کو ناممکن سمجھتے تھے کہ انسان کے مرنے اور گلنے سڑنے کے بعد اُسے دوبارہ کیسے زندہ کیا  
جائے گا، یہ اُن کا جواب ہے۔ یعنی ہر چیز کا قاعدہ یہ ہے کہ اُسے پہلی بار بنانا زیادہ مشکل ہوتا ہے، لیکن جب کوئی  
چیز ایک مرتبہ بنالی جائے تو دوبارہ اُسی جیسی چیز بنانا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی  
تمام چیزوں کو پہلی بار پیدا فرمایا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے انہیں دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟

وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ بِهِمْ شُفَعَاءُ ۖ وَكَانُوا شُرَكَاءَ بِهِمْ كُفَرِينَ ۝۳۰ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِذُ يُنْفِذُ قُوَّةً ۝۳۱ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ۝۳۲ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ ۝۳۳ فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ۝۳۴ وَلَهُ الْحُكْمُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ۝۳۵

اور انہوں نے جن کو اللہ کا شریک مان رکھا تھا، اُن میں سے کوئی اُن کا سفارشی نہیں ہوگا، اور خود یہ لوگ اپنے مانے ہوئے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے۔ ﴿۱۳﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس روز لوگ مختلف قسموں میں بٹ جائیں گے۔ ﴿۱۴﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے، اور انہوں نے نیک عمل کئے تھے، اُن کو تو جنت میں ایسی خوشیاں دی جائیں گی جو اُن کے چہروں سے پھوٹی پڑ رہی ہوں گی۔ ﴿۱۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا تھا، تو ایسے لوگوں کو عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ ﴿۱۶﴾ لہذا اللہ کی تسبیح کرو اُس وقت بھی جب تمہارے پاس شام آتی ہے، اور اُس وقت بھی جب تم پر صبح طلوع ہوتی ہے، ﴿۱۷﴾ اور اُسی کی حمد ہوتی ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی — اور سورج ڈھلنے کے وقت بھی (اُس کی تسبیح کرو) اور اُس وقت بھی جب تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔ ﴿۱۸﴾

(۵) یعنی ایک مرحلے پر یہ مشرک لوگ صاف جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے دُنیا میں کبھی شرک ہی نہیں کیا تھا، چنانچہ سورۃِ انعام میں قرآن کریم نے ان کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ: ”وَاللّٰهُ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ“ (ہم اللہ اپنے پروردگار کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم لوگ مشرک نہیں تھے۔) دیکھئے سورۃِ انعام (۶: ۲۳)۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ  
وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ (۱۹) وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ ۚ  
تَتَشَكَّرُونَ ۝ (۲۰) وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا  
وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۲۱)

وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے، اور بے جان کو جاندار سے نکال لیتا ہے، (۱۹) اور وہ زمین کو اُس کے  
مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اور اسی طرح تم کو (قبروں سے) نکال لیا جائے گا۔ ﴿۱۹﴾  
اور اُس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تم دیکھتے ہی دیکھتے  
انسان بن کر (زمین میں) پھیلے پڑے ہو۔ ﴿۲۰﴾ اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے  
لئے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم اُن کے پاس جا کر سکون حاصل کرو، اور تمہارے  
درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیئے۔ (۸) یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں  
جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾

(۶) جاندار کو بے جان سے نکالنے کی مثال جیسے انڈے سے مرغی، اور بے جان کو جاندار سے نکالنے کی مثال جیسے  
مرغی سے انڈا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ مثال دی ہے کہ زمین قحط کی وجہ سے مرزہ ہو چکی ہوتی ہے، اور اس میں کچھ  
اُگانے کی صلاحیت نہیں رہتی، لیکن اللہ تعالیٰ بارش برسا کر اُسے دوبارہ زندگی بخشتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کو بھی  
مرنے کے بعد وہ دوبارہ زندہ کر دیں گے۔

(۷) یہاں سے آیت نمبر ۳ تک اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے۔ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات  
میں پھیلی ہوئی اپنی قدرت کی بہت سی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اگر کوئی شخص حقیقت پسندی اور  
انصاف سے ان پر غور کرے تو اُسے نظر آئے گا کہ ان میں سے ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ جس ذات نے  
کائنات کا یہ مہیر العقول نظام بنایا ہے، وہ اپنی خدائی میں کسی شریک کی محتاج نہیں ہو سکتی، اور نہ یہ بات معقول  
ہے کہ اتنے عظیم الشان کارناموں کے بعد چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے (معاذ اللہ) وہ چھوٹے چھوٹے  
خداؤں کی ضرورت محسوس کرے۔

(۸) عام طور پر نکاح سے پہلے میاں بیوی الگ الگ ماحول میں پرورش پاتے ہیں، لیکن نکاح کے بعد اُن میں

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافَ أَلْسِنَتِكُمْ وَالْوَاوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝۲۲ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ۝۲۳ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝۲۴

اور اُس کی نشانیوں کا ایک حصہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے۔ یقیناً اس میں دانش مندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور اُس کی نشانیوں کا ایک حصہ تمہارا رات اور دن کے وقت سونا اور اللہ کا فضل تلاش کرنا ہے۔ ﴿۲۳﴾ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو بات سنتے ہوں۔ ﴿۲۴﴾ اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس سے ڈر بھی لگتا ہے، اور اُمید بھی ہوتی ہے، اور آسمان سے پانی برساتا ہے، جس کے ذریعے وہ زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾

ایسا گہرا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پچھلے طرز زندگی کو خیر باد کہہ کر ایک دوسرے کے ہو رہتے ہیں۔ اُن کے درمیان یک بیک وہ محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر رہنا اُن کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ جوانی میں اُن کے درمیان محبت کا جوش ہوتا ہے، اور بڑھاپے میں اُس پر رحمت اور ہمدردی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۹) رات کے وقت سونے اور دن کے وقت اللہ کا فضل یعنی روزگار تلاش کرنے کا یہ نظام اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے۔ اس کے لئے انسانوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اگر یہ کام لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا تو کچھ لوگ ایک وقت سونا چاہتے، اور دوسرے لوگ اُسی وقت کام میں مشغول ہو کر اُن کی نیند خراب کرتے۔

(۱۰) ڈر اس بات کا کہ بجلی گر کر کوئی نقصان نہ پہنچا دے، اور اُمید اس بات کی کہ اس کے نتیجے میں رحمت کی بارش برے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهٖ ۖ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ  
الْأَرْضِ ۖ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ۝ ٢٥ وَلَهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلُّ لَهٗ  
قِنْدَرٍ ۖ ۝ ٢٦ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۖ وَلَهُ الْمَثَلُ  
الْأَعْلٰی فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۖ ۝ ٢٧ ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ عِشْرِ  
أَنفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّالِكُمْ آيَاتُنْكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْتُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ  
سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ ٢٨

اور اُس کی ایک نشانی یہ ہے کہ آسمان اور زمین اُس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب وہ ایک پکار دے  
کر تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم فوراً نکل پڑو گے۔ ﴿۲۵﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں  
سب اُسی کی ملکیت ہیں۔ سب اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ ﴿۲۶﴾ اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا  
ہے، پھر اُسے دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ کام اُس کے لئے بہت آسان ہے۔ اور اُسی کی سب سے  
اوپر شان ہے، آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، اور وہی ہے جو اقتدار والا بھی ہے، حکمت والا  
بھی۔ ﴿۲۷﴾ وہ تمہیں خود تمہارے اندر سے ایک مثال دیتا ہے۔ ہم نے جو رزق تمہیں دیا ہے، کیا  
تمہارے غلاموں میں سے کوئی اُس میں تمہارا شریک ہے کہ اُس رزق میں تمہارا درجہ اُن کے برابر  
ہو (اور) تم اُن غلاموں سے ویسے ہی ڈرتے ہو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو؟ ہم  
اسی طرح دلائل اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۲۸﴾

(۱۱) کوئی بھی شخص یہ گوارا نہیں کرتا کہ اُس کا غلام اُس کی املاک میں اُس کے برابر ہو جائے، اور کوئی کام کرتے  
وقت اُس سے اسی طرح ڈرنا پڑے جیسے دو آزاد آدمی جو کاروبار میں ایک دوسرے کے شریک ہوں، ایک  
دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ اگر یہ بات یہ مشرک لوگ اپنے لئے گوارا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں  
دوسروں کو کیسے شریک ٹھہرا دیتے ہیں؟



بَلِ اتَّبِعِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَالَهُمْ  
 مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ فطَرَتِ اللَّهُ النَّاسَ فِطْرًا عَلَيْهَا  
 لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾  
 مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ ﴿٣١﴾

لیکن ظالم لوگ کسی علم کے بغیر اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ اب اُس شخص کو کون ہدایت  
 دے سکتا ہے جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اور ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ﴿۲۹﴾ لہذا تم یک  
 سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف قائم رکھو۔ اللہ کی بنائی ہوئی اُس فطرت پر چلو جس پر اُس نے تمام  
 لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی، یہی بالکل سیدھا راستہ ہے،  
 لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۳۰﴾ (فطرت کی پیروی) اس طرح (کرو) کہ تم نے اُسی  
 (اللہ) سے لو لگا رکھی ہو، اور اُس سے ڈرتے رہو، اور نماز قائم کرو، اور اُن لوگوں کے ساتھ شامل نہ  
 ہو جو شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ﴿۳۱﴾

(۱۲) یعنی اُس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجے میں اُسے ہدایت کی توفیق نہ دی ہو۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے، اُس کی توحید کا قائل  
 ہو، اور اُس کے پیغمبروں کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرے۔ اسی کو آیت میں فطرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔  
 (۱۴) یعنی یہ فطری صلاحیت جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمائی ہے، اس صلاحیت کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔  
 ماحول کے اثر سے انسان غلط راستے پر جاسکتا ہے، لیکن اُس کی یہ صلاحیت ختم نہیں ہو سکتی، چنانچہ جب کبھی وہ ضد  
 اور عناد کو چھوڑ کر حق پرستی کے جذبے سے غور کرے گا تو اُس کی یہ صلاحیت کام دکھائے گی، اور وہ حق تک پہنچ  
 جائے گا۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص مسلسل ضد اور عناد کی روش اختیار کئے رکھے، اور حق بات سننے کے لئے  
 تیار ہی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ خود اُس کے دل پر مہر لگا دے، جیسا کہ کئی آیتوں میں بعض کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے  
 خود بیان فرمایا ہے۔ سورہ بقرہ (۷۲: ۷۳) اور پیچھے آیت نمبر ۲۹ میں یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔

مَنْ الْزَيْنَ فَرَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾  
وَإِذَا مَسَّ النَّاسُ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً  
إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۖ فَتَسْتَعِزُّوا ۖ فَسَوْفَ  
تَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ أَنْزَلْنَاهُمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾  
وَإِذَا آذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ  
أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾

وہ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا، اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ اپنے اپنے طریقے پر مگن ہے۔ ﴿۳۲﴾ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ اپنے پروردگار سے لو لگا کر اُسی کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے انہیں کسی رحمت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے، تو ان میں سے کچھ لوگ یا یک اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں، ﴿۳۳﴾ تاکہ ہم نے انہیں جو کچھ دیا تھا، اُس کی ناشکری کریں۔ اچھا! کچھ مزے اُڑالو، پھر وہ وقت دُور نہیں جب تمہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۳۴﴾ بھلا کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو اُس شرک کا ارتکاب کرنے کو کہتی ہو جو یہ اللہ کے ساتھ کرتے رہے ہیں؟ ﴿۳۵﴾ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اتر جاتے ہیں، اور اگر انہیں خود اپنے ہاتھوں کے کروتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچ جائے تو ذرا سی دیر میں وہ مایوس ہونے لگتے ہیں۔ ﴿۳۶﴾

(۱۵) انسان جب پہلے پہل دُنیا میں آیا، تو اُس نے اسی فطری صلاحیت سے کام لے کر دین حق کو اختیار کیا، لیکن پھر لوگوں نے الگ الگ طریقے اختیار کر کے اپنے آپ کو مختلف مذاہب میں بانٹ لیا۔ اسی کو دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور فرقوں میں بٹ جانے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ  
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾ قَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْيَسِيرَ ۖ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ ذَٰلِكَ خَيْرٌ  
لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾ وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبًّا  
لِّزَبْوَاتٍ ۖ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرُبُّوَاعِدًا ۖ اللَّهُ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ  
وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۲﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ  
ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِثْلَ ذَٰلِكُمْ مِّن شَيْءٍ ۖ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ  
عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اس میں یقیناً اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لائیں۔ ﴿۳۰﴾ لہذا تم رشتہ دار کو اُس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو بھی۔ جو لوگ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، اُن کے لئے یہ بہتر ہے، اور وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۳۱﴾ اور یہ جو تم سود دیتے ہوتا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے، اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، تو جو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں وہ ہیں جو (اپنے مال کو) کئی گنا بڑھا لیتے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر اُس نے تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا ہوا ہے، کیا اُن میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی کام کرتا ہو؟ پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر اُس شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿۳۳﴾

(۱۶) یعنی تنگی کے مواقع پر مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے کے بجائے اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وسعت اور

تنگی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت فرماتا ہے جو ضروری نہیں کہ ہر ایک کی خواہشات کے مطابق ہو، یا اُس کی سمجھ میں بھی آجائے، دوسرے چونکہ وسعت اور تنگی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں، اس لئے تنگی کے مواقع پر اُسی کی طرف رجوع کر کے اُسی سے مدد مانگنی چاہئے۔

(۱۷) پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ رزق تمام تر اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس لئے جو کچھ اُس نے عطا فرمایا ہے، وہ اُسی کے حکم اور ہدایت کے مطابق خرچ ہونا چاہئے، لہذا اُس میں غریبوں مسکینوں اور رشتہ داروں کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں، وہ اُن کو دینا ضروری ہے، اور دیتے وقت یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس سے مال میں کمی آجائے گی، کیونکہ جیسا کہ پچھلی آیت میں فرمایا گیا، رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے، وہ تمہیں حقوق کی ادائیگی کے بعد محروم نہیں فرمائے گا۔ چنانچہ آج تک نہیں دیکھا گیا کہ حقوق ادا کرنے کے نتیجے میں کوئی مفلس ہو گیا ہو۔

(۱۸) واضح رہے کہ سورہ روم کی یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اور یہ پہلی آیت ہے جس میں سود کی مذمت کی گئی ہے، اُس وقت تک سود کو واضح لفظوں میں حرام نہیں کیا گیا تھا، لیکن اشارہ فرمادیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سود کی آمدنی بڑھتی نہیں، یعنی سود لینے والا لیتا تو اسی ارادے سے ہے کہ اُس سے اُس کی دولت بڑھے گی، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑھتی نہیں ہے، کیونکہ اول تو دُنیا میں بھی حرام مال اگر چہ گنتی میں بڑھ جائے، لیکن اُس میں برکت نہیں ہوتی، مال و دولت کا اصل فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کو اس سے آرام و راحت نصیب ہو، لیکن حرام آمدنی کی گنتی بڑھانے والے بکثرت دُنیا میں بھی پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں، اور انہیں راحت نصیب نہیں ہوتی۔ دوسرے دولت کی یہ بڑھوتری آخرت میں کچھ کام نہیں آتی، اس کے برخلاف صدقات آخرت میں کام آتے ہیں۔ اسی حقیقت کو سورہ بقرہ میں (۲:۲۶۷) میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

واضح رہے کہ اس آیت میں ”ربا“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے مشہور معنی ”سود“ کے ہیں۔ لیکن اس کے ایک معنی اور ہیں، اور وہ یہ کہ کوئی شخص اس نیت سے کسی کو کوئی تحفہ دے کہ وہ اُس کو اُس سے زیادہ قیمتی تحفہ دے گا، مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر ”نیوتہ“ کی جو رسم ہوتی ہے، اُس کا یہی مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے مفسرین نے یہاں ”ربا“ کے یہی معنی مراد لئے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس آیت میں ”نیوتہ“ کی رسم کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس قسم کا تحفہ جس کا مقصد زیادہ قیمتی تحفہ حاصل کرنا ہو، اُس کو سورہ مدثر (آیت نمبر ۶) میں بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

(۱۹) سورہ آل عمران (۳:۲۶۱) میں فرمایا گیا ہے کہ صدقے کا ثواب سات سو گنا ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں، مزید اضافہ فرمادیتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي  
عَمِلُوا أَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۖ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۳۲﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَدِيمِ مِنْ  
قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصَدَّعُونَ ﴿۳۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ  
كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلَا نَفْسَ لَهُمْ يَهْدُوا ۖ ﴿۳۴﴾

لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی، اُس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلایا، تاکہ انہوں نے جو  
کام کئے ہیں اللہ اُن میں سے کچھ کا مزہ اُنہیں چکھائے، شاید وہ باز آجائیں۔ ﴿۳۱﴾ (اے پیغمبر!  
ان سے) کہو کہ: ”زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جو لوگ پہلے گزرے ہیں، اُن کا کیسا انجام ہوا۔ اُن  
میں سے اکثر مشرک تھے۔“ ﴿۳۲﴾ لہذا تم اپنا رخ صحیح دین کی طرف قائم رکھو، قبل اس کے کہ وہ  
دن آئے جس کے ٹلنے کا اللہ کی طرف سے کوئی امکان نہیں ہے۔ اُس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں  
گے۔ ﴿۳۳﴾ جس نے کفر کیا ہے، اُس کا کفر اُسی پر پڑے گا، اور جن لوگوں نے نیک عمل کیا ہے،  
وہ اپنے لئے ہی راستہ بنارہے ہیں، ﴿۳۴﴾

(۲۰) مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں جو عام مصیبتیں لوگوں پر آئیں، مثلاً قحط، وبائیں، زلزلے، ظالموں کا تسلط، ان  
سب کا اصل سبب یہ تھا کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی، اور اس طرح یہ مصیبتیں اپنے  
ہاتھوں مول لیں، اور ان کا ایک مقصد یہ تھا کہ ان مصائب سے دوچار ہو کر لوگوں کے دل کچھ نرم پڑیں، اور وہ  
اپنے برے اعمال سے باز آئیں۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ دُنوی مصیبتوں کا بعض اوقات کوئی  
ظاہری سبب بھی ہوتا ہے جو کائنات کے طبعی قوانین کے مطابق اپنا اثر دکھاتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ سبب بھی  
اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اُس کو کسی خاص وقت یا خاص جگہ پر موثر بنادینا اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے ہوتا  
ہے، اور عموماً اُس کی بنیادی وجہ انسانوں کی بد اعمالیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح آیت کریمہ یہ سبق دے رہی ہے کہ  
عام مصیبتوں کے وقت، چاہے وہ ظاہری اسباب کے ماتحت وجود میں آئی ہوں، اپنے گناہوں پر استغفار اور  
اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۳۵﴾  
 وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ  
 بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ  
 رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَأَتْتَقْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرُمُوا ۖ وَكَانَ  
 حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾

نتیجہ یہ کہ اللہ اُن لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا جو ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ یقیناً اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۳۵﴾ اور اُس (اللہ کی قدرت) کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو (بارش کی) خوشخبری لے کر آتی ہیں، اور اس لئے بھیجتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا کچھ مزہ چکھائے، اور تاکہ کشتیاں اُس کے حکم سے پانی میں چلیں، اور تم اُس کا فضل تلاش کرو، اور شکر ادا کرو۔ ﴿۳۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر اُن کی قوموں کے پاس بھیجے، چنانچہ وہ اُن کے پاس کھلے کھلے دلائل لے کر آئے۔ پھر جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا تھا، ہم نے اُن سے انتقام لیا، اور ہم نے یہ ذمہ داری لی تھی کہ ایمان والوں کی مدد کریں۔ ﴿۳۷﴾

(۲۱) ہوائیں چلانے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ وہ بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، اور بادلوں کو اٹھا کر پانی برسانے کا سبب بنتی ہیں، اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ سمندروں اور دریاؤں میں کشتیوں کو چلاتی ہیں، بادبانی کشتیوں کا تو سارا دار و مدار ہی ہواؤں پر ہوتا ہے، لیکن مشینی جہاز بھی ہوا کی مدد سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ اور سمندروں میں کشتیاں چلانے کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اُس کے ذریعے لوگ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کریں، جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا، ”اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا“، قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے جس سے مراد تجارت اور روزگار کے دوسرے ذرائع اختیار کرنا ہے۔ لہذا قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے کہ اگر یہ ہوائیں نہ ہوں جن سے کشتیاں اور جہاز سمندروں میں چلنے کے لائق ہوتے ہیں، تو تمہاری ساری تجارت ٹھپ ہو کر رہ جائے، کیونکہ ساری بین الاقوامی تجارت کا دار و مدار پانی کے جہازوں پر ہی ہوتا ہے۔

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ  
 كَسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۚ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا  
 هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٣٨﴾ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مَنَّ مِنْ قَبْلِهِ  
 لَكِبْلِيسِينَ ﴿٣٩﴾ فَأَنْظُرْ إِلَى آثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُعْجِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ  
 ذَلِكَ لَنُحْيِي الْمَوْتَى ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عَدِيدٌ ﴿٤٠﴾ وَلَكِنْ أَرْسَلْنَا رَايْحًا فَأَوْهَ  
 مُصَفَّرًا الْأَظْلُمُومِ بَعْدَ يَكْفُرُونَ ﴿٤١﴾ فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ  
 الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٤٢﴾

اللہ ہی وہ ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، چنانچہ وہ بادل کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ اُس (بادل) کو جس طرح چاہتا  
 ہے، آسمان میں پھیلا دیتا ہے، اور اُسے کئی تہوں (والی گھٹا) میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تب تم دیکھتے ہو  
 کہ اُس کے درمیان سے بارش برس رہی ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے،  
 وہ بارش پہنچاتا ہے تو وہ اچانک خوشی منانے لگتے ہیں، ﴿۴۸﴾ حالانکہ اس سے پہلے جب تک اُن  
 پر بارش نہیں برساتی گئی تھی، وہ نا اُمید ہو رہے تھے۔ ﴿۴۹﴾ اب ذرا اللہ کی رحمت کے اثرات دیکھو  
 کہ وہ زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندگی بخشتا ہے! حقیقت یہ ہے کہ وہ مردوں کو  
 زندہ کرنے والا ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم (نقصان دہ) ہوا  
 چلا دیں ﴿۲۲﴾ جس کے نتیجے میں وہ اپنے کھیت کو پیلا پڑا ہوا دیکھیں تو اس کے بعد یہ ناشکری کرنے  
 لگیں۔ ﴿۵۱﴾ غرض (اے پیغمبر!) تم مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو اپنی پکار  
 سنا سکتے ہو جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں، ﴿۵۲﴾

(۲۲) قرآن کریم میں جہاں کہیں ”ریح“ (ہوائیں) کا لفظ جمع کے صیغے میں آیا ہے، اُس سے مراد فائدہ مند  
 ہوائیں ہیں، اور جہاں ”ریح“ (ہوا) مفرد آیا ہے، وہاں اُس سے مراد نقصان دہ ہوا ہے۔





وَلَقَدْ صَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ  
الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿۵۸﴾ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ  
يَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿۶۰﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کو سمجھانے) کی خاطر ہر قسم کی باتیں بیان کی  
ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) ان کا حال یہ ہے کہ تم ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے آؤ، یہ کافر لوگ پھر  
بھی یہی کہیں گے کہ تم کچھ بھی نہیں، بالکل غلط کار ہو۔ ﴿۵۸﴾ اللہ اسی طرح اُن لوگوں کے  
دلوں پر ٹھہر لگا دیتا ہے جو سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۵۹﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو،  
یقین جانو اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ یقین نہیں کرتے، اُن کی وجہ  
سے تم ڈھیلے پڑ جاؤ۔ ﴿۶۰﴾

الحمد للہ! آج شب جمعہ ۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۲ جون ۲۰۰۶ء کورات کے  
بارہ بجے دوحہ (قطر) ایئر پورٹ پر سورہ روم کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ  
اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی  
رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْفُتُحِ

## تعارف

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ کے اُس دور میں نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں کفارِ مکہ کی مخالفت اپنے شباب پر تھی، اور کافروں کے سردار حیلوں بہانوں اور پر تشدد کارروائیوں سے اسلام کی نشر و اشاعت کا راستہ روکنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ قرآنِ کریم کا اثر انگیز اُسلوب جب لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتا تو وہ اُن کی توجہ اُس سے ہٹانے کے لئے انہیں قصے کہانیوں اور شعر و شاعری میں الجھانے کی کوشش کرتے تھے جس کا تذکرہ اس سورت کے شروع (آیت نمبر ۶) میں کیا گیا ہے۔ حضرت لقمان اہل عرب کے ایک بڑے عقل مند اور دانشور کی حیثیت سے مشہور تھے۔ اُن کی حکیمانہ باتوں کو اہل عرب بڑا وزن دیتے تھے، یہاں تک کہ شاعروں نے اپنے اشعار میں اُن کا ایک حکیم کی حیثیت سے تذکرہ کیا ہے۔ قرآنِ کریم نے اس سورت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ لقمان جیسے حکیم اور دانشور جن کی عقل و حکمت کا تم بھی لوہا مانتے ہو، وہ بھی توحید کے قائل تھے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک ماننے کو ظلمِ عظیم قرار دیا تھا، اور اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ تم کبھی شرک مت کرنا۔ اس ضمن میں اس سورت نے اُن کی اور بھی کئی قیمتی نصیحتیں ذکر فرمائی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ دوسری طرف مکہ مکرمہ کے مشرکین کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی اولاد کو توحید اور نیک عمل کی نصیحت تو کیا کرتے، انہیں شرک پر مجبور کرتے تھے، اور اگر اُن کی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہو جاتا تو اُس پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ دوبارہ شرک کو اختیار کر لے۔ اس مناسبت سے حضرت لقمان کی نصیحتوں کے درمیان (آیات نمبر ۱۴ تا ۱۵ میں) اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر وہ اُصول بیان فرمایا ہے جو پیچھے سورہٴ عنکبوت (۸:۲۹) میں بھی گزرا ہے کہ والدین کی عزت اور اطاعت اپنی جگہ، لیکن اگر وہ اپنی اولاد کو شرک اختیار کرنے کے لئے دباؤ ڈالیں تو ان کا کہنا ماننا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ یہ سورت توحید کے دلائل اور آخرت کی یاد دہانی کے مؤثر مضامین پر مشتمل ہے۔

آیاتھا ۳۲ سُورَةُ لُقْنِ مَكِّيَّةٌ ۵۷ رُكُوعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ ۱ تِلْكَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ۲ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّلْحَسَنِیْنَ ۳ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۴ اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهٗوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۶ وَ یَتَّخِذَ هَٰهُنَا ۷ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۸ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ الْاٰیٰتُ وَلٰی مُسْتَكْبِرًا ۹ اِذَا کَانَ لَمْ یَسْمَعْهَا کَانَ فِیْ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ۱۰ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۱۱

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چونتیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اَلَمْ۔ ﴿۱﴾ یہ اُس حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں، ﴿۲﴾ جو نیک لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت بن کر آئی ہے، ﴿۳﴾ وہ نیک لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ ﴿۴﴾ وہی ہیں جو اپنے پروردگار کی طرف سے سیدھے راستے پر ہیں، اور وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۵﴾ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی باتوں کے خریدار بنتے ہیں، تاکہ اُن کے ذریعے لوگوں کو بے سمجھے ہو جھے اللہ کے راستے سے بھٹکائیں، اور اُس کا مذاق اڑائیں۔ ان لوگوں کو وہ عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۶﴾ اور جب ایسے شخص کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ پورے تکبر کے ساتھ منہ موڑ لیتا ہے، جیسے اُنہیں سننا ہی نہیں، گویا اُس کے دونوں کانوں میں بہرا پن ہے۔ لہذا اُس کو ایک دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ ﴿۷﴾

(۱) جیسا کہ اوپر سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، قرآن کریم کی تاثیر ایسی تھی کہ جو لوگ ابھی ایمان نہیں

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَالْأَرْضَ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۝

البتہ جو لوگ ایمان لے آئے، اور انہوں نے نیک عمل کئے اُن کے لئے نعمتوں کے باغات ہیں، ﴿۸﴾ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۹﴾ اُس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر پیدا کیا جو تمہیں نظر آسکیں، اور زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں، تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈمگائے نہیں، اور اُس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں۔

لائے تھے، وہ بھی چھپ چھپ کر قرآن کریم سنا کرتے تھے جس کے نتیجے میں بعض لوگ اسلام قبول بھی کر لیتے تھے۔ کافروں کے سردار اس صورت حال کو اپنے لئے ایک خطرہ سمجھتے تھے، اس لئے چاہتے تھے کہ قرآن کریم کے مقابلے میں کوئی ایسی دلچسپ صورت پیدا کریں کہ لوگ قرآن کریم کو سننا بند کر دیں۔ اسی کوشش میں مکہ مکرمہ کا ایک تاجر نضر بن حارث جو اپنی تجارت کے لئے غیر ملکوں کا سفر کیا کرتا تھا، ایران سے وہاں کے بادشاہوں کے قصوں پر مشتمل کتابیں خرید لایا، اور بعض روایات میں ہے کہ وہ وہاں سے ایک گانے والی کنیز بھی خرید کر لایا، اور لوگوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں، میں تمہیں اُن سے زیادہ دلچسپ قصے اور گانے سناؤں گا۔ چنانچہ لوگ اس کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔ یہ آیت اس واقعے کی طرف اشارہ کر رہی ہے، نیز اس میں یہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ دل بہلانے کا مشغلہ جو انسان کو اپنے دینی فرائض سے غافل اور بے پروا کرے، ناجائز ہے۔ کھیل اور دل بہلانے کے صرف وہ مشغلے جائز ہیں جن میں کوئی فائدہ ہو، مثلاً جسمانی یا ذہنی ورزش، یا تھکن دور کرنا، اور جن کی وجہ سے نہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچے، اور نہ وہ انسان کو اپنے دینی فرائض سے غافل کریں۔

(۲) آسمانوں کا پورا نظام کسی ایسے ستونوں پر نہیں کھڑا جو انسان کو نظر آسکیں، بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کے سہارے قائم فرمایا ہے جو معنوی ستون ہیں، نظر نہیں آتے۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے، جیسا کہ سورہ رعد (۲: ۱۳) میں بھی گزر چکا ہے۔

(۳) یہ مضمون بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے کہ زمین کو پانی پر ڈمگانے سے بچانے کے لئے پہاڑ پیدا کئے گئے

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ ۚ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ ۚ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس (زمین) میں ہر قابلِ قدر قسم کی نباتات اُگائیں۔ ﴿۱۰﴾ یہ ہے اللہ کی تخلیق! اب ذرا مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے سوا کسی نے کیا پیدا کیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ﴿۱۱﴾ اور ہم نے لقمان کو داناتی عطا کی تھی، (اور اُن سے کہا تھا) کہ اللہ کا شکر کرتے رہو۔ (۵) اور جو کوئی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، وہ خود اپنے فائدے کے لئے شکر کرتا ہے، اور اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ بڑا بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف! ﴿۱۲﴾

ہیں۔ دیکھئے پیچھے سورۃ رعد (۳: ۱۳)، سورۃ حجر (۱۹: ۱۵)، سورۃ نحل (۱۵: ۱۶)، سورۃ انبیاء (۳۱: ۲۱) اور سورۃ نمل (۶۱: ۲۷) اور آگے سورۃ حم السجده (۱۰: ۴۱)، سورۃ ہق (۷: ۵۰) اور سورۃ مرسلات (۷۷: ۷۷)۔ (۲) حضرت لقمان کے بارے میں رائج بات یہی ہے کہ وہ نبی نہیں، بلکہ ایک دانشمند شخص تھے۔ وہ کس زمانے میں تھے؟ اور کس علاقے کے باشندے تھے، اس کے بارے میں بھی روایات بہت مختلف ہیں جن سے کوئی حتمی نتیجہ نکالنا مشکل ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ یمن کے باشندے تھے، اور حضرت ہود علیہ السلام کے جو ساتھی عذاب سے بچ گئے تھے، اُن میں یہ بھی شامل تھے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حبشہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن قرآن کریم نے اُن کا جس غرض سے تذکرہ فرمایا ہے، وہ ان تفصیلات کے جاننے پر موقوف نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ عرب کے لوگ اُن کو ایک عظیم دانشور سمجھتے تھے، اور اُن کی حکمت کی باتیں اُن کے درمیان مشہور تھیں۔ جاہلیت کے زمانے کے کئی شعراء نے اُن کا تذکرہ کیا ہے۔ لہذا اُن کی باتیں بجا طور پر ان اہل عرب کے سامنے حجت کے طور پر پیش کی جاسکتی تھیں۔

(۵) بعض اوقات اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے علاوہ اپنے خاص بندوں پر بھی الہام فرماتے ہیں جو انبیائے کرام پر

وَاذْقَالَ لُقْمَنُ لِابْنِهِ وَهُوَ يُعْطِيهِ يَبْنِي لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝۳۰ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصْلَهُ فِي النَّفْسِ ۚ عَامِينَ ۚ إِنَّ اشْكُرِّي وَلِيَ الْوَالِدَيْنِ ۚ إِلَى الْوَصِيِّ ۝۳۱

اور وہ وقت یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ”میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ یقین جانو شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔“ ﴿۱۳﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں یہ تاکید کی ہے۔۔۔ (کیونکہ) اُس کی ماں نے اُسے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اُس کا دودھ چھوٹا ہے۔۔۔ کہ تم میرا شکر ادا کرو، اور اپنے ماں باپ کا۔ میرے پاس ہی (تمہیں) لوٹ کر آنا ہے۔ ﴿۱۴﴾

نازل ہونے والی وحی کی طرح توجہ نہ ہوتا، لیکن اُس کے ذریعے عام ہدایات دی جاتی ہیں جو وحی کے کسی حکم کے خلاف نہ ہوں۔

(۶) ”ظلم“ کے معنی یہ ہیں کسی کا حق چھین کر دوسرے کو دے دیا جائے۔ شرک اس لحاظ سے واضح طور پر بہت بڑا ظلم ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا خالص حق ہے، شرک کرنے والے اللہ تعالیٰ کا یہ حق اُس کو ادا کرنے کے بجائے خود اُسی کے بندوں اور اُسی کی مخلوقات کو دیتے ہیں۔

(۷) یہ حضرت لقمان کی نصیحتوں کے درمیان ایک جملہ معترضہ ہے جو اس مناسبت سے لایا گیا ہے کہ حضرت لقمان تو اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے اور توحید کا عقیدہ رکھنے کی تاکید کر رہے تھے، دوسری طرف مکہ مکرمہ کے بعض مشرکین، جو حضرت لقمان کو ایک دانش مند شخص سمجھتے تھے، جب اُن کی اولاد نے توحید کا عقیدہ اختیار کیا تو وہ انہیں دوبارہ شرک اختیار کرنے پر زور دے رہے تھے، اور اولاد پریشان تھی کہ وہ ان ماں باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ہی انسان کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرے، کیونکہ اگرچہ اُسے پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، لیکن ظاہری اسباب میں والدین ہی اُس کا سبب بنے ہیں۔ پھر والدین میں سے بھی خاص طور پر ماں کی مشقتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کتنی محنت سے اُس نے بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھا، اور دو سال تک اُسے دودھ پلایا، اور بچے کی پرورش میں دودھ پلانے کا زمانہ ماں کے لئے سب سے زیادہ محنت کا ہوتا ہے۔ اس لئے ماں بطور خاص اولاد کی طرف سے اچھے

وَاِنْ جَاهِدْ عَلَىٰ اَنْ تَشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبِهَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۚ وَابْتَغِ سَبِيْلَ مَنْ اَنْابَ اِلَىَّ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اگر وہ تم پر یہ زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدا کی میں) شریک قرار دو جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو اُن کی بات مت مانو، اور دُنیا میں اُن کے ساتھ بھلائی سے رہو، اور ایسے شخص کا راستہ اپناؤ جس نے مجھ سے لو لگا رکھی ہو۔<sup>(۹)</sup> پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ ﴿۱۵﴾

سلوک کی مستحق ہے۔ لیکن اس اچھے سلوک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے دین اور عقیدے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے بجائے ماں باپ کا حکم ماننا شروع کر دے۔ اسی لئے اس آیت میں والدین کا شکر ادا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، کیونکہ والدین تو صرف ایک ذریعہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی پرورش کے لئے پیدا کر دیا ہے، ورنہ خالق حقیقی تو خود اللہ تعالیٰ ہیں، لہذا ایک ذریعے کی اہمیت کو خالق حقیقی کی اہمیت سے بڑھایا نہیں جاسکتا۔

(۸) یعنی دین کے معاملے میں اگر والدین کوئی غلط بات کہیں تو اُن کی بات ماننا تو جائز نہیں ہے، لیکن اُن کی بات رد کرنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جو اُن کے لئے تکلیف دہ ہو، یا جس سے وہ اپنی توہین محسوس کریں، بلکہ نرم الفاظ میں اُن کو بتادینا چاہئے کہ میں آپ کی یہ بات ماننے سے معذور ہوں۔ اور صرف اتنا ہی نہیں، اپنے عام برتاؤ میں بھی اُن کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتے رہنا چاہئے، مثلاً اُن کی خدمت کرنا، اُن کی مالی امداد کرنا، وہ بیمار ہو جائیں تو اُن کی تیمارداری کرنا، وغیرہ۔

(۹) چونکہ والدین غلط راستے پر ہیں، اس لئے اُن کا غلط راستہ اپنانا جائز نہیں، بلکہ راستہ اُنہی کا اپنانا چاہئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم کیا ہوا ہو، یعنی وہ اُسی کی عبادت اور اطاعت کرتے ہوں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دین پر عمل بھی صرف اپنی سمجھ اور رائے سے نہیں کرنا چاہئے، بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی ہوئی ہے اُن کو دیکھنا چاہئے کہ اُنہوں نے دین پر کس طرح عمل کیا، اور پھر اُنہی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے، اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث کے صرف ذاتی مطالعے کی بنیاد پر کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے جو اُمت کے علماء اور بزرگوں کی تشریح کے خلاف ہو۔



يٰٓيُبَيِّ اِنَّهَا اِنَّ تَكُ مُثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يٰٓاَتِ بِهَا اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿١٦﴾ يٰٓيُبَيِّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْعُرْوَفِ وَاِنَّهٗ عَنِ النُّكْرِ وَاَصْدُ عَلٰى مَا آصَابَكَ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٧﴾ وَلَا تَصْعَرَ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَنشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿١٨﴾ وَاَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُصْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ

(لقمان نے یہ بھی کہا: ”بیٹا! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو، اور وہ کسی چٹان میں ہو، یا آسمانوں میں یا زمین میں، تب بھی اللہ اُسے حاضر کر دے گا۔ یقین جانو اللہ بڑا باریک ہیں، بہت باخبر ہے۔ ﴿۱۶﴾ بیٹا! نماز قائم کرو، اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو، اور برائی سے روکو، اور تمہیں جو تکلیف پیش آئے، اُس پر صبر کرو۔ بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ ﴿۱۷﴾ اور لوگوں کے سامنے (غور سے) اپنے گال مت پھلاؤ، اور زمین پر اتراتے ہوئے مت چلو۔ یقین جانو اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۱۸﴾ اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو، اور اپنی آواز آہستہ رکھو۔ ﴿۱۹﴾)

(۱۰) یہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہے۔ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے تھے، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب انسان کے مرنے کے بعد اُس کے سارے اجزاء منتشر ہو جائیں گے تو انہیں کیسے جمع کیا جاسکے گا؟ حضرت لقمان نے بیٹے کو بتایا کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی زمین و آسمان کی کسی بھی پوشیدہ جگہ چلا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور وہ اُسے نکال لانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یاد رہے کہ جب کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے، تو اُسے تلاش کرنے کے لئے بعض بزرگوں نے بتایا ہے کہ گیارہ مرتبہ ”اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ“ پڑھ کر سورہ لقمان کی یہ آیت تلاوت کی جاتی رہے تو عموماً وہ گمشدہ چیز مل جاتی ہے۔ بندہ نے بھی اس کا درجنوں بار تجربہ کیا ہے۔

(۱۱) یعنی انسان کو درمیانی رفتار سے چلنا چاہئے، رفتار نہ اتنی تیز ہو کہ بھاگنے کے قریب پہنچ جائے، اور نہ اتنی آہستہ کہ سستی میں داخل ہو جائے۔ یہاں تک کہ جب کوئی شخص جماعت سے نماز پڑھنے جا رہا ہو تو اُس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگنے سے منع فرما کر وقار اور سکون کے ساتھ چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(۱۲) آواز آہستہ رکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان اتنا آہستہ بولے کہ سننے والے کو وقت پیش آئے، بلکہ مراد

إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝۱۹ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمَوَاتِ وَمَافِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ۝۲۰ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَنبَيْهِمْ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۖ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝۲۱

بیشک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔ ﴿۱۹﴾

کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسے اللہ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری نچھاور کی ہیں؟ پھر بھی انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں، جبکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت ہے، اور نہ کوئی ایسی کتاب ہے جو روشنی دکھائے۔ ﴿۲۰﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ: ”اُس چیز کی اتباع کرو جو اللہ نے اُتاری ہے“ تو وہ کہتے ہیں: ”نہیں، بلکہ ہم تو اُس طریقے کے پیچھے چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔“ بھلا اگر شیطان اُن (باپ دادوں) کو بھڑکتی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو، کیا تب بھی (وہ اُنہی کے پیچھے چلیں گے؟) ﴿۲۱﴾

یہ ہے کہ جن کو سنانا مقصود ہے، اُن تک تو آواز وضاحت کے ساتھ پہنچ جائے، لیکن اس سے زیادہ چیخ چیخ کر بولنا اسلامی آداب کے خلاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص درس دے رہا ہو، یا وعظ کر رہا ہو، تو اُس کی آواز اتنی ہی بلند ہونی چاہئے جتنی اُس کے مخاطبوں کو سننے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے۔ اُس سے زیادہ آواز بڑھانے کو بھی اس آیت کے تحت بزرگوں نے منع فرمایا ہے۔ اس حکم پر خاص طور سے اُن حضرات کو غور کرنے کی ضرورت ہے جو بلا ضرورت لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کر کے لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔

(۱۳) حضرت لقمان کی بنیادی نصیحت میں توحید پر جو زور دیا گیا تھا، اب اُس کے وہ دلائل بیان فرمائے جا رہے

وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۖ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۖ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۳﴾ نُسَبِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۲۴﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولَنَّ اللَّهُ ۖ قُلِ الْحُصْدُ لِلَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

اور جو شخص فرماں بردار بن کر اپنا رخ اللہ کی طرف کر دے، اور نیک عمل کرنے والا ہو، تو اُس نے یقیناً بڑا مضبوط کنڈا تھام لیا۔ اور تمام کاموں کا آخری انجام اللہ ہی کے حوالے ہے۔ ﴿۲۲﴾ اور (اے پیغمبر!) جس کسی نے کفر اپنا لیا ہے، تمہیں اُس کا کفر صدمے میں نہ ڈالے۔ آخر انہیں ہمارے پاس ہی تو لوٹنا ہے، پھر ہم انہیں بتائیں گے کہ انہوں نے کیا کیا ہے؟ یقیناً اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ ﴿۲۳﴾ ہم انہیں کچھ مزے اڑانے کا موقع دے رہے ہیں، پھر ہم انہیں ایک سخت عذاب کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے۔ ﴿۲۴﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ کہو: ”الحمد للہ!“ اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۲۵﴾

ہیں جو اس کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں، اور انسان ذرا غور کرے تو اُن سے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کے سوا کوئی اور نتیجہ معقولیت کے ساتھ نہیں نکالا جاسکتا۔

(۱۴) یعنی الحمد للہ! ان لوگوں نے اس حقیقت کا تو اعتراف کر لیا کہ اس کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس سے جو کھلا ہوا نتیجہ نکالنا چاہئے تھا کہ جب یہ کائنات تہا اُسی نے پیدا کی ہے تو عبادت کے لائق بھی تہا وہی ہے، اُس نتیجے تک پہنچنے کے لئے انہوں نے سمجھ سے کام نہیں لیا، اور اپنے باپ دادوں کی تقلید میں شرک اختیار کئے ہوئے ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۳۷ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي  
الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَوْ قَلَمٍ اَوْ الْبَحْرِ يَبْدُوْهُ مِنْ بَعْدِ سَبْعَةِ اَبْحُرٍ مَا نَفَذْتُ  
كَلِمَتُ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ اِلَّا كُنُفُسٍ  
وَاحِدَةً ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ۝۳۹ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ  
يُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ  
اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۴۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ  
الْبٰطِلُ ۚ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۴۱

ع  
۱۱

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بیشک اللہ ہی ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذات  
خود قابل تعریف۔ ﴿۲۶﴾ اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر  
ہے، اُس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں، (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات  
لکھیں) تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت  
کا بھی مالک۔ ﴿۲۷﴾ تم سب کو پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا (اللہ کے لئے) ایسا ہی ہے جیسے ایک  
انسان کو (پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا)۔ یقیناً اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۲۸﴾ کیا تم  
نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اُس  
نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک کسی متعین میعاد تک رواں دواں ہے، اور (کیا  
تمہیں یہ معلوم نہیں) کہ اللہ پوری طرح باخبر ہے کہ تم کیا کرتے ہو؟ ﴿۲۹﴾ یہ سب کچھ اس لئے  
ہے کہ اللہ ہی کا وجود سچا ہے، اور اس کے سوا جن (معبودوں) کو یہ (مشرک) پکارتے ہیں، وہ  
بے بنیاد ہیں، اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بہت اونچی ہے، جس کی ذات بہت بڑی۔ ﴿۳۰﴾

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ  
لَآيَةً لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوَاجٌ كَاطِلٌ دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ  
الدِّينَ ۖ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۖ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ  
كَفُورٍ ﴿٣٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاحْشُوا يَوْمًا لَا يَجْرِي وَالِدُ عَنْ وَلَدِهِ ۚ وَ  
لَا مَوْلُودٌ هُوَ جَانِبٌ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّكُمْ الْحَيَاةُ  
الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿٣٣﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں سمندر میں اللہ کی مہربانی سے چلتی ہیں، تاکہ وہ تمہیں اپنی کچھ  
نشانیوں دکھائے؟ یقیناً اس میں ہر اُس شخص کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو صبر کا پکا، اعلیٰ درجے  
کا شکر گزار ہو۔ ﴿۳۱﴾ اور جب موجیں سائبانوں کی طرح اُن پر چڑھ آتی ہیں تو وہ اللہ کو اس  
طرح پکارتے ہیں کہ اُس وقت اُن کا اعتقاد خالص اُسی پر ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اُن کو بچا کر خشکی  
پر لے آتا ہے تو اُن میں سے کچھ ہیں جو راہِ راست پر رہتے ہیں (باقی پھر شرک کرنے لگتے ہیں)  
اور ہماری آیتوں کا انکار وہی شخص کرتا ہے جو پکا بدعہد، پر لے درجے کا ناشکر ہو۔ ﴿۳۲﴾ اے  
لوگو! اپنے پروردگار (کی ناراضی) سے بچو، اور ڈرو اُس دن سے جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے  
کام نہیں آئے گا، اور نہ کسی بیٹے کی یہ مجال ہوگی کہ وہ اپنے باپ کے ذرا بھی کام آجائے۔ یقین  
جانو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اس لئے ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ یہ دُنیوی زندگی تمہیں دھوکے میں  
ڈال دے، اور ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ وہ (شیطان) تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکے میں  
ڈال دے جو سب سے بڑا دھوکا باز ہے۔ ﴿۳۳﴾

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۱﴾

۳۱

یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی تنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ کسی تنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۳۱﴾

الحمد للہ! سورہ لقمان کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج بروز منگل ۲۶ جون ۲۰۰۷ء مطابق ۱۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ کو مغرب سے ذرا پہلے جدہ، (سعودی عرب) میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا ترجمہ اور تشریح بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ السَّجْدَةِ



## تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد، یعنی توحید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخرت کا اثبات ہے۔ نیز جو کفار عرب ان عقائد کی مخالفت کرتے تھے، اس سورت میں ان کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے، اور ان کا انجام بھی بتایا گیا ہے۔ چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۵ سجدے کی آیت ہے، یعنی جو شخص بھی اس کی تلاوت کرے یا سنے، اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے، اس لئے اس کا نام ”تنزیل السجدہ“ یا ”الم السجدہ“ یا صرف ”سورہ سجدہ“ رکھا گیا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں بکثرت یہ سورت پڑھا کرتے تھے۔ اور مسند احمد (۳: ۴۰۳) کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ رات کو سونے سے پہلے دوسورتوں کی تلاوت ضرور فرماتے تھے، ایک سورہ تنزیل السجدہ اور دوسری سورہ ملک۔

ایاتھا ۳۰ ﴿۳۲﴾ سُورَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۴۵ ﴿۳۱﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۳۰﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الَمْ ۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۲ اَمْ يَقُولُونَ  
اَفْتَرَاهُ ۳ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتَتْهُمْ مِنْ نَذِيرٍ ۴ مِنْ قَبْلِكَ  
لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۵ اَللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ  
اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۶

یہ سورت کی ہے، اور اس میں تیس آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الَمْ ﴿۱﴾ رَبِّ الْعَالَمِينَ کی طرف سے یہ ایک ایسی کتاب اُتاری جا رہی ہے جس میں کوئی شک کی  
بات نہیں ہے۔ ﴿۲﴾ کیا لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں! (اے  
پیغمبر!) یہ تو وہ حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے اس لئے آیا ہے کہ تم اس کے ذریعے اُن  
لوگوں کو خبردار کرو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا، تاکہ وہ صحیح راستے پر  
آجائیں۔ ﴿۳﴾ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے درمیان ساری چیزوں کو چھ  
دن میں پیدا کیا، پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا۔ ﴿۴﴾

(۱) مکہ مکرمہ میں جب سے بت پرستی شروع ہوئی، کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ انفرادی طور پر کچھ ایسے حضرات حق کی  
تعلیم و تبلیغ کرتے رہے ہیں جو نبی نہیں تھے، لیکن نبی کوئی نہیں آیا تھا۔

(۲) ”استواء“ کے لفظی معنی سیدھا ہونے اور بیٹھنے کے آتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء فرمانے کا صحیح  
مطلب ہماری فہم اور ادراک سے باہر ہے۔ اس لئے اس کی تفصیلات میں جانے کی نہ ضرورت ہے، نہ اُس کا  
کوئی یقینی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ جو کچھ قرآن کریم نے فرمایا ہے، وہ برحق ہے۔

مَا لَكُمْ مِّنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۖ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۴﴾ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ  
مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ  
مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿۵﴾

اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی رکھوالا ہے، نہ کوئی سفارشی ہے۔ کیا پھر بھی تم کسی نصیحت پر دھیان نہیں دیتے؟ ﴿۴﴾ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کا انتظام خود کرتا ہے، پھر وہ کام ایک ایسے دن میں اُس کے پاس اوپر پہنچ جاتا ہے جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال ہوتی ہے۔ ﴿۵﴾

(۳) اہل عرب بتوں کی پوجا اس عقیدے سے کیا کرتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کر کے ہماری دُنیوی ضروریات پوری کریں گے۔ جیسا کہ سورہ یونس (۱۸:۱۰) میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے۔  
(۴) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی صحیح تشریح تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے مشابہات میں بھی شمار کیا ہے، لیکن دوسرے مفسرین کے مطابق اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہوگا، اور مطلب یہ ہے کہ جتنی مخلوقات کا انتظام اس وقت اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، وہ سب آخر کار قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن اُمور کا فیصلہ فرماتے ہیں، اُن کی تنفیذ اپنے اپنے طے شدہ وقت پر ہوتی ہے، چنانچہ بعض اُمور کی تنفیذ میں انسانوں کی گنتی کے مطابق ایک ہزار سال بھی لگ جاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک ہزار سال بھی کوئی بڑی مدت نہیں ہے، بلکہ ایک دن کے برابر ہے۔ چنانچہ جیسا کہ سورہ حج (۲۳:۷۷) میں فرمایا گیا ہے، کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گزر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آتا ہے تو ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ اس آیت کی کچھ مزید تفصیل ان شاء اللہ سورہ معارج (۷۰:۳) میں آئے گی۔

ذٰلِكَ عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۱ الَّذِي اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَ  
 بَدَا خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝۲ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝۳ ثُمَّ  
 سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۝۴ قَلِيْلًا  
 مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۵ وَقَالُوا اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ اِنَّ لِّغَىٰ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۶ بَلْ هُمْ  
 بِرَبِّقَائِي رَاٰهُمْ كَفْرًا ۝۷ قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى  
 رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۸ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الْجُرْمُوْنَ تَاكُسُوْا رُءُوْسَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۝۹  
 رَبَّنَا اَبْصُرْنَا وَسَبِّعْنَا فَاَرْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوقِنُوْنَ ۝۱۰

وہ ہر چھپی اور کھلی چیز کا جاننے والا ہے، جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی رحمت بھی کامل۔ ﴿۶﴾  
 اُس نے جو چیز بھی پیدا کی، اُسے خوب بنایا، اور انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ ﴿۷﴾ پھر  
 اُس کی نسل ایک نچوڑے ہوئے حقیر پانی سے چلائی۔ ﴿۸﴾ پھر اُسے ٹھیک ٹھاک کر کے اُس میں  
 اپنی رُوح پھونکی، اور (انسانو!) تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل پیدا کئے۔ تم لوگ شکر تھوڑا ہی  
 کرتے ہو۔ ﴿۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہم زمین میں رُل کر کھو جائیں گے، تو کیا اُس  
 وقت ہم کسی نئے جہنم میں پیدا ہوں گے؟“ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے جا ملنے کا  
 انکار کرتے ہیں۔ ﴿۱۰﴾ کہہ دو کہ: ”تمہیں موت کا وہ فرشتہ پورا پورا وصول کر لے گا جو تم پر مقرر کیا  
 گیا ہے، پھر تمہیں واپس تمہارے پروردگار کے پاس لے جایا جائے گا۔“ ﴿۱۱﴾

اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے (کھڑے) ہوں  
 گے، (کہہ رہے ہوں گے کہ: ) ”ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے، اس  
 لئے ہمیں (دُنیا میں) دوبارہ بھیج دیجئے، تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ ہمیں اچھی طرح یقین آچکا  
 ہے۔“ ﴿۱۲﴾

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ  
 مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳﴾ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا  
 إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ  
 بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ  
 لَا يَسْتَكَبِرُونَ ﴿۱۵﴾

السجدة ۹

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو (پہلے ہی) اُس کی ہدایت دے دیتے، لیکن وہ بات جو میری طرف سے  
 کہی گئی تھی، طے ہو چکی ہے کہ: ”میں جہنم کو جنات اور انسانوں سب سے ضرور بھر دوں  
 گا۔“ ﴿۱۳﴾ اب (جہنم کا) مزہ چکھو کیونکہ تم نے اپنے اس دن کا سامنا کرنے کو بھلا ڈالا تھا۔ ہم  
 نے (بھی) تمہیں بھلا دیا ہے۔ جو کچھ تم کرتے رہے ہو، اُس کے بدلے اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ  
 چکھتے رہو۔ ﴿۱۴﴾ ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب انہیں ان  
 آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں، اور اپنے پروردگار کی حمد کے  
 ساتھ اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ﴿۱۵﴾

(۵) یعنی اگر اللہ تعالیٰ زبردستی لوگوں کو ہدایت پر لانا چاہتے تو وہ ضرور ایسا کر سکتے تھے، لیکن اس صورت میں وہ  
 آزمائش نہ ہوتی جو انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے۔ انسان کی آزمائش تو اسی میں تھی کہ وہ اپنی عقل سے کام لے  
 کر پیغمبروں کی بات پر ایمان لائے۔ جنت اور جہنم کا آنکھ سے نظارہ کر لینے کے بعد اُس پر زبردستی ایمان لانے  
 میں کوئی آزمائش نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آزمائش کی خاطر انسان کو پیدا کر کے ازل  
 ہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ جو لوگ عقل سے کام لے کر پیغمبروں کی اطاعت نہیں کریں گے، بلکہ اُن کو جھٹلائیں گے،  
 اُن سے میں جہنم کو بھر دوں گا۔

(۶) یہ سجدے کی آیت ہے جس کی تلاوت کرنے یا سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۱۷﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوُونَ ﴿۱۹﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ الْمَمْلُوكِ ۖ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ الْمَمْلُوكِ ۖ وَآمَنَّا بِالَّذِينَ فَسَقُوا ۖ فَمَّا لَوْ لَهُمُ النَّارُ ۖ

وقف غفران

اُن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید (کے ملے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے، وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۱۷﴾ چنانچہ کسی متنفس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان اُن کے اعمال کے بدلے میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ ﴿۱۸﴾ بھلا بتاؤ کہ جو شخص مومن ہو، کیا وہ اُس شخص کے برابر ہو جائے جو فاسق ہے؟ — (ظاہر ہے کہ) وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ ﴿۱۸﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے لئے مستقل قیام کے باغات ہیں جو اُن کو پہلی مہمانی ہی کے طور پر دے دیئے جائیں گے، اُن اعمال کے صلے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۹﴾ رہے وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی ہے، تو اُن کے مستقل قیام کی جگہ جہنم ہے۔

(۷) یعنی رات کے وقت وہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اس میں عشاء کی نماز بھی داخل ہے جو فرض ہے، اور تہجد کی نماز بھی جو سنت ہے۔

(۸) وہ اس بات سے ڈرتے بھی ہیں کہ ان کی عبادت میں جو قصور ہوا ہے، کہیں وہ نا منظور نہ ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید بھی رکھتے ہیں کہ وہ اُسے قبول فرما کر اجر و ثواب عطا فرمائے۔

(۹) یعنی خزانہ غیب میں ایسے نیک لوگوں کے لئے جو نعمتیں چھپی ہوئی ہیں، وہ انسان کے تصور سے بھی بلند ہیں۔

كَلَّمَآ اَرَادُوْآ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اَعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُقُوْا عَذَابَ النَّارِ  
الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تُكَدِّبُوْنَ ۝۲۰ وَلَنْ يَّقْنَنَهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ اِلَّا الَّذِي دُوْنَ الْعَذَابِ  
اِلَّا كَبُرَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۱ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا  
۝۲۲ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُتَقِمُوْنَ ۝۲۳ وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ  
مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ ۝۲۴

جب بھی وہ اُس سے بکھنا چاہیں گے، اُنہیں وہیں واپس لوٹا دیا جائے گا، اور اُن سے کہا جائے گا کہ: ”آگ کے جس عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے، اُس کا مزہ چکھو۔“ ﴿۲۰﴾ اور اُس بڑے عذاب سے پہلے بھی ہم اُنہیں کم درجے کے عذاب کا مزہ بھی ضرور چکھائیں گے، شاید یہ باز آجائیں۔ ﴿۲۱﴾ اور اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کو اپنے پروردگار کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی، تو اُس نے اُن سے منہ موڑ لیا۔ ہم یقیناً ایسے مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے۔ ﴿۲۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، لہذا (اے پیغمبر!) تم اس کے ملنے کے بارے میں کسی شک میں نہ رہو، اور ہم نے اُس کتاب کو بنو اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا، ﴿۲۳﴾

(۱۰) یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے اسی دنیا میں انسان کو چھوٹی چھوٹی مصیبتیں اس لئے پیش آتی ہیں کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کر کے اپنے گناہوں سے باز آجائے۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ دنیا میں پیش آنے والی مصیبتوں کے وقت اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے، اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرنی چاہئے۔ (۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے ملنے میں کوئی شک نہ کرو، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی تھی، اُسی طرح آپ کو بھی کتاب دی گئی ہے، لہذا اس قرآن کے منجانب اللہ وصول کرنے میں آپ کوئی شک نہ کریں، اور جب آپ صاحبِ کتاب رسول ہیں تو ان کافروں کی بنائی ہوئی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ایک تیسری تفسیر بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ ”اس کے ملنے“ سے مراد کافروں کو اُس عذاب کا ملنا ہے جس کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لِمَا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِالْآيَاتِ يُوقِنُونَ ﴿٣٣﴾  
 إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُم يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٣٤﴾ أَوَلَمْ  
 يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَيسُّونَ فِي مَسْكِينِهِمْ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ  
 لَآيَةً ۖ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٣٥﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ  
 فَنَخْرِجُ مِنْهَا زُرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٣٦﴾ وَيَقُولُونَ ۖ  
 مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٧﴾

اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو، جب انہوں نے صبر کیا، ایسے پیشوا بنادیا جو ہمارے حکم سے  
 لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ ﴿۲۴﴾ یقیناً تمہارا پروردگار  
 ہی قیامت کے دن اُن کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے  
 تھے۔ ﴿۲۵﴾ اور کیا ان (کافروں) کو اس بات سے کوئی ہدایت نہیں ملی کہ اُن سے پہلے کتنی قوموں  
 کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کے گھروں میں یہ خود چلتے پھرتے ہیں؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے  
 لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں؟ ﴿۲۶﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی  
 کو کھینچ کر خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر اُس سے وہ کھیتی نکالتے ہیں جس سے اُن کے  
 چوپائے بھی کھاتے ہیں، اور وہ خود بھی۔ تو کیا انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا؟ ﴿۲۷﴾ اور وہ یہ کہتے ہیں  
 کہ: ”اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا؟“ ﴿۲۸﴾

(۱۲) مثلاً قوم ثمود کی بستیوں سے عرب کے لوگ بکثرت گذر کرتے تھے، اور اُن کے مکانوں کے کھنڈرات میں  
 چلتے پھرتے بھی تھے۔



قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْتَظَرُونَ ﴿۳۱﴾ فَاَعْرِضْ

عَنْهُمْ وَانْتَظِرِ اِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ ﴿۳۲﴾

کہہ دو کہ: ”جس دن فیصلہ ہوگا، اُس دن کافروں کو اُن کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔“ ﴿۲۹﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں کی پروا نہ کرو، اور انتظار کرو۔ یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ ﴿۳۰﴾

الحمد للہ! سورہ سجدہ کے ترجمہ اور تفسیری حواشی کی تکمیل آج بروز جمعہ بتاریخ ۶ جولائی ۲۰۰۷ء مطابق ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ عشاء سے ذرا پہلے کراچی میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الْأَحْزَابِ

## تعارف

یہ سورت حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد چوتھے اور پانچویں سال کے درمیان نازل ہوئی ہے۔ اس کے پس منظر میں چار واقعات خصوصی اہمیت رکھتے ہیں جن کا حوالہ اس سورت میں آیا ہے۔ ان چار واقعات کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔ تفصیلات ان شاء اللہ متعلقہ آیتوں کی تشریح میں آگے آئیں گی۔

پہلا واقعہ جنگِ احزاب کا ہے، جس کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ بدرِ واحد کی ناکامیوں کے بعد قریش کے لوگوں نے عرب کے دوسرے قبائل کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا، اور ان کا ایک متحدہ محاذ بنا کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر مدینہ منورہ کے دفاع کے لئے شہر کے گرد ایک خندق کھودی تاکہ دشمن اُسے عبور کر کے شہر تک نہ پہنچ سکے۔ اسی لئے اس جنگ کو ”جنگِ خندق“ بھی کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کے اہم واقعات اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، اور اس موقع پر مسلمانوں کو جس شدید آزمائش سے گزرنا پڑا، اُس کی تفصیل بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

دوسرا اہم واقعہ جنگِ قریظہ کا ہے۔ قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ منورہ کے مضافات میں آباد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ان سے امن کا ایک معاہدہ کیا تھا جس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ مسلمان اور یہودی ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔ لیکن قریظہ کے یہودیوں نے معاہدے کی دوسری خلاف ورزیوں کے علاوہ جنگِ احزاب کے نازک موقع پر خفیہ ساز باز کر کے پیچھے سے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنا چاہا۔ اس لئے جنگِ احزاب سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ فوراً بنو قریظہ پر حملہ کر کے ان آستین کے سانپوں کا قلع قمع فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے ان کا محاصرہ فرمایا جس کے نتیجے میں ان کے بہت سے

افراد قتل ہوئے، اور بہت سے گرفتار۔ اس واقعے کی بھی کچھ تفصیل اس سورت میں آئی ہے۔

تیسرا اہم واقعہ یہ تھا کہ اہل عرب جب کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتے تو اُسے ہر معاملے میں سگے بیٹے کا درجہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ میراث بھی پاتا تھا، اور اُس کے منہ بولے باپ کے لئے جائز نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے نکاح کرے، بلکہ اس کو بدترین معیوب عمل سمجھا جاتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ عرب کی یہ جاہلانہ رسمیں دلوں میں ایسا گھر کر گئی تھیں کہ اُن کا خاتمہ صرف زبانی نصیحت سے نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی رسموں کا خاتمہ کرنے کے لئے سب سے پہلے خود علی الاعلان اُن رسموں کے خلاف عمل فرمایا، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اگر اس کام میں ذرا بھی کوئی خرابی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس بھی نہ جاتے۔ اس کی بہت سی مثالیں آپ کی سیرت طیبہ میں موجود ہیں۔ منہ بولے بیٹے کے بارے میں جو رسم تھی، اُس کے سد باب کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اپنے ایک منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحش سے نکاح فرمائیں۔ واضح رہے کہ حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں، اور حضرت زیدؓ سے اُن کا نکاح خود آپ نے کروایا تھا، اس لئے اگرچہ اب اُن سے نکاح کرنا آپ کے لئے ایک صبر آزمائش تھا، لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور دینی مصلحت کے آگے سر جھکا دیا، اور اُن سے نکاح کر لیا۔ اسی نکاح کے وسیعے میں حجاب (پردے) کے احکام پر مشتمل آیات نازل ہوئیں جو اس سورت کا حصہ ہیں۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ نے اگرچہ ہر طرح کے سرد و گرم حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا، لیکن جب آپ کے پاس مختلف فتوحات کے نتیجے میں مالی طور پر وسعت ہوئی تو انہوں نے اپنے نفقے میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ یہ مطالبہ عام حالات میں کسی بھی طرح کوئی ناجائز مطالبہ نہیں تھا، لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف رکھنے والی ان مقدس خواتین کا مقام بلند اس قسم کے مطالبات سے بالاتر تھا۔

اس لئے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ علیحدہ کرنے کو تیار ہیں، اور اگر وہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی ساتھی ہیں، اور آخرت کے انعامات کی طلبگار ہیں تو پھر اس قسم کے مطالبے اُن کو زیب نہیں دیتے۔

چونکہ حضرت زینبؓ سے نکاح کے واقعے پر کفار اور منافقین نے آپ کے خلاف اعتراضات کئے تھے، اس لئے اسی سورت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بلند بتایا گیا ہے، اور آپ کی تعظیم و تکریم اور اطاعت کا حکم دے کر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ آپ جیسی عظیم شخصیت پر نادانوں کے یہ اعتراضات آپ کے مقامِ بلند میں ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کے طرزِ عمل اور اس سے متعلق بعض تفصیلات بھی اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں۔

آیتھا ۷۳ ﴿۲۳﴾ سُورَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ ۙ ۹۰ ﴿۲۴﴾ رُكُوعَاتُهَا ۹ ﴿۲۵﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا  
حَكِيمًا ۝<sup>(۱)</sup> وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ  
خَبِيرًا ۝<sup>(۲)</sup> وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝<sup>(۳)</sup> مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ  
قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ ۚ

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہو، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانو۔<sup>(۱)</sup> بیشک اللہ بہت علم والا، بڑا  
حکمت والا ہے۔ ﴿۱﴾ اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو وحی بھیجی جا رہی ہے، اُس کی  
پیروی کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ یقینی طور پر اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۲﴾ اور اللہ پر  
بھروسہ رکھو، اور کام بنانے کے لئے اللہ بالکل کافی ہے۔ ﴿۳﴾ اللہ نے کسی بھی شخص کے سینے میں دو  
دل پیدا نہیں کئے،<sup>(۲)</sup>

(۱) بعض اوقات کچھ کافر لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قسم کی تجویزیں پیش کرتے تھے کہ اگر آپ  
ہماری فلاں بات مان لیں تو ہم آپ کی بات مان لیں گے۔ بعض منافقین بھی اُن کی تائید کرتے کہ یہ اچھی تجویز  
ہے، اور اس پر عمل کرنے سے بڑی تعداد میں لوگوں کی حمایت حاصل ہو سکتی ہے، حالانکہ وہ تجویز ایمان کے  
تقاضوں کے خلاف ہوتی تھی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا ہے کہ ایسی  
تجویزوں پر کان دہرنے کے بجائے اپنے کام میں لگے رہئے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے۔ وہ خود ہی سارے  
معاملات ٹھیک کر دے گا۔

(۲) اس معجزانہ جملے کا تعلق پچھلی آیت سے بھی ہے، اور اگلی آیت سے بھی۔ پچھلی آیت سے اس کا تعلق یہ ہے کہ

وَمَا جَعَلَ أَرْوَاجَكُمْ أُنْثَىٰ تُظْهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ  
 أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي  
 السَّبِيلَ ۝ اُدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ

اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں کی پشت سے تشبیہ دے دیتے ہو، اُن کو تمہاری ماں نہیں بنایا، اور نہ  
 تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا قرار دیا ہے۔ یہ تو باتیں ہی باتیں ہیں جو تم اپنے منہ سے  
 کہہ دیتے ہو، اور اللہ وہی بات کہتا ہے جو حق ہو، اور وہی صحیح راستہ بتلاتا ہے۔ ﴿۴﴾ تم ان (منہ  
 بولے بیٹوں) کو ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔<sup>(۳)</sup> یہی طریقہ اللہ کے نزدیک پورے  
 انصاف کا ہے۔

کافر اور منافق لوگ آپ کو یہ تجویز پیش کر رہے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کو بھی خوش رکھئے، اور ان کے مطالبات مان  
 کر اُن کو بھی خوش کر دیجئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سینے میں ایک ہی دل پیدا فرمایا ہے، اور جب وہ اللہ  
 تعالیٰ کا ہو رہے تو پھر اُس کی مرضی کے خلاف کسی اور کو خوش رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ ممکن نہیں ہے کہ  
 انسان ایک دل اللہ تعالیٰ کو دیدے، اور دوسرا دل کسی اور کو۔ اور اگلی آیت سے اس کا تعلق یہ ہے کہ اہل عرب میں  
 یہ رسم تھی کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہہ دیتا تھا کہ: ”تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت“ اور یہ کہنے کے  
 بعد وہ بیوی کو ماں کی طرح حرام سمجھتا تھا، اسی طرح جب کوئی کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتا تو اُسے اپنا سگا بیٹا ہی سمجھ لیتا  
 تھا، اور اس پر میراث وغیرہ میں بھی ویسے ہی احکام جاری کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک انسان  
 کے سینے میں دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح انسان کی دو ماںیں نہیں ہو سکتیں، اور نہ دو قسم کے بیٹے ہو سکتے ہیں کہ  
 ایک انسان کی اپنی صلب سے پیدا ہو، اور دوسرا زبانی اعلان سے بیٹا بن جائے۔

(۳) اس کو اصطلاح میں ”ظہار“ کہتے ہیں، اور آگے سورہ مجادلہ میں اس کی تفصیل آنے والی ہے۔

(۴) یعنی اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے منہ بولے بیٹے کے ساتھ محبت اور حسن سلوک میں بیٹے جیسا  
 معاملہ کرو، لیکن جب اُس کی ولدیت بتانے کی ضرورت پیش آئے تو اُس کو اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے  
 اُس کی صحیح ولدیت بتاؤ۔

فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَاُخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۖ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ  
فِيهَا اَخْطَاكُمْ بِهِ ۚ وَلَكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥﴾  
النَّبِيُّ اَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ ۚ وَاُولَئِكَ اَرْحَامُ  
بَعْضُهُمْ اَوْلىٰ بِبَعْضٍ فِى كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوا  
اِلَىٰ اُولَیْكُمْ مَّعْرُوفًا ۚ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٦﴾

اور اگر تمہیں اُن کے باپ معلوم نہ ہوں، تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔ اور تم  
سے جو غلطی ہو جائے، اُس کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، البتہ جو بات تم اپنے دلوں سے جان  
بوجھ کر کرو، (اُس پر گناہ ہے۔) بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۵﴾ ایمان والوں کے  
لئے یہ نبی اُن کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں، اور ان کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔ اس  
کے باوجود اللہ کی کتاب کے مطابق پیٹ کے رشتہ دار دوسرے مؤمنوں اور مہاجرین کے مقابلے میں  
ایک دوسرے پر (میراث کے معاملے میں) زیادہ حق رکھتے ہیں، <sup>(۷)</sup> الا یہ کہ تم اپنے دوستوں (کے حق  
میں کوئی وصیت کر کے اُن) کے ساتھ کوئی نیکی کر لو۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ ﴿۶﴾

(۵) مطلب یہ ہے کہ اگر منہ بولے بیٹے کی صحیح ولدیت معلوم نہ ہو تب بھی اُسے اپنی طرف منسوب کرنے کے  
بجائے اُسے اپنا بھائی یا اپنا ہم قبیلہ دوست کہو۔

(۶) بھول چوک میں یا مجازی طور پر منہ بولے بیٹے کو بیٹا کہہ دینے کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا ہے، البتہ جب  
سنجیدگی سے ولدیت بتائی جائے، اُس وقت اُسے اپنا بیٹا ظاہر کرنا درست نہیں۔

(۷) یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو اپنی  
جان سے زیادہ عزیز ہیں، اور آپ کی ازواج مطہرات کو سب مسلمان اپنی ماں سمجھتے ہیں، لیکن اس وجہ سے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کو میراث کے معاملے میں کسی مسلمان کے اپنے رشتہ  
داروں پر فوقیت حاصل نہیں ہوئی، چنانچہ جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اُس کی میراث اُس کے قریبی رشتہ داروں



وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ ۚ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۖ لِّيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۸

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد رکھو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا، اور تم سے بھی، اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔ اور ہم نے اُن سے نہایت پختہ عہد لیا تھا۔ ﴿۷﴾ تاکہ اللہ سچے لوگوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں پوچھے۔ ﴿۹﴾ اور اُس نے کافروں کے لئے تو ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۸﴾

میں تقسیم ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کی ازواج مطہرات کو اُس میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا، حالانکہ دینی اعتبار سے آپ اور آپ کی ازواج مطہرات دوسرے رشتہ داروں سے زیادہ حق رکھتی ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کو اُن کے دینی رشتے کے باوجود میراث میں شریک نہیں کیا گیا تو منہ بولے بیٹے کو محض زبان سے بیٹا کہہ دینے کی بنا پر میراث میں کیسے شریک کیا جاسکتا ہے؟ البتہ اگر اُن کے ساتھ نیکی کا ارادہ ہو تو اُن کے لئے اپنے ترکے کے تہائی حصے کی حد تک کوئی وصیت کی جاسکتی ہے۔

(۸) پیچھے جو حقیقت بیان فرمائی تھی کہ نبی ہر مؤمن کے لئے اپنی جان سے بھی زیادہ قربت کا مقام رکھتے ہیں، اُس کی وجہ اس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ اُن کی ذمہ داری بڑی سخت ہے، کیونکہ اُن سے بڑا سخت عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہنچا کر اُن کی ہدایت کا سبب بنیں گے۔

(۹) یہ عہد اس واسطے لیا گیا تھا کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچ جائے، اور اُن پر حجت تمام ہو جائے، اور پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن سے پوچھ گچھ کرے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کس قدر سچائی سے کام لیا۔ اگر انبیائے کرام اپنے عہد کے مطابق اللہ تعالیٰ کا پیغام اُن تک ٹھیک ٹھیک نہ پہنچاتے تو اُن پر حجت قائم نہ ہوتی، اور نہ اللہ تعالیٰ اُن سے باز پرس فرماتا، کیونکہ حجت تمام کئے بغیر کسی سے باز پرس کرنا اُس کے انصاف کے خلاف ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ نے اُس وقت تم پر کیسا انعام کیا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھی بھیجی، اور ایسے لشکر بھی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔<sup>(۱۰)</sup> اور تم جو کچھ کر رہے تھے، اللہ اُس کو دیکھ رہا تھا۔ ﴿۹۹﴾

(۱۰) یہاں سے جنگ احزاب کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ آیت نمبر ۲۷ تک اس جنگ کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ اس جنگ کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ بنو نضیر کے یہودیوں کی سازش سے قریش کے بت پرستوں نے یہ طے کیا تھا کہ عرب کے مختلف قبائل کو جمع کر کے مدینہ منورہ پر اکٹھے حملہ کریں۔ چنانچہ قریش کے علاوہ بنو غطفان، بنو اسلم، بنو مرہ، بنو اشجع، بنو کنانہ اور بنو فزارہ نے مل کر ایک زبردست لشکر تیار کیا جس کی تعداد بارہ سے پندرہ ہزار تک بتائی جاتی ہے، اور یہ لشکر جرار مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے شمال میں جہاں سے حملہ آور آنے والے ہیں، ایک گہری خندق کھود دی جائے، تاکہ وہ شہر تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ تمام صحابہؓ نے بڑی محنت اٹھا کر صرف چھ دن میں یہ خندق کھودی جو ساڑھے تین میل لمبی اور پانچ گز گہری تھی۔ یہ جنگ پچھلی تمام جنگوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ سخت جنگ تھی، دشمن کی تعداد اُن کے چار گنے سے بھی زائد تھی، اور اُس پر طرہ یہ ہوا کہ بنو نضیر کے یہودی جو مسلمانوں کی بالکل بغل میں بیٹھے تھے، اُن کے بارے میں یہ اطلاع مل گئی کہ انہوں نے بھی مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ کر دشمن کی مدد کا عہد کر لیا ہے۔ سخت سردی کا موسم تھا، اتنی لمبی خندق کھودنے میں دن رات مصروفیت کی وجہ سے خوراک کا سامان کم پڑ گیا تھا۔ پھر جب دشمن نے خندق کے پار پڑاؤ ڈال دیا تو دونوں طرف سے تیروں اور پتھروں کا تبادلہ تقریباً ایک مہینے جاری رہا، اور دن رات پہرہ دینے کی وجہ سے لوگ تھکن سے نڈھال تھے۔ کڑی آزمائش کا یہ زمانہ آخر کار اس طرح ختم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے لشکر پر برفانی ہوا کی ایک سخت آندھی مسلط فرمادی جس سے اُن کے خیمے اکھڑ گئے، دیگیں الٹ گئیں، چولھے تباہ ہو گئے، اور سواری کے۔ انور بدک کر بھاگنے لگے۔ اس موقع پر انہیں محاصرہ ختم کر کے واپس جانا پڑا۔ اس آیت میں اسی آندھی کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس کے ساتھ اُن دیکھے لشکروں کا بھی جن سے مراد فرشتے ہیں جنہوں نے دشمن کو سرا سیمہ کر کے بھاگنے پر مجبور کیا۔

اِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ رَاغَبُ الْأَبْصَارِ وَبَلَغَتِ  
الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا  
زُلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا  
اللّٰهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝

یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی، اور جب  
آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آگئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں  
سوچنے لگے تھے۔ ﴿۱۰﴾ اس موقع پر ایمان والوں کی بڑی آزمائش ہوئی، اور انہیں ایک سخت  
بھونچال میں ڈال کر ہلا ڈالا گیا۔ ﴿۱۱﴾ اور یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں  
روگ ہے، یہ کہہ رہے تھے کہ: ”اللہ اور اُس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے، وہ دھوکے  
کے سوا کچھ نہیں۔“ ﴿۱۲﴾

(۱۱) اوپر سے مراد تو وہ متحدہ محاذ کا لشکر ہے جو خندق کے پار محاصرہ کئے ہوئے تھا، اور نیچے سے مراد بنو قریظہ ہیں  
جنہوں نے اندر سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

(۱۲) سخت آزمائش کی اس گھڑی میں غیر اختیاری طور پر مختلف دسو سے دل میں آیا کرتے ہیں۔ یہ انہی دسوسوں  
کا بیان ہے جن سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۱۳) مستند روایات میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ جس جگہ خندق کھود رہے تھے، وہاں ایک سخت چٹان بچ میں  
آگئی جو کسی طرح ٹوٹ نہیں رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ بہ نفس نفیس وہاں تشریف  
لے گئے، اور اپنے دست مبارک میں کدال لے کر یہ آیت پڑھی: ”وَتَكُنَّ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا“ اور کدال سے  
چٹان پر ضرب لگائی تو ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی، اور اُس میں سے ایک روشنی نمودار ہوئی جس میں آپؐ کو یمن اور  
کسریٰ کے محلات دکھائے گئے۔ پھر دوسری ضرب لگاتے وقت آپؐ نے اُسی آیت کو پورا پڑھا: ”وَتَكُنَّ كَلِمَتُ  
رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا“ اس پر چٹان کا ایک اور حصہ ٹوٹا، اور دوبارہ روشنی ظاہر ہوئی جس میں آپؐ نے روم کے  
محلات دیکھے۔ پھر تیسری ضرب پر چٹان پوری ٹوٹ گئی۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یمن، ایران اور روم

وَإِذْ قَالَتْ طَافِيَةٌ مِّنْهُمْ يَا هَلْ يَثْرَبَ لَا مَقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا مَنَعُ فِرَاقًا ۝۱۳ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا شَمُّ سَيْلِ الْفِتْنَةِ لَأَنفَضُوا مَا تَلَبَّثُوا فِيهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝۱۴

اور جب انہی میں سے کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ: ”یثرب کے لوگو! تمہارے لئے یہاں ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، بس واپس لوٹ جاؤ۔“ اور انہی میں سے کچھ لوگ نبی سے یہ کہہ کر (گھر جانے کی) اجازت مانگ رہے تھے کہ: ”ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں“<sup>(۱۳)</sup> حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ (کسی طرح) بھاگ کھڑے ہوں۔ ﴿۱۳﴾ اور اگر دشمن مدینے میں چاروں طرف سے آگھے، پھر ان سے فساد میں شامل ہونے کو کہا جائے تو یہ اُس میں ضرور شامل ہو جائیں گے، اور (اُس وقت) گھروں میں تھوڑے ہی ٹھہریں گے۔ ﴿۱۴﴾

کے محلات دکھا کر یہ بشارت دی گئی ہے کہ یہ سارے ملک میری اُمت کے ہاتھوں فتح ہوں گے۔ منافقین نے یہ سنا تو کہا کہ حالت تو یہ ہے کہ خود اپنے شہر کا بچاؤ کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے، اور خواب یہ دیکھے جارہے ہیں کہ ایران اور روم ہمارے ہاتھوں فتح ہوں گے! مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں منافقین کی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(۱۳) یہ منافقین تھے جو اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے محاذ سے بھاگنا چاہتے تھے۔  
(۱۵) یعنی یہ منافق لوگ اس وقت تو یہ بہانہ بنا رہے ہیں کہ ہمارے گھروں کی دیواریں پتلی ہیں، اور وہ غیر محفوظ ہیں، لیکن اگر دشمن مدینہ منورہ میں چاروں طرف سے داخل ہو جائے، اور ان سے فرمائش کرے کہ تم بھی مسلمانوں کے خلاف ہمارے ساتھ جنگ میں شامل ہو جاؤ تو دشمن کا پلہ بھاری دیکھ کر یہ اُن کے ساتھ جا ملیں گے، اور اُس وقت انہیں اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا خیال نہیں آئے گا۔

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤْتُونَ إِلَّا دُبَارًا ۖ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ  
 مَسْئُولًا ۝ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَا  
 تُنَجُّونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ  
 أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ قَدْ  
 يَعْلَمُ اللَّهُ الْمَعْوِقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ  
 الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے پہلے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں جائیں گے۔ اور  
 اللہ سے کہے ہوئے عہد کی باز پرس ضرور ہو کر رہے گی۔ ﴿۱۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ:  
 ”اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ بھی جاؤ تو یہ بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور اُس صورت  
 میں تمہیں (زندگی کا) لطف اٹھانے کا جو موقع دیا جائے گا، وہ تھوڑا ہی سا ہوگا۔“ ﴿۱۶﴾ کہو کہ:  
 ”کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے، اگر وہ تمہیں کوئی برائی پہنچانے کا ارادہ کر لے، یا (وہ کون ہے  
 جو اُس کی رحمت کو روک سکے،) اگر وہ تم پر رحمت کرنے کا ارادہ کر لے؟“ اور اللہ کے سوا ان لوگوں کو  
 نہ کوئی رکھوالا مل سکتا ہے، نہ کوئی مددگار۔ ﴿۱۷﴾

اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جہاد میں) رُکاوٹ ڈالتے ہیں، اور اپنے بھائیوں سے  
 کہتے ہیں کہ: ”ہمارے پاس چلے آؤ“ اور خود لڑائی میں آتے نہیں، اور آتے ہیں تو بہت کم، ﴿۱۸﴾

(۱۶) یہ ایک منافق کی طرف اشارہ ہے جو اپنے گھر میں کھانے پینے میں مشغول تھا، اور اُس کا مخلص مسلمان بھائی  
 جو جنگ میں جانے کے لئے تیار تھا، اُس سے کہہ رہا تھا کہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کیوں جارہے ہو؟  
 یہاں میرے پاس آؤ، اور اطمینان سے میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو (ابن جریر طبری)۔

أَشْحَةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يُنْظَرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ  
كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالسِّنَةِ حِدَادٍ  
أَشْحَةً عَلَى الْخَيْرِ ۖ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۖ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى  
اللَّهِ يَسِيرًا ۝۱۹ يَحْسِبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۚ وَإِنِّيَأَتِ الْأَحْزَابُ يَوْمَ ذَٰلِكَ  
أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبِيَائِهِمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قُتِلُوا إِلَّا  
قَلِيلًا ۖ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَٱلْيَوْمَ  
الْآخِرَ مَا ٱلَا خِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۖ ۝۲۰

(اور وہ بھی) تمہارے ساتھ لالچ رکھتے ہوئے۔ چنانچہ جب خطرے کا موقع آ جاتا ہے تو وہ تمہاری  
طرف چکرائی ہوئی آنکھوں سے اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ پھر  
جب خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تمہارے سامنے مال کی حرص میں تیز تیز بانیں چلاتے ہیں۔ یہ لوگ<sup>(۱۸)</sup>  
ہرگز ایمان نہیں لائے ہیں، اس لئے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے ہیں۔ اور یہ بات اللہ کے  
لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۱۹﴾ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ (دشمنوں کے) لشکر ابھی گئے نہیں ہیں۔ اور اگر  
وہ لشکر (دوبارہ) آجائیں تو ان کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ دیہات میں جا کر رہیں، (اور وہیں بیٹھے ہوئے)  
تمہاری خبریں معلوم کرتے رہیں۔ اور اگر تمہارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں تھوڑا ہی حصہ لیں  
گے۔ ﴿۲۰﴾ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس  
شخص کے لئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے اُمید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔ ﴿۲۱﴾

(۱۷) یعنی اگر نام کرنے کو کچھ دیر کے لئے لڑائی میں حصہ لینے آتے بھی ہیں تو اس لالچ میں آتے ہیں کہ اگر لڑائی  
میں مسلمانوں کو مال غنیمت ملا تو وہ بھی اپنا حصہ لگائیں۔  
(۱۸) یعنی بڑی چرب زبانی سے مال غنیمت کا حصہ مسلمانوں سے مانگتے ہیں۔

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْإِخْرَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۖ (۳۳) مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَن يَنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۖ (۳۴) لَيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۖ (۳۵)

اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، جب انہوں نے (دُشمن کے) لشکروں کو دیکھا تھا تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ: ”یہ وہی بات ہے جس کا وعدہ اللہ اور اُس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اور اللہ اور اُس کے رسول نے سچ کہا تھا۔“ اور اس واقعے نے اُن کے ایمان اور تابع داری کے جذبے میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ ﴿۲۲﴾ انہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، اُسے سچا کر دکھایا۔ پھر اُن میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کر دیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں، اور انہوں نے (اپنے ارادوں میں) ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔ ﴿۲۳﴾ (یہ واقعہ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا انعام دے، اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے، یا اُن کی توبہ قبول کر لے۔ اللہ یقیناً بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۴﴾

(۱۹) نذرانہ پورا کرنے سے مراد جہاد میں جام شہادت نوش کرنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جو صحیح معنی میں مومن تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اُس کے راستے میں اپنے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ پھر ان حضرات میں سے کچھ نے تو اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے جام شہادت نوش کر لیا، اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے جہاد میں حصہ تو لیا، لیکن شہید نہیں ہوئے، اور ابھی اس انتظار اور اشتیاق میں ہیں کہ کب انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان قربان کرنے کا موقع ملے۔

(۲۰) یعنی جو منافق سچی توبہ کر لیں، اُن کی توبہ قبول کر لے۔

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَأْلُوا خَيْرًا ۖ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۖ  
وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۙ ۝۲۵ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُواهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ  
صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۙ ۝۲۶  
وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوْهَا ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى  
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۙ ۝۲۷

ع  
۱۹

اور جو لوگ کافر تھے، اللہ نے انہیں اُن کے سارے غیظ و غضب کے ساتھ اس طرح پسپا کر دیا کہ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اور مومنوں کی طرف سے لڑائی کے لئے اللہ خود کافی ہو گیا۔ اور اللہ بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔ ﴿۲۵﴾ اور جن اہل کتاب نے ان (دُشمنوں) کی مدد کی تھی، انہیں اللہ اُن کے قلعوں سے نیچے اتار لایا، اور اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ (اے مسلمانو!) اُن میں سے کچھ کو تم قتل کر رہے تھے، اور کچھ کو قیدی بنا رہے تھے۔ ﴿۲۶﴾ اور اللہ نے تمہیں اُن کی زمین کا، اُن کے گھروں کا اور اُن کی دولت کا وارث بنا دیا، اور ایک ایسی زمین کا بھی جس تک ابھی تمہارے قدم نہیں پہنچے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۲۷﴾

(۲۱) اس سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا، اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا ہوا تھا، لیکن جنگ احزاب کے موقع پر عہد شکنی کر کے حملہ آوروں سے ساز باز کی، اور مسلمانوں کی پشت سے خنجر گھونپنے کا منصوبہ بنایا۔ اس لئے جنگ احزاب سے فارغ ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے ان پر حملہ کیا، یہ لوگ اپنے قلعے میں محصور ہو گئے۔ ایک مہینے تک محاصرہ جاری رہا، اور آخر کار یہ اپنے قلعے سے اتر آئے، اور اس بات پر راضی ہو گئے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے، وہ انہیں منظور ہوگا۔ حضرت سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ کیا کہ اُن کے لڑنے والے مردوں کو قتل کیا جائے، اور عورتوں اور نابالغ بچوں کو قیدی بنایا جائے۔ چنانچہ اسی فیصلے پر عمل ہوا۔

(۲۲) اس زمین سے مراد خیبر ہے۔ خیبر میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے، اور وہیں سے مسلمانوں کے خلاف



يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّتْهُنَّ فَأَتَعَالَيْنَ  
أُمْتِعْكُنَّ وَأَسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَبِيلًا ۖ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ  
الدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ: ”اگر تم دنیوی زندگی اور اُس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں  
کچھ تحفے دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں۔“ ﴿۲۸﴾ اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول  
اور عالم آخرت کی طلبگار ہو، تو یقیناً جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لئے شاندار انعام تیار  
کر رکھا ہے۔“ ﴿۲۹﴾

سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اس موقع پر اس آیت نے مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی کہ خیبر بھی کچھ عرصے میں  
مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہجرت کے ساتویں سال خیبر بھی فتح ہو گیا۔  
(۲۳) ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات یوں تو ہر قسم کے سرد و گرم  
حالات میں بڑی استقامت سے آپ کا ساتھ دیتی آئی تھیں، لیکن جنگِ احزاب اور جنگِ بنو قریظہ میں فتوحات  
کے بعد مسلمانوں کو کچھ مالی خوش حالی حاصل ہوئی، تو اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس تنگی ترشی میں وہ اب  
تک گزارہ کرتی رہی ہیں، اب اُس میں کچھ تبدیلی آنی چاہئے، چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم سے اس خیال کا ذکر بھی کر دیا، اور یہ مثال بھی دی کہ قیصر و کسریٰ کی بیگمات بڑی سچ دھج کے ساتھ رہتی  
ہیں، اُن کی خدمت کے لئے کنیزیں موجود ہیں، اب جبکہ مسلمانوں میں خوشحالی آچکی ہے، ہمارے نفقے میں بھی  
اضافہ ہونا چاہئے۔ اگرچہ ازواجِ مطہرات کے دل میں مالی وسعت کی خواہش پیدا ہونا کوئی گناہ کی بات نہیں  
تھی، لیکن اوّل تو پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہونے کی حیثیت سے یہ مطالبہ اُن کے شایانِ شان نہیں  
سمجھا گیا، دوسرے شاید بادشاہوں کی بیگمات کی مثال دینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی کہ وہ  
اپنے آپ کو ان بیگمات پر قیاس کر رہی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم کی ان آیات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
ہدایت دی کہ آپ ازواجِ مطہرات سے یہ بات اچھی طرح صاف کر لیں کہ اگر پیغمبر کے ساتھ رہنا ہے تو اپنے  
سوچنے کا یہ انداز بدلنا ہوگا، دوسری عورتوں کی طرح ان کا محض نظر دنیا کی سچ دھج نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اللہ اور اُس  
کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اُس کے نتیجے میں آخرت کی بھلائی ہونی چاہئے۔ اور ساتھ ہی اُن پر یہ

يُنْسَاءُ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ يُضَعَفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۖ<sup>ط</sup>  
وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ  
صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ يَنْسَاءُ النَّبِيُّ  
لَسْتُمْ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ ۚ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الذِّمِّيُّ فِي  
قَلْبِهِ مَرْضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کسی کھلی بے ہودگی کا ارتکاب کرے گی، اُس کا عذاب بڑھا کر دوگنا کر دیا جائے گا، اور اللہ کے لئے ایسا کرنا بہت آسان ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی تابع دار رہے گی، اور نیک عمل کرے گی، اُسے ہم اُس کا ثواب بھی دوگنا دیں گے، اور اُس کے لئے ہم نے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۱﴾ اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ لہذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بیجا لالچ کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔ ﴿۳۲﴾

بات بھی واضح کر دی گئی کہ اگر وہ دنیا کی زیب و زینت کو پسند کریں گی تو پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُن کو کھلا اختیار ہے کہ وہ آپ سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ اس صورت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کسی تلخی کے ساتھ نہیں، بلکہ سنت کے مطابق جوڑوں وغیرہ کے تحفے دے کر خوش اسلوبی سے رخصت فرمائیں گے۔ چنانچہ ان آیات کے احکام کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو یہ پیشکش فرمائی، اور تمام ازواج نے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے ہی کو پسند کیا، خواہ اُس کے لئے کیسی تنگی ترشی برداشت کرنی پڑے۔

(۲۴) یعنی ازواجِ مطہرات کا مقام عام عورتوں سے بلند ہے، اس لئے اگر وہ تقویٰ اختیار کریں گی تو انہیں ثواب بھی دوگنا ملے گا، اور کوئی گناہ کریں گی تو اُس کا عذاب بھی دوگنا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو پیغمبر کے ساتھ جتنا قرب ہو، اُسے اپنے عمل میں اتنا ہی محتاط ہونا چاہئے۔

(۲۵) اس آیت نے خواتین کو غیر محرم مردوں سے بات کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ اُس میں جان بوجھ کر

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ  
 الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ  
 الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾

اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی  
 جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اُس کے رسول کی  
 فرماں برداری کرو۔ اے نبی کے اہل بیت! (گھر والو) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور  
 رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔ ﴿۳۳﴾

زناکت اور کش پیدا نہیں کرنی چاہئے، البتہ اپنی بات کسی بد اخلاقی کے بغیر پھیکے انداز میں کہہ دینی چاہئے۔ اس  
 سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب عام گفتگو میں بھی خواتین کو یہ ہدایت کی گئی ہے تو غیر مردوں کے سامنے ترنم  
 کے ساتھ اشعار پڑھنا یا گانا گنا کرنا ہواگا۔

(۲۶) اس آیت نے یہ واضح فرمادیا ہے کہ عورت کا اصل مقام اُس کا گھر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس  
 کے لئے گھر سے نکلنا جائز نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے واضح فرمادیا ہے کہ حاجت کے  
 وقت عورت پردے کے ساتھ باہر جاسکتی ہے، لیکن اس فقرے نے یہ عظیم اصول بیان فرمایا ہے کہ عورت کا اصل  
 فریضہ گھر اور خاندان کی تعمیر ہے، اور ایسی سرگرمیاں جو اس مقصد میں خلل انداز ہوں، اُس کے اصل مقصد زندگی  
 کے خلاف ہیں، اور ان سے معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے۔

(۲۷) پہلی جاہلیت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہے جس میں عورتیں بے حیائی  
 کے ساتھ بناؤ سنگھار غیر مردوں کو دکھاتی پھرتی تھیں۔ اور ”پہلی جاہلیت“ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے  
 کہ ایک جاہلیت آخر میں بھی آنے والی ہے۔ اور کم از کم اس بے حیائی کے معاملے میں یہ جاہلیت ہماری آنکھوں  
 کے سامنے اس طرح آچکی ہے کہ اس نے پہلی جاہلیت کو مات کر دیا ہے۔

(۲۸) چونکہ آگے پیچھے سارا ذکر ازواج مطہرات کا چل رہا ہے، اس لئے وہ تو اہل بیت میں براہ راست داخل  
 ہیں، لیکن الفاظ کے عموم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں، اور اُن کی اولاد بھی داخل ہیں، چنانچہ صحیح  
 مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور

وَإِذْ كُنَ مَا يَمُوتُ فِي بَيْوتِكُمْ مِّنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝۳۳ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنِيطِينَ وَالْقَنِيطَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَفَظِينَ وَالْحَفَظَاتِ وَالذَّكِرِينَ وَالذَّكِرَاتِ ۚ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝۳۴

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں، اُن کو یاد رکھو۔ یقین جانو اللہ بہت باریک بین اور ہر بات سے باخبر ہے۔ ﴿۳۳﴾ بیشک فرماں بردار مرد ہوں یا فرماں بردار عورتیں، مؤمن مرد ہوں یا مؤمن عورتیں، عبادت گزار مرد ہوں یا عبادت گزار عورتیں، سچے مرد ہوں یا سچی عورتیں، صابر مرد ہوں یا صابر عورتیں، دل سے جھکنے والے مرد ہوں یا دل سے جھکنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد ہوں یا روزہ دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ہوں یا حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۴﴾

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی چادر میں ڈھانپ لیا، اور یہ آیت تلاوت کی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: ”یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔“ (ابن جریر) یہاں یہ بھی واضح رہے کہ مکمل پاکیزگی سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ انبیائے کرام کی طرح گناہوں سے معصوم ہو جائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے متقی بن جائیں کہ گناہوں کی گندگی اُن سے دُور ہو جائے۔

(۲۹) مسلمانوں کو قرآن کریم میں جب بھی کوئی حکم دیا گیا ہے، یا ان کو کوئی خوشخبری دی گئی ہے، تو عام طور سے مذکر ہی کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اگرچہ خواتین بھی اُس میں داخل ہیں، (جیسا کہ دُنیوی قوانین میں بھی صورت حال یہی ہے) لیکن بعض صحابیات کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ خاص مؤنث کے صیغے کے ساتھ بھی خواتین کے بارے میں کوئی خوشخبری دیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳۰) یہ ”خشوع“ کا ترجمہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کے وقت دل عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا ہو۔ اس کا بیان سورہ مؤمنون کی دوسری آیت میں گزر چکا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۖ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴿٣١﴾

اور جب اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مؤمن مرد کے لئے یہ گنجائش ہے نہ کسی مؤمن عورت کے لئے کہ اُن کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جس کسی نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔ ﴿۳۱﴾

(۳۱) یہ آیت کریمہ چند ایسے واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہؓ کے لئے کسی خاتون سے رشتہ دیا، مگر وہ خاتون یا اُن کے رشتہ دار شروع میں اُس رشتے پر راضی نہیں ہوئے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور ان سب میں مشترک بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہؓ کے نکاح کا پیغام دیا تھا، اُن میں کوئی خرابی نہیں تھی، لیکن خاتون یا اُن کے گھر والوں نے صرف اپنی خاندانی یا مالی فوقیت کی وجہ سے شروع میں اُن کا رشتہ قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ دوسری طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غالباً یہ چاہتے تھے کہ لوگ صرف اپنی خاندانی یا مالی فوقیت کی وجہ سے اچھے رشتوں سے انکار کرنے کا رُجحان ختم کریں۔ اگرچہ شریعت نے نکاح میں کفایت (یعنی میاں بیوی کے ہم پلہ ہونے) کا کافی الجملہ اعتبار کیا ہے، لیکن اگر رشتے میں کوئی اور بڑی وجہ ترجیح موجود ہو تو عورت اور اُس کے سرپرستوں کو صرف اس بنا پر رشتے سے انکار نہیں کر دینا چاہئے کہ وہ خاندانی اعتبار سے عورت کے خاندان کا ہم پلہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان تمام واقعات میں رشتہ منظور کر لیا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز ہی کے مطابق نکاح ہوا۔

ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے، جس کا تعلق آنے والی آیات سے بھی ہے۔ یہ شروع میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے، اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہہ کر دیا تھا، آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ (جس کی تفصیل اگلی آیت کے حاشیہ میں آرہی ہے)۔ چنانچہ آپ نے اپنی پھوپھی کی صاحبزادی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت زینبؓ اُنچے خاندان کی خاتون تھیں، اور اُس وقت کسی آزاد کردہ غلام سے شادی کرنا ایسی خاندانی عورت کے لئے معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے انہوں نے شروع میں انکار کیا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کے بعد انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا، اور پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے اُن کا نکاح ہو گیا جس کا مہر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ  
وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ  
تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۳۷﴾

اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب تم اُس شخص سے جس پر اللہ نے بھی احسان کیا تھا، اور تم نے بھی احسان کیا تھا، یہ کہہ رہے تھے کہ: ”اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو، اور اللہ سے ڈرو“ اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا، اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ پھر جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کر لیا تو ہم نے اُس سے تمہارا نکاح کر دیا، تاکہ مسلمانوں کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) میں اُس وقت کوئی تنگی نہ رہے جب انہوں نے اپنی بیویوں سے تعلق ختم کر لیا ہو۔ اور اللہ نے جو حکم دیا تھا، اُس پر عمل تو ہو کر رہنا ہی تھا۔ ﴿۳۷﴾

آیت کریمہ اگرچہ ان واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے، لیکن اُس کے الفاظ عام ہیں، اور وہ شریعت کا یہ بنیادی اصول واضح کر رہی ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد کسی بھی مخلوق کو اپنی رائے چلانے کا اختیار نہیں رہتا۔

(۳۲) اس سے مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کا احسان تو یہ تھا کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا، اور اسلام لانے کی توفیق دی، یہاں تک کہ یہ اُن چار خوش نصیب صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پر احسان کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آٹھ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنی ننھیال میں گئے تھے، وہاں قبیلہ قین کے لوگوں نے حملہ کر کے انہیں غلام بنایا، اور عکاظ کے میلے میں لے جا کر حضرت حکیم بن حزامؓ کے ہاتھ بیچ دیا، انہوں نے یہ غلام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا۔ اُس کے بعد جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو حضرت خدیجہؓ نے انہیں آپ کی خدمت میں پیش

کر دیا، جبکہ اُن کی عمر پندرہ سال تھی۔ کچھ عرصے کے بعد ان کے والد اور چچا کو معلوم ہوا کہ اُن کا بچہ مکہ مکرمہ میں ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور عرض کی کہ آپ جو معاوضہ چاہیں، ہم سے لے لیں، اور یہ بچہ ہمارے حوالے کر دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر وہ بچہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو میں کسی معاوضے کے بغیر ہی اُسے آپ کے حوالے کر دوں گا، البتہ اگر وہ نہ جانا چاہے تو میں زبردستی اُسے نہیں بھیج سکتا، وہ لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، اور آپ نے اُنہیں اختیار دیا کہ اگر وہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں، لیکن حضرت زیدؓ نے یہ حیرت انگیز جواب دیا کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ اُن کے والد اور چچا بڑے حیران ہوئے کہ اُن کا بیٹا آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ اور چچا پر ایک بالکل غیر شخص کو ترجیح دے رہا ہے، لیکن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے اس آقا کا جو طرز عمل دیکھا ہے، اُس کے بعد دنیا کے کسی شخص کو میں ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ (واضح رہے کہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی تک نبوت عطا نہیں ہوئی تھی) اس پر اُن کے والد اور چچا بھی مطمئن ہو کر چلے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو فوراً آزاد کر دیا، اور حرم مکہ میں جا کر قریش کے لوگوں کے سامنے اعلان فرما دیا کہ آج سے میں نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ اسی بنا پر لوگ انہیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے۔

(۳۳) حضرت زینبؓ سے حضرت زیدؓ کا نکاح ہو تو گیا تھا، لیکن حضرت زیدؓ کو یہ شکایت رہتی تھی کہ اُن کی اہلیہ کے دل سے اپنی خاندانی فوقیت کا احساس مٹا نہیں، اور شاید اُسی کی وجہ سے بعض اوقات وہ حضرت زیدؓ کے ساتھ تیز زبانی کا بھی مظاہرہ کرتی ہیں۔ حضرت زیدؓ کی یہ شکایت اتنی بڑھی کہ انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو، بلکہ اپنے پاس رکھو، اور اللہ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو طلاق پسند نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بیوی کے جو حقوق رکھے ہیں، انہیں ادا کرو۔

(۳۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت زیدؓ کے مشورہ لینے سے پہلے ہی یہ بتا دیا تھا کہ حضرت زیدؓ کسی وقت حضرت زینبؓ کو طلاق دے دیں گے، اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت آپ کو اُن سے نکاح کرنا ہوگا، تاکہ عرب میں اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو جو معیوب سمجھا جاتا ہے، اُس رسم کا عملی طور پر خاتمہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بڑی آزمائش تھی، اڈل تو حضرت زیدؓ کا یہ نکاح آپ نے بڑے اصرار سے کرایا تھا، دوسرے اُن کے طلاق دینے کے بعد اُن سے آپ کا نکاح ہونے سے مخالفین کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا کہ انہوں نے اپنی منہ بولی بہو سے نکاح کر لیا۔ لہذا جب حضرت زیدؓ

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فَبِمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۖ (۳۸) الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ۖ (۳۹) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۖ (۴۰) ع

نبی کے لئے اُس کام میں اعتراض کی کوئی بات نہیں ہوتی جو اللہ نے اُس کے لئے طے کر دیا ہو۔ یہی اللہ کی وہ سنت ہے جس پر اُن (انبیاء) کے معاملے میں بھی عمل ہوتا آیا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اللہ کا فیصلہ نپا تلامقدر ہوتا ہے۔ ﴿۳۸﴾ پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں، اور اُسی سے ڈرتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اور حساب لینے کے لئے اللہ کو کسی کی ضرورت نہیں۔ ﴿۳۹﴾ (مسلمانو!) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۴۰﴾

نے آپ سے طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی حکم آجائے گا، اُس وقت تو سر تسلیم خم کرنا ہی ہوگا، لیکن جب تک حتمی حکم نہیں آتا، اُس وقت تک مجھے حضرت زیدؑ کو وہی مشورہ دینا چاہئے جو میاں بیوی کے اختلاف کے موقع پر عام طور سے دیا جاتا ہے کہ طلاق سے حتی الامکان بچو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرو۔ چنانچہ آپ نے یہی مشورہ دیا، اور یہ بات ظاہر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کسی وقت حضرت زیدؑ اپنی اہلیہ کو طلاق دیں گے، اور پھر وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: ”اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا“۔ صحیح روایات کی روشنی میں اس آیت کی یہی تفسیر صحیح ہے۔ بعض دشمنان اسلام نے کچھ واپسی تباہی روایتوں کی بنا پر اس کا جو مطلب نکالا ہے، وہ سراسر غلط ہے، اور جو انتہائی کمزور روایتیں اس سلسلے میں پیش کی گئی ہیں، وہ قطعی طور پر غیر معقول اور ناقابل توجہ ہیں۔

(۳۵) چونکہ حضرت زید بن حارثہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیٹا قرار دیا تھا، اس لئے لوگ اُن کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارتے تھے۔ پچھلی آیتوں میں جب یہ حکم جاری ہوا کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۖ هُوَ  
 الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَكَانَ  
 بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۖ تَجِئُكُمْ يَوْمَ يُلْقُونَ سَلَامًا ۖ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۖ  
 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۖ وَدَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَ  
 سِرَاجًا مُنِيرًا ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۖ وَلَا تَطْمَئِنَّ  
 الْكُفْرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذُنَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۖ

اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو، ﴿۳۱﴾ اور صبح وشام اُس کی تسبیح کرو۔ ﴿۳۲﴾ وہی ہے جو خود بھی تم پر رحمت بھیجتا ہے، اور اُس کے فرشتے بھی، تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور وہ مؤمنوں پر بہت مہربان ہے۔ ﴿۳۳﴾ جس دن مؤمن لوگ اللہ سے ملیں گے اُس دن اُن کا استقبال سلام سے ہوگا، اور اللہ نے اُن کے لئے باعزت انعام تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۴﴾ اے نبی! بیشک ہم نے تمہیں ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ تم گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے ہو، ﴿۳۵﴾ اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے، اور روشنی پھیلانے والے چراغ ہو۔ ﴿۳۶﴾ تم مؤمنوں کو خوشخبری سناؤ کہ اُن پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے، ﴿۳۷﴾ اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو، اور اُن کی طرف سے جو تکلیف پہنچے، اُس کی پروا نہ کرو، اور اللہ پر بھروسہ کئے رہو، اور اللہ رکھوالا بننے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۳۸﴾

قرار نہیں دیا جاسکتا، تو حضرت زیدؓ کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی بھی ممانعت ہوگئی، چنانچہ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ کسی مرد کے نسبى باپ نہیں ہیں، (کیونکہ آپ کی زندہ رہنے والی اولاد میں صرف بیٹیاں تھیں) لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی وجہ سے پوری اُمت کے روحانی باپ ہیں، اور چونکہ آخری نبی ہیں، اور قیامت تک کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے، اس لئے جاہلیت کی رسموں کو اپنے عمل سے ختم کرنے کی ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہوتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ  
تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمِنْ تَعَوُّهُنَّ وَسِرِّحُوهُنَّ  
سَرَاحًا جَبِيلًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَرْوَاحَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ  
وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ  
خَالِكَ وَبَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا  
لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ قَدْ  
عَلِمْنَا مَا فَارَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَرْوَاحِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ  
حَرَجٌ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اے ایمان والو! جب تم نے مؤمن عورتوں سے نکاح کیا ہو، پھر تم نے انہیں چھونے سے پہلے ہی  
طلاق دے دی ہو، تو ان کے ذمے تمہاری کوئی عدت واجب نہیں ہے جس کی گنتی تمہیں شمار کرنی  
ہو۔ <sup>(۳۶)</sup> لہذا انہیں کچھ تحفہ دے دو، اور انہیں خوبصورتی سے رخصت کر دو۔ ﴿۳۹﴾

اے نبی! ہم نے تمہارے لئے تمہاری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کو تم نے ان کا مہر ادا کر دیا ہے، نیز  
اللہ نے غنیمت کا جو مال تمہیں عطا کیا ہے، اُس میں سے جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں آچکی ہیں وہ  
بھی (تمہارے لئے حلال ہیں) اور تمہاری وہ چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں  
اور خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے، نیز کوئی مسلمان عورت جس نے  
مہر کے بغیر نبی کو اپنے آپ (سے نکاح کرنے) کی پیشکش کی ہو، <sup>(۳۸)</sup> بشرطیکہ نبی اُس سے نکاح کرنا  
چاہے۔ یہ سارے احکام خاص تمہارے لئے ہیں، دوسرے مؤمنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں وہ احکام  
خوب معلوم ہیں جو ہم نے اُن کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں اُن پر عائد کئے ہیں، (اور تمہیں اُن  
سے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۵۰﴾

(۳۶) اگر رخصتی کے بعد طلاق ہو تو عورت کو عدت گزارنے کا حکم ہے جو سورہ بقرہ (۲: ۲۲۸) میں گذرا ہے کہ

ایسی عورت تین مرتبہ ایام ماہواری گزرنے تک عدت میں بیٹھیگی، اور اُس کے بعد نکاح کر سکے گی۔ لیکن اگر رخصتی نہ ہوئی ہو تو اُس کا حکم اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسی صورت میں عورت پر عدت گزارنا واجب نہیں ہے، بلکہ وہ طلاق کے فوراً بعد بھی نکاح کر سکتی ہے۔ آیت میں ”چھوٹے“ کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اُس سے مراد رخصتی ہے، یعنی میاں بیوی کو ایسی تنہائی میسر آجائے کہ اگر وہ ہم بستری کرنا چاہیں تو کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اگر ایسی تنہائی میسر آجائے تو عدت واجب ہو جاتی ہے، چاہے ہم بستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

(۳۷) تحفے سے مراد یہ ہے کہ بیوی کو طلاق کے ذریعے رخصت کرتے وقت ایک جوڑا دیا جائے، جسے اصطلاح میں ”متعہ“ کہا جاتا ہے۔ اور یہ جوڑا مہر کے علاوہ ہے، اور ہر صورت میں مرد کو دینا چاہئے، چاہے رخصتی سے پہلے طلاق ہو، یا رخصتی کے بعد۔ آیت کا منشاء یہ ہے کہ اگر کسی دجہ سے آپس میں نبھاؤ ممکن نہ رہا ہو اور طلاق دینی ہی ہو، تو دونوں کے درمیان جدائی بھی لڑائی اور دشمنی کی فضا کے بجائے خوش اسلوبی کے ساتھ ہونی چاہئے۔

(۳۸) آیت نمبر ۵۰ اور ۵۱ میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بارے میں وہ احکام بیان فرمائے ہیں جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چار سے زیادہ نکاح کی اجازت ہے۔ اس اجازت میں بہت سی حکمتیں تھیں جن کی تفصیل دیکھنی ہو تو ”معارف القرآن“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۹) یہ دوسرا حکم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، عام مسلمان اس میں شریک نہیں ہیں۔ اور وہ یہ کہ عام مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی بھی مسلمان عورت سے یا اہل کتاب (یعنی عیسائیوں اور یہودیوں) میں سے کسی عورت سے بھی نکاح کر سکتے ہیں، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ جائز قرار نہیں دیا گیا کہ آپ کسی یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کریں، نیز مسلمان عورتوں میں سے بھی جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت نہ کی ہو، اُن سے بھی آپ کے لئے نکاح جائز نہیں کیا گیا۔

(۴۰) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیسرا خصوصی حکم ہے۔ یعنی عام مسلمانوں کے لئے کسی عورت سے مہر کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت خود سے یہ پیشکش کرے کہ وہ آپ سے مہر کے بغیر نکاح کرنا چاہتی ہے، اور آپ بھی اُس سے نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اگرچہ قرآن کریم کی اس آیت نے آپ کے لئے یہ خصوصی اجازت دے دی تھی، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر اس اجازت سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔

تُرْجَىٰ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤْتَىٰ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْنَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ

ان بیویوں میں سے تم جس کی باری چاہو، ملتی کر دو، اور جس کو چاہو، اپنے پاس رکھو، اور جن کو تم نے الگ کر دیا ہو، اُن میں سے اگر کسی کو واپس بلانا چاہو تو اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ اُن سب کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی، اور انہیں رنج نہیں ہوگا، اور تم انہیں جو کچھ دے دو گے، اُس پر وہ سب کی سب راضی رہیں گی۔ اور اللہ اُن سب باتوں کو جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں، اور اللہ علم اور حلم کا مالک ہے۔ ﴿۵۱﴾ اس کے بعد دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال نہیں ہیں، اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بدلے کوئی دوسری بیویاں لے آؤ، چاہے اُن کی خوبی تمہیں پسند آئی ہو،

(۴۱) یہ چوتھا خصوصی حکم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر فرمایا گیا ہے۔ یعنی عام مسلمانوں پر یہ بات فرض ہے کہ اگر اُن کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہ ہر معاملے میں اُن کے ساتھ برابری کا سلوک کریں، چنانچہ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گزاریں، اتنی ہی راتیں دوسری بیوی کے ساتھ گزارنا فرض ہے۔ لیکن اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باریاں مقرر کرنے کی یہ پابندی اٹھائی گئی ہے۔ چنانچہ آپ کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ آپ اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کی باری ملتی فرما سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی وہ سہولت ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر فائدہ نہیں اٹھایا، اور ہمیشہ تمام ازواجِ مطہرات سے مکمل برابری کا معاملہ فرمایا۔

(۴۲) مطلب یہ ہے کہ جب ازواجِ مطہرات پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر برابری کا معاملہ کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں فرمائی، تو آپ کی طرف سے ان کے ساتھ جتنا بھی حسن سلوک ہوگا، وہ اُسے اپنے استحقاق سے زیادہ سمجھ کر خوش ہوں گی۔

(۴۳) یہ آیت پچھلی دو آیتوں کے کچھ عرصے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ پیچھے آیات نمبر ۲۸ و ۲۹ میں ازواج

۱۶ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ۝۵۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ  
 اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُدْخَلَ لَكُمْ اِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَظَرٍ ۚ اِنَّهُ  
 وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيتُمْ فَاَدْخُلُوْا ۚ اِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۚ

البتہ جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں ہوں، (وہ تمہارے لئے حلال ہیں)، اور اللہ ہر چیز کی پوری نگرانی کرنے والا ہے۔ ﴿۵۲﴾

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہو، الا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے، وہ بھی اس طرح کہ تم اُس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو۔<sup>(۴۴)</sup>

مطہرات کو جو اختیار دیا گیا تھا، اُس کے جواب میں تمام ازواج مطہرات نے دنیا کی زیب و زینت کے بجائے آخرت کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو ترجیح دی تھی۔ اُس کے انعام کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور عورت سے نکاح کرنے سے بھی منع فرمادیا، اور موجودہ ازواج مطہرات میں سے کسی کو طلاق دے کر اُن کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنا بھی ممنوع قرار دے دیا۔ (بعض مفسرین نے اس آیت کی کسی اور طرح بھی تفسیر کی ہے، لیکن جو تفسیر اوپر ذکر کی گئی، وہ حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے، (روح المعانی بحوالہ بیہقی وغیرہ) اور زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۴۴) ان آیات میں معاشرت کے کچھ آداب بتائے گئے ہیں، اور یہ آیات اُس وقت نازل ہوئیں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے نکاح کے موقع پر ویسے کا اہتمام فرمایا۔ اس وقت کچھ حضرات کھانے کے وقت سے کافی پہلے آ بیٹھے جبکہ ابھی کھانا تیار نہیں ہوا تھا، اور کچھ حضرات کھانے کے بعد دیر تک آپ کے مکان مبارک میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، اور ان حضرات کے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے آپ کو ان کے ساتھ مشغول رہنا پڑا جس سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ یہ واقعہ تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا

إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَجِیْ مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَجِیْ مِنَ الْحَقِّ ۖ وَإِذَا  
سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۖ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ  
وَقُلُوبِهِنَّ ۖ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُتَّكَبَّرُوا أَرْوَاجَهُمْ  
بَعْدَ إِبْدَائِهِ ۖ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿۵۳﴾ إِنَّ تَبْدُؤَ شَيْءٍ أَوْ تَخْفُؤَهُ فَإِنَّ  
اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۵۴﴾

حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرماتے ہیں،  
اور اللہ حق بات میں کسی سے نہیں شرماتا۔ اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے  
پیچھے سے مانگو۔<sup>(۴۵)</sup> یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور اُن کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ  
ہوگا۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کے  
بعد اُن کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔ ﴿۵۳﴾ چاہے  
تم کوئی بات ظاہر کرو، یا اُسے چھپاؤ، اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ ﴿۵۴﴾

تھا، اس لئے اس آیت میں آپ کے گھروں کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے، لیکن ان آیتوں کے احکام عام  
ہیں۔ ادب یہ سکھایا گیا ہے کہ اول تو کسی کے گھر میں بلا اجازت جانا منع ہے۔ دوسرے اگر کسی نے کھانے کی  
دعوت کی ہے تو کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے جس سے میزبان کو تکلیف ہو، چنانچہ کھانے کے  
وقت سے بہت پہلے جائیٹھنایا کھانے کے بعد دیر تک اس طرح بیٹھے رہنا جس سے میزبان کی آزادی میں خلل  
آئے، اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔

(۴۵) اسلامی معاشرت کا یہ دوسرا اہم حکم ہے، اور اس کے ذریعے خواتین کے لئے پردہ واجب کیا گیا ہے۔  
یہاں اگرچہ براہ راست خطاب ازواجِ مطہرات کو ہے، لیکن حکم عام ہے جیسا کہ آگے آیت نمبر ۵۹ میں اس کی  
صراحت آرہی ہے۔



يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ  
 مِنْ جَلَابِيزِهِنَّ ۖ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ ۖ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا  
 رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾ لَيْنٌ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُسْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ  
 فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۖ ﴿٦٠﴾

۱۲ مناقشہ

اے نبی! تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے  
 (منہ کے) اوپر جھکا لیا کریں۔<sup>(۴۷)</sup> اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں  
 گی، تو اُن کو ستایا نہیں جائے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۵۹﴾ اگر وہ لوگ باز نہ  
 آئے جو منافق ہیں، جن کے دلوں میں روگ ہے اور جو شہر میں شراکیز افواہیں پھیلاتے ہیں، تو ہم  
 ضرور ایسا کریں گے کہ تم اُن کے خلاف اٹھ کھڑے ہو گے، پھر وہ اس شہر میں تمہارے ساتھ نہیں رہ  
 سکیں گے، البتہ تھوڑے دن ﴿۶۰﴾

(۴۷) اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ پردے کا حکم صرف ازواجِ مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ  
 تمام مسلمان عورتوں کے لئے ہے۔ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو اپنی  
 چادروں کو اپنے چہروں پر جھکا کر انہیں چھپا لیا کریں۔ مقصد یہ ہے کہ راستہ دیکھنے کے لئے آنکھوں کو چھوڑ کر  
 چہرے کا باقی حصہ چھپا لیا جائے۔ اس کی صورت یہ بھی ممکن ہے کہ جس چادر سے پورا جسم ڈھکا ہوا ہے، اُس کو  
 چہرے پر اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ آنکھوں کے سوا باقی چہرہ نظر نہ آئے، اور یہ صورت بھی ممکن ہے کہ چہرے پر  
 الگ سے نقاب ڈال لیا جائے۔

(۴۸) بعض منافقین عورتوں کو راستے میں چھیڑا کرتے تھے، اس آیت میں پردے کے ساتھ نکلنے کی یہ حکمت  
 بیان فرمائی گئی ہے کہ جب عورتیں پردے کے ساتھ باہر نکلیں گی تو ہر دیکھنے والا یہ سمجھ جائے گا کہ یہ شریف اور  
 پاک دامن عورتیں ہیں، اس لئے منافقین کو انہیں چھیڑنے اور ستانے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف بے  
 پردہ بن ٹھن کر باہر نکلنے والی خواتین اُن کی چھیڑ چھاڑ کا زیادہ نشانہ بن سکتی ہیں۔ علامہ ابو حیانؒ نے اس آیت کی  
 یہی تفسیر کی ہے (البحر المحیط)۔



مَلْعُونِينَ ۚ اٰیْنَآ ثَقِفُوا اُخْدُوا وَقْتِیْئُوا تَقْتِیْلًا ۝۶۱ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ  
 خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝۶۲ یَسْئَلُ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۚ  
 قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَا یُذِیْرُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا ۝۶۳ اِنَّ  
 اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًا ۝۶۴ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ۚ لَا یَجِدُوْنَ  
 وَلِیًّا وَلَا نَصِیْرًا ۝۶۵

جن میں وہ پھٹکارے ہوئے ہوں گے۔ (پھر) جہاں کہیں ملیں گے، پکڑ لئے جائیں گے، اور  
 انہیں ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ ﴿۶۱﴾ یہ اللہ کا وہ معمول ہے جس پر اُن لوگوں کے  
 معاملے میں بھی عمل ہوتا رہا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور تم اللہ کے معمول میں کوئی تبدیلی ہرگز  
 نہیں پاؤ گے۔ ﴿۶۲﴾

لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور  
 تمہیں کیا پتہ شاید قیامت قریب ہی آگئی ہو۔ ﴿۶۳﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے کافروں  
 کو رحمت سے دُور کر دیا ہے، اور اُن کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے، ﴿۶۴﴾ جس میں وہ  
 ہمیشہ اس طرح رہیں گے کہ انہیں نہ کوئی حمایتی مل سکے گا، اور نہ کوئی مددگار۔ ﴿۶۵﴾

(۴۹) یہاں منافقین کو خبردار کیا گیا ہے کہ اس وقت تو اُن کی منافقت چھپی ہوئی ہے، لیکن اگر انہوں نے اپنی  
 نازیبا حرکتیں نہ چھوڑیں جن میں عورتوں کو چھیڑنے اور بے بنیاد افواہیں پھیلانے کا خاص طور پر حوالہ دیا گیا ہے  
 تو اُن کی منافقت صاف واضح ہو جائے گی، اور اس صورت میں اُن کے ساتھ غیر مسلم دشمنوں جیسا سلوک کیا  
 جائے گا۔

(۵۰) اللہ تعالیٰ کے معمول سے یہاں مراد یہ ہے کہ جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں، اُن کو پہلے خبردار کیا جاتا  
 ہے، پھر بھی اگر وہ باز نہیں آتے تو انہیں سزا دی جاتی ہے۔

یَوْمَ تَقْلُبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلَيْتَنَّا اطَعْنَا اللَّهَ وَاطَعْنَا الرَّسُولَ ﴿٢٧﴾  
 وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿٢٨﴾ رَبَّنَا آتِهِمْ  
 ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَاهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٢٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَكُونُوا كَالَّذِينَ  
 كَانُوا إِذْ وَاعَدُوا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٣٠﴾ يَا أَيُّهَا  
 الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٣١﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ  
 وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٣٢﴾

جس دن اُن کے چہروں کو آگ میں اُلٹا پلٹا جائے گا، وہ کہیں گے کہ: ”اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کر لی ہوتی، اور رسول کا کہنا مان لیا ہوتا!“ ﴿۶۶﴾ اور کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا، اور انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔“ ﴿۶۷﴾ اے ہمارے پروردگار! ان کو دو گنا عذاب دے، اور اُن پر ایسی لعنت کر جو بڑی بھاری لعنت ہو۔“ ﴿۶۸﴾

اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ بن جانا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تھا، پھر اللہ نے اُن کو اُن باتوں سے بری کر دیا جو ان لوگوں نے بنائی تھیں<sup>(۵۱)</sup>، اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے رُتبے والے تھے۔ ﴿۶۹﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو، ﴿۷۰﴾ اللہ تمہارے فائدے کے لئے تمہارے کام سنوار دے گا، اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کر دے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے، اُس نے وہ کامیابی حاصل کر لی جو زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۷۱﴾

(۵۱) بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کے الزامات لگا کر انہیں بہت ستایا تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ ایسی حرکت نہ کریں۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اُس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اُس سے ڈر گئے، اور انسان نے اُس کا بوجھ اٹھالیا۔ <sup>(۵۲)</sup> حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔ ﴿۵۲﴾ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، نیز مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا، اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۵۳﴾

(۵۲) یہاں ”امانت“ کا مطلب ہے: ”اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی ذمہ داری لینا۔“ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے ٹکونی احکام تو وہ ہیں جنہیں ماننے پر تمام مخلوقات مجبور ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کر ہی نہیں سکتیں، مثلاً موت اور زندگی کا فیصلہ، وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف مخلوقات کو یہ پیکش فرمائی کہ بعض احکام کے معاملے میں انہیں یہ اختیار دیا جائے گا کہ اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر اُس پر عمل کریں، اور اگر چاہیں تو حکم پر عمل نہ کریں۔ پہلی صورت میں اُن کو جنت کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی، اور دوسری صورت میں انہیں دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔ جب یہ پیکش آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو کی گئی تو وہ یہ ذمہ داری اٹھانے سے ڈر گئے، اور انہوں نے ایسی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں انہیں دوزخ کے عذاب کا خطرہ ہو۔ لیکن جب انسان کو یہ پیکش کی گئی تو اُس نے یہ ذمہ داری اٹھالی۔ آسمان، زمین اور پہاڑ اگرچہ دیکھنے میں ایسے نظر آتے ہیں جیسے ان میں شعور نہیں ہے، لیکن قرآن کریم کی کئی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی نہ کسی درجے میں شعور موجود ہے، جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴) میں گزرا ہے۔ اس لئے ان مخلوقات کو یہ پیکش حقیقی معنی میں ہوئی ہو، اور انہوں نے انکار کیا ہو تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ امانت کی پیکش اور اس سے انکار ناجازی مشی میں ہو،

یعنی اس امانت کے اٹھانے کی صلاحیت نہ ہونے کو انکار سے تعبیر فرمایا گیا ہو۔ اس موقع پر سورہ اعراف کی آیت (۱۷۲:۷) اور اس پر ہمارا تشریحی حاشیہ بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

(۵۳) یہ جملہ اُن لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے جنہوں نے امانت کا یہ بوجھ اٹھانے کے بعد اُس کا حق ادا نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی، یعنی کافر اور منافق لوگ۔ چنانچہ اگلی آیت میں اُنہی کا انجام بیان ہوا ہے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۲ شعبان ۱۴۲۸ھ، مطابق ۲۶ اگست ۲۰۰۷ء بروز اتوار سورہ احزاب کا ترجمہ اور تشریحی حواشی پایہ تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا ترجمہ اور تفسیر بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سورة سبا

## تعارف

اس سورت کا بنیادی موضوع اہل مکہ اور دوسرے مشرکین کو اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت دینا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کے اعتراضات اور شبہات کا جواب بھی دیا گیا ہے، اور اُن کو نافرمانی کے بُرے انجام سے بھی ڈرایا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے ایک طرف حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی اور دوسری طرف قوم سبا کی عظیم الشان حکومتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو ایسی زبردست سلطنت سے نوازا گیا جس کی کوئی نظیر دُنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، لیکن ان برگزیدہ پیغمبروں کو کبھی اس سلطنت پر ذرہ برابر غرور نہیں ہوا، اور وہ اس سلطنت کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے رہے، اور اپنی حکومت کو نیکی کی ترویج اور بندوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں استعمال کیا، چنانچہ وہ دُنیا میں بھی سرخرو رہے، اور آخرت میں بھی اُونچا مقام پایا۔ دوسری طرف قوم سبا کو جو یمن میں آباد تھی، اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی خوشحالی سے نوازا، لیکن اُنہوں نے ناشکری کی روش اختیار کی، اور کفر و شرک کو فروغ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، اور اُن کی خوشحالی ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گئی۔ ان دونوں واقعات کو ذکر فرما کر سبق یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اقتدار حاصل ہو، یا دُنویٰ خوشحالی نصیب ہو تو اُس میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھنا تباہی کو دعوت دینا ہے۔ اس سے مشرکین کے اُن سرداروں کو متنبہ کیا گیا ہے جو اپنے اقتدار کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر دین حق کے راستے میں روڑے اٹکا رہے تھے۔

ایاتھا ۵۴ سورۃ سبا مکیۃ ۵۸ رکوعاھا ۶

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهٗ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ۖ وَ  
هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝ ۱ یَعْلَمُ مَا یَلِیْجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یُنْزِلُ مِنَ  
السَّمَاۗءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝ ۲ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِیْنَا  
السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَأْتِیَنَّكُمْ ۚ عَلَیْمُ الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی  
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ ۚ اَلَا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ ۳

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تر تعریف اُس اللہ کی ہے جس کی صفت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اُسی کا  
ہے، اور آخرت میں بھی تعریف اُسی کی ہے، اور وہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، مکمل طور پر باخبر! ﴿۱﴾  
وہ اُن چیزوں کو بھی جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتی ہیں، اور اُن کو بھی جو اُس سے باہر نکلتی ہیں، اُن کو  
بھی جو آسمان سے اُترتی ہیں، اور اُن کو بھی جو اُس میں چڑھتی ہیں، اور وہی ہے جو بڑا مہربان ہے،  
بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”ہم پر قیامت نہیں  
آئے گی“ کہہ دو: ”کیوں نہیں آئے گی؟ میرے عالم الغیب پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آکر رہے  
گی۔ کوئی ذرہ برابر چیز اُس کی نظر سے دُور نہیں ہوتی، نہ آسمانوں میں، نہ زمین میں، اور نہ اُس سے  
چھوٹی کوئی چیز ایسی ہے نہ بڑی جو ایک کھلی کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں درج نہ ہو۔ ﴿۳﴾

(۱) جو کافر لوگ آخرت کی زندگی کا انکار کرتے تھے، اُن کا کہنا یہ تھا کہ انسان کے مٹی میں مل جانے کے بعد اُس کو  
از سر نو زندگی دینا کیسے ممکن ہے؟ ان آیتوں میں جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کو انسان پر



لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝  
 وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٌ ۝  
 الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ ۖ وَيَهْدِي إِلَىٰ  
 صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنْبِئُكُمْ  
 إِذَا مَرَّ قَتَمٌ كُلٌّ مُّسَرِّقٌ ۚ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝

(اور قیامت اس لئے آئے گی) تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں،  
 اللہ اُن کو انعام دے۔ ایسے لوگوں کے لئے مغفرت ہے، اور باعزت رزق۔ ﴿۴﴾ اور جن لوگوں  
 نے ہماری آیتوں کے بارے میں یہ کوشش کی ہے کہ انہیں ناکام بنائیں، اُن کے لئے بلا کا دردناک  
 عذاب ہے۔ ﴿۵﴾ اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ تم پر تمہارے  
 رب کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، وہ حق ہے، اور اُس (اللہ) کا راستہ دکھاتا ہے جو اقتدار کا  
 مالک بھی ہے، ہر تعریف کا مستحق بھی۔ ﴿۶﴾ اور یہ کافر لوگ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: ”کیا  
 ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم (مر کر) بالکل ریزہ ریزہ  
 ہو چکو گے، اُس وقت تم ایک نئے جنم میں آؤ گے؟“ ﴿۷﴾

قیاس کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا علم تو اس کائنات کے ہر چھوٹے سے چھوٹے ذرے کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے،  
 اور جو ذات آسمان و زمین جیسی عظیم الشان مخلوقات کو بالکل عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے لئے یہ کیا  
 مشکل ہے کہ مردہ جسم کے ذرات کو دوبارہ اکٹھا کر کے انہیں نئی زندگی عطا کر دے؟ اور آیت نمبر ۴ میں آخرت  
 کی زندگی کی عقلی ضرورت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر یہ دنیا ہی سب کچھ ہے، اور کوئی دوسری زندگی آنے والی  
 نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں برداروں اور نافرمانوں میں کوئی فرق ہی نہیں رکھا۔  
 آخرت کی زندگی اس لئے ضروری ہے تاکہ اُس میں فرماں برداروں کو اُن کی نیکی کا انعام دیا جائے، اور  
 نافرمانوں کو سزا ملے۔

أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالصَّلٰى الْبَعِيدِ ۝۸ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ نَّشَأَنَ خُسْفٍ بِهِمُ الْأَرْضِ أَوْ تُسْقَطَ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝۹ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۚ يُجِبَالٌ أَوْ يَمَعَهُ وَالطَّيْرَ ۚ وَآلَنَالَهُ الْحَدِيدَ ۝۱۰

پتہ نہیں اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، یا اُسے کسی طرح کا جنون لاحق ہے؟“ — نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ خود عذاب میں اور پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ﴿۸﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے اُس آسمان و زمین کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے بھی موجود ہیں اور ان کے پیچھے بھی۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں، یا آسمان کے کچھ ٹکڑے ان پر گرا دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ہر اُس بندے کے لئے ایک نشانی ہے جو اللہ کی طرف رُجوع کرنے والا ہو۔ ﴿۹﴾ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے داود کو خاص اپنے پاس سے فضل عطا کیا تھا۔ ”اے پہاڑو! تم بھی تسبیح میں ان کے ساتھ ہم آواز بن جاؤ، اور اے پرندو! تم بھی۔“ اور ہم نے اُن کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا، ﴿۱۰﴾

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی مذکورہ بات کا جواب ہے۔ اُنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو احتمال ذکر کئے تھے، ایک یہ کہ (معاذ اللہ) آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مرادف ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب الہی کو دعوت دینے والا کوئی کام نہیں کیا، اس کے برعکس آخرت کے منکرین ضرور عذاب کا کام کر رہے ہیں۔ دوسرا احتمال کافروں نے یہ ذکر کیا تھا کہ (معاذ اللہ) آپ کو جنون لاحق ہو گیا ہے، اور جنون کی حالت میں اگرچہ عذاب نہیں ہوتا، لیکن مجنون راستے سے بھٹکا ہوا ضرور ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آپ نہیں، بلکہ منکرین آخرت پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

(۳) حضرت داود علیہ السلام خود بھی بہت خوش آواز تھے، اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو بھی اُن کے لئے

اِنْ اَعْمَلْ سَبِغَتْ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاَعْمَلُوا صَالِحًا ۚ اِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝  
وَلَسْلَيْمَنَ الرِّيحِ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوْحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسْلَنَالَهٗ عَيْنَ الْقَطْرِ ۚ

کہ: ”پوری پوری زر ہیں بناؤ، اور کڑیاں جوڑنے میں توازن سے کام لو، اور تم سب لوگ نیک عمل کرو۔ تم جو عمل بھی کرتے ہو، میں اُسے دیکھ رہا ہوں۔“ ﴿۱۱﴾ اور سلیمان کے لئے ہم نے ہوا کو تابع بنا دیا تھا۔ اُس کا صبح کا سفر بھی ایک مہینے کی مسافت کا ہوتا تھا، اور شام کا سفر بھی ایک مہینے کی مسافت کا۔ اور ہم نے اُن کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا۔<sup>(۵)</sup>

مسخر کر دیا تھا کہ جب وہ ذکر اور تسبیح میں مشغول ہوں تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیح اور ذکر کرنے لگتے تھے، اور ماحول میں ایک پُر کیف سماں بندھ جاتا تھا۔ پہاڑوں اور پرندوں کو ذکر و تسبیح کی صلاحیت عطا ہونا حضرت داود علیہ السلام کا خاص معجزہ تھا۔

(۴) یہ حضرت داود علیہ السلام کے ایک اور معجزے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو لوہے کی وہ زر ہیں بنانے کی خصوصی مہارت عطا فرمائی تھی جو اُس زمانے میں جنگ کے موقع پر دشمن کے وار سے بچاؤ کے لئے پہنی جاتی تھیں۔ اس صنعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو یہ خصوصیت عطا فرمادی تھی کہ لوہا اُن کے ہاتھ میں پہنچ کر نرم ہو جاتا تھا، اور وہ اُسے جس طرح چاہتے موڑ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کا بھی خاص ذکر فرمایا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ زرہ کی کڑیوں میں توازن قائم رکھیں۔ اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر کام اور ہر صنعت میں سلیقے اور توازن کا خیال رکھنا پسند ہے۔

(۵) یہ وہ معجزہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو اُن کا تابع فرمان بنا دیا تھا، وہ ہوا کی تیز رفتاری کو استعمال فرما کر دُور دراز کا سفر مختصر وقت میں طے کر لیتے تھے۔ قرآن کریم نے اس معجزے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے تخت کو ہوا پر اڑنے کی صلاحیت دے دی گئی تھی، چنانچہ جو سفر عام حالات میں ایک مہینے میں طے ہوا کرتا تھا، وہ اس طرح صرف صبح یا صرف شام میں طے ہو جایا کرتا تھا۔

(۶) یہ ایک اور نعمت کا ذکر ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی کہ تانبے کا ایک چشمہ اُن کی دسترس میں تھا، اور اُس میں اللہ تعالیٰ نے تانبے کو سیال بنا دیا تھا جس کی وجہ سے تانبے کی مصنوعات آسانی سے بن جاتی تھیں۔

وَمِنَ الْجِنَّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا  
 نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِبٍ وَتَبَاشِيرٍ وَ  
 حِفَافٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَتٍ ۖ اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا ۖ وَقَلِيلٌ مِّنْ  
 عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّاهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةً  
 مِنَ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ

اور جنات میں سے کچھ وہ تھے جو اپنے پروردگار کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے، اور (ہم نے اُن پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ) اُن میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے ہٹ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرے گا، اُسے ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۱۲﴾ وہ جنات سلیمان کے لئے جو وہ چاہتے بنادیا کرتے تھے: اونچی اونچی عمارتیں، تصویریں، حوض جیسے بڑے بڑے لگن اور زمین میں جمی ہوئی دیکیں! ”اے داود کے خاندان والو! تم ایسے عمل کیا کرو جن سے شکر ظاہر ہو۔ اور میرے بندوں میں کم لوگ ہیں جو شکر گزار ہوں۔“ ﴿۱۳﴾ پھر جب ہم نے سلیمان کی موت کا فیصلہ کیا تو ان جنات کو اُن کی موت کا پتہ کسی اور نے نہیں، بلکہ زمین کے کیڑے نے دیا جو اُن کے عصا کو کھا رہا تھا۔

(۷) وہ شریر جنات جو کسی کے قابو میں نہیں آتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع بنادیا تھا، چنانچہ وہ اُن کی مختلف خدمات انجام دیتے تھے جن میں سے کچھ کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تو جنات کو اللہ تعالیٰ نے خود تابع بنادیا تھا، لیکن آج کل جو لوگ عملیات کے ذریعے جنات کو تابع بنانے کا دعویٰ کرتے ہیں، اگر وہ صحیح ہو، اور اُس کے لئے کوئی ناجائز طریقہ بھی اختیار نہ کرنا پڑے تو وہ صرف اس صورت میں جائز ہے جب اُس کا مقصد شریر جنات کی تکلیف سے بچنا ہو، ورنہ کسی آزاد اور بے ضرر جن کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔

(۸) ظاہر یہ ہے کہ یہ تصویریں بے جان چیزوں کی ہوتی تھیں، جیسے درختوں اور عمارتوں وغیرہ کی، اس لئے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ جانداروں کی تصویریں بنانا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں بھی ناجائز تھا۔ (۹) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر پر جنات کو مقرر کیا ہوا تھا۔ یہ جنات طبعی طور پر سرکش تھے،

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ  
الْمُهِينِ ۝ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۚ جَنَّاتٍ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۚ كُلُّوا  
مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبُّ غَفُورٌ ۝

چنانچہ جب وہ گر پڑے تو جنات کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غیب کا علم جانتے ہوتے تو اس ذلت والی  
تکلیف میں مبتلا نہ رہتے۔ ﴿۱۴﴾

حقیقت یہ ہے کہ قوم سب کے لئے خود اس جگہ ایک نشانی موجود تھی جہاں وہ رہا کرتے تھے، (۱۰) دائیں  
اور بائیں دونوں طرف باغوں کے دو سلسلے تھے! ”اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر  
بجلاؤ۔ ایک تو شہر بہترین، دوسرے پروردگار بخشنے والا!“ ﴿۱۵﴾

اور صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی نگرانی میں کام کرتے تھے، اور اندیشہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی  
وفات کے بعد وہ کام کرنا چھوڑ دیں گے۔ اس لئے جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ تدبیر  
اختیار کی کہ جنات کی نگاہوں کے سامنے ایک عصا کے سہارے اپنی عبادت گاہ میں کھڑے ہو گئے جو شفاف  
شیشے کی بنی ہوئی تھی، تاکہ جنات انہیں دیکھتے رہیں۔ اسی حالت میں ان کی وفات ہو گئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے  
ان کے جسم کو عصا کے سہارے کھڑا رکھا، اور جنات یہ سمجھتے رہے کہ وہ زندہ ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے تعمیر  
کا کام مکمل کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس عصا پر دیک مسطر فرمادی جس نے عصا کو کھانا شروع کیا، عصا کمزور  
پڑ گیا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم گر پڑا۔ اس وقت جنات کو احساس ہوا کہ وہ اپنے آپ کو جو عالم  
الغیب سمجھتے تھے، وہ کتنی غلط بات تھی، اگر انہیں غیب کا پتہ ہوتا تو وہ اتنے دن تک غلط فہمی میں مبتلا رہ کر تعمیر کے  
کام کی تکلیف نہ اٹھاتے۔

(۱۰) قوم سبا یمن میں آباد تھی، اور کسی زمانے میں وہ اپنے تہذیب و تمدن میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی۔ جیسا کہ  
قرآن کریم نے بتایا ہے، ان کی زمینیں بڑی زرخیز تھیں، ان کی سڑکوں کے دونوں طرف پھل دار باغات کے سلسلے  
دور تک چلے گئے تھے۔ خوشحالی بھی میسر تھی، اور سیاسی استحکام بھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ لوگ اپنی عیاشیوں میں ایسے  
مگن ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو بھول بیٹھے اور شرک کو اپنا مذہب بنا لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس کئی  
پیغمبر بھیجے، حافظ ابن کثیرؒ کے بیان کے مطابق ان کے پاس یکے بعد دیگرے تیرہ پیغمبر بھیجے گئے جنہوں نے اس

فَاعْرِضْ مُوَفِّاقًا رَّسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَبِيلَ الْعَرَمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ أُكُلٍ  
خَشِطٍ وَاشْثٍ وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٧﴾ ذَلِكْ جَزَايُهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ  
نُجْزِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٨﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرًى  
ظَاهِرَةً وَغَدْرًا فِيهَا السَّيْرُ ۖ سَيَرُّوْا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا أَمْنَيْنِ ﴿١٩﴾

پھر بھی انہوں نے (ہدایت سے) منہ موڑ لیا، اس لئے ہم نے اُن پر بند والا سیلاب چھوڑ دیا، اور  
اُن کے دونوں طرف کے باغوں کو ایسے دو باغوں میں تبدیل کر دیا جو بد مزہ پھلوں، جھاؤ کے  
درختوں اور تھوڑی سی بیڑیوں پر مشتمل تھے۔ ﴿۱۷﴾ یہ سزا ہم نے اُن کو اس لئے دی کہ انہوں  
نے ناشکری کی روش اختیار کی تھی، اور ایسی سزا ہم کسی اور کو نہیں، بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیا  
کرتے ہیں۔ ﴿۱۷﴾ اور ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں کے درمیان جن پر ہم نے برکتیں نازل  
کی ہیں،<sup>(۱۱)</sup> ایسی بستیاں بسا رکھی تھیں جو دور سے نظر آتی تھیں، اور اُن میں سفر کو نپے تلے مرحلوں  
میں بانٹ دیا تھا<sup>(۱۲)</sup> (اور کہا تھا کہ) ”ان (بستیوں) کے درمیان راتیں ہوں یا دن، امن و امان  
کے ساتھ سفر کرو“ ﴿۱۸﴾

قوم کو ہر طرح سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی، مگر یہ نہ مانے۔ آخر کار ان پر جو عذاب آیا وہ یہ تھا کہ  
تار ب کے مقام پر ایک بند تھا جس کے پانی سے ان کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہ بند توڑ دیا،  
اور اس طرح پوری بستی کو سیلاب نے گھیر لیا، اور سارے باغات تباہ ہو گئے۔

(۱۱) اس سے مراد شام اور فلسطین کے علاقے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان علاقوں کو ظاہری حسن اور شادابی سے  
بھی نوازا ہے، اور انبیائے کرام کی سرزمین ہونے کا بھی شرف عطا فرمایا ہے۔

(۱۲) یہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور انعام کا ذکر ہے جو سب کی قوم پر فرمایا گیا تھا۔ یہ لوگ تجارتی مقاصد کے لئے یمن  
سے شام کا سفر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سہولت کے لئے یہ انتظام فرمایا تھا کہ یمن سے لے کر شام تک  
کے پورے علاقے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بستیاں بسائی تھیں جو سفر کے دوران تھوڑے تھوڑے وقفے سے  
نظر آتی رہتی تھیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ سفر کو آسان مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا تھا، اور مسافر جہاں چاہے،

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَرَّقْنَاهُمْ كُلَّ مَرْقٍ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝۱۹ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۲۰ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لَنَعْلَمَ مَن يُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنهَا فِي شَكٍّ ۖ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيزٌ ۝۲۱

اس پر وہ کہنے لگے کہ: ”ہمارے پروردگار! ہمارے سفر کی منزلوں کے درمیان دُور دُور کے فاصلے پیدا کر دے“ اور یوں انہوں نے اپنی جانوں پر ستم ڈھایا، جس کے نتیجے میں ہم نے انہیں افسانہ ہی افسانہ بنا دیا، اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بالکل تتر بتر کر دیا۔<sup>(۱۳)</sup> یقیناً اس واقعے میں ہر اُس شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو صبر و شکر کا خوگر ہو۔ ﴿۱۹﴾ اور واقعی ان لوگوں کے بارے میں ابلیس نے اپنا خیال دُرست پایا، چنانچہ یہ اُسی کے پیچھے چل پڑے، سوائے اُس گروہ کے جو مومن تھا۔ ﴿۲۰﴾ اور ابلیس کو ان پر کوئی تسلط نہیں تھا، البتہ ہم (نے اُس کو بہکانے کی صلاحیت اس لئے دی تھی کہ) ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون ہے جو آخرت پر ایمان لاتا ہے، اور کون ہے جو اس کے بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے۔<sup>(۱۵)</sup> اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگران ہے۔ ﴿۲۱﴾

کھانے پینے اور سونے کے لئے ٹھہر سکتا تھا۔ اور دُوسرا فائدہ یہ تھا کہ اس طرح بستیوں کے تسلسل کی وجہ سے نہ چوری ڈاکے کا خطرہ تھا، نہ راستہ بھٹک جانے کا، نہ کھانے پینے کے سامان کے ختم ہو جانے کا۔ لیکن بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس نعمت کی قدر پہچان کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، انہوں نے اُلٹا اللہ تعالیٰ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ بستیوں کے اس تسلسل کی وجہ سے ہمیں سفر کی مہم جوئی کا مزہ ہی نہیں آتا، اس لئے یہ بستیاں ختم کر کے منزلوں کا فاصلہ بڑھا دیجئے، تاکہ صحراؤں اور جنگلوں میں سفر کرنے کا لطف آئے۔

(۱۳) سبا کی قوم جو اس عذاب سے پہلے ایک جگہ آباد تھی، عذاب کے بعد وہ مختلف علاقوں میں تتر بتر ہو گئی۔  
(۱۴) یعنی ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جو خیال ظاہر کیا تھا کہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد کو بہکاؤں گا، ان سرکش لوگوں کے حق میں وہ واقعی دُرست نکلا کہ انہوں نے اُس کی بات مان لی۔  
(۱۵) یعنی شیطان کو ہم نے کوئی ایسی طاقت نہیں دی تھی کہ وہ انسانوں پر زبردستی مسلط ہو کر اُن کو نافرمانی پر مجبور

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقُّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

(اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ”پکارو اُن کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا خدا سمجھا ہوا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ اُن کو آسمان و زمین کے معاملات میں (اللہ کے ساتھ) کوئی شرکت حاصل ہے، اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔“ ﴿۲۲﴾ اور اللہ کے سامنے کوئی سفارش کا راستہ نہیں ہے، سوائے اُس شخص کے جس کے لئے خود اُس نے (سفارش کی) اجازت دے دی ہو، یہاں تک کہ جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ: ”تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ: ”حق بات ارشاد فرمائی، اور وہی ہے جو بڑا عالیشان ہے۔“ ﴿۲۳﴾

کردے، البتہ اُسے صرف بہکانے کی صلاحیت دی تھی جس سے دل میں گناہ کی خواہش ضرور پیدا ہو جاتی ہے، مگر کوئی شخص گناہ اور نافرمانی پر مجبور نہیں ہوتا، اور اگر کوئی شخص عقل اور شریعت کے مطالبے پر ڈٹ جائے تو شیطان کچھ بھی نہیں کر سکتا، اور یہ صلاحیت بھی اُس کو اس لئے دی گئی ہے کہ اس کے ذریعے انسانوں کی آزمائش بھی مقصود تھی، کہ کون ہے جو آخرت کی زندگی کو پیش نظر رکھ کر شیطان کی بات رد کر دیتا ہے، اور کون اُسے مان لیتا ہے۔

(۱۶) آیت نمبر ۲۲ و ۲۳ میں مشرکین کے مختلف عقیدوں کی تردید کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض مشرکین تو وہ تھے کہ وہ اپنے تراشے ہوئے بتوں ہی کو اپنا خدا مانتے تھے، اور انہی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ براہ راست ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ اُن کی تردید کے لئے تو آیت ۲۲ میں فرمایا گیا ہے کہ: ”وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ اُن کو آسمان و زمین کے معاملات میں (اللہ کے ساتھ) کوئی شرکت حاصل ہے۔“ اور بعض مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے کاموں میں اُس کے مددگار ہیں۔ اُن



قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۚ وَإِنَّا أَوْيَاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى  
 أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾ قُلْ لَا تَسْأَلُونَنَا عَمَّا آجُرُ مِنْهُ وَلَا تَسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾  
 قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٥﴾

کہو کہ: ”کون ہے جو تمہیں آسمانوں سے اور زمین سے رزق دیتا ہے؟“ کہو: ”وہ اللہ ہے! اور ہم  
 ہوں یا تم، یا تو ہدایت پر ہیں، یا کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔“ ﴿۲۳﴾ کہو کہ: ”ہم نے جو جرم کیا ہو،  
 اُس کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا، اور تم جو عمل کرتے ہو، اُس کے بارے میں ہم سے  
 سوال نہیں ہوگا۔“ ﴿۲۴﴾ کہو کہ: ”ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان برحق  
 فیصلہ کرے گا، اور وہی ہے جو خوب فیصلے کرنے والا، مکمل علم کا مالک ہے۔“ ﴿۲۵﴾

کی تردید کے لئے اسی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ: ”اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔“ اور بعض مشرکین  
 اُن کو خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک یا مددگار تو نہیں مانتے تھے، لیکن یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور  
 ہماری سفارش کریں گے۔ اُن کی تردید کے لئے آیت ۲۳ میں فرمایا گیا ہے کہ: ”اور اللہ کے سامنے کوئی سفارش  
 کار آمد نہیں ہے، سوائے اُس شخص کے جس کے لئے خود اُس نے (سفارش کی) اجازت دے دی ہو۔“ جس کا  
 مطلب یہ ہے کہ تم ان بتوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب اور مقبولیت حاصل ہے  
 جس کی وجہ سے ان کو سفارش کرنے کا اختیار حاصل ہے، حالانکہ ان کو نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی تقرب حاصل  
 ہے، اور نہ ان میں خود سے سفارش کرنے کی صلاحیت ہے، کیونکہ جن کو واقعی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہے، یعنی  
 فرشتے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔ پھر آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ ان فرشتوں کا  
 حال تو یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے رُعب سے سہمے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف  
 سے کوئی حکم ملتا ہے، یا سفارش کی اجازت ملتی ہے تو وہ رُعب کے مارے گھبراہٹ میں مدھوش جیسے ہو جاتے ہیں،  
 پھر جب اُن کی گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ اس کے بعد  
 اُس پر عمل کرتے ہیں۔ جب ان مقرب فرشتوں کا یہ حال ہے تو یہ تراشے ہوئے بت جنہیں کسی قسم کا تقرب  
 حاصل نہیں ہے، وہ کیسے اللہ تعالیٰ سے کسی کی سفارش کر سکتے ہیں؟

قُلْ أَرُونِي الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۷﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً ۖ وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُوْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۚ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِّلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا الْوَلَا أَنْتُمْ لَكُم مَّوْمِنِينَ ﴿۳۱﴾

کہو کہ: ”ذرا مجھے دکھاؤ وہ کون ہیں جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ سے جوڑ رکھا ہے۔ ہرگز نہیں! (اُس کا کوئی شریک نہیں ہے) بلکہ وہ اللہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔“ ﴿۲۷﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لئے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے، اور خبردار بھی کرے، لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رہے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ اور (تم سے) کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟“ ﴿۲۹﴾ کہہ دو کہ: ”تمہارے لئے ایک ایسے دن کی میعاد مقرر ہے جس سے تم گھڑی برابر نہ پیچھے ہٹ سکتے ہو، نہ آگے جاسکتے ہو۔“ ﴿۳۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”ہم نہ تو اس قرآن پر کبھی ایمان لائیں گے، اور نہ اُن (آسمانی کتابوں) پر جو اس سے پہلے ہوئی ہیں۔“ اور اگر تم اُس وقت کا منظر دیکھو جب یہ ظالم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، تو یہ ایک دوسرے پر بات ڈال رہے ہوں گے۔ جن لوگوں کو (دُنیا میں) کمزور سمجھا گیا تھا وہ اُن سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ: ”اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن بن جاتے۔“ ﴿۳۱﴾

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا أَن خُنْ صَدَدُكُمْ عَنِ الْهُدَى بَعْدَ  
 إِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا  
 بَلْ مَكْرُائِيلَ وَالنَّهَارِ إِذَا تَمُرُّونَنَا أَنْ تَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۝  
 وَأَسْرُ وَالنَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۝ وَجَعَلْنَا الْأَغْنَىٰ فِي الْعَنَاقِ الَّذِينَ  
 كَفَرُوا ۝ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ  
 نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا ۚ إِنَّا بِلَاءَ أُرْسِلْتُمْ بِهِ كُفْرًا ۝ ۝

جو بڑے بنے ہوئے تھے، اُن سے کہیں گے جنہیں کمزور سمجھا گیا تھا کہ: ”کیا ہم نے تمہیں ہدایت  
 سے روکا تھا جبکہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی؟ اصل بات یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔“ ﴿۳۲﴾ اور  
 جنہیں کمزور سمجھا گیا تھا وہ اُن سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ: ”نہیں، یہ تمہاری رات  
 دن کی مکاری ہی تو تھی (جس نے ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں تاکید کرتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کا  
 معاملہ کریں، اور اُس کے ساتھ (دوسروں کو) شریک مانیں۔“ اور یہ سب جب عذاب کو دیکھ لیں  
 گے تو اپنا پچھتاوا چھپا رہے ہوں گے۔ اور جن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا، ہم اُن سب کے  
 گلوں میں طوق ڈال دیں گے۔ اُن کو کسی اور بات کا نہیں، انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا  
 کرتے تھے۔ ﴿۳۳﴾ اور جس کسی بستی میں ہم نے کوئی خبردار کرنے والا پیغمبر بھیجا، اُس کے خوش  
 حال لوگوں نے یہی کہا کہ: ”جس پیغام کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے، ہم اُس کو ماننے سے انکار  
 کرتے ہیں۔“ ﴿۳۴﴾

(۱۷) یعنی ظاہر میں تو ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے، لیکن دل میں سمجھتے ہوں گے کہ دراصل جرم میں  
 ہم سب شریک ہیں، اس لئے دل ہی دل میں پچھتا رہے ہوں گے۔

وَقَالُوا خُنْ أَكْثَرُ أَمْوَالِ وَأَوْلَادِ ۖ وَمَنْ خُنْ سَعْدَ بَيْنَ ۖ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ  
الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۖ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَ ۖ  
لَا أَوْلَادُكُمْ بِآلَتِي تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ  
لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ۖ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي  
الْأَيْتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ۖ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ  
لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ  
خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۖ

اور کہا کہ: ”ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں، اور ہمیں عذاب ہونے والا نہیں ہے۔“ ﴿۳۵﴾  
کہہ دو کہ: ”میرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے، رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے  
چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔“ ﴿۳۶﴾<sup>(۱۸)</sup> اور نہ تمہارے مال  
تمہیں اللہ کا قرب عطا کرتے ہیں، اور نہ تمہاری اولاد۔ ہاں مگر جو ایمان لائے، اور نیک عمل  
کرے، تو ایسے لوگوں کو اُن کے عمل کا دو ہر اثواب ملے گا، اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں چین  
کریں گے۔ ﴿۳۷﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کو ناکام  
بنائیں، اُن کو عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ ﴿۳۸﴾ کہہ دو کہ: ”میرا پروردگار اپنے بندوں میں  
سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا  
ہے۔ اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، وہ اُس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر  
رزق دینے والا ہے۔“ ﴿۳۹﴾

(۱۸) اصل بات نہ سمجھنے کی وجہ سے انہیں یہ خیال ہو گیا ہے کہ جب دنیا میں انہیں مال و دولت میسر ہے تو اس کا  
مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں، حالانکہ دنیا میں رزق دینے کا معیار اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَبِيْعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهْلُوْا ؕ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝۴۰ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيْنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ؕ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ؕ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝۴۱ فَاَلْيَوْمَ لَا يُبٰلٰغُ بِبَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ فَعٰوِلًا صٰرَاطٌ وَّ نَقُوْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُقُوْا عَذَابَ النَّٰرِ اَلَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكْذِبُوْنَ ۝۴۲ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا رَجُلٌ يُرِيْدُ اَنْ يَّصَدَّكُمْ عَمَّا كَانِ يَعْبُدُ اٰبَاؤُكُمْ ؕ وَقَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا فِكْ مُمْتَرٰى ۝

اور وہ دن نہ بھولو جب اللہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کہ: ”کیا یہ لوگ واقعی تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟“ ﴿۴۰﴾ وہ کہیں گے کہ: ”ہم تو آپ کی ذات کی پاکی بیان کرتے ہیں، ہمارا تعلق آپ سے ہے، ان لوگوں سے نہیں۔ دراصل یہ تو جنات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے۔“ ﴿۴۱﴾ لہذا آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے، نہ نقصان پہنچانے کا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کی روش اختیار کی تھی، اُن سے ہم کہیں گے کہ: ”اُس آگ کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“ ﴿۴۲﴾ اور جب ہماری آیتیں جو مکمل وضاحت کی حامل ہیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ (ہمارے پیغمبر کے بارے میں) کہتے ہیں کہ: ”کچھ نہیں، یہ شخص بس یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو اُن معبودوں سے برگشتہ کر دے جنہیں تمہارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں۔“ اور کہتے ہیں کہ: ”یہ (قرآن) کچھ بھی نہیں، ایک من گھڑت جھوٹ ہے۔“

نہیں ہے کہ جو جتنا مقرب ہو، اُسے اتنا ہی زیادہ رزق دیا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور حکمت کے تحت یہاں جس کو چاہتا ہے، رزق زیادہ دیتا ہے، اُس کا اللہ تعالیٰ کے تقرب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱۹) یہاں جنات سے مراد شیاطین ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ شیاطین سے بہت سے کام نکالا کرتے تھے، اور ان کے کہنے پر عمل کرتے تھے، انہوں نے ہی ان کو شرک کا عقیدہ بھایا تھا، اس لئے حقیقت میں یہ شیاطین کی عبادت کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۚ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَمَا آتَيْنَاهُمْ  
مِّنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيرٍ ۝ وَكَذَّبَ الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا بَلَغُوا مَعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا أُرْسُلِي ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝  
قُلْ إِنَّمَا آعَظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَشْفِئًا ۚ فَمَا تَتَفَكَّرُونَ ۚ وَمَا  
بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝

اور جب ان کافروں کے پاس حق کا پیغام آیا تو انہوں نے اُس کے بارے میں یہ کہا کہ: ”یہ تو ایک  
کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔“ ﴿۴۳﴾ حالانکہ ہم نے انہیں پہلے نہ ایسی کتابیں دی تھیں جو یہ  
پڑھتے پڑھاتے ہوں، اور نہ (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا  
(نبی) بھیجا تھا۔ ﴿۴۴﴾ اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا، اور یہ (عرب کے  
مشرکین) تو اُس ساز و سامان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے ہیں جو ہم نے اُن (پہلے لوگوں) کو دے  
رکھا تھا، پھر بھی اُنہوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا، تو (دیکھ لو کہ) میری دی ہوئی سزا کیسی (سخت)  
تھی! ﴿۴۵﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، اور وہ  
یہ کہ تم چاہے دو دو مل کر اور چاہے اکیلے اکیلے اللہ کی خاطر اٹھ کھڑے ہو، پھر (انصاف سے) سوچو  
(تو فوراً سمجھ میں آجائے گا کہ) تمہارے اس ساتھی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنون کی کوئی  
بات بھی تو نہیں ہے۔ وہ تو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں خبردار کر رہے ہیں۔“ ﴿۴۶﴾

(۲۰) یعنی یہ لوگ اس قرآن کو (معاذ اللہ) من گھڑت کہہ رہے ہیں، حالانکہ من گھڑت تو خود ان کا مذہب ہے،  
کیونکہ ان کے پاس اس سے پہلے نہ کوئی آسمانی کتاب آئی ہے، نہ کوئی پیغمبر، لہذا انہوں نے جو کوئی مذہب بنایا ہے،  
وہ اپنے دل سے گھڑ کر بنایا ہے۔ نیز ان کو پہلی مرتبہ کتاب اور پیغمبر سے نوازا گیا ہے تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس  
نعمت کی قدر کرتے، لیکن یہ اُلٹے اُس کے مخالف بن گئے ہیں۔

(۲۱) اٹھ کھڑا ہونا اہتمام اور سنجیدگی سے کنا یہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی تک تم لوگوں نے سنجیدگی

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنَّ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْفُكُ بِالْحَقِّ ۖ عَلَامُ الْغُيُوبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِيُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۖ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَمَا يُوْحِي إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ فُزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۵۱﴾

کہو: ”میں نے اگر اس بات پر تم سے کوئی اجرت مانگی ہو تو وہ تمہاری ہے۔ میرا اجر تو اللہ کے سوا کسی کے ذمے نہیں ہے، اور وہ ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ ﴿۴۷﴾ کہہ دو کہ: ”میرا پروردگار حق کو اوپر سے بھیج رہا ہے، وہ غیب کی ساری باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔“ ﴿۴۸﴾ کہہ دو کہ: ”حق آچکا ہے، اور باطل میں نہ کچھ شروع کرنے کا دم ہے، نہ دوبارہ کرنے کا۔“ ﴿۴۹﴾ کہہ دو کہ: ”اگر میں راستے سے بھٹکا ہوں تو میرے بھٹکنے کا نقصان مجھی کو ہوگا، اور اگر میں نے سیدھا راستہ پالیا ہے تو یہ اُس وحی کی بدولت ہے جو میرا رب مجھ پر نازل کر رہا ہے۔ وہ یقیناً سب کچھ سننے والا، ہر ایک سے قریب ہے۔“ ﴿۵۰﴾ (اے پیغمبر! تمہیں ان کی حالت عجیب نظر آئے گی) اگر تم وہ منظر دیکھو جب یہ گھبرائے پھرتے ہوں گے، اور بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، اور انہیں قریب ہی سے پکڑ لیا جائے گا۔ ﴿۵۱﴾

نہیں کیا، اس لئے یہ بے بنیاد الزام لگا رہے ہو کہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنوں میں مبتلا ہیں۔ سنجیدگی سے سوچنے کا تقاضا یہ ہے کہ اول تو اس مسئلے کی اہمیت محسوس کرو، دوسرے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے سوچو، اور کبھی اکیلے سوچنے سے فائدہ ہوتا ہے، کبھی اجتماعی طور پر سوچنے سے، اس لئے دونوں صورتیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ (۲۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حق باتیں وحی کے ذریعے اوپر سے آرہی ہیں، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر سے حق کو بھیج کر اُسے باطل پر غالب فرما رہا ہے، لہذا چاہے تم کتنی مخالفت کرو، باطل رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا، اور حق غالب آ کر رہے گا۔

وَقَالُوا اَلْمَنَابِهْ ؕ وَآتَىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝۵۲ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ؕ وَيَقْدِرُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝۵۳ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ ؕ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ۝۵۴

ع  
۱۲

اور (اُس وقت) یہ کہیں گے کہ: ”ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں“، حالانکہ اتنی دُور جگہ سے اُن کو کوئی چیز کیسے ہاتھ آسکتی ہے؟ ﴿۵۲﴾ جبکہ انہوں نے پہلے اس کا انکار کیا تھا، اور دُور دُور سے اُنکل بچوں تیر پھینکا کرتے تھے۔ ﴿۵۳﴾ اور اُس وقت یہ جس (ایمان) کی آرزو کریں گے، اُس کے اور ان کے درمیان ایک آڑ کر دی جائے گی، جیسا کہ ان جیسے جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں، اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ایسے شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ ﴿۵۴﴾

(۲۳) یعنی ایمان لانے کی اصل جگہ دُنیا تھی جو اب دُور جا چکی، اب یہاں اتنی دُور پہنچنے کے بعد وہ ایمان تمہارے ہاتھ نہیں آسکتا جو دُنیا ہی میں مطلوب تھا، کیونکہ دیکھنا تو یہی تھا کہ دُنیا کی رنگینیوں میں گم ہو کر تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہو، یا بھول جاتے ہو؟ اب جبکہ آخرت کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا تو اب ایمان لانا کون سے کمال کی بات ہے جس کی بنا پر تمہیں معاف کیا جائے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۱ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق ۲ ستمبر ۲۰۰۷ء بروز پیر لندن میں مغرب سے ذرا پہلے سورہ سبأ کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اس کو بندے کی مغفرت کا ذریعہ بنادیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔





# سُورَةُ فَاطِر

## تعارف

اس سورت میں بنیادی طور پر مشرکین کو توحید اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی جو نشانیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں، اُن پر سنجیدگی سے غور کرنے سے اوّل تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جس قادرِ مطلق نے یہ کائنات پیدا فرمائی ہے، اُسے اپنی خدائی کا نظام چلانے میں کسی شریک یا مددگار کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور دوسرے یہ کہ وہ یہ کائنات کسی مقصد کے بغیر فضول پیدا نہیں کر سکتا، یقیناً اس کا کوئی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ جو لوگ یہاں اُس کے احکام کے مطابق نیک زندگی گذاریں، اُنہیں انعامات سے نوازا جائے، اور جو نافرمانی کریں، اُن کو سزا دی جائے، جس کے لئے آخرت کی زندگی ضروری ہے۔ تیسرے یہ کہ جو ذات کائنات کے اس عظیم الشان کارخانے کو عدم سے وجود میں لے کر آئی ہے، اُس کے لئے اس کو ختم کر کے نئے سرے سے آخرت کا عالم پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے جسے ناممکن سمجھ کر اُس کا انکار کیا جائے۔ اور جب یہ حقیقتیں مان لی جائیں تو اُس سے خود بخود یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اس دُنیا میں انسان اُس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے تو ظاہر ہے کہ اپنی مرضی لوگوں کو بتانے کے لئے اُس نے رہنمائی کا کوئی سلسلہ ضرور جاری فرمایا ہوگا، اسی سلسلے کا نام رسالت، نبوت یا پیغمبری ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلے کے آخری نمائندے ہیں۔ اس سورت میں آپ کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ اگر کافر لوگ آپ کی بات نہیں مان رہے ہیں تو اس میں آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ آپ کا فریضہ صرف اتنا ہے کہ لوگوں تک حق کا پیغام واضح طریقے سے پہنچادیں۔ آگے ماننا نہ ماننا اُن کا کام ہے، اور وہی اس کے لئے جواب دہ ہیں۔

سورت کا نام ”فاطر“ بالکل پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں پیدا کرنے والا۔ اسی سورت کا دوسرا نام سورۃ ملائکہ بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی آیت میں فرشتوں کا بھی ذکر آیا ہے۔

﴿اٰیٰتِهَا ۲۵ سُورَةُ فَاطِمٰی مَكِّيَّةٌ ۲۳ رُكُوْعَاتُهَا ۵﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولٰٓئِیْ اُجْنَحَةُ مَشْنٰی وَ  
ثَلَاثَ وُرُبَاعٍ ۖ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۱ مَا  
یَفْتَحُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةً فَلَا مُمْسِکَ لَهَا ۚ وَمَا یُسِکُ ۚ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ  
بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝۱

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پینتالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے اُن فرشتوں کو  
پیغام لے جانے کے لئے مقرر کیا ہے، جو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ وہ  
پیدائش میں جتنا چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔<sup>(۱)</sup> بیشک اللہ ہر چیز کی قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۱﴾  
جس رحمت کو اللہ لوگوں کے لئے کھول دے، کوئی نہیں ہے جو اُسے روک سکے، اور جسے وہ روک  
لے، تو کوئی نہیں ہے جو اس کے بعد اُسے چھڑا سکے۔ اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت  
کا بھی مالک۔ ﴿۲﴾

(۱) پچھلے جملے کی مناسبت سے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن فرشتوں کے پروں کی تعداد میں اضافہ کرنا  
چاہتا ہے، اضافہ کر دیتا ہے، چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو پروں کی تعداد حدیث میں آئی ہے۔ لیکن  
الفاظ عام ہیں، اور ہر تخلیق کو شامل ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ جس کی تخلیق میں چاہتا ہے، کسی خاص وصف کا اضافہ  
فرما دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۖ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ  
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَاذْكُرُوا فَمَا تَتُوْفِكُونَ ﴿۱﴾ وَإِنْ يَكْذِبُوكَ فَقَدْ  
كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ ۚ وَ إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ  
وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿۳﴾ إِنَّ  
الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ  
السَّعِيرِ ﴿۴﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۵﴾ أَفَسِنِ زُرِّيْنَ لَهُ سَوْءُ عَمَلِهِ فَرَأَاهُ حَسَنًا ۚ

اے لوگو! یاد کرو ان نعمتوں کو جو اللہ نے تم پر نازل کی ہیں۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں  
آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر آخر تم کہاں اوندھے چلے  
جارہے ہو؟ ﴿۳﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلا رہے ہیں، تو تم سے پہلے بھی پیغمبروں کو  
جھٹلایا گیا ہے۔ اور تمام معاملات آخر کار اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ ﴿۴﴾ اے لوگو! یقین  
جانو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لہذا تمہیں یہ دُنیوی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے، اور نہ اللہ کے معاملے  
میں تمہیں وہ (شیطان) دھوکے میں ڈالنے پائے جو بڑا دھوکے باز ہے۔ ﴿۵﴾ یقین جانو کہ شیطان  
تمہارا دشمن ہے، اس لئے اُس کو دشمن ہی سمجھتے رہو۔ وہ تو اپنے ماننے والوں کو جو دعوت دیتا ہے، وہ  
اس لئے دیتا ہے تاکہ وہ دوزخ کے باسی بن جائیں۔ ﴿۶﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کے  
لئے شدید عذاب ہے، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کے  
لئے مغفرت ہے، اور بڑا اجر! ﴿۷﴾ بھلا بتاؤ کہ جس شخص کی نظروں میں اس کی بد عملی ہی خوشنما بنا کر  
پیش کی گئی ہو، جس کی بنا پر وہ اس بد عملی کو اچھا سمجھتا ہو، (وہ نیک آدمی کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟)

فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ  
حَسْرَتٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝۸ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ  
سَحَابًا فُسْقَنُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَاهُ ۖ وَالْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ  
النُّشُورُ ۝۹ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۖ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ  
الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۖ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ  
وَمَكْرُهُمْ ذَٰلِكَ هُوَ يُبْوَرُ ۝۱۰

کیونکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، راستے سے بھٹکا دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ٹھیک راستے پر پہنچا دیتا ہے۔ لہذا (اے پیغمبر) ایسا نہ ہو کہ ان (کافروں) پر افسوس کے مارے تمہاری جان ہی جاتی رہے۔ یقین رکھو کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ ﴿۸﴾  
اور اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم انہیں ہنکا کر ایک ایسے شہر کی طرف لے جاتے ہیں جو (قحط سے) مردہ ہو چکا ہوتا ہے، پھر ہم اُس (بارش) کے ذریعے مردہ زمین کو نئی زندگی عطا کرتے ہیں۔ بس اسی طرح انسانوں کی دوسری زندگی ہوگی۔ ﴿۹﴾ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو، تو تمام تر عزت اللہ کے قبضے میں ہے۔ پاکیزہ کلمہ اُسی کی طرف چڑھتا ہے، اور نیک عمل اُس کو اُپر اٹھاتا ہے۔ ﴿۱۰﴾ اور جو لوگ بُری بُری مکاریاں کر رہے ہیں، ان کو سخت عذاب ہوگا، اور اُن کی مکاری ہی ہے جو ملیا میٹ ہو جائے گی۔ ﴿۱۰﴾

(۲) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، زبردستی گمراہ کر دیتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص ہٹ دھرمی سے خود گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کو گمراہی میں ہی مبتلا رکھ کر اُس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ دیکھئے سورہ بقرہ (۷۲: ۷۳)۔

(۳) پاکیزہ کلمے سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے انسان ایمان کا اقرار کرتا ہے، نیز اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِّنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَرْوَاجًا ۖ وَمَاتَحِيلٌ مِّنْ أُنْثَىٰ ۖ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۖ وَمَا يُعَمِّرُ مِنْ مَّعْبَرٍ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ عُمُرٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۚ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَمِنْ كُلِّ تَاكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا ۖ وَتَسْتَخْرِجُونَ حَلِيَّةً تَتَّبَسُونَهَا ۖ وَتَمَرِي الْفُلُكَ فِيهِ مَآخِرَ لِّتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنادیا۔ اور کسی مادہ کو جو کوئی حمل ہوتا ہے، اور جو کچھ وہ جنتی ہے، وہ سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ اور کسی عمر رسیدہ کو جنتی عمر دی جاتی ہے، اور اُس کی عمر میں جو کوئی کمی ہوتی ہے، وہ سب ایک کتاب میں درج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۱۱﴾ اور دو دریا برابر نہیں ہوتے۔ ایک ایسا میٹھا ہے کہ اُس سے پیاس بجھتی ہے، جو پینے میں خوشگوار ہے، اور دوسرا کڑوا نمکین۔ اور ہر ایک سے تم (مچھلیوں کا) تازہ گوشت کھاتے ہو، اور وہ زیور نکالتے ہو جو تمہارے پہننے کے کام آتا ہے۔ اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ اُس (دریا) میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ شکر گزار بنو۔ ﴿۱۲﴾

کے دوسرے کلمات بھی داخل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف اُن کے چڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوتے ہیں۔ اور نیک عمل کے اُس کلمے کو اُوپر اُٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کلمے کی پوری مقبولیت نیک عمل کے ذریعے ہوتی ہے۔

(۴) اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔

(۵) جیسا کہ پہلے کئی بار عرض کیا جا چکا ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا قرآن کریم کی اصطلاح ہے جس سے مراد تجارت وغیرہ کے ذریعے روزی کمانا ہے۔ اس اصطلاح میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کو جو روزی ملتی ہے، ظاہری اعتبار سے انسان اُسے اپنی قوت بازو کا کرشمہ سمجھتا ہے، لیکن درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اگر یہ فضل شامل حال نہ ہو تو کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَسَخَّرَ الشَّسَّ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ  
يَجْرِى لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ  
دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۖ ۝۱۳ ۚ إِنَّ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ ۚ وَكَوَّ  
سَعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُونَ بَشْرِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ  
خَبِيرٍ ۖ ۝۱۴ ۚ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۖ ۝۱۵ ۚ إِنَّ ۚ  
يَسْأَلُكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۖ ۝۱۶ ۚ وَمَا ذَلِكُ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۖ ۝۱۷

وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اُس نے سورج اور  
چاند کو کام پر لگا دیا ہے۔ (ان میں سے) ہر ایک کسی مقررہ میعاد تک کے لئے رواں دواں ہے۔  
یہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، ساری بادشاہی اُسی کی ہے۔ اور اُسے چھوڑ کر جن (جھوٹے  
خداؤں) کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ﴿۱۳﴾  
اگر تم اُن کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار سنیں گے ہی نہیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں  
دے سکیں گے۔ اور قیامت کے دن وہ خود تمہارے شرک کی تردید کریں گے۔ اور جس ذات کو  
تمام باتوں کی مکمل خبر ہے، اُس کی برابر تمہیں کوئی اور صحیح بات نہیں بتائے گا۔ ﴿۱۴﴾ اے لوگو! تم  
سب اللہ کے محتاج ہو، اور اللہ بے نیاز ہے، ہر تعریف کا بذاتِ خود مستحق۔ ﴿۱۵﴾ اگر وہ چاہے تو  
تم سب کو فنا کر دے، اور ایک نئی مخلوق وجود میں لے آئے۔ ﴿۱۶﴾ اور یہ کام اللہ کے لئے کچھ  
بھی مشکل نہیں ہے۔ ﴿۱۷﴾

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ دوسروں کی عبادت اور اُن کے تعریف کرنے سے بالکل بے نیاز ہے، کوئی اُس کی تعریف  
کرے یا نہ کرے، وہ بذاتِ خود قابلِ تعریف ہے۔



وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۖ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِلْهَآ لَا يُحْمَلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ (۱۸) وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝ (۱۹) وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۝ (۲۰) وَلَا الظُّلُ وَلَا الْحُرُورُ ۝ (۲۱) وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۖ إِنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ مَنْ يُشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ۝ (۲۲)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور جس کسی پر بڑا بوجھ لدا ہوا ہو، وہ اگر کسی اور کو اُس کے اٹھانے کی دعوت دے گا تو اُس میں سے کچھ بھی اٹھایا نہیں جائے گا، چاہے وہ (جسے بوجھ اٹھانے کی دعوت دی گئی تھی) کوئی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (اے پیغمبر!) تم اُنہی لوگوں کو خبردار کر سکتے ہو جو اپنے پروردگار کو دیکھے بغیر اُس سے ڈرتے ہوں، اور جنہوں نے نماز قائم کی ہو۔ اور جو شخص پاک ہوتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے پاک ہوتا ہے۔ اور آخر کار سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۱۸﴾

اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔ ﴿۱۹﴾ اور نہ اندھیرے اور روشنی ﴿۲۰﴾ اور نہ سایہ اور دھوپ ﴿۲۱﴾ اور زندہ لوگ اور مردے برابر نہیں ہو سکتے، اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے، بات سنا دیتا ہے، اور تم اُن کو بات نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہیں۔ ﴿۲۲﴾

(۷) جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی سے حق بات ماننے کے تمام دروازے اپنے اوپر بند کر لئے ہیں، اُن کو پہلے اندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اُن کے کفر کو اندھیروں سے، اور اس کی سزا میں اُنہیں دوزخ کے جس عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اُس کو دھوپ سے۔ اس کے مقابلے میں حق پرستوں کو دیکھنے والوں سے، اُن کے دین کو روشنی سے، اور جنت کی جو نعمتیں اُنہیں حاصل ہوں گی، اُن کو سائے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم کر لی ہے، وہ تو مُردوں جیسے ہیں، اور مُردوں کو آپ اپنی مرضی سے کچھ سنا نہیں سکتے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہیں کر رہے ہیں تو آپ زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، اور آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری بھی عائد نہیں ہوتی۔

إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۝۳۱ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝۳۲ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝۳۳ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝۳۴ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَآخَرَ جُنَاتٍ بِهِ ۚ شَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا ۚ وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝۳۵ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَأَلَا نَعَامٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۚ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝۳۶

تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو۔ ﴿۲۳﴾ ہم نے تمہیں حق بات دے کر اس طرح بھیجا ہے کہ تم خوشخبری دو، اور خبردار کرو۔ اور کوئی اُمت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو۔ ﴿۲۴﴾ اور اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو جو (کافر) ان سے پہلے تھے، انہوں نے بھی (رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔ اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر، صحیفے لے کر اور روشنی پھیلانے والی کتاب لے کر آئے تھے۔ ﴿۲۵﴾ پھر جن لوگوں نے انکار کی روش اپنائی تھی، میں نے انہیں پکڑ میں لے لیا۔ اب دیکھو کہ میری سزا کیسی (ہولناک) تھی! ﴿۲۶﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے رنگ برنگ کے پھل اُگائے؟ اور پہاڑوں میں بھی ایسے ٹکڑے ہیں جو رنگ برنگ کے سفید اور سرخ ہیں، اور کالے سیاہ بھی۔ ﴿۲۷﴾ اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔ اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔ <sup>(۸)</sup> یقیناً اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، بہت بخشنے والا بھی۔ ﴿۲۸﴾

(۸) کائنات کی ان عجیب و غریب مخلوقات کو دیکھ کر اور ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی توحید پر استدلال کر کے اُنہی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم اور اُس کی

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتُلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَآقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا  
وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبْثُورَ ۚ ﴿٢٩﴾ لِيُؤْفِقَهُمُ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّنْ  
فَضْلِهِ ۖ إِنَّهُ عَفُورٌ شَكُورٌ ۚ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِي آوَحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ  
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ۚ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ  
الَّذِينَ أَصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ  
سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذْ بَدَأَ اللَّهُ ۖ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَصْلُ الْكَبِيرُ ۚ ﴿٣٢﴾

جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اور جنہوں نے نماز کی پابندی کر رکھی ہے، اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے، اُس میں سے وہ (نیک کاموں میں) خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں جو کبھی نقصان نہیں اٹھائے گی۔ ﴿۲۹﴾ تاکہ اللہ اُن کے پورے اجر اُن کو دیدے، اور اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دے۔ یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا قدر دان ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعے جو کتاب بھیجی ہے، وہ سچی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر، ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ ﴿۳۱﴾ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے اُن کو بنایا جنہیں ہم نے چن لیا تھا۔ ﴿۳۲﴾ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں جو درمیانے درجے کے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ (اللہ کا) بہت بڑا فضل ہے۔ ﴿۳۲﴾

سمجھ ہے۔ اور جو لوگ اس سمجھ سے محروم ہیں، وہ کائنات کے ان عجوبوں کی تہہ تک پہنچنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے وجود، اُس کی توحید اور اُس کی عظمت تک نہیں پہنچتے۔

(۹) اس سے مراد مسلمان ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن براہ راست تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، لیکن پھر اس کا وارث اُن مسلمانوں کو بنایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے چن لیا تھا کہ وہ اللہ کی

جَنَّتْ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ لَا يَسُنَّا فِيهَا نِصَبٌ وَلَا يَسُنَا فِيهَا الْخُوبُ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَافِرٍ ﴿٣٦﴾

ہمیشہ بسنے کے باغات ہیں جن میں وہ لوگ داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا، اور اُن کا لباس وہاں پر ریشم ہوگا۔ ﴿۳۳﴾ اور وہ کہیں گے کہ: ”تمام تر تعریف اللہ کی ہے جس نے ہم سے ہر غم دُور کر دیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا قدر دان ہے، ﴿۳۴﴾ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ابدی ٹھکانے کے گھر میں لا اُتارا ہے جس میں نہ ہمیں کبھی کوئی کلفت چھو کر گزرے گی، اور نہ کبھی کوئی تھکن پیش آئے گی۔“ ﴿۳۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر کی رُوش اپنالی ہے، اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ تو اُن کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر ہی جائیں، اور نہ اُن سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ ہر ناشکرے کا فر کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿۳۶﴾

کتاب پر ایمان لائیں۔ لیکن ایمان لانے کے بعد اُن کی تین قسمیں ہو گئیں۔ ایک وہ تھے جو ایمان تو لے آئے، لیکن اُس کے تقاضوں پر پوری طرح عمل نہیں کیا، چنانچہ اپنے بعض فرائض چھوڑ دیئے، اور گناہوں کا بھی ارتکاب کر لیا۔ ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، کیونکہ ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں جنت میں فوری داخلہ نصیب ہوتا، لیکن انہوں نے گناہ کر کے اپنے آپ کو سزا کا مستحق بنا لیا، جس کے نتیجے میں قانون کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے شخص کو پہلے اپنے گناہوں کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ دوسری قسم جس کو درمیانے درجے کا کہا گیا ہے، اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو فرائض و واجبات پر تو عمل کرتے ہیں، اور گناہوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں، لیکن نقلی عبادتیں اور مستحب کاموں پر عمل نہیں کرتے۔ اور تیسری قسم اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرنے کے بجائے نقلی عبادتوں اور مستحب کاموں کا بھی پورا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ تینوں قسمیں مسلمانوں ہی کی بیان ہوئی ہیں، اور آخر کار مغفرت کے بعد جنت میں ان شاء اللہ تینوں قسمیں داخل ہوں گی۔

وَهُمْ يَصْطَرِّحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۖ  
 أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فِتْنَنَا  
 عَ لِلظَّالِمِينَ مَن يُصِيبْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ  
 بِذَاتِ الصُّدُورِ ۚ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۖ فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ  
 كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ  
 كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ۚ

اور وہ اُس دوزخ میں چیخ پکار مچائیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں باہر نکال دے تاکہ ہم جو کام پہلے کیا کرتے تھے، انہیں چھوڑ کر نیک عمل کریں۔“ (ان سے جواب میں کہا جائے گا کہ: ) ”بھلا کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کسی کو اُس میں سوچنا سمجھنا ہوتا، وہ سمجھ لیتا؟ اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی آیا تھا۔ اب مزا چکھو، کیونکہ کوئی نہیں ہے جو ایسے ظالموں کا مددگار بنے۔“ ﴿۳۷﴾ بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ بیشک وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۳۸﴾ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں (پچھلے لوگوں کا) جانشین بنایا۔ اب جو شخص کفر کرے گا تو اُس کا کفر اُسی پر پڑے گا۔ اور کافروں کے لئے اُن کا کفر ان کے پروردگار کے پاس غضب کے سوا کسی اور چیز میں اضافہ نہیں کرتا، اور کافروں کو اُن کے کفر سے خسارے کے سوا کسی چیز میں ترقی حاصل نہیں ہوتی۔ ﴿۳۹﴾

(۱۰) انسان کو اوسطاً جتنی عمر دی جاتی ہے، وہ اتنی طویل ہے، اور اُس میں انسان اتنے مختلف مراحل سے گذرتا ہے کہ اگر وہ واقعی حق تک پہنچنا چاہے تو پہنچ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبردار کرنے والے بھی اسی عمر کے دوران آتے رہتے ہیں۔ خبردار کرنے والے سے مراد انبیائے کرام اور اس اُمت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے انسان کو آخرت کے عذاب سے آگاہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی،

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرَأَوْنِي مَاذَا خَلَقُوا  
 مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ  
 بَلْ إِنَّ يَعْدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ۝۴۰ إِنَّ اللَّهَ يُنْسِكُ  
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ  
 بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝۴۱

(اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ”بھلا بتاؤ تم اللہ کو چھوڑ کر اپنے جن من گھڑت شریکوں کو پوجا کرتے ہو،  
 ذرا مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں (کی پیدائش میں) اُن کی  
 کوئی شرکت ہے؟“ یا پھر ہم نے انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے جس کی کسی واضح ہدایت پر یہ لوگ  
 قائم ہیں؟ نہیں، بلکہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو خالص دھوکے کی یقین دہانی کرتے آئے  
 ہیں۔ ﴿۴۰﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ٹلیں  
 نہیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو انہیں تھام سکے۔ یقیناً اللہ بڑا بردبار،  
 بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۴۱﴾

اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ اور ہر دور میں علماء بھی یہ فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے خبردار  
 کرنے والے کی تفسیر یہ کی ہے کہ انسانی عمر کے مختلف مرحلوں پر جو چیزیں موت کی یاد دلاتی ہیں، یہاں خبردار  
 کرنے والے سے وہ مراد ہیں۔ چنانچہ بڑھاپے کے مقدمے کے طور پر جب انسان کے بال سفید ہوتے ہیں تو  
 وہ بھی خبردار کرنے والا ہے، جب کسی کے یہاں اُس کا پوتا پیدا ہوتا ہے تو وہ بھی ڈرانے والا ہے کہ موت کا وقت  
 قریب آ رہا ہے، نیز انسان کو جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، وہ سب بھی موت کی یاد دلا کر انسان کو خبردار کرتی ہیں  
 کہ وہ آخرت کی بہتری کا کوئی سامان کر لے۔

(۱۱) کسی دعوے کو ثابت کرنے کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ انسان عقل کی کسی دلیل سے اُسے ثابت  
 کرے، اور دوسرا یہ کہ اُس کے پاس کسی واجب التعمیل ذات کی طرف سے کوئی حکم ملا ہو۔ جن لوگوں نے

وَأَقْسُوا بِاللهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لِيَنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لِّيَكُونُوا أَهْدَىٰ مِنْ أَحَدَى الْأُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۖ ﴿۱۲﴾ اسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۖ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۖ

اور انہوں نے پہلے اللہ کی بڑے زوروں میں قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا (پیغمبر) آیا تو وہ ہر دوسری اُمت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ مگر جب اُن کے پاس ایک خبردار کرنے والا آگیا تو اُس کے آنے سے ان کی حالت میں اور کوئی ترقی نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ یہ (حق کے راستے سے) اور زیادہ بھاگنے لگے، ﴿۴۲﴾ اس لئے کہ انہیں زمین میں اپنی بڑائی کا گھمنڈ تھا، اور انہوں نے (حق کی مخالفت میں) بُری بُری چالیں چلنی شروع کر دیں۔ حالانکہ بُری چالیں کسی اور کو نہیں، خود اپنے چلنے والوں ہی کو گھیرے میں لے لیتی ہیں۔<sup>(۱۳)</sup>

اللہ تعالیٰ کے ساتھ من گھڑت خدا مان رکھے ہیں، اُن کے پاس نہ تو کوئی عقلی دلیل ہے، اس لئے کہ وہ کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے کہ ان کے گھڑے ہوئے خداؤں نے زمین یا آسمان کا کوئی حصہ پیدا کیا ہے، یا ان کی تخلیق میں کسی بھی طرح کا کوئی حصہ لیا ہے، اور نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ہدایت دی ہو کہ فلاں فلاں دیوتاؤں کو خدا مان کر اُن کی عبادت کیا کرو۔

(۱۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے کفارِ قریش نے غالباً یہودیوں اور عیسائیوں سے بحث کرتے ہوئے بڑی جوشیلی قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی پیغمبر آیا تو ہم اور ساری اُمتوں سے زیادہ اُس کی ہدایت پر عمل کریں گے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ آپ کی بات ماننے سے مکر گئے۔

(۱۳) بدینتی سے کسی کے خلاف جو ناحق تدبیریں کی جاتی ہیں، اکثر تو دُنیا ہی میں وہ الٹی پڑ جاتی ہیں، اور اُن کا نقصان خود تدبیر کرنے والے کو اٹھانا پڑتا ہے، چنانچہ کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو چالیں

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿۳۳﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿۳۴﴾

اب یہ لوگ اُس دستور کے سوا کس بات کے منتظر ہیں جس پر پچھلے لوگوں کے ساتھ عمل ہوتا آیا ہے؟ (اگر یہ بات ہے) تو تم اللہ کے طے شدہ دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے، اور نہ تم اللہ کے طے شدہ دستور کو کبھی ملتا ہوا پاؤ گے۔ ﴿۳۳﴾ اور کیا ان لوگوں نے زمین میں کبھی سفر نہیں کیا جس سے وہ یہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، اُن کا انجام کیسا ہوا، جبکہ وہ طاقت میں ان سے بہت زیادہ مضبوط تھے؟ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں یا زمین کی کوئی چیز اُسے عاجز کر سکے۔ بیشک وہ علم کا بھی مالک ہے، قدرت کا بھی مالک۔ ﴿۳۴﴾

چلی تھیں، وہ آخر کار اُنہی کے خلاف پڑیں، اور اگر کبھی دُنیا میں نقصان اُٹھانا نہ پڑے تو ان بُری تدبیروں کا عذاب آخرت میں تو ہوتا ہی ہے جو دُنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔

(۱۴) یعنی پچھلی اُمتوں میں سے جنہوں نے اپنے پیغمبر کی مخالفت کی، اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ اُن کو عذاب ہوتا ہے، چاہے وہ دُنیا میں ہو، یا آخرت میں۔ کیا یہ لوگ ایمان لانے کے لئے اسی عذاب کا انتظار کر رہے ہیں؟

(۱۵) دستور میں تبدیلی کا تو یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو عذاب کے بجائے ثواب دینے لگے، اور دستور کے ٹٹنے کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے بجائے ایمان والوں کو عذاب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ان میں سے کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔



وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهِمَا مِنْ ذَنْبٍ وَلَكِنْ  
يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝

اور اگر اللہ لوگوں کے ہر کرتوت پر ان کی پکڑ کرنے لگتا تو اس زمین کی پشت پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ایک معین مدت تک کے لئے ان کو مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا، تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھ لے گا۔ ﴿۳۵﴾

الحمد للہ! آج ۱۲ رمضان المبارک (۱۴۲۸ھ) کی شب میں سورہ فاطر کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل ہوئی۔ صرف یہ آخری حصہ کراچی میں لکھا گیا، جبکہ پوری سورت کا کام مختلف سفروں میں انجام پایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ يٰس

## تعارف

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کی وہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو نہ صرف پوری کائنات میں بلکہ خود انسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ان مظاہر سے ایک طرف یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو ذات اتنی قدرت اور حکمت کی مالک ہے، اُس کو اپنی خدائی کا نظام چلانے کے لئے نہ کسی شریک کی ضرورت ہے، نہ کسی مددگار کی، اس لئے وہ اور صرف وہ عبادت کے لائق ہے، اور دوسری طرف قدرت کی ان نشانیوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس ذات نے یہ کائنات اور اُس کا محیر العقول نظام پیدا فرمایا ہے، اُس کے لئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے مرنے کے بعد انہیں دوسری زندگی عطا فرمائے۔ اس طرح قدرت کی ان نشانیوں سے توحید اور آخرت کا عقیدہ واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے ہیں کہ وہ ان نشانیوں پر غور کر کے اپنا عقیدہ اور عمل درست کریں۔ اُس کے باوجود اگر کچھ لوگ اس دعوت کو قبول نہیں کر رہے ہیں تو وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں، کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے مستحق بن رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں آیات نمبر ۱۳ سے ۲۹ تک ایک ایسی قوم کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس نے حق کی دعوت کو قبول نہ کیا، بلکہ حق کے داعیوں کے ساتھ ظلم و بربریت کا معاملہ کیا جس کے نتیجے میں حق کے داعی کا انجام تو بہترین ہوا، لیکن حق کے یہ منکر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی پکڑ میں آ گئے۔ چونکہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بڑے فصیح و بلیغ اور جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے، اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے اس سورت کو ”قرآن کا دل“ قرار دیا ہے۔

ایاتھا ۱۸۳ سُورَةُ یَس مَکِّيَّةٌ ۲۱ رُکُوعَاتُهَا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یَس ۱ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۲ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۳ ۝ عَلٰی صِرَاطٍ  
مُّسْتَقِیْمٍ ۴ ۝ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۵ ۝ لِنُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَنْذَرَا اَبَاؤُهُمْ فَهُمْ  
غٰفِلُوْنَ ۶ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۷ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ترسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یَس! ﴿۱﴾ حکمت بھرے قرآن کی قسم! ﴿۲﴾ تم یقیناً پیغمبروں میں سے ہو ﴿۳﴾ بالکل سیدھے  
راستے پر! ﴿۴﴾ یہ قرآن اُس ذات کی طرف سے اتارا جا رہا ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس  
کی رحمت بھی کامل، ﴿۵﴾ تاکہ تم اُن لوگوں کو خبردار کرو جن کے باپ دادوں کو پہلے خبردار نہیں کیا  
گیا تھا، اس لئے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں  
کے بارے میں بات پوری ہو چکی ہے، اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۷﴾

(۱) یعنی مکہ مکرمہ اور اُس کے اطراف میں بدت سے کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں تقدیر میں جو بات لکھی تھی کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے، وہ بات  
پوری ہو رہی ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ تقدیر میں لکھا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کفر پر مجبور ہو گئے ہیں،  
کیونکہ تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایمان لانے کا موقع بھی دے گا، اور اختیار بھی دے گا، لیکن یہ لوگ  
اپنے اختیار اور اپنی خوشی سے ضد پر اڑے رہیں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْآذَانِ فَهْمٌ مُّقْمَحُونَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْ  
بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝۹ وَسَوَاءٌ  
عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۱۰ إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ  
وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ ۚ فَبَشِّرْهُ بِسَعْفَرَةٍ وَوَجِّرْ كَرِيمٌ ۝۱۱ إِنَّا كُنْزُنِي  
عَالِ الْيَمِينِ وَنَكْتُبُ مَا قَدْ مُحَاوَاثَاهُمْ ۖ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝۱۲

ہم نے اُن کے گلوں میں طوق ڈال رکھے ہیں، جو ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں، اور اس وجہ سے اُن کے سر اوپر کو اٹھے رہ گئے ہیں۔ ﴿۸﴾ اور ہم نے ایک آڑ اُن کے آگے کھڑی کر دی ہے، اور ایک آڑ اُن کے پیچھے کھڑی کر دی ہے، اور اس طرح اُنہیں ہر طرف سے ڈھانک لیا ہے جس کے نتیجے میں اُنہیں کچھ بھائی نہیں دیتا۔ ﴿۹﴾ اور ان کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تم انہیں خبردار کرو، یا خبردار نہ کرو، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿۱۰﴾ تم تو صرف ایسے شخص کو خبردار کر سکتے ہو جو نصیحت پر چلے، اور خدائے رحمن کو دیکھے بغیر اُس سے ڈرے۔ چنانچہ ایسے شخص کو تم مغفرت اور باعزت اجر کی خوشخبری سنا دو۔ ﴿۱۱﴾ یقیناً ہم ہی مُردوں کو زندہ کریں گے، اور جو کچھ عمل اُنہوں نے آگے بھیجے ہیں، ہم اُن کو بھی لکھتے جاتے ہیں، اور اُن کے کاموں کے جو اثرات ہیں اُن کو بھی۔ ﴿۱۲﴾ اور ہم نے ایک واضح کتاب میں ہر چیز کا پورا احاطہ کر رکھا ہے۔ ﴿۱۲﴾

(۳) یہ اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان کرنے کے لئے ایک استعارہ اور مجازی تعبیر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حق کے صاف صاف ظاہر ہونے کے باوجود ان لوگوں نے اس طرح ہٹ دھرمی کی روش اختیار کی ہے کہ اپنے آپ کو حق کے دیکھنے سے محروم کر لیا ہے، جیسے ان کے گلوں میں طوق پڑے ہوئے ہوں، اور ان کے ہر طرف ایسی دیواریں کھڑی ہوں کہ اُن کو کچھ بھائی نہ دے۔

(۴) یعنی ان لوگوں کی ساری بد عملیاں بھی لکھی جا رہی ہیں، اور ان بد عملیوں کے جو بُرے اثرات ان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہ جاتے ہیں، وہ بھی لکھے جا رہے ہیں۔

وَأَضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۳﴾ إِذْ أَمْرَسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾ قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَذِبُونَ ﴿۱۵﴾

اور (اے پیغمبر!) تم ان کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال پیش کرو، جب اُن کے پاس رسول آئے تھے۔ ﴿۱۳﴾ جب ہم نے اُن کے پاس (شروع میں) دو رسول بھیجے، تو انہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا، پھر ہم نے ایک تیسرے کے ذریعے اُن کی تائید کی، اور ان سب نے کہا کہ: ”یقین جانو ہمیں تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ ﴿۱۴﴾ انہوں نے کہا: ”تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی آدمی ہو۔ اور خدائے رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، اور تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو۔“ ﴿۱۵﴾

(۵) قرآن کریم نے نہ اس بستی کا نام ذکر فرمایا ہے، اور نہ اُن رسولوں کا جو اس بستی میں بھیجے گئے تھے۔ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ بستی شام کا مشہور شہر انطاکیہ تھی لیکن نہ تو یہ روایتیں مضبوط ہیں، اور نہ تاریخی قرآن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ دوسری طرف رسول کا لفظ عربی زبان میں ہر اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی کا پیغام لے کر دوسرے کے پاس جائے، لیکن قرآن کریم میں زیادہ تر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے لئے استعمال ہوا ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ حضرات انبیائے کرام تھے، اور بعض روایتوں میں ان کے نام بھی صادق، صدوق اور شلوم یا شمعون بتائے گئے ہیں، لیکن یہ روایات بھی زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ اور بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء نہیں تھے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی اس بستی میں تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ اور ”مُرْسَلُونَ“ کا لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں بھیجنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ انبیائے کرام تھے۔ شروع میں دو نبی بھیجے گئے تھے، پھر ایک تیسرے پیغمبر بھی بھیجے گئے۔ بہر حال! عبرت کا جو سبق قرآن کریم دینا چاہتا ہے، وہ نہ بستی کے تعین پر موقوف ہے، اور نہ پیغام لے جانے والوں کی شناخت پر۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے نام نہیں بتائے۔ لہذا ہمیں بھی اس کی کھوج میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿١٦﴾ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٧﴾  
 قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَسْئَلَنَّكُمْ مِنَّا عَذَابٌ  
 أَلِيمٌ ﴿١٨﴾ قَالُوا طَائِفُكُمْ مَعَكُمْ ؕ آيِنُ ذِكْرِكُمْ ؕ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿١٩﴾  
 وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ لِقَوْمٍ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٠﴾

اُن (رسولوں) نے کہا: ”ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہمیں واقعی تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔“ ﴿۱۶﴾ اور ہماری ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں ہے کہ صاف صاف پیغام پہنچادیں۔“ ﴿۱۷﴾ بستی والوں نے کہا: ”ہم نے تو تمہارے اندر نحوست محسوس کی ہے۔“ یقین جانو اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم پر پتھر برسائیں گے، اور ہمارے ہاتھوں تمہیں بڑی دردناک سزا ملے گی۔“ ﴿۱۸﴾ رسولوں نے کہا: ”تمہاری نحوست خود تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کیا یہ باتیں اس لئے کر رہے ہو کہ تمہیں نصیحت کی بات پہنچائی گئی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ تم خود حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو۔“ ﴿۱۹﴾ اور شہر کے پرلے علاقے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! ان رسولوں کا کہنا مان لو،“ ﴿۲۰﴾

(۶) بعض روایات میں ہے کہ ان حضرات کے بستی میں تشریف لانے اور دین حق کی دعوت دینے کے بعد جب بستی کے لوگوں نے نافرمانی پر کمر باندھ رکھی تو اُن پر تنبیہ کے طور پر قحط مسلط کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے اسے ایک تازیانہ سمجھنے کے بجائے اُلٹا اُسے ان حضرات کی نحوست قرار دیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان حضرات کی دعوت کے نتیجے میں جو بحث مباحثہ شروع ہوا ہو، اُسی کو انہوں نے نحوست سے تعبیر کیا ہو۔

(۷) یعنی نحوست کا اصل سبب تو تمہارا کفر اور شرک ہے۔

(۸) روایتوں میں ان کا نام حبیب نجار بتایا گیا ہے۔ یہ پیشے کے لحاظ سے بڑھئی تھے، اور ان رسولوں کی دعوت پہلے ہی قبول کر کے ایمان لا چکے تھے، اور شہر کے سرے پر کہیں تہارہ کر عبادت میں لگے رہتے تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ان کی قوم کے لوگ ان رسولوں کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہیں تو یہ جلدی سے وہاں پہنچے، اور بڑے مؤثر انداز میں اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَالِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾ أَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِتْرَادًا يُرِيدُنِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ ﴿۲۳﴾ إِنِّي إِذًا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۲۴﴾ إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِ ﴿۲۵﴾ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَلِيَّتَ قَوْمِي يَعْكَبُونَ ﴿۲۶﴾

ان لوگوں کا کہنا مان لو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگ رہے، اور وہ صحیح راستے پر ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اور بھلا میں اُس ذات کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے؟ اور اُسی کی طرف تم سب کو واپس بھیجا جائے گا۔ ﴿۲۲﴾ بھلا کیا اُسے چھوڑ کر میں ایسوں کو معبود مانوں کہ اگر خدائے رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کر لے تو اُن کی سفارش میرے کسی کام نہ آئے، اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں؟ ﴿۲۳﴾ اگر میں ایسا کروں گا تو یقیناً میں کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ ﴿۲۴﴾ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا۔ اب تم بھی میری بات سن لو۔ ﴿۲۵﴾ (آخر کار بستی والوں نے اُس کو قتل کر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس سے) کہا گیا کہ: ”جنت میں داخل ہو جاؤ۔“ اُس نے (جنت کی نعمتیں دیکھ کر) کہا کہ: ”کاش! میری قوم کو معلوم ہو جائے ﴿۲۶﴾

(۹) بعض روایتوں میں ہے کہ سنگدل قوم نے اُن کی خیر خواہانہ تقریر کے جواب میں اُنہیں لاتیں، گھونسنے اور پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔

(۱۰) جنت میں اصل داخلہ تو حشر و نشر کے بعد ہوگا، البتہ نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ عالم برزخ میں بھی جنت کی بعض نعمتیں عطا فرما دیتے ہیں۔ یہاں اُن کو ایک طرف خوشخبری دی گئی کہ اُن کا مقام جنت ہے، اور دوسری طرف جنت کی کچھ نعمتیں عالم برزخ ہی میں عطا فرمادی گئیں جنہیں دیکھ کر اُنہوں نے پھر اپنی قوم ہی کی خیر خواہی کی بات فرمائی کہ کاش اُنہیں یہ پتہ چل جائے کہ مجھے کن نعمتوں سے سرفراز فرمایا گیا ہے تو شاید اُن کی بھی آنکھیں کھل جائیں۔



بِإِغْفَارِ رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۳۷﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۳۸﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خِدُودٌ ﴿۳۹﴾ يَحْسِرُونَ عَلَىٰ أَعْيَادِهِمْ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۴۰﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ وَإِنْ كُلٌّ لَّسَّاجِدٌ لِّدَيَّا مُخَضَّرُونَ ﴿۴۲﴾ وَآيَةٌ لَهُمْ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَبِتُّهُ يَٰ كُفْرًا ﴿۴۳﴾

کہ اللہ نے کس طرح میری بخشش کی ہے، اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کیا ہے!“ ﴿۲۷﴾ اور اُس شخص کے بعد ہم نے اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا، اور نہ ہمیں اُتارنے کی ضرورت تھی۔ ﴿۲۸﴾ وہ تو بس ایک ہی چنگھاڑ تھی جس سے وہ ایک دم بجھ کر رہ گئے۔ ﴿۲۹﴾ افسوس ہے ایسے بندوں کے حال پر! ان کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کا وہ مذاق نہ اڑاتے رہے ہوں۔ ﴿۳۰﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلے ہم کتنی قوموں کو اس طرح ہلاک کر چکے ہیں کہ وہ اُن کے پاس لوٹ کر نہیں آتے؟ ﴿۳۱﴾ اور یہ جتنے لوگ ہیں، ان سبھی کو اکٹھا کر کے ہمارے سامنے حاضر کیا جائے گا۔ ﴿۳۲﴾ اور ان کے لئے ایک نشانی وہ زمین ہے جو مردہ پڑی ہوئی تھی۔ ہم نے اُسے زندگی عطا کی، اور اُس سے غلہ نکالا، جس کی خوراک یہ کھاتے ہیں۔ ﴿۳۳﴾

(۱۱) یعنی اس ظالم اور نافرمان قوم کو ہلاک کرنے کے لئے ہمیں فرشتوں کا کوئی لشکر آسمان سے اُتارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس ایک ہی فرشتے نے ایک زوردار آواز نکالی تو اُسی سے ان کے کلیجے پھٹ گئے، اور پوری قوم ہلاک ہو کر ایسی ہو گئی جیسے آگ بجھ کر رکھ کا ڈھیر بن جائے۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مَنِ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا  
مِنْ ثَمَرِهِ ۖ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾ سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ  
الْأَرْضَ وَاجْعَلْ لَّهَا مِثْلُ النُّجُومِ ۚ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾

اور ہم نے اُس زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے، اور ایسا انتظام کیا کہ اُس میں  
سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے، ﴿۳۴﴾ تاکہ یہ اُس کی پیداوار میں سے کھائیں، حالانکہ اُس کو  
ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا۔ ﴿۱۲﴾ کیا پھر بھی یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟ ﴿۳۵﴾ پاک ہے وہ  
ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں، اُس پیداوار کے بھی جو زمین اُگاتی  
ہے، اور خود ان انسانوں کے بھی، اور اُن چیزوں کے بھی جنہیں یہ لوگ (ابھی) جانتے تک  
نہیں ہیں۔ ﴿۳۶﴾ ﴿۱۳﴾

﴿۱۲﴾ تو جب اس طرف دلائی جا رہی ہے کہ انسان جب کھیت یا باغ لگاتا ہے تو اُس کی ساری دوڑ دھوپ کا خلاصہ  
صرف یہ ہے کہ وہ زمین کو ہموار کر کے اُس میں بیج ڈال دے۔ لیکن اُس بیج کی پرورش کر کے اُسے زمین کا پیٹ  
پھاڑ کر کوئیل کی شکل میں نکالنا اور پھر اُسے پروان چڑھا کر درخت بنانا اور اُس میں پھل پیدا کرنا انسان کا کام نہیں  
ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی شانِ ربوبیت ہے جو اس باری پیداوار کی تخلیق کرتی ہے۔

﴿۱۳﴾ قرآن کریم نے کئی جگہ یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے پیدا فرمائے ہیں۔  
انسانوں کے جوڑے تو مرد اور عورت کی شکل میں شروع سے واضح چلے آتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے بتایا ہے  
کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت سائنس کو بہت بعد میں دریافت ہوئی ہے۔  
آگے اللہ تعالیٰ نے صریح الفاظ میں یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ابھی  
تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ اُن کے بھی جوڑے ہوتے ہیں۔ لہذا سائنس کو مختلف چیزوں کے جوڑوں کا جو رشتہ  
رفتہ ادراک ہو رہا ہے، مثلاً بجلی میں مثبت اور منفی کا اور ایٹم میں الیکٹرون اور پروٹون کا، وہ سب قرآن کریم کے  
اس عمومی بیان میں داخل ہو سکتے ہیں۔

وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٣٧﴾ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿٣٨﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٩﴾

اور ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے۔ ہم اُس پر سے دن کا چھلکا اُتار لیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ ﴿۳۷﴾ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ سب اُس ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی کامل۔ ﴿۳۸﴾ اور چاند ہے کہ ہم نے اُس کی منزلیں ناپ تول کر مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ وہ جب (ان منزلوں کے دورے سے) لوٹ کر آتا ہے تو کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح (پتلا) ہو کر رہ جاتا ہے۔ ﴿۳۹﴾ نہ تو سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے، اور نہ رات دن سے آگے نکل سکتی ہے۔ اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ ﴿۴۰﴾

(۱۳) یہاں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ کائنات میں اصل اندھیرا ہے، اللہ تعالیٰ نے اُسے دُور کرنے کے لئے سورج کی روشنی پیدا فرمائی ہے۔ جب سورج نکلتا ہے تو وہ اپنی روشنی کا ایک غلاف کائنات کے کچھ حصے پر چڑھا دیتا ہے جس سے روشنی ہو جاتی ہے۔ پھر جب سورج غروب ہوتا ہے تو روشنی کا یہ چھلکا اُتر جاتا ہے، اور اندھیرا واپس آ جاتا ہے۔

(۱۵) یعنی پورے مہینے کا دورہ مکمل کرنے کے بعد آخر میں ایک یا دو راتوں میں تو وہ غائب رہتا ہے، پھر جب دوسرا دورہ شروع کرتا ہے تو وہ اتنا پتلا، خم دار اور پیلا ہو جاتا ہے جیسے کھجور کے درخت کی وہ شاخ جو پرانی ہو کر پتلی، خم دار اور پیلی ہو جاتی ہے۔

(۱۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ چاند اور سورج دونوں اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں، سورج کی مجال نہیں ہے کہ وہ چاند کے مدار میں داخل ہو جائے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سورج کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ رات کے وقت جب چاند افق پر موجود ہو، اُس وقت نکل آئے، اور رات کو دن بنا دے۔

وَاٰیۃُ لَهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِكَ الْمَسْحُوۡنِ ۝۳۱ وَخَلَقْنَا لَهُمۡ مِّنۡ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوۡنَ ۝۳۲ وَاِنْ نَّشَاۡءُ نَعْرِضْهُمۡ فَلَآ صَرِيۡخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنۡقَذُوۡنَ ۝۳۳ اِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا اِلَىٰ حَيۡنٍ ۝۳۴ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اتَّقُوا مَا بَيْنَ اَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفُكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرۡحَبُوۡنَ ۝۳۵ وَمَا تَاۡتِيهِمۡ مِّنۡ اٰیَةٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوۡا عَنْهَا مُعۡرِضِيۡنَ ۝۳۶

اور ان کے لئے ایک اور نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا، ﴿۳۱﴾ اور ہم نے ان کے لئے اُسی جیسی اور چیزیں بھی پیدا کیں جن پر یہ سواری کرتے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر ڈالیں، جس کے بعد نہ تو کوئی ان کی فریاد کو پہنچے، اور نہ اُن کی جان بچائی جاسکے۔ ﴿۳۳﴾ لیکن یہ سب ہماری طرف سے ایک رحمت ہے، اور ایک معین وقت تک (زندگی کا) مزہ اٹھانے کا موقع ہے (جو انہیں دیا جا رہا ہے)۔ ﴿۳۴﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ: ”بچو اُس (عذاب) سے جو تمہارے سامنے ہے، اور جو تمہارے (مرنے کے) بعد آئے گا، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (تو وہ ذرا کان نہیں دھرتے) ﴿۳۵﴾ اور اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔ ﴿۳۶﴾

(۱۷) اولاد کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اہل عرب اپنی جوان اولاد کو تجارت کی غرض سے سمندری سفر پر بھیجا کرتے تھے۔

(۱۸) کشتی جیسی دوسری سواری کی تشریح عام طور سے مفسرین نے اُونٹوں سے کی ہے، کیونکہ اہل عرب اُونٹوں کو صحرا کا جہاز کہا کرتے تھے۔ لیکن قرآن کریم کے الفاظ عام ہیں جس میں کشتی کے مشابہ ہر طرح کی سواریاں داخل ہیں، بلکہ عربی قواعد کی رُو سے آیت کا ترجمہ اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ: ”ہم نے ان کے لئے اُسی جیسی اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں جن پر یہ (آئندہ) سواری کریں گے۔“ اس صورت میں وہ تمام سواریاں اس عبارت میں داخل ہو جاتی ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گی، مثلاً آبدوزیں، اور ہوائی جہاز جو اس لحاظ سے کشتی کے مشابہ ہیں کہ کشتی پانی پر تیرتی ہے، اور ہوائی جہاز ہوا پر تیرتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا  
 أَنْطَعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُولُونَ  
 مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ  
 ۱۸ وَهُمْ يَخِصِّصُونَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِي  
 الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿۵۱﴾ قَالُوا أَوِ يَلِكُنَا مَنْ بَعَثَنَا  
 مِنْ مَرْقَدِنَا ۚ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۲﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا  
 صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۵۳﴾

وَقُلْ عَزَّ وَجَلَّ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ: ”اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے، اُس میں سے (غریبوں پر بھی) خرچ کرو“، تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ: ”کیا ہم اُن لوگوں کو کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ (مسلمانو!) تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔“ ﴿۴۷﴾ اور کہتے ہیں کہ: ”یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟ (مسلمانو!) بتاؤ، اگر تم سچے ہو۔“ ﴿۴۸﴾ (در اصل) یہ لوگ بس ایک چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کی حجت بازی کے عین درمیان انہیں آپکڑے گی، ﴿۴۹﴾ پھر نہ یہ کوئی وصیت کر سکیں گے، اور نہ اپنے گھروالوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے۔ ﴿۵۰﴾ اور صور پھونکا جائے گا تو یکا یک یہ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے روانہ ہو جائیں گے۔ ﴿۵۱﴾ کہیں گے کہ: ”ہائے ہماری کم بختی! ہمیں کس نے ہمارے مرقد سے اٹھا کھڑا کیا ہے؟“ (جواب ملے گا کہ): ”یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمن نے وعدہ کیا تھا، اور پیغمبروں نے سچی بات کہی تھی۔“ ﴿۵۲﴾ اور کچھ نہیں، بس ایک زور کی آواز ہوگی، جس کے بعد یہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ ﴿۵۳﴾

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ أَصْحَابَ  
 الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهُِونَ ﴿٥٤﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرَائِكِ  
 مُتَّكِئُونَ ﴿٥٥﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ ﴿٥٦﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ  
 رَّحِيمٍ ﴿٥٧﴾ وَامْتَّازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٨﴾ أَلَمْ أَعْهِدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِي آدَمَ أَن لَّا  
 تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٥٩﴾ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۖ هَذَا صِرَاطٌ  
 مُسْتَقِيمٌ ﴿٦٠﴾ وَلَقَدْ أَصَلَّ مِنْكُمْ جِبَلًا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾ هَذِهِ  
 جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٢﴾ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٣﴾

چنانچہ اُس دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، اور تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، بلکہ انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿٥٣﴾ جنت والے لوگ اُس دن یقیناً اپنے مشغلے میں مگن ہوں گے، ﴿٥٤﴾ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں آرام دہ نشستوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔ ﴿٥٥﴾ وہاں اُن کے لئے میوے ہوں گے، اور انہیں ہر وہ چیز ملے گی جو وہ منگوائیں گے۔ ﴿٥٦﴾ رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔ ﴿٥٧﴾

(اور کافروں سے کہا جائے گا کہ:) ”اے مجرمو! آج تم (مومنوں سے) الگ ہو جاؤ۔“ ﴿٥٨﴾ اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، ﴿٥٩﴾ اور یہ کہ تم میری عبادت کرنا۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿٦٠﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے تم میں سے ایک بڑی خلقت کو گمراہ کر ڈالا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟ ﴿٦١﴾ یہ ہے وہ جہنم جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا! ﴿٦٢﴾ آج اس میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔“ ﴿٦٣﴾

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ اَفْوَاهِهِمْ وَتُغْلَقُ اَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٥﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلٰى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنْتَ يَبْصُرُونَ ﴿١٦﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿١٧﴾ وَمَنْ يَعْزِزْهُنَّ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ اَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿١٨﴾

آج کے دن ہم اُن کے منہ پر مہر لگا دیں گے، اور اُن کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے، اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کمائی کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۵﴾ اور اگر ہم چاہیں تو (یہیں دنیا میں) اُن کی آنکھیں ملیا میٹ کر دیں، پھر یہ راستے (کی تلاش) میں بھاگے پھریں، لیکن انہیں کہاں کچھ بھائی دے گا؟ ﴿۱۶﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اُن کی صورتیں اس طرح مسخ کر دیں کہ یہ نہ آگے بڑھ سکیں، اور نہ پیچھے لوٹ سکیں۔ ﴿۱۷﴾ اور ہم جس شخص کو لمبی عمر دیتے ہیں، اُسے تخلیقی اعتبار سے اُلٹ ہی دیتے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ کیا پھر بھی انہیں عقل نہیں آتی؟ ﴿۱۸﴾

(۱۹) جب کافر لوگ اس بات سے انکار کریں گے کہ انہوں نے شرک یا دوسرے جرائم کا ارتکاب کیا تھا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ اُن کے ہاتھوں اور پاؤں کو بولنے کی صلاحیت عطا فرما دے گا، اور وہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے فلاں فلاں جرائم کئے تھے۔ یہ تفصیل قرآن کریم نے سورہ نور (۲۴:۲۴) اور سورہ حم السجدة (۲۰:۴۱) میں بھی بیان فرمائی ہے۔

(۲۰) جب انسان بہت بوڑھا ہو جاتا ہے تو اُس کے قویٰ جواب دے جاتے ہیں، اُس کے دیکھنے، سننے، بولنے اور سمجھنے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے، یا کمزور پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ انسانوں کو پیش آنے والے ان تغیرات کو دیکھتے ہیں، اُس سے انہیں یہ سبق لینا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ انسانوں کے جسم میں یہ تغیرات پیدا کر سکتا ہے تو وہ اُن کی نافرمانیوں کی بنا پر ان کی مینائی بالکل ختم بھی کر سکتا ہے، اور ان کی صورتیں بھی بالکل مسخ کر سکتا ہے۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۖ لِّيُذَكِّرَ الَّذِينَ  
 كَانُوا حَيًّا وَيُحِقِّ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ  
 أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مِلْكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا  
 يَأْكُمُونَ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ  
 اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ۝

اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی ہے، اور نہ وہ ان کے شایان شان ہے۔ یہ تو بس  
 ایک نصیحت کی بات ہے، اور ایسا قرآن جو حقیقت کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، ﴿۶۹﴾ تاکہ ہر اُس  
 شخص کو خبردار کرے جو زندہ ہو، اور تاکہ کفر کرنے والوں پر حجت پوری ہو جائے۔ ﴿۷۰﴾  
 اور کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے اُن کے لئے  
 مویشی پیدا کئے، اور یہ اُن کے مالک بنے ہوئے ہیں؟ ﴿۷۱﴾ اور ہم نے ان مویشیوں کو اُن کے  
 قابو میں دے دیا ہے، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ان کی سواری بنے ہوئے ہیں، اور کچھ وہ ہیں  
 جنہیں یہ کھاتے ہیں۔ ﴿۷۲﴾ نیز ان کو ان مویشیوں سے اور بھی فوائد حاصل ہوتے ہیں، اور پینے  
 کی چیزیں ملتی ہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر نہیں بجالائیں گے؟ ﴿۷۳﴾ اور انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اس  
 اُمید پر دوسرے خدا بنائے ہیں کہ انہیں (ان سے) مدد ملے، ﴿۷۴﴾

(۲۱) بعض مشرکین کہا کرتے تھے کہ (معاذ اللہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں، اور قرآن کریم آپ کی  
 شاعری کی کتاب ہے۔ یہ آیت اس کی تردید کر رہی ہے۔

(۲۲) یعنی جس کا دل زندہ ہو، اور وہ حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہو۔ ایسے شخص کو زندہ فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ جو  
 شخص حق کا طلب گار نہ ہو، اور غفلت میں زندگی گزار رہا ہو، وہ زندہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔



لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحَضَّرُونَ ﴿۵۵﴾ فَلَا يَحْزَنُكَ تَوَلُّهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۵۶﴾ أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿۵۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ﴿۵۸﴾ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۵۹﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۶۱﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الشَّجَرَةَ الْأَخْضَرَ إِنَّا فَاذًا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ﴿۶۲﴾

(حالانکہ) ان میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ ان کی مدد کر سکیں، بلکہ وہ ان کے لئے ایک ایسا (مخالف) لشکر بنیں گے جسے (قیامت میں ان کے سامنے) حاضر کر لیا جائے گا۔ ﴿۵۵﴾ غرض (اے پیغمبر!) ان کی باتیں تمہیں رنجیدہ نہ کریں۔ یقیناً جانو ہمیں سب معلوم ہے کہ یہ کیا کچھ چھپاتے، اور کیا کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ ﴿۵۶﴾ اور کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا تھا؟ پھر اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا بن گیا۔ ﴿۵۷﴾ ہمارے بارے میں تو وہ باتیں بناتا ہے، اور خود اپنی پیدائش کو بھلا بیٹھا ہے۔ کہتا ہے کہ: ”ان ہڈیوں کو کون زندگی دے گا جبکہ وہ گل چکی ہوں گی؟“ ﴿۵۸﴾ کہہ دو کہ: ”ان کو وہی زندگی دے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ پیدا کرنے کا ہر کام جانتا ہے، ﴿۵۹﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سرسبز درخت سے آگ پیدا کر دی ہے، ﴿۶۰﴾ پھر تم ذرا سی دیر میں اُس سے سلگانے کا کام لے لیتے ہو۔“ ﴿۶۱﴾

(۲۳) یعنی جن من گھڑت خداؤں سے یہ مدد کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں، وہ ان کی مدد تو کیا کرتے؟ قیامت کے دن ان کا پورا لشکر ان کے خلاف گواہی دے گا، جیسا کہ قرآن کریم نے سورہ سبا (۴۰: ۲۴) اور سورہ قصص (۲۸: ۶۳) میں بتلایا ہے۔

(۲۴) عرب میں دو درخت ہوتے تھے، ایک مرغ اور دوسرا عفار۔ اہل عرب ان سے چمقاق کا کام لیتے تھے، اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ رگڑنے سے آگ پیدا ہو جاتی تھی۔ فرمایا یہ جارہا ہے کہ جس ذات نے ایک سرسبز درخت سے آگ پیدا کر دی ہے، اُس کے لئے دوسرے جمادات میں زندگی پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

بھلا جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کر سکے؟ — کیوں نہیں؟ جبکہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی پوری مہارت رکھتا ہے! ﴿۸۱﴾ اُس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ: ”ہو جا“ بس وہ ہو جاتی ہے۔ ﴿۸۲﴾ غرض پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے، اور اُسی کی طرف تم سب کو آخر کار لے جایا جائے گا۔ ﴿۸۳﴾

الحمد للہ! آج رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ کی اکیسویں شب میں (۳/ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو) تین بجے سورہ یس کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الصَّفَرِ

## تعارف

مکی سورتوں میں زیادہ تر اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات پر زور دیا گیا ہے، اس سورت کا مرکزی موضوع بھی یہی ہے، البتہ اس سورت میں خاص طور پر مشرکین عرب کے اس غلط عقیدے کی تردید کی گئی ہے جس کی رو سے وہ کہا کرتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورت کا آغاز فرشتوں کے اوصاف سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سورت میں آخرت میں پیش آنے والے حالات کی منظر کشی فرمائی گئی ہے۔ کفار کو کفر کے ہولناک انجام سے ڈرایا گیا ہے، اور انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کی تمام تر مخالفت کے باوجود اس دُنیا میں بھی اسلام ہی غالب آکر رہے گا۔ اسی مناسبت سے حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت الیاس اور حضرت یونس علیہم السلام کے واقعات مختصراً اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا، اور انہوں نے قربانی کے جس عظیم جذبے سے اُس کی تعمیل فرمائی، اُس کا واقعہ بڑے مؤثر اور مفصل انداز میں اسی سورت کے اندر بیان ہوا ہے۔ سورت کا نام اُس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

﴿آیاتھا ۱۸۲﴾ ۳۷ سُورَةُ الصُّفْتِ مَكِّيَّةٌ ۵۲ ﴿رکوعاھا ۵﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالصُّفْتُ صَفًّا ۱۱ فَالزُّجَرَاتِ زَجْرًا ۱۲ فَالتَّلِیَّتِ ذِكْرًا ۱۳ اِنَّ الْهَکْمَ لَوَاحِدٌ ۱۴  
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۱۵

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں  
شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم اُن کی جو پدے باندھ کر صف بناتے ہیں، ﴿۱﴾ پھر اُن کی جو روک ٹوک کرتے ہیں، ﴿۲﴾  
پھر اُن کی جو ذکر کی تلاوت کرتے ہیں، ﴿۳﴾ تمہارا معبود ایک ہی ہے، ﴿۴﴾ جو تمام آسمانوں اور  
زمین کا اور اُن کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے، اور اُن تمام مقامات کا مالک جہاں سے ستارے  
طلوع ہوتے ہیں۔ ﴿۵﴾

(۱) اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی بات کی تصدیق کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ  
نے مختلف چیزوں کی جو قسمیں کھائی ہیں، وہ اول تو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا ایک اسلوب ہے جس سے  
کلام میں زور اور تاثیر پیدا ہوتی ہے، دوسرے جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، اُن پر اگر غور کیا جائے تو وہ اُس  
دعوے کی دلیل ہوتی ہیں جو ان قسموں کے بعد مذکور ہوتا ہے۔ اور ہمارے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات  
وصفات کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائیں۔

(۲) اکثر مفسرین کے مطابق اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وقت یا اللہ تعالیٰ کا حکم سننے کے  
لئے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، لیکن الفاظ میں فرشتوں کا نام نہیں لیا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس  
سے یہ ہدایت دینی مقصود ہے کہ کسی اجتماعی کام کے وقت لوگوں کا ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہونا اللہ تعالیٰ کو  
پسند نہیں ہے، بلکہ ایسے موقع پر صف اور قطار بنا کر نظم و ضبط کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسی لئے نماز میں بھی  
صف بندی کی بڑی تاکید کی گئی ہے، اور جہاد کے وقت بھی صف بنانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۳) یعنی وہ فرشتے شیطانوں کو عالم بالا میں داخل ہونے اور شرارت کرنے سے روکتے ہیں۔

(۴) اس سے مراد قرآن کریم کی تلاوت بھی ہو سکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغولیت بھی۔ بہر حال! یہ

إِنَّا زَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ① وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ② لَا يَسْعَوْنَ إِلَى الْسَّلَا إِلَّا عَلَىٰ وَثِقَةٍ ③ وَيُقَدِّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ④ دُحُورًا ⑤ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ⑥ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ⑦ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ⑧ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ ⑨ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ⑩

بیشک ہم نے نزدیک والے آسمان کو ستاروں کی شکل میں ایک سجاوٹ عطا کی ہے، ﴿۶﴾ اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔ ﴿۷﴾ وہ اوپر کے جہان کی باتیں نہیں سن سکتے، اور ہر طرف سے اُن پر مار پڑتی ہے، ﴿۸﴾ انہیں دھکے دیئے جاتے ہیں، اور اُن کو (آخرت میں) دائمی عذاب ہوگا۔ ﴿۹﴾ البتہ جو کوئی کچھ اُچک لے جائے تو ایک روشن شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔ ﴿۱۰﴾ اب ذرا ان (کافروں) سے پوچھو کہ ان کی تخلیق زیادہ مشکل ہے یا ہماری پیدا کی ہوئی دوسری مخلوقات کی؟ ان کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے۔ ﴿۱۱﴾ (اے پیغمبر!) حقیقت تو یہ ہے کہ تم (ان کی باتوں پر) تعجب کرتے ہو، اور یہ ہنسی اُڑاتے ہیں، ﴿۱۲﴾

تینوں صفتیں فرشتوں کی ہیں، اور ان میں بندگی کی تمام صورتیں جمع ہیں، یعنی صف باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، طاغوتی طاقتوں پر روک ٹوک رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور ذکر میں مشغول رہنا۔ ان کی قسم کھا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور اُس کا نہ کوئی شریک ہے، اور نہ اُسے اولاد کی حاجت ہے۔ فرشتوں کے ان اوصاف کی قسم کھا کر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اگر فرشتوں کے ان حالات پر غور کرو تو وہ سب اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اُن کا رشتہ باپ بیٹی کا نہیں، بلکہ عابد اور معبود کا ہے۔ (۵) اس حقیقت کی پوری تفصیل سورۃ حجر (۱۵: ۱۷۱) کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (۶) یعنی آسمان، زمین اور چاند ستاروں کی تخلیق انسان کی تخلیق سے زیادہ مشکل ہے، جب اللہ تعالیٰ ان مشکل مخلوقات کو عدم سے وجود میں لے آئے، تو گارے سے بنے ہوئے انسان کو ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ پیدا کر دینا اُس کے لئے کیا مشکل ہے؟

وَإِذَا دُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿۱۳﴾ وَإِذَا أَرَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾ عَازِمِينَ وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّكَ لَتَبْعُوثُونَ ﴿۱۶﴾ أَوَابًا وَّنَا الْأَوَّلُونَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿۱۸﴾ فَإِن سَأَلْتَهُمْ وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوا يَوْمَئِذٍ هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۲۰﴾ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَدِّبُونَ ﴿۲۱﴾ أَحْسِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا أَوَّارًا وَاجْتَمَعُوا مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿۲۶﴾

اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت مانتے نہیں، ﴿۱۳﴾ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں، ﴿۱۴﴾ اور کہتے ہیں کہ: ”یہ ایک کھلے جادو کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، ﴿۱۵﴾ بھلا جب ہم مرکز مٹی اور ہڈیوں کی صورت اختیار کر لیں گے، تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ ﴿۱۶﴾ اور بھلا کیا ہمارے پچھلے باپ دادوں کو بھی؟“ ﴿۱۷﴾ کہہ دو کہ: ”ہاں! اور تم ذلیل بھی ہو گے۔“ ﴿۱۸﴾ بس وہ تو ایک ہی زوردار آواز ہوگی، جس کے بعد وہ اچانک (سارے ہولناک مناظر) دیکھنے لگیں گے، ﴿۱۹﴾ اور کہیں گے کہ: ”ہائے ہماری شامت! یہ تو حساب و کتاب کا دن ہے۔“ ﴿۲۰﴾ (جی ہاں!) یہی وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ﴿۲۱﴾ (فرشتوں سے کہا جائے گا کہ:) ”گھیر لاؤ ان سب کو جنہوں نے ظلم کیا تھا، اور ان کے ساتھیوں کو بھی، اور ان کو بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے، پھر انہیں دوزخ کا راستہ دکھاؤ، ﴿۲۲﴾ اور ذرا انہیں ٹھہراؤ، ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔“ ﴿۲۳﴾ ”کیوں جی؟ تمہیں کیا ہوا کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے؟“ ﴿۲۴﴾ اس کے بجائے یہ تو آج سر جھکائے کھڑے ہیں۔ ﴿۲۵﴾



وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا إِنَّكُم كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا أُمُومِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَٰغِينَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّكَ لَآ يَقُونَ ﴿٣١﴾ فَأَعُوْذُ بِكُمْ إِنَّا كَنَّاغِيُونَ ﴿٣٢﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا كَذَبُكَ نَفْعُلُ بِالْجُرْمِينَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾ وَ يَقُولُونَ أَإِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾

اور وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں سوال جواب کریں گے۔ ﴿۲۷﴾ (ماتحت لوگ اپنے بڑوں سے) کہیں گے کہ: ”تم تھے جو ہم پر بڑے زوروں سے چڑھ چڑھ کر آتے تھے“ ﴿۲۸﴾ (۷) وہ کہیں گے کہ: ”نہیں، بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہیں تھے۔“ ﴿۲۹﴾ اور تم پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا، اصل بات یہ ہے کہ تم خود سرکش لوگ تھے۔ ﴿۳۰﴾ اب تو ہمارے پروردگار کی یہ بات ہم پر ثابت ہو گئی ہے کہ ہم سب کو یہ مزہ چکھنا ہے، ﴿۳۱﴾ کیونکہ ہم نے تمہیں بہکایا۔ (۸) ہم خود بہکے ہوئے تھے۔“ ﴿۳۲﴾ غرض اُس دن یہ سب عذاب میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں گے۔ ﴿۳۳﴾ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ ﴿۳۴﴾ ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے یہ کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو یہ اُکڑ دکھاتے تھے۔ ﴿۳۵﴾ اور کہا کرتے تھے کہ: ”یا ہم ایسے ہیں کہ ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں؟“ ﴿۳۶﴾

(۷) یعنی ہم پر زور ڈالتے تھے کہ ہم ایمان نہ لائیں۔

(۸) مطلب یہ ہے کہ ہم چونکہ خود بہکے ہوئے تھے، اس لئے ہم نے تمہیں بہکایا ضرور، لیکن ہمارے بہکانے سے تم کفر پر مجبور نہیں ہو گئے تھے، اگر تم ہمارے بہکائے میں نہ آتے تو ہمارا تم پر کوئی زور نہ چلتا۔

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٢﴾ إِنَّكُمْ لَذَاقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمَ ﴿٣٣﴾ وَ  
 مَا تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٤﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٣٥﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ  
 رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٣٦﴾ فَوَاكِهُ ؕ وَهُمْ مُّكْرَمُونَ ﴿٣٧﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٣٨﴾ عَلَى سُرُرٍ  
 مُّتَقَابِلِينَ ﴿٣٩﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَا۟سٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿٤٠﴾ بَيَّضَاءَ لَّدُنَّ لِلشَّرِبِ بَيْنَ ﴿٤١﴾ لَا  
 فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿٤٢﴾ وَعِنْدَهُمْ قُصِرَاتُ الطَّرَفِ عِينٌ ﴿٤٣﴾  
 كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٤٤﴾

حالانکہ وہ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) حق لے کر آئے تھے، اور انہوں نے دوسرے پیغمبروں کی تصدیق  
 کی تھی! ﴿۳۷﴾ چنانچہ (اُن سے کہا جائے گا کہ: ”تم سب کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا  
 ہوگا، ﴿۳۸﴾ اور تمہیں کسی اور بات کا نہیں، خود تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔“ ﴿۳۹﴾ البتہ  
 جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، ﴿۴۰﴾ اُن کے لئے طے شدہ رزق ہے، ﴿۴۱﴾ میوے ہیں، اور  
 نعمت بھرے باغات میں اُن کی پوری پوری عزت ہوگی، ﴿۴۲﴾ وہ اونچی نشستوں پر آسنے  
 سامنے بیٹھے ہوں گے، ﴿۴۳﴾ ایسی لطیف شراب کے جام اُن کے لئے گردش میں آئیں  
 گے، ﴿۴۴﴾ جو سفید رنگ کی ہوگی، پینے والوں کے لئے سراپا لذت! ﴿۴۵﴾ نہ اُس سے سر میں  
 خمار ہوگا، اور نہ اُن کی عقل بہکے گی۔ ﴿۴۶﴾ اور اُن کے پاس وہ بڑی بڑی آنکھوں والی خواتین  
 ہوں گی جن کی نگاہیں (اپنے شوہروں پر) مرکوز ہوں گی، ﴿۴۷﴾ (اُن کا بے داغ وجود) ایسا لگے  
 گا جیسے وہ (گردوغبار سے) چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہوں۔ ﴿۴۸﴾

(۹) یہ حوریں ہوں گی جو اپنے شوہروں کے سوا کسی اور کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گی۔ اور اس آیت کا ایک  
 مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی نگاہوں میں اتنی حسین ہوں گی کہ وہ اُن کو دوسری  
 عورتوں کی طرف مائل نہیں ہونے دیں گی۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾  
يَقُولُ أَتَيْتُكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّنَا  
لَمَعِيدُونَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُّطْلِعُونَ ﴿٥٤﴾ فَأَطَاعُوا فِي سِوَا الْعَجِيمِ ﴿٥٥﴾  
قَالَ تَاللَّهِ إِنْ كِدْتُ لَأُتْرِدِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٥٧﴾ أَفَمَا  
نَحْنُ بِبَيِّنِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَى وَمَا نَحْنُ بِعُتَدِّ بَيْنَ ﴿٥٩﴾ إِنَّ هَذَا هُوَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ ﴿٦٠﴾ لَيْسَ هَذَا فَلَيعْمَلِ الْعَمَلُونَ ﴿٦١﴾ أَذَلِكَ خَيْرٌ تُزَلُّوا عَنْ شَجَرَةِ الرَّقْمِ ﴿٦٢﴾

پھر جنتی لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں سوالات کریں گے۔ ﴿۵۰﴾ اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا، ﴿۵۱﴾ جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ: ”کیا تم واقعی اُن لوگوں میں سے ہو جو (آخرت کی زندگی کو) سچ مانتے ہیں؟“ ﴿۵۲﴾ کیا جب ہم مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہمیں (اپنے کاموں کا) بدلہ دیا جائے گا؟“ ﴿۵۳﴾ وہ جنتی (دوسرے جنتیوں سے) کہے گا کہ: ”کیا تم (میرے اُس ساتھی) کو جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟“ ﴿۵۴﴾ پھر وہ خود (دوزخ میں) جھانک کر دیکھے گا تو وہ اُسے دوزخ کے بیچوں بیچ نظر آجائے گا۔ ﴿۵۵﴾ وہ جنتی (اُس سے) کہے گا کہ: ”اللہ کی قسم! تم تو مجھے بالکل ہی برباد کرنے لگے تھے، ﴿۵۶﴾ اور اگر میرے پروردگار کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو اور لوگوں کے ساتھ مجھے بھی دھریا جاتا۔“ ﴿۵۷﴾ (پھر وہ خوشی کے عالم میں اپنے جنتی ساتھیوں سے کہے گا: ”اچھا تو کیا اب ہمیں موت نہیں آئے گی؟“ ﴿۵۸﴾ سوائے اُس موت کے جو ہمیں پہلے آچکی؟ اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہوگا؟“ ﴿۵۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ زبردست کامیابی یہی ہے، ﴿۶۰﴾ اسی جیسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ ﴿۶۱﴾ بھلا یہ مہمانی اچھی ہے، یا زقوم کا درخت؟“ ﴿۶۲﴾

إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ﴿٦٣﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا  
كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿٦٥﴾ فَإِنَّهُمْ لَا كُفُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ  
إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَيْثُ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا  
آبَاءَهُمْ صَالِينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَرِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾

ہم نے اُس درخت کو ان ظالموں کے لئے ایک آزمائش بنا دیا ہے۔ ﴿۶۳﴾ دراصل وہ درخت ہی  
ایسا ہے جو دوزخ کی تہہ سے نکلتا ہے، ﴿۶۴﴾ اُس کا خوشہ ایسا ہے جیسے شیطانوں کے سر، ﴿۶۵﴾  
چنانچہ دوزخی لوگ اُسی میں سے خوراک حاصل کریں گے، اور اُسی سے پیٹ بھریں گے۔ ﴿۶۶﴾  
پھر انہیں اُس کے اوپر سے کھولتے ہوئے پانی کا آمیزہ ملے گا، ﴿۶۷﴾ پھر وہ لوٹیں گے تو اُسی  
دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔ ﴿۶۸﴾ انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہی کی حالت میں پایا  
تھا، ﴿۶۹﴾ چنانچہ یہ انہی کے نقش قدم پر لپک لپک کر دوڑتے رہے۔ ﴿۷۰﴾

(۱۰) جب قرآن کریم نے یہ بتایا کہ دوزخ میں زقوم کا درخت ہوگا جو دوزخیوں کی خوراک بنے گا، تو  
کافروں نے مذاق اڑایا کہ بھلا آگ میں کوئی درخت کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ زقوم کا ذکر  
کر کے ان کافروں کو ایک اور آزمائش میں ڈالا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں، یا اُس کا  
انکار کرتے ہیں۔

(۱۱) اس کا ایک ترجمہ سانپوں کے سر سے بھی کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اُردو میں  
جس درخت کو ناگ پھنی کا درخت کہا جاتا ہے، وہی زقوم ہے۔

(۱۲) یعنی کھولتے ہوئے پانی میں زقوم کا بد مزہ ذائقہ اور پیپ وغیرہ ملی ہوگی۔

(۱۳) یعنی یہ عذاب بھگتنے کے بعد بھی وہ دوزخ سے نہیں نکلیں گے، بلکہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

(۱۴) لپکنے کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنی مرضی اور اشتیاق سے وہی راستہ اختیار کیا، اور نہ  
خود اپنی عقل سے سوچا اور نہ پیغمبروں کی بات مانی۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝۱۱ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ۝۱۲ فَانْظُرْ ۝۱۳ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذِرِينَ ۝۱۴ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝۱۵ وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ۝۱۶ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝۱۷ وَجَعَلْنَا دُرِّيَّتَهُ هُمْ الْبَاقِينَ ۝۱۸ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝۱۹ سَلَامٌ عَلَى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۝۲۰ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝۲۱ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝۲۲ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ۝۲۳ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝۲۴ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝۲۵

اور ان سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں، اُن میں سے اکثر لوگ بھی گمراہ ہوئے، ﴿۷۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان خبردار کرنے والے (پیغمبر) بھیجے تھے، ﴿۷۲﴾ اب دیکھ لو کہ جن کو خبردار کیا گیا تھا، اُن کا انجام کیا ہوا؟ ﴿۷۳﴾ البتہ جو اللہ کے برگزیدہ بندے تھے، (وہ محفوظ رہے) ﴿۷۴﴾

اور نوح نے ہمیں پکارا تھا، تو (دیکھ لو کہ) ہم پکار کا کتنا اچھا جواب دینے والے ہیں! ﴿۷۵﴾ اور ہم نے اُنہیں اور اُن کے گھر والوں کو بڑے کرب سے نجات دی، ﴿۷۶﴾ اور ہم نے اُن کی نسل ہی کو باقی رکھا، ﴿۷۷﴾ اور جو لوگ اُن کے بعد آئے، اُن میں یہ روایت قائم کی ﴿۷۸﴾ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ: ”سلام ہو نوح پر دُنیا جہان کے لوگوں میں!“) ﴿۷۹﴾ ہم نیک عمل کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں ﴿۸۰﴾ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ ﴿۸۱﴾ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو پانی میں غرق کر دیا۔ ﴿۸۲﴾ اور اُنہی کے طریقے پر چلنے والوں میں یقیناً ابراہیم بھی تھے، ﴿۸۳﴾ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس صاف ستھرا دل لے کر آئے، ﴿۸۴﴾

اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَفِيكَمُ إِلَهَةٌ دُونَ اللَّهِ تَتَرِيدُونَ ﴿٨٦﴾  
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ فَتَنَزَّرْنَا فِي السَّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾  
فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلَى إِلَهِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا  
تَتَنَقَّلُونَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ ﴿٩٤﴾ قَالَ  
أَتَعْبُدُونَ مَا تَشْجُونَ ﴿٩٥﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا  
فَلْتَقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾

جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ: ”تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟“ ﴿۸۵﴾ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے خدا چاہتے ہو؟ ﴿۸۶﴾ تو پھر جو ذات سارے جہانوں کو پالنے والی ہے، اُس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ ﴿۸۷﴾ اس کے (کچھ عرصے) بعد انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نگاہ ڈال کر دیکھا، ﴿۸۸﴾ اور کہا کہ: ”میری طبیعت خراب ہے۔“ ﴿۸۹﴾ چنانچہ وہ لوگ پیٹھ موڑ کر اُن کے پاس سے چلے گئے۔ ﴿۹۰﴾ اس کے بعد یہ اُن کے بنائے ہوئے معبودوں (یعنی بتوں) میں جا گھسے، (اور اُن سے) کہا: ”کیا تم کھاتے نہیں ہو؟“ ﴿۹۱﴾ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے نہیں؟“ ﴿۹۲﴾ پھر وہ پوری قوت سے مارتے ہوئے اُن (بتوں) پر پل پڑے، ﴿۹۳﴾ اس پر اُن کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے، ﴿۹۴﴾ ابراہیم نے کہا: ”کیا تم ان (بتوں) کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو؟“ ﴿۹۵﴾ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور جو کچھ تم بناتے ہو، اُس کو بھی۔“ ﴿۹۶﴾ اُن لوگوں نے کہا: ”ابراہیم کے لئے ایک عمارت بناؤ، اور اُسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دو۔“ ﴿۹۷﴾

(۱۶) اُن کی قوم کے لوگ انہیں اپنے ایک میلے میں لے جانا چاہتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک تو میلے میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے، دوسرے اُن کے دل میں یہ ارادہ تھا کہ جب یہ سارے لوگ میلے میں چلے



فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهِ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْتُهُ أَنْ يَأْبُرْهُيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ  
الرُّعْيَا ۝ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَذَا هُوَ الْبَكْوُ الْمُبِينُ ۝ وَ  
قَدْ يَنْتُهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرْكُنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ۝  
كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ  
نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَبَرَكَتْنَا عَلَيْهِ وَعَلَى إِسْحَاقَ ۝ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَ  
ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝

۳

چنانچہ (وہ عجیب منظر تھا) جب دونوں نے سر جھکا دیا، اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل  
گرایا، ﴿۱۰۳﴾ اور ہم نے انہیں آواز دی کہ: ”اے ابراہیم! ﴿۱۰۴﴾ تم نے خواب کو سچ کر  
دکھایا۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔“ ﴿۱۰۵﴾ یقیناً یہ ایک کھلا ہوا امتحان  
تھا، ﴿۱۰۶﴾ اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اُس بچے کو بچا لیا۔ ﴿۱۰۷﴾ اور جو لوگ اُن  
کے بعد آئے، اُن میں یہ روایت قائم کی ﴿۱۰۸﴾ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ: ”سلام ہو ابراہیم  
پر!“ ﴿۱۰۹﴾ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ یقیناً وہ ہمارے مومن  
بندوں میں سے تھے۔ ﴿۱۱۱﴾ اور ہم نے انہیں اسحاق کی خوشخبری دی، کہ وہ صالحین میں سے ایک  
نبی ہوں گے، ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے اُن پر بھی برکتیں نازل کیں، اور اسحاق پر بھی، اور اُن کی اولاد میں  
سے کچھ لوگ نیک عمل کرنے والے ہیں، اور کچھ اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والے۔ ﴿۱۱۳﴾

(۲۱) باپ بیٹے دونوں نے تو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں یہی ٹھان لی تھی کہ باپ بیٹے کو ذبح  
کرے گا، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹایا، تاکہ چھری پھیرتے وقت اُن کی  
صورت دیکھ کر ارادے میں کوئی تزلزل نہ آجائے۔

(۲۲) چونکہ باپ بیٹے دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے اختیار کا ہر کام کر چکے تھے، اس لئے امتحان پورا



وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۖ<sup>(۱۱۵)</sup>  
وَلَصَرَّاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۖ<sup>(۱۱۶)</sup> وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَشِينَ ۖ<sup>(۱۱۷)</sup> وَهَدَيْنَاهُمَا  
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۖ<sup>(۱۱۸)</sup> وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۖ<sup>(۱۱۹)</sup> سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ  
وَهَارُونَ ۖ<sup>(۱۲۰)</sup> إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ<sup>(۱۲۱)</sup> إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ<sup>(۱۲۲)</sup>  
وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ<sup>(۱۲۳)</sup> إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ<sup>(۱۲۴)</sup>

اور بیشک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا۔ ﴿۱۱۵﴾ اور ہم نے انہیں اور ان کی قوم کو ایک بڑے کرب سے نجات دی، ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے ان کی مدد کی جس کے نتیجے میں وہی غالب رہے، ﴿۱۱۷﴾ اور ہم نے ان دونوں کو ایسی کتاب عطا کی جو بالکل واضح تھی، ﴿۱۱۸﴾ اور ان دونوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دی، ﴿۱۱۹﴾ اور جو لوگ ان کے بعد آئے، ان میں یہ روایت قائم کی ﴿۱۱۹﴾ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ:)"سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر!" ﴿۱۲۰﴾ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ ﴿۱۲۱﴾ بیشک وہ دونوں ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ ﴿۱۲۲﴾ اور ایلاس بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے، ﴿۱۲۳﴾ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: "کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟" ﴿۱۲۴﴾

ہو گیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا کہ چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے ایک مینڈھے پر چلی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے وہاں بھیج دیا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام زندہ سلامت رہے۔ (۲۳) حضرت ایلاس علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم نے زیادہ تفصیلات بیان نہیں فرمائیں۔ تاریخی اور اسرائیلی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں کفر و شرک کی وبا پھوٹیں تو اُس وقت آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا، بائبل کی کتاب سلاطین میں ہے کہ بادشاہ انخی اب کی بیوی ازائیل نے بعل نام کے ایک بت کی پرستش شروع کی تھی، حضرت ایلاس علیہ السلام نے انہیں بت پرستی سے روکا، اور معجزے بھی دکھائے، لیکن نافرمان قوم نے ہدایت کی بات ماننے کے بجائے حضرت ایلاس علیہ السلام کو

اتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذْمُرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿۱۲۵﴾ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ  
الْأَوَّلِينَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۲۷﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۲۸﴾ وَ  
تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۲۹﴾ سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ﴿۱۳۰﴾ إِنَّا كَذَبُكَ نَجْزِي  
الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۱﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ وَإِنَّ لُوطًا لَيَنْتَبِذُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۳﴾  
إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۴﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَدِيرِينَ ﴿۱۳۵﴾

کیا تم بعل (نامی بت) کو پوجتے ہو، اور اُس کو چھوڑ دیتے ہو جو سب سے بہتر تخلیق کرنے والا  
ہے؟ ﴿۱۲۵﴾ اُس اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے، اور تمہارے باپ دادوں کا بھی جو پہلے گزر چکے  
ہیں؟ ﴿۱۲۶﴾ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے الیاس کو جھٹلایا، اس لئے وہ ضرور (عذاب میں) دھرائے  
جائیں گے۔ ﴿۱۲۷﴾ البتہ اللہ کے برگزیدہ بندے (محفوظ رہیں گے) ﴿۱۲۸﴾ اور جو لوگ اُن  
کے بعد آئے، اُن میں ہم نے یہ روایت قائم کی ﴿۱۲۹﴾ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ:) ”سلام ہو  
الیاسین پر!“ ﴿۱۳۰﴾ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ ﴿۱۳۱﴾ بیشک وہ  
ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ ﴿۱۳۲﴾ اور یقیناً لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ ﴿۱۳۳﴾  
جب ہم نے اُن کو اور اُن کے سارے گھر والوں کو (عذاب سے) نجات دی تھی، ﴿۱۳۴﴾ سوائے  
ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہی، ﴿۱۳۵﴾

قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے منصوبے کو ناکام بنا کر خود انہی پر بلائیں مسلط فرمائیں، اور  
حضرت الیاس علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا۔ اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں آسمان پر زندہ  
اٹھالیا گیا تھا، لیکن کسی مستند روایت سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی۔ مزید تفصیل کے لئے اس آیت کی تشریح میں  
تفسیر ”معارف القرآن“ ملاحظہ فرمائیے۔

(۲۴) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو آخر وقت تک کافروں کا ساتھ دیتی رہی، اور انہی کے  
ساتھ عذاب میں ہلاک ہوئی۔ حضرت لوط علیہ السلام کا مفصل واقعہ سورہ ہود (۱۱: ۷۷) میں گزر چکا ہے۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ۝ وَإِلَّكُمْ لَتَسْرُودُنَّ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِينَ ۝ وَالْبَلِيلُ ۝ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۝

پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو ملیا میٹ کر دیا، ﴿۱۳۶﴾ اور (اے مکہ والو!) تم اُن (کی بستیوں) پر سے گذرا کرتے ہو، (کبھی) صبح ہوتے، ﴿۱۳۷﴾ اور (کبھی) رات کے وقت۔ کیا پھر بھی تمہیں عقل نہیں آتی؟ ﴿۱۳۸﴾

اور یقیناً یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے، ﴿۱۳۹﴾ جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے، ﴿۱۴۰﴾ پھر وہ قمر اندازی میں شریک ہوئے، اور قمرے میں مغلوب ہوئے ﴿۱۴۱﴾ پھر مچھلی نے اُنہیں نگل لیا، جبکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ ﴿۱۴۲﴾

(۲۵) اہل عرب اپنی تجارت کے لئے جب شام کا سفر کرتے تو ان اُجڑی ہوئی بستیوں پر سے گذرا کرتے تھے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تھا۔

(۲۶) حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ اختصار کے ساتھ سورہ یونس (۹۸:۱۰) میں بھی گزر چکا ہے، اور سورہ انبیاء (۸۷:۲۱) میں بھی۔ وہ عراق کے شہر نینوا میں بھیجے گئے تھے، اور انہوں نے ایک عرصے تک اپنی قوم کو ایمان لانے کی دعوت دی، اور جب وہ نہ مانی تو انہیں متنبہ کر دیا کہ اب تم پر تین دن کے اندر اندر عذاب آکر رہے گا، قوم کے لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام چونکہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، اس لئے اگر وہ بستی سے چلے جاتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بستی چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ ادھر بستی کے لوگوں نے جب دیکھا کہ آپ بستی میں نہیں ہیں، اور کچھ عذاب کے آثار بھی محسوس کئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ توبہ کی، جس کے نتیجے میں اُن سے عذاب ہٹ گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اُن کی توبہ کا حال معلوم نہیں تھا، اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ تین دن گذر گئے اور عذاب نہیں آیا تو انہیں ڈر ہوا کہ اگر میں بستی میں واپس جاؤں گا تو بستی والے مجھے جھوٹا بنائیں گے، اور اندیشہ یہ بھی تھا کہ جھوٹا سمجھ کر قتل نہ کر دیں، اس لئے اس خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حکم

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۱۳۳﴾ لَكُنْتُمْ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۳۴﴾ فَبَدَّلْنَاهُ بِأَعْرَآءٍ وَهُوَ سَوِيٌّ ﴿۱۳۵﴾ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِطِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿۱۳۷﴾

چنانچہ اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے، ﴿۱۳۳﴾ تو وہ اُس دن تک اُسی مچھلی کے پیٹ میں رہتے جس دن مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔ ﴿۱۳۴﴾ پھر ہم نے انہیں ایسی حالت میں ایک کھلے میدان میں لا کر ڈال دیا کہ وہ بیمار تھے، ﴿۱۳۵﴾ اور اُن کے اوپر ایک نیل دار درخت اُگادیا، ﴿۱۳۶﴾ اور ہم نے انہیں ایک لاکھ، بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، ﴿۱۳۷﴾

آنے سے پہلے ہی وہ اپنی بستی میں جانے کے بجائے سمندر کی طرف نکل کھڑے ہوئے، اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے جو آدمیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ بات پسند نہیں آئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے ہی بستی کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ بڑے لوگوں کی معمولی چوک پر بھی گرفت ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کشتی وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے ڈوبنے کے قریب آ گئی، اور قرعہ اندازی کی گئی کہ کس شخص کو کشتی سے باہر پانی میں اتارا جائے، کئی مرتبہ قرعہ ڈالا گیا، اور ہر بار قرعے میں انہی کا نام نکلا۔ چنانچہ انہیں پانی میں پھینک دیا گیا جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بڑی مچھلی آپ کی منتظر تھی، اُس نے آپ کو نگل لیا، اور آپ کچھ عرصے مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تین دن اُس میں گزارے، اور بعض میں ہے کہ چند گھنٹے مچھلی کے پیٹ میں رہے، جیسا کہ سورۃ انبیاء میں گذرا ہے، وہاں آپ یہ تسبیح پڑھتے رہے کہ: ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“۔

(۲۷) تسبیح پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ایک کھلے میدان کے کنارے لا کر ڈال دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اُس وقت حضرت یونس علیہ السلام بہت کمزور ہو چکے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ اُن کے جسم پر بال نہیں رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اوپر ایک درخت اُگایا، بعض روایات میں ہے کہ وہ کدو کا درخت تھا۔ اس سے انہیں سایہ بھی حاصل ہوا، اور شاید اُس کے پھل کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے علاج بھی بنادیا ہو۔ نیز ایک بکری وہاں بھیج دی گئی جس کا آپ دودھ پیتے رہے، یہاں تک کہ تندرست ہو گئے۔

فَامِنُوا فَبَشِّرْنَهُم إِلَىٰ حِينٍ ۖ فَاسْتَفْتِهِمَ أَلَرَبُّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ۖ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ أَفْكِهَمُ يَقُولُونَ ۚ  
وَلَدَ اللَّهُ ۚ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۚ أَصْطَفَىٰ الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ۚ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۚ

پھر وہ ایمان لے آئے تھے، اس لئے ہم نے انہیں ایک زمانے تک زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ ﴿۱۳۸﴾

اب ان (مکہ کے مشرکوں) سے پوچھو کہ: ”کیا (اے پیغمبر!) تمہارے رب کے حصے میں تو بیٹیاں آئی ہیں، اور خود ان کے حصے میں بیٹے؟“ ﴿۱۳۹﴾ یا پھر جب ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا تھا تو کیا یہ دیکھ رہے تھے؟ ﴿۱۵۰﴾ یاد رکھو! یہ اپنی من گھڑت بات کی وجہ سے کہتے ہیں ﴿۱۵۱﴾ کہ اللہ کے کوئی اولاد ہے، اور یہ لوگ یقینی طور پر جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۵۲﴾ کیا اللہ نے بیٹوں کے بجائے بیٹیاں پسند کی ہیں؟ ﴿۱۵۳﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسا انصاف کرتے ہو؟ ﴿۱۵۴﴾ بھلا کیا تم اتنا بھی دھیان نہیں دیتے؟ ﴿۱۵۵﴾

(۲۸) جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اور سورہ یونس (۹۸:۱۰) میں بھی گزر چکا ہے، حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب کے آثار دیکھ کر عذاب آنے سے پہلے ہی ایمان لے آئی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن سے عذاب کو ہٹا دیا تھا، اور وہ ایمان لا کر ایک عرصے تک زندہ رہے۔

(۲۹) جیسا کہ سورت کے شروع میں عرض کیا گیا، مکہ مکرمہ کے بت پرست، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہاں سے اُن کے اس بے ہودہ عقیدے کی تردید ہو رہی ہے۔ یہ بت پرست اپنے لئے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ ان میں سے کچھ لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اوّل تو یہ فرما رہے ہیں کہ یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ تم اپنے لئے تو بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیوں کا عقیدہ رکھتے ہو۔ پھر آگے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی اولاد کی ضرورت نہیں ہے، نہ بیٹوں کی نہ بیٹیوں کی۔

أَمْرُكُمْ سُلْطَنٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاتَّوَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ  
وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا  
يَصِفُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۶۰﴾ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۶۱﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ  
بِفِتْنَيْنٍ ﴿۱۶۲﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ﴿۱۶۴﴾ وَإِنَّا  
لَنَحْنُ الصَّافُونَ ﴿۱۶۵﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿۱۶۶﴾ وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُنَّ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ أَنَّ  
عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۶۸﴾

یا اگر تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے، ﴿۱۵۶﴾ تو لاؤ اپنی وہ کتاب اگر تم سچے ہو۔ ﴿۱۵۷﴾ اور  
انہوں نے اللہ اور جنات کے درمیان بھی نسبی رشتہ داری بنا رکھی ہے، حالانکہ خود جنات کو یہ بات  
معلوم ہے کہ یہ لوگ مجرم بن کر پیش ہوں گے، ﴿۱۵۸﴾ (کیونکہ) جو باتیں یہ بناتے ہیں، اللہ  
اُن سب سے پاک ہے، ﴿۱۵۹﴾ البتہ اللہ کے برگزیدہ بندے (محفوظ رہیں گے) ﴿۱۶۰﴾  
کیونکہ تم اور جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، ﴿۱۶۱﴾ وہ کسی کو اللہ کے بارے میں گمراہ نہیں  
کر سکتے، ﴿۱۶۲﴾ سوائے ایسے شخص کے جو دوزخ میں جلنے والا ہو۔ ﴿۱۶۳﴾ اور (فرشتے تو یہ  
کہتے ہیں کہ:) ”ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین مقام ہے، ﴿۱۶۴﴾ اور ہم تو (اللہ تعالیٰ کی  
اطاعت میں) صف باندھے رہتے ہیں، ﴿۱۶۵﴾ اور ہم تو اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے  
ہیں۔“ ﴿۱۶۶﴾ اور یہ (کافر) لوگ پہلے تو یہ کہا کرتے تھے ﴿۱۶۷﴾ کہ: ”اگر ہمارے پاس پچھلے  
لوگوں کی طرح کوئی نصیحت کی کتاب ہوتی، ﴿۱۶۸﴾

(۳۰) یہ ان مشرکین کے ایک اور بے ہودہ عقیدے کی تردید ہے۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جنات کے سرداروں کی  
بیٹیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، گویا العیاذ باللہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیویاں ہیں۔  
(۳۱) یعنی خود فرشتے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں کہتے، بلکہ اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔

لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١١٩﴾ فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿١٢٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ  
 كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ﴿١٢٢﴾ وَإِنَّ جُحْدَنَا لَهُمُ  
 الْغَالِبُونَ ﴿١٢٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّى حِينٍ ﴿١٢٤﴾ وَأَبْصَرَهُمْ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ﴿١٢٥﴾  
 أَفَعَدَّ إِنَّا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٢٦﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٢٧﴾ وَ  
 تَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّى حِينٍ ﴿١٢٨﴾ وَأَبْصَرَهُمْ فَسَوْفَ يُبْصَرُونَ ﴿١٢٩﴾

تو ہم بھی ضرور اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہوتے۔ ﴿۱۶۹﴾ پھر بھی انہوں نے کفر کی روش اپنائی ہے۔ اس لئے انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۱۷۰﴾ اور ہم پہلے ہی اپنے پیغمبر بندوں کے بارے میں یہ بات طے کر چکے ہیں ﴿۱۷۱﴾ کہ یقینی طور پر اُن کی مدد کی جائے گی، ﴿۱۷۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لوگ ہی غالب رہتے ہیں۔ ﴿۱۷۳﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم کچھ وقت تک ان لوگوں سے بے پروا ہو جاؤ، ﴿۱۷۴﴾ اور انہیں دیکھتے رہو، عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ ﴿۱۷۵﴾ بھلا کیا یہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی چاہ رہے ہیں؟ ﴿۱۷۶﴾ سو جب وہ ان کے صحن میں آؤں گے گا تو جن لوگوں کو خبردار کیا جا چکا تھا، اُن کی وہ صبح بہت بُری صبح ہوگی۔ ﴿۱۷۷﴾ اور تم کچھ وقت تک ان لوگوں سے بے پروا ہو جاؤ، ﴿۱۷۸﴾ اور دیکھتے رہو، عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ ﴿۱۷۹﴾

(۳۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہ بت پرست، یہودیوں اور عیسائیوں سے یہ کہتے تھے کہ اگر ہم پر کوئی آسمانی کتاب اتری تو ہم تم سے زیادہ اُس کو مان کر اُس پر عمل کریں گے۔ یہی مضمون سورہ فاطر (۳۵:۳۲) میں بھی گزرا ہے۔

(۳۳) کفار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا کرتے تھے کہ آپ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہیں، وہ ابھی جلدی کیوں نہیں آ جاتا؟

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ  
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۸۲﴾

۵  
ع ۳۷  
۹

تمہارا پروردگار، عزت کا مالک، اُن سب باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں! ﴿۱۸۰﴾ اور  
سلام ہو پیغمبروں پر ﴿۱۸۱﴾ اور تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار  
ہے۔ ﴿۱۸۲﴾

الحمد للہ! آج ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ کی شب میں سحری کے وقت سورہ صافات  
کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبول  
عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔  
آمین ثم آمین۔





# سُورَةُ ص

## تعارف

اس سورت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے جو معتبر روایتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے، لیکن اپنی رشتہ داری کا حق نبھانے کے لئے آپ کی مدد بہت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قریش کے دوسرے سردار ابوطالب کے پاس وفد کی شکل میں آئے، اور کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں تو ہم انہیں ان کے اپنے دین پر عمل کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے کہ ان میں کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں ہے، اور ان کو خدا ماننا گمراہی ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس میں بلا کر آپ کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو آپ نے ابوطالب سے فرمایا کہ: ”چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟“ ابوطالب نے پوچھا: ”وہ کیا چیز ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلانا چاہتا ہوں جس کے ذریعے سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہو جائے، اور یہ پورے عجم کے مالک ہو جائیں۔“ اس کے بعد آپ نے کلمہ ”توحید“ پڑھا۔ یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے کہ: ”کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک کو اختیار کر لیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“ اس موقع پر سورہ ص کی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے علاوہ اس سورت میں مختلف پیغمبروں کا بھی تذکرہ ہے جن میں حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

ایاتھا ۸۸ سُورۃ ص مکیۃ ۲۸ رکوعاھا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ص وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا فِی عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝۲ کَمْ أَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَّا دُواوَالَات حِیْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجَبُوا اَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ ۚ وَ قَالَ الْکَافِرُونَ هَذَا سِحْرٌ کَذَّابٌ ۝۴ اَجْعَلِ الْاِلٰهَةَ الْهَآ وَاَحَدًا ۝۵ اِنَّ هَذَا الشَّیْءُ عَجَابٌ ۝۶

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ص، (۱) قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی، ﴿۱﴾ کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے اپنایا ہے کہ وہ بڑائی کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔ ﴿۲﴾ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کیا، تو انہوں نے اُس وقت آوازیں دیں جب چھٹکارے کا وقت رہا ہی نہیں تھا۔ ﴿۳﴾ اور ان (قریش کے) لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ ایک خبردار کرنے والا انہی میں سے آگیا۔ اور ان کافروں نے یہ کہہ دیا کہ: ”وہ جھوٹا جادوگر ہے۔“ ﴿۴﴾ کیا اُس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“ ﴿۵﴾

(۱) یہ انہی حروف مقطعات میں سے ہے جن کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دیکھئے سورۃ بقرہ کی پہلی آیت پر ہمارا حاشیہ۔ اور قرآن کریم میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں، اُن کے بارے میں پچھلی سورت (سورۃ صافات) کا پہلا حاشیہ۔

(۲) یہ ترجمہ اس جملے کی اُس ترکیب پر مبنی ہے جو علامہ آلوسیؒ نے ”اظہر“ کہہ کر نقل کی ہے (روح المعانی ج: ۲۳ ص: ۲۱۷)۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَرِیدٌ ۝<sup>(۱)</sup>  
 مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْبَلَاءِ الْأُخْرَىٰ ۖ إِنَّ هَٰذَا إِلَّا خِلَاقٌ ۝<sup>(۲)</sup> ءَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ  
 مِنْ بَيْنِنَا ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ ۝<sup>(۳)</sup> أَمْ عِندَهُمْ  
 خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ ۚ الْوَهَّابِ ۝<sup>(۴)</sup> أَمْ لَهُمْ مُلْكُ السَّمَوٰتِ وَالْأَرْضِ وَ  
 مَا بَيْنَهُمَا ۚ فَلْيَبْتَغُوا فِي الْأَسْبَابِ ۝<sup>(۵)</sup>

اور ان میں کے سردار لوگ یہ کہہ کر چلتے بنے کہ: ”چلو، اور اپنے خداؤں (کی عبادت) پر ڈٹے رہو  
 یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور ہی ارادے ہیں۔“ ﴿۶﴾ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں  
 کبھی نہیں سنی۔ اور کچھ نہیں، یہ من گھڑت بات ہے۔ ﴿۷﴾ کیا یہ نصیحت کی بات ہم سب کو چھوڑ کر  
 اسی شخص پر نازل کی گئی ہے؟“ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری نصیحت کے بارے میں شک میں مبتلا  
 ہیں، بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ ﴿۸﴾ تمہارا رب جو بڑا داتا، بڑا صاحب  
 اقتدار ہے، کیا اُس کی رحمت کے سارے خزانے انہی کے پاس ہیں؟ ﴿۹﴾ یا پھر آسمانوں اور زمین  
 اور اُن کے درمیان ہر چیز کی بادشاہت ان کے قبضے میں ہے؟ پھر تو انہیں چاہئے کہ رسیاں تان کر  
 اوپر چڑھ جائیں۔ ﴿۱۰﴾

(۳) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کے ذریعے (معاذ اللہ) اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں۔  
 (۴) مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ لوگ اس طرح اعتراضات کر رہے ہیں جیسے  
 نبوت جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حصہ ہے، ان کے اپنے اختیار میں ہے کہ جسے یہ چاہیں اُسے نبی بنایا  
 جائے، اور جسے یہ ناپسند کریں، اُسے نبوت نہ دی جائے۔

(۵) یعنی اگر یہ اتنے وسیع اختیارات کے مالک ہیں تو ان میں رسیاں تان کر آسمان پر چڑھنے کی بھی طاقت ہونی  
 چاہئے، جو ظاہر ہے کہ انہیں حاصل نہیں ہے، اس لئے آسمان و زمین کی معلومات پر انہیں کیا اختیار ہوگا جس کی بنا  
 پر وہ یہ رائے دیں کہ فلاں کو نبی بنایا جائے اور فلاں کو نہ بنایا جائے۔

جُنْدًا مَاهُنَا لِكَ مَهْرُومٍ مِنَ الْأَحْزَابِ ۝ كَذَبْتُ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَ  
 فِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لَيْكَةِ ۝ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝  
 إِنَّ كُلًّا إِلَّا كَذَبَ الرَّسُلَ فَحَقَّ عِقَابُ ۝ وَمَا يَنْظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً ۝  
 مَّا لَهُمِنْ فَوَاقٍ ۝ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْعَانًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اصْبِرْ  
 عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَادْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۝ إِنَّكَ أَوَّابٌ ۝

(ان کی حقیقت تو یہ ہے کہ) یہ مخالف گروہوں کا ایک لشکر سا ہے جو یہیں پر شکست کھا جائے گا۔ ﴿۱۱﴾  
 ان سے پہلے نوح کی قوم، قوم عاد اور میمونوں والے فرعون نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، ﴿۱۲﴾ اور قوم  
 ثمود، اور لوط کی قوم اور ایکہ والوں نے بھی۔ وہ تھے مخالف گروہ کے لوگ! ﴿۱۳﴾ ان میں سے کوئی  
 ایسا نہیں تھا جس نے پیغمبروں کو نہ جھٹلایا ہو، اس لئے میرا عذاب بجا طور پر نازل ہو کر رہا ﴿۱۴﴾ اور  
 (مکہ کے) یہ لوگ (بھی) بس ایک ایسی چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس میں کوئی وقفہ نہیں  
 ہوگا۔ ﴿۱۵﴾ اور کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی  
 جلدی دیدے!“ ﴿۱۶﴾ (اے پیغمبر!) یہ جو کچھ کہتے ہیں، اس پر صبر کرو، اور ہمارے بندے داود  
 (علیہ السلام) کو یاد کرو جو بڑے طاقتور تھے۔ وہ بیشک اللہ سے بہت لولگائے ہوئے تھے۔ ﴿۱۷﴾

(۶) مقصد یہ ہے کہ جو بڑی بڑی قومیں پہلے گزری ہیں، اُن کے مقابلے میں یہ لوگ ایک چھوٹا سا لشکر ہیں جو خود  
 اپنے وطن میں شکست کھا جائے گا۔ یہ فتح مکہ کی پیشین گوئی ہے، اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ یہ سارے بڑے بول  
 بولنے والے فتح مکہ کے موقع پر ایسی شکست کھا گئے کہ مکہ مکرمہ پر ان کا کوئی اقتدار باقی نہیں رہا۔  
 (۷) اس سے مراد صور پھونکنے کی آواز ہے جس کے ساتھ ہی قیامت آجائے گی۔

(۸) یہ کافروں کا وہی مطالبہ ہے جس کا ذکر پہلے بار بار گزرا ہے کہ اگر ہم پر عذاب آنا ہے تو ابھی فوراً کیوں نہیں آتا؟  
 (۹) سورت کے شروع میں کافروں کی وہ باتیں ذکر کر کے اُن کی تردید فرمائی گئی تھی جن سے حضور اقدس صلی اللہ  
 علیہ وسلم کورنج ہوا کرتا تھا۔ اب یہاں سے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی بے ہودہ باتوں پر صبر کر کے آپ اپنے کام

إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝۱۸ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۝  
كُلُّ لَّهُ آَوَابٌ ۝۱۹ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخِطَابِ ۝۲۰ وَهَلْ  
أَتَاكَ نَبِيُّ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْبَحْرَابَ ۝۲۱

ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگادیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلنے وقت اُن کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔ ﴿۱۸﴾ اور پرندوں کو بھی، جنہیں اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ یہ سب اُن کے ساتھ مل کر اللہ کا خوب ذکر کرتے تھے۔ ﴿۱۹﴾ اور ہم نے اُن کی سلطنت کو استحکام بخشا تھا، اور انہیں دانائی اور فیصلہ کن گفتگو کا سلیقہ عطا کیا تھا۔ ﴿۲۰﴾ اور کیا تمہیں اُن مقدمہ والوں کی خبر پہنچی ہے، جب وہ دیوار پر چڑھ کر عبادت گاہ میں گھس آئے تھے؟ ﴿۲۱﴾

میں لگے رہے، اور اسی سلسلے میں کچھ پچھلے انبیائے کرام کے واقعات بیان فرمائے جا رہے ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو۔ ان میں سے پہلا تذکرہ حضرت داود علیہ السلام کا ہے۔

(۱۰) جیسا کہ سورۃ انبیاء (۷۹:۲۱) میں گزر چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بہت دلکش آواز عطا فرمائی تھی، اور معجزے کے طور پر یہ خصوصیت بخشی تھی کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ ذکر اور تسبیح میں شریک ہوتے تھے، اور اڑتے ہوئے پرندے بھی رک جاتے، اور وہ بھی ذکر کرنے لگتے تھے۔

(۱۱) یہاں سے آیت نمبر ۲۲ تک جو واقعہ بیان ہوا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داود علیہ السلام سے کوئی لغزش ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اُس لغزش پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ دو آدمی غیر معمولی طریقے سے آپ کے پاس اُس وقت بھیجے جب آپ اپنی عبادت گاہ میں تھے۔ ان دونوں نے اپنا ایک جھگڑا فیصلے کے لئے آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فیصلہ تو فرما دیا، لیکن اُس کے ساتھ ہی آپ سمجھ گئے کہ یہ مقدمہ جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف پیرائے میں انہیں تنبیہ کی ہے، اس لئے وہ فوراً سجدے میں گر گئے، اور توبہ اور استغفار میں مشغول ہو گئے۔ قرآن کریم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ وہ لغزش کیا تھی؟ اور اس مقدمے کے پیش ہونے سے انہیں اُس کا خیال کس طرح آیا؟ کیونکہ قرآن کریم تو صرف یہ سبق دینا چاہتا ہے کہ بھول چوک تو انسان کی خاصیت ہے، بڑے بڑے بزرگوں، یہاں تک کہ انبیائے کرام سے بھی معمولی قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں، لیکن یہ حضرات اپنی کسی لغزش پر اصرار نہیں فرماتے، بلکہ جو نبی اپنی غلطی واضح ہوتی ہے، فوراً

اَدْخَلُوا عَلٰی دَاوُدَ فَفَزَعْنَاهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصَيْنَ بَعِيْ بَعْضَنَا عَلٰی بَعْضٍ  
فَاَحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا اِلٰی سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

جب وہ داود کے پاس پہنچے تو داود اُن سے گھبرا گئے۔ اُنہوں نے کہا: ”ڈریے نہیں، ہم ایک جھگڑے کے دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اب آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیجئے، اور زیادتی نہ کیجئے، اور ہمیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتا دیجئے۔ ﴿۲۲﴾“

اللہ تعالیٰ سے رُجوع کر کے اُس پر توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔ یہ عملی سبق حضرت داود علیہ السلام کے اس واقعے کی تفصیل جاننے پر موقوف نہیں ہے۔ البتہ جو حضرات مفسرین تفصیل میں گئے ہیں، اُنہوں نے مختلف باتیں کہی ہیں۔ اس سلسلے میں طرح طرح کی داستانیں بھی گھڑی گئی ہیں جن میں سے ایک بے ہودہ داستان بائبل میں بھی ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے ایک سپہ سالار ”اوریا“ کی بیوی سے (معاذ اللہ) زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ لیکن یہ داستان تو بیان کرنے کے بھی لائق نہیں ہے۔ ایک جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں، جنہیں خود قرآن کریم کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل تھا، ایسی بات یقیناً من گھڑت ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ اُس زمانے میں کسی شخص کی بیوی سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کر کے اُس کے شوہر سے یہ فرمائش کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ یہ ایک عام رواج تھا جس پر کوئی بُرا بھی نہیں مانتا تھا۔ اور یا کی بیوی چونکہ بہت ذہین تھی، اس لئے حضرت داود علیہ السلام نے اپنے معاشرے کے چلن کے مطابق اُس سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ اُسے طلاق دیدے، تاکہ وہ حضرت داود علیہ السلام کے نکاح میں آسکے۔ ایسی فرمائش نہ تو گناہ تھی، کیونکہ شوہر کو حق حاصل تھا کہ وہ یہ بات مانے یا نہ مانے، اور نہ معاشرے کے رواج کے مطابق معیوب تھی، لیکن ایک جلیل القدر پیغمبر کے شایانِ شان نہیں تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس لطیف پیرائے میں آپ کو تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ آپ نے اس پر استغفار فرمایا، اور پھر نکاح کی تجویز پر عمل بھی نہیں کیا۔ یہ تشریح اگرچہ بائبل والے واقعے کی طرح لغو تو نہیں ہے، لیکن کسی مستند روایت سے ثابت بھی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لغزش جو کوئی بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر کو اس پر نہ صرف یہ کہ معاف فرمایا، بلکہ اُس پر اتنا پردہ ڈالا کہ قرآن کریم میں بھی اُسے صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمایا، اس لئے اس بات کی چھان بین جسے اللہ تعالیٰ نے خود خفیہ رکھا ہے، نہ تو اس جلیل القدر پیغمبر کی تعظیم کے شایانِ شان ہے، نہ اُس کی کوئی ضرورت ہے، لہذا اُسے اتنا ہی مبہم رکھنا چاہئے جتنا قرآن کریم نے اُسے مبہم رکھا ہے، کیونکہ جو سبق قرآن کریم دینا چاہتا ہے، وہ اُس کے بغیر بھی پوری طرح حاصل ہو جاتا ہے۔



إِنَّ هَذَا آخِرُ مَا تَسْمَعُونَ نَعَجَةً وَلِي نَعَجَةً وَاحِدَةً فَقَالَ أَكُفِّنِيهَا  
وَعَرِّئَنِي فِي الْخُطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجِكَ إِلَىٰ نَعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا  
مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ  
مَّا هُمْ ۖ وَظَنَّ دَاوُدُ أَن تَبَايَعْتَهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝ فَعَفَرْنَا لَهُ  
ذَلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ۝ يٰدَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي  
الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

السجدة ۱۰

یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دُنیاں ہیں، اور میرے پاس ایک ہی دُنیا ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کرو، اور اس نے زور بیان سے مجھے دبا لیا ہے۔ ﴿۲۳﴾ داود نے کہا: ”اس نے اپنی دُنیوں میں شامل کرنے کے لئے تمہاری دُنیا کا جو مطالبہ کیا ہے، اُس میں یقیناً تم پر ظلم کیا ہے۔ اور بہت سے لوگ جن کے درمیان شرکت ہوتی ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، سوائے اُن کے جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور وہ بہت کم ہیں۔“ اور داود کو خیال آیا کہ ہم نے دراصل اُن کی آزمائش کی ہے، اس لئے اُنہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی، جھک کر سجدے میں گر گئے، اور اللہ سے لو لگائی۔ ﴿۲۴﴾ چنانچہ ہم نے اُس معاملے میں انہیں معافی دے دی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے، اور بہترین ٹھکانا! ﴿۲۵﴾ اے داود! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو، اور نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

(۱۲) یہ آیت سجدہ ہے۔ یعنی جو شخص اس کی عربی میں تلاوت کرے، یا تلاوت سنے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَصِلُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ  
 الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ  
 كَفَرُوا ۚ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
 الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كَذَّبَتْ  
 أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا الْآيَاتِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں، اُن کے لئے سخت عذاب ہے، کیونکہ  
 انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا تھا۔ ﴿۲۶﴾ اور ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان جو  
 چیزیں ہیں اُن کو فضول ہی پیدا نہیں کر دیا۔ یہ تو اُن لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے،  
 چنانچہ ان کافروں کے لئے دوزخ کی شکل میں بڑی تباہی ہے۔ ﴿۲۷﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں،  
 اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، کیا ہم اُن کو ایسے لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد  
 مچاتے ہیں؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟ ﴿۲۸﴾ (اے پیغمبر!) یہ ایک  
 بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تم پر اس لئے اتاری ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں، اور تاکہ  
 عقل رکھنے والے نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۲۹﴾

(۱۳) یہ آخرت کے ضروری ہونے کی دلیل ہے، اور پچھلی آیتوں سے اس کا ربط یہ ہے کہ جب ہم نے حضرت داود  
 علیہ السلام کو اپنے خلیفہ کی حیثیت میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدل و انصاف سے کام لیں تو کیا ہم خود انصاف نہیں کریں  
 گے؟ اسی انصاف کے لئے آخرت میں حساب و کتاب ہوگا، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہم نے نیک لوگوں اور بدکاروں  
 کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، اور دُنیا میں چاہے کوئی شخص اچھے کام کرے یا بدکاری کا مرتکب ہو، نہ اُس سے کوئی  
 باز پرس ہوتی ہے، اور نہ نیک آدمی کو کوئی انعام ملتا ہے۔ ایسی بے انصافی اللہ تعالیٰ کیسے گوارا فرما سکتے ہیں؟

(۱۴) یعنی جب آخرت اور حساب و کتاب کی ضرورت معلوم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف ہی کا تقاضا یہ  
 ہے کہ وہ انسانوں کو پہلے سے متنبہ کرنے کے لئے کوئی ہدایت نامہ عطا فرمائیں، تاکہ لوگ اُس پر عمل کر کے اپنی  
 آخرت کو درست کر سکیں۔ اس کے لئے قرآن کریم کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک کتاب نازل فرمائی ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ ۖ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ  
الصَّفِيفَةُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّي اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۚ حَتَّى تَوَارَتْ  
بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ مُرَدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

اور ہم نے داود کو سلیمان (جیسا بیٹا) عطا کیا، وہ بہترین بندے تھے، واقعی وہ اللہ سے خوب لو  
لگائے ہوئے تھے۔ ﴿۳۰﴾ (وہ ایک یادگار وقت تھا) جب اُن کے سامنے شام کے وقت اچھی  
نسل کے عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے، ﴿۳۱﴾ تو انہوں نے کہا: ”میں نے اس دولت کی محبت اپنے  
پروردگار کی یاد ہی کی وجہ سے اختیار کی ہے“ یہاں تک کہ وہ اوٹ میں چھپ گئے۔ ﴿۳۲﴾ (اس  
پر انہوں نے کہا: ) ”ان کو میرے پاس واپس لے آؤ، چنانچہ وہ (اُن کی) پنڈلیوں اور گردنوں پر  
ہاتھ پھیرنے لگے۔ ﴿۳۳﴾<sup>(۱۵)</sup>

(۱۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے وہ بہترین گھوڑے پیش کئے گئے جو جہاد کے مقصد سے اکٹھے کئے  
گئے تھے، اور اُن سے آپ کی سلطنت کی شان و شوکت کا مظاہرہ ہو رہا تھا، آپ نے جب اُن کا معاینہ فرمایا تو یہ  
شان و شوکت آپ کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کر سکی، بلکہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس دولت سے محبت اس لئے  
نہیں ہے کہ اس سے میرے دبدبے کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ یہ جہاد کے لئے تیار کئے گئے ہیں، اور  
جہاد اللہ تعالیٰ کی محبت میں کیا جاتا ہے۔ پھر وہ گھوڑے چلتے ہوئے آپ کی نگاہوں سے روپوش ہو گئے تو آپ نے  
انہیں دوبارہ بلوایا، اور اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس واقعے کو ذکر فرما کر قرآن  
کریم نے یہ سبق دیا ہے کہ انسان کو دنیا کی دولت یا عزت و شوکت حاصل ہو تو اُسے مغرور ہونے اور اللہ تعالیٰ کی  
یاد سے غافل ہونے کے بجائے اُس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اُسے اُن کاموں میں استعمال کرنا  
چاہئے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہوں۔ اس آیت کی یہ تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، اور  
قرآن کریم کے الفاظ سے وہ زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابن جریر طبریؒ اور امام رازیؒ وغیرہ نے اسی کو  
ترجیح دی ہے۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے آیت اور اُس کے واقعے کی ایک اور تفسیر کی ہے جو زیادہ مشہور  
ہے، اور وہ یہ کہ گھوڑوں کے معاینے کے دوران آپ کی نماز قضا ہو گئی تھی، جس پر آپ نے افسوس کا اظہار کرتے

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ ۖ وَالْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ۖ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ۖ وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (۳۵)

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے سلیمان کی ایک آزمائش کی تھی، اور اُن کی کرسی پر ایک دھڑلا کر ڈال دیا تھا، پھر انہوں نے (اللہ سے) رُجوع کیا، ﴿۳۴﴾ کہنے لگے کہ: ”میرے پروردگار! میری بخشش فرمادے، اور مجھے ایسی سلطنت بخش دے جو میرے بعد کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو۔“ ﴿۳۵﴾ تیری، اور صرف تیری ہی ذات وہ ہے جو اتنی نچی داتا ہے۔“ ﴿۳۵﴾

ہوئے یہ فرمایا کہ اس دولت کی محبت نے مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت سے غافل کر دیا، اس لئے انہوں نے گھوڑوں کو واپس بلوا کر انہیں اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرنے کا ارادہ کیا، اور تلوار سے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنی شروع کر دیں۔ اس تفسیر کے مطابق آیت کا ترجمہ بالکل مختلف اس طرح ہوگا: ”جب اُن کے پاس اچھی نسل کے عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو انہوں نے کہا کہ اس دولت کی محبت نے مجھے اللہ کی محبت سے غافل کر دیا، یہاں تک کہ وہ گھوڑے اوٹ میں چلے گئے، (تو انہوں نے کہا: ) ”انہیں واپس لاؤ“ پھر انہوں نے اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔“

(۱۶) یہ ایک اور واقعہ ہے جس کی تفصیل نہ قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے، نہ کسی مستند حدیث سے اس آیت کی تفسیر کے طور پر کوئی واقعہ ثابت ہوتا ہے۔ جو روایتیں اس آیت کی تفسیر میں بیان کی گئی ہیں، وہ یا تو انہائی کمزور اور لغو ہیں، یا اُن کا اس آیت کی تفسیر ہونا ثابت نہیں، لہذا سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ جس بات کو خود قرآن کریم نے مبہم چھوڑا ہے، اُسے مبہم ہی رہنے دیا جائے۔ واقعے کا حوالہ دینے کا جو مقصد ہے، وہ تفصیلات جانے بغیر بھی پورا ہو جاتا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی آزمائش فرمائی تھی جس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی سے رُجوع فرمایا۔

(۱۷) حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہواؤں اور جنات اور پرندوں پر جو سلطنت حاصل ہوئی، وہ بعد میں کسی کو نہ ہو سکی۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝ وَالشَّيْطَانُ كُلُّ بَنَاءٍ وَ  
 غَوَاصٍ ۝ وَالْآخِرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ  
 يُغَيِّرْ حِسَابَ ۝ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَكُفْلًا وَحُسْنَ مَآبٍ ۝ وَادْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ ۝  
 إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝

چنانچہ ہم نے ہوا کو اُن کے قابو میں کر دیا جو اُن کے حکم سے جہاں وہ چاہتے، ہموار ہو کر چلا کرتی  
 تھی۔ ﴿۳۶﴾ اور شریر جنات بھی اُن کے قابو میں دے دیئے تھے، جن میں ہر طرح کے معمار اور  
 غوطہ خور شامل تھے۔ ﴿۳۷﴾ اور کچھ وہ جنات جو زنجیروں میں بکڑے ہوئے تھے۔ ﴿۳۸﴾ (اور  
 اُن سے کہا تھا کہ:) ”یہ ہمارا عطیہ ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ احسان کر کے کسی کو کچھ دو، یا اپنے  
 پاس رکھو، تم پر کسی حساب کی ذمہ داری نہیں ہے۔“ ﴿۳۹﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کو ہمارے پاس  
 خاص تقرب حاصل ہے، اور بہترین ٹھکانا! ﴿۴۰﴾

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو، جب اُنہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: ”شیطان مجھے دکھ  
 اور آزار لگا گیا ہے۔“ ﴿۴۱﴾

(۱۸) اس کی تفصیل سورۃ انبیاء (۸۱:۲۱) میں گزر چکی ہے۔

(۱۹) یہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کی کیا خدمات انجام دیا کرتے تھے؟ اس کی تفصیل سورۃ سبأ  
 (۳۴:۱۳) میں گزری ہے یہاں یہ اضافہ ہے کہ وہ غوطے لگا کر سمندر سے موتی وغیرہ نکال لایا کرتے تھے۔  
 اور کچھ جنات جو نہایت شریر تھے، اُن کی شرارتوں سے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لئے اُنہیں جکڑ کر رکھا گیا تھا۔  
 (۲۰) حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ دولت مالک بنا کر دے دی گئی تھی، اور یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جتنی چاہیں، خود  
 رکھیں، اور جتنی چاہیں، کسی اور کو دیں۔

(۲۱) جیسا کہ سورۃ انبیاء (۸۴:۲۱) میں گزر چکا ہے، حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک طویل بیماری لاحق ہو گئی  
 تھی۔ وہ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا ئیں کرتے رہے جس کے بعد اُنہیں شفا حاصل ہوئی۔ آیت نمبر ۴۲ میں  
 شفا کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ہدایت فرمائی کہ وہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔ اُنہوں نے

أُرْكَضَ بِرِجْلِكَ ۖ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۖ ۞ وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لَأُولَى الْأَلْبَابِ ۖ ۞ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْتًا قَاصِرًا ۖ وَلَا تَخَشْطْ ۖ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۖ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۖ ۞

(ہم نے اُن سے کہا: ”اپنا پاؤں زمین پر مارو، لو! یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کے لئے بھی، اور پیئے کے لئے بھی۔“ ﴿۲۲﴾ اور (اس طرح) ہم نے اُنہیں اُن کے گھر والے بھی عطا کر دیئے، اور اُن کے ساتھ اُتنے ہی اور بھی، تاکہ اُن پر ہماری رحمت ہو، اور عقل والوں کے لئے ایک یادگار نصیحت۔ ﴿۲۳﴾ اور (ہم نے اُن سے یہ بھی کہا کہ: ”اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھالو، اور اُس سے مار دو، اور اپنی قسم مت توڑو۔“ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُنہیں بڑا صبر کرنے والا پایا، وہ بہترین بندے تھے، واقعی وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے۔ ﴿۲۴﴾

زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حکم دیا کہ اُس پانی سے نہائیں، اور اُسی کو پیئیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو اُن کی بیماری جاتی رہی۔ (۲۲) بیماری میں اُن کی وفادار اہلیہ کے سوا سب اُن کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ صحت کے بعد نہ صرف وہ واپس آ گئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مزید پوتے پوتیاں عطا فرمائیں، اور اس طرح اُن کے خاندان کی تعداد دو گنی ہو گئی۔ (۲۳) حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ کو ایک مرتبہ شیطان نے اس طرح ورغلا یا کہ وہ ایک طبیب کی شکل میں اُن کے سامنے آیا، یہ اپنے شوہر کی بیماری سے پریشان تھیں، انہوں نے اُس کو واقعی طبیب سمجھ کر اُس سے کہا کہ میرے شوہر کا علاج کر دو، وہ تو شیطان تھا۔ اُس نے کہا کہ اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ اگر تمہارے شوہر کو شفا ہو گئی تو تمہیں یہ کہنا ہو گا کہ اس طبیب نے اُنہیں شفا دی ہے۔ یہ خاتون چونکہ اپنے شوہر کی بیماری سے پریشان تھیں، اس لئے ان کے دل میں اُس کی بات ماننے کا میلان پیدا ہوا، اور انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو بزارِ نَجْ ہوا کہ شیطان نے اُن کی اہلیہ تک رسائی حاصل کر لی ہے، اور وہ اُس کی بات ماننے کی طرف مائل ہو رہی ہیں۔ اس رنچ کے عالم میں انہوں نے قسم کھالی کہ میں صحت مند ہونے کے بعد اپنی بیوی کو سو قچیاں ماروں گا۔ لیکن جب انہیں صحت حاصل ہو گئی تو انہیں اپنی قسم پر شرمندگی ہوئی،

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لِّإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِيَ الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۝ إِنَّا  
 أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنِ  
 الْأَخْيَارِ ۝ وَإِذْ كُنَّا لِسُعَيْلٍ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۝ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝ هَذَا  
 ذِكْرٌ ۝ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَّآبٍ ۝ جَنَّاتٍ عِدْنٍ مُّفْتَحَةٍ لَّهُمُ الْبَابُ ۝

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو (نیک عمل کرنے والے) ہاتھ اور (دیکھنے والی) آنکھیں رکھتے تھے۔ ﴿۴۵﴾ ہم نے انہیں ایک خاص وصف کے لئے چن لیا تھا، جو (آخرت کے) حقیقی گھر کی یاد تھی۔ ﴿۴۶﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وہ چنے ہوئے بہترین لوگوں میں سے تھے۔ ﴿۴۷﴾ اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفلؑ کو یاد کرو۔ اور یہ سب بہترین لوگوں میں سے تھے۔ ﴿۴۸﴾ یہ سب کچھ ایک نصیحت کا پیغام ہے، اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، آخری ٹھکانے کی بہتری انہی کے حصے میں آئے گی، ﴿۴۹﴾ یعنی ہمیشہ بسے رہنے کے لئے جنتیں جن کے دروازے ان کے لئے پوری طرح کھلے ہوں گے! ﴿۵۰﴾

اور خیال آیا کہ اپنی ایسی باوفا بیوی کو کس طرح یہ سزاؤں؟ اور اگر نذوں تو قسم ٹوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعے حکم دیا کہ وہ سویسٹوں کا ایک مٹھالے کرا ایک ہی مرتبہ اپنی بیوی کو مار دیں، اس طرح قسم بھی نہیں ٹوٹے گی، اور بیوی کو کوئی خاص تکلیف بھی نہیں پہنچے گی۔

(۲۴) حضرت الیسع علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں صرف دو جگہ آیا ہے، ایک یہاں اور ایک سورہ انعام (۸۶:۶) میں۔ دونوں جگہ آپ کا صرف نام مذکور ہے، کوئی مفصل واقعہ بیان نہیں فرمایا گیا۔ تاریخی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنو اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے، اور حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ بائبل کی کتاب سلاطین اول باب ۱۹ میں آپ کا واقعہ مذکور ہے۔ اسی طرح حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا بھی دو جگہ صرف ذکر آیا ہے، ایک یہاں اور دوسرے سورہ انبیاء (۸۵:۲۱) میں۔ بعض مفسرین نے انہیں حضرت الیسع علیہ السلام کا خلیفہ قرار دیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نبی نہیں تھے، ولی اللہ تھے۔

مُكِبِّينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِكَاهٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ۝۵۱ وَعِنْدَهُمْ قُصِرَتِ  
الْأَرْفُ أَشْرَابٌ ۝۵۲ هَذَا مَا تَدْعُونَ لِيَوْمٍ هَٰذَا هَذَا زُرْقًا مَالَهُ  
مِنْ تَغَادٍ ۝۵۳ هَذَا ۝۵۴ وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ لَشَرَّ مَا بَلَ ۝۵۵ جَهَنَّمَ ۝۵۶ يَصْلَوْنَهَا فَيُؤَسَّ  
الْيَهَادُ ۝۵۷ هَذَا ۝۵۸ فَلْيَذُوقُوهُ حَبِيمٌ وَعَسَاقُ ۝۵۹ وَالْآخِرُ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ۝۶۰ هَذَا  
فَوْجٌ مُّقْتَحَمٌ مَعَكُمْ ۝۶۱ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۝۶۲ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۶۳ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ قَبْلَ  
مَرْحَبًا بِكُمْ ۝۶۴ أَنْتُمْ قَدْ مُتُّوهُ لَنَا ۝۶۵ فَيُؤَسَّ الْقَرَارُ ۝۶۶ قَالُوا أَرَأَيْتُمْ قَدَّمَ لَنَا  
هَذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۷

جہاں وہ تکیہ لگائے ہوئے بہت سے میوے اور مشروبات منگوا رہے ہوں گے، ﴿۵۱﴾ اور اُن کے پاس وہ ہم عمر خواتین ہوں گی جن کی نگاہیں (اپنے شوہروں پر) مرکوز ہوں گی۔ ﴿۵۲﴾ یہ ہے وہ (نعمتوں سے بھرپور زندگی) جس کا تم سے روزِ حساب میں وعدہ کیا گیا ہے۔ ﴿۵۳﴾ بیشک یہ ہماری عطا ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ ﴿۵۴﴾ ایک طرف تو یہ ہے، اور (دوسری طرف) جن لوگوں نے سرکشی اختیار کی ہے، یقیناً جانو، اُن کا آخری ٹھکانا بہت بُرا ہوگا، ﴿۵۵﴾ یعنی دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے! پھر وہ اُن کا بدترین بستر بنے گی۔ ﴿۵۶﴾ یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ! اب وہ اس کا مزہ چکھیں، ﴿۵۷﴾ اور اُن طرح طرح کی چیزوں کا جو اسی جیسی (تکلیف دہ) ہوں گی۔ ﴿۵۸﴾ (جب وہ اپنے پیروکاروں کو آتادیکھیں گے تو ایک دوسرے سے کہیں گے:) ”یہ ایک اور لشکر ہے جو تمہارے ساتھ گھسا چلا آ رہا ہے، پھٹکار ہوان پر، یہ سب آگ میں جلنے والے ہیں۔“ ﴿۵۹﴾ وہ (آنے والے) کہیں گے: ”نہیں، بلکہ پھٹکار تم پر ہو، تم ہی تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے ہو، اب تو یہی بدترین جگہ ہے جس میں رہنا ہوگا۔“ ﴿۶۰﴾ (پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ:) ”اے ہمارے پروردگار! جو شخص بھی یہ مصیبت ہمارے آگے لایا ہے، اُسے دوزخ میں دو گنا عذاب دیجئے۔“ ﴿۶۱﴾



وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ ۖ أَتَّخَذُوا  
 سِحْرِيًّا أَمْ رَزَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ  
 النَّارِ ۖ قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِن إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۖ  
 رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۖ قُلْ هُوَ نَبَوُّ  
 عَظِيمٌ ۖ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۖ

اور وہ (ایک دوسرے سے) کہیں گے: ”کیا بات ہے کہ ہمیں وہ لوگ (یہاں دوزخ میں) نظر نہیں  
 آرہے جنہیں ہم بُرے لوگوں میں شمار کرتے تھے؟“ ﴿۶۲﴾ کیا ہم نے اُن کا (ناحق) مذاق اڑایا  
 تھا، یا انہیں دیکھنے سے نگاہوں کو غلطی لگ رہی ہے؟“ ﴿۶۳﴾ — یقیناً دوزخیوں کے آپس میں  
 جھگڑنے کی یہ ساری باتیں بالکل سچی ہیں جو ہو کر رہیں گی۔ ﴿۶۴﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”میں  
 تو ایک خبردار کرنے والا ہوں، اور اُس اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو ایک ہے، جو سب پر  
 غالب ہے، ﴿۶۵﴾ جو تمام آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان ہر چیز کا مالک ہے، جس کا اقتدار  
 سب پر چھایا ہوا ہے، جو بہت بخشنے والا ہے۔“ ﴿۶۶﴾ کہہ دو کہ: ”یہ ایک عظیم حقیقت کا اظہار  
 ہے، ﴿۶۷﴾ جس سے تم منہ موڑے ہوئے ہو، ﴿۶۸﴾

(۲۵) اس سے مراد مسلمان ہیں جن کو یہ کافر لوگ دُنیا میں بُرا سمجھتے تھے، اور اُن کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ ان کو  
 جہنم میں نظر نہیں آئیں گے۔

(۲۶) پیغمبروں کے واقعات اور قیامت کے حالات بیان کرنے کے بعد حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 فرمایا جا رہا ہے کہ ان منکرین سے فرمادیجئے اگر غور کرو تو ان واقعات سے تمہیں میری نبوت پر استدلال کرنا  
 چاہئے، کیونکہ ان باتوں کے معلوم ہونے کا میرے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں تھا، میں جو یہ باتیں بتا رہا ہوں، وہ  
 یقیناً وحی کے ذریعے مجھے معلوم ہوئی ہیں، مگر تم وحی کی اس نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہو۔

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِاللَّيْلِ إِلَّا عَلَىٰ إِذِيخْتَصِمُونَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ يُوحَىٰ إِلَىٰ إِلَّا أَنبَأَ أَنَا  
 نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٣٠﴾ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ﴿٣١﴾ فَإِذَا  
 سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٣٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلَكَةُ كُلُّهُمْ  
 أَجْمَعُونَ ﴿٣٣﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٤﴾ قَالَ يَا بَلِيسُ مَا  
 مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيدِي ۖ اسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٣٥﴾  
 قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿٣٦﴾

مجھے عالم بالا کی باتوں کا کچھ علم نہیں تھا جب وہ (فرشتے) سوال جواب کر رہے تھے ﴿۲۹﴾ میرے  
 پاس وحی صرف اس لئے آتی ہے کہ میں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿۴۰﴾  
 یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں گارے سے ایک انسان پیدا کرنے والا  
 ہوں، ﴿۴۱﴾ چنانچہ جب میں اُسے پوری طرح بنا دوں اور اُس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو تم  
 اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ ﴿۴۲﴾ پھر ہوا یہ کہ سارے کے سارے فرشتوں نے توجہ  
 کیا، ﴿۴۳﴾ البتہ ابلیس نے نہ کیا، اُس نے تکبر سے کام لیا، اور کافروں میں شامل  
 ہو گیا۔ ﴿۴۴﴾ اللہ نے کہا: ”ابلیس! جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اُس کو سجدہ کرنے  
 سے تجھے کس چیز نے روکا ہے؟ کیا تو نے تکبر سے کام لیا ہے، یا تو کوئی بہت اُوچی ہستیوں میں سے  
 ہے؟“ ﴿۴۵﴾ کہنے لگا: ”میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، اور  
 اُس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔“ ﴿۴۶﴾

(۲۷) اس سے فرشتوں کی اُس گفتگو کی طرف اشارہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہوئی تھی،  
 اور جو تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ (۲: ۳۱) میں گزر چکی ہے، اور اُس کا کچھ حصہ آگے آرہا ہے۔

قَالَ فَأَخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَچِيمٌ ﴿۷۷﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۸۰﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا أُغْوِيَهُمْ أَجْعِلْ لِي آيَةً ﴿۸۲﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ﴿۸۴﴾ لَا مَلَكَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَتَّبَعُكَ مِنْهُمْ أَجْعِلْ لِي آيَةً ﴿۸۵﴾

اللہ نے فرمایا کہ: ”اچھا تو نکل جا یہاں سے! کیونکہ تو مردود ہے، ﴿۷۷﴾ اور یقین جان قیامت کے دن تک تجھ پر میری پھٹکار رہے گی۔“ ﴿۷۸﴾ اُس نے کہا: ”میرے پروردگار! پھر تو مجھے اُس دن تک کے لئے (جینے کی) مہلت دیدے جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔“ ﴿۷۹﴾ اللہ نے فرمایا: ”چل، تجھے اُن لوگوں میں شامل کر لیا گیا ہے جنہیں مہلت دی جائے گی، ﴿۸۰﴾ (لیکن) ایک معین وقت کے دن تک۔“ ﴿۸۱﴾ کہنے لگا: ”بس تو میں تیری عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان سب کو بہکاؤں گا، ﴿۸۲﴾ سوائے تیرے برگزیدہ بندوں کے۔“ ﴿۸۳﴾ اللہ نے فرمایا: ”تو پھر سچی بات یہ ہے، اور میں سچی بات ہی کہا کرتا ہوں، ﴿۸۴﴾ کہ میں تجھ سے اور اُن سب سے جو ان میں سے تیرے پیچھے چلیں گے، جہنم کو بھر کر رہوں گا۔“ ﴿۸۵﴾

(۲۸) اس واقعے کی پوری تفصیل سورہ بقرہ (۲: ۳۱ تا ۳۶) میں گزر چکی ہے، نیز شیطان نے جو مہلت مانگی تھی، وہ روزِ حشر تک کے لئے تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کا وعدہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ ایک معین وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔ لہذا پہلے صور کے بعد تمام مخلوقات کو موت آئے گی تو اُن میں شیطان کو بھی آئے گی۔ جیسا کہ سورہ حجر (۳۸: ۱۵) میں بھی گزر چکا ہے۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨١﴾ إِنَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ  
 لِلْعَالَمِينَ ﴿٨٢﴾ وَلَتَعْلَمَنَّ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّكَ بَعْدَ حَبِشَ ع

۵۵  
 ۲۲  
 ۱۴

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: ”میں تم سے اس (اسلام کی دعوت) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔ ﴿۸۵﴾ یہ تو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے بس ایک نصیحت ہے، ﴿۸۶﴾ اور تھوڑے سے وقت کے بعد تمہیں اس کا حال معلوم ہو جائے گا۔“ ﴿۸۶﴾

الحمد للہ! سورہ ص کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج ۷ ر شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو دبی سے کراچی جاتے ہوئے امارات کے جہاز میں تکمیل کو پہنچے، اور اس سورت کا کام کل سات دن میں پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الزُّمَرِ

## تعارف

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی، اور اس میں مشرکین مکہ کے مختلف باطل عقیدوں کی تردید فرمائی گئی ہے۔ یہ مشرکین مانتے تھے کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن انہوں نے مختلف دیوتا گھڑ کر یہ مانا ہوا تھا کہ اُن کی عبادت کرنے سے وہ خوش ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے، اور بعض نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا تھا۔ اس سورت میں ان مختلف عقائد کی تردید کر کے انہیں توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ وہ دور ہے جب مسلمانوں کو مشرکین کے ہاتھوں بدترین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس لئے اس سورت میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی ایسے خطے کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں وہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ نیز کافروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر انہوں نے اپنی معاندانہ روش نہ چھوڑی تو انہیں بدترین سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سورت کے آخر میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ آخرت میں کافر کس طرح گروہوں کی شکل میں دوزخ تک لے جائے جائیں گے، اور مسلمانوں کو کس طرح گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ گروہوں کے لئے عربی لفظ ”زمر“ استعمال کیا گیا ہے، اور وہی اس سورت کا نام ہے۔

﴿آیاتھا ۷۵﴾ ۳۹ سُورَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۸﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

تَنْزِیْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّیْنَ ۝ اِلَّا اللّٰهُ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ۝ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِیَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ ذُنُوبُنَا ۝ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ کَذِبٌ كَفَّارٌ ۝

یہ سورت کی ہے، اور اس میں پچھتر آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی جا رہی ہے، جو بڑے اقتدار کا مالک ہے، بہت حکمت والا۔ ﴿۱﴾  
(اے پیغمبر!) بیشک یہ کتاب ہم نے تم پر برحق نازل کی ہے، اس لئے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اُسی کے لئے ہو۔ ﴿۲﴾ یاد رکھو کہ خالص بندگی اللہ ہی کا حق ہے۔ اور جن لوگوں نے اُس کے بجائے دوسرے رکھوالے بنائے ہیں — (یہ کہہ کر کہہ:) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں — <sup>(۱)</sup> اُن کے درمیان اللہ اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ کسی ایسے شخص کو راستے پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، کفر پر جما ہوا ہو۔ ﴿۳﴾

(۱) مشرکین عرب عام طور سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے، لیکن انہوں نے کچھ دیوتا گھڑ کر اُن کے بت بنائے تھے، اور اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم ان کی عبادت کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کریں گے، اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا۔ قرآن کریم نے اس کو بھی شرک قرار دیا، کیونکہ اول تو ان دیوتاؤں کی کوئی حقیقت ہی نہیں تھی، دوسرے عبادت تو اللہ تعالیٰ کا خالص حق ہے، کسی



لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَانَهُ ۚ هُوَ اللَّهُ  
 الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يَكُونُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ  
 وَيَكُونُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ  
 أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ  
 أَنْزَلَ لَكُمْ مِنْهَا نَعَامَ ثَنِيَّةً ۖ أَزْوَاجٌ ۖ

اگر اللہ یہ چاہتا کہ کسی کو اولاد بنائے تو وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب کر لیتا، (لیکن) وہ  
 پاک ہے (اس بات سے کہ اُس کی کوئی اولاد ہو) وہ تو اللہ ہے، ایک، اور زبردست اقتدار کا  
 مالک! ﴿۴﴾ اُس نے سارے آسمان اور زمین برحق پیدا کئے ہیں۔ وہ رات کو دین پر لپیٹ دیتا  
 ہے، اور دین کو رات پر لپیٹ دیتا ہے، اور اُس نے سورج اور چاند کو کام پر لگایا ہوا ہے۔ ہر ایک کسی  
 معین مدت تک کے لئے رواں دواں ہے۔ یاد رکھو وہ بڑے اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا  
 ہے۔ ﴿۵﴾ اُس نے تم سب کو ایک شخص سے پیدا کیا، پھر اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا، اور تمہارے  
 لئے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کئے۔<sup>(۳)</sup>

دوسرے کی عبادت، خواہ کسی نیت سے کی جائے، شرک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص واقعی بزرگ اور  
 ولی اللہ ہو، تب بھی اُس کی عبادت شرک ہے، چاہے اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب  
 حاصل ہوگا۔

(۲) اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور اُن کے جوڑے سے مراد حضرت حواء علیہا السلام۔

(۳) اس سے مراد اڈنٹ، گائے، بھیڑ اور بکری ہیں جن میں سے ہر ایک کے نر اور مادہ مل کر آٹھ جوڑے ہو جاتے  
 ہیں۔ ان کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ عام طور پر یہی مویشی انسان کے زیادہ کام آتے ہیں۔ انہی  
 آٹھ جوڑوں کا ذکر سورہ انعام (۶: ۱۴۳) میں گزرا ہے۔

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَالْيَوْمَ تُصْرَفُونَ ۝٦ إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۖ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝٧ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ

وہ تمہاری تخلیق تمہاری ماؤں کے پیٹ میں اس طرح کرتا ہے کہ تین اندھیروں کے درمیان تم بناوٹ کے ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے سے گذرتے ہو۔<sup>(۳)</sup> وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے! ساری بادشاہی اُسی کی ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر بھی تمہارا منہ آخر کوئی کہاں سے موڑ دیتا ہے؟ ﴿۶﴾ اگر تم کفر اختیار کرو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تم سے بے نیاز ہے، اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اُسے تمہارے لئے پسند کرے گا، اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اُس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ دلوں کی باتیں بھی خوب جانتا ہے۔ ﴿۷﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو اُسی سے لو لگا کر پکارتا ہے، پھر جب وہ انسان کو اپنی طرف سے کوئی نعمت بخش دیتا ہے تو وہ اُس (تکلیف) کو بھول جاتا ہے جس کے لئے پہلے اللہ کو پکار رہا تھا، اور اللہ کے لئے شریک گھڑ لیتا ہے، جس کے نتیجے میں دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے بھٹکاتا ہے۔

(۴) تین اندھیریاں اس طرح ہیں کہ ایک اندھیری پیٹ کی، دوسری رحم کی، اور تیسری اُس جھلی کی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اور بناوٹ کے مرحلوں سے مراد یہ ہے کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر خون، پھر لوتھڑا، پھر ہڈیاں وغیرہ جس کی تفصیل سورۃ حج (۵: ۲۲) اور سورۃ مؤمنون (۱۳: ۲۳) میں گزری ہے، اور سورۃ عافر (۶۷: ۴۰) میں آگے آئے گی۔

قُلْ تَتَّبِعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝۸ أَمَنْ هُوَ قَانِتٌ ۖ إِنَّ آءِ اللَّيْلِ سَاجِدًا ۖ وَقَآئِمًا يَبْتَغِي الْحَدِيثَ ۖ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۖ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝۹ قُلْ لِعِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۖ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۖ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۖ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّادِقُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝۱۱

کہہ دو کہ: ”کچھ دن اپنے کفر کے مزے اڑالے، یقیناً تو دوزخ والوں میں شامل ہے۔“ ﴿۸﴾ بھلا (کیا ایسا شخص اُس کے برابر ہو سکتا ہے) جو رات کی گھڑیوں میں عبادت کرتا ہے، کبھی سجدے میں، کبھی قیام میں، آخرت سے ڈرتا ہے، اور اپنے پروردگار کی رحمت کا اُمیدوار ہے؟ کہو کہ: ”کیا وہ جو جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے، سب برابر ہیں؟“ ﴿۹﴾ (مگر) نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ ﴿۹﴾ کہہ دو کہ: ”اے میرے ایمان والے بندو! اپنے پروردگار کا خوف دل میں رکھو۔ بھلائی اُنہی کی ہے جنہوں نے اس دُنیا میں بھلائی کی ہے، اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، ﴿۱۰﴾ جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، اُن کا ثواب اُنہیں بے حساب دیا جائے گا۔“ ﴿۱۰﴾ کہہ دو کہ: ”مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ میری بندگی خالص اُسی کے لئے ہو، ﴿۱۱﴾

(۵) یعنی اگر آخرت کا حساب و کتاب نہ ہو تو اُس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مومن کافر اور بدکار اور نیک سب برابر ہو جائیں گے، جو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور انصاف سے ممکن نہیں۔

(۶) یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر اپنے وطن میں دین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو یا سخت مشکل ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں دین پر عمل کرنا نسبتاً آسان ہو، اور اگر وطن چھوڑنے سے تکلیف ہو تو اُس پر صبر کرو، کیونکہ صبر کا ثواب بے حساب ہے۔

وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۝ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلِ اللَّهُ أَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ۝ فاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ ۖ قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلٌّ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلٌّ ۖ ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادَهُ ۖ لِيُعَادِفَ تَقْوُونَ ۝

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلا فرماں بردار میں بنوں۔ ﴿۱۲﴾ کہہ دو کہ: ”اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔“ ﴿۱۳﴾ کہہ دو کہ: ”میں تو اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بندگی صرف اُسی کے لئے خالص کر لی ہے۔“ ﴿۱۴﴾ اب تم اُسے چھوڑ کر جس کی چاہو، عبادت کرو۔“ ﴿۱۵﴾ کہہ دو کہ: ”گھائے کا سودا کرنے والے تو وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں سب کو ہرا بیٹھیں گے۔ یاد رکھو کہ کھلا ہوا گھانا یہی ہے۔“ ﴿۱۶﴾ ایسے لوگوں کے لئے اُن کے اوپر بھی آگ کے بادل ہیں، اور اُن کے نیچے بھی ویسے ہی بادل۔ یہ وہی چیز ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ لہذا اے میرے بندو! میرا خوف دل میں رکھو۔ ﴿۱۷﴾

(۷) اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو شخص دوسروں کو کسی نیکی کی دعوت دے، اُسے چاہئے کہ پہلے خود اُس پر عمل کر کے دکھائے۔

(۸) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کافروں کو کفر کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے، کیونکہ اگلے ہی جملے میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ یہ گھائے کا سودا ہے، اور پیچھے آیت نمبر ۷ میں فرما دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں فرماتا۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اس بات کی طاقت ضرور دی گئی ہے کہ تم اگر کفر اختیار کرنا چاہو تو کر سکو، تمہیں ایمان لانے پر زبردستی مجبور نہیں کیا جائے گا، لیکن اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اپنا سب کچھ ہار بیٹھو گے۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ ۚ  
فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ  
الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٨﴾ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ  
الْعَذَابِ ۚ أَفَأَنْتُمْ تُنْقِذُونَ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَأَوْهُمُ لَهُمْ  
عُرْفٌ مِّنْ فَوْقِهَا عُرْفٌ مُّبِينٌ ۚ تَجْرِي مِنَ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ وَعَدَ اللَّهُ ۚ لَا  
يُخْلِفُ اللَّهُ الْوَعْدَ ﴿٢٠﴾

اور جن لوگوں نے اس بات سے پرہیز کیا ہے کہ وہ طاغوت کی عبادت کرنے لگیں، اور انہوں  
نے اللہ سے لو لگائی ہے، خوشی کی خبر انہی کے لئے ہے، لہذا میرے اُن بندوں کو خوشی کی خبر  
سنادو ﴿۱۷﴾ جو بات کو غور سے سنتے ہیں تو اُس میں جو بہترین ہوتی ہے، اُس کی پیروی کرتے  
ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے، اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾  
بھلا جس شخص پر عذاب کی بات طے ہو چکی، تو کیا تم اُسے بچا لو گے جو آگ کے اندر پہنچ چکا  
ہے؟ ﴿۱۹﴾ البتہ جنہوں نے اپنے پروردگار کا خوف دل میں رکھا ہے، اُن کے لئے اوپر تلے بنی  
ہوئی اونچی اونچی عمارتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ کبھی وعدے  
کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ﴿۲۰﴾

(۹) ”طاغوت“ شیطان کو بھی کہتے ہیں، اور ہر باطل چیز کو بھی۔

(۱۰) اس کا زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ وہ سنتے تو سب کچھ ہیں، لیکن پیروی اُسی بات کی کرتے ہیں جو بہترین  
ہو (روح المعانی عن الزجاج)۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ  
زُرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيَجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا إِنَّ فِي  
ذَلِكَ لَذِكْرَى لَأُولِي الْأَلْبَابِ ۝۱۱۱ أَفَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَكَ لِإِسْلَامٍ فَهُوَ عَلَى  
نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۝ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۝ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ  
مُّبِينٍ ۝۱۱۲ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي ۝ تَتَشَعَّرُ مِنْهُ  
جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۝ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۝

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اُسے زمین کے سوتوں میں پرودیا؟ پھر وہ  
اُس پانی سے ایسی کھیتیاں وجود میں لاتا ہے جن کے رنگ مختلف ہیں، پھر وہ کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں تو  
تم انہیں دیکھتے ہو کہ پیلی پڑ گئی ہیں، پھر وہ انہیں چورا چورا کر دیتا ہے۔ یقیناً ان باتوں میں اُن  
لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو عقل رکھتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام  
کے لئے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آچکا ہے،  
(سنگدلوں کے برابر ہو سکتا ہے؟) ہاں! بربادی اُن کی ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو چکے  
ہیں۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، ایک  
ایسی کتاب جس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جس کی باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں۔  
وہ لوگ جن کے دلوں میں اپنے پروردگار کا رُعب ہے ان کی کھالیں اس سے کانپ اٹھتی ہیں، پھر  
اُن کے جسم اور اُن کے دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

(۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آسمان سے پانی پہاڑوں پر برستا ہے، پھر وہاں سے پگھل پگھل کر دریاؤں  
اور ندیوں کی شکل اختیار کرتا ہے، اور زمین کی تہہ میں سوتوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے  
کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے شروع میں پانی پیدا کیا، اور اُسے آسمان سے اتار کر براہ راست زمین کے  
سوتوں تک پہنچا دیا (رُوح المعانی)۔

ذٰلِكَ هُدًى اللّٰهُ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝۳۱  
 اَفَنْ يَّتَقٰى بِوَجْهِهِمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوقُوْا مَا  
 كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۳۲ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا  
 يَشْعُرُوْنَ ۝۳۳ فَاِذَا قَهَّمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ  
 اَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنّٰاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ  
 مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۳۵ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۳۶

یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ جس کو چاہتا ہے، راہِ راست پر لے آتا ہے، اور جسے اللہ  
 راستے سے بھٹکا دے، اُسے کوئی راستے پر لانے والا نہیں۔ ﴿۲۳﴾ بھلا (اُس شخص کا کیسا بُرا حال  
 ہوگا) جو قیامت کے دن اپنے چہرے ہی سے بدترین عذاب کو روکنا چاہے گا؟ اور ظالموں سے کہا  
 جائے گا کہ: ”چکھو مزہ اُس کمائی کا جو تم نے کر رکھی تھی۔“ ﴿۲۴﴾ جو لوگ ان سے پہلے تھے، انہوں  
 نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا جس کے نتیجے میں اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آیا جس کی طرف اُن کا  
 گمان بھی نہیں جاسکتا تھا، ﴿۲۵﴾ چنانچہ اللہ نے اُن کو اسی دنیوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا،  
 اور آخرت کا عذاب تو اور بھی بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے! ﴿۲۶﴾

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی خاطر ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ لوگ سبق  
 حاصل کریں، ﴿۲۷﴾ یہ عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں! تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔ ﴿۲۸﴾

(۱۲) یہ دوزخ کے ایک خوفناک پہلو کی منظر کشی ہے۔ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ انسان جب کوئی تکلیف دہ چیز  
 اپنی طرف آتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں یا پاؤں سے اُسے روکنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن دوزخ میں یہ  
 اس لئے ممکن نہیں ہوگا کہ ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، اس لئے جسم سے عذاب کو روکنے کی کوئی اور  
 صورت نہیں ہوگی، سوائے اس کے کہ چہرے ہی کو آگے کر کے اُسے ڈھال بنایا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ چہرے پر  
 روکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ چہرے کو تکلیف سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ وَرَجُلًا سَلْبًا لِرَجُلٍ ۖ هَلْ  
يَسْتَوِينَ مَثَلًا ۖ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ إِنَّكَ مَيْتٌ وَإِنَّهُمْ  
مَيِّتُونَ ﴿۴۰﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿۴۱﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ  
كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالْصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى  
لِّلْكَافِرِينَ ﴿۴۲﴾ وَالَّذِي جَاءَ بِالْصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۴۳﴾

اللہ نے ایک مثال یہ دی ہے کہ ایک (غلام) شخص ہے جس کی ملکیت میں کئی لوگ شریک ہیں جن کے درمیان آپس میں کھینچ تان بھی ہے، اور دوسرا (غلام) شخص وہ ہے جو پورے کا پورا ایک ہی آدمی کی ملکیت ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت ایک جیسی ہو سکتی ہے؟ الحمد للہ! (اس مثال سے بات بالکل واضح ہو گئی) لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ ﴿۲۹﴾ (اے پیغمبر!) موت تمہیں بھی آنی ہے، اور موت انہیں بھی آنی ہے، ﴿۳۰﴾ پھر تم سب قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرو گے۔ ﴿۳۱﴾

اب بتاؤ کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، اور جب سچی بات اُس کے پاس آئے تو وہ اُس کو جھٹلا دے؟ کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ ﴿۳۲﴾ اور جو لوگ سچی بات لے کر آئیں، اور خود بھی اُسے سچ مانیں وہ ہیں جو متقی ہیں۔ ﴿۳۳﴾

(۱۳) جو غلام کئی آدمیوں کی مشترک ملکیت میں ہو، اور وہ کئی آدمی بھی آپس میں جھگڑتے رہتے ہوں، وہ ہمیشہ پریشانی کا شکار رہتا ہے کہ کس کا کہنا مانوں، اور کس کا نہ مانوں، اس کے برخلاف جو غلام کسی ایک ہی آقا کی ملکیت میں ہو، اُسے یہ پریشانی پیش نہیں آتی، وہ یکسو ہو کر اپنے آقا کی اطاعت کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص توحید کا قائل ہے، وہ ہمیشہ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے، اور اُسی کی عبادت کرتا ہے، اس کے برخلاف جن لوگوں نے کئی کئی خدا گھڑ رکھے ہیں، وہ کبھی ایک جھوٹے دیوتا کا سہارا لیتے ہیں، کبھی دوسرے کا، اور انہیں یکسوئی میسر نہیں آتی۔ اس طرح یہ مثال توحید کی دلیل بھی ہے، اور اُس کی حکمت بھی۔



لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ  
 أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٧﴾ أَلَيْسَ  
 اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ  
 هَادٍ ۖ ﴿٣٨﴾ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۖ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿٣٩﴾ وَ  
 لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا  
 تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ أَوْ أَرَادَنِي  
 بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ ۖ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٤٠﴾

اُن کو اپنے پروردگار کے پاس ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے۔ یہ ہے نیک لوگوں کا بدلہ، ﴿۳۴﴾ تاکہ انہوں نے جو بدترین کام کئے تھے، اللہ اُن کا کفارہ کر دے، اور جو بہترین کام کرتے رہے تھے، اُن کا ثواب انہیں عطا فرمائے۔ ﴿۳۵﴾ (اے پیغمبر!) کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ اور یہ لوگ تمہیں اُس کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں، اور جسے اللہ راستے سے بھٹکا دے، اُسے کوئی راستے پر لانے والا نہیں، ﴿۳۶﴾ اور جسے اللہ راہِ راست پر لے آئے، اُسے کوئی راستے سے بھٹکانے والا نہیں۔ کیا اللہ زبردست، انتقام لینے والا نہیں؟ ﴿۳۷﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ (ان سے) کہو کہ: ”ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن (بتوں) کو پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کر لے تو کیا یہ اُس کے پہنچائے ہوئے نقصان کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ مجھ پر مہربانی فرمانا چاہے تو کیا یہ اُس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟“ کہو کہ: ”میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ رکھنے والے اُسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“ ﴿۳۸﴾

قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ اِنِّي عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَأْتِيهِ  
عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ عَلٰىكَ الْكِتَابَ بِاللَّيْلِ  
بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهِا ۚ وَمَا اَنْتَ  
عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿۴۱﴾ اَللّٰهُ يَتَوَفّٰى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِى مَنَامِهَا ۚ  
فَيُمْسِكُ الَّتِى قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ فِىْ  
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

کہہ دو کہ: ”اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے طریقے پر عمل کئے جاؤ، میں (اپنے طریقے پر) عمل کر رہا ہوں، پھر عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا ﴿۳۹﴾ کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کس پر وہ عذاب نازل ہوتا ہے جو ہمیشہ جم کر رہے گا۔“ ﴿۴۰﴾ (اے پیغمبر!) ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے تم پر یہ کتاب برحق نازل کی ہے۔ اب جو شخص راہِ راست پر آجائے گا، وہ اپنی ہی بھلائی کے لئے آئے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، وہ اپنی گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرے گا، اور تم اُس کے ذمہ دار نہیں ہو۔ ﴿۴۱﴾

اللہ تمام رُوحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے، اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی، اُن کو بھی اُن کی نیند کی حالت میں (قبض کر لیتا ہے)، پھر جن کے بارے میں اُس نے موت کا فیصلہ کر لیا، اُنہیں اپنے پاس روک لیتا ہے، اور دُوسری رُوحوں کو ایک معین وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔<sup>(۱۳)</sup> یقیناً اس بات میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۴۲﴾

(۱۳) نیند کی حالت میں بھی کسی درجے میں رُوح قبض ہوتی ہے، لیکن اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، واپس آجاتی ہے، اور اگر موت کا وقت آچکا ہو تو اسے پوری طرح قبض کر لیا جاتا ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۖ قُلْ أَوْلَوْكَانُوا لَا يَسْلُكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۳﴾ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾ وَإِذَا ذُكِّرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآخِرَةٍ ۖ وَإِذَا ذُكِّرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۳۵﴾ قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۶﴾

بھلا کیا ان لوگوں نے اللہ (کی اجازت) کے بغیر کچھ سفارشی گھر رکھے ہیں؟ (ان سے) کہو کہ: ”چاہے یہ نہ کوئی اختیار رکھتے ہوں، نہ کچھ سمجھتے ہوں (پھر بھی تم انہیں سفارشی مانتے رہو گے؟)“ ﴿۳۳﴾ کہو کہ: ”سفارش تو ساری کی ساری اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اُسی کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، پھر اُسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔“ ﴿۳۴﴾ اور جب کبھی تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دل بیزار ہو جاتے ہیں، اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ خوشی سے کھل اُٹھتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ کہو: ”اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، ہر غائب و حاضر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔“ ﴿۳۶﴾

(۱۵) اس سے مراد وہ من گھڑت دیوتا ہیں جن کو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سفارشی سمجھ رکھا تھا۔

وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فُتَدُوا بِهِ مِنْ سُوءِ  
 الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿۴۷﴾  
 وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۴۸﴾ فَإِذَا مَسَّ  
 الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۖ بَلْ  
 هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۹﴾

اور جن لوگوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، اگر اُن کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے، اور  
 اُس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی، تو قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب فدیہ  
 کے طور پر دینے لگیں گے، اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ ان کے سامنے آجائے گا جس کا انہیں  
 گمان بھی نہیں تھا، ﴿۴۷﴾ انہوں نے جو کمائی کی تھی، اُس کی بُرائیاں اُن کے سامنے ظاہر  
 ہو جائیں گی، اور جن باتوں کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیں  
 گی۔ ﴿۴۸﴾ پھر انسان (کا حال یہ ہے کہ جب اُس) کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ ہمیں  
 پکارتا ہے، اس کے بعد جب ہم اُسے اپنی طرف سے کسی نعمت سے نوازتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ:  
 ”یہ تو مجھے (اپنے) ہنر کی وجہ سے ملی ہے۔“ نہیں! بلکہ یہ آزمائش ہے، لیکن ان میں سے اکثر  
 لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۴۹﴾

(۱۶) یعنی ایک طرف تو کافر لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں، اور دوسری طرف جب کوئی تکلیف آتی ہے تو بتوں کو  
 نہیں، ہمیں پکارتے ہیں۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥٠﴾ فَأَصَابَهُمْ  
سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۖ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۖ  
وَمَا لَهُمْ بِعُجْرَيْنَ ﴿٥١﴾ أَوْ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ  
يَقْدِرُ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ  
أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۖ إِنَّهُ هُوَ  
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾

یہی بات ان سے پہلے (کچھ) لوگوں نے بھی کہی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ وہ کماتے تھے، وہ اُن کے کام نہیں آیا، ﴿۵۰﴾ اور انہوں نے جو کمائی کی تھی، اُس کی بُرائیاں اُنہی پر آ پڑیں، اور ان (عرب کے) لوگوں میں سے جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، ان کی کمائی کی بُرائیاں بھی عنقریب ان پر آ پڑیں گی، اور یہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ ﴿۵۱﴾ اور کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور وہی تنگی بھی کر دیتا ہے؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۵۲﴾

کہہ دو کہ: ”اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقیناً جانو اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔“ یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۵۳﴾

(۱۷) مثلاً قارون نے یہی بات کہی تھی کہ مجھے جو دولت ملی ہے، وہ میرے علم و ہنر کی وجہ سے ملی ہے۔ دیکھئے سورہ قصص (۷۸: ۷۸)۔

(۱۸) یعنی اگر کسی شخص نے ساری زندگی کفر، شرک یا گناہوں میں گزاری ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اب اُس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے جس وقت بھی انسان اپنی اصلاح کا پختہ

وَأَنبِئُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَن يُيَاثِبَكُمْ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۵۴﴾  
وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَن يُيَاثِبَكُمْ الْعَذَابُ بِعَذَابِهِ  
وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۵۵﴾ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسَرُنِي عَلَىٰ مَا قَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ  
كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ ﴿۵۶﴾ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۷﴾  
أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَىٰ الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾ بَلَىٰ قَدْ  
جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۵۹﴾

اور تم اپنے پروردگار سے لو لگاؤ، اور اُس کے فرماں بردار بن جاؤ قبل اس کے کہ تمہارے پاس  
عذاب آپہنچے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ ﴿۵۴﴾ اور تمہارے پروردگار کی طرف سے  
تمہارے پاس جو بہترین باتیں نازل کی گئی ہیں، اُن کی پیروی کرو، قبل اس کے کہ تم پر اچانک  
عذاب آجائے، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے، ﴿۵۵﴾ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو یہ کہنا پڑے کہ:  
”ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے معاملے میں برتی! اور سچی بات یہ ہے کہ  
میں تو (اللہ تعالیٰ کے احکام کا) مذاق اڑانے والوں میں شامل ہو گیا تھا۔“ ﴿۵۶﴾ یا کوئی یہ کہے  
کہ: ”اگر مجھے اللہ ہدایت دیتا تو میں بھی متقی لوگوں میں شامل ہوتا۔“ ﴿۵۷﴾ یا جب عذاب  
آنکھوں سے دیکھ لے تو یہ کہے کہ: ”کاش مجھے ایک مرتبہ واپس جانے کا موقع مل جائے تو میں  
نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں!“ ﴿۵۸﴾ (تجھے ہدایت) کیوں نہیں (دی گئی؟) میری آیتیں  
تیرے پاس آچکی تھیں، پھر تو نے انہیں جھٹلایا، اور بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا، اور کافروں میں  
شامل رہا۔ ﴿۵۹﴾

ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی پچھلی زندگی کی معافی مانگے، اور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہوں کو  
معاف فرمادے گا۔

وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ ۖ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَيُنَادِي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِأَفْزَاتِهِمْ ۚ لَا يَرْجِيهِمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ قُلْ أَفَعَيِّرُ اللَّهَ تَأْمُرُونَنِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ۝ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝

اور قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اُن کے چہرے سیاہ پڑے ہوئے ہیں۔ کیا جہنم میں ایسے متکبروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟ ﴿۶۰﴾ اور جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، اللہ اُن کو نجات دے کر اُن کی مراد کو پہنچا دے گا، انہیں کوئی تکلیف چھوے گی بھی نہیں، اور نہ انہیں کسی بات کا غم ہوگا۔ ﴿۶۱﴾ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے۔ ﴿۶۲﴾ سارے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، اور جنہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ہے، گھائے میں رہنے والے وہی ہیں۔ ﴿۶۳﴾ کہہ دو کہ: ”کیا پھر بھی اے جاہلو! تم مجھ سے کہتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرو؟“ ﴿۶۴﴾ اور یہ حقیقت ہے کہ تم سے اور تم سے پہلے تمام پیغمبروں سے وحی کے ذریعے یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا، اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ ﴿۶۵﴾ لہذا اس کے بجائے تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اور شکر گزار لوگوں میں شامل ہو جاؤ۔ ﴿۶۶﴾

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَ  
 السَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۖ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٤﴾ وَنُفِخَ فِي  
 الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۖ ثُمَّ  
 نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿٢٥﴾ وَأَشْرَكَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا  
 وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَتْ بِالسَّابِقِ وَالشَّاهِدِ ۚ وَتُخَصَّصُ لَكُمُ الْأَرْضُ كُلُّهَا فَرِحْتُمْ  
 بِهَا وَإِن تُكَذِّبُونَ ﴿٢٦﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ وَسَيُقَاسُ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ فَمَا كَانَ لَهُمْ فِيهَا مِنْ عِلَّةٍ أَلَّا يَخْرُجُوا مِنْهَا ۚ

اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اُس کی قدر پہچاننے کا حق تھا، حالانکہ پوری کی پوری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی، اور سارے کے سارے آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے، اور بہت بالا اور بڑا اُس شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ﴿۶۷﴾ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے۔ پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ ﴿۶۸﴾ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی، اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا، اور انبیاء اور سب گواہوں کو حاضر کر دیا جائے گا، اور لوگوں کے درمیان بالکل برحق فیصلہ کیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۶۹﴾ اور ہر شخص کو اُس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ ﴿۷۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا، انہیں جہنم کی طرف گرد ہوں کی شکل میں ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُس کے دروازے کھولے جائیں گے،



وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمُ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ④ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ⑤ وَسَيَقُولُ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَىٰ الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوا خَالِدِينَ ⑥ وَقَالُوا الْحَسْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَاؤُا وَرَشْنَا لَآرْمَاضٍ نَّتَبَّأُ مِنْ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ⑦

اور اُس کے محافظ اُن سے کہیں گے کہ: ”کیا تمہارے پاس تمہارے اپنے لوگوں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنا تے ہوں، اور تمہیں اس دن کا سامنا کرنے سے خبردار کرتے ہوں؟“ وہ کہیں گے کہ: ”بیشک آئے تھے، لیکن عذاب کی بات کافروں پر سچی ہو کر رہی۔“ ﴿۷۱﴾ کہا جائے گا کہ: ”جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ، کیونکہ بہت بُرا ٹھکانا ہے اُن کا جو تکبر سے کام لیتے ہیں۔“ ﴿۷۲﴾ اور جنہوں نے اپنے پروردگار سے تقویٰ کا معاملہ رکھا تھا انہیں جنت کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچیں گے، جبکہ اُس کے دروازے اُن کے لئے پہلے سے کھولے جا چکے ہوں گے، (تو وہ عجیب عالم ہوگا) اور اُس کے محافظ اُن سے کہیں گے کہ: ”سلام ہو آپ پر، خوب رہے آپ لوگ! اب اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لئے آجائیے۔“ ﴿۷۳﴾ اور وہ (جنتی) کہیں گے کہ: ”تمام تر شکر اللہ کا ہے جس نے ہم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا، اور ہمیں اس سرزمین کا ایسا وارث بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنالیں۔ ثابت ہوا کہ بہترین انعام (نیک) عمل کرنے والوں کا ہے۔“ ﴿۷۴﴾

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ  
بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

ع ۵

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور کہنے والے کہیں گے کہ: ”تمام تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“ ﴿۷۵﴾

الحمد للہ! سورہ زمر کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج شب جمعہ میں بتاریخ ۲۷ شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۸ نومبر ۲۰۰۷ء کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْمُؤْمِنِينَ

## تعارف

یہاں سے سورہ احقاف تک ہر سورت حتم کے حروف مقطعات سے شروع ہو رہی ہے، جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا تھا، ان حروف کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چونکہ یہ سات سورتیں حتم سے شروع ہو رہی ہیں، اس لئے ان کو ”حوامیم“ کہا جاتا ہے، اور ان کے اُسلوب میں عربی بلاغت کے لحاظ سے جو ادبی حسن ہے، اُس کی وجہ سے انہیں ”عروس القرآن“ یعنی قرآن کی دلہن کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ یہ تمام سورتیں مکی ہیں، اور ان میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر زور دیا گیا ہے، کفار کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور کفر کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے، اور بعض انبیائے کرام کے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس پہلی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے آیت ۲۸ سے ۳۵ تک فرعون کی قوم کے ایک ایسے مردِ مؤمن کی تقریر نقل فرمائی گئی ہے جنہوں نے اپنا ایمان اب تک چھپایا ہوا تھا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے رفقاء پر فرعون کے مظالم بڑھنے کا اندیشہ ہوا، اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے اپنے ایمان کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہوئے فرعون کے دربار میں یہ مؤثر تقریر فرمائی۔ اسی مردِ مؤمن کے حوالے سے اس سورت کا نام بھی مؤمن ہے، اور اسے سورہ غافر بھی کہتے ہیں، ”غافر“ کے معنی ہیں ”معاف کرنے والا“۔ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے استعمال ہوا ہے، اس وجہ سے سورت کی پہچان کے لئے اس کا ایک نام غافر بھی رکھا گیا ہے۔

ایاتھا ۸۵ ﴿۲۰﴾ سُورَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۲۰ رُكُوعَاتُهَا ۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

حَمْ ۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۲ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ  
شَدِيدِ الْعِقَابِ ۳ ذِي الطَّلُوفِ ۴ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۵ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۶ مَا يُجَادِلُ فِي  
أَيِّتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ تَقْلِبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۷ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ  
قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۸ وَهَبْتَ كُلَّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوا  
وَجَدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۹ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۱۰

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچاس آیتیں اور نور کو ع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمْ ﴿۱﴾ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتاری جا رہی ہے جو بڑا صاحبِ اقتدار، بڑے علم کا مالک  
ہے، ﴿۲﴾ جو گناہ کو معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، بڑی طاقت کا  
مالک ہے۔ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اُسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۳﴾  
اللہ کی آیتوں میں جھگڑے وہی لوگ پیدا کرتے ہیں جنہوں نے کفر اپنالیا ہے۔ لہذا ان لوگوں کا  
شہروں میں دندناتے پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ ﴿۴﴾ ان سے پہلے نوح کی قوم اور اُن  
کے بعد بہت سے گروہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا، اور ہر قوم نے اپنے پیغمبر کے بارے  
میں یہ ارادہ کیا تھا کہ انہیں گرفتار کر لے، اور انہوں نے باطل کا سہارا لے کر جھگڑے کئے تھے تاکہ  
اُس کے ذریعے حق کو مٹا دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اُن کو پکڑ میں لے لیا۔ اب (دیکھ لو کہ) میری  
سزا کیسی (سخت) تھی؟ ﴿۵﴾

(۱) یعنی کافر لوگ اپنے کفر کے باوجود جس طرح خوش حال نظر آتے ہیں، اُس سے کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ انہیں  
اپنے کئے کی سزا نہیں ملے گی۔

وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ الَّذِينَ  
يَحْبِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَ  
يَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ  
لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۚ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ  
عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ  
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَمِيلْ فَقَدْ رَجَعْتَهُ ۖ وَ  
ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

اور اسی طرح جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اُن کے بارے میں تمہارے پروردگار کی یہ بات بھی پکی  
ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں۔ ﴿۶﴾

وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی  
 حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لے آئے  
 ہیں اُن کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں (کہ): ”اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر  
 چیز پر حاوی ہے، اس لئے جن لوگوں نے توبہ کر لی ہے، اور تیرے راستے پر چل پڑے ہیں، اُن کی  
 بخشش فرمادے، اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ ﴿۷﴾ اور اے پروردگار! انہیں ہمیشہ  
 رہنے والی اُن جنتوں میں داخل فرما جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔ نیز اُن کے ماں باپ اور  
 بیوی بچوں میں سے جو نیک ہوں، انہیں بھی۔ یقیناً تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار  
 بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۸﴾ اور اُن کو ہر طرح کی بُرائیوں سے محفوظ رکھ۔ اور اُس  
 دن جسے تو نے بُرائیوں سے محفوظ کر لیا، اُس پر تو نے بڑا رحم فرمایا۔ اور یہی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۹﴾

(۲) بُرائیوں سے مراد دوزخ کی تکلیفیں بھی ہو سکتی ہیں، اور دُنیا میں کی ہوئی بُرائیاں بھی، اور اُس صورت میں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى  
 الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ⑩ قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا أَشْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا أَشْنَتَيْنِ فَأَعْتَرَفْنَا  
 بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ⑪ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ  
 كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرِكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ⑫

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، اُن سے پکار کر کہا جائے گا کہ: ”(آج) تمہیں جتنی بیزاری اپنے  
 آپ سے ہو رہی ہے، اُس سے زیادہ بیزاری اللہ کو اُس وقت ہوتی تھی جب تمہیں ایمان کی دعوت  
 دی جاتی تھی، اور تم انکار کرتے تھے۔“ ﴿۱۰﴾ وہ کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں  
 دو مرتبہ موت دی، اور دو مرتبہ زندگی دی، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، تو کیا  
 (ہمارے دوزخ سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟“ ﴿۱۱﴾ (جواب دیا جائے گا کہ:) ”تمہاری یہ  
 حالت اس لئے ہے کہ جب اللہ کو تمہا پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے، اور اگر اُس کے ساتھ کسی اور کو  
 شریک ٹھہرایا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے۔ اب تو فیصلہ اللہ ہی کا ہے جس کی شان بہت اونچی، جس کی  
 ذات بہت بڑی ہے۔“ ﴿۱۲﴾

مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کی ہوئی بُرائیوں کے انجام سے بچائے، یعنی اُن بُرائیوں کو معاف فرمادے۔

(۳) یہ بات اُس وقت کہی جائے گی جب کافر لوگ دوزخ میں پہنچ کر عذاب میں مبتلا ہوں گے، اور اُس وقت وہ  
 خود اپنے آپ سے نفرت کریں گے کہ ہم نے دنیا میں کفر کا راستہ کیوں اختیار کیا تھا۔

(۴) ایک مرتبہ کی موت سے مراد تو پیدائش سے پہلے کا وہ وقت ہے جب انسان وجود ہی میں نہیں آیا تھا، اور اُس  
 وقت گویا مُردہ تھا، اور دوسری موت سے مراد وہ موت ہے جو زندگی کے آخر میں آئی۔ کافروں کی اس بات کا  
 مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں اس بات کے تو قائل تھے کہ ہم پیدائش سے پہلے موجود نہیں تھے، اور آخر میں ہمیں  
 موت آنے والی ہے، لیکن دو مرتبہ زندگی کے قائل نہیں تھے۔ اب ہمیں اس دوسری زندگی کا بھی یقین آ گیا ہے۔



هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلْ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿١٤﴾ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ بَرْذُونٌ ۚ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِسَنَ الْمَلِكِ الْيَوْمَ ۚ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُظُمِينَ ۖ ثَمَّ لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَبِيمٍ وَلَا شَفِيعَ يُطَاعُ ﴿١٨﴾

وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا، اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اتارتا ہے۔ اور نصیحت تو وہی مانا کرتا ہے جو (ہدایت کے لئے) دل سے رُجوع ہو۔ ﴿۱۳﴾ لہذا (اے لوگو!) اللہ کو اس طرح پکارو کہ تمہاری تابع داری خالص اُسی کے لئے ہو، چاہے کافروں کو کتنا برا لگے۔ ﴿۱۴﴾ وہ اُونچے درجوں والا، عرش کا مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے رُوح (یعنی وحی) نازل کر دیتا ہے تاکہ ملاقات کے اُس دن سے (لوگوں کو) خبردار کرے ﴿۱۵﴾ جس دن وہ سب گھل کر سامنے آجائیں گے، اللہ سے اُن کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوگی۔ (کہا جائے گا:) ”کس کی بادشاہی ہے آج؟“ (جواب ایک ہی ہوگا کہ:) ”صرف اللہ کی جو واحد و قہار ہے۔“ ﴿۱۶﴾ آج کے دن ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿۱۷﴾ (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک ایسی مصیبت کے دن سے ڈراؤ جو قریب آنے والی ہے، جب لوگوں کے کلیجے گھٹ گھٹ کر منہ کو آجائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا، اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ ﴿۱۸﴾

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝۱۹ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ  
يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝۲۰ أَوَلَمْ يَكُنْ  
يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا  
هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُ فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَا كَانَ لَهُمْ  
مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۲۱ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا  
فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۖ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۲۲ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا  
وَأَن يَدْعُونَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝۲۳

اللہ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے، اور اُن باتوں کو بھی جن کو سینوں نے چھپا رکھا ہے۔ ﴿۱۹﴾ اور  
اللہ برحق فیصلے کرتا ہے، اور اُسے چھوڑ کر جن (جھوٹے خداؤں) کو یہ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کا  
فیصلہ نہیں کر سکتے۔ یقیناً اللہ ہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔ ﴿۲۰﴾ اور کیا ان لوگوں  
نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے، اُن کا کیسا انجام ہو چکا ہے۔ وہ  
طاقت میں بھی ان سے زیادہ مضبوط تھے، اور زمین میں چھوڑی ہوئی یادگاروں کے اعتبار سے بھی۔  
پھر اللہ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ میں لے لیا، اور کوئی نہیں تھا جو انہیں اللہ سے  
بچائے۔ ﴿۲۱﴾ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس اُن کے پیغمبر کھلی کھلی دلیلیں لے کر آتے  
تھے، تو یہ انکار کرتے تھے، اس لئے اللہ نے انہیں پکڑ میں لیا۔ یقیناً وہ بڑی قوت والا، سزا دینے میں  
بڑا سخت ہے۔ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور بڑی واضح دلیل دے کر فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا  
تھا، تو انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹا جادوگر ہے۔ ﴿۲۳ و ۲۴﴾

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَ  
اسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۖ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ (۲۵) وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي  
أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي  
الْأَرْضِ الْفُسَادَ ۝ (۲۶) وَقَالَ مُوسَى إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا  
يَعْلَمُ يَوْمَ الْحِسَابِ ۝ (۲۷)

پھر جب وہ لوگوں کے پاس وہ حق بات لے کر گئے جو ہماری طرف سے آئی تھی<sup>(۵)</sup> تو انہوں نے کہا کہ: ”جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں، اُن کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو، اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھو۔“ حالانکہ کافروں کی چال کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مقصد تک نہ پہنچ سکیں۔ ﴿۲۵﴾ اور فرعون نے کہا: ”لاؤ، میں موسیٰ کو قتل ہی کر ڈالوں، اور اُسے چاہئے کہ اپنے رب کو پکار لے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا، یا زمین میں فساد برپا کر دے گا۔“ ﴿۲۶﴾ اور موسیٰ نے کہا: ”میں نے تو ہر اُس متکبر سے جو یومِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا، اُس کی پناہ لے لی ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔“ ﴿۲۷﴾

(۵) یعنی جب وہ سچے دین کا پیغام عام لوگوں کے پاس لے کر گئے، اور بہت سے لوگ اُن پر ایمان لانے لگے تو فرعون کے لوگوں نے یہ تجویز دی کہ جو مرد ایمان لائیں، اُن کے بیٹوں کو قتل کر دو، اور عورتوں کو زندہ رکھو تاکہ انہیں غلام بنا کر اُن سے خدمت لی جائے۔ یہ حکم ایک تو موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے دیا گیا تھا، جس کی تفصیل سورہ طہ اور سورہ قصص میں گزر چکی ہے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی نجومی نے پیشین گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل کا کوئی شخص فرعون کا تختہ الٹے گا۔ اور دوسری بار یہ حکم اُس وقت دیا گیا جب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے لگے۔ اور بیٹوں کو قتل کرنے کا منشاء ایک تو یہ تھا کہ ایمان لانے والوں کی نسل نہ بھیلے، اور دوسرے عام طور سے انسان کو اپنے بیٹوں کے قتل ہونے کا زیادہ صدمہ ہوتا ہے، اس لئے لوگ ایمان لاتے ہوئے ڈریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگے ارشاد فرمایا ہے کہ کافروں کی اس طرح کی تدبیریں آخر کار ناکام ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہوتا ہے، وہی غالب رہتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آخر کار فرعون غرق ہوا، اور بنی اسرائیل کو فتح حاصل ہوئی۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۚ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ (۲۸) يَقُومَ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهَرِ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنَ بَاسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝ (۲۹)

اور فرعون کے خاندان میں سے ایک مؤمن شخص جو ابھی تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، بول اٹھا کہ: ”کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہی ہو تو اُس کا جھوٹ اُسی پر پڑے گا، اور اگر سچا ہو تو جس چیز سے وہ تمہیں ڈرا رہا ہے، اُس میں سے کچھ تو تم پر آ ہی پڑے گی۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا (اور) جھوٹ بولنے کا عادی ہو۔ ﴿۲۸﴾ اے میری قوم! آج تو تمہیں ایسی سلطنت حاصل ہے کہ زمین میں تمہارا راج ہے، لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہے جو اُس کے مقابلے میں ہماری مدد کرے؟“ فرعون نے کہا: ”میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جسے میں دُرست سمجھتا ہوں، اور میں تمہاری جو رہنمائی کر رہا ہوں، وہ بالکل ٹھیک راستے کی طرف کر رہا ہوں۔“ ﴿۲۹﴾

(۶) یہ صاحب کون تھے؟ ان کا نام قرآن کریم نے نہیں لیا، بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ فرعون کے چچا زاد بھائی تھے، اور ان کا نام شمعان تھا۔ واللہ اعلم۔

(۷) یعنی جو شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے، اُسے اللہ تعالیٰ دُنیا ہی میں رُسوا کر دیتا ہے، اس لئے اگر بالفرض یہ جھوٹے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں خود رُسوا کر دے گا، تمہیں ان کو قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَقَالَ النَّبِيُّ آمَنَ يَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ۖ ﴿٣٠﴾ وَمِثْلَ دَابِ  
قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلَمًا لِلْعِبَادِ ۖ ﴿٣١﴾  
يَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۖ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُنَادُّونَ مُدِيرِينَ ۖ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ  
مِنْ عَاصِمٍ ۖ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ  
بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ  
اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۖ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ ۖ ﴿٣٤﴾

اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اُس نے کہا: ”اے میری قوم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر ویسا ہی دن نہ آجائے  
جیسا بہت سے گروہوں پر آچکا ہے۔ ﴿۳۰﴾ (اور تمہارا حال بھی ویسا نہ ہو) جیسا حال نوح (علیہ  
السلام) کی قوم کا، اور عاد و ثمود کا اور اُن کے بعد کے لوگوں کا ہوا تھا۔ اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں  
چاہتا۔ ﴿۳۱﴾ اور اے میری قوم! مجھے تم پر اُس دن کا خوف ہے جس میں چیخ پکار مچی  
ہوگی، ﴿۳۲﴾ جس دن تم پیٹھ پھیر کر اس طرح بھاگو گے کہ کوئی بھی تمہیں اللہ سے بچانے والا نہیں  
ہوگا، اور جسے اللہ بھٹکا دے، اُسے کوئی راستہ دکھانے والا میسر نہیں آتا۔ ﴿۳۳﴾ اور حقیقت یہ ہے  
کہ اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) تمہارے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے، تب بھی تم اُن  
کی لائی ہوئی باتوں کے متعلق شک میں پڑے رہے۔ پھر جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا کہ اُن  
کے بعد اللہ اب کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ اُن تمام لوگوں کو گمراہی میں ڈالے رکھتا ہے جو  
حد سے گزرے ہوئے، شکی ہوتے ہیں، ﴿۳۴﴾

(۸) یہ خطاب فرعون کی قوم یعنی قبطیوں کو ہو رہا ہے، اور قبطیوں کو ہدایت کا پیغام حضرت یوسف علیہ السلام نے دیا تھا۔  
(۹) یعنی اول تو حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت ہی کا انکار کرتے رہے، اور جب اُن کی وفات ہو گئی تو اُن  
کے کارنامے یاد کر کے تم نے یہ کہا کہ اگر وہ رسول تھے بھی تو اب اُن جیسا آدمی پیدا نہیں ہو سکتا، اور اس طرح  
آئندہ بھی کسی پیغمبر کو ماننے کا دروازہ بند کر دیا۔

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَتْهُمْ كَبِيرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ  
الَّذِينَ آمَنُوا ۖ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵ وَقَالَ فِرْعَوْنُ  
لِيِهَامُنُ ابْنِ صَمَحَأَ لَبِّ ائْتِ ابْنُ الْأَسْبَابِ ۝۳۶ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَأَطْلِعْ إِلَى  
إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَا أَظُنُّهُ كَاذِبًا ۖ وَكَذَلِكَ زَيْنَ فِرْعَوْنُ سَوْءَ عَمَلِهِ وَصَدَّ عَنِ  
السَّبِيلِ ۖ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۝۳۷ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ لِقَوْمِ أَتَّبِعُونَ ۚ  
أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝۳۸

جو اپنے پاس کسی واضح دلیل کے آئے بغیر اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں۔ یہ بات اللہ  
کے نزدیک بھی قابل نفرت ہے، اور اُن لوگوں کے نزدیک بھی جو ایمان لے آئے ہیں۔ اسی طرح  
اللہ ہر متکبر جابر شخص کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ ﴿۳۵﴾

اور فرعون نے (اپنے وزیر سے) کہا کہ: ”اے ہامان! میرے لئے ایک اونچی عمارت بنا دو، تاکہ  
میں اُن راستوں تک پہنچوں ﴿۳۶﴾ جو آسمانوں کے راستے ہیں، پھر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک کر  
دیکھوں۔“ اور یقین رکھو کہ میں تو اُسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔“ اسی طرح فرعون کی بدکرداری اُس کی  
نظر میں خوشنما بنا دی گئی تھی، اور اُسے راستے سے روک دیا گیا تھا۔ اور فرعون کی کوئی چال ایسی نہیں  
تھی جو بربادی میں نہ گئی ہو۔ ﴿۳۷﴾ اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اُس نے کہا: ”اے میری قوم!  
میری بات مانو، میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لے جاؤں گا۔“ ﴿۳۸﴾

(۱۰) ظاہر یہ ہے کہ یہ بات فرعون نے طنز کے طور پر کہی تھی، کیونکہ وہ خود خدائی کا دعوے دار تھا، اور اُس نے  
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو میں تمہیں قید کر دوں گا (دیکھئے سورہ  
شعراء ۲۶: ۲۹)۔

(۱۱) یعنی اُس کی نفسانی خواہشات نے اُسے سیدھے راستے پر چلنے سے روک رکھا تھا، اور یہ بھادیا تھا کہ جو کام تم  
کر رہے ہو، وہ بہت اچھا ہے۔

يَقُومُ اِنَّهَا هَذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۚ وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۚ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشِىْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۚ وَيَقُومُ مَا لِيْ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجْوَةِ وَتَدْعُوْنِنِيْ اِلَى النَّارِ ۚ تَدْعُوْنِنِيْ لَا كُفْرًا بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهِ ۚ مَا لِيْ يَسْئَلْنِيْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۚ لَا جَرَمَ اَنَّا تَدْعُوْنِنِيْ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِى الدُّنْيَا وَلَا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَنْ مَّرَدَّنَا اِلَى اللّٰهِ وَاَنْ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحَابُ النَّارِ ۚ

اے میری قوم! یہ دُنوی زندگی تو بس تھوڑا سا مزہ ہے، اور یقین جانو کہ آخرت ہی رہنے بسنے کا اصل گھر ہے۔ ﴿۳۹﴾ اور جس شخص نے کوئی بُرائی کی ہوگی، اُسے اُسی کے برابر بدلہ دیا جائے گا، اور جس نے نیک کام کیا ہوگا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مؤمن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ وہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔ ﴿۴۰﴾ اور اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں، اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو؟ ﴿۴۱﴾ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ اللہ کا انکار کروں، اور اُس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک مانوں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے، اور میں تمہیں اُس ذات کی طرف بلا رہا ہوں جو بڑی صاحب اقتدار، بہت بخشنے والی ہے۔ ﴿۴۲﴾ سچ تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، وہ کسی دعوت کے اہل نہیں ہیں، نہ دُنیا میں، نہ آخرت میں<sup>(۱۲)</sup>، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سب کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے، اور یہ کہ جو لوگ حد سے گزرنے والے ہیں، وہ آگ کے باسی ہیں۔ ﴿۴۳﴾

(۱۲) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو، خود اُن میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنے پوجنے کی دعوت دیں، اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ جن کو تم پوجنے کی ہمیں دعوت دے رہے ہو، وہ اس دعوت کے ہرگز لائق نہیں ہیں۔

فَسْتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ ۖ وَأَفْوَضُ أَمْرِى إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ  
 بِالْعِبَادِ ﴿۳۵﴾ فَوَقَّعَ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَخَاقٍ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءَ الْعَذَابِ ﴿۳۶﴾  
 النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ  
 فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۳۷﴾ وَإِذْ يَتَحَفَّضُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ الَّذِينَ  
 اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْجُونَ عَنَّا صِيبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۳۸﴾ قَالَ  
 الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا ۖ إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۳۹﴾

غرض تم عنقریب میری یہ باتیں یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد  
 کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ سارے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ ﴿۳۵﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن لوگوں نے  
 جو بُرے بُرے منصوبے بنا رکھے تھے، اللہ نے اُس (مردِ مؤمن) کو اُن سب سے محفوظ رکھا، اور  
 فرعون کے لوگوں کو بدترین عذاب نے آگھیرا۔ ﴿۳۶﴾ آگ ہے جس کے سامنے انہیں صبح و شام  
 پیش کیا جاتا ہے، اور جس دن قیامت آجائے گی، (اُس دن حکم ہوگا کہ:) ”فرعون کے لوگوں کو سخت  
 ترین عذاب میں داخل کر دو۔“ ﴿۳۷﴾

اور اُس وقت (کا دھیان رکھو) جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے،  
 چنانچہ جو (دُنیا میں) کمزور تھے، وہ اُن لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ: ”ہم تو  
 تمہارے پیچھے چلنے والے لوگ تھے، تو کیا تم آگ کا کچھ حصہ ہمارے بدلے خود لے لو گے؟“ ﴿۳۸﴾  
 وہ جو بڑے بنے ہوئے تھے، کہیں گے کہ: ”ہم سب ہی اس دوزخ میں ہیں۔ اللہ تمام بندوں کے  
 درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔“ ﴿۳۹﴾

(۱۳) انسان کے مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی رُوح جس عالم میں رہتی ہے، اُسے عالم برزخ  
 کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرعون اور اُس کے ساتھیوں کو عالم برزخ میں دوزخ کے سامنے  
 پیش کیا جاتا ہے، تاکہ انہیں پتہ چلے کہ اُن کا ٹھکانا یہ ہے۔



وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۖ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُن تَأْتِيكُم مَّرْسَلَةٌ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۖ قَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۖ وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۚ ۝۵۰ إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝۵۱ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝۵۲ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَ أَوْشَانَا بَيْنِي إِسْرَآءِ يَلِ الْكِتَابِ ۝۵۳ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝۵۴

اور یہ سب جو آگ میں پڑے ہوں گے، دوزخ کے گمرانوں سے کہیں گے کہ: ”اپنے پروردگار سے دُعا کرو کہ وہ کسی دن ہم سے عذاب کو ہلکا کر دے۔“ ﴿۵۰﴾ وہ کہیں گے کہ: ”کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر کھلی کھلی نشانیاں لے کر آتے نہیں رہے تھے؟“ دوزخی جواب دیں گے کہ: ”بیشک (آتے تو رہے تھے۔)“ وہ کہیں گے: ”پھر تو تم ہی دُعا کرو، اور کافروں کی دُعا کا کوئی انجام اکارت جانے کے سوا نہیں ہے۔“ ﴿۵۰﴾

یقین رکھو کہ ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کی دُنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اُس دن بھی کریں گے جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے، ﴿۵۱﴾ جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی، اور اُن کے حصے میں پھٹکار ہوگی، اور اُن کے لئے رہائش کی بدترین جگہ۔ ﴿۵۲﴾ اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا کی، اور بنی اسرائیل کو اُس کتاب کا وارث بنایا ﴿۵۳﴾ جو عقل والوں کے لئے سرِ پادہایت اور نصیحت تھی۔ ﴿۵۴﴾

(۱۴) یعنی جب لوگوں کے اعمال کی گواہی دینے کے لئے گواہوں کو بلایا جائے گا۔ یہ گواہ فرشتے بھی ہوں گے، اور انبیائے کرام وغیرہ بھی۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝۵۵ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۚ إِنَّ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرًا مَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝۵۶ لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝۵۷

لہذا (اے پیغمبر!) صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اپنے قصور پر استغفار کرتے رہو، اور صبح و شام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔ ﴿۵۵﴾ یقین جانو کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑے نکالتے ہیں، جبکہ اُن کے پاس (اپنے دعوے کی) کوئی سند نہیں آئی، اُن کے سینوں میں اور کچھ نہیں، بلکہ اُس بڑائی کا ایک گھمنڈ ہے جس تک وہ کبھی پہنچنے والے نہیں ہیں۔ ﴿۵۶﴾ لہذا تم اللہ کی پناہ مانگو۔ یقیناً وہی ہے جو ہر بات سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ ﴿۵۶﴾ یقینی بات ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ (اتنی سی بات) نہیں سمجھتے۔ ﴿۵۷﴾

(۱۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے پاک بنایا ہے۔ اس کے باوجود آپ کثرت سے استغفار فرمایا کرتے تھے، اور قرآن کریم میں بھی آپ کو اس کی تاکید فرمائی گئی ہے، تاکہ آپ کی امت یہ سبق لے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود اتنی کثرت سے اپنے ایسے کاموں کی معافی مانگتے ہیں جو درحقیقت گناہ نہیں ہیں، لیکن آپ اُن کو اپنے مقامِ بلند کی وجہ سے قصور یا گناہ سمجھتے ہیں، تو جو لوگ معصوم نہیں ہیں، اُن کو تو اور زیادہ استغفار کرنا چاہئے۔

(۱۶) یعنی ان کو اپنے بارے میں جو گھمنڈ ہے کہ ہم کوئی بہت اونچے درجے پر فائز ہیں، یہ سراسر غلط ہے۔ نہ وہ اس وقت کسی بڑے مرتبے پر ہیں، اور نہ کبھی ایسے کسی مرتبے پر پہنچ پائیں گے۔

(۱۷) مشرکین عرب مانتے تھے کہ آسمان و زمین سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا  
 الْمُسِيءُ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَأَتِيَةٌ ۖ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ وَلَكِنَّ  
 أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي ۖ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۗ إِنَّ  
 الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرِينَ ﴿٦٠﴾ اللَّهُ الَّذِي  
 جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصَرًا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى  
 النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۗ  
 لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآلِئِنْ تَوَفَّكُم ۖ

اور اندھا اور بینائی رکھنے والا دونوں برابر نہیں ہوتے، اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے، اور انہوں نے  
 نیک عمل کئے، وہ اور بدکار برابر ہیں، (لیکن) تم لوگ بہت کم دھیان دیتے ہو۔ ﴿۵۸﴾ یقین رکھو  
 کہ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے، جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ  
 ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۵۹﴾ اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: ”مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں  
 قبول کروں گا، بیشک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں  
 داخل ہوں گے۔“ ﴿۶۰﴾ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی، تاکہ تم اُس میں سکون  
 حاصل کرو، اور دن کو دیکھنے والا بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے، لیکن اکثر  
 لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۶۱﴾ وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ اُس  
 کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر کہاں سے کوئی چیز تمہیں اوندھا چلا دیتی ہے؟ ﴿۶۲﴾

کہ اتنی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جو ذات اتنی عظیم الشان چیزیں عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے  
 لئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ چنانچہ اس واضح بات کا بھی وہ انکار کرتے ہیں۔

كَذَلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٦٣﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ  
الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بَنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ  
الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ  
إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٥﴾ قُلْ إِنِّي  
نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي ۚ وَ  
أُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّن تَرَابٍ ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ  
ثُمَّ مِّن عِلْقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِيَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِيَتَكُونُوا أُمِّيًّا ۚ

اسی طرح وہ لوگ بھی اوندھے چلے تھے جو (پہلے) اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ ﴿۶۳﴾  
اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار کی جگہ بنایا، اور آسمان کو ایک گنبد، اور تمہاری  
صورت گری کی، اور تمہاری صورتوں کو اچھا بنایا، اور پاکیزہ چیزوں میں سے تمہیں رزق عطا  
کیا۔ وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے۔ غرض بڑی برکت والا ہے اللہ، سارے جہانوں کا  
پروردگار! ﴿۶۴﴾ وہی سدا زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لئے اُس کو اس طرح  
پکارو کہ تمہاری تابع داری خالص اُسی کے لئے ہو۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے  
جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۶۵﴾ (اے پیغمبر! کافروں سے) کہہ دو کہ: ”مجھے اس بات سے منع  
کر دیا گیا ہے کہ جب میرے پاس میرے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشانیاں آچکی ہیں، تو پھر  
بھی میں اُن کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارتے ہو۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے  
کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے آگے سر جھکاؤں۔“ ﴿۶۶﴾ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی  
سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جے ہوئے خون سے۔ پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں باہر لاتا  
ہے، پھر (وہ تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جاؤ، اور پھر بوڑھے ہو جاؤ

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفَّىٰ مِنْ قَبْلُ وَلَيْتَبُلَّغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۷۰﴾ هُوَ  
 الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ فَإِذَا قُضِيَ أَمْرُ أَفَّا نَكْتُمُ الْقَوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۷۱﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى  
 الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ ۖ أَنْ يُّصْرَفُونَ ﴿۷۲﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِآ  
 مْرِ سُلْطَانِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۷۳﴾ إِذَا أَعْلَلُ فِي أَعْنَاقِهِمُ وَالسَّلْسُلُ  
 يُسْحَبُونَ ﴿۷۴﴾ فِي الْحَمِيمِ ۖ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿۷۵﴾

— اور تم میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس سے پہلے ہی وفات پا جاتے ہیں — اور تاکہ تم ایک  
 مقرر میعاد تک پہنچو، اور تاکہ تم عقل سے کام لو۔ ﴿۷۰﴾ وہی ہے جو زندگی دیتا اور موت دیتا  
 ہے۔ اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس سے صرف اتنا کہتا ہے کہ: ”ہو جا“ بس وہ  
 ہو جاتا ہے۔ ﴿۷۱﴾

کیا تم نے اُن لوگوں کو دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں؟ کوئی کہاں سے ان کا  
 رُخ پھیر دیتا ہے؟ ﴿۷۲﴾ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اس کتاب کو بھی جھٹلایا ہے، اور اُس  
 (تعلیم) کو بھی جس کا حامل بنا کر ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے تھے۔ چنانچہ انہیں عنقریب پتہ لگ  
 جائے گا ﴿۷۳﴾ جب ان کے گلوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، انہیں گرم پانی میں گھیٹا  
 جائے گا، پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا، ﴿۷۴﴾

(۱۸) یعنی یہ سمجھو کہ جو ذات انسان کو تخلیق کے ان سارے مراحل سے گزار رہی ہے، اُس کو کسی اور شریک کی کیا  
 حاجت ہے؟ اور اُس کے سوا کون ہے جو عبادت کے لائق ہو؟ نیز جس نے انسان کو اتنے سارے مراحل سے  
 گزارا، کیا وہ اُسے ایک اور مرحلے سے گزار کر اُسے ایک دوسری زندگی نہیں دے سکتی؟

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ  
 نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۖ كَذَلِكَ يَضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٤٤﴾ ذَلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ  
 تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَتَرَحَّوْنَ ﴿٤٥﴾ اُدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ  
 خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبُئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٤٦﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَأَمَّا  
 نُرِّيَنَّكَ بَعْضَ الْأَمْرِ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَقَّعُفِيكَ ۖ فَالْبَيِّنَاتُ يُرْجَعُونَ ﴿٤٧﴾ وَلَقَدْ أَمَرْنَا  
 رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۖ

پھر ان سے کہا جائے گا: ”کہاں ہیں اللہ کے سوا وہ (تمہارے معبود) جنہیں تم خدائی میں اُس کا  
 شریک مانا کرتے تھے؟“ یہ کہیں گے: ”وہ سب تو ہم سے کھوئے گئے، بلکہ ہم پہلے کسی چیز کو نہیں پکارا  
 کرتے تھے۔“ اس طرح اللہ کافروں کو بدحواس کر دیتا ہے۔ ﴿۴۳ و ۴۴﴾ (ان سے یہ پہلے ہی  
 کہہ دیا گیا ہوگا کہ: ) ”یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تم زمین میں ناحق بات پر اترایا کرتے تھے، اور  
 اس لئے کہ تم اکڑ دکھاتے تھے۔ ﴿۴۵﴾ جاؤ، جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل  
 ہو جاؤ، کیونکہ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت ہی بُرا ہے۔“ ﴿۴۶﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام  
 لو۔ یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اب ہم ان (کافروں کو) جس (عذاب) سے ڈرا رہے ہیں،  
 چاہے اُس کا کچھ حصہ ہم تمہیں بھی (تمہاری زندگی میں) دکھلا دیں، یا تمہیں دُنیا سے اٹھالیں،  
 بہر صورت ان کو ہمارے پاس ہی واپس لایا جائے گا۔ ﴿۴۷﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے  
 پہلے بھی بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں بتادیئے  
 ہیں، اور کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں نہیں بتائے۔

(۱۹) اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اُس وقت جھوٹ بول جائیں گے، اور یہ کہیں گے کہ ہم نے کبھی  
 شرک کا ارتکاب نہیں کیا، جیسا کہ سورۃ انعام (۶: ۲۳) میں مذکور ہے۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ اُس وقت وہ

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَاذْجَأْ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ  
 وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٤٨﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ لَتَرْكَبُوا مِنْهَا  
 وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٤٩﴾ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ  
 وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۚ فَآيَ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ﴿٥١﴾  
 أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

اور کسی پیغمبر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے۔ پھر جب اللہ کا حکم  
 آئے گا تو سچائی کا فیصلہ ہو جائے گا، اور جو لوگ باطل کی پیروی کر رہے ہیں، وہ اُس موقع پر سخت  
 نقصان اٹھائیں گے۔ ﴿۷۸﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے مویشی پیدا کئے، تاکہ اُن میں سے کچھ پر تم سواری کرو، اور اُنہی  
 میں سے وہ بھی ہیں جنہیں تم کھاتے ہو۔ ﴿۷۹﴾ اور تمہارے لئے اُن میں بہت سے فائدے ہیں،  
 اور اُن کا مقصد یہ بھی ہے کہ تمہارے دلوں میں (کہیں جانے کی) جو حاجت ہو اُس تک پہنچ سکو۔  
 اور تمہیں ان جانوروں پر اور کشتیوں پر اٹھا کر لے جایا جاتا ہے۔ ﴿۸۰﴾ اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں  
 دکھا رہا ہے، پھر تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟ ﴿۸۱﴾ بھلا کیا انہوں نے زمین میں چل  
 پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے جو لوگ تھے، اُن کا انجام کیسا ہوا؟

یہ اعتراف کریں گے کہ جن بتوں وغیرہ کو ہم دُنیا میں پکارا کرتے تھے، اب ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ کوئی حقیقی چیز  
 نہیں تھے، اور ہم کسی حقیقی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔

(۲۰) کفار مکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار نت نئے معجزے دکھانے کی فرمائش کرتے رہتے تھے، اور  
 اصرار کرتے تھے کہ وہی معجزہ دکھائیں جو ہم کہیں۔ اور مقصد سوائے وقت گزاری کے کچھ نہیں تھا، کیونکہ آپ کے  
 کئی معجزات دیکھنے کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں تھے۔ اس لئے یہاں اُن کو دینے کے لئے یہ جواب سکھایا  
 جا رہا ہے کہ معجزہ دکھانا کسی پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے دکھایا جاسکتا ہے،  
 اس لئے آپ ان سے صاف کہہ دیں کہ میں تمہاری نت نئی فرمائشیں پوری کرنے سے معذور ہوں۔

كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا  
يَكْسِبُونَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِإِعْنَادِهِمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ  
بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَ  
كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا  
سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿۸۵﴾

عج

وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے، اور طاقت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے، اور ان یادگاروں میں  
بھی جو وہ زمین میں چھوڑ کر گئے ہیں۔ پھر بھی جو کچھ وہ کماتے تھے، وہ ان کے کچھ کام نہیں  
آیا۔ ﴿۸۲﴾ چنانچہ جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے، تب بھی وہ اپنے  
اُس علم پر ہی ناز کرتے رہے جو ان کے پاس تھا، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اُسی نے  
ان کو آگھیرا۔ ﴿۸۳﴾ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اُس وقت کہا کہ:  
”ہم خدائے واحد پر ایمان لے آئے، اور ان سب کا ہم نے انکار کر دیا جن کو ہم اللہ کے ساتھ  
شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔“ ﴿۸۴﴾ لیکن جب ہمارا عذاب انہوں نے دیکھ لیا تھا تو اُس کے بعد  
ان کا ایمان لانا انہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا۔ خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہی معمول ہے جو اُس کے  
بندوں میں پہلے سے چلا آتا ہے۔ اور اُس موقع پر کافروں نے سخت نقصان اٹھایا۔ ﴿۸۵﴾

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۲ ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳ دسمبر ۲۰۰۷ء بروز دوشنبہ بعد نماز  
عشاء سورہ مؤمن کا ترجمہ اور اُس کے حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو  
اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ  
تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔





# سُورَةُ الْحَجِّ

## تعارف

یہ سورت اُس مجموعے کا ایک حصہ ہے جسے حوامیم کہا جاتا ہے، اور جس کا تعارف پیچھے سورہ مؤمن کے شروع میں گذر چکا ہے۔ اس سورت کے مضامین بھی دوسری کئی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کے اثبات اور مشرکین کی تردید وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۳۸ آیت سجدہ ہے، یعنی اس کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے، اس لئے اس کو حَمَّ السَّجْدَةِ کہا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا نام سورہ ”فُصِّلَتْ“ بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی ہی آیت میں یہ لفظ آیا ہے۔ نیز اسے ”سورة المصابيح“ اور ”سورة الأقوات“ بھی کہا جاتا ہے۔ (روح المعانی)

آیتھا ۵۴ ﴿۵۴﴾ سُورَةُ حَمَّ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۱ ﴿۲۱﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۲﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

حَمَّ ﴿۱﴾ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۲﴾ كَتَبْتُ فُصِّلْتُ إِلَيْهِ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳﴾ بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۴﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكْثَرِ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَكَ حِجَابٌ فَاْعْمَلْ إِنَّا نَحْلُمُونَ ﴿۵﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىَّ أَنبَاءُ إِلَهُكُمْ إِلَهُ ﴿۶﴾ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوا ۖ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ ﴿۷﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمَّ ﴿۱﴾ یہ کلام اُس ذات کی طرف سے نازل کیا جا رہا ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔ ﴿۲﴾ عربی قرآن کی شکل میں یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں علم حاصل کرنے والوں کے لئے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، ﴿۳﴾ یہ قرآن خوشخبری دینے والا بھی ہے، اور خبردار کرنے والا بھی۔ پھر بھی ان میں سے اکثر لوگوں نے منہ موڑ رکھا ہے جس کے نتیجے میں وہ سنتے نہیں ہیں، ﴿۴﴾ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہتے ہیں کہ: ”جس چیز کی طرف تم ہمیں بلارہے ہو، اُس کے لئے ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ لہذا تم اپنا کام کرتے رہو، ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔“ ﴿۵﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ (البتہ) مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ لہذا تم اپنا رخ سیدھا اُسی کی طرف رکھو، اور اُسی سے مغفرت مانگو۔ اور بڑی تباہی ہے اُن مشرکوں کے لئے ﴿۶﴾

الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَفَرُونَ ⑤ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا  
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ⑥ قُلْ أَنتُمْ تَقْرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ  
 الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ⑦ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ⑧ وَجَعَلَ  
 فِيهَا رِوَاسِيٍّ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَمْوَاطَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ⑨  
 سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ⑩ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ  
 ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ⑪ قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ⑫

جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، اور اُن کا حال یہ ہے کہ آخرت کے وہ بالکل ہی منکر ہیں۔ ﴿۷﴾ (البتہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے لئے بیشک ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ ﴿۸﴾ کہہ دو کہ: ”کیا تم واقعی اُس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا، اور اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ ذات تو سارے جہانوں کی پرورش کرنے والی ہے۔ ﴿۹﴾ اور اُس نے زمین میں جہے ہوئے پہاڑ پیدا کئے جو اُس کے اوپر ابھرے ہوئے ہیں، اور اُس میں برکت ڈال دی، اور اُس میں توازن کے ساتھ اُس کی غذائیں پیدا کیں۔ سب کچھ چار دن میں۔ تمام سوال کرنے والوں کے لئے برابر! ﴿۱۰﴾ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جبکہ وہ اُس وقت دھوئیں کی شکل میں تھا، اور اُس سے اور زمین سے کہا: ”چلے آؤ، چاہے خوشی سے یا زبردستی۔“ دونوں نے کہا: ”ہم خوشی خوشی آتے ہیں۔“ ﴿۱۱﴾

(۱) یہ سورت مکی ہے، اور اس کے علاوہ بعض دوسری مکی سورتوں میں بھی زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہو چکی تھی، البتہ اُس کے تفصیلی احکام مدینہ منورہ میں آئے ہیں۔  
 (۲) زمین میں برکت ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں مخلوقات کے فائدے کی چیزیں پیدا فرمائیں، اور ایسا

نظام بنادیا کہ وہ زمین سے ضرورت کے مطابق مناسب مقدار میں نکلتی رہیں۔

(۳) ان چار دنوں میں زمین کی تخلیق بھی شامل ہے جس کے بارے میں پیچھے فرمایا گیا تھا کہ وہ دو دن میں مکمل فرمائی گئی، لہذا دو دن میں زمین پیدا کی گئی، اور دو دن میں اُس زمین پر پہاڑ اور دوسری انسانی ضروریات کی چیزیں اور خوراک وغیرہ پیدا کرنے کا انتظام فرمایا گیا، اس طرح زمین اور اُس کے اُوپر کی اشیاء پیدا کرنے میں کل چار دن استعمال فرمائے گئے۔ اور دو دن میں ساتوں آسمان پیدا فرمائے گئے۔ اس طرح کائنات کی تخلیق کل چھ دن میں مکمل ہوئی، جیسا کہ سورۃ اعراف (۷: ۵۴)، سورۃ یونس (۱۰: ۳)، سورۃ ہود (۱۱: ۷)، سورۃ فرقان (۲۵: ۵۹)، سورۃ الم السجدہ (۳۲: ۴) اور سورۃ حدید (۵۷: ۴) میں مذکور ہے۔ سورۃ اعراف میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ اُس وقت کی بات ہے جب دنوں کا حساب سورج کے طلوع و غروب کے بجائے کسی اور معیار پر ہوتا تھا جس کا ٹھیک ٹھیک علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ وہ ایک ہی لمحے میں سب کچھ پیدا فرمادیتے، لیکن اس عمل کے ذریعے انسان کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، نیز اس میں اور بھی نہ جانے کیا مصلحتیں ہوں گی جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

(۴) اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ جو لوگ بھی زمین و آسمان کی تخلیق کے بارے میں سوال کریں، اُن سب کے لئے یہ یکساں جواب ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ”سوال کرنے والوں“ سے مراد وہ ساری مخلوقات ہیں جو زمین سے غذائیں حاصل کرنا چاہیں، چاہے وہ انسان ہوں، یا جنات، یا جانور۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے یہ موقع عطا فرمایا ہے کہ وہ زمین سے اپنی اپنی غذا حاصل کر سکیں۔ مختلف مفسرین نے اس جملے کی یہ دونوں تفسیریں کی ہیں، چنانچہ ترجمے میں بھی دونوں کی گنجائش ہے۔

(۵) شروع میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کا مادہ پیدا فرمادیا تھا جو دھوئیں کی شکل میں تھا، پھر دو دن میں اُسے سات آسمانوں کی صورت میں تبدیل فرما کر اُس کا مستقل نظام قائم فرمایا۔

(۶) ”چلے آؤ“ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے حکم کے تابع بن جاؤ، ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا گیا کہ تم خوشی سے ہمارے حکم کے تابع بننا نہ چاہو، تب بھی تمہیں زبردستی تابع بننا ہی پڑے گا، یعنی زمین اور آسمان میں وہی کام ہوں گے جن کا اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق تکوینی طور پر ہم حکم دیں گے، تمہارے اندر یہ قدرت پیدا نہیں کی گئی ہے کہ تم ہمارے تکوینی احکام کی مخالفت کر سکو، لہذا اگر تم خوشی سے نہیں چاہو گے تو زبردستی تمہیں کرنا وہی ہوگا جو ہمارا حکم ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ انسان کا معاملہ کائنات کی دوسری مخلوقات سے مختلف ہے، انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو قسم کے احکام کا پابند ہے، ایک تکوینی احکام ہیں، مثلاً یہ کہ وہ کب پیدا ہوگا، کتنی

فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَلَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا  
السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِصَابِيحٍ ۖ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۱۷﴾

چنانچہ اُس نے دو دن میں اپنے فیصلے کے تحت اُن کے سات آسمان بنا دیئے، اور ہر آسمان میں اُس کے مناسب حکم بھیج دیا۔<sup>(۷)</sup> اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو چراغوں سے سجایا، اور اُسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ اُس ذات کی نبی ٹکی منصوبہ بندی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی مکمل۔ ﴿۱۲﴾

عمر پائے گا، اُسے کوئی بیماریاں لاحق ہوں گی، اُس کی کتنی اولاد ہوگی، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں، اور ان معاملات میں انسان کائنات کی دوسری مخلوقات کی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع رہنے پر مجبور ہے۔ یہاں آسمان وزمین سے یہ مکالمہ حقیقی بھی ہو سکتا ہے، اور مجازی بھی، لیکن انسان کو بتانا یہ مقصود ہے کہ ان تکوینی احکام میں چونکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلنے پر مجبور ہے، اس لئے وہ ان احکام پر خوشی سے چلے، یا اُن پر ناخوش ہو، ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ لہذا ایک بندہ ہونے کی وجہ سے انسان کو وہی طریقہ عمل اختیار کرنا چاہئے جو زمین اور آسمان نے کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہم تو خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے تابع رہیں گے۔ لہذا غیر اختیاری معاملات میں جو بات بھی پیش آئے، انسان کو اُس پر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کم از کم عقلی طور پر راضی رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کی ایک قسم اور ہے جنہیں تشریحی احکام کہا جاتا ہے، یعنی کوئی چیز حلال ہے، کوئی حرام، اللہ تعالیٰ کو کونسا کام پسند ہے، کونسا ناپسند۔ انسان کو حکم یہ دیا گیا ہے کہ وہ وہی کام کرے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، لیکن اس بات پر اُسے اس طرح مجبور نہیں کیا گیا جیسے تکوینی احکام پر وہ مجبور ہے، بلکہ یہ احکام دینے کے بعد اُسے یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان پر عمل کرے، اور اگر چاہے تو نافرمانی کا راستہ اختیار کر لے، اور یہی اُس کا امتحان ہے جس کے نتیجے میں اُس کے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ چونکہ دوسری مخلوقات کو اس امتحان میں نہیں ڈالا گیا، اس لئے اُن کو نہ تشریحی احکام دیئے گئے ہیں، اور نہ نافرمانی کا اختیار دیا گیا ہے۔ ان احکام پر بھی انسان کو خوشی خوشی عمل کرنا چاہئے، کیونکہ اُس کی ابدی زندگی کی صلاح و فلاح اسی پر موقوف ہے۔  
(۷) یعنی آسمانوں کا نظام چلانے کے لئے جو احکام مناسب تھے، وہ متعلقہ مخلوقات کو عطا فرما دیئے۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صُِعْقَةً مِّثْلَ صُِعْقَةِ عَادٍ وَتُسُودٌ ۚ ۱۳ اِذْجَأَتْهُمْ  
الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ قَالُوا لَوْ شَاءَ  
رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِهَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كُفْرًا ۚ ۱۴ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي  
الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۚ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ  
هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۚ ۱۵ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا  
صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحْسَاتٍ لِنَنْزِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ  
الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَلَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ ۚ ۱۶

پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ: ”میں نے تمہیں اُس کڑکے سے خبردار کر دیا ہے جیسا کڑکا  
عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔“ ﴿۱۳﴾ یہ اُس وقت کی بات ہے جب اُن کے پاس پیغمبر (کبھی) اُن  
کے آگے سے اور (کبھی) اُن کے پیچھے سے یہ پیغام لے کر آئے کہ اللہ کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ  
کرو۔ اُنہوں نے کہا کہ: ”اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتے بھیجتا۔ لہذا جس بات کے ساتھ تمہیں  
بھیجا گیا ہے، ہم اُس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔“ ﴿۱۴﴾ پھر عاد کا قصہ تو یہ ہوا کہ اُنہوں نے  
زمین میں ناحق تکبر کا رویہ اختیار کیا، اور کہا کہ: ”کون ہے جو طاقت میں ہم سے زیادہ ہو؟“ بھلا کیا  
اُن کو یہ نہیں سوچا کہ جس اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے، وہ طاقت میں اُن سے کہیں زیادہ ہے؟ اور وہ  
ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔ ﴿۱۵﴾ چنانچہ ہم نے کچھ منخوس دنوں میں اُن پر آندھی کی شکل  
میں ہوا بھیجی تاکہ اُنہیں دُنیوی زندگی میں رُسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں۔ اور آخرت کا عذاب  
اُس سے بھی زیادہ رُسوا کرنے والا ہے، اور اُن کو کوئی مدد میسر نہیں آئے گی۔ ﴿۱۶﴾

(۸) یہ ایک محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر رُخ سے اپنی قوموں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

(۹) قرآن و سنت کے متعدد دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام دن اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور



وَأَمَّا شُودُ فَهَدَّيْنُهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى فَأَخَذَتْهُمْ صِعْقَةُ الْعَذَابِ  
بِئْسَ الْهُونَ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٥﴾ وَيَوْمَ  
يُخْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٦﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ  
عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾ وَقَالُوا الْجُلُودُ دُهِمَ  
لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ  
مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٨﴾

رہے شمود، تو ہم نے انہیں سیدھا راستہ دکھایا تھا، لیکن انہوں نے سیدھا راستہ اختیار کرنے کے  
مقابلے میں اندھا رہنے کو زیادہ پسند کیا، چنانچہ انہوں نے جو کمائی کر رکھی تھی، اُس کی وجہ سے اُن کو  
ایسے عذاب کے کڑکے نے آپکڑا جو سراپا ذلت تھا، ﴿۱۷﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے تھے، اور  
تقویٰ اختیار کئے ہوئے تھے، اُن کو ہم نے نجات دے دی۔ ﴿۱۸﴾

اور اُس دن کا دھیان رکھو جب اللہ کے دشمنوں کو جمع کر کے آگ کی طرف لے جایا جائے گا، چنانچہ  
انہیں ٹولیوں میں بانٹ دیا جائے گا۔ ﴿۱۹﴾ یہاں تک کہ جب وہ اُس (آگ) کے پاس پہنچ  
جائیں گے تو اُن کے کان، اُن کی آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ کیا  
کچھ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۲۰﴾ وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ: ”تم نے ہمارے خلاف کیوں  
گواہی دی؟“ وہ کہیں گی کہ: ”ہمیں اُسی ذات نے بولنے کی طاقت دے دی ہے جس نے ہر چیز کو  
گویائی عطا فرمائی۔“ اور وہی ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور اُسی کی طرف تمہیں واپس  
لے جایا جا رہا ہے۔ ﴿۲۱﴾

کسی بھی دن میں بذاتِ خود کوئی عمومی نحوست نہیں ہوتی، اس لئے یہاں منحوس دنوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن اُن  
لوگوں کے لئے منحوس ثابت ہوئے۔

(۱۰) شروع میں مشرک لوگ بوکھلاہٹ کے عالم میں یہ جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے تو کبھی شرک نہیں کیا تھا،

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرُونَ ۚ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا ابْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ  
وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۚ ۝۲۱ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ  
بِرَبِّكُمْ اَرْدَكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۲ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَاَلَّا تَمْسُوْا لَهُمْ ؕ وَ  
اِنْ يَّسْتَعْثِبُوْا فَمَا لَهُمْ مِنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۝۲۳ وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرْءًا فَرِيْقًا وَّالَهُمْ مَّآبِيْنٌ  
اَيْدِيَهُمْ وَمَا خَلَقَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ  
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۲۴

اور تم (گناہ کرتے وقت) اس بات سے تو چھپ ہی نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں  
اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں، لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال  
کا علم نہیں ہے۔ ﴿۲۱﴾ اپنے پروردگار کے بارے میں تمہارا یہی گمان تھا جس نے تمہیں برباد کیا،  
اور اسی کے نتیجے میں تم اُن لوگوں میں شامل ہو گئے جو سراسر خسارے میں ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اب ان  
لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر یہ صبر کریں تب بھی آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے، اور اگر یہ معذرت چاہیں تو یہ  
ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کی معذرت قبول کی جاتی ہے۔ ﴿۲۳﴾ اور ہم نے (دُنیا میں) ان  
پر کچھ ساتھی مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے آگے پیچھے کے سارے کاموں کو خوشنما بنا دیا تھا،  
چنانچہ جو دوسرے جنات اور انسان ان سے پہلے گزر چکے ہیں، اُن کے ساتھ مل کر (عذاب کی)  
بات ان پر بھی سچی ہوئی۔ یقیناً وہ سب خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہیں۔ ﴿۲۴﴾

جیسا کہ قرآن کریم نے سورہٴ انعام (۶: ۲۳) میں بیان فرمایا ہے۔ اُس موقع پر اللہ تعالیٰ خود اُنہی کے جسم کے  
مختلف حصوں سے اُن کے خلاف گواہی دلوائیں گے۔

(۱۱) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ بعض احمق کافر یہ سمجھتے تھے کہ اگر وہ کوئی گناہ چھپ کر کریں گے تو اللہ  
تعالیٰ کو اُس کا علم نہیں ہوگا، اُس وقت وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے گناہ کا نہ کوئی گواہ ہے، اور نہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو  
اس کا پتہ چلے گا۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو ہر بات کا گواہ ہے ہی، خود اُن کے  
جسم کے یہ اعضاء بھی اُن کے خلاف گواہ بن جائیں گے۔

(۱۲) اس سے مراد وہ شیاطین بھی ہیں جو انسانوں کو گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے گناہوں کے لئے بہکاتے تھے،

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْعُوا إِلَهَ هَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾  
فَلَنذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْرَءَ الَّذِي كَانُوا  
يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ ذَلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءُ بَشَرًا  
كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذِينَ أَضَلَّانَا مِنَ  
الْجِنَّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلُهُم تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونُوا مِنَ الْآسَفِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ  
قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا  
أَبَشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾

اور یہ کافر (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ: ”اس قرآن کو سنو ہی نہیں، اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا  
کر دیتا کہ تم ہی غالب رہو۔“ ﴿۲۶﴾ اس لئے ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور  
یہ (دنیا میں) جو بدترین کام کیا کرتے تھے، اُس کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ ﴿۲۷﴾ یہی ہے سزا اللہ  
کے دشمنوں کی جو آگ کی صورت میں ہوگی۔ اُسی میں اُن کا دائمی ٹھکانا ہوگا، جو اس بات کا بدلہ ہوگا  
کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ ﴿۲۸﴾ اور یہ کافر لوگ کہیں گے کہ: ”اے ہمارے  
پروردگار! ہمیں اُن جنات اور انسانوں دونوں کی صورت دکھائیے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا،  
تاکہ ہم انہیں اپنے پاؤں تلے ایسا روندیں کہ وہ خوب ذلیل ہوں۔“ ﴿۲۹﴾ (دوسری طرف) جن  
لوگوں نے کہا ہے کہ: ”ہمارا رب اللہ ہے“ اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو اُن پر بیشک فرشتے  
(یہ کہتے ہوئے) اتریں گے کہ: ”نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو، اور اُس جنت سے  
خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“ ﴿۳۰﴾

اور ایسے انسان بھی جو گناہ کے کاموں کو مفید اور ضروری قرار دینے کے لئے طرح طرح کے دلائل گھڑتے اور اُن  
کی بنیاد پر قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۱۳) دُنیا میں انسان کے جو ساتھی اُسے دین سے غافل کر کے گمراہ کرتے رہے، وہ بھی اس میں داخل ہیں، اور

نَحْنُ أَوْلَىٰكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿٣١﴾ نَزَّلْنَا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۚ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٥﴾

ہم دنیا والی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی تھے، اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جس کو تمہارا دل چاہے، اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جو تم منگوانا چاہو، ﴿۳۱﴾ یہ سب کچھ اُس ذات کی طرف سے پہلی پہلی میزبانی ہے جس کی بخشش بھی بہت ہے، جس کی رحمت بھی کامل۔ ﴿۳۲﴾ اور اُس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے، اور نیک عمل کرے، اور یہ کہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔ ﴿۳۳﴾ اور نیک اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ تم بدی کا دفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہو جائے گا جیسے وہ (تمہارا) جگری دوست ہو۔ ﴿۳۴﴾ اور یہ بات صرف اُنہی کو عطا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں، اور یہ بات اُسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیب والا ہو۔ ﴿۳۵﴾

وہ شیطان جو اُسے بہکا تا رہا، وہ بھی۔ ان دونوں کے بارے میں دوزخی شخص یہ کہے گا کہ مجھے یہ گمراہ کرنے والے نظر آجائیں تو میں انہیں پاؤں تلے روند ڈالوں۔

(۱۴) یعنی جو شخص تمہارے ساتھ بُرا سلوک کر رہا ہو، اگرچہ تمہارے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اُس سے برابر کا بدلہ لے لو، لیکن بہتر یہ ہے کہ اُس کی بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دو۔ ایسا کرو گے تو تمہارا دشمن بھی دوست بن جائے گا، اور تم نے اُس کی بُرائی پر جو صبر کیا اُس کا بہترین ثواب آخرت میں تمہیں ملے گا۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۳۶  
 مِنْ اٰتِیَةِ الْیَلِّ وَالنَّهَارِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ۚ لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَ  
 اسْجُدْ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷ فَاِنْ اسْتَكْبَرُوْا  
 فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یَسْبِخُوْنَ لَهٗ بِالْیَلِّ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْئُوْنَ ۝۳۸ وَمِنْ  
 اٰیٰتِہٖ اَنَّكَ تَرٰی الْاَرْضَ خَاشِعَةً ۚ فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ اِنَّ  
 الَّذِیْ اَحْیَاہَا لَمُحِی الْمَوْتِ ۚ اِنَّہٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۳۹

السجدة ۴۱

(۱۵) اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کبھی کوئی کچوکا لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔  
 بیشک وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔ ﴿۳۶﴾ اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہیں یہ  
 رات اور دن اور سورج اور چاند۔ نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو، اور سجدہ اُس اللہ کو کرو جس نے  
 انہیں پیدا کیا ہے، اگر واقعی تمہیں اُسی کی عبادت کرنی ہے۔ ﴿۳۷﴾ پھر بھی اگر یہ (کافر) تکبر  
 سے کام لیں، تو (کرتے رہیں) کیونکہ جو (فرشتے) تمہارے رب کے پاس ہیں، وہ دن رات اُس  
 کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ اُکتاتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۸﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ مرجھائی پڑی ہے۔ پھر جو نہی ہم نے  
 اُس پر پانی اتارا، وہ حرکت میں آگئی، اور اُس میں بڑھوتری پیدا ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اُس  
 زمین کو زندہ کیا، وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۳۹﴾

(۱۵) شیطان کے کچوکے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ تمہارے دل میں کوئی گناہ کا یا کوئی بُرائی کرنے کا وسوسہ  
 ڈالے تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ کہو: ”اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“۔

(۱۶) یہ آیت سجدہ ہے، یعنی جو شخص اس کی تلاوت کرے، یا کسی کو تلاوت کرتے ہوئے سنے، اُس پر ایک سجدہ کرنا  
 واجب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۚ أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَبِيرٌ ۚ أَمْ  
 مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝  
 الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ  
 مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۚ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا  
 مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ۝  
 وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَبِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۚ أَأَعْجَبِي وَعَرَبِي ۚ

۱۲۶۵  
 حَمَّ السَّجْدَةِ ۲۱

جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں، وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔ بھلا  
 بتاؤ کہ جس شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے، وہ بہتر ہے، یا وہ شخص جو قیامت کے دن بے خوف و خطر  
 آئے گا؟ (اچھا) جو چاہو، کر لو، یقین جانو کہ وہ تمہارے ہر کام کو خوب دیکھ رہا ہے۔ ﴿۴۰﴾ بیشک  
 (اُن لوگوں نے بہت بُرا کیا ہے) جنہوں نے نصیحت کی اس کتاب کا انکار کیا جبکہ وہ اُن کے پاس  
 آچکی تھی، حالانکہ وہ بڑی عزت والی کتاب ہے، ﴿۴۱﴾ جس تک باطل کی کوئی رسائی نہیں ہے، نہ  
 اُس کے آگے سے، نہ اُس کے پیچھے سے۔ یہ اُس ذات کی طرف سے اُتاری جا رہی ہے جو حکمت کا  
 مالک ہے، تمام تعریفیں اُسی کی طرف لوٹتی ہیں۔ ﴿۴۲﴾ (اے پیغمبر!) تم سے جو باتیں کہی جا رہی  
 ہیں، وہ وہی ہیں جو تم سے پہلے پیغمبروں سے کہی گئی تھیں۔ یقین رکھو تمہارا پروردگار مغفرت کرنے والا  
 بھی ہے، اور دردناک سزا دینے والا بھی۔ ﴿۴۳﴾ اور اگر ہم اس (قرآن) کو عجبی قرآن بناتے تو  
 یہ لوگ کہتے کہ: ”اس کی آیتیں کھول کھول کر کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ یہ کیا بات ہے کہ قرآن عجبی  
 ہے، اور پیغمبر عربی؟“ (۱۸)

(۱۷) ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اُن آیتوں کو ماننے سے انکار کیا جائے، اور یہ بھی کہ انہیں  
 غلط سلط معنی پہنائے جائیں۔ آیت کی وعید دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

(۱۸) بعض کفار مکہ قرآن کریم کے بارے میں یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ عربی زبان میں کیوں اُتارا گیا؟ اگر کسی

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَفِي آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ ۚ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آيَاتِهِمْ وَقُرْآنِهِمْ  
 عَلَيْهِمْ عَذَابٌ أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ  
 فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَاللَّهُمَّ لَعْنُ شَكِّ  
 مَنَّهُ مُرِيبٌ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ  
 بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝

کہہ دو کہ: ”جو لوگ ایمان لائیں، اُن کے لئے یہ ہدایت اور شفا کا سامان ہے، اور جو ایمان نہیں لاتے، اُن کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے، اور یہ (قرآن) اُن کے لئے اندھیرے میں بھٹکنے کا سامان ہے۔ ایسے لوگوں کو کسی دُور دراز جگہ سے پکارا جا رہا ہے۔“ ﴿۴۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی، پھر اُس میں بھی اختلاف ہوا۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کر دی گئی ہوتی، تو ان لوگوں کا معاملہ چکا ہی دیا گیا ہوتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو خلیجان میں ڈال رکھا ہے۔ ﴿۴۵﴾ جو کوئی نیک عمل کرتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے، اور جو کوئی بُرائی کرتا ہے، وہ اپنے ہی نقصان کے لئے کرتا ہے، اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ﴿۴۶﴾

اور زبان میں ہوتا تو یقیناً یہ ایک معجزہ ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتے، اس لئے آپ پر کسی اور زبان کی وحی نازل ہونے سے واضح ہو جاتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگر قرآن کسی اور زبان میں اُتارا جاتا تو کہنے والے یہ اعتراض کرتے کہ عربی پیغمبر پر غیر عربی قرآن کیوں نازل کیا گیا ہے؟ غرض جب بات مانتی نہ ہو تو ہزار بہانے پیدا کر لئے جاتے ہیں۔

(۱۹) کسی کو دُور دراز جگہ سے پکارا جائے تو بے اوقات نہ وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھتا ہے، اور نہ دُور کی آواز پر توجہ دیتا ہے۔ اسی طرح یہ کافر لوگ قرآن کریم کی دعوت پر توجہ نہیں دے رہے ہیں۔

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۖ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْبَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ  
 أَنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۖ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ إِيْن شُرَكَاءِي ۚ قَالُوا اذْكُ ۚ  
 مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ۖ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَنَّوْا مَا لَمْ يَكُنْ  
 مَحْصِيًۖ ۚ لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۚ وَإِنَّ مَصَّهُ الشَّرُّ فَيُوقُشُ قُتُوْطٌ ۚ  
 وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءٍ مَسَّاهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي ۚ وَمَا أَظُنُّ  
 السَّاعَةَ قَآئِبَةً ۚ وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْجَسَدَ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَلَنَذَيِّقَنَّهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۚ

قیامت کا علم اُسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اور اللہ کے علم کے بغیر نہ پھلوں میں سے کوئی پھل اپنے  
 شگوفوں سے نکلتا ہے، اور نہ کسی مادہ کو حمل ٹھہرتا ہے، اور نہ اُس کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جس دن  
 وہ ان (مشرکوں) کو پکارے گا کہ: ”کہاں ہیں میرے وہ شریک؟“ تو وہ کہیں گے کہ: ”ہم تو آپ  
 سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اب اس بات کا گواہ نہیں ہے (کہ آپ کا کوئی شریک  
 ہے)“ ﴿۴۷﴾ اور پہلے یہ لوگ جن (جھوٹے خداؤں) کو پکارا کرتے تھے، ان کو اب اُن کا کوئی  
 سراغ نہیں ملے گا، اور وہ سمجھ جائیں گے کہ ان کے لئے اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ﴿۴۸﴾  
 انسان کا حال یہ ہے کہ وہ بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا، اور اگر اُسے کوئی بُرائی چھو جائے تو ایسا مایوس  
 ہو جاتا ہے کہ ہر اُمید چھوڑ بیٹھتا ہے۔ ﴿۴۹﴾ اور جو تکلیف اُسے پہنچی تھی، اگر اُس کے بعد ہم اُسے  
 اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیں تو وہ لازماً یہ کہے گا کہ: ”یہ تو میرا حق تھا، اور میں نہیں سمجھتا  
 کہ قیامت آنے والی ہے، اور اگر مجھے اپنے رب کے پاس واپس بھیجا بھی گیا تو مجھے یقین ہے کہ  
 اُس کے پاس بھی مجھے خوش حالی ہی ضرور ملے گی۔“ اب ہم ان کافروں کو یہ ضرور جتلائیں گے کہ  
 انہوں نے کیا عمل کئے ہیں، اور انہیں ایک سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے۔ ﴿۵۰﴾



وَإِذَا أُنْعِمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ ائْتِنَا بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُودَعَاءَ  
 عَرِيضٍ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مِنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ  
 فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ سَرَّيْنَاهُمْ لِئَتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ  
 الْحَقُّ ۚ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِئَةٍ  
 مِّنَ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۝

اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا اور پہلو بدل کر دُور چلا جاتا ہے،  
 اور جب اُسے کوئی بُرائی چھو جاتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دُعائیں کرنے لگتا ہے۔ ﴿۵۱﴾ (اے  
 پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ”ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے آیا ہے،  
 پھر بھی تم نے اس کا انکار کیا تو اُس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو (اس کی) مخالفت میں بہت  
 دُور نکل گیا ہو؟“ ﴿۵۲﴾

ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ  
 ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔ کیا تمہارے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ  
 وہ ہر چیز کا گواہ ہے؟ ﴿۵۳﴾ یاد رکھو کہ یہ لوگ اپنے رب کا سامنا کرنے کے معاملے میں شک  
 میں پڑے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ ﴿۵۴﴾

الحمد للہ! سورہ حم اسجدہ کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل یوم عرفہ ۱۴۲۸ھ کو میدانِ عرفات میں مغرب  
 کے بعد مزدلفہ جانے کے لئے گاڑی کے انتظار کے وقت میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے  
 اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر بندے کی مغفرت اور نجات کا ذریعہ بنادیں،  
 اور باقی سورتوں کی تکمیل بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الشُّورَى

## تعارف

یہ حوامیم کے مجموعے کی تیسری سورت ہے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد پر زور دیا گیا ہے، اور ایمان کی قابل تعریف صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ اسی ذیل میں آیت نمبر ۳۸ میں مسلمانوں کی یہ خصوصیت بیان فرمائی گئی ہے کہ اُن کے اہم معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ مشورے کے لئے عربی کا لفظ ”شوری“ استعمال کیا گیا ہے، اسی بنا پر سورت کا نام سورہ شوریٰ ہے۔ سورت کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان سے رُوبرو ہو کر ہم کلام نہیں ہوتا، بلکہ وحی کے ذریعے کلام فرماتا ہے، اور پھر اس وحی کی مختلف صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

آیتھا ۵۳ ﴿۵۳﴾ سُورَةُ الشُّورَى مَكِّيَّةٌ ۲۲ ﴿۲۲﴾ رُكُوعَاتُهَا ۵ ﴿۵﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

حَمْ ۱ ﴿۱﴾ عَسَق ۲ ﴿۲﴾ كَذَلِكَ يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ اللَّهُ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ ۳ ﴿۳﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۴ ﴿۴﴾ تَكَادُ  
السَّمَوَاتُ يَتَّقَطْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ ۚ وَالْبَلَكُةُ يَسْبَحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ  
لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۖ أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۵ ﴿۵﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ  
دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِظٌ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۶ ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تریپن آیتیں اور پانچ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمْ ﴿۱﴾ عَسَق ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) اللہ جو عزیز و حکیم ہے، تم پر اور تم سے پہلے جو (پیغمبر) ہوئے  
ہیں، اُن پر اسی طرح وحی نازل کرتا ہے۔ ﴿۳﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے،  
سب اُسی کا ہے، اور وہی ہے جو برتری اور عظمت کا مالک ہے۔ ﴿۴﴾ ایسا لگتا ہے کہ آسمان اُوپر  
سے پھٹ پڑیں گے، اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کر رہے ہیں، اور زمین  
والوں کے لئے استغفار کر رہے ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ ہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان  
ہے۔ ﴿۵﴾ اور جن لوگوں نے اُس کے سوا دوسرے رکھوالے بنا رکھے ہیں، اللہ اُن پر نگرانی رکھے  
ہوئے ہے، اور تم اُن کے ذمہ دار نہیں ہو۔ ﴿۶﴾

(۱) مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے اتنی بڑی تعداد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں  
کہ ایسا لگتا ہے جیسے اُن کے بوجھ سے آسمان پھٹ پڑیں گے۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ  
الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ  
لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۖ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ  
مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي  
الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْبَةٌ إِلَىٰ  
اللَّهِ ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

اور اسی طرح ہم نے یہ عربی قرآن تم پر وحی کے ذریعے بھیجا ہے، تاکہ تم مرکزی بستی (مکہ) اور اُس  
کے ارد گرد والوں کو اُس دن سے خبردار کرو جس میں سب کو جمع کیا جائے گا، جس کے آنے میں کوئی  
شک نہیں ہے۔ ایک گروہ جنت میں جائے گا، اور ایک گروہ بھڑکتی ہوئی آگ میں۔ ﴿۷﴾ اور اگر  
اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت میں داخل کرتا  
ہے، اور جو ظالم لوگ ہیں، اُن کا نہ کوئی رکھوالا ہے، نہ کوئی مددگار۔ ﴿۸﴾ کیا ان لوگوں نے اُس کو  
چھوڑ کر دوسرے رکھوالے بنائے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ رکھوالا اللہ ہی ہے، اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا  
ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۹﴾ اور تم جس بات میں بھی اختلاف کرتے ہو، اُس کا فیصلہ اللہ  
ہی کے سپرد ہے۔ لوگو! ذہی اللہ ہے جو میرا پروردگار ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور اُسی سے  
میں لو لگاتا ہوں۔ ﴿۱۰﴾

(۲) یعنی سب کو زبردستی مسلمان بنا دیتا، لیکن انسان کو پیدا کرنے کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ لوگ زبردستی نہیں، بلکہ  
خود اپنے اختیار سے سوچ سمجھ کر حق کو قبول کریں۔ اسی میں اُن کا امتحان ہے جس پر آخرت کی جزا اور سزا مرتب  
ہونے والی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے کسی کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں چاہا۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ جَعَلْ لَّكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ  
اَزْوَاجًا يَّذرُّوْكُمْ فِيْهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱۱ لَهُ  
مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ  
شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۱۲ شَرَعَ لَّكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَّصٰی بِهِ نُوْحًا وَّالَّذِیْ اَوْحٰیْنَ اِلَیْكَ وَمَا  
وَصَّیْنَا بِهٖ اِبْرٰهٖمَ وَمُوسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ۚ كَبُرَ  
عَلٰی الشُّرَکِیِّنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ ۚ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ  
اِلَیْهِ مَنْ یَّنِیْبُ ۝۱۳ وَمَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ ۚ

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے  
پیدا کئے ہیں، اور مویشیوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں۔ اسی ذریعے سے وہ تمہاری نسل چلاتا  
ہے۔ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔ ﴿۱۱﴾  
آسمانوں اور زمین کی ساری کنجیاں اُسی کے قبضے میں ہیں، وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں  
وسعت اور تنگی کرتا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ﴿۱۲﴾ اُس نے تمہارے لئے دین کا  
وہی طریقہ طے کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوح کو دیا تھا، اور جو (اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس  
وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم دین کو قائم کرو،  
اور اُس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ (پھر بھی) مشرکین کو وہ بات بہت گراں گذرتی ہے جس کی طرف تم  
انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جس کو چاہتا ہے، چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اور جو کوئی اُس  
سے لو لگاتا ہے، اُسے اپنے پاس پہنچا دیتا ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور لوگوں نے آپس کی عداوتوں کی وجہ  
سے (دین میں) جو تفرقہ ڈالا ہے وہ اس کے بعد ہی ڈالا ہے جب ان کے پاس یقینی علم آچکا تھا۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّفُضِيَٰ بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذَلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كُتُبٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۱۶﴾

اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معین مدت تک کے لئے ایک بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور ان لوگوں کے بعد جن کو کتاب کا وارث بنایا گیا ہے، وہ اُس کے بارے میں ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں خلجان میں ڈال کھا ہے۔ ﴿۱۴﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم اُسی بات کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، (اسی دین پر) جیسے رہو، اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو، اور کہہ دو کہ: ”میں تو اُس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ نے نازل کی ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا بھی رُب ہے، اور تمہارا بھی رُب۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان (اب) کوئی بحث نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا، اور اُسی کے پاس آخر سب کو لوٹنا ہے۔“ ﴿۱۵﴾ اور جو لوگ اللہ کے بارے میں بحثیں نکالتے ہیں جبکہ لوگ اُس کی بات مان چکے ہیں، اُن کی بحث اُن کے پروردگار کے نزدیک باطل ہے، اور اُن پر (اللہ کا) غضب ہے، اور اُن کے لئے سخت عذاب۔ ﴿۱۶﴾

(۳) پہلے سے طے شدہ بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو ایک دم کسی عذاب سے ہلاک نہیں کیا جائے گا، بلکہ مہلت دی جائے گی جس میں اگر یہ چاہیں تو ایمان لاسکیں۔





تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَةٍ أُنْجَتْ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِبْدًا رَبِّهِمْ ۖ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۲۱﴾ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۖ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حَسَنًا ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۲۲﴾

(اُس وقت) تم ان ظالموں کو دیکھو گے کہ انہوں نے جو کمائی کی ہے، اُس (کے وبال) سے سہے ہوئے ہوں گے، اور وہ ان پر پڑ کر رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ جنتوں کی کیاریوں میں ہوں گے۔ انہیں اپنے پروردگار کے پاس وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے۔ یہی بڑا فضل ہے۔ ﴿۲۲﴾ یہی وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ اپنے اُن بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ (اے پیغمبر! کافروں سے) کہہ دو کہ: ”میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے۔“ اور جو شخص کوئی بھلائی کرے گا، ہم اُس کی خاطر اُس بھلائی میں مزید خوبی کا اضافہ کر دیں گے۔<sup>(۱)</sup> یقیناً جانو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا قدر دان ہے۔ ﴿۲۳﴾

کی بہتری چاہے، اُس کو دنیا کی نعمتیں دی جاتی ہیں، لیکن ہر مانگی ہوئی چیز پھر بھی نہیں ملتی، بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ دینا چاہتا ہے، اور جتنا دینا چاہتا ہے، اُتادیتا ہے۔

(۵) قریش مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رشتہ داریاں تھیں، اُن کے حوالے سے فرمایا جا رہا ہے کہ میں تم سے تبلیغ کی کوئی اجرت تو نہیں مانگتا، لیکن کم از کم اتنا تو کرو کہ تم پر میری رشتہ داری کے جو حقوق ہیں، ان کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے تکلیف نہ دو، اور میرے راستے میں رکاوٹیں پیدا نہ کرو۔

(۶) یعنی اُس بھلائی پر جتنا اجر ملنا چاہئے تھا، اُس سے زیادہ دیں گے۔

أَم يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ فَإِنْ يَشَأِ اللَّهُ يُخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۖ وَيَسْخَرِ اللَّهُ  
الْبَاطِلَ وَيُخَيِّضِ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ  
التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٢٤﴾ وَيَسْتَجِيبُ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۖ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ  
عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٥﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُّنْزِلُ  
بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۖ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ  
بَعْدِ مَا قَطَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۖ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٧﴾

بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ کلام خود گھڑ کر جھوٹ موٹ اللہ کے ذمے لگا دیا ہے؟  
حالانکہ اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مہر لگا دے، اور اللہ تو باطل کو مٹاتا ہے، اور حق کو اپنے کلمات  
کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔ یقیناً وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں تک کو جانتا ہے۔ ﴿۲۳﴾ اور وہی  
ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور گناہوں کو معاف کرتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اُس کا پورا  
علم رکھتا ہے۔ ﴿۲۴﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ اُن کی دُعا سنتا  
ہے، اور اُنہیں اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے۔ اور کافروں کے لئے سخت عذاب ہے۔ ﴿۲۵﴾ اور  
اگر اللہ اپنے تمام بندوں کے لئے رزق کو کھلے طور پر پھیلا دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے، مگر وہ  
ایک خاص انداز سے جتنا چاہتا ہے (رزق) اُتارتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے پوری طرح  
باخبر، اُن پر نظر رکھنے والا ہے۔ ﴿۲۶﴾ اور وہی ہے جو لوگوں کے نا اُمید ہونے کے بعد بارش  
برساتا اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، اور وہی ہے جو (سب کا) قابلِ تعریف رکھوا لیا ہے۔ ﴿۲۷﴾

(۷) یعنی اگر (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے گھڑ کر یہ قرآن بنا رہے ہوتے تو اللہ تعالیٰ  
آپ کے دل پر مہر لگا دیتا، جس کی وجہ سے آپ کو ایسا کلام پیش کرنے پر قدرت ہی نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّوَابِ وَالْأَرْضِ وَمَابَتْ فِيهِمَا مِنْ ذَا بَقَةٍ وَهُوَ عَلَى  
 جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَ  
 يَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ﴿٤١﴾ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
 مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٤٢﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٤٣﴾ إِنَّ يَسَاءُ لِمُكَرِّمِي  
 الرِّيحِ فَيُظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ ﴿٤٤﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٤٥﴾ أَوْ  
 يُوقِفُهُنَّ بِمَا كَسَبُوا أَوْ يَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ﴿٤٦﴾ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آلِئِنَّا مَا  
 لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿٤٧﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور وہ جاندار جو اُس نے ان دونوں میں  
 پھیلار کھے ہیں۔ اور وہ جب چاہے، ان کو جمع کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور تمہیں جو  
 کوئی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے پہنچتی ہے، اور بہت  
 سے کاموں سے تو وہ درگزر ہی کرتا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور تمہاری مجال نہیں ہے کہ زمین میں (اللہ کو) عاجز  
 کر سکو، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے، نہ مددگار۔ ﴿۳۱﴾ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہیں  
 سمندر میں یہ پہاڑوں جیسے جہاز! ﴿۳۲﴾ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے، جس سے یہ سمندر کی پشت  
 پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ یقیناً اس میں ہر اُس شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو صبر کا  
 بھی خوگر ہو، شکر کا بھی۔ ﴿۳۳﴾ یا (اگر اللہ چاہے) تو ان جہازوں کو لوگوں کے بعض اعمال کی  
 وجہ سے تباہ ہی کر دے، اور بہت سوں سے درگزر کر جائے، ﴿۳۴﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں میں  
 جھگڑے ڈالتے ہیں، انہیں پتہ چل جائے کہ اُن کے لئے کوئی بچاؤ کی جگہ نہیں ہے۔ ﴿۳۵﴾

سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے تو اُس کی بات کو چلنے نہیں دیتے، اور باطل کو مٹا دیتے ہیں۔  
 اس کے برعکس سچے نبی کے دعوے کو اپنے کلمات کے ذریعے ثابت فرماتا ہے۔

فَمَا أُوْتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَاعِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَأَبْقٰى لِلَّذِيْنَ  
 اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَّبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰیْرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَاِذَا  
 مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ  
 شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وِمَا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ  
 يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاجْرٌ عَلى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ  
 لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنْ اَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَاعَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾

غرض تمہیں جو کوئی چیز دی گئی ہے، وہ دنیوی زندگی کی پونجی ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ اُن  
 لوگوں کے لئے کہیں بہتر اور پائیدار ہے جو ایمان لائے ہیں، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے  
 ہیں۔ ﴿۳۶﴾ اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں، اور جب  
 اُن کو غصہ آتا ہے تو وہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۳۷﴾ اور جنہوں نے اپنے پروردگار کی بات مانی  
 ہے، اور نماز قائم کی ہے، اور اُن کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں، اور ہم نے  
 انہیں جو رزق دیا ہے، اُس میں سے وہ (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں، ﴿۳۸﴾ اور  
 جب اُن پر کوئی زیادتی ہوتی ہے تو وہ اپنا دفاع کرتے ہیں۔ ﴿۳۹﴾ اور کسی بُرائی کا بدلہ اُسی جیسی  
 بُرائی ہے۔ پھر بھی جو کوئی معاف کر دے، اور اصلاح سے کام لے تو اُس کا ثواب اللہ نے ذمے لیا  
 ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۴۰﴾ اور جو شخص اپنے اُوپر ظلم ہونے کے بعد (برابر کا)  
 بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ﴿۴۱﴾

(۸) یعنی اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی جائے تو مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اتنی ہی تکلیف ظالم کو پہنچا دے  
 جتنی اُس نے پہنچائی تھی، لیکن آگے اس بات کی بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ انسان بدلہ لینے کے بجائے  
 صبر کر کے معاف کر دے۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ  
 أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَسَنُصَبِّرَنَّ وَنُغْفِرَنَّ لَكَ لَئِنْ عَزَمْتَ الْأُمُورَ ﴿۴۳﴾  
 وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَائِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۖ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَبَّاسًا أُوَّ  
 الْعَذَابِ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا  
 خَشَعَيْنَ مِنَ الدَّلِيلِ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ  
 الْخُسْرَيْنِ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ  
 فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَمَنْ  
 يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۴۶﴾

الزام تو اُن پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۴۲﴾ اور یہ حقیقت ہے کہ جو کوئی صبر سے کام لے، اور درگزر کر جائے تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔ ﴿۴۳﴾ اور جسے اللہ گمراہ کر دے، تو اس کے بعد کوئی نہیں ہے جو اُس کا مددگار بنے۔ اور جب ظالموں کو عذاب نظر آجائے گا تو تم انہیں یہ کہتا ہوا دیکھو گے کہ: ”کیا واپس جانے کا بھی کوئی راستہ ہے؟“ ﴿۴۴﴾ اور تم انہیں دیکھو گے کہ دوزخ کے سامنے انہیں اس طرح پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت کے مارے جھکے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، وہ کہہ رہے ہوں گے کہ: ”واقعی اصل خسارے میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈال دیا۔“ یاد رکھو کہ ظالم لوگ ایسے عذاب میں ہوں گے جو ہمیشہ قائم رہے گا، ﴿۴۵﴾ اور اُن کو ایسے کوئی مددگار میسر نہیں آئیں گے جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کی کوئی مدد کریں۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے، اُس کے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ ﴿۴۶﴾

اَسْتَجِیْبُوا رَبَّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاتِیَ یَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۚ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَا  
یَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِیْرٍ ﴿۴۶﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَبَاۗءَ اَمْرًا سَلٰتْکُمْ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ  
اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۚ وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِثْرًا رَّحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ  
تُصِبُّهُمْ سَیِّئَةٌۭ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ ﴿۴۷﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ  
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یَخْلُقْ مَا یَشَآءُ ۚ یَهْبِ لِسَنِّ یَّشَآءُ اِنَّا نَاۗءٍ وَّیَهْبِ لِسَنِّ  
یَّشَآءُ الدُّکُوْرَ ﴿۴۸﴾ اَوْ یُزِیْرُ وَّجْهَهُمْ ذُکْرًا وَّاِنَّا نَاۗءٍ وَّیَجْعَلُ مِّنْ یَّشَآءُ عَقِیْبًا ۚ  
اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

(لوگو!) اپنے پروردگار کی بات اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے مان لو جسے اللہ کی طرف سے ٹالا  
نہیں جائے گا۔ اُس دن تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی، اور نہ تمہارے لئے پوچھ گچھ کا کوئی  
موقع ہوگا۔ ﴿۴۶﴾ (اے پیغمبر!) یہ لوگ اگر پھر بھی منہ موڑیں تو ہم نے تمہیں ان پر نگراں بنا کر  
نہیں بھیجا ہے۔ تم پر بات پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور (انسان کا حال یہ ہے کہ)  
جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اُس پر اتر اجاتا ہے، اور اگر خود  
اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ایسے لوگوں کو کوئی مصیبت پیش آ جاتی ہے تو وہی انسان پکانا شکرا  
بن جاتا ہے۔ ﴿۴۸﴾ سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا  
کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، لڑکیاں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، لڑکے دیتا ہے، ﴿۴۹﴾ یا پھر  
ان کو ملا جلا کر لڑکے بھی دیتا ہے، اور لڑکیاں بھی، اور جس کو چاہتا ہے، بانجھ بنا دیتا ہے۔ یقیناً وہ علم کا  
بھی مالک ہے، قدرت کا بھی مالک۔ ﴿۵۰﴾

(۹) یعنی کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے یہ پوچھ سکے کہ اس شخص کو یہ سزا کیوں دی گئی ہے، کیونکہ تمام  
انسانوں پر رحمت پہلے ہی تمام ہو چکی ہوگی۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْذَنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ ۝۵۱ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۵۲ صِرَاطُ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا إِلَهُ اللَّهِ تَصَدَّقُوا بِالْمَالِ الْمُنْفَعِ ۝۵۳

اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ اُس سے (رُوبرو) بات کرے، سوائے اس کے کہ وہ وحی کے ذریعے ہو، یا کسی پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) بھیج دے، اور وہ اُس کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کا پیغام پہنچا دے۔ یقیناً وہ بہت اُونچی شان والا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور اسی طرح ہم نے تمہارے پاس اپنے حکم سے ایک رُوح بطور وحی نازل کی ہے۔ تمہیں اس سے پہلے نہ یہ معلوم تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے، اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگوں کو وہ سیدھا راستہ دکھا رہے ہو ﴿۵۲﴾ جو اللہ کا راستہ ہے، وہ اللہ جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔ یاد رکھو کہ سارے معاملات آخر کار اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے۔ ﴿۵۳﴾

(۱۰) اس دُنیا میں کسی انسان سے اللہ تعالیٰ رُوبرو ہو کر ہم کلام نہیں ہوتا، البتہ تین طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار فرماتا ہے۔ ایک کو وحی سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات فرمانا چاہتا ہے، وہ کسی کے دل میں ڈال دیتا ہے، دوسرے کو پردے کے پیچھے سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صورت نظر آئے بغیر کوئی بات کانوں کے ذریعے ہی سنادی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا، اور تیسرا

طریقہ یہ ہے کہ اپنا کلام کسی فرشتے کے ذریعے کسی پیغمبر کے پاس بھیجا جاتا ہے۔  
 (۱۱) رُوح سے مراد قرآن کریم اور اُس کے احکام ہیں، کیونکہ وہ انسان کے لئے رُوحانی زندگی کا باعث ہیں۔  
 اور یہ بھی ممکن ہے کہ رُوح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں جنہیں رُوح القدس بھی کہا جاتا ہے، اور قرآنِ کریم کے نزول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُنہی کو واسطہ بنایا ہے۔

الحمد للہ! سورہ شوریٰ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج شب جمعہ ۲۳ رذوالحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق  
 ۳ جنوری ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں  
 شرف قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے  
 مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔





# سُورَةُ الزُّخْرُفِ

## تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع مشرکین مکہ کی تردید ہے جس میں اُن کے اس عقیدے کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے جس کی رو سے وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ نیز وہ اپنے دین کو صحیح قرار دینے کے لئے یہ دلیل دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقے پر پایا ہے۔ اُس کے جواب میں اول تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قطعی عقائد کے معاملے میں باپ دادوں کی تقلید بالکل غلط طرزِ عمل ہے، اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دے کر فرمایا گیا ہے کہ اگر باپ دادوں ہی کے پیچھے چلنا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کیوں نہیں کرتے جنہوں نے شرک سے کھلم کھلا بیزاری کا اعلان فرمایا تھا۔ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اعتراضات کیا کرتے تھے، اس سورت میں اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اُن کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی پیغمبر بھیجتا ہی تھا تو کسی دولت مند سردار کو اس مقصد کے لئے کیوں نامزد نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ دُنیوی مال و دولت کا انسان کے تقدس اور اللہ تعالیٰ کے تقرب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی سونا چاندی اور دُنیا بھر کی دولت دے سکتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، کیونکہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس سورت نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ معاشی وسائل کی تقسیم اپنی حکمت کے مطابق ایک خاص انداز سے فرماتے ہیں، جس کے لئے ایک مستحکم نظام بنایا گیا ہے۔ اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور

فرعون کا واقعہ بھی اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے، کیونکہ فرعون کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہی اعتراض تھا کہ وہ دُنیوی مال و دولت کے اعتبار سے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتے، اور فرعون کے پاس سب کچھ ہے۔ لیکن انجام یہ ہوا کہ فرعون اپنے کفر کی وجہ سے غرق ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام غالب آکر رہے۔ نیز اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی مختصر ذکر فرما کر اُن کی صحیح حیثیت واضح فرمائی گئی ہے۔

”زخرف“ عربی زبان میں سونے کو کہتے ہیں، اور اس سورت کی آیت نمبر ۳۵ میں اُس کا ذکر اسی سیاق میں کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سارے کافروں کو سونے ہی سونے سے نہال کر دے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام زخرف ہے۔

آیتھا ۸۹ ۲۳ سُورَةُ الْخُوفِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ رُكُوعَاتُهَا ۷

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

مَلْعَ حَمْ ۱ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۳ وَاِنَّهُ  
فِي الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلٌّ حَكِيمٌ ۴ اَفَقَضِرْبُ عَنْكُمْ الذِّكْرُ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ  
قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيِّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۶ وَمَا يَاتِيهِمْ مِنْ نَّبِيٍّ  
اِلَّا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۷ فَاهْلِكْنَا اَسَدًا مِنْهُمْ بِطُغْيَانٍ مِّثْلِ الْاَوَّلِيْنَ ۸

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں نو اسی آیتیں اور سات رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمْ ﴿۱﴾ قسم ہے اس واضح کتاب کی، ﴿۲﴾ ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے، تاکہ تم سمجھو ﴿۳﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے اونچے درجے کی حکمت سے بھری ہوئی کتاب ہے۔ ﴿۴﴾ ﴿۱﴾ بھلا کیا ہم منہ موڑ کر اس نصیحت نامے کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گزر رہے ہوئے لوگ ہو؟ ﴿۵﴾ اور کتنے ہی نبی ہم نے پچھلے لوگوں میں بھی بھیجے ہیں، ﴿۶﴾ اور ان لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کا وہ مذاق نہ اڑاتے ہوں۔ ﴿۷﴾ پھر جو لوگ ان (مکہ والوں) سے کہیں زیادہ زور آور تھے، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، اور ان پچھلے لوگوں کا حال پیچھے گزر چکا ہے۔ ﴿۸﴾

(۱) قرآن کریم ازل سے لوح محفوظ میں موجود تھا، پھر وہاں سے آسمان دنیا پر، اور اُس کے بعد حسب موقع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ جو لوگ نافرمانی میں حد سے گزر گئے ہوں، اُن کو بھی ہدایت کا راستہ دکھایا جاتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تم پسند کرو یا ناپسند، ہم تمہیں ہدایت کا راستہ بتا کر نصیحت کرنا نہیں چھوڑ سکتے۔



لَتَسْتَوِيَ عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُ نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا  
سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا  
لَمُنْقَلِبُونَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۖ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

تا کہ تم اُن کی پشت پر چڑھو، پھر جب اُن پر چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو، اور یہ کہو کہ: ”پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں دے دیا، ورنہ ہم میں یہ طاقت نہیں تھی کہ اس کو قابو میں لاسکتے۔ ﴿۱۳﴾ اور بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“ ﴿۱۴﴾

اور ان (مشرک) لوگوں نے یہ بات بنائی ہے کہ اللہ کا خود اُس کے بندوں میں سے کوئی جزء ہے۔ (۵)  
حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلم کھلا ناشکر ہے۔ ﴿۱۵﴾

(۴) یہ وہ دُعا ہے جو کسی سواری پر سوار ہونے کے وقت پڑھنی چاہئے۔ اس میں اوّل تو اس بات کا شکر اور اعتراف ہے کہ یہ سواری اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اور دوسرے اس کے آخری جملے میں انسان کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی سفر کرتے وقت یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اُسے ایک آخری سفر پیش آنے والا ہے جس میں وہ دنیا کو چھوڑ کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچے گا، اور اُس وقت اپنے سارے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اس لئے یہاں رہتے ہوئے کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہئے جس کے نتیجے میں وہاں شرمندگی اُٹھانی پڑے۔

(۵) مشرکین عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہاں سے اُن کے اس عقیدے کی تردید کی جا رہی ہے، اور اُس کے خلاف چار دلیلیں اگلی آیتوں میں (آیت نمبر ۲۱ تک) پیش کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی اولاد ہونا ناممکن ہے، اس لئے کہ اولاد ماں باپ کا جزء ہوتی ہے، کیونکہ وہ اُن کے نطفے سے پیدا ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کوئی جزء نہیں ہو سکتا، وہ ہر قسم کے اجزاء سے پاک ہے، لہذا اُس کی کوئی اولاد نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ ان مشرکین کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ اپنے لئے بیٹیوں کی ولادت کو عار سمجھتے ہیں، اور اگر کسی کے یہاں کوئی لڑکی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اس پر بہت مغموں ہوتا ہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ بیٹی کو خود اپنے لئے تو عیب سمجھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُس کی بیٹیاں ہیں۔ تیسرے اس

أَمَّا اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بِنْتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِينَ ۝۱۶ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ  
 لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝۱۷ أَوْ مَنْ يَنْشِؤُا فِي الْحَلِیَّةِ وَهُوَ فِي  
 الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۝۱۸ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا  
 أَشْهَدُ وَآخَلَقْنَهُمْ ۝۱۹ سَتَكْتُبُ شَهَادَتَهُمْ وَيُسْأَلُونَ ۝۲۰ وَقَالُوا لَوِ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا  
 عَبَدْنَا لَهُمْ ۝۲۱ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝۲۲

بھلا کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لئے تو بیٹیاں پسند کی ہیں، اور تمہیں بیٹوں کے لئے منتخب کیا ہے؟ ﴿۱۶﴾ حالانکہ ان میں سے کسی کو جب اُس (بیٹی) کی (ولادت) کی خوشخبری دی جاتی ہے جو اُس نے خدائے رحمن کی طرف منسوب کر رکھی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے۔ ﴿۱۷﴾ اور کیا (اللہ نے ایسی اولاد پسند کی ہے) جو یوروں میں پالی پوسی جاتی ہے، اور جو بحث مباحثے میں اپنی بات کھل کر بھی نہیں کہہ سکتی؟ ﴿۱۸﴾ اس کے علاوہ انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمن کے بندے ہیں، مؤنث بنادیا ہے۔ کیا یہ لوگ اُن کی تخلیق کے وقت موجود تھے؟ ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جائے گا، اور ان سے باز پرس ہوگی۔ ﴿۱۹﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: ”اگر خدائے رحمن چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کی عبادت نہ کرتے۔“ ان کو اس بات کی حقیقت کا ذرا بھی علم نہیں ہے، اور ان کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اندازوں کے تیر چلاتے ہیں۔ ﴿۲۰﴾

عقیدے کی رُو سے فرشتے مؤنث قرار پاتے ہیں، حالانکہ وہ مؤنث نہیں ہیں۔ چوتھے اگرچہ عورت ہونا حقیقت میں کوئی عیب یا عار کی بات نہیں ہے، لیکن عام طور سے عورتوں کی صلاحیتیں مردوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہیں، کیونکہ اُن کی زیادہ توجہ زیورات اور زیب و زینت کی طرف رہتی ہے، اور اپنی بات کو خوب واضح کر کے کہنے کی صلاحیت بھی اکثر اُن میں کم ہوتی ہے۔ لہذا اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کو کوئی اولاد رکھنی منظور ہوتی تو وہ مؤنث ہی کا کیوں انتخاب فرماتا؟



أَمَّا تِيهِمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِمُسْتَبْسُكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ  
 أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ الشَّرِيعَةِ مُمْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ  
 نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ الشَّرِيعَةِ  
 مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا  
 أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ فَاتَّقِنَا مِنْهُمْ فَأَنْظِرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾

بھلا کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی جسے یہ تھامے بیٹھے ہیں؟ ﴿۲۱﴾ نہیں، بلکہ  
 ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے، اور ہم انہی کے نقش قدم کے  
 مطابق ٹھیک ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے جب بھی  
 کسی بستی میں کوئی خبردار کرنے والا (پیغمبر) بھیجا تو وہاں کے دولت مند لوگوں نے یہی کہا کہ: ”ہم  
 نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے، اور ہم انہی کے نقش قدم کے پیچھے چل رہے  
 ہیں۔“ ﴿۲۳﴾ پیغمبر نے کہا کہ: ”تم نے اپنے باپ دادوں کو جس طریقے پر پایا ہے، اگر میں  
 تمہارے پاس اُس سے زیادہ ہدایت کی بات لے کر آیا ہوں تو کیا پھر بھی (تم اپنے طریقے پر چلے  
 جاؤ گے؟)“ انہوں نے جواب دیا کہ: ”تم جو پیغام دے کر بھیجے گئے ہو، ہم تو اُس کو ماننے والے  
 نہیں ہیں۔“ ﴿۲۴﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن سے انتقام لیا، اب دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام  
 کیسا ہوا؟ ﴿۲۵﴾

(۶) اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی عقیدہ یا تو اُس وقت رکھا جاسکتا ہے جب وہ ہر عقل والے انسان کے لئے  
 بالکل بدیہی طور پر واضح ہو، یا پھر خود اللہ تعالیٰ نے کسی آسمانی کتاب کے ذریعے اُس کی وضاحت فرمائی ہو۔  
 مشرکین کے عقیدوں کی دونوں طرح کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ان کا عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے، اور ان کے پاس  
 اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس میں ایسے عقائد بیان کئے گئے ہوں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ۖ إِلَّا الْإِذْنِي  
 فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيُجِدُنِي ۖ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾  
 بَلْ مَنَعْتُ هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا  
 جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوا التَّوَلَّىٰ لِهَذَا  
 الْقُرْآنِ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرِيتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۳۱﴾ أَهْمُ يَقْسُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۖ

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”میں اُن چیزوں سے  
 بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، ﴿۲۸﴾ سوائے اُس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے،  
 چنانچہ وہی میری رہنمائی کرتا ہے۔“ ﴿۲۷﴾ اور ابراہیم نے اس (عقیدے) کو ایسی بات بنا دیا جو  
 اُن کی اولاد میں باقی رہی، تاکہ لوگ (شرک سے) باز آئیں۔ ﴿۲۸﴾ (پھر بھی بہت سے لوگ باز  
 نہ آئے) اس کے باوجود میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو زندگی کے فائدے دیئے، یہاں  
 تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف ہدایت دینے والا پیغمبر آ گیا۔ ﴿۲۹﴾ اور جب وہ حق ان  
 کے پاس آیا تو وہ کہنے لگے کہ: ”یہ تو جادو ہے، اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔“ ﴿۳۰﴾ اور کہنے لگے  
 کہ: ”یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟“ ﴿۳۱﴾ ﴿۴﴾ بھلا کیا یہ  
 لوگ ہیں جو تمہارے پروردگار کی رحمت تقسیم کریں گے؟ ﴿۸﴾

(۷) دو بستیوں سے مراد مکہ مکرمہ اور طائف کے شہر ہیں۔ چونکہ اس علاقے میں یہی دو بڑے شہر تھے، اس لئے  
 مشرکین نے یہ کہا کہ ان شہروں کے دولت مند سرداروں پر قرآن نازل ہونا چاہئے تھا۔  
 (۸) یہاں رحمت سے مراد نبوت ہے، اور مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ جو تجویز پیش کر رہے ہیں کہ قرآن مکہ یا طائف

نَحْنُ قَسَمًا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ  
بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۖ وَرَحِمْتَ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا  
يَجْمَعُونَ ﴿۳۱﴾ وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِنِ يَكْفُرُوا  
بِالْحُسْنِ لِيُؤْتِيَهُمْ سُقْفًا مِّنْ فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿۳۲﴾ وَلِيُؤْتِيَهُمْ  
أَبُوبَابًا وَسُرًّا عَلَيْهَا يُتَكُونُ ﴿۳۳﴾

دنیوی زندگی میں ان کی روزی کے ذرائع بھی ہم نے ہی ان کے درمیان تقسیم کر رکھے ہیں، اور ہم نے ہی ان میں سے ایک کو دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے، تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ اور تمہارے پروردگار کی رحمت تو اُس (دولت) سے کہیں بہتر چیز ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔ ﴿۳۱﴾ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک ہی طریقے کے (یعنی کافر) ہو جائیں گے تو جو لوگ خدائے رحمن کے منکر ہیں، ہم اُن کے لئے اُن کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی بنادیتے، اور وہ سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں، ﴿۳۲﴾ اور اُن کے گھروں کے دروازے بھی، اور وہ تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، ﴿۳۳﴾

کے کسی بڑے آدمی پر نازل ہونا چاہئے تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو اس فیصلے کا حق دار سمجھتے ہیں کہ نبوت کی رحمت کس کو عطا کی جائے، کس کو نہ کی جائے۔

(۹) یہاں پھر رحمت سے مراد نبوت ہے، اور مطلب یہ ہے کہ نبوت تو بہت اعلیٰ درجے کی چیز ہے، اُس کی تقسیم کا کام ان لوگوں کے حوالے کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دنیا کا مال و دولت اور روزی کے ذرائع جو نبوت سے بہت کم درجے کی چیز ہیں، اُن کی تقسیم بھی ہم نے ان لوگوں کے حوالے نہیں کی، کیونکہ یہ اُس کے بھی اہل نہیں تھے، بلکہ خود ایسا نظام بنایا ہے جس کے ذریعے ہر شخص کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے دوسرے کا محتاج بنادیا ہے، اسی باہمی احتیاج کی بنیاد پر لوگوں کی آمدنی میں بھی فرق ہے، اور اسی فرق کی بنیاد پر ایک شخص دوسرے کی حاجتیں پوری کرتا ہے، ”تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں“ کا یہی مطلب ہے۔ اس مسئلے کی مکمل تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت تفسیر ”معارف القرآن“ کا مطالعہ فرمایا جائے۔

وَزُحْرَفًا ۚ وَإِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ  
 لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۵﴾ وَمَنْ يَّعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقِصْ لَهُ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهُ قَرِیْنٌ ﴿۳۶﴾ وَج  
 اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهُتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰی اِذَا جَآءَنَا  
 قَالِیْلَیْتَ بَيْنٰی وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمُسْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ﴿۳۸﴾

(۱۰) بلکہ انہیں سونا بنا دیتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دُنیوی زندگی کا سامان ہے۔  
 اور آخرت تمہارے پروردگار کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ ﴿۳۵﴾  
 اور جو شخص خدائے رحمن کے ذکر سے اندھا بن جائے، ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو  
 اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ ﴿۳۶﴾ (۱۱) ایسے شیاطین اُن کو راستے سے روکتے رہتے ہیں، اور وہ سمجھتے  
 ہیں کہ ہم ٹھیک راستے پر ہیں۔ ﴿۳۷﴾ یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے  
 شیطان ساتھی سے) کہے گا کہ: ”کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا،  
 کیونکہ تو بہت بُرا ساتھی تھا۔“ ﴿۳۸﴾

(۱۰) بتلانا یہ مقصود ہے کہ دُنیا کا مال و دولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی بے حقیقت چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں  
 سے ناراض ہونے کے باوجود اُن کے آگے سونے چاندی کے ڈھیر لگا سکتا ہے۔ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ  
 مال و دولت کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے کافروں کی دولت کو دیکھ کر کافر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کافروں کے گھر  
 اور اُن کے گھر کا سارا ساز و سامان سونے چاندی کا بنا دیتا، کیونکہ وہ فنا ہونے والی چیزیں ہیں، اور اصل دولت  
 اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی ابدی زندگی کی خوش حالی ہے جو پرہیزگاروں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ لہذا کسی  
 دولت مند شخص پر نازل کرنے کا مطالبہ سراسر لغو مطالبہ ہے۔

(۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ بے فکری کے ساتھ گناہ کئے جانے اور اُس پر شرمندہ نہ ہونے کا ایک عذاب یہ ہوتا ہے  
 کہ ایسے شخص پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے جو اُسے نیکی کی طرف آنے نہیں دیتا، اور گناہ کی زندگی پر ہی مگن رکھتا  
 ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ مَا دُظِّلْتُمْ اَنْتُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ  
الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا  
مِنْهُمْ مُّتَقِمُونَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَاِنَّا عَلَيَّهِمْ مُّقْتَدِرُونَ ﴿۴۲﴾  
فَاَسْتَسْبِكُ بِالَّذِي اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّكَ لَذِكْرٌ لَّكَ  
وَلِقَوْمِكَ ؕ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿۴۴﴾

اور آج جب تم ظلم کر چکے ہو تو تمہیں یہ بات ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی کہ تم عذاب میں  
ایک دوسرے کے شریک ہو۔ ﴿۳۹﴾

تو پھر (اے پیغمبر!) کیا تم بہروں کو سناؤ گے، یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو راستے پر لاؤ گے جو کھلی  
گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں؟ ﴿۴۰﴾ اب تو یہی ہوگا کہ اگر ہم تمہیں دنیا سے اٹھالیں، تب بھی  
ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں، ﴿۴۱﴾ یا اگر تمہیں بھی وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان  
سے وعدہ کیا ہے، تب بھی ہمیں ان پر ہر طرح کی قدرت حاصل ہے۔ ﴿۴۲﴾ لہذا تم پر جو وحی  
نازل کی گئی ہے، اُسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔ یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔ ﴿۴۳﴾ اور حقیقت  
یہ ہے کہ یہ وحی تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے ایک نیک نامی کا ذریعہ ہے، اور تم سب سے  
پوچھا جائے گا (کہ تم نے اس کا کیا حق ادا کیا؟) ﴿۴۴﴾

(۱۲) دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی قسم کی تکلیف بہت سے آدمیوں کو ایک ساتھ ہو رہی ہو تو اُس سے ہر ایک  
کے دل میں تکلیف کا احساس کچھ کم ہو جاتا ہے کہ اس تکلیف میں میں تنہا نہیں ہوں، بلکہ دوسرے بھی میرے  
ساتھ شریک ہیں۔ لیکن دوزخ میں ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ ہر ایک کی تکلیف اتنی زیادہ ہوگی کہ دوسروں کے اُسی  
تکلیف میں مبتلا ہونے کے احساس سے بھی اُس میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

وَسَلِّ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا  
يُعْبَدُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ  
رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَصْحُكُونَ ۝ وَمَا  
نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ  
يَرْجِعُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهُ السَّحَرَاءُ مُنَّا رَبِّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ إِنَّا  
لَمُهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْتُحُونَ ۝

اور تم سے پہلے ہم نے اپنے جو پیغمبر بھیجے ہیں، اُن سے پوچھ لو کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا کوئی  
اور معبود بھی مقرر کئے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ ﴿۴۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر  
فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ: ”میں رَبِّ الْعَالَمِينَ کا بھیجا ہوا  
پیغمبر ہوں۔“ ﴿۴۶﴾ پھر جب انہوں نے ہماری نشانیاں اُن کے سامنے پیش کیں تو وہ اُن کا مذاق  
اُڑانے لگے۔ ﴿۴۷﴾ اور ہم انہیں جو نشانی بھی دکھاتے، وہ پہلی نشانی سے بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی،  
اور ہم نے انہیں عذاب میں بھی پکڑا، تاکہ وہ باز آجائیں۔ ﴿۴۸﴾ اور وہ یہ کہنے لگے کہ: ”اے  
جادوگر! تم سے تمہارے پروردگار نے جو عہد کر رکھا ہے، اُس کا واسطہ دے کر اُس سے ہمارے لئے  
دُعا کرو، ہم یقیناً راہِ راست پر آجائیں گے۔“ ﴿۴۹﴾ پھر جب ہم اُن سے عذاب کو دُور کر دیتے تو  
پل بھر میں وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے تھے۔ ﴿۵۰﴾

(۱۳) یعنی اُن پر جو آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں، اُن میں دیکھ لو کہ اُن کو کیا تعلیم دی گئی تھی۔

(۱۴) ان سے مراد وہ بلائیں ہیں جن میں مصر والوں کو یکے بعد دیگرے مبتلا کیا گیا، اور جن کی تفصیل سورۃ  
اعراف (۷: ۱۳۳ تا ۱۳۵) میں گزر چکی ہے۔

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يُقَوْمُ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ  
تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۚ وَلَا  
يَكَادُ يُبَيِّنُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ ۖ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكَةُ  
مُقْتَرِنِينَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّا  
سَافَوْا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْعَلِينَ ﴿٥٥﴾ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَافًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿٥٦﴾

اور فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا کہ: ”اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میرے قبضے میں نہیں ہے؟ اور (دیکھو) یہ دریا میرے نیچے بہہ رہے ہیں۔ کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ ﴿۵۱﴾ یا پھر مانو کہ میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو بڑا حقیر قسم کا ہے، اور اپنی بات کھل کر کہنا بھی اس کے لئے مشکل ہے۔ ﴿۵۲﴾ بھلا (اگر یہ پیغمبر ہے تو) اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ یا پھر اس کے ساتھ فرشتے پرے باندھے ہوئے کیوں نہ آئے؟“ ﴿۵۳﴾ اس طرح اُس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا، اور انہوں نے اس کا کہنا مان لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب گنہگار لوگ تھے۔ ﴿۵۴﴾ چنانچہ جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا، اور ان سب کو غرق کر دیا۔ ﴿۵۵﴾ اور ہم نے انہیں ایک گئی گذری قوم اور بعد والوں کے لئے عبرت کا نمونہ بنا دیا۔ ﴿۵۶﴾

(۱۵) اس آیت میں فرعون کو بھی گنہگار کہا گیا ہے، اور اُس کی قوم کو بھی۔ فرعون تو اس لئے گنہگار تھا کہ اُس نے اپنی سلطنت کو خدائی کی علامت قرار دے کر خدائی کا دعویٰ کیا، اور اپنی قوم کو بے وقوف بنایا۔ اور اُس کی قوم اس لئے گنہگار تھی کہ اُس نے ایسے گمراہ شخص کو اپنا حکمران تسلیم کیا، اور اُس کی تمام گمراہیوں میں اُس کی پیروی کی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی قوم پر کوئی گمراہ شخص مسلط ہو جائے، اور وہ اپنی طاقت کے مطابق اُسے ہٹانے کی کوشش کرنے کے بجائے ہر غلط کام میں اُس کی اطاعت کئے جائے تو وہ بھی مجرم قرار پاتی ہے۔

وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا الْهَيْئَتُنَا خَيْرٌ  
أَمْهُوَ ۖ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصْبُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ  
أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿٥٩﴾

اور جب (عیسیٰ) ابن مریم کی مثال دی گئی تو تمہاری قوم کے لوگ یکا یک شور مچانے لگے۔ ﴿۵۷﴾ اور کہنے لگے کہ: ”ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟“ انہوں نے تمہارے سامنے یہ مثال محض کٹ جیتی کے لئے دی ہے، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ ﴿۵۸﴾ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) تو بس ہمارے ایک بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا تھا، اور بنی اسرائیل کے لئے اُن کو ایک نمونہ بنایا تھا۔ ﴿۵۹﴾

(۱۶) جب سورۃ انبیاء کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں بت پرستوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ: ”یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔“ (۹۸:۲۱) تو ایک کافر نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ بہت سے لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی عبادت کرتے ہیں، اس لئے اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ (معاذ اللہ) وہ بھی جہنم کا ایندھن بنیں، حالانکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ اُس کی یہ بات سن کر دوسرے کافروں نے خوب شور مچایا کہ واقعی اس شخص نے بہت زبردست اعتراض کیا ہے، حالانکہ اعتراض بالکل لغو تھا، کیونکہ اُس آیت میں بت پرستوں سے خطاب تھا، عیسائیوں سے نہیں، اور اس میں بتوں کے علاوہ وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہو۔ لہذا اُس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے داخل ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ یہ آیتیں اس موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ اس آیت کے شان نزول میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ کافر لوگوں میں سے کسی نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت اپنے آپ کو اسی طرح خدا کا بیٹا قرار دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا تھا، اس پر بھی دوسرے مشرکین نے اُس کی تعریف میں خوشی سے شور مچایا، اور اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ دونوں واقعے پیش آئے ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کا جامع جواب اس آیت کے ذریعے نازل فرمادیا ہو۔



وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ ۖ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ  
فَلَا تَمْتَرْنَ بِهَا وَاتَّبِعُون ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّكُمْ الشَّيْطَانُ  
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝

اور اگر ہم چاہیں تو تم سے فرشتے پیدا کر دیں جو زمین میں ایک دوسرے کے جانشین بن کر رہا کریں۔ ﴿۶۰﴾ اور یقین رکھو کہ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہیں، اس لئے تم اس میں شک نہ کرو، اور میری بات مانو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۶۱﴾ اور ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ شیطان تمہیں اس راستے سے روک دے۔ یقین جانو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ﴿۶۲﴾

(۱۷) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ نہ خود انہوں نے اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا، اور نہ ہم نے انہیں اپنا بیٹا قرار دیا تھا، بلکہ انہیں اپنی قدرت کی ایک نشانی بنا کر بھیجا تھا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ عیسائی لوگ اس بنا پر انہیں خدا کہنے لگے، حالانکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا خدائی کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے، اور انہیں کوئی بھی خدا نہیں مانتا۔ درحقیقت اُن کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک مظاہرہ تھا، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس سے بھی زیادہ عجیب کام کر دیں کہ انسانوں سے فرشتے پیدا کر دیں جو اسی طرح ایک دوسرے کے جانشین ہوں جیسے انسان ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہیں۔

(۱۸) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کے بغیر پیدا ہونا قیامت میں تمام انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی بھی ایک دلیل ہے، کیونکہ دوسری زندگی پر کافروں کو یہی تو اعتراض ہے کہ ایسا ہونا بہت عجیب اور خلافِ عادت ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی خلافِ عادت اور عجیب تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ واقعہ ہوا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تمام مردوں کو دوسری زندگی ملے گی۔ یہ اس آیت کی ایک تفسیر ہے جو حضرت حکیم الامتؒ نے ”بیان القرآن“ میں اختیار فرمائی ہے۔ اور دوسرے بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامتوں میں سے ہیں، یعنی وہ قیامت کے قریب آسمان سے دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، اور اُن کی تشریف آوری اس بات کی علامت ہوگی کہ قیامت قریب آگئی ہے۔

وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۳۷ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۖ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝۳۸ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ قَوْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْيَوْمِ ۝۳۹ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۴۰ إِلَّا خِلَافُ يَوْمٍ مِنْهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝۴۱ لِعِبَادٍ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝۴۲ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ

بِالْإِيمَانِ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝۴۳ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ۝۴۴

اور جب عیسیٰ کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تھے تو انہوں نے (لوگوں سے) کہا تھا کہ: ”میں تمہارے پاس دانائی کی بات لے کر آیا ہوں، اور اس لئے لایا ہوں کہ تمہارے سامنے کچھ وہ چیزیں واضح کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مان لو۔ ﴿۶۳﴾ یقیناً اللہ ہی میرا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی رب ہے، اس لئے اُس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔“ ﴿۶۴﴾ پھر بھی ان میں سے کئی گروہوں نے اختلاف پیدا کیا، چنانچہ ان ظالموں کے لئے ایک دردناک دن کے عذاب کی وجہ سے بڑی خرابی ہوگی۔ ﴿۶۵﴾ یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت ان کے سامنے اچانک آکھڑی ہو، اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ ﴿۶۶﴾ اُس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے متقی لوگوں کے، ﴿۶۷﴾ (جن سے کہا جائے گا کہ: ”اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ تم غمگین ہو گے۔“ ﴿۶۸﴾ اے میرے وہ بندو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے، اور فرماں بردار رہے تھے! ﴿۶۹﴾ تم بھی اور تمہاری بیویاں بھی، خوشی سے چمکتے چہروں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔“ ﴿۷۰﴾

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصَحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ وَفِيهَا مَا تَشْتَبِهُونَ إِلَّا نَفْسٌ وَ  
تَكَذُّبٌ إِلَّا عَيْنٌ ۖ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا  
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٢﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ  
فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٤٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٤٥﴾ وَمَا  
ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَادَىٰ إِلَيْكَ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ  
قَالَ إِنَّكُمْ مَّا كُنْتُمْ

ان کے آگے سونے کے پیالے اور گلاس گردش میں لائے جائیں گے۔ اور اُس جنت میں ہر وہ چیز  
ہوگی جس کی دلوں کو خواہش ہوگی، اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی۔ (ان سے کہا جائے گا  
کہ:) ”اس جنت میں تم ہمیشہ رہو گے۔ ﴿۴۱﴾ اور یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں اپنے اعمال کے  
بدلے وارث بنادیا گیا ہے۔ ﴿۴۲﴾ اس میں تمہارے لئے خوب افراط کے ساتھ میوے ہیں جن  
میں سے تم کھاؤ گے۔“ ﴿۴۳﴾ البتہ جو لوگ مجرم تھے، وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں  
گے۔ ﴿۴۴﴾ وہ عذاب اُن کے لئے ہلکا نہیں پڑنے دیا جائے گا، اور وہ اُس میں مایوس پڑے ہوں  
گے۔ ﴿۴۵﴾ اور ہم نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود ہی ظالم لوگ تھے۔ ﴿۴۶﴾ اور وہ  
(دوزخ کے فرشتے سے) پکار کر کہیں گے کہ: ”اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام  
کر دے۔“ وہ کہے گا کہ: ”تمہیں اسی حال میں رہنا ہے۔“ ﴿۴۷﴾

(۱۹) دوزخ کی نگرانی پر جو فرشتہ مقرر ہے، اُس کا نام ”مالک“ ہے۔ دوزخی لوگ عذاب کی شدت سے تنگ آ کر  
مالک سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرو کہ وہ ہمیں موت ہی دیدے۔ جواب میں ”مالک“ کی  
طرف سے کہا جائے گا کہ تمہیں اسی دوزخ میں زندہ رہنا ہوگا۔

لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كُرْهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَمْرُؤَا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۖ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ ۖ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدِينَ ﴿٨١﴾ سُبْحَنَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم تمہارے پاس حق بات لے کر آئے تھے، لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق بات ہی کو برا سمجھتے ہیں۔ ﴿۷۸﴾

ہاں کیا ان لوگوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ اچھا تو ہم بھی کچھ کرنے کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ ﴿۷۹﴾ کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سنتے؟ کیسے نہیں سنتے؟ نیز ہمارے فرشتے اُن کے پاس ہیں، وہ سب کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ ﴿۸۰﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ”اگر خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلا عبادت کرنے والا میں ہوتا۔“ ﴿۸۱﴾ وہ جو آسمانوں اور زمین کا بھی مالک ہے، عرش کا بھی مالک، وہ اُن ساری باتوں سے پاک ہے جو یہ بنایا کرتے ہیں۔ ﴿۸۲﴾

(۲۰) مکہ مکرمہ کے کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ منصوبے بناتے رہتے تھے، مثلاً انہوں نے آپ کو گرفتار کرنے یا قتل کرنے کے لئے سازش تیار کی تھی جس کا ذکر سورہ انفال (۸: ۳۰) میں گزرا ہے۔ اسی قسم کی کسی سازش کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ اگر انہوں نے آپ کے خلاف کچھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو ہم نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کی سازش خود انہی کے خلاف پڑے گی۔

(۲۱) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کا کوئی امکان ہے، بلکہ یہ بات فرض محال کے طور پر کہی گئی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے عقائد کا جو انکار کر رہا ہوں، وہ کسی ہٹ دھرمی یا عناد کی وجہ سے نہیں کر رہا، بلکہ دلائل کی بنا پر کر رہا ہوں، اور اگر دلیل سے اللہ تعالیٰ کی کسی اولاد کا کوئی ثبوت ہوتا تو میں اس سے کبھی انکار نہ کرتا۔

قَدْ رَهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۸۲﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي  
السَّاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۸۳﴾ وَتَبَرَّكَ الَّذِي لَهُ  
مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ  
تُرْجَعُونَ ﴿۸۴﴾ وَلَا يَسْئَلُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ  
بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۸۵﴾

لہذا (اے پیغمبر!) انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو کہ یہ ان باتوں میں ڈوبے رہیں، اور ہنسی کھیل کرتے  
رہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے اُس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۸۳﴾ وہی  
(اللہ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے، اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک  
ہے، علم کا بھی مالک۔ ﴿۸۴﴾ اور بڑی شان ہے اُس کی جس کے قبضے میں آسمانوں اور زمین اور  
اُن کے درمیان تمام چیزوں کی سلطنت ہے، اور اُسی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور اُسی کے پاس تم  
سب کو واپس لے جایا جائے گا۔ ﴿۸۵﴾ اور یہ لوگ اُسے چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں،  
انہیں کوئی سفارش کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، ہاں البتہ جن لوگوں نے حق بات کی گواہی دی ہو، اور  
انہیں اُس کا علم بھی ہو۔ ﴿۸۶﴾<sup>(۲۲)</sup>

(۲۲) یعنی جن بتوں وغیرہ کو مشرکین نے اس اعتقاد سے خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ  
کے پاس ہماری سفارش کریں گے تو درحقیقت ان کو سفارش کرنے کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ کسی  
کے بارے میں سچی گواہی دیں، اور پورے علم کے ساتھ دیں کہ وہ واقعی مؤمن تھا تو اُس کی گواہی بیشک قبول کی  
جائے گی۔ اور اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ”جن لوگوں نے حق کی گواہی دی ہو“ سے مراد وہ ہیں  
جنہوں نے ایمان قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا پیغمبر ہونے کی گواہی  
دی ہو، ایسے لوگوں کی سفارش اللہ تعالیٰ کی اجازت سے قبول کی جائے گی۔

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَلَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۸۷﴾ وَقِيلَ لَهُ يَرْبِّ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾

۸۷  
۸۸  
۸۹

اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ اُن کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ اس کے باوجود کوئی انہیں کہاں سے اوندھا چلا دیتا ہے؟ ﴿۸۷﴾ اور اللہ کو پیغمبر کی اس بات کا بھی علم ہے کہ: ”یَا رَبِّ! یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔“ ﴿۸۸﴾ (اے پیغمبر!) تم ان کی پروا نہ کرو، اور کہہ دو: ”سلام!“ کیونکہ عنقریب انہیں خود سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۸۹﴾

(۲۳) یہ جملہ یہ واضح کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہونے کے کتنے شدید اسباب موجود ہیں۔ ایک طرف تو ان کے جرائم بذات خود بڑے سخت ہیں، اور دوسری طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمة للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں، وہ ان کی سفارش کے بجائے ان کی شکایت کریں تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے آپ کو کتنی اذیتیں پہنچائی ہوں گی، ورنہ معمولی بات پر آپ جو سراپا رحمت ہیں، ایسی پُر درد شکایت نہ فرماتے۔

(۲۴) یہاں سلام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے خوبصورتی کے ساتھ قطع تعلق کر لیا جائے، یعنی تمہاری کٹ جمتی کے بعد اب میں تم سے مزید بحث کرنے کے بجائے تم سے شائستگی کے ساتھ علیحدگی اختیار کر لیتا ہوں۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۱ جنوری ۲۰۰۸ء کراچی میں سورہ زُخرف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ الدُّخَانِ



## تعارف

مستند روایات کے مطابق یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے کافروں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک شدید قحط میں مبتلا فرمایا، اس موقع پر لوگ چمڑے تک کھانے پر مجبور ہوئے، اور ابوسفیان کے ذریعے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ قحط دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں، اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر قحط دور ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے قحط سے نجات عطا فرمادی، لیکن جب قحط دور ہو گیا تو یہ کافر لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے، اور ایمان نہیں لائے۔ اس واقعے کا تذکرہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۰ تا ۱۵ میں آیا ہے، اور اسی سلسلے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک دن آسمان پر دُھواں ہی دُھواں نظر آئے گا (اس کا مطلب ان شاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئے گا) دُھویں کو عربی میں ”دخان“ کہتے ہیں، اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام ”سورۃ دخان“ ہے۔ سورت کے باقی مضامین توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات پر مشتمل ہیں۔

﴿آیتھا ۵۹﴾ سُورَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۳﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْ ۱ وَالْكِتَابِ الْبُرْهَانِ ۲ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۳ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيمٍ ۴ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۵ رَاحَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۶ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۷ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ۸ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۹ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اَبَائِكُمُ الْاَوَّلِينَ ۱۰

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اُنسٹھ آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمْ ﴿۱﴾ قسم ہے اس کتاب کی جو حق کو واضح کرنے والی ہے ﴿۲﴾ کہ ہم نے اسے ایک مبارک رات میں اُتارا ہے، ﴿۱﴾ (کیونکہ) ہم لوگوں کو خبردار کرنے والے تھے، ﴿۳﴾۔ اسی رات میں ہر حکیمانہ معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے۔ ﴿۴﴾ (نیز) ہم ایک پیغمبر بھیجے والے تھے، ﴿۵﴾ ﴿۶﴾ تاکہ تمہارے رب کی طرف سے رحمت کا معاملہ ہو — یقیناً وہی ہے جو ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔ ﴿۷﴾ جو سارے آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے، اگر تم واقعی یقین کرنے والے ہو۔ ﴿۸﴾ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ زندگی بھی دیتا ہے، اور موت بھی۔ وہ تمہارا بھی رب ہے، اور تمہارے پہلے گذرے ہوئے باپ دادوں کا بھی رب۔ ﴿۹﴾

(۱) اس سے مراد شب قدر ہے، کیونکہ اسی رات میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر نازل کیا گیا، اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو اہم واقعات ہونے والے ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں شخص پیدا ہوگا، اُسے اتنا رزق دیا جائے گا، فلاں کا انتقال ہوگا، یہ ساری باتیں عملی تنفیذ کے لئے متعلقہ فرشتوں کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۙ ۱۰ فَأَمَّا تَقَبُ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۙ ۱۱ يَغشى النَّاسُ ۚ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۙ ۱۲ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۙ ۱۳ أَلَيْسَ لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۙ ۱۴ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ ۙ ۱۵ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۙ ۱۶ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى ۙ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ۙ ۱۷

(پھر بھی کافر ایمان نہیں لاتے) بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے کھیل کر رہے ہیں۔ ﴿۹﴾ لہذا اُس دن کا انتظار کرو جب آسمان ایک واضح دُھواں لے کر نمودار ہوگا ﴿۱۰﴾ جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ایک دردناک سزا ہے۔ ﴿۱۱﴾ (اُس وقت یہ لوگ کہیں گے کہ:) ”اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ عذاب دُور کر دیجئے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔“ ﴿۱۲﴾ ان کو نصیحت کہاں ہوتی ہے؟ حالانکہ ان کے پاس ایسا پیغمبر آیا ہے جس نے حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے۔ ﴿۱۳﴾ پھر بھی یہ لوگ اُس سے منہ موڑے رہے، اور کہنے لگے کہ: ”یہ سکھایا پڑھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔“ ﴿۱۴﴾ (اچھا) ہم عذاب کو کچھ عرصے تک ہٹا دیتے ہیں۔ یقین ہے کہ تم پھر اُسی حالت پر لوٹ آؤ گے۔ ﴿۱۵﴾ جس دن ہماری طرف سے سب سے بڑی پکڑ ہوگی، اُس دن ہم پورا انتقام لے لیں گے۔ ﴿۱۶﴾

(۳) اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو متنبہ کرنے کے لئے انہیں ایک تحت قُط میں مبتلا فرمادیا تھا، اُس وقت لوگ بھوک کی شدت کے عالم میں جب آسمان کی طرف دیکھتے تو انہیں آسمان پر دُھواں ہی دُھواں چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس آیت میں اس قُط سالی کی پیشین گوئی کی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ کافروں کو سزا کے طور پر ایسے قُط میں مبتلا کیا جائے گا کہ انہیں بھوک کی وجہ سے آسمان پر دُھواں ہی دُھواں نظر آئے گا، اور اُس وقت یہ لوگ وعدہ کریں گے کہ اگر یہ قُط ہم سے دُور ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن جب قُط دُور ہوگا تو اپنے وعدے سے پھر کر دوبارہ شرک کی طرف لوٹ جائیں گے۔

(۴) یعنی اس وقت تو یہ عذاب ان سے دُور کر دیا جائے گا، لیکن جب قیامت میں ان کی پکڑ ہوگی، اُس وقت انہیں پورے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۝ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۚ إِنِّي آتِيكُمْ بِسُلْطَنِ مُبِينٍ ۝ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُؤُنِ ۖ وَإِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوا إِلَيَّ فَاعْتَزْلُونِ ۖ فَدَعَا رَبَّهُ أَنْ هَلْؤُلَا قَوْمٌ مُجْرِمُونَ ۖ فَاسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا ۖ إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ ۖ وَاتْرِكِ الْبَحْرَ سَاهُوا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ۖ

اور ان سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا، اور ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے ﴿۱۷﴾ (اور انہوں نے کہا تھا) کہ: ”اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو، میں تمہاری طرف ایک امانت دار پیغمبر بن کر آیا ہوں“ ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ: ”اللہ کے آگے سرکشی مت کرو، میں تمہارے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل پیش کرتا ہوں، ﴿۱۹﴾ اور میں اس بات سے اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔“ ﴿۲۰﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔“ ﴿۲۱﴾ پھر انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ یہ مجرم لوگ ہیں۔ ﴿۲۲﴾ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ) ”اچھا تم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ۔ تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا، ﴿۲۳﴾ اور تم سمندر کو ٹھہرا ہوا چھوڑ دینا، یقیناً یہ لشکر ڈبو یا جائے گا۔“ ﴿۲۴﴾

(۵) اس سے مراد بنو اسرائیل ہیں جن کو فرعون نے غلام بنایا ہوا تھا۔ دیکھئے سورۃ طہ (۲۰: ۴۷)۔

(۶) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی دعوت کے جواب میں قتل کی دھمکیاں دی تھیں۔ یہ اُن کا جواب ہے۔

(۷) یعنی اگر میری دعوت پر ایمان نہ لاؤ تو کم سے کم مجھے چھوڑ دو کہ میں حق کا پیغام اُن لوگوں کو پیش کروں جو ماننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور مجھے تکلیف پہنچانے اور میرے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے سے باز رہو۔

(۸) مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے راستے میں سمندر آجائے گا تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سمندر کو ٹھہرا کر راستہ بنادیں گے۔ جب تم اُس سے پار ہو جاؤ تو اس بات کی فکر نہ کرنا کہ سمندر میں جو راستہ بنا ہوا ہے، وہ فرعون کے

كَمْ تَرَ كُوفًا مِنْ جَبَّتْ وَعُيُونٌ ۙ وَزُرُوعٌ وَمَقَامٌ كَرِيمٌ ۙ وَنَعْمَةٌ كَانُوا فِيهَا  
فَكِهِينَ ۙ كَذَلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۙ فَسَابْغْتُ عَلَيْهِمُ السَّمَاءَ وَ  
الْأَرْضَ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ۙ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآءَ يَلْ مِنَ الْعَذَابِ  
الْمُهِينِ ۙ مِنْ فِرْعَوْنَ ۖ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِنَ السُّرِفِينَ ۙ وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَى  
عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۙ وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ۙ إِنَّ هَؤُلَاءِ  
لَيَقُولُونَ ۙ إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ۙ

کتنے باغات اور چشمے تھے جو یہ لوگ چھوڑ گئے، ﴿۲۵﴾ اور کتنے کھیت اور شاندار مکانات، ﴿۲۶﴾ اور عیش کے کتنے سامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے! ﴿۲۷﴾ اُن کا انجام اسی طرح ہوا، اور ہم نے ان سب چیزوں کا وارث ایک دوسری قوم کو بنادیا۔ ﴿۲۸﴾ پھر نہ اُن پر آسمان رو یا نہ زمین، اور نہ اُن کو کچھ مہلت دی گئی۔ ﴿۲۹﴾ اور بنی اسرائیل کو ہم نے ذلت کے عذاب سے نجات دے دی، ﴿۳۰﴾ یعنی فرعون سے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا سرکش، حد سے گذرے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے اُن کو اپنے علم کے مطابق دُنیا جہان والوں پر فوقیت دی، ﴿۳۲﴾ اور ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا۔ ﴿۳۳﴾

یہ لوگ صاف کہتے ہیں ﴿۳۴﴾ کہ: ”اور کچھ نہیں ہے، بس ہماری وہی پہلی موت ہوگی، اور ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔“ ﴿۳۵﴾

لشکر کے بھی کام آئے گا، اور وہ سمندر پار کر کے ہمارا تعاقب جاری رکھیں گے، بلکہ سمندر کو ویسا ہی ٹھہرا ہوا چھوڑ دینا۔ اللہ تعالیٰ خود ان کو ڈبونے کے لئے سمندر کو پھر پہلی حالت میں واپس کر دیں گے۔ اس واقعے کی تفصیل سورہ یونس (۱۰: ۹۰ تا ۹۲) اور سورہ شعراء (۲۶: ۵۶ تا ۶۷) میں گذر چکی ہے۔

(۹) اس سے مراد وہ انعامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر فرمائے، مثلاً من وسلویٰ نازل کرنا، پتھر سے چشمے نکال دینا وغیرہ، جن کا ذکر سورہ بقرہ (۲: ۵۸ تا ۵۷) میں فرمایا ہے۔

فَاتُوا يَا أَبَا نَسَّاءٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۶﴾ أَهْمُ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّيِّئَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِبِينَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنَاهَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۱﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۴۲﴾

۲  
۶۳  
۱۵

اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو اٹھا لاؤ۔ ﴿۳۶﴾ بھلا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے؟ ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا، (کیونکہ) وہ یقینی طور پر مجرم لوگ تھے۔ ﴿۳۷﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں بے فائدہ کھیل کرنے کے لئے پیدا نہیں کر دی ہیں۔ ﴿۳۸﴾ ہم نے انہیں برحق مقصد ہی کے لئے پیدا کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ فیصلے کا دن ان سب کی مقررہ میعاد ہے، ﴿۴۰﴾ جس دن کوئی حمایتی کسی حمایتی کے ذرا بھی کام نہیں آئے گا، اور ان میں سے کسی کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی، ﴿۴۱﴾ سوائے اُس کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔ یقیناً وہ مکمل اقتدار کا مالک بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۴۲﴾

(۱۰) تبع دراصل یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا، قرآن کریم نے یہ متعین نہیں فرمایا کہ یہاں کونسا تبع مراد ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہاں مراد وہ تبع ہے جس کا نام اسعد ابو کریب تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے سات سو سال پہلے گزرا ہے، یہ خود دین موسوی پر، جو اُس وقت دین برحق تھا، ایمان لے آیا تھا، لیکن اُس کی قوم نے بعد میں بت پرستی اختیار کر لی جس کے نتیجے میں اُن پر عذاب آیا۔

(۱۱) اگر آخرت کا انکار کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا دن آنے والا نہیں ہے جس میں نیک لوگوں کو انعام اور ظالموں کو سزا دی جائے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات (معاذ اللہ) یونہی بے فائدہ کھیل کے طور پر پیدا کر دی ہے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۖ طَعَامُ الْإِثْمِ ۖ كَالْمُهْلِ يُغْلَى فِي الْبُطُونِ ۖ كَغَلَى الْحَصِيمِ ۖ خُدُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۖ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَصِيمِ ۖ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۖ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۖ إِنَّ الْمُسْتَقِيمِينَ فِي مَقَامِ آمِينَ ۖ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۖ يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ۖ كَذَلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۖ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ۖ

یقین جانو کہ زقوم کا درخت ﴿۴۳﴾ گنہگار کا کھانا ہوگا، ﴿۴۴﴾ تیل کی تپھٹ جیسا۔ وہ لوگوں کے پیٹ میں اس طرح جوش مارے گا ﴿۴۵﴾ جیسے کھولتا ہوا پانی۔ ﴿۴۶﴾ (فرشتوں سے کہا جائے گا:)"اس کو پکڑو، اور گھسیٹ کر دوزخ کے پتوں بچ تک لے جاؤ، ﴿۴۷﴾ پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب اُنڈیل دو۔" ﴿۴۸﴾ (کہا جائے گا کہ:)"لے چکھ۔ تو ہی ہے وہ بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا عزت والا! ﴿۴۹﴾ یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔" ﴿۵۰﴾ (دوسری طرف) پرہیزگار لوگ یقیناً امن و امان والی جگہ میں ہوں گے، ﴿۵۱﴾ باغات میں اور چشموں میں! ﴿۵۲﴾ وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوئے سندس اور استبرق کا لباس پہنے ہوں گے۔ ﴿۵۳﴾ اُن کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا، اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کا اُن سے بیاہ کر دیں گے۔ ﴿۵۴﴾ وہ وہاں بڑے اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگواتے ہوں گے۔ ﴿۵۵﴾

(۱۲) یعنی دُنیا میں تو اپنے آپ کو بڑا صاحبِ اقتدار اور بڑا باعزت سمجھتا تھا، اور اس پر تجھے گھمنڈ تھا، آج اپنی یہ حالت دیکھ لے کہ تکبر، گھمنڈ اور حق کے انکار کا انجام کیا ہوتا ہے؟  
(۱۳) یہ دونوں ریشمی کپڑوں کی دو قسمیں ہیں۔ "سندس" باریک اور "استبرق" دیز ہوتا ہے، لیکن جنت کے

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا  
 مِّنْ رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ  
 يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَأَن تَقْبَلُ إِلَهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

ع  
۱۶

جو موت اُن کو پہلے آچکی تھی، اُس کے علاوہ وہاں وہ کسی اور موت کا مزہ نہیں چکھیں گے، اور اللہ  
 انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا، ﴿۵۶﴾ یہ سب تمہارے پروردگار کی طرف سے فضل  
 ہوگا۔ (انسان کے لئے) زبردست کامیابی یہی ہے۔ ﴿۵۷﴾  
 غرض (اے پیغمبر!) ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان بنا دیا ہے، تاکہ لوگ نصیحت  
 حاصل کریں۔ ﴿۵۸﴾ اب تم بھی انتظار کرو، یہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ ﴿۵۹﴾

سندس اور استبرق کی صحیح کیفیت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔  
 (۱۳) یہ لوگ تو جھٹلانے کے انداز میں قیامت کا انتظار کر رہے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تصدیق کے  
 ساتھ اُس کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے کہ اُس وقت ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی، اور ان کافروں کو سخت  
 سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

الحمد للہ! سورہ دُخان کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بروز عاشوراء ۱۰ محرم الحرام  
 ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰ جنوری ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی  
 بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کو بھی اپنی رضا کے مطابق  
 بعافیت تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔





# سُورَةُ الْحَاشِيَةِ

## تعارف

اس سورت میں بنیادی طور پر تین باتوں پر زور دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ اس کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی اتنی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں کہ ایک انسان اگر معقولیت کے ساتھ اُن پر غور کرے تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کائنات کے خالق کو اپنی خدائی کے انتظام میں کسی شریک کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہذا اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا کر اُس کی عبادت کرنا سراسر بے بنیاد بات ہے۔ دوسرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ آپ کو شریعت کے کچھ ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو پچھلی اُمتوں کو دیئے ہوئے احکام سے کسی قدر مختلف ہیں۔ چونکہ یہ سارے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اس لئے اس پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ تیسرے اس سورت میں قیامت کے ہولناک مناظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں آیت نمبر ۲۸ میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ ڈر کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں گے۔ ”جاثیہ“ عربی زبان میں اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو گھٹنے کے بل بیٹھے ہوں۔ اسی لفظ کو سورت کا نام بنا دیا گیا ہے۔

﴿آیتھا ۳۷﴾ ﴿سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۵﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۴﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

حَمَّ ۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۲ إِنَّ فِي السَّاعُوتِ وَالْأَرْضِ  
لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۳ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُتُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۴  
وَإِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ  
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۵ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ  
نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۶ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمَّ ﴿۱﴾ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتاری جا رہی ہے جو بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا صاحبِ حکمت  
ہے۔ ﴿۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ماننے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں  
ہیں۔ ﴿۳﴾ اور خود تمہاری پیدائش میں، اور اُن جانوروں میں جو اُس نے (زمین میں) پھیلا رکھے  
ہیں، اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو یقین کریں۔ ﴿۴﴾ نیز رات اور دن کے آنے جانے  
میں، اور اللہ نے آسمان سے رزق کا جو ذریعہ اتارا، پھر اُس سے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے  
بعد نئی زندگی دی، اُس میں اور ہواؤں کی گردش میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے  
کام لیں۔ ﴿۵﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنارہے ہیں۔ اب اللہ اور اُس  
کی آیتوں کے بعد کوئی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ ﴿۶﴾

وَيُلْ لِكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ  
يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا  
هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ مَنْ وَرَّأَىٰ يَهُمَّ جَهَنَّمَ ۚ وَلَا يَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا  
كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝  
۱۰ هَٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٍ ۝ ۱۱ اللَّهُ  
الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرِيٰ أْفُلُكُ فِيهِ بَآمِرٍ مَّرْهُ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ  
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ ۱۲

براہو ہر اُس جھوٹے گنہگار کا ﴿۷﴾ جو اللہ کی آیتیں سنتا ہے جبکہ وہ اُسے پڑھ کر سنائی جا رہی ہوتی  
ہیں، پھر بھی وہ تکبر کے عالم میں اس طرح (کفر پر) اڑا رہتا ہے جیسے اُس نے وہ آیتیں سنی ہی  
نہیں۔ لہذا ایسے شخص کو دردناک عذاب کی ”خوشخبری“ سنا دو۔ ﴿۸﴾ اور جب ہماری آیتوں میں  
سے کوئی آیت ایسے شخص کے علم میں آتی ہے تو وہ اُس کا مذاق بناتا ہے۔ ایسے لوگوں کو وہ عذاب ہوگا  
جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۹﴾ اُن کے آگے جہنم ہے، اور جو کچھ اُنہوں نے کمایا ہے، نہ وہ اُن  
کے کچھ کام آئے گا، اور نہ وہ کام آئیں گے جن کو اُنہوں نے اللہ کے بجائے اپنا رکھوالا بنا رکھا ہے۔  
اور اُن کے حصے میں ایک زبردست عذاب آئے گا۔ ﴿۱۰﴾ یہ (قرآن) سرِ اِپادایت ہے، اور جن  
لوگوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا ہے، اُن کے لئے بلا کا دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۱﴾  
اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، تاکہ اُس کے حکم سے اُس میں کشتیاں چلیں،  
اور تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۱۲﴾

(۱) جیسا کہ پہلے کئی بار عرض کیا گیا، اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنا قرآن کریم کی اصطلاح میں روزی تلاش کرنے کو  
کہا جاتا ہے۔ یہاں سمندری تجارت مراد ہے۔

وَسَحَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمَوَاتِ وَمَافِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۴﴾ مَن عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَن أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم تَرْجَعُونَ ﴿۱۵﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُس سب کو اُس نے اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیں۔ ﴿۱۳﴾ (اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن سے کہو کہ جو لوگ اللہ کے دنوں کا اندیشہ نہیں رکھتے اُن سے درگزر کریں، تاکہ اللہ لوگوں کو اُن کاموں کا بدلہ دے جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۴﴾ جو شخص بھی نیک کام کرتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے، اور جو برا کام کرتا ہے، وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، پھر تم سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس واپس لایا جائے گا۔ ﴿۱۵﴾

(۲) ”اللہ کے دنوں“ سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کے اعمال کی سزا یا جزا دے، چاہے دنیا میں یا آخرت میں، اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس بات سے بے فکر ہیں، بلکہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ کوئی ایسے دن آنے والے ہیں۔

(۳) درگزر کرنے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ اُن کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچائی جائیں، اُن کا بدلہ نہ لیں۔ یہ حکم مکی زندگی میں دیا گیا تھا جہاں مسلمانوں کو مسلسل صبر کی تلقین کی جا رہی تھی، اور ہاتھ اٹھانے سے منع کیا گیا تھا۔ (۴) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ کافر لوگ اُن پر جوستم ڈھا رہے ہیں، تم اُن کا فی الحال بدلہ نہ لو، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی اُن کا بدلہ لے لے گا، چاہے وہ اسی دنیا میں ہو، یا آخرت میں۔ اور ساتھ ہی یہ مطلب بھی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں صبر سے کام لیں گے، اور بدلہ نہیں لیں گے، اللہ تعالیٰ اُن کی اس نیکی کا بدلہ آخرت کی نعمتوں کی صورت میں ضرور عطا فرمائے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَآءَ يِلَّ الْكِتَآبِ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَآزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَ  
 قَضَيْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۖ ۱۶ وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِّنْ بَعْدِ  
 مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا  
 فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ ۱۷ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ  
 الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ ۱۸ إِنَّهُمْ لَنُيْغُوْا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ  
 بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۚ ۱۹

اور ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب، اور حکومت اور نبوت عطا کی تھی، اور انہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق  
 دیا تھا، اور انہیں دنیا جہان کے لوگوں پر فوقیت بخشی تھی، ﴿۱۶﴾ اور انہیں کھلے کھلے احکام دیے  
 تھے۔ اس کے بعد ان میں جو اختلاف پیدا ہوا، وہ ان کے پاس علم آ جانے کے بعد ہی ہوا، صرف  
 اس لئے کہ ان کو ایک دوسرے سے ضد ہو گئی تھی۔<sup>(۵)</sup> یقیناً تمہارا پروردگار ان کے درمیان قیامت  
 کے دن ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۷﴾ پھر (اے پیغمبر!)  
 ہم نے تمہیں دین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے، لہذا تم اُسی کی پیروی کرو، اور ان لوگوں کی  
 خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔ ﴿۱۸﴾ وہ اللہ کے مقابلے میں تمہارے ذرا  
 بھی کام نہیں آ سکتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور اللہ متقی  
 لوگوں کا دوست ہے۔ ﴿۱۹﴾

(۵) یعنی بنو اسرائیل کو تورات کا علم دیا گیا تھا، اُس کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے سے حسد اور ضد کی وجہ  
 سے آپس میں پھوٹ ڈال لی، اور اختلافات میں پڑ گئے۔

هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْرٌ حَسْبَ الَّذِينَ  
اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ مَّحْيَاهُمْ  
وَمَمَاتُهُمْ ۖ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ  
وَلِيُخْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ  
هُوْلُهُ ۖ وَاصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۖ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً ۖ

یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لئے بصیرتوں کا مجموعہ ہے۔ اور جو لوگ یقین کریں، اُن کے لئے منزل  
تک پہنچانے کا ذریعہ اور سراپا رحمت ہے۔ ﴿۲۰﴾ جن لوگوں نے بُرے بُرے کاموں کا ارتکاب  
کیا ہے، کیا وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ انہیں ہم اُن لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے ہیں، اور  
جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، جس کے نتیجے میں اُن کا جینا اور مرنا ایک ہی جیسا ہو جائے؟ کتنی بُری  
بات ہے جو یہ طے کئے ہوئے ہیں! ﴿۲۱﴾ اللہ نے سارے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد کے  
لئے پیدا کیا ہے، اور اس لئے کیا ہے کہ ہر شخص کو اُس کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ دیا جائے،  
اور دیتے وقت اُن پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔ ﴿۲۲﴾ پھر کیا تم نے اُسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا  
اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے، اور علم کے باوجود اللہ نے اُسے گمراہی میں ڈال دیا، اور اُس کے کان  
اور دل پر مہر لگا دی، اور اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا؟

(۶) یہ آخرت کی زندگی کی ضرورت بتائی جا رہی ہے کہ اگر آخرت کی جزا و سزا نہ ہو تو اچھے بُرے سب لوگ برابر  
ہو جائیں، اور جن نیک لوگوں نے دنیا میں شریعت کے احکام پر عمل کر کے محنت اٹھائی، یا مخالفین کی طرف سے  
تکلیفیں برداشت کیں، اُن کو مرنے کے بعد بھی اس قربانی کا کوئی انعام نہ ملے، اور اُن کا مرنا جینا بالکل برابر  
ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نا انصافی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے یہ کائنات اسی  
برحق مقصد کے لئے پیدا کی ہے کہ ہر ایک کو اُس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

(۷) یہ ترجمہ ”وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ“ کے جملے کو ”تُخْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ“ سے حال قرار دینے پر مبنی ہے۔



فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا  
نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْدِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا  
يُظُنُّونَ ﴿۲۴﴾ وَإِذْ تُسَلِّيٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتُوا  
بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ  
الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ  
وَالْأَرْضِ ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِخُ الْمُبْطِلُونَ ﴿۲۷﴾

اب اللہ کے بعد کون ہے جو اُسے راستے پر لائے؟ کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے؟ ﴿۲۳﴾  
اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”جو کچھ زندگی ہے، بس یہی ہماری دنیوی زندگی ہے، (اسی میں) ہم مرتے  
اور جیتے ہیں اور ہمیں کوئی اور نہیں، زمانہ ہی ہلاک کر دیتا ہے۔“ حالانکہ اس بات کا انہیں کچھ بھی علم  
نہیں ہے، بس وہی اندازے لگاتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اور جب ہماری آیتیں پوری وضاحت کے  
ساتھ ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ کہنے کے سوا اُن کی کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ: ”اگر تم سچے ہو تو  
ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کر کے) لے آؤ۔“ ﴿۲۵﴾ کہہ دو کہ اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے، پھر  
وہ تمہیں موت دے گا، پھر تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں  
ہے، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۲۶﴾ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، اور  
جس دن قیامت آکھڑی ہوگی، اُس دن جو لوگ باطل پر ہیں، وہ سخت نقصان اٹھائیں گے۔ ﴿۲۷﴾

(۸) یعنی آخرت کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سارے انسانوں کو جمع کرے گا،  
یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسی دنیا میں مردوں کو زندہ کرے گا، لہذا آخرت کے عقیدے کے مقابلے میں تمہارا  
یہ مطالبہ کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے لاؤ، سراسر لغو مطالبہ ہے۔ رہی یہ بات کہ مردوں کا دوبارہ  
زندہ ہونا بہت مشکل بات ہے تو جس اللہ نے تمہیں عدم سے وجود عطا کر کے پیدا کیا ہے، اُس کے لئے کیا

وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَآثِيَةً ۖ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾ هَٰذَا كِتَابُنَا يُطِيقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۖ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۹﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۖ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْبُيِّنُ ﴿۳۰﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ أَفَلَمْ تَكُنْ أَتَىٰ عَلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَآ نَذِيرٌ ۖ مَا السَّاعَةُ ۖ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا خُبْرُ بَسِيطِيْقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور تم ہر گروہ کو دیکھو گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے۔ ہر گروہ کو اُس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا، (اور کہا جائے گا کہ:) ”آج تمہیں اُن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۲۸﴾ یہ ہمارا (لکھوایا ہوا) دفتر ہے جو تمہارے بارے میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔ تم جو کچھ کرتے تھے، ہم اُس سب کو لکھوایا کرتے تھے۔“ ﴿۲۹﴾ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کو تو اُن کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی کھلی ہوئی کامیابی ہے۔ ﴿۳۰﴾ رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر اپنا لیا تھا، (اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”بھلا کیا تمہارے سامنے میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم نے تکبر سے کام لیا، اور مجرم بنے رہے، ﴿۳۱﴾ اور جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور قیامت وہ حقیقت ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں ہے، تو تم یہ کہتے تھے کہ: ”ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہوتی ہے؟ اُس کے بارے میں ہم جو کچھ خیال کرتے ہیں، بس ایک گمان سا ہوتا ہے، اور ہمیں یقین بالکل نہیں ہے۔“ ﴿۳۲﴾

مشکل ہے کہ وہ ایک مرتبہ تمہاری رُوح قبض کر کے دوبارہ پیدا کر دے، جبکہ اس ساری کائنات کی بادشاہی اُسی کے قبضے میں ہے؟

(۹) قیامت کے مختلف مراحل میں ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا کہ وہاں کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بے ساختہ

وَبَدَّ لَهُمْ سَيِّئَاتِ مَا عَمِلُوا حَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۱﴾ وَقِيلَ  
 الْيَوْمَ نَنسِفُكُمْ كَمَا نَسِفْنَا لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَا لَكُمْ مِمَّنْ  
 تُصِرُّونَ ﴿۳۲﴾ ذَلِكُمْ بِأَنَّكُمْ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا  
 فَالْيَوْمَ لَا يَخْرُجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۳۳﴾ فَلِلَّهِ الْحُكْمُ رَبِّ السَّمَوَاتِ  
 وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۴﴾ وَلَهُ الْكِبَرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ  
 الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۵﴾

اور (اس موقع پر) انہوں نے جو اعمال کئے تھے، اُن کی برائیاں کھل کر اُن کے سامنے آ جائیں گی، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے، وہی اُن کو آگھیرے گی، ﴿۳۳﴾ اور اُن سے کہا جائے گا کہ: ”آج ہم تمہیں اُسی طرح بھلا دیں گے جیسے تم نے یہ بات بھلا ڈالی تھی کہ تمہیں اپنے اس دن کا سامنا کرنا ہوگا، اور تمہارا اٹھکانا آگ ہے، اور تمہیں کسی قسم کے مددگار میسر نہیں آئیں گے۔ ﴿۳۴﴾ یہ سب اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا تھا، اور دُنیوی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا۔“ چنانچہ آج ایسے لوگوں کو نہ وہاں سے نکالا جائے گا، اور نہ اُن سے معافی مانگنے کو کہا جائے گا۔ ﴿۳۵﴾

غرض تعریف تمام تر اللہ کی ہے جو سارے آسمانوں کا بھی مالک ہے، زمین کا بھی مالک، اور تمام جہانوں کا بھی مالک۔ ﴿۳۶﴾ اور تمام تر بڑائی اُسی کو حاصل ہے، آسمانوں میں بھی، اور زمین میں بھی، اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۳۷﴾

گھٹنوں کے بل گر جائیں گے یا بیٹھ جائیں گے۔

(۱۰) یعنی دوزخ کے جس عذاب کا یہ کافر لوگ مذاق اڑا کرتے تھے، وہی عذاب اُن کو آگھیرے گا۔

(۱۱) توبہ کرنے اور معافی مانگنے کا دروازہ انسان کے لئے ساری زندگی کھلا ہوا ہے، لیکن مرنے کے بعد اور

آخرت میں پہنچنے کے بعد یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور وہاں معافی مانگنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اس لئے وہاں کسی سے یہ کہا بھی نہیں جائے گا کہ معافی مانگ لو۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

الحمد للہ! سورہ جاثیہ کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج شب جمعہ میں ۱۵/ محرم ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۴/ جنوری ۲۰۰۸ء کو دُبی سے لندن جاتے ہوئے جہاز میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مغفرت فرما کر اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْأَحْقَافِ

## تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۲۹ اور ۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس وقت نازل ہوئی تھی جب جنات کی ایک جماعت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سنا تھا۔ معتبر روایات کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے پہلے اُس وقت پیش آیا تھا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے، اور نخلہ کے مقام پر فجر کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ دوسری کئی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو دلائل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اُسی زمانے میں اس قسم کے واقعات پیش آرہے تھے کہ ایک ہی گھرانے میں والدین مسلمان ہو گئے، اور اولاد مسلمان نہیں ہوئی، اور اُس نے اپنے والدین کو ملامت شروع کر دی کہ وہ کیوں اسلام لائے۔ اس کے برعکس بعض گھرانوں میں اولاد مسلمان ہو گئی اور والدین مسلمان نہ ہوئے، اور انہوں نے اولاد پر تشدد شروع کر دیا۔ اس سورت کی آیات ۱۶ و ۱۷ میں اسی قسم کی صورتِ حال کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اسی پس منظر میں اولاد پر ماں باپ کے حقوق بیان فرمائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ماضی میں جن قوموں نے کفر اور نافرمانی کی روش اختیار کی، اُن کے بُرے انجام کا حوالہ دیا گیا ہے، اور قومِ عاد کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس جگہ یہ قوم آباد تھی، وہاں بہت سے ریت کے ٹیلے تھے جنہیں عربی زبان میں ”أَحْقَاف“ کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”أَحْقَاف“ ہے۔

﴿اِيَاتَهَا ۳۵﴾ ﴿سُورَةُ الْاِخْفَافِ مَكِّيَّةٌ ۲۶﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۴﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

حَمَّ ۱ ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاجَلٍ مُّسَمًّى ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا اُنْذِرُوا مِنْ مُّعْزٰوْنَ ۝ ۳﴾ قُلْ اَسْمَءُیْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۝ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثَرٍ ۝ ۴﴾

عَلِمَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ ۵﴾

یہ سورت کمی ہے، اور اس میں پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

حَمَّ ﴿۱﴾ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری جا رہی ہے جو بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ ﴿۲﴾ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کسی برحق مقصد کے بغیر اور کسی متعین میعاد کے بغیر پیدا نہیں کر دیا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، وہ اُس چیز سے منہ موڑے ہوئے ہیں جس سے انہیں خبردار کیا گیا ہے۔ ﴿۳﴾ تم ان سے کہو کہ: ”کیا تم نے اُن چیزوں پر کبھی غور کیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین کی کوئی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں (کی تخلیق) میں اُن کا کوئی حصہ ہے؟ میرے پاس کوئی ایسی کتاب لاؤ جو اس قرآن سے پہلے کی ہو، یا پھر کوئی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو، اگر تم واقعی سچے ہو۔ ﴿۴﴾

(۱) ان آیتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ مشرکین کے پاس اپنے شرک والے عقیدوں کو ثابت کرنے کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے جو یہ ثابت کر سکے کہ جن معبودوں کو یہ پوجتے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کوئی حصہ لیا ہے، اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے۔ نقلی دلیل دو قسم کی ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے کوئی ایسی کتاب



وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ  
وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ ۝ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا  
بِعِبَادَتِهِمْ كُفَرِينَ ۝

اُس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر اُن (من گھڑت دیوتاؤں) کو پکارے جو قیامت کے دن تک اُس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے، اور جن کو ان کی پکار کی خبر تک نہیں ہے۔ ﴿۵﴾ اور جب لوگوں کو محشر میں جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن بن جائیں گے، اور اُن کی عبادت ہی سے منکر ہوں گے۔ ﴿۶﴾

نازل ہوئی ہو جس میں ان معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک قرار دیا گیا ہو، مشرکین سے کہا جا رہا ہے کہ اگر ایسی کوئی کتاب ہے تو لا کر دکھاؤ۔ نقلی دلیل کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی پیغمبر نے کوئی بات کہی ہو، اور اس بات پر کوئی علمی سند موجود ہو کہ واقعی انہوں نے ایسا کہا ہے۔ ”کوئی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو“ سے مراد یہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مشرکین کے پاس اپنے عقیدے کے ثبوت میں نہ کوئی آسمانی کتاب ہے، اور نہ کسی پیغمبر کا کوئی قول جو مستند طریقے پر ثابت ہو۔

(۲) یعنی جن جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے، آخرت میں وہ سب ان مشرکین سے براءۃ ظاہر کر کے یہ کہہ دیں گے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ بات سورہ قصص (۲۸: ۶۳) میں بھی گزری ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکین کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض مشرکین نے کچھ دُنیا سے گذرے ہوئے انسانوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ اُن انسانوں کو بسا اوقات یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اُن کی عبادت کی جا رہی ہے، اس لئے وہ انکار کر دیں گے۔ اور جن کو پتہ ہے، وہ یہ کہیں گے کہ درحقیقت یہ ہماری نہیں، بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی عبادت کرتے تھے۔ دوسرے بعض مشرکین وہ ہیں جو فرشتوں کو معبود بنائے ہوئے تھے۔ اُن کے بارے میں سورہ سبأ (۳۴: ۴۰ و ۴۱) میں گزرا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ یہ تو جنات اور شیاطین کی عبادت کیا کرتے تھے، کیونکہ انہوں نے ہی انہیں بہکایا تھا۔ مشرکین کی تیسری قسم وہ ہے جو پتھر کے بتوں کو پوجتی ہے۔ بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو دکھانے کے لئے ان بتوں کو بھی زبان دے دیں گے، اور چونکہ وہ دُنیا میں بے جان پتھر تھے، اس لئے انہیں واقعی یہ پتہ

وَإِذْ أُنْتَلَىٰ عَلَيْهِمُ الْآيَاتُ بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ لَا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ④ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ⑤ قُلْ مَا كُنْتُ بِدُعَاءِ مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرَايَ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں اپنی پوری وضاحت کے ساتھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو یہ کافر لوگ حق بات کے اُن تک پہنچ جانے کے بعد بھی اُس کے بارے میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۷﴾ کیا ان کا کہنا یہ ہے کہ اسے پیغمبر نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ کہہ دو کہ: ”اگر میں نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو تم مجھے اللہ کی پکڑ سے ذرا بھی نہیں بچا سکو گے۔ جو باتیں تم بناتے ہو، وہ اُنہیں خوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کے لئے وہ کافی ہے، اور وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۸﴾ کہو کہ: ”میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا پیغمبر نہیں ہوں۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور نہ یہ معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟“ ﴿۹﴾

نہیں ہوگا کہ مشرکین اُن کی عبادت کرتے تھے، اس لئے وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور اگر یہ روایت ثابت نہ ہو تو پھر یہ بت زبانِ حال سے یہ کہیں گے کہ ہم تو بے جان پتھر ہیں، ہمیں کیا پتہ کہ ہماری عبادت کی جاتی تھی۔ (روح المعانی)

(۳) اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی من گھڑت کلام منسوب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے دُنیا ہی میں رُسوا فرمادیتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر میں نے یہ کلام (نعوذ باللہ) خود گھڑا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دُنیا ہی میں میری پکڑ کر لے گا، اور مجھے کوئی بچا نہیں سکے گا۔

(۴) اس جملے کو اگلے جملے کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئے، اور مطلب یہ ہے کہ نہ میں کوئی انوکھا پیغمبر ہوں کہ مجھ

إِنْ تَتَّبِعُوا إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ قُلْ أَسْرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَتْ مِنْ  
عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ قَامَنَ  
بِجَاسْتَكْبَرَتُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرٌ مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۖ

میں کسی اور چیز کی نہیں، صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے۔ اور میں تو صرف ایک واضح انداز سے خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿۹﴾ کہو کہ: ”ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، اور تم نے اُس کا انکار کر دیا، اور بنو اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس جیسی بات کے حق میں گواہی بھی دے دی، اور اُس پر ایمان بھی لے آیا، اور تم اپنے گھمنڈ میں مبتلا رہے (تو یہ کتنے ظلم کی بات ہے؟) یقین جانو کہ اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا جو ظالم ہوں۔“ ﴿۱۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ ایمان لانے والوں کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ: ”اگر یہ (ایمان لانا) کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ اس بارے میں ہم سے سبقت نہ لے جاسکتے۔“ ﴿۱۱﴾

سے پہلے دوسرے پیغمبر نہ آئے ہوں، اور نہ میں کوئی ایسا غیر معمولی دعویٰ کر رہا ہوں کہ میں عالم الغیب ہوں، کیونکہ مجھے جو کچھ علم ملا ہے، وہ وحی کے ذریعے ملا ہے، یہاں تک کہ وحی کے بغیر مجھے ذاتی طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ دُنیا اور آخرت میں میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔

(۵) یہ پیشین گوئی کی جا رہی ہے کہ بنو اسرائیل میں سے کچھ یہودی اور عیسائی لوگ قرآن کریم پر ایمان لانے والے ہیں، جیسا کہ بعد میں یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عیسائیوں میں سے حضرت عدی بن حاتم اور نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایمان لائے، اور انہوں نے گواہی دی کہ اسی جیسی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اور قرآن کریم بنیادی عقائد میں اُسی کتاب جیسا ہے۔ مکہ مکرمہ کے بت پرستوں سے کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ پہلے سے آسمانی کتاب رکھتے تھے، وہ تو ایمان لانے میں تم سے آگے نکل جائیں، اور تم اپنے گھمنڈ میں بیٹھے رہو تو یہ کتنے ظلم کی بات ہوگی۔

(۶) یہ تھا ان کافروں کا گھمنڈ کہ ہر قسم کی خوبیاں ہم میں ہی پائی جاتی ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ ہم سے کم حیثیت ہیں، اس لئے اگر اسلام کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔

وَإِذْ كُنْتُمْ يَهْتَدُونَ وَإِيَّاهُ فَسَيَقُولُونَ هَذَا أَفْكٌ قَدِيمٌ ۝ وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوسَىٰ  
 إِمَامًا وَرَاحَةً ۖ وَهَذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِّسَانِ عَزِيزٍ لِّبْنِ الْذِينَ ظَلَمُوا ۖ  
 وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ  
 عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اور جب ان کافروں نے اس سے خود ہدایت حاصل نہیں کی تو وہ تو یہی کہیں گے کہ یہ وہی پرانے  
 زمانے کا جھوٹ ہے۔ ﴿۱۱﴾

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہے۔ اور یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جو  
 عربی زبان میں ہوتے ہوئے اُس کو سچا بتا رہی ہے، تاکہ ان ظالموں کو خبردار کرے، اور نیک کام  
 کرنے والوں کے لئے خوشخبری بن جائے۔ ﴿۱۲﴾ یقیناً جن لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ: ”ہمارا  
 پروردگار اللہ ہے“ پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، تو اُن پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ وہ غمگین  
 ہوں گے۔ ﴿۱۳﴾ وہ جنت والے لوگ ہیں جو ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ یہ اُن اعمال کا بدلہ ہوگا جو  
 وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۴﴾

(۷) عربی زبان میں ہونے کا خاص طور پر ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ پچھلی کوئی آسمانی کتاب عربی زبان میں  
 نہیں آئی، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا کسی اور زبان سے واقف نہیں ہیں، اس کے باوجود وہ عربی  
 زبان میں اُن پچھلی کتابوں کی باتیں بتا رہے ہیں جن کا علم حاصل ہونے کا آپ کے پاس وحی کے سوا کوئی اور  
 ذریعہ نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

(۸) ثابت قدم رہنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مرتے دم تک اس ایمان پر قائم رہے، اور یہ بھی کہ اُس کے  
 تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کی۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا  
وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً  
قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ  
صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلَحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۚ إِنَّي تَوَكَّلْتُ عَلَىٰكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اُس کی ماں نے بڑی مشقت سے اُسے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا، اور بڑی مشقت سے اُس کو جنا، اور اُس کو اٹھائے رکھنے اور اُس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری توانائی کو پہنچ گیا، اور چالیس سال کی عمر تک پہنچا تو وہ کہتا ہے کہ: ”یا رب! مجھے توفیق دیجئے کہ میں آپ کی اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی، اور ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں، اور میرے لئے میری اولاد کو بھی صلاحیت دے دیجئے۔ میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔“ ﴿۱۵﴾

(۹) ایمان پر ثابت قدم رہنے کا جو ذکر پچھلی آیت میں آیا ہے، اُس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنے والدین سے اچھا سلوک کرے، نیز جیسا کہ اوپر سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، بعض مرتبہ کچھ لوگ مسلمان ہو جاتے تھے، اور اُن کے والدین ایمان نہیں لاتے تھے۔ ایسے میں اُن کے سامنے یہ سوال آتا تھا کہ ان کا فرد والدین کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اس آیت نے یہ تعلیم دی کہ والدین کا انسان پر بہت بڑا احسان ہے، اس لئے جہاں تک اُن کے ساتھ عام برتاؤ کا تعلق ہے، اُس میں اچھا سلوک ہی کرنا چاہئے، لیکن نہ عقیدے میں اُن کا ساتھ دیا جائے، اور نہ کسی گناہ کے کام میں اُن کی بات مانی جائے، جیسا کہ سورہ عنکبوت (۸:۲۹) میں یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ گذر چکی ہے۔

(۱۰) حمل کی وہ کم سے کم مدت جس میں زندہ بچے کی پیدائش ممکن ہے، چھ مہینے ہے، اور دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ اس طرح تیس مہینے یعنی ڈھائی سال کی مدت بنتی ہے۔

(۱۱) بعض روایات میں مذکور ہے کہ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، انہوں نے ہی یہ دُعا فرمائی تھی۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعَدَ الصَّادِقُ الذِّمِّيُّ كَأَنَّهُ يُوْعَدُونَ ﴿١٧﴾ وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا اتَّعَدَنِي أَن أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِن قَبْلِي ۖ وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ ۖ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَيَقُولُ مَا هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ﴿١٩﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّمَّا عَمِلُوا وَ لِيُوقِيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٠﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم اُن کے بہترین اعمال قبول کریں گے، اور اُن کی خطاؤں سے درگزر کریں گے، (جس کے نتیجے میں) وہ جنت والوں میں شامل ہوں گے، اُس سچے وعدے کی بدولت جو اُن سے کیا جاتا تھا۔ ﴿۱۶﴾ اور ایک وہ حصّ ہے جس نے اپنے والدین سے کہا ہے کہ: ”تف ہے تم پر! کیا تم مجھ سے یہ وعدہ کرتے ہو کہ مجھے زندہ کر کے قبر سے نکالا جائے گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی نسلیں گزر چکی ہیں۔“ اور والدین اللہ سے فریاد کرتے ہیں، (اور بیٹے سے کہتے ہیں کہ: ) ”افسوس ہے تجھ پر، ایمان لے آ۔ یقین جان کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔“ تو وہ کہتا ہے کہ: ”ان باتوں کی اس کے سوا کوئی حقیقت نہیں ہے کہ یہ محض افسانے ہیں جو پچھلے لوگوں سے نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔“ ﴿۱۷﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جنات اور انسانوں کے اُن گروہوں سمیت جو ان سے پہلے گزرے ہیں، (عذاب کی) بات طے ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بڑا نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ اور ہر ایک (گروہ) کے اپنے اعمال کی وجہ سے مختلف درجے ہیں، اور اس لئے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے۔ اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۱۹﴾

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۚ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا  
وَأَسْتَمْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي  
الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ۖ ﴿٢٠﴾ وَاذْكُرُوا إِخْوَانَكُمْ إِذْ أُنذَرْتُمْ قَوْمَهُ  
بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا  
اللَّهَ ۚ إِنَّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَأْفِكَنَّ عَنْ  
الْهَتَنِ ۖ فَاتَّبَعْتَنَا تَعْدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾

اور اُس دن کو یاد رکھو جب ان کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، (اور کہا جائے گا کہ:) ”تم نے اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کر ڈالیں، اور ان سے خوب مزہ لے لیا، لہذا آج تمہیں بدلے میں ذلت کی سزا ملے گی، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے، اور کیونکہ تم نافرمانی کے عادی تھے۔“ ﴿۲۰﴾

اور قوم عاد کے بھائی (حضرت ہود علیہ السلام) کا تذکرہ کرو، جب انہوں نے اپنی قوم کو خم دار ٹیلوں کی سرزمین میں <sup>(۱۳)</sup> خبردار کیا تھا۔ اور ایسے خبردار کرنے والے اُن سے پہلے بھی گذر چکے ہیں، اور اُن کے بعد بھی — کہ: ”اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تم پر ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔“ ﴿۲۱﴾ انہوں نے کہا: ”کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمارے خداؤں سے ہمیں برگشتہ کرو؟ اچھا اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس کی دھمکی دے رہے ہو۔“ ﴿۲۲﴾

(۱۲) یعنی اگر تم نے دنیا میں کچھ اچھے کام کئے بھی تھے تو ہم نے دنیا ہی میں ان کا بدلہ عیش و عشرت کی شکل میں تمہیں دے دیا، اور تم نے اُس کے مزے اُڑا کر اپنا حصہ دنیا ہی میں لے لیا۔

(۱۳) قرآن کریم میں اصل لفظ ”أَحْقَاف“ ہے۔ یہ ”حَقْف“ کی جمع ہے جو لمبے مگر خم دار ریت کے ٹیلے کو کہتے

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَكِنِّي أَرَأَيْكُمْ قَوْمًا  
تَجْهَلُونَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ ۖ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّطَرٌ نَّآ  
بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۴﴾ تَدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ عِندَ بِأَمْرِ  
رَبِّهَا ۖ فَأَصْبَحُوا لَا يَرَى إِلَّا مَسَكِنُهُمْ ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۵﴾  
وَلَقَدْ مَكَنَّاكُمْ فِيهَا إِن مَكَنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سُبْعًا وَابْصَارًا وَآفِدَةً ۖ

انہوں نے فرمایا: ”ٹھیک ٹھیک علم تو اللہ کے پاس ہے (کہ وہ عذاب کب آئے گا؟) مجھے جو پیغام  
دے کر بھیجا گیا ہے، میں تو تمہیں وہی پیغام پہنچا رہا ہوں، البتہ میں یہ ضرور دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے  
لوگ ہو جو نادانی کی باتیں کر رہے ہو۔“ ﴿۲۳﴾ پھر ہوا یہ کہ جب انہوں نے اُس (عذاب) کو  
ایک بادل کی شکل میں آتا دیکھا جو اُن کی وادیوں کا رخ کر رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ: ”یہ بادل  
ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔“ — نہیں! بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کی تم نے جلدی مچائی تھی —  
ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے، ﴿۲۴﴾ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تہس نہس  
کر ڈالے گی! غرض اُن کی حالت یہ ہو گئی کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ایسے مجرم  
لوگوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿۲۵﴾ اور (اے عرب کے لوگو!) ہم نے ان لوگوں کو ان  
باتوں کی طاقت دی تھی جن کی طاقت تمہیں نہیں دی، اور ہم نے اُن کو کان، آنکھیں اور دل سب  
کچھ دے رکھے تھے،

ہیں۔ جس جگہ قوم عادی آباد تھی، وہاں اسی قسم کے ٹیلے کثرت سے پائے جاتے تھے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے  
کہ اُس سرزمین کا نام ہی ”الحقاف“ تھا، اور یہ یمن کے علاقے میں واقع تھی، آج یہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔  
قوم عادی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا، اور اُن کا تعارف پیچھے سورۃ اعراف (۶۵:۷) کے حاشیے  
میں گذر چکا ہے۔



فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفِيدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا  
يُجْحَدُونَ ۚ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا  
حَوْلَكُم مِّنَ الْقُرَىٰ وَصَرَفْنَا آيَاتِ لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۷﴾ فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ  
اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ۚ بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ ۚ وَذَلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا  
يَفْتَرُونَ ﴿۳۸﴾ وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ ۚ فَلَمَّا  
خَصَرُوا قَالُوا أَنُصَلُّوا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ﴿۳۹﴾

لیکن نہ اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اُن کے کچھ کام آئیں، اور نہ اُن کے دل، کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں  
کا انکار کرتے تھے، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اُسی نے اُنہیں آگھیرا۔ ﴿۲۶﴾  
اور ہم نے اور بستیوں کو بھی ہلاک کیا ہے جو تمہارے ارد گرد واقع تھیں، جبکہ ہم طرح طرح کی  
نشانیوں (اُن کے) سامنے لا چکے تھے، تاکہ وہ باز آجائیں۔ ﴿۲۷﴾ پھر انہوں نے اللہ کا تقرب  
حاصل کرنے کے لئے جن چیزوں کو اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا، اُنہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کر لی؟  
اس کے بجائے وہ سب ان کے لئے بے نشان ہو گئے۔ یہ تو ان کا سراسر جھوٹ تھا، اور بہتان تھا جو  
انہوں نے تراش رکھا تھا۔ ﴿۲۸﴾

اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب ہم نے جنات میں سے ایک گروہ کو تمہاری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن  
سنیں، چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو اُنہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ: ”خاموش ہو جاؤ“ پھر  
جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کے پاس اُنہیں خبردار کرتے ہوئے واپس پہنچے۔ ﴿۲۹﴾

(۱۴) اس سے مراد قومِ ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں جو شام جاتے ہوئے اہل عرب کے  
راستے میں پڑتی تھیں۔

(۱۵) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات کے لئے بھی پیغمبر بنایا تھا۔ چنانچہ

قَالُوا لَیْقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا کِتَابًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَدَّیْنَ یَدَیْهِ  
 یَهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ لَیْقَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ  
 اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَ یُجِزْکُمْ مِّنْ عَذَابِ اَلِیْمٍ ۝ وَ مَن لَّا یُجِبْ  
 دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهُ مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءٌ ۝

انہوں نے کہا: ”اے ہماری قوم کے لوگو! یقین جانو ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق بات اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کے داعی کی بات مان لو، اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور تمہیں ایک دردناک عذاب سے پناہ دیدے گا۔“ ﴿۳۱﴾ اور جو کوئی اللہ کے داعی کی بات نہ مانے تو وہ ساری زمین میں کہیں بھی جا کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا، اور اللہ کے سوا اُس کو کسی قسم کے رکھوالے بھی نہیں ملیں گے۔

یہ واقعہ جس کا اس آیت میں تذکرہ ہے، اُس وقت پیش آیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف والوں کو تبلیغ فرمانے اور اُن سے دُکھ اٹھانے کے بعد مکہ مکرمہ واپس تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مقام کا نام نخلہ ہے، وہاں آپ نے قیام فرمایا، اور فجر کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت شروع کی۔ اُس وقت جنات کی ایک جماعت وہاں سے گزر رہی تھی۔ اُن نے یہ کلام سنا تو وہ اُسے سننے کے لئے رُک گئے، اور توجہ سے سننے کے لئے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔ قرآن کریم کا پُر اثر کلام، اور فجر کے وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی، اُس نے ان جنات پر ایسا اثر کیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس بھی اسلام کے داعی بن کر پہنچے، اور پھر اُن کے کئی وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف اوقات میں آئے، آپ نے اُن کو تبلیغ اور تعلیم کا فریضہ انجام دیا۔ جن راتوں میں جنات سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں، اُن میں سے ہر ایک کو ”لیلۃ الجن“ کہا جاتا ہے، اور ان میں سے بعض راتوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ جنات کے اسلام قبول کرنے کی مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ جن میں آئے گی۔

أُولَٰئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۳۲﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْ يَخْلُقْهُنَّ بَقْدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلٰى النَّٰرِ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوْا بَلٰٓى وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوْا الْعَذٰبَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهٖمْ ۚ كَانَتْهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُوْنَ ۚ لَمْ يَكْبُثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلٰٓغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

ایسے لوگ کھلی گمراہی مبتلا ہیں۔ ﴿۳۲﴾ کیا ان کو یہ بھائی نہیں دیا کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور ان کو پیدا کرنے سے اُس کو ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی، وہ یقیناً اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ اور کیوں نہ ہو؟ وہ بیشک ہر چیز کی پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۳۳﴾ اور جس دن کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، اُس دن (ان سے پوچھا جائے گا) کہ کیا یہ (دوزخ) سچ نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کہ: ”ہمارے رب کی قسم! یہ واقعی سچ ہے۔“ اللہ ارشاد فرمائے گا کہ: ”پھر چکھو مزہ عذاب کا، اُس کفر کے بدلے میں جو تم نے اختیار کر رکھا تھا۔“ ﴿۳۴﴾ غرض (اے پیغمبر!) تم اُسی طرح صبر کئے جاؤ جیسے اُولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے، اور ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔ جس دن یہ لوگ وہ چیز دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، اُس دن (انہیں) یوں محسوس ہوگا جیسے وہ (دُنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ یہ ہے وہ پیغام جو پہنچا دیا گیا ہے! اب برباد تو وہی لوگ ہوں گے جو نافرمان ہیں۔ ﴿۳۵﴾

(۱۶) یعنی آخرت میں پہنچ کر جب وہ عذاب سامنے آئے گا جس سے انہیں مسلسل آگاہ کیا جاتا رہا تھا،

تو اُس کی شدت دیکھ کر انہیں دُنیا کی ساری زندگی اتنی مختصر محسوس ہوگی جیسے وہ صرف ایک دن کا کوئی حصہ ہو۔

الحمد للہ! سورۃ اَحْقَاف کا ترجمہ اور حواشی آج بروز اتوار شب ۲۴ / محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۱ فروری ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اُسے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ مُحَمَّدٍ

## تعارف

یہ سورت مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں، اور بیشتر مفسرین کی رائے میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب عرب کے کفار مدینہ منورہ کی اُبھرتی ہوئی اسلامی حکومت کو کسی نہ کسی طرح زیر کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے، اور اُس پر حملے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لئے اس سورت میں بنیادی طور پر جہاد و قتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کا کلمہ بلند رکھنے کے لئے جہاد کرتے ہیں، اُن کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک بڑی تعداد اُن منافقوں کی تھی جو زبان سے تو اسلام لے آئے تھے، لیکن دل سے وہ کافر تھے۔ ایسے لوگوں کے سامنے جب جہاد اور لڑائی کی بات کی جاتی تو اپنی بزدلی اور دل کے کھوٹ کی وجہ سے لڑائی سے بچنے کے بہانے تلاش کرتے تھے۔ اس سورت میں اُن کی مذمت کر کے اُن کا برا انجام بتایا گیا ہے۔ جنگ کے دوران جو قیدی گرفتار ہوں، اُن کے احکام بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ اس سورت کی دوسری ہی آیت میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام لیا گیا ہے، اس لئے اس کا نام سورہ محمد (ﷺ) ہے، اور چونکہ اس میں جہاد و قتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لئے اس کو سورہ قتال بھی کہا جاتا ہے۔

ایاتھا ۳۸ سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ ۹۵ رُكُوعَاتُهَا ۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْطَدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ② كَفَرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ③ ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ ④ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ⑤

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اڑتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، اللہ نے اُن کے اعمال اکارت کر دیئے ہیں۔ ﴿۱﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور ہر اُس بات کو دل سے مانا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے — اور وہی حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے — اللہ نے اُن کی بُرائیوں کو معاف کر دیا ہے، اور ان کی حالت سنواری دی ہے۔ ﴿۲﴾ یہ اس لئے کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، وہ باطل کے پیچھے چلے ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ اُس حق کے پیچھے چلے ہیں جو اُن کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ اسی طرح اللہ لوگوں کو بتا رہا ہے کہ اُن کے حالات کیا ہیں۔ ﴿۳﴾

(۱) کافر لوگ جو کوئی اچھے کام دُنیا میں کرتے ہیں، جیسے غریبوں کی امداد وغیرہ، اُن کا بدلہ اللہ تعالیٰ انہیں دُنیا ہی میں دے دیتے ہیں، لیکن آخرت میں ثواب حاصل کرنے کے لئے ایمان شرط ہے، اس لئے آخرت کے لحاظ سے وہ اعمال اکارت چلے جاتے ہیں۔



فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَسْتُمُوهُمْ فَسُدُّوا  
 مَلْعَ الْوُثَاقِ ۖ فَمَا مِمَّا بَعْدُ وَإِنَّمَا فِدَاءٌ حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ  
 يَشَاءُ اللَّهُ لَا تَصَرَّ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ ۖ وَالَّذِينَ قَتَلُوا فِي  
 سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُم  
 الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

اور جب اُن لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ  
 جب تم اُن کی طاقت کچل چکے ہو، تو مضبوطی سے گرفتار کر لو، پھر چاہے احسان کر کے چھوڑ دو، یا فدیہ  
 لے کر، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار پھینک کر ختم ہو جائے۔ (تمہیں تو یہی حکم ہے، اور اگر اللہ  
 چاہتا تو خود ان سے انتقام لے لیتا، لیکن (تمہیں یہ حکم اس لئے دیا ہے) تاکہ تمہارا ایک دوسرے  
 کے ذریعے امتحان لے۔ اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے، اللہ اُن کے اعمال کو ہرگز  
 اکارت نہیں کرے گا۔ ﴿۴﴾ وہ انہیں منزل تک پہنچا دے گا، اور اُن کی حالت سنوار دے گا، ﴿۵﴾  
 اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی انہیں خوب پہچان کرا دی ہوگی۔ ﴿۶﴾

(۲) جنگ بدر میں جو ستر آدمی گرفتار ہوئے تھے، اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی اکثریت کے  
 مشورے سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا۔ اس پر سورہ انفال (۲۲:۸-۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اظہار  
 کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب تک کافروں کی طاقت اچھی طرح کچلی نہیں جاتی، اُس وقت تک قیدیوں کو فدیہ  
 لے کر چھوڑنا صحیح فیصلہ نہیں تھا، کیونکہ ان حالات میں دشمنوں کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُن کی طاقت کو اور مضبوط  
 کیا جائے۔ سورہ انفال کی ان آیتوں سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ شاید آئندہ بھی جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز نہ  
 ہو۔ اس آیت نے یہ وضاحت فرمادی کہ اُس وقت قیدیوں کو چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا جو اظہار فرمایا  
 تھا، وہ اس لئے کہ دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچلے بغیر انہیں رہا کر دیا گیا۔ لیکن جب اُن کی طاقت کچلی جا چکی ہو  
 تو اُس وقت انہیں چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور مسلمان حاکم کے لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، چاہے  
 کوئی فدیہ یعنی معاوضہ لئے بغیر احسان کے طور پر انہیں چھوڑ دیا جائے، یا کوئی فدیہ لے کر چھوڑا جائے۔ چنانچہ

اس آیت کی روشنی میں اسلامی حکومت کو چار قسم کے اختیار حاصل ہیں، ایک یہ کہ قیدیوں کو بلا معاوضہ احسان کے طور پر چھوڑ دے، دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فدیہ یا معاوضہ لے کر چھوڑے جس میں جنگی قیدیوں کا تبادلہ بھی داخل ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر ان کو زندہ چھوڑنے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے لئے خطرہ بنیں گے تو انہیں قتل کرنے کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ سورہ انفال (۸: ۲۲-۲۳) میں بیان فرمایا گیا ہے، اور چوتھے یہ کہ اگر ان میں یہ صلاحیت محسوس ہو کہ وہ زندہ رہ کر مسلمانوں کے لئے خطرہ بننے کے بجائے اچھی خدمات انجام دے سکیں گے تو انہیں غلام بنا کر رکھا جائے، اور ان اسلامی احکام کے مطابق رکھا جائے جو غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے ہیں، اور انہیں بھائیوں کا سادہ درجہ دیتے ہیں۔ ان چار صورتوں میں سے کوئی صورت لازمی نہیں ہے، بلکہ اسلامی حکومت حالات کے مطابق کسی بھی صورت کو اختیار کر سکتی ہے۔ لیکن یہ اُس وقت ہے جب دشمنوں سے جنگی قیدیوں کے بارے میں کوئی معاہدہ نہ ہو۔ اگر کوئی ایسا معاہدہ ہو تو مسلمانوں پر اُس کی پابندی لازم ہے۔ آج کل بین الاقوامی طور پر اکثر ملکوں نے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ کیا ہوا ہے کہ وہ قیدیوں کو نہ قتل کریں گے اور نہ غلام بنائیں گے۔ جو ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں، اور جب تک شریک ہیں، اُن کے لئے اُس کی پابندی شرعاً بھی لازم ہے۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلموں کو قتل کرنا یا گرفتار کرنا صرف حالت جنگ میں جائز ہے۔ جب حالت جنگ ختم ہوگئی ہو، اور امن کا کوئی معاہدہ ہو گیا ہو تو قتل یا گرفتار کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ خود براہ راست ان پر کوئی عذاب نازل کر کے ان سے انتقام لے سکتا تھا، لیکن اُس نے تم پر جہاد کا فریضہ اس لئے عائد فرمایا ہے کہ تمہارا امتحان مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر تم میں سے کون ثابت قدمی سے اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے، اور ان کافروں کا بھی امتحان مقصود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت دیکھ کر ایمان کی طرف مائل ہوتے ہیں یا نہیں۔

(۵) جو لوگ جہاد میں شہید ہو جائیں، ان کے بارے میں یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ فتح کی منزل تک پہنچے بغیر دنیا سے چلے گئے، اس لئے شاید ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی ہو، آیت نے واضح فرمادیا کہ انہوں نے جو قربانی دی، اللہ تعالیٰ اُس کو ضائع نہیں کرے گا، اور ان کو اصلی منزل یعنی جنت تک پہنچا دے گا۔

(۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اپنے پیغمبروں کے ذریعے مسلمانوں کو جنت کا تعارف کرا دیا ہے۔ یہ جنت اُسی تعارف کے مطابق ہوگی۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے، اور زیادہ تر مفسرین نے اُسی کو اختیار کیا ہے کہ ہر جنتی کو جنت میں اپنی جگہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پہچان کرانے کا ایسا آسان انتظام کر رکھا ہے کہ ہر جنتی اپنی مقررہ جگہ پر کسی دشواری اور تفتیش کے بغیر بے تکلف پہنچ جائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتُصَرُّوْا وَاللَّهُ يَتُصَرِّكُمْ وَيُشَبِّثْ أَقْدَامَكُمْ ④ وَالَّذِينَ  
كَفَرُوا فَتَعَسَّ أَعْمَالُهُمْ وَأَصْلُ أَعْمَالِهِمْ ⑤ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنْزِلَ اللَّهُ  
فَاحْبَطُوا أَعْمَالَهُمْ ⑥ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ ⑦ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ⑧ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى  
الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ⑨ إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا  
عَمَلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ⑩ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَ  
يَاْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَشْهُوِي لَهُمْ ⑪

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم  
جمادے گا۔ ﴿۷﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اُن کے لئے تباہی ہے، اور اللہ نے اُن کے  
اعمال اکارت کر دیئے ہیں۔ ﴿۸﴾ یہ اس لئے کہ انہوں نے اُس بات کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل  
کی تھی، چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ ﴿۹﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے زمین میں چل  
پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے گزرے ہیں؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈالی،  
اور کافروں کے لئے اسی جیسے انجام مقدر ہیں۔ ﴿۱۰﴾ یہ اس لئے کہ اللہ اُن لوگوں کا رکھوالا ہے جو  
ایمان لائیں، اور کافروں کا کوئی رکھوالا نہیں ہے۔ ﴿۱۱﴾ یقین رکھو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور  
انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ اُن کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی  
ہوں گی۔ اور جنہوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ (یہاں تو) مزے اُڑا رہے ہیں، اور اس طرح کھا رہے  
ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں، اور جہنم اُن کا آخری ٹھکانا ہے۔ ﴿۱۲﴾

وَكَايِن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَةٍ الَّتِي أَخْرَجْتكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳ أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَسَنَ زَيْنَ لَهُ سُوءَ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝۱۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّم يَتَغَيَّر طَعْمُهُ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّن خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِلشَّرَابِ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّن عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ كَمَن هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيماً فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝۱۵

اور کتنی بستیاں ہیں جو طاقت میں تمہاری اُس بستی سے زیادہ مضبوط تھیں جس نے (اے پیغمبر!) تمہیں نکالا ہے، ان سب کو ہم نے ہلاک کر دیا، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ ﴿۱۳﴾ اب بتاؤ کہ جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن راستے پر ہوں، کیا وہ اُن جیسے ہو سکتے ہیں جن کی بدکاری ہی اُن کے لئے خوشنما بنا دی گئی ہو، اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتے ہوں؟ ﴿۱۴﴾ متقی لوگوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، اُس کا حال یہ ہے کہ اُس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو خراب ہونے والا نہیں، ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا، ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے سراپا لذت ہوگی، اور ایسے شہد کی نہریں ہیں جو تھرا ہوا ہوگا، اور ان جنتیوں کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے، اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت! کیا یہ لوگ اُن جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا، چنانچہ وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا؟ ﴿۱۵﴾

(۷) مکہ مکرمہ کے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گھربار چھوڑ کر مکہ مکرمہ سے نکلنے پر جو مجبور کیا تھا، اُس کی طرف اشارہ ہے، اور فرمایا جا رہا ہے کہ اُن کی اس کارروائی سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ لوگ طاقتور ہونے کی

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا الَّذِينَ أُوْتُوا  
 الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا  
 أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۚ فَهُمْ  
 يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا  
 جَاءَهُمْ ذِكْرُهُمْ ۚ ﴿١٨﴾

اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو تمہاری باتیں کانوں سے تو سنتے ہیں، لیکن جب  
 تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو جنہیں علم عطا ہوا ہے، اُن سے پوچھتے ہیں کہ: ”ابھی ابھی  
 آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا تھا؟“ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے،  
 اور جو اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ اور جن لوگوں نے ہدایت کا راستہ  
 اختیار کیا ہے، اللہ نے انہیں ہدایت میں اور ترقی دی ہے، اور انہیں اُن کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا  
 ہے۔ ﴿۱۷﴾ اب کیا یہ (کافر) لوگ قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ یکا یک ان پر آن  
 پڑے؟ (اگر ایسا ہے) تو اُس کی علامتیں تو آچکی ہیں۔ پھر جب وہ آ ہی جائے گی تو اُس وقت ان  
 کے لئے نصیحت ماننے کا موقع کہاں سے آئے گا؟ ﴿۱۸﴾

وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ طاقت ور قوموں کو ہلاک کر چکا  
 ہے، ان کی تو ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لئے آخر کار غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو  
 حاصل ہوگا۔

(۸) یہ منافقین کا ذکر ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر ظاہر تو یہ کرتے تھے کہ وہ آپ کی باتیں  
 سن رہے ہیں، لیکن باہر نکل کر دوسروں سے پوچھتے تھے کہ آپ نے کیا بات فرمائی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم  
 نے مجلس میں بیٹھ کر توجہ سے آپ کی بات نہیں سنی۔ اور شاید آپس میں ایک دوسرے کو یہ جتاننا بھی مقصود ہو کہ ہم  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو (معاذ اللہ) قابل توجہ نہیں سمجھتے۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَاللَّهُ  
يَعْلَمُ مَتَقَلِّبَكُمُ وَمَوَاقِعُكُمْ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا  
أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۖ سَأَيُّتِ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ  
يَتَّبِعُونَ إِلَيْكَ نَصْرَ الْمُنَافِئِ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ ۝

لہذا (اے پیغمبر!) یقین جانو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور اپنے قصور پر بھی بخشش کی دعا مانگتے رہو، اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی بخشش کی بھی، اور اللہ تم سب کی نقل و حرکت اور تمہاری قیام گاہ کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۱۹﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: ”کیا اچھا ہو کہ کوئی (نئی) سورت نازل ہو جائے؟“ پھر جب کوئی چچی تلی سورت نازل ہو جائے، اور اُس میں لڑائی کا ذکر ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے، تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف اس طرح نظریں اٹھائے ہوئے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو۔ بڑی خرابی ہے ایسے لوگوں کی۔ ﴿۲۰﴾

(۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم تھے، آپ سے گناہ کا کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا تھا، لیکن آپ کی کسی کسی رائے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کے مقام بلند کے مناسب نہیں تھی (مثلاً جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ کا فیصلہ جس کا ذکر سورہ انفال (۸: ۲۲-۲۳) میں گزرا ہے، نیز بشری تقاضے سے کبھی کبھی آپ سے نماز کی رکعتوں وغیرہ میں بھول بھی ہوئی)۔ اسی قسم کی باتوں کو یہاں قصور سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور درحقیقت اس میں آپ کی اُمت کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی جو گناہ نہیں ہیں، استغفار فرماتے ہیں تو اُمت کے لوگوں کو اپنے ہر چھوٹے بڑے گناہ پر اور زیادہ اہتمام کے ساتھ استغفار کرنا چاہئے۔

(۱۰) صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو قرآن کریم سے عشق تھا، اس لئے انہیں ہمیشہ یہ اشتیاق رہتا تھا کہ کوئی نئی سورت نازل ہو، خاص طور پر جو حضرات جہاد کے مشاق تھے، انہیں یہ انتظار تھا کہ کسی نئی سورت کے ذریعے انہیں جہاد کی اجازت ملے۔ منافق لوگ بھی ان کی دیکھا دیکھی کبھی اس خواہش کا اظہار کر دیتے ہوں گے، لیکن

طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ ۖ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝<sup>۲۱</sup>  
 فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝<sup>۲۲</sup>  
 أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۝<sup>۲۳</sup> أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۚ الْقُرْآنَ  
 أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝<sup>۲۴</sup> إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ  
 لَهُمُ الْهُدَىٰ ۖ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ ۖ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۝<sup>۲۵</sup>

یہ فرماں برداری کا اظہار اور اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں، لیکن جب (جہاد کا) حکم پکا ہو جائے، اُس وقت اگر یہ اللہ کے ساتھ سچے نکلیں تو ان کے حق میں اچھا ہو۔ ﴿۲۱﴾ پھر اگر تم نے (جہاد سے) منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ، اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو! ﴿۲۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے، چنانچہ انہیں بہرا بنا دیا ہے، اور ان کی آنکھیں اندھی کر دی ہیں۔ ﴿۲۳﴾ بھلا کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا دلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے ہیں جو دلوں پر پڑا کرتے ہیں؟ ﴿۲۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حق بات سے پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہیں، باوجودیکہ ہدایت اُن کے سامنے خوب واضح ہو چکی تھی، انہیں شیطان نے پٹی پڑھائی ہے، اور انہیں دُور دراز کی اُمیدیں دلائی ہیں۔ ﴿۲۵﴾

جب جہاد کی آیتیں آئیں تو اُن کے سارے اشتیاق کی قلمی کھل گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زبانی شوق ظاہر کرنے کا کیا فائدہ؟ جب وقت آئے، اُس وقت اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھائیں تو ان کے حق میں بہتر ہو۔

(۱۱) جہاد کا ایک مقصد یہ ہے کہ اُس کے ذریعے دُنیا میں انصاف قائم ہو، اور غیر اسلامی حکومتوں کے ذریعے جو ظلم اور فساد پھیلا ہوا ہے، اُس کا خاتمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تم جہاد سے منہ موڑ لو گے تو دُنیا میں فساد پھیلے گا، اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کے نتیجے میں ظلم اور نا انصافی کا دور دورہ ہوگا جس کی ایک شکل یہ ہے کہ رشتہ دار یوں کے حقوق پامال ہوں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا الَّذِيْنَ كَرِهَ هُوَ اَمَّا نَزَلَ اللّٰهُ سَطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۙ وَاللّٰهُ  
يَعْلَمُ اَسْرَارَهُمْ ۝۲۶ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّيْتُهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَ  
اَدْبَارَهُمْ ۝۲۷ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَاَحْبَطَ  
اَعْمَالَهُمْ ۝۲۸ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ ۙ  
اَصْغَانَهُمْ ۝۲۹ وَلَوْ نَشَاءُ لَا رَاٰيْنٰكُمْ فَلَعَرَفْتُهُمْ بِسَيِّئِهِمْ ۙ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ  
الْقَوْلِ ۙ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝۳۰ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْكُمْ  
وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ۝۳۱

یہ سب اس لئے ہوا کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، ان (منافقوں) نے  
اُن سے یہ کہا ہے کہ: ”بعض معاملات میں ہم تمہاری بات مانیں گے۔ اور اللہ ان کی خفیہ باتوں کو  
خوب جانتا ہے۔ ﴿۲۶﴾ پھر اس وقت ان کا کیا حال بنے گا جب فرشتے ان کی رُوح اس طرح  
قبض کریں گے کہ ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر مارتے جاتے ہوں گے؟ ﴿۲۷﴾ یہ سب اس لئے  
کہ یہ اس طریقے پر چلے جس نے اللہ کو ناراض کیا، اور اُس کی رضا مندی حاصل کرنے کو خود انہوں  
نے ناپسند کیا، اس لئے اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ ﴿۲۸﴾

جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے چھپے ہوئے کینوں کو اللہ  
کبھی ظاہر نہیں کرے گا؟ ﴿۲۹﴾ اور (مسلمانو!) اگر ہم چاہیں تو تمہیں یہ لوگ اس طرح دکھا دیں  
کہ تم اُن کی علامت سے انہیں پہچان جاؤ، اور (اب بھی) تم انہیں بات کرنے کے ڈھب سے  
ضرور پہچان ہی جاؤ گے، اور اللہ تم سب کے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور ہم ضرور تمہیں  
آزمائش میں ڈالیں گے، تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ تم میں سے کون ہیں جو مجاہد اور ثابت قدم رہنے والے  
ہیں، اور تاکہ تمہارے حالات کی جانچ پڑتال کر لیں۔ ﴿۳۱﴾



إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْطَادُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَيُحِطُ أَعْمَالُهُمْ ۝ (۳۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝ (۳۳) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْطَادُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۝ (۳۴) فَلَا تَهْنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۖ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتْرَكَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۝ (۳۵)

یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اور دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، اور پیغمبر سے دشمنی ٹھانی ہے باوجودیکہ ان کے سامنے ہدایت واضح ہو کر آگئی تھی، وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور عنقریب اللہ ان کا سارا کیا دھرا غارت کر دے گا۔ ﴿۳۲﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ ﴿۳۳﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اور دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، پھر کفر ہی کی حالت میں مر گئے ہیں، اللہ کبھی اُن کو نہیں بخشے گا۔ ﴿۳۴﴾ لہذا (اے مسلمانو!) تم کمزور پڑ کر صلح کی دعوت نہ دو، تم ہی سر بلند رہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور وہ تمہارے اعمال کو ہرگز برباد نہیں کرے گا۔ ﴿۳۵﴾

(۱۲) اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ جو سازشیں اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو ملیا میٹ کر دے گا، اور وہ مطلب بھی ہو سکتا ہے جو سورت کی پہلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ان کے جو کوئی اچھے کام ہیں، آخرت میں اُن پر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

(۱۳) مطلب یہ ہے کہ بزدلی کی وجہ سے دشمن کو صلح کی دعوت نہ دو، ورنہ قرآن کریم نے خود سورہ انفال (۶۱:۸) میں فرمایا ہے کہ: ”اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اُس کی طرف جھک جاؤ۔“ یعنی جب یہ صلح کسی بزدلی کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ مصلحت کا تقاضا ہو تو صلح جائز ہے۔

(۱۴) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سر بلندی کے لئے تم جو کوشش بھی جہاد وغیرہ کے ذریعے کرو گے، اُسے اللہ تعالیٰ رانگاں نہیں جانے دے گا، اور تمہیں سر بلندی حاصل ہوگی، اور یہ بھی کہ تم جو کوئی

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ وَ  
لَا يَسْأَلُكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۚ ۞ (۳۶) إِنْ يَسْأَلْكُمْ فِيمَا فِي حُفِّكُمْ تَبَخَّلُوا وَبِخْرَجِ أَصْعَانِكُمْ ۚ ۞  
هَآأَنْتُمْ هَآؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُفْقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَبِمَنْ مِّنْ يَّبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخُلْ  
فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَن نَّفْسِهِ ۖ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ  
قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۚ ۞ (۳۷)

ع. ۸

یہ دُنیوی زندگی تو بس کھیل تماشا ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ، اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارے اجر تمہیں  
دے گا، اور تمہارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔ ﴿۳۶﴾ اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے، اور تم  
سے سب کچھ سمیٹ لے تو تم بخل سے کام لو گے، اور وہ تمہارے دل کی ناراضیوں کو ظاہر کر دے  
گا۔ ﴿۳۷﴾ دیکھو! تم ایسے ہو کہ تمہیں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو تم  
میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل سے کام لیتے ہیں، اور جو شخص بھی بخل کرتا ہے، وہ خود اپنے آپ ہی سے  
بخل کرتا ہے۔ اور اللہ بے نیاز ہے، اور تم ہو جو محتاج ہو۔ اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہاری جگہ  
دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔ ﴿۳۸﴾

نیک کام کرو گے جس میں جہاد بھی داخل ہے، چاہے دُنیا میں فتح کی صورت میں اُس کا نتیجہ نہ نکلے، لیکن اللہ تعالیٰ  
تمہیں اُس کا پورا پورا ثواب عطا فرمائے گا، اور اُس ثواب میں صرف اس وجہ سے کوئی کمی نہیں ہوگی کہ تمہاری  
جدوجہد بظاہر کامیاب نہیں ہوئی۔

(۱۵) اطاعت کا اصل تقاضا تو یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیں کہ اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ  
کردو تو تم اُس پر بھی خوشی سے راضی رہو، لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس حکم کو برداشت نہیں کر سکو گے، اور اس  
سے تمہارے دلوں میں ناپسندیدگی پیدا ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ ایسا حکم نہیں دیتے۔ البتہ تمہارے مال کا کچھ حصہ  
وہ خود تمہارے فائدے کے لئے جہاد میں خرچ کرنے کو کہہ رہا ہے، اپنے فائدے کے لئے نہیں۔ چنانچہ اس سے

تمہیں بخل نہیں کرنا چاہئے۔

(۱۶) اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرنے سے بخل کرو گے تو اس کا نقصان تم ہی کو پہنچے گا، اول تو اس لئے کہ اس کے نتیجے میں جہاد نہ ہو سکے گا، اور دشمن غالب آجائے گا، یا مثلاً زکوٰۃ نہ دینے کی صورت میں فقر و فاقہ عام رہے گا، اور دوسرے اس لئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا وبال بھگتنا پڑے گا۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۳ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۹ فروری ۲۰۰۸ء شبِ دو شنبہ میں سورہ محمد (ﷺ) کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کی تکمیل بحرین میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے قارئین کے لئے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْفَتْحِ

## تعارف

یہ سورت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا واقعہ مختصر اُیہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ ادا فرمائیں۔ آپ نے یہ خواب بھی دیکھا تھا کہ آپ مسجد حرام میں اپنے صحابہؓ کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ آپ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ قریش کے مشرکین نے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکے۔ اس خبر کے ملنے پر آپ نے اپنی پیش قدمی روک دی، اور مکہ مکرمہ سے کچھ دُور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، (یہ جگہ آج کل ”شمسی“ کہلاتی ہے) وہاں سے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ایلیچی بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا، تاکہ وہ وہاں کے سرداروں کو بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے ہیں، وہ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں، اور عمرہ کر کے پُر امن طور پر واپس چلے جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ گئے تو ان کے جانے کے کچھ ہی بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ مکرمہ کے کافروں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے اُن سے یہ بیعت لی، (یعنی ہاتھ میں ہاتھ لے کر یہ عہد لیا) کہ اگر کفار مکہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو وہ اُن کے مقابلے میں اپنی جانوں کی قربانی پیش کریں گے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار کے ذریعے قریش کے سرداروں کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ ایک مدت تک جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہیں تو آپ اس کے لئے تیار ہیں۔ جواب میں مکہ مکرمہ سے کئی ایلیچی آئے، اور آخر کار ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں محمد بن اسحاقؓ کی روایت کے مطابق یہ طے ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش آئندہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگ نہیں کریں گے۔ (سیرت ابن ہشام ۲: ۳۱۷ فتح الباری ۸: ۲۸۳) اسی

معاهدے کو صلح حدیبیہ کا معاہدہ کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اس موقع پر کافروں کے طرزِ عمل سے بہت غم و غصے کی حالت میں تھے، اور کافروں نے صلح کی یہ شرط رکھی تھی کہ اس وقت مسلمان واپس مدینہ منورہ چلے جائیں، اور اگلے سال آ کر عمرہ کریں۔ تمام صحابہؓ احرام باندھ کر آئے تھے، اور کافروں کی ضد کی وجہ سے احرام کھولنا اُن کو بہت بھاری معلوم ہو رہا تھا، اس کے علاوہ کافروں نے ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اُسے واپس مکہ مکرمہ بھیجیں، اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ آئے گا تو قریش کے ذمے یہ نہیں ہوگا کہ وہ اُسے واپس مدینہ منورہ بھیجیں۔ یہ شرط بھی مسلمانوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھی، اور اس کی وجہ سے وہ یہ چاہتے تھے کہ ان شرائط کو قبول کرنے کے بجائے ان کافروں سے ابھی ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اسی صلح کے نتیجے میں آخر کار قریش کا اقتدار ختم ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرائط منظور کر لیں۔ صحابہ کرامؓ اُس وقت جہاد کے جوش سے سرشار تھے، اور موت پر بیعت کر چکے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے انہوں نے سر جھکا دیا، اور صلح پر راضی ہو کر واپس مدینہ منورہ چلے گئے، اور اگلے سال عمرہ کیا۔ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد ایک واقعہ تو یہ ہوا کہ ایک صاحب جن کا نام ابولصیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھا، مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کے مطابق انہیں واپس بھیج دیا، انہوں نے مکہ مکرمہ جانے کے بجائے ایک درمیانی جگہ پڑاؤ ڈال کر قریش کے خلاف چھاپہ مار جنگ شروع کر دی، کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کے پابند نہیں تھے۔ اس چھاپہ مار جنگ سے قریش اتنے پریشان ہوئے کہ خود انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ اب ہم وہ شرط واپس لیتے ہیں جس کی رُو سے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو واپس بھیجنا ضروری قرار دیا گیا تھا، قریش نے کہا کہ اب جو کوئی مسلمان ہو کر آئے تو آپ اُسے مدینہ منورہ ہی میں رکھیں، اور ابولصیرؓ اور اُن کے ساتھیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیں، چنانچہ آپ نے انہیں مدینہ منورہ بلا لیا۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ قریش کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر حدیبیہ کے

معاہدے کی خلاف ورزی کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیغام بھیجا کہ یا تو وہ اس کی تلافی کریں، یا معاہدہ ختم کریں، قریش نے اُس وقت غرور میں آکر کوئی بات نہ مانی جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو پیغام بھیج دیا کہ اب ہمارا آپ کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ہجرت کے آٹھویں سال دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ اُس وقت تک قریش کا غرور ٹوٹ چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص خونریزی کے بغیر مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے، اور قریش کے لوگوں نے شہر آپ کے حوالے کر دیا۔

سورہ فتح میں صلح حدیبیہ کے مختلف واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے، اور صحابہ کرامؓ کی تعریف کی گئی ہے کہ انہوں نے اس واقعے کے ہر مرحلے پر بڑی بہادری، سرفروشی اور اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کیا۔ دوسری طرف منافقین کی بد اعمالیوں اور اُن کے برے انجام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔

ایاتھا ۲۹ ﴿۲۸﴾ سُورَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۱ رُكُوعَاتُهَا ۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ (۱) لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا  
تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ (۲) وَيُضْرِكَ اللَّهُ  
نَصْرًا عَازِيزًا ۝ (۳)

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اُن تیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) یقین جانو، ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطا کر دی ہے، ﴿۱﴾ تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی  
تمام کوتاہیوں کو معاف کر دے، اور تاکہ اپنی نعمت تم پر مکمل کر دے، اور تمہیں سیدھے راستے پر لے  
چلے، ﴿۲﴾ اور ﴿۳﴾ تاکہ اللہ تمہاری ایسی مدد کرے جو سب پر غالب آجائے۔ ﴿۳﴾

(۱) صحیح روایات کے مطابق یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا واقعہ سورت کے تعارف میں  
گزر چکا ہے۔ اگرچہ بظاہر صلح کی شرائط ایسی نظر نہیں آرہی تھیں جنہیں ”کھلی ہوئی فتح“ کہا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ  
نے واضح فرمادیا کہ جن حالات میں یہ صلح ہوئی ہے، اُن میں یہ ایک بڑی اور کھلی ہوئی فتح کا پیش خیمہ ہے، اور  
آخر کار اسی کے نتیجے میں مکہ مکرمہ فتح ہوگا۔

(۲) جیسا کہ پیچھے سورہ محمد (ﷺ) کی آیت نمبر ۱۹ کی تشریح میں عرض کیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں  
بے معصوم تھے، اور آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہو سکتا تھا، لیکن کوئی معمولی قسم کی بھول چوک ہو جاتی تو آپ اُس  
کو بھی اپنا قصور سمجھتے تھے، یہاں اسی قسم کے قصور مراد ہیں۔

(۳) یعنی اب تک دین کی تبلیغ اور اُس پر مکمل طور سے عمل کرنے میں کافروں کی طرف سے بڑی بڑی رکاوٹیں  
ڈالی جا رہی تھیں۔ اب اس فتح کے بعد سیدھا راستہ صاف ہو جائے گا۔



هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ  
 إِيمَانِهِمْ ۖ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝  
 لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
 وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ  
 وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظُنَّ السَّوْءَ ۖ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ  
 السَّوْءِ ۖ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ①

وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکینت اُتار دی، تاکہ اُن کے ایمان میں مزید ایمان کا اضافہ ہو۔ اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ ہی کے ہیں، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۴﴾ تاکہ وہ مؤمن مردوں اور عورتوں کو ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ بسے رہیں گے، اور اُن کی برائیوں کو اُن سے دُور کر دے۔ اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۵﴾ اور تاکہ اُن منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے ساتھ بدگمانیاں رکھتے ہیں۔ بُرائی کا پھیر اُنہی پر پڑا ہوا ہے، اور اللہ اُن سے ناراض ہے، اُس نے اُن کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے، اور اُن کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے، اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۶﴾

(۴) جیسا کہ سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفار کے خلاف بہت غم و غصے اور جوش کی حالت میں تھے، اور انہیں صلح کی شرائط ماننا بھی بہت بھاری معلوم ہو رہا تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت یہی منظور تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں سکینت اور اطمینان پیدا کر دیا جس کے نتیجے میں انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔

(۵) یعنی وہ اپنے خیال میں مسلمانوں کے خلاف برے برے منصوبے بناتے ہیں، لیکن بُرائی کے پھیر میں وہ

وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ  
 شَٰهِدًا وَّاَوْمُبَشِّرًا وَّاَنْذِيْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتُعْزِزُوْهُ وَتُقَرِّضُوْهُ ۚ وَ  
 تَسْبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُّبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُّبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۚ يَدُ اللّٰهِ  
 فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰ بِعَٰهْدِهٖ عَلَیْهِ  
 اللّٰهُ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰ سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَعَلْنَا بِ  
 اَمْوَالِنَا وَاَهْلُوْنَا فَاَسْتَغْفِرْ لَنَا

اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ ہی کے ہیں، اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی  
 مالک۔ ﴿۷﴾ (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا  
 بنا کر بھیجا ہے، ﴿۸﴾ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اُس کی مدد کرو،  
 اور اُس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔ ﴿۹﴾ (اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے بیعت  
 کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ اس  
 کے بعد جو کوئی عہد توڑے گا، اُس کے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑے گا، اور جو کوئی اُس عہد کو پورا  
 کرے گا جو اُس نے اللہ سے کیا ہے، تو اللہ اُس کو زبردست ثواب عطا کرے گا۔ ﴿۱۰﴾

وہ دیہاتی جو (حدیبیہ کے سفر میں) پیچھے رہ گئے تھے، اب وہ تم سے ضروریہ کہیں گے کہ: ”ہمارے مال و  
 دولت اور ہمارے اہل و عیال نے ہمیں مشغول کر لیا تھا، اس لئے ہمارے لئے مغفرت کی دُعا کر دیجئے۔“

خود پڑے ہوئے ہیں، کیونکہ ایک طرف اُن کے منصوبے ناکام ہوں گے، اور دوسری طرف انہیں اللہ تعالیٰ کے  
 قہر کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۶) یہ اُسی بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور ہونے کے  
 موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لی تھی جس کا واقعہ سورت کے تعارف میں گزر چکا ہے۔

(۷) حدیبیہ کے سفر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو تمام مخلص صحابہ بکرامؓ

يَقُولُونَ بِالنِّسْبَةِ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۖ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَذَرَيْنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝

وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ (ان سے) کہو کہ: ”اچھا تو اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا فائدہ پہنچانا چاہے تو کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے معاملے میں کچھ بھی کرنے کی طاقت رکھتا ہو؟“ بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾ حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھا تھا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دوسرے مسلمان کبھی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے، اور یہی بات تمہارے دلوں کو اچھی معلوم ہوتی تھی، اور تم نے بُرے بُرے گمان کئے تھے، اور تم ایسے لوگ بن گئے تھے جنہیں برباد ہونا تھا۔ ﴿۱۲﴾

تو خود ہی بڑے اشتیاق کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تھے، لیکن چونکہ یہ اندیشہ شروع ہی سے تھا کہ شاید قریش کے کافر لوگ راستہ روکیں، اور لڑائی کی نوبت آجائے، اس لئے آپ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ سفر کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ کے آس پاس کے دیہات میں بھی یہ اعلان فرمادیا تھا کہ وہاں کے لوگ بھی ساتھ چلیں۔ ان میں سے جو حضرات مخلص مسلمان تھے، وہ تو آپ کے ساتھ آ گئے، لیکن ان میں سے جو لوگ منافق تھے، انہوں نے یہ سوچا کہ جنگ کی صورت میں ہمیں لڑائی میں حصہ لینا پڑے گا، اس لئے وہ مختلف بہانے کر کے رُک گئے۔ اس آیت میں ”پیچھے رہنے والوں“ سے وہی منافق مراد ہیں، اور فرمایا جا رہا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس پہنچیں گے تو یہ لوگ یہ بہانہ کریں گے کہ ہم اپنے گھر بار کی مصروفیت کی وجہ سے آپ کے ساتھ نہیں جاسکے تھے۔

(۸) یعنی تم تو یہ سوچ کر اپنے گھروں میں رُک گئے تھے کہ گھر میں رہنا فائدہ مند ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے میں نقصان ہے، حالانکہ فائدہ اور نقصان تو تمام تر اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، وہ نفع یا نقصان پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ اُسے روک سکے۔

(۹) ان منافقین کا خیال یہ تھا کہ مسلمان چاہے عمرے کے ارادے سے جا رہے ہوں، لیکن جنگ ضرور ہوگی، اور قریش کی طاقت اتنی بڑی ہے کہ مسلمان وہاں سے زندہ واپس نہیں آسکیں گے۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَمَا سُوِّلَهُ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝۱۳ وَاللَّهُ مُلْكُ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ يَعْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۝ وَكَانَ اللَّهُ  
عَفُوًّا رَحِيمًا ۝ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِمَ لَبَّائِهَا خُذُوهَا  
ذُرُوءًا نَتَّبِعْكُمْ ۝ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ ۝ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَبَكُمْ قَالَ  
اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۝ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۝ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۵  
قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدُّ عَوْنٍ إِلَى قَوْمِ أُولَىٰ بِأْسٍ شَدِيدٍ ثَقَلَتْ نَوْتُهُمْ  
أَفُوسِلُونَ ۝ فَإِنْ طِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۝ وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ  
مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۶

اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان نہ لائے، تو (وہ یاد رکھے کہ) ہم نے کافروں کے لئے  
بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت تمام تر اللہ ہی کی  
ہے، وہ جس کو چاہے، بخش دے، اور جس کو چاہے، عذاب دے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت  
مہربان ہے۔ ﴿۱۴﴾ (مسلمانو!) جب تم غنیمت کے مال لینے کے لئے چلو گے تو یہ (حدیبیہ کے  
سفر سے) پیچھے رہنے والے تم سے کہیں گے کہ: ”ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔“ وہ چاہیں گے کہ  
اللہ کی بات کو بدل دیں۔ تم کہہ دینا کہ: ”تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے۔ اللہ نے پہلے سے  
یوں ہی فرما رکھا ہے۔“ اس پر وہ کہیں گے کہ: ”دراصل آپ لوگ ہم سے حسد رکھتے ہیں۔“  
نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی ایسے ہیں کہ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ ان پیچھے  
رہنے والے دیہاتیوں سے کہہ دینا کہ: عنقریب تمہیں ایسے لوگوں کے پاس (لڑنے کے لئے)  
بلایا جائے گا جو بڑے سخت جنگجو ہوں گے، کہ یا تو اُن سے لڑتے رہو، یا وہ اطاعت قبول کر لیں۔  
اُس وقت اگر تم (جہاد کے اُس حکم کی) اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم منہ  
موڑو گے جیسا کہ تم نے پہلے منہ موڑا تھا تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ ﴿۱۶﴾

(۱۰) صحابہ کرامؓ نے حدیبیہ کے سفر میں جس جاں نثاری اور اطاعت کے جذبے سے کام لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے

اُس کے صلے میں یہ وعدہ فرمایا تھا کہ مکہ مکرمہ کی فتح۔ سے پہلے انہیں ایک اور فتح حاصل ہوگی جس میں بہت سا مال غنیمت بھی حصے میں آئے گا۔ اس سے مراد خیبر کی فتح تھی۔ چنانچہ سن ۷ جہری میں جب آپ خیبر کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو صحابہ کرام کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق خیبر ضرور فتح ہوگا، اور وہاں سے مال غنیمت بھی حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جب یہ موقع آئے گا تو جو منافق حدیبیہ کے سفر میں حیلے بہانے کر کے پیچھے رہ گئے تھے، وہ خیبر کے سفر میں تمہارے ساتھ چلنا چاہیں گے، کیونکہ انہیں یقین ہوگا کہ اس سفر میں فتح بھی ہوگی، اور مال غنیمت بھی ملے گا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ اُن کی یہ خواہش پوری نہ کریں، اور انہیں ساتھ لے جانے سے انکار کر دیں۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی یہ حکم دے دیا تھا کہ خیبر کے سفر میں صرف اُن حضرات کو شرکت کی اجازت دیں جو حدیبیہ کے سفر میں آپ کے ساتھ تھے۔ اسی حکم کی طرف اس آیت میں ”اللہ کی بات“ فرما کر اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱۲) یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس سے پہلے قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ خیبر کی جنگ میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جو حدیبیہ میں شامل تھے، بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا، اور آپ نے لوگوں تک پہنچایا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی کے ذریعے احکام آیا کرتے تھے، اور وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہوتے تھے۔ لہذا منکرین حدیث جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے علاوہ کسی اور وحی کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ آیت اُس کی واضح تردید کر رہی ہے۔

(۱۳) یعنی ہمیں مال غنیمت میں حصہ دار بنانا نہیں چاہتے۔

(۱۴) دیہات کے ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ آپ لوگوں کا خیبر کی جنگ میں شامل ہونا تو اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے، البتہ اس کے بعد ایک وقت آئے گا جب آپ لوگوں کو سخت جنگجو قوموں سے لڑنے کی دعوت دی جائے گی، اُس وقت اگر آپ نے سچا مومن بن کر استقامت سے کام لیا تو آپ کا یہ گناہ دھل جائے گا، اور اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب عطا فرمائیں گے۔ اس میں وہ تمام جنگیں داخل ہیں جن میں کسی بڑی طاقت سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا، اور دیہات کے ان لوگوں کو اُس میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ دیہات کے لوگوں کو یہ دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہدِ خلافت میں اُس وقت دی گئی جب مسلمانوں کا مقابلہ مسلحہ کذاب اور قیصر و کسریٰ کی طاقتوں سے ہوا۔ اس موقع پر دیہات کے ان لوگوں میں سے کچھ حضرات تابع بھی ہو گئے تھے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْلَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَمَنْ  
يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ  
عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۖ  
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَعَانِهِ  
كَثِيرَةٌ ۖ يَا خُذْ وَثَمَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

اندھے آدمی پر (جہاد نہ کرنے کا) کوئی گناہ نہیں ہے، نہ لنگڑے آدمی پر کوئی گناہ ہے، اور نہ بیمار آدمی پر گناہ ہے۔ اور جو شخص بھی اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا مانے، اللہ اُس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور جو کوئی منہ موڑے گا، اُسے دردناک عذاب دے گا۔ ﴿۱۷﴾ یقیناً اللہ ان مؤمنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا، اُس لئے اُس نے اُن پر سکینت اُتاردی، اور اُن کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرمادی، ﴿۱۸﴾ اور غنیمت میں ملنے والے بہت سے مال بھی جو اُن کے ہاتھ آئیں گے! اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱۹﴾

(۱۵) یہ اُسی بیعت رضوان کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے حدیبیہ کے مقام پر بھول کے ایک درخت کے نیچے لی تھی، اور جس کا ذکر سورت کے تعارف میں آچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان حضرات نے یہ بیعت دل سے پورے عزم کے ساتھ کی تھی، وہ منافقوں کی طرح جھوٹا عہد کرنے والے نہیں تھے۔ (۱۶) اس سے مراد خیبر کی فتح ہے۔ اس سے پہلے مسلمان دو طرفہ خطرے سے دوچار تھے۔ جنوب میں قریش مکہ کی طرف سے ہر وقت حملوں کا خطرہ رہتا تھا جس کا سد باب حدیبیہ کی صلح کے ذریعے ہوا، اور شمال میں خیبر کے یہودی تھے جو ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں نے حدیبیہ کے موقع پر جس جاں نثاری اور پھر اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کیا، اُس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خیبر کی فتح عطا فرمادی جس سے ایک طرف شمالی خطرے کا سد باب ہوگا، اور دوسری طرف بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آئے گا، اور اس کے نتیجے میں معاشی خوش حالی حاصل ہوگی۔

وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَعَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُ وَنَهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝۲۰ وَأُخْرَى لَّمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝۲۱ وَلَوْ قَسَمْتُ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا الْوَلَائِي أَلَا دُبَارُهُمْ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝۲۲

اللہ نے تم سے بہت سے مال غنیمت کا وعدہ کر رکھا ہے جو تم حاصل کرو گے، اب فوری طور پر اُس نے تمہیں یہ فتح دے دی ہے، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، تاکہ یہ مؤمنوں کے لئے ایک نشانی بن جائے، اور تمہیں اللہ سیدھے راستے پر ڈال دے، ﴿۲۰﴾ اور ایک فتح اور بھی ہے جو ابھی تمہارے قابو میں نہیں آئی، لیکن اللہ نے اُس کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۲۱﴾

اور یہ کافر لوگ تم سے لڑتے تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر انہیں کوئی یار و مددگار بھی نہ ملتا، ﴿۲۲﴾

(۱۷) اس سے مراد وہ فتوحات ہیں جو خیبر کے علاوہ حاصل ہونے والی تھیں۔

(۱۸) یعنی خیبر کے یہودی اور اُن کے حلیف اس فتح میں جوڑ کاوٹ ڈال سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُسے روک دیا۔  
(۱۹) اس سے مراد مکہ مکرمہ اور اُس کے بعد حنین وغیرہ کی فتوحات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اگرچہ ابھی مسلمان مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کی حالت میں نہیں ہیں، لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب قریش مکہ خود حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اُسے توڑ دیں گے، اور اُس کے بعد مسلمانوں کے لئے فتح مکہ کا راستہ کھل جائے گا، اور اُس کے بعد حنین وغیرہ کی فتوحات حاصل ہوں گی۔

(۲۰) یعنی حدیبیہ کے مقام پر کافروں سے صلح کرائی گئی، اُس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مسلمان کمزور تھے، اور جنگ کی صورت میں انہیں شکست اٹھانی پڑتی، بلکہ اگر مقابلہ ہو جاتا تو یہ کافر ہی شکست کھاتے، اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے، لیکن اس وقت کئی مصلحتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنگ کو روکا تھا، اُن میں سے ایک مصلحت کا بیان آگے آیت نمبر ۲۵ میں آرہا ہے۔

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَهُوَ  
الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ  
عَلَيْهِمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝

جیسا کہ اللہ کا یہی دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے، اور تم اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہیں  
پاؤ گے۔ ﴿۲۳﴾ اور وہی اللہ ہے جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے، اور  
تمہارے ہاتھوں کو اُن تک پہنچنے سے روک دیا، جبکہ وہ تمہیں اُن پر قابو دے چکا تھا، اور جو کچھ تم  
کر رہے تھے، اللہ اُسے دیکھ رہا تھا۔ ﴿۲۴﴾

(۲۱) اللہ تعالیٰ کا دستور شروع سے یہ چلا آتا ہے کہ جو لوگ حق پر ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی شرائط پوری  
کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اُن کو باطل والوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے، اور جہاں کہیں باطل والوں کو غلبہ حاصل ہو، وہاں  
سمجھ لینا چاہئے کہ حق والوں کے طرزِ عمل میں کوئی خرابی تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہے۔  
(۲۲) جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ جا کر قریش کے لوگوں کو صلح کا پیغام دے رہے تھے، اُس  
وقت مکہ مکرمہ کے کافروں نے پچاس آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس غرض سے بھیجے تھے کہ وہ خفیہ  
طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے (معاذ اللہ) آپ کو شہید کر دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں  
مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار کرادیا۔ دوسری طرف جب قریش نے ان آدمیوں کی گرفتاری کی خبر سنی تو انہوں نے  
حضرت عثمانؓ اور اُن کے ساتھیوں کو روک لیا۔ اُس وقت اگر مسلمان ان پچاس آدمیوں کو قتل کر دیتے تو جواب  
میں قریش کے لوگ حضرت عثمانؓ اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کرتے، اور مکمل جنگ چھڑ جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے  
مسلمانوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ ان قیدیوں کو قتل نہ کریں، اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو اُن کے قتل  
سے روک دیا، حالانکہ وہ اُن کے قابو میں آچکے تھے، اور دوسری طرف قریش کے ہاتھوں کو مسلمانوں سے لڑنے  
سے اس طرح روک دیا کہ اُن کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ صلح پر راضی ہو گئے،  
حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ صاف انکار کر چکے تھے۔



هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ  
 مَحَلَّهُ<sup>ط</sup> وَلَوْلَا رَجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوا هُمْ أَنْ تَطُوهُمْ  
 فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ<sup>ج</sup> لَوْ  
 تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا<sup>۲۵</sup> اذْجَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي  
 قُلُوبِهِمُ الْحَيَّةَ الْحَيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ فَإَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى  
 الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا<sup>ط</sup> وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ

شَيْءٍ عَلِيمًا<sup>۲۶</sup>

یہی لوگ تو ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا، اور تمہیں مسجد حرام سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو جو  
 ٹھہرے ہوئے کھڑے تھے، اپنی جگہ پہنچنے سے روک دیا۔<sup>(۲۳)</sup> اور اگر کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں  
 (مکہ میں) نہ ہوتیں جن کے بارے میں تمہیں خبر بھی نہ ہوتی کہ تم انہیں پیس ڈالو گے، اور اُس کی  
 وجہ سے بے خبری میں تم کو نقصان پہنچ جاتا<sup>(۲۴)</sup> (تو ہم ان کافروں سے تمہاری صلح کے بجائے جنگ  
 کروادیتے، لیکن ہم نے جنگ کو اس لئے روکا) تاکہ اللہ جس کو چاہے، اپنی رحمت میں داخل  
 کر دے۔<sup>(۲۵)</sup> (البتہ) اگر وہ مسلمان وہاں سے ہٹ جاتے تو ہم ان (اہل مکہ) میں سے جو کافر تھے،  
 انہیں دردناک سزا دیتے۔<sup>(۲۶)</sup> ﴿۲۵﴾ (چنانچہ) جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں اُس حمیت کو  
 جگہ دی جو جاہلیت کی حمیت تھی تو اللہ نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبر اور مسلمانوں پر سکینت نازل  
 فرمائی، اور اُن کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا،<sup>(۲۸)</sup> اور وہ اسی کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے، اور  
 اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۲۶﴾

(۲۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ چونکہ عمرے کے ارادے سے تشریف لائے تھے، اس لئے حرم

میں قربانی کرنے کے لئے جانور بھی ساتھ لائے تھے جنہیں حرم میں پہنچ کر قربان ہونا تھا، وہ ان کافروں کے زکاوت ڈالنے کی وجہ سے حدیبیہ ہی میں کھڑے رہ گئے، اور جس جگہ لے جا کر انہیں قربان کرنے کا ارادہ تھا، وہاں نہیں پہنچ پائے۔

(۲۴) یہ اُن مصلحتوں میں سے ایک مصلحت کا بیان ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُس وقت جنگ کو مناسب نہیں سمجھا۔ اور وہ مصلحت یہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان موجود تھے، اور اب حضرت عثمانؓ اور اُن کے ساتھی بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ جنگ ہوتی تو پورے زور و شور سے ہوتی، اور اس گھمسان کی جنگ میں مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں بے خبری میں نقصان پہنچ سکتا تھا جس پر بعد میں خود مسلمانوں کو ندامت اور نقصان کا احساس ہوتا۔

(۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں پر یہ رحمت فرمائی کہ انہیں قتل ہونے سے بچالیا، اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں پر یہ رحمت فرمائی کہ انہیں اپنے دینی بھائیوں کے قتل سے بچالیا۔

(۲۶) یعنی اگر مکہ مکرمہ میں جو مسلمان کافروں کے ہاتھوں ظلم سہہ رہے تھے، وہ وہاں سے کہیں اور چلے گئے ہوتے تو ہم ان کافروں سے مسلمانوں کی جنگ کروادیتے جس کے نتیجے میں وہ دردناک شکست سے دوچار ہوتے۔

(۲۷) قریش اگرچہ آخر کار صلح پر راضی ہو گئے تھے، لیکن جب صلح نامہ لکھنے کا وقت آیا تو انہوں نے محض اپنے تکبر اور اپنی جاہلانہ حمیت کی وجہ سے کچھ ایسی باتوں پر اصرار کیا جو صحابہ کرامؓ کو بہت ناگوار ہوئیں۔ مثلاً صلح نامے کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ لکھوایا تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا، اور اس کے بجائے ”بِسْمِکَ اللّٰهُمَّ“ لکھوانے پر زور دیا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ ”رسول اللہ“ لکھا گیا تھا، انہوں نے اُسے مٹانے پر اصرار کیا۔ ان باتوں کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو بہت غصہ تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ صلح منظور تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں تحمل پیدا فرمادیا، اسی تحمل کو یہاں سکینت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۲۸) تقویٰ کی بات یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کی جائے، چاہے وہ بات نفس کو کتنی ناگوار معلوم ہو رہی ہو۔ صحابہ کرامؓ نے اسی پر عمل فرمایا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّعْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ  
 اللَّهُ أَمِنِينَ ۚ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۚ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا  
 فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى  
 وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۲۸﴾

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے جو واقعے کے بالکل مطابق ہے۔ تم لوگ  
 اِنْ شَاءَ اللہ ضرور مسجدِ حرام میں اس طرح امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے کہ تم (میں سے کچھ) نے  
 اپنے سروں کو بے خوف و خطر منڈوا یا ہوگا، اور (کچھ نے) بال تراشے ہوں گے۔ اللہ وہ باتیں جانتا  
 ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہیں۔ چنانچہ اُس نے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے ایک قریبی فتح طے کر دی  
 ہے۔ ﴿۲۷﴾ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اُسے ہر  
 دوسرے دین پر غالب کر دے۔ اور (اس کی) گواہی دینے کے لئے اللہ کافی ہے۔ ﴿۲۸﴾

(۲۹) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سفر سے پہلے  
 خواب دیکھا تھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ بکرام مسجدِ حرام میں عمرے کی غرض سے داخل ہوئے ہیں۔ اسی خواب  
 کے بعد آپ نے تمام صحابہ بکرامؓ سے عمرے پر روانہ ہونے کے لئے فرمایا تھا۔ لیکن جب حدیبیہ پہنچ کر صلح کے نتیجے  
 میں احرام کھولنا پڑا اور عمرہ ادا نہ کیا جاسکا، تو بعض حضرات کو یہ خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب تو  
 وحی ہوتا ہے، اور عمرہ کئے بغیر واپس جانا اس خواب کے مطابق نہیں ہے۔ اس آیت میں اس خیال کا یہ جواب دیا  
 گیا ہے کہ وہ خواب یقیناً سچا تھا، لیکن اُس میں مسجدِ حرام میں داخلے کا کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا تھا۔ اب بھی وہ  
 خواب سچا ہے، اور اگرچہ اس سفر میں عمرہ نہیں ہو سکا، لیکن اِنْ شَاءَ اللہ وہ خواب عنقریب پورا ہوگا۔ چنانچہ اگلے  
 سال وہ پورا ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بکرامؓ نے اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا۔  
 (۳۰) اس سے مراد خیبر کی فتح ہے جس کا ذکر آیت نمبر ۱۸ اور اُس کے حاشیہ میں گذر چکا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ  
رُكْعًا سَجَدًا يَلْبَتُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا لِّسَيِّمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ  
السُّجُودِ ۖ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۖ كَزُرْءٍ أَخْرَجَ  
شُطْرَهُ فَاظْرَأْ فَاسْتَعْلَظْ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاءَ لِيَخِضُّ بِهُمُ  
الْكُفَّارَ ۖ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۱﴾

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے  
میں سخت ہیں، (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع  
میں ہیں، کبھی سجدے میں، (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن کی  
علامتیں سجدے کے اثر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں اُن کے وہ اوصاف جو تورات میں  
مذکور ہیں۔ اور انجیل میں اُن کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اُس کو  
مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار اُس سے خوش  
ہوتے ہیں، تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلانے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، اور  
انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کر لیا ہے۔ ﴿۲۹﴾

(۳۱) جیسا کہ پیچھے حاشیہ نمبر ۲ میں گزرا ہے، کافروں نے صلح نامہ لکھواتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا  
نام مبارک ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ لکھوانے سے انکار کیا تھا، اور صرف ”محمد بن عبد اللہ“ لکھوایا تھا۔ اللہ  
تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کو ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ فرما کر یہ اشارہ دیا ہے کہ کافر لوگ اس حقیقت سے چاہے  
کتنا انکار کریں، اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک قرآن کریم میں ثبت فرما دیا ہے۔

(۳۲) اگرچہ تورات میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں، لیکن بائبل کے جن صحیفوں کو آج کل یہودی اور عیسائی  
مذہب میں ”تورات“ کہا جاتا ہے، اُن میں سے ایک یعنی استثناء ۳: ۳-۳ میں ایک عبارت ہے جس کے  
بارے میں یہ احتمال ہے کہ شاید قرآن کریم نے اُس کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔ وہ عبارت یہ ہے:

”خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے اُن پر آشکار ہوا، اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا، اور وہ دس ہزار قدسیوں

میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔ وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے، اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔“ (استثناء: ۳۳: ۲-۳)

واضح رہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری خطبہ ہے، جس میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحی کو وہ سینا پر اترے گی، جس سے مراد تورات ہے، پھر کوہ شعیہ پر اترے گی، جس سے مراد انجیل ہے، کیونکہ کوہ شعیہ وہ پہاڑ ہے جسے آج جبل الخلیل کہتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا مرکز تھا۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ تیسری وحی کو وہ فاران پر اترے گی، جس سے مراد قرآن کریم ہے، کیونکہ فاران اس پہاڑ کا نام ہے جس پر غارِ حرا واقع ہے۔ اور اسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی تعداد دس ہزار تھی، لہذا ”دس ہزار قدسیوں میں سے آیا“ سے ان صحابہؓ کی طرف اشارہ ہے۔ (واضح رہے کہ قدیم نسخوں میں دس ہزار کا لفظ ہے، اب بعض نسخوں میں اسے لاکھوں سے تبدیل کر دیا گیا ہے)۔

نیز قرآن کریم فرماتا ہے کہ ”یہ صحابہؓ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔“ استثناء کی مذکورہ عبارت میں ہے کہ: ”اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی“ قرآن کریم میں ہے کہ: ”وہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں“ اور استثناء کی مذکورہ عبارت میں ہے کہ: ”وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے“ اس لئے یہ بات دُور از قیاس نہیں ہے کہ قرآن کریم نے اس عبارت کا حوالہ دیا ہو، اور وہ تبدیل ہوتے ہوئے موجودہ استثناء کی عبارت کی شکل میں رہ گئی ہو۔

(۳۳) انجیل مرقس میں بالکل یہی تشبیہ ان الفاظ میں مذکور ہے: ”خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے، اور رات کو سوائے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور رانٹی لگاتا ہے کیونکہ کانٹے کا وقت آپہنچا۔“ (مرقس ۴: ۲۶ تا ۲۹)

یہی تشبیہ انجیل لوقا (۱۳-۱۸ و ۱۹) اور انجیل متی (۱۳-۳۱) میں بھی موجود ہے۔

الحمد للہ! آج بروز جمعہ بتاریخ ۱۵ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۲ فروری ۲۰۰۸ء نماز جمعہ کے بعد مکہ مکرمہ میں سورہ فتح کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ النُّحُوتِ

## تعارف

اس سورت کے بنیادی موضوع دو ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعظیم کا کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے، اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لئے کن اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں پر کیا فریضہ عائد ہوتا ہے، اور اُس کے بعد وہ اسباب بیان فرمائے گئے ہیں جو عام طور سے رہن سہن کے دوران آپس کے لڑائی جھگڑے پیدا کرتے ہیں، مثلاً ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، غیبت کرنا، دُوسروں کے معاملات میں ناحق مداخلت کرنا، بدگمانی کرنا وغیرہ۔ نیز یہ حقیقت پوری وضاحت اور تاکید کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہے کہ خاندان، قبیلے، زبان اور قومیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی بڑائی جتانے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔ تمام انسان برابر ہیں، اور اگر کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اپنے کردار اور تقویٰ کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ سورت کے آخر میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے صرف زبان سے اسلام کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام کو دل سے ماننا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر اسلام کا دعویٰ معتبر نہیں ہے۔

”حجرات“ عربی میں ”حُجْرَة“ کی جمع ہے جو کمرے کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی چوتھی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہائشی حجروں کے پیچھے سے آپ کو آواز دینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ حجرات رکھا گیا ہے۔

﴿أَيُّهَا ۱۸ سُورَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۶﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲﴾

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ عِقَابِهِ ① يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ②

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۱﴾ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ اُن سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں، اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ ﴿۲﴾

(۱) سورت کی یہ ابتدائی پانچ آیتیں ایک خاص موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کے قبائل کے بہت سے وفد آتے رہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں سے کسی کو آئندہ کے لئے قبیلے کا امیر مقرر فرمادیتے تھے۔ ایک مرتبہ قبیلہ تمیم کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا۔ ابھی آپ نے اُن میں سے کسی کو امیر نہیں بنایا تھا، اور نہ اس سلسلے میں کوئی بات کی تھی۔ لیکن آپ کی موجودگی میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے یہ مشورہ شروع کر دیا کہ ان میں سے کس کو امیر بنایا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک نام لیا، اور حضرت عمرؓ نے دوسرا۔ پھر ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی رائے کی تائید اس طرح شروع کر دی کہ کچھ بحث کا سا انداز پیدا ہو گیا، اور اس میں دونوں کی آوازیں بھی بلند ہو گئیں۔ اس پر پہلی تین آیتیں نازل ہوئیں۔ پہلی آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جن معاملات کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا ہو، اور آپ نے اُن



إِنَّ الَّذِينَ يُعْصُونَ أَوْصَاةَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝۲۰ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝۲۱ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۲۲

یقین جانو جو لوگ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اُن کو مغفرت بھی حاصل ہے، اور زبردست اجر بھی۔ ﴿۳﴾ (اے پیغمبر!) جو لوگ تمہیں حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں، اُن میں سے اکثر کو عقل نہیں ہے۔ ﴿۴﴾ اور اگر یہ لوگ اُس وقت تک صبر کرتے جب تک تم خود باہر نکل کر ان کے پاس آجاتے، تو ان کے لئے بہتر ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۵﴾

کے بارے میں کوئی مشورہ بھی طلب نہ فرمایا ہو، اُن معاملات میں آپ سے پہلے ہی کوئی رائے قائم کر لیتا اور اس پر اصرار یا بحث کرنا آپ کے ادب کے خلاف ہے۔ اگرچہ یہ پہلی آیت اس خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، لیکن الفاظ عام استعمال فرمائے گئے ہیں، تاکہ یہ اصولی ہدایت دی جائے کہ کسی بھی معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنا مسلمانوں کے لئے درست نہیں ہے۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنا ہو تو آپ سے آگے نہ بڑھنا چاہئے۔ نیز آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو حدود مقرر فرمائی ہیں، اُن سے آگے نکلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے بعد دوسری اور تیسری آیتوں میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر اپنی آواز آپ کی آواز سے بلند نہیں کرنی چاہئے، اور آپ سے کوئی بات کہنی ہو تو وہ بھی بلند آواز سے نہیں کہنی چاہئے، بلکہ آپ کی مجلس میں آواز پست رکھنے کا اہتمام ضروری ہے۔

(۲) تمیم کے جس وفد کا ابھی ذکر کیا گیا، وہ دوپہر کے وقت مدینہ منورہ پہنچا تھا جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ آداب سے واقف نہیں تھے، اس لئے ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے گھر کے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع کر دیا۔ اس پر اس آیت میں تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا  
 بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۖ ﴿٦﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ  
 يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي  
 قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۚ ﴿٧﴾  
 فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٨﴾

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں  
 ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔ ﴿۶﴾ اور یہ بات  
 اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں۔ بہت سی باتیں ہیں جن میں وہ اگر  
 تمہاری بات مان لیں تو خود تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال  
 دی ہے، اور اُسے تمہارے دلوں میں پُرکشش بنادیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں اور  
 نافرمانی کی نفرت بٹھا دی ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک ٹھیک راستے پر آ چکے ہیں، ﴿۷﴾ جو اللہ کی  
 طرف سے فضل اور نعمت کا نتیجہ ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۸﴾

(۳) اس آیت کے شان نزول میں حافظ ابن جریرؒ اور دوسرے مفسرین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ولید  
 بن عقبہؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جب  
 یہ اُن کی بستی کے قریب پہنچے تو وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے اپنی کے استقبال کے لئے بڑی  
 تعداد میں بستی کے باہر جمع ہو گئے۔ ولید بن عقبہؓ یہ سمجھے کہ یہ لوگ لڑائی کے لئے باہر نکل آئے ہیں۔ بعض روایات  
 میں یہ بھی مذکور ہے کہ اُن کے اور بنو مصطلق کے درمیان جاہلیت کے زمانے میں کچھ دشمنی بھی تھی۔ اس لئے  
 حضرت ولیدؓ کو یہ خطرہ ہوا کہ وہ لوگ اس پرانی دشمنی کی بنا پر اُن سے لڑنے کے لئے نکل آئے ہیں۔ چنانچہ وہ بستی  
 میں داخل ہونے کے بجائے وہیں سے واپس لوٹ گئے، اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

بنو مطلق کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، اور وہ لڑائی کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا کہ واقعے کی تحقیق کے بعد اگر واقعی اُن لوگوں کی سرکشی ثابت ہو تو اُن سے جہاد کریں۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ لوگ تو استقبال کے لئے جمع ہوئے تھے، اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ان روایات کی بنا پر بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ آیت میں جو فاسق کا لفظ استعمال ہوا ہے، اُس سے مراد ولید بن عقبہؓ ہیں، پھر اُس پر جو اشکال ہوتا ہے کہ ایک صحابی کو فاسق قرار دینا بظاہر عدالت صحابہ کے منافی ہے، اُس کا یہ جواب دیا ہے کہ بعض صحابہ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمادی، اس لئے بحیثیت مجموعی اُن کی عدالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے کے بیان میں جو روایتیں آئی ہیں، اول تو وہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہیں، اور اُن میں تعارض و اختلاف بھی پایا جاتا ہے، دوسرے اس واقعے کی بنا پر حضرت ولیدؓ کو فاسق قرار دینے کی کوئی معقول وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ اس واقعے میں انہوں نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹ نہیں بولا، بلکہ جو کچھ کیا، غلط فہمی کی وجہ سے کیا جس کی وجہ سے کسی کو فاسق نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ولیدؓ بستی کے قریب پہنچے، اور قبیلے کے لوگ بڑی تعداد میں وہاں جمع ہو رہے تھے تو کسی شریر آدمی نے اُن سے یہ کہا ہوگا کہ یہ لوگ آپ سے لڑنے کے لئے نکلے ہیں۔ اُس شریر آدمی کو آیت میں فاسق قرار دیا گیا ہے، اور حضرت ولیدؓ کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ تنہا اُس شریر آدمی کی خبر پر بھروسہ کر کے کوئی اقدام کرنے کے بجائے پہلے اُس خبر کی تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ اس خیال کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابن جریرؒ نے نقل کی ہے، اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: ”فحدثه الشيطان انهم يريدون قتله“ (تفسیر ابن جریر ج: ۲۲ ص: ۲۸۶) یعنی شیطان نے انہیں یہ بتایا کہ وہ لوگ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ شیطان نے کسی انسان کی شکل میں آکر انہیں یہ جھوٹی خبر دی ہوگی۔ اس لئے آیت کے لفظ ”فالسق“ کو خواہ مخواہ ایک صحابی پر چسپاں کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ انہوں نے جو کچھ کیا غلط فہمی میں کیا۔ اس کے بجائے اُسے اُس مخبر پر چسپاں کرنا چاہئے جس نے حضرت ولیدؓ کو یہ غلط خبر دی تھی۔

بہر حال! واقعہ کچھ بھی ہو، قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ اُس کی آیتیں چاہے کسی خاص موقع پر نازل ہوئی ہوں، اکثر اُن کے الفاظ عام ہوتے ہیں، تاکہ اُن سے ایک اصولی حکم معلوم ہو سکے۔ چنانچہ یہ ایک عام حکم ہے کہ کسی فاسق کی خبر پر بغیر تحقیق کے اعتماد نہیں کرنا چاہئے، خاص طور پر جب اُس خبر کے نتیجے میں کسی کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو۔

(۴) سورت کے شروع میں جو حکم دیا گیا تھا، اور جس کی تشریح اوپر حاشیہ نمبر ۱ میں گذری ہے، اُس کا مطلب یہ



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا قَوْمٍ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ  
وَلَا نِسَاءً مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْبِزُوا أَنفُسَكُمْ  
وَلَا تَتَّبِعُوا أَبَاءَ لَقَابٍ ۚ بئسَ الاسمُ الفسوقُ بعدَ الإيمانِ ۚ وَمَن لَّمْ  
يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ  
الظَّنِّ ۚ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا ۚ وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ

اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) خود اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود اُن سے بہتر ہوں۔ اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔ اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں، تو وہ ظالم لوگ ہیں۔ ﴿۱۱﴾ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

(۵) معاشرے میں جن باتوں سے لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، ان آیتوں میں اُن باتوں کو نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ کسی دوسرے کا کوئی ایسا بُرا نام رکھ دیا جائے جو اُسے ناگوار ہو۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایسا کرنا گناہ ہے، اور اس سے خود تم گنہگار ہو گے، اور خود تم پر گنہگار ہونے کا نام لگے گا، اور کسی مسلمان پر یہ نام لگنا کہ وہ گنہگار ہے، ایمان لانے کے بعد بہت بری بات ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کسی دوسرے پر برا نام لگا رہے تھے، اور اس عمل سے خود تم پر برا نام لگ گیا۔

(۶) یعنی کسی کے خلاف تحقیق کے بغیر بدگمانی دل میں جمالینا گناہ ہے۔  
(۷) کسی دوسرے کے عیب تلاش کرنے کے لئے اُس کی ٹوہ اور جستجو میں لگنا بھی اس آیت کی رو سے گناہ ہے۔ البتہ کوئی حاکم مجرموں کا پتہ لگانے کے لئے تفتیش کرے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

(۸) غیبت کی تعریف ایک حدیث میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ: ”تم اپنے بھائی کا

اَيُّحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيهِ مَيْتًا فَكْرِهُشُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط  
 اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَّ  
 جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَاۗئِلَ لِتَعَارَفُوْۤا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ط اِنَّ  
 اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے  
 تو خود تم نفرت کرتے ہو! اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان  
 ہے۔ ﴿۱۲﴾

اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف  
 قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ ﴿۹﴾ درحقیقت اللہ  
 کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ  
 سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔ ﴿۱۳﴾

تذکرہ اس طرح کرو جو اُسے ناگوار ہو۔“ ایک صحابی نے پوچھا کہ: ”اگر اُس میں واقعی وہ عیب ہو تو (کیا اُس کا  
 بیان کرنا بھی غیبت ہے؟)“ آپ نے فرمایا کہ: ”اگر اُس میں واقعی وہ عیب ہو تب تو وہ غیبت ہے، اور اگر وہ نہ  
 ہو تو بہتان ہے۔“ یعنی وہ دُہرا گناہ ہے۔

(۹) اس آیت کریمہ نے مساوات کا یہ عظیم اصول بیان فرمایا ہے کہ کسی کی عزت اور شرافت کا معیار اُس کی  
 قوم، اُس کا قبیلہ یا وطن نہیں ہے، بلکہ تقویٰ ہے۔ سب لوگ ایک مرد و عورت یعنی حضرت آدم و حوا (علیہما  
 السلام) سے پیدا ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے مختلف قبیلے خاندان یا قومیں اس لئے نہیں بنائیں کہ وہ ایک  
 دوسرے پر اپنی بڑائی جتائیں، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بے شمار انسانوں میں باہمی پہچان کے لئے  
 کچھ تقسیم قائم ہو جائے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ  
 الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا  
 إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ⑩ إِنَّا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ  
 يَرْتَابُوا وَجْهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ⑪  
 قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ بِذُنُوبِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَ  
 اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑫

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ: ”ہم ایمان لے آئے ہیں۔“ ان سے کہو کہ: ”تم ایمان تو نہیں لائے، البتہ  
 یہ کہو کہ ہم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔“ اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم  
 واقعی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے ثواب) میں ذرا بھی کمی  
 نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔“ ﴿۱۴﴾ ایمان لانے والے تو وہ ہیں  
 جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانا ہے، پھر کسی شک میں نہیں پڑے، اور جنہوں نے  
 اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے۔ وہی لوگ ہیں جو سچے  
 ہیں۔ ﴿۱۵﴾ (اے پیغمبر! ان دیہاتیوں سے) کہو کہ: ”کیا تم اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دے رہے  
 ہو؟ حالانکہ اللہ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اللہ ہر  
 چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔“ ﴿۱۶﴾

(۱۰) دیہات کے کچھ لوگ دل سے ایمان لائے بغیر ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے  
 تھے، جس کا مقصد مسلمانوں جیسے حقوق حاصل کرنا تھا۔ مدینہ منورہ میں آکر انہوں نے راستوں پر گندگی بھی  
 پھیلائی تھی۔ ان آیات میں ان کی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے۔ اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ سچا مسلمان ہونے  
 کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے، بلکہ دل سے اسلامی عقائد کو ماننا اور اپنے آپ کو اسلامی احکام کا  
 پابند سمجھنا ضروری ہے۔

يُتُونُ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَتَّبِعُوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يَمُوتُ عَلَيْكُمْ  
 أَنْ هَدَيْكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

ع  
۱۳

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ یہ اسلام لے آئے ہیں۔ ان سے کہو کہ: ”مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جلاؤ۔ بلکہ اگر تم واقعی (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔“ ﴿۱۷﴾ واقعہ یہ ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ ﴿۱۸﴾

الحمد للہ! سورۃ حجرات کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بروز اتوار مورخہ ۱۷ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۴ فروری ۲۰۰۸ء کو مدینہ منورہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر اُمت کے لئے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔





# سُورَةُ ق

## تعارف

اس سورت کا اصل موضوع آخرت کا اثبات ہے۔ اسلام کے عقائد میں عقیدہ آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کے قول و فعل میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے، اور اگر یہ عقیدہ دل میں پیوست ہو جائے تو وہ ہر وقت انسان کو اس بات کی یاد دلاتا رہتا ہے کہ اُسے اپنے ہر کام کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اور پھر یہ عقیدہ انسان کو گناہوں، جرائم اور نا انصافیوں سے دُور رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے آخرت کی زندگی کو یاد دلانے پر بہت زور دیا ہے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ ہر وقت آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اب جو کئی سورتیں آرہی ہیں، اُن میں زیادہ تر اسی عقیدے کے دلائل اور قیامت کے حالات اور جنت اور دوزخ کی منظر کشی پر زور دیا گیا ہے۔ سورہ قیٰ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت فجر اور جمعہ کی نمازوں میں اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ سورت کا آغاز حروف مقطعات میں سے حرف قیٰ سے کیا گیا ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ اسی حرف کے نام پر سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

آیاتھا ۲۵ ۵۰ سُوْرَةُ ق مَكِّيَّةٌ ۲۴ رُكُوْعَاتُهَا ۲

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ ۝۱ بَلْ عَجَبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ  
هٰذَا شَيْءٌ عَجِیْبٌ ۝۲ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۙ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ ۝۳ قَدْ عَلِمْنَا  
مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۙ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۝۴

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ق، قرآن مجید کی قسم! (ان کافروں نے پیغمبر کو کسی دلیل کی وجہ سے نہیں جھٹلایا) ﴿۱﴾ بلکہ انہوں نے  
اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ کوئی (آخرت سے) ڈرانے والا خود انہی میں سے (کیسے)  
آگیا، چنانچہ ان کافروں نے یہ کہا ہے کہ: ”یہ تو بڑی عجیب بات ہے، ﴿۲﴾ بھلا کیا جب ہم مر کھپ  
جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے، (اُس وقت ہمیں پھر زندہ کیا جائے گا؟) یہ واپسی تو ہماری سمجھ سے  
دور ہے۔“ ﴿۳﴾ واقعہ تو یہ ہے کہ زمین ان کے جن حصوں کو (کھا کر) گھٹا دیتی ہے، ہمیں اُن کا  
پورا علم ہے، ﴿۱﴾ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سب کچھ محفوظ رکھتی ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿۴﴾

(۱) یہ اس بات کا جواب ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو، پھر ہمارے جسم کے وہ حصے دوبارہ کیسے جمع ہوں  
گے جن کو مٹی کھا چکی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تمہارے جسم کے جن جن حصوں کو مٹی کھاتی ہے، اُن سب کا  
ہمیں پورا پورا علم ہے، اس لئے ان کو دوبارہ بحال کر دینا ہمارے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

(۲) اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍ ۝ اَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّائِ  
فَوْقَهُمْ كَيْفَ بُنِيَ سَمَاءُ رَبِّهِمْ هَا وَمَا لَهُم مِّنْ فُرُوجٍ ۝ وَالْأَرْضُ مَدَدُ لَهَا وَالْأَقْيُنَا  
فِيهَا رَاوِاسِي وَانْتَبِثْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ تَبَصَّرَ لَا وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ  
مُّنِيبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَبْتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝  
وَالنَّخْلُ بَسُقَتِ لَهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ۝ رَزَقْنَا لِلْعِبَادِ ۝ وَاحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا  
كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ۝

دراصل انہوں نے سچ کو اُسی وقت جھٹلادیا تھا جب وہ ان کے پاس آیا تھا، چنانچہ وہ متضاد باتوں میں  
پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۵﴾ بھلا کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے کیسے بنایا  
ہے؟ اور ہم نے اُسے خوبصورتی بخشی ہے، اور اُس میں کسی قسم کے رخنے نہیں ہیں، ﴿۶﴾ اور زمین  
ہے کہ ہم نے اُسے پھیلا دیا ہے، اور اُس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے ہیں، اور اُس میں ہر طرح  
کی خوشنما چیزیں اُگائی ہیں، ﴿۷﴾ تاکہ وہ اللہ سے لو لگانے والے ہر بندے کے لئے بصیرت اور  
نصیحت کا سامان ہو، ﴿۸﴾ اور ہم نے آسمان سے برکتوں والا پانی اُتارا، پھر اُس کے ذریعے  
باغات اور وہ اناج کے دانے اُگائے جن کی کٹائی ہوتی ہے، ﴿۹﴾ اور کھجور کے اونچے اونچے  
درخت جن میں تہہ بر تہہ خوشے ہوتے ہیں! ﴿۱۰﴾ تاکہ ہم بندوں کو رزق عطا کریں، اور (اس  
طرح) ہم نے اُس پانی سے ایک مردہ پڑے ہوئے شہر کو زندگی دے دی۔ بس اسی طرح (انسانوں  
کا قبروں سے) اٹکنا بھی ہوگا۔ ﴿۱۱﴾

(۳) یعنی کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، کبھی کہتے ہیں کہ یہ کاہنوں کی باتیں ہیں، کبھی قرآن کریم کو شاعری قرار  
دیتے ہیں، اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) دیوانہ ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔

(۴) جس طرح ایک مردہ پڑی ہوئی زمین کو اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے زندگی عطا کر دیتے ہیں کہ اُس میں

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۝ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطَ ۝ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۝ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ۝ أَفَعَيَّيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَهَلْ لَّعَدُ خَلْقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسُّوْسُ بِهِ نَفْسُهُ ۗ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝

ان سے پہلے نوح کی قوم اور اصحاب الرس اور ثمود کے لوگوں نے بھی (اس بات کو) جھٹلایا تھا، ﴿۱۲﴾ نیز قوم عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے بھی، ﴿۱۳﴾ اور اصحاب الايكة اور تبع کی قوم نے بھی۔ ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا، اس لئے میں نے جس عذاب سے ڈرایا تھا، وہ سچ ہو کر رہا۔ ﴿۱۴﴾ بھلا کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے تھے؟ نہیں! لیکن یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اُس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں، اُن (تک) سے ہم خوب واقف ہیں، اور ہم اُس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں، ﴿۱۶﴾

ڈالے ہوئے بیج سے طرح طرح کی سبزیاں، پھل اور اناج وجود میں آجاتا ہے، اسی طرح جو لوگ قبروں میں مٹی ہو چکے ہیں اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نئی زندگی دینے پر قادر ہیں۔

(۵) کسی بھی چیز کو پہلی بار پیدا کرنا یعنی اُسے عدم سے وجود میں لانا ہمیشہ زیادہ مشکل ہوتا ہے، یہ نسبت اس کے کہ اُسے دوبارہ ویسا ہی بنا دیا جائے۔ جب اللہ تعالیٰ کو پہلی بار پیدا کرنے میں کوئی دشواری یا تھکن لاحق نہیں ہوئی تو دوبارہ پیدا کرنے میں کیوں کوئی مشکل ہوگی؟

اِذْ يَتَلَفَّى الثَّتَالَيْنِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٤﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٥﴾ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٦﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ﴿١٧﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿١٨﴾

اُس وقت بھی جب (اعمال کو) لکھنے والے دو فرشتے لکھ رہے ہوتے ہیں، ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ ﴿۱۷﴾ انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اُس پر ایک نگران مقرر ہوتا ہے، ہر وقت (لکھنے کے لئے) تیار! ﴿۱۸﴾ اور موت کی سختی سچ مچ آنے ہی والی ہے۔ (اے انسان!) یہ وہ چیز ہے جس سے تو بدگستاخا۔ ﴿۱۹﴾ اور صور پھونکا جانے والا ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جس سے ڈرایا جاتا تھا۔ ﴿۲۰﴾ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اُس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا، اور ایک گواہی دینے والا۔ ﴿۲۱﴾

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے تمام اچھے بُرے کاموں کو ریکارڈ کرنے کے لئے دو فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو ہر وقت اُس کے دائیں اور بائیں موجود ہوتے ہیں، لیکن یہ انتظام صرف اس لئے کیا گیا ہے تاکہ انسان کے اعمال نامے کو قیامت کے دن خود اُس کے سامنے حجت کے طور پر پیش کیا جاسکے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو انسان کے اعمال جاننے کے لئے کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر انسان کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات تک سے خوب واقف ہیں، اور انسان کی شبہ رگ سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں۔ (الترجمة مبنیة علی ان "اِذْ" ظرف لـ "اَقْرَبُ" کما فی روح المعانی)۔

(۷) یعنی جب قبروں سے نکل کر انسان میدانِ حشر کی طرف جائیں گے تو دو فرشتے ہر ایک کے ساتھ ہوں گے، اُن میں سے ایک تو انہیں میدانِ حشر کی طرف ہانک کر لے جائے گا، اور ایک فرشتہ اس لئے ہوگا کہ وہ حساب و کتاب کے وقت اُس کے اعمال کی گواہی دے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو دنیا میں اُس کا اعمال نامہ لکھا کرتے تھے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾  
 وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ اَلْقِيََا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾  
 مِّنَّا يُلَخِّيرُ مُعْتَدٍ مَّرِيْبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقِيهِ فِي الْعَذَابِ  
 الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾

حقیقت یہ ہے کہ تو اس واقعے کی طرف سے غفلت میں پڑا ہوا تھا، اب ہم نے تجھ سے وہ پردہ ہٹا دیا ہے جو تجھ پر پڑا ہوا تھا، چنانچہ آج تیری نگاہ خوب تیز ہو گئی ہے۔ ﴿۲۲﴾ اور اُس کا ساتھی کہے گا کہ: ”یہ ہے وہ (اعمال نامہ) جو میرے پاس تیار ہے۔“ ﴿۲۳﴾ (جکم دیا جائے گا کہ) تم دونوں (۹) ہر اُس شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کفر اور حق کا پکا دشمن تھا، ﴿۲۴﴾ جو دوسروں کو بھلائی سے روکنے کا عادی، بے حد زیادتی کرنے والا اور (حق بات میں) شک ڈالنے والا تھا، ﴿۲۵﴾ جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا رکھا تھا۔ لہذا اب تم دونوں اُسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ ﴿۲۶﴾ اُس کا ساتھی (۱۰) کہے گا کہ: ”اے ہمارے پروردگار! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا، بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔“ ﴿۲۷﴾

(۸) ساتھی سے مراد وہی فرشتہ ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہ کر اُس کے اعمال کو لکھا کرتا تھا، اور قبر سے اُس کے ساتھ گواہ بن کر آیا تھا۔

(۹) یعنی اُن دونوں فرشتوں سے کہا جائے گا جو اُس کے ساتھ آئے تھے۔

(۱۰) یہاں ساتھی سے مراد شیطان ہے، کیونکہ وہ بھی ہر وقت انسان کو بہکانے کے لئے اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ کافر لوگ چاہیں گے کہ اپنے حصے کی سزا یہ کہہ کر اپنے سرداروں پر اور خاص طور سے شیطان پر ڈالیں کہ اس نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اُس کے جواب میں شیطان یہ کہے گا کہ میں نے گمراہ نہیں کیا، کیونکہ مجھے کوئی ایسا اختیار نہیں تھا کہ اسے زبردستی گمراہی کے راستے پر ڈالوں، زیادہ سے زیادہ میں نے انہیں ترغیب دی تھی، گمراہی میں تو یہ خود اپنے اختیار سے پڑا تھا۔ شیطان کے اس جواب کی تفصیل سورۃ ابراہیم (۲۲: ۱۳) میں ملاحظہ فرمائیے۔



قَالَ لَا تَخْصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ۝ مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلَ  
 ۱۲ ۱۳ عَ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝ يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأَتْ وَتَقُولُ هَلْ  
 مِنْ مَّزِيدٍ ۝ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝ هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ  
 أَوَّابٍ حَفِيفٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ۝ ادْخُلُوهَا  
 بِسَلَامٍ ۝ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝

اللہ تعالیٰ کہے گا کہ: ”تم میرے سامنے جھگڑے نہ کرو، اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس عذاب کی  
 دھمکی بھیج چکا تھا۔ ﴿۲۸﴾ میرے سامنے وہ بات بدلی نہیں جاسکتی، اور میں بندوں پر کوئی ظلم کرنے  
 والا نہیں ہوں۔“ ﴿۲۹﴾

وہ وقت (یاد رکھو) جب ہم جہنم سے کہیں گے کہ: ”کیا تو بھر گئی؟“ اور وہ کہے گی کہ: ”کیا کچھ  
 اور بھی ہے؟“ ﴿۳۰﴾ اور پرہیزگاروں کے لئے جنت اتنی قریب کر دی جائے گی کہ کچھ بھی دُور  
 نہیں رہے گی۔ ﴿۳۱﴾ (اور کہا جائے گا کہ:) ”یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ  
 وہ ہر اُس شخص کے لئے ہے جو اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے ہو، (اور) اپنی نگرانی رکھنے والا  
 ہو، ﴿۳۲﴾ جو خدائے رحمن سے اُسے دیکھے بغیر ڈرتا ہو، اور اللہ کی طرف رُجوع ہونے والا  
 دل لے کر آئے۔ ﴿۳۳﴾ تم سب اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔“ وہ دن ابدی زندگی کا  
 دن ہوگا۔ ﴿۳۴﴾

(۱۱) یعنی جو بات اُس دھمکی میں کہی گئی تھی کہ کفر اختیار کرنے والا اور کفر کی ترغیب دینے والا دونوں جہنم کے  
 مستحق ہیں۔

(۱۲) یعنی جہنم یہ کہے گی کہ میں اور لوگوں کو بھی لینے کے لئے تیار ہوں۔

(۱۳) اس بات کی نگرانی کہ میرا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ  
 مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ۖ هَلْ مِنْ مَّجِيصٍ ﴿٣٦﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ  
 كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
 وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۖ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ﴿٣٨﴾

ان (جنتیوں) کو وہ سب کچھ ملے گا جو وہاں وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس کچھ اور زیادہ  
 بھی ہے۔ ﴿۳۵﴾

اور ان (مکہ کے کافروں) سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کی طاقت پر گرفت ان  
 سے زیادہ سخت تھی، چنانچہ انہوں نے سارے شہر چھان مارے تھے۔ ﴿۳۶﴾ کیا اُن کے لئے بھاگنے کی  
 کوئی جگہ تھی؟ ﴿۳۶﴾ یقیناً اس میں اُس شخص کے لئے بڑی نصیحت کا سامان ہے جس کے پاس دل  
 ہو، یا جو حاضر و ماغ بن کر کان دھرے۔ ﴿۳۷﴾ اور ہم نے سارے آسمانوں اور زمین کو اور اُن  
 کے درمیان کی چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا، اور ہمیں ذرا سی تھکاوٹ بھی چھو کر نہیں گذری۔ ﴿۳۸﴾

(۱۴) جنت کی نعمتوں کی کچھ اجمالی جھلک تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں بیان فرمائی ہے، لیکن  
 جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت میں وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی  
 کان نے سنی نہیں، اور کسی شخص کے دل میں اُس کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ یہاں بڑے بلیغ انداز میں اللہ تعالیٰ  
 نے اُن نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہمارے پاس کچھ اور زیادہ بھی ہے۔ انہی نعمتوں میں  
 سے ایک عظیم نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہے۔ مزید دیکھئے سورہ یونس (۲۶:۱۰)۔

(۱۵) یعنی اُن کی خوش حالی کا عالم یہ تھا کہ وہ تجارت اور سیاحت کے لئے شہر شہر گھومتے تھے۔ اور اس کا ایک  
 مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے عذاب سے بچنے کے لئے مختلف بستیوں میں بہت ہاتھ پاؤں مارے،  
 لیکن عذاب الہی سے بچ نہیں سکے۔

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ  
الْعُرُوبِ ۖ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۝۴۰ وَاسْتَغْفِرْ يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادُ  
مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝۴۱ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝۴۲  
إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝۴۳

لہذا (اے پیغمبر!) جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں، تم اُس پر صبر کرو، اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، سورج نکلنے سے پہلے بھی، اور سورج ڈوبنے سے پہلے بھی۔ ﴿۳۹﴾ اور رات کے حصوں میں بھی اُس کی تسبیح کرو، اور سجدوں کے بعد بھی۔ ﴿۴۰﴾ اور ذرا توجہ سے سنو! جس دن ایک پکارنے والا ایک قریبی جگہ سے پکارے گا، ﴿۴۱﴾ جس دن لوگ سچ مچ اُس پکار کی آواز سنیں گے، وہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔ ﴿۴۲﴾ یقین رکھو ہم ہی ہیں جو زندگی بھی دیتے ہیں، اور موت بھی، اور آخر کار سب کو ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے، ﴿۴۳﴾

(۱۶) تسبیح سے یہاں مراد نماز ہے۔ چنانچہ طلوع آفتاب سے پہلے کے الفاظ میں نماز فجر، غروب سے پہلے کے الفاظ میں ظہر اور عصر کی نمازیں داخل ہیں، اور رات کے حصوں میں تسبیح کرنے کے الفاظ میں مغرب، عشاء اور تہجد کی نمازیں۔

(۱۷) سجدوں سے مراد فرض نمازیں ہیں، اور اُن کے بعد تسبیح کرنے سے مراد نفلی نمازیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے (روح المعانی)۔

(۱۸) یعنی اُس منادی کی آواز ہر شخص کو بہت قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوگی۔ بظاہر یہ منادی حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے جو مژدوں کو قبروں سے نکلنے کے لئے آواز دیں گے۔  
(۱۹) اس سے مراد وہی منادی کی پکار بھی ہو سکتی ہے، اور صورت پھونکنے کی آواز بھی۔

يَوْمَ تَشْقَىٰ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۳۴﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا  
يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ۚ ﴿۳۵﴾

اُس دن جب زمین پھٹ کر ان کو اس طرح باہر کر دے گی کہ وہ جلدی جلدی نکل رہے ہوں گے۔  
اس طرح سب کو جمع کر لینا ہمارے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۳۴﴾ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، ہمیں  
خوب معلوم ہے، اور (اے پیغمبر!) تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔ لہذا قرآن کے ذریعے  
ہر اُس شخص کو نصیحت کرتے رہو جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔ ﴿۳۵﴾

(۲۰) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو زبردستی  
ایمان لانے پر مجبور کریں۔ آپ کا فریضہ صرف یہ ہے کہ نصیحت کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔ جس کے دل  
میں کچھ خدا کا خوف ہوگا، وہ آپ کی بات مان لے گا، اور جو نہ مانے، اُس کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

الحمد للہ! سورۃ ق کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بتاریخ ۲۹ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۸ مارچ  
۲۰۰۸ء کو کراچی میں عشاء سے ذرا پہلے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر  
اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ خدمت کی توفیق  
عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الذَّرِّيَّاتِ

## تعارف

یہاں سے سورۃ حدید (سورت نمبر ۵۷) تک، سورۃ رحمن کے سوا، تمام سورتیں ملکی ہیں، اور ان سب کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد کی تعلیم، اور خاص طور پر آخرت کی زندگی، جنت اور دوزخ کے حالات اور پچھلی قوموں کے عبرت ناک انجام کا نہایت فصیح و بلیغ اور انتہائی مؤثر تذکرہ ہے۔ اس تاثیر کو کسی بھی ترجمے کے ذریعے کسی اور زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے، لیکن ترجمے کے ذریعے ان کے مفہوم کو کسی درجے میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ ان تمام سورتوں کے مضامین ایک جیسے ہیں، اس لئے سورۃ واقعہ تک ہر سورت کا الگ تعارف نہیں دیا گیا۔

آیاتھا ۶۰ ۵۱ سُورَةُ الدَّرِيتِ مَكِّيَّةٌ ۶۷ رُكُوعَاتُهَا ۳

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالَّذِیْتَ ذَمَّرُوْا ۱۱ فَالْحَبْلِیْتُ وَقُرَّا ۱۲ فَالْجَرِیْتُ یُسْرًا ۱۳ فَالْمَقْسِیْتُ اَمْرًا ۱۴  
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۱۵ وَاِنَّ الدَّرِیْنَ لَوَاقِعٌ ۱۶ وَالسَّاءِ ذَاتِ الْحُبْلِ ۱۷  
اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۱۸ یُّوْفِّكُ عَنْهُ مِنْ اُفْكَ ۱۹

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ساٹھ آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو گرد اڑا کر بکھیر دیتی ہیں، ﴿۱﴾ پھر اُن کی جو (بادلوں کا) بوجھ اٹھاتی  
ہیں، ﴿۲﴾ پھر اُن کی جو آسانی سے رواں دواں ہو جاتی ہیں، ﴿۳﴾ پھر اُن کی جو چیزیں تقسیم  
کرتی ہیں، ﴿۴﴾ کہ جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے، وہ یقینی طور پر سچا ہے، ﴿۵﴾ اور اعمال کا بدلہ  
یقیناً مل کر رہے گا۔ ﴿۶﴾ قسم ہے راستوں والے آسمان کی، ﴿۷﴾ کہ تم متضاد باتوں میں  
پڑے ہوئے ہو، ﴿۸﴾ اس (آخرت کی حقیقت) سے وہی منہ موڑتا ہے جو حق سے بالکل ہی مڑا  
ہوا ہے۔ ﴿۹﴾

(۱) یہاں دو باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی  
ضرورت نہیں ہے، وہ اس بات سے بے نیاز ہے کہ اپنی کسی بات پر قسم کھائے، البتہ قرآن کریم میں بہت سے  
مقامات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قسمیں کھائی گئی ہیں، وہ کلام میں فصاحت و بلاغت کا زور پیدا کرنے کے  
لئے آئی ہیں، اور بسا اوقات اُن میں یہ پہلو بھی مد نظر ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جا رہی ہے، اگر اُس پر غور کیا  
جائے تو وہ اُس بات کی دلیل اور گواہ ہوتی ہے جو قسم کے بعد مذکور ہے۔ چنانچہ یہاں قسم کے بعد جو بات بیان  
فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، اور جزا و سزا کا فیصلہ ضرور ہوگا۔ اور قسم اُن ہواؤں کی کھائی گئی  
ہے جو گرد اڑاتی ہیں، اور بادلوں کا بوجھ اٹھا کر انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، اور جب وہ برستے



ہیں تو اُن کا پانی مردہ زمین میں رزق کا سامان پیدا کر کے انہیں مخلوقات میں تقسیم کرتا ہے، اور ان مخلوقات کے لئے نئی زندگی کا باعث بنتا ہے۔ ان کی قسم کھا کر اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ ان ہواؤں اور ان کے نتیجے میں برسنے والے پانی کو نئی زندگی کا ذریعہ بناتا ہے، وہ یقیناً اس بات پر قادر ہے کہ مردہ انسانوں کو دوسری زندگی عطا فرمادے۔

یہ تشریح اس بات پر مبنی ہے کہ جن چار چیزوں کی یہاں قسم کھائی گئی ہے، اُن سب سے مراد ہوائیں ہیں، اور ان کی چار مختلف صفات ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ان آیتوں کی ایک اور تفسیر یہ منقول ہے کہ پہلی صفت یعنی گرد اُڑانا تو ہواؤں سے متعلق ہے، اور دوسری صفت سے مراد خود بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اور تیسری صفت سے مراد کشتیاں ہیں جو پانی میں رواں دواں رہتی ہیں، اور چوتھی صفت سے مراد فرشتے ہیں جو مخلوقات میں رزق وغیرہ تقسیم کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ تفسیر ایک روایت میں خود حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، لیکن اس روایت کے بارے میں علامہ بیہقیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ایک ضعیف راوی ابو بکر ابن ابی سبرہ سے مروی ہے جو متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج: ۷ ص: ۲۴۴ و ۲۴۵ کتاب التفسیر حدیث نمبر: ۱۱۳۶۵) تاہم چونکہ اس تفسیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نسبت ہے، اس لئے بہت سے مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور ہم نے جو ترجمہ کیا ہے، اگر اُس میں سے قوسین والے الفاظ کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس ترجمے میں اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے۔ اس تفسیر کے مطابق ان قسموں سے آخرت کا تعلق بظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضروریات پوری کرنے کے یہ انتظامات بے مقصد نہیں فرمائے۔ اس سارے نظام کا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو جو لوگ ٹھیک ٹھیک استعمال کریں، انہیں ان کی نیکی کا انعام دیا جائے، اور جو لوگ غلط استعمال کریں، انہیں سزا دی جائے، لہذا کائنات کی یہ ساری چیزیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ کوئی ایسا دن آئے جس میں انعام اور سزا کا یہ فیصلہ ہو۔

(۲) یہاں راستوں سے مراد بظاہر وہ راستے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن فرشتوں کی آمد و رفت اُن راستوں سے ہوتی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آسمان کا لفظ بعض اوقات ہر اُوپر والی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے، اور یہاں اُوپر کی وہ فضا مراد ہے جس میں ستاروں کے متعین راستے بنے ہوئے ہیں۔

(۳) یعنی ایک طرف اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا خالق مانتے ہو، اور دوسری طرف اُس کی یہ قدرت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو کہ وہ مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ زندگی دے سکتا ہے۔

(۴) جو شخص حق کی طلب رکھتا ہو، اُس کے لئے آخرت کو ماننا ہرگز مشکل نہیں ہے، لیکن اس حقیقت سے وہی انکار کرتا ہے جو حق کی طلب رکھنے کے بجائے اُس سے برگشتہ ہو۔

قَتَلَ الْخَاصُّونَ ۝۱۰ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ۝۱۱ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ  
 الدِّينِ ۝۱۲ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۝۱۳ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ۝۱۴ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ  
 تَسْتَعْجِلُونَ ۝۱۵ إِنَّ الْمُسْتَقِيمِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝۱۶ اخْذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۝۱۷  
 إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ۝۱۸ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝۱۹  
 وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝۲۰ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝۲۱

خدا کی مار ہو ان پر جو (عقیدے کے معاملے میں) انکل بچوں باتیں بنایا کرتے ہیں، ﴿۱۰﴾ جو غفلت میں ایسے ڈوبے ہیں کہ سب کچھ بھلائے بیٹھے ہیں۔ ﴿۱۱﴾ پوچھتے ہیں کہ: ”جزا و سزا کا دن کب ہوگا؟“ ﴿۱۲﴾ اُس دن ہوگا جب انہیں آگ پر تپایا جائے گا! ﴿۱۳﴾ کہ چکھومزہ اپنی شرارت کا! یہی ہے وہ چیز جس کے بارے میں تم یہ مطالبے کرتے تھے کہ وہ جلدی آجائے! ﴿۱۴﴾ متقی لوگ بیشک باغوں اور چشموں میں اس طرح رہیں گے ﴿۱۵﴾ کہ اُن کا پروردگار انہیں جو کچھ دے گا، اُسے وصول کر رہے ہوں گے۔ وہ لوگ اس سے پہلے ہی نیک عمل کرنے والے تھے، ﴿۱۶﴾ وہ رات کے وقت کم سوتے تھے، ﴿۱۷﴾ اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے، ﴿۱۸﴾ اور اُن کے مال و دولت میں سائلوں اور محروم لوگوں کا (باقاعدہ) حق ہوتا تھا۔ ﴿۱۹﴾

(۵) یہ سوال حقیقت جاننے کے لئے نہیں، بلکہ اُس کا مذاق اڑانے کے لئے کرتے ہیں۔

(۶) کافر لوگوں کو جب آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آجاتا۔

(۷) یعنی رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارنے کے بعد بھی وہ اپنے اس عمل پر مغرور نہیں ہوتے، بلکہ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے استغفار کرتے ہیں کہ نہ جانے ہماری عبادت میں کون کون سی کوتاہیاں رہ گئی ہوں جن کی وجہ سے وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لائق نہ ہو، اس لئے آخر میں استغفار کرتے ہیں۔

(۸) سائل سے مراد تو وہ حاجت مند ہے جو زبان سے اپنی ضرورت کا اظہار کر دے، اور محروم سے مراد وہ ہے جو

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۱۰ وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ ۝۱۱ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۱۲ وَفِی السَّمٰوٰتِ  
 رِزْقُكُمْ وَمَا تُعَدُّوْنَ ۝۱۳ فَوَرَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهُ لَحَقُّ مِّثْلِ مَا اَنْتُمْ  
 عَلٰی ۝۱۴ تَنَظُّقُوْنَ ۝۱۵ هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثٌ ضَیْفِ اِبْرٰهَیْمَ الْمَكْرُمِیْنَ ۝۱۶ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ  
 فَقَالُوْا اَسَلٰمًا ۝۱۷ قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝۱۸

اور اُن کے لئے جو یقین کرنے والے ہوں، زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، ﴿۲۰﴾ اور خود  
 تمہارے اپنے وجود میں بھی! کیا پھر بھی تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ ﴿۲۱﴾ اور آسمان ہی میں تمہارا رِزق  
 بھی ہے، اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۲۲﴾ لہذا آسمان اور زمین کے پروردگار  
 کی قسم! یہ بات یقیناً ایسی ہی سچی ہے جیسے یہ بات کہ تم بولتے ہو۔ ﴿۲۳﴾  
 (اے پیغمبر!) کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کا واقعہ تمہیں پہنچا ہے؟ ﴿۲۴﴾ جب وہ ابراہیم کے  
 پاس آئے، تو انہوں نے سلام کہا۔ ابراہیم نے بھی سلام کہا۔ (اور دل میں سوچا کہ) یہ کچھ انجان  
 لوگ ہیں۔ ﴿۲۵﴾

حاجت مند ہونے کے باوجود کسی سے کچھ مانگنا نہیں۔ اس آیت میں ”حق“ کا لفظ استعمال کر کے بتا دیا گیا ہے  
 کہ انسان ان لوگوں پر زکوٰۃ وغیرہ کی شکل میں جو کچھ خرچ کرتا ہے، وہ کوئی احسان نہیں ہے، بلکہ یہ اُن کا حق ہے  
 جو انہیں پہنچانا ہی چاہئے تھا، کیونکہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور اُس کا یہ حکم ہے کہ اس میں حاجت مند  
 لوگوں کا بھی حصہ ہے۔

(۹) آسمان سے یہاں مراد عالم بالا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے رِزق کے فیصلے بھی آسمان میں ہوتے ہیں،  
 اور تم سے جنت اور دوزخ وغیرہ کا جو وعدہ کیا جا رہا ہے، اُس کا فیصلہ بھی آسمان ہی میں ہوتا ہے۔  
 (۱۰) یعنی جس طرح یہ بات یقینی ہے کہ تم بول رہے ہو، اسی طرح آخرت کی جو بات کہی جا رہی ہے، وہ بھی اتنی  
 ہی یقینی ہے، کیونکہ اس کائنات کے خالق نے بتلائی ہے۔

(۱۱) یہ مہمان درحقیقت فرشتے تھے جو ایک طرف تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی  
 پیدائش کی خوشخبری دینے آئے تھے، اور دوسری طرف حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے

فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعُجْلٍ سَبِينٌ ۖ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۚ  
فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ۚ فَأَقْبَلَتْ  
امْرَأَتُهُ فِي صَرَاقَةٍ فَصَكَتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ مُّعَقِّمٌ ۚ قَالُوا كَذَلِكَ ۚ قَالَ  
رَبُّكَ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۚ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ قَالُوا  
إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۚ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَابًا مِّنْ طِينٍ ۚ  
مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۚ

پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے، اور ایک موٹا سا پتھر اُٹالے آئے، ﴿۲۶﴾ اور اُسے ان  
مہمانوں کے سامنے رکھا۔ کہنے لگے: ”کیا آپ لوگ کھاتے نہیں؟“ ﴿۲۷﴾ اس سے ابراہیم نے  
اُن کی طرف سے اپنے دل میں ڈر محسوس کیا۔ انہوں نے کہا: ”ڈریئے نہیں“ اور انہیں ایک لڑکے کی  
خوشخبری دی جو بڑا عالم ہوگا۔ ﴿۲۸﴾ اس پر اُن کی بیوی زور سے بولتی ہوئی آئیں، اور انہوں نے  
اپنا چہرہ پیٹ لیا، اور کہنے لگیں: ”(کیا) ایک باندھ بڑھیا (بچہ جنے گی؟)“ ﴿۲۹﴾ مہمانوں نے کہا:  
”تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ یقین جانو وہی ہے جو بڑی حکمت کا، بڑے علم کا مالک  
ہے۔“ ﴿۳۰﴾ ابراہیم نے کہا: ”اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تم کس مہم پر ہو؟“ ﴿۳۱﴾ انہوں نے  
کہا: ”ہمیں کچھ مجرم لوگوں کے پاس بھیجا گیا ہے، ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم ان پر پکی مٹی کے پتھر  
برسائیں ﴿۳۳﴾ جن پر حد سے گزرے ہوئے لوگوں کے لئے تمہارے پروردگار کے پاس سے  
خاص نشان بھی لگا ہوگا۔“ ﴿۳۴﴾

لئے بھیجے گئے تھے۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ ہود (۱۱: ۶۹ تا ۸۳) اور سورہ حجر (۵۱: ۱۵ تا ۷۷) میں  
گزر چکا ہے۔

(۱۲) فرشتے چونکہ کچھ کھاتے نہیں ہیں، اس لئے انہوں نے کھانے سے پرہیز کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

فَاُخْرِجْنَا مِنْهَا ۚ فَتَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۚ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَا آيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۚ ﴿۳۷﴾ وَفِيْ مُوسٰى اِذَا اٰمُرُ سُلٰتُهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ سُلٰطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۚ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهِ وَقَالَ سِحْرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنَاهُ وَجُنُوْدَهٗ فَغَبَبْنَاهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلَيَّمٌ ۚ ﴿۴۰﴾ وَفِىْ عَادٍ اِذَا اٰمُرُ سُلٰتُنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحُ الْعَقِيْمَ ۚ ﴿۴۱﴾ مَا تَذٰمُرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالْاَرْمِيْمِ ۚ ﴿۴۲﴾

پھر ہوا یہ کہ اُس بستی میں جو کوئی مؤمن تھا، اُس کو ہم نے وہاں سے نکال لیا، ﴿۳۵﴾ اور اُس میں ایک گھر کے سوا ہم نے کسی اور گھر کو مؤمن نہیں پایا، ﴿۳۶﴾ اور ہم نے اُس بستی میں اُن لوگوں کے لئے (عبرت کی) ایک نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہوں۔ ﴿۳۷﴾ اور موسیٰ (کے واقعے) میں بھی (ہم نے ایسی ہی نشانی چھوڑی تھی) جب ہم نے انہیں ایک کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تھا، ﴿۳۸﴾ تو فرعون نے اپنی قوتِ بازو کے بل پر منہ موڑا، اور کہا کہ: ”یہ جادوگر ہے، یاد دوانہ ہے۔“ ﴿۳۹﴾ چنانچہ ہم نے اُسے اور اُس کے لشکر کو پکڑا اور سب کو سمندر میں پھینک دیا، اور وہ تھا ہی ملامت کے لائق! ﴿۴۰﴾ نیز قومِ عاد میں (بھی ہم نے ایسی ہی نشانی چھوڑی تھی) جب ہم نے اُن پر ایک ایسی آندھی بھیجی جو ہر بہتری سے بانجھ تھی، ﴿۴۱﴾ وہ جس چیز پر بھی گذرتی، اُسے ایسا کر چھوڑتی جیسے وہ گل کر چورا چورا ہو گئی ہو۔ ﴿۴۲﴾

اس علاقے کی عادت کے مطابق یہ سمجھے کہ یہ کوئی دشمن ہیں۔ پھر جب انہوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، اس لئے آیت نمبر ۳۰ میں انہوں نے اسی حیثیت سے اُن سے خطاب فرمایا۔

(۱۳) اس سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام کا گھرانہ ہے۔

(۱۴) یعنی وہ عذاب کی آندھی تھی، اس لئے ہواؤں میں عام طور سے جو فائدے ہوا کرتے ہیں، وہ اُس میں نہیں تھے۔ قومِ عاد کا تعارف سورۃ اعراف (۶۵: ۷) میں اور قومِ ثمود کا تعارف سورۃ اعراف (۷۳: ۷) میں گزر چکا ہے۔

وَفِي شُومٍ اِذْ قِيلَ لَهُمْ تَسْعَوْنَ اَحْثٰ حَيْنٍ ۝۳۱ فَتَعَوْنَ اَمْرًا يَّهْمُهُمْ فَاَخَذَتْهُمُ  
الصَّعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝۳۲ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُتَصِرِينَ ۝۳۳  
قَوْمَ نُوحٍ مِنْ قَبْلُ ۝۳۴ اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝۳۵ وَالسَّاءَ بَيْنُنَا بِأُيُودِنَا ۝۳۶  
لَمُوسِعُونَ ۝۳۷ وَالْاَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْيَهُودُونَ ۝۳۸ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا  
رُوحَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝۳۹

اور شومد میں بھی (ایسی ہی نشانی تھی)، جب اُن سے کہا گیا تھا کہ: ”تھوڑے وقت تک مزے اُڑالو۔“  
(پھر سیدھے نہ ہوئے تو عذاب آئے گا) ﴿۳۳﴾ اس پر بھی انہوں نے اپنے پروردگار کا حکم ماننے  
سے سرکشی اختیار کی تو انہیں کڑکے نے آپکڑا، اور وہ دیکھتے رہ گئے۔ ﴿۳۴﴾ نتیجہ یہ کہ نہ تو اُن میں  
یہ سکت رہی کہ کھڑے ہو سکیں، اور نہ وہ اس قابل تھے کہ اپنا بچاؤ کرتے۔ ﴿۳۵﴾ اور اس سے بھی  
پہلے نوح کی قوم کو بھی ہم نے پکڑ میں لیا تھا۔<sup>(۱۵)</sup> یقیناً جانو وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔ ﴿۳۶﴾  
اور آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا ہے، اور ہم یقیناً وسعت پیدا کرنے والے ہیں۔ ﴿۳۷﴾ اور  
زمین کو ہم نے فرش بنایا ہے، چنانچہ ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں! ﴿۳۸﴾ اور ہر چیز کے ہم نے  
جوڑے پیدا کئے ہیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿۳۹﴾

(۱۵) ان کا تفصیلی واقعہ سورہ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۸) میں گزر چکا ہے۔

(۱۶) اس کا مطلب کچھ مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسا کر لوگوں کے رزق میں وسعت  
پیدا فرماتے ہیں۔ کچھ مفسرین نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ: ”ہماری قدرت بہت وسیع ہے۔“ لیکن اس کے یہ  
معنی بھی ممکن ہیں کہ ہم خود آسمان میں وسعت پیدا کرنے والے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۷) قرآن کریم نے یہ حقیقت کئی جگہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں (نرا اور مادہ جیسے) جوڑے پیدا  
فرمائے ہیں۔ یہ بات پہلے سائنس کو دریافت نہیں ہوئی تھی، لیکن اب سائنس نے بھی اس قرآنی حقیقت کا  
اعتراف کر لیا ہے۔

فَقَرُّوا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۖ  
 إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥١﴾ كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ  
 إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجُنُونٌ ﴿٥٢﴾ أَتَوَاصَوْنَاهُ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٥٣﴾ فَتَوَلَّى  
 عَنْهُمْ فَأَنْتَ بِسُلُومٍ ﴿٥٤﴾ وَذَكَرْنَا لِلَّذِينَ تَتَّبَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾ وَمَا  
 خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِّرَاقٍ وَمَا  
 أُرِيدُ أَنْ يُلْطَعُونِ ﴿٥٧﴾

لہذا دوڑو اللہ کی طرف۔<sup>(۱۸)</sup> یقین جانو، میں اُس کی طرف سے تمہارے لئے صاف صاف خبردار  
 کرنے والا (بن کر آیا) ہوں۔ ﴿۵۰﴾ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بناؤ۔ یقین جانو میں  
 اُس کی طرف سے تمہارے لئے صاف صاف خبردار کرنے والا (بن کر آیا) ہوں۔ ﴿۵۱﴾ اسی  
 طرح ان سے پہلے جو لوگ تھے، اُن کے پاس بھی کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کے بارے میں  
 انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ: ”جادوگر ہے، یا دیوانہ ہے۔“ ﴿۵۲﴾ کیا یہ ایک دوسرے کو اس بات کی  
 وصیت کرتے چلے آئے ہیں؟ نہیں، بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں۔ ﴿۵۳﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم ان  
 سے بے رُخی اختیار کرو، کیونکہ تم قابلِ ملامت نہیں ہو۔ ﴿۵۴﴾ اور نصیحت کرتے رہو، کیونکہ  
 نصیحت ایمان لانے والوں کو فائدہ دیتی ہے۔ ﴿۵۵﴾ اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے  
 سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ ﴿۵۶﴾ میں ان سے کسی قسم کا  
 رِزق نہیں چاہتا، اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ ﴿۵۷﴾

(۱۸) یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے دین پر ایمان لانے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے میں جلدی کرو۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۵۸﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِّثْلَ  
ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ  
الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۶۰﴾

اللہ تو خود ہی رزاق ہے، مستحکم قوت والا! ﴿۵۸﴾ اب تو جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، اُن کی بھی ایسی ہی  
ہاری آئے گی جیسے ان کے (پچھلے) ساتھیوں کی باری آئی تھی، اس لئے وہ مجھ سے جلدی (عذاب  
لانے) کا مطالبہ نہ کریں۔ ﴿۵۹﴾ غرض جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، اُن کی اُس دن کی وجہ  
سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۶۰﴾

الحمد للہ! آج بتاریخ ۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۵ مارچ ۲۰۰۸ء کو بروز ہفتہ  
سورہ ذاریات کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ  
میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق  
مرحمت فرمائیں۔ آمین۔





# سُورَةُ الطُّورِ



﴿۲۹﴾ ایلہا ۵۲ سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ ﴿۲﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَ الطُّورِ ﴿۱﴾ وَ كُتِبَ مُسْطُورًا ﴿۲﴾ فِي رَاقٍ مَّنْشُورٍ ﴿۳﴾ وَ الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ﴿۴﴾ وَ  
السَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ﴿۵﴾ وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ﴿۶﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّالَهُ  
مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَومَرًا ﴿۹﴾ وَ تَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں انچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے کوہ طور کی، ﴿۱﴾ اور اُس کتاب کی جو ایک کھلے ہوئے صحیفے میں لکھی ہوئی ہے ﴿۲ و ۳﴾  
اور قسم ہے بیت معمور کی ﴿۴﴾ اور بلند کی ہوئی چھت کی، ﴿۵﴾ اور بھرے ہوئے سمندر  
کی، ﴿۶﴾ کہ تمہارے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے، ﴿۷﴾ کوئی نہیں ہے جو  
اُسے روک سکے، ﴿۸﴾ جس دن آسمان تھر تھرا کر لرز اٹھے گا، ﴿۹﴾ اور پہاڑ ہولناک طریقے  
سے چل پڑیں گے، ﴿۱۰﴾

(۱) پچھلی سورت کے شروع میں قرآن کریم کی قسموں پر جو حاشیہ ہم نے دیا ہے، اُسے یہاں بھی ملاحظہ فرمالیا  
جائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ پہلے کوہ طور کی جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ  
سے ہم کلام ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تورات عطا فرمائی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں  
نافرمانوں کو عذاب ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ کوہ طور پر جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی، وہ بھی  
اس بات کی گواہ ہے۔ دوسری قسم ایک کتاب کی کھائی گئی ہے جو ایک صحیفے میں لکھی ہوئی ہے۔ اس سے مراد بعض  
مفسرین کے نزدیک تورات ہے، اُس صورت میں اس قسم کا بھی آخرت کے عذاب سے وہی تعلق ہے جو کوہ طور کا  
عرض کیا گیا۔ البتہ بعض مفسرین نے اس سے مراد نامہ اعمال لیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انسانوں

فَوَيْلٌ لِلْيَوْمِينَ لِلْمَكْدِبِينَ ۝۱۱ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۝۱۲ يَوْمَ يُدْعَوْنَ  
إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاً ۝۱۳ هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝۱۴ أَفَسِحْرُ هَذَا أَمْ  
أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ۝۱۵ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا  
تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۱۶ إِنَّ السَّاقِطِينَ فِي جَنَّتٍ وَنَعِيمٍ ۝۱۷

تو اُس دن بڑی خرابی ہوگی اُن کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں، ﴿۱۱﴾ جو بے ہودہ باتوں میں ڈوبے ہوئے  
کھیل رہے ہیں، ﴿۱۲﴾ اُس دن جب انہیں دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا  
جائے گا، ﴿۱۳﴾ (کہ:) ”یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“ ﴿۱۴﴾ بھلا کیا یہ جادو ہے یا  
تمہیں (اب بھی) کچھ نظر نہیں آ رہا؟ ﴿۱۵﴾ داخل ہو جاؤ اس میں! پھر تم صبر کرو، یا نہ کرو، تمہارے  
لئے برابر ہے۔ تمہیں انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔“ ﴿۱۶﴾ متقی لوگ بیشک  
باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے، ﴿۱۷﴾

کا جو نامہ اعمال ہر آن لکھا جا رہا ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ کبھی وقت حساب و کتاب ہوگا، اور نافرمانوں کو  
اُن کے اعمال کی سزا ملے گی۔ تیسری قسم بیت معمور کی کھائی گئی ہے۔ یہ عالم بالا میں ایک ایسا ہی گھر ہے جیسا دُنیا  
میں بیت اللہ ہے۔ عالم بالا کا یہ گھر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے۔ اس کی قسم کھا کر اشارہ فرمایا گیا ہے کہ فرشتے  
اگرچہ انسانوں کی طرح مکلف نہیں، لیکن وہ پھر بھی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ انسان تو مکلف اسی لئے  
بنایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور اگر نہیں کرے گا تو سزا کے لائق ہوگا۔ چوتھی قسم اُونچی چھت  
یعنی آسمان کی اور پانچویں قسم بھرے ہوئے سمندر کی کھائی گئی ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر جزا و سزا نہ ہو  
تو اس کائنات کا جس کے اوپر آسمان اور نیچے سمندر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، پیدا کرنے کا کوئی  
مقصد نہیں رہتا، نیز یہ کہ جو ذات اتنی عظیم چیزیں پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ یقیناً انسانوں کو دوسری زندگی  
دینے پر بھی قادر ہے۔

فَلِكَيْبِنَ بِمَا آتَاهُم رَّبُّهُمْ ۖ وَوَقِهِم رَّبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كَلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا  
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَكِبِينَ عَلَى سُبُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عَدِينَ ﴿٢٠﴾ وَ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْهُمْ مِنْ  
عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۖ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾ وَأَمَدَدْنَاهُمْ بِمَا كِهَتْ  
وَلَحِمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَعَفَ فِيهَا وَلَا تَأْنِيهِمْ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ  
عَلَيْهِمْ غُلَامٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُلُؤْلُؤُ مَكْنُونٌ ﴿٢٤﴾

اُن کے پروردگار نے انہیں جس طرح نوازا اور اُن کے پروردگار ہی نے انہیں دوزخ کے  
عذاب سے جس طرح بچایا، اُس کا لطف اُٹھا رہے ہوں گے۔ ﴿۱۸﴾ (اُن سے کہا جائے گا  
کہ:) ”خوب مزے سے کھاؤ پیو، اُن اعمال کے صلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔“ ﴿۱۹﴾ وہ ایک  
قطار میں لگی ہوئی اونچی نشیمنوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی  
حوروں سے اُن کا بیاہ کر دیں گے۔ ﴿۲۰﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اُن کی اولاد نے بھی  
ایمان میں اُن کی پیروی کی ہے، تو اُن کی اولاد کو ہم انہی کے ساتھ شامل کر دیں گے، اور اُن کے  
عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے۔ ﴿۲۱﴾ ہر انسان کی جان اپنی کمائی کے بدلے رہن رکھی ہوئی  
ہے۔ ﴿۲۲﴾ اور ہم انہیں ایک کے بعد ایک پھل اور گوشت، جو بھی اُن کا دل چاہے گا، دیئے  
چلے جائیں گے۔ ﴿۲۳﴾ وہاں وہ ایسے جام شراب پر (دوستانہ) چھینا جھپٹی کر رہے ہوں گے جس  
میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی، اور نہ کوئی گناہ ہوگا۔ ﴿۲۴﴾ اور ان کے ارد گرد وہ نوجوان پھر رہے  
ہوں گے جو انہی (کی خدمت) کے لئے مخصوص ہوں گے، ایسے (خوبصورت) جیسے چھپا کر  
رکھے ہوئے موتی! ﴿۲۵﴾

(۲) یہ ترجمہ اس تفسیر پر مبنی ہے جو علامہ آلوسیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے: ”وَوَقِهِم رَّبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ“

عطف علی ... آتاهم ان جعلت ما مصدریۃ، ای فاکھمین بایتناہم ربہم ووقایتہم عذاب الجحیم۔“

(۳) یعنی نیک لوگوں کی اولاد اگر مؤمن ہو تو اگرچہ وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے جنت میں اُس اُونچے درجے کی مستحق نہ ہو جو اُس کے والد کو ملا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ والد کو خوش کرنے کے لئے اولاد کو بھی وہی درجہ دے دیں گے، اور والد کے درجے میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۴) ”رہن“ اُس سامان کو کہتے ہیں جو کسی اُدھار دینے والے نے اپنے اُدھار کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر مقروض سے لے کر اپنے پاس رکھ لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، وہ انسان کے پاس اُدھار ہیں۔ یہ اُدھار اُسی صورت میں اُتر سکتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان صلاحیتوں کو استعمال کرے جس کا مظاہرہ دُنیا میں ایمان لانے اور نیک عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ اس اُدھار کے لئے ہر انسان کی جان اس طرح رہن رکھی ہوئی ہے کہ اگر وہ ایمان اور نیک عمل کے ذریعے اپنا اُدھار اُتار دے گا تو آخرت میں اُس کی جان کو آزادی حاصل ہوگی، اور وہ جنت میں اطمینان سے خوش حالی کے ساتھ رہے گا، اور اگر اُس نے یہ قرض نہ اُتارا تو پھر اُس کو دوزخ میں قید رہنا ہوگا۔ اس فقرے کو یہاں لانے کا مطلب یہ ہے کہ جن ایمان والوں کے متعلق اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اُنہیں ثواب ملے گا، اور اُن کی مؤمن اولاد بھی اُن کے ساتھ ہوگی، اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کر کے اپنا اُدھار اُتار دیا، اور اپنی جان کو آزاد کرالیا ہے، لیکن اگر کسی کی اولاد مؤمن ہی نہ ہو تو اُسے اپنے ماں باپ کا ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا، کیونکہ اُس نے وہ مطالبہ پورا نہیں کیا جس کے لئے اُس کی جان رہن رکھی ہوئی تھی۔ اس لئے اُسے دوزخ میں جا کر قید رہنا ہوگا۔ نیز اس فقرے کا یہاں ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ باپ کی نیکی کی وجہ سے اُس کی مؤمن اولاد کا درجہ تو بڑھا دیا جائے گا، لیکن اولاد کی بد عملی کی کوئی سزا باپ کو نہیں ملے گی، کیونکہ ہر شخص کی جان خود اپنی کمائی کے لئے رہن ہے، دوسرے کی کمائی کے لئے نہیں۔

(۵) چھینا چھٹی سے مراد وہ چھینا چھٹی ہے جو بے تکلف دوستوں میں کسی لذیذ چیز سے لطف لینے کے لئے ہوا کرتی ہے اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ مجلس کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اُس جام شراب میں اُس طرح کی بے ہودگی یا گناہ کی کوئی بات نہیں ہوگی جو دُنیا کے شرایوں میں پائی جاتی ہے۔ اُس شراب میں وہ نشہ ہی نہیں ہوگا جو انسان کو بے ہودگیوں پر آمادہ کر دے۔

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾  
 فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَدْنَا عَذَابَ السَّوْمِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ  
 الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكَرْنَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ عَٔ  
 يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ  
 الْمُنْتَرَبِينَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَاءُهُمْ بِهَذَا أَمْرُهُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر حالات پوچھیں گے، ﴿۲۵﴾ کہیں گے کہ: ”ہم پہلے جب  
 اپنے گھر والوں (یعنی دنیا) میں تھے تو ڈرے بہے رہتے تھے، ﴿۲۶﴾ آخر اللہ نے ہم پر بڑا احسان  
 فرمایا، اور ہمیں جھلسانے والی ہوا کے عذاب سے بچالیا۔ ﴿۲۷﴾ ہم اس سے پہلے اُس سے  
 دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی ہے جو بڑا احسن، بہت مہربان ہے۔“ ﴿۲۸﴾  
 لہذا (اے پیغمبر!) تم نصیحت کرتے رہو، کیونکہ تم اپنے پروردگار کے فضل سے نہ کاہن ہو، نہ  
 مجنون۔ ﴿۲۹﴾ بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ: ”یہ صاحب شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم زمانے کی  
 گردش کا انتظار کر رہے ہیں۔“؟ ﴿۳۰﴾ کہہ دو کہ: ”کر لو انتظار! میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا  
 ہوں۔“ ﴿۳۱﴾ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی کچھ کرنے کو کہتی ہیں، یا وہ ہیں ہی سرکش لوگ؟ ﴿۳۲﴾

(۶) عربی لغت کے اعتبار سے اس جملے کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”یہ صاحب شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم  
 موت کے حادثے کا انتظار کر رہے ہیں۔“ علامہ سیوطی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ قریش کے کچھ لیڈروں نے  
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا تھا کہ یہ تو ایک شاعر ہیں، اور جس طرح دوسرے شاعر ہلاک  
 ہو گئے، اور ان کی شاعری بھی اُنہی کے ساتھ دفن ہو گئی، اُسی طرح یہ بھی انتقال کر جائیں گے تو پھر ان کی باتیں  
 انہی کے ساتھ ختم ہو جائیں گی۔ اُس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔

(۷) یعنی یہ لوگ تو بڑے عقل کے دعوے دار ہیں، کیا ان کی عقلوں کا یہی حال ہے کہ انہیں بالکل سامنے کی باتیں  
 بھی سمجھ میں نہیں آتیں، اور وہ اس قسم کی بے ہودہ باتیں کرتے رہتے ہیں؟ یا پھر حق بات ان کی عقل میں تو آ جاتی  
 ہے، لیکن اپنی سرکشی کی وجہ سے اُسے مانتے نہیں ہیں؟



أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاثُوا بِحَدِيثِ مَثَلَةٍ إِنْ كَانُوا  
صَادِقِينَ ﴿۳۴﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخُلُقُونَ ﴿۳۵﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضَ ۚ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُضْطَرُونَ ﴿۳۷﴾  
أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَعِينُونَ فِيهِ ۚ فَلْيَأْتِ مُسْتَعِينُهُمْ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿۳۸﴾

ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”ان صاحب نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟“ نہیں! بلکہ یہ (ضد میں)  
ایمان نہیں لا رہے۔ ﴿۳۳﴾ اگر یہ واقعی سچے ہیں تو اس جیسا کوئی کلام (گھڑ کر) لے  
آئیں۔ ﴿۳۴﴾ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے آپ سے آپ پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود (اپنے) خالق  
ہیں؟ ﴿۳۵﴾ یا کیا آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کئے ہیں؟ نہیں! بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ  
یقین نہیں رکھتے۔ ﴿۳۶﴾ کیا تمہارے پروردگار کے خزانے ان کے پاس ہیں، یا وہ داروغہ بنے  
ہوئے ہیں؟ ﴿۳۷﴾ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر یہ (عالم بالا کی باتیں) سن لیتے  
ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان میں سے جو سنتا ہو، وہ کوئی واضح ثبوت تولائے۔ ﴿۳۸﴾

(۸) یہ چیلنج قرآن کریم نے کئی مقامات پر دیا ہے کہ اگر تم قرآن کریم کو گھڑا ہوا کلام کہتے ہو، تو تم لوگوں میں  
بڑے بڑے ادیب، شاعر اور فصیح و بلیغ لوگ موجود ہیں، وہ سب مل کر قرآن کریم جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔  
(دیکھئے سورہ بقرہ ۲: ۲۳، سورہ یونس ۱۰: ۳۸، سورہ ہود ۱۱: ۱۳ اور سورہ بنی اسرائیل ۱۷: ۸۸) لیکن اس کھلے چیلنج  
کو قبول کرنے کے لئے ان میں سے کوئی آگے نہیں بڑھا۔

(۹) مکہ مکرمہ کے کافر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو مکہ مکرمہ یا طائف کے کسی بڑے  
سردار کو پیغمبر کیوں نہیں بنایا گیا؟ (دیکھئے سورہ زخرف ۴۳: ۳۱) اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت  
کے خزانے، جن میں کسی کو پیغمبر بنانے کا اختیار بھی شامل ہے، اُن کی خواہشات کے تابع ہیں کہ وہ جسے چاہیں  
اُسے پیغمبر بنا دیا جائے؟

(۱۰) مشرکین مکہ بہت سے ایسے عقیدے رکھتے تھے جن کا تعلق عالم بالا سے تھا، مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد  
کے لئے چھوٹے چھوٹے بہت سے خداؤں کو اختیار دے رکھا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا، نیز

أَمَلَهُ الْبُتُّ وَلَكُمْ الْبُتُونُ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿٤١﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۖ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾ وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿٤٤﴾

کیا اللہ کے حصے میں تو بیٹیاں ہیں، اور بیٹے تمہارے حصے میں آئے ہیں؟ ﴿۳۹﴾ اور کیا تم ان سے کوئی اجرت مانگ رہے ہو جس کی وجہ سے یہ تاوان کے بوجھ میں دبے جا رہے ہیں؟ ﴿۴۰﴾ یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ لیتے ہوں؟ ﴿۴۱﴾ کیا یہ کوئی مکر کرنا چاہتے ہیں؟ تو درحقیقت جو کافر ہیں، مکر تو انہی پر پڑے گا۔ ﴿۴۲﴾ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں! ﴿۴۳﴾ اور اگر یہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتے ہوئے بھی دیکھ لیں تو یہ کہیں گے کہ یہ کوئی گہرا بادل ہے۔ ﴿۴۴﴾

یہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے اسی عقیدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عالم بالا کی یہ باتیں آخر کہاں سے تمہیں معلوم ہوئی ہیں؟ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر تم وہاں کی یہ معلومات حاصل کرتے ہو؟

(۱۱) مشرکین کے جن عقائد کا ذکر پچھلے حاشیہ میں کیا گیا ہے، وہ سب عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جس کی باتیں انہوں نے لکھ کر محفوظ کر رکھی ہوں؟

(۱۲) اس سے ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف کیا کرتے تھے۔

(۱۳) مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نئے نئے معجزات دکھانے کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، مثلاً یہ کہ آسمان سے کوئی ٹکڑا ہمیں توڑ کر دکھائیے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان سارے مطالبات کا مقصد حق کی طلب نہیں ہے، بلکہ محض ضد اور عناد ہے، اور اگر ان کو ایسا کوئی معجزہ دکھا بھی دیا جائے تو یہ پھر بھی نہیں مانیں گے، اور یہ کہہ دیں گے کہ یہ آسمان کا ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ کوئی گہرا بادل ہے۔

فَدَرُّهُمْ حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٣٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٦﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا بَآدُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٣٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٣٩﴾

لہذا (اے پیغمبر!) تم انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو، یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن سے جا ملیں جس میں ان کے ہوش جاتے رہیں گے، ﴿۳۵﴾ جس دن ان کی مکاری ان کے کچھ کام نہیں آئے گی، اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔ ﴿۳۶﴾ اور اس سے پہلے بھی ان ظالموں کے لئے ایک عذاب ہے، <sup>(۱۳)</sup> لیکن ان میں سے اکثر لوگوں کو پتہ نہیں ہے۔ ﴿۳۷﴾ اور تم اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہو، کیونکہ تم ہماری نگاہوں میں ہو، اور جب تم اٹھتے ہو، اُس وقت اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کیا کرو، ﴿۳۸﴾ اور کچھ رات کو بھی اُس کی تسبیح کرو، اور اُس وقت بھی جب ستارے ڈوبتے ہیں۔ ﴿۳۹﴾ <sup>(۱۴)</sup>

(۱۳) یعنی آخرت میں دوزخ کا جو عذاب ہونے والا ہے، اُس سے پہلے دُنیا میں بھی ان کافروں کو سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے جنگ بدر وغیرہ میں مارے گئے، اور آخر کار جزیرہ عرب میں ان کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں رہی۔

(۱۵) یہ بڑی پیار بھری تسبیح ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جا رہی ہے کہ آپ اپنے کام میں لگے رہئے، ہم ہر آن آپ کی نگرانی اور حفاظت کر رہے ہیں۔

(۱۶) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ تہجد کے لئے اٹھیں، اُس وقت تسبیح فرمائیں، اور یہ بھی کہ جب آپ اپنی کسی مجلس سے اٹھیں تو تسبیح پر اُس کا اختتام ہونا چاہئے، چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کسی مجلس کے آخر میں اگر ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ“ پڑھ لیا جائے تو یہ

اُس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے، (ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۲۱۶) یعنی اگر اُس مجلس میں دینی اعتبار سے کوئی بھول چوک یا غلطی ہو گئی ہو، تو اُس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

(۱۷) اس سے مراد سحری کا وقت یا فجر کا وقت ہے جب ستارے غائب ہونے لگتے ہیں۔

الحمد للہ! سورہ طور کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۱ مارچ ۲۰۰۸ء کو کراچی سے قاہرہ جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



# سُورَةُ النِّحْلِ

## تعارف

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو آپ نے علی الاعلان ایسے مجمع میں پڑھ کر سنائی جس میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔ نیز یہ پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، اور جس وقت آپ نے سجدے کی آیت اُس مجمع کے سامنے تلاوت فرمائی تو یہ حیرت انگیز واقعہ پیش آیا کہ آپ نے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے تو سجدہ کیا ہی تھا، اُس وقت جو مشرکین موجود تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ غالباً اس سورت کے پُر شکوہ اور مؤثر مضامین نے انہیں بھی مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس سورت کا اصل موضوع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا ہے، اور یہ کہ جو وحی آپ پر نازل ہوتی ہے، وہ کسی شک و شبہ کے بغیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ حقیقت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں دیکھا ہے، ان میں سے ایک اُس وقت دیکھا جب آپ معراج پر تشریف لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات کے ساتھ اس میں مشرکین مکہ کے غلط عقائد اور اُن کے بعض بے ہودہ دعوؤں کی تردید بھی ہے اور پچھلی اُمتوں پر نازل ہونے والے عذاب کے حوالے سے انہیں حق کو تسلیم کرنے کی مؤثر دعوت بھی دی گئی ہے۔ ”نجم“ عربی میں ستارے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں ستارے کی قسم کھائی گئی ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورہ نجم ہے۔

آیتھا ۲۲ ۵۳ سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ رُكُوعَاتُهَا ۳

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ② وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ③  
إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ④ عَلَيْهِ شَهِيدٌ الْقَوَىٰ ⑤ ذُو مِرَّةٍ ⑥ فَاسْتَوَىٰ ⑦ وَهُوَ  
بِالْأُنْفِقِ الْأَعْلَىٰ ⑧ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ⑨ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ⑩ فَأَوْحَىٰ  
إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ⑪

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، ﴿۱﴾ (اے مکے کے باشندو!) یہ تمہارے ساتھ رہنے والے  
صاحب نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں، ﴿۲﴾ اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، ﴿۳﴾ یہ تو  
خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے، ﴿۴﴾ انہیں ایک ایسے مضبوط طاقت والے  
(فرشتے) نے تعلیم دی ہے ﴿۵﴾ جو قوت کا حامل ہے۔ چنانچہ وہ سامنے آگیا، ﴿۶﴾ جبکہ وہ بلند  
انفق پر تھا۔ ﴿۷﴾ پھر وہ قریب آیا، اور جھک پڑا، ﴿۸﴾ یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے  
برابر قریب آگیا، ﴿۹﴾ بلکہ اُس سے بھی زیادہ نزدیک۔ ﴿۱۰﴾ اس طرح اللہ کو اپنے بندے پر جو وحی  
نازل فرمائی تھی، وہ نازل فرمائی۔ ﴿۱۱﴾

(۱) ستارے کے گرنے سے مراد اُس کا غائب ہونا ہے۔ جیسا کہ سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، اس سورت  
کا اصل موضوع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا ہے، اس لئے سورت کے شروع میں آپ  
پر نازل ہونے والی وحی کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک قابل اعتماد فرشتہ آپ کے پاس لے کر آتا ہے۔  
شروع میں ستارے کی قسم کھانے سے اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح ستارہ روشنی کی ایک  
علامت ہے، اور عرب کے لوگ اُس سے صحیح راستے کا پتہ لگاتے تھے، اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم



لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت کا پیکر ہیں۔ اس کے علاوہ ستارے کے سفر کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ مقرر فرما دیا ہے، وہ اُس سے بال برابر بھی ادھر اُدھر نہیں ہوتا، اور نہ اُس سے بھٹکتا ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں۔ پھر جب ستارہ غائب ہونے والا ہوتا ہے تو اُس کے ذریعے راستہ زیادہ آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ مسافروں کو اُس کا زبانِ حال سے یہ پیغام ہوتا ہے کہ میں رخصت ہونے والا ہوں، مجھ سے راستہ معلوم کرنے میں جلدی کرو۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں زیادہ عرصے مقیم نہیں رہیں گے، اس لئے آپ سے ہدایت حاصل کرنے والوں کو جلدی کرنی چاہئے۔

(۲) ”تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب“ سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپ کے لئے یہ لفظ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ آپ نے ہمیں باہر سے آ کر نبوت کا دعویٰ نہیں کر دیا، بلکہ وہ شروع سے تمہارے ساتھ رہتے ہیں، اور اُن کی پوری زندگی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے کہ انہوں نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور نہ کبھی کسی کو دھوکا دیا ہے، اس کے برعکس آپ ”صادق“ اور ”امین“ کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ عام زندگی میں تو جھوٹ سے اتنا پرہیز کریں، اور اللہ تعالیٰ پر اتنا بڑا بہتان لگا دیں؟

(۳) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر تشریف لاتے تھے۔ اُن کی طاقت کا خاص طور سے ذکر فرما کر اس بات کی تردید کی گئی ہے جو کافروں کے دل میں آسکتی تھی کہ اگر کوئی فرشتہ ہی وحی لاتا ہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ درمیان میں کوئی شیطانی تصرف نہیں ہوا؟ آیت نے بتا دیا کہ وحی لانے والا فرشتہ اتنا طاقت ور ہے کہ کوئی دوسرا اُسے اپنے مشن سے نہیں ہٹا سکتا۔

(۴) کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو فرشتہ وحی لاتا ہے، وہ انسان ہی کی شکل میں آتا ہے، اس لئے آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ فرشتہ ہی ہے؟ ان آیتوں میں اُس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس فرشتے کو کم از کم دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں بھی دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک واقعے کا اس آیت میں تذکرہ فرمایا گیا ہے، اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ اپنی اصلی صورت میں آپ کے سامنے آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی اصلی صورت میں اُفق پر ظاہر ہوئے، اور آپ نے انہیں دیکھا۔

(۵) یہ عربی زبان کا ایک محاورہ ہے۔ جب دو آدمی آپس میں دوستی کا عہد کرتے تھے تو اپنی کمانیں ایک دوسرے سے ملا لیتے تھے۔ اس وجہ سے جب زیادہ قرب بیان کرنا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آ گئے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۝۱۱ أَفَتُحِبُّونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَى ۝۱۲ وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً  
 أُخْرَى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۝۱۴ عِنْدَ هَاجِئَةِ الْمَأْوَى ۝۱۵ إِذِ يُخَشَى السِّدْرَةَ  
 مَا يُخَشَى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۝۱۷ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۝۱۸

جو کچھ انہوں نے دیکھا، دل نے اُس میں کوئی غلطی نہیں کی۔ ﴿۱۱﴾ کیا پھر بھی تم ان سے اُس چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جسے وہ دیکھتے ہیں؟ ﴿۱۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اُس (فرشتے) کو ایک اور مرتبہ دیکھا ہے، ﴿۱۳﴾ اُس بیر کے درخت کے پاس جس کا نام سدرۃ المنتہی ہے، ﴿۱۴﴾ اُسی کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ ﴿۱۵﴾ اُس وقت اُس بیر کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اُس پر چھائی ہوئی تھیں۔ ﴿۱۶﴾ (پنچبر کی) آنکھ نہ تو چکرائی، اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ ﴿۱۷﴾ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا۔ ﴿۱۸﴾

(۶) یعنی ایسا نہیں ہوا کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہو، دل نے اُس کے سمجھنے میں غلطی کر دی ہو۔

(۷) یہ حضرت جبریل علیہ السلام کو اُن کی اصلی صورت میں دیکھنے کا دوسرا واقعہ ہے جو معراج کے سفر میں پیش آیا۔ اس موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ سدرۃ المنتہی عالم بالا میں ایک بیر کا بہت بڑا درخت ہے، اور اُسی کے پاس جنت واقع ہے جسے ”جنت الماویٰ“ اس لئے کہا گیا ہے کہ ”ماویٰ“ کے معنی ہیں ”ٹھکانا“ اور وہ مؤمنوں کا ٹھکانا ہے۔

(۸) یہ آیت بھی ایک عربی محاورے کے مطابق ہے جس کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ اُس کے صحیح تاثر کے ساتھ بہت مشکل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں اُس بیر کے درخت پر چھائی ہوئی تھیں، وہ بیان سے باہر ہیں۔ احادیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کی جو تشریح فرمائی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت لا تعداد فرشتے سونے کے پروانوں کی شکل میں اس درخت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے تھے۔

(۹) یعنی نہ تو نگاہ نے دیکھنے میں کوئی دھوکا کھایا، اور نہ وہ اُس حد سے آگے بڑھی جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے مقرر فرمادی تھی کہ اُس سے آگے نہ دیکھے۔

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۖ (۱۹) وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةَ الْآخِرَىٰ ۖ أَلَكُمُ الذَّكْرُ وَلَهُ  
 الْأُنثَىٰ ۚ (۲۱) تِلْكَ إِذْ قَسَبَ صَیْبُی (۲۲) إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَبَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَ  
 آبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِمْ سُلْطٰنٌ ۖ إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوٰی  
 الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدٰی (۲۳) أَمَرَ لِلنَّاسِ مَاتَتْهُنَّ (۲۴) فَلِلَّهِ  
 ۝۱۶۳۰ الْآخِرَةُ وَالْأُولٰٓئِ ۝ (۲۵)

بھلا کیا تم نے لات اور عزیٰ (کی حقیقت) پر بھی غور کیا ہے؟ ﴿۱۹﴾ اور اُس ایک اور تیسرے پر جس  
 کا نام منات ہے؟ ﴿۲۰﴾ کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں، اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ ﴿۲۱﴾ پھر تو  
 یہ بڑی بھونڈی تقسیم ہوئی! ﴿۲۲﴾ ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ کچھ نام ہیں جو تم نے اور  
 تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے حق میں کوئی ثبوت نازل نہیں کیا۔ درحقیقت یہ  
 (کافر) لوگ محض وہم و گمان اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے پروردگار کی  
 طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ ﴿۲۳﴾ کیا انسان کو ہر اُس چیز کا حق پہنچتا ہے جس کی وہ  
 تمنا کرے؟ ﴿۲۴﴾ (نہیں!) کیونکہ آخرت اور دنیا تو تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ ﴿۲۵﴾

(۱۰) لات، عزیٰ اور منات تینوں بتوں کے نام ہیں جو عرب کے مختلف قبائل نے مختلف جگہوں پر بنا رکھے تھے،  
 اور اُن کو خدا مان کر اُن کی عبادت کی جاتی تھی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اُن کی حقیقت بے جان پتھروں کے سوا کیا  
 ہے؟ پھر اُن کو خدا ماننا کتنی بڑی جہالت کی بات ہے۔

(۱۱) مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہ اُن کے اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ تم خود تو  
 بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹیاں منسوب کر رکھی ہیں۔

(۱۲) یہ مشرک لوگ اپنے من گھڑت خداؤں کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش  
 کریں گے۔ (دیکھئے سورہ یونس ۱۰: ۱۸) یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ تمہاری تمنا ضرور ہوگی، لیکن انسان کو  
 ہر وہ چیز نہیں ملا کرتی جس کی وہ تمنا کرے۔

وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِّنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ  
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝۲۶ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلَائِكَةَ  
تَسْمِيَةً الْاُنْثٰى ۝۲۷ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۙ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ  
لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝۲۸ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا  
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۲۹ ذٰلِكَ مَبْلَعُهُمْ ۖ مِّنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنۢ ضَلَّ عَنْ  
سَبِيْلِهِ ۗ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنۢ اهْتَدٰى ۝۳۰

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کسی کے کچھ بھی کام نہیں آسکتی، البتہ اس کے بعد  
ہی کام آسکتی ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت دیدے، اور اُس پر راضی ہو جائے۔ ﴿۲۶﴾ جو  
لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ فرشتوں کو زنانے ناموں سے یاد کرتے ہیں، ﴿۲۷﴾ حالانکہ  
انہیں اس بات کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ وہ محض وہم و گمان کے پیچھے چل رہے ہیں، اور حقیقت یہ ہے  
کہ وہم و گمان حق کے معاملے میں بالکل کارآمد نہیں۔ ﴿۲۸﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم ایسے آدمی کی فکر  
نہ کرو جس نے ہماری نصیحت سے منہ موڑ لیا ہے، اور دُنیوی زندگی کے سوا وہ کچھ اور چاہتا ہی  
نہیں۔ ﴿۲۹﴾ ایسے لوگوں کے علم کی پہنچ بس یہیں تک ہے۔ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ  
کون اُس کے راستے سے بھٹک چکا ہے، اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون راہ پا گیا ہے۔ ﴿۳۰﴾

(۱۳) یعنی جب فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت اور مرضی کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتے تو یہ من گھڑت خدا  
کیسے کسی کی سفارش کر سکتے ہیں؟

(۱۴) یعنی انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔

(۱۵) یہ اُن لوگوں پر تبصرہ ہے جو بس اسی دُنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اور آخرت کا انہیں کوئی خیال ہی نہیں  
ہے کہ ان بیچاروں کی رسائی بس یہیں تک ہے، اس سے زیادہ نہیں۔



أَعْنَدَ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَى ۝ أَمَلَمْ يَنْبَأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ۝ وَإِبْرَاهِيمَ  
الَّذِي وَفَّى ۝ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۝ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا  
سَعَى ۝ وَأَنْ سَعِيَهُ سَوْفَ يُرَى ۝ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءُ الْأَوْفَى ۝

کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے جو وہ دیکھ رہا ہو؟ ﴿۳۵﴾ کیا اُسے اُن باتوں کی خبر نہیں ملی جو موسیٰ کے صحیفوں میں درج ہے، ﴿۳۶﴾ اور ابراہیم کے صحیفوں میں بھی، جو مکمل وفادار رہے؟ ﴿۳۷﴾ یعنی یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، ﴿۳۸﴾ اور یہ کہ انسان کو خود اپنی کوشش کے سوا کسی اور چیز کا (بدلہ لینے کا) حق نہیں پہنچتا، ﴿۳۹﴾ اور یہ کہ اُس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی، ﴿۴۰﴾ پھر اُس کا بدلہ اُسے پورا پورا دیا جائے گا، ﴿۴۱﴾

رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ میں آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ دوست نے کہا کہ اگر تم مجھے کچھ پیسے دو تو میں یہ ذمہ داری لیتا ہوں کہ اگر آخرت میں تمہیں عذاب ہونے لگا تو وہ میں اپنے سر لے کر تمہیں بچا لوں گا۔ چنانچہ اُس شخص نے کچھ پیسے دے دیئے۔ کچھ عرصے کے بعد اُس نے مزید پیسے مانگے تو اور دے دیئے، لیکن پھر دینا بند کر دیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک دستاویز لکھ کر دے دی۔ یہ آیات ان دونوں کی حماقت بتا رہی ہیں کہ اول تو جو شخص یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں آخرت کے عذاب سے بچا لوں گا، کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس پر قادر ہوگا؟ دوسرے اللہ تعالیٰ یہ عام قاعدہ بیان فرما رہے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ بات آج پہلی بار نہیں کہی جا رہی، بلکہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام پر جو صحیفے نازل ہوئے تھے، اُن میں بھی لکھ دی گئی تھی۔

(۱۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکمل وفاداری کے تذکرے کے لئے دیکھئے سورہ بقرہ (۲: ۱۲۳)۔

(۲۰) چنانچہ آج بھی بائبل کی کتاب حزقیل میں یہ اصول وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ (دیکھئے حزقی ایل

۲۰: ۱۸)۔

(۲۱) یعنی انسان کو صرف اپنے عمل کے ثواب کا حق پہنچتا ہے، کسی اور کے عمل کا ثواب لینے کا حق نہیں ہے، لیکن

وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُسْتَهْلَىٰ ﴿٣٢﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ  
وَأَحْيَا ﴿٣٤﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ الرُّوحَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٣٥﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٣٦﴾  
وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشَاطَةَ الْخُرَىٰ ﴿٣٧﴾ وَأَنَّهُ هُوَ غَنِيٌّ وَآقِلٌ ﴿٣٨﴾ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ  
السَّعْرَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿٤٠﴾ وَثَمُودَ أَقْمَا أَبْلَىٰ ﴿٤١﴾

اور یہ کہ آخر کار (سب کو) تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے، ﴿۴۲﴾ اور یہ کہ وہی ہے جو  
ہنساتا اور رُلانا ہے، ﴿۴۳﴾ اور یہ کہ وہی ہے جو موت بھی دیتا ہے، اور زندگی بھی، ﴿۴۴﴾ اور یہ  
کہ اُسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے پیدا کئے ہیں ﴿۴۵﴾ (وہ بھی صرف) ایک بوند سے جب وہ  
ٹپکائی جاتی ہے، ﴿۴۶﴾ اور یہ کہ دوسری زندگی دینے کا بھی اُسی نے ذمہ لیا ہے، ﴿۴۷﴾ اور یہ کہ  
وہی ہے جو مال دار بناتا اور دولت کو محفوظ کراتا ہے، ﴿۴۸﴾ اور یہ کہ وہی ہے جو شعری ستارے کا  
پروردگار ہے، ﴿۴۹﴾ اور یہ کہ وہی ہے جس نے پچھلے زمانے کی قوم عاد کو ہلاک کیا، ﴿۵۰﴾ اور  
ثمود کو بھی، اور کسی کو باقی نہ چھوڑا، ﴿۵۱﴾

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اُس کو اُس کے استحقاق کے بغیر کسی اور کے عمل کا ثواب عطا فرما دیں تو یہ اُن کی رحمت ہے  
جس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ کسی دوسرے شخص کو ایصالِ ثواب کیا  
جاسکتا ہے، اور متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے وہ ثواب مُردے کو پہنچاتے ہیں،  
کیونکہ عام طور سے کوئی شخص دوسرے کو اُسی وقت ایصالِ ثواب کرتا ہے جب اُس نے اُس کے ساتھ کوئی نیکی کی  
ہو، یا اور نیک اعمال کئے ہوں۔

(۲۲) نطفہ تو ایک ہی ہوتا ہے، لیکن اُسی سے کبھی نر پیدا ہوتا ہے، اور کبھی مادہ۔ جو اللہ تعالیٰ نطفے کی چھوٹی سی بوند  
میں نر اور مادہ پیدا کرنے کے لئے الگ الگ خصوصیات پیدا فرماتا ہے، کیا وہ اُسی نر اور مادہ کو موت کے بعد  
دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں ہے؟

(۲۳) شعریٰ ایک ستارے کا نام ہے، جاہلیت میں عرب لوگ اُس کی عبادت کرتے تھے، کیونکہ سمجھتے تھے کہ وہ

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغٰی ﴿۵۲﴾ وَالْمُوتَفِكَةَ أَهْوٰی ﴿۵۳﴾  
 فَغَشَّاهَا مَا غَشَّی ﴿۵۴﴾ فَبَآءَیَّ الْآءِ رَبِّکَ تَتَّبِعَنِی ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النَّذِیْرِ  
 الْاُولٰٓئِ ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاَزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفِیْنِ هٰذَا  
 الْحَدِیْثِ تَعْجِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَصْحٰکُوْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰیِدُوْنَ ﴿۶۱﴾  
 فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

۱۲  
 السجدة ۱۲

اور اس سے پہلے نوح کی قوم کو بھی (ہلاک کیا)۔ بیشک وہ سب سے زیادہ ظالم اور سرکش تھے۔ ﴿۵۲﴾ اور جو بستیاں اونڈھی گری تھیں، اُن کو بھی اُسی نے اُٹھا پھینکا تھا، ﴿۵۳﴾ پھر جس (خوفناک) چیز نے اُنہیں ڈھانپا، وہ اُنہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔ ﴿۵۴﴾ لہذا (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں میں شک کرے گا؟ ﴿۵۵﴾ یہ (پیغمبر) بھی پہلے خبردار کرنے والے پیغمبروں کی طرح ایک خبردار کرنے والے ہیں۔ ﴿۵۶﴾ جو گھڑی جلد آنے والی ہے، وہ قریب آ پہنچی ہے، ﴿۵۷﴾ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُسے ہٹا سکے۔ ﴿۵۸﴾ تو کیا تم اسی بات پر حیرت کرتے ہو؟ ﴿۵۹﴾ اور (اُس کا مذاق بنا کر) ہنستے ہو، اور روتے نہیں ہو، ﴿۶۰﴾ جبکہ تم تکبر کے ساتھ کھیل کود میں پڑے ہوئے ہو؟ ﴿۶۱﴾ اب (بھی) جھک جاؤ اللہ کے سامنے، اور اُس کی بندگی کر لو۔ ﴿۶۲﴾

ہمیں کچھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ ستارہ تو ایک مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی اُس کے پروردگار ہیں۔ (۲۴) اس سے مراد اُس قوم کی بستیاں ہیں جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا، اور اُن کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اُن بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ ہود (۱۱: ۷۷-۸۲)۔ (۲۵) یعنی اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تجھے ان عذابوں سے بچا کر جن نعمتوں میں رکھا ہوا ہے، پھر تیری ہدایت



کے لئے یہ قرآن کریم جن مختلف طریقوں سے تجھے متنبہ کر رہا ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس محبت سے تجھے سمجھا کر تجھے عذاب سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان عظیم نعمتوں میں سے کس کس نعمت میں شک کرے گا۔

(۲۶) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اُس پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۵ اپریل ۲۰۰۸ء کو اسلام آباد میں سورہ نجم کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے، جبکہ اس سورت پر کام کا آغاز قاہرہ میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔  
آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْفَتْرِ

## تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں اُس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دکھلایا، اسی لئے اس کا نام سورہ قمر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی، اُس وقت میں بچی تھی، اور کھیلا کرتی تھی۔ سورت کا موضوع دوسری مکی سورتوں کی طرح کفارِ عرب کو توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے، اور اسی ضمن میں عاد و ثمود، حضرت نوح اور حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں اور فرعون کے دردناک انجام کا مختصر لیکن بہت بلیغ انداز میں تذکرہ فرمایا گیا ہے، اور بار بار یہ جملہ دُہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم کو بہت آسان بنا دیا ہے تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

آیتھا ۵۵ ﴿۵۲﴾ سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ ﴿۵۵﴾ رُكُوعَاتُهَا ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۖ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَانْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَبِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا ۖ اَهُوَ آءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ﴿۳﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچپن آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قیامت قریب آگئی ہے، اور چاند پھٹ گیا ہے۔ ﴿۱﴾ اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں، تو منہ موڑ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک چلتا ہوا جادو ہے۔ ﴿۲﴾ انہوں نے حق کو جھٹلایا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل نکلے۔ اور ہر کام کو آخر کسی ٹھکانے پر ٹک کر رہنا ہے۔ ﴿۳﴾

(۱) قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا وہ معجزہ بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک چاندنی رات میں مکہ مکرمہ کے کافروں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھایا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، جن میں سے ایک ٹکڑا پہاڑ کی مشرقی جانب چلا گیا، اور دوسرا مغربی جانب، اور پہاڑ ان کے درمیان آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ: ”لو دیکھ لو!“۔ جب سارے لوگوں نے جو وہاں موجود تھے، یہ حیرت انگیز نظارہ کر لیا تو یہ دونوں ٹکڑے دوبارہ آپس میں مل گئے۔ جو کافر لوگ اُس وقت موجود تھے، وہ اس مشاہدے کا تو انکار نہیں کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے یہ کہا کہ یہ کوئی جادو ہے۔ بعد میں مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والے قافلوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ فرشتہ میں بھی مذکور ہے کہ گوالیار کے راجہ نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔

(۲) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اسی قسم کے جادو مدت سے چلے آ رہے ہیں، اور یہ بھی کہ یہ ایسا جادو ہے جس کا اثر جلدی ہی ختم ہو جائے گا۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام کا ایک انجام ہوتا ہے، لہذا جو کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، اور جو کچھ یہ کافر کر رہے ہیں، اس کا انجام عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ۖ حَكِيمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ التُّذْرُ ۝  
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ نَّكَرٍ ۖ خُشْعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ  
مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُنْتَشِرٌ ۖ مُمْطَعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ  
هَذَا يَوْمُ عَسِرٍ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ  
وَأَرْدُوهُ ۖ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِآءٍ  
مِّنْهُنَّ ۖ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۖ

اور ان لوگوں کو (پچھلی قوموں کے) واقعات کی اتنی خبریں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ کا بڑا سامان تھا، ﴿۴﴾ دل میں اتر جانے والی دانائی کی باتیں تھیں، پھر بھی یہ تنبیہات (ان پر) کچھ کارگر نہیں ہو رہیں۔ ﴿۵﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم بھی ان کی پروا مت کرو۔ ﴿۶﴾ جس دن پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا، ﴿۷﴾ اُس دن یہ اپنی آنکھیں جھکائے قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے جیسے ہر طرف پھیلی ہوئی ٹڈیاں، ﴿۸﴾ دوڑے جارہے ہوں گے اُسی پکارنے والے کی طرف۔ یہی کافر (جو قیامت کا انکار کرتے تھے) کہیں گے کہ یہ تو بہت ہی کٹھن دن ہے۔ ﴿۹﴾ ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا تھا۔ انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا، اور کہا کہ: ”یہ دیوانے ہیں“ اور انہیں دھمکیاں دی گئیں۔ ﴿۱۰﴾ اس پر انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: ”میں بے بس ہو چکا ہوں، اب آپ ہی بدلہ لیجئے۔“ ﴿۱۱﴾ چنانچہ ہم نے ٹوٹ کر برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے، ﴿۱۲﴾ اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا۔ اور اس طرح (دونوں قسم کا) سارا پانی اُس کام کے لئے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا۔ ﴿۱۳﴾

(۴) یعنی آپ چونکہ اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہے ہیں، اس لئے ان کے طرزِ عمل پر زیادہ صدمہ نہ کیجئے۔

(۵) یعنی ایک تو آسمان سے موسلا دھار پانی برسا، اور دوسرے زمین سے پانی اُبلا شروع ہو گیا۔ دونوں طرح

وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسْرٍ ۖ تَجْرِئُ بِأَعْيُنِنَا ۖ جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفْرًا ۝<sup>۱۳</sup>  
 وَلَقَدْ تَرَكُنَا يَوْمَ الْغَوَاةِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝<sup>۱۴</sup> فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ۝<sup>۱۵</sup> وَلَقَدْ يَسَّرْنَا  
 الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝<sup>۱۶</sup> كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ۝<sup>۱۷</sup> إِنَّا  
 أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رَاحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَبِيرٍ ۝<sup>۱۸</sup> تَنْزِعُ النَّاسَ لَأَنفُسِهِمْ  
 أَعْجَازًا نَّخْلٍ مُّنتَقِرٍ ۝<sup>۱۹</sup> فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ۝<sup>۲۰</sup> وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ  
 فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝<sup>۲۱</sup>

۱  
۶۲  
۸

اور نوح کو ہم نے ایک تختوں اور میٹھوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا، ﴿۱۳﴾ جو ہماری نگرانی میں رواں  
 دواں تھی، تاکہ اُس (پیغمبر) کا بدلہ لیا جائے جس کی نافرمانی کی گئی تھی۔ ﴿۱۴﴾ اور حقیقت یہ ہے  
 کہ ہم نے اس کو (عبرت کی) ایک نشانی بنا دیا۔ تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۱۵﴾ اب  
 سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ﴿۱۶﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت  
 حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۱۷﴾

عادی قوم نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا، پھر دیکھ لو کہ میرا عذاب اور میری  
 تنبیہات کیسی تھیں؟ ﴿۱۸﴾ ہم نے ایک مسلسل نحوست کے دن میں اُن پر تیز آندھی والی ہوا چھوڑ دی  
 تھی، ﴿۱۹﴾ جو لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینک دیتی تھی جیسے وہ کھجور کے اکھڑے ہوئے درخت کے تنے  
 ہوں۔ ﴿۲۰﴾ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ﴿۲۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے  
 قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۲۲﴾

کے یہ پانی مل گئے، اور ان سے وہ طوفان آگیا جس میں اس قوم کی تباہی مقدر تھی۔ اس کی پوری تفصیل سورہ ہود  
 (۴۰:۱۱) اور سورہ مؤمنون (۲۳:۲۷) میں گزر چکی ہے۔

(۶) تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ اعراف (۷:۶۵)۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِثْلَنَا وَاحِدًا تَتَّبِعُهُ ۖ إِنَّا إِذْ لَقِيَٰ ضَلِيلٌ وَ  
 سَعِيرٌ ﴿٢٤﴾ أَلَقِيَ الدِّكْرَ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا  
 مِّنَ الْكُذَّابِ الْأَشِرِّ ﴿٢٦﴾ إِنَّا مُرْسَلُونَ لِّلثَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾  
 وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شَرِبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَادَّوَّاصَاجِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ  
 فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ إِنَّا أَمْرٌ سَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيِّحَةً وَاحِدَةً  
 فَكَانُوا كَهَشِيمٍ مُّخْطَرٍ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

ثمود کی قوم نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا۔ ﴿۲۳﴾ چنانچہ کہنے لگے کہ: ”کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک تنہا آدمی کے پیچھے چل پڑیں؟ ایسا کریں گے تو یقیناً ہم بڑی گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔“ ﴿۲۴﴾ بھلا کیا ہم سارے لوگوں کے درمیان یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر نصیحت نازل کی گئی؟ نہیں! بلکہ دراصل یہ پرلے درجے کا جھوٹا شیخی باز شخص ہے۔“ ﴿۲۵﴾ (ہم نے پیغمبر صالح علیہ السلام سے کہا کہ:) ”کل ہی انہیں پتہ چل جائے گا کہ پرلے درجے کا جھوٹا شیخی باز کون تھا؟“ ﴿۲۶﴾ ہم ان کے پاس ان کی آزمائش کے طور پر اُونٹنی بھیج رہے ہیں، اس لئے تم انہیں دیکھتے رہو، اور صبر سے کام لو، ﴿۲۷﴾ اور ان کو بتادو کہ (کنوئیں کا) پانی اُن کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہر پانی کا حق دار اپنی باری میں حاضر ہوگا۔“ ﴿۲۸﴾ پھر انہوں نے اپنے آدمی کو بلایا، چنانچہ اُس نے ہاتھ بڑھایا، اور (اُونٹنی کو) قتل کر ڈالا۔“ ﴿۲۹﴾ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟ ﴿۳۰﴾ ہم نے اُن پر بس ایک ہی چنگھاڑ بھیجی، جس سے وہ ایسے ہو کر رہ گئے جیسے کانٹوں کی روندی ہوئی باڑھ ہوتی ہے۔“ ﴿۳۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۳۲﴾

(۷) یہ اُونٹنی اُنہی کے مطالبے پر پیدا کی گئی تھی، اور اُن سے کہا گیا تھا کہ بستی کے کنوئیں سے ایک دن وہ پانی پئے گی، اور ایک دن بستی والے تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۷: ۷۳) اور اُس کے حواشی۔

(۸) اس آدمی کا نام روايتوں میں قدار آیا ہے۔ اُس نے اُونٹنی کو قتل کیا۔

كَذَبْتَ قَوْمًا لَوْ طِ بِاللُّدْرِ ۝۳۱ اِنَّا اَمْرَسْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّا اَل لُّو طِ ۝ نَجَّيْنَاهُمْ  
 بِسَحَرٍ ۝۳۲ نُّعَمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۝۳۳ وَلَقَدْ اَنْذَرْنَاهُمْ  
 بِطُسْتِنَا فَنَسَاوَا بِاللُّدْرِ ۝۳۴ وَلَقَدْ رَاوْ دُوْكَ عَنْ ضَيْفِهِمْ فَطَسَّنَا اَعْيُنَهُمْ  
 فَذُوْقُوا عَذَابِيْ وَنُذِرِ ۝۳۵ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرًا عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳۶ فَذُوْقُوا عَذَابِيْ  
 وَنُذِرِ ۝۳۷ وَلَقَدْ مَيَّسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِيْ كَرِهَ ۝۳۸ فَهَلْ مِنْ مُّدَّاكِرٍ ۝۳۹

۲  
۱۸

لوط کی قوم نے (بھی) تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلایا۔ ﴿۳۳﴾ ہم نے اُن پر پتھروں کا مینہ برسایا، سوائے لوط کے گھر والوں کے جنہیں ہم نے سحری کے وقت بچا لیا تھا، ﴿۳۴﴾ یہ ہماری طرف سے ایک نعمت تھی۔ جو لوگ شکر گزار ہوتے ہیں، اُن کو ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ اور لوط نے اُن لوگوں کو ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا، لیکن وہ ساری تنبیہات میں مین میکھ نکالتے رہے۔ ﴿۳۶﴾ اور انہوں نے لوط کو اُن کے مہمانوں کے بارے میں پھسلانے کی کوشش کی، جس پر ہم نے اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا کہ: ”چکھو میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزہ! ﴿۳۷﴾ اور صبح سویرے اُن پر ایسا عذاب حملہ آور ہوا جو جم کر رہ گیا ﴿۳۸﴾ کہ: ”چکھو میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزہ!“ ﴿۳۹﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۴۰﴾

(۹) سورہ ہود (۱۱: ۷۸) میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے۔ اُن کی قوم ہم جنسی کی بیماری میں مبتلا تھی، اس لئے انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو اُن کے حوالے کر دیں، اور وہ ان سے اپنی ہوس پوری کریں۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اور اس طرح وہ مہمانوں تک نہ پہنچ سکے (تفسیر الدر المنثور عن قتادة)۔

(۱۰) سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ ان کی بستیاں اُلٹ ڈالی گئی تھیں۔



وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذِيرُ ﴿٣١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كَلْهَافًا خَذَلْنَاهُمْ أَخَذَ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ ﴿٣٢﴾ أَكْفَارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَئِكَ أَمْ لَكُمْ بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٣٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَبِيحٌ مُّتَنَصِّرٌ ﴿٣٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٣٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمَرٌ ﴿٣٦﴾

اور فرعون کے خاندان کے پاس بھی تنبیہات آئیں، ﴿۳۱﴾ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلادیا تھا، اس لئے ہم نے اُن کو ایسی پکڑ میں لیا جیسی ایک زبردست قدرت والے کی پکڑ ہوتی ہے۔ ﴿۳۲﴾

کیا تمہارے یہ کافر لوگ اُن سے اچھے ہیں، یا تمہارے لئے (خدا کی) کتابوں میں کوئی بے گناہی کا پروانہ لکھا ہوا ہے؟ ﴿۳۳﴾ (۱۱) یا ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایسی جمعیت ہیں جو اپنا بچاؤ آپ کر لے گی؟ ﴿۳۴﴾ (۱۲) (حقیقت تو یہ ہے کہ) اس جمعیت کو عنقریب شکست ہو جائے گی، اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ ﴿۳۵﴾ (۱۳) یہی نہیں، بلکہ ان کے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے، اور قیامت اور زیادہ مصیبت اور کہیں زیادہ کڑوی ہوگی۔ ﴿۳۶﴾

(۱۱) پچھلی اُمتوں کے واقعات بیان فرمانے کے بعد مکہ مکرمہ کے کافروں سے کہا جا رہا ہے کہ جن قوموں کو ہلاک کیا گیا ہے، تم میں اُن کے مقابلے میں کوئی اچھائی ہے جس کی بنا پر تمہیں عذاب سے محفوظ رکھا جائے؟ اور کیا تمہارے بارے میں کسی آسمانی کتاب میں کوئی معافی یا بے گناہی کا وعدہ کر لیا گیا ہے؟

(۱۲) جب مکہ مکرمہ کے کافروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا جتھہ بڑا مضبوط ہے، ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

(۱۳) یہ پیشین گوئی اُس وقت کی جا رہی تھی جب مسلمان ان کافروں کے مقابلے میں بہت کمزور تھے، اور خود اپنا

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعْرٍ ۖ (۴۷) يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا نَجْمَ سَقَرٍ ۖ (۴۸) إِنَّ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۖ (۴۹) وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۖ (۵۰) وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ ۖ (۵۱) وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۖ (۵۲) وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ۖ (۵۳) إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ۖ (۵۴) فِي مَقْعَدِ صَدَقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ۖ (۵۵)

۱۵

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجرم لوگ بڑی گمراہی اور بے عقلی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۴۷﴾ جس دن ان کو منہ کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا، (اُس دن انہیں ہوش آئے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ: ”چکھو دوزخ۔ کے چھونے کا مزہ!“ ﴿۴۸﴾ ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ﴿۴۹﴾ اور ہمارا حکم بس ایک ہی مرتبہ آنکھ چھپکنے کی طرح (پورا) ہو جاتا ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور تمہارے ہم مشرب لوگوں کو ہم پہلے ہی ہلاک کر چکے ہیں۔ اب بتاؤ، ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۵۱﴾ اور جو جو کام انہوں نے کئے ہیں، وہ سب اعمال ناموں میں درج ہیں، ﴿۵۲﴾ اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔ ﴿۵۳﴾ (البتہ) جن لوگوں نے تقویٰ کی روش اپنا رکھی ہے، وہ باغات اور نہروں میں ہوں گے، ﴿۵۴﴾ ایک سچی عزت والی نشست میں! — اُس بادشاہ کے پاس جس کے قبضے میں سارا اقتدار ہے! ﴿۵۵﴾

بچاؤ بھی نہیں کر پاتے تھے۔ لیکن دُنیا نے دیکھا کہ یہ خدائی پیشین گوئی جنگِ بدر میں حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں کافروں کے جو بڑے بڑے سردار تھے، سب بدر میں مارے گئے، ستر افراد گرفتار ہوئے، اور باقی بھاگ گئے۔

(۱۴) یہ قومِ مشرکوں کی اُس بات کا جواب ہے جو اوپر آیت نمبر ۲۴ میں ذکر کی گئی تھی۔ چونکہ مکہ مکرمہ کے کافر بھی اسی

جیسی بات کہا کرتے تھے، اس لئے اُن کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔  
 (۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ناپ تول اور ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اس لئے وہ قیامت اُسی وقت آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما رکھا ہے۔

الحمد للہ! سورہ قمر کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج مؤرخہ ۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق  
 ۷ اپریل ۲۰۰۸ء کو لندن میں دودن میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ  
 میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کے کام کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق  
 تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الرَّحْمَنِ

## تعارف

یہ سورت وہ واحد سورت ہے جس میں بیک وقت انسانوں اور جنات دونوں کو صراحت کے ساتھ مخاطب فرمایا گیا ہے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی وہ بیشمار نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں جو اس کائنات میں پھیلی پڑی ہیں، اور بار بار یہ فقرہ دہرایا گیا ہے کہ: ”اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟“ اپنے اسلوب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی یہ ایک منفرد سورت ہے جس کی تاثیر کو کسی اور زبان میں ترجمہ کر کے منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ یہ سورت مکی ہے، یا مدنی۔ عام طور سے قرآن کریم کے نسخوں میں اس کو مدنی قرار دیا گیا ہے، لیکن علامہ قرطبی نے کئی روایتوں کی بنا پر یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔ واللہ اعلم۔

آیتھا ۷۸ ۵۵ سُورَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ۹۷ رُكُوْعَاتُهَا ۳

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الرَّحْمٰنُ ۱ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۴ الشَّمْسُ وَ  
الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۵ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدْنَ ۶

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اٹھتر آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

وہ رحمن ہی ہے ۱ جس نے قرآن کی تعلیم دی۔ ۲ اُسی نے انسان کو پیدا کیا، ۳ اُسی نے اُس کو بات واضح کرنا سکھایا۔ ۴ سورج اور چاند ایک حساب میں جکڑے ہوئے ہیں، ۵ اور بنیلیں اور درخت سب اُس کے آگے سجدہ کرتے ہیں، ۶

(۱) مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے نام ”رحمن“ کو نہیں مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے رحمن کیا ہوتا ہے؟ جیسا کہ سورہ فرقان (۶۰:۲۵) میں گزرا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رحمن کے نام سے ان لوگوں کو جو چڑھتی تھی، وہ اس لئے کہ اگر ہر طرح کی رحمت اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص مان لی جائے تو پھر اُن من گھڑت خداؤں کے حصے میں کچھ نہیں آتا جن سے یہ لوگ اپنی مرادیں مانگا کرتے تھے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کو رحمن مان لینے سے خود بخود اُن کے شرک کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رحمن اُسی اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس کی رحمتوں سے یہ ساری کائنات بھری ہوئی ہے۔ اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو تمہیں رزق، اولاد یا کوئی اور نعمت دے سکے۔ اس لئے عبادت کا حق دار صرف وہی ہے، کوئی اور نہیں۔

(۲) سجدہ حقیقی بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ قرآن کریم نے کئی جگہ یہ فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں کچھ نہ کچھ احساس موجود ہے۔ (دیکھئے سورہ بنی اسرائیل ۱: ۴۴) اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں۔

وَالسَّيِّئَاتِ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۚ ۝۸۰ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝۸۱ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝۸۲ وَالْإِنْسَانُ رَاضٍ وَضَعَهَا لِلْإِنْسَانِ ۝۸۳ فِيهَا فَاكِهَةٌ ۝۸۴ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝۸۵ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝۸۶ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝۸۷ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝۸۸ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝۸۹ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝۹۰ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝۹۱ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝۹۲

اور آسمان کو اُسی نے بلند کیا ہے، اور اُسی نے ترازو قائم کی ہے، ﴿۷۷﴾ کہ تم تولنے میں ظلم نہ کرو۔ ﴿۷۸﴾ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو۔ ﴿۷۹﴾ اور زمین کو اُسی نے ساری مخلوقات کے لئے بنایا ہے، ﴿۸۰﴾ اُسی میں میوے اور کھجور کے گابھوں والے درخت بھی ہیں، ﴿۸۱﴾ اور بھوسے والا غلہ اور خوشبودار پھول بھی۔ ﴿۸۲﴾ (اے انسانو اور جنات!) اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۸۳﴾ اُسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، ﴿۸۴﴾ اور جنات کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا، ﴿۸۵﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۸۶﴾ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا پروردگار وہی ہے۔ ﴿۸۷﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۸۸﴾

(۳) مشرق دراصل اُفق کے اُس حصے کا نام ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے، اور مغرب اُس حصے کا جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔ چونکہ سردی اور گرمی کے موسموں میں مشرق اور مغرب کے یہ حصے بدل جاتے ہیں، اس لئے ان کو دو مشرقوں اور دو مغربوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝۱۹ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۝۲۰ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝۲۱ يُخْرِجُ مِنْهُمَا الْمَوْسُومَ وَالْمُرْجَانِ ۝۲۲ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝۲۳ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝۲۴ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝۲۵ عِوَجَ السَّيْفِ ۝۲۶ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝۲۷ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝۲۸ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝۲۹ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝۳۰

اُسی نے دو سمندروں کو اس طرح چلایا کہ وہ دونوں آپس میں مل جاتے ہیں، ﴿۱۹﴾ (پھر بھی) اُن کے درمیان ایک آڑ ہوتی ہے کہ وہ دونوں اپنی حد سے بڑھتے نہیں۔ ﴿۲۰﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۱﴾ ان دونوں سمندروں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے، ﴿۲۲﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۳﴾ اور اُسی کے قبضے میں وہ جہاز ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اُونچے کھڑے کئے گئے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۵﴾

اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے، ﴿۲۶﴾ اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔ ﴿۲۷﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۲۸﴾ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اُسی سے (اپنی حاجتیں) مانگتے ہیں۔ وہ ہر روز کسی شان میں ہے! ﴿۲۹﴾

(۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ نظارہ دو دریاؤں یا دو سمندروں کے سنگم پر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دونوں دریاؤں یا سمندروں کے پانی ساتھ ساتھ چل رہے ہوتے ہیں، پھر بھی دونوں کے درمیان ایک لکیر جیسی ہوتی ہے جس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ دریا یا سمندر ہیں۔

(۵) یعنی ہر روز اور ہر آن وہ اپنی کائنات کی تدبیر اور اپنی مخلوقات کی حاجت روائی میں اپنی کسی نہ کسی شان یا صفت کا مظاہرہ فرماتا رہتا ہے۔



فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَيْنِ ﴿۳۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الْجِنَّ وَالْإِنْسُ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَنِ ﴿۳۳﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۴﴾

اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۰﴾ اے دو بھاری مخلوق! ہم عنقریب تمہارے (حساب کے) لئے فارغ ہونے والے ہیں۔ ﴿۳۱﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۲﴾ اے انسانوں اور جنات کے گروہ! اگر تم میں یہ بل بوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے پار نکل سکو، تو پار نکل جاؤ۔ تم زبردست طاقت کے بغیر پار نہیں ہو سکو گے۔ ﴿۳۳﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۴﴾

(۶) اصل عربی لفظ ”ثَقَلَان“ ہے جس کے معنی ہیں دو بھاری چیزیں۔ اور اس سے مراد جنات اور انسان ہیں، کیونکہ یہی دو مخلوقات ہیں جنہیں اس کائنات میں عقل و شعور کے علاوہ مکلف بننے کی صلاحیت بخشی گئی ہے۔

(۷) یہاں فارغ ہونا مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ کائنات کے دوسرے امور انجام دے رہے ہیں، اور ابھی حساب لینے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، لیکن وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ حساب کی طرف متوجہ ہوں گے۔ واضح رہے کہ آگے آیت نمبر ۴۴ تک دوزخیوں کے عذاب کا تذکرہ ہے، اور اُس کے ساتھ بھی یہ فقرہ ہر جگہ فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس ہولناک انجام کی جو پہلے سے خبر دے رہا ہے، وہ بذاتِ خود ایک نعمت ہے، اس کو مت جھٹلاؤ، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جھٹلانے کا یہ انجام ہونے والا ہے، کیا اس انجام سے باخبر ہونے کے بعد بھی تم نعمتوں کو جھٹلانے کا رویہ جاری رکھو گے؟

(۸) مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ طاقت نہیں ہے جس کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ کی باز پرس اور عذاب سے بھاگ کر کہیں اور چلے جاؤ۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاْطُ مِّنْ نَّارٍ وَّ نَحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَيَأْتِي الْآءِ رَبَّكُمَا  
تُكْذِبِينَ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَيَأْتِي الْآءِ  
رَبَّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾ فَيَأْتِي الْآءِ  
رَبَّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالْأَوَاصِي وَ  
الْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَيَأْتِي الْآءِ رَبَّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿٤٢﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا  
الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ فِيهَا وَبَيْنَ حَبِيبٍ اِنَّ ﴿٤٤﴾ فَيَأْتِي الْآءِ رَبَّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿٤٥﴾

تم پر آگ کا شعلہ اور تانبے کے رنگ کا دھواں چھوڑا جائے گا، پھر تم اپنا بچاؤ نہیں کر سکو گے۔ ﴿۳۵﴾  
اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۶﴾ غرض (وہ وقت آئے  
گا) جب آسمان پھٹ پڑے گا، اور لال چمڑے کی طرح سرخ گلاب بن جائے گا۔ ﴿۳۷﴾ اب  
بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۳۸﴾ پھر اُس دن نہ کسی انسان  
سے اُس کے گناہ کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور نہ کسی جن سے۔ ﴿۳۹﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں  
اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۰﴾ مجرم لوگوں کو اُن کی علامتوں سے پہچان لیا  
جائے گا، پھر انہیں سر کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا، ﴿۴۱﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے  
پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۲﴾ یہ ہے وہ جہنم جسے یہ مجرم لوگ جھٹلاتے  
تھے! ﴿۴۳﴾ یہ اُسی کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان پکڑ لگائیں گے۔ ﴿۴۴﴾ اب بتاؤ کہ  
تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۵﴾

(۹) یعنی سوال و جواب اور حساب و کتاب کا مرحلہ تو اُس وقت گزر چکا ہوگا جس میں ان لوگوں سے حجت  
قائم کرنے کے لئے سوالات بھی کئے گئے تھے۔ لیکن اب ان کو دوزخ میں ڈالنے کے لئے نہ تو اللہ تعالیٰ کو  
کسی سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہوگی کہ اُس نے کیا گناہ کیا تھا، کیونکہ اُسے خود ہی معلوم ہے، اور نہ فرشتوں

وَلَيْسَ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝<sup>٣٦</sup> ذَوَاتَا أَفْتَانٍ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝<sup>٣٧</sup> فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝<sup>٣٨</sup> فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝<sup>٣٩</sup> مُتَكَبِّرِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَاطِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۖ وَجَنَّاتُ الْجَنَّةِ دَانٍ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝<sup>٤٠</sup> فِيهِنَّ قُصُورَاتُ الْطَّرَفِ ۖ لَمْ يَطْفِئْهُنَّ أُنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جِآنٌ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝<sup>٤١</sup>

اور جو شخص (دنیا میں) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا تھا، اُس کے لئے دو باغ ہوں گے۔ ﴿۴۶﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۷﴾ دونوں باغ شاخوں سے بھرے ہوئے! ﴿۴۸﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۴۹﴾ انہی دو باغوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے، ﴿۵۰﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۱﴾ اُن دونوں میں ہر پھل کے دودو جوڑے ہوں گے، ﴿۵۲﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۳﴾ وہ (جنتی لوگ) ایسے فرشتوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے اُستر دبیز ریشم کے ہوں گے، اور دونوں باغوں کے پھل جھکے پڑ رہے ہوں گے۔ ﴿۵۴﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۵﴾ انہی باغوں میں وہ نیچی نگاہ والیاں ہوں گی جنہیں ان جنتیوں سے پہلے نہ کسی انسان نے کبھی چھوا ہوگا، اور نہ کسی جن نے! ﴿۵۶﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۷﴾

کو ضرورت ہوگی، کیونکہ جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، مجرم لوگ اپنے چہرے کی علامتوں ہی سے پہچان لئے جائیں گے۔

كَانَهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ هَلْ جَزَاءُ  
 الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ وَمِنْ دُونِهَا  
 جَنَّاتٌ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ مُدْهَامَاتٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا  
 تُكَذِّبِينَ ۝ فِيْهِنَّ عَيْنَانِ نَضَّاخَتَيْنِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝ فِيْهِنَّ  
 فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

وہ ایسی ہوں گی جیسے یاقوت اور مرجان! ﴿۵۸﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی  
 نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۵۹﴾ اچھائی کا بدلہ اچھائی کے سوا اور کیا ہے؟ ﴿۶۰﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں  
 اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۱﴾

اور ان دو باغوں سے کچھ کم درجے کے دو باغ اور ہوں گے۔ ﴿۶۲﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے  
 پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۳﴾ دونوں سبزے کی کثرت سے سیاہی کی طرف  
 مائل! ﴿۶۴﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۵﴾ انہی  
 میں دو اُبلتے ہوئے چشمے ہوں گے، ﴿۶۶﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو  
 جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۷﴾ انہی میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے، ﴿۶۸﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں  
 اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۶۹﴾

(۱۰) اکثر مفسرین کے مطابق پہلے (آیت نمبر ۴۶ میں) جن دو باغوں کا ذکر ہوا تھا، وہ اعلیٰ درجے کے مقرب  
 بندوں کے لئے ہیں، جیسا کہ اگلی سورت (سورۃ واقعہ) میں اس کی تفصیل آنے والی ہے، اور اب آیت نمبر ۶۲  
 سے جن دو باغوں کا ذکر ہو رہا ہے، وہ عام مومنوں کے لئے ہیں۔

(۱۱) سبزہ جب خوب گھنا اور گہرا ہو جائے تو وہ دُور سے سیاہی مائل نظر آتا ہے۔ یہ اُسی کیفیت کی طرف  
 اشارہ ہے۔

فِيهِنَّ خَيْرٌ حَسَانٌ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝۴۱ ۚ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي  
 الْخِيَامِ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۖ لَمْ يَطْمِئِنَّ أَنْفُسٌ قَبْلَهُمْ وَ  
 لَا جَانٌّ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۖ مُتَكَبِّرِينَ عَلَى رَأْفَةٍ خُضِرَ  
 عَبَقَرِيُّ حَسَانٌ ۖ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۖ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي  
 الْعِزِّ الْجَلِيلِ وَالْإِكْرَامِ ۝۴۲

انہی میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی، ﴿۷۰﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی  
 کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۱﴾ وہ حوریں جنہیں خیموں میں حفاظت سے رکھا گیا  
 ہوگا! ﴿۷۲﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۳﴾ انہیں  
 ان جنتیوں سے پہلے نہ کسی انسان نے کبھی چھوا ہوگا، اور نہ کسی جن نے۔ ﴿۷۴﴾ اب بتاؤ کہ تم  
 دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۵﴾ وہ (جنتی) سبز زعفران اور عجیب و  
 غریب قسم کے خوبصورت فرش پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۷۶﴾ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے  
 پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿۷۷﴾ بڑا بابرکت نام ہے تمہارے پروردگار کا جو عظمت  
 والا بھی ہے، کرم والا بھی! ﴿۷۸﴾

(۱۲) ان خیموں کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ تفصیل آئی ہے کہ یہ موتی سے بنے ہوئے بہت  
 طویل و غریض خیمے ہوں گے۔

(۱۳) زعفران نقش و نگار والے قالین کو کہتے ہیں۔ یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ جنت کی نعمتوں میں سے جن جن  
 چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اگرچہ دُنیا میں بھی اُن کے وہی نام ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں، لیکن اُن کی  
 حقیقت، اُن کا حسن اور اُن کی لذت دُنیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوگی، کیونکہ صحیح حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ

نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار فرمائی ہیں جو آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں، اور نہ کسی کے دل پر اُن کا خیال گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین۔

الحمد للہ! سورۃ الرحمن کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج بتاریخ یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۹/۱۱/۲۰۰۸ء لندن میں ایک ہی دن میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو قبول فرما کر بندے کی مغفرت کا ذریعہ بنادیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْوَاقِعَةِ



## تعارف

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور کی سورتوں میں سے ہے، اور اس میں معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ پہلے تو قیامت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں، اور بتایا گیا ہے کہ آخرت میں تمام انسان اپنے انجام کے لحاظ سے تین مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کا ہوگا جو ایمان اور عمل صالح کے لحاظ سے اعلیٰ ترین مرتبے کے حامل ہیں، دوسرا گروہ اُن عام مسلمانوں کا ہوگا جنہیں اُن کے اعمال نامے اُن کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، اور تیسرا گروہ اُن کافروں کا ہوگا جن کے اعمال نامے اُن کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ پھر ان تینوں گروہوں کو جن حالات سے سابقہ پیش آئے گا، اُس کی ایک جھلک بڑے مؤثر انداز میں دکھائی گئی ہے۔ اس کے بعد انسان کو خود اُس کے اپنے وجود اور اُن نعمتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اُسی کا شکر بجالا کر اُس کی وحدانیت کا اعتراف کرے، اور توحید پر ایمان لائے۔ پھر آخری رکوع میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان فرماتے ہوئے انسان کو اُس کی موت کا وقت یاد دلایا گیا ہے کہ اُس وقت وہ کتنا ہی بڑا آدمی سمجھا جاتا ہو، نہ تو خود اپنی موت سے چھٹکارا پاسکتا ہے، نہ اپنے کسی محبوب کو موت سے بچا سکتا ہے۔ لہذا جو پروردگار موت اور زندگی کا مالک ہے، وہی مرنے کے بعد بھی انسان کے انجام کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے، اور انسان کا کام یہ ہے کہ اُس کی عظمت کے آگے سر بسجود ہو۔

سورت کی پہلی ہی آیت میں ”واقعہ“ کا لفظ آیا ہے جس سے مراد قیامت کا واقعہ ہے، اور اُسی کے نام پر اس سورت کو سورہ واقعہ کہا جاتا ہے۔

﴿آيَاتُهَا ۹۲﴾ ﴿سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۶﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۳﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۝ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا ۝ فَكَانَتْ هَبَاءً مُتْبِنًا ۝ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝ فَأَصْحَبُ الْيَمِينِ ۝ مَا أَصْحَبُ الْيَمِينِ ۝ وَأَصْحَبُ الشِّمَالِ ۝ مَا أَصْحَبُ الشِّمَالِ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا، ﴿۱﴾ تو اُس کے پیش آنے کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہوگا، ﴿۲﴾ وہ ایک تہہ وبالا کرنے والی چیز ہوگی، ﴿۳﴾ جب زمین ایک بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی، ﴿۴﴾ اور پہاڑوں کو پیس کر چورا کر دیا جائے گا ﴿۵﴾ یہاں تک کہ وہ بکھرا ہوا غبار بن کر رہ جائیں گے، ﴿۶﴾ اور (لوگو!) تم تین قسموں میں بٹ جاؤ گے۔ ﴿۷﴾ چنانچہ جو دائیں ہاتھ والے ہیں، کیا کہنا اُن دائیں ہاتھ والوں کا! ﴿۸﴾ اور جو بائیں ہاتھ والے ہیں، کیا بتائیں وہ بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ ﴿۹﴾

(۱) اس آیت میں قیامت کو واقعہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آج تو یہ کافر لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں، لیکن جب وہ واقعہ پیش آجائے گا تو کوئی اُسے جھٹلا نہیں سکے گا۔

(۲) دائیں ہاتھ والوں سے مراد وہ خوش نصیب مومن ہیں جن کا نامہ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ صاحب ایمان ہیں، اور ان کو جنت نصیب ہونے والی ہے۔

(۳) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اُن کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو اُن کے کفر کی علامت ہوگی۔

وَالسَّيْقُونَ السَّيْقُونَ ۝۱۰ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝۱۱ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝۱۲ ثَلَاثَةٌ مِّنَ  
 الْأَوَّلِينَ ۝۱۳ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝۱۴ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝۱۵ مُّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا  
 مُتَقَابِلِينَ ۝۱۶ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝۱۷ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقٍ وَكَأْسٍ  
 مِّن مَّعِينٍ ۝۱۸ لَا يَصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ۝۱۹ وَفَاكِهَةٍ مَّسَايِخٍ خَيْرُونَ ۝۲۰ وَ  
 لَحْمِ طَيْرٍ مَّأْيُوسَتُهُنَّ ۝۲۱ وَحُورٌ عِينٌ ۝۲۲ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝۲۳ جَزَاءً بِمَا  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۲۴ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝۲۵ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا ۝۲۶

اور جو سبقت لے جانے والے ہیں، وہ تو ہیں ہی سبقت لے جانے والے! ﴿۱۰﴾ وہی ہیں جو اللہ  
 کے خاص مقرب بندے ہیں، ﴿۱۱﴾ وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے، ﴿۱۲﴾ — شروع کے  
 لوگوں میں سے بہت سے، ﴿۱۳﴾ اور بعد کے لوگوں میں سے تھوڑے — ﴿۱۴﴾ سونے کے  
 تاروں سے بنی ہوئی اونچی نشستوں پر ﴿۱۵﴾ ایک دوسرے کے سامنے اُن پر تکیہ لگائے ہوئے! ﴿۱۶﴾  
 سدا رہنے والے لڑکے اُن کے سامنے گردش میں ہوں گے، ﴿۱۷﴾ ایسی شراب کے پیالے، جگ اور  
 جام لے کر ﴿۱۸﴾ جس سے نہ اُن کے سر میں درد ہوگا، اور نہ اُن کے ہوش اڑیں گے، ﴿۱۹﴾ اور وہ  
 پھل لے کر جو وہ پسند کریں، ﴿۲۰﴾ اور پرندوں کا وہ گوشت لے کر جس کو اُن کا دل چاہے! ﴿۲۱﴾  
 اور وہ بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں! ﴿۲۲﴾ ایسی جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی! ﴿۲۳﴾ یہ سب  
 بدلہ ہوگا اُن کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۲۴﴾ وہ اُس جنت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے،  
 اور نہ کوئی گناہ کی بات، ﴿۲۵﴾ ہاں جو بات ہوگی، سلامتی ہی سلامتی کی ہوگی۔ ﴿۲۶﴾

(۴) اس سے مراد انبیائے کرام اور وہ اعلیٰ درجے کے پاکباز حضرات ہیں جنہوں نے تقویٰ کا سب سے اونچا  
 مقام پایا ہوگا۔

(۵) یعنی اس اعلیٰ درجے کے لوگوں میں اکثریت قدیم زمانے کے انبیائے کرام وغیرہ کی ہوگی، اور بعد کے  
 زمانوں میں بھی اگرچہ اس درجے کے لوگ ہوں گے، مگر کم۔

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۖ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۖ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۖ وَ طَلْحٍ  
مَّنْضُودٍ ۖ وَ ظِلٍّ مَّبْدُودٍ ۖ وَ مَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۖ وَ فَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۖ وَ لَا  
مَقْطُوعَةٍ وَ لَا مَمْنُوعَةٍ ۖ وَ فُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۖ إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۖ

اور وہ جو دائیں ہاتھ والے ہوں گے، کیا کہنا اُن دائیں ہاتھ والوں کا! ﴿۲۷﴾ (وہ عیش کریں گے)  
کانٹوں سے پاک بیڑیوں میں! ﴿۲۸﴾ اور اُوپر تلے لدے ہوئے کیلے کے درختوں میں، ﴿۲۹﴾  
اور دُور تک پھیلے ہوئے سائے میں، ﴿۳۰﴾ اور بہتے ہوئے پانی میں، ﴿۳۱﴾ اور ڈھیر سارے پھلوں  
میں ﴿۳۲﴾ جو نہ کبھی ختم ہوں گے، اور نہ اُن پر کوئی روک ٹوک ہوگی، ﴿۳۳﴾ اور اُوچے رکھے  
ہوئے فرشوں میں۔ ﴿۳۴﴾ یقین جانو، ہم نے اُن عورتوں کو نئی اٹھان دی ہے، ﴿۳۵﴾

(۶) جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے، جنت کے پھلوں کے نام تو ہمارے سمجھانے کے لئے وہی ہیں جنہیں ہم  
دُنیا میں جانتے ہیں، لیکن اُن کی کیفیت، اُن کی لذت اور اُن کا حجم ہر چیز یہاں سے کہیں زیادہ خوشنما اور لذیذ  
ہوگی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ پیری کا درخت تو  
عام طور سے تکلیف دہ ہی ہوتا ہے، قرآن کریم نے اُس کا تذکرہ کیسے فرمایا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کانٹوں سے پاک ہوگا؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل  
پیدا فرمائیں گے، اور اُس ایک پھل میں بہتر قسم کے مختلف ذائقے ہوں گے، اور کوئی ذائقہ دوسرے سے ملتا جلتا  
نہیں ہوگا (روح المعانی بحوالہ حاکم و بیہقی، وصححه الحاکم)۔

(۷) جنت کی اونچی نشستوں کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے، انہی نشستوں پر یہ فرش بچھے ہوں گے، اس لئے  
انہیں اُوچے رکھے ہوئے فرشوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۸) قرآن کریم نے ان خواتین کا ذکر بڑے لطیف انداز میں فرمایا ہے کہ بس ضمیر سے اُن کی طرف اشارہ فرمادیا  
ہے، صراحت کے ساتھ نام نہیں لیا۔ اس میں بڑی بلاغت بھی ہے، اور ان خواتین کی پردہ داری بھی۔ بعض  
مفسرین نے اس سے مراد وہ حوریں لی ہیں جو جنتیوں کے لئے خاص طور پر پیدا کی گئی ہیں، یا پیدا کی جائیں گی۔  
اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد نیک لوگوں کی وہ نیک بیویاں ہیں جو دُنیا میں اُن کی شریک حیات  
تھیں۔ آخرت میں اُن کو نئی اٹھان دینے کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں وہ کیسی ہی رہی ہوں، جنت میں انہیں

۱۴ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۖ عُرُبًا أَتْرَابًا ۚ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۖ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأُولَئِينَ ۖ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۖ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ فِي سُومٍ وَحَبِيمٍ ۖ وَظِلٍّ مِّنْ يَّحُومٍ ۖ لَا بَارِدٌ وَلَا كَرِيمٌ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ ۖ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۖ

چنانچہ انہیں کنواریاں بنایا ہے، ﴿۳۶﴾ (شوہروں کے لئے) محبت سے بھری ہوئی، عمر میں برابر! ﴿۳۷﴾ سب کچھ دائیں ہاتھ والوں کے لئے، ﴿۳۸﴾ (جن میں سے) بہت سے شروع کے لوگوں میں سے ہوں گے، ﴿۳۹﴾ اور بہت سے بعد والوں میں سے۔ ﴿۴۰﴾ اور جو بائیں ہاتھ والے ہیں، کیا بتائیں بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ ﴿۴۱﴾ وہ ہوں گے تپتی ہوئی لو میں، اور کھولتے ہوئے پانی میں، ﴿۴۲﴾ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں، ﴿۴۳﴾ جو نہ ٹھنڈا ہوگا، نہ کوئی فائدہ پہنچانے والا۔ ﴿۴۴﴾ یہ لوگ اس سے پہلے بڑے عیش میں تھے، ﴿۴۵﴾ اور بڑے بھاری گناہ پر اڑے رہتے تھے ﴿۴۶﴾

اپنے شوہروں کے لئے بہت خوبصورت بنا دیا جائے گا، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اسی طرح جو خواتین دنیا میں بن بیانی رہ گئی تھیں، انہیں بھی نئی اٹھان دے کر کسی نہ کسی جنتی سے اُن کا نکاح کر دیا جائے گا۔ حدیث کی متعدد روایتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہے، حوروں کو بھی، اور دنیا کی نیک خواتین کو بھی (تفصیل کے لئے دیکھئے روح المعانی)۔

(۹) بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا کنوار پن کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(۱۰) اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی، کیونکہ اپنی ہم عمر کے ساتھ ہی رفاقت کا صحیح لطف حاصل ہوتا ہے، اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ وہ سب آپس میں ہم عمر ہوں گی۔ بعض احادیث میں ہے کہ جنتیوں کی عمر ۳۳ سال کر دی جائے گی جو شباب کی چمکی کا زمانہ ہوتا ہے (ترمذی عن مغاڑ)۔

(۱۱) یعنی اس درجے کے مؤمن پچھلے زمانے کے لوگوں میں سے بھی بہت سے ہوں گے، اور بعد کے زمانوں میں سے بھی بہت سے۔

(۱۲) بڑے بھاری گناہ سے مراد کفر اور شرک ہے۔

وَكَاؤُا يَقُولُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا مَثْنَا وَكُنَّا رَبَّاءُ وَعِظَامَاءُ إِنَّا نَسْبُحُكَ ۝۴۷ أَوَابًا وَنَا  
الْأَوَّلُونَ ۝۴۸ قُلْ إِنْ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝۴۹ لَمَجْمُوعُونَ ۝۵۰ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمِ  
مَعْلُومٍ ۝۵۱ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَتَيْهَا الضَّالُّونَ الْكَذِبُونَ ۝۵۲ لَا كَلْبُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ  
رَقُومٍ ۝۵۳ فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۝۵۴ فَشَرِبُونَ عَلَىٰ الْحَبِيمِ ۝۵۵ فَشَرِبُونَ  
شُرْبَ الْهَيْمِ ۝۵۶ هَذَا نَزَّلْنَاهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝۵۷ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ فَلَوْلَا تَصَدَّقُونَ ۝۵۸  
أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ ۝۵۹ أَلَا أَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۝۶۰

اور کہا کرتے تھے کہ: ”کیا جب ہم مرجائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے، تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟“ ﴿۴۷﴾ اور کیا ہمارے پہلے گذرے ہوئے باپ دادوں کو بھی؟“ ﴿۴۸﴾ کہہ دو کہ: ”یقیناً سب اگلے اور پچھلے لوگ ﴿۴۹﴾ ایک متعین دن کے طے شدہ وقت پر ضرور اکٹھے کئے جائیں گے، ﴿۵۰﴾ پھر اے جھٹلانے والے گمراہو! تم لوگوں کو ﴿۵۱﴾ ایک ایسے درخت میں سے کھانا پڑے گا جس کا نام زقوم ہے، ﴿۵۲﴾ پھر اسی سے پیٹ بھرنے ہوں گے، ﴿۵۳﴾ پھر اُس کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی پینا پڑے گا، ﴿۵۴﴾ اور پینا بھی اس طرح جیسے پیاس کی بیماری والے اُونٹ پیتے ہیں۔“ ﴿۵۵﴾ یہ ہوگی جزا و سزا کے دن ان لوگوں کی مہمانی! ﴿۵۶﴾ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۵۷﴾ ذرا یہ بتلاؤ کہ جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو، ﴿۵۸﴾ کیا اُسے تم پیدا کرتے ہو، یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ﴿۵۹﴾ ﴿۱۵﴾

(۱۳) دوزخ کے اس درخت کا ذکر پیچھے سورۃ صافات (۶۲: ۳۷) اور سورۃ دُخان (۴۳: ۴۴) میں گذر چکا ہے۔

(۱۴) اس سے مراد وہ اُونٹ ہیں جو استقاء کی بیماری کی وجہ سے پیتے چلے جائیں، اور ان کی پیاس نہ بجھے۔

(۱۵) اس سے مراد خود نطفے کی تخلیق بھی ہو سکتی ہے کہ اُسے پیدا کرنے میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے، اور اُس

نَحْنُ قَدْ مَرَّائِيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْرُ بِمَسْبُوقِيْنَ ۝۶۰ عَلَىٰ اَنْ تُبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ  
نُنْشِئُكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْاُولٰٓئِیْ فَلَوْلَا تَذٰكُرُوْنَ ۝۶۲  
اَفَرَاٰیْتُمْ مَّا تَحْرِثُوْنَ ۝۶۳ اَنْتُمْ تَرَ عُرُوْۤنَۤہٗ اَمْرَ نَحْنُ الزَّرْعُوْنَ ۝۶۴

ہم نے ہی تمہارے درمیان موت کے فیصلے کر رکھے ہیں، اور کوئی نہیں ہے جو ہمیں اس بات سے  
عاجز کر سکے ﴿۶۰﴾ کہ ہم تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ لے آئیں، اور تمہیں پھر سے کسی ایسی حالت  
میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے۔ ﴿۶۱﴾ اور تمہیں اپنی پہلی پیدائش کا پورا پتہ ہے، پھر کیوں سبق  
نہیں لیتے؟ ﴿۶۲﴾

اچھا یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم زمین میں بوتے ہو، ﴿۶۳﴾ کیا اُسے تم اُگاتے ہو، یا اُگانے والے  
ہم ہیں؟ ﴿۶۴﴾

نطفے سے جو بچہ پرورش پاتا ہے، اُس کی تخلیق بھی مراد ہو سکتی ہے، کیونکہ نطفے کے اُس قطرے کو کئی مرحلوں سے  
گزار کر انسان کی شکل دینا، اُس میں جان ڈالنا، اور پھر اُسے دیکھنے، سُننے اور سمجھنے کی طاقت عطا فرمانا سوائے اللہ  
تعالیٰ کے کس کا کام ہے؟

(۱۶) یہاں بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، اسی طرح اُسے موت دینا بھی اُسی  
کا کام ہے، اور اُس کے بعد اُس کو کسی بھی ایسی صورت میں دوبارہ پیدا کر دینا بھی اُسی کی قدرت میں ہے جس  
سے اُس کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔

(۱۷) یعنی تم از کم اتنی بات تو تم بھی جانتے ہو کہ تمہاری پہلی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا دخل نہیں تھا،  
پھر اُسی کو تمہارا معبود ماننے، اور اُس کی دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کی تصدیق کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟

(۱۸) یعنی تمہارا کام بس اتنا ہی تو ہے کہ تم زمین میں بیج ڈال دو۔ اس بیج کو پروان چڑھا کر کوئیل کی شکل دینا، اور  
اُسے درخت یا پھٹی بنا دینا اور اس میں تمہارے فائدے کے پھل یا غلے پیدا کرنا کیا تمہارے اپنے بس میں تھا؟  
اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو تمہارے ڈالے ہوئے بیج کو یہاں تک پہنچا دیتا ہے؟

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَنَعْرِمُونَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ  
 مَعْرُومُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ؕ أَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ  
 أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَأَيْتُمْ  
 الثَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ؕ أَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ  
 جَعَلْنَاهَا تَذَكُّرًا وَوَسَاءً لِلْمُتَّقِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

۲  
۱۵  
الواقعة

اگر ہم چاہیں تو اُسے چورا چورا کر ڈالیں، جس پر تم بھونچکے رہ جاؤ ﴿۶۵﴾ کہ ہم پر تو تاوان  
 پڑ گیا، ﴿۶۶﴾ بلکہ ہم ہیں ہی بد نصیب! ﴿۶۷﴾ اچھا یہ بتاؤ کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو، ﴿۶۸﴾ کیا  
 اُسے بادلوں سے تم نے اتارا ہے، یا اُتارنے والے ہم ہیں؟ ﴿۶۹﴾ اگر ہم چاہیں تو اُسے کڑوا  
 بنا کر رکھ دیں، پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟ ﴿۷۰﴾ اچھا یہ بتاؤ کہ یہ آگ جو تم سلاگتے  
 ہو، ﴿۷۱﴾ کیا اُس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے، یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ﴿۷۲﴾ ہم نے ہی  
 اُس کو نصیحت کا سامان اور صحرائی مسافروں کے لئے فائدے کی چیز بنایا ہے۔ ﴿۷۳﴾ لہذا (اے  
 پیغمبر!) تم اپنے عظیم پروردگار کا نام لے کر اُس کی تسبیح کرو۔ ﴿۷۴﴾

(۱۹) اس سے مراد مرغ اور عفار کے درخت ہیں جو عرب میں پائے جاتے تھے، اور ان کی ٹہنیوں کو گرگڑنے سے  
 آگ پیدا ہوتی تھی، اور اہل عرب اس سے چقماق یا ماحس کا کام لیتے تھے۔ اس کا ذکر سورہ یس (۸۰:۳۶) میں  
 بھی گذر چکا ہے۔

(۲۰) نصیحت کا سامان اس لئے کہ اول تو اس پر غور کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کو یاد کرتا ہے کہ اُس نے کس  
 طرح ایک درخت کو آگ پیدا کرنے کا ذریعہ بنادیا، اور دوسرے اس سے دوزخ کی آگ بھی یاد آتی ہے تو اُس  
 سے بچنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اگرچہ یہ درخت سبھی کے لئے آگ جلانے کے کام آتے ہیں، لیکن صحرا میں  
 سفر کرنے والوں کے لئے یہ خاص طور پر بڑی نعمت تھی کہ چلتے چلتے یہ درخت مل جائے، اور مسافر اُس سے اپنی  
 ضرورت پوری کر لے۔ اس لئے مسافروں کا بطور خاص ذکر فرمایا گیا ہے۔



فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْقِعِ النُّجُومِ ۖ ﴿٥٥﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَتَّعْلَبُونَ عَظِيمٌ ۖ ﴿٥٦﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۖ ﴿٥٧﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۖ ﴿٥٨﴾ لَا يَسُوءُ إِلَّا الِطَّهْرُونَ ۖ ﴿٥٩﴾ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۖ ﴿٦٠﴾ أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُذْهِبُونَ ۖ ﴿٦١﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۖ ﴿٦٢﴾ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۖ ﴿٦٣﴾ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۖ ﴿٦٤﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۖ ﴿٦٥﴾ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۖ ﴿٦٦﴾ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ ﴿٦٧﴾

اب میں اُن جگہوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں جہاں ستارے گرتے ہیں، ﴿۵۵﴾ — اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی زبردست قسم ہے — ﴿۵۶﴾ کہ یہ بڑا باوقار قرآن ہے ﴿۵۷﴾ جو ایک محفوظ کتاب میں (پہلے سے) درج ہے، ﴿۵۸﴾ اُس کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو خوب پاک ہیں، ﴿۵۹﴾ یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا جا رہا ہے۔ ﴿۶۰﴾

کیا پھر بھی تم اس کلام سے بے پروائی برتتے ہو؟ ﴿۶۱﴾ اور تم نے اسی کو اپنا روزگار بنا لیا ہے کہ (اس کو) جھٹلاتے رہو؟ ﴿۶۲﴾ پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب (کسی کی) جان گلے تک پہنچ جاتی ہے، ﴿۶۳﴾ اور اُس وقت تم (حسرت سے اُس کو) دیکھ رہے ہوتے ہو، ﴿۶۴﴾ — اور تم سے زیادہ ہم اُس کے قریب ہوتے ہیں، مگر تمہیں نظر نہیں آتا — ﴿۶۵﴾ اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے تو ایسا کیوں نہیں ہوتا ﴿۶۶﴾ کہ تم اُس جان کو واپس لے آؤ، اگر تم سچے ہو؟ ﴿۶۷﴾

(۲۱) یہاں سے قرآن کریم کی حقانیت اور اُس کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کا بیان فرمانا مقصود ہے۔ مکہ مکرمہ کے کافر لوگ بعض اوقات یہ کہا کرتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) دراصل کاہن ہیں، اور یہ قرآن کاہنوں کا کلام ہے۔ کاہنوں کا معاملہ یہ تھا کہ وہ اپنی پیشین گوئیوں میں جنات اور شیطانوں سے مدد لیتے تھے، اور قرآن کریم نے کئی مقامات پر بتلایا ہے کہ شیطانوں کو آسمان کے قریب جا کر وہاں کی باتیں سننے سے روک دیا گیا ہے، اور اگر کوئی شیطان سننے کی کوشش کرتا ہے تو اُس کو شہاب ثاقب سے مار بھگایا جاتا ہے

(دیکھئے سورہ حجر ۱۵: ۱۸ اور سورہ صافات ۷: ۱۰۳) شہابِ ثاقب کو چونکہ عام بول چال میں تارے ٹوٹنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے ستاروں کا ذکر فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو شیاطین سے حفاظت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (دیکھئے سورہ صافات ۷: ۳۷ اور سورہ ملک ۷: ۵۶) لہذا جب جنات اور شیاطین کی آسمان تک رسائی ہی نہیں ہے تو وہ کبھی ایسا مستحکم اور سچا کلام پیش نہیں کر سکتے جیسا قرآن کریم ہے۔ اس مناسبت سے یہاں ستاروں کے گرنے کے مقامات کی قسم کھائی گئی ہے کہ اگر ان کی حقیقت پر غور کرو تو صاف پتہ چل جائے گا کہ قرآن کریم ایسا باوقار کلام ہے جو کوئی کاہن بنا کر نہیں لاسکتا، کیونکہ یہ ستارے اُسے عالم بالا تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔

(۲۲) بیچ میں یہ جملہ معترضہ ہے جس میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھانے کی اہمیت کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ ایک تو اس قسم سے یہ جتایا جا رہا ہے کہ ستارے گرنے کے یہ مقامات خود بتا رہے ہیں کہ کوئی کاہن یہ کلام بنا کر نہیں لایا، دوسرے جس طرح ان ستاروں کا نظام انتہائی مستحکم نظام ہے جس میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بھی نہایت محکم اور ناقابل شکست نظام کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(۲۳) راجح تفسیر کے مطابق اس سے مراد فرشتے ہیں، اور کافروں کے اس اشکال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ہم یہ کیسے یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کسی کی زیادتی کے بغیر اپنی اصلی صورت میں ہمارے پاس پہنچ رہا ہے، اور کسی شیطان وغیرہ نے اس میں کوئی تصرف نہیں کیا؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم لوح محفوظ میں درج ہے، اور اُسے پاک فرشتوں کے سوا کوئی اور چھو بھی نہیں سکتا۔ اگرچہ یہاں ”خوب پاک“ سے مراد فرشتے ہیں، لیکن اس میں ایک اشارہ اس طرف بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عالم بالا میں پاک فرشتے ہی اسے چھوتے ہیں، اسی طرح دُنیا میں بھی انہی لوگوں کو چھونا چاہئے جو پاک حالت میں ہوں۔ چنانچہ احادیث میں قرآن کریم کو بغیر وضو کے چھونے کی ممانعت آئی ہے۔

(۲۴) کافر لوگ قرآن کریم پر ایمان لانے سے جو انکار کرتے تھے، اس کا ایک بڑا حصہ اُن کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیت نمبر ۴۵ میں گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ اب اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ اتنی بات تو تم بھی مانتے ہو کہ اس دُنیا میں جو کوئی آتا ہے، ایک نہ ایک دن اُسے موت ضرور آتی ہے، اور ایسی حالت میں آتی ہے کہ اُس کے عزیز رشتہ دار، دوست احباب اور اُس کے معالج ہر قسم کے جتن کر گزرتے ہیں کہ کسی طرح وہ موت سے بچ جائے، لیکن موت اس طرح آ جاتی ہے کہ وہ سب دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مرنے کے بعد دوسری زندگی میں حساب و کتاب ہونا نہیں ہے تو آخر ہر انسان کسی نہ کسی وقت موت کے منہ میں کیوں جا رہا ہے، اور تم اُس کو موت سے بچانے میں اتنے بے بس کیوں ہو؟ دُنیا میں

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۖ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ۖ ﴿٨٩﴾ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۖ ﴿٩٠﴾ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۖ ﴿٩١﴾ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الصَّالِينَ ۖ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَيْثُ ۖ ﴿٩٣﴾ وَتَصْلِيَةٌ جَهِيمٌ ۖ ﴿٩٤﴾ إِنَّ هَذَا ۖ ﴿٩٥﴾ لَهُوَ حَقٌّ يَّبْقِي ۖ ﴿٩٦﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۖ ﴿٩٧﴾

پھر اگر وہ (مرنے والا) اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو ﴿۸۸﴾ تو (اُس کے لئے) آرام ہی آرام ہے، خوشبو ہی خوشبو ہے، اور نعمتوں سے بھر باغ ہے۔ ﴿۸۹﴾ اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو ﴿۹۰﴾ تو (اُس سے کہا جائے گا کہ:) ”تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے کہ تم دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو۔“ ﴿۹۱﴾ اور اگر وہ اُن گمراہوں میں سے ہو جو حق کو جھٹلانے والے تھے ﴿۹۲﴾ تو (اُس کے لئے) کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہے، ﴿۹۳﴾ اور دوزخ کا داخلہ ہے! ﴿۹۴﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ بالکل صحیح معنی میں یہی یقینی بات ہے۔ ﴿۹۵﴾ لہذا (اے پیغمبر! تم اپنے عظیم پروردگار کا نام لے کر اُس کی تسبیح کرو۔ ﴿۹۶﴾

موت اور زندگی کا جو یہ نظام کارفرما ہے، وہ بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ موت اور زندگی کے مالک نے یہ کائنات اس مقصد کے لئے پیدا کی ہے کہ انسان کو عمر بھر کی مہلت دے کر آخر میں اُس سے حساب لیا جائے کہ اُس نے اس مہلت سے کیا فائدہ اٹھایا؟

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰ اپریل ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ سورہ واقعہ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے قارئین کے لئے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْحَدِيدِ

## تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس موقع پر چونکہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی دشمنی کی کارروائیاں بڑی حد تک دھیمی پڑ گئی تھیں، اور جزیرہ عرب پر مسلمانوں کا تسلط بڑھ رہا تھا، اس لئے اس سورت میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان صفات سے آراستہ کرنے پر زیادہ توجہ دیں جو ان کے دین کو مطلوب ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں پر مغفرت مانگیں، نیز انہیں ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کریں، اور آخرت کی بہبود کو دنیا کے مال و دولت پر ترجیح دیں جس کے نتیجے میں انہیں آخرت میں ایک ایسا نور عطا ہوگا جو انہیں جنت تک لے جائے گا، جبکہ منافق لوگ اس نور سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ سورت کے آخر میں عیسائیوں کو یاد دلایا گیا ہے کہ جو رہبانیت (ترک دنیا) انہوں نے اختیار کی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ دنیا کو بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاؤ، بلکہ یہ تاکید فرمائی تھی کہ اسی دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو، اور تمام حقوق اُسی کی ہدایت کے مطابق ادا کرو۔ نیز عیسائیوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں تو اس کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۲۵ میں لوہے کا ذکر آیا ہے، لوہے کو عربی میں ”حدید“ کہتے ہیں، اس لئے سورت کا نام سورۃ الحدید ہے۔

آیتها ۲۹ ﴿۵۷﴾ سُورَةُ الْحَدِيدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۳ رُكُوعَاتُهَا ۴

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ ۚ يُخَيِّ وَيُيَبِّتُ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ  
وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳﴾

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اُن تیس آیتیں اور چار رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک  
ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے، وہی زندگی بخشا اور  
موت دیتا ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۲﴾ وہی اوّل بھی ہے، اور آخر بھی،  
ظاہر بھی ہے، اور چھپا ہوا بھی، ﴿۳﴾ اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔ ﴿۳﴾

(۱) دیکھئے سورۃ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۴)۔

(۲) اللہ تعالیٰ اوّل اس معنی میں ہے کہ اُس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی، اور وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ وہ آخر اس  
معنی میں ہے کہ جب اس کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی، تو وہ اُس وقت بھی موجود رہے گا۔ وہ ظاہر اس لحاظ  
سے ہے کہ اُس کے وجود، اُس کی قدرت اور اُس کی حکمت کی نشانیاں اس کائنات میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں جو  
اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ موجود ہے، اور چھپا ہوا اس معنی میں ہے کہ یہاں دُنیا میں وہ آنکھوں سے  
نظر نہیں آتا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ  
يَعْلَمُ مَا يَدْجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ  
فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ۱  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ ۲  
يُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ ۳  
وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَحْلِفِينَ فِيهِ ۚ

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر استواء فرمایا۔ (۳) وہ ہر اُس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے، اور جو اُس سے نکلتی ہے، اور ہر اُس چیز کو جو آسمان سے اُترتی ہے، اور جو اُس میں چڑھتی ہے، اور تم جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کام بھی تم کرتے ہو، اللہ اُس کو دیکھتا ہے۔ ﴿۴﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے، اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ ﴿۵﴾ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، (۴) اور وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۶﴾ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھو، اور جس (مال) میں اللہ نے تمہیں قائم مقام بنایا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرو۔

(۳) تشریح کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف (۵۴: ۷)، سورۃ یونس (۱۰: ۳) اور سورۃ رعد (۲: ۱۳) یہی حقیقت قرآن کریم نے سورۃ طہ (۵۲: ۲۰)، سورۃ فرقان (۵۹: ۲۵)، سورۃ تنزیل السجدہ (۴: ۳۲) اور سورۃ حۃ السجدہ (۱۱: ۳۱) میں بھی بیان فرمائی ہے۔

(۴) سورۃ آل عمران (۲: ۳) میں اس کی تشریح گزر چکی ہے۔ مزید دیکھئے سورۃ حج (۶۱: ۲۲)، سورۃ لقمان (۲۹: ۳۱) اور سورۃ فاطر (۱۳: ۳۵)۔

(۵) مال و دولت میں انسان کو قائم مقام بنانے سے دو عظیم حقیقتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مال و

فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ④ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ⑤  
 الرَّسُولُ يَدْعُكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ⑥  
 هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ⑦ وَإِنَّ  
 اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑧

چنانچہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا ہے، اُن کے لئے بڑا اجر ہے۔ ﴿۷﴾ اور تمہارے لئے کوئی وجہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہ رکھو، حالانکہ رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان رکھو، اور وہ تم سے عہد لے چکے ہیں، اگر تم واقعی مومن ہو۔ ﴿۸﴾ اللہ وہی تو ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل فرماتا ہے، تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اور یقیناً جانو اللہ تم پر بہت شفیق، بہت مہربان ہے۔ ﴿۹﴾

دولت، خواہ کسی قسم کا ہو، اصل میں وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، کیونکہ اُس نے اُس کو پیدا فرمایا ہے، البتہ اُس نے انسان کو اُس کی ضروریات پوری کرنے کے لئے عطا فرمایا ہے، اس لئے انسان اُس کی ملکیت میں اللہ تعالیٰ کا قائم مقام ہے، اور جب وہ قائم مقام ہے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اُسے اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی اور اُس کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔ اور دوسری حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان جو دولت کماتا ہے، وہ اُس سے پہلے کسی اور کے قبضے میں تھی، اور اب خریداری، تحفے یا میراث وغیرہ کے ذریعے سے اُس کے پاس آگئی ہے، اس لحاظ سے وہ اپنے سے پچھلے مالک کا قائم مقام یا جانشین ہے۔ اس سے یہ اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح یہ دولت تم سے پہلے مالک کے پاس ہمیشہ نہیں رہی، بلکہ تمہارے پاس منتقل ہوگئی، اسی طرح یہ تمہارے پاس بھی ہمیشہ نہیں رہے گی، بلکہ کسی اور کے پاس چلی جائے گی، اور جب اسے ہمیشہ تمہارے پاس نہیں رہنا، کسی نہ کسی کے پاس جانا ہے تو تمہاری خوش نصیبی یہ ہے کہ اس کو ان لوگوں کی طرف منتقل کرو جنہیں دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(۶) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب کافروں کو ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ خطاب اُن مسلمانوں کو ہے جن کے ایمان میں کسی قدر کمزوری محسوس کی گئی تھی، جس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ سیاق و سباق کے لحاظ سے شاید یہ دوسری تفسیر زیادہ رائج ہے۔



وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتْلُوا ۚ وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنٰى ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝

اور تمہارے لئے کوئی وجہ ہے کہ تم اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو، حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری میراث اللہ ہی کے لئے ہے۔ تم میں سے جنہوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے خرچ کیا، اور لڑائی لڑی، وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں ہیں۔ وہ درجے میں اُن لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا، اور لڑائی لڑی۔<sup>(۷)</sup> یوں اللہ نے بھلائی کا وعدہ ان سب سے کر رکھا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۰﴾

کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض! جس کے نتیجے میں اللہ اُسے دینے والے کے لئے کئی گنا بڑھا دے؟ اور ایسے شخص کو بڑا باعزت اجر ملے گا ﴿۱۱﴾

(۷) فتح مکہ (سن ۸ھ) سے پہلے مسلمانوں کی تعداد اور اُن کے وسائل کم تھے، اور دشمنیاں زیادہ، اس لئے اُس زمانے میں جن حضرات نے جہاد کیا، اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا، اُن کی قربانیاں زیادہ تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ثواب میں بھی اُن کا زیادہ بڑا درجہ رکھا ہے، اور فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی تعداد اور وسائل میں بھی اضافہ ہو گیا تھا، اور دشمنیاں بھی کم ہو گئی تھیں۔ اس لئے جن حضرات نے فتح مکہ کے بعد جہاد اور صدقات و خیرات میں حصہ لیا، اُن کو اتنی قربانی دینی نہیں پڑی، اس لئے اُن کا درجہ وہاں تک نہیں پہنچا، لیکن اگلے ہی فقرے میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ بھلائی یعنی جنت کی نعمتیں دونوں ہی کو ملیں گی۔

(۸) اللہ تعالیٰ کو نہ مال کی حاجت ہے، نہ کسی سے قرض لینے کی، وہ ہر حاجت سے بے نیاز ہے، لیکن انسان جو کچھ صدقہ خیرات کرتا ہے، یا جہاد اور دینی کاموں میں خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اُسے قرض کے لفظ سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا صلہ ایسے شخص کو دینا اور آخرت میں اس اہتمام سے عطا فرماتا ہے جیسے کوئی قرض دار اپنا قرض واپس کرتا ہے۔ اور اچھے قرض سے مراد یہ ہے کہ وہ پورے خلوص کے ساتھ صرف

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ  
وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِدِينَ فِيهَا  
ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ  
آمَنُوا انظُرُوا نَارَ النَّارِ مِنْ تَلْفِيزٍ ۚ قِيلَ لِمَ تَقُولُونَ لِمَ تَقُولُونَ  
لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُوا نَارَ النَّارِ مِنْ تَلْفِيزٍ ۚ قِيلَ لِمَ تَقُولُونَ لِمَ تَقُولُونَ

اُس دن جب تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے  
دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، (اور اُن سے کہا جائے گا کہ:) ”آج تمہیں خوش خبری ہے اُن باغات کی  
جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں تم ہمیشہ رہو گے۔ یہی ہے جو بڑی زبردست کامیابی  
ہے۔“ ﴿۱۲﴾ اُس دن جب منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ: ”ذرا ہمارا  
انتظار کر لو کہ تمہارے نور سے ہم بھی کچھ روشنی حاصل کر لیں۔“ اُن سے کہا جائے گا کہ: ”تم اپنے  
پیچھے لوٹ جاؤ، پھر نور تلاش کرو۔“

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیا گیا ہو، دکھاوا مقصود نہ ہو۔ سورہ بقرہ (۲: ۲۳۵) اور سورہ  
مائدہ (۱۲: ۵) میں بھی اچھے قرض کی یہ تعبیر گزر چکی ہے۔

(۹) اس سے مراد غالباً وہ وقت ہے جب تمام لوگ پل صراط سے گزر رہے ہوں گے، وہاں ہر انسان کا ایمان  
اُس کے سامنے نور بن کر اُسے راستہ دکھائے گا۔

(۱۰) منافق لوگ چونکہ دنیا میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، اس لئے شروع میں وہ آخرت میں بھی  
مسلمانوں کے ساتھ لگ جائیں گے، لیکن جب حقیقی مسلمان تیزی سے آگے نکل جائیں گے تو اُن کے ساتھ وہ  
نور بھی آگے بڑھ جائے گا، اور منافق لوگ اندھیرے میں پیچھے رہ جائیں گے، اُس وقت وہ اپنے ظاہری طور پر  
مسلمان ہونے کا حوالہ دے کر آگے جانے والے مسلمانوں کو آواز دیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کر لو، تاکہ تمہارے  
نور سے ہم بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

(۱۱) یعنی یہ فیصلہ پیچھے ہو رہا ہے کہ کس کو نور ملے، کس کو نہ ملے، اس لئے پیچھے جا کر نور حاصل کرنے کی درخواست کرو۔

فَضْرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ ۖ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قَبْلِهِ  
 الْعَذَابُ ۚ يُنَادُوهُمْ أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ  
 وَتَرَبَّصْتُمْ ۖ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ ۖ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ  
 الْغُرُورُ ۚ ۝۱۳ ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَا لَكُمْ  
 النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبُئْسَ الْبَصِيرُ ۝۱۴ ۚ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ  
 قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۚ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ  
 قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝۱۵

پھر اُن کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر کی طرف  
 رحمت ہوگی، اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ ﴿۱۳﴾ وہ مومنوں کو پکاریں گے کہ: ”کیا ہم تمہارے  
 ساتھ نہیں تھے؟“ مومن کہیں گے کہ: ”ہاں! تھے تو سہی، لیکن تم نے خود اپنے آپ کو فتنے میں ڈال لیا،  
 اور انتظار میں رہے، شک میں پڑے رہے، اور جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا،  
 یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا، اور وہ بڑا دھوکے باز (یعنی شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا ہی  
 دیتا رہا۔ ﴿۱۴﴾ چنانچہ آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ اُن لوگوں سے جنہوں نے  
 (کھلے بندوں) کفر اختیار کیا تھا۔ تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہاری رکھوالی ہے، اور یہ بہت بُرا  
 انجام ہے۔“ ﴿۱۵﴾ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، کیا اُن کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ اُن  
 کے دل اللہ کے ذکر کے لئے اور جو حق اُتر رہا ہے، اُس کے لئے پسچ جائیں؟ اور وہ اُن لوگوں کی طرح  
 نہ بنیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر اُن پر ایک لمبی مدت گزر گئی، اور اُن کے دل سخت ہو گئے، اور  
 (آج) اُن میں سے بہت سے نافرمان ہیں؟ ﴿۱۶﴾

(۱۲) یعنی اس انتظار میں رہے کہ کب مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے، اور ہم کھلے بندوں اپنے کفر کا اظہار کریں۔

(۱۳) منافقین اس انتظار اور آرزو میں تھے کہ مسلمانوں کو اُن کے دشمنوں کے ہاتھوں شکست ہو جائے، اور

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَمْثَلَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ  
تَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾ إِنَّ الْمَصْدِقِينَ وَالْمَصْدِقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعْفُ  
لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٥﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۖ  
وَالشَّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا  
بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾

ع  
۱۸

خوب سمجھ لو کہ اللہ زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشا ہے۔ <sup>(۱۴)</sup> ہم نے تمہارے لئے  
نشانیاں کھول کھول کر واضح کر دی ہیں، تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ ﴿۱۷﴾ یقیناً وہ جو صدقہ دینے والے  
مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں ہیں۔ اور انہوں نے اللہ کو قرض دیا ہے، اچھا قرض۔ اُن  
کے لئے اُس (صدقے) کو کئی گنا بڑھا دیا جائے گا، اور اُن کے لئے باعزت اجر ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور  
جو لوگ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید  
ہیں۔ <sup>(۱۵)</sup> اُن کے لئے اُن کا اجر اور اُن کا نور ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا، اور ہماری نشانیوں کو  
جھٹلایا، وہ دوزخی لوگ ہیں۔ ﴿۱۹﴾

(معاذ اللہ) اسلام کا بالکل خاتمہ ہی ہو جائے۔

(۱۴) یعنی جن مسلمانوں سے اب تک کچھ غلطیاں ہوئی ہیں، اور وہ اپنے ایمان کے تمام تقاضے پورے نہیں  
کر سکے، انہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے، جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ پڑی ہوئی زمین کو زندگی بخشا ہے، اُسی طرح وہ  
توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرما کر انہیں بھی نئی زندگی بخش دیتا ہے۔

(۱۵) ”صدیق“ کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنے قول و فعل کا سچا ہو، اور یہ انبیائے کرام کے بعد پرہیزگاری کا سب  
سے اونچا درجہ ہے، جیسا کہ سورۃ نساء (۷۰:۴) میں گزرا ہے، اور ”شہید“ کے لفظی معنی تو گواہ کے ہیں، اور  
قیامت میں اُمت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے پرہیزگار افراد پچھلے انبیائے کرام (علیہم السلام) کے  
حق میں گواہی دیں گے، جیسا کہ سورۃ بقرہ (۱۲۳) میں گزرا ہے، نیز شہید اُن حضرات کو بھی کہا جاتا ہے جو

اعْلَمُوا أَنَّهَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ فِيهَا مَتَاعٌ وَتَقَارَبَتْ بَيْنَكُمْ وَمَكَثَرٌ فِي  
الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۖ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ  
مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۖ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَ  
رِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝

خوب سمجھ لو کہ اس دُنیا والی زندگی کی حقیقت بس یہ ہے کہ وہ نام ہے کھیل کود کا، ظاہری سجاوٹ کا، تمہارے ایک دوسرے پر فخر جتانے کا، اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنے کا۔<sup>(۱۶)</sup> اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش جس سے اُگنے والی چیزیں کسانوں کو بہت اچھی لگتی ہیں، پھر وہ اپنا زور دکھاتی ہے، پھر تم اُس کو دیکھتے ہو کہ زرد پڑ گئی ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں (ایک تو) سخت عذاب ہے، اور (دوسرے) اللہ کی طرف سے بخشش ہے، اور خوشنودی — اور دُنیا والی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے اپنی جان کی قربانی پیش کریں۔ یہاں یہ بات منافقوں کے مقابلے میں فرمائی جا رہی ہے کہ صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کر کے کوئی شخص صدیق اور شہید کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا، بلکہ وہی لوگ یہ درجہ حاصل کر سکتے ہیں جو دل سے سچا اور پکا ایمان لائے ہوں، یہاں تک کہ اس ایمان کے آثار اُن کی عملی زندگی میں پوری طرح ظاہر ہوں۔

(۱۶) یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن دلچسپیوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے انسان اپنی زندگی کے مختلف مرحلوں میں دل لگاتا ہے۔ بچپن میں ساری دلچسپی کھیل کود سے ہوتی ہے، اور جوانی کے دور میں زیب و زینت اور سجاوٹ کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور اس زیب و زینت اور دُنیا کے ساز و سامان میں ایک دوسرے کے سامنے اپنی برتری جتانے اور اُس پر فخر کرنے کا ذوق ہوتا ہے۔ پھر بڑھاپے میں مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کو ہی انسان دلچسپی کا مرکز بنا لیتا ہے۔ اور ہر مرحلے میں انسان جس چیز کو اپنی دلچسپی کی معراج سمجھتا ہے، اگلے مرحلے میں وہ بے حقیقت معلوم ہونے لگتی ہے، بلکہ بعض اوقات انسان اُس پر ہنستا ہے کہ میں نے کس چیز کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھا ہوا تھا۔ آخرت میں پہنچ کر انسان کو پتہ چلے گا کہ یہ ساری دلچسپیاں بے حقیقت تھیں، اور اصل حاصل کرنے کی چیز تو یہ آخرت کی خوش حالی تھی۔

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ  
 أَعَدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ  
 وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ  
 إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ  
 مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝

ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور اُس جنت کی طرف  
 جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جیسی ہے، یہ اُن لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور  
 اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ اور اللہ  
 بڑے فضل والا ہے۔ ﴿۲۱﴾ کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں نازل ہوتی یا تمہاری جانوں کو  
 لاحق ہوتی ہو، مگر وہ ایک کتاب میں اُس وقت سے درج ہے جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی  
 نہیں کیا تھا۔ یقین جانو یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ ﴿۲۲﴾ یہ اس لئے تاکہ جو چیز تم  
 سے جاتی رہے، اُس پر تم غم میں نہ پڑو، اور جو چیز اللہ تمہیں عطا فرمادے، اُس پر تم اتراؤ نہیں، اور  
 اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اتراہٹ میں مبتلا ہو، شنی بگھارنے والا ہو، ﴿۲۳﴾

(۱۷) کتاب سے مراد یہاں لوح محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والے تمام واقعات پہلے  
 سے لکھے ہوئے ہیں۔

(۱۸) جس شخص کا اس بات پر ایمان ہو کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اُسی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے جو لوح  
 محفوظ میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے، اُسے کسی ناگوار واقعے پر اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو اُسے دائمی پریشانی اور حسرت  
 میں مبتلا رکھے، بلکہ یہ چیز اُس کی سلی کا باعث ہوتی ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا تھا، وہی ہوا، اور یہ کہ اس دُنیا کی  
 تکلیفیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اسی طرح اگر کوئی خوشی کا واقعہ پیش آتا ہے تو  
 انسان اس پر اترا کر تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تقدیر کے مطابق  
 ہے، اور اس پر انسان کو اترا نے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

لَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ  
 لَعَنُ الْكَافِرِينَ ۝ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ  
 وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعٌ  
 لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَتَصَدَّقُ ۖ وَأَرْسَلْنَاكَ بِالْغَيْبِ ۖ

وہ ایسے لوگ ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کو بھی کنجوسی کی تلقین کرتے ہیں۔<sup>(۱۹)</sup> اور جو شخص منہ موڑ لے تو یاد رکھو کہ اللہ ہی ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف! ﴿۲۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب بھی اُتاری، اور ترازو بھی،<sup>(۲۰)</sup> تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں جنگی طاقت بھی ہے، اور لوگوں کے لئے دوسرے فائدے بھی،<sup>(۲۱)</sup> اور یہ اس لئے تاکہ اللہ جان لے کہ کون ہے جو اُس کو دیکھے بغیر اُس (کے دین) کی اور اُس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔

(۱۹) چونکہ اس سورت میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس لئے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اپنے مال کو تنہا اپنی کوشش کا پھل سمجھ کر شنی بگھارتے ہیں، اور نیک کاموں کے لئے کچھ خرچ کرنے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔

(۲۰) ترازو اصل میں اُس آلے کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز تولی جائے، اُس کو اُتارنے کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترازو پیدا کی ہے، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے مطابق انصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ اور درحقیقت انبیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ ترازو کا ذکر کرنے سے اشارہ یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر توازن اور اعتدال سے کام لے، اور یہی توازن اور اعتدال انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں کی تعلیمات میں پایا جاتا ہے۔

(۲۱) لوہا اُن دھاتوں میں سے ہے جس کی ہر صنعت میں ضرورت پڑتی ہے، اس لئے اس کی تخلیق بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، لیکن انبیائے کرام، آسمانی کتابوں اور ترازو کے بعد اُس کو ذکر فرما کر اشارہ یہ دیا گیا ہے کہ انسانوں کی اصلاح کا اصل ذریعہ انبیائے کرام اور ان کی لائی ہوئی کتابوں کی تعلیمات ہیں، ان پر ٹھیک

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا  
الْكَتَابَ وَالْكِتَابَ فِيهِمْ مُّهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم  
بِمُوسَىٰ وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ  
اتَّبَعُوا لَآرَافَةَ وَرَحْمَةً ۖ

یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔ ﴿۲۵﴾

اور ہم نے نوح کو اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری کیا۔ پھر ان میں سے کچھ تو ہدایت پر آگئے، اور ان میں سے بہت سے لوگ نافرمان رہے۔ ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے اُن کے پیچھے انہی کے نقش قدم پر اپنے اور پیغمبر بھیجے، اور اُن کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا، اور انہیں انجیل عطا کی، اور جن لوگوں نے اُن کی پیروی کی، اُن کے دلوں میں ہم نے شفقت اور رحم دلی پیدا کر دی۔ ﴿۲۷﴾

مُجِبَّ عَمَلٍ ہو جائے تو دُنیا میں انصاف قائم ہو سکتا ہے، لیکن شرکی بہت سی طاقتیں ایسی ہیں جو ان تعلیمات سے سدھرنے کے بجائے بگڑی ہی رہتی ہیں، اور انصاف قائم کرنے کے بجائے فساد پھیلاتی ہیں، اُن کی سرکوبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہا اتارا ہے جس سے جنگی طاقت کا سامان تیار ہوتا ہے، اور آخر میں جہاد کے لئے اُسے استعمال کرنا پڑتا ہے۔

(۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ کی طاقت اور اس کا اقتدار اتنا بڑا ہے کہ اُسے شرکی طاقتوں کو کچلنے کے لئے کسی انسان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اُس نے انسانوں کو جہاد کا مکلف اس لئے فرمایا ہے تاکہ اُن کی آزمائش ہو، اور یہ بات کھڑ کر سامنے آجائے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت میں جان کی بازی لگاتا ہے، اور کون ہے جو سرکشی اختیار کرتا ہے۔

(۲۸) یوں تو شفقت اور رحم دلی سارے ہی انبیائے کرام کی تعلیمات میں شامل رہی ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا تھا، اور بظاہر اُن کی شریعت میں جہاد اور قتال کے احکام بھی نہیں تھے، اس لئے اُن کے متبعین میں شفقت و رحمت ہی کا پہلو بہت نمایاں تھا۔



وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا  
حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٤﴾  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ  
وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٥﴾ لَيْلًا يَعْلَمُ  
أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ  
عِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾

اور جہاں تک رہبانیت کا تعلق ہے، وہ انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، ہم نے اُس کو ان کے ذمے  
واجب نہیں کیا تھا، لیکن انہوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہی، پھر اُس کی ویسی رعایت نہ  
کر سکے جیسے اُس کا حق تھا۔<sup>(۲۵)</sup> غرض اُن میں سے جو ایمان لائے تھے، اُن کو ہم نے اُن کا اجر دیا، اور  
ان میں سے بہت لوگ نافرمان ہی رہے۔ ﴿۲۷﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اُس کے  
پیغمبر پر ایمان لاؤ، تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے، اور تمہارے لئے وہ نور پیدا  
کرے جس کے ذریعے تم چل سکو، اور تمہاری بخشش فرمادے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت  
مہربان ہے، ﴿۲۸﴾ تاکہ اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر انہیں کوئی  
اختیار نہیں ہے، اور یہ کہ فضل تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے، اور  
اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ ﴿۲۹﴾

(۲۴) رہبانیت کا مطلب ہے دنیا کی لذتوں سے الگ رہنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے  
جانے کے کافی عرصے بعد عیسائیوں نے ایک خانقاہی نظام ایسا بنایا تھا کہ جو لوگ اس میں داخل ہو جاتے، وہ دنیا  
سے الگ تھلگ رہتے تھے، نہ شادی کرتے تھے، نہ دنیا کی کسی لذت میں حصہ لیتے تھے، ان کے اس خانقاہی نظام

کو ”رہبانیت“ کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکاروں پر مختلف بادشاہوں نے بڑے ظلم ڈھائے تو انہوں نے اپنے دین کو بچانے کے لئے شہروں سے دُور رہنا شروع کر دیا جہاں دُنیا کی عام سہولیات میسر نہیں تھیں، اور رفتہ رفتہ اسی مشکل طرزِ زندگی کو بذاتِ خود عبادت سمجھ لیا، اور بعد کے لوگوں نے وسائلِ دستیاب ہونے کے باوجود اُن کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس مشکل طرزِ زندگی کا ہم نے انہیں حکم نہیں دیا تھا۔

(۲۵) مطلب یہ ہے کہ شروع میں انہوں نے رَہبانیت کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہی اپنایا تھا، لیکن بعد میں وہ اُس کی پوری رعایت نہیں رکھ سکے۔ رعایت نہ رکھنے کے دو پہلو ہیں، ایک یہ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اُن پر لازم نہیں کیا تھا، انہوں نے اُسے لازم سمجھ لیا، حالانکہ دین میں اپنی طرف سے کسی ایسی بات کو لازم سمجھنا جائز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے لازم نہ فرمائی ہو، اور دُوسرے یہ کہ جو باتیں انہوں نے اپنے ذمے لازم کی تھیں، اُن کی عملی طور پر پابندی نہ کر سکے۔ چونکہ یہ پابندیاں انسانی فطرت کے خلاف تھیں، اس لئے رفتہ رفتہ بشری تقاضوں نے زور دکھایا، اور مختلف حیلوں بہانوں سے یا خفیہ طور پر ان لذتوں کا حصول شروع ہو گیا۔ پابندی تو نکاح پر بھی تھی، لیکن اُس پابندی کے نتیجے میں بدکاری کی وبا تیں پھوٹ پڑیں، اور جس مقصد سے رَہبانیت شروع کی گئی تھی، وہ سراسر ناکام ہو کر رہ گیا۔

(۲۶) یہ ان اہلِ کتاب کا ذکر ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ اُن کے بارے میں سورہٴ قصص (۵۴:۲۸) میں بھی یہ گزرا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ دُور ہر اُواب عطا فرمائیں گے، کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر بھی ایمان رکھا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ (۲۷) اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ نورِ جہاں بھی تم جاؤ گے، تمہارے ساتھ رہے گا، اور دُوسرا مطلب یہ ہے کہ پل صراط پر وہ تمہارے لئے روشنی پیدا کرے گا جس میں تم چل سکو گے۔

(۲۸) اس فقرے میں اہلِ کتاب کا تذکرہ فرماتے ہوئے دواہم حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ جو یہودی یا عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے، ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو صرف اس حسد کے مارے ایمان سے محروم رہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل میں کیوں بھیج دیئے گئے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے، یہ تمہارے اختیار کا معاملہ نہیں ہے کہ جس کو تم چاہو، اُسی کو دیا جائے۔ دُوسری حقیقت یہ ہے کہ عیسائیوں میں ایک زمانے میں یہ طریقہ عام ہو گیا تھا کہ عیسائی پادری پیسے لے کر لوگوں کے لئے مغفرت نامے

جاری کر دیتے تھے، وہ مغفرت نامہ مرنے والے کے ساتھ ہی دفن کیا جاتا، اور یہ سمجھا جاتا کہ مغفرت کے اس پروانے سے مُردے کی بخشش ہو جائے گی۔ آیت کریمہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل کسی بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا، یہ تمام تر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ کس کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

الحمد للہ! سورہ حدید کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی آج بروز شنبہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۱ مئی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الْحَجَّادَةِ

## تعارف

اس سورت میں بنیادی طور پر چار اہم موضوعات کا بیان ہے۔ پہلا موضوع ”ظہار“ ہے۔ اہل عرب میں یہ طریقہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا تھا کہ ”أَنْتِ عَلَيَّ كَظْهَرِ أُمِّي“ یعنی تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو۔ جاہلیت کے زمانے میں اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایسا کہنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ سورت کی ابتدا میں اسی کے احکام کا بیان ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ ان آیتوں کے حواشی میں آنے والی ہے۔ دوسرا موضوع یہ ہے کہ بعض یہودی اور منافقین آپس میں اس طرح سرگوشیاں کیا کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ وہ ان کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، نیز بعض صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں کوئی مشورہ یا کوئی اور بات کرنا چاہتے تھے۔ اس سورت میں ان خفیہ باتوں کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ تیسرا موضوع اُن آداب کا بیان ہے جو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی مجلسوں میں ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ چوتھا اور آخری موضوع اُن منافقوں کا تذکرہ ہے جو ظاہر میں تو ایمان کا اور مسلمانوں سے دوستی کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے تھے، اور درپردہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔

سورت کا نام ”مجادلہ“ (یعنی بحث کرنا) اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس میں ایک خاتون کے بحث کرنے کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ خاتون کا یہ واقعہ نیچے حاشیہ نمبر ۱ میں آ رہا ہے۔

آیتھا ۲۲ ﴿۵۸﴾ سُورَةُ الْمَجَادِلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵ ﴿۲﴾ رُكُوعَاتُهَا ۳ ﴿۵۸﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۱﴾

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) اللہ نے اُس عورت کی بات سن لی ہے جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کر رہی ہے، اور اللہ سے فریاد کرتی جاتی ہے۔ اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے۔ ﴿۱﴾

(۱) اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت خولہؓ ایک خاتون تھیں جو حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں جو بوڑھے ہو چکے تھے، اور ایک مرتبہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو یہ کہہ دیا کہ: ”تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو“ (یعنی میں نے تم کو اپنے اوپر ماں کی پشت کی طرح حرام کر لیا ہے)۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ جملہ کہہ دے تو اسی کو ”ظہار“ کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے ظہار کے نتیجے میں میاں بیوی ہمیشہ کے لئے جدا ہو جایا کرتے تھے، اور پھر ان کے ملاپ کا کوئی راستہ نہیں رہتا تھا۔ اگرچہ حضرت اوس بن صامتؓ یہ جملہ جذبات میں آکر کہہ تو گئے تھے، لیکن بعد میں شرمندہ ہوئے تو یہ خاتون پریشان ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور آپ سے پوچھا کہ اس صورت حال کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ابھی میرے پاس کوئی حکم نہیں آیا، اور یہ شبہ ظاہر فرمایا کہ شاید تم اپنے شوہر کے لئے حرام ہو چکی ہو۔ اس پر خاتون نے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ: ”میرے شوہر نے مجھ سے طلاق کا کوئی لفظ تو نہیں کہا“ اُن کے اسی بار بار کہنے کو آیت میں بحث کرنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد شروع کر دی کہ: ”یا اللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو ضائع ہو جائیں گے۔“

الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ ۖ إِنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّيْ  
وَلَدُنَّهُمْ ۖ وَ إِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَ زُؤَرًا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ  
غَفُورٌ ① وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ  
رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ۖ ذَلِكُمْ تُوَعِّظُونَ بِهِ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ②

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، (ان کے اس عمل سے) وہ بیویاں اُن کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنم دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی بات کہتے ہیں جو بہت بُری ہے، اور جھوٹ ہے، اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۲﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر انہوں نے جو کچھ کہا ہے، اُس سے رُجوع کرتے ہیں، تو اُن کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ وہ (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔<sup>(۲)</sup> یہ ہے وہ بات جس کی تمہیں نصیحت کی جا رہی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۳﴾

پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر بار بار کہتی ہی رہیں کہ: ”یا اللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں۔“ ابھی وہ یہ فریاد کر رہی تھیں کہ یہ آیات نازل ہو گئیں جن میں ظہار کا حکم اور اُس سے رُجوع کرنے کا طریقہ بتلایا گیا۔ (خلاصہ از تفسیر ابن کثیر)۔

(۲) یعنی ایسا کہنا گناہ ہے، لیکن اگلے ہی جملے میں اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ اگر کوئی اس گناہ سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمادیں گے۔

(۳) یہاں سے ظہار کا حکم بیان فرمایا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ ظہار کے بعد میاں بیوی کے لئے اپنے مخصوص تعلقات، یعنی جماع، بوس و کنار وغیرہ جائز نہیں رہتے، البتہ ظہار سے رُجوع ہو سکتا ہے، جس کے بعد میاں بیوی والے تعلقات بحال ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے لئے کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ ان آیتوں میں کفارہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کے لئے ایک غلام کو آزاد کرنا ممکن ہو تو اُس کے ذمے واجب ہے کہ وہ غلام آزاد

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّ ۖ فَمَنْ لَّمْ  
يَسْتَطِعْ فَأَطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَتِلْكَ  
حُدُودُ اللَّهِ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۴۰ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
كَيْتُوكُمْ كَمَا كُتِبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ  
عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۴۱ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۖ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَ  
نَسُوهُ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۴۲

ع

پھر جس شخص کو غلام میسر نہ ہو، اُس کے ذمے دو متواتر مہینوں کے روزے ہیں، قبل اس کے کہ وہ  
(میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ پھر جس کو اس کی بھی استطاعت نہ ہو، اُس کے ذمے  
ساتھ مسکینوں کو کھانا کھانا ہے۔ یہ اس لئے تاکہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور یہ اللہ کی  
مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۴۰﴾

یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ایسے ہی ذلیل ہوں گے جیسے ان  
سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے تھے، اور ہم نے کھلی کھلی آیتیں نازل کر دی ہیں، اور کافروں کے لئے ایسا  
عذاب ہے جو خوار کر کے رکھ دے گا، ﴿۴۱﴾ اُس دن جب اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا، پھر  
انہیں بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا تھا۔ اللہ نے اُسے گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے، اور یہ اُسے بھول  
گئے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔ ﴿۴۲﴾

کرنے کی صورت میں کفارہ ادا کرے، لیکن اگر کسی کو غلام کی قدرت نہ ہو، (جیسے کہ آج کل غلاموں کا وجود ہی  
نہیں رہا) تو اُس کو دو مہینے متواتر روزے رکھنے ہوں گے، اور اگر کوئی شخص بڑھاپے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے  
روزے بھی نہ رکھ سکے تو وہ ساتھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے تو اس سے بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔  
کفارہ ادا کرنے کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے حلال ہو جاتے ہیں۔



أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوَىٰ  
ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَٰبِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدْنَىٰ مِنْ ذَلِكَ وَلَا  
أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۚ ثُمَّ يَنبِئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ  
اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ  
لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ ۖ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ اُسے جانتا ہے؟ کبھی تین آدمیوں  
میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی  
ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں  
بھی ہوں، اللہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔<sup>(۴)</sup> پھر وہ قیامت کے دن اُنہیں بتائے گا کہ اُنہوں نے کیا  
کچھ کیا تھا۔ بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ﴿۷۷﴾ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں  
سرگوشی کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے اُنہیں منع کیا گیا تھا؟  
اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسی سرگوشیاں کرتے ہیں جو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی پر  
مشتعل ہوتی ہیں۔

(۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد وہاں کے یہودیوں سے امن وامان  
کے ساتھ رہنے کا معاہدہ فرمایا تھا۔ دوسری طرف یہودیوں کو مسلمانوں سے جو دلی بغض تھا، اُس کی بنا پر وہ مختلف  
ایسی شرارتیں کرتے رہتے تھے جو مسلمانوں کے لئے تکلیف کا باعث ہوں، چنانچہ ایک شرارت یہ تھی کہ بعض  
اوقات جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو آپس میں اس طرح کا نا پھوسی اور ایسے اشارے شروع کر دیتے تھے جیسے وہ  
ان کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہوں۔ بعض منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اس طرز عمل سے مسلمانوں کو  
تکلیف ہوتی تھی، اس لئے اُنہیں اس طرح کی سرگوشیاں کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، اس کے باوجود وہ اس سے  
باز نہیں آئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوكَ بِسَلَامٍ يُحْيِيكَ بِهِ اللَّهُ ۚ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۖ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْوَصِيرُ ۝۸ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝۹ إِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَرِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ

اور (اے پیغمبر!) جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں ایسے طریقے سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے تمہیں سلام نہیں کیا، اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ: ”ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، اُس پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دے دیتا؟“ — جنم ہی ان (کی خبر لینے) کے لئے کافی ہے، وہ اسی میں جا پہنچیں گے، اور وہ پہنچنے کی بہت بُری جگہ ہے۔ ﴿۸﴾ اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشی کرو تو ایسی سرگوشی نہ کرو جو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی پر مشتمل ہو، ہاں ایسی سرگوشی کرو جو نیک کاموں اور تقویٰ پر مشتمل ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا۔ ﴿۹﴾ ایسی سرگوشی تو شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، تاکہ وہ ایمان والوں کو غم میں مبتلا کرے، اور وہ اللہ کے حکم کے بغیر انہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

(۵) یہودیوں کی ایک اور شرارت یہ تھی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو ”السَّلام علیکم“ کہنے کے بجائے ”السَّام علیکم“ کہتے تھے۔ السَّلام علیکم کے معنی ہیں: ”تم پر سلامتی ہو“ اور السَّام علیکم کے معنی ہیں کہ ”تم پر ہلاکت ہو“ چونکہ دونوں لفظوں میں صرف ایک لام کا فرق ہے، اس لئے بولتے وقت سننے والے خیال بھی نہیں کرتے تھے، لیکن وہ لوگ اس طرح اپنے بغض کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس آیت میں ان کی اسی شرارت کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) اپنی مذکورہ بالا شرارتوں کے بعد وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر سزا کیوں نہیں دیتا، اور چونکہ ہم پر کوئی سزا مسلط نہیں ہو رہی، اس لئے ثابت ہوا کہ ہم بربق ہیں۔

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑩ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَقَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَاقْسَحُوا بِفَاحِشٍ اللَّهِ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا ۚ يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۚ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ⑪

اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں دوسروں کے لئے گنجائش پیدا کرو، تو گنجائش پیدا کر دیا کرو، اللہ تمہارے لئے وسعت پیدا کرنے کا، اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ، تو اٹھ جاؤ، تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ ان کو درجوں میں بلند کرے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾

(۷) اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے ساتھ اس چبوترے پر تشریف فرما تھے جسے صفہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے ارد گرد بہت سے صحابہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں کچھ ایسے بزرگ صحابہ آئے جو غزوہ بدر میں شریک تھے، اور ان کا درجہ اونچا سمجھا جاتا تھا۔ ان کو مجلس میں بیٹھنے کی جگہ نہ ملی تو وہ کھڑے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکائے مجلس سے فرمایا کہ وہ ذرا سمٹ کر آنے والوں کے لئے جگہ پیدا کریں، اس کے باوجود ان کے لئے جگہ کافی نہ ہوئی تو آپ نے بعض شرکائے مجلس سے فرمایا کہ وہ اٹھ جائیں، اور آنے والوں کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ اس پر کچھ منافقین نے بُرا منایا کہ لوگوں کو مجلس سے اٹھایا جا رہا ہے۔ عام طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا، لیکن شاید کچھ منافقین نے آنے والوں کو جگہ دینے میں تردد کیا ہو، اس لئے آپ نے انہیں اٹھا دیا ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ایک تو مجلس کا عام حکم بیان فرمایا گیا کہ آنے والوں کے لئے گنجائش پیدا کرنی چاہئے، اور دوسرے یہ حکم بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر مجلس کا سربراہ کسی وقت محسوس کرے کہ آنے والوں کے لئے جگہ خالی کرنی چاہئے تو وہ مجلس میں پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو یہ حکم دے سکتا ہے کہ وہ اٹھ کر آنے والوں کو بیٹھنے کی جگہ دیں۔ البتہ کوئی نیا آنے والا خود کسی کو اٹھنے پر مجبور نہیں کر سکتا، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم مذکور ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ  
 صَدَقَةٌ ۖ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۖ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾  
 ءَأَسْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَتْ ۖ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ  
 اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقْبِبُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ وَاللَّهُ  
 خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾

ع

اے ایمان والو! جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی بات کرنا چاہو تو اپنی اس تنہائی کی بات سے پہلے  
 کچھ صدقہ کر دیا کرو۔<sup>(۸)</sup> یہ طریقہ تمہارے حق میں بہتر اور زیادہ سہرا طریقہ ہے۔ ہاں اگر تمہارے  
 پاس (صدقہ کرنے کے لئے) کچھ نہ ہو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۲﴾ کیا تم اس  
 بات سے ڈر گئے کہ اپنی تنہائی کی بات سے پہلے صدقات دیا کرو؟ اب جبکہ تم ایسا نہیں کر سکتے، اور اللہ  
 نے تمہیں معاف کر دیا تو تم نماز قائم کرتے رہو، اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی  
 فرماں برداری کرتے رہو۔<sup>(۹)</sup> اور جو کام بھی تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۳﴾

(۸) جو لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں بات کرنے کا وقت مانگتے تھے، بعض اوقات وہ  
 غیر ضروری طور پر آپ کا زیادہ وقت لے لیتے تھے، چونکہ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ سے بات کرتا  
 تو خود سے اُس کی بات نہیں کاٹتے تھے، اس لئے بعض لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے جن میں کچھ  
 منافقین بھی شامل تھے۔ چنانچہ اس آیت نے یہ حکم دیا تھا کہ جو کوئی شخص آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہے، وہ  
 پہلے کچھ غریبوں کو صدقہ خیرات کر کے آئے۔ البتہ ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا تھا کہ اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے  
 کی استطاعت نہ ہو تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ صدقے کی کوئی مقدار متعین نہیں فرمائی گئی تھی، چنانچہ حضرت علی  
 رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ تنہائی کا وقت لیا تو ایک دینار صدقہ کیا  
 تھا۔ اس کی ایک مصلحت یہ تھی کہ وہی لوگ تنہائی میں آپ کا وقت لیں جنہیں واقعی ضرورت ہو۔ اگلی آیت میں  
 اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا جیسا کہ اگلے حاشیہ میں آرہا ہے۔

(۹) صدقہ کرنے کا جو حکم پچھلی آیت میں دیا گیا تھا، اس آیت نے اُس کو منسوخ کر دیا، کیونکہ جس مقصد سے وہ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۖ وَ  
يَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ  
سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ اتَّخَذُوا أَيْبَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ  
فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا  
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾

کیا تم نے اُن کو نہیں دیکھا جنہوں نے ایسے لوگوں کو دوست بنایا ہوا ہے جن پر اللہ کا غضب ہے؟<sup>(۱۰)</sup> یہ  
نہ تو تمہارے ہیں، اور نہ اُن کے، اور یہ جانتے بوجھتے جھوٹی باتوں پر قسمیں کھا جاتے ہیں۔ ﴿۱۴﴾  
اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت بُرے ہیں وہ کام جو یہ  
کرتے رہے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنا لیا ہے، پھر وہ دُوسروں کو اللہ  
کے راستے سے روکتے رہے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے ایسا عذاب ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے  
گا۔ ﴿۱۶﴾ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں اُن کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ یہ  
دوزخ والے لوگ ہیں۔ یہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۱۷﴾

حکم دیا گیا تھا، وہ پورا ہو چکا تھا، لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت لینے سے احتیاط کرنے لگے تھے، اور  
منافقین کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ اب بھی پہلے جیسا طرزِ عمل جاری رکھیں گے تو ان کا راز کھل جائے گا۔  
چنانچہ اس آیت نے فرمایا کہ اب صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ اپنے دوسرے دینی فرائض مثلاً نماز اور زکوٰۃ  
وغیرہ ادا کرتے رہو۔

(۱۰) اس سے مراد منافقین ہیں جنہوں نے یہودیوں سے ایسی دوستی گناٹھی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں وہ  
مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔

(۱۱) یعنی جس طرح ڈھال سے تلوار کے وار کو روکا جاتا ہے، یہ لوگ سازشیں کرنے کے باوجود قسمیں کھا کر اپنے  
مسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں، تا کہ مسلمانوں کی طرف سے کسی جوابی کارروائی سے بچ سکیں۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَيْنَ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْأَخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ

جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا تو اُس کے سامنے بھی یہ اُسی طرح قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے کھاتے ہیں، اور یہ سمجھیں گے کہ انہیں کوئی سہارا مل گیا ہے۔ یاد رکھو یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ ان پر شیطان نے پوری طرح قبضہ جما کر انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہ شیطان کا گروہ ہے۔ یاد رکھو شیطان کا گروہ ہی نامراد ہونے والا ہے۔ ﴿۱۹﴾ بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہیں۔ ﴿۲۰﴾ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے۔ یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔ ﴿۲۱﴾ جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ اُن سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے خاندان والے۔<sup>(۱۲)</sup>

(۱۲) سورہ آل عمران (۲۸:۳) کے حاشیہ میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ غیر مسلموں سے کس قسم کی دوستی جائز اور کس قسم کی ناجائز ہے۔

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي  
 مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ رَاضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۗ أُولَٰئِكَ حِزْبُ  
 اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۲﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے، اور اپنی رُوح سے اُن کی مدد کی ہے،  
 اور انہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں  
 گے۔ اللہ اُن سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ یاد رکھو کہ  
 اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔ ﴿۲۲﴾

الحمد للہ! آج بتاریخ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۰ مئی ۲۰۰۸ء کو بروز ہفتہ سورہ  
 مجادلہ کا ترجمہ اور تشریح حواشی ٹوکیو سے کچھ فاصلے پر جاپان کے شہر امینا میں مکمل ہوئے۔  
 اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی  
 بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْحَشْرِ



## تعارف

یہ سورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے دوسرے سال نازل ہوئی تھی۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ آپس میں امن وامان سے رہیں گے، اور مدینہ منورہ پر حملہ ہونے کی صورت میں مل کر اُس کا دفاع کریں گے۔ یہودیوں نے اس معاہدے کو قبول تو کر لیا تھا، لیکن اُن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی بغض تھا، اس لئے وہ خفیہ طور پر آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، چنانچہ انہوں نے درپردہ مکہ مکرمہ کے بت پرستوں سے تعلقات رکھے ہوئے تھے، اور اُن کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے تھے، اور اُن سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم مسلمانوں پر حملہ کرو گے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو نضیر کہلاتا تھا، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے معاہدے کی کچھ شرائط پر عمل کرانے کے لئے اُن کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے یہ سازش کی کہ جب آپ بات چیت کرنے کے لئے بیٹھیں تو ایک شخص اُوپر سے آپ پر ایک چٹان گرا دے جس سے (معاذ اللہ) آپ شہید ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو ان کی اس سازش سے باخبر فرمادیا، اور آپ وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ اس واقعے کے بعد آپ نے بنو نضیر کے پاس پیغام بھیجا کہ اب آپ لوگوں کے ساتھ ہمارا معاہدہ ختم ہو گیا ہے، اور ہم آپ کے لئے ایک مدت مقرر کرتے ہیں کہ اس مدت کے اندر اندر آپ مدینہ منورہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں، ورنہ مسلمان آپ پر حملہ کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ کچھ منافقین نے

بنو نضیر کو جا کر یقین دلایا کہ آپ لوگ ڈٹے رہیں، اگر مسلمانوں نے حملہ کیا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ بنو نضیر مقررہ مدت میں مدینہ منورہ سے نہیں گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت گزرنے کے بعد اُن کے قلعے کا محاصرہ کر لیا، اور منافقین نے اُن کی کوئی مدد نہیں کی۔ آخر کار اُن لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کرنے کا حکم دیا، البتہ یہ اجازت دی کہ ہتھیاروں کے سوا وہ اپنا سارا مال و دولت اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ یہ سورت اس واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی، اور اس میں اس واقعے پر تبصرہ بھی فرمایا گیا ہے، اور اس سے متعلق بہت سی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔ ”حشر“ کے لفظی معنی ہیں: ”جمع کرنا“۔ چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۲ میں یہ لفظ آیا ہے جس کی تشریح آیت نمبر ۲ کے حاشیہ میں آرہی ہے، اس لئے اس سورت کا نام ”سورہ حشر“ ہے، اور بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ وہ اسے سورہ بنی نضیر بھی کہا کرتے تھے۔

آیاتھا ۲۳ ﴿۵۹﴾ سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۱ ﴿۲﴾ رُكُوعَاتُهَا ۳ ﴿۵۹﴾

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِي اَخْرَجَ  
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوا  
وَقُلْتُمْ اَنْتُمْ مٰلِكُوهُمْ فَاصْذُوقُوهُمْ مِنْ اَللّٰهِ فَاَلْتَمِهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْشَسُوا  
مِنْ اَللّٰهِ

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چوبیس آیتیں اور تین رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو بھی کوئی چیز ہے، اُس نے اللہ کی تسبیح کی ہے، اور وہی ہے جو اقتدار کا  
بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱﴾ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر لوگوں کو اُن  
کے گھروں سے پہلے اجتماع کے موقع پر نکال دیا۔ (مسلمانو!) تمہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ وہ  
نکلیں گے، اور وہ بھی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اُن کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے۔ پھر اللہ اُن  
کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں اُن کا گمان بھی نہیں تھا،

(۱) ”پہلے اجتماع“ کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ اس سے مسلمانوں کا لشکر مراد ہے، اور مطلب یہ  
ہے کہ مسلمانوں کو اُن سے جنگ کرنی نہیں پڑی، بلکہ پہلے اجتماع ہی پر وہ قابو میں آ گئے۔ لیکن بیشتر مفسرین نے  
اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد جلاوطنی کے لئے بنو نضیر کے یہودیوں کا اجتماع ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہ  
ان یہودیوں کے لئے پہلا موقع تھا کہ وہ جلاوطنی کے لئے جمع ہوئے ہوں۔ اس سے پہلے کبھی ان کو ایسے اجتماع  
کا موقع پیش نہیں آیا تھا۔ اور اس لفظ میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ یہ بنو نضیر کی پہلی جلاوطنی تھی، اس کے بعد  
ان کو ایک اور جلاوطنی سے بھی سابقہ پیش آئے گا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کو دوبارہ خیبر  
سے جلاوطن فرمایا۔

وَقَدْ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبُ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ ۝  
 فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي  
 الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۝ وَ  
 مَنْ يَشَاقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا  
 قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيٍّ خَبِيرٍ ۝

اور اللہ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور  
 مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اُجاڑ رہے تھے۔ لہذا اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرلو۔ ﴿۲﴾  
 اور اگر اللہ نے اُن کی قسمت میں جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں اُن کو عذاب دے دیتا، البتہ  
 آخرت میں اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ ﴿۳﴾ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے  
 رسول سے دشمنی ٹھانی، اور جو شخص اللہ سے دشمنی کرتا ہے، تو اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا  
 ہے۔ ﴿۴﴾ تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے، یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو یہ سب کچھ  
 اللہ کے حکم سے تھا، اور اس لئے تھا تا کہ اللہ منافرانوں کو رسوا کرے۔ ﴿۵﴾

(۲) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اجازت دی تھی کہ جتنا مال وہ اپنے ساتھ لے جاسکیں،  
 ساتھ لے جائیں، اس لئے ان لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے تک اکھاڑ لئے تھے۔

(۳) یعنی انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کروادیتا۔

(۴) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے قلعے کا محاصرہ فرمایا تو اُس پاس کے کچھ کھجور کے درخت  
 کاٹنے پڑے تھے، اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ پھل دار درخت کاٹنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے جواب  
 میں اس آیت نے فرمایا کہ جو درخت کاٹے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کاٹے گئے ہیں، اور جنگی حکمت عملی  
 کے طور پر اگر کسی برحق جہاد میں ایسا کرنا پڑ جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَا كِنٍ  
اللَّهُ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑤  
رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ  
وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ لَمْ يَلَائِكُمْ دُولَةٌ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۖ وَمَا إِلَهُكُمُ الرَّسُولُ  
فَخُذُوا ۖ وَمَا نَهَكُمُ عَنْهُ فَأْتُوهُ ۚ وَأَتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑥

اور اللہ نے اپنے رسول کو ان کا جو مال بھی فیئ کے طور پر دلوا دیا، اُس کے لئے تم نے نہ اپنے گھوڑے  
دوڑائے، نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے، تسلط عطا فرمادیتا ہے۔ ⑤ اور اللہ ہر چیز  
پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ﴿۶﴾

اللہ اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں سے جو مال بھی فیئ کے طور پر دلوا دے، تو وہ اللہ کا حق ہے، اور اُس کے  
رسول کا، اور قرابت داروں کا، اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا، تاکہ وہ مال صرف انہی کے درمیان  
گردش کرتا نہ رہ جائے جو تم میں دولت مند لوگ ہیں۔ اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز  
سے منع کریں، اُس سے رُک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ﴿۷﴾

⑤ ”فیئ“ اُس مال کو کہتے ہیں جو کوئی دشمن ایسا حالت میں چھوڑ جائے کہ مسلمانوں کو اُس سے باقاعدہ لڑائی  
کرنی نہ پڑی ہو۔ بنو نضیر کے یہودیوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مال و دولت ساتھ لے جانے کی  
اجازت دی تھی، اس لئے وہ جو کچھ ساتھ لے جاسکتے تھے، لے گئے، لیکن ان کی جو زمینیں تھیں، ظاہر ہے کہ وہ  
ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے، اس لئے وہ چھوڑ کر گئے۔ یہ زمینیں مال فیئ کے طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔  
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی یہ نعمت یاد دلا رہے ہیں کہ یہ مال فیئ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس طرح عطا فرمادیا کہ  
مسلمانوں کو باقاعدہ لڑائی کی محنت بھی اٹھانی نہیں پڑی۔ آیت میں گھوڑوں اور اونٹوں کو دوڑانے سے مراد لڑائی  
کی کارروائی ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مال فیئ کے مصارف بیان فرمائے ہیں کہ اُسے کن کن لوگوں  
میں تقسیم کیا جائے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا  
مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيُخْضَرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝۸ وَالَّذِينَ  
تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجْزَوْنَ مِنْ هَاجَرٍ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي  
صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ  
وَمَنْ يُؤْذِقْ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاحِشُونَ ۝۹

(نیز یہ مال فقی) اُن حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جنہیں اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے بے دخل کیا گیا ہے۔<sup>(۷)</sup> وہ اللہ کی طرف سے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں، اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں۔ ﴿۸﴾ (اور یہ مال فقی) اُن لوگوں کا حق ہے جو پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی مدینہ میں) ایمان کے ساتھ مقیم ہیں، جو کوئی ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، یہ اُس سے محبت کرتے ہیں، اور جو کچھ اُن (مہاجرین) کو دیا جاتا ہے، یہ اپنے سینوں میں اُس کی کوئی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے، اور اُن کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، چاہے اُن پر تنگ دستی کی حالت گذر رہی ہو۔<sup>(۸)</sup> اور جو لوگ اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو جائیں، وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۹﴾

(۷) یعنی وہ صحابہ جنہیں کافروں نے مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کیا، اور وہ اپنے گھروں اور جائیدادوں سے محروم ہو گئے۔  
(۸) اس سے مراد وہ انصاری صحابہ ہیں جو مدینہ منورہ کے اصل باشندے تھے، اور انہوں نے مہاجرین کی مدد کی۔  
(۹) اگرچہ سارے ہی انصار کی یہی کیفیت تھی کہ وہ ایثار سے کام لیتے تھے، لیکن روایات میں ایک صحابی (حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ) کا خاص طور پر ذکر آیا ہے جن کے گھر میں کھانا بہت تھوڑا سا تھا، پھر بھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ کچھ مہمانوں کو اپنے گھر لے جائیں، اور انہیں کھانا کھلائیں تو یہ کچھ مہمان اپنے ساتھ لے گئے، اور ان کی تواضع اس طرح کی کہ خود کچھ نہیں کھایا، اور چراغ بجھا کر مہمانوں کو بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ کچھ نہیں کھا رہے۔ اس آیت میں اُن کے ایثار کی بھی تعریف فرمائی گئی ہے۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا  
بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝  
أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ  
لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ  
لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

اور (یہ مالِ فِی) اُن لوگوں کا بھی حق ہے جو ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد آئے، وہ یہ کہتے ہیں  
کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہماری بھی مغفرت فرمائیے، اور ہمارے اُن بھائیوں کی بھی جو ہم سے  
پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لئے کوئی بغض نہ رکھے۔ اے  
ہمارے پروردگار! آپ بہت شفیق، بہت مہربان ہیں۔“ ﴿۱۰﴾

کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جنہوں نے منافقت سے کام لیا ہے کہ وہ اپنے اُن بھائیوں سے جو کافر  
اہل کتاب میں سے ہیں یہ کہتے ہیں کہ: ”اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور  
تمہارے بارے میں کبھی کسی اور کا کہنا نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری  
مدد کریں گے۔“ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۱﴾

(۹) اس سے ایک تو وہ حضرات مراد ہیں جو مذکور صحابہؓ کے بعد پیدا ہوئے، یا مسلمان ہوئے، ان کو بھی اس مالِ  
فِی سے حصہ دیا جائے گا، دوسرے اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مالِ فِی کا جو حصہ بیت المال میں محفوظ رہے  
گا، وہ آنے والے مسلمانوں کی ضروریات میں استعمال ہوگا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی  
آیت کی بنا پر عراق کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے اُن پر خراج عائد کر دیا تھا، تا کہ وہ بیت المال  
میں جا کر تمام آنے والوں کے کام آئے۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لئے اہل علم ”معارف القرآن“ اور بندے کی  
کتاب ”ملکیت زمین کی شرعی حیثیت“ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

لَئِنْ أَخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ  
لَيَوَلَّنَّ إِلَّا دُبَارًا ۚ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ۝ (۱۲) لَا تَتِمَّ أَسْذُرُهُبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ  
اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ (۱۳) لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَبِيعًا إِلَّا فِي قُرَىٰ مُّحَصَّنَةٍ  
أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسِبُهُمْ جَبِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ  
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (۱۴) كَسَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاتُ أَوْبَالٍ  
أَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (۱۵)

یہ کئی بات ہے کہ اگر ان (اہل کتاب) کو نکالا گیا تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر اُن سے  
جنگ کی گئی تو یہ اُن کی مدد نہیں کریں گے، اور اگر بالفرض اُن کی مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے،  
پھر اُن کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔ ﴿۱۲﴾ (مسلمانو!) حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں تمہاری  
دہشت اللہ سے زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں سمجھ نہیں ہے۔ ﴿۱۳﴾ یہ سب لوگ  
اکٹھے ہو کر بھی تم سے جنگ نہیں کریں گے، مگر ایسی بستیوں میں جو قلعوں میں محفوظ ہوں، یا پھر  
دیواروں کے پیچھے چھپ کر۔ ان کی آپس کی مخالفتیں بہت سخت ہیں۔ تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو، حالانکہ  
ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عقل نہیں ہے۔ ﴿۱۴﴾ ان کی  
حالت ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے اپنے کرتوت کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے  
دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۵﴾

(۱۰) یعنی جب یہ منافقین یہودیوں کو یقین دلارہے تھے کہ ہم تمہاری مدد کریں گے، اُس وقت بھی ان کے دل میں  
ارادہ نہیں تھا، اور آئندہ بھی اگر کوئی ایسا موقع آئے تو یہ لوگ اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ جنگ میں کسی کی مدد کریں۔  
(۱۱) اس — مراد ایک اور قبیلے بنو قینقاع کے یہودی ہیں۔ انہوں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امن  
اور باہمی تعاون کا معاہدہ کیا تھا، لیکن پھر خود ہی آپ سے جنگ ٹھان لی جس کے نتیجے میں انہوں نے شکست بھی  
کھائی، اور ان کو بھی مدینہ منورہ سے جلا وطن کیا گیا۔



كَشَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّى بَرِئٌ مِّنْكَ اِنِّى  
 اَخَافُ اللهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَ  
 اِنَّ ذٰلِكَ جَزَاؤُ الظَّالِمِيْنَ ﴿١٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا  
 قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللهَ ۚ اِنَّ اللهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُونُوْا كَالَّذِيْنَ  
 سُوِيَ اللهَ فَاَنسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١٩﴾

ان کی مثال شیطان کی سی ہے کہ وہ انسان سے کہتا ہے کہ: ”کافر ہو جا“ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ: ”میں تجھ سے بری ہوں، میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“ ﴿۱۶﴾ چنانچہ ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ دونوں دوزخ میں ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی ظلم کرنے والوں کی سزا ہے۔ ﴿۱۷﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اُس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور تم اُن جیسے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول بیٹھے تھے، تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ وہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ ﴿۱۹﴾

(۱۲) شیطان کا یہ دطیرہ ہے کہ وہ شروع میں تو انسان کو کفر اور گناہوں پر اکساتا ہے، لیکن جب اُس کے نتیجے میں اُس کی بات ماننے والوں کو کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو وہ اُن سے بے تعلقی اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا ایک واقعہ غزوہ بدر کے سلسلے میں سورۃ انفال (۸: ۴۸) میں گزر چکا ہے۔ اور آخرت میں تو وہ کافروں کی ذمہ داری لینے سے صاف مکر ہی جائے گا، جس کی تفصیل سورۃ ابراہیم (۱۴: ۲۲) میں بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح یہ منافق لوگ شروع میں تو یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہے، لیکن جب وقت آیا تو مدد کرنے سے صاف مکر گئے۔

(۱۳) یعنی وہ اس بات سے غافل اور بے پروا ہو گئے کہ خود اُن کی جانوں کے لئے کوئی بات فائدے کی اور کوئی نقصان کی ہے، اور غفلت کے عالم میں وہی کام کرتے رہے جو انہیں تباہی کی طرف لے جانے والے تھے۔

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾  
 أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۖ وَتِلْكَ  
 الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
 عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
 الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۖ سُبْحَانَ اللَّهِ  
 عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۖ يُسَبِّحُ  
 لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٤﴾

ع

جنت والے اور دوزخ والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی وہ ہیں جو کامیاب ہیں۔ ﴿۲۰﴾  
 اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم اُسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رُعب سے جھکا جا رہا ہے، اور  
 پھٹا پڑتا ہے۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر سے کام  
 لیں۔ ﴿۲۱﴾ وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ چھپی اور کھلی ہر بات کو جاننے والا  
 ہے۔ وہی ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔ ﴿۲۲﴾ وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی  
 معبود نہیں ہے، جو بادشاہ ہے، تقدس کا مالک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن بخشنے والا ہے، سب کا  
 نگہبان ہے، بڑے اقتدار والا ہے، ہر خرابی کی اصلاح کرنے والا ہے، بڑائی کا مالک ہے۔ پاک  
 ہے اللہ اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿۲۳﴾ وہ اللہ وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے، وجود  
 میں لانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے، اُسی کے سب سے اچھے نام ہیں۔ آسمانوں اور زمین  
 میں جتنی چیزیں ہیں، وہ اُس کی تسبیح کرتی ہیں، اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی  
 مالک۔ ﴿۲۴﴾

(۱۴) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے کئی اسمائے حسنیٰ ذکر فرمائے گئے ہیں، یہاں اُن کا ترجمہ دیا گیا ہے،

لیکن اصل نام یہ ہیں: الرَّحْمَنُ، الرَّحِيمُ، الْمَلِكُ، الْقُدُّوسُ، السَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، الْمُؤَيَّدُ، الْعَزِيزُ، الْجَبَّارُ، الْمُتَكَبِّرُ، الْخَالِقُ، الْبَارِئُ، الْمُصَوِّرُ۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کل ننانوے نام بیان فرمائے ہیں جنہیں ”اسمائے حسنیٰ“ کہا جاتا ہے۔ واللہ الحمد اولاً و آخراً۔

الحمد للہ! سورہ حشر کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بتاریخ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۵ مئی ۲۰۰۸ء کو جاپان کے شہر کو بے سے کو یو ہاما جاتے ہوئے ریل میں تکمیل کو پہنچے، اور اس سورت کا تمام تر کام جاپان کے سفر میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے مفید بنادیں، اور باقی سورتوں کے کام کو بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْمُتَحَفَاتِ

## تعارف

یہ سورت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی ہے، ان دونوں واقعات کی تفصیل پیچھے سورہ فتح کے تعارف میں گزر چکی ہے۔ اس سورت کے بنیادی موضوع دو ہیں، ایک یہ کہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں جو بات طے ہوئی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے گا تو مسلمان اُسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے، اس کا اطلاق مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں پر نہیں ہوگا، اور اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آئے گی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا جائزہ لے کر دیکھیں گے کہ کیا واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہے، یا آنے کا مقصد کچھ اور ہے۔ اگر اس جائزے سے یہ بات ثابت ہو کہ وہ واقعی مسلمان ہو کر آئی ہے تو پھر اُسے واپس نہیں بھیجا جائے گا۔ اس صورت میں اگر وہ شادی شدہ ہو، اور اُس کا شوہر مکہ مکرمہ میں رہ گیا ہو اُس کے نکاح اور مہر وغیرہ سے متعلق کیا احکام ہوں گے؟ وہ بھی اس سورت میں بیان فرمائے گئے ہیں، اور جن مسلمانوں کے نکاح میں ابھی تک بت پرست عورتیں تھیں، اُن کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اب وہ اُن کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔ چونکہ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عورتوں کا امتحان یا جائزہ لینے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام ممتحنہ ہے، یعنی امتحان لینے والی۔

سورت کا دوسرا موضوع جو بالکل شروع میں بیان ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں سے کس قسم کے تعلقات رکھنا جائز ہے، اور کس قسم کے ناجائز۔ چنانچہ سورت کو اس حکم سے شروع فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو دشمنوں سے خصوصی دوستی نہیں رکھنی چاہئے۔ ان آیتوں کے

نزول کا پس منظر یہ ہے کہ سورہ فتح کے تعارف میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کو مکہ مکرمہ کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر ہی توڑ دیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لوگوں پر واضح فرما دیا تھا کہ اب وہ معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ کے کفار پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کی تیاری شروع فرمادی تھی، لیکن ساتھ ہی کوشش یہ تھی کہ قریش کے لوگوں کو آپ کی تیاری کا علم نہ ہو۔ اسی دوران سارہ نام کی ایک عورت جو گاجا کر پیسے کماتی تھی، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئی، اور اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہو کر نہیں آئی، بلکہ وہ شدید مفلسی میں مبتلا ہے، کیونکہ جنگ بدر کے بعد قریش مکہ کی عیش و عشرت کی محفلیں ویران ہو چکی ہیں، اب کوئی اُسے گانے بجانے کے لئے نہیں بلاتا۔ اس لئے مالی امداد حاصل کرنے کے لئے آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کو اُس کی مدد کرنے کی ترغیب دی، اور اُس کو کچھ نقدی اور کچھ کپڑے دے کر رخصت کیا گیا۔

دوسری طرف مہاجر صحابہ کرام میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک ایسے بزرگ تھے جو اصل میں یمن کے باشندے تھے، اور مکہ مکرمہ آ کر بس گئے تھے، مکہ مکرمہ میں اُن کا قبیلہ نہیں تھا۔ وہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، لیکن ان کے اہل و عیال مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے تھے جن کے بارے میں اُنہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں قریش کے لوگ اُن پر ظلم نہ کریں۔ دوسرے مہاجر صحابہ جن کے اہل و عیال مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، انہیں تو کسی قدر اطمینان تھا کہ اُن کا پورا قبیلہ وہاں موجود ہے جو کافروں کے ظلم سے اُنہیں تحفظ دے سکتا ہے، لیکن حضرت حاطبؓ کے اہل و عیال کو یہ تحفظ حاصل نہیں تھا۔ جب سارہ نامی عورت مکہ مکرمہ واپس جانے لگی تو اُن کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں قریش کے لوگوں کو خفیہ طور پر ایک خط میں یہ اطلاع دے دوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے مکہ مکرمہ کی فتح کا وعدہ فرما رکھا ہے، لیکن میری طرف سے قریش پر ایک احسان ہو جائے گا، اور اس احسان کی وجہ سے وہ میرے اہل و عیال کے ساتھ نرمی کا

معاملہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خط لکھ کر سارہ کے حوالے کر دیا کہ وہ قریش کے سرداروں کو پہنچا دے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی کہ سارہ ایک خفیہ خط لے کر گئی ہے، اور روضۂ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ، حضرت مرثدؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس مہم پر روانہ فرمایا کہ وہ اُس عورت کا پیچھا کر کے اُس سے وہ خط برآمد کریں، اور یہاں واپس لے آئیں۔ یہ حضرات گئے، اور انہوں نے وہ خط برآمد کر لیا۔ حضرت حاطبؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کی، اور اپنی اس غلطی کی وہی وجہ بیان کی جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی نیک نیتی کی وجہ سے اُن کی اس غلطی کو معاف فرما دیا۔ اسی واقعے پر اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

آیتها ۱۳ ۶۰ سُوْرَةُ الْمُمْتَحَنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۹۱ رُكُوْعَاتُهَا ۲

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ  
بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ  
تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ  
تُشْرُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۚ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْهُ  
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ①

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے کی خاطر اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے  
لئے (گھروں سے) نکلے ہو تو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ایسا دوست مت بناؤ کہ اُن کو محبت  
کے پیغام بھیجے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے، انہوں نے اس کو اتنا جھٹلایا ہے کہ وہ رسول کو  
بھی اور تمہیں بھی صرف اس وجہ سے (کے سے) باہر نکالتے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر  
ایمان لائے ہو۔ تم ان سے خفیہ طور پر دوستی کی بات کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم خفیہ طور پر کرتے ہو،  
اور جو کچھ علانیہ کرتے ہو، میں اُس سب کو پوری طرح جانتا ہوں۔ اور تم میں سے جو کوئی بھی ایسا  
کرے، وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ ① ﴿۱﴾

(۱) حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے جس واقعے کے پس منظر میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، وہ اوپر سورت کے  
تعارف میں تفصیل سے عرض کر دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کی کیا حدود ہونی چاہئیں؟ اس کی تفصیل  
کے لئے دیکھئے سورۃ آل عمران (۲۸:۳) کا حاشیہ۔



السمع الرقعة ۱۲  
معافقة ۱۲

إِنْ يَشْفِقُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَ  
دُوًّا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُم أَمْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُفْصَلُ  
بَيْنَكُمْ ۝ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ  
الَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالَ الْقَوْمُ لَهُمْ إِنَّا بَرَاءٌ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَاهُ  
إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَا تُغْفِرَ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۝

اگر تم ان کے ہاتھ آ جاؤ تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے، اور اپنے ہاتھ اور زبانیں پھیلا پھیلا کر  
تمہارے ساتھ بُرائی کریں گے، اور اُن کی خواہش یہ ہے کہ تم کافر بن جاؤ۔ ﴿۲﴾ قیامت کے دن  
نہ تمہاری رشتہ داریاں ہرگز تمہارے کام آئیں گی، اور نہ تمہاری اولاد۔ اللہ ہی تمہارے درمیان فیصلہ  
کرے گا، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُسے پوری طرح دیکھتا ہے۔ ﴿۳﴾ تمہارے لئے ابراہیم اور  
اُن کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ”ہمارا تم سے اور  
اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو، اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے (عقائد کے)  
منکر ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے جب تک تم  
صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔ البتہ ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ ضرور کہا تھا کہ: ”میں آپ کے  
لئے اللہ سے مغفرت کی دُعا ضرور مانگوں گا، اگرچہ اللہ کے سامنے میں آپ کو کوئی فائدہ پہنچانے کا  
کوئی اختیار نہیں رکھتا۔“ (۲)

(۲) مطلب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور کنبے سے برائت کا اظہار کر دیا تھا، لیکن  
شروع میں اپنے والد سے مغفرت کی دُعا کا وعدہ ضرور کیا تھا، لیکن جیسا کہ سورہ توبہ (۹: ۱۱۴) میں گدرا ہے،

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا قِتْنَةً  
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَافْغِرْ لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ  
فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ  
هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُمْ  
مَّوَدَّةً ۖ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اے ہمارے پروردگار! آپ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، اور آپ ہی کی طرف ہم رجوع ہوئے  
ہیں، اور آپ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۲﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا  
تختہ مشق نہ بنائیے، اور ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما دیجئے۔ یقیناً آپ، اور صرف آپ کی  
ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۵﴾ (مسلمانو!) یقیناً  
تمہارے لئے ان لوگوں کے طرزِ عمل میں بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ اور روزِ  
آخرت سے اُمید رکھتا ہو۔ اور جو شخص منہ موڑے، تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ سب سے بے نیاز ہے،  
بذاتِ خود قابلِ تعریف۔ ﴿۶﴾ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تمہارے اور جن لوگوں سے تمہاری دشمنی  
ہے، اُن کے درمیان دوستی پیدا کر دے، اور اللہ بڑی قدرت والا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت  
مہربان ہے۔ ﴿۷﴾<sup>(۳)</sup>

جب انہیں یہ پتہ چل گیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اللہ کا دشمن ہے، اور اُس کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، تو انہوں  
نے اس دُعا سے بھی علیحدگی اختیار فرمائی۔

(۳) یعنی اُمید ہے کہ مکہ مکرمہ میں جو لوگ اس وقت دشمنی پر آمادہ ہیں، اُن میں سے کچھ ایمان بھی لے  
آئیں گے، اور اُن کی دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جائے گی۔ چنانچہ فتحِ مکہ کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ  
ایمان لے آئے۔

لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝<sup>(۸)</sup>  
 إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝<sup>(۹)</sup>  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۚ فَإِنْ عَلِسْتُهُنَّ مُؤْمِنَاتٌ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۚ

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اُن کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ﴿۸﴾ اللہ تو تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملے میں جنگ کی ہے، اور تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہے، اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے، تم اُن سے دوستی رکھو۔ اور جو لوگ اُن سے دوستی رکھیں گے، وہ ظالم لوگ ہیں۔ ﴿۹﴾

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم اُن کو جانچ لیا کرو۔ اللہ ہی اُن کے ایمان کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مومن عورتیں ہیں تو تم انہیں کافروں کے پاس واپس نہ بھیجنا۔

(۴) یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں سے نہ جنگ کرتے ہیں، اور نہ انہیں کوئی اور تکلیف دیتے ہیں، اُن سے اچھا برتاؤ اور نیکی کا سلوک اللہ تعالیٰ کو ہرگز ناپسند نہیں ہے، بلکہ انصاف کا معاملہ کرنا تو ہر مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ واجب ہے۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَاتُّوهُم مَّا أَنْفَقُوا ۖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
 أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۖ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسَلُّوا  
 مِمَّا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ أَنْفَقُوا ۖ ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ  
 حَكِيمٌ ۝۱۰ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَرْوَاحِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ  
 ذَهَبَتْ أَرْوَاحُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝۱۱

وہ ان کافروں کے لئے حلال نہیں ہیں، اور وہ کافران کے لئے حلال نہیں ہیں<sup>(۵)</sup>۔ اور ان کافروں نے  
 جو کچھ (ان عورتوں پر مہر کی صورت میں) خرچ کیا ہو، وہ انہیں ادا کر دو۔<sup>(۶)</sup> اور تم پر ان عورتوں سے  
 نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ تم نے ان کے مہر انہیں ادا کر دیئے ہوں۔ اور تم کافر عورتوں  
 کی عصمتیں اپنے قبضے میں باقی نہ رکھو، اور جو کچھ تم نے (ان کافر بیویوں پر مہر کی صورت میں) خرچ  
 کیا تھا، وہ تم (ان کے نئے شوہروں سے) مانگ لو، اور انہوں نے جو کچھ (اپنی مسلمان ہو جانے  
 والی بیویوں پر) خرچ کیا تھا، وہ (ان کے نئے مسلمان شوہروں سے) مانگ لیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ  
 ہے، وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اور اللہ بڑے علم والا، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿۱۰﴾ اور اگر  
 تمہاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کے پاس جا کر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، پھر تمہاری نوبت  
 آئے تو جن لوگوں کی بیویاں جاتی رہی ہیں، ان کو اتنی رقم ادا کر دو<sup>(۷)</sup> جتنی انہوں نے (اپنی ان بیویوں  
 پر) خرچ کی تھی، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔ ﴿۱۱﴾

(۵) اس آیت نے یہ واضح حکم عطا فرمادیا کہ کوئی مسلمان عورت کسی بھی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔  
 چنانچہ اگر کسی غیر مسلم کی بیوی مسلمان ہو جائے تو اُس کے شوہر کو بھی اسلام لانے کی پیشکش کی جائے گی، اگر وہ  
 بھی عورت کی عدت کے دوران اسلام قبول کر لے تو ان کا نکاح باقی رہے گا، لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہو، تو اُس کی

مسلمان بیوی اُس کے نکاح سے نکل جائے گی، اور عدت کے بعد کسی مسلمان سے نکاح کر سکے گی۔

(۶) جو شادی شدہ عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئیں، اُن کے شوہروں سے اُن کا نکاح ختم ہو جاتا تھا، لیکن چونکہ مکہ مکرمہ کے کافروں سے اُس وقت صلح کا معاہدہ تھا، اس لئے اُن کو یہ سہولت دی گئی تھی کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو جو مہر دیا تھا، وہ ان کو اس طرح واپس کرنے کا حکم دیا گیا کہ جو مسلمان اُن عورتوں سے نکاح کرے، وہ اُس کا مہر اُس کے پہلے کافر شوہر کو ادا کر دے۔

(۷) اس آیت کے نزول سے پہلے بہت سے صحابہ ایسے تھے کہ وہ خود تو مسلمان ہو گئے تھے، لیکن اُن کی بیویاں مسلمان نہیں ہوئی تھیں، اور وہ ابھی تک اُن کے نکاح میں چلی آرہی تھیں۔ اس آیت نے حکم دے دیا کہ اب کوئی بت پرست عورت کسی مسلمان کے نکاح میں باقی نہیں رہ سکتی اور جیسا کہ مشرکین کے بارے میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ انہوں نے اپنی مسلمان ہونے والی بیویوں کو جو مہر ادا کیا تھا، وہ انہیں واپس کیا جائے، اسی طرح مسلمانوں کی جن کافر بیویوں کا نکاح مسلمانوں سے ختم ہوا، اُن کا جو مہر اُن کے مسلمان شوہروں نے دیا تھا، اُس کے بارے میں بھی انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ ان عورتوں کے نئے شوہر وہ مہر اُنے مسلمان شوہروں کو واپس کریں، اس لئے مسلمان شوہروں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی ان مطلقہ بیویوں کے نئے شوہروں سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے بعد ایسے صحابہؓ نے اپنی مشرک بیویوں کو طلاق دے کر الگ کر دیا، لیکن اس کے بعد اُن سے جن مشرک مردوں نے نکاح کیا، انہوں نے مسلمانوں کو ان کا مہر واپس نہیں کیا۔ اس لئے اگلے فقرے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جن مسلمانوں کی بیویاں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے نکاح میں چلی گئیں، اور اُن کے نئے شوہروں نے مسلمانوں کو اُن کا دیا ہوا مہر نہیں لوٹایا، وہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے یہ کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آئی ہو، اور اُس سے کسی مسلمان نے نکاح کیا ہو، تو اُس پر جو یہ واجب کیا گیا تھا کہ وہ اُن کے پُرانے شوہروں کو اُن کا دیا ہوا مہر لوٹائے، اب وہ اُس کافر شوہر کو دینے کے بجائے اُس مسلمان کو دیدے جس کی بیوی کافر ہونے کی بنا پر کسی کافر کے نکاح میں آ گئی ہو، اور اُس کے نئے شوہر نے اُس مسلمان کو مذکورہ قاعدے کے مطابق مہر واپس نہ کیا ہو۔ اس طرح مسلمان کو اُس کا حق مل جائے گا، اور کافر لوگ آپس میں ایک دوسرے سے تصفیہ کر لیں گے۔

(۸) یعنی تمہیں اپنا دیا ہوا مہر اُن عورتوں کے نئے شوہروں سے وصول کرنے کی نوبت آئے۔

(۹) یہ خطاب اُن مسلمانوں سے ہے جنہوں نے مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورتوں سے نکاح کیا، اور اُن کے ذمے واجب ہو گیا کہ وہ اُن کے پُرانے شوہروں کو اُن کا دیا ہوا مہر لوٹائیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِهْتَانٍ يَقْتَرِيْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَنْفُجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ①  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَسْؤُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَبِيسُ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ②

ع ۶۰

اے نبی! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں مانیں گی، اور چوری نہیں کریں گی، اور زنا نہیں کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہو، اور نہ کسی بھلے کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی، تو تم اُن کو بیعت کر لیا کرو، اور اُن کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۲﴾  
اے ایمان والو! اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے۔ وہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کافر لوگ قبروں میں مدفون لوگوں سے مایوس ہیں۔ ﴿۱۳﴾

(۱۰) عربی محاورے کے مطابق ”ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان“ بہتان باندھنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کھلم کھلا اور جانتے بوجھتے کسی پر جھوٹا بہتان باندھا جائے، اور ”ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان“ بہتان باندھنے کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنے شوہر کا بیٹا قرار دیں جو درحقیقت اُس کا نہیں ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں عورتیں یا تو کسی اور کا بچہ اٹھلاتیں اور کہتیں کہ یہ میرے شوہر کا بچہ ہے، یا جانتے بوجھتے زنا کرتیں، اور اُس حرام کی اولاد کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی تھیں۔ یہاں اس گھناؤنے جرم سے باز رہنے کا معاہدہ کرنا مقصود ہے۔ واضح رہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی عورت کو بیعت کرتے تھے تو

اُس کا ہاتھ کبھی اپنے ہاتھ میں لے کر نہیں کرتے تھے، بلکہ بس زبانی بیعت فرما لیتے تھے۔  
 (۱۱) یعنی جس طرح کافر لوگ اپنے مرے ہوئے عزیزوں دوستوں اور باپ دادوں سے مایوس ہیں کہ وہ ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے، اسی طرح یہ لوگ آخرت کی زندگی سے مایوس ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: ”یہ لوگ آخرت سے ایسے ہی مایوس ہو چکے ہیں جیسے وہ کافر مایوس ہیں جو قبروں میں جا چکے“ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو کافر قبروں میں جا چکے ہیں، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ آخرت کی زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی آخرت کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں۔

الحمد للہ! سورہ ممتحنہ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بروز دوشنبہ مورخہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶ اپریل ۲۰۰۸ء کو بحرین میں مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور اسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الصَّفِّ



## تعارف

یہ سورت مدینہ منورہ میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب منافقین آس پاس کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے تھے۔ اس سورت میں بنی اسرائیل کے یہودیوں کا یہ کردار خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے خود اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، جس کے نتیجے میں اُن کے مزاج میں ٹیڑھ پیدا ہو گئی، اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اُن کی نبوت کا بھی انکار کیا، اور انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جو بشارتیں دی تھیں، اُن پر بھی کان نہیں دھرا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی نبوت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، بلکہ آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ بنی اسرائیل کے اس کردار کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس سورت میں مخلص مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اگر انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھیک ٹھیک پیروی کی، اور وہ کام کئے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں خاص طور پر حکم دیا ہے، اور اُن میں جہاد خصوصی اہمیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کو عنقریب فتح و نصرت عطا فرمانے والے ہیں جس کے نتیجے میں منافقین اور یہودیوں کی ساری سازشیں خاک میں مل جائیں گی۔ اسی سیاق میں اس سورت کی چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صف بنا کر جہاد کرتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورت کا نام سورہ صف ہے۔

آیاتھا ۱۲ سُورَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۹ رُكُوعَاتُهَا ۲

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

سَبِّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا  
تَفْعَلُونَ ③ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَهُمْ بُنْيَانٌ  
مَّرْصُوصٌ ④ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ لِمَ تَقُولُونَ لِمَ تَقُولُونَ لِمَ تَقُولُونَ  
لِلَّهِ إِلَٰهِيكُمْ ⑤ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ⑥ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ⑦

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چودہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو بھی کوئی چیز ہے، اُس نے اللہ کی تسبیح کی ہے، اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی  
مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱﴾ اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں  
ہو؟ ﴿۲﴾ اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی قابلِ نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ ﴿۳﴾  
حقیقت یہ ہے کہ اللہ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے  
ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔ ﴿۴﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا  
تھا کہ: ”اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے تکلیف کیوں پہنچاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں  
تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر بن کر آیا ہوں؟“ پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے  
دلوں کو ٹیڑھا کر دیا، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۵﴾

(۱) یہ بات کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، پیچھے کئی مقامات پر گزر چکی ہے، مثلاً سورۃ نور

(۲۴:۳۶ اور ۴۱) اور سورہ حشر (۵۹:۲۴) اور سورہ بنی اسرائیل (۱۷:۴۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ پیچھے سورہ حدید (۵۷) اور سورہ حشر (۵۹) کو اور آگے سورہ جمعہ (۶۲) اور سورہ تغابن (۶۴) کو اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کے بیان سے شروع فرمایا ہے، اور بظاہر اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہیں اپنی توحید پر ایمان لانے اور اپنی عبادت کرنے کا حکم دے رہا ہے تو اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اُس کی ذات بے نیاز ہے، تم اُس کی عبادت کرو یا نہ کرو، کائنات کی ہر چیز اُس کے آگے سر بہ خم ہے۔

(۲) امام احمد اور امام بغویؒ نے روایت نقل کی ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے آپس میں اس قسم کی باتیں کی تھیں کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم اُس کے لئے جان تک قربان کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا، اور یہ سورت انہیں پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر مظہری اور ابن کثیر) اس میں پہلے تو انہیں یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکالنی چاہئے جس میں دعوے کا کوئی پہلو نکلتا ہو کہ میں فلاں کام ضرور کروں گا، کیونکہ عین ممکن ہے کہ کسی وجہ سے وہ کام ہو نہ سکے اور دعویٰ جھوٹا ہو جائے، اور انسان جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ نہ کر نہ سکے۔ ہاں اپنے اوپر بھروسہ کرنے کے بجائے عاجزی کے ساتھ کوئی ارادہ ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد اُن کی خواہش کے مطابق بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو جہاد کا عمل بہت پسند ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ قرآن و حدیث میں بہت سے اعمال کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ مختلف حالات اور مختلف انسانوں کے لحاظ سے مختلف اعمال کو سب سے زیادہ محبوب قرار دیا گیا ہے، مثلاً کسی وقت جہاد ہو رہا ہو تو اُس وقت وہی عمل سب سے زیادہ محبوب ہوگا، کسی وقت کسی کے والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو اُس وقت اُن کی خدمت ہی سب سے بہتر عمل قرار پائے گا۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قوم نے کس کس طرح تکلیفیں پہنچائیں، اس کی تفصیل سورہ بقرہ (۵۹:۲) وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

(۴) یعنی جان بوجھ کر ہٹ دھرمی کرنے کی یہ سزا دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل ایسے ٹیڑھے کر دیئے کہ اب ان میں حق بات قبول کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِبَنِي إِسْرَآءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا  
لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ  
فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ①

اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ: ”اے بنو اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی، میں اُس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور اُس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔“ پھر جب وہ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ: ”یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔“ ﴿۶﴾

(۵) ”احمد“ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی نام سے آپ کی بشارت دی تھی۔ اس قسم کی ایک بشارت آج بھی انجیل یوحنا میں تحریف شدہ حالت میں موجود ہے۔ انجیل یوحنا کی عبارت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: ”اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔“ (یوحنا ۱۴: ۱۶) یہاں جس لفظ کا ترجمہ مددگار کیا گیا ہے، وہ اصل یونانی میں ”فارقلیط“ (Periclytos) تھا جس کے معنی ہیں ”قابل تعریف شخص“ اور یہ ”احمد“ کا لفظی ترجمہ ہے، لیکن اس لفظ کو "Paracletus" سے بدل دیا گیا ہے، جس کا ترجمہ ”مددگار“ اور بعض تراجم میں ”وکیل“ یا ”شفیع“ کیا گیا ہے۔ اگر ”فارقلیط“ کا لفظ مد نظر رکھا جائے تو صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ: ”وہ تمہارے پاس اُس قابل تعریف شخص (احمد) کو بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔“ اس میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص علاقے یا کسی خاص زمانے کے لئے نہیں ہوں گے، بلکہ آپ کی نبوت قیامت تک آنے والے ہر زمانے کے لئے ہوگی۔ نیز برنا باس کی انجیل میں کئی مقامات پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتیں موجود ہیں۔ اگرچہ عیسائی مذہب والے اس انجیل کو معتبر نہیں مانتے، لیکن ہمارے نزدیک وہ اُن چاروں انجیلوں سے زیادہ مستند ہے جنہیں عیسائی مذہب میں معتبر مانا گیا ہے۔ اس کے مفصل دلائل میں نے اپنی کتاب ”عیسائیت کیا ہے؟“ میں بیان کئے ہیں۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٤﴾ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٥﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلَ أَذْكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٧﴾

(۶) اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، جبکہ اُسے اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو؟ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۷﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کی تکمیل کر کے رہے گا، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بُری لگے۔ ﴿۸﴾ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اُسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی بُری لگے۔ ﴿۹﴾ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلا دے؟ ﴿۱۰﴾

(۶) جس شخص کو اسلام کی دعوت دی جائے، اور وہ کسی پیغمبر کی رسالت کا انکار کرے تو درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ پر یہ جھوٹ باندھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا۔

(۷) دلیل اور حجت کے میدان میں تو اسلام ہمیشہ سے غالب ہے، اور رہے گا، البتہ دُنیا میں مسلمانوں کا غلبہ بہت سی شرائط سے مشروط ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانوں میں، نیز اُس کے بعد بھی صدیوں تک مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا، پھر ان شرائط کے فقدان کی وجہ سے یہ غلبہ ختم ہوا۔ اور آخر زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ اسلام اور مسلمان پھر دُنیا پر غالب ہوں گے۔

(۸) تجارت میں کوئی چیز کسی کو دے کر اُس کی قیمت حاصل کی جاتی ہے، اسی طرح ایک مسلمان اپنی جان و مال اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے صلے میں جنت اور عذاب سے رہائی عطا فرماتے ہیں۔ دیکھئے سورۃ توبہ (۱۱۱:۹)۔

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۖ  
 ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ  
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٌ طَيِّبَةٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۖ ذَلِكِ الْقَوْزُ  
 الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۖ نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۖ وَبَشِيرِ  
 الْمُؤْمِنِينَ ۝ يَٰ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ  
 مَرْيَمَ لِحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ  
 اللَّهِ فَأَمْنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ ۚ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ  
 آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۝

۱۱۱

(وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہترین بات ہے، اگر تم سمجھو۔ ﴿۱۱﴾ اس کے نتیجے میں اللہ تمہاری خاطر تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور تمہیں ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ایسے عمدہ گھروں میں بسائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں واقع ہوں گے۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور ایک اور چیز تمہیں دے گا جو تمہیں پسند ہے، (اور وہ ہے) اللہ کی طرف سے مدد، اور ایک ایسی فتح جو عنقریب حاصل ہوگی! اور (اے پیغمبر!) ایمان والوں کو (اس بات کی) خوشخبری سنا دو۔ ﴿۱۳﴾ اے ایمان والو! تم اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ، اسی طرح جیسے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے حواریوں سے کہا تھا کہ: ”وہ کون ہیں جو اللہ کے واسطے میرے مددگار بنیں؟“ حواریوں نے کہا: ”ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں۔“ پھر

بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا، اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے، ہم نے ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غالب آئے۔ ﴿۱۲﴾

(۹) ”حواری“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان ساتھیوں کو کہتے ہیں جو آپ پر ایمان لائے تھے، جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو ”صحابہ“ کہا جاتا ہے۔

الحمد للہ! سورہ صف کا ترجمہ اور تشریح آج بتاریخ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۱ مئی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْحَجُّرَةِ



## تعارف

اس سورت کے پہلے رُکوع میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی بعثت کے مقاصد بیان فرما کر پوری انسانیت کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور خاص طور پر یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ جس کتاب یعنی تورات پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت موجود ہے، اس کے باوجود وہ آپ پر ایمان نہ لا کر خود اپنی کتاب کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ پھر دوسرے رُکوع میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان کی تجارتی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے راستے میں رُکاوٹ نہیں بنی چاہئیں، چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد ہر قسم کی خرید و فروخت بالکل ناجائز ہے۔ نیز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے ہوں، اُس وقت کسی تجارتی کام کے لئے آپ کو چھوڑ کر چلے جانا جائز نہیں ہے، اور اگر دُنیوی مصروفیات کا شوق کسی دینی فریضے میں رُکاوٹ بننے لگے تو اس بات کا دھیان کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے آخرت میں جو کچھ تیار کر رکھا ہے، وہ دُنیا کی ان دُلفریبیوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اور دینی فرائض کو رِزق کی خاطر چھوڑنا سراسر نادانی ہے، کیونکہ رِزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، لہذا رِزق اُس کی نافرمانی کر کے نہیں، بلکہ اُس کی اطاعت کر کے طلب کرنا چاہئے۔ چونکہ دوسرے رُکوع میں جمعہ کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لئے سورت کا نام جمعہ ہے۔

آیاتھا ۱۱ سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۰ رُكُوعَاتُهَا ۲

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ ۱ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَنَبَايَحَتْقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۲

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ ہے، بڑے تقدس کا مالک ہے، جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۱﴾ وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اُس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، ﴿۲﴾ اور (یہ رسول جن کی طرف بھیجے گئے ہیں) ان میں کچھ اور بھی ہیں جو ابھی ان کے ساتھ آکر نہیں ملے۔ ﴿۳﴾ اور وہ بڑے اقتدار والا، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿۳﴾

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے یہی مقاصد سورہ بقرہ (۱۲۹:۲) اور سورہ آل عمران (۱۶۳:۳) میں بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۲) اس کا مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان عربوں کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے جو آپ کے زمانے میں موجود تھے، بلکہ آپ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں، چاہے وہ کسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ ۖ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ مَثَلُ الَّذِينَ  
حَبَلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْصِلُوْهَا كَمَثَلِ الْجِبَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۖ بِئْسَ مَثَلُ  
الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ قُلْ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زِعْمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا  
الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ﴿۴﴾ جن لوگوں پر  
تورات کا بوجھ ڈالا گیا، پھر انہوں نے اُس کا بوجھ نہیں اٹھایا، ان کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو  
بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو۔ بہت بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو  
جھٹلایا، اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ:  
”اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو! اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ سارے لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست  
ہو، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔“ ﴿۶﴾

(۳) یہودی یہ چاہتے تھے کہ آخر زمانے کے نبی اُنہی میں سے یعنی بنی اسرائیل میں سے آئیں، اور عرب کے  
بت پرست یہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی نبی بھیجتا تھا تو وہ ہمارے بڑے سرداروں میں سے کوئی ہونا چاہئے تھا  
(دیکھئے سورۃ زُحرف ۴۳: ۳۱) اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا  
ہے، دیتا ہے۔ کسی اور کے لئے اس معاملے میں دخل دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) یعنی تورات کے احکام پر عمل کرنے کی جو ذمہ داری اُن پر ڈالی گئی تھی، اُس کو پورا نہیں کیا۔ اس میں یہ  
بات بھی داخل ہے کہ انہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن وہ آپ پر  
ایمان نہیں لائے۔

(۵) یہی بات سورۃ بقرہ (۹۵: ۲) میں بھی فرمائی گئی ہے۔ یہ بہت آسان چیلنج تھا جو یہودیوں کو دیا گیا تھا، ان  
کے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ سامنے آکر یہ کہہ دیں کہ ہم موت کی تمنا کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی یہ کہنے کے  
لئے آگے نہیں بڑھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا چیلنج ہے، اس لئے جو نبی وہ یہ تمنا  
کریں گے، واقعی انہیں موت آجائے گی۔

وَلَا يَتَسَوَّنَا أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ⑤ قُلْ إِنَّ  
 الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ  
 فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑥ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمٍ  
 الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑦  
 فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ  
 كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ⑧ وَإِذَا سَأَلَكَ وَاجِدُكَ الرَّجُلَ وَابْتَاعَ بَدَنًا  
 فَتَمَلَّقْهُ ۚ فَاصْبِرْ ۚ وَلَا تَكُن مِمَّنْ سَوَّاهُ وَلَا يُخَبِّرُكَ بِغَيْبِهِ ۚ فَاصْبِرْ ۚ إِنَّكَ  
 فَاعِلٌ ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهِو وَمِنَ الْبَيْعِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرٌ الرَّزَاقِينَ ⑩

اور انہوں نے اپنے ہاتھوں جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں، اُن کی وجہ سے یہ کبھی موت کی تمنا نہیں  
 کریں گے، اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۷﴾ کہو کہ: ”جس موت سے تم بھاگتے ہو، وہ  
 تم سے آملنے والی ہے، پھر تمہیں اُس (اللہ) کی طرف لوٹایا جائے گا جسے تمام پوشیدہ اور کھلی ہوئی  
 باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔“ ﴿۸﴾

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو، اور خرید و  
 فروخت چھوڑ دو۔<sup>(۶)</sup> یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔ ﴿۹﴾ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین  
 میں منتشر ہو جاؤ، اور اللہ کا فضل تلاش کرو،<sup>(۷)</sup> اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب  
 ہو۔ ﴿۱۰﴾ اور جب کچھ لوگوں نے کوئی تجارت یا کوئی کھیل دیکھا تو اُس کی طرف ٹوٹ پڑے، اور  
 تمہیں کھڑا ہوا چھوڑ دیا۔<sup>(۸)</sup> کہہ دو کہ: ”جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کھیل اور تجارت سے کہیں زیادہ  
 بہتر ہے، اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔“ ﴿۱۱﴾

(۶) جمعہ کی پہلی اذان کے بعد جمعہ کی تیاری کے سوا کوئی اور کام جائز نہیں، نیز جب تک نماز جمعہ ختم نہ ہو جائے،

خرید و فروخت کا کوئی معاملہ جائز نہیں ہے۔ اللہ کے ذکر سے مراد جمعہ کا خطبہ اور نماز ہے۔

(۷) جیسا کہ بارہا گذر چکا ہے، اللہ کا فضل تلاش کرنا قرآن کریم کی اصطلاح میں تجارت وغیرہ کے ذریعے روزگار حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے، لہذا مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت پر جو پابندی اذان کے بعد عائد ہوئی تھی، جمعہ کی نماز ختم ہونے کے بعد وہ اٹھ جاتی ہے، اور خرید و فروخت جائز ہو جاتی ہے۔

(۸) حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب جمعہ کی نماز ختم ہو چکی تھی، اور آپ خطبہ دے رہے تھے تو ایک قافلہ کچھ سامان لے کر آیا، اور ڈھول بجا کر اُسکے آنے کا اعلان بھی کیا جا رہا تھا۔ اُس وقت مدینہ منورہ میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی تھی، اس لئے صحابہ کی ایک بڑی تعداد خطبہ چھوڑ کر اُس قافلے کی طرف نکل گئی، اور تھوڑے سے افراد مسجد میں رہ گئے۔ اس آیت میں اس طرح جانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خطبہ چھوڑ کر جانا جائز نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کی صرف نماز ہی فرض نہیں ہے، بلکہ خطبہ سننا بھی واجب ہے۔

الحمد للہ! سورہ جمعہ کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بروز بدھ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۳ جون ۲۰۰۸ء کو کراچی سے لاہور جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الْمُنَافِقُونَ

## تعارف

یہ سورت ایک خاص واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنوالمصطلق عرب کا ایک قبیلہ تھا جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ خود وہاں تشریف لے گئے، ان سے جنگ ہوئی، اور آخر کار ان لوگوں نے شکست کھائی، اور بعد میں مسلمان بھی ہوئے۔ جنگ کے بعد چند دن آپ نے وہیں ایک چشمے کے قریب پڑاؤ ڈالے رکھا جس کا نام مریسیع تھا۔ اسی قیام کے دوران ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی ہی کے کسی معاملے پر جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑے میں نوبت ہاتھ پائی کی آگئی، اور ہوتے ہوتے مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا، اور انصاری نے انصار کو، یہاں تک کہ اندیشہ ہو گیا کہ کہیں مہاجرین اور انصار کے درمیان لڑائی نہ چھڑ جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ تشریف لائے، اور فرمایا کہ مہاجر اور انصار کے نام پر لڑائی کرنا وہ جاہلانہ عصبیت ہے جس سے اسلام نے نجات دی ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ عصبیت کے بدبودار نعرے ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑنے ہوں گے۔ ہاں مظلوم جو کوئی بھی ہو، اُس کی مدد کرنی چاہئے، اور ظالم جو کوئی ہو، اُسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جھگڑا فرو ہو گیا، اور جن حضرات میں ہاتھ پائی ہوئی تھی، ان کے درمیان معافی تلافی ہو گئی۔ یہ جھگڑا تو ختم ہو گیا، لیکن مسلمانوں کے لشکر میں کچھ منافق لوگ بھی تھے جو مال غنیمت میں حصہ دار بننے کے لئے شامل ہو گئے تھے، اُن کے سردار عبداللہ بن ابی کوجب اس جھگڑے کا علم ہوا تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم نے مہاجروں کو اپنے شہر

میں پناہ دے کر اپنے سر پر چڑھالیا ہے، یہاں تک کہ اب وہ مدینے کے اصل باشندوں پر ہاتھ اٹھانے لگے ہیں، یہ صورتِ حال قابلِ برداشت نہیں ہے۔ پھر اُس نے یہ بھی کہا کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ اُس کا واضح اشارہ اس طرف تھا کہ مدینے کے اصل باشندے مہاجروں کو نکال باہر کریں گے۔ اس موقع پر ایک مخلص انصاری صحابی حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے، انہوں نے اس بات کو بہت بُرا سمجھا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ عبد اللہ بن اُبتی نے ایسا کہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن اُبتی سے پوچھا تو وہ صاف مکر گیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر فرمایا کہ شاید حضرت زید بن ارقمؓ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ حضرت زید بن ارقمؓ کو یہ رنج تھا کہ عبد اللہ بن اُبتی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُن کو جھوٹا بنایا۔ اُس کے بعد آپ اپنے صحابہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ابھی مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ یہ سورت نازل ہو گئی جس نے حضرت زید بن ارقمؓ کی تصدیق کی، اور منافقین کی حقیقت واضح فرمائی۔



آیاتھا ۱۱ ۲۳ سُورَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۴ رُكُوْعَاتُهَا ۲

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهُ ۚ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱ اَتَّخِذُوْا اٰیٰتَهُمْ جُنَّةً ۙ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ۚ فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں“ اور اللہ جانتا ہے کہ آپ واقعی اُس کے رسول ہیں، اور اللہ (یہ بھی) گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق لوگ جھوٹے ہیں۔ ﴿۱﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنا رکھا ہے، پھر یہ لوگ دُوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت ہی بُرے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۲﴾ یہ ساری باتیں اس وجہ سے ہیں کہ یہ (شروع میں بظاہر) ایمان لے آئے، پھر انہوں نے کفر اپنالیا، اس لئے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، نتیجہ یہ کہ یہ لوگ (حق بات) سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ ﴿۳﴾

(۱) جس طرح ڈھال سے تلوار سے بچاؤ کیا جاتا ہے، اسی طرح ان لوگوں نے اپنے بچاؤ کے لئے یہ قسمیں کھالی ہیں کہ وہ مؤمن ہیں، تاکہ دُنیا میں کافروں کا جو بُرا انجام ہونے والا ہے، یہ اُس سے بچ جائیں۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَانَتْهُمْ حُشْبٌ  
 مُّسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۖ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۖ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ  
 أَنْ يُوَفَّقُونَ ۚ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا أَعْنَافَهُمْ وَ  
 رَأَيْتَهُمْ يُصَدُّونَ ۖ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ۝

جب تم ان کو دیکھو تو ان کے ڈیل ڈول تمہیں بہت اچھے لگیں، اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی باتیں  
 سنتے رہ جاؤ، ان کی مثال ایسی ہے جیسے یہ لکڑیاں ہیں جو کسی سہارے سے لگی رکھی ہیں۔<sup>(۲)</sup> یہ ہر چیخ پکار  
 کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہی ہیں جو (تمہارے) دشمن ہیں، اس لئے ان سے ہوشیار رہو۔ اللہ کی  
 مار ہو ان پر! یہ کہاں اوندھے چلے جا رہے ہیں؟ ﴿۴﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اللہ کے  
 رسول تمہارے حق میں مغفرت کی دعا کریں، تو یہ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں،<sup>(۵)</sup> اور تم انہیں دیکھو گے  
 کہ وہ بڑے گھمنڈ کے عالم میں بے رخی سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۵﴾

(۲) یعنی ان کا ظاہری حلیہ بڑا ہڈ کشش ہے، اور باتیں بڑی لچھے دار ہیں، کہ آدمی انہیں سنتا ہی رہ جائے، لیکن  
 اندر سے ان میں نفاق کی نجاست بھری ہوئی ہے۔ روایات میں ہے کہ عبد اللہ بن ابی اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار  
 سے پرکشش شخصیت رکھتا تھا، اور اُس کی باتیں بھی بڑی فصاحت و بلاغت کی حامل ہوتی تھیں۔

(۳) لکڑیاں اگر کسی دیوار کے سہارے لگی رکھی ہوں تو دیکھنے میں کتنی اچھی لگیں، اُن کا فائدہ کوئی نہیں ہوتا، اسی  
 طرح یہ منافق لوگ دیکھنے میں کتنے اچھے لگیں، حقیقت میں بالکل بے مصرف ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ  
 لوگ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تو ان کا جسم اگرچہ مجلس میں ہوتا تھا، لیکن دل و دماغ آپ  
 کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا، اس لحاظ سے بھی انہیں بے جان لکڑیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۴) چونکہ ان کے دل میں چور ہے، اس لئے اگر مسلمانوں میں کوئی شور ہو تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کچھ ہو رہا ہے۔

(۵) قرآن کریم نے جو لفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کا ترجمہ سر کا موڑنا بھی ہو سکتا ہے، اور ہلانا بھی۔ حضرت  
 شیخ الہند نے شاید اسی لئے اس کا ترجمہ مٹکانے سے کیا ہے جس میں ایک مکاری کا تصور پنہاں ہے، اور جو اُن کی  
 کیفیت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۖ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ① هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا ۖ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ② يَقُولُونَ لَيْنِ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۖ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ③

(اے پیغمبر!) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تم ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو، اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔<sup>(۱)</sup> یقین جانو اللہ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۶﴾ یہی تو ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ خود ہی منتشر ہو جائیں گے،<sup>(۲)</sup> حالانکہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۷﴾ کہتے ہیں کہ: ”اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا“ حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور اُس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۸﴾

(۶) مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنی منافقت سے توبہ کر کے صحیح معنی میں مسلمان نہیں ہو جاتے، اُس وقت تک ان کی بخشش نہیں ہوگی۔

(۷) سورت کے تعارف میں جو واقعہ اُپر آچکا ہے، اُس میں یہ بات عبد اللہ بن اُبی نے اپنے ساتھیوں سے کہی تھی کہ مسلمانوں پر اپنا مال خرچ کرنا بند کر دو، اُس کے نتیجے میں معاذ اللہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔

(۸) یہ وہی بات ہے جو عبد اللہ بن اُبی نے کہی تھی، اور پھر اُس سے مکر گیا تھا۔ تفصیلی واقعہ اُپر آچکا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتْلُوهُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ① وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِي أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ فَأَصَّدَّقَ وَ أَكُنْ مِنَ الصَّٰلِحِينَ ② وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ③

۲  
۱۳

اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں۔ اور جو لوگ ایسا کریں گے، وہ بڑے گھائے کا سودا کرنے والے ہوں گے۔ ﴿۹﴾ اور ہم نے تمہیں جو رِزق دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کر لو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو وہ یہ کہے کہ: ”اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی دیر کے لئے اور مہلت کیوں نہ دے دی کہ میں خوب صدقہ کرتا، اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا۔“ ﴿۱۰﴾ اور جب کسی شخص کا معین وقت آجائے گا تو اللہ اُسے ہرگز مہلت نہیں دے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾

الحمد للہ! سورۃ منافقون کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج ۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۸ جون ۲۰۰۸ء کو بھور بن کے مقام پر تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ التَّغْوِيٰنِ

## تعارف

اگرچہ بعض مفسرین نے اس سورت کی کچھ آیتوں کو مکی اور کچھ کو مدنی کہا ہے، لیکن اکثر مفسرین نے پوری سورت کو مدنی قرار دیا ہے۔ البتہ اس کے مضامین مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے حوالے سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے، اور پچھلی اُمتوں کی تباہی کے اسباب بتاتے ہوئے توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق اور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لاکر آخرت کی تیاری کرنی چاہئے، اور اگر انسان کے بیوی بچے اس راستے میں رُکاوٹ بنیں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ انسان کی خیر خواہی نہیں، دشمنی کر رہے ہیں۔ سورت کا نام آیت نمبر ۹ سے ماخوذ ہے جس کی تشریح اُسی آیت کے حاشیے (حاشیہ نمبر ۱) میں آرہی ہے۔

آیاتھا ۱۸ ۶۳ سُورَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۸ رُكُوعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَسْبَحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحُدُودُ ۖ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۱ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ۲ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ ۳ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ ۴ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ فَنَاقَوْا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ۵

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دروز رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اور بادشاہی اُسی کی ہے، اور تعریف اُسی کی، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۱﴾ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے، اور کوئی مؤمن۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے خوب دیکھتا ہے۔ ﴿۲﴾ اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اور تمہاری صورتیں بنائی ہیں، اور تمہاری صورتیں اچھی بنائی ہیں، اور اُسی کی طرف آخر کار (سب کو) پلٹ کر جانا ہے۔ ﴿۳﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اُسے جانتا ہے، اور جو کچھ تم چھپ کر کرتے ہو اور جو کچھ کھلم کھلا کرتے ہو، اُس کا بھی اُسے پورا علم ہے، اور اللہ دلوں کی باتوں تک کا خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۴﴾ کیا تمہارے پاس اُن لوگوں کے واقعات نہیں پہنچے جنہوں نے پہلے کفر اختیار کیا تھا، پھر اپنے کاموں کا وبال چکھا، اور (آئندہ) ان کے حصے میں ایک دردناک عذاب ہے؟ ﴿۵﴾



ذٰلِكَ بِاَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا ابَسَرِّيْهِمْ وَاَنْتَ فَكْفُرْ وَاَوْ  
تَوَلَّوْا وَاَسْتَغْنٰى اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِيْدٌ ۝۶ زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ  
یُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّیْنَ بِمَا عَمِلْتُمْ ۖ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ  
یَسِیْرٌ ۝۷ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرَ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا ۖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ  
خَبِیْرٌ ۝۸ یَّوْمَ یَجْمَعُكُمْ لَیْوْمَ الْجُمُعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ۖ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ  
یَعْمَلْ صَالِحًا یَّكْفُرْ عَنْهُ سِیِّئَاتِهٖ وَیُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا اَنْهَارٌ  
خٰلِدِیْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۖ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۹

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر روشن دلائل لے کر آتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ: ”کیا (ہم جیسے) انسان ہیں جو ہمیں ہدایت دیں گے؟ غرض انہوں نے کفر اختیار کیا، اور منہ موڑا، اور اللہ نے بھی بے نیازی برتی، اور اللہ بالکل بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف! ﴿۶﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں کبھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ کہہ دو: ”کیوں نہیں؟ میرے پروردگار کی قسم! تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا، پھر تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ کیا تھا، اور یہ اللہ کے لئے معمولی سی بات ہے۔“ ﴿۷﴾ لہذا اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس روشنی پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۸﴾ (یہ دوسری زندگی) اُس دن (ہوگی) جب اللہ تمہیں روزِ حشر میں اکٹھا کرے گا۔ وہ ایسا دن ہوگا جس میں کچھ لوگ دوسروں کو حسرت میں ڈال دیں گے، اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا ہوگا، اور اس نے نیک عمل کئے ہوں گے، اللہ اُس کے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ ﴿۹﴾

(۱) قرآن کریم نے یہاں ”تغابن“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو نقصان یا

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَبِئْسَ  
 الْمَصِيرُ ۝ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ  
 قَلْبَهُ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ  
 تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَعَلَى اللَّهِ  
 فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہوگا، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا، وہ دوزخ والے ہوں گے  
 جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۱۰﴾ کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے  
 بغیر نہیں آتی، اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے، وہ اُس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے، اور اللہ ہر چیز  
 کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۱۱﴾ اور تم اللہ کی فرماں برداری کرو، اور رسول کی فرماں برداری  
 کرو۔ پھر اگر تم نے منہ موڑا تو ہمارے رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ صاف صاف بات  
 پہنچادے۔ ﴿۱۲﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا  
 چاہئے۔ ﴿۱۳﴾

حسرت میں مبتلا کریں۔ قیامت کے دن کو تغابن کا دن اس لئے کہا گیا ہے کہ اُس دن جو لوگ جنت میں جائیں  
 گے، دوزخی لوگ انہیں دیکھ کر یہ حسرت کریں گے کہ کاش ہم نے دنیا میں ان جنتیوں جیسے عمل کئے ہوتے تو آج  
 ہم بھی جنت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ ”ہارجیت  
 کا دن“ کیا ہے جو مفہوم کو اختصار کے ساتھ واضح کر دیتا ہے۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے دل کو مصیبت کے وقت یہ اطمینان عطا فرماتا ہے کہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کے  
 حکم سے آتی ہے، اور اُس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے، چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اس  
 تصور کے نتیجے میں ایمان والوں کو ناقابل برداشت تکلیف نہیں ہوتی، اور انہیں صبر کی توفیق مل جاتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوٌّ لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۳ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَآ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝۱۴ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْأَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَنْ يُؤْتِكُمْ شَيْءٌ مِنْ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۱۵ إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝۱۶

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۱۷

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں، اس لئے اُن سے ہوشیار رہو۔ اور اگر تم معاف کرو، اور درگزر کرو، اور بخش دو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۳﴾ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں، اور وہ اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔ ﴿۱۴﴾ لہذا جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور مانو، اور (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اور جو لوگ اپنے دل کی لالچ سے محفوظ ہو جائیں، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو اللہ تمہارے لئے اُس کو کئی گنا بڑھا دے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدر دان، بہت بردبار ہے۔ ﴿۱۶﴾ وہ ہر بھید کا اور ہر کھلی ہوئی چیز کا جاننے والا ہے، بڑے اقتدار کا، بڑی حکمت کا مالک! ﴿۱۷﴾

(۳) جو بیوی بچے انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں، وہ انسان کے دشمن ہیں۔ البتہ اگر وہ اپنے اس عمل سے توبہ کریں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ انہیں معاف کر دیا جائے، اور درگزر سے کام لے کر اُن سے اچھا سلوک کیا جائے۔

(۴) آزمائش یہ ہے کہ انسان مال و دولت اور اولاد کی محبت میں منہک ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل تو

نہیں ہوتا، اور جو شخص ایسی غفلت سے اپنے آپ کو بچالے، اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر و ثواب ہے۔  
 (۵) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ واضح فرما دیا ہے کہ انسان کو جو تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے، وہ اُس کی استطاعت کے مطابق ہے، یعنی کسی انسان کو اُس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ یہی مضمون سورہ بقرہ (۲: ۲۸۶ و ۲۳۳)، سورہ انعام (۱۵۲: ۶)، سورہ اعراف (۴۲: ۷) اور سورہ مؤمنون (۶۲: ۲۳) میں گزر چکا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر نیک کاموں میں خرچ کیا جائے۔ اس تعبیر میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح کسی کو قرض دیتے وقت انسان کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ یہ قرض اُسے کسی وقت واپس مل جائے گا، اسی طرح نیک کاموں میں خرچ کرتے وقت انسان کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اس کے بدلے بہترین اجر عطا فرمائیں گے، اور اچھی طرح قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نیک کاموں میں اخلاص سے خرچ کرے، نام و نمود اور دکھاوا مقصود نہ ہو۔ نیک کاموں میں خرچ کرنے کو سورہ بقرہ (۲: ۲۴۵)، سورہ مائدہ (۱۲: ۵)، سورہ حدید (۱۸ و ۱۱: ۵) اور سورہ مزمل (۲۰: ۷۳) میں بھی قرض حسن سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

الحمد للہ! سورہ تغابن کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بتاریخ ۴ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۹ جون ۲۰۰۸ء کو بھور بن مری کے مقام پر تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الطَّلَق

## تعارف

پچھلی دوسورتوں میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ فرمائی گئی تھی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ اب اس سورت اور اگلی سورت میں میاں بیوی کے تعلقات سے متعلق کچھ ضروری احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ ازدواجی تعلقات کے مسائل میں طلاق ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں عملاً بہت افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس کے بارے میں متوازن طرزِ عمل اختیار کرنے کے لئے طلاق کے کچھ احکام سورہ بقرہ (۲: ۲۲۶ تا ۲۳۲) میں بیان فرمائے ہیں۔ اب اس سورت میں طلاق کے وہ احکام بیان فرمائے گئے ہیں جو وہاں بیان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ اگر طلاق دینی ہو تو اُس کے لئے صحیح وقت اور صحیح طریقہ کیا ہے، نیز جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو، ان کی عدت کتنی ہوگی، عدت کے دوران اُن کے سابق شوہروں کو ان کا خرچ کس معیار پر اور کب تک اٹھانا ہوگا۔ اگر اولاد ہو چکی ہو تو اُس کو دودھ پلانے کی ذمہ داری کس پر ہوگی۔ اس قسم کے احکام بیان فرماتے ہوئے بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں، کیونکہ میاں بیوی کا تعلق ایسا ہے کہ ان کی ہر شکایت کا علاج عدالتوں سے نہیں مل سکتا۔ ایک متوازن خاندانی نظام اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک ہر فریق اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام نہ دے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں، انہی کو دُنیا اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

آیتھا ۱۲ ۶۵ سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ۹۹ رُكُوعَاتُهَا ۲

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِغَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ ۖ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۖ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ①

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں اُن کی عدت کے وقت طلاق دو، اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو، اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے۔ اُن عورتوں کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔<sup>(۲)</sup> اور یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں، اور جو کوئی اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود سے آگے نکلے، اُس نے خود اپنی جان پر ظلم کیا۔ تم نہیں جانتے، شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے۔<sup>(۳)</sup> ﴿۱﴾

(۱) جب میاں بیوی میں طلاق کے ذریعے علیحدگی ہو جائے تو عورت کو دوسرا نکاح کرنے کے لئے کچھ مدت انتظار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس مدت کو ”عدت“ کہا جاتا ہے۔ سورہ بقرہ (۲: ۲۲۸) میں گزر چکا ہے کہ جن عورتوں کو طلاق ہوگئی ہو، اُن کی عدت یہ ہے کہ طلاق کے بعد ان کو تین ماہ واریاں آجائیں۔ اب اس آیت میں طلاق دینے والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر انہیں طلاق دینی ہو تو وہ ایسے وقت طلاق دیں کہ عدت شروع ہونے والی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ ایسے وقت طلاق نہ دی جائے جب بیوی کو ماہواری آرہی ہو، بلکہ ایسے طہر یعنی پاکی کی حالت میں طلاق دی جائے جس میں بیوی سے جماع بھی نہ کیا ہو۔ اس حکم میں دو مصلحتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اول تو جب میاں بیوی کا رشتہ ایک مرتبہ قائم ہو جائے تو وہ قائم رہے، اور اگر طلاق کے ذریعے اُس کے ٹوٹنے کی نوبت آئے تو وہ بھی اچھی



طرح سوچ سمجھ کر شریفانہ طریقے پر ہو جس میں فریقین میں سے کوئی دوسرے کے لئے ناواقبی تکلیف کا سبب نہ بنے۔ اگر ماہواری کی حالت میں طلاق دی جائے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ وقتی نفرت کی وجہ سے دی جا رہی ہو، یا اگر ایسی پائی کی حالت میں دی جائے جس میں دونوں جماع کر چکے ہوں تب بھی ہو سکتا ہے کہ بیوی کی طرف شوہر کی رغبت کم ہو گئی ہو۔ اس کے برخلاف اگر ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ ہوا ہو، تو عام طور پر یہ وقت ایسا ہوتا ہے جب بیوی کی طرف شوہر کی رغبت اپنے شباب پر ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ طلاق دے رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ طلاق کسی وقتی بے رغبتی کا نتیجہ نہیں ہے۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ اگر ماہواری کے زمانے میں طلاق دی جائے تو عورت کے لئے عدت کا زمانہ بلاوجہ لمبا ہو جاتا ہے، کیونکہ جس ماہواری کے دوران طلاق دی گئی ہے، وہ تو عدت میں شمار نہیں ہوگی، اس لئے عدت اُس وقت شروع ہوگی جب عورت اس ماہواری سے پاک ہو جائے، پھر دوبارہ ماہواری آنے کا انتظار کرے۔ اس سے عورت کو تکلیف ہو سکتی ہے۔ لہذا حکم یہ دیا گیا ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں جماع نہ ہوا ہو۔

یہ اس آیت کی وہ تفسیر ہے جو اکثر مفسرین نے اختیار کی ہے، اور اس کی تائید کچھ صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی ایک اور تفسیر کی ہے، وہ آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ: ”انہیں عدت کے لئے طلاق دو“ اور مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی ترغیب دے رہے ہیں کہ انسان جب بیوی کو طلاق دے تو رجعی طلاق یعنی ایسی طلاق دے جس سے عدت کے دوران رُجوع کرنا ممکن ہو، گویا عدت تک کے لئے طلاق دی جائے۔ اس دوران سوچنے سمجھنے کا موقع ہوگا، اور اگر حالات معمول پر آجائیں تو طلاق سے رُجوع کر لیا جائے، جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) عدت کے دوران شوہر کے ذمے واجب ہے کہ جس بیوی کو طلاق دی ہے، اُس کو اپنے گھر میں رہائش فراہم کرے، اور عورت کے ذمے بھی یہ واجب ہے کہ وہ شوہر ہی کے گھر میں عدت گزارے، اور کہیں نہ جائے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے وہ صورت اس سے مستثنیٰ فرمادی ہے جب عورت کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ کسی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے، اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی جھگڑے میں بدزبانی کرنے لگے۔ اس صورت میں بھی اُس کا شوہر کے گھر میں رہنا ضروری نہیں ہے۔

(۳) یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ بعض اوقات باہمی جھگڑے کی وجہ سے لوگ طلاق دے ڈالتے ہیں، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان صلح صفائی کرا دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں نکاح کا رشتہ دوبارہ قائم ہو سکتا ہے، لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جب طلاق رجعی دی گئی ہو، اس لئے اس آیت میں ترغیب یہی دی گئی ہے کہ طلاق دینی بھی ہو تو رجعی طلاق دینی چاہئے، کیونکہ طلاق بائن کے بعد شوہر کے ہاتھ سے رُجوع کا اختیار نکل جاتا ہے، اور طلاق مغلظ (تین طلاقیں) کے بعد میاں بیوی دونوں کے ہاتھ سے دوسرا نکاح کرنے کا اختیار بھی ختم ہو جاتا ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا  
ذَوِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝

پھر جب وہ عورتیں اپنی (عدت کی) میعاد کو پہنچنے لگیں تو تم یا تو انہیں بھلے طریقے پر (اپنے نکاح میں) (۴) روک رکھو، یا پھر بھلے طریقے سے اُن کو الگ کر دو، (۳) اور اپنے میں سے دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنا لو جو عدل والے ہوں۔ (۵) اور اللہ کی خاطر سیدھی سیدھی گواہی دو۔ (۶) لوگو! یہ وہ بات ہے جس کی نصیحت اُس شخص کو کی جا رہی ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے لئے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا، ﴿۲﴾

(۴) یہ اُس صورت کا تذکرہ ہو رہا ہے جب شوہر نے طلاق رجعی دی ہو۔ اس صورت میں جب عدت پوری ہونے سے پہلے شوہر کو فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا وہ طلاق سے رجوع کر کے بیوی سے ازدواجی تعلق بحال کرنا چاہتا ہے، یا اب بھی علیحدگی ہی مناسب سمجھتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اُسے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ جو کام بھی کرے، بھلے طریقے سے کرے۔ اگر نکاح کا رشتہ باقی رکھنا ہے تو طلاق سے رجوع کر لے، اور آئندہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور اگر علیحدگی چاہتا ہے تب بھی شریفانہ انداز میں بھل منسی کے ساتھ بیوی کو رخصت کرے۔

(۵) رجوع کی صورت میں ترغیب دی گئی ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں شوہر یہ کہے کہ میں نے طلاق سے رجوع کر لیا۔ عدل والے گواہوں سے مراد گواہوں کا نیک ہونا ہے۔ یہ رجوع کا پسندیدہ طریقہ ہے، لیکن رجوع کی لازمی شرط نہیں ہے۔ اسی طرح اگر شوہر زبان سے کچھ نہ کہے، لیکن بیوی سے حقوقِ زوجیت ادا کر لے، بلکہ بوس و کنارہی کر لے، تب بھی رجوع ہو جاتا ہے۔

(۶) یہ ان گواہوں سے خطاب ہے جن کی موجودگی میں شوہر نے طلاق سے رجوع کیا ہو کہ اگر کبھی رجوع کو ثابت کرنے کے لئے گواہی دینی پڑے تو ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔

وَيَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ عَقْدًا ۚ (۲) وَالَّذِي يَسُنَّ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ  
نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ ۚ وَالَّذِي لَمْ يَحْضَنْ ۚ وَأُولَاتُ  
الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ  
يُسْرًا ۚ (۳) ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَ  
يُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۚ (۴)

اور اُسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوگا۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ  
کرے، تو اللہ اُس (کا کام بنانے) کے لئے کافی ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا  
ہے۔ (البتہ) اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ﴿۳﴾ اور تمہاری عورتوں میں سے جو  
ماہواری آنے سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شک ہو تو (یاد رکھو  
کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے، اور ان عورتوں کی (عدت) بھی (یہی ہے) جنہیں ابھی ماہواری  
آئی ہی نہیں۔ اور جو عورتیں حاملہ ہوں، اُن کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن  
لیں۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔ ﴿۴﴾ یہ اللہ کا حکم  
ہے جو اُس نے تم پر اتارا ہے، اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے گناہوں کو معاف کر دے گا،  
اور اُس کو زبردست ثواب دے گا۔ ﴿۵﴾

(۷) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ تعالیٰ اُس کا کام بنادیتا ہے، لیکن کام بنانے کی نوعیت اور اس کا  
وقت اللہ تعالیٰ خود مقرر فرماتا ہے، کیونکہ اس نے ہر چیز کا ایک ناپاٹا اندازہ طے فرما رکھا ہے۔

(۸) سورہ بقرہ (۲: ۲۲۸) میں طلاق یافتہ عورتوں کی عدت تین ماہواری بتائی گئی ہے۔ اس پر بعض حضرات کے  
دل میں سوال پیدا ہوا کہ جن عورتوں کی ماہواری بڑی عمر میں پہنچنے پر بند ہو جاتی ہے، ان کی عدت کیا ہوگی۔ اس

أَسْكُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِيُتَصَدَّقُوا عَلَيْهِنَّ ۖ وَإِنْ كُنَّ أَوْلَاتٍ حَلِّ فَانْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاتُّوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَاتَّبِعُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فُسْرُضْهُ لَكُمْ أُخْرَى ۖ

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اُسی جگہ رہائش مہیا کرو جہاں تم رہتے ہو، اور انہیں تنگ کرنے کے لئے انہیں ستاؤ نہیں<sup>(۹)</sup>، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو اُن کو اُس وقت تک نفقہ دیتے رہو جب تک وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں<sup>(۱۰)</sup>۔ پھر اگر وہ تمہارے لئے بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت ادا کرو، اور (اجرت مقرر کرنے کے لئے) آپس میں بھلے طریقے سے بات طے کر لیا کرو، اور اگر تم ایک دوسرے کے لئے مشکل پیدا کرو گے تو اُسے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔ ﴿۶﴾

آیت نے واضح فرمادیا کہ تین ماہواری کے بجائے ان کی عدت تین مہینے ہوگی۔ اور اسی طرح وہ نابالغ لڑکیاں جنہیں ابھی ماہواری آئی شروع ہی نہیں ہوئی، اُن کی عدت بھی تین مہینے ہوگی۔ اور جن عورتوں کو حمل کی حالت میں طلاق دی گئی ہو، ان کی عدت اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک ان کے یہاں بچہ پیدا ہو جائے، یا حمل کسی وجہ سے گر جائے، چاہے وہ تین مہینے سے کم مدت میں ہو یا زیادہ مدت میں۔

(۹) مرد کو یہ نہ سوچنا چاہئے کہ اب بیوی کو رخصت تو کرنا ہی ہے، اس لئے اسے سنا کر رخصت کروں۔ اس کے بجائے اُس کے گھر میں رہنے کے دوران اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے، اور اسی آیت سے حنفی حضرات نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مطلقہ چاہے رجعی ہو یا بائنہ، عدت کے دوران اُس کا نفقہ شوہر کے ذمے واجب ہے، کیونکہ نفقہ نہ دینا ستانے کا ہی ایک طریقہ ہے جس سے اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے۔

(۱۰) عام حالت میں تو عدت تین مہینے کے قریب قریب پوری ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ حمل کی مدت اس سے لمبی بھی ہو سکتی ہے، اس لئے اس حالت کا خاص طور پر ذکر فرما کر حکم دیا گیا ہے کہ نفقہ بچے کی پیدائش تک جاری رہے گا، چاہے اُس میں کتنی دیر لگے۔

(۱۱) مطلقہ عورت خود اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لئے اپنے سابق شوہر اور بچے کے باپ سے اجرت کا مطالبہ

لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قَدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝ وَكَأَيُّنَ مِّن قُرْبَىٰ عَتَتْ عَنْ أُمِّ رِبَّهَا وَرُؤُسِهَا فَحَاسِبُنَهَا حِسَابًا شَدِيدًا ۚ وَعَدُّنَهَا عَدًّا بَاطِلًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝

ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے۔ اور جس شخص کے لئے اُس کا رِزق تنگ کر دیا گیا ہو، تو جو کچھ اللہ نے اُسے دیا ہے، وہ اُسی میں سے نفقہ دے۔ اللہ نے کسی کو جتنا دیا ہے، اُس پر اُس سے زیادہ کا بوجھ نہیں ڈالتا۔<sup>(۱۲)</sup> کوئی مشکل ہو تو اللہ اُس کے بعد کوئی آسانی بھی پیدا کر دے گا۔ ﴿۷﴾

اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اُس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے اُن کا سخت حساب لیا، اور اُنہیں سزا دی، ایسی بُری سزا جو انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی! ﴿۸﴾ چنانچہ انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا، اور ان کے اعمال کا آخری انجام نقصان ہی نقصان ہوا۔ ﴿۹﴾

کر سکتی ہے، اور آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ اجرت آپس کی رضامندی سے طے کر لینی چاہئے۔ نہ تو شوہر اس میں بخل سے کام لے، کیونکہ اگر آپس کی رضامندی سے بات طے نہ ہو سکی تو کسی اور عورت کو رکھنا پڑے گا، اور ظاہر ہے کہ وہ رواج کے مطابق اجرت مانگے گی، لہذا کیوں نہ بچے کی ماں ہی کو وہ اجرت دے دی جائے۔ نیز ماں کو بھی یہ نہ چاہئے کہ وہ رواج سے زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے، کیونکہ اُس صورت میں بچے کا باپ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے پر مجبور ہوگا، اور ماں کے لئے یہ اچھی بات نہیں ہے کہ وہ محض زیادہ پیسوں کے لالچ میں اپنے بچے کو کسی اور سے دودھ پلوائے۔

(۱۲) شوہر پر بیوی بچوں کا جو نفقہ واجب ہوتا ہے، وہ اُس کی اپنی مالی حیثیت کے مطابق واجب ہوتا ہے۔ اُس سے زیادہ نہیں۔

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ۖ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ قَدْ مَلَئَ  
 أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۖ ۱۰ ۚ رَسُوْلًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ  
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَ  
 يَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ  
 أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۖ ۱۱ ۚ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ  
 مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ  
 قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۖ ۱۲ ۚ

ع  
۱۸

(اور آخرت میں) ہم نے اُن کے لئے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ لہذا اے عقل والو جو  
 ایمان لے آئے ہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔<sup>(۱۰)</sup> اللہ نے تمہارے پاس ایک سراپا نصیحت بھیجی  
 ہے، ﴿۱۰﴾ یعنی وہ رسول جو تمہارے سامنے روشنی دینے والی اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، تاکہ  
 جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں  
 لے آئیں۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے، اللہ اُس کو ایسے باغات میں  
 داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں جنتی لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے  
 ایسے شخص کے لئے بہترین رزق طے کر دیا ہے۔ ﴿۱۱﴾ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے،  
 اور زمین بھی اُنہی کی طرح۔ اللہ کا حکم ان کے درمیان اُترتا رہتا ہے، تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ  
 اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، اور یہ کہ اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ﴿۱۲﴾

(۱۳) یہ قرآن کریم کا خاص اُسلوب ہے کہ وہ جو احکام عطا فرماتا ہے، اُن کے آگے پیچھے بار بار یہ یاد دلاتا ہے  
 کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے احساس سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ یہی وہ احساس ہے جو تمہارے

لئے ان احکام پر عمل کرنا آسان بنا دے گا۔

(۱۴) احادیث سے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔ البتہ ان کی کوئی تفصیل قرآن وحدیث نے نہیں بتائی کہ یہ سات زمینیں تہہ برتہہ ہیں، یا ان کے درمیان فاصلہ ہے، اور اگر فاصلہ ہے تو وہ کہاں واقع ہیں۔ کائنات کی بیشمار چیزیں ایسی ہیں جن تک ابھی انسان کے علم کی رسائی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی حقیقت جانتا ہے، اور قرآن کریم کے مقصد کے لئے یہ ساری تفصیلات جاننا ضروری بھی نہیں ہے۔ آیت کا اصل مقصد یہ ہے کہ کائنات کے ان حقائق سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر ایمان لانا ہی عقل سلیم کا تقاضا ہے۔

الحمد للہ! سورہ طلاق کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بروز جمعہ مورخہ ۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۳ جون ۲۰۰۸ء کو دبی سے کراچی جاتے ہوئے جہاز میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا ترجمہ اور تشریح بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

# سُورَةُ الْحَجِّ

مريم



## تعارف

جیسا کہ پچھلی سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، اس سورت کا بنیادی موضوع بھی یہ ہے کہ میاں بیوی کو آپس میں اور اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح معتدل اور متوازن رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ ایک طرف اُن سے معقول حدود میں محبت بھی دین کا تقاضا ہے، اور دوسری طرف اُن کی یہ نگرانی بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے انحراف نہ کریں۔ اسی سلسلے میں ایک واقعہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا کہ اپنی کچھ ازواج مطہرات کی خوشنودی کی خاطر آپ نے یہ قسم کھالی تھی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا جس کی تفصیل آیت نمبر ۱ کے حاشیہ میں آرہی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کی ہے، اُسے آپ اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہیں؟ اسی لئے سورت کا نام تحریم ہے جس کے معنی ہیں: ”حرام کرنا“۔

ایاتھا ۱۲ ﴿۱﴾ سُوْرَةُ التَّحْرِیْمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷ ﴿۲﴾ رُكُوْعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تَحْرِمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَرْوَاحِكَ وَاللَّهُ  
عَفُوٌّ رَّحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ  
الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے، تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے  
لئے اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱﴾ اللہ نے تمہاری  
قسموں سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ ﴿۲﴾ اور اللہ تمہارا کارساز ہے، اور وہی ہے جس کا علم بھی کامل  
ہے، حکمت بھی کامل۔ ﴿۳﴾

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عصر کے بعد اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس تھوڑی تھوڑی  
دیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اسی معمول کے مطابق آپ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر  
تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو شہد پیش کیا جو آپ نے پیا۔ اس کے بعد آپ حضرت عائشہؓ اور حضرت  
حفصہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو دونوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے مغایر کھایا ہے؟ (مغایر ایک گھاس کا نام  
ہے جس میں کچھ بُو ہوتی تھی) آپ نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے پوچھا کہ: ”آپ کے منہ میں یہ بُو کیسی  
ہے؟“ آپ کو اس سے شبہ ہوا کہ شاید جو شہد میں نے پیا تھا، اُس کی مکھی نے مغایر چوسا ہو۔ چونکہ آپ کو اپنے  
مبارک منہ سے کوئی ناگوار بو محسوس ہونا انتہائی ناپسند تھا، اس لئے آپ نے اُس وقت یہ قسم کھالی کہ میں آئندہ شہد  
نہیں پیوں گا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد نہ پینے کی جو قسم کھالی تھی، اُس پر اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ آپ

وَإِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَرْوَاحِهِ حَدِيثًا ۖ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضُهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَتَبَاكَ هَذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝۳۰ إِنَّ تَتُوبَآ إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝۳۱

اور یاد کرو جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کے طور پر ایک بات کہی تھی<sup>(۳)</sup>۔ پھر جب اُس بیوی نے وہ بات کسی اور کو بتلا دی<sup>(۴)</sup>، اور اللہ نے یہ بات نبی پر ظاہر کر دی تو اُس نے اُس کا کچھ حصہ جتلا دیا، اور کچھ حصے کو ٹال گئے۔<sup>(۵)</sup> پھر جب انہوں نے اُس بیوی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگیں کہ: ”آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟“ نبی نے کہا کہ: ”مجھے اُس نے بتائی جو بڑے علم والا، بہت باخبر ہے۔“ ﴿۳۰﴾ (اے نبی کی بیویو!) اگر تم اللہ کے حضور توبہ کر لو (تو یہی مناسب ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل مائل ہو گئے ہیں،<sup>(۶)</sup> اور اگر نبی کے مقابلے میں تم نے ایک دوسری کی مدد کی، تو (یاد رکھو کہ) اُن کا ساتھی اللہ ہے، اور جبریل ہیں، اور نیک مسلمان ہیں۔ اور اس کے علاوہ فرشتے ان کے مددگار ہیں۔ ﴿۳۱﴾

وہ قسم توڑ دیں، اور کفارہ ادا کر دیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی نامناسب قسم کھالے تو اُسے قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہئے۔ کفارہ وہی ہے جو سورۃ مائدہ (۵: ۸۹) میں بیان فرمایا گیا ہے۔ (۳) راز کی بات آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ فرمائی تھی کہ میں نے شہد نہ پینے کی قسم کھالی ہے، مگر یہ بات کسی کو بتانا نہیں، تاکہ حضرت زینبؓ جن کے گھر میں آپ شہد نوش فرماتے تھے، ان کا دل نہ ٹوٹے۔ (۴) یعنی حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو بتلا دی۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو یہ تو جتلا دیا کہ انہوں نے راز کی بات جو حضرت عائشہؓ کو بتائی، اُس کا علم مجھے ہو گیا ہے، لیکن پوری بات نہیں بتلائی، تاکہ ان کو زیادہ شرمندگی نہ ہو۔ (۶) یہ خطاب حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہو رہا ہے، اور اس کا مطلب اکثر مفسرین

عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكَ مُّسْلِمًا مُّؤْمِنًا قَدْ تَابَ  
 تَبَتَّ عِدَاتِي سَاحَتْ لِّىَ بِلَيْتٍ وَأَبْكَارًا ⑤ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ  
 وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا  
 يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ⑥ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا  
 تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ⑦ إِنَّا تَبَيَّنَّ لَكُمْ مَا لَكُمْ تَعْمَلُونَ ⑧

ع ۱۹

اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو ان کے پروردگار کو اس بات میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ اُن کو  
 (تمہارے) بدلے میں ایسی بیویاں عطا فرمادے جو تم سب سے بہتر ہوں، مسلمان، ایمان  
 والی، طاعت شعار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار اور روزہ دار ہوں، چاہے پہلے اُن کے شوہر  
 رہے ہوں، یا کنواری ہوں۔ ﴿۵﴾

انے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور  
 پتھر ہوں گے۔ اُس پر سخت کڑے مزاج کے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے کسی حکم میں اُس کی  
 نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ﴿۶﴾ اے کفر اختیار  
 کرنے والو! آج معذرتیں پیش مت کرو۔ تمہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا  
 کرتے تھے۔ ﴿۷﴾

نے یہ بتایا ہے کہ: ”تم دونوں کے دل حق سے مائل ہو گئے ہیں، یعنی حق طریقے سے ہٹ گئے ہیں“ لیکن  
 بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ تمہارے دل توبہ کی طرف مائل تو ہو ہی گئے ہیں، اس لئے اب تمہیں  
 توبہ کر لینی چاہئے۔

(۷) پتھر سے مراد پتھر کے وہ بت ہیں جنہیں بت پرست لوگ پوجا کرتے تھے۔ ان کو دوزخ میں عبرت کے طور  
 پر ڈالا جائے گا، تاکہ بت پرست ان پتھروں کا انجام دیکھیں جن کو انہوں نے خدا بنایا ہوا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً تَصَوحًا عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنْكُمُ  
 سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ  
 وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا  
 أَتِمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفُ رَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑧ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ  
 الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ⑨ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ⑩ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑪

اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو۔ کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری بُرائیاں تم سے جھاڑ  
 دے، اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُس دن جب اللہ نبی کو  
 اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو رُسوا نہیں کرے گا۔ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی  
 دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔<sup>(۸)</sup> وہ کہہ رہے ہوں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے اس نور کو  
 مکمل کر دیجئے، اور ہماری مغفرت فرما دیجئے۔ یقیناً آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے  
 ہیں۔“ ﴿۸﴾ اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو،<sup>(۹)</sup> اور اُن کے مقابلے میں سخت ہو جاؤ۔  
 اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ ﴿۹﴾

(۸) اس سے مراد غالباً وہ وقت ہے جب تمام لوگ پل صراط سے گذر رہے ہوں گے، وہاں ہر انسان کا ایمان  
 اُس کے سامنے نور بن کر اُسے راستہ دکھائے گا، جیسا کہ سورہ حدید (۵۷: ۱۲) میں گذر چکا ہے۔  
 (۹) یعنی آخر تک اُسے برقرار رکھے۔ کیونکہ سورہ حدید میں گذر چکا ہے کہ منافق بھی شروع میں اس نور سے فائدہ  
 اٹھائیں گے، لیکن بعد میں اُن سے نور سلب کر لیا جائے گا۔

(۱۰) جہاد کے معنی دراصل جدوجہد کے ہیں۔ اس میں پُر امن جدوجہد بھی داخل ہے جس کے ذریعے کسی کو دین  
 کی دعوت دی جائے، اور دین کی نشر و اشاعت اور اُس کی تحفید کے لئے کام کیا جائے، اور مسلح جدوجہد بھی داخل  
 ہے جس کے ذریعے دشمن کا مقابلہ کیا جائے، مگر یہ مسلح جدوجہد کافروں ہی کے مقابلے میں ہو سکتی ہے، منافق  
 چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، اس لئے دُنیا میں اُن کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا معاملہ کیا جاتا ہے،  
 اور عام حالات میں اُن سے لڑائی نہیں کی جاتی، الا یہ کہ وہ بغاوت پر اتر آئیں۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَاتٍ نُوحٍ وَاَمْرَأَاتٍ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ  
عِبْدَانٍ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتْهُمَا فَلَمْ يُغْنِ عَنَّهُمَا مِنْ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ  
اِذْ خَلَا النَّارُ مَعَ الدَّٰخِلِيْنَ ۝۱۰ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ اٰمَنُوا امْرَأَاتٍ فِرْعَوْنَ ۖ  
اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِيْ  
مِنَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِيْنَ ۝۱۱ وَمَرْيَمَ ابْنَتْ عِمْرَانَ الَّتِي اٰخَصَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا  
فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا الْحُسْنٰى ۝۱۲

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، اللہ اُن کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یہ دونوں ہمارے دوايسے بندوں کے نکاح میں تھیں جو بہت نیک تھے۔ پھر انہوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی، تو وہ دونوں اللہ کے مقابلے میں اُن کے کچھ بھی کام نہیں آئے، اور (اُن بیویوں سے) کہا گیا کہ: ”دوسرے جانے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں چلی جاؤ۔“ ﴿۱۰﴾ اور جن لوگوں نے ایمان اختیار کیا ہے، اُن کے لئے اللہ فرعون کی بیوی کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے ﴿۱۱﴾ جب اُس نے کہا تھا کہ: ”میرے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنادے، اور مجھے فرعون اور اُس کے عمل سے نجات دیدے، اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی نجات عطا فرما۔“ ﴿۱۱﴾ نیز عمران کی بیٹی مریم کو (مثال کے طور پر پیش کرتا ہے) جنہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، تو ہم نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی، اور انہوں نے اپنے پروردگار کی باتوں اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی، اور وہ طاعت شعار لوگوں میں شامل تھیں۔ ﴿۱۲﴾

(۱۱) حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے اپنے مقدس شوہر کو مجنون کہا کرتی تھی، اور حضرت نوح علیہ السلام کے راز اُن کے دشمنوں کو بتا دیا کرتی تھی۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی آپ کے دشمنوں کی مدد کیا کرتی تھی۔ (روح المعانی) یہ مثال دے کر اللہ تعالیٰ متنبہ فرما رہے ہیں کہ کسی قریب ترین رشتہ دار کا ایمان بھی

انسان کو فائدہ نہیں دے سکتا جب تک وہ خود ایمان نہ لائے۔

(۱۲) فرعون کی بیوی کا نام آسیہ تھا، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جادو گروں پر فتح عطا فرمائی تو اُن جادو گروں کے ساتھ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں جس کے نتیجے میں فرعون نے اُن پر بہت ظلم ڈھائے۔ اس موقع پر انہوں نے یہ دُعا فرمائی۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ فرعون نے اُن کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ کر اوپر سے ایک پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کی رُوح قبض فرمائی۔ (روح المعانی)۔

(۱۳) اسی رُوح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی لئے ان کو ”رُوح اللہ“ کہا جاتا ہے۔

الحمد للہ! سورہ تحریم کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج بروز جمعہ ۱۵/جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰/جون ۲۰۰۸ء کو دبی سے کراچی جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

# سُورَةُ الْمُلْكِ



## تعارف

یہاں سے قرآن کریم کے آخر تک زیادہ تر کی سورتیں ہیں۔ تقریباً ان سب سورتوں کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات، جنت و دوزخ کے حالات اور اسلام کی تبلیغ کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایات اور تسلی دینا ہے۔ چونکہ یہ پچھلی سورتوں کے مقابلے میں مختصر سورتیں ہیں، اس لئے ان سب کے الگ الگ تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جس سورت میں ضرورت محسوس ہوگی، ان شاء اللہ وہاں تعارف عرض کر دیا جائے گا۔

آیاتھا ۳۰ ۲۷ سُورَةُ الْمَلِكِ مَكِّيَّةٌ ۷۷ رکوعاتها ۲

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝<sup>(۱)</sup> الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ  
وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۝<sup>(۲)</sup> الَّذِي  
خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۚ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَوُّتٍ ۖ فَارْجِعِ  
الْبَصَرَ ۚ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ۝<sup>(۳)</sup> ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ  
خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۝<sup>(۴)</sup>

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی شان ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۱﴾ جس نے موت اور زندگی اس لئے پیدا کی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے، اور وہی ہے جو مکمل اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے، ﴿۲﴾ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے۔ تم خدائے رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔<sup>(۱)</sup> اب پھر سے نظر دوڑا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ ﴿۳﴾ پھر بار بار نظر دوڑاؤ، نتیجہ یہی ہوگا کہ نظر تھک ہار کر تمہارے پاس نامراد لوٹ آئے گی۔ ﴿۴﴾

(۱) فرق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز ایک خاص توازن اور ربط کے ساتھ پیدا فرمائی ہے، اس میں کہیں غیر موزونیت نہیں ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِصَابِغٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ  
عَذَابَ السَّعِيرِ ⑤ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑥  
إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ⑦ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا  
أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ⑧ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ  
فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ⑨ وَقَالُوا لَوْ  
كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ⑩

اور ہم نے قریب والے آسمان کو روشن چراغوں سے سجا رکھا ہے، اور ان کو شیطانوں پر پتھر برسانے کا  
ذریعہ بھی بنایا ہے، اور ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۵﴾ اور جن لوگوں نے  
اپنے پروردگار سے کفر کا معاملہ کیا ہے، اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا  
ہے۔ ﴿۶﴾ جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے تو اُس کے دھاڑنے کی آوازیں سنیں گے، اور وہ جوش  
مارتی ہوگی، ﴿۷﴾ ایسا لگے گا جیسے وہ غصے سے پھٹ پڑے گی۔ جب بھی اُس میں (کافروں کا)  
کوئی گروہ پھینکا جائے گا تو اُس کے محافظ اُن سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے  
والا نہیں آیا تھا؟ ﴿۸﴾ وہ کہیں گے کہ ہاں بیشک ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تھا، مگر ہم نے  
(اُسے) جھٹلادیا، اور کہا کہ: ”اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا، تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم  
بڑی بھادی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔“ ﴿۹﴾ اور وہ کہیں گے کہ: ”اگر ہم سن لیا کرتے اور سمجھ  
سے کام لیا کرتے تو (آج) دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔“ ﴿۱۰﴾

(۲) چراغوں سے مراد ستارے اور اجرام فلکی ہیں جو رات کے وقت سجاوٹ کا بھی ذریعہ بنتے ہیں، اور ان سے  
شیطانوں کو مارنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ شیطانوں کو مارنے کی تفصیل سورہ حجر (۱۵: ۱۸) کے حاشیہ میں  
گزر چکی ہے۔

فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ ۖ فَسُحِقًا لَّصَحْبِ السَّعِيرِ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ  
بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَاجْرٌ کَبِیْرٌ ۝ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ وَاَوْجِهُوْا بِهٖ ۖ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ  
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ  
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذُلُوْلاً فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۖ وَاِلَیْهِ  
الُّشُوْرُ ۝ اَمْ اَمْنُكُمْ مِّنْ فِی السَّآءِ اَنْ یَّخْشِفَ بِكُمْ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَنْوُورٌ ۝  
اَمْ اَمْنُكُمْ مِّنْ فِی السَّآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرٌ ۝

اس طرح وہ اپنے گناہ کا خود اعتراف کر لیں گے۔ غرض پھٹکار ہے دوزخ والوں پر! ﴿۱۱﴾ (اس کے برخلاف) جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اُن کے لئے بیشک مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور تم اپنی بات چھپا کر کرو، یا زور سے کرو، (سب اُس کے علم میں ہے، کیونکہ) وہ دلوں تک کی باتوں کا پورا علم رکھنے والا ہے۔ ﴿۱۳﴾ بھلا جس نے پیدا کیا وہی نہ جانے؟ جبکہ وہ بہت باریک بین، مکمل طور پر باخبر ہے! ﴿۱۴﴾

وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو رام کر دیا ہے، لہذا تم اُس کے مونڈھوں پر چلو پھرو، اور اُس کا رزق کھاؤ، اور اُسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ ﴿۱۵﴾ کیا تم آسمان والے کی اس بات سے بے خوف ہو بیٹھے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے، تو وہ ایک دم تھر تھرانے لگے؟ ﴿۱۶﴾ یا کیا تم آسمان والے کی اس بات سے بے خوف ہو بیٹھے ہو کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے؟ پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا؟ ﴿۱۷﴾

(۳) یعنی زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے تصرف میں دے دی ہیں، لیکن ان کو استعمال کرتے وقت یہ مت بھولو کہ تمہیں ہمیشہ یہاں نہیں رہنا، بلکہ ایک دن یہاں سے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے جہاں تمہیں ان نعمتوں کا حساب دینا ہوگا، لہذا یہاں کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی استعمال کرو۔  
(۴) آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ ہے، لیکن بد اعمالیوں کے نتیجے میں اس دُنیا میں بھی عذاب آسکتا ہے، مثلاً یہ کہ

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝۱۸ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ  
فَوْقَهُمْ صَفْتٍ وَيَقْفُضْنَ مَا يُسْكُنْنَ إِلَّا الرَّحْمَنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝۱۹  
أَمَنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدُكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ ۚ إِنَّ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي  
غُرُوبٍ ۝۲۰ أَمَنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ  
وَنُفُورٍ ۝۲۱ أَفَمَنْ يَبْسُطُ مِكْبًا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَنْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ  
مُسْتَقِيمٍ ۝۲۲ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ  
قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝۲۳

وقف  
عنان  
اتفاق

اور ان سے پہلے جو لوگ تھے، انہوں نے بھی (پنجنبروں کو) جھٹلایا تھا۔ پھر (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا  
تھا؟ ﴿۱۸﴾ اور کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر نظر اٹھا کر نہیں دیکھا کہ وہ پروں کو پھیلائے ہوئے  
ہوتے ہیں، اور سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ اُن کو خدائے رحمن کے سوا کوئی تھا مے ہوئے نہیں ہے۔ یقیناً وہ  
ہر چیز کی خوب دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ ﴿۱۹﴾ بھلا خدائے رحمن کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن  
کر تمہاری مدد کرے؟ کافر لوگ تو نرے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۰﴾ اگر وہ اپنا رزق بند  
کر دے تو بھلا وہ کون ہے جو تمہیں رزق عطا کر سکے؟ اس کے باوجود وہ سرکشی اور بیزاری پر جمے ہوئے  
ہیں۔ ﴿۲۱﴾ بھلا جو شخص اپنے منہ کے بل اوندھا چل رہا ہو، وہ منزل تک زیادہ پہنچنے والا ہو گا یا وہ جو  
ایک سیدھے راستے پر سیدھا سیدھا چل رہا ہو؟ ﴿۲۲﴾ کہہ دو کہ: ”وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا،  
اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ (مگر) تم لوگ شکر تھوڑا ہی کرتے ہو۔“ ﴿۲۳﴾

انسان کو قارون کی طرح زمین میں دھنسا دیا جائے، اور زمین تھر تھرانے لگے جس کے نتیجے میں انسان زمین کے  
اندراور زیادہ دھنستا چلا جائے۔

(۵) یعنی یہ کافر لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے من گھڑت معبود ہماری مدد کریں گے، وہ خالص دھوکے میں ہیں۔

قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٣﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٤﴾ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ ﴿٢٦﴾ قُلْ أَسَاءَ بَيِّنْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِزُّ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ﴿٢٧﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٨﴾ قُلْ أَسَاءَ بَيِّنْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ ﴿٢٩﴾ ۞

کہہ دو کہ: ”وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا یا، اور اسی کے پاس تمہیں اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔“ ﴿۲۳﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ”اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟“ ﴿۲۴﴾ کہہ دو کہ: ”اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، اور میں تو بس صاف صاف طریقے پر خبردار کرنے والا ہوں۔“ ﴿۲۵﴾ پھر جب وہ اس (قیامت کے عذاب) کو پاس آتا دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے، اور کہا جائے گا کہ: ”یہ ہے وہ چیز جو تم مانگا کرتے تھے۔“ ﴿۲۶﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ چاہے اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمادے، (دونوں صورتوں میں) کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟“ ﴿۲۷﴾ کہہ دو کہ: ”وہ رحمن ہے، ہم اس پر ایمان لائے ہیں، اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ چنانچہ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔“ ﴿۲۸﴾ کہہ دو کہ: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر کسی صبح تمہارا پانی نیچے کو اتر کر غائب ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں چشمے سے اُبلتا ہوا پانی لا کر دیدے؟“ ﴿۲۹﴾ ۞

(۶) کافر لوگ بار بار آخرت کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ اگر آخرت کا عذاب برحق ہے تو اس میں دیر کیوں ہو رہی ہے، ابھی کیوں نہیں آ جاتا؟

(۷) بہت سے کافر یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے چلے جائیں گے تو ان کا دین ختم ہو جائے گا، چنانچہ وہ آپ کی وفات کا انتظار کر رہے تھے، جیسا کہ سورہ طور (۵۲: ۳۰) میں گزرا ہے۔ یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ چاہے اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو ہلاک فرمائے، یا ان پر رحم فرما کر انہیں فتح عطا فرمائے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے) لیکن اس سے تمہارے انجام پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا، دونوں صورتوں میں کافروں کو عذاب سے ضرور سابقہ پڑے گا۔

(۸) جب یہ بات طے ہے کہ پانی سمیت ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے تو آخر اُس کے سوا کون ہے جو عبادت کا مستحق ہو، اور کونسی وجہ ہے جس کی بنا پر اُس کی اس قدرت کا انکار کیا جائے کہ وہ انسانوں کو زندہ کر کے انہیں جزایا سزا دے گا؟

الحمد للہ! سورہ ملک کا ترجمہ اور اس کے تشریحی حواشی آج بروز بدھ ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲ جولائی ۲۰۰۸ء مدینہ منورہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔





# سُورَةُ الْمَعِيدَةِ

اٰیٰتِهَا ۵۲ سُورَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۲ رُكُوْعَاتِهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَا اَنْتَ بِنَعْمَةٍ رَّبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَآجُرًا  
غَيْرَ مَسْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خَلْقٍ عَظِيْمٍ ۝۴

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ن۔ (اے پیغمبر!) قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں، ﴿۱﴾ اپنے پروردگار کے فضل سے تم دیوانے نہیں ہو، ﴿۲﴾ اور یقین جانو تمہارے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ﴿۳﴾ اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو۔ ﴿۴﴾

(۱) یہاں حرف نون انہی حروف مقطعات میں سے ہے جو مختلف قرآنی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، اور جن کے بارے میں سورہ بقرہ کے شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ان کے ٹھیک ٹھیک معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

(۲) مکہ مکرمہ کے کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) دیوانہ کہا کرتے تھے۔ اگلی آیت میں ان کی تردید فرمائی گئی ہے، اور اس سے پہلے اس آیت میں اس تردید پر یہ قسم کھائی گئی ہے۔ اس کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ قلم سے مراد تقدیر کا قلم ہے، اور ”وہ“ سے مراد فرشتے ہیں، یعنی قسم ہے تقدیر کے قلم کی، اور تقدیر کے ان فیصلوں کی جو فرشتے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوانے نہیں ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبر ہونا اور مکہ مکرمہ میں مبعوث ہونا تقدیر میں پہلے سے لکھا جا چکا تھا، اس لئے آپ اگر اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا والوں تک پہنچا رہے ہیں تو اس میں نہ کوئی غیر معقول بات ہے، اور نہ اس پر کسی کو حیرت ہونی چاہئے۔

دوسرے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ قلم سے مراد عام قلم ہے، اور ”جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں“ سے مراد عام لوگوں کا لکھنا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قلم سے لکھنا جاننے والے بھی وہ اعلیٰ مضامین لکھنے سے عاجز ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے ذریعے لوگوں تک پہنچا رہے ہیں، حالانکہ آپ اُمی ہیں،

فَسَبِّحْهُ وَيُبْسِرُونَ ﴿۵﴾ بِأَسْمَاءِ الْمَقْتُولِ ﴿۶﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۷﴾ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۸﴾ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعِ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَبِيٍّ ﴿۱۱﴾ مِّنَّا لِخَيْرٍ مُّعْتَدٍ أَتَيْتُمُ ﴿۱۲﴾ عُدَّتْ بَعْدَ ذَلِكَ زَيْنِمْ ﴿۱۳﴾

چنانچہ تم بھی دیکھ لو گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے ﴿۵﴾ کہ تم میں سے کون دیوانگی میں مبتلا ہے ﴿۶﴾ یقیناً تمہارا پروردگار اُسے بھی خوب جانتا ہے جو اپنے راستے سے بھٹک گیا ہے، اور اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جنہوں نے سیدھی راہ پالی ہے۔ ﴿۷﴾ لہذا تم ان کی باتوں میں نہ آنا جو (تمہیں) جھٹلا رہے ہیں، ﴿۸﴾ یہ چاہتے ہیں کہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ ﴿۹﴾ اور کسی بھی ایسے شخص کی باتوں میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھانے والا، بے وقعت شخص ہے، ﴿۱۰﴾ طعنے دینے کا عادی ہے، چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، ﴿۱۱﴾ بھلائی سے روکنے والا، زیادتی کرنے والا، بدعمل ہے ﴿۱۲﴾ بد مزاج ہے، اور اس کے علاوہ نچلے نسب والا بھی۔ ﴿۱۳﴾

اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ ایک امی کی زبان مبارک پر ایسا اونچے درجے کا کلام جاری ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آرہی ہے۔ ایسی صورت میں آپ کو دیوانگی کا طعنہ دینا خود دیوانگی ہے۔

(۳) کافروں کی طرف سے کئی بار اس قسم کی تجویزیں پیش کی گئی تھیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض تبلیغ کی ادائیگی میں کچھ نرمی کا مظاہرہ فرمائیں، اور ہمارے بتوں کو باطل نہ کہیں تو ہم بھی آپ کو ستانا چھوڑ دیں گے۔ یہ ان کی اس تجویز کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) جو کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اور آپ کو اپنے دین کی تبلیغ سے ہٹانا چاہتے تھے، اُن میں سے کئی لوگ ایسے تھے جن میں وہ اخلاقی خرابیاں پائی جاتی تھیں جن کا تذکرہ آیات ۱۰ تا ۱۲ میں فرمایا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے ایسے افراد کا نام بھی لیا ہے کہ وہ انس بن شریق، اسود بن عبد یغوث یا ولید بن مغیرہ تھے۔

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِيْنَ ۝۱۳ اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۵  
 سَنَسِیْهُ عَلٰی الْخُرْطُوْمِ ۝۱۶ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذَا قُسُوْا  
 لَیْصُرْ مِنْهُمْ مُّضْجِیْنَ ۝۱۷

صرف اس وجہ سے کہ وہ بڑے مال اور اولاد والا ہے۔ ﴿۱۳﴾ جب اُس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ ﴿۱۵﴾ عنقریب ہم اُس کی سوئڈ پرداغ لگا دیں گے۔ ﴿۱۶﴾

ہم نے ان (مکہ والوں) کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جیسے (ایک) باغ والوں کو اُس وقت آزمائش میں ڈالا تھا جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ صبح ہوتے ہی ہم اس باغ کا پھل توڑ لیں گے ﴿۱۷﴾

(۵) یعنی صرف مال دار اور بڑے خاندان والا ہونے کی وجہ سے ایسے آدمی کی باتوں میں نہیں آنا چاہئے۔  
 (۶) سوئڈ سے مراد ناک ہے جسے اہانت کے طور پر سوئڈ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص کی ناک کو داغ کر اُس پر ایک بدنما نشان لگا دیا جائے گا جس سے اُس کی مزید رسوائی ہوگی۔  
 (۷) مکہ مکرمہ کے بعض مال دار کافروں کو یہ زعم تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوتا تو ہمیں مال و دولت سے نہ نوازتا، جیسا کہ سورۃ مومنون (۵۶:۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کا ذکر فرمایا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ ہم بعض اوقات کسی کو مال و دولت اس کو آزمانے کے لئے دیتے ہیں، اور اگر وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کرے تو اس پر دنیا ہی میں عذاب آجاتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں اسی طرح کا ایک واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جو اہل عرب میں مشہور تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک نیک شخص کا بہت بڑا باغ تھا۔ اُس نیک آدمی کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنے باغ اور کھیت کی پیداوار کا ایک اچھا خاصہ حصہ غریبوں کو دیا کرتا تھا۔ جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کے بیٹوں نے یہ طے کیا کہ ہمارا باپ بے وقوف تھا جو اتنی ساری پیداوار غریبوں کو دے کر اپنی دولت میں کمی کر دیتا تھا۔ اب جو ہم باغ کی کٹائی کریں گے تو ایسا انتظام کریں گے کہ کوئی غریب آدمی وہاں آنے ہی نہ پائے۔ اس کے نتیجے میں جب وہ کٹائی کے لئے پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ پر ایک ایسی آفت بھیج دی کہ سارا باغ تباہ ہو کر رہ گیا۔ اکثر روایتوں کے مطابق یہ واقعہ یمن کے شہر صنعاء سے کچھ فاصلے پر

وَلَا یَسْتَشْنُونَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَیْهَا طَافٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآیِبُونَ ﴿۱۹﴾ فَاصْبَحَتْ  
 کَالصَّرِیمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَا مُصْبِحَیْنِ ﴿۲۱﴾ اِنْ اَعْدُوْا عَلٰی حَرْوٰکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ ﴿۲۲﴾  
 فَاَنْطَلَقُوْا وَهُمْ یَتَخَفَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَا یَدْخُلَهَا الْیَوْمَ عَلَیْکُمْ مَّسْکِیْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاعْدُوْا  
 عَلٰی حَرْوٍ قَدِیْرٍ ﴿۲۵﴾

اور (یہ کہتے ہوئے) وہ کوئی استثناء نہیں کر رہے تھے۔ ﴿۱۸﴾ پھر ہوا یہ کہ جس وقت وہ سو رہے  
 تھے، اُس وقت تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بلا اُس باغ پر پھیرا لگا گئی، ﴿۱۹﴾ جس سے  
 وہ باغ صبح کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔ ﴿۲۰﴾ پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو  
 آواز دی، ﴿۲۱﴾ کہ اگر پھل توڑنے ہیں تو اپنے کھیت کی طرف سویرے چل نکلو۔ ﴿۲۲﴾  
 چنانچہ وہ ایک دوسرے سے چپکے چپکے یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے ﴿۲۳﴾ کہ آج کوئی مسکین  
 تمہارے پاس اُس باغ میں نہ آنے پائے۔ ﴿۲۴﴾ اور وہ بڑے زوروں میں تیز تیز چلتے  
 ہوئے نکلے۔ ﴿۲۵﴾

ضروان نامی ایک علاقے میں پیش آیا تھا۔ یہ علاقہ اب بھی ضروان کہلاتا ہے، اور میں نے دیکھا ہے۔ وہاں  
 چاروں طرف پھیلے ہوئے سبزے کے درمیان ایک کالے کالے پتھروں والا ویران علاقہ ہے جس کے بارے  
 میں مشہور ہے کہ یہی اُس باغ کی جگہ تھی جو بعد میں آباد نہیں ہو سکی۔ واللہ اعلم۔

(۸) اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ سارے کا سارا پھل ہم توڑ لیں گے، اور  
 اُس کے کسی حصے کا استثناء نہیں کریں گے، یعنی کوئی حصہ غریبوں کے لئے نہیں چھوڑیں گے۔ دوسرے استثناء  
 کرنے کا ایک مطلب ”اِنْ شَاءَ اللہ“ کہنا بھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ یہ کہہ رہے  
 تھے کہ ہم صبح ہوتے ہی پھل توڑ لیں گے تو اُس وقت انہوں نے ”اِنْ شَاءَ اللہ“ نہیں کہا تھا۔

(۹) اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”وہ یہ سوچ کر سویرے روانہ ہوئے کہ وہ غریبوں کو منع کرنے پر قادر  
 ہو جائیں گے۔“

فَلَسَّارًا وَهَاقَالُوا إِنَّا لَاصَّالُونَ ۖ ﴿۳۱﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۖ ﴿۳۲﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ  
 أَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُونَ ۖ ﴿۳۳﴾ قَالُوا سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۖ ﴿۳۴﴾ فَأَقْبَلَ  
 بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَوْمُونَ ۖ ﴿۳۵﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طُغْيَانٌ ۖ ﴿۳۶﴾ عَلَىٰ رَبِّنَا أَنْ  
 يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ۖ ﴿۳۷﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ  
 الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۖ ﴿۳۸﴾

سجۃ  
تفصیل

پھر جب اُس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ: ”ہم ضرور راستہ بھٹک گئے ہیں،“ ﴿۲۶﴾ (پھر کچھ دیر  
 کے بعد کہا کہ:) نہیں! بلکہ ہم سب لٹ گئے ہیں۔“ ﴿۲۷﴾ ان میں جو شخص سب سے اچھا تھا،  
 وہ کہنے لگا: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟“ ﴿۲۸﴾ کہنے لگے:  
 ”ہم اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے ہیں، یقیناً ہم ظالم تھے۔“ ﴿۲۹﴾ پھر ایک دوسرے کی طرف  
 متوجہ ہو کر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ ﴿۳۰﴾ (پھر) سب نے (متفق ہو کر) کہا کہ:  
 ”افسوس ہے ہم سب پر! یقیناً ہم سب نے سرکشی اختیار کر لی تھی۔“ ﴿۳۱﴾ کیا بعید ہے کہ ہمارا  
 پروردگار ہمیں اس باغ کے بدلے اُس سے اچھا عطا فرمادے۔ بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف  
 رجوع کرتے ہیں۔“ ﴿۳۲﴾ عذاب ایسا ہی ہوتا ہے، اور آخرت کا عذاب یقیناً سب سے بڑا  
 ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے! ﴿۳۳﴾

(۱۰) یعنی جب انہوں نے اپنے باغ کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ وہاں درختوں کا نام و نشان ہی نہیں ہے تو شروع  
 میں یہ سمجھے کہ وہ راستہ بھٹک کر کہیں اور پہنچ گئے ہیں۔

(۱۱) ان بھائیوں میں ایک دوسروں کی بہ نسبت اچھا تھا، اُس نے پہلے بھی بھائیوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر  
 کرو، اور غریبوں کو منع نہ کرو، لیکن بعد میں وہ بھی دوسرے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

(۱۲) اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کے بعد انہوں نے توبہ کر لی تھی۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أَفْجَعَلَ الْفُلُجَيْنِ كَالْمُجْرِمِينَ ۝  
 مَالِكُمْ ۖ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝<sup>(۳۵)</sup> أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝<sup>(۳۶)</sup> إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَبَآ  
 تَخَيْرُونَ ۝<sup>(۳۷)</sup> أَمْ لَكُمْ أَيْتَانِ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ لَكُمْ لَبَآ  
 مَع ۖ تَحْكُمُونَ ۝<sup>(۳۸)</sup> سَلِّمُوا إِلَيْهِمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ ۝<sup>(۳۹)</sup> أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلَآ يُتَوَاسَرَكَا بِهِمْ ۚ إِنَّ  
 كَاؤَ الصَّادِقِينَ ۝<sup>(۴۰)</sup> يَوْمَ يَكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝<sup>(۴۱)</sup>

البتہ متقیوں کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس نعمتوں بھرے باغات ہیں۔ ﴿۳۴﴾ بھلا کیا ہم  
 فرماں برداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟ ﴿۳۵﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسی باتیں طے  
 کر لیتے ہو؟ ﴿۳۶﴾ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو ﴿۳۷﴾ کہ تمہیں  
 وہاں وہی کچھ ملے گا جو تم پسند کرو گے؟ ﴿۳۸﴾ یا تم نے ہم سے قیامت کے دن تک باقی رہنے  
 والی قسمیں لے رکھی ہیں کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جو تم طے کرو گے؟ ﴿۳۹﴾ (اے پیغمبر!) ان سے  
 پوچھو کہ: ”ان میں سے کون ہے جس نے اس بات کی ضمانت لے رکھی ہو؟“ ﴿۴۰﴾ کیا خدائی  
 میں ان کے مانے ہوئے کچھ شریک ہیں (جو یہ ضمانت لیتے ہوں؟) تو پھر لے آئیں اپنے ان  
 شریکوں کو، اگر وہ سچے ہیں! ﴿۴۱﴾ جس دن ساق کھول دی جائے گی، اور ان کو سجدے کے لئے بلایا  
 جائے گا تو یہ سجدہ کر نہیں سکیں گے۔ ﴿۴۲﴾<sup>(۱۳)</sup>

(۱۳) بعض کافر یہ کہتے تھے کہ اگر بالفرض ہمیں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا تب بھی وہ ہمیں وہاں  
 جنت کی نعمتیں دے گا، جیسا کہ سورہ حم السجدہ (۵۰:۴۱) میں گزرا ہے۔ یہ آیتیں اس بے بنیاد خیال کی تردید  
 فرما رہی ہیں۔

(۱۴) ”ساق“ پنڈلی کو کہتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ پنڈلی کا کھل جانا عربی  
 میں ایک محاورہ ہے جو بہت سخت مصیبت پیش آ جانے کے لئے بولا جاتا ہے، لہذا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت  
 کی سخت مصیبت پیش آ جائے گی تو ان کافروں کا یہ حال ہوگا۔ اور بہت سے مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُقُهُمْ ذُلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ  
 سَلِيمُونَ ﴿۳۳﴾ قَدْ سَرَنِي وَمَنْ يُكْذِبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا  
 يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۖ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۳۵﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ  
 مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۳۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا  
 تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۖ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۳۸﴾

تِلْكَ الذِّی

ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ اُس وقت بھی انہیں سجدے کے لئے  
 بلایا جاتا تھا جب یہ لوگ صحیح سالم تھے، (اُس وقت قدرت کے باوجود یہ انکار کرتے تھے) ﴿۳۳﴾  
 لہذا (اے پیغمبر!) جو لوگ اس کلام کو جھٹلا رہے ہیں انہیں مجھ پر چھوڑ دو۔ ہم انہیں اس طرح  
 دھیرے دھیرے (تباہی کی طرف) لے جائیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ ﴿۳۴﴾ اور میں  
 انہیں ڈھیل دے رہا ہوں۔ یقین رکھو میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ ﴿۳۵﴾  
 کیا تم ان سے کوئی اجرت مانگ رہے ہو کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں؟ ﴿۳۶﴾  
 یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھ رہے ہوں؟ ﴿۳۷﴾ غرض تم اپنے پروردگار کا حکم آنے  
 تک صبر کئے جاؤ، اور مچھلی والے کی طرح مت ہو جانا، جب انہوں نے غم سے گھٹ گھٹ کر  
 (ہمیں) پکارا تھا۔ ﴿۳۸﴾

کہ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی پنڈلی انسانوں کی پنڈلی کی طرح نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ  
 کی ایک خاص صفت ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ بہر حال! مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وہ  
 صفت ظاہر فرمائیں گے، اور لوگوں کو سجدے کے لئے بلایا جائے گا، مگر یہ کافر لوگ اُس وقت سجدے پر قادر نہیں  
 ہوں گے، کیونکہ جب ان کو قدرت تھی، اُس وقت انہوں نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس تفسیر کی تائید ایک  
 صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۱۵) اس سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جن کا واقعہ سورۃ یونس (۹۸:۱۰) اور سورۃ انبیاء (۸۷:۲۱) اور  
 سورۃ صافات (۱۴۰:۲۷) میں گزر چکا ہے۔



لَوْلَا اَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَكُنَّ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۝۴۹ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ  
فَجَعَلَهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۵۰ وَاِنْ يَّكَادُ الْزَّيْنُ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا  
سَمِعُوا الَّذِيْ كَرُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝۵۱ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۵۲

اگر ان کے پروردگار کے فضل نے انہیں سنبھال نہ لیا ہوتا تو انہیں بُری حالت کے ساتھ اُسی کھلے  
میدان میں پھینک دیا جاتا۔ ﴿۴۹﴾ پھر ان کے پروردگار نے انہیں منتخب فرمالیا، اور انہیں صالحین  
میں شامل کر دیا۔ ﴿۵۰﴾

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے جب وہ نصیحت کی یہ بات سنتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ اپنی (تیز تیز)  
آنکھوں سے تمہیں ڈگمگا دیں گے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو دیوانہ ہے۔ ﴿۵۱﴾ حالانکہ یہ تو دُنیا  
جہان کے لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہی نصیحت ہے۔ ﴿۵۲﴾

(۱۶) اس سے مراد وہ میدان ہے جہاں مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو اُگل کر چلی گئی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ مچھلی  
کے پیٹ سے نکلنے کے باوجود وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ ان کا زندہ رہنا بہت مشکل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے  
فضل و کرم سے انہیں سنبھالا، اور وہ دوبارہ تندرست ہو گئے۔

الحمد للہ! سورہ قلم کا ترجمہ اور اس کے حواشی آج بروز جمعہ ۴ جولائی ۲۰۰۸ء مطابق  
۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ دہلی میں تکمیل کو پہنچے، جبکہ اس سورت کی خدمت کی ابتداء مدینہ  
منورہ میں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں  
کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْحَاقَّةِ

﴿اِيَاتِهَا ۵۲﴾ ﴿سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۷۸﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطُغْيَانِهِ  
بِالْقَارِعَةِ ۝ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهِلُّوا بِالْطَّاغِيَةِ ۝ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ  
صَّاخِرَةٍ ۝ عَالِيَةِ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی! ﴿۱﴾ کیا ہے وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی؟ ﴿۲﴾ اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ  
حقیقت کیا ہے جو ہو کر رہے گی؟ ﴿۳﴾ ثمود اور عاد کی قوموں نے اُسی جھنجھوڑ ڈالنے والی حقیقت کو  
جھٹلایا تھا۔ ﴿۴﴾ نتیجہ یہ کہ جو ثمود کے لوگ تھے، وہ (چنگھاڑ کی) ایسی آفت سے ہلاک کئے گئے جو  
حد سے زیادہ (خونفاک) تھی۔ ﴿۵﴾ اور جو عاد کے لوگ تھے، انہیں ایک ایسی بے قابو طوفانی ہوا  
سے ہلاک کیا گیا ﴿۶﴾

(۱) اس حقیقت سے مراد قیامت ہے۔ عربی محاورے کے مطابق یہ انتہائی پر زور تعبیر ہے جو کسی واقعے کے  
خونفاک پہلو کو ظاہر کرنے کے لئے نہایت بلیغ پیرائے میں بیان فرمائی گئی ہے، اور اُس کو کسی دوسری زبان  
میں اپنی پوری تاثیر کے ساتھ منتقل کرنا ممکن نہیں، لیکن مفہوم واضح کرنے کے لئے قریب قریب لفظی ترجمہ  
کردیا گیا ہے۔

(۲) سورۃ اعراف (۷: ۷۳) میں قوم ثمود کا تعارف گزر چکا ہے۔ انہیں حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلانے کی  
وجہ سے ایک زبردست چنگھاڑ کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا جس سے اُن کے کلیجے پھٹ گئے تھے۔

سَحَرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَّةً ۖ أَيَّامٍ ۚ حُسُومًا ۚ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا  
صَرْعَى ۚ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۚ ۱۰ وَجَاءَ  
فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَةُ ۚ بِالْخَاطِئَةِ ۚ ۱۱ فَعَصَا رَسُولُ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ  
أَخَذَةً رَّابِيَةً ۚ ۱۲ إِنَّا لَنَاطِعُ الْبَاءِ حَبْلُنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۚ ۱۳ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكَرَةً  
وَتَعْيَهَا أُنْذُنٌ وَأَعْيَةٌ ۚ ۱۴

جسے اللہ نے اُن پر سات رات اور آٹھ دن لگا تار مسلط رکھا۔ چنانچہ تم (اگر وہاں ہوتے تو) دیکھتے  
کہ وہ لوگ وہاں کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح پچھاڑے ہوئے پڑے تھے۔ ﴿۷﴾ اب کیا اُن  
میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟ ﴿۸﴾ اور فرعون اور اُس سے پہلے کے لوگوں نے اور (لوط علیہ  
السلام کی) اُلٹی ہوئی بستیوں نے بھی اسی جرم کا ارتکاب کیا تھا، ﴿۹﴾ کہ انہوں نے اپنے پروردگار  
کے پیغمبر کی نافرمانی کی تھی، اس لئے اللہ نے انہیں سخت پکڑ میں لے لیا۔ ﴿۱۰﴾ جب پانی طغیانی پر  
آیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا، ﴿۱۱﴾ تاکہ ہم اس واقعے کو تمہارے لئے سبق آموز بنادیں  
اور یاد رکھنے والے کا ن اُسے (سن کر) یاد رکھیں۔ ﴿۱۲﴾

(۳) قوم عاد کا تعارف بھی سورۃ اعراف (۷: ۶۵) میں گذر گیا ہے۔ ان پر زبردست آندھی مسلط کی گئی تھی جو  
آٹھ دن جاری رہی۔

(۴) قوم عاد کے لوگ بڑے ذیل ڈول والے تھے، اس لئے ان کی زمین پر گری ہوئی لاشوں کو کھجور کے تنوں  
سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۵) اس سے مراد اُس طوفان کا پانی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے طور پر بھیجا گیا تھا، اور  
مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے، انہیں پانی کی طغیانی سے بچانے کے  
لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کشتی میں سوار کر دیا جس کا مفصل واقعہ سورۃ ہود (۱۱: ۳۶ تا ۴۸) میں گذر چکا ہے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۖ ۝۱۳ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً  
وَاحِدَةً ۖ ۝۱۴ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۖ ۝۱۵ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ  
وَاهِيَةٌ ۖ ۝۱۶ وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهِمْ ۖ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ  
ثَلَاثِيَةٌ ۖ ۝۱۷ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۖ ۝۱۸ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ  
بِيَمِينِهِ ۖ فَيَقُولُ هَؤُلَاءِ مُمَاقِرَةٌ ۖ ۝۱۹ إِنَّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَّةٍ ۖ ۝۲۰ فَهُوَ  
فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۖ ۝۲۱ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۖ ۝۲۲ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۖ ۝۲۳ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا  
بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۖ ۝۲۴

پھر جب ایک ہی دفعہ صور میں پھونک مار دی جائے گی، ﴿۱۳﴾ اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک  
ہی ضرب میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، ﴿۱۴﴾ تو اُس دن وہ واقعہ پیش آجائے گا جسے پیش آنا  
ہے۔ ﴿۱۵﴾ اور آسمان پھٹ پڑے گا، اور وہ اُس دن بالکل بودا پڑ جائے گا۔ ﴿۱۶﴾ اور فرشتے  
اُس کے کناروں پر ہوں گے، اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اُس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر  
اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۱۷﴾ اُس دن تمہاری پیشی اس طرح ہوگی کہ تمہاری کوئی چھپی ہوئی  
چیز چھپی نہیں رہے گی۔ ﴿۱۸﴾ پھر جس کسی کو اُس کا اعمال نامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا،  
وہ کہے گا کہ: ”لوگو! لویہ میرا اعمال نامہ پڑھو، ﴿۱۹﴾ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ مجھے اپنے حساب کا  
سامنا کرنا ہوگا۔“ ﴿۲۰﴾ چنانچہ وہ من پسند عیش میں ہوگا، ﴿۲۱﴾ اُس اُونچی جنت میں ﴿۲۲﴾  
جس کے پھل جھکے پڑ رہے ہوں گے، ﴿۲۳﴾ (کہا جائے گا کہ: ) ”اپنے اُن اعمال کے صلے میں  
مزے سے کھاؤ پیو، جو تم نے گز رے ہوئے ہوئے دنوں میں کئے تھے۔“ ﴿۲۴﴾

(۶) نیک لوگوں کو ان اعمال کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور بُرے لوگوں کو بائیں ہاتھ میں۔

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ ۖ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهُ ۖ وَلَمْ أَدْرِمَا  
 حِسَابِيَهُ ۖ يَلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۖ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهُ ۖ هَلَكَ عَنِّي  
 سُلْطَانِيهِ ۖ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۖ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۖ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا  
 سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۖ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۖ وَلَا يَحْصُ عَلَى  
 طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۖ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَمِيمٌ ۖ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ  
 جِيعٍ غَسْلِينَ ۖ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۖ

رہا وہ شخص جس کا اعمال نامہ اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ کہے گا کہ: ”اے کاش! مجھے  
 میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا، ﴿۲۵﴾ اور مجھے خبر بھی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے؟ ﴿۲۶﴾ اے  
 کاش! کہ میری موت ہی پر میرا کام تمام ہو جاتا! ﴿۲۷﴾ میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، ﴿۲۸﴾  
 نمبر اسارا زور مجھ سے جاتا رہا۔“ ﴿۲۹﴾ (ایسے شخص کے بارے میں حکم ہوگا: ) ”پکڑو اسے، اور  
 اس کے گلے میں طوق ڈال دو، ﴿۳۰﴾ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو، ﴿۳۱﴾ پھر اسے ایسی زنجیر  
 میں پڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ کے برابر ہو۔ ﴿۳۲﴾ یہ نہ تو خدائے بزرگ و برتر پر ایمان لاتا  
 تھا، ﴿۳۳﴾ اور نہ غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا، ﴿۳۴﴾ لہذا آج یہاں نہ اُس کا کوئی  
 یار و مددگار ہے، ﴿۳۵﴾ اور نہ اُس کو کوئی کھانے کی چیز میسر ہے، سوائے غسّیلین کے، ﴿۳۶﴾  
 جسے گناہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔“ ﴿۳۷﴾

(۷) ”غسّیلین“ اصل میں تو اُس پانی کو کہتے ہیں جو زخموں کو دھوتے وقت زخموں سے گرتا ہے، بعض مفسرین نے  
 فرمایا ہے کہ یہ جہنمیوں کی کوئی غذا ہوگی جو اُس زخموں کے پانی کے مشابہ ہوگی، واللہ سبحانہ اعلم۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۖ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تَبْصِرُونَ ۖ ﴿۳۹﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۖ ﴿۴۰﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۖ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۖ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۖ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۖ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۖ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۖ ﴿۴۴﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۖ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۖ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۖ ﴿۴۷﴾

اب میں قسم کھاتا ہوں اُس کی بھی جسے تم دیکھتے ہو، ﴿۳۸﴾ اور اُس کی بھی جسے تم نہیں دیکھتے ﴿۳۹﴾ کہ یہ (قرآن) ایک معزز پیغام لانے والے کا کلام ہے، ﴿۴۰﴾ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ (مگر) تم ایمان تھوڑا ہی لاتے ہو، ﴿۴۱﴾ اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ (مگر) تم سبق تھوڑا ہی لیتے ہو۔ ﴿۴۲﴾ یہ کلام تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اتارا جا رہا ہے۔ ﴿۴۳﴾ اور اگر (بالفرض) یہ پیغمبر کچھ (جھوٹی) باتیں بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے، ﴿۴۴﴾ تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے، ﴿۴۵﴾ پھر ہم ان کی شہہ رگ کاٹ دیتے ﴿۴۶﴾ پھر تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو ان کے بچاؤ کے لئے آڑے آسکتا۔ ﴿۴۷﴾

(۸) اس سے مراد کائنات کی تمام مخلوقات ہیں جن میں سے کچھ انسانوں کو نظر آتی ہیں، اور کچھ نظر نہیں آتیں، جیسے عالم بالا کی مخلوقات۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ”جسے تم دیکھتے ہو“ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ”جسے نہیں دیکھتے“ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو آپ پر وحی لے کر آتے۔  
(۹) یہ اُن کافروں کی تردید ہے جو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور کبھی کاہن کہا کرتے تھے۔  
(۱۰) فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرے تو اللہ تعالیٰ اسی دُنیا میں اُسے رُسوا بھی فرماتے ہیں، اور اُس کو عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اگر (خدا نخواستہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت کا دعویٰ دُرست نہ ہوتا، اور آپ (معاذ اللہ) جھوٹی باتیں



وَإِنَّهُ لَتَذَكَّرٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۴۸﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ﴿۴۹﴾ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ  
عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۵۰﴾ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۵۲﴾

اور یقین جانو کہ یہ پرہیزگاروں کے لئے ایک نصیحت ہے، ﴿۴۸﴾ اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم  
میں کچھ لوگ جھٹلانے والے بھی ہیں۔ ﴿۴۹﴾ اور یہ (قرآن) ایسے کافروں کے لئے حسرت کا  
سبب ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور یہی وہ یقینی بات ہے جو سراسر حق ہے۔ ﴿۵۱﴾ لہذا تم اپنے پروردگار کے  
عظمت والے نام کی تسبیح کرتے رہو۔ ﴿۵۲﴾

بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تو اللہ تعالیٰ اسی دُنیا میں آپ کے ساتھ وہ معاملہ فرماتے جس کا ذکر ان  
آیتوں میں کیا گیا ہے۔

(۱۱) یعنی آخرت میں جب عذاب ان کے سامنے آئے گا تو انہیں حسرت ہوگی کہ کاش ہم قرآن کریم پر ایمان  
لے آئے ہوتے۔

الحمد للہ! سورۃ الحاقۃ کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی کا کام آج شب جمعہ مورخہ ۷/رجب  
۱۴۲۹ھ مطابق ۱۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے  
اس خدمت کو مقبول اور نافع بنا کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی  
توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْمَعَارِجِ

۷۰. سُورَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۹ ۲ رُكُوعَاتُهَا ۲۲ آيَاتُهَا ۲۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝<sup>(۱)</sup> لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝<sup>(۲)</sup> مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝<sup>(۳)</sup> تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝<sup>(۴)</sup>

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چوالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ایک مانگنے والے نے وہ عذاب مانگا ہے جو کافروں پر آنے والا ہے، کوئی نہیں ہے جو اُسے روک سکے۔ ﴿۱-۲﴾ وہ اللہ کی طرف سے آئے گا جو چڑھنے کے تمام راستوں کا مالک ہے، ﴿۳﴾ فرشتے اور روح القدس اُس کی طرف ایک ایسے دن میں چڑھ کر جاتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ﴿۴﴾

(۱) ایک کافر نے اسلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ اگر یہ قرآن اور اسلام برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیے، یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آئیے، جیسا کہ سورۃ انفال (۸: ۳۲) میں گزرا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص نصر بن حارث تھا۔ یہاں اسی کی بات کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ وہ عذاب مانگ رہا ہے، اور اُس کا اصل مقصد مذاق اڑا کر اس عذاب کو جھٹلانا ہے، حالانکہ وہ ایسی چیز ہے کہ جب آجائے گی تو کوئی اُسے روک نہیں سکے گا۔

(۲) چڑھنے کے راستوں سے مراد وہ راستے ہیں جن سے چڑھ کر فرشتے عالم بالا تک پہنچتے ہیں۔ یہاں ان کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اگلی آیت میں انہی فرشتوں کے چڑھنے کا ذکر آ رہا ہے۔

(۳) اس دن سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک قیامت کا دن ہے جو کافروں کو حساب و کتاب کی سختی کی وجہ سے پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اسی دن کو سورۃ تنزیل السجدہ (۵: ۳۲) میں ایک ہزار

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَبِيلًا ۝ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝ يَوْمَ تَكُونُ  
السَّمَاءُ كَالْهَيْهَلِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْأَلُ حَبِيبًا ۝  
يُبْصِرُ وَهُمْ ۝ يَوْمَ الْجُزْمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِذٍ بَيْنِيَّةٌ ۝ وَصَاحِبَتُهُ وَ  
اَخِيهِ ۝ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُسْوِيهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝

لہذا تم خوبصورتی کے ساتھ صبر سے کام لو۔ ﴿۵﴾ یہ لوگ اُسے دُور سمجھ رہے ہیں، ﴿۶﴾ اور ہم اُسے  
قریب دیکھ رہے ہیں۔ ﴿۷﴾ (وہ عذاب) اُس دن ہوگا جب آسمان تیل کی تپھٹ کی طرح  
ہو جائے گا، ﴿۸﴾ اور پہاڑ رنگین رُوئی کی طرح ہو جائیں گے، ﴿۹﴾ اور کوئی جگری دوست کسی  
جگری دوست کو پوچھے گا بھی نہیں، ﴿۱۰﴾ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے۔  
مجرم یہ چاہے گا کہ اُس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹے فدیہ میں دیدے، ﴿۱۱﴾ اور  
اپنی بیوی اور اپنا بھائی، ﴿۱۲﴾ اور اپنا وہ خاندان جو اُسے پناہ دیتا تھا، ﴿۱۳﴾ اور زمین کے سارے  
کے سارے باشندے۔ پھر (ان سب کو فدیہ میں دے کر) اپنے آپ کو بچالے۔ ﴿۱۴﴾

سال کے برابر قرار دیا گیا ہے، وہ اس لئے کہ حساب و کتاب کی سختی کی نوعیت کے لحاظ سے کسی کو وہ ایک ہزار سال  
کا معلوم ہوگا، اور جس کسی کو اور زیادہ سختی اٹھانی ہوگی، اُسے پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا۔ لیکن اس آیت کی ایک  
دوسری تفسیر یہ ہے کہ کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف  
سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گزر گئے، لیکن کوئی  
عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔  
اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال یا پچاس ہزار  
سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ چنانچہ سورہ حج (۲۲: ۷۷) میں بھی یہ بات اسی  
سلسلے میں فرمائی گئی ہے کہ یہ لوگ عذاب کو جلدی لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں، اور یہاں سورہ معارج میں بھی اسی  
شخص کے جواب میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے جو عذاب مانگ رہا تھا۔

كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَطٰی ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی ۝ تَدْعُوْا مِّنْ أَدْبَرَ تَوَلٰی ۝ وَجَمَعَ ۝  
 فَأَوْحٰی ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ  
 الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝  
 وَالَّذِينَ فِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَ الْبَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِينَ  
 يُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ۝

(لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا! وہ تو ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے، ﴿۱۵﴾ جو کھال اُتار لے گی، ﴿۱۶﴾ ہر اُس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیر کر منہ مورا ہوگا، ﴿۱۷﴾ اور (مال) اکٹھا کیا ہوگا، پھر اُسے سینت سینت کر رکھا ہوگا۔ ﴿۱۸﴾

حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے، ﴿۱۹﴾ جب اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بہت گھبرا جاتا ہے، ﴿۲۰﴾ اور جب اُس کے پاس خوش حالی آتی ہے تو بہت بخیل بن جاتا ہے، ﴿۲۱﴾ مگر وہ نمازی ایسے نہیں ہیں، ﴿۲۲﴾ جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں، ﴿۲۳﴾ اور جن کے مال و دولت میں ایک متعین حق ہے ﴿۲۴﴾ سوالی اور بے سوالی کا ﴿۲۵﴾ اور جو روزِ جزا کو برحق مانتے ہیں، ﴿۲۶﴾ اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے سہمے رہتے ہیں، ﴿۲۷﴾

(۳) یعنی جس جس نے دُنیا میں حق سے پیٹھ موڑی ہوگی اُسے وہ اپنے پاس بلا لے گی۔

(۵) یعنی مال پر اللہ تعالیٰ نے جو حقوق عائد فرمائے ہیں، ان کو ادا کئے بغیر وہ اُسے جمع کرتا رہا ہوگا۔

(۶) اس سے مراد زکوٰۃ اور دوسرے واجب حقوق ہیں۔ ان الفاظ میں یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ زکوٰۃ دینا غریبوں پر کوئی احسان نہیں ہے، بلکہ یہ اُن کا حق ہے۔

(۷) جو غریب اپنی حاجت ظاہر کر دیتے ہیں، انہیں سوالی سے اور جو حاجت مند ہونے کے باوجود اپنی حاجت کسی سے نہیں کہتے، انہیں بے سوالی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا مُنَّ ۖ وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوحِهِمْ حَفِظُونَ ۖ ۚ إِلَّا عَلَىٰ  
 أَرْوَاحِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۖ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ  
 ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَدُونَ ۖ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لَا مُنْتَهَىٰ لَهُمْ وَعَهْدُهُمْ رُغُونَ ۖ ۚ  
 وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَاسِمُونَ ۖ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۖ ۚ  
 هَٰٓؤُلَآئِكَ فِي جَنَّتٍ مُّكْرَمُونَ ۖ ۚ فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مَهْطِعِينَ ۖ ۚ عَنِ  
 الْيَبِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عَازِينَ ۖ ۚ

— یقیناً اُن کے پروردگار کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے بے فکری برتی جائے — ﴿۲۸﴾  
 اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں، ﴿۲۹﴾ — سوائے اپنی بیویوں اور  
 اُن باندیوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں  
 ہے۔ ﴿۳۰﴾ البتہ جو لوگ ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں، وہ حد سے گذرے ہوئے  
 لوگ ہیں — ﴿۳۱﴾<sup>(۸)</sup> اور جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، ﴿۳۲﴾ اور جو اپنی  
 گواہیاں ٹھیک ٹھیک دینے والے ہیں، ﴿۳۳﴾ اور جو اپنی نماز کی پوری پوری حفاظت کرنے والے  
 ہیں، ﴿۳۴﴾<sup>(۹)</sup> وہ لوگ ہیں جو جنتوں میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔ ﴿۳۵﴾  
 تو (اے پیغمبر!) ان کافروں کو کیا ہو گیا کہ یہ تمہاری طرف چڑھے چلے آ رہے ہیں، ﴿۳۶﴾ دائیں  
 طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی، ٹولیاں بنا بنا کر! ﴿۳۷﴾<sup>(۱۰)</sup>

(۸) یعنی بیویوں اور باندیوں کے سوا کسی اور طریقے سے جنسی خواہش پوری کرنا حرام ہے، اس لئے ایسے لوگ  
 حد سے گذرے ہوئے ہیں۔

(۹) آیت نمبر ۲۳ میں نماز کی پابندی کا ذکر ہے، اور یہاں اُس کی پوری حفاظت سے مراد اُس کے تمام آداب کی  
 رعایت ہے۔ مسلمانوں کے انہی جیسے اوصاف سورہ مؤمنون کی ابتدائی آیات میں بھی گذرے ہیں۔

(۱۰) جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو کافر لوگ ٹولیاں بنا بنا کر آپ کے

اَیْطَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةً نَّعِیْمٌ ۝۳۸ لَا ۝ اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُونَ ۝۳۹ فَلَا اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِنَّا لَاقْدِرُونَ ۝۴۰ عَلٰی اَنْ تُبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِیْنَ ۝۴۱ فَذَرْنَاهُمْ یُخَوِّضُوا وَایْلَعِبُوا حَتّٰی یُلَاقُوا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوعَدُونَ ۝۴۲ یَوْمَ یَخْرُجُونَ مِنَ الْاُجْدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوفُّوْنَ ۝۴۳ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرَهَّقُهُمْ ذِلَّةٌ ۝۴۴ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ کَانُوا یُوعَدُونَ ۝۴۵

۲  
۸

کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ لالچ ہے کہ اُسے نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے؟ ﴿۳۸﴾ ہرگز ایسا نہیں ہوگا! ہم نے ان کو اُس چیز سے پیدا کیا ہے جسے یہ خود جانتے ہیں۔ ﴿۳۹﴾ اب میں قسم کھاتا ہوں ان تمام مقامات کے مالک کی جہاں سے ستارے نکلتے اور جہاں سے غروب ہوتے ہیں کہ ہم یقیناً اس بات پر قادر ہیں ﴿۴۰﴾ کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں، اور کوئی ہمیں ہرا نہیں سکتا۔ ﴿۴۱﴾ لہذا تم انہیں چھوڑ دو کہ یہ اپنی بے ہودہ باتوں میں منہمک اور کھیل کود میں پڑے رہیں، یہاں تک کہ اپنے اُس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۴۲﴾ جس دن یہ جلدی جلدی قبروں سے اس طرح نکلیں گے جیسے اپنے بتوں کی طرف دوڑے جا رہے ہوں۔ ﴿۴۳﴾ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ وہی دن ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۴۴﴾

ارد گرد جمع ہو جاتے، اور مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ اگر یہ صاحب جنت میں جائیں گے تو ہم ان سے پہلے چلے جائیں گے۔ (روح المعانی) یہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

(۱۱) یعنی یہ جانتے ہیں کہ ہم نے انہیں نطفے سے پیدا کیا ہے، حالانکہ نطفے سے انسان بننے تک کتنے مراحل آتے



ہیں۔ لہذا جب ہم ان تمام مراحل سے گزار کر نطفے کو جیتا جاگتا انسان بنانے پر قادر ہیں تو اُس کی لاش کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں؟

(۱۲) یعنی ان سب کو ہلاک کر کے ان کی جگہ کوئی اور قوم پیدا کر دیں جو ان سے بہتر ہو۔

الحمد للہ! سورۃ معارج کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج بتاریخ ۷ رجب ۱۴۲۹ھ بروز جمعہ مطابق ۱۱ جولائی ۲۰۰۸ء بلوچستان کے شہر چمن میں مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اُسے نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ نُوحٍ

﴿ اٰیٰتِهَا ۲۸ ﴾ ﴿ ۱ سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ ۷۱ ﴾ ﴿ رُكُوْعَاتُهَا ۲ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّا اَمْرًا سَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّآتِيَهُمْ  
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲ اَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ  
وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيعُوْنَ ۝۳ یَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَاُیْوِجْكُمْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّى ۝۴  
اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۝۵ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۶ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ  
قَوْمِیْ لَیْلًا وَنَهَارًا ۝۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا کہ اپنی قوم کو خبردار کرو، قبل اس کے کہ اُن پر کوئی دردناک  
عذاب آکھڑا ہو۔ ﴿۱﴾ (چنانچہ) اُنہوں نے (اپنی قوم سے) کہا کہ: ”اے میری قوم! میں  
تمہارے لئے ایک صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں ﴿۲﴾ کہ اللہ کی عبادت کرو، اور اُس سے  
ڈرو، اور میرا کہنا مانو، ﴿۳﴾ اللہ تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا، اور تمہیں ایک مقرر وقت  
تک باقی رکھے گا۔ ﴿۴﴾ بیشک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ مؤخر نہیں ہوتا۔ کاش کہ تم  
سمجھتے ہوتے!“ ﴿۵﴾ (پھر) نوح نے (اللہ تعالیٰ سے) کہا کہ: ”میرے پروردگار! میں نے اپنی  
قوم کو رات دن (حق کی) دعوت دی ہے، ﴿۶﴾

(۱) اس سورت میں صرف حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی جدوجہد اور اُن کی دُعاؤں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ آپ

کا مفصل واقعہ سورۃ یونس (۱۰: ۷۱) اور سورۃ ہود (۱۱: ۳۶) میں گزر چکا ہے۔

(۲) یعنی جب تک تمہاری زندگی مقدر ہے، اُس وقت تک تمہیں زندہ رکھے گا۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ① وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا  
 أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصْرُوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ② ثُمَّ  
 إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ③ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ④ فَقُلْتُ  
 اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ⑤ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ⑥ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ⑦  
 وَيُرْسِلْ دُكَّكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ⑧ مَا لَكُمْ لَا  
 تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ⑨ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ⑩

لیکن میری دعوت کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوا کہ وہ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ ﴿۶﴾ اور میں نے  
 جب بھی انہیں دعوت دی، تا کہ آپ اُن کی مغفرت فرمائیں، تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں  
 میں دے لیں، اپنے کپڑے اپنے اوپر لپیٹ لئے، اپنی بات پراڑے رہے، اور تکبر ہی تکبر کا مظاہرہ  
 کرتے رہے۔ ﴿۷﴾ پھر میں نے انہیں پکار پکار کر دعوت دی، ﴿۸﴾ پھر میں نے اُن سے علانیہ  
 بھی بات کی، اور چپکے چپکے بھی سمجھایا، ﴿۹﴾ چنانچہ میں نے کہا کہ: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو،  
 یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے، ﴿۱۰﴾ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، ﴿۱۱﴾ اور  
 تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا، اور تمہاری خاطر  
 نہریں مہیا کر دے گا، ﴿۱۲﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت سے بالکل نہیں ڈرتے؟ ﴿۱۳﴾  
 حالانکہ اُس نے تمہیں تخلیق کے مختلف مرحلوں سے گذار کر پیدا کیا ہے، ﴿۱۴﴾

(۳) اشارہ اس طرف ہے کہ انسان نطفے سے لے کر جیتا جاگتا آدمی بننے تک مختلف مرحلوں سے گذرتا ہے جن کا  
 تذکرہ سورہ حج (۵: ۲۲) اور سورہ مؤمنون (۱۳: ۲۳) میں گزرا ہے۔ یہ سارے مراحل اللہ تعالیٰ کی عظیم  
 قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر تمہیں اس بات میں کیوں شک ہے کہ وہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ  
 کرنے پر قادر ہے۔

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَوَاتٍ طِبَاقًا ۝۱۵ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُجُورًا ۝  
 جَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝۱۶ وَاللَّهُ أَتَبَّتْكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝۱۷ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا  
 وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝۱۸ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝۱۹ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا  
 سُبُلًا فِجَاجًا ۝۲۰ قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَفَضْلًا  
 وَلَهُ إِلَّا خَسَارًا ۝۲۱ وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا ۝۲۲

کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اُوپر تلے پیدا فرمائے ہیں؟ ﴿۱۵﴾ اور اُن میں چاند کو نور بنا کر اور سورج کو چراغ بنا کر پیدا کیا ہے، ﴿۱۶﴾ اور اللہ نے تمہیں زمین سے بہترین طریقے پر اُگایا ہے، ﴿۱۷﴾ پھر وہ تمہیں دوبارہ اُسی میں بھیج دے گا، اور (وہیں سے پھر) باہر نکال کھڑا کرے گا۔ ﴿۱۸﴾ اور اللہ نے ہی تمہارے لئے زمین کو ایک فرش بنا دیا ہے، ﴿۱۹﴾ تاکہ تم اُس کے کھلے ہوئے راستوں پر چلو۔ ﴿۲۰﴾

نوح نے کہا: ”اے میرے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا، اور اُن (سرداروں) کے پیچھے چل پڑے جن کو اُن کے مال اور اولاد نے نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہیں دیا، ﴿۲۱﴾ اور انہوں نے بڑی بھاری مکاری سے کام لیا ہے، ﴿۲۲﴾

(۴) یعنی جس طرح ایک پودا زمین میں مختلف مراحل طے کر کے اُگتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر اس زمین میں پیدا فرمایا ہے، نیز جس طرح زمین سے اُگنے والا سبزہ فنا ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے، اور پھر جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اُس سبزے کو دوبارہ اُسی مٹی سے اُگادیتا ہے، اسی طرح تم بھی مکر مٹی میں مل جاؤ گے، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تمہیں دوبارہ زندگی عطا فرما کر زمین سے دوبارہ نکال لے گا۔

(۵) یہ اُن سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے دشمن اُن کے خلاف کر رہے تھے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ  
وَسُرًّا ۚ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۚ ﴿۲۳﴾ مَّا خَطَبْتَهُمْ  
أَغْرَقُوا فَإِن دَخَلُوا نَارًا ۚ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۚ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ نُوحٌ  
رَّبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنْ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۚ ﴿۲۵﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْنَهُمْ يُضِلُّوْا  
عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۚ ﴿۲۶﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ  
بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۚ ﴿۲۷﴾

اور (اپنے آدمیوں سے) کہا ہے کہ: ”اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑنا۔ نہ ودا اور سواع کو کسی صورت میں چھوڑنا، اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا“ ﴿۲۳﴾ اس طرح انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کر دیا ہے، لہذا (یا رب!) آپ بھی ان کو گمراہی کے سوا کسی اور چیز میں ترقی نہ دیجئے۔“ ﴿۲۴﴾ ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ ہی سے انہیں غرق کیا گیا، پھر آگ میں داخل کیا گیا، اور انہیں اللہ کو چھوڑ کر کوئی حمایتی میسر نہیں آئے۔ ﴿۲۵﴾ اور نوح نے یہ بھی کہا کہ: ”میرے پروردگار! ان کافروں میں سے کوئی ایک باشندہ بھی زمین پر باقی نہ رکھئے، ﴿۲۶﴾ اگر آپ ان کو باقی رکھیں گے تو یہ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور ان سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ بدکار اور پکی کافر ہی پیدا ہوگی۔“ ﴿۲۷﴾ میرے پروردگار! میری بھی بخشش فرما دیجئے، میرے والدین کی بھی، ہر اس شخص کی بھی جو میرے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہوا ہے اور تمام مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی بھی۔ اور جو لوگ ظالم ہیں، اُن کو تباہی کے سوا کوئی اور چیز عطا نہ فرمائیے۔“ ﴿۲۸﴾

(۶) یہ سب اُن بتوں کے نام ہیں جن کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پوجا کرتی تھی۔

(۷) سورہ ہود (۱۱: ۳۶) میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتا دیا تھا کہ اب تک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، اب آپ کی قوم میں سے اُن کے سوا کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔  
 (۸) ایمان کی قید اس لئے لگائی کہ آپ کے گھر والوں میں سے آپ کی بیوی آخر تک کافر رہی، اور ایمان نہیں لائی، جیسا کہ سورہ تحریم (۱۰: ۶۶) میں گزر چکا ہے۔

الحمد للہ! سورہ نوح کا کام آج بروز دوشنبہ ۹/رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۴ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔





# سُورَةُ الْحَجِّ



ایاتھا ۲۸ ﴿۲۸﴾ سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ۴۰ ﴿۴۰﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّ سَعِیْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝  
یَّهْدِیْۤیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاَمْتَابِهٖ ۚ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) کہہ دو: ”میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا، اور (اپنی قوم سے جا کر) کہا کہ: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، ﴿۱﴾ جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اب اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو (عبادت میں) ہرگز شریک نہیں مانیں گے۔ ﴿۲﴾

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح انسانوں کے لئے پیغمبر بنایا گیا تھا، اسی طرح آپ جنات کے لئے بھی پیغمبر تھے۔ چنانچہ آپ نے جنات کو بھی تبلیغ فرمائی۔ اور جنات کو تبلیغ کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ آپ کی نبوت سے پہلے جنات کو آسمانوں کے قریب تک پہنچنے دیا جاتا تھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد انہیں آسمانوں کے قریب جانے سے اس طرح روک دیا گیا تھا کہ جب کوئی جن یا شیطان آسمان کے قریب پہنچنا چاہتا تو اُسے ایک روشن شعلے کے ذریعے مار بھگایا جاتا تھا، جیسا کہ سورہ حجر (۱۵: ۱۷) اور سورہ صافات (۳۷: ۱۰) میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ جنات نے جب اس بدلی ہوئی صورت حال کو دیکھا تو ان کے دل میں یہ جستجو پیدا ہوئی کہ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے کہ اب انہیں آسمان کے پاس بھی پھٹکنے سے روک دیا جاتا ہے۔ اس غرض کے لئے اُن کی ایک جماعت دُنیا کا دورہ کرنے کے لئے نکلی۔ یہ وہ وقت تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے، اور نخلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ وہاں آپ نے فجر کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت شروع کی تو جنات کی یہ جماعت اُس وقت وہاں سے گزر رہی تھی۔ اُس نے یہ کلام سنا تو وہ اُسے اطمینان سے سننے کے لئے رُک گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وَأَنَّهُ تَعَلَّى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۖ وَأَنَّهُ كَانَ يَفْقَهُ لَفِيفًا عَلٰی  
 اللّٰهِ شَطَطًا ۖ وَأَنَّا كُنَّا آتَيْنَ تَقْوَالَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۖ وَأَنَّهُ  
 كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۖ

اور یہ کہ: ہمارے پروردگار کی بہت اونچی شان ہے، اُس نے نہ کوئی بیوی رکھی ہے، اور نہ کوئی  
 بیٹا۔ ﴿۳﴾ اور یہ کہ: ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے تھے جو  
 حقیقت سے بہت دُور ہیں۔ ﴿۴﴾ اور یہ کہ: ہم نے یہ سمجھا تھا کہ انسان اور جنات اللہ کے بارے  
 میں جھوٹی بات نہیں کہیں گے۔ ﴿۵﴾ اور یہ کہ: انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات کے کچھ لوگوں کی  
 پناہ لیا کرتے تھے، اس طرح ان لوگوں نے جنات کو اور سرچڑھا دیا تھا۔ ﴿۶﴾

کی مبارک زبان سے فجر کے وقت قرآن کریم کے پُر اثر کلام نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ جنات مسلمان  
 ہو گئے، اور پھر اپنی قوم کے پاس بھی اسلام کے داعی بن کر پہنچے۔ انہوں نے اپنی قوم سے جا کر جو باتیں کیں، ان  
 آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ اس واقعے کی طرف مختصر اشارہ سورہ اَحْقَاف (۳۰:۴۶)  
 میں بھی گزر چکا ہے۔ اس کے بعد جنات کے کئی وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور آپ  
 نے انہیں تبلیغ و تعلیم کا فریضہ انجام دیا۔

(۲) اس سے مراد کفر، شرک اور بد عقیدگی کی باتیں ہیں۔

(۳) یعنی اب تک جو ہم غلط عقائد رکھتے رہے، اُس کی وجہ یہ تھی کہ سارے انسان اور جنات یہی عقائد رکھتے  
 تھے، اس لئے خیال یہی ہوا کہ اتنے سارے لوگ جھوٹے عقائد نہیں رکھتے ہوں گے، چنانچہ ہم ان کی تقلید میں  
 انہی عقائد کے قائل رہے۔

(۴) زمانہ جاہلیت میں جب لوگ اپنے سفر کے دوران کسی جنگل میں قیام کرتے تو اُس جنگل کے جنات کی پناہ  
 مانگتے تھے۔ یعنی اُس جنگل کے جنات سے یہ درخواست کرتے تھے کہ وہ انہیں اپنی پناہ میں لے کر تکلیف  
 پہنچانے والی مخلوقات سے بچائیں۔ اس عمل سے جنات یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ وہ ہماری  
 پناہ کے محتاج ہیں۔ اس طرح ان کی گمراہی میں اور اضافہ ہو گیا۔

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَن لَّنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۖ ﴿٧﴾ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۖ ﴿٨﴾ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ۖ ﴿٩﴾ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۖ ﴿١٠﴾

اور یہ کہ: 'جیسا گمان تم لوگوں کا تھا، انسانوں نے بھی یہی گمان کیا تھا کہ اللہ کسی کو بھی مرنے کے بعد دوسری زندگی نہیں دے گا۔' ﴿۷﴾ اور یہ کہ: 'ہم نے آسمان کو ٹٹولنا چاہا تو ہم نے پایا کہ وہ بڑے سخت پہرے داروں اور شعلوں سے بھرا ہوا ہے۔' ﴿۸﴾ اور یہ کہ: 'ہم پہلے سن گن لینے کے لئے آسمان کی کچھ جگہوں پر جا بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن اب جو کوئی سننا چاہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ایک شعلہ اُس کی گھات میں لگا ہوا ہے،' ﴿۹﴾ اور یہ کہ: 'ہمیں یہ پتہ نہیں تھا کہ آیا زمین والوں سے کوئی بُرا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے، یا اُن کے پروردگار نے اُن کو راہِ راست دکھانے کا ارادہ فرمایا ہے۔' ﴿۱۰﴾

(۵) اس فقرے میں جنات اپنی قوم کے دوسرے جنات سے کہہ رہے ہیں کہ جس طرح تم آخرت کے قائل نہیں تھے، اسی طرح انسان بھی اس کے قائل نہیں تھے۔ لیکن اب یہ بات غلط ثابت ہو گئی ہے۔  
(۶) یہ وہی بات ہے جس کا ذکر حاشیہ نمبر ۱ میں اوپر گزرا ہے کہ جنات کو آسمان کے قریب پہنچنے سے بھی روک دیا گیا ہے، اور اس غرض سے فرشتوں کو پہرے پر مقرر کر دیا گیا ہے جو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے والے کو شعلے پھینک کر مار بھگاتے ہیں۔

(۷) یعنی ہمیں یقین سے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی حفاظت کا جو انتظام فرمایا ہے، اُس سے زمین والوں کو سزا دینا مقصود ہے کہ زمین والے پہلے سے اُس سزا سے باخبر نہ ہو سکیں، یا اس کے پیچھے کوئی بھلائی ہے جو زمین والوں کو پہنچانا پیش نظر ہے، اور جنات کو روکنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس بھلائی میں کھنڈت نہ ڈال سکیں۔  
بظاہر مقصد یہ ہے کہ پہلے تو ہمیں یہ بات معلوم نہیں تھی، اسی لئے ہم حالات کا جائزہ لینے کے لئے نکلے تھے، لیکن

وَاَنَّا مِنَ الصّٰلِحِیْنَ وَمِنَادُوْنَ ذٰلِكَ ۚ كُنَّا طَرَآئِقَ قَدَدًا ۙ ﴿۱۱﴾ وَاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ۙ ﴿۱۲﴾ وَاَنَّا لَبَسْنَا لِهٰدٰی اٰمَنَّا بِهٖ ۚ فَمَنْ یُّؤْمِنُ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ ﴿۱۳﴾ وَاَنَّا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ مِنَ الْقٰسِطِیْنَ ۚ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۙ ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ ﴿۱۵﴾

اور یہ کہ: 'ہم میں کچھ نیک ہیں، اور کچھ ایسے نہیں ہیں، اور ہم مختلف طریقوں پر چلے آ رہے ہیں'۔ ﴿۱۱﴾ اور یہ کہ: 'ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ نہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں، اور نہ (کہیں اور) بھاگ کر اُسے بے بس کر سکتے ہیں'۔ ﴿۱۲﴾ اور یہ کہ: 'جب ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ چنانچہ جو کوئی اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تو اُس کو نہ کسی گھائے کا اندیشہ ہوگا، اور نہ کسی زیادتی کا'۔ ﴿۱۳﴾ اور یہ کہ: 'ہم میں سے کچھ تو مسلمان ہو گئے ہیں، اور ہم میں سے (اب بھی) کچھ ظالم ہیں۔ چنانچہ جو اسلام لا چکے ہیں، انہوں نے ہدایت کا راستہ ڈھونڈ لیا ہے۔ ﴿۱۴﴾ اور رہے وہ لوگ جو ظالم ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔' ﴿۱۵﴾

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سن کر یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے زمین والوں کو قرآن کریم کی ہدایت سے سرفراز فرمانا چاہتے تھے، اس لئے یہ انتظام فرمایا گیا تھا۔

(۸) مطلب یہ ہے کہ جنات میں کچھ تو ایسے ہیں جو طبعی طور پر نیک ہیں جو حق بات کو قبول کرنے کا مادہ رکھتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو طبعی طور پر شریر ہیں۔ اس کے علاوہ تمام جنات کا مذہب ایک نہیں ہے، بلکہ جنات میں بھی مختلف عقیدوں کے لوگ ہیں۔ اس لئے ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت تھی جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پوری ہو گئی ہے۔

وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَا سُقَيْنَهُمْ مَّاءً عَذَقًا ۝۱۱ لَيَقْفَتَهُمْ فِيهِ ۖ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝۱۲ وَأَنَّ السُّجُودَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝۱۳ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝۱۴ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝۱۵ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝۱۶ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝۱۷

اور (اے پیغمبر! اہل مکہ سے کہو کہ مجھ پر) یہ (وجی بھی آئی ہے) کہ: ”اگر یہ لوگ راستے پر آکر سیدھے ہو جائیں تو ہم انہیں دافر مقدار میں پانی سے سیراب کریں، ﴿۱۶﴾ تاکہ اس کے ذریعے اُن کو آزمائیں۔“ اور جو کوئی اپنے پروردگار کی یاد سے منہ موڑے گا، اللہ اُسے چڑھتے ہوئے عذاب میں پھودے گا۔“ ﴿۱۷﴾ اور یہ کہ: ”سجدے تو تمام تر اللہ ہی کا حق ہیں، اس لئے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو۔“ ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ: ”جب اللہ کا بندہ اُس کی عبادت کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو ایسا معلوم ہوا جیسے یہ لوگ اُن پر ٹوٹے پڑے ہیں۔“ ﴿۱۹﴾ کہہ دو کہ: ”میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں، اور اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں مانتا۔“ ﴿۲۰﴾ کہہ دو کہ: ”نہ تمہارا کوئی نقصان میرے اختیار میں ہے، اور نہ کوئی بھلائی۔“ ﴿۲۱﴾ کہہ دو کہ: ”مجھے اللہ سے نہ کوئی بچا سکتا ہے، اور نہ میں اُسے چھوڑ کر کوئی پناہ کی جگہ پاسکتا ہوں۔“ ﴿۲۲﴾

(۹) اب جنات کا واقعہ سنا کر اہل مکہ سے فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح یہ جنات حق طلبی کا ثبوت دے کر ایمان لے آئے، اسی طرح تمہیں بھی قرآن کریم پر ایمان لے آنا چاہئے، اور اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں بارشوں سے سیراب فرمائیں گے۔ بارشوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اُس وقت اہل مکہ قحط میں مبتلا تھے (بیان القرآن)۔

(۱۰) اس جملے کا دوسرا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ: ”تمام مسجدیں اللہ کی ہیں۔“

(۱۱) اللہ کے بندے سے یہاں مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ٹوٹے پڑنے کا مطلب ایک تو یہ ممکن



اَلَا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسَالَتِهِ ۚ وَمَنْ يَّعِصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارًا جَهَنَّمَ خٰلِدًا فِيْهَا اَبَدًا ۝۳۲ حَتّٰی اِذَا رَاَ اَوْ اَمَّا يُوعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضَعَفَ نَاصِرًا وَّاَقْلُ عَدَدًا ۝۳۳ قُلْ اِنْ اَدْرٰیٓ اَقْرَبُ مَا تُوْعَدُوْنَ اَمْرٌ يَّجْعَلُ لَهٗ رَآیًۭیۡ اَمَدًا ۝۳۴ عَلِمُ الْغٰیْبِ فَلَا يُّظْهِرُ عَلٰی غٰیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝۳۵

البتہ (جس چیز پر مجھے اختیار دیا گیا ہے، وہ) اللہ کی طرف سے بات پہنچا دینا، اور اُس کے پیغامات ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اُس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۳﴾ (اور یہ لوگ نافرمانی کرتے رہیں گے) یہاں تک کہ جب وہ چیز انہیں نظر آجائے گی جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے تو اُس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں، اور کون تعداد میں کم ہے۔ ﴿۲۴﴾ کہہ دو کہ: ”مجھے معلوم نہیں ہے کہ جس چیز سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے، آیا وہ نزدیک ہے یا میرا پروردگار اُس کے لئے کوئی لمبی مدت مقرر فرماتا ہے۔“ ﴿۲۵﴾ وہی سارے بھید جاننے والا ہے، چنانچہ وہ اپنے بھید پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، ﴿۲۶﴾

ہے کہ کافر لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو کر ایسا انداز اختیار کرتے تھے جیسے وہ آپ پر حملہ کر دیں گے، اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب آپ عبادت کے دوران قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو قرآن سننے کے لئے آپ کے گرد جنات کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے تھے۔

(۱۲) سورہ مریم (۱۹: ۷۳) میں ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ: ”ہم دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے۔“ یعنی کس کے مددگار طاقت اور گنتی میں زیادہ ہیں۔ اس آیت میں کافروں کی اسی قسم کی باتوں کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب سامنے آئے گا، اُس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کس کے مددگار کمزور یا تعداد میں زیادہ ہیں۔

(۱۳) اس سے مراد قیامت ہے جس کا ٹھیک ٹھیک وقت کوئی نہیں جانتا۔

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ  
رَاصِدًا ۖ لِّيَعْلَمَ أَنَّ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْطَىٰ  
كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝

ع  
۱۲

سوائے کسی پیغمبر کے جسے اُس نے (اس کام کے لئے) پسند فرمالیا ہو۔<sup>(۱۳)</sup> ایسی صورت میں وہ اُس پیغمبر کے آگے اور پیچھے کچھ محافظ لگا دیتا ہے، ﴿۲۷﴾ تاکہ اللہ جان لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں، اور وہ ان کے سارے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور اُس نے ہر ہر چیز کی پوری طرح گنتی کر رکھی ہے۔ ﴿۲۹﴾

(۱۳) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، البتہ وہ اپنے جس پیغمبر کو چاہتا ہے، وحی کے ذریعے غیب کی خبریں پہنچا دیتا ہے، اور ایسے موقع پر فرشتوں کو اُس وحی کا محافظ بنا کر بھیجا جاتا ہے، تاکہ کوئی شیطان اُس میں کوئی خلل نہ ڈال سکے۔

الحمد للہ! سورہ جن کے ترجمے اور تشریح کی تکمیل آج شب جمعہ ۱۳ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۷ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام کی تکمیل کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْمَرْسَلِ



آیتھا ۲۰ ﴿۲﴾ سُورَةُ الْمَزْمَلِ مَكِّيَّةٌ ۲ ﴿۱﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الْمَزْمَلُ ﴿۱﴾ قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲﴾ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿۳﴾ أَوْ زِدْ  
عَلَيْهِ وَرَاسِلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿۴﴾ إِنَّا سُلِقَى عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ﴿۵﴾ إِنَّ نَاشِئَةَ  
الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ﴿۶﴾ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ﴿۷﴾ وَاذْكُرْ  
اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَبِيلًا ﴿۱۰﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے چادر میں لپٹنے والے! ﴿۱﴾ رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لئے)  
کھڑے ہو جایا کرو، ﴿۲﴾ رات کا آدھا حصہ! یا آدھے سے کچھ کم کرلو، ﴿۳﴾ یا اُس سے کچھ  
زیادہ کرلو، اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔ ﴿۴﴾ ہم تم پر ایک بھاری کلام  
نازل کرنے والے ہیں۔ ﴿۵﴾ بے شک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی  
طرح نکلا جاتا ہے، اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔ ﴿۶﴾ دن میں تو تم لمبی مصروفیت  
میں رواں دواں رہتے ہو۔ ﴿۷﴾ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو، اور سب سے الگ ہو کر  
پورے کے پورے اُسی کے ہو رہو۔ ﴿۸﴾ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود  
نہیں، اس لئے اُسی کو کارساز بنا لو۔ ﴿۹﴾ اور جو باتیں یہ (کافر لوگ) کہتے ہیں، اُن پر صبر سے کام  
لو، اور خوبصورتی کے ساتھ اُن سے کنارہ کرلو۔ ﴿۱۰﴾

(۱) یہ پیار بھرا خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جب آپ پر پہلی پہلی بار غار حراء میں جبریل علیہ

السلام وحی لے کر آئے تھے تو آپ پر نبوت کی ذمہ داری کا اتنا بوجھ ہوا کہ آپ کو جاڑا لگنے لگا، اور جب آپ اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو یہ فرما رہے تھے کہ مجھے چادر میں لپیٹ دو، مجھے چادر میں لپیٹ دو۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں محبوبانہ انداز میں آپ کو ”اے چادر میں لپٹنے والے“ کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

(۲) اس آیت میں آپ کو تہجد کی نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کے مطابق شروع میں تہجد کی نماز نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر، بلکہ تمام صحابہ پر فرض کر دی گئی تھی، اور اُس کی مقدار کم سے کم ایک تہائی رات مقرر فرمائی گئی تھی۔ یہ فرضیت بعض روایات کی رو سے سال بھر تک جاری رہی۔ بعد میں اسی سورت کی آیت نمبر ۲۰ نازل ہوئی جس نے تہجد کی فرضیت منسوخ کر دی، جیسا کہ اس آیت کی تشریح میں آنے والا ہے۔

(۳) اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ چونکہ یہ سورت ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، اس لئے قرآن کریم کا بیشتر حصہ ابھی نازل ہونا باقی تھا۔

(۴) یعنی رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے سے انسان کے لئے اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے، اور رات کے وقت میں چونکہ شور و غل نہیں ہوتا، اس لئے تلاوت اور دعا ٹھیک ٹھیک اور حضورِ قلب کے ساتھ ادا ہوتی ہیں۔ دن کے وقت یہ فائدے کم ہوتے ہیں۔

(۵) یعنی دن کا وقت چونکہ دوسرے کاموں میں مصروفیت کا وقت ہوتا ہے، اس لئے اُس میں اتنی دلجمعی کے ساتھ عبادت مشکل ہے۔

(۶) ذکر میں دونوں باتیں داخل ہیں، زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی، اور دل سے اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنا بھی۔ اور سب سے الگ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دُنیا کے سارے تعلقات چھوڑ دو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سارے تعلقات پر اللہ تعالیٰ کے تعلق کو غالب رکھو، یہاں تک کہ دُنیا کے تعلقات بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کے مطابق اور اُسی کے حکم کی تعمیل میں ہونے چاہئیں۔ اس طرح وہ تعلقات بھی اللہ ہی کے لئے ہو جائیں گے۔

(۷) مکی زندگی میں ہمیشہ حکم یہی دیا گیا ہے کہ کافروں کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرو، اور اُن سے لڑائی ٹھاننے کے بجائے خوبصورتی سے علیحدگی اختیار کر لو۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهْلُهمْ قَلِيلًا ۝۱۱ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا  
وَجَحِيمًا ۝۱۲ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۳ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ  
وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ۝۱۴ إِنَّا أَمْرَسَلْنَا إِلَيْكُم رَاسُولًا شَهِيدًا  
عَلَيْكُمْ كَمَا أَمْرَسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَاسُولًا ۝۱۵ فَطَعْنَىٰ فِرْعَوْنَ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ  
أَخْذًا وَّبِيلًا ۝۱۶ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمَ مَا يُجْعَلُ الْوِلْدَانُ تُبٰٓئًا ۝۱۷  
السَّمَاءُ مُنْفِطِرٌ بِهِ ۝۱۸ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۝۱۹ إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرٌ ۝۲۰ فَمَنْ شَاءَ  
اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝۲۱

۷۳

اور تمہیں جھٹلانے والے جو عیش و عشرت کے مالک بنے ہوئے ہیں، اُن کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو، اور  
انہیں تھوڑے دن اور مہلت دو۔ ﴿۱۱﴾ یقین جانو ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں ہیں، اور دہکتی  
ہوئی آگ ہے، ﴿۱۲﴾ اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے، اور دکھ دینے والا عذاب  
ہے، ﴿۱۳﴾ اُس دن جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے، اور سارے پہاڑ ریت کے بکھرے ہوئے  
تو دے بن کر رہ جائیں گے! ﴿۱۴﴾

(جھٹلانے والو!) یقین جانو ہم نے تمہارے پاس تم پر گواہ بننے والا ایک رسول اُسی طرح بھیجا ہے،  
جیسے ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ ﴿۱۵﴾ پھر فرعون نے رسول کا کہنا نہیں مانا، تو ہم  
نے اُسے ایسی پکڑ میں لے لیا جو اُس کے لئے زبردست وبال تھی۔ ﴿۱۶﴾ اگر تم بھی نہ مانے تو پھر  
اُس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا ﴿۱۷﴾ (اور) جس سے آسمان پھٹ پڑے گا۔  
اللہ کے وعدے کو تو پورا ہو کر رہنا ہے۔ ﴿۱۸﴾ یہ ایک نصیحت کی بات ہے۔ اب جو چاہے، اپنے  
پروردگار کی طرف جانے والا راستہ اختیار کر لے۔ ﴿۱۹﴾



اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُومُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثِ اللَّیْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَآئِفَهُ مِنَ  
الَّذِیْنَ مَعَكَ ۚ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ  
عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ اَنْ سَیَكُونُ مِنْكُمْ مَّرْضٰی ۚ وَ  
اٰخَرُونَ یَضْرِبُونَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۚ وَاٰخَرُونَ یُقَاتِلُونَ فِی  
سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَاقْرَءُوا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاقْرِضُوا اللّٰهَ  
قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا مَوْلَا اَنْفُسِكُمْ مِنْ خَیْرٍ یَّجِدْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّ  
عَظَمَ اَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب، اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک  
تہائی رات (تہجد کی نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہو، اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک  
جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)۔ اور رات اور دن کی ٹھیک ٹھیک مقدار اللہ ہی مقرر فرماتا ہے۔ اُسے  
معلوم ہے کہ تم اُس کا ٹھیک حساب نہیں رکھ سکو گے، اس لئے اُس نے تم پر عنایت فرمادی ہے۔ اب  
تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔ اللہ کو علم ہے کہ تم میں کچھ لوگ بیمار ہوں گے، اور کچھ  
دوسرے ایسے ہوں گے جو اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے زمین میں سفر کر رہے ہوں گے، اور کچھ  
ایسے جو اللہ کے راستے میں جنگ کر رہے ہوں گے۔ لہذا تم اُس (قرآن) میں سے اتنا ہی پڑھ لیا  
کرو جتنا آسان ہو۔ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو قرض دو، اچھا والا قرض! اور تم اپنے  
آپ کے لئے جو بھلائی بھی آگے بھیجو گے، اُسے اللہ کے پاس جا کر اس طرح پاؤ گے کہ وہ کہیں بہتر  
حالت میں اور بڑے زبردست ثواب کی شکل میں موجود ہے۔ اور اللہ سے مغفرت مانگتے رہو۔ یقین  
رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ ﴿۲۰﴾

(۸) یہ آیت اوپر کی آیات سے کم از کم ایک سال بعد نازل ہوئی، اور اس کے ذریعے تہجد کے حکم میں آسانی پیدا

فرمائی گئی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، شروع میں ایک تہائی رات کی مقدار تہجد پڑھنا ضروری تھا، لیکن چونکہ گھڑیوں وغیرہ کا رواج نہیں تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ احتیاط کے پیش نظر تہائی رات سے کافی زیادہ مقدار تہجد پڑھنے میں گزارتے تھے، کبھی آدھی رات، کبھی دو تہائی کے قریب قریب۔

(۹) مطلب یہ ہے کہ دن اور رات کی ٹھیک ٹھیک مقدار چونکہ اللہ تعالیٰ ہی مقرر فرماتا ہے، اس لئے اُسے معلوم ہے کہ تم لوگوں کے لئے تہائی رات کا حساب رکھنا بھی مشکل ہے، اور اس عمل کو نبھانا بھی، اس لئے اب جبکہ ایک مدت تک تم نے یہ مشقت اٹھالی ہے، اور اس کے ذریعے تمہارے اندر جو صفات پیدا کرنی مقصود تھیں، وہ بڑی حد تک حاصل ہو گئی ہیں، اس لئے اب اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو ختم فرما دیا ہے۔

(۱۰) اس سے مراد تہجد کی نماز میں قرآن کریم پڑھنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اب نہ تو تہجد کی نماز فرض ہے، اور نہ اُس کی کوئی خاص مقدار مقرر ہے۔ اب بھی وہ مستحب ضرور ہے لیکن جتنا آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ سکتے ہو۔ واضح رہے کہ اگرچہ تہجد کا افضل طریقہ یہ ہے کہ انسان رات کو سونے کے بعد آخر رات میں بیدار ہو کر تہجد پڑھے، لیکن اگر کوئی ایسا نہ کر سکے تو عشاء کے بعد کسی بھی وقت صلاۃ اللیل کی نیت سے نماز پڑھ لینے سے بھی اس نماز کی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے۔

(۱۱) یعنی تجارت یا روزگار حاصل کرنے کے لئے سفر کر رہے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آئندہ تمہیں بہت سے ایسے حالات سے سابقہ پڑے گا جن میں رات کے وقت اتنی لمبی نماز کا نبھانا مشکل ہو جائے گا، اس لئے اب وہ فرض نہیں رہی۔

(۱۲) اس سے مراد پانچ وقت کی فرض نمازیں ہیں۔

(۱۳) اس سے مراد صدقہ دینا اور دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنا ہے۔ اُسے مجازی طور پر قرض اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اُس کے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، اور ”اچھا والا قرض“ کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں نیت صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو، دکھاوا وغیرہ مقصود نہ ہو۔

الحمد للہ! ۱۶ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں سورہ منزل کا ترجمہ اور تشریحات مکمل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کو بھی عافیت اور اپنی رضا کے ساتھ تکمیل کو پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْمَدِّثَرِ



﴿۵۶﴾ آیاتھا ۵۶ ﴿۷۲﴾ سُورَةُ الْمَدْثَرِ مَكِّيَّةٌ ۲ رُكُوعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يَا أَيُّهَا الْمَدْثَرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَشِيَاكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ  
فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرْ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ فَاذْنُقْنِي الْسَّاقُورَ ۝  
فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھپن آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے کپڑے میں لپٹنے والے! ﴿۱﴾ اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو ﴿۲﴾ اور اپنے پروردگار کی تکبیر  
کہو، ﴿۳﴾ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، ﴿۴﴾ اور گندگی سے کنارہ کرلو، ﴿۵﴾ اور کوئی احسان  
اس نیت سے نہ کرو کہ زیادہ وصول کر سکو۔ ﴿۶﴾ اور اپنے پروردگار کی خاطر صبر سے کام لو۔ ﴿۷﴾  
پھر جب صور میں پھونک مار دی جائے گی، ﴿۸﴾ تو وہ بڑا مشکل دن ہوگا، ﴿۹﴾ کافروں کے لئے  
وہ آسان نہیں ہوگا۔ ﴿۱۰﴾

(۱) یہ اُسی طرح کا خطاب ہے جیسا پچھلی سورت کے شروع میں گزرا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اصل عربی  
لفظ ”مزل“ تھا، اور یہاں ”مدثر“ ہے۔ معنی دونوں کے تقریباً ایک ہیں۔ اس کی تشریح کے لئے پچھلی سورت کا  
حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔ صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ پر سب سے پہلی وحی کے طور پر تو سورہٴ علق  
(سورت نمبر ۹۶) کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ اُس کے بعد ایک عرصے تک وحی کا سلسلہ بند رہا۔ پھر  
سورہٴ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(۲) بہت سے مفسرین نے یہاں گندگی سے مراد بت لئے ہیں، لیکن الفاظ ہر قسم کی گندگی کے لئے عام ہیں۔

(۳) کسی کو اس نیت سے کوئی ہدیہ تحفہ دینا کہ جواب میں وہ اُس سے زیادہ دے اس آیت کی رُو سے ممنوع ہے۔  
ایک تفسیر کے مطابق یہی حکم سورہٴ روم (۳۹:۳۰) میں بھی گزرا ہے۔

(۴) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی تبلیغ کا حکم ہوا تو اس بات کا پورا اندیشہ تھا کہ کافر لوگ آپ کو

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝۱۱ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۝۱۲ وَبَنِينَ شُهُودًا ۝۱۳  
وَمَهْدُتٌ لَهُ تَهْنِئًا ۝۱۴ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۝۱۵

اُس شخص کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، ﴿۱۱﴾ اور اُس کو مال دیا جو دُور تک پھیلا پڑا ہے، ﴿۱۲﴾ اور بیٹے دیئے جو سامنے موجود رہتے ہیں، ﴿۱۳﴾ اور اُس کے لئے ہر کام کے راستے ہموار کر دیئے، ﴿۱۴﴾ پھر بھی وہ یہ لالچ کرتا ہے کہ میں اُسے اور زیادہ دوں۔ ﴿۱۵﴾

ستائیں گے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ فی الحال کوئی مسلح جدوجہد نہیں کرنی ہے، صبر سے کام لینا ہے، اور ان کی زیادتیوں کی اصل سزا انہیں اُس وقت ملے گی جب قیامت کے لئے صور پھونکا جائے گا جس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

(۵) متعدد تفسیری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جو مکہ مکرمہ کا بڑا دولت مند سردار تھا۔ اُس کی دولت مکہ مکرمہ سے طائف تک پھیلی پڑی تھی۔ وہ کبھی کبھی حضرت ابوبکرؓ کے پاس جایا کرتا تھا، اور ایک مرتبہ وہ قرآن کریم سن کر یہ اعتراف کر چکا تھا کہ یہ ایک بے نظیر کلام ہے جو کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔ اس سے ابو جہل کو یہ خوف ہوا کہ وہ کہیں مسلمان نہ ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے ولید بن مغیرہ کے پاس جا کر اُسے غیرت دلائی، اور کہا کہ لوگ تمہارے بارے میں یہ باتیں کر رہے ہیں کہ تم مسلمانوں کے پاس دولت حاصل کرنے جاتے ہو۔ ولید کو اس پر غیرت آ گئی، اور اُس نے کہا کہ آئندہ میں کبھی ابوبکرؓ وغیرہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ ابو جہل نے کہا کہ جب تک تم قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کہو گے، لوگ مطمئن نہیں ہوں گے۔ ولید نے کہا کہ میں اُسے نہ شعر کہہ سکتا ہوں، نہ کاہنوں کا کلام کہہ سکتا ہوں، نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مجنون کہہ سکتا ہوں، کیونکہ یہ باتیں چلنے والی نہیں ہیں۔ پھر کچھ سوچنے کے بعد کہا کہ: ”البتہ اُسے سحر (جادو) کہا جا سکتا ہے، کیونکہ جس طرح جادو کے ذریعے جادوگر میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں، اسی طرح اس کلام کو سن کر جو مسلمان ہو جاتا ہے، وہ اپنے کافر ماں باپ وغیرہ سے الگ ہو جاتا ہے۔“ اور بعض روایات میں ہے کہ ولید نے یہ بات اُس موقع پر کہی تھی جب قریش کے لوگوں نے حج سے کچھ پہلے یہ مشورہ کیا کہ حج میں سارے عرب سے لوگ آئیں گے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات کریں گے، ہمیں یہ طے کر لینا چاہئے کہ اُن سے کیا کہیں۔ ولید نے کہا کہ انہیں نہ مجنون کہا جا سکتا ہے، نہ شاعر نہ کاہن، نہ جھوٹا۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر کیا کہیں، تو اُس نے کچھ سوچ کر جواب دیا کہ اگر انہیں جادوگر کہا جائے تو بات کچھ چل جائے گی۔ (ابن کثیر)

كَلَّا ۖ اِنَّهٗ كَانَ لَا يَتَنَا عَنِيدًا ۝۱۷ سَاُثْرِهٖهُ صَعُوْدًا ۝۱۸ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝۱۹  
فَقَتَلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۲۰ ثُمَّ قَتَلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۲۱ ثُمَّ نَظَرَ ۝۲۲ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝۲۳ ثُمَّ  
اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝۲۴ فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝۲۵ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ  
الْبَشَرِ ۝۲۶ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝۲۷ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا سَقَرٌ ۝۲۸ لَا تُبْقٰى وَلَا تَذَرُ ۝۲۹  
لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ ۝۳۰ عَلَیْهَا تِسْعَةُ عَشْرِ ۝۳۱

ہرگز نہیں! وہ ہماری آیتوں کا دشمن بن گیا ہے، ﴿۱۶﴾ عنقریب میں اُسے ایک کٹھن چڑھائی پر  
چڑھاؤں گا۔ ﴿۱۷﴾ اُس کا حال تو یہ ہے کہ اُس نے سوچ کر ایک بات بنائی، ﴿۱۸﴾ خدا کی مار  
ہو اُس پر کہ کیسی بات بنائی! ﴿۱۹﴾ دوبارہ خدا کی مار ہو اُس پر کہ کیسی بات بنائی! ﴿۲۰﴾ پھر اُس  
نے نظر دوڑائی، ﴿۲۱﴾ پھر تیوری چڑھائی، اور منہ بنایا، ﴿۲۲﴾ پھر پیچھے کو مڑا، اور غرور  
دکھایا، ﴿۲۳﴾ پھر کہنے لگا کہ: ”کچھ نہیں، یہ تو ایک روایتی جادو ہے، ﴿۲۴﴾ کچھ نہیں، یہ تو ایک  
انسان کا کلام ہے۔“ ﴿۲۵﴾ عنقریب میں اس شخص کو دوزخ میں جھونک دوں گا، ﴿۲۶﴾ اور تمہیں  
کیا پتہ کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ ﴿۲۷﴾ وہ نہ کسی کو باقی رکھے گی، اور نہ چھوڑے گی، ﴿۲۸﴾ وہ  
کھالوں کو جھلس دینے والی چیز ہے، ﴿۲۹﴾ اُس پر انیس (کارندے) مقرر ہوں گے۔ ﴿۳۰﴾

(۶) قرآن کریم میں اصل لفظ ”صعود“ ہے جس کے لفظی معنی پر مشقت چڑھائی کے ہیں۔ اور بعض روایات  
میں ہے کہ یہ دوزخ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

(۷) یعنی یہی بات بنائی کہ قرآن کو نہ شاعری کہہ سکتے ہیں، نہ کہانت، البتہ جادو کہہ سکتے ہیں۔

(۸) یعنی آس پاس کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اُس کے بارے میں کیا رائے قائم کر رہے ہیں۔

(۹) دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا جو جلع نہیں، اور نہ دوزخ کسی مجرم کو اپنے  
سے باہر رہنے دے گی، کہ اُسے باہر رہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔



وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۖ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزِدَّ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۖ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ

اور ہم نے دوزخ کے یہ کارندے کوئی اور نہیں، فرشتے مقرر کئے ہیں۔<sup>(۱۰)</sup> اور اُن کی جو تعداد مقرر کی ہے، وہ صرف اس لئے کہ اُس کے ذریعے کافروں کی آزمائش ہو، تاکہ اہل کتاب کو یقین آجائے،<sup>(۱۱)</sup> اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں، اُن کے ایمان میں اور اضافہ ہو، اور اہل کتاب اور مؤمن لوگ کسی شک میں نہ پڑیں، اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے،<sup>(۱۲)</sup> اور جو لوگ کافر ہیں، وہ یہ کہیں کہ بھلا اس عجیب سی بات سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے،

(۱۰) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ دوزخ پر انیس کارندے مقرر ہیں تو کافروں نے اس کا مذاق اڑایا، اور ایک نے تو لوگوں سے یہاں تک کہہ دیا کہ انیس میں سے سترہ کے لئے تو میں ہی کافی ہوں، باقی دو سے تم نمٹ لینا۔ (ابن کثیر) اس کے جواب میں یہ آیت ۳۱ نازل ہوئی کہ یہ انیس کارندے سب کے سب فرشتے ہیں، کوئی مذاق نہیں کہ تم ان کا مقابلہ کر سکو۔

(۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کو دوزخ کی نگرانی اور حفاظت کے لئے کسی خاص تعداد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ تعداد اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ کافروں کی آزمائش ہو کہ وہ اُس کی تصدیق کرتے ہیں، یا مذاق اڑاتے ہیں۔

(۱۲) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کی کچھ کتابوں میں بھی دوزخ پر متعین فرشتوں کی تعداد انیس بیان کی گئی ہوگی، (چاہے وہ اس وقت ہمارے علم میں نہ ہوں) اس لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ اس بات پر یقین کر لیں گے۔

(۱۳) روگ سے یہاں مراد شک یا نفاق ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾  
وَاللَّيْلِ إِذَا أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَصْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَاحِدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا  
لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور یہ ساری بات تو نوع بشر کے لئے ایک یاد دہانی کرانے والی نصیحت ہے، اور بس! ﴿۳۱﴾

خبردار! قسم ہے چاند کی، ﴿۳۲﴾ اور رات کی جب وہ منہ پھیر کر جانے لگے، ﴿۳۳﴾ اور صبح کی جب اُس کا اُجالا پھیل جائے، ﴿۳۴﴾ کہ یہ بڑی بڑی باتوں میں سے ایک ہے ﴿۳۵﴾ جو تمام انسانوں کو خبردار کر رہی ہے، ﴿۳۶﴾ تم میں سے ہر اُس شخص کو جو آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا چاہے۔ ﴿۳۷﴾

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، اُن کی نہ صرف تعداد، بلکہ اُن کو عطا فرمائی ہوئی قوتوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے۔ لہذا اُس کی کسی مخلوق کے بارے میں اپنے محدود علم کی بنیاد پر یہ قیاس کر لینا کہ وہ ہم جیسی ہی ہوگی، نری حماقت ہے۔

(۱۵) دوزخ جیسی بڑی مصیبت کا یہ تذکرہ اُن مضامین میں سے ہے جو لوگوں کو غفلت سے ہوش میں آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ بات کہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے چاند کی قسم کھائی ہے کہ جس طرح چاند پہلے روز بروز بڑھتا اور پھر روز بروز گھٹتا ہے، یہاں تک کہ مہینے کے آخر میں بالکل غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح انسان کی طاقت پہلے بڑھتی ہے، پھر بڑھاپے میں گھٹنی شروع ہوتی ہے، یہاں تک کہ ایک دن انسان مر جاتا ہے، اور دنیا کی ہر چیز کا یہی حال ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کی قسم کھائی ہے جب رات ڈھلنے لگتی ہے، اور صبح کا اُجالا نمودار ہو کر پورے ماحول کو روشن کر دیتا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ابھی تو کافروں کے سامنے غفلت کا اندھیرا پھیلا ہوا ہے، پھر ایک وقت آئے گا جب یہ اندھیرا دور ہوگا، اور حق اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہو کر ماحول کو روشن کر دے گا، یا اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بہت سے حقائق انسان کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں، جو قیامت میں پوری طرح روشن ہو کر سامنے آجائیں گے۔

(۱۶) یعنی یہ اُس شخص کو بھی خبردار کرتا ہے جو بھلائی کی طرف آگے بڑھے، اور اُس کو بھی جو بھلائی سے پیچھے ہٹے۔

مَلَعْ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةً ۖ ﴿۳۸﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۖ ﴿۳۹﴾ فِي جَنَّتِ ۖ ﴿۴۰﴾  
يَتَسَاءَلُونَ ۖ ﴿۴۱﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۖ ﴿۴۲﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۖ ﴿۴۳﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ  
الْمُصَلِّينَ ۖ ﴿۴۴﴾ وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْبُسْكِينَ ۖ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا خَوْضٌ مَعَ الْخَاضِعِينَ ۖ ﴿۴۶﴾  
وَكُنَّا نَكْذِبُ يَوْمَ الدِّينِ ۖ ﴿۴۷﴾ حَتَّىٰ أَتَيْنَا الْيَقِيْنَ ۖ ﴿۴۸﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ  
شَفَاعَةُ الشُّفَعَاءِ ۖ ﴿۴۹﴾

ہر شخص اپنے کرتوت کی وجہ سے گروی رکھا ہوا ہے، ﴿۳۸﴾ سوائے دائیں ہاتھ والوں کے ﴿۳۹﴾ کہ وہ جنتوں میں ہوں گے۔ وہ پوچھ رہے ہوں گے ﴿۴۰﴾ مجرموں کے بارے میں، ﴿۴۱﴾ کہ: ”تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کر دیا؟“ ﴿۴۲﴾ وہ کہیں گے کہ: ”ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے، ﴿۴۳﴾ اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، ﴿۴۴﴾ اور جو لوگ بے ہودہ باتوں میں گھستے، ہم بھی اُن کے ساتھ گھس جایا کرتے تھے، ﴿۴۵﴾ اور ہم روزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، ﴿۴۶﴾ یہاں تک کہ وہ یقینی بات ہمارے پاس آ ہی گئی۔“ ﴿۴۷﴾ چنانچہ سفارش کرنے والوں کی سفارش ایسے لوگوں کے کام نہیں آئے گی۔ ﴿۴۸﴾

(۱۷) یعنی جس طرح قرض کی توثیق کے لئے کوئی چیز گروی (رہن) رکھی جاتی ہے، کہ اگر قرض ادا نہ ہوا تو قرض خواہ اُسے بچ کر اپنا حق حاصل کر سکتا ہے، اسی طرح کافر اس طرح رہن رکھا ہوا ہے کہ یا تو ہدایت کا راستہ اختیار کر لے، ورنہ اُس کا پورا وجود دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

(۱۸) اس سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کا اعمال نامہ انہیں اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(۱۹) اس سے مراد کافروں کے وہ سردار ہیں جو اسلام اور قرآن کا مذاق اڑانے کے لئے محفلیں سجا یا کرتے تھے، اور بے ہودہ مذاق سے حق کی تردید کیا کرتے تھے۔ لیکن قرآن کریم کے الفاظ عام ہیں جو ہر قسم کی بے ہودہ گفتگو اور بے ہودہ مشغلوں کو شامل ہیں، جو آخرت میں انسان کے لئے مصیبت کا سبب بنیں گے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿۳۹﴾ كَانَهُمْ حُرٌّ مُّسْتَفْرَقٌ ﴿۴۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۴۱﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتِي صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۴۲﴾ كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿۴۳﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذَكَّرَةٌ ﴿۴۴﴾ فَمِنْ شَاءِ ذِكْرًا ﴿۴۵﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۖ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْغُفْرَةِ ﴿۴۶﴾

۲  
ع ۱۱

اب ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ نصیحت کی بات سے منہ موڑے ہوئے ہیں؟ ﴿۴۹﴾ اس طرح جیسے وہ جنگلی گدھے ہوں ﴿۵۰﴾ جو کسی شیر سے (ڈر کر) بھاگ پڑے ہوں۔ ﴿۵۱﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اُسے کھلے ہوئے صحیفے پکڑا دیئے جائیں۔ ﴿۵۲﴾ ہرگز نہیں! بات اصل میں یہ ہے کہ ان کو آخرت کا خوف نہیں ہے۔ ﴿۵۳﴾ ہرگز نہیں! یہ (قرآن ہی) ایک نصیحت ہے، ﴿۵۴﴾ اب جو چاہے، اس سے نصیحت حاصل کر لے۔ ﴿۵۵﴾ اور یہ لوگ نصیحت حاصل کریں گے نہیں، اِلَّا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے۔ وہی اس بات کا اہل ہے کہ اُس سے ڈرا جائے، اور وہی اس کا اہل ہے کہ لوگوں کی مغفرت کرے۔ ﴿۵۶﴾

(۲۰) یہ اُن کافروں کا ذکر ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی کیوں نازل ہوا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو ہدایت کے لئے کوئی کتاب بھیجی تھی تو ہم میں سے ہر شخص پر الگ کتاب آنی چاہئے تھی۔

(۲۱) یعنی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص کو الگ کتاب دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمیشہ کسی پیغمبر کے واسطے سے بھیجی جاتی ہے، کیونکہ اگر ہر شخص پر براہ راست کتاب بھیجی جائے تو اوّل تو ایمان بالغیب کا تصور ہی ختم ہو جائے جو سارے امتحان کی بنیاد ہے، دوسرے تنہا کتاب انسان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہو سکی، جب تک پیغمبر کی شکل میں کوئی معلم ساتھ نہ ہو۔ وہی انسانوں کو کتاب کا صحیح مطلب سمجھاتا ہے، اور وہی اُس پر عمل کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے، ورنہ ہر شخص کتاب کی من مانی تشریحات کر کے اُس کا سارا مفہوم ہی خراب کر سکتا ہے۔

(۲۲) یعنی یہ بے سرو پا اعتراضات کسی حق طلبی کی وجہ سے نہیں کئے جا رہے ہیں، بلکہ ان کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اور انہیں اللہ تعالیٰ کا اور آخرت کا کوئی خوف ہی نہیں ہے۔ اس لئے جو منہ میں آتا ہے کہہ گزرتے ہیں۔

الحمد للہ! سورۃ مدثر کا ترجمہ اور اُس کے حواشی آج بروز ہفتہ ۲۱ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی سے اوسلو (ناروے) جاتے ہوئے جہاز میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْقِيَامَةِ

۲۰ آیاتھا ۷۵ سُورَةُ الْقِيَمَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۱ رُكُوعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

لَا أُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِيَمَةِ ① وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ② اَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ  
أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ③ بَلَىٰ قَدَرَيْنَ عَلَىٰ أَنْ تُسَوَّىٰ بَنَانُهُ ④

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، ﴿۱﴾ اور قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی، ﴿۲﴾ (کہ ہم انسان کو ضرور دوبارہ زندہ کریں گے) ﴿۳﴾ کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکیں گے؟ ﴿۴﴾ کیوں نہیں؟ جبکہ ہمیں اس پر بھی قدرت ہے کہ اُس کی انگلیوں کے پور پور کو ٹھیک ٹھیک بنادیں۔ ﴿۵﴾

(۱) ملامت کرنے والے نفس سے مراد انسان کا وہ ضمیر ہے جو اُسے غلط کاموں پر ملامت کرتا ہے۔ نفس انسان کی اُس اندرونی کیفیت کا نام ہے جس میں خواہشات اور ارادے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے تین قسم کے نفس کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک نفسِ امارہ یعنی بُرائی پر مائل کرنے والا۔ (دیکھئے ۱۲: ۵۳) دوسرے نفسِ لوامہ جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے، اور جو اچھائی کی طرف مائل کرتا اور بُرائی پر ملامت کرتا ہے۔ تیسرے نفسِ مطمئنہ (دیکھئے ۸۹: ۲۷) اس سے مراد وہ نفس ہے جو مسلسل کوشش کر کے اچھائی پر مطمئن ہو گیا ہو، اور بُرائی کے تقاضے اُس میں یا تو پیدا ہی نہ ہوتے ہوں، یا بہت کمزور ہو گئے ہوں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے نفسِ لوامہ کی قسم کھائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا مادہ رکھا ہے جو اُسے بُرائی پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ انسان کو غور کرنا چاہئے کہ یہ ملامت کرنے والی چیز جو خود اُس کے وجود میں رکھی ہوئی ہے، خود اس بات کی دلیل ہے کہ جس ذات نے اُسے پیدا کیا ہے، اُس نے ساتھ ساتھ اُس کو ایک تنبیہ کرنے والا وجود عطا فرمادیا ہے۔ اگر آخرت آنے والی نہ ہوتی، اور انسان کو اُس کے اچھے بُرے اعمال کا بدلہ ملنے والا نہ ہوتا تو اس نفسِ لوامہ کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) فرمایا جا رہا ہے کہ ہڈیوں کو جمع کر لینا تو بہت معمولی بات ہے، اللہ تعالیٰ تو انسان کی انگلیوں کے ایک ایک



بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۚ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ ۚ فَإِذَا بَرِقَ  
 الْبَصَرُ ۚ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۚ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ  
 أَيْنَ الْمَفْرُجُ ۚ كَلَّا لَا وَزَرَ ۚ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۚ يُبْشَرُ الْإِنْسَانُ  
 يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۚ

اصل بات یہ ہے کہ انسان چاہتا یہ ہے کہ اپنی آگے کی زندگی میں بھی ڈھٹائی سے گناہ کرتا  
 رہے۔ ﴿۵﴾ پوچھتا ہے کہ: ”کب آئے گا وہ قیامت کا دن؟“ ﴿۶﴾ پھر جب آنکھیں چندھیا  
 جائیں گی، ﴿۷﴾ اور چاند بے نور ہو جائے گا، ﴿۸﴾ اور چاند اور سورج اکٹھے کر دیئے جائیں  
 گے، ﴿۹﴾ اُس وقت انسان کہے گا کہ: ”کہاں ہے کوئی جگہ جہاں بھاگ کر جاؤں؟“ ﴿۱۰﴾  
 نہیں نہیں! پناہ کی کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ ﴿۱۱﴾ اُس دن تو ہر ایک کو تمہارے پروردگار ہی کے سامنے  
 جا کر ٹھہرنا پڑے گا۔ ﴿۱۲﴾ اُس دن ہر انسان کو جتلا دیا جائے گا کہ اُس نے کیا کچھ آگے بھیجا ہے،  
 اور کیا کچھ پیچھے چھوڑا ہے۔ ﴿۱۳﴾

پورے کو دوبارہ ٹھیک ٹھیک اُسی طرح دوبارہ بنانے پر قادر ہیں جیسے وہ شروع میں تھے۔ اُنکلیوں کے پورے کا  
 خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان پوروں میں جو باریک باریک لکیریں ہوتی ہیں، وہ ہر انسان کی  
 دوسرے سے الگ ہوتی ہیں، اسی وجہ سے دُنیا میں دستخط کے بجائے انگوٹھے کے نشان کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان  
 لکیروں میں اتنا باریک باریک فرق ہوتا ہے کہ اربوں پدموں انسانوں کی اُنکلیوں کے اس فرق کو یاد رکھ کر پھر  
 دوبارہ وہی ہی لکیریں بنادینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے۔

(۳) یعنی آخرت کی زندگی کا انکار یہ لوگ کسی علمی دلیل کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ آئندہ بھی وہ  
 بے خوف و خطر گناہ کرتے رہیں، اور آخرت کا تصور ان کے لئے اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے میں کوئی  
 رکاوٹ نہ بنے۔

(۴) یعنی کونسے کام وہ دُنیا میں کر آیا ہے، اور وہ اُس کے اعمال نامے میں پہنچ چکے ہیں، اور کونسے کام وہ چھوڑ آیا  
 ہے کہ اُسے کرنے چاہئے تھے، لیکن اُس نے نہیں کئے۔

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۖ ﴿١٣﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۖ ﴿١٤﴾ لَا تَحْرِكْ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۖ ﴿١٥﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جُمُوعَهُ وَقُرْآنَهُ ۖ ﴿١٦﴾ فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاقْبَرْ ۖ ﴿١٧﴾ إِنَّهُ ۖ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۖ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۖ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۖ ﴿٢١﴾

بلکہ انسان خود اپنے آپ سے اچھی طرح واقف ہوگا، ﴿۱۳﴾ چاہے وہ کتنے بہانے بنائے۔ ﴿۱۵﴾  
 — (اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو ہلایا نہ کرو۔ ﴿۱۶﴾  
 یقین رکھو کہ اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے، ﴿۱۷﴾ پھر جب ہم اسے (جبرئیل کے واسطے سے) پڑھ رہے ہوں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ ﴿۱۸﴾ پھر اُس کی وضاحت بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ﴿۱۹﴾ — خبردار (اے کافرو!) اصل بات یہ ہے کہ تم فوری طور پر حاصل ہونے والی چیز (یعنی دُنیا) سے محبت کرتے ہو، ﴿۲۰﴾ اور آخرت کو نظر انداز کئے ہوئے ہو۔ ﴿۲۱﴾

(۵) مطلب یہ ہے کہ انسان خود بھی جانتا ہے کہ اُس نے کیا گناہ کئے ہیں، اگرچہ وہ ان کا جواز تلاش کرنے کے لئے بہانوں اور تاویلوں کا سہارا لے۔

(۶) یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوتا تو آپ اُس کے الفاظ ساتھ ساتھ دہراتے جاتے تھے، تاکہ آپ انہیں بھول نہ جائیں۔ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ زبان مبارک سے الفاظ کو دہرانے کی مشقت نہ اٹھائیں، کیونکہ ہم نے ذمہ داری لے لی ہے کہ ہم انہیں آپ کو یاد بھی کرائیں گے، اور ان کی تشریح بھی آپ کے قلب مبارک میں واضح کر دیں گے۔

(۷) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی توجہ الفاظ کو یاد رکھنے کے بجائے ان آیات کی عملی پیروی کرنے پر مرکوز رکھیں، اور یہ بھی کہ جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھ رہے ہیں، آئندہ آپ بھی اُسی طرح پڑھا کریں۔

(۸) یعنی آیاتِ کریمہ کی تشریح بھی ہم آپ کے قلب مبارک میں محفوظ کر دیں گے۔

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۖ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ۝۳۱ وَوَجُودٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۚ لَا تَغْنُ ۖ  
 أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۚ ۝۳۲ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الشَّرَاقِ ۚ ۝۳۳ وَقِيلَ مِنْ سَحَابٍ ۚ ۝۳۴ وَظَنَّ  
 أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۚ ۝۳۵ وَالتَّقَتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۚ ۝۳۶ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۚ ۝۳۷ فَلَا  
 صَدَقَ وَلَا صَلَّى ۚ ۝۳۸ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۚ ۝۳۹ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمْتَطِي ۚ ۝۴۰

اُس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے، ﴿۲۲﴾ اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، ﴿۲۳﴾ اور بہت سے چہرے اُس دن بگڑے ہوئے ہوں گے، ﴿۲۴﴾ سمجھ رہے ہوں گے کہ اُن کے ساتھ وہ معاملہ ہوگا جو کمر توڑ دینے والا ہے۔ ﴿۲۵﴾ خبردار! جب جان ہنسلوں تک پہنچ جائے گی، ﴿۲۶﴾ اور (تیمارداروں کی طرف سے) کہا جائے گا کہ: ”ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا؟“ ﴿۲۷﴾ اور انسان سمجھ جائے گا کہ جدائی کا وقت آگیا، ﴿۲۸﴾ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی ﴿۲۹﴾ تو اُس دن تمہارے پروردگار ہی کی طرف رواںگی ہوگی۔ ﴿۳۰﴾ اس کے باوجود انسان نے نہ مانا، اور نہ نماز پڑھی، ﴿۳۱﴾ بلکہ حق کو جھٹلایا، اور منہ موڑ لیا، ﴿۳۲﴾ پھر اُکڑ دکھاتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس چلا گیا۔ ﴿۳۳﴾

(۹) مومنوں کو جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی نصیب ہوگا جو جنت کی تمام دوسری نعمتوں سے بڑی نعمت ہوگی۔  
 (۱۰) جب کوئی شخص موت کے قریب پہنچ کر بستر سے لگ جاتا ہے تو اُس کے تیماردار اُس کے علاج کی کوشش کرتے ہیں، اُسی علاج کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی سے جھاڑ پھونک کرائی جائے۔  
 (۱۱) نزع کی حالت میں جو تکلیف ہوتی ہے، اُس میں بسا اوقات مریض دونوں پنڈلیوں کو ملا لیتا ہے۔ یہ اُسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۲) یہ کسی خاص کافر کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے، اور کافروں کی عام حالت کا تذکرہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اتنے واضح دلائل کے سامنے آنے کے بعد بھی ماننے کے بجائے تکبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔

أَوَّلِي لَكَ فَأَوَّلِي ۝ ثُمَّ أَوَّلِي لَكَ فَأَوَّلِي ۝ أَيْحَسِبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُذًى ۝  
 أَلَمْ يَكُنْ نُطْفَةً مِّن مَّنِيِّ يَتِيمٍ ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ  
 الذُّرِّيَّةَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۝ أَلَيْسَ ذَلِك بِقَدِيرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى ۝

ج ۲  
۱۸

بربادی ہے تیری، ہاں بربادی ہے تیری! ﴿۳۴﴾ پھر سن لے کہ بربادی ہے تیری، ہاں بربادی ہے  
 تیری! ﴿۳۵﴾ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ ﴿۳۶﴾ کیا وہ اُس منیٰ کا  
 ایک قطرہ نہیں تھا جو (ماں کے رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ ﴿۳۷﴾ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے  
 اُسے بنایا، اور اُسے ٹھیک ٹھاک کیا، ﴿۳۸﴾ نیز اُسی سے مرد اور عورت کی دو صنفیں  
 بنائیں، ﴿۳۹﴾ کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو پھر سے زندہ کر دے؟ ﴿۴۰﴾

(۱۳) یعنی اُسے اس دُنیا میں اس طرح چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کسی شرعی قاعدے قانون کا پابند نہ ہو، اور جو جی  
 میں آئے، کرتا پھرے۔

(۱۴) انسانی تخلیق کے تمام مراحل کا تذکرہ سورہ مؤمنون (۲۳: ۱۴) میں فرمایا گیا ہے۔

الحمد للہ! سورہ قیامہ کا کام ناروے کے شہر یانکو میں بروز منگل ۲۹ جولائی ۲۰۰۸ء مطابق  
 ۲۵/۷/۱۴۲۹ھ کو تکمیل تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کی تکمیل بھی اپنی  
 رضائے کامل کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الدَّهْرِ



﴿آیتھا ۳۱﴾ ۷۶ سُورَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ ۹۸ ﴿دُعوایھا ۲﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ① إِنَّا خَلَقْنَا  
الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ② نَّبْتَلِيهِ وَجَعَلْنَاهُ سَبْعًا وَبَعِيرًا ③ إِنَّا هَدَيْنَاهُ  
السَّبِيلَ ④ إِمَّا شَاكِرًا ⑤ وَإِمَّا كَفُورًا ⑥ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا  
وَسَعِيرًا ⑦ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَمْشُرُونَ مِنَ الْكَافِرِينَ ⑧ كَانُوا مِرَاجِحًا كَانُورًا ⑨ عَيْنًا  
يَمْشُرُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ⑩

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

انسان پر کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ نہیں جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا؟ ﴿۱﴾ ہم نے انسان کو ایک  
ملے جلے نطفے سے اس طرح پیدا کیا، کہ اُسے آزمائیں، پھر اُسے ایسا بنایا کہ وہ سنتا بھی ہے، دیکھتا  
بھی ہے۔ ﴿۲﴾ ہم نے اُسے راستہ دکھایا کہ وہ یا تو شکر گزار ہو، یا ناشکر ابن جائے۔ ﴿۳﴾ ہم  
نے ہی کافروں کے لئے زنجیریں، گلے کے طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔ ﴿۴﴾ بیشک  
نیک لوگ ایسے جام سے مشروبات پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی، ﴿۵﴾ یہ مشروبات  
ایک ایسے چشمے کے ہوں گے جو اللہ کے (نیک) بندوں کے پینے کے لئے مخصوص ہے، وہ اُسے  
(جہاں چاہیں گے) آسانی سے بہا کر لے جائیں گے۔ ﴿۶﴾

(۱) یعنی مرد اور عورت کے ملے جلے اجزاء سے پیدا کیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ جنتیوں کو یہ اختیار عطا فرمائیں گے کہ وہ اُس چشمے کو جہاں چاہیں لے جائیں گے، جس کی یہ  
صورت بھی ہو سکتی ہے کہ اُسی نہر کی شاخیں آسانی سے جہاں چاہیں نکال لیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جس جگہ  
چاہیں زمین سے وہ چشمہ جاری کر دیں۔



يُؤْفُونَ بِاللَّذِرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ④ وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى  
حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ⑤ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً  
وَلَا شُكُورًا ⑥ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَتَطِيرًا ⑦ فَوَقَّهُمْ اللَّهُ شَرَّ  
ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهُمْ نَصْرًا وَسُرُورًا ⑧ وَجَزَلَهُمْ بِصَابِرٍ وَاجِتَّةٍ وَحَرِيرًا ⑨  
مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرُونَ فِيهَا شَيْئًا وَلَا زُمِيرًا ⑩ وَدَانِيَةً  
عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ⑪

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی منتیں پوری کرتے ہیں، اور اُس دن کا خوف دل میں رکھتے ہیں جس کے  
برے اثرات ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۷﴾ اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں  
اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ﴿۸﴾ (اور اُن سے کہتے ہیں کہ:) ”ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ  
کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں، اور نہ کوئی  
شکریہ! ﴿۹﴾ ہمیں تو اپنے پروردگار کی طرف سے اُس دن کا ڈر لگا ہوا ہے جس میں چہرے بُری  
طرح بگڑے ہوئے ہوں گے۔“ ﴿۱۰﴾ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو اُس دن کے برے  
اثرات سے بچالے گا، اور اُن کو شادابی اور سرور سے نوازے گا، ﴿۱۱﴾ اور انہوں نے جو صبر سے  
کام لیا تھا، اُس کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔ ﴿۱۲﴾ وہ ان باغوں  
میں آرام دہ اونچی نشستوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، جہاں نہ وہ دُھوپ کی تپش دیکھیں گے، اور  
نہ کڑا کے کی سردی۔ ﴿۱۳﴾ اور حالت یہ ہوگی کہ اُن باغوں کے سائے اُن پر جھکے ہوئے ہوں  
گے، اور اُن کے پھل مکمل طور سے اُن کے آگے رام کر دیئے جائیں گے۔ ﴿۱۴﴾<sup>(۳)</sup>

(۳) یعنی تمام پھل اُن کی دسترس اور اُن کے قابو میں دے دیئے جائیں گے۔



اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِیْلًا ۝۲۳ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِغْ مِنْهُمْ اِشْمًا  
 اَوْ كُفُوْرًا ۝۲۴ وَاذْكُرْ اِسْمَ رَبِّكَ بِكُرْهٍ وَّاَصِیْلًا ۝۲۵ وَمِنَ اللَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَ  
 سَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا ۝۲۶ اِنَّ هُوَ لَا یُحِیُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وِیَدْرُوْنَ وِرَآءَهُمْ یَوْمًا  
 ثَقِیْلًا ۝۲۷ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا اَسْرَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا اَمْثَالَهُمْ  
 تَبْدِیْلًا ۝۲۸ اِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۝۲۹ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰی رَبِّهِ سَبِیْلًا ۝۳۰ وَمَا  
 تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۝۳۱ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝۳۲ یُدْخِلُ مَنْ  
 یَّشَآءُ فِی رَحْمَتِهِ ۝۳۳ وَالظَّالِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝۳۴

(اے پیغمبر!) ہم نے ہی تم پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔ ﴿۲۳﴾ لہذا تم اپنے پروردگار کے حکم پر ثابت قدم رہو، اور ان لوگوں میں سے کسی نافرمان یا کافر کی بات نہ مانو۔ ﴿۲۴﴾ اور اپنے پروردگار کے نام کا صبح وشام ذکر کیا کرو۔ ﴿۲۵﴾ اور کچھ رات کو بھی اُس کے آگے سجدے کیا کرو، اور رات کے لمبے وقت میں اُس کی تسبیح کرو۔ ﴿۲۶﴾ یہ لوگ تو (دُنیا کی) فوری چیزوں سے محبت کرتے ہیں، اور اپنے آگے جو بھاری دن آنے والا ہے، اُسے نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۷﴾ ہم نے ہی انہیں پیدا کیا ہے، اور اُن کے جوڑ بند مضبوط کئے ہیں۔ اور ہم جب چاہیں ان کے بدلے ان جیسے دوسرے پیدا کر دیں۔ ﴿۲۸﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نصیحت کی بات ہے۔ اب جو چاہے، اپنے پروردگار کی طرف جانے والا راستہ اختیار کر لے۔ ﴿۲۹﴾ اور تم چاہو گے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک، ﴿۳۰﴾ وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے، اور یہ جو ظالم لوگ ہیں، ان کے لئے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۱﴾

(۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان سب کو ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسرے انسان پیدا کر دیں، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انہیں شروع میں پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم جب چاہیں گے، ان کے مرنے کے بعد بھی انہیں دوبارہ پیدا کر دیں گے۔

الحمد للہ! سورہ دہر کا ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی آج بروز اتوار ۳ اگست ۲۰۰۸ء کو بحری جہاز میں کوپن ہیگن سے اوسلو جاتے ہوئے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ



ایاتھا ۵۰ ﴿۷۷﴾ سُوْرَةُ الْاٰمْرِسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رکو عاتھا ۲ ﴿۷۸﴾

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعَصْفِ عَصْفًا ۝۲ وَالنَّشْرِ نَشْرًا ۝۳ فَالْفَرْقِ  
فَرْقًا ۝۴ فَالْمُلْقِیْنَ ذِكْرًا ۝۵ عُدْرًا اَوْ نُذْرًا ۝۶ اِنَّمَا تُعَدُّونَ لَوَاقِعٌ ۝۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو ایک کے بعد ایک بھیجی جاتی ہیں، ﴿۱﴾ پھر جو آندھی بن کر زور سے چلتی ہیں، ﴿۲﴾ اور جو (بادلوں کو) خوب اچھی طرح پھیلا دیتی ہیں، ﴿۳﴾ پھر قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو حق اور باطل کو الگ الگ کر دیتے ہیں، ﴿۴﴾ پھر نصیحت کی باتیں نازل کرتے ہیں، ﴿۵﴾ جو یا تو لوگوں کے لئے معافی مانگنے کا سبب بنتی ہیں، یا ڈرانے کا، ﴿۶﴾ یقیناً وہ واقعہ ضرور پیش آکر رہے گا جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ﴿۷﴾

(۱) اس دُنیا میں جو ہوائیں چلتی ہیں، اُن میں سے کچھ تو ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو فائدہ پہنچاتی اور اُس کے لئے زندگی کا سامان مہیا کرتی ہیں، اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جو آندھی طوفان بن کر انسان کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی طرح فرشتے جو اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر انسانوں کے پاس آتے ہیں، وہ نیک لوگوں کے لئے خوشخبری اور بُرے لوگوں کے لئے ڈرانے کا سامان لے کر آتے ہیں۔ اس لئے پہلی تین آیتوں میں ہواؤں کی قسم کھائی گئی ہے، اور دوسری تین آیتوں میں فرشتوں کی۔

(۲) یعنی نیک لوگوں کو اس کلام کے ذریعے گناہوں سے معافی کی دعوت دی جاتی ہے، اور بُرے لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے۔

(۳) اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔



فَإِذَا النُّجُومُ طَسَبَتْ ۖ ﴿۸﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرْجَتْ ۖ ﴿۹﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۖ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا  
الرُّسُلُ أُقْبِطَتْ ۖ ﴿۱۱﴾ لِيَأْيَ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۖ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفُصْلِ ۖ ﴿۱۳﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا  
يَوْمُ الْفُصْلِ ۖ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ لِّیَوْمٍ ذِی الْبُكْدِ ۖ ﴿۱۵﴾ أَلَمْ تُهْلِكِ الْآدِلَیْنَ ۖ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ تُنْبِئُهُمُ  
الْآخِرِیْنَ ۖ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ۖ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ لِّیَوْمٍ ذِی الْبُكْدِ ۖ ﴿۱۹﴾

چنانچہ (وہ واقعہ اُس وقت ہوگا) جب ستارے بھجادیئے جائیں گے، ﴿۸﴾ اور جب آسمان کو چیر دیا  
جائے گا، ﴿۹﴾ اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، ﴿۱۰﴾ اور جب پیغمبروں کے جمع  
ہونے کا وقت آجائے گا۔ ﴿۱۱﴾ (کوئی پوچھے کہ) اس معاملے کو کس دن کے لئے ملتوی کیا گیا  
ہے؟ ﴿۱۲﴾ (تو جواب یہ ہے کہ) فیصلے کے دن کے لئے! ﴿۱۳﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ فیصلے کا دن  
کیا چیز ہے؟ ﴿۱۴﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ کیا ہم  
نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا؟ ﴿۱۶﴾ پھر انہی کے پیچھے بعد والوں کو بھی چلتا کر دیں  
گے۔ ﴿۱۷﴾ ایسا ہی سلوک ہم مجرموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ﴿۱۸﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن  
ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾

(۴) اللہ تعالیٰ نے آخرت کا ایک وقت مقرر فرمایا ہوا ہے جس میں تمام پیغمبر جمع ہو کر اپنی اپنی امت کے بارے  
میں گواہی دیں گے۔ یہاں وہی وقت مراد ہے۔

(۵) یہ کافروں کا وہی سوال ہے جو وہ اکثر کیا کرتے تھے کہ اگر عذاب و ثواب ہونا ہے تو ابھی کیوں نہیں ہو جاتا؟  
دیر کیا ہے؟

(۶) یعنی جس طرح پچھلے زمانے کے کافر ہلاک ہوئے، عرب کے یہ کافر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
جھٹلا رہے ہیں یہ بھی ہلاک ہوں گے۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِیْنٍ ۙ فَجَعَلْنٰهُ فِی قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۙ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَدِرُوْنَ ۙ وَیْلٌ یُّوْمَیْنِ لِلْمُكْذِبِیْنَ ۙ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۙ اَحْیَاءٌ وَّ اَمْوَاتًا ۙ وَجَعَلْنَا فِیْهَا سَاوِیَ شِیْخٍ وَّ اَسْقٰیْنٰكُمْ مَّاءً فُرَاتًا ۙ وَیْلٌ یُّوْمَیْنِ لِلْمُكْذِبِیْنَ ۙ اِنطَلِقُوْا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكْذِبُوْنَ ۙ اِنطَلِقُوْا اِلٰی ظِلِّ ذِی ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ

کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ﴿۲۰﴾ پھر ہم نے اُسے مقررہ وقت تک ایک مضبوط قرار کی جگہ میں رکھا، ﴿۲۱ و ۲۲﴾ پھر ہم نے توازن پیدا کیا، چنانچہ اچھا توازن پیدا کرنے والے ہم ہیں! ﴿۲۳﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ کیا ہم نے زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ وہ سمیٹ کر رکھنے والی ہے، ﴿۲۵﴾ زندوں کو بھی، اور مردوں کو بھی؟ ﴿۲۶﴾ اور ہم نے اُس میں گڑے ہوئے اونچے اونچے پہاڑ پیدا کئے، اور تمہیں میٹھے پانی سے سیراب کرنے کا انتظام کیا۔ ﴿۲۷﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ (ان سے کہا جائے گا کہ:) ”چلو اب اُسی چیز کی طرف جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ﴿۲۹﴾ چلو اُس سائبان کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، ﴿۳۰﴾

(۷) اس سے مراد ماں کا پیٹ ہے۔

(۸) یعنی انسان کو ہم نے صرف پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ اُس کی بناوٹ میں ایسا بہترین توازن رکھا ہے جو ہمارے سوا کوئی قائم نہیں رکھ سکتا۔ انسان کے جسم کے مختلف حصوں پر جتنا غور کیا جائے، یہ حقیقت اتنی ہی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

(۹) اس سے مراد دوزخ کی آگ کا دھواں ہے جو سائبان کی طرح بلند ہوگا، اور تین شاخوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

لَا ظَلِيلٌ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ۝ اِنَّهَا تَزْمِي بَشِيرًا كَالْقَصْرِ ۝ كَاَنَّهُ جُمُلٌ  
 صَفَرٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذُنُ لَهُمْ  
 فَيَعْتَدِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ جَعَلْنٰكُمْ  
 اَعْمٰى وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اِنَّ  
 السَّائِقِيْنَ فِيْ ظُلُمٍ وَّ عُيُوْنَ ۝ وَفَوَاكِهَ مَّائِشَتَهُمْ ۝ كَلُوْا وَاَشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا  
 كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

جس میں نہ تو (ٹھنڈک والا) سایہ ہے، اور نہ وہ آگ کی لپٹ سے بچا سکتا ہے۔ ﴿۳۱﴾ وہ آگ تو محل جیسے بڑے بڑے شعلے پھینکے گی، ﴿۳۲﴾ ایسا لگے گا جیسے وہ زرد رنگ کے اونٹ ہوں۔ ﴿۳۳﴾ (۱۰) بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۳۴﴾ یہ ایسا دن ہے جس میں یہ لوگ بول نہیں سکیں گے، ﴿۳۵﴾ اور نہ انہیں اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ کوئی عذر پیش کر سکیں۔ ﴿۳۶﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۳۷﴾ یہ فیصلے کا دن ہے۔ ہم نے تمہیں اور پچھلے لوگوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ ﴿۳۸﴾ اب اگر تمہارے پاس کوئی داؤ ہے تو مجھ پر وہ داؤ چلاؤ۔ ﴿۳۹﴾ بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۴۰﴾

جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، وہ بیشک سایوں اور چشموں کے درمیان ہوں گے، ﴿۴۱﴾ اور اپنے من پسند میوؤں کے درمیان! ﴿۴۲﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) مزے سے کھاؤ، اور پیو اُن اعمال کی بدولت جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۴۳﴾

(۱۰) یہاں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ دوزخ کی آگ کے شعلے اتنے بڑے ہوں گے جیسے عظیم الشان محل ہوتے ہیں، اور اُن سے جو شاخیں نکلیں گی، وہ زرد رنگ کے اونٹوں جیسی ہوں گی۔





# سُورَةُ النَّبَا



﴿ آیاتھا ۲۰ ﴾ ﴿ ۷۸ ﴾ سُورَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ ۸۰ ﴿ رُكُوْعَاتُهَا ۲ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ۝۲ الَّذِي هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُونَ ۝۳ كَلَّا  
سَيَعْلَمُونَ ۝۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝۵ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْدًا ۝۶ وَالْجِبَالَ  
اَوْتَادًا ۝۷ وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝۸ وَجَعَلْنَا بَيْنَكُمْ سُبُلًا ۝۹ وَجَعَلْنَا الْيَلَّ  
لِبَاسًا ۝۱۰ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲ وَجَعَلْنَا  
سِرَاجًا وَهَّاجًا ۝۱۳

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ (کافر) لوگ کس چیز کے بارے میں سوالات کر رہے ہیں؟ ﴿۱﴾ اُس زبردست واقعے کے بارے میں جس میں خود ان کی باتیں مختلف ہیں! ﴿۲﴾ خبردار! انہیں بہت جلد پتہ لگ جائے گا، ﴿۳﴾ دوبارہ خبردار! انہیں بہت جلد پتہ لگ جائے گا۔ ﴿۴﴾ کیا ہم نے زمین کو ایک بھونکا نہیں بنایا؟ ﴿۵﴾ اور پہاڑوں کو (زمین میں گڑی ہوئی) میخیں؟ ﴿۶﴾ اور تمہیں (مرد و عورت کے) جوڑوں کی شکل میں ہم نے پیدا کیا، ﴿۷﴾ اور تمہاری نیند کو تھکن دُور کرنے کا ذریعہ ہم نے بنایا، ﴿۸﴾ اور رات کو پردے کا سبب ہم نے بنایا، ﴿۹﴾ اور دن کو روزی حاصل کرنے کا وقت ہم نے قرار دیا، ﴿۱۰﴾ اور ہم نے ہی تمہارے اُپر سات مضبوط وجود (آسمان) تعمیر کئے، ﴿۱۱﴾ اور ہم نے ہی ایک دکھتا ہوا چراغ (سورج) پیدا کیا، ﴿۱۲﴾

(۱) اس سے قیامت اور آخرت مراد ہے۔ کافر لوگ قیامت کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے



وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۚ لِيُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۖ وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا ۝ (۱۲) إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۖ (۱۳) يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۖ (۱۴) وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۖ (۱۵) وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۖ (۱۶) إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۖ (۱۷) لِلطَّاغِيْنَ مَابًا ۖ (۱۸) لِيُثْبِتَنَّ فِيهَا آحْقَابًا ۖ (۱۹)

اور ہم نے ہی بھرے ہوئے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا، ﴿۱۲﴾ تاکہ اُس سے غلہ اور دوسری سبزیاں بھی اُگائیں، ﴿۱۳﴾ اور گھنے باغات بھی۔ ﴿۱۴﴾ یقین جانو فیصلے کا دن ایک متعین وقت ہے، ﴿۱۵﴾ وہ دن جب صور پھونکا جائے گا تو تم سب فوج در فوج چلے آؤ گے، ﴿۱۶﴾ اور آسمان کھول دیا جائے گا، تو اُس کے دروازے ہی دروازے بن جائیں گے، ﴿۱۷﴾ اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا تو وہ ریت کے سراب کی شکل اختیار کر لیں گے، ﴿۱۸﴾ یقین جانو جہنم گھات لگائے بیٹھی ہے، ﴿۱۹﴾ وہ سرکشوں کا ٹھکانا ہے ﴿۲۰﴾ جس میں وہ مدتوں اس طرح رہیں گے ﴿۲۱﴾

تھے۔ کوئی اُس کا مذاق اڑاتا، کوئی اُس کے خلاف دلیلیں پیش کرتا، کوئی مسلمانوں سے اُس کی تفصیلات کے بارے میں سوالات کرتا، اور سوال کرنے کا مقصد حق کی تلاش نہیں، بلکہ استہزاء ہوتا تھا۔ ان آیتوں میں اُن کے اسی طرزِ عمل کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی ہوئی اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، تو اُس کی یہ قدرت تسلیم کرنے میں تمہیں کیوں مشکل پیش آرہی ہے کہ وہ اس عالم کو ایک مرتبہ ختم کر کے دوبارہ پیدا فرمادے گا۔

(۲) اصل عربی لفظ ”آحقاب“ ہے جو ”حقبہ“ کی جمع ہے جو بڑی طویل مدت کو کہتے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ ان کے دوزخ میں رہنے کی مدتیں یکے بعد دیگرے بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔ بعض لوگوں نے اس لفظ سے جو استدلال کیا ہے کہ جن سرکش لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے، وہ بھی طویل مدتیں گزرنے کے بعد دوزخ سے نکل جائیں

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۖ إِلَّا حَيْثُ مَا عَسَا قَوْمًا ۖ جَزَاءً وِفَاقًا ۖ ﴿٢٢﴾  
 إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۖ ﴿٢٣﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا ۖ ﴿٢٤﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ  
 أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۖ ﴿٢٥﴾ فَذُوقُوا فَلَنتُ زَيْدُكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۖ ﴿٢٦﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۖ ﴿٢٧﴾  
 حَدَآئِقَ وَأَعْنَابًا ۖ ﴿٢٨﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۖ ﴿٢٩﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ۖ ﴿٣٠﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا  
 لَغْوًا وَلَا كِذْبًا ۖ ﴿٣١﴾ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۖ ﴿٣٢﴾

کہ اُس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، اور نہ کسی پینے کے قابل چیز کا، ﴿۲۲﴾ سوائے گرم پانی اور پیپ لہو کے، ﴿۲۳﴾ یہ اُن کا پورا پورا بدلہ ہوگا۔ ﴿۲۴﴾ وہ (اپنے اعمال کے) حساب کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے، ﴿۲۵﴾ اور انہوں نے ہماری آیتوں کو بڑھ چڑھ کر جھٹلایا تھا۔ ﴿۲۶﴾ اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے، ﴿۲۷﴾ ”اب مزہ چکھو! اس لئے کہ ہم تمہارے لئے سزا کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کریں گے۔“ ﴿۲۸﴾

جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا تھا، اُن کی بیشک بڑی جیت ہے، ﴿۲۹﴾ باغات اور انگور! ﴿۳۰﴾ اور نو خیز ہم عمر لڑکیاں! ﴿۳۱﴾ اور چھلکتے ہوئے پینے! ﴿۳۲﴾ وہاں پر وہ نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے، اور نہ کوئی جھوٹی بات، ﴿۳۳﴾ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہوگا۔ (اللہ کی) ایسی دین ہوگی جو لوگوں کے اعمال کے حساب سے دی جائے گی، ﴿۳۴﴾

گے، وہ غلط استدلال ہے، اس لئے کہ قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر صریح لفظوں میں وضاحت فرمادی ہے کہ وہ کبھی نہیں ٹکلیں گے۔ مثلاً دیکھئے سورہ مائدہ (۵: ۳)۔

(۳) یہ ترجمہ ایک تفسیر کے مطابق ہے جو حضرت عطاءؒ سے منقول ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی

رَّبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۚ  
يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْبَهِيمَةُ صَفًّا ۚ لَا يَسْأَلُونَ إِلَّا مِنْ أَمْرِ لَدُنْكَ الرَّحْمَنُ وَقَالَ  
صَوَابًا ۚ ۞ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ۚ ۞ إِنَّا  
أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ۙ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ  
يَعْلَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ۚ ۞

اُسی پروردگار کی طرف سے جو سارے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان ہر چیز کا مالک،  
بہت مہربان ہے! کسی کی مجال نہیں ہے کہ اُس کے سامنے بول سکے۔ ﴿۳۷﴾ جس دن ساری  
روحیں اور فرشتے قطاریں بنا کر کھڑے ہوں گے، اُس دن سوائے اُس کے کوئی نہیں بول سکے گا  
جسے خدائے رحمن نے اجازت دی ہو، اور وہ بات بھی ٹھیک کہے۔ ﴿۳۸﴾ وہ دن ہے جو برحق  
ہے۔ اب جو چاہے، وہ اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔ ﴿۳۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم  
نے تمہیں ایک ایسے عذاب سے خبردار کر دیا ہے جو قریب آنے والا ہے، جس دن ہر شخص وہ  
اعمال آنکھوں سے دیکھ لے گا جو اُس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے ہیں، اور کافر یہ کہے گا کہ  
کاش! میں مٹی ہو جاتا۔ ﴿۴۰﴾

دین ہوگی، جو کسی استحقاق کے بغیر ملے گی، لیکن اللہ تعالیٰ یہ دین ہر ایک کو اُس کے اعمال کے حساب سے دیں  
گے۔ اور اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ: ”(اللہ کی) ایسی دین ہوگی جو ہر ایک کے لئے کافی ہو جائے گی“  
یعنی اُن کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہوگی۔

(۳) یعنی جس کو جو کچھ دے دیا جائے گا، اُس کے خلاف کسی کو بولنے کی مجال نہیں ہوگی۔

(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان یا فرشتہ کسی کی سفارش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کچھ  
بول نہیں سکے گا، اور وہ بھی اُس وقت جب وہ سفارش بھی ٹھیک کرے، یعنی اُس طریقے سے کرے جو اللہ تعالیٰ

نے مقرر فرمایا ہوگا۔

(۶) بعض روایتوں میں ہے کہ جن جانوروں نے دنیا میں ایک دوسرے پر ظلم کیا تھا، میدانِ حشر میں اُن کو بھی جمع کر کے اُن سے اُن کے ظلم کا بدلہ دلوا یا جائے گا، یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ والی بکری کو سینگ مارا تھا تو حشر میں اُس کا بھی بدلہ دلوا یا جائے گا۔ اور جب یہ بدلہ پورا ہو جائے گا تو ان جانوروں کو مٹی میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اُس وقت وہ کافر لوگ جنہیں دوزخ کا انجام نظر آ رہا ہوگا، وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی مٹی ہو جاتے (مسلم و ترمذی)۔

الحمد للہ! سورہ نبأ کا کام ۹ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۲ اگست ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کی بھی تکمیل اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ التَّائِيَاتِ



آیاتھا ۳۶ ﴿۱﴾ سُوْرَةُ النُّزُعَاتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱ ﴿۲﴾ رُكُوْعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالنُّزُعَاتِ عَرَفَاتٍ ۱ وَاللَّشَّطِ نَشْطًا ۷ وَالسَّبْحِ سَبْحًا ۳ فَالسَّبْحُ  
سَبْقًا ۴ فَالْمَدِّ بِتِ أَمْرًا ۵

نَزَلَ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو (کافروں کی رُوح) سختی سے کھینچتے ہیں، ﴿۱﴾ اور جو (مؤمنوں کی رُوح کی) گرہ نرمی سے کھول دیتے ہیں، ﴿۲﴾ پھر (فضا میں) تیرتے ہوئے جاتے ہیں، ﴿۳﴾ پھر تیزی سے لپکتے ہیں، ﴿۴﴾ پھر جو حکم ملتا ہے، اُس (کو پورا کرنے) کا انتظام کرتے ہیں، ﴿۵﴾

(۱) قرآن کریم میں اصل لفظ صرف اتنا ہے کہ: ”قسم اُن کی جو سختی سے کھینچتے ہیں“ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد رُوح قبض کرنے والے فرشتے ہیں جو کسی کی (اور عام طور سے کافروں کی) رُوح کو سختی سے کھینچتے ہیں، اور کسی کی (اور عام طور سے مؤمنوں کی) رُوح کو آسانی سے اس طرح کھینچ لیتے ہیں جیسے کوئی گرہ کھول دی ہو۔ پھر وہ ان رُوحوں کو لے کر تیرتے ہوئے جاتے ہیں، اور جلدی جلدی اُن کی منزل پر پہنچا کر اُن احکام کے مطابق اُن کا انتظام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلی چار آیتوں کا یہی مطلب ہے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حالات بیان فرمائے ہیں کہ جب وہ آئے گی تو بہت سے دل لرز رہے ہوں گے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن عربی بلاغت کے قاعدے سے بات میں زور پیدا کرنے کے لئے قسمیں کھائی گئی ہیں، اور عام طور سے جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے، وہ اُس دعوے پر گواہ ہوتی ہے جو بعد میں بیان ہو رہا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ فرشتے اس بات کے



يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۖ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۚ قُلُوبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝

أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۚ يَقُولُونَ أِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ ءِذَا كُنَّا

عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوا تِلْكَ إِذْ أَكَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ فَاِتْمَاهِي زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا

هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝

کہ جس دن بھونچال (ہر چیز کو) ہلا ڈالے گا، ﴿۶﴾ پھر اُس کے بعد ایک اور جھٹکا آئے گا، ﴿۷﴾

اُس دن بہت سے دل لرز رہے ہوں گے، ﴿۸﴾ اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ﴿۹﴾

یہ (کافر لوگ) کہتے ہیں کہ: ”کیا ہم پہلی والی حالت پر لوٹا دیئے جائیں گے؟“ ﴿۱۰﴾ کیا اُس

وقت جب ہم بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو چکے ہوں گے؟“ ﴿۱۱﴾ کہتے ہیں کہ: ”اگر ایسا ہوا تو یہ

بڑے گھائے کی واپسی ہوگی۔“ ﴿۱۲﴾ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی، ﴿۱۳﴾

جس کے بعد وہ اچانک ایک کھلے میدان میں ہوں گے۔ ﴿۱۴﴾

گواہ ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے رُوح قبض فرماتا ہے، اُسی طرح فرشتوں سے صور پھونکا کر انہیں دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔

(۲) اس سے مراد پہلا صور ہے۔ جب وہ پھونکا جائے گا تو ہر جان دار کو موت آجائے گی، اور پوری کائنات زیر و زبر ہو جائے گی۔

(۳) اس سے مراد دوسرا صور ہے۔ پہلے صور کے نتیجے میں سب مر چکے ہوں گے، اور دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر حشر کے میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

(۴) یعنی کیا ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کی حالت میں واپس لایا جائے گا؟

(۵) مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں واقعی دوبارہ زندہ کیا گیا تو یہ ہمارے لئے گھائے کا سودا ہوگا، کیونکہ اس دوسری زندگی کے لئے ہم نے کوئی تیاری نہیں کر رکھی ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۝۱۵ اِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۶ اِذْ هَبْ ۝۱۷  
 اِلَى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰى ۝۱۸ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَرْكَبَ ۝۱۹ وَاَهْدِيْكَ اِلٰى رَبِّكَ  
 فَتَخْشٰى ۝۲۰ فَاَمَرَهُ الْاَيَّاتُ الْكُبْرٰى ۝۲۱ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝۲۲ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝۲۳  
 فَحَسَرَ فَنَادٰى ۝۲۴ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰى ۝۲۵ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ  
 وَالْاُولٰى ۝۲۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۲۷

(اے پیغمبر!) کیا تمہیں موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ ﴿۱۵﴾ جب اُن کے پروردگار نے اُنہیں طویٰ کی  
 مقدس وادی میں آواز دی تھی ﴿۱۶﴾ کہ: ”فرعون کے پاس چلے جاؤ، اُس نے بہت سرکشی اختیار  
 کر رکھی ہے۔ ﴿۱۷﴾ اور اُس سے کہو کہ کیا تمہیں یہ خواہش ہے کہ تم سنور جاؤ؟ ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ میں  
 تمہیں تمہارے پروردگار کا راستہ دکھاؤں تو تمہارے دل میں خوف پیدا ہو جائے؟“ ﴿۱۹﴾ چنانچہ  
 موسیٰ نے اُس کو بڑی زبردست نشانی دکھائی، ﴿۲۰﴾ پھر بھی اُس نے (اُنہیں) جھٹلایا، اور کہنا  
 نہیں مانا، ﴿۲۱﴾ پھر دوز دھوپ کرنے کے لئے پلٹا، ﴿۲۲﴾ پھر سب کو اکٹھا کیا، اور آواز  
 لگائی ﴿۲۳﴾ اور کہا کہ: ”میں تمہارا اعلیٰ درجے کا پروردگار ہوں۔“ ﴿۲۴﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے  
 اُسے آخرت اور دُنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔ ﴿۲۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے میں اُس شخص  
 کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ کا خوف دل میں رکھتا ہو۔ ﴿۲۶﴾

(۶) اس سے مراد صحرائے سینا کی وہ وادی ہے جس میں پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنایا گیا۔ تفصیل  
 کے لئے دیکھئے سورہ طہ (۲۰: ۸۵ تا ۱۴ اور ان کے حواشی)۔

(۷) یعنی یہ معجزہ دکھایا کہ اُن کی لاٹھی سانپ بن گئی، اور اُن کا ہاتھ چمکنے لگا (دیکھئے سورہ طہ ۲۰: ۱۷ تا ۲۲)۔

(۸) دُنیا کا عذاب یہ کہ اُسے اور اُس کے لشکر کو غرق کر دیا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ شعراء  
 (۲۶: ۶۱ تا ۶۳) اور آخرت میں دوزخ کا عذاب ہوگا۔

عَ أَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۖ بَنَاهَا ۖ رَفَعَ سُبُكَهَا فَسَوَّيَهَا ۖ وَأَعْطَشَ  
لَبْيَهَا وَأَخْرَجَ صُحُبَهَا ۖ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ۖ أَخْرَجَ مِنْهَا  
مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ۖ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ۖ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۖ فَإِذَا  
جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَى ۖ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَى ۖ وَبُرِّزَتِ  
الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَى ۖ فَأَمَّا مَنْ طَغَى ۖ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ فَإِنَّ الْجَحِيمَ  
هِيَ الْمَأْوَى ۖ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ۖ  
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ۖ

(انسانو!) کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے، یا آسمان کو؟ اُس کو اللہ نے بنایا ہے، ﴿۲۷﴾ اُس کی  
بلندی اٹھائی ہے، پھر اُسے ٹھیک کیا ہے، ﴿۲۸﴾ اور اُس کی رات کو اندھیری بنایا ہے، اور اُس کے  
دن کی دھوپ باہر نکال دی ہے، ﴿۲۹﴾ اور زمین کو اُس کے بعد بچھا دیا ہے، ﴿۳۰﴾ اُس میں  
سے اُس کا پانی اور اُس کا چارہ نکالا ہے، ﴿۳۱﴾ اور پہاڑوں کو گاڑ دیا ہے، ﴿۳۲﴾ تاکہ تمہیں اور  
تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچائے۔ ﴿۳۳﴾ پھر جب وہ سب سے بڑا ہنگامہ برپا ہوگا، ﴿۳۴﴾  
جس دن انسان اپنا سارا کیا دھرا یاد کرے گا، ﴿۳۵﴾ اور دوزخ ہر دیکھنے والے کے سامنے ظاہر  
کردی جائے گی، ﴿۳۶﴾ تو وہ جس نے سرکشی کی تھی، ﴿۳۷﴾ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی  
تھی، ﴿۳۸﴾ تو دوزخ ہی اُس کا ٹھکانا ہوگی۔ ﴿۳۹﴾ لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا  
ہونے کا خوف رکھتا تھا، اور اپنے نفس کو بُری خواہشات سے روکتا تھا، ﴿۴۰﴾ تو جنت ہی اُس کا  
ٹھکانا ہوگی۔ ﴿۴۱﴾

(۹) عرب کے کافر لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا جوا نکار کرتے تھے، اُس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ۚ ۞ إِلَىٰ رَبِّكَ  
مُنْتَهَاهَا ۚ ۞ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ مَّنْ يَّخْشَاهَا ۚ ۞ كَانَهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا  
إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ۚ ۞

ع ۷۹

یہ لوگ تم سے قیامت کی گھڑی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی؟ ﴿۴۲﴾ تمہارا یہ  
بات بیان کرنے سے کیا کام؟ ﴿۴۳﴾ اس کا علم تو تمہارے پروردگار پر ختم ہے۔ ﴿۴۴﴾ جو شخص  
اُس سے ڈرتا ہو، تم تو صرف اُس کو خبردار کرنے والے ہو۔ ﴿۴۵﴾ جس دن یہ اُس کو دیکھ لیں گے،  
اُس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دنیا میں یا قبر میں) ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ نہیں  
رہے۔ ﴿۴۶﴾<sup>(۱۰)</sup>

مُردے کے زندہ ہونے کو بہت مشکل سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کائنات کی دوسری چیزوں، مثلاً  
آسمان، کے مقابلے میں انسان کو پیدا کرنا زیادہ آسان ہے، اگر تم مانتے ہو کہ آسمان اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تو  
پھر انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اُس کے لئے کیا مشکل ہے؟  
(۱۰) یعنی آخرت میں پہنچنے کے بعد دنیا میں گزری ہوئی زندگی یا قبر کے عالم برزخ میں قیام کی مدت بہت مختصر  
معلوم ہوگی۔

الحمد للہ! سورۃ نازعات کا کام ۱۸ شعبان ۱۴۲۹ھ ۲۱ اگست ۲۰۰۸ء کو کراچی میں مکمل  
ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔  
آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ عَبَسَ



آیتھا ۲۲ ۸۰ سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۱ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْيٰى ۲ وَمَا يُدْرِىكَ لَعَلَّهٗ يَزِيْزُ ۳ اَوْ يَذْكُرُ ۴ فَتَنَّفَعُ ۵ اَلَّذِى ذُكِّرَ ۶ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۷ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدِّى ۸ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزِيْزُ ۹ اَمَّا مَنِ جَاءَكَ يَسْعٰى ۱۰ وَهُوَ يَخْشٰى ۱۱ فَاَنْتَ عَنْهُ تَكْفٰى ۱۲

یہ سورت کمی ہے، اور اس میں بیالیس آیتیں ہیں اور ایک رُکوع

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(پیغمبر نے) منہ بنایا، اور رُخ پھیر لیا، ﴿۱﴾ اس لئے کہ اُن کے پاس وہ ناپینا آگیا تھا۔ ﴿۲﴾ اور (اے پیغمبر!) تمہیں کیا خبر؟ شاید وہ سدھر جاتا، ﴿۳﴾ یا وہ نصیحت قبول کرتا، اور نصیحت کرنا اُسے فائدہ پہنچاتا! ﴿۴﴾ — وہ شخص جو بے پروائی دکھا رہا تھا، ﴿۵﴾ اُس کے تو تم پیچھے پڑتے ہو، ﴿۶﴾ حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی، ﴿۷﴾ اور وہ جو محنت کر کے تمہارے پاس آیا ہے، ﴿۸﴾ اور وہ دل میں اللہ کا خوف رکھتا ہے، ﴿۹﴾ اُس کی طرف سے تم بے پروائی برتتے ہو! ﴿۱۰﴾

(۱) یہ آیات ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے کچھ بڑے بڑے سرداروں کو اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے، اور اُن سے گفتگو میں مشغول تھے کہ اتنے میں آپ کے ایک ناپینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ وہاں آگئے، اور چونکہ وہ ناپینا تھے، اس لئے یہ نہ دیکھ سکے کہ آپ کن کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہیں، چنانچہ انہوں نے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سکھانے کی درخواست شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا یہ طریقہ پسند نہ آیا کہ دوسروں کی بات کاٹ کر انہوں نے بیچ میں مداخلت شروع کر دی۔ اس لئے آپ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے، اور آپ نے اُن کی بات کا جواب دینے کے بجائے اُن کافروں کے ساتھ اپنی گفتگو جاری رکھی۔ جب وہ



كَلَّا اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمِنْ شَاءَ ذَكَرْهَا ۝۱۲ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوعَةٍ ۝۱۴ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۵ بِاَيْدِي سَفَرَةٍ ۝۱۶ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝۱۷ قَتَلَ الْاِنْسَانَ مَا اَكْفَرَهُ ۝۱۸ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۝۱۹ مِنْ نُّطْفَةٍ ۝۲۰ خَلَقَهُ فَقَدَّرَاهُ ۝۲۱

ہرگز ایسا نہیں چاہئے! یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے، ﴿۱۱﴾ اب جو چاہے، اُسے یاد کر لے، ﴿۱۲﴾ وہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو بڑے مقدس ہیں، ﴿۱۳﴾ اونچے رتبے والے ہیں، پاکیزہ ہیں، ﴿۱۴﴾ اُن لکھنے والوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں ﴿۱۵﴾ جو خود بڑی عزت والے، بہت نیک ہیں۔ ﴿۱۶﴾

خدا کی مار ہو ایسے انسان پر، وہ کتنا ناشکرا ہے! ﴿۱۷﴾ (وہ ذرا سوچے کہ) اللہ نے اُسے کس چیز سے پیدا کیا؟ ﴿۱۸﴾ نطفے کی ایک بوند سے! اُسے پیدا بھی کیا، پھر اُس کو ایک خاص انداز بھی دیا۔ ﴿۱۹﴾

لوگ چلے گئے تو یہ سورت نازل ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقے پر اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ منہ بنانے کو عربی میں ”عبس“ کہتے ہیں، چونکہ یہ سورت اسی لفظ سے شروع ہوئی ہے، اس لئے اس کا نام ”عبس“ ہے، اور اس میں بنیادی تعلیم یہ دی گئی ہے کہ جو شخص دل میں حق کی طلب رکھتا ہو، اور سچے دل سے اپنی اصلاح چاہتا ہو، وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُس کو وقت دیا جائے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں کے دل میں حق کی طلب ہی نہیں ہے، اور وہ اپنی کسی اصلاح کی ضرورت نہیں سمجھتے، حق کے طلبگاروں سے منہ موڑ کر انہیں ترجیح نہیں دینی چاہئے۔

(۲) یعنی قرآن کریم کی بات کو قبول کر کے اُس پر عمل کرے۔

(۳) اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس میں دوسری باتوں کے علاوہ قرآن کریم بھی محفوظ ہے۔

(۴) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں۔

(۵) یعنی ماں کے پیٹ میں اُس کے ایسے اعضاء اور ایسی صورت بنائی جو حیرت انگیز توازن کی حامل ہے۔ نیز اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اُس کی تقدیر طے فرمائی۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسْرَهُ ۚ ثُمَّ آمَنَهُ فَاقْبَرَهُ ۚ ثُمَّ إِذْ آسَأَ أَنْشَرَهُ ۙ كَلَّا لَئِنْ أُقِضَ  
مَا أَمَرَهُ ۙ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۚ أَنَا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۙ ثُمَّ شَقَقْنَا  
الْأَرْضَ شَقًّا ۙ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۙ وَعَبَبْنَا وَقُضْبًا ۙ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۙ وَ  
حَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۙ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۙ

پھر اُس کے لئے راستہ بھی آسان بنا دیا، ﴿۲۰﴾ پھر اُسے موت دی، اور قبر میں پہنچا دیا، ﴿۲۱﴾ پھر  
جب چاہے گا، اُسے دوبارہ اُٹھا کر کھڑا کر دے گا۔ ﴿۲۲﴾ ہرگز نہیں! جس بات کا اللہ نے اُسے حکم  
دیا تھا، ابھی تک اُس نے وہ پوری نہیں کی۔ ﴿۲۳﴾ پھر ذرا انسان اپنے کھانے ہی کو دیکھ  
لے! ﴿۲۴﴾ کہ ہم نے اُوپر سے خوب پانی برسایا، ﴿۲۵﴾ پھر ہم نے زمین کو عجیب طرح  
پھاڑا، ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے اُس میں غلے اُگائے، ﴿۲۷﴾ اور اُنگور اور ترکاریاں، ﴿۲۸﴾ اور  
زیتون اور کھجور، ﴿۲۹﴾ اور گھنے گھنے باغات، ﴿۳۰﴾ اور میوے اور چارہ، ﴿۳۱﴾ سب کچھ  
تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کی خاطر! ﴿۳۲﴾

(۶) اس کی ایک تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ بچے کو ماں کے پیٹ سے باہر  
آنے کا راستہ اللہ تعالیٰ نے آسان بنا دیا کہ وہ ایک تنگ جگہ سے بہ آسانی باہر آجاتا ہے۔ اور بعض حضرات نے  
اس کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ انسان کے دُنیا میں جینے کا راستہ آسان بنا دیا، اور اُس کی ساری ضروریات دُنیا میں مہیا  
فرمادیں۔

(۷) اس سے مراد کافر بھی ہو سکتے ہیں کہ اُن کی نافرمانی بالکل ظاہر ہے، اور اگر مسلمان مراد ہوں تب بھی یہ بات  
صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا پورا پورا حق کون ادا کر سکتا ہے؟

(۸) ایک ننھے سے پودے کی کونپل اتنی بھاری زمین کو پھاڑ کر جس طرح باہر نکل آتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت  
پر ایمان لانے کے لئے کافی ہونی چاہئے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ ۚ يَوْمَ يَفِرُّ الْبَرُّ مِنْ أَخِيهِ ۚ وَأُمُّهُ وَأَبِيهِ ۚ  
وَصَاحِبَتُهُ وَبَنِيهِ ۚ لِكُلِّ أُمْرٍئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۚ وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ  
مُسْفَرَةٌ ۚ ضَاكَّةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ۚ وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۚ تَرْهَقُهَا  
عِثْرَةٌ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۚ

آخر جب وہ کان پھرنے والی آواز آہی جائے گی، (۹) اُس وقت اس ناشکری کی حقیقت پتہ چل جائے گی) ﴿۳۳﴾ یہ اُس دن ہوگا جب انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا، ﴿۳۴﴾ اور اپنے ماں باپ سے بھی، ﴿۳۵﴾ اور اپنے بیوی بچوں سے بھی، ﴿۳۶﴾ (کیونکہ) ان میں سے ہر ایک کو اُس دن اپنی ایسی فکر پڑی ہوگی کہ اُسے دوسروں کا ہوش نہیں ہوگا۔ ﴿۳۷﴾ اُس روز کتنے چہرے تو چمکتے دکتے ہوں گے، ﴿۳۸﴾ ہنستے، خوشی مناتے ہوئے، ﴿۳۹﴾ اور کتنے چہرے اُس دن ایسے ہوں گے کہ اُن پر خاک پڑی ہوگی، ﴿۴۰﴾ سیاہی نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا۔ ﴿۴۱﴾ یہ وہی لوگ ہوں گے جو کافر تھے، بدکار تھے۔ ﴿۴۲﴾

(۹) اس سے مراد قیامت ہے جس کا آغاز صور کی آواز سے ہوگا۔

الحمد للہ! سورہ عبس کا کام دُبی سے برمنگھم جاتے ہوئے ۲۰ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۳ اگست ۲۰۰۸ء کو طیارے میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اور باقی کام کی تکمیل کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الشُّكْرِ

آیاتھا ۲۹ ﴿۱﴾ سُوْرَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ ۷ رُكُوْعُهَا ۱ ﴿۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اُن تیس آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، ﴿۱﴾ اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے، ﴿۲﴾ اور جب پہاڑوں کو چلایا جائے گا، ﴿۳﴾ اور جب دس مہینے کی گاہن اُونٹنیوں کو بھی بیکار چھوڑ دیا جائے گا، ﴿۴﴾ اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں گے، ﴿۵﴾ اور جب سمندروں کو بھڑکایا جائے گا، ﴿۶﴾

(۱) یہاں سے آیت نمبر ۱۴ تک قیامت اور آخرت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ سورج کو لپیٹنے کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں سورج میں روشنی باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ بعض حضرات نے اس آیت کا ترجمہ یہ بھی فرمایا ہے کہ: ”جب سورج بے نور ہو جائے گا۔“ چونکہ لپیٹنے کو عربی میں ”تکویر“ کہا جاتا ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورہ تکویر ہے۔

(۲) اُونٹنی اُس وقت عرب کے لوگوں کے لئے سب سے بڑی دولت سمجھی جاتی تھی، اور اگر اُونٹنی گاہن یعنی حاملہ ہو تو اُس کی قیمت اور بڑھ جاتی تھی، اور دس مہینے کی گاہن ہو تو اُسے سب سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے وقت ہر شخص پر ایسی حالت طاری ہوگی کہ اُسے اتنی بڑی دولت کو بھی سنبھالنے کا ہوش نہیں رہے گا، اس لئے ایسی اُونٹنیاں بھی بیکار چھوٹی پھریں گی۔

(۳) قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھ کر سارے وحشی جانور بھی گھبراہٹ کے عالم میں اکٹھے ہو جائیں گے، جیسے کہ کسی عام مصیبت کے موقع پر تہار ہنے کے بجائے دوسروں کے ساتھ رہنے کو پسند کیا جاتا ہے۔

(۴) سمندروں کو بھڑکانے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن میں طغیانی آجائے گی، اور ذریعہ سمندر آپس میں

وَإِذَا النُّفُوسُ رُوجَتْ ﴿٤﴾ وَإِذَا النُّبُوءَةُ سُئِلَتْ ﴿٥﴾ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٦﴾ وَإِذَا  
 الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿٧﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿٨﴾ وَإِذَا الْجِبَاهُ سُعِرَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا  
 الْجَنَّةُ أُرْفِقتْ ﴿١٠﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١١﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُثْثِ ﴿١٢﴾  
 الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٣﴾

اور جب لوگوں کے جوڑے جوڑے بنا دیئے جائیں گے، ﴿۷﴾ اور جس بچی کو زندہ قبر میں گاڑ دیا  
 گیا تھا، اُس سے پوچھا جائے گا ﴿۸﴾ کہ اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟ ﴿۹﴾ اور جب اعمال  
 نامے کھول دیئے جائیں گے، ﴿۱۰﴾ اور جب آسمان کا چھلکا اُتار دیا جائے گا، ﴿۱۱﴾ اور جب  
 دوزخ بھڑکائی جائے گی، ﴿۱۲﴾ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی، ﴿۱۳﴾ تو اُس وقت ہر  
 شخص کو اپنا سارا کیا دہرا معلوم ہو جائے گا۔ ﴿۱۴﴾

اب میں قسم کھاتا ہوں اُن ستاروں کی جو پیچھے کی طرف چلنے لگتے ہیں، ﴿۱۵﴾ جو چلتے چلتے دبک  
 جاتے ہیں، ﴿۱۶﴾

مل کر ایک ہو جائیں گے، اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ ان کا پانی خشک ہو جائے گا، اور ان میں آگ لگادی  
 جائے گی۔

(۵) یعنی ایک قسم کے لوگ ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں گے۔ کافر ایک جگہ، اور مؤمن ایک جگہ۔ نیز نیک لوگ  
 ایک جگہ، اور بدکار ایک جگہ۔

(۶) جاہلیت کے زمانے میں ایک انتہائی وحشیانہ رسم یہ تھی کہ لوگ عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے، اور بعض قبیلے ایسے  
 تھے کہ اگر اُن میں سے کسی کے یہاں بچی پیدا ہو جاتی تو وہ شرم کے مارے اُس بچی کو زندہ زمین میں دفن کر دیتا  
 تھا۔ قیامت میں اُس بچی کو لا کر پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس جرم میں موت کے گھاٹ اُتارا گیا تھا؟ اس سے اُن  
 ظالموں کو سزا دینا مقصود ہوگا جنہوں نے اُس بچی کے ساتھ ایسی درندگی کا معاملہ کیا۔

(۷) بعض ستارے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کبھی مشرق سے مغرب کی طرف چلتے نظر آتے ہیں، اور کبھی مغرب سے  
 مشرق کی طرف۔ گویا وہ ایک سمت میں چلتے چلتے واپس پلٹ رہے ہیں، پھر چلتے چلتے لگا ہوں سے غائب

وَالْيَلِّ إِذَا عَسَّسَ ۖ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۖ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝  
ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۖ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۖ وَمَا صَاحِبُكُمْ  
بِسَجُنٍ ۖ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۖ

اور قسم کھاتا ہوں رات کی جب وہ رخصت ہو، ﴿۱۷﴾ اور صبح کی جب وہ سانس لے، ﴿۱۸﴾ کہ  
یہ (قرآن) یقینی طور پر ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے، ﴿۱۹﴾ جو قوت والا ہے، جس کا عرش  
والے کے پاس بڑا رتبہ ہے۔ ﴿۲۰﴾ وہاں اُس کی بات مانی جاتی ہے وہ امانت دار ہے۔ ﴿۲۱﴾  
اور (اے مکہ والو!) تمہارے ساتھ رہنے والے یہ صاحب (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی  
دیوانے نہیں ہیں، ﴿۲۲﴾ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ انہوں نے اس فرشتے کو کھلے ہوئے افق پر  
دیکھا ہے، ﴿۲۳﴾

ہو جاتے ہیں، گویا وہ کہیں دُک کر چھپ گئے ہیں۔ ان ستاروں کی یہ گردش اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا عجیب مظہر  
ہے۔ اس لئے اُن کی قسم کھائی گئی ہے۔  
(۸) صبح کے وقت عموماً ہلکی ہلکی ہوا چلتی ہے جسے بادِ نیم کہا جاتا ہے۔ اس ہوا کے چلنے کو بڑی بلاغت کے ساتھ صبح  
کے سانس لینے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔  
(۹) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے ذریعے قرآن  
کریم لایا کرتے تھے۔

(۱۰) یعنی دوسرے فرشتے اُن کی بات مانتے ہیں۔

(۱۱) حضرت جبریل علیہ السلام عام طور پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی انسان کی صورت میں آیا  
کرتے تھے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ انہیں اپنی اصلی صورت میں دیکھنے کی فرمائش کی  
تھی۔ اس موقع پر وہ افق پر اپنی اصل صورت میں بھی آپ کے سامنے ظاہر ہوئے۔ اس آیت میں اُس کی طرف  
اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل سورہ نجم میں پیچھے گزر چکی ہے۔ اس موقع پر اُس سورت کے حواشی نمبر ۲،  
۳ اور ۴ ضرور دیکھ لئے جائیں۔



وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٢﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٣﴾ فَإِنَّ تَذَهُبُونَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٢٥﴾ لَسَنُ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿٢٦﴾ وَمَا يَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾

اور وہ غیب کی باتوں کے بارے میں بخیل بھی نہیں ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور نہ یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کی (بنائی ہوئی) کوئی بات ہے۔ ﴿۲۵﴾ پھر بھی تم لوگ کدھر چلے جا رہے ہو؟ ﴿۲۶﴾ یہ تو دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہے، ﴿۲۷﴾ تم میں سے ہر اُس شخص کے لئے جو سیدھا سیدھا رہنا چاہے! ﴿۲۸﴾ اور تم چاہو گے نہیں، اِلَّا یہ کہ خود اللہ چاہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۲۹﴾

(۱۲) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے غیب کی جو باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ انہیں لوگوں سے چھپاتے نہیں ہیں، بلکہ سب کے سامنے ظاہر فرما دیتے ہیں۔ جاہلیت کے زمانے میں جو لوگ کاہن کہلاتے تھے، وہ بھی غیب کی باتیں بتانے کا دعویٰ کرتے تھے، اور شیطانوں سے دوستی کر کے اُن سے کچھ جھوٹی سچی باتیں سن لیا کرتے تھے، لیکن جب لوگ اُن سے پوچھتے تو وہ انہیں فیس لئے بغیر کچھ بتانے سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کافروں سے فرما رہے ہیں کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن کہتے ہو، حالانکہ کاہن تو تمہیں جھوٹی باتیں بتانے میں بھی بڑے بخل سے کام لیتے ہیں، اور پیسے لئے بغیر کچھ نہیں بتاتے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی جو سچی باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ بتانے میں بھی نہ بخل سے کام لیتے ہیں، اور نہ اُس پر کوئی معاوضہ مانگتے ہیں۔

الحمد للہ! سورہ تکویر کا کام ۲۲ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵ اگست ۲۰۰۸ء کو برطانیہ کے شہر والسال میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ مقبول اور نافع بنائیں، اور باقی کام کی اپنی رضا کے مطابق تکمیل فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ

آیاتھا ۱۹ ۸۲ سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۸۲ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِذَا السَّمَاءُ اِنْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ اُنْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ وَ  
اِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمْتَ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ  
مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝۶ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسُوِّكَ فَعَدَلَكَ ۝۷ فِیْ اَمْرِ صُوْرَةٍ ۝۸  
مَّا سَآءَ مَا رَكَّبَكَ ۝۹ كَلَّا بَلْ تُكَدِّبُوْنَ بِالْاٰیٰتِ ۝۱۰

یہ سورت کی ہے، اور اس میں انیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب آسمان چر جائے گا، ﴿۱﴾ اور جب ستارے جھڑپڑیں گے، ﴿۲﴾ اور جب سمندروں کو اُبال دیا جائے گا، ﴿۳﴾ اور جب قبریں اُکھاڑ دی جائیں گی، ﴿۴﴾ اُس وقت ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔ ﴿۵﴾ اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے اُس پروردگار کے معاملے میں دھوکا لگا دیا ہے جو بڑا کرم والا ہے، ﴿۶﴾ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے ٹھیک ٹھیک بنایا، پھر تیرے اندر اعتدال پیدا کیا؟ ﴿۷﴾ جس صورت میں چاہا، اُس نے تجھے جوڑ کر تیار کیا۔ ﴿۸﴾ ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہئے، لیکن تم جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو، ﴿۹﴾

(۱) ”جو آگے بھیجا“ سے مراد وہ اعمال ہیں جو کسی شخص نے دُنیا میں کر کے انہیں آخرت کے لئے آگے بھیج دیا، یعنی انہیں آخرت کا ذخیرہ بنالیا، اور ”جو پیچھے چھوڑا“ سے مراد وہ اعمال ہیں جو اُسے کرنے چاہئیں تھے، لیکن اُس نے نہیں کئے، اور دُنیا میں چھوڑ آیا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں یہ دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ معاذ اللہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔

وَأَنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝۱۰ كَرَامًا كَاتِبِينَ ۝۱۱ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝۱۲ إِنَّ  
 الْإِبْرَاهِيمَ لَفِي نُعَيْمٍ ۝۱۳ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝۱۴ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝۱۵ وَ  
 مَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝۱۶ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝۱۷ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ  
 الدِّينِ ۝۱۸ يَوْمَ لَا تَنفِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۝۱۹ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝۲۰

حالانکہ تم پر کچھ نگراں (فرشتے) مقرر ہیں، ﴿۱۰﴾ وہ معزز لکھنے والے ﴿۱۱﴾ جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں۔ ﴿۱۲﴾ یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے، ﴿۱۳﴾ اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔ ﴿۱۴﴾ وہ اُس میں جزا و سزا کے دن داخل ہوں گے، ﴿۱۵﴾ اور وہ اُس سے غائب نہیں ہو سکتے۔ ﴿۱۶﴾ اور تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دن کیا چیز ہے؟ ﴿۱۷﴾ ہاں تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دن کیا چیز ہے؟ ﴿۱۸﴾ یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی دوسرے کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا، اور تمام تر حکم اُس دن اللہ ہی کا چلے گا۔ ﴿۱۹﴾

(۳) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کے سارے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں، اور اسی سے اُس کا اعمال نامہ تیار ہوتا ہے۔

الحمد للہ! اس سورت پر کام کی تکمیل وال سال برطانیہ میں ۲۳ شعبان ۱۴۲۹ھ

مطابق ۲۶ اگست ۲۰۰۸ء کو ہوئی۔

تَقَبَّلَ اللَّهُ تَعَالَى وَوَفَّقَنِي لِمَا يُحِبُّهُ وَيَرْضَاهُ



# سُورَةُ الْمَطَفِّينِ

ایاتھا ۳۶ ﴿۸۳﴾ سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ ۸۲ ﴿۸۴﴾ رُكُوْعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۱ اَلَّذِيْنَ اِذَا اَكْتَالُوْا عَلٰی النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲ وَاِذَا كَالُوْهُمْ  
اَوْ وَزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ لِّیَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵  
یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶ کَلَّا اِنَّ كِتٰبَ الْفَجٰرِ لَفِیْ سَجِیْنٍ ۝۷ وَمَا  
اَدْرٰیكَ مَا سَجِیْنٌ ۝۸

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چھتیس آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ﴿۱﴾ جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود  
کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پوری پوری لیتے ہیں، ﴿۲﴾ اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے  
ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ ﴿۳﴾ کیا یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ انہیں ایک بڑے زبردست دن میں  
زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ ﴿۴﴾ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں  
گے۔ ﴿۵﴾ ہر گز ایسا نہیں چاہئے! یقین جانو کہ بدکار لوگوں کا اعمال نامہ سَجِیْن میں ہے ﴿۶﴾ اور  
تمہیں کیا معلوم کہ سَجِیْن (میں رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے؟ ﴿۷﴾

(۱) ان آیتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی گئی ہے جو دُوسروں سے اپنا حق وصول کرنے  
میں تو بڑی سرگرمی دکھاتے ہیں، لیکن جب دُوسروں کا حق دینے کا وقت آتا ہے تو ڈنڈی مارتے ہیں۔ یہ وعید  
صرف ناپ تول ہی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کے حقوق کو شامل ہے، اور اس طرح ڈنڈی مارنے کو عربی میں  
”تطفیف“ کہتے ہیں، اسی لئے اس سورت کا نام تطفیف ہے۔

(۲) سَجِیْن کے لفظی معنی قید خانے کے ہیں۔ یہ اُس جگہ کا نام ہے جہاں مرنے کے بعد کافروں کی رُوحوں کو رکھا  
جاتا ہے۔ وہیں پر اُن کا اعمال نامہ بھی موجود رہتا ہے۔



کُتِبَ مَرْقُومٌ ۙ وَيْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝۱۰ الَّذِیْنَ یُكَذِّبُونَ بِیَوْمِ  
الدِّیْنِ ۝۱۱ وَمَا یُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِیمٍ ۝۱۲ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَیْهِ الْاِیتَانِ قَالَ  
أَسَاطِیْرُ الْأَوَّلِیْنَ ۝۱۳ كَلَّا بَلْ سَمَّانٌ عَلٰی قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا یَكْسِبُونَ ۝۱۴ كَلَّا  
إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّحَجُوبُونَ ۝۱۵ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِیمِ ۝۱۶ ثُمَّ یَقَالُ  
هَذَا الَّذِی كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝۱۷ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْاِبْرَارِ لَفِیْ عَلَیِّیْنَ ۝۱۸ وَمَا  
أَدْرَاكَ مَا عَلَیِّیُونَ ۝۱۹ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝۲۰ یَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۝۲۱

وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ ﴿۹﴾ اُس دن بڑی خرابی ہوگی حق کو جھٹلانے والوں کی، ﴿۱۰﴾ جو  
جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ ﴿۱۱﴾ اور اُس دن کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گذرا ہوا گنہگار  
ہو، ﴿۱۲﴾ اُسے جب ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہوں تو وہ کہتا ہو کہ: ”یہ تو پچھلے لوگوں کے  
افسانے ہیں۔“ ﴿۱۳﴾ ہرگز نہیں! بلکہ جو عمل یہ کرتے رہے ہیں، اُس نے ان کے دلوں پر زنگ  
چڑھا دیا ہے۔ ﴿۱۴﴾ ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے  
محروم ہوں گے۔ ﴿۱۵﴾ پھر ان کو دوزخ میں داخل ہونا پڑے گا۔ ﴿۱۶﴾ پھر کہا جائے گا کہ: ”یہ  
ہے وہ چیز جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے!“ ﴿۱۷﴾ خبردار! نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں  
ہے۔ ﴿۱۸﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ علیین (میں رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے؟ ﴿۱۹﴾ وہ ایک  
لکھی ہوئی کتاب ہے ﴿۲۰﴾ جسے مقرب فرشتے دیکھتے ہیں ﴿۲۱﴾

(۳) علیین کے لفظی معنی بالا خانوں کے ہیں۔ یہ اُس جگہ کا نام ہے جہاں مومنوں کی رُو حیں مرنے کے بعد بھیجی  
جاتی ہیں، اور وہیں پر اُن کا اعمال نامہ بھی رہتا ہے۔

(۴) مومنوں کا اعمال نامہ چونکہ نیکیوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس لئے مقرب فرشتے اُس کے اعزاز و اکرام کے طور  
پر اُسے دیکھتے ہیں، اور دیکھنے کا مطلب اُس کی نگرانی بھی ہو سکتا ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ  
النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْمُومٍ ﴿٢٥﴾ خَبِيثَةٌ مِسْكٌ ﴿٢٦﴾ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ  
الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٧﴾ وَمِرَاجُهُ مِنَ التَّسْنِيمِ ﴿٢٨﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ  
الَّذِينَ أَجْرُمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَصْحَكُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ  
يَتَغَامَرُونَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣٢﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ  
قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لِعَصَاثُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا أُمِرُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٤﴾

یقین جانو کہ نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ ﴿۲۲﴾ آرام دہ نشستوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے  
ہوں گے۔ ﴿۲۳﴾ اُن کے چہروں پر نعمتوں میں رہنے سے جو رونق آئے گی، تم اُسے صاف پہچان  
لو گے۔ ﴿۲۴﴾ انہیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہوگی، ﴿۲۵﴾ اُس کی مہر  
بھی مشک ہی مشک ہوگی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس پر اللچانے والوں کو بڑھ چڑھ کر للچانا  
چاہئے۔ ﴿۲۶﴾ اور اُس شراب میں تسنیم کا پانی ملا ہوا ہوگا، ﴿۲۷﴾ جو ایک ایسا چشمہ ہے کہ جس  
سے اللہ کے مقرب بندے پانی پییں گے۔ ﴿۲۸﴾ جو لوگ مجرم تھے، وہ ایمان والوں پر ہنسا کرتے  
تھے۔ ﴿۲۹﴾ اور جب اُن کے پاس سے گذرتے تھے تو ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں  
اشارے کرتے تھے۔ ﴿۳۰﴾ اور جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاتے تھے، تو دل لگی  
کرتے ہوئے جاتے تھے۔ ﴿۳۱﴾ اور جب ان (مؤمنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ یقیناً گمراہ  
ہیں، ﴿۳۲﴾ حالانکہ ان کو ان مسلمانوں پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔ ﴿۳۳﴾

(۵) جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، تسنیم جنت کے ایک چشمے کا نام ہے۔ اُس کا پانی جب اُس شراب میں ملے گا  
تو اُس کے ذائقے اور لطف میں بہت اضافہ کر دے گا۔

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَصْحَحُونَ ﴿٣٣﴾ عَلَى الْأَسْرَافِ لَا يَنْظُرُونَ ﴿٣٤﴾  
 هَلْ تُؤْتَوْنَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٥﴾

آخر ہو گا یہ کہ آج ایمان لانے والے کافروں پر ہنس رہے ہوں گے، ﴿۳۴﴾ آرام دہ نشستوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے ﴿۳۵﴾ کہ کافر لوگوں کو واقعی اُن کاموں کا بدلہ مل گیا جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۳۶﴾

الحمد للہ! سورہ تطفیف کا کام ۲۳ شعبان ۱۴۲۹ھ ۲۶ اگست ۲۰۰۸ء کو برمنگھم سے دُبی جاتے ہوئے جہاز میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی کام کو بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین۔



# سُورَةُ الْأَنْشِقَاقِ

ایاتھا ۲۵ ۸۳ سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۳ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِذَا السَّمَاءُ اُنْشَقَّتْ ۝۱ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُفَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُفَّتْ ۝۵ يَّٰ اَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِمٌ اِلٰى رَبِّكَ كَذَّٰبًا مُّكَلِّفِيْهِ ۝۶

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب آسمان پھٹ پڑے گا، ﴿۱﴾ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گا، اور اُس پر لازم ہے کہ یہی کرے، ﴿۲﴾ اور جب زمین کو کھینچ دیا جائے گا، ﴿۳﴾ اور اُس کے اندر جو کچھ ہے، وہ اُسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی، ﴿۴﴾ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گی، اور اُس پر لازم ہے کہ یہی کرے، ﴿۵﴾ (اُس وقت انسان کو اپنا انجام معلوم ہو جائے گا) ﴿۵﴾ اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک مسلسل کسی محنت میں لگا رہے گا، یہاں تک کہ اُس سے جا ملے گا۔ ﴿۶﴾

(۱) پچھلی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ عربی میں پھٹ پڑنے کو ”انشقاق“ کہتے ہیں، اسی لئے اس سورت کا نام انشقاق ہے۔

(۲) روایات سے اس کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ قیامت میں زمین کو ربر کی طرح کھینچ کر موجودہ سائز سے بڑا کر دیا جائے گا، تاکہ اُس میں تمام اگلے پچھلے لوگ سما سکیں۔

(۳) اس سے مراد وہ مردے ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں کہ ان کو قبروں سے باہر نکال دیا جائے گا۔ البتہ آیت کے الفاظ عام ہیں، اس لئے یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ زمین کے اندر جو اور چیزیں مثلاً معدنیات وغیرہ ہیں، انہیں بھی باہر نکال دیا جائے گا۔

(۴) انسان کی پوری زندگی کسی نہ کسی کوشش میں خرچ ہوتی ہے۔ جو نیک لوگ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بَيِّنَاتٍ ۖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝۸ وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ  
 أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝۹ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۖ فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۝۱۰  
 وَيَصْلِي سَعِيرًا ۝۱۱ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝۱۲ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَّحُورَ ۝۱۳  
 بَلَىٰ ۚ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝۱۴ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّقِيِّ ۝۱۵ وَالْبَلِيلِ وَمَا وَسَىٰ ۝۱۶

معافہ

پھر جس شخص کو اُس کا اعمال نامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، ﴿۷﴾ اُس سے تو آسان حساب لیا جائے گا، ﴿۸﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوشی مناتا ہوا واپس آئے گا، ﴿۹﴾ لیکن وہ شخص جس کو اُس کا اعمال نامہ اُس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا، ﴿۱۰﴾ وہ موت کو پکارے گا، ﴿۱۱﴾ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا، ﴿۱۲﴾ پہلے وہ اپنے گھر والوں کے درمیان بہت خوش رہتا تھا، ﴿۱۳﴾ اُس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ کبھی پلٹ کر (اللہ کے سامنے) نہیں جائے گا۔ ﴿۱۴﴾ بھلا کیوں نہیں؟ اُس کا پروردگار اُسے یقینی طور پر دیکھ رہا تھا۔ ﴿۱۵﴾ اب میں قسم کھاتا ہوں شفق کی، ﴿۱۶﴾ اور رات کی اور اُن تمام چیزوں کی جنہیں وہ سمیٹ لے، ﴿۱۷﴾

میں محنت کرتے ہیں، اور جو دنیا پرست ہیں، وہ صرف دُنیا کے فوائد حاصل کرنے کے لئے محنت کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ہر انسان کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ محنت کرتا کرتا اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔  
 (۵) سورۃ الحاقہ (۶۹: ۲۵) میں فرمایا گیا ہے کہ بُرے لوگوں کو ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں بھی پیچھے کی طرف سے دیا جائے گا۔

(۶) یعنی جن چیزوں کو رات اپنے اندھیرے میں چھپا لے۔ یہاں شفق، رات اور چاند کی قسم کھائی گئی ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، ان کی قسم کھا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ انسان بھی ایک منزل سے دوسری منزل تک سفر کرتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے گا۔

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبِقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكْذِبُونَ ﴿٢٢﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾

اور چاند کی جب وہ بھر کر پورا ہو جائے، ﴿۱۸﴾ کہ تم سب ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف چڑھتے جاؤ گے۔ ﴿۱۹﴾ پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟ ﴿۲۰﴾ اور جب اُن کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے؟ ﴿۲۱﴾ بلکہ یہ کافر لوگ حق کو جھٹلاتے ہیں، ﴿۲۲﴾ اور جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں، اللہ کو خوب معلوم ہے۔ ﴿۲۳﴾ اب تم انہیں ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ ﴿۲۴﴾ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کو ایسا ثواب ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ﴿۲۵﴾

(۷) انسان اپنی زندگی میں مختلف مرحلوں سے گزرتا ہے۔ بچپن، جوانی، ادھیڑ عمر اور پھر بڑھاپا۔ نیز اس کی سوچ میں بھی مسلسل تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ یہ سارے مراحل اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔  
(۸) یہ سجدے کی آیت ہے، یعنی اس آیت کو جب عربی میں تلاوت کیا جائے تو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

(۹) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کا جو ذخیرہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں میں جو باتیں چھپا رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے خوب واقف ہے۔

الحمد للہ! سورۃ انشقاق کا کام ۲۴ شعبان ۱۴۲۹ھ، ۲۷ اگست ۲۰۰۸ء کو دُبی میں مکمل ہوا۔  
اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔





# نُورَةُ السُّبُحِ



آیتھا ۲۲ ﴿۲۲﴾ سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۝۳ قَتَلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوُقُودِ ۝۵ إِذْهُمْ عَلَيْهَا قُوعُودٌ ۝۶ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝۷

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں بائیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے برجوں والے آسمان کی، ﴿۱﴾ اور اُس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے، ﴿۲﴾ اور حاضر ہونے والے کی اور اُس کی جس کے پاس لوگ حاضر ہوں، ﴿۳﴾ کہ خدا کی مار ہے اُن خندق (کھودنے) والوں پر ﴿۴﴾ اُس آگ والوں پر جو ایندھن سے بھری ہوئی تھی، ﴿۵﴾ جب وہ اُس کے پاس بیٹھے تھے، ﴿۶﴾ اور وہ ایمان والوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے، اُس کا نظارہ کرتے جاتے تھے۔ ﴿۷﴾

(۱) یعنی قیامت کا دن۔

(۲) قرآن کریم میں اصل لفظ ”شاہد“ اور ”مشہود“ ہیں۔ شاہد کا ترجمہ ”حاضر ہونے والے“ سے، اور مشہود کا ”جس کے پاس لوگ حاضر ہوں“ سے کیا گیا ہے۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے، اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ اس کی تائید ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام ترمذی نے ضعیف کہا ہے، اور طبرانی میں حضرت ابو مالک اشجریؓ کی ایک حدیث سے بھی جسے علامہ بیہقیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ اس کی ایک دوسری تفسیر یہ ہے کہ شاہد سے مراد انسان ہے، اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے، کیونکہ ہر انسان اُس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو جائے گا۔ حافظ ابن جریرؒ نے یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ اور حضرت ضحاکؒ وغیرہ سے نقل کی ہے۔ ”شاہد“ کا ایک ترجمہ گواہ بھی کیا جاسکتا ہے، اور ”مشہود“ کا وہ جس کے

بارے میں گواہی دی جائے۔ قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کے ایمان کی گواہی دیں گے، اس لئے اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ یہ سب تفسیریں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ میں ان سب کی گنجائش موجود ہے۔

(۳) مشہور تفسیر کے مطابق ان آیتوں میں ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح مسلم کی ایک حدیث میں منقول ہے۔ اور وہ یہ کہ پچھلی کسی امت میں ایک بادشاہ تھا جو ایک جادوگر سے کام لیا کرتا تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اُس نے بادشاہ سے کہا کہ میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دیا کرو جسے میں جادو سکھاؤں، تاکہ میرے بعد وہ تمہارے کام آسکے۔ بادشاہ نے ایک لڑکے کو جادوگر کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔ یہ لڑکا جب جادوگر کے پاس جاتا تو راستے میں ایک عبادت گزار شخص کے پاس سے گذرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی دین پر تھا (ایسے شخص کو راہب کہتے تھے) اور تو حید کا قائل تھا۔ یہ لڑکا اُس کے پاس بیٹھ جاتا اور اُس کی باتیں سنتا تھا جو اُسے اچھی لگتی تھیں۔ ایک دن وہ جارہا تھا تو راستے میں ایک بڑا جانور نظر آیا جس نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا، (بعض روایتوں میں ہے کہ وہ جانور شیر تھا، اور لوگ اُس سے ڈر رہے تھے) لڑکے نے ایک پتھر اٹھایا، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ یا اللہ! اگر راہب کی باتیں آپ کو جادوگر کی باتوں سے زیادہ پسند ہیں تو اس پتھر سے اس جانور کو مراد دیجئے۔ اب جو اُس نے پتھر اُس جانور کی طرف پھینکا تو جانور مر گیا، اور لوگوں کا راستہ کھل گیا۔ اس کے بعد لوگوں کو اندازہ ہوا کہ اس لڑکے کے پاس کوئی خاص علم ہے۔ چنانچہ ایک اندھے شخص نے اُس سے درخواست کی کہ اُس کی بینائی واپس آجائے۔ لڑکے نے اُس سے کہا کہ شفا دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے اگر تم یہ وعدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آؤ گے تو میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں گا۔ اُس نے یہ شرط مان لی۔ لڑکے نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو بینائی عطا فرمادی، اور وہ توحید پر ایمان لے آیا۔ ان واقعات کی خبر جب بادشاہ کو ہوئی تو اُس نے اُس نابینا کو بھی گرفتار کر لیا، اور لڑکے اور راہب کو بھی۔ اور ان سب کو توحید کے انکار پر مجبور کیا۔ جب وہ نہ مانے تو اُس نے اُس نابینا شخص اور راہب کو تو آری سے چروادیا، اور لڑکے کے بارے میں اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ اُسے کسی اونچے پہاڑ پر لے جا کر نیچے پھینک دیں۔ لیکن جب وہ لوگ لڑکے کو لے کر گئے تو اُس نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی، پہاڑ پر زلزلہ آیا جس سے وہ لوگ مر گئے، اور لڑکا زندہ رہا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُسے کشتی میں لے جا کر سمندر میں ڈبو دیا جائے۔ لڑکے نے پھر دُعا کی، جس کے نتیجے میں کشتی اُلٹ گئی، وہ سب ڈوب گئے، اور لڑکا پھر سلامت رہا۔ بادشاہ جب عاجز آ گیا تو لڑکے نے اُس سے کہا کہ اگر تم مجھے واقعی مارنا چاہتے ہو تو اُس کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ تم سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے مجھے سولی پر چڑھاؤ، اور اپنے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں چڑھاؤ، اور یہ کہو کہ:

وَمَا نَقْمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝۸ الَّذِي لَهُ مُلْكُ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۹ إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا  
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ  
الْحَرِيقِ ۝۱۰ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝۱۱

۱۱۱  
۱۱۲

اور وہ ایمان والوں کو کسی اور بات کی نہیں، صرف اس بات کی سزا دے رہے تھے کہ وہ اُس اللہ پر  
ایمان لے آئے تھے جو بڑے اقتدار والا، بہت قابلِ تعریف ہے، ﴿۸﴾ جس کے قبضے میں سارے  
آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ ﴿۹﴾ یقین رکھو کہ جن لوگوں نے  
مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ظلم کا نشانہ بنایا ہے، پھر توبہ نہیں کی ہے، اُن کے لئے جہنم کا عذاب  
ہے، اور اُن کو آگ میں جلنے کی سزا دی جائے گی۔ ﴿۱۰﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے  
نیک عمل کئے ہیں، اُن کے لئے بیشک (جنت کے) ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔  
یہ ہے بڑی کامیابی! ﴿۱۱﴾

”اُس اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا پروردگار ہے“ پھر تیر سے میرا نشانہ لگاؤ۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، اور تیر اُس  
لڑکے کی کپٹی پر جا کر لگا، اور اُس سے وہ شہید ہو گیا۔ لوگوں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو بہت سے ایمان لے  
آئے۔ اس موقع پر بادشاہ نے اُن کو سزا دینے کے لئے سزکوں کے کناروں پر خندقیں کھدوا کر اُن میں آگ  
بھڑکائی، اور حکم دیا کہ جو کوئی دین حق کو نہ چھوڑے، اُسے ان خندقوں میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اس طرح ایمان  
والوں کی ایک بڑی تعداد کو زندہ جلادیا گیا۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ سورہ بروج میں خندق والوں کا جو ذکر ہے، اُس سے یہی واقعہ  
مراد ہے۔ محمد بن اسحاقؒ نے اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے، اور اُس کو سورہ بروج کی تفسیر قرار دیا  
ہے۔ یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ حضرت مولانا حافظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ نے ”قصص القرآن“  
میں اس پر بہت مفصل بحث کی ہے۔ اہل علم اُس کی مراجعت فرمائیں۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يَبْذِي وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ ﴿١٤﴾  
 ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَالٌ لِّبَآئِرِ يَدٌ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنُ  
 وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِنْ وَرَاءِهِمْ مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلِ  
 هُوَ قَرِيبٌ إِنَّ مَجِيبُ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے۔ ﴿۱۲﴾ وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ ﴿۱۳﴾ اور وہ بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے، ﴿۱۴﴾ عرش کا مالک ہے، بزرگی والا ہے، ﴿۱۵﴾ جو کچھ ارادہ کرتا ہے، کر گذرتا ہے۔ ﴿۱۶﴾ کیا تمہارے پاس اُن لشکروں کی خبر پہنچی ہے، ﴿۱۷﴾ فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی؟ ﴿۱۸﴾ اس کے باوجود کافر لوگ حق کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، ﴿۱۹﴾ جبکہ اللہ نے اُن کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ ﴿۲۰﴾ (ان کے جھٹلانے سے قرآن پر کوئی اثر نہیں پڑتا) بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، ﴿۲۱﴾ جو لوح محفوظ میں درج ہے۔ ﴿۲۲﴾

(۴) یعنی کفر کا برا انجام معلوم ہو جانے کے باوجود وہ اپنے کفر سے باز نہیں آ رہے ہیں۔

الحمد للہ! سورۃ بروج کا کام کراچی میں ۲۸ شعبان ۱۴۲۹ھ، ۳۱ اگست ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر باقی کام کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

﴿ آیتھا ۱۷ ﴾ ۸۶ سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۳۶ ﴿ رُكُوعُهَا ۱ ﴾

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ إِنَّ كُلَّ  
نَفْسٍ لَّسَاءَ لِّهَا حَافِظٌ ۝ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝  
يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں سترہ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے آسمان کی، اور رات کو آنے والے کی ﴿۱﴾۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ﴿۲﴾ چمکتا ہوا ستارا! — ﴿۳﴾ کہ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کی کوئی نگرانی کرنے والا موجود نہ ہو۔ ﴿۴﴾ اب انسان کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اُسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ ﴿۵﴾ اُسے ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ﴿۶﴾ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ ﴿۷﴾ بیشک وہ اُسے دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۸﴾

(۱) یہ ”طارق“ کا ترجمہ ہے، اور اسی کے نام پر سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ اور اگلی دو آیتوں میں اس کا مطلب خود بتا دیا گیا ہے کہ اس سے مراد چمکتا ہوا ستارا ہے، کیونکہ وہ رات ہی کے وقت نظر آتا ہے۔ اُس کی قسم کھا کر فرمایا گیا ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس پر کوئی نگرانی مقرر نہ ہو۔ ستارے کی قسم کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ جس طرح ستارے آسمان پر دنیا کی ہر جگہ نظر آتے ہیں، اور دنیا کی ہر چیز اُن کے سامنے ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بھی ہر انسان کے ہر قول و فعل کی نگرانی فرماتا ہے، اور اُس کے فرشتے بھی اس کام پر مقرر ہیں۔

(۲) اس سے مراد وہ مادہ منویہ ہے جس سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے، اور اُس کے پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دھڑکایہ درمیانی حصہ ہی اس مادے کا اصل مرکز ہے۔



يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۚ فَمَالَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۝ وَالسَّاءَ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝ وَمَا هُوَ إِلَّا هَزْلٌ ۝ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝ فَمَهْلِكُ الْكَافِرِينَ أَمْهَلُهُمْ مُرِيدًا ۝

جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ ہوگی، ﴿۹﴾ تو انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا، نہ کوئی مددگار۔ ﴿۱۰﴾ قسم ہے بارش بھرے آسمان کی، ﴿۱۱﴾ اور پھوٹ پڑنے والی زمین کی ﴿۱۲﴾ کہ یہ (قرآن) ایک فیصلہ کن بات ہے، ﴿۱۳﴾ اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ ﴿۱۴﴾ بیشک یہ (کافر لوگ) چالیں چل رہے ہیں، ﴿۱۵﴾ اور میں بھی اپنی چال چل رہا ہوں۔ ﴿۱۶﴾ لہذا (اے پیغمبر!) تم ان کافروں کو ڈھیل دو، انہیں تھوڑے دنوں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ ﴿۱۷﴾

(۳) یعنی اُس زمین کی جو پانی برسنے کے بعد کوئیل کو باہر نکالنے کے لئے پھٹ پڑتی ہے۔ یہاں بارش اور زمین کے پھٹ پڑنے کی قسم کھانے سے بظاہر یہ اشارہ مقصود ہے کہ بارش کے پانی سے وہی زمین فائدہ اٹھاتی ہے جس میں اُگنے کی صلاحیت ہو، اسی طرح قرآن کریم سے وہی شخص فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں حق کو قبول کرنے کی گنجائش ہو۔

(۴) یعنی ابھی ان کافروں کو سزا دینے کا وقت نہیں آیا۔ اس لئے ان کو فی الحال اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو خود اپنی پکڑ میں لے لے گا۔

کراچی ۲۹ شعبان ۱۴۲۹ھ یکم ستمبر ۲۰۰۸ء

ایاتھا ۱۹ ۸۷ سُوْرَةُ الْاَعْلٰی مَكِّيَّةٌ ۸ رکوْعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی ۝ الَّذِیْ خَلَقَ فُسُوْی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ وَ  
الَّذِیْ اَخْرَجَ الْمُرْجٰی ۝ فَجَعَلَهُ عُشْبًا اَحْوٰی ۝ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی ۝ اِلَّا  
مَآ شَاءَ اللّٰهُ ۝ اِنَّهُ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یُخْفٰی ۝

یہ کی سورت انیس آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو جس کی شان سب سے اُوپچی ہے، ﴿۱﴾ جس نے سب کچھ پیدا  
کیا، اور ٹھیک ٹھیک بنایا، ﴿۲﴾ اور جس نے ہر چیز کو ایک خاص انداز دیا، پھر راستہ بتایا، ﴿۳﴾ اور  
جس نے سبز چارہ (زمین سے) نکالا، ﴿۴﴾ پھر اُسے کالے رنگ کا کوڑا بنا دیا۔ ﴿۵﴾ (۱) اے  
پیغمبر! ہم تمہیں پڑھائیں گے، پھر تم بھولو گے نہیں، ﴿۶﴾ سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے۔ یقیناً ﴿۷﴾  
رکھو وہ کھلی ہوئی چیزوں کو بھی جانتا ہے، اور اُن چیزوں کو بھی جو چھپی ہوئی ہیں۔ ﴿۸﴾

(۱) اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز ایک خاص انداز سے بنائی ہے، پھر ہر ایک کو اُس کے مناسب دُنیا میں رہنے کا  
طریقہ بھی بتا دیا ہے۔

(۲) اشارہ اس طرف ہے کہ اس دُنیا میں ہر چیز اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ کچھ عرصے اپنی بہار دکھانے کے  
بعد وہ بد شکل اور پھر فنا ہو جاتی ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر رہتی تھی کہ ہمیں آپ قرآن کریم کا کچھ حصہ بھول نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے  
اس آیت میں اطمینان کرا دیا کہ ہم آپ کو بھولنے نہیں دیں گے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جن احکام کو منسوخ کرنا ہی چاہے  
گا، انہیں آپ بھول سکتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ (۱۰۶:۲) میں گزرا ہے۔

وَنُيْسِرَكَ لِلْيُسْرَى ۝۸ فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَى ۝۹ سَيَذَكِّرُ مَنْ يَخْشَى ۝۱۰ وَ  
يَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝۱۱ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ۝۱۲ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا  
يَحْيَى ۝۱۳ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝۱۴ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝۱۵ بَلْ تُؤَثِّرُونَ الْحَيَاةَ  
الدُّنْيَا ۝۱۶ وَالْآخِرَةَ خَيْرًا ۝۱۷ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝۱۸ صُحُفِ  
إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى ۝۱۹

اور ہم تمہیں آسان شریعت (پر چلنے کے لئے) سہولت دیں گے۔ ﴿۸﴾ لہذا تم نصیحت کئے جاؤ،  
اگر نصیحت کا فائدہ ہو۔ ﴿۹﴾ جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا، وہ نصیحت مانے گا، ﴿۱۰﴾ اور اُس  
سے دُور وہ رہے گا جو بڑا بد بخت ہوگا، ﴿۱۱﴾ جو سب سے بڑی آگ میں داخل ہوگا، ﴿۱۲﴾ پھر  
اُس آگ میں نہ مرے گا، اور نہ جئے گا۔ ﴿۱۳﴾  
فلاح اُس نے پائی ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی، ﴿۱۴﴾ اور اپنے پروردگار کا نام لیا، اور نماز  
پڑھی۔ ﴿۱۵﴾ لیکن تم لوگ دُنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، ﴿۱۶﴾ حالانکہ آخرت کہیں زیادہ بہتر  
اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ ﴿۱۷﴾ یہ بات یقیناً پچھلے (آسانی) صحیفوں میں بھی درج ہے، ﴿۱۸﴾  
ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ ﴿۱۹﴾

(۴) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شریعت عطا فرمائی ہے، وہ بذاتِ خود آسان ہے، پھر مزید تسلی  
دی گئی ہے کہ ہم اُس پر چلنے کو بھی آپ کے لئے آسان کر دیں گے۔  
(۵) یعنی زندہ رہنے کا کوئی آرام اُسے حاصل نہیں ہوگا۔

سورۃ اعلیٰ کا ترجمہ اور اُس کے حواشی یکم رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ، ۲ ستمبر ۲۰۰۸ء کو  
دامام اور مدینہ منورہ کے درمیان لکھے گئے۔

ایاتھا ۲۶ ۸۸ سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۸ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝<sup>(۱)</sup> وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝<sup>(۲)</sup> عَامِلَةٌ  
ثَّابِتَةٌ ۝<sup>(۳)</sup> تَصْلِي نَارًا حَامِيَةً ۝<sup>(۴)</sup> تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ ۝<sup>(۵)</sup> لَيْسَ لَهُمْ  
طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَرِيحٍ ۝<sup>(۶)</sup> لَا يُسْئِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُودٍ ۝<sup>(۷)</sup> وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ  
ثَّابِتَةٌ ۝<sup>(۸)</sup> لَسَعْيَهَا رَاضِيَةٌ ۝<sup>(۹)</sup> فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝<sup>(۱۰)</sup> لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ۝<sup>(۱۱)</sup>  
فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝<sup>(۱۲)</sup>

وقف انداز

اس کی سورت میں چھیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کیا تمہیں اُس واقعے (یعنی قیامت) کی خبر پہنچی ہے جو سب پر چھا جائے گا؟ ﴿۱﴾ بہت سے  
چہرے اُس دن اترے ہوئے ہوں گے، ﴿۲﴾ مصیبت جھیلنے ہوئے، تھکن سے چور! ﴿۳﴾ وہ  
دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، ﴿۴﴾ انہیں کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے  
گا، ﴿۵﴾ اُن کے لئے ایک کانٹے دار جھاڑ کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا، ﴿۶﴾ جو نہ جسم کا وزن  
بڑھائے گا، اور نہ بھوک مٹائے گا۔ ﴿۷﴾ بہت سے چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے، ﴿۸﴾  
(دُنیا میں) اپنی کی ہوئی محنت کی وجہ سے پوری طرح مطمئن ﴿۹﴾ عالیشان جنت میں ہوں  
گے، ﴿۱۰﴾ جس میں وہ کوئی لغوبات نہیں سنیں گے۔ ﴿۱۱﴾ اُس جنت میں بہتے ہوئے چشمے  
ہوں گے، ﴿۱۲﴾

(۱) یہ ”غاشیہ“ کا ترجمہ ہے، اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام غاشیہ ہے۔

فِيهَا سُرُورٌ مَّرْقُوعَةٌ ۝۱۳۝ وَآكَوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝۱۴۝ وَنَارِيقٌ مَّصْفُوعَةٌ ۝۱۵۝ وَ زَرَّابِي مَبْثُوثَةٌ ۝۱۶۝ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝۱۸۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝۱۹۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰۝ فَذَكِّرْ ۝۲۱۝ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۲۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۝۲۳۝ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ۝۲۴۝ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝۲۵۝ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝۲۶۝ ثُمَّ إِنَّ

وَعَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝۲۷۝

اُس میں اونچی اونچی نشستیں ہوں گی ﴿۱۳﴾ اور سامنے رکھے ہوئے پیالے، ﴿۱۴﴾ اور قطار میں لگائے ہوئے گداز تکیے، ﴿۱۵﴾ اور بچھے ہوئے قالین! ﴿۱۶﴾  
 تو کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسے پیدا کیا گیا؟ ﴿۱۷﴾ اور آسمان کو کہ اُسے کس طرح بلند کیا گیا؟ ﴿۱۸﴾ اور پہاڑوں کو کہ انہیں کس طرح گاڑا گیا؟ ﴿۱۹﴾ اور زمین کو کہ اُسے کیسے بچھایا گیا؟ ﴿۲۰﴾ اب (اے پیغمبر!) تم نصیحت کئے جاؤ۔ تم تو بس نصیحت کرنے والے ہو۔ ﴿۲۱﴾  
 آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لئے مسلط نہیں کیا گیا۔ ﴿۲۲﴾ ہاں مگر جو کوئی منہ موڑے گا، اور کفر اختیار کرے گا، ﴿۲۳﴾ تو اللہ اُس کو بڑا زبردست عذاب دے گا۔ ﴿۲۴﴾ یقیناً جانوان سب کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، ﴿۲۵﴾ پھر یقیناً ان کا حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔ ﴿۲۶﴾

(۲) عرب کے لوگ عام طور سے صحراؤں میں اونٹوں پر سفر کرتے تھے، اور اونٹ کی تخلیق میں جو عجیب خصوصیات ہیں، اُن سے واقف تھے، نیز اونٹوں پر سفر کرتے وقت انہیں آسمان، زمین اور پہاڑ نظر آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ اگر اپنے آس پاس کی چیزوں پر ہی غور کر لیں تو انہیں پتہ چل جائے کہ جس ذات نے کائنات کی یہ حیرت انگیز چیزیں پیدا فرمائی ہیں، اُسے اپنی خدائی میں کسی شریک کی ضرورت نہیں ہو سکتی، نیز یہ کہ جو اللہ تعالیٰ کائنات کی ان چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ

انسانوں کو مرنے کے بعد دوسری زندگی عطا کر دے، اور اُن سے اُن کے اعمال کا حساب لے۔ کائنات کا یہ عظیم کارخانہ اللہ تعالیٰ نے یونہی بے مقصد پیدا نہیں فرمایا ہے، بلکہ اس کا مقصد یہی ہے کہ نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا انعام دیا جائے، اور بدکاروں کو اُن کی بدکاری کی سزا دی جائے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی ہٹ دھرمی سے جو تکلیف ہوتی تھی، اُس پر آپ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ کر کے پورا ہو جاتا ہے، آپ پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ انہیں زبردستی مسلمان بنائیں۔ اس میں ہر مبلغ اور حق کے داعی کے لئے بھی یہ اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ اُسے اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے، اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ان سے زبردستی اپنی بات منوانے کا ذمہ دار ہے۔

مدینہ منورہ، شب ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ ۳ ستمبر ۲۰۰۸ء

آیتھا ۳۰ ۸۹ سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالْفَجْرِ ۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۲ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۳ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۴ هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرِ ۵

تیس آیتوں پر مشتمل یہ سورت کی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے  
قسم ہے فجر کے وقت کی، ﴿۱﴾ اور دس راتوں کی، ﴿۲﴾ اور جفت کی اور طاق کی، ﴿۳﴾ اور رات  
کی جب وہ چل کھڑی ہو ﴿۴﴾ (کہ آخرت میں جزا و سزا ضرور ہوگی) ﴿۴﴾ ایک عقل والے (کو یقین  
دلانے) کے لئے یہ قسمیں کافی ہیں کہ نہیں؟ ﴿۵﴾

(۱) فجر کا وقت دنیا کی ہر چیز میں ایک نیا انقلاب لے کر نمودار ہوتا ہے، اس لئے اُس کی قسم کھائی گئی ہے۔ بعض  
مفسرین نے اس آیت میں خاص دس ذوالحجہ کی صبح مراد لی ہے۔ اور دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کے مہینے کی پہلی  
دس راتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے، اور اس میں عبادت کا بہت ثواب ہے۔  
(۲) جفت سے مراد ۱۰ ذوالحجہ کا دن اور طاق سے مراد عرفے کا دن ہے جو ۹ ذوالحجہ کو آتا ہے۔ ان ایام کی قسم  
کھانے سے ان کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) یعنی جب رات رخصت ہونے لگے۔ ان تمام دنوں اور راتوں کا حوالہ شاید اس لئے دیا گیا ہے کہ عرب  
کے کافر لوگ بھی ان کو مقدس سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ تقدس ان دنوں اور راتوں میں خود سے نہیں آگیا، بلکہ اللہ  
تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اس لئے یہ سارے دن رات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلالت کرتے ہیں، اور  
اسی قدرت اور حکمت کا ایک مظاہرہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اور بد کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہ فرمائے،  
بلکہ نیک لوگوں کو انعام دے، اور بُرے لوگوں کو سزا۔ چنانچہ اس سورت میں انہی دونوں باتوں کو نہایت بلیغ انداز  
میں بیان فرمایا گیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۖ ﴿١﴾ إِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۚ ﴿٢﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي  
 الْبِلَادِ ۖ ﴿٣﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۖ ﴿٤﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۖ ﴿٥﴾  
 الَّذِينَ طَعَوْا فِي الْبِلَادِ ۖ ﴿٦﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفُسَادَ ۖ ﴿٧﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ  
 عَذَابٍ ۖ ﴿٨﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْبُرْصَادِ ۖ ﴿٩﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا ﴿۶﴾ اُس اونچے  
 ستونوں والی قوم ارم کے ساتھ ﴿۷﴾ جس کے برابر دنیا کے ملکوں میں کوئی اور قوم پیدا نہیں کی  
 گئی؟ ﴿۸﴾ اور ثمود کی اُس قوم کے ساتھ کیا کیا جس نے وادی میں پتھر کی چٹانوں کو تراش رکھا  
 تھا؟ ﴿۹﴾ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ کیا کیا؟ ﴿۱۰﴾ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا کے  
 ملکوں میں سرکشی اختیار کر لی تھی، ﴿۱۱﴾ اور ان میں بہت فساد مچایا تھا، ﴿۱۲﴾ چنانچہ تمہارے  
 پروردگار نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ ﴿۱۳﴾ یقین رکھو تمہارا پروردگار سب کو نظر میں رکھے  
 ہوئے ہے۔ ﴿۱۴﴾

(۴) ”ارم“ قوم عاد کے جدِ اعلیٰ کا نام ہے، اس لئے قوم عاد کی جس شاخ کا یہاں ذکر ہے، اُس کو عاد ارم کہا جاتا  
 ہے۔ اور اُن کو ستونوں والا کہنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُن کے قد و قامت اور ڈیل ڈول بہت زیادہ تھے اسی  
 لئے آگے فرمایا گیا ہے کہ ان جیسے لوگ کہیں اور پیدا نہیں کئے گئے۔ اور بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے  
 کہ انہوں نے اپنی تعمیرات میں بڑے بڑے ستون بنائے ہوئے تھے۔ ان کے پاس حضرت ہود علیہ السلام کو  
 پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا جن کا مفصل واقعہ سورۃ اعراف (۶۵: ۷) اور سورۃ ہود (۵۰: ۱۱) میں گزر چکا ہے۔  
 (۵) قوم ثمود کے پاس حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اُن کے تعارف کے لئے دیکھئے  
 سورۃ اعراف (۷۳: ۷)۔

(۶) فرعون کو میخوں والا اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو سزا دینے کے لئے اُن کے ہاتھ پاؤں میں میخیں  
 گاڑ دیا کرتا تھا۔



فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾  
وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَلْ لَا  
تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحْضُونَ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا  
لَمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكَّادًا ﴿٢١﴾ وَجَاءَ  
رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِئْتُ عِيَّ مِمَّنْ بَهِتَ الْيَوْمَ مِنْ أَلْفِ نَفْسٍ  
وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ﴿٢٣﴾

لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اُس کا پروردگار اُسے آزماتا ہے، اور انعام و اکرام سے نوازتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ: ”میرے پروردگار نے میری عزت کی ہے۔“ ﴿۱۵﴾ اور دوسری طرف جب اُسے آزماتا ہے، اور اُس کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ: ”میرے پروردگار نے میری توہین کی ہے۔“ ﴿۱۶﴾ ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے، ﴿۱۷﴾ اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے، ﴿۱۸﴾ اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، ﴿۱۹﴾ اور مال سے بے حد محبت کرتے ہو۔ ﴿۲۰﴾ ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، ﴿۲۱﴾ اور تمہارا پروردگار اور قطاریں باندھے ہوئے فرشتے (میدانِ حشر میں) آئیں گے، ﴿۲۲﴾ اور اُس دن جہنم کو سامنے لایا جائے گا، تو اُس دن انسان کو سمجھ آئے گی، اور اُس وقت سمجھ آنے کا موقع کہاں ہوگا؟ ﴿۲۳﴾

(۷) اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم اپنی حکمت کے مطابق فرمائی ہے، لہذا رزق میں تنگی ہو تو اُسے اپنی توہین سمجھنا بھی غلط ہے، اور رزق میں زیادتی ہو تو اُسے لازماً اپنی عزت سے تعبیر کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے لوگوں کو مال و دولت سے نوازا ہے جو نیک نہیں ہیں۔

(۸) یعنی اُس وقت اگر کوئی شخص ایمان لانا بھی چاہے تو ایمان اُس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگا۔ ایمان تو وہی معتبر ہے جو قیامت اور موت کے آنے سے پہلے پہلے ہو۔

يَقُولُ يَلِيَّتِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٣﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿٢٤﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٦﴾ ارجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٧﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٢٨﴾ وَادْخُلِي جَنَّاتٍ ﴿٢٩﴾

۱۳

وہ کہے گا کہ: ”کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ آگے بھیج دیا ہوتا!“ ﴿۲۴﴾ پھر اُس دن اللہ کے برابر کوئی عذاب دینے والا نہیں ہوگا، ﴿۲۵﴾ اور نہ اُس کے جکڑنے کی طرح کوئی جکڑنے والا ہوگا۔ ﴿۲۶﴾ (البتہ نیک لوگوں سے کہا جائے گا کہ: ”اے وہ جان جو (اللہ کی اطاعت میں) چین پا چکی ہے! ﴿۲۷﴾ اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ کر آ جا کہ تو اُس سے راضی ہو، اور وہ تجھ سے راضی، ﴿۲۸﴾ اور شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں، ﴿۲۹﴾ اور داخل ہو جا میری جنت میں۔“ ﴿۳۰﴾

(۹) یہ قرآن کریم کے اصل لفظ ”نفس مطمئنہ“ کا ترجمہ ہے۔ اس سے مراد انسان کا وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے کرتے بالکل سکون پا گیا ہو، اور نافرمانی سے محفوظ ہو گیا ہو۔

مکہ مکرمہ شب ۴ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ ۵ ستمبر ۲۰۰۸ء

ایاتھا ۲۰ ۹۰ سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۲۵ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۱؎ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۲؎ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ ۳؎ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۴؎ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۵؎ يَقُوْلُ اَهْلِكْتُ مَا لَا لُبَدًا ۶؎ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَوْا اَحَدًا ۷؎ اَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۸؎ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۹؎ وَهَدَيْنٰهُ النُّجْدَيْنِ ۱۰؎

اس کی سورت میں بیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی ﴿۱﴾ جبکہ (اے پیغمبر!) تم اس شہر میں مقیم ہو، ﴿۲﴾ اور (قسم کھاتا ہوں) باپ کی اور اُس کی اولاد کی، ﴿۳﴾ کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ ﴿۴﴾ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس پر کسی کا بس نہیں چلے گا؟ ﴿۵﴾ کہتا ہے کہ: ”میں نے ڈھیروں مال اڑا ڈالا ہے۔“ ﴿۶﴾ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس کو کسی نے دیکھا نہیں؟ ﴿۷﴾ کیا ہم نے اُسے دو آنکھیں نہیں دیں؟ ﴿۸﴾ اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ ﴿۹﴾ اور ہم نے اُس کو دونوں راستے بتا دیئے ہیں۔ ﴿۱۰﴾

(۱) اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے، اور اُس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقیم ہونے کی بنا پر اُس کے تقدس میں اور اضافہ ہوا ہے، کیونکہ آپ کی تشریف آوری کے لئے اس شہر کا انتخاب فرما کر اللہ تعالیٰ نے اُس کی شان اور بڑھادی ہے۔ اس جملے کی دو تفسیریں اور بھی ہیں جن کی تفصیل ”معارف القرآن“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) باپ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور چونکہ تمام انسان انہی کی اولاد ہیں، اس لئے اس آیت میں تمام نوع انسانی کی قسم کھائی گئی ہے۔

(۳) یہ ہے وہ بات جو قسم کھا کر فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں انسان کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی مشقت میں لگا رہتا ہے۔ چاہے کوئی کتنا بڑا حاکم ہو، یا دولت مند شخص ہو، اُسے زندہ رہنے کے لئے مشقت اٹھانی ہی پڑتی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اُسے دُنیا میں کبھی کوئی محنت کرنی نہ پڑے تو یہ اُس کی خام خیالی ہے۔ ایسا کبھی ممکن ہی نہیں ہے۔ ہاں مکمل راحت کی زندگی جنت کی زندگی ہے جو دُنیا میں کی ہوئی محنت کے نتیجے میں ملتی ہے۔ ہدایت یہ دی گئی ہے کہ انسان کو دُنیا میں جب کسی مشقت کا سامنا ہو تو اُسے یہ حقیقت یاد کرنی چاہئے۔ خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو مکہ مکرمہ میں جو تکلیفیں پیش آرہی تھیں، اس آیت نے اُن کو بھی تسلی دی ہے۔ اور یہ بات کہنے کے لئے اول تو شہر مکہ کی قسم کھائی ہے، شاید اس لئے کہ مکہ مکرمہ کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کا سب سے مقدس شہر بنایا ہے، لیکن وہ شہر بذاتِ خود مشقتوں سے بنا، اور اُس کے تقدس سے فائدہ اٹھانے کے لئے آج بھی مشقت کرنی پڑتی ہے، پھر خاص طور پر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقیم ہونے کا حوالہ دینے میں شاید یہ اشارہ ہے کہ افضل ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم افضل ترین شہر میں مقیم ہیں، لیکن مشقتیں اُن کو بھی اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی ساری اولاد کی قسم کھانے سے اشارہ ہے کہ انسان کی پوری تاریخ پر غور کر جاؤ، یہ حقیقت ہر جگہ نظر آئے گی کہ انسان کی زندگی مشقتوں سے پُر رہی ہے۔

(۴) مکہ مکرمہ میں کئی کافر ایسے تھے جنہیں اپنی جسمانی طاقت پر ناز تھا۔ جب انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو وہ کہتے کہ ہمیں کوئی قابو نہیں کر سکتا۔ نیز وہ آپس میں دکھاوے کے طور پر کہتے تھے کہ ہم نے ڈھیر ساری دولت خرچ کی ہے۔ اور خرچ کرنے کو اڑا ڈالنے سے تعبیر اس لئے کرتے کہ گویا ہمیں اس خرچ کی بالکل پروا بھی نہیں ہوئی۔ خاص طور پر یہ بات وہ اُس دولت کے بارے میں کہتے تھے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی میں خرچ کی۔

(۵) یعنی جو کچھ خرچ کیا، دکھاوے کے لئے کیا، پھر اُس پر ناز کرنا کیسا؟ کیا اللہ تعالیٰ دیکھ نہیں رہے تھے کہ وہ کس کام میں اور کس مقصد سے خرچ کر رہا ہے۔

(۶) انسان کو اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی دونوں کے راستے دکھادیئے ہیں، اور اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی سے جو راستہ چاہو اختیار کر سکتے ہو، لیکن بدی کا راستہ اختیار کرو گے تو سزا ہوگی۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۚ فَكُنْ رَقَبَةً ۚ أَوْ اطَّعِمْ  
 فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۚ يَتَّبِعُنَا ذَامِقْرَبَةً ۚ أَوْ مَسْكِينًا ذَامْثَرَبَةً ۚ ثُمَّ  
 كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَةِ ۚ أُولَٰئِكَ  
 أَصْحَابُ الْبَيْتَةِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَيْتِ هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْئَةِ ۚ  
 عَلَيْهِمْ نَارُ مُؤَصَّدَةٍ ۚ

پھر بھی وہ اُس گھائی میں داخل نہیں ہو سکا، ﴿۱۱﴾ — اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ گھائی کیا ہے؟ ﴿۱۲﴾  
 کسی کی گردن (غلامی سے) چھڑا دینا، ﴿۱۳﴾ یا پھر کسی بھوک والے دن میں کھانا  
 کھلا دینا ﴿۱۴﴾ کسی رشتہ دارِ یتیم کو، ﴿۱۵﴾ یا کسی مسکین کو جو مٹی میں رُل رہا ہو، — ﴿۱۶﴾  
 پھر وہ اُن لوگوں میں بھی شامل نہ ہوا جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے ایک دوسرے کو ثابت  
 قدمی کی تاکید کی ہے، اور ایک دوسرے کو رحم کھانے کی تاکید کی ہے۔ ﴿۱۷﴾ یہی وہ لوگ ہیں جو  
 بڑے نصیب والے ہیں، ﴿۱۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہے، وہ نحوست  
 والے لوگ ہیں۔ ﴿۱۹﴾ اُن پر ایسی آگ مسلط ہوگی جو اُن پر بند کر دی جائے گی۔ ﴿۲۰﴾

(۷) گھائی دو پہاڑوں کے درمیانی راستے کو کہتے ہیں۔ عام طور سے جنگ کے دوران ایسے راستے کو دشمن سے  
 بچنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے، اور یہاں گھائی میں داخل ہونے سے مراد ثواب کے کام کرنا ہے، جیسے کہ اگلی  
 آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خود تشریح فرمادی ہے۔ ان کو گھائی میں داخل ہونا اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کو اللہ  
 تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں مدد دیتے ہیں۔

(۸) یہ ”أَصْحَابُ الْبَيْتَةِ“ کا ترجمہ ہے، اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”وہ دائیں ہاتھ والے ہیں“ اور  
 ان سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

- (۹) یہ ”اصْطَبُ الشَّيْءَ“ کا ترجمہ ہے، اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”وہ باتیں ہاتھ والے ہیں“ اور ان سے مراد وہ بدکار ہیں جن کا اعمال نامہ باتیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔
- (۱۰) یعنی اُس کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے، تاکہ دوزخیوں کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

سورہ بلد کا ترجمہ اور حواشی ۵ / رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کو بفضلہ تعالیٰ مکہ مکرمہ ہی میں تکمیل کو پہنچے جہاں کی اس سورت میں قسم کھائی گئی ہے۔

تَقَبَّلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَاکْرَمَنِي بِتَوْفِيقِهِ

آیاتھا ۱۵ ۹۱ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ رُكُوْعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۝<sup>(۱)</sup> وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ۝<sup>(۲)</sup> وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا ۝<sup>(۳)</sup> وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَاهَا ۝<sup>(۴)</sup> وَالسَّيِّءُ وَمَا بَنَاهَا ۝<sup>(۵)</sup> وَالْأَرْضُ وَمَا طَحَّهَا ۝<sup>(۶)</sup> وَنَفْسٌ وَمَا سَوَّاهَا ۝<sup>(۷)</sup> فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝<sup>(۸)</sup>

پندرہ آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے سورج کی اور اُس کی پھیلی ہوئی دھوپ کی،<sup>(۱)</sup> اور چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے آئے،<sup>(۲)</sup> اور دن کی جب وہ سورج کا جلوہ دکھادے،<sup>(۳)</sup> اور رات کی جب وہ اُس پر چھا کر اُسے چھپالے،<sup>(۴)</sup> اور قسم ہے آسمان کی، اور اُس کی جس نے اُسے بنایا،<sup>(۵)</sup> اور زمین کی، اور اُس کی جس نے اُسے بچھایا،<sup>(۶)</sup> اور انسانی جان کی، اور اُس کی جس نے اُسے سنوارا،<sup>(۷)</sup> پھر اُس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اُس کے لئے بدکاری کی ہے، اور وہ بھی جو اُس کے لئے پرہیزگاری کی ہے،<sup>(۸)</sup>

(۱) سورج کو عربی میں ”شمس“ کہتے ہیں، اور اسی کے نام پر اس سورت کا نام سورۃ الشمس ہے۔ سورت میں اصل مضمون یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں نیکی اور بدی دونوں قسم کے تقاضے پیدا فرمائے ہیں، اب انسان کا کام یہ ہے کہ وہ نیکی کے تقاضوں پر عمل کرے، اور بُرائی سے اپنے آپ کو روکے۔ یہ بات کہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور دن اور رات کی قسمیں کھائی ہیں۔ اس میں شاید اشارہ یہ ہے کہ

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۖ ۝۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُودُ  
 بِطَغْوَاهَا ۖ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ۖ ۝۱۱ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ  
 وَسُقْيَاهَا ۖ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوْهَا ۖ فَذَمُّدَمْ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ يَذَّيْبُهُمْ فَنَسَوْهُا ۖ ۝۱۲  
 لَا يَخَافُ عَقْبَاهَا ۖ ۝۱۵

۱  
 ۱۵  
 ۱۶

فلاح اُسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے، ﴿۹﴾ اور نامراد وہ ہوگا جو اُس کو (گناہ میں) دھنسا دے۔ ﴿۱۰﴾ قوم ثمود نے اپنی سرکشی سے (پیغمبر کو) جھٹلایا، ﴿۱۱﴾ جب ان کا سب سے سنگدل شخص اُٹھ کھڑا ہوا، ﴿۱۲﴾ تو اللہ کے پیغمبر نے اُن سے کہا کہ: ”خبردار! اللہ کی اُونٹنی کا اور اُس کے پانی پینے کا پورا خیال رکھنا“۔ ﴿۱۳﴾ پھر بھی اُنہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا، اور اُس اُونٹنی کو مار ڈالا۔ نتیجہ یہ کہ اُن کے پروردگار نے اُن کے گناہ کی وجہ سے اُن کی اینٹ سے اینٹ بجا کر سب کو برابر کر دیا۔ ﴿۱۴﴾ اور اللہ کو اس کے کسی بُرے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے۔ ﴿۱۵﴾

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورج کی اور دِن کی روشنی بھی پیدا کی ہے، اور رات کا اندھیرا بھی، اسی طرح انسان کو نیکی کے کاموں کی بھی صلاحیت دی ہے، اور بدی کے کاموں کی بھی۔

(۲) نفس کو پاکیزہ بنانے کا مطلب یہی ہے کہ انسان کے دِل میں جو اچھی خواہشات اور اچھے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اُنہیں ابھار کر اُن پر عمل کرے، اور جو بُری خواہشات یا جذبات پیدا ہوتے ہیں، اُنہیں دبائے۔ اسی طرح مسلسل مشق کرتے رہنے سے نفس پاکیزہ ہو کر وہ نفس مطمئن بن جاتا ہے جس کا ذکر سورۃ الفجر کی آخری آیتوں میں گزرا ہے۔

(۳) قوم ثمود کے مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے یہ اُونٹنی پیدا فرمائی تھی، اور لوگوں سے کہا تھا کہ ایک دن کنویں سے یہ پانی پئے گی، اور دوسرے دن تم پانی بھر لیا کرنا۔ لیکن اس قوم کے ایک سنگدل شخص نے جس کا نام ”قدار“ بتایا جاتا



ہے، اُونٹنی کو قتل کر دیا، اُس کے بعد اس قوم پر عذاب آیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ اعراف (۷: ۷۳) اور اُس کا حاشیہ۔

(۴) یعنی سب فنا ہو گئے، اور کوئی باقی نہیں بچا۔

(۵) جب انسانوں کا کوئی لشکر کسی بستی میں تباہی مچائے تو اُسے یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ کوئی اُس سے انتقام نہ لے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو ہلاک کرتا ہے تو اُسے کسی کے انتقام کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

کراچی، شب ۸ / رمضان ۱۴۲۹ھ ۹ / ستمبر ۲۰۰۸ء

ایاتھا ۲۱ ﴿۹۲﴾ سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۹ ﴿۹۱﴾ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

وَالْبَلَدِ إِذَا يَعْشَى ۱ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۳  
إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى ۴ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۶  
فَسَيُسَّرُهُ لِلْيُسْرَى ۷

اس مکی سورت میں اکیس آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے، ﴿۱﴾ اور دن کی جب اُس کا اُجالا پھیل جائے، ﴿۲﴾ اور  
اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا، ﴿۳﴾ کہ حقیقت میں تم لوگوں کی کوششیں الگ الگ  
قسم کی ہیں۔ ﴿۴﴾ اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقویٰ اختیار کیا، ﴿۵﴾  
اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا، ﴿۶﴾ تو ہم اُس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری  
کر ادیں گے۔ ﴿۷﴾

(۱) کوششوں سے مراد اعمال ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال مختلف قسم کے ہیں، اچھے بھی اور بُرے  
بھی، اور اُن اعمال کے نتائج بھی مختلف ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ یہ بات کہنے کے لئے رات اور دن کی قسم  
کھانے کا شاید یہ مقصد ہے کہ جس طرح رات اور دن کے نتائج مختلف ہیں، اسی طرح نیکی اور بدی کے نتائج بھی  
مختلف ہیں۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے نر اور مادہ کی خاصیتیں الگ الگ رکھی ہیں، اسی طرح اعمال کی خاصیتیں  
بھی جدا جدا ہیں۔

(۲) سب سے اچھی بات سے مراد دین اسلام اور اُس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی جنت ہے۔

(۳) آرام کی منزل سے مراد جنت ہے، کیونکہ حقیقی آرام کی جگہ وہی ہے، دُنیا میں تو ہر آرام کے ساتھ کوئی نہ کوئی  
تکلیف لگی رہتی ہے۔ اور تیاری کرانے سے مراد یہ ہے کہ اُن اعمال کی توفیق دیں گے جو جنت تک پہنچانے

وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۖ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۖ ﴿١٠﴾ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ۖ ﴿١١﴾ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۖ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ  
وَالْأُولَىٰ ۖ ﴿١٣﴾ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ۖ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۖ ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَ  
تَوَلَّىٰ ۖ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۖ ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۖ ﴿١٨﴾ وَمَالًا حَدِيدًا ۖ ﴿١٩﴾  
إِذَا ابْتِغَاءً وَجْهَ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۖ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۖ ﴿٢١﴾

رہا وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا، اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی، ﴿۸﴾ اور سب سے اچھی بات کو جھٹلایا، ﴿۹﴾ تو ہم اُس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کر دیں گے۔ ﴿۱۰﴾ اور جب ایسا شخص تباہی کے گڑھے میں گرے گا تو اُس کا مال اُس کے کچھ کام نہیں آئے گا۔ ﴿۱۱﴾ یہ سچ ہے کہ راستہ بتلا دینا ہمارے ذمے ہے، ﴿۱۲﴾ اور یہ بھی سچ ہے کہ آخرت اور دُنیا دونوں ہمارے قبضے میں ہیں۔ ﴿۱۳﴾ لہذا میں نے تمہیں ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے خبردار کر دیا ہے۔ ﴿۱۴﴾ اس آگ میں کوئی اور نہیں، وہی بد بخت داخل ہوگا ﴿۱۵﴾ جس نے حق کو جھٹلایا، اور منہ موڑا، ﴿۱۶﴾ اور اُس سے ایسے پرہیزگار شخص کو دُور رکھا جائے گا ﴿۱۷﴾ جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے (اللہ کے راستے میں) دیتا ہے، ﴿۱۸﴾ حالانکہ اُس پر کسی کا کوئی احسان نہیں تھا جس کا بدلہ دیا جاتا، ﴿۱۹﴾ البتہ وہ صرف اپنے اُس پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہے جس کی شان سب سے اُوپچی ہے۔ ﴿۲۰﴾ یقین رکھو ایسا شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔ ﴿۲۱﴾

والے ہوں۔ واضح رہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ ”نيسرة“ آیا ہے، اُس کا ترجمہ جو ”تیاری کر دینے“ سے کیا گیا ہے، وہ اس لفظ کی تشریح میں علامہ آلوسی کی پیروی میں کیا گیا ہے (دیکھئے روح المعانی ۵۱۲:۳۰)۔

(۴) تکلیف کی منزل سے مراد دوزخ ہے، کیونکہ حقیقی تکلیف وہیں کی ہے۔ اور تیاری کرانے سے مراد یہ ہے کہ وہ جس جس گناہ میں مبتلا ہونا چاہے گا، اُسے مبتلا ہونے دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے نیکی کی توفیق

نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ہولناک وعید سے محفوظ رکھیں۔ آمین

(۵) لہذا یہ حق ہم کو ہی حاصل ہے کہ دنیا میں رہنے کے لئے انسان کو احکام اور ہدایات عطا فرمائیں، اور آخرت میں اُن احکام و ہدایات کی تعمیل یا خلاف ورزی پر ثواب اور عذاب کا فیصلہ کریں۔

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو کچھ خرچ کرتا ہے، اُس میں دکھاوا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے خرچ کرنے سے انسان کو اخلاقی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف میں نازل ہوئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہت مال خرچ کرتے تھے۔ تاہم الفاظ عام ہیں، اور ہر اُس شخص کے لئے خوشخبری پر مشتمل ہیں جو ان صفات کا حامل ہو۔

(۷) اس مختصر جملے میں نعمتوں کی ایک کائنات پوشیدہ ہے۔ یعنی جنت میں اُس کو اپنے اعمال کا ایسا صلہ ملے گا کہ وہ صحیح معنی میں خوش ہو جائے گا۔

کراچی، شب ۸، رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

آیتھا ۱۱ ۹۳ سُورَةُ الضُّحَىٰ مَكِّيَّةٌ ۱۱ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالضُّحَىٰ ۝۱ وَاللَّيْلُ إِذَا سَجَىٰ ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلَىٰ ۝۳ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ  
مِنَ الْأُولَىٰ ۝۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝۵ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝۶  
وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝۷ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝۸ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا  
تَقْهَرُ ۝۹ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ ۝۱۰ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثُ ۝۱۱

اس کی سورت میں گیارہ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، ﴿۱﴾ اور رات کی جب اُس کا اندھیرا بیٹھ جائے، ﴿۲﴾ کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا ہے، ﴿۳﴾ اور یقیناً آگے آنے والے حالات تمہارے لئے پہلے حالات سے بہتر ہیں۔ ﴿۴﴾ اور یقین جانو کہ عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ ﴿۵﴾ کیا اُس نے تمہیں یتیم نہیں پایا تھا، پھر تمہیں) ٹھکانا دیا؟ ﴿۶﴾ اور تمہیں راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا، ﴿۷﴾ اور تمہیں نادار پایا تو غنی کر دیا۔ ﴿۸﴾ اب جو یتیم ہے، تم اُس پر سختی مت کرنا، ﴿۹﴾ اور جو سوال کرنے والا ہو، اُسے جھڑکنا نہیں، ﴿۱۰﴾ اور جو تمہارے پروردگار کی نعمت ہے، اُس کا تذکرہ کرتے رہنا۔ ﴿۱۱﴾

(۱) نبوت کے بعد شروع شروع میں کچھ دن ایسے گزرے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وحی نہیں آئی، اس پر ابولہب کی بیوی نے طعنہ دیا کہ تمہارے پروردگار نے ناراض ہو کر تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ اُس پر یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ ”ضحیٰ“ عربی میں دن چڑھنے کے وقت جو روشنی ہوتی ہے، اُس کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ

نے پہلی آیت میں اُس کی قسم کھائی ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الضحیٰ ہے۔ اور چڑھتے دن اور اندھیری رات کی قسم کھانے سے غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ رات کو جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب دن کی روشنی نہیں آئے گی، اسی طرح اگر کسی مصلحت کی وجہ سے وحی کچھ دن نہیں آئی تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہو گیا ہے۔

(۲) آگے آنے والے حالات سے مراد آخرت کی نعمتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور پہلے حالات سے دُنیا، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہر آن آپ کے درجات میں ترقی ہوتی رہے گی، اور دشمنوں کی طرف سے آپ کو جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، آخر کار وہ دُور ہو کر آپ ہی کا بول بالا ہوگا۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے، اور والدہ کا بھی بہت کم عمری میں انتقال ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا عبدالمطلب اور آپ کے چچا ابوطالب کے دل میں آپ کی ایسی محبت ڈال دی کہ انہوں نے آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھ کر پالا تھا۔

(۴) یعنی آپ وحی نازل ہونے سے پہلے شریعت کے احکام سے ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو شریعت عطا فرمائی۔ نیز بعض روایتوں میں کچھ ایسے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں جن میں آپ کسی سفر کے دوران راستہ بھول گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی طریقے پر آپ کو راستے پر لگا دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اس قسم کے کسی واقعے کی طرف بھی اشارہ ہو۔

(۵) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ نے تجارت میں جو شرکت فرمائی، اُس سے آپ کو اچھا خاصا نفع حاصل ہوا تھا۔

(۶) سوال کرنے والے سے مراد وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جو مالی مدد چاہتا ہو، اور وہ بھی جو حق طلبی کے ساتھ دین کے بارے میں کوئی سوال کرنا چاہتا ہو۔ دونوں کو جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی عذر ہو تو نرمی سے معذرت کر لینی چاہئے۔

ایاتھا ۸ ۹۴ سُورَةُ الْفَتْحَةِ مَكِّيَّةٌ ۱۲ رُكُوعًا ۱

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝<sup>(۱)</sup> وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝<sup>(۲)</sup> الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝<sup>(۳)</sup>  
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝<sup>(۴)</sup> فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝<sup>(۵)</sup> إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝<sup>(۶)</sup> فَإِذَا  
فَرَغْتَ فَأَنْصَبْ ۝<sup>(۷)</sup> وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝<sup>(۸)</sup>

یہ مکی سورت آٹھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ ﴿۱﴾ اور ہم نے تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار دیا ہے ﴿۲﴾ جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی، ﴿۳﴾ اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تڑکرے کو اُونچا مقام عطا کر دیا ہے۔ ﴿۴﴾ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، ﴿۵﴾ یقیناً مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ ﴿۶﴾ لہذا جب تم فارغ ہو جاؤ تو (عبادت میں) اپنے آپ کو تھکاؤ، ﴿۷﴾ اور اپنے پروردگار ہی سے دل لگاؤ۔ ﴿۸﴾

(۱) جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سونپی گئیں تو شروع میں آپ نے اُن کا زبردست بوجھ محسوس فرمایا۔ اس بوجھ کی وجہ سے شروع میں آپ بے چین رہتے تھے۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ حوصلہ عطا فرمایا جس کے نتیجے میں آپ نے مشکل سے مشکل کام انتہائی اطمینان اور سکون کے ساتھ انجام دیئے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے اسی انعام کا تذکرہ ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کو یہ بلند مقام عطا فرمایا ہے کہ دُنیا کے ہر خطے میں پانچ وقت آپ کا مبارک نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسجدوں سے بلند ہوتا ہے۔ نیز آپ کے مبارک تذکرے دُنیا بھر میں انتہائی عقیدت کے ساتھ ہوتے ہیں، اور انہیں ایک عظیم عبادت قرار دیا جاتا ہے۔ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ شروع میں آپ کو فرائض رسالت کی ادائیگی میں جو مشکلات پیش آرہی ہیں، وہ عنقریب آسانی میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اُس کے ساتھ ایک عام قاعدے کے طور پر یہ حقیقت بتلا کر عام انسانوں کو بھی یہ سبق دیا گیا ہے کہ دُنیا میں مشکلات پیش آئیں تو یہ سمجھ لیں کہ ان کے بعد آسانی کا وقت بھی آئے گا۔

(۴) ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیت تمام تر دین ہی کے لئے تھی، تبلیغ ہو یا تعلیم، جہاد ہو یا حکمرانی، سارے کام ہی دین کے لئے ہونے کی وجہ سے بذاتِ خود عبادت کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن فرمایا جا رہا ہے کہ جب ان کاموں سے فراغت ہو تو خالص عبادت، مثلاً نفل نمازوں، اور زبانی ذکر وغیرہ میں اتنے لگئے کہ جسم تھکنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہوں، اُن کو بھی کچھ وقت خالص نفل عبادتوں کے لئے مخصوص کرنا چاہئے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے، اور اسی سے دوسرے دینی کاموں میں برکت پیدا ہوتی ہے۔



آیاتھا ۸ ۹۵ سُورَةُ التِّينِ مَكِّيَّةٌ ۲۸ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

والتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۱ وَطُورِ سِينِينَ ۲ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۳ لَقَدْ خَلَقْنَا  
الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۴ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۵ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدَ الدِّينِ ۷  
عَ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَكَمِينَ ۸

آٹھ آیتوں پر مشتمل یہ سورت بھی مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے انجیر اور زیتون کی، ﴿۱﴾ اور صحرائے سینا کے پہاڑ طور کی، ﴿۲﴾ اور اس امن و امان والے  
شہر کی، ﴿۳﴾ کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے، ﴿۴﴾ پھر ہم اُسے پستی  
والوں میں سب سے زیادہ پگھلی حالت میں کر دیتے ہیں، ﴿۵﴾ سوائے اُن کے جو ایمان لائے،  
اور انہوں نے نیک عمل کئے، تو اُن کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ﴿۶﴾ پھر (اے انسان!)  
وہ کیا چیز ہے جو تجھے جزا و سزا کو جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے؟ ﴿۷﴾ کیا اللہ سارے حکمرانوں سے  
بڑھ کر حکمران نہیں ہے؟ ﴿۸﴾

(۱) انجیر اور زیتون فلسطین اور شام میں زیادہ پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ان سے فلسطین کے علاقے کی طرف  
اشارہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا، اور انہیں انجیل عطا فرمائی گئی تھی۔ اور صحرائے سینا  
کا پہاڑ طور وہ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی تھی، اور ”اس امن و امان والے شہر“ سے  
مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا، اور آپ پر قرآن کریم نازل ہوا۔ ان  
تینوں کی قسم کھانے سے مقصود یہ ہے کہ جو بات آگے کہی جا رہی ہے، وہ ان تینوں کتابوں میں درج ہے، اور تینوں

پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو بتائی ہے۔

(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ مؤمن نہ ہوں، وہ دنیا میں چاہے کتنے خوبصورت رہے ہوں، آخرت میں وہ انتہائی پخلی حالت کو پہنچ جائیں گے، کیونکہ انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا، اسی لئے آگے اُن انسانوں کا استثنا کیا گیا ہے جو ایمان لائیں، اور نیک عمل کریں۔ اور اکثر مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہر انسان بڑھاپے میں جا کر انتہائی خستہ حالت کو پہنچ جاتا ہے۔ اُس کی خوبصورتی بھی جاتی رہتی ہے، اور طاقت بھی جواب دے جاتی ہے، اور آئندہ کسی اچھی حالت کے واپس آنے کی انہیں کوئی اُمید نہیں ہوتی، کیونکہ وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہوتے۔ البتہ نیک مسلمان چاہے اس بڑھاپے کی بُری حالت کو پہنچ جائیں، لیکن اُن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ بُری حالت عارضی ہے، اور آگے دوسری زندگی آنے والی ہے جس میں ان شاء اللہ انہیں بہترین نعمتیں میسر آئیں گی، اور یہ عارضی تکلیفیں ختم ہو جائیں گی۔ اس احساس کی وجہ سے ان کی بڑھاپے کی تکلیفیں بھی ہلکی ہو جاتی ہیں۔

(۳) ابوداؤد اور ترمذی کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کو پڑھنے کے وقت یہ کہنا مستحب ہے کہ: ”بَلِّیْ، وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ“ (کیوں نہیں؟ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سارے حکمرانوں سے بڑھ کر حکمران ہے)۔

کراچی شب ۹ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

ایاتھا ۱۹ ﴿۹۶﴾ سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۱ ﴿۱﴾ رُكُوعًا ۱ ﴿۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اقْرَأْ وَرَبُّكَ  
الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵

انیس آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا، ﴿۱﴾ اُس نے انسان کو جنمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ ﴿۲﴾ پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، ﴿۳﴾ جس نے قلم سے تعلیم دی، ﴿۴﴾ انسان کو اُس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ﴿۵﴾

(۱) اس سورت کی پہلی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حراء میں نازل ہوئی۔ آپ نبوت سے پہلے کئی کئی دن اس غار میں عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک روز اسی دوران حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، اور آپ کو دایا، اور کہا کہ: ”پڑھو“ آپ نے فرمایا کہ: ”میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“ یہ مکالمہ تین مرتبہ ہوا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ پانچ آیتیں پڑھیں۔

(۲) اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ تعلیم دینے کا عام طریقہ یہی ہے کہ قلم سے لکھی ہوئی کوئی تحریر پڑھوائی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی کسی کو تعلیم دے سکتا ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمی ہونے کے باوجود وہ علوم عطا فرمائے گا جو کتاب سے پڑھنے والوں کے خیال میں بھی نہیں آئے۔

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّاظٍ ۚ (۱) أَنْ رَأَاهُ اسْتَعْجَلْنِي ۖ (۲) إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۖ (۳) أَرَأَيْتَ الَّذِي يُنْفِقُ ۖ (۴) عَبْدًا إِذَا ضَلَّىٰ ۖ (۵) أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَىٰ الْهُدَىٰ ۖ (۶) أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۖ (۷) أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۖ (۸) أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۖ (۹) كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۖ (۱۰) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۖ (۱۱) فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۖ (۱۲) سَدِّدْ عُرْ الرَّبَّانِيَّةَ ۖ (۱۳) كَلَّا ۖ لَا تَطْعُهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۖ (۱۴)

۱۴ سجدة ۱۴

حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلی سرکشی کر رہا ہے ﴿۶﴾ کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے۔ ﴿۷﴾ سچ تو یہ ہے کہ تمہارے پروردگار ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ ﴿۸﴾ بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ ﴿۹﴾ بھلا بتلاؤ کہ اگر وہ (نماز پڑھنے والا) ہدایت پر ہو، ﴿۱۰﴾ یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو، (تو کیا اُسے روکنا گمراہی نہیں؟) ﴿۱۱﴾ بھلا بتلاؤ کہ اگر وہ (روکنے والا) حق کو جھٹلاتا ہو، اور منہ موڑتا ہو، ﴿۱۲﴾ کیا اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ﴿۱۳﴾ خبردار! اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم (اُسے) پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، ﴿۱۴﴾ اُس پیشانی کے بال جو جھوٹی ہے، گنہگار ہے۔ ﴿۱۵﴾ اب وہ بلا لے اپنی مجلس والوں کو! ﴿۱۶﴾ ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔ ﴿۱۷﴾ ہرگز نہیں! اُس کی بات نہ مانو، اور سجدہ کرو، اور قریب آ جاؤ۔ ﴿۱۸﴾

(۳) یہاں سے سورت کے آخر تک جو آیتیں ہیں، وہ غارِ حراء کے مذکورہ بالا واقعے کے کافی بعد نازل ہوئی تھیں۔ اور اُن کا واقعہ یہ ہے کہ ابو جہل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھ رہے تھے تو اُس نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع کیا، اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ نے نماز پڑھی تو میں (معاذ اللہ) آپ کی گردن کو پاؤں سے پھیل دوں گا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

(۴) یعنی اپنے مال و دولت اور سرداری کی وجہ سے اپنے آپ کو بے نیاز اور بے پروا سمجھتا ہے کہ کوئی مجھے کچھ

نقصان نہیں پہنچا سکتا، اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سب کو آخر کار اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹنا ہے، وہاں یہ ساری بے نیازی اور بے پروائی دھری رہ جائے گی۔

(۵) شروع میں جب ابو جہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکا تھا تو آپ نے اُسے جھڑک دیا تھا۔ اُس پر ابو جہل نے کہا تھا کہ مکہ میں میری مجلس میں بڑا مجمع ہوتا ہے، وہ سب میرے ساتھ ہے۔ اُس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے لئے اپنی مجلس والوں کو بلائے گا تو ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ابو جہل آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے بڑھا تو تھا، لیکن پھر رُک گیا، ورنہ فرشتے اُس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے (الدر المنثور)۔

(۶) یہ بڑا پیار بھرا فقرہ ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا خاص قرب عطا ہوتا ہے۔ یہ آیت سجدے کی آیت ہے، اور اس کی تلاوت کرنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

## ابھا ۵ ۹۷ سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۲۵ رُكُوْعًا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا اَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝  
خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنْزِيْلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ فِيْهَا يٰٓاٰذُنْ رَّبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ  
اَمْرِ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

پانچ آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ (۱) اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ (۲) شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ (۳) اُس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کی اجازت سے ہر کام کے لئے اُترتے ہیں، (۴) وہ رات سراپا سلامتی ہے فجر کے طلوع ہونے تک۔ (۵)

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پورا قرآن لوح محفوظ سے اس رات میں اُتارا گیا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے تیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول سب سے پہلے شب قدر میں شروع ہوا۔ شب قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کسی رات میں ہوتی ہے۔ یعنی اکیسویں، تیسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا اثنیسویں رات میں۔

(۲) یعنی اس ایک رات میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینوں میں عبادت کرنے سے بھی زیادہ ہے۔ (۳) اس رات میں فرشتوں کے اُترنے کے دو مقصد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُس رات جو لوگ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، فرشتے اُن کے حق میں رحمت کی دُعا کرتے ہیں، اور دوسرا مقصد آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس رات میں سال بھر کے تقدیر کے فیصلے فرشتوں کے حوالے فرما دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنے اپنے وقت پر اُن کی تعمیل کرتے رہیں۔ ”ہر کام اُترنے“ کا یہی مطلب مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔

ایاتھا ۸ ۹۸ سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۰ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ  
الْبَيِّنَةُ ① رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً ② فِيهَا كُتِبَ قِيبَةُ ③ وَمَا  
تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ④

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے، وہ اُس وقت تک باز آنے والے نہیں تھے جب  
تک کہ اُن کے پاس روشن دلیل نہ آتی ① ﴿۱﴾ یعنی ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر  
سنائے، ﴿۲﴾ جن میں سیدھی سچی تحریریں لکھی ہوں۔ ﴿۳﴾ اور جو اہل کتاب تھے، اُنہوں نے جدا  
راستہ اُسی کے بعد اختیار کیا جب اُن کے پاس روشن دلیل آچکی تھی ② ﴿۲﴾

(۱) ان آیتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجنے کی وجہ بتائی جا رہی ہے، اور وہ یہ کہ جاہلیت کے  
زمانے میں جو کافر لوگ تھے، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا بت پرستوں میں سے، وہ اُس وقت تک اپنے  
کفر سے باز نہیں آسکتے تھے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک روشن دلیل اُن کے سامنے نہ  
آجاتی۔ چنانچہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر کھلے دل سے غور کیا، وہ واقعی اپنے کفر سے  
توبہ کر کے ایمان لے آئے۔ البتہ جن کی طبیعت میں ضد تھی، وہ اس نعمت سے محروم رہے۔

(۲) یہ اُن اہل کتاب کی بات ہو رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے روشن دلائل دیکھنے کے بعد  
بھی آپ پر ایمان نہیں لائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری کو ایک نعمت سمجھنے کے بجائے ان لوگوں  
نے ضد اور حسد کی وجہ سے آپ کی بات نہیں مانی، اور الگ راستہ اختیار کر لیا، حالانکہ ان کے پاس روشن دلیل  
آچکی تھی۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ خُنْفَاءً وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ  
يُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ  
وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ  
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَاءُ وَّهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
جَنَّاتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَاضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ  
رَاضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝

۱  
۶۸  
۲۴

اور انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ بندگی کو بالکل  
یکسو ہو کر صرف اُسی کے لئے خالص رکھیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور یہی سیدھی  
پہچائی امت کا دین ہے۔ ﴿۵﴾ یقین جانو کہ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر اپنالیا  
ہے، وہ جہنم کی آگ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ ساری مخلوق میں سب سے  
برے ہیں۔ ﴿۶﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ بیشک ساری مخلوق  
میں سب سے بہتر ہیں۔ ﴿۷﴾ اُن کے پروردگار کے پاس اُن کا انعام وہ سدا بہار جنتیں ہیں جن  
کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ وہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے خوش ہوگا، اور وہ اُس  
سے خوش ہوں گے۔ یہ سب کچھ اُس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار کا خوف دل میں رکھتا ہو۔ ﴿۸﴾

کراچی، شب ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ



آیتھا ۸ ۹۹ سُورَةُ الزَّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ۹۳ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ① وَأُخْرِجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ② وَقَالَ  
الْإِنْسَانُ مَالَهَا ③ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ④ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ⑤ يَوْمَئِذٍ  
يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ⑥ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا  
عَ ⑦ يَرَهُ ⑧ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ⑨

یہ مدنی سورت ہے، اور آٹھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی، ① اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے  
گی، ② اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ ③ اُس دن زمین اپنی ساری خبریں بتا دے  
گی، ④ کیونکہ تمہارے پروردگار نے اُسے یہی حکم دیا ہوگا۔ ⑤ اُس روز لوگ مختلف ٹولیوں  
میں واپس ہوں گے، تاکہ اُن کے اعمال انہیں دکھادیئے جائیں۔ ⑥ چنانچہ جس نے ذرہ برابر  
کوئی اچھائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا، ⑦ اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُسے  
دیکھے گا۔ ⑧ ⑨

(۱) یعنی سارے مُردے جو زمین میں دفن ہیں، وہ بھی باہر آجائیں گے، اور زمین میں جو خزانے دفن ہیں، زمین  
اُن کو بھی اُگل دے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس کسی نے مال کی خاطر کسی کو قتل کیا ہوگا، یا جس نے مال و  
دولت کی خاطر رشتہ داروں کا حق پامال کیا ہوگا، یا اُس کی خاطر چوری کی ہوگی، وہ اس مال کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ  
ہے وہ مال جس کی وجہ سے میں نے یہ گناہ کئے تھے۔ پھر کوئی بھی اس سونے چاندی کی طرف توجہ نہیں دے گا۔  
(۲) زمین پر کسی نے جو اچھے یا بُرے عمل کئے ہوں گے، زمین اُن کی گواہی دے گی۔

(۳) واپس آنے سے مراد قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف جانا بھی ہو سکتا ہے، اُس صورت میں اعمال دکھانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اعمال نامہ دکھا دیا جائے گا۔ اور واپسی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ حساب و کتاب سے فارغ ہو کر مختلف حالتوں میں واپس آئیں گے تاکہ انہیں اُن کے اعمال کا نتیجہ دکھا دیا جائے۔ نیک لوگوں کو اپنی نیکیوں کا انعام دکھا دیا جائے گا، اور بُرے لوگوں کو اُن کے اعمال کی ہزا دکھا دی جائے گی۔

(۴) بُرائی سے مراد وہ بُرائی ہے جس سے کسی شخص نے دنیا کی زندگی میں توبہ نہ کی ہو، کیونکہ سچی توبہ سے گناہ معاف ہو کر ایسے ہو جاتے ہیں جیسے وہ کئے ہی نہیں تھے، اور سچی توبہ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جس گناہ کی تلافی ممکن ہو، اُس کی تلافی بھی کی جائے۔ مثلاً کسی کا حق ہے تو اُسے دے دیا جائے، یا اُس سے معاف کر لیا جائے، یا فرائض چھوٹے ہیں تو اُن کی قضا کر لی جائے۔

آیتھا ۱۱ ۱۰۰ سُورَةُ الْغُلَاظِطِ مَكِّيَّةٌ ۱۲ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالْغُلَاظِطِ صُبْحًا ۝۱ قَالُوا بِرَيْتَ قَدْ حَا ۝۲ فَالْمُغِیْرَتِ صُبْحًا ۝۳ فَآثَرْنَ بِهٖ  
نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُودٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ  
لَشَهِیْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخٰیْرِ لَشَدِیْدٌ ۝۸ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝۹  
۱۰ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۝۱۱ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ۝۱۲

یہ مکی سورت گیارہ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپ ہانپ کر دوڑتے ہیں، ﴿۱﴾ پھر جو (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں  
اڑاتے ہیں، ﴿۲﴾ پھر صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں، ﴿۳﴾ پھر اُس موقع پر غبار اڑاتے  
ہیں، ﴿۴﴾ پھر اُسی وقت کسی جمگھٹے کے بچوں بچ جاتے ہیں، ﴿۵﴾ کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا  
ناشکر ہے، ﴿۶﴾ اور وہ خود اس بات کا گواہ ہے۔ ﴿۷﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ مال کی محبت میں  
بہت پکا ہے۔ ﴿۸﴾ بھلا کیا وہ وقت اُسے معلوم نہیں ہے جب قبروں میں جو کچھ ہے، اُسے باہر  
بکھیر دیا جائے گا، ﴿۹﴾ اور سینوں میں جو کچھ ہے، اُسے ظاہر کر دیا جائے گا۔ ﴿۱۰﴾ یقیناً اُن کا  
پروردگار اُس دن اُن (کی جو حالت ہوگی اُس) سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱﴾

(۱) اس سے مراد وہ جنگی گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر اُس زمانے میں لڑائیاں لڑی جاتی تھیں۔ ان کی قسم کھانے  
میں یہ اشارہ ہے کہ یہ گھوڑے اپنے مالکوں کے اتنے وفادار ہوتے تھے کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنے  
مالکوں کے حکم کی تعمیل بھی کرتے تھے، اور اُن کی جان کی حفاظت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے مضبوط جانور کو انسان کا  
ایسا تابع دار اور وفادار بنا دیا ہے۔ گنہگار انسان کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے مالک اور خالق کے اس احسان کا

شکر ادا کرنے کے بجائے اُس کی نافرمانی کرتا ہے اور اپنے پروردگار کا اتنا بھی وفادار نہیں جتنے اُس کے گھوڑے اُس کے وفادار ہوتے ہیں، چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ انسان، یعنی گنہگار انسان، بڑا ناشکرا ہے۔

(۲) یعنی اُس کا طرزِ عمل گواہی دیتا ہے کہ وہ ناشکرا ہے۔

(۳) اُس سے مراد مال کی وہ محبت ہے جو انسان کو اپنے دینی فرائض سے غافل کر دے، یا گناہوں میں مبتلا کر دے۔

(۴) یعنی مُردوں کو قبروں سے نکال دیا جائے گا، اور لوگوں کے سینوں میں چھپے ہوئے راز کھل جائیں گے۔

آیاتھا ۱۱ سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۰ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَا أَذْرُكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُونُ  
الْبَاسُ كُلُّ فَرَّاشٍ مُبْثُوثٍ ۝۴ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعُفُوشِ ۝۵ فَأَمَّا مَنْ  
ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝۶ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝۷ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝۸  
اعْلَامُهُ هَٰوِيَةٌ ۝۹ وَمَا أَذْرُكَ مَا هِيَةٌ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱

یہ کی سورت گیارہ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(یاد کرو) وہ واقعہ جو دل دہلا کر رکھ دے گا! ﴿۱﴾ کیا ہے وہ دل دہلانے والا واقعہ؟ ﴿۲﴾ اور تمہیں کیا معلوم وہ دل دہلانے والا واقعہ کیا ہے؟ ﴿۳﴾ جس دن سارے لوگ پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے، ﴿۴﴾ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے، ﴿۵﴾ اب جس شخص کے پلڑے وزنی ہوں گے ﴿۶﴾ تو وہ من پسند زندگی میں ہوگا، ﴿۷﴾ اور وہ جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے ﴿۸﴾ تو اُس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہوگا۔ ﴿۹﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گہرا گڑھا کیا چیز ہے؟ ﴿۱۰﴾ ایک دہکتی ہوئی آگ! ﴿۱۱﴾

کراچی، شب ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

ایاتھا ۸ سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۲ رُكُوْعًا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ ۝۱ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ النَّعِيْمَ ۝۸

ع ۱۲

یہ مکی سورت آٹھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (دُنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے، ﴿۱﴾ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو، ﴿۲﴾ ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، ﴿۳﴾ پھر (سن لو کہ:) ہرگز ایسا نہیں چاہئے۔ تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۴﴾ ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ یہ بات جانتے ہوتے (تو ایسا نہ کرتے) ﴿۵﴾ یقین جانو تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے، ﴿۶﴾ پھر یقین جانو کہ تم اُسے بالکل یقین کے ساتھ دیکھ لو گے۔ ﴿۷﴾ پھر تم سے اُس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ اُن کا کیا حق ادا کیا)۔ ﴿۸﴾

(۱) یعنی دُنیا سمیٹنے کی دھن میں لگ کر تم آخرت کو بھولے ہوئے ہو۔

(۲) جو لوگ جنت میں جائیں گے، انہیں بھی دوزخ دکھائی جائے گی، تاکہ انہیں جنت کی صحیح قدر معلوم ہو۔ دیکھئے سورۃ مریم (۱۹: ۷۱)۔

(۳) یعنی دُنیا میں جو نعمتیں میسر تھیں، اُن پر اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کیا؟ اور اُس کی کس طرح فرماں برداری کی؟

آیاتھا ۳ ۱۰۳ سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۳ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعَصْرِ ۱ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۲ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ  
ع تَوَصَّوْا بِالْحَقِّ ۳ وَتَوَصَّوْا بِالصَّبْرِ ۴

اس کی سورت میں تین آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

زمانے کی قسم، (۱) انسان درحقیقت بڑے گھائے میں ہے، (۲) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں، اور نیک عمل کریں، اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔ (۳)

(۱) یعنی زمانے کی تانخ اس بات کی گواہ ہے کہ جو لوگ ایمان اور نیک عمل سے محروم ہوتے ہیں، وہ بڑے گھائے میں ہیں۔ اس لئے کہ ایسی بہت سی قوموں کو دنیا ہی میں آسمانی عذاب کا سامنا کرنا پڑا، اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر خبردار کرتے رہے ہیں کہ اگر ایمان اور نیک عمل کی روش اختیار نہ کی گئی تو آخرت میں بڑا سخت عذاب انسان کا منتظر ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ خود نیک بن جانا ہی نجات کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ اپنے اپنے اثر و رسوخ کے دائرے میں دوسروں کو حق بات اور صبر کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہوں پر گزرا ہے، ”صبر“ قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کی دلی خواہشات اُسے کسی فریضے کی ادائیگی سے روک رہی ہوں، یا کسی گناہ پر آمادہ کر رہی ہوں، اُس وقت ان خواہشات کو کچلا جائے، اور جب کوئی ناگوار بات سامنے آئے تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض سے اپنے آپ کو روکا جائے۔ ہاں تقدیر کا شکوہ کئے بغیر اُس ناگوار چیز کے تذکرے کی جائز تدبیر کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ مزید دیکھئے سورہ آل عمران کی آخری آیت پر ہمارا حاشیہ۔

کراچی، شب ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

ایاتھا ۹ ﴿۱۰۴﴾ سُورَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ ﴿۱﴾ رُكُوعًا ۱ ﴿۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝۱ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝۲ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ  
 أَخْلَدَهُ ۝۳ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَّةِ ۝۴ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَّةُ ۝۵ نَارُ  
 اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝۶ الَّتِي تَطْلِعُ عَلَى الْآفِئَةِ ۝۷ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۝۸ فِي  
 عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

۱۰۴

اس کی سورت میں نو آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی خرابی ہے اُس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا، (اور) منہ پر طعنہ دینے  
 کا عادی ہو، ﴿۱﴾ جس نے مال اکٹھا کیا ہو، اور اُسے گنتا رہتا ہو، ﴿۲﴾ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا  
 مال اُسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ﴿۳﴾ ہرگز نہیں! اُس کو تو ایسی جگہ میں پھینکا جائے گا جو چورا  
 چورا کرنے والی ہے، ﴿۴﴾ اور تمہیں کیا معلوم وہ چورا چورا کرنے والی چیز کیا ہے؟ ﴿۵﴾  
 اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ﴿۶﴾ جو دلوں تک جا چڑھے گی! ﴿۷﴾ یقیناً جانو وہ اُن پر بند کر دی  
 جائے گی، ﴿۸﴾ جبکہ وہ (آگ کے) لمبے چوڑے ستونوں میں (گھرے ہوئے) ہوں  
 گے۔ ﴿۹﴾<sup>(۳)</sup>

(۱) پیٹھ پیچھے کسی کا عیب بیان کرنا غیبت ہے جسے سورہ حجرات (۱۲:۴۹) میں نہایت گھناؤنا گناہ قرار دیا گیا ہے،  
 اور کسی کے منہ پر طعنہ دینا جس سے اُس کی دل آزاری ہو، اُس سے بھی بڑا گناہ ہے۔

(۲) جائز طریقے سے مال حاصل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اُس کی ایسی محبت کہ ہر وقت انسان اُسی کی گنتی میں



لگا رہے، اُسے گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے، اور جب کسی شخص پر مال کی محبت اس طرح سوار ہو جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری ہر مشکل اسی مال کے ذریعے آسان ہوگی، اور وہ موت سے غافل ہو کر دنیا داری کے منصوبے اس طرح بناتا رہتا ہے جیسے یہ مال اُسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

(۳) اللہ بچائے، دوزخ میں آگ کے شعلے لمبے چوڑے ستونوں کی شکل میں ہوں گے، اور وہ چاروں طرف سے دوزخیوں کو اس طرح گھیر لیں گے کہ باہر نکلنے کا راستہ بند ہوگا۔

آیاتھا ۵ ۱۰۵ سُورَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۝۱ اَلَمْ یَجْعَلْ كِیْدَهُمْ فِیْ تَضَلِیْلٍ ۝۲  
وَ اَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۝۳ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝۴ وَ جَعَلَهُمْ  
كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ۝۵

۱۰۵

پانچ آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ ﴿۱﴾ کیا اُس نے ان لوگوں کی ساری چالیں بیکار نہیں کر دی تھیں؟ ﴿۲﴾ اور اُن پر غول کے غول پرندے چھوڑ دیئے تھے، ﴿۳﴾ جو اُن پر پکی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، ﴿۴﴾ چنانچہ انہیں ایسا کر ڈالا جیسے کھایا ہوا بھوسا! ﴿۵﴾

(۱) یہ ابرہہ کے لشکر کی طرف اشارہ ہے جو کعبے پر چڑھائی کرنے کے لئے ہاتھیوں پر سوار ہو کر آیا تھا۔ ابرہہ یمن کا حکمران تھا، اور اُس نے یمن میں ایک عالیشان کلیسا تعمیر کر کے یمن کے لوگوں میں یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ کوئی شخص حج کے لئے مکہ مکرمہ نہ جائے، اور اسی کلیسا کو بیت اللہ سمجھے۔ عرب کے لوگ اگرچہ بت پرست تھے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم و تبلیغ سے کعبے کی عظمت اُن کے دلوں میں پیوست تھی، اس اعلان سے اُن میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی، اور اُن میں سے کسی نے رات کے وقت اُس کلیسا میں جا کر گندگی پھیلا دی، اور بعض روایتوں میں ہے کہ اُس کے کچھ حصے میں آگ بھی لگائی۔ ابرہہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے مکہ مکرمہ کا رخ کیا، راستے میں عرب کے کئی قبیلوں نے اُس سے جنگ کی، لیکن ابرہہ کے لشکر کے ہاتھوں انہیں شکست ہوئی۔ آخر کار یہ لشکر مکہ مکرمہ کے قریب مغمس نامی ایک جگہ تک پہنچ گیا۔ لیکن جب اگلی صبح اُس نے بیت اللہ کی طرف بڑھنا چاہا تو اُس کے ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، اور اسی وقت سمندر کی طرف سے

عجیب و غریب قسم کے پرندوں کا ایک غول آیا اور پورے لشکر پر چھا گیا۔ ہر پرندے کی چونچ میں تین تین کنکرتھے جو انہوں نے لشکر کے لوگوں پر برسائے۔ ان کنکروں نے لشکر کے لوگوں پر وہ کام کیا جو بارودی گولی بھی نہیں کر سکتی۔ جس پر بھی یہ کنکری لگتی، اُس کے پورے جسم کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر سارے ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے، لشکر کے سپاہیوں میں سے کچھ وہیں ہلاک ہو گئے، اور کچھ جو بھاگ نکلے، وہ راستے میں مرے، اور ابرہہ کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اُس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا۔ اسی حالت میں اُسے یمن لایا گیا، اور وہاں اُس کا سارا بدن بہہ بہہ کر ختم ہو گیا، اور اُس کی موت سب سے زیادہ عبرت ناک ہوئی۔ اُس کے دو ہاتھی بان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے جو اپانچ اور اندھے ہو گئے۔ یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے کچھ ہی پہلے پیش آیا تھا، اور حضرت عائشہ اور اُن کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے ان دو اندھے اپاہجوں کو دیکھا ہے۔ (تفصیلی واقعات کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن)۔

اس سورت میں اس واقعے کا تذکرہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے، اس لئے جو لوگ آپ کی دشمنی پر کمر باندھے ہوئے ہیں، آخر میں وہ بھی اصحاب الفیل کی طرح منہ کی کھائیں گے۔

﴿اٰیٰتِهَا ۲ سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ ۲۹ رُكُوْعًا ۱﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

لَا یَلْفُ قُرَیْشٌ ۱) الْفِھُمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّیْفِ ۖ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا

الْبَیْتِ ۚ ۲) الَّذِیْ اَطَعَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۚ وَآمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۚ ۳)

۱۰۶

چار آیتوں پر مشتمل یہ سورت کی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

چونکہ قریش کے لوگ عادی ہیں، ﴿۱﴾ یعنی وہ سردی اور گرمی کے موسموں میں (یعنی اور شام کے) سفر کرنے کے عادی ہیں، ﴿۲﴾ اس لئے انہیں چاہئے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں ﴿۳﴾ جس نے بھوک کی حالت میں انہیں کھانے کو دیا، اور بدامنی سے انہیں محفوظ رکھا۔ ﴿۴﴾

(۱) اس سورت کا پس منظر یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ کوئی شخص آزادی اور امن کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ راستے میں چور ڈاکو یا اُس کے دشمن قبیلے کے لوگ اُسے مارنے اور لوٹنے کے درپے رہتے تھے۔ لیکن قریش کا قبیلہ چونکہ بیت اللہ کے پاس رہتا تھا، اور اسی قبیلے کے لوگ بیت اللہ کی خدمت کرتے تھے، اس لئے سارے عرب کے لوگ اُن کی عزت کرتے تھے، اور جب وہ سفر کرتے تو کوئی انہیں لوٹتا نہیں تھا۔ اس وجہ سے قریش کے لوگوں کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی تجارت کی خاطر سردیوں میں یمن کا سفر کرتے تھے، اور گرمیوں میں شام جایا کرتے تھے۔ اسی تجارت سے اُن کا روزگار وابستہ تھا۔ اور اگرچہ مکہ مکرمہ میں نہ کھیت تھے، نہ باغ، لیکن انہی سفروں کی وجہ سے وہ خوشحال زندگی گزارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سورت میں انہیں یاد دلا رہے ہیں کہ اُن کو سارے عرب میں جو عزت حاصل ہے، اور جس کی وجہ سے وہ سردی اور گرمی میں آزادی سے تجارتی سفر کرتے ہیں، یہ سب کچھ اس بیت اللہ کی برکت ہے کہ اُس کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے سب اُن کا احترام کرتے ہیں۔

لہذا انہیں چاہئے کہ اس گھر کے مالک، یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں، اور بتوں کو پوجنا چھوڑیں، کیونکہ اسی گھر کی وجہ سے انہیں کھانے کو مل رہا ہے، اور اسی کی وجہ سے انہیں امن و امان کی نعمت ملی ہوئی ہے۔ اس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جس کسی شخص کو کسی دینی خصوصیت کی وجہ سے دنیا میں کوئی نعمت میسر ہو، اُسے دوسروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنی چاہئے۔

شب ۱۳ / رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

﴿آیتھا﴾ ۱۰۷ سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ ۱۷ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

أَمَّارَاتِ الْإِنْمَىٰ يَكْذِبُ بِالْإِذْنِ ۝ قَدْ لَكَ الْإِنْمَىٰ يَدُ الْيَتِيمِ ۝ وَلَا يَحْصُ عَلَىٰ  
طَعَامِ الْإِسْكِينِ ۝ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝  
الَّذِينَ هُمْ يُرْآءُونَ ۝ وَيَسْعُونَ الْمَاعُونَ ۝

ع  
۳۲

یہ مکی سورت سات آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کیا تم نے اُسے دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ ﴿۱﴾ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ﴿۲﴾ اور  
مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔ ﴿۳﴾ پھر بڑی خرابی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کی جو  
اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، ﴿۴-۵﴾ جو دکھاوا کرتے ہیں ﴿۶﴾ اور دُوروں کو معمولی  
چیز دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ ﴿۷﴾

(۱) کئی کافروں کے بارے میں روایت ہے کہ اُن کے پاس کوئی یتیم خستہ حالت میں کچھ مانگنے کو آیا تو انہوں  
نے اُسے دھکا دے کر نکال دیا۔ یہ عمل ہر ایک کے لئے انتہائی سنگدلی اور بڑا گناہ ہے، لیکن کافروں کا ذکر فرما کر  
اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہ کام اصل میں کافروں ہی کا ہے، کسی مسلمان سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

(۲) یعنی خود کو کسی غریب کی مدد کیا کرتا، دُوروں کو بھی ترغیب نہیں دیتا۔

(۳) نماز سے غفلت برتنے میں یہ بھی داخل ہے کہ نماز پڑھے ہی نہیں، اور یہ بھی کہ اُس کو صحیح طریقے سے  
نہ پڑھے۔

(۴) یعنی اگر پڑھتے بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے لوگوں کو دکھاوا کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ اصل  
میں تو یہ کام منافقوں کا تھا۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں جہاں یہ سورت نازل ہوئی، منافق موجود نہ ہوں، لیکن چونکہ

قرآن کریم عام احکام بیان فرماتا ہے، اور آئندہ ایسے منافق پیدا ہونے والے تھے، اس لئے ان گناہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۵) ”معمولی چیز“ قرآن کریم کے لفظ ”ماعون“ کا ترجمہ کیا گیا ہے، اسی لفظ کے نام پر سورت کا نام ماعون ہے۔ اصل میں ”ماعون“ اُن برتن کی معمولی چیزوں کو کہتے ہیں جو عام طور سے پڑوسی ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں، جیسے برتن وغیرہ۔ پھر ہر قسم کی معمولی چیز کو بھی ماعون کہہ دیتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہؓ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے اس کی تفسیر زکوٰۃ سے کی ہے، کیونکہ وہ بھی انسان کی دولت کا معمولی (چالیسواں) حصہ ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یہی فرمائی ہے کہ کوئی پڑوسی دوسرے سے کوئی برتن کی چیز مانگے تو انسان اُسے منع کرے۔

ایاتھا ۳ ۱۰۸ سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا آعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

تین آیتوں پر مشتمل یہ سورت مکی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(۱) اے پیغمبر! یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دی ہے، ﴿۱﴾ لہذا تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھو، اور قربانی کرو، ﴿۲﴾ یقین جانو تمہارا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے۔ ﴿۳﴾

(۱) ”کوثر“ کے لفظی معنی ہیں ”بہت زیادہ بھلائی“۔ اور کوثر جنت کی اُس حوض کا نام بھی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں دی جائے گی، اور آپ کی اُمت کے لوگ اُس سے سیراب ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ اُس حوض پر رکھے ہوئے برتن اتنے زیادہ ہوں گے جتنے آسمان کے ستارے۔ یہاں یہ لفظ اگر ”بہت زیادہ بھلائی“ کے معنی میں لیا جائے تو اُس بھلائی میں حوض کوثر بھی داخل ہے۔

(۲) قرآن کریم میں اصل لفظ ”اتر“ ہے، اس کے لفظی معنی ہیں: ”جسکی جڑ کٹی ہوئی ہو“ اور عرب کے لوگ اُس شخص کو اتر کہتے تھے جس کی نسل آگے نہ چلے، یعنی جس کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہو۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا انتقال ہوا تو آپ کے دشمنوں نے جن میں عاص بن وائل پیش پیش تھا، آپ کو یہ طعنہ دیا کہ معاذ اللہ آپ اتر ہیں، اور آپ کی نسل نہیں چلے گی۔ اُس کے جواب میں اس آیت نے فرمایا ہے کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے کوثر عطا فرمائی ہے، آپ کے مبارک ذکر اور آپ کے دین کو آگے چلانے والے تو بے شمار ہوں گے۔ اتر تو آپ کا دشمن ہے جس کا مرنے کے بعد نام و نشان بھی نہیں رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور آپ کی سیرت طیبہ تو الحمد للہ زندہ جاوید ہے، اور طعنے دینے والوں کو کوئی جانتا بھی نہیں، اور اگر کوئی اُن کا ذکر کرتا بھی ہے تو مدائی سے کرتا ہے۔



ایاتھا ۲ ۱۰۹ سُورَةُ الْكُفْرُونِ مَكِّيَّةٌ ۱۸ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا  
اَعْبُدُ ۝۳ وَلَا اَنَا عٰبِدُ مَا عَبَدْتُمْ ۝۴ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ  
۞ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

یہ مکی سورت چھ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تم کہہ دو کہ: ”اے حق کا انکار کرنے والو! ﴿۱﴾ میں اُن چیزوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم  
عبادت کرتے ہو، ﴿۲﴾ اور تم اُس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں، ﴿۳﴾  
اور نہ میں (آئندہ) اُس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی عبادت تم کرتے ہو، ﴿۴﴾ اور نہ تم  
اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ ﴿۵﴾ تمہارے لئے تمہارا دین  
ہے، اور میرے لئے میرا دین۔ ﴿۶﴾“

(۱) یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے جن میں ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل  
وغیرہ شامل تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی  
عبادت کر لیا کریں تو دوسرے سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کر لیں گے۔ کچھ اور لوگوں نے اسی قسم کی کچھ اور  
تجویزیں بھی پیش کیں جن کا خلاصہ یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی نہ کسی طرح ان کافروں کے طریقے پر  
عبادت کے لئے آمادہ ہو جائیں تو آپس میں صلح ہو سکتی ہے۔ اس سورت نے دونوں الفاظ میں واضح فرمادیا کہ  
کفر اور ایمان کے درمیان اس قسم کی کوئی مصالحت قابل قبول نہیں ہے جس سے حق اور باطل کا امتیاز ختم

ہو جائے، اور دین برحق میں کفر یا شرک کی ملاوٹ کر دی جائے۔ ہاں! اگر تم حق کو قبول نہیں کرتے تو تم اپنے دین پر عمل کرو جس کے نتائج تم خود جھگتو گے، اور میں اپنے دین پر عمل کروں گا، اور اُس کے نتائج کا میں ذمہ دار ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے کوئی ایسی مصالحت جائز نہیں ہے جس میں اُن کے دین کے شعائر کو اختیار کرنا پڑے۔ البتہ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے امن کا معاہدہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے سورہ انفال (۸:۶۱) میں فرمایا ہے۔

آیتھا ۳ ۱۱۰ سُورَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۴ رُكُوعًا ۱

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

وقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تین آیتوں پر مشتمل یہ سورت مدنی ہے

شروع اللہ کے نام سے جو صوب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے (۱) ﴿۱﴾ اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، ﴿۲﴾ تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اور اُس سے مغفرت مانگو۔ (۲) یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔ ﴿۳﴾

(۱) اس سے مراد مکہ مکرمہ کی فتح ہے، یعنی جب مکہ مکرمہ آپ کے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ زیادہ تر مفسرین کے مطابق یہ سورت فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس میں ایک طرف تو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا، اور اُس کے بعد عرب کے لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہوں گے، چنانچہ واقعہ بھی یہی ہوا، اور دوسری طرف چونکہ اسلام کے پھیل جانے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں تشریف لانے کا مقصد حاصل ہو جائے گا، اس لئے آپ کو دُنیا سے رخصت ہونے کی تیاری کے لئے حمد، تسبیح اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو اس میں دی ہوئی خوشخبری کی وجہ سے بہت سے صحابہ خوش ہوئے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسے سن کر رونے لگے، اور وجہ یہ بیان کی کہ اس سورت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا سے تشریف لے جانے کا وقت قریب آ رہا ہے۔

(۲) اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کے گناہوں سے بالکل پاک اور معصوم تھے، اور اگر آپ کی شان

کے لحاظ سے کوئی بھول چوک ہوئی بھی ہو تو سورہ فتح (۲:۴۸) میں اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی معاف کرنے کا اعلان فرمادیا تھا، اس کے باوجود آپ کو استغفار کی تلقین اُمت کو یہ بتانے کے لئے کی جارہی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کرنے کو کہا جا رہا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو تو اور زیادہ اہتمام کے ساتھ استغفار کرنا چاہئے۔

شب ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

آیات ۵ ۱۱۱ سُوْرَةُ الْهَبِ مَكِّيَّةٌ ۶ رُكُوْعًا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَتَبَّ ۱ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُٗ وَمَا کَسَبَ ۲ سَیَصْلٰی نَارًا  
ذَاتَ لَهَبٍ ۳ وَامْرَاَتُهُ ۴ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۵ فِیْ جِیْدٍ هَاجِلٍ مِّنْ مَّسَدٍ ۶

یہ مکی سورت پانچ آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

ہاتھ ابولہب کے برباد ہوں، اور وہ خود برباد ہو چکا ہے، ﴿۱﴾ اُس کی دولت اور اُس نے جو کمائی کی تھی، وہ اُس کے کچھ کام نہیں آئی۔ ﴿۲﴾ وہ بھڑکتے شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا، ﴿۳﴾ اور اُس کی بیوی بھی، لکڑیاں ڈھوتی ہوئی، ﴿۴﴾ اپنی گردن میں مونجھ کی رسی لئے ہوئے۔ ﴿۵﴾

(۱) ابولہب، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چچا تھا جو آپ کی دعوت اسلام کے بعد آپ کا دشمن ہو گیا تھا، اور طرح طرح سے آپ کو تکلیف پہنچاتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اپنے خاندان کے لوگوں کو صفا پہاڑ پر جمع فرما کر ان کو اسلام کی دعوت دی تو ابولہب نے یہ جملہ کہا تھا کہ: ”تَبَّتْ لَکَ الْهَذَا جَمْعَتُنَا“ یعنی ”بربادی ہو تمہاری! کیا اس کام کے لئے تم نے ہمیں جمع کیا تھا؟“ اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی، اور اس میں پہلے تو ابولہب کو بددعا دی گئی ہے کہ بربادی (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے، بلکہ ہاتھ ابولہب کے برباد ہوں۔ (عربی محاورے میں ہاتھوں کی بربادی کا مطلب انسان کی بربادی ہی ہوتا ہے) پھر فرمایا گیا ہے کہ وہ برباد ہو ہی گیا ہے، یعنی اُس کی بربادی اتنی یقینی ہے جیسے وہی چمکی۔ چنانچہ جنگ بدر کے سات دن بعد اُسے طاعون جیسی بیماری ہوئی جسے عدسہ کہتے ہیں، عرب کے لوگ چھوت چھات کے قائل تھے، اور جسے عدسہ کی بیماری ہوتی، اُسے ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں مر گیا، اور اُس کی لاش میں سخت بدبو پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ لوگوں نے کسی لکڑی کے سہارے اُسے ایک گڑھے میں دفن کیا (روح المعانی)۔

(۲) بھڑکتے شعلے کو عربی میں ”لہب“ کہتے ہیں۔ ابولہب بھی اُس کو اس لئے کہتے تھے کہ اُس کا چہرہ شعلے کی طرح سرخ تھا۔ قرآن کریم نے یہاں دوزخ کے شعلوں کے لئے یہی لفظ استعمال کر کے یہ لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ اُس کے نام میں بھی شعلے کا مفہوم داخل ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام بھی سورۃ اللہب ہے۔

(۳) ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل کہلاتی تھی، اور وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں اپنے شوہر کے ساتھ برابر کی شریک تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے دار لکڑیاں بچھا دیا کرتی تھی، اور آپ کو طرح طرح ستایا کرتی تھی۔

(۴) اس کا مطلب بعض مفسرین نے تو یہ بتایا ہے کہ وہ اگرچہ ایک باعزت گھرانے کی عورت تھی، لیکن اپنی کنجوسی کی وجہ سے ایندھن کی لکڑیاں خود ڈھو کر لاتی تھی، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں جو کانٹے دار لکڑیاں بچھاتی تھی، اُس کی طرف اشارہ ہے۔ ان دونوں صورتوں میں لکڑیاں ڈھونے کی یہ صفت دُنیا ہی سے متعلق ہے۔ اور بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ اُس کے دوزخ میں داخلے کی حالت بیان فرمائی گئی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ دوزخ میں لکڑیوں کا گٹھڑا اٹھائے داخل ہوگی۔ قرآن کریم کے الفاظ میں دونوں معنی ممکن ہیں، اور ہم نے جو ترجمہ کیا ہے، اُس میں بھی دونوں تفسیروں کی گنجائش موجود ہے۔

(۵) پہلی تفسیر کے مطابق جب یہ عورت لکڑیاں ڈھو کر لاتی تو اُن کو مونجھ کی رسی سے باندھ کر رسی کو اپنے گلے میں لپیٹ لیتی تھی۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق یہ بھی دوزخ میں داخلے کی کیفیت بیان ہو رہی ہے کہ اُس کے گلے میں مونجھ کی رسی کی طرح طوق پڑا ہوا ہوگا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

آیاتھا ۴ ۱۱۲ سُورَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَلَدٌ ۝۳

وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

۱۱۲

یہ کی سورت چار آیتوں پر مشتمل ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہہ دو: ”بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔“ ﴿۱﴾ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، ﴿۲﴾ نہ اُس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ ﴿۳﴾ اور اُس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔“ ﴿۴﴾

(۱) بعض کافروں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ آپ جس خدا کی عبادت کرتے ہیں، وہ کیا ہے؟ اُس کا حسب نسب بیان کر کے اُس کا تعارف تو کرایئے۔ اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (روح المعانی بحوالہ بیہقی و طبرانی وغیرہ)۔

(۲) یہ قرآن کریم کے لفظ ”اَحَدٌ“ کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صرف ”ایک“ کا لفظ اس کے پورے معنی ظاہر نہیں کرتا۔ ”ہر لحاظ سے ایک“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ذات اس طرح ایک ہے کہ اُس کے نہ اجزاء ہیں، نہ حصے ہیں، اور نہ اُس کی صفات کسی اور میں پائی جاتی ہیں۔ وہ اپنی ذات میں بھی ایک ہے، اور اپنی صفات میں بھی۔

(۳) یہ قرآن کریم کے لفظ ”الصَّمَدُ“ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس لفظ کا مفہوم بھی اُردو کے کسی ایک لفظ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ عربی میں ”صمد“ اُس کو کہتے ہیں جس سے سب لوگ اپنی مشکلات میں مدد لینے کے لئے رُجوع کرتے ہوں، اور سب اُس کے محتاج ہوں، اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو۔ عام طور سے اختصار کے پیش نظر اس لفظ کا ترجمہ ”بے نیاز“ کیا جاتا ہے، لیکن وہ اس کے صرف ایک پہلو کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن یہ پہلو

اُس میں نہیں آتا کہ سب اُس کے محتاج ہیں۔ اس لئے یہاں ایک لفظ سے ترجمہ کرنے کے بجائے اُس کا پورا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

(۴) یہ اُن لوگوں کی تردید ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے، یا حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

(۵) یعنی کوئی نہیں ہے جو کسی معاملے میں اُس کی برابری یا ہمسری کر سکے۔ اس سورت کی ان چار مختصر آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو انتہائی جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت میں اُن کی تردید ہے جو ایک سے زیادہ خداؤں کے قائل ہیں۔ دوسری آیت میں اُن کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود کسی اور کو اپنا مشکل کشا، کارساز یا حاجت روا قرار دیتے ہیں۔ تیسری آیت میں اُن کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں، اور چوتھی آیت میں اُن لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت میں کسی اور کی برابری کے قائل ہیں، مثلاً بعض مجوسیوں کا کہنا یہ تھا کہ روشنی کا خالق کوئی اور ہے، اور اندھیرے کا خالق کوئی اور، یا بھلائی پیدا کرنے والا اور ہے، اور بُرائی پیدا کرنے والا کوئی اور۔ اس طرح اس مختصر سورت نے شرک کی تمام صورتوں کو باطل قرار دے کر خالص توحید ثابت کی ہے۔ اسی لئے اس سورت کو سورۃِ اخلاص کہا جاتا ہے، اور ایک صحیح حدیث میں اس کو قرآنِ کریم کا ایک تہائی حصہ قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے بنیادی طور پر تین عقیدوں پر زور دیا ہے: توحید، رسالت اور آخرت۔ اور اس سورت نے ان میں سے توحید کے عقیدے کی پوری وضاحت فرمائی ہے۔ اس سورت کی تلاوت کے بھی احادیث میں بہت فضائل آئے ہیں۔



آیتھا ۵ ۱۱۳ سُورَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ ۲۰ دُكُوعُهَا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ③  
وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ⑤

ع ۳۸

یہ مدنی سورت ہے، اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہو<sup>(۱)</sup> کہ: ”میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں، ﴿۱﴾ ہر اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہے، ﴿۲﴾ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ پھیل جائے، ﴿۳﴾ اور اُن جانوں کے شر سے جو (گنڈے کی) گرہوں میں پھونک مارتی ہیں ﴿۴﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔“ ﴿۵﴾

(۱) قرآن کریم کی یہ آخری دو سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اُس وقت نازل ہوئی تھیں جب کچھ یہودیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے کی کوشش کی تھی، اور اُس کے کچھ اثرات آپ پر ظاہر بھی ہوئے تھے۔ ان سورتوں میں آپ کو جادو ٹوٹنے سے حفاظت کے لئے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اور کئی احادیث سے ثابت ہے کہ ان سورتوں کی تلاوت اور اُن سے دم کرنا جادو کے اثرات دُور کرنے کے لئے بہترین عمل ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے ان سورتوں کی تلاوت کر کے اپنے مبارک ہاتھوں پر دم کرتے، اور پھر ان ہاتھوں کو پورے جسم پر پھیر لیتے تھے۔

(۲) اندھیری رات کے شر سے خاص طور پر اس لئے پناہ مانگی گئی ہے کہ عام طور پر جادو گروں کی کارروائیاں رات کے اندھیرے میں ہوا کرتی ہیں۔

(۳) ”جانوں“ کے لفظ میں مرد اور عورت دونوں داخل ہیں۔ جادوگر مرد ہوں یا عورت، دھاگے کے گنڈے بنا کر اُس میں گرہیں لگاتے جاتے ہیں، اور اُن پر کچھ پڑھ کر پھونکتے رہتے ہیں۔ اُن کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

آیتھا ۶ سُورَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ ۲۱ رُكُوعًا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② إِلَهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ  
الْخَنَّاسِ ④ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥

ع ۳۹

یہ آخری سورت بھی مدنی ہے، اور اس میں چھ آیتیں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہو: ”میں پناہ مانگتا ہوں سب لوگوں کے پروردگار کی، ﴿۱﴾ سب لوگوں کے بادشاہ کی، ﴿۲﴾ سب لوگوں کے معبود کی، ﴿۳﴾ اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے کو چھپ جاتا ہے ﴿۴﴾ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، ﴿۵﴾ چاہے وہ جنات میں سے ہو، یا انسانوں میں سے۔“ ﴿۶﴾

(۱) پچھلی سورت کا حاشیہ نمبر ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو سب کا پروردگار بھی ہے، صحیح معنی میں سب کا بادشاہ بھی، اور سب کا معبود حقیقی بھی۔

(۳) ایک مستند حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: ”جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے، اُس کے دل پر وسوسہ ڈالنے والا (شیطان) مسلط ہو جاتا ہے۔ جب وہ ہوش میں آ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو یہ وسوسہ ڈالنے والا پیچھے کو دبک جاتا ہے، اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو دوبارہ آ کر وسوسے ڈالتا ہے۔“ (روح المعانی، بحوالہ حاکم وابن المنذر ورضاء)۔

(۴) قرآن کریم نے سورہ انعام (۶: ۱۱۲) میں بتایا ہے کہ شیطان جنات میں سے بھی ہوتے ہیں، اور انسانوں میں سے بھی۔ البتہ شیطان جو جنات میں سے ہے، وہ نظر نہیں آتا، اور دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، لیکن انسانوں میں سے جو شیطان ہوتے ہیں، وہ نظر آتے ہیں، اور اُن کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں سن کر انسان کے دل

میں طرح طرح کے بُرے خیالات اور وسوسے آجاتے ہیں۔ اس لئے اس آیت کریمہ میں دونوں قسم کے وسوسہ ڈالنے والوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔

ان آیتوں میں اگرچہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی طاقت کا ذکر فرمایا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین کر کے یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اُس کا ذکر کرنے سے وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، نیز سورہ نساء (۷۶:۴) میں فرمایا گیا ہے کہ اُس کی چالیں کمزور ہیں، اور اُس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ انسان کو گناہ پر مجبور کر سکے۔ سورہ ابراہیم (۲۲:۱۴) میں خود اُس کا یہ اعتراف اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ مجھے انسانوں پر کوئی اقتدار حاصل نہیں۔ یہ تو انسان کی ایک آزمائش ہے کہ وہ انسان کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جو بندہ اُس کے بہکائے میں آنے سے انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لے تو شیطان اُس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

قرآن کریم کا آغاز سورہ فاتحہ سے ہوا تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اللہ تعالیٰ ہی سے سیدھے راستے کی ہدایت کی دعا کی گئی ہے، اور اختتام سورہ ناس پر ہوا ہے جس میں شیطان کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، کیونکہ سیدھے راستے پر چلنے میں اُس کے شر سے جو رکاوٹ پیدا ہو سکتی تھی، اُسے دور کرنے کا طریقہ بتادیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس اور شیطان دونوں کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور توفیق سے آج رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کی سترہویں شب میں (بروز چہار شنبہ ۱۸ ستمبر ۲۰۰۸ء) قرآن کریم کی اس خدمت کو تکمیل تک پہنچایا۔ یا اللہ! کوئی زبان اور کوئی قلم آپ کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں کہ آپ نے ایک ذرّہ بے مقدار کو اپنے کلام مجید کی اس خدمت کی سعادت بخشی۔ یا اللہ! جب آپ نے یہ توفیق عطا فرمائی تو خالص اپنے فضل و کرم ہی سے اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیجئے، اس کو اس ناکارہ مترجم کے لئے قبر سے لے کر حشر و نشر تک کے تمام مراحل آسان فرما کر آخرت کا ذخیرہ بنا دیجئے، اور اُس کے ذریعے پڑھنے والوں کے دل میں قرآن کریم کو سمجھنے، اُس پر عمل کرنے اور اُس کے مقدس پیغام کو عام کرنے کا داعیہ پیدا فرما دیجئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رِبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَجَلَاءَ اَحْزَانِنَا وَذَهَابَ هُمُوْمِنَا، وَاَنْ تُخَلِّطَهُ بِلُحُوْمِنَا وَدِمَائِنَا وَاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَتَسْتَعْمِلَ بِهِ اَجْسَادَنَا، وَاَنْ تُدَكِّرَنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا وَتُعَلِّمَنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا، وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهُ اَنَاءَ اللَّيْلِ وَاَنَاءَ النَّهَارِ، وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَّارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَصَلِّ اللّٰهُمَّ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ، الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ، وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰی كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اٰمِيْن يَّارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔



## تصدیق نامہ

میں نے ”مکتبہ شریعت دار الفکر لاہور“ کے مطبوعہ قرآن پاک مترجم بنام ”توضیح القرآن“ (آسان ترجمہ قرآن) کے عربی متن کو بغور پڑھا، الحمد للہ! بہت معیاری اور صحیح کتابت کرائی گئی ہے۔  
تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ قرآن پاک کے عربی متن میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

مولوی محمد اللہ وسایا خان بلوچ  
مستند پروف ریڈر وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد

رویس محمد علی محمد خان لاہور



المصدق

محمد علی

(مولانا حافظ) محمد ایوب بندھانی  
ریسرچ اینڈ ریسرچ اینڈ آئیٹریٹنگ آفیسر عہدہ اوقاف سندھ